افسونِ جاں

اوّل

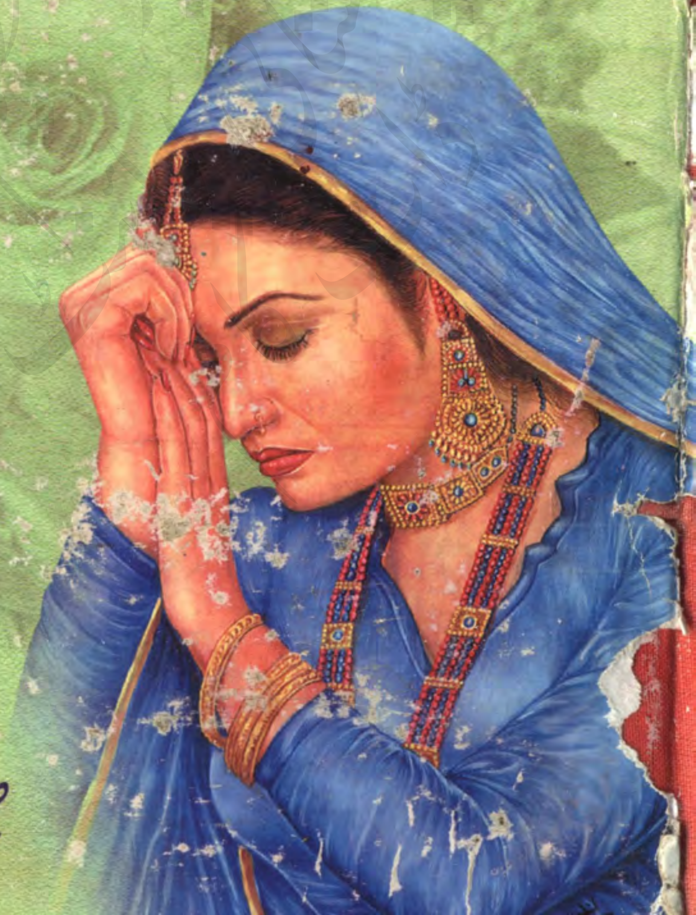

عُشنا کوثر سردار

عکس در عکس.....!

"افسونِ جاں" عشنا کوثر سردار کی زندگی کا سفر اور اس کا دوسرا پڑاؤ ـــــ اس ناول کے بارے میں اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ یہ ناول پہلے ناول "اے شمع کوئے جاناں" کے بعد ایک نیا "معرکہ" تھا۔ مجھے اس پہلے ناول کی مقبولیت کا اندازہ تھا سو اسے ہر طور اس سے بہت مختلف اور کچھ خاص جدت سے ہمکنار کرنا تھا۔

"اے شمع کوئے جاناں" کی مقبولیت اپنی جگہ ـــــ میرے پڑھنے والوں کی پسندیدگی اپنی جگہ مگر اِس ناول کے کردار اور کہانی اُس ناول سے کہیں زیادہ گہرائی لئے ہوئے ہے۔

کرداروں کا بیان، طرزِ زندگی، ان کی فطری طبیعت اور مزاج کا عکاس ہے۔

ہمارے اردگرد ہر طرح کے کردار ملتے ہیں اور آنکھیں کئی طرح کے کرداروں کو دیکھتی ہیں، ان سے ملتی ہیں۔ اس ناول کے کردار جیتے جاگتے تھے۔ انہیں میں نے اپنی سوچ میں ـــــ اپنے آس پاس ـــــ اپنے ساتھ ساتھ ـــــ اندر کہیں چلتے ہوئے دیکھا۔

یہ کردار اس معاشرے میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں ـــــ اپنے فطری رنگوں کے ساتھ۔

میں نے حقیقت سے الگ ہو کر کچھ نہیں لکھا۔ آج بھی جہاں خواتین رائٹرز کا نام لیا جاتا ہے وہیں حقیقت سے بہت دور ـــــ خیالی ہواؤں سے باتیں کرتی ہوئی کہانیاں یاد آتی ہیں۔ پڑھنے والوں کے ذہن سے خواتین رائٹرز کی رومانوی کہانیوں کا اثر کبھی ٹوٹ نہیں پایا ـــــ نہ ہی وہ تاثر بدل پایا کہ ایک لڑکی کا قلم حقیقت سے منسلک باتوں کو بھی زیرِ قلم لا سکتا ہے۔

محبت میری ہر کہانی کا "جز" بھی ہوتی ہے اور "کل" بھی۔ میں محبت کے بنا سانس نہیں لے سکتی۔ سو میرے قلم کا ناطہ محبت سے نہ ٹوٹ سکتا ہے نہ ٹوٹے گا ـــــ اس ناول کے کردار محبت سے گندھے ہیں۔ محبت کہتے ہیں ـــــ محبت سنتے ہیں ـــــ محبت لکھتے ہیں ـــــ محبت پڑھتے ہیں۔

پہلے ناول کی طرح اس ناول کا "کل" اور "جز" بھی محبت ہی ہے۔

"افسونِ جاں" ایسا افسوں جو جان سے لپٹا رہے۔ اور ایسا جادو صرف محبت ہے۔

شاید کہیں کہیں پڑھنے والوں کو اس ناول کے کردار کچھ اُلجھے دکھائی دیں تو محبت ایسی ہی ہے ـــــ کچھ اُلجھی ـــــ کچھ سلجھی۔

محبت کتنی بھی پرانی ہو، اپنے اندر نیا پن رکھتی ہے ـــــــ
اور اس نئے پن کا، جنت کا حصہ ہر کردار بھی ہے۔

اور ان کرداروں کا حصہ آپ بھی یقیناً بننا چاہیں گے۔ پہلے کی بات اور تھی، میں کچھ بھی ایک حد سے آگے دیکھ نہیں پاتی تھی۔ مگر ایک وقت آتا ہے جب نگاہ مظاہر دیکھنے اور دکھائی دیئے والے مناظر سے بہت آگے دیکھنے لگتی ہے۔

میں نے اس اندر کی آنکھ سے ان کرداروں کو بہت دور سے دیکھا مگر مجھے سب کچھ بہت واضح دکھائی دیا۔

گمان نہیں یقین ہے ـــــــ جب آپ ان کرداروں کو پڑھیں گے تو آپ کی دلچسپی آخر تک برقرار رہے گی۔ آج اس ناول کی بات تھی شاید کل کسی اور ناول کی بات میں آپ سے کر رہی ہوں۔ کڑی سے کڑی ملتی ہے۔ مگر محبت کی یہ کہانیاں نہ ختم ہونے والی ہیں۔ سو میرے اندر کی نگاہ ان کرداروں کو دیکھتی رہے گی اور آپ تک پہنچاتی رہے گی۔ اب تک کا سفر ـــــــ یہیں تک ـــــــ کل تک کی کسی نئی بات کے لئے۔

عشنا کوثر سردار
5/4/2007

ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیاں بالیاں بڑے مدھر سُر بکھیر رہی تھیں۔ گا ہے بگا ہے ہنسی کے جلترنگ فضا کو مزید پُرکیف کر رہے تھے۔ گھر کی آرائش کے لئے استعمال کئے گئے تازہ موگرے اور گیندے کے پھولوں کی مہک سے چار سمت ایک جادو سا پھیلا ہوا تھا۔ فارحہ مختلف امور کی ادائیگی کے سبب بڑی عجلت میں یہاں سے وہاں آ جا رہی تھیں۔ ابھی کچھ ہی دیر میں اکلوتی بیٹی کی رسمِ مایوں تھی۔ مگر ان کے چہرے پر خوشی اور شادمانی کی بجائے آنکھوں میں ایک گہرا سکوت ٹھہرا ہوا تھا۔

بڑے نپے تلے قدم اٹھاتی، وہ تمام امور انجام دیتی ہوئی ایک رسمی سی مسکراہٹ سجائے سب سے مل رہی تھیں۔ مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتیں، رشتے کی ایک بزرگ نے ان کے قریب آ کر اپنا چہرہ کان کے قریب لا کر کوئی مدھم سی سرگوشی کی تھی۔ فارحہ کے چہرے کی کیفیت پل کے پل میں متغیر ہوئی تھی۔ اس سے قبل کہ سید اذہان حسن بخاری ماں کی جانب متوجہ ہوتا یا اس کی کیفیت کو سمجھتا، کوئی لیونگ روم میں داخل ہوا تھا۔ فارحہ کی پتھرائی نظریں اس جانب تک رہی تھیں۔ آنے والے کے قدموں کی آہٹیں چار سمت پھیلے شور میں کہیں مدغم ہو گئی تھیں مگر اس کے باوجود دیکھنے والی کتنی نظریں اس سمت اٹھی تھیں۔ کتنے چہرے حیرت سے تکتے چلے گئے تھے۔ ہر نگاہ کیسی ساکت تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے ساکت نظروں سے اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر رکے لمبے چوڑے تنومند جسامت کے مالک سید سعد حسن بخاری کی جانب دیکھا تھا۔ پُرتحیر نگاہ یقین سے خالی تھی۔ کس قدر حیرت سے وہ اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ سامنے کھڑا وجود اجنبی نہ تھا۔ نہ ہی وہ اس حقیقت سے آنکھیں پھیر کر چہرے کا رخ بدل سکتا تھا۔ حقیقت کڑوے سچ کی مانند اس کے سامنے تھی۔ کتنا قریبی تعلق تھا۔ کس قدر مضبوط رشتہ۔ مگر وہ غرور سے تنی گردن، وہ تفاخر سے بھری آنکھیں کس قدر اجنبی تھیں اس گھڑی۔ کسی رتی بھر ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔ پہلو میں کھڑا پیکر کس قدر دلربا تھا۔ سنگ مرمر سا تراشیدہ جسم، شیفون کی سرخ ساڑھی میں ملبوس، قیامت سی قیامت تھی کوئی۔ شگفتہ چہرہ، خوشبو سا پیکر، چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں، قاتل ادائیں۔ عمر میں سید سعد حسن سے آدھی تو ضرور تھی مگر سعد حسن بخاری کا سر کیسے فخر سے تنا ہوا تھا۔ جیسے وہ ایک عالم کو فتح کر چکے ہوں۔ ایک جہان ان کی مٹھی میں ہو۔ کیسی چمک تھی آنکھوں میں۔

فارحہ ایک ٹک تکتی جا رہی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری کی سرخ رنگ آنکھیں کس قدر حیرت سے اس گھڑی اپنے باپ کو دیکھ رہی تھیں جیسے یہ سب اس کی توقع کے برخلاف ہوا تھا۔ پیشانی کی رگیں کس درجہ تن گئی تھیں۔ مگر اس سے قبل کہ وہ کوئی اقدام کرتا یا پیش قدمی کرتا ہوا باپ کے مقابل جا ٹھہرتا، اس کے پہلو میں کھڑی فارحہ یکدم لڑکھڑائی

تھیں۔ اس نے فوراً ماں کو سنبھالا تھا۔ شادی والے گھر میں یکدم ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔

ڈھولک کی آواز دم توڑ گئی تھی۔ قہقہے سناٹوں کی زد میں آ گئے تھے۔ سہاگ کے گیت کہیں حلق میں ﻉ گھٹ گئے تھے۔ تازہ موگرے اور گیندے کے پھولوں کی خوشبو پل میں ماند پڑ گئی تھی۔ رسمِ اُبٹن کی منتظر ما کی نظریں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری ماں کے وجود کو اٹھا کر ایک پل میں کمرے میں آیا تھا او پھر دوجے ہی پل پلٹ کر انتہائی سرعت سے فیملی ڈاکٹر کا نمبر ملانے لگا تھا۔ خاندان بھر کی خواتین فارحہ ک ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی تھیں۔ ساتھ ساتھ چہ میگوئیاں بھی جاری تھیں۔

”ہائے، ہائے ـــــ ایسی کہانی تو سنی نہ دیکھی۔ توبہ استغفار۔“ کسی خاتون نے کہا تھا۔

”بے شرمی کی حد ہے ـــــ سعد بھائی کو کم از کم اپنی عمر کا ہی لحاظ کرنا چاہیے تھا۔“ کسی دوسر خاتون نے بھی حصہ لیا تھا۔

”اتنا انتہائی اقدام اور وہ بھی عین بیٹی کی شادی والے دن ـــــ توبہ، توبہ۔ غیرت مر گئی باپ کی تو۔“ ایک مزید اظہارِ افسوس ہوا تھا۔

”اللہ میری توبہ ـــــ اتنی جواں سال دُلہن ـــــ اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکی سے بیاہ کرنے سے پہلے سعد حسن بخاری کو چلو بھر پانی نہ ملا۔“ ایک مزید ہمدردی۔

”ارے جانے کیا سلسلہ چلتا رہا ـــــ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یہ جو آج ہوا یکدم تو نہ ہوا ہوگا۔ پیچھے کتنز طویل کہانی ہوگی۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔“ ایک بزرگ عورت نے دور کی کوڑی ڈھونڈی۔

”اے ہاں ـــــ یہ جو فارحہ بیگم گھنی بنی بیٹھی تھیں، کچھ کہتی سنتی تو آج یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا ـــــ جانے کیا کھیر پکائی ماں بیٹے نے اندر ہی اندر۔ اب بھگت رہے ہیں نا چپ چاپ۔“ ایک مزید انکشاف۔

”اے خالہ! بھلا اس میں فارحہ کا کیا قصور ـــــ بے چاری کتنی اُلجھی اُلجھی سی دکھائی دے رہی تھی اتنے دنوں سے۔ دریافت کیا بھی تو مسکرا کر ٹال گئیں۔ اب اپنے گھر کی بدنامی کون چاہتا ہے؟ ـــــ و بے چاری تو مجبوراً چپ سادھے ہوئے تھی شاید۔“ کسی ایک خاتون نے ہمدردی کی۔

”اے ہاں ـــــ قبر کا حال تو مُردہ ہی جانتا ہے ـــــ کیسی ہنستی بستی گھر گرہستی تھی۔ کون جانتا تھ ایسا بھی دیکھنا ہوگا۔“

”فار گاڈ سیک ـــــ چپ کریں گی آپ؟“ ماہا نے ماں کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرتے ہوئے ان سب خواتین کو دیکھا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز اور برہم نظروں میں گہرا اضطراب تیر رہا تھا۔ بولنے والی خواتین چپ ہو گئی تھیں۔

”آپ لوگ پلیز باہر جائیے۔“ اذہان حسن بخاری نے آگے بڑھ کر قدرے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ خواتین نے اس پُرسکوت چہرے والے لڑکے کو دیکھا پھر باری باری اُٹھ کر باہر نکلنے لگی تھیں۔ کمرہ خالی ہ گیا تھا۔ ماہا نے سر اٹھا کر بھائی کو دیکھا تھا۔ آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری ہوئی تھیں ـــــ اذہان حسن بخاری نے بہن کو دیکھا تھا پھر دو قدم آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اپنا بھاری مضبوط ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا اور خاموشی سے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔ مگر پانی ایک تواتر سے پلکوں کے بند توڑتا ہو

ہہ نکلا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے پُر تناؤ چہرے اور بھنچے ہوئے ہونٹوں سے ماں کو دیکھا تھا جن کی پلکیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔ یقیناً وہ ہوش میں آ رہی تھیں۔

دونوں بہن بھائی دوجے ہی لمحے ماں پر جھکے تھے۔

”ممی! ـــــ آپ ٹھیک ہیں نا؟“ اذہان حسن بخاری کی بھاری آواز اُبھری تھی۔ فارحہ نے خاموش نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ بہت چپکے سے ان کی آنکھوں کے کناروں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہو گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری کی آنکھوں کا اضطراب دوچند ہو گیا تھا۔ بہت ہولے سے وہ عجب بے بسی کے ساتھ ماں پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا۔ تبھی فیض بخاری، ڈاکٹر عزیر کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ اذہان حسن بخاری، چاچا کی آمد پر پلٹا تھا۔ فیض بخاری نے لمبے چوڑے بھتیجے کے کندھے پر فقط ہاتھ رکھ کر حوصلہ بندھایا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے فقط خاموشی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ فیض بخاری کی آمد سے اسے کسی قدر ڈھارس بندھی تھی۔ ڈاکٹر عزیر فارحہ کا چیک اپ کرنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک خاموش نظر ماں پر ڈالی تھی۔ ایک لمحے میں ہی وہ نڈھال سی لگ رہی تھیں۔ ماں کی حالت پر اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔

”پریشانی کی تو کوئی بات نہیں عزیر؟“

”نہیں ـــــ مگر میں کچھ دوائیں لکھ رہا ہوں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

عزیر اس کا دوست تھا۔ اپنے سے قریب لوگوں کو اس لمحے اپنے سامنے پا کر اسے قدرے ڈھارس ہوئی تھی۔ تبھی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ اس کا انداز کسی قدر جارحانہ تھا۔ فیض بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔

”اذہان! تم کوئی ایسا اقدام نہیں کرو گے جس سے مزید کوئی تماشا بنے۔“ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان سے خاصے فاصلے پر تھا، جب وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تھے۔ مگر اذہان حسن بخاری نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے جیسے وہ ساری دنیا کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر حد درجہ تناؤ تھا۔ فیض بخاری نے اسے اس سے قبل اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یقیناً اس کی خاموشی میں بہت سے طوفان پل رہے تھے۔ ایک الاؤ میں اس کا سارا اندر جل رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے بیٹا باپ کے مقابل کھڑا ہو اور صورتِ حال مزید بگڑ جائے۔ تبھی اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہتے تھے۔

”اذہان! تم جوش سے کام لے رہے ہو ـــــ بھابی کی حالت تم دیکھ رہے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ صورتِ حال مزید بگڑ جائے؟“ اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بولے تھے مگر اذہان حسن بخاری نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

”اذہان! تمہیں بھابی کی قسم ہے ـــــ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے جس سے بھابی کو مزید دکھ پہنچے۔“

اذہان حسن بخاری کے قدم تھمے تھے اور وہ عجب ایک بے بسی کے ساتھ خون رنگ آنکھوں سے چاچ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فیض بخاری نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا او

پھر اسے بغور تکتے ہوئے بولے تھے۔

"ازہان! میرے بچے! غصہ یا پھر کوئی شدید ردعمل اس لمحے کا تقاضا نہیں ہے۔ بھائی جی نے جو بھی اچھا نہیں کیا۔ مگر اب تمہارے ان کے سامنے ڈٹ جانے یا پھر غم و غصہ دکھانے سے کیا اس کا ازالہ ہو گا؟ جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ تمہارے مدمقابل آنے کا ہی ایک شدید ردِعمل ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا تم نے غلط کیا۔ یقیناً تم بھی حق پر تھے۔ کوئی بھی جوان، خردمند بیٹا ایسا ہی ردعمل ظاہر کرتا۔ لیکن بھائی نے بھی حد کر دی۔ یہ تناؤ مزید بڑھے گا ازہان! کیونکہ یہ انا پرستی اور ہٹ دھرمی کی جنگ ہے۔ جس پر بھا جی حق پر نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو حق پر محسوس کر رہے ہیں — اور المیہ یہ ہے کہ ہم ان کی اس سو نظریے کو قطعاً نہیں بدل سکتے۔ اس لئے نہیں کہ وہ غلط ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ اس لمحے وہ سمجھتے ہوئے سمجھ نہیں پا رہے اور دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہے ہیں۔ عقل اندھی ہو چکی ہے ان کی اور ایسا سب ا لڑکی کے باعث ہے۔ عشق کا بھوت سوار ہے ان کے سر پر۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی باپ ایسا کوئی اقد کرنے کے متعلق سوچتا جیسا انہوں نے کیا۔"

ازہان حسن بخاری، چاچا کے مدھم لہجے پر بہت ہولے سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ اس کے اند میں ایک عجیب طرح کی بے بسی تھی اور آنکھوں کی ویرانیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ وحشتیں دوچند ہو گئی تھیں۔

فیض بخاری نے بھتیجے کے ہتھیار ڈالنے والے انداز کو دیکھا تھا، پھر قدرے ملائمت سے بولے تھے۔

"بہت قوی اعصاب کا مالک ہے میرا بچہ — مجھے امید ہے تم اس تمام صورتِ حال پر قابو پا لو اور تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں کر لو گے۔ میں نے بھائی جی سے بات کر لی ہے۔ وہ یہاں نہیں ر گے۔ فی الحال یہی ان کے اور تمہارے حق میں بہتر ہے۔ آگے کی صورت حال پر ماہا کی شادی کے سوچیں گے۔ پہلے یہ فریضہ بخیر و عافیت سرانجام پا جانے دو۔ باپ نے ناسمجھی کا ثبوت دیا مگر تم بھائی ہو صورتِ حال کو سنبھال سکتے ہو — سوچو تو اس وقت بھائی بھی تم ہو اور باپ بھی۔ اپنے حقوق کی من سے بھائی جی ہاتھ کھینچ چکے ہیں تو یہ فرض تم پر عائد ہوتا ہے کہ تم مکمل عقل مندی سے ان معاملات کو نمٹاؤ۔"

ازہان حسن بخاری ایک لمبا چوڑا شخص، عجب بے بسی سے سر جھکائے اس گھڑی چاچا کے سامنے ک تھا۔ عزیر فرسٹ ایڈ باکس لئے چلتا ہوا راہداری میں کھڑے فیض بخاری اور ازہان حسن بخاری کے قر رکا تھا۔

"اینی پرابلم عزیر —؟" فیض بخاری نے اس کی سمت دیکھا۔

"نو بھائی جان! — میں نے نیند کا انجکشن دے دیا ہے۔ بھابی سو رہی ہیں — کچھ اسٹر تھی۔ انہیں سکون کی ضرورت ہے۔" عزیر نے کہتے ہوئے دوست کی جانب دیکھا تھا۔ وہ باہر کا بندہ تھا کہ اس سے کچھ چھپایا جاتا۔ اُن کا قریبی عزیز تھا۔ وہ تمام صورتِ حال سے واقف تھا۔ بچپن سے ا گھر میں آ جا رہا تھا۔ سید ازہان حسن بخاری کی زندگی کا کوئی صفحہ اس سے پوشیدہ نہ تھا۔ اس گھڑی بھی کچھ کہے اس نے ازہان کے کندھے پر ہاتھ دھرا تھا، آنکھوں سے ہمت بندھائی تھی مگر وہ کچھ نہیں بولا ت تبھی عزیر نے اجازت چاہی تھی۔

"چلتا ہوں — بھابی کو دوا باقاعدگی سے دینا اور ضرورت پڑے تو فون کر لینا۔ ورنہ فیض بھائی تو یہاں پر۔" عزیر اجازت طلب کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ ازہان اس گھڑی وہیں رکا ہوا تھا جب رشتے ایک خالہ وہاں آئی تھیں۔

"فارحہ ٹھیک ہیں اب؟"

"جی بس دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی ہیں۔ آپ......" فیض بخاری ابھی کچھ بولنے والے تھے جب غریٰ خالہ انہیں ایک طرف لے گئی تھیں۔ پھر قدرے مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"فیض بھائی! صورت حال تو مزید بگڑ گئی ہے — جو کچھ بھی ہوا اچھا نہیں ہوا۔ جس گھڑی سعد ائی اپنی نئی نویلی دُلہن کے ساتھ یہاں موجود تھے تبھی ماہا کی سسرال رسم کے لئے آ گئی اور خاندان کی اتین سے خدا کی پناہ۔ انہوں نے ساری صورتِ حال ان لوگوں کے گوش گزار کر دی ہے۔ ماہا کی ساس ر دیگر سسرالی شدید ترین غصے میں ہیں۔ خاندان کے تمام بزرگ حضرات اور مرد انہیں سمجھانے اور قائل رنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں مگر وہ ہیں کہ غصے کا اظہار کئے جا رہے ہیں — ہم اپنے طور پر ورتِ حال سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ آپ لوگوں کو بھی اس لئے مطلع نہیں کیا کہ فارحہ کی الت بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ پھر ہمیں صورتِ حال کے اس درجہ بگڑنے کی اُمید بھی نہ تھی۔ ماہا ہماری بھی بچی ہے۔ ہم ان لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جو کچھ بھی ہوا اس میں بچی کا کوئی قصور نہیں۔ وہ عصوم ہے۔ مگر وہ لوگ سمجھنے کو قطعاً تیار نہیں — کہتے ہیں جب باپ کے اس عمر میں ایسے تیور ہیں تو ن موصوف کی بیٹی میں کیسے ممکن ہے کہ ان کے وصف نہ شامل ہوئے ہوں۔ بہت کوشش کی سب نے مگر ات سنبھل نہیں رہی ہے۔" صغریٰ خالہ کا لہجہ اگرچہ بہت مدھم تھا مگر ازہان حسن بخاری تمام صورتِ حال سمجھ چکا تھا اور جواباً دوسرے ہی لمحے اس کے قدم لیونگ روم کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں سے دو خاندانوں میں ہونے والے مذاکرات کی آوازیں بہ خوبی آ رہی تھیں۔ اس کے چہرے کا تناؤ اس گھڑی مزید بڑھ گیا تھا۔ فیض بخاری نے بھی اس جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔

"سعد بھائی نے اچھا نہیں کیا — مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے — ذرا سی غلطی سے بچی کی زندگی نہ بگڑ جائے کہیں۔" صغریٰ خالہ حد درجہ متفکر تھیں۔

"بھائی جی کہاں ہیں؟ رخصت ہو گئے یا......" فیض بخاری نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"ارے کہاں — جب آپ سمجھا بجھا کر اندر گئے وہ بدستور وہیں ٹکے رہے اور ارد گرد بیٹھی خواتین کی چہ میگوئیاں بڑھتی چلی گئیں — اب یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ بات ماہا کی سسرال سے پوشیدہ رہ پاتی؟" صغریٰ خالہ پریشان تھیں۔ مگر فیض بخاری مزید کچھ نہیں بولے تھے۔ ان کے قدم تیزی سے آگے کی سمت بڑھ رہے تھے۔

❄❄❄

خزاؤں نے جیسے منظروں کے ساتھ ساتھ اس کے دل کے اندر بھی اپنا ڈیرا ڈال دیا تھا۔ سارے زمانے زرد رنگ موسموں جیسے ہو گئے تھے۔ سارے جذبے ان ویرانیوں سے بھر گئے تھے۔ دل کی دھڑکنیں

ان خشک زرد رنگ پتوں کی صورت اِدھر اُدھر بکھرتی چلی گئی تھیں۔

اسے ان ویران موسموں سے جیسے عشق تھا۔

اپنے کئی ضروری کام چھوڑ کر وہ ان موسموں کے سنگ سفر کرنے لگتی تھی۔

گھنٹوں ان خشک رنگ پتوں کو ٹوٹتے، بکھرتے اور ہواؤں کی زد پر اُڑتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی ا اس کے اندر ان خاموش لمحوں میں گھنٹوں اک شور ہوتا رہتا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اپنے اندر ہونے والے ا شور کو سنتی رہتی تھی۔ پہروں اس کے اندر کوئی بولتا رہتا تھا اور پہروں وہ ٹورنٹو کی سڑکوں پر انجانی پرچھائیوں کے پیچھے سرگرداں دوڑتی، بھاگتی رہتی تھی۔ اور جب تھک جاتی تو سنی بروک پارک میں آن بیٹھتی تھی اور پھ پہروں اس کے سامنے خزاں رنگ موسم، اپنے سوگوار جذبوں کے راگ مدھم سُروں میں الاپتے رہتے تھے اور وہ ان سُروں کے تال اپنے دل سے ملتے محسوس کرتی تھی۔

رُت بدلتے انہی منظروں میں ــــــ ان بھاگتے دوڑتے لمحوں میں، ایک دن اچانک ہی وہ اس سے آن ملا تھا۔

ہاں بس یونہی اچانک۔

سرِ راہ چلتے ہوئے جب خزائیں اپنے رنگ تمام سمتوں میں بکھیر رہی تھیں اور جب ہر منظر ایک سوگوار چادر اوڑھے کوئی مدھم، انجانا راگ الاپ رہا تھا اور ان پُروحشت موسموں میں خشک زرد رنگ پتے کی مانند سرگرداں ‘‘گی’’ کتنی دیر تک اپنی ویران رنگ آنکھوں سے اسے تکتی رہی تھی۔

پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

سرِ راہ کبھی ایک دوجے سے ٹکرائے بھی نہیں تھے۔

لیکن اس کے باوجود ‘‘گی’’ کو لگا تھا جیسے وہ اس چہرے سے صدیوں سے آشنا ہو ــــــ ان خدوخال سے برسوں سے شناسا ہو ــــــ جیسے یہ آنکھیں اس کے لئے اجنبی نہ ہوں یا وہ لہجہ اس کے لئے نیا نہ ہو۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کتنے لمحوں تک وہ ساکت نظروں سے چپ چاپ تکتی رہی تھی اور اس لمے اس کے اندر کیسی مدھم سرگوشیاں گونجتی رہی تھیں۔ مگر ان کے معنی و مفہوم کیسے انجان رہے تھے اس سے۔ مگ اس کے باوجود وہ خود کو اس تک بڑھنے سے روک نہ سکی تھی۔

‘‘سنی بروک پارک’’ ان خزاں رنگ موسموں میں گھرا وہی سوگوار گیت الاپ رہا تھا جن کی صدائیں گی اپنے اندر ہوتی سنتی تھی۔

‘‘خزاں اپنی تمام تر اُداسی اور سوگواری سمیت کتنی پُرکیف ہے نا ــــــ دل کو چھوتی ہوئی، گھر کرتی ہوئی۔’’ اس لمبے چوڑے شخص کے قریب آ کر رکتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولی تھی اور جہاں پہلے وہ چونکا تھا وہیں دوجے ہی پل بہت مدھم انداز میں مسکرا دیا تھا۔

‘‘تمہیں خزاں کا یہ موسم پسند ہے؟’’ بھاری لہجہ اس سے دریافت کر رہا تھا اور وہ بلا تردد سر اثبات میں ہلانے لگی تھی

‘‘ہاں ــــــ یہ سوگوار موسم اور اس کے سارے اُداس سُر میرے اندر اُترتے ہوئے گھر کر لیتے ہیں

ر پھر تا دیر میں اپنی دھڑکنوں کو ان سُروں کے سنگ گونجتے ہوئے سنتی رہتی ہوں۔’’ اس کا لہجہ دھیما مگر تاثیر تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس جاپانی خدوخال والی لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔ نگاہوں میں یکدم دلچسپی کا تاثر اُبھر آیا تھا۔ اس گھڑی سامنے کھڑی وہ لڑکی یقیناً دلچسپی سے خالی نہ تھی۔

‘‘تم انڈین ہو؟’’ وہ دھان پان سی لڑکی شستہ انگریزی بول رہی تھی۔

‘‘نہیں، پاکستانی۔ سردار حیدر لغاری۔’’ مختصر تعارف دیا تھا۔ وہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

‘‘گی۔ **GEE**!’’

‘‘گی ــــــ؟’’ مختصر نام کو دلچسپی سے دہرایا۔ وہ مسکرا دی۔

‘‘گی کا مطلب سورج مکھی کا پھول ہے۔’’ بہت ہولے سے آگاہ کیا۔

‘‘اوہ ــــــ ویری انٹرسٹنگ۔ ٹورسٹ ہو نا یہاں؟’’ دریافت کیا۔

وہ مسکرائی، پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

‘‘نہیں ــــــ میں یہیں رہتی ہوں ــــــ یہی میرا وطن ہے۔’’

‘‘لیکن تمہارے خدوخال؟’’ سبکتگین چونکا اور وہ مسکرا دی۔

‘‘دراصل میں دو تہذیبوں کا ملاپ ہوں ــــــ میرا باپ کینیڈین ایئر فورس میں تھا اور میری ماں یہاں سیاحت کے لئے آئی تھی پھر ان دونوں کے دلوں پر محبت نے دستک دی تو تمام فرق ایک طرف دھرا رہ گیا اور ان دونوں نے شادی کر کے گھر بسا لیا ــــــ مگر جب میری پیدائش عمل میں آنے والی تھی تبھی میرے ڈیڈ کو ایک حادثے میں لقمہ اجل بن جانا پڑا۔ میری ماں بہت وفادار بیوی ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے محبوب کی سرزمین کو اپنا اوڑھنا بچھونا کر لیا اور میری پرورش کرتے ہوئے اپنی باقی ماندہ زندگی اسی محبوب کے نام پر بسر کر دی ــــــ تم جانتے ہو یہ محبت تھی۔ بڑی قوی اور مضبوط شے ہوتی ہے یہ محبت بھی۔ دلوں میں گھر کرتی ہے تو وجود کے گرد ایک اسم پھونک کر آہنی دیوار اُٹھا دیتی ہے۔’’

وہ بولتے بولتے یکدم چونکی۔ سبکتگین اس کی سمت تکتا ہوا بغور مسکرا رہا تھا۔ وہ چپ ہوئی، پھر مسکرا دی۔

‘‘تم اس طرح مسکرا کیوں رہے ہو؟’’ وہ جیسے لمحہ بھر کو خفا ہوئی۔

‘‘بس ایسے ہی۔’’ سبکتگین نے سر نفی میں ہلایا۔ پھر قدرے سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔ ‘‘تم باتیں بہت دلچسپی سے کرتی ہو۔ بطورِ خاص تمہاری آنکھیں ــــــ جب تم بولتی ہو تو تمہاری آنکھیں بھی اس گفتگو میں شامل ہو کر باتیں کرتی ہیں۔ کیسے کر لیتی ہو تم اس قدر دقیق، بھاری بھرکم باتیں؟’’

گی نے اُسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ پھر کوئی جواب دیئے بغیر خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ پھر کچھ ثانیوں بعد بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

‘‘سبکتگین! تم کوئی پہلے شخص نہیں ہو جس نے یہ بات کہی ہے۔’’

‘‘اچھا ــــــ کیا تم اس بے وقوفی کا مظاہرہ پہلے بھی کر چکی ہو؟’’ وہ قدرے پُرمزاح انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ مگر گی کے لبوں پر ایک جامد خاموشی اپنا ڈیرا جما چکی تھی۔ چند ثانیوں تک وہ

پُر وحشت خشک زرد رنگ پتوں کو اِدھر اُدھر اُڑتا ہوا دیکھتی رہی تھی، پھر بہت مدھم لہجے میں ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

''سنو تو ـــــ یہ موسم شاعری کرتا ہے۔ دیکھو کتنی صدائیں میرے اندر گونج رہی ہیں۔ کتنی سرگوشیوں کی بازگشت میرے اندر ہے اس سے اور......'' وہ جیسے اس لمحے خود کلامی کا شکار تھی۔ پھر دھیان آیا تو یکدم ہی لب بھینچ کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''تم کتابیں پڑھتی ہو؟''

''نہیں ـــــ وقت نہیں ملتا۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''یونہی۔'' سبکتگین حیدر لغاری نے شانے اچکائے تھے۔

''میری گفتگو سے لگا؟'' وہ یکدم مسکرائی تھی۔ سبکتگین نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ اس کے سیاہ رنگ بالوں سے ہوا ہولے ہولے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ کتنی شریر لٹیں بار بار چہرے پر جھول جاتی تھیں جنہیں پکڑ کر وہ دوسرے ہی لمحے کان کے پیچھے اڑس لیتی تھی۔ دو مختلف تہذیبوں کی جھلک اس کے خدوخال میں واضح طور پر نظر آتی تھی۔ وہ عام جاپانی لڑکیوں سے قطعاً مختلف تھی۔ خواہ باضابطہ وہ کسی بھی جاپانی لڑکی سے نہیں ملا تھا مگر اس نے بارہا جاپانی لڑکیوں کو دیکھا تھا اور گی ان جیسی بالکل بھی نہ تھی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا جب وہ اپنے مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''جاپانی لڑکیاں اپنی وفاؤں میں بڑی کھری ہوتی ہیں ـــــ بہت وفادار محبوبہ اور بہت وفادار بیوی ثابت ہوتی ہیں۔''

''لیکن تم تو کینیڈین ہونا غالباً؟'' وہ قدرے شرارت سے مسکرایا تھا اور وہ بھی مسکرا دی تھی۔ اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی جیسے ان خزاں رنگ لمحوں میں تمام منظروں پر لمحہ بھر کو بہار نے اپنے ڈیرے ڈال دیئے ہوں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا جب وہ گویا ہوئی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''تمہاری مسکراہٹ بہت تروتازہ سی ہے۔ جیسے بہار کا کوئی دلربا رنگ۔''

''ہاں شاید اس لئے کہ میں عام جاپانی لڑکیوں اور خواتین کی طرح اپنی مسکراہٹ کو دبانے یا چھپانے کے لئے مسکراتے سمے چہرے پر اپنا ہاتھ نہیں دھرتی اور کھل کر مسکراتی ہوں۔ کینیڈین لوگوں کی طرح۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''باقی جاپانی لڑکیاں کیا کھل کر نہیں مسکراتیں؟'' اُسے حیرت ہوئی۔

''نہیں ـــــ وہ اپنی مسکراہٹ کا گلا چہرے پر مسکراتے وقت ہاتھ رکھ کر گھونٹ دیتی ہیں جیسے میری ماں۔ پہلے میں بھی ایسے ہی کرتی تھی۔ مگر پھر کسی کے کہنے پر یہ عادت ترک کرنا پڑی۔''

''کسی کے کہنے پر ـــــ؟'' سبکتگین چونکا۔ ''کون تھا وہ؟''

بات پکڑے جانے پر گی نے لمحہ بھر کو چپ ہو کر اس کی جانب دیکھا پھر چہرے کا رخ پھیر کر جیسے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''تھا کوئی ـــــ بہرحال تم نے مجھے اپنے بارے میں تو بتایا ہی نہیں ـــــ تمہارا نام بہت لمبا چوڑا ہے مگر بہت بارعب بھی۔''

اس کے اظہارِ خیال پر وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''پاکستان میں کچھ اراضی ہے۔ وہیں پر حکمرانی کا وصف ورثے میں ملا ہے۔ میرے بابا میرے بچپن میں ہی گزر گئے تھے، جب کسی شے کا شعور تک نہ تھا۔ تبھی بابا کی جگہ دستار بندی ہوئی تھی میری۔ اور ان کا تمام اختیار مجھے ورثے میں منتقل ہو گیا تھا ـــــ مائی اماں یعنی میری والدہ کو مجھے جدید زمانوں کا باسی بنانے کا شوق تھا۔ سو انہوں نے کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں لگائی مجھ پر اور مجھے پڑھنے کو سات سمندر پار بھیج دیا۔ مگر میں کچھ نہیں بھول سکا۔ نہ اپنی دستار بندی، نہ ذمے داریاں، نہ وہ تہذیب و تمدن۔ سب کچھ ازبر ہے مجھے۔ میں جانتا ہوں بہت سی ذمہ داریاں ہیں میرے کاندھوں پر جنہیں نبھانے مجھے اس دیس جانا ہے ـــــ اس تمام منصب کی ادائیگی کرنی ہے جو مجھ پر فرض ہے۔''

''اوہ ـــــ تبھی تم شکل سے اتنے مغرور لگتے ہو۔ بردبار، سنجیدہ اور بارعب۔''

وہ مسکرائی تھی اور ایک دھیمی سی مسکراہٹ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کو بھی چھو گئی تھی۔ تبھی گی نے چونکتے ہوئے گھڑی دیکھی تھی۔ پھر اس کے لبوں پر وہ بہار رنگ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''کیا ہم دوبارہ کبھی مل سکتے ہیں؟'' بہت مدھم لہجے میں وہ دریافت کر رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند لمحوں کو سوچتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔

''کیوں نہیں۔''

گی کی آنکھوں میں ٹھہرے تمام خزاں رت منظر روشنیوں سے بھر گئے تھے۔

اس کے لبوں پر وہی بہار رنگ مسکراہٹ تھی۔ دلربائی عروج پر تھی اور ان خزاں رنگ موسموں کی ڈھلتی شام میں وہ بہت ہولے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کل پھر یہیں ملیں گے ـــــ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ آنا ضرور۔'' مدھم لہجے میں کوئی درخواست سی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ تبھی اس کے گداز لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔

''سیونارا گڈ بائے۔'' آواز سرگوشی جیسی تھی۔ اور پھر وہ پلٹی تھی اور چلتی ہوئی ہواؤں کی صورت دور جاتے منظروں کے سنگ ہو لی تھی۔ سردار سبکتگین چند لمحوں تک اس سمت تکتا رہا تھا۔ پھر اٹھا تھا اور واپسی کے راستوں پر قدم بڑھانے لگا تھا۔

گی یقیناً ایک دلچسپ لڑکی تھی۔

* * *

ری ممبر می، وین آئم گون اوے۔
گون فار اوے۔ ٹو دی سائلنٹ لینڈ۔
ری ممبر می۔

بہت تھکن زدہ سے انداز میں ایک سادہ کاغذ پر اس نے انتہائی بے دھیانی کے ساتھ دو جملے گھسیٹے تھے

اور پھر اسی انداز میں سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر کھلی آنکھوں سے چھت کو گھورنے لگی تھی۔ کرسٹینا روز ٹی کی ان دو لائنوں کی بازگشت کتنی بار اس نے اپنے اندر سنی تھی۔ کتنی بار طویل سناٹوں میں اس کے اندر ایک گونج سنائی دیتی رہی تھی۔

فیصلوں کی صلیب پر لٹکتے رہنا بہت تکلیف دہ امر ہے ــــــ اور اس صورت میں تو اور بھی جب کسی فیصلے کا کوئی اختیار بھی آپ کے پاس نہ ہو۔

وجود کے کسی علاقے میں چپ چاپ سناٹوں میں کیا کچھ دفن ہوتا چلا جاتا ہے مگر اس کے باوجود جانے کیوں اس کی سوچوں کے تسلسل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ تب بھی نہیں جب سیف کمرے میں داخل ہوا اور پھر چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔ وہ اس وقت بھی نہیں چونکی تھی۔ سیف نے اس کے آگے سے پیپر اٹھا لیا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے مسکراتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

”کہیں جا رہی ہو تم؟“

اُس کے دریافت کرنے پر وہ چونکی تھی پھر خاموشی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”شادی کوئی ایسا امر تو نہیں کہ تم اتنی خوفناک ترین وصیتوں کے انبار لگا دو ــــــ تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو خوشی سے پاگل ہو گئی ہوتی۔“ وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود ایک ساکت چپ اس کے لبوں پر رہی تھی۔

”اس طرح خوامخواہ ٹینشن لینے سے بھلا کیا ہوگا ــــــ اگر دل نہیں مان رہا تو انکار کر دو نا۔ وہ کسی شاعر نے کس درجہ خوبصورتی سے کہا ہے نا۔

اگر تم میں ہے ہمت تو بغاوت کر دو
ورنہ جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لو

میرب سیال نے سر اٹھا کر دیکھا تھا ــــــ سیف الرحمٰن مسکرا رہا تھا۔ وہ شانوں پر بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی تھی۔

”سیف الرحمٰن! تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں سوائے فضول بولنے کے اور کوئی کام نہیں آتا۔“ وہ جیسے اُکتا کر گویا ہوئی تھی۔ مگر پھر دوجے ہی پل چپ سادھ لی تھی۔ سیف نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”تصویر تو دکھا دو، موصوف ہیں کیسے؟ نام تو خاصا بارعب ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہاری مام کے ری لیٹو ہیں غالباً۔ سنا ہے اپنی سلطنت کے آپ بادشاہ ہیں موصوف۔ چلو اچھا ہے ــــــ اسی بہانے کچھ اختیارات تمہارے ہاتھ بھی آ جائیں گے۔ ظاہری سی بات ہے بھئی، ملکہ جو ہو جاؤ گی۔“ وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا۔

”سیف! پلیز۔“ میرب سیال نے اُکتائے ہوئے انداز میں اُس کی طرف دیکھا تھا۔ ”میں کوئی فضول بات سننا نہیں چاہتی ــــــ پلیز لیو می الون۔“

”تاکہ تم اپنے ان ریاستی شہزادے کے متعلق سوچ سوچ کر محظوظ ہو سکو۔“ سیف الرحمٰن کے لبوں پر م مسکراہٹ تھی اور میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”تمہیں پسند نہ آنے کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟“

”سیف! پلیز ــــــ میں بہت پریشان ہوں۔“ اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرایا تھا۔

”سردار سبکتگین حیدر لغاری کی وجہ سے؟“ وہ بدستور چھیڑ رہا تھا۔

”پاپا کی وجہ سے۔“ اُس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ”سیف! میرا دل بہت ڈرتا رہتا ہے۔ یک خوف لمحہ لمحہ میرا تعاقب کرتا رہتا ہے ــــــ مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ میں سو نہیں پاتی۔ مجھے اس ت کا قطعاً کوئی ملال نہیں کہ انہوں نے میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ میری مرضی کے بغیر طے کر دیا۔ مجھے ال اس بات کا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت عجیب صورت حال میں ہو رہا ہے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا فا، میں پاپا کو اس طرح دیکھوں گی۔ یا پھر........“

اُس کی آنکھوں میں نمی آن ٹھہری تھی اور وہ یکدم ہی اپنے گداز لب بھینچ کر اس نمی کو اپنے اندر کہیں ضم کرنے لگی تھی۔ سیف نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ انداز حوصلہ بندھانے والا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی میں لمحہ بھر میں تنفر واقع ہو گیا تھا اور ایک طوفان جیسے بند توڑ کر بہہ نکلا تھا۔

”سیف! پاپا نے اس صورتِ حال میں میری جان بھی مانگی ہوتی تو میں ان کے حوالے کر دیتی۔ مگر سیف! یہ فیصلہ بہت بڑا ہے۔ وہ ایک انجانا شخص ہے۔ ان دیکھا۔ کیسے سوچوں میں اس کے متعلق؟ پھر جب کہ میں یہ جانتی ہوں کہ زوباریہ انہیں مس گائیڈ کر رہی ہیں۔ وہ ان کی بیماری کو ایک قیمتی لمحہ جان کر کیش کروا رہی ہیں۔ وہ کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھیں اور یہ موقع انہیں پاپا کی بیماری کی صورت دستیاب ہو گیا۔ سارے راز منکشف ہیں مجھ پر۔ جانتی ہوں، زوباریہ کبھی میری خیر خواہ نہیں ہو سکتیں۔ وہ پاپا کے سامنے اچھی ماں ہونے کا ڈھونگ کرتی ہیں اور پاپا........“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

”سیف! میں اپنی ساری زندگی کو زوباریہ کے ایک فیصلے کی نذر کرتے ہوئے بے ثمر نہیں ٹھہرا سکتی۔ لیکن........لیکن میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔“

سیف اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

”تمہیں یہ خدشہ کیوں ستاتا رہتا ہے کہ زوباریہ تمہارے ساتھ سنسیئر نہیں یا وہ تمہیں مس یوز کرنا چاہتی ہے؟“

”کیونکہ یہ سچ ہے سیف! اور یہ بات تم بھی جانتے ہو، وہ میری ماں نہیں ہیں۔ سوتیلی کبھی ماں نہیں ہو سکتی۔ وہ بس ایک موقع چاہتی تھی اور وہ موقع اسے پاپا کے باعث مل گیا۔ وہ مجھے ٹھکانے لگا کر اپنی راہ ہمیشہ کے لئے ہموار کرنا چاہتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو ــــــ زوباریہ آنٹی ایسی لگتی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ ایک سرد مہری کی دیوار جو درمیان میں تنی ہے وہ فقط تمہارے باعث ہی ہو۔ تم نے ہی کبھی کوشش نہ کی ہو انہیں سمجھنے کی، جاننے کی۔“

"سیف! تم میرے کزن ہو کر ان کی طرف داری کر رہے ہو؟" وہ لحہ بھر کو حیران ہوئی تھی۔

"میں طرف داری نہیں کر رہا میرب سیال! میں تمہیں فقط سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"مت سمجھاؤ مجھے۔"

"پھر کیا کروں؟"

"دفع ہو جاؤ۔" میرب سیال نے سر پھر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

"اس طرح رونے دھونے سے کیا تمہارے مسائل حل ہو جائیں گے؟"

مگر دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

"میرب سیال! تمہیں کیوں عادت ہے معمولی باتوں پر پریشان ہونے کی؟"

"یہ کوئی معمولی بات ہے؟" اس نے بھیگی پلکوں سمیت سر اٹھایا تھا۔

"چلو مانا معمولی بات نہیں بھی ہے مگر اسے اس طرح رو دھو کر حل تو نہیں کیا جا سکتا۔" سیف الرحم
نے جیسے اُکتا کر کہا تھا اور میرب سیال ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔ تبھی سیف الرحمٰن اا
کی سمت تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو میرب سیال؟"

"معلوم نہیں ـــــ مگر ایسا تو ہرگز بھی نہیں جیسا ہونے جا رہا ہے۔" اس نے سر اٹھا کر سیف ک
جانب دیکھا تھا۔

"جانتے ہو سیف! میری پہلی ترجیح میرے پاپا ہیں ـــــ میں انہیں کھونا نہیں چاہتی۔" کہتے ہو۔
اس کی آواز ایک بار پھر بھرا گئی تھی۔ آنکھیں پھر سمندر ہو گئی تھیں۔ سیف الرحمٰن خاموشی سے اسے تکتار
تھا۔ وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

"سیف! مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔" لہجہ کسی قدر خوفزدہ تھا۔ آواز سہمی ہوئی سی تھی۔ سیف نے بہت
ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"ڈونٹ وری ـــــ کچھ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟"

"کچھ کومپلی کیشنز ہیں ـــــ امریکہ جانا پڑے گا۔ زوباریہ کے بھائی ہیں وہاں۔ انہوں نے پاپا ک
رپورٹس بھیج کر ہارٹ اسپیشلسٹ سے کنسلٹ کیا ہے۔ ان کے نزدیک دل کے دو والو بند ہونا کوئی پیچید
مسئلہ نہیں۔ علاج ممکن ہے۔ مگر اس میں بھی رسک ہے۔ میں جانتی ہوں، نا سمجھ نہیں ہوں۔ زوباریہ مکمل
بات مجھے نہیں بتا رہیں۔ بٹ ایوری تھنگ اِز ناٹ آل رائٹ۔" میرب سیال کی آنکھوں میں کئی اُلجھنیر
تیر رہی تھیں۔

"میرب! سب ٹھیک ہو جائے گا ـــــ ہو سکتا ہے وہ تمہیں پریشان کرنا نہ چاہتی ہوں۔"

"ہاں ـــــ وہ سچی خیر خواہ ہیں میری۔ مجھے پریشان کرنا نہیں چاہتیں۔ اور دوسری طرف پاپا ک
بیماری کو بہانہ بنا کر میرا پتہ صاف کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اچھی طرح سمجھتی ہوں میں ـــــ پاپا ک

ہتا ہے وہ اپنی زندگی میں مجھے ایک نئی زندگی میں داخل ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں اور ایسا کرنے کے لئے وہ
راہاتھ کسی بھی اجنبی کے ہاتھ میں تھمانے کو تیار ہیں۔" اس کے ضبط کے بندھن پھر ٹوٹ چکے تھے۔
یف اسے سوائے سمجھانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سو اپنی کوشش ضائع جاتے دیکھ کر اس نے ایک
ہری سانس خارج کی تھی۔

"تم نے دیکھا ہے اُسے؟" دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"کسے؟" وہ یکدم چونکی تھی۔

"اسی محترم سردار صاحب کو۔"

اس کا سارا جوش ماند پڑ چکا تھا۔

"اور کیا، دیکھے بغیر بیاہ کر لوں گی؟"

یقیناً وہ ایک بار پھر غیر سنجیدہ تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مزید گویا ہوا تھا۔

"اور یقیناً تمہیں اسی بات کا شدید ترین افسوس ہوگا۔"

میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"تو طے ہے کہ تم قربانی دے دو گی؟" وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرب نے
سر اٹھا کر اسے جارحانہ انداز میں دیکھا تھا مگر اس کے لبوں پر شریر مسکراہٹ دیکھ کر وہ اپنا سارا غصہ بھول گئی
تھی۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

"سیف الرحمٰن ـــــ!" اُس نے لب بھینچ کر غصے سے دیکھنا چاہا تھا۔

"تو خوش ہو ـــــ ہاں بھئی، ہونا بھی چاہئے۔ ایک ریاست کی شہزادی ہونے جا رہی ہو۔ ایک
حکمراں کے دل پر حکمرانی کرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔" سیف مسکرا رہا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

"سیف! میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" اس نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"پھر؟ ـــــ پھر کیا کرو گی؟ ـــــ کیا خودکشی؟" وہ قطعاً سنجیدہ نہ تھا۔

"تمہیں قتل کروں گی۔" وہ سر اٹھا کر جارحانہ انداز میں گویا ہوئی تھی اور سیف الرحمٰن ہنس پڑا تھا۔

"اور مجھے قتل کر کے تمہارا مسئلہِ کیا حل ہو جائے گا؟"

"نہیں ـــــ مگر کسی قدر سکون ضرور ہو جائے گا۔" وہ کہہ کر سر جھکا گئی تھی۔ سیف اس کی جانب
چپ چاپ تکنے لگا تھا۔

"اور میرا ایم بی اے ـــــ کتنے چاؤ سے بینکنگ اینڈ فنانس میں ایڈمیشن لیا تھا۔ ابھی تو ایک سمسٹر
بھی مکمل نہیں ہوا اور......" آنکھیں پھر چھم چھم برسنے لگی تھیں۔

سیف الرحمٰن نے اسے دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"چلتا ہوں۔ تمہیں پھر کبھی غبار نکالنا ہو تو مجھے فون کر دینا ـــــ آ جاؤں گا۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ
دروازے کی سمت بڑھا تھا۔ میرب سیال اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے چیخی تھی۔

"سیف الرحمٰن! تم اس طرح نہیں جا سکتے ـــــ مجھے کوئی مشورہ تو دیتے جاؤ۔"

وہ دروازے کے قریب جا کر رکا تھا۔ مڑ کر اسے دیکھا تھا پھر ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر
تھی۔

"تم ایسا کرو، شادی کر لو۔ اس طرح کم از کم مجھے بھی کچھ ریلیف ملے گا۔"

مگر اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی میرب سیال نے ایک کشن زوردار طریقے سے اسے کھینچ تھا۔ جس سے بچنے کے لئے اس نے فوراً دروازہ بند کر دیا تھا اور میرب سیال دروازے کی سمت تکتی ہ ایک بار پھر دونوں ہاتھوں پر سر گرا گئی تھی۔

❄❄❄

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا!

چارسُو ایک پُر وحشت سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

تازہ موگرے اور گیندے کے پھول جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ ایک ہُو کا عالم تھا۔ ابھی تھوڑی دیر ق جس گھر میں ڈھولک کی تھاپ پر سہاگ کے گیت گونج رہے تھے، اسی گھر میں اس لمحے سوگ کا سا عالم تھا مہمانوں سے بھرا گھر اب خالی ہو چکا تھا۔

گندھے ہوئے اُبٹن کی خوشبو سے پورا گھر مہک رہا تھا ـــــ مگر فضاؤں میں وہ تازگی و شادابی ا باقی نہ تھی۔

ابھی تھوڑی دیر قبل کی رسمِ ابٹن کی منتظر دُلہن کی آنکھوں میں حد درجہ ویرانی تھی۔

ابھی کچھ دیر قبل شادی کے لئے سجایا جانے والا گھر جیسے ماتم کدہ بن چکا تھا۔

سسرال سے اُبٹن آیا تھا مگر اس کی خوشبو سے دُلہن کے پور پور نہیں مہکے تھے۔

شادی کی ابتدائی رسم وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گئی تھی۔

کوئی فیصلہ کن موڑ آیا تھا اور اپنا فیصلہ رقم کر گیا تھا۔

کوئی پل آیا تھا اور لمحوں کا سارا حُسن اپنے سنگ سمیٹ لے گیا تھا۔

کئی وکیل تھے۔ مقدمہ کتنی دیر چلا تھا۔ کتنی تاویلیں دی گئی تھیں۔ کتنی وضاحتیں۔ مگر سب بے سود رہا تھا۔

اقدام بہت بڑا تھا شاید۔

کتنے سمجھانے بجھانے والے تھے مگر حاصل صفر رہا تھا۔ شادی آغاز سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گئی تھی ایک بیٹی کو باپ کے کئے کی بڑی بھیانک سزا دی گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سارے خواب بے دردی ۔ نوچ لئے گئے تھے۔

اس کی اُمنگیں، اُس کی انا، اُس کے سارے جذبات روند دیئے گئے تھے۔

وہ جو شام تک شہنائیوں کی آوازوں سے اپنی سماعتوں کو بجتا دیکھ رہی تھی اب ایک پُر وحشت سکوت ا چپ چاپ کمرے میں بند جھیل رہی تھی۔ خواب قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری چپ چاپ دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ دوسری طرف سعد حسن بخاری س

نوں پر گرائے بیٹھے تھے اور ان دونوں کے درمیان فیض بخاری دیوار بنے کھڑے تھے۔

ابھی تھوڑی دیر قبل کی جو صورت حال تھی اس میں نئی نویلی دُلہن کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس کی طبیعت کے بب اور کچھ قصداً سعد حسن بخاری نے بیگم کو ڈرائیور کے ساتھ گھر واپس بھجوا دیا تھا۔ جب کہ خود وہاں ماہا ی سسرال کے سامنے مقدمے کی پیروی کو موجود رہے تھے۔ اپنی شادی کو وجہ بنانے پر کس قدر غم و غصے کا ظہار کیا تھا انہوں نے اور اس سے صورتِ حال بجائے سنوارنے کے مزید بگڑ گئی تھی۔ وہ اپنے طور پر ضاحتیں دے رہے تھے، سمجھا بجھا رہے تھے مگر سب کچھ فضول تھا جیسے۔

سبب معمولی نہ تھا۔ قصہ نظر انداز کئے جانے کے قابل نہ تھا۔ بات چھوٹی نہ تھی۔ سو ساری وضاحتیں رد ہو گئی تھیں اور پہلی بار ایک باپ کے باعث بیٹی کی شادی انجام پذیر ہونے سے رہ گئی تھی۔

ایک باپ کی شادی کے باعث، بیٹی کی شادی ادھوری رہ گئی تھی۔

خواب دیکھنے والی آنکھیں ویرانیوں سے بھر گئی تھیں۔

مگر اس تمام صورتِ حال کے باوجود باپ کو اپنی غلطی ماننے کی بجائے اپنی بات رد کئے جانے کا ملال زیادہ تھا۔

"بے وقوف لوگ ہیں ـــــ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ میرا معاملہ سراسر الگ ہے اور میری بیٹی کا الگ۔ میں کیا کرتا ہوں، کیا نہیں یہ میرا پرسنل افیئر ہے۔ جس میں کم از کم کسی اور کی مداخلت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ خوامخواہ کا ایشو بنا رہے ہیں لوگ۔ بھلا میری شادی سے کسی کا کیا نقصان ہوا ہے؟ ـــــ اور شادی کرنا کون سا گناہ ہے۔ کتنے لوگ شادیاں کرتے ہیں۔ میں نے دوسری شادی کر کے کون سا گناہ کر لیا۔ گناہ تو جب ہوتا جب میں شادی کے بغیر کوئی تعلق قائم رکھتا۔ یہ ایک شرعی شادی ہے ـــــ پھر دنیا اسے قبول کرنے سے کیوں کترا رہی ہے؟ لالچی لوگ ہیں کمبخت، اپنا اُلّو سیدھا رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے تو یہاں تک پوچھ لیا کیا چاہئے، گاڑی، بنگلہ، کیا کیا چاہئے ـــــ مگر وہ بھی ڈھاک کے تین پات بنائے بیٹھے تھے۔ ایک ہی جواز لئے لکیر پیٹتے رہے۔ اچھا ہوا جلد اصلیت کھل گئی۔ گھٹیا لوگ کل جانے کون سے تیور دکھاتے۔" وہ جیسے اس گھڑی خود کلامی کر رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری نے بے تاثر چہرے سمیت باپ کی سمت نگاہ کی تھی۔ پھر چاچا کی طرف دیکھا تھا اور رسانیت سے پُر لہجے میں بولا تھا۔

"چاچو! ان سے کہئے ہمارا ان سے اب کوئی رشتہ نہیں ہے۔ براہِ مہربانی چلے جائیں یہ یہاں سے۔"

فیض بخاری نے جوان بھتیجے کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تم جاؤ اندر ـــــ میں بات کرتا ہوں۔" نرمی سے سمجھانے والا انداز اختیار کیا تھا۔ جانتے تھے ایک آنچ دکھانے والی بات تھی اور سارا منظر خاکستر ہو جانا تھا۔ وہ جوان خون کے اندر ایک لاوا پکتے ہوئے محسوس کر رہے تھے تبھی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اسے وہاں سے ہٹانا چاہتے تھے۔ مگر سعد حسن بخاری پھٹ پڑے تھے۔

"سارا معاملہ اس کا بگاڑا ہوا ہے ـــــ اسے مطلع کر دو فیض! یہ گھر قانونی طور پر میرا ہے۔ اس کی

ایک ایک شے میری بنائی ہوئی ہے۔ اس گھر پر حکم بھی میرا چلے گا۔ اسے میرے یا اس گھر کے معاملات میں بولنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔ یہی بات فارحہ سے بھی کہی تھی میں نے۔ مگر اس نے اسے میرے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ اس سے پوچھو کیا شناخت ہے اس کی؟ —— کیا پہچان و مقام ہے سوسائٹی میں؟ کتنے لوگ اسے جانتے ہیں اور جانتے بھی ہیں تو کس حوالے سے؟ —— کیا ہے جو اس کا اپنا ہے؟ سب کچھ میرا دان کیا ہوا ہے۔ آج اگر یہ اپنے قدموں پر جم کر کھڑا ہے تو میری بدولت۔ دو چار لوگ جانتے ہیں، جھک کر سلام کرتے ہیں تو فقط میرے حوالے سے۔ دنیا میں اگر کوئی عزت و مرتبہ ہے تو فقط میرے باعث۔ یہ نام، یہ مقام میرا دیا ہوا ہے۔ اور آج یہ میرے مقابل کھڑا ہو کر مجھے ہی للکار رہا ہے۔ یہ سب کچھ فارحہ کا کیا دھرا ہے۔ اپنا وکیل بنایا ہے اس نے اسے۔ میں نے باور کرایا تھا اسے، بات خود تک محدود رکھو گی تو سب کچھ ٹھیک رہے گا۔ مگر اس نے اسے پٹی پڑھا کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ بیٹی کی شادی کا مجھے بھلا کوئی خیال نہ تھا؟ مگر یہ سب کیا دھرا ان دونوں ماں بیٹے کا ہے۔‘‘

سید اذہان حسن بخاری عجب اک ضبط سے سر جھکائے کھڑا رہا تھا۔ کمرے میں فقط سعد حسن بخاری کی آواز گونج رہی تھی۔

’’مجھے اس انتہائی اقدام پر ان دونوں نے مجبور کیا۔ کہہ دیا تھا میں نے، ایسا کر گزروں گا اگر ان دونوں ماں بیٹے نے مجھ سے مخالفت کی ٹھانی۔ بے وقوف عورت سمجھی نہیں۔ اس سے قبل بھی جب اس نے یہ معاملہ اٹھایا تھا۔ میں نے فارحہ سے کہا تھا ان موصوف اور مجھ میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو —— بیٹا چاہئے یا شوہر؟ —— مگر تب اس نے آئندہ کسی ایسی مداخلت کے نہ ہونے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ مگر ایسا ہوا نہیں۔ ہمت دیکھو ان موصوف کی، مجھ سے باز پرس فرمائی اور ان اقدام میں ماں صاحبہ پیش پیش رہیں۔ خوش کیوں نہ ہوتیں۔ ایک وکیل جو ہاتھ آ گیا تھا۔‘‘

بیٹے کے لئے ان کا لہجہ حد درجہ زہر خند تھا۔ فیض بخاری بہت پُر افسوس انداز میں بھائی صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری بدستور سر جھکائے کھڑا تھا۔ پُر تناؤ چہرہ کسی بھی طرح کے تاثر سے عاری تھا۔ خاموشیوں میں کیا کیا طوفان نہ پل رہے تھے۔ فیض بخاری نے بھتیجے کو دیکھا تھا پھر بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

’’تم اندر چلو —— میں ہوں یہاں۔‘‘

’’اسے اندر کیوں بھیج رہے ہو؟ —— اسی کا تو سارا مقدمہ ہے۔ وکالت نہیں کرنے دو گے اسے؟‘‘ سعد بخاری دہاڑے تھے۔ جس سرد جنگ کا آغا چند دن پہلے باپ بیٹے کے مابین ہوا تھا وہ سرد جنگ اب انتہائی شدت اختیار کر چکی تھی —— فیض بخاری نے اذہان کا شانہ تھام کر ضبط قائم رکھنے کی جیسے درخواست کی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے قدم اندر کی جانب بڑھائے تھے۔ تبھی عالم مدہوشی میں چلتی فارحہ دہلیز پر آ رکی تھیں۔ خالی خالی نظروں سے منظروں کو تکتی جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ بوجھل آنکھیں ویرانیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

سید سعد حسن بخاری اٹھ کر ان کے سامنے جا رکے تھے۔ کچھ دیر تک اسے خاموشی سے تکتے رہے تھے پھر بہت سخت لہجے میں بولے تھے۔

’’منع کیا تھا نا میں نے تمہیں —— انجام کی ذمے دار تم خود ہو۔‘‘ الزام بہت کڑا تھا مگر وہ خالی خالی نظروں سے ان کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔

’’تم فارحہ بیگم! تم .... تم نے بیٹے کو فوقیت دی شوہر پر۔ جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمے دار تم خود ہو۔‘‘ اُسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔ ’’آج جو کچھ بھی ہوا تمہارے اِس بیٹے کی وجہ سے ہوا۔ یہ ہنستا بستا گھر، یہ خوشیاں، جو کچھ بھی تم سے روٹھ گیا سب اس بیٹے کی بدولت۔ تمہاری بیٹی کا گھر بستے بستے جو رہ گیا فقط اس سپوت کے باعث۔ تم نے اسے چھوٹ دی، باپ سے باز پرس کرنے کی، اس کے نجی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی اور میرے اور اپنے درمیان آنے کی۔ اور آج نتیجہ تم دیکھ چکی ہو —— تمہاری بیٹی کی شادی جو آج ٹوٹ گئی ہے تو میرے باعث نہیں۔ میری شادی یا میں اس کی وجہ قطعاً نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جو کچھ بھی ہوا وہ عمل نہیں، ردعمل تھا۔‘‘

سعد بخاری کا زہر خند لہجہ چہار سمت گونج رہا تھا۔ اس کے ہاتھ فارحہ کے شانوں پر تھے اور وہ جو ساکت بت بنی کھڑی تھی، یکدم ہی لڑکھڑائی تھی اور زمین پر آ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اور فیض نے فوراً ہی فارحہ کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

’’ممی ...... ممی ......‘‘ عجب ہذیانی انداز میں اذہان حسن بخاری نے پکارا تھا مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے سر اٹھا کر لہو رنگ آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا تھا۔

’’اگر میری ماں کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔‘‘ سخت لہجے میں کہہ کر اس نے فوراً ہی ماں کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں میں بھرا تھا اور باہر کی سمت نکلنے لگا تھا۔ فیض بخاری نے بھی ساتھ ہی پیش قدمی کی تھی۔

سعد حسن بخاری وہیں کھڑے تکتے رہ گئے تھے۔

❄❄❄

اچانک ہونے والے واقعات کو نہ ذہن قبول کرتا ہے نہ دل۔

اور وہ اگرچہ دل کے احکامات پر کان دھرنے والوں میں سے نہ تھی مگر اس کے باوجود کئی دنوں سے ایک بے چینی مسلسل اس کا گھیراؤ کئے ہوئے تھی۔ وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے ہر طرف سے غافل ہونے کے جتن سوچ رہی تھی۔ اپنے طور پر اس تمام صورت حال سے بھاگ رہی تھی یا بچنے کی سعی کر رہی تھی۔ مگر اس صبح جب وہ کیمپس جانے کی تیاری کر رہی تھی، فانی نے کمرے میں آ کر اطلاع دی تھی کہ پاپا اسے بلا رہے تھے اور اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔

کتنی دیر تک وہ ہیئر برش ہاتھ میں لئے ساکت بیٹھی خود کو اس صورتِ حال کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنے کے جتن کرتی رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود جیسے صورتِ حال اختیار سے باہر تھی۔ مگر یہ فعل بھی ناگزیر

تھا۔ تبھی وہ ہونٹ بھینچے ہولے سے اٹھی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔ پاپا ناشتے کی ٹیبل پر اس کے منتظر تھے زوباریہ شاید فانی کو سکول جانے کے لئے تیاری میں مدد دے رہی تھیں۔ وہ مُردہ قدموں سے چلتی ٹیبل آن بیٹھی تھی ـــــــ پاپا نے ڈان کے صفحات پر سے دھیان ہٹا کر اس کی سمت نگاہ کی تھی پھر دھیمے لہجے م گویا ہوئے تھے۔

”بریک فاسٹ لو۔“ اور میرب سیال مرے دل سے اپنے لئے چائے انڈیلنے لگی تھی۔ پاپا کچھ دیر تک خاموشی سے اپنا ناشتہ لیتے رہے تھے پھر اس کی سمت دیکھا تھا۔

”میرب! آپ بہت انڈر اسٹینڈنگ بچے ہو میرے۔ صورتِ حال کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہو۔ معاملہ اتنا سنگین نہیں مگر میں اپنی زندگی میں اپنے بچوں کو سیکیور دیکھنا چاہتا ہوں ـــــــ ہر باپ کی طر میری بھی یہی خواہش ہے کہ میرے بچے خوش اور پُر تحفظ رہیں۔ ہر باپ اپنے بچوں کے لئے ان کے مستقبل کو سامنے رکھ کر خواب وضع کرتا ہے۔ میرے بھی بہت سے خواب تھے مگر زندگی کا کوئی بھرو نہیں۔“ پاپا تمہید باندھتے ہوئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہے تھے اور کتنی چپ چاپ اس کی آنکھوں ے پانی نکل کر قطروں کی صورت ٹیبل کی سطح پر بکھرنے لگا تھا۔ پاپا نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرا تھا۔

”ڈونٹ بی فولش میرب! زندگی کو بہت بہادری سے فیس کرنا ہے تمہیں ـــــــ میں اپنے بچوں کو کمزو ہرگز نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے افسوس ہے ہم نے تمہاری رائے جانے بغیر تمہاری بات پکی کر دی۔ مگر یہ اقدام غیر مناسب قطعاً نہیں۔ یہ تمہاری بہتری کے لئے ہے۔ والدین کبھی اپنے بچوں کے لئے برا نہیں چاہتے۔ حمیدہ بیگم، زوباریہ کی کزن ہیں۔ قابل بھروسہ لوگ ہیں۔ برسوں پرانی جان پہچان ہے۔ اس کے باوجو میرے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ میں جانتا ہوں آپ کی اسٹڈی پر بھی اثر پڑے گا۔ مگر میرے پاس اس سے بہتر فیصلہ نہ تھا۔ حمیدہ بیگم نے ہمیں اپنے فارم ہاؤس پر آنے کی دعوت دی ہے۔ سبکتگین لغاری ہم چند ہی دنوں میں واپس لوٹ آئیں گے۔ آپ مل لیجئے گا ان سے ـــــــ فی الحال فقط نسبت طے ہو گی۔ حمیدہ آپا فوراً شادی کرنا چاہتی ہیں مگر میں یہ فریضہ اتنی جلد سرانجام دینے کے حق میں اس لئے نہیں کہ م کوئی ناانصافی نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں آپ کی مرضی بھی اس میں شامل رہے۔ منگنی سے شادی تک کا عرصہ انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ہو گا۔ اگر آپ کو ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض ہو تو آپ انکار کر سکتے ہیں۔ جانے سے قبل میں یہ فریضہ اپنے ہاتھوں سرانجام دے جانا چاہتا ہوں ـــــــ مجھے یقین ہے آپ مجھے ا حق سے محروم نہیں کرو گے اور میری خواہش کا احترام کرو گے۔“

مظہر سیال کے لہجے میں ایک مان تھا اور میرب سیال سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے پانی کے قطرے ایک تواتر کے ساتھ ٹیبل کی سطح پر گرتے رہے تھے۔ مظہر سیال بات جاری رکھتے ہوئے بو تھے۔

”حمیدہ بیگم کے ساتھ طے پایا ہے کہ جب تک ہم علاج کی غرض سے بیرونِ ملک مقیم رہیں گے، آ ان کے ہاں قیام کریں گی۔“

پاپا کا حکم عجیب تھا۔ تبھی شاید اس تمام عرصے میں پہلی بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

”میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“

”بچوں جیسی باتیں نہیں کرتے بیٹا! زوباریہ ہو گی نا میرے ساتھ۔“ مظہر سیال نے کسی قدر تیزی سے کہا تھا پھر شاید اندازہ ہونے پر بہت مدھم انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے تھے۔

”پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر تمہاری پڑھائی کا بھی حرج ہو گا۔ تم بہت سا پڑھو، بہت قابل انسان بنو۔ یہ میرا خواب ہے۔“ مظہر سیال اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے اپنی خواہشات کا انبار لگا رہے تھے اور وہ سر جھکائے میز کی گیلی سطح کو تکتی رہی تھی۔ پھر ان کے چپ ہونے پر یکدم سر اٹھایا تھا۔

”میں کسی کے گھر نہیں رہوں گی۔“ کہنے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا تھا۔

”تو کیا مجھے پریشان کرو گی؟“ پاپا نے اسے وضاحتی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہ بولی تھی۔ تبھی وہ بولے تھے۔

”دیکھو بیٹا! بات چند روزہ ہے۔ اور حمیدہ آپا کوئی اجنبی نہیں۔“

”نہیں...... نہیں...... نہیں۔“ دل بولے جا رہا تھا۔ مگر اس کے لبوں پر کئی قفل پڑے تھے۔ مظہر سیال نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”پرسنل...... کہیں اور وابستگی ہے آپ کی؟“ وہ اعتراض کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔

”نہیں۔“ اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

”پھر؟“

مگر وہ چپ رہی تھی۔

”کچھ نہیں۔“ وہ دوسرے ہی پل اٹھی تھی اور شولڈر بیگ کاندھے پر ڈال کر باہر نکل آئی تھی۔ ایک روشن صبح اس کے سامنے روشنی کا سفر کر رہی تھی۔ بہت سی چمکیلی روشنی اس کے اردگرد بکھری تھی مگر اندر کہیں بہت زیادہ گھپ اندھیرا تھا اور وہ اس اندھیرے میں خود کو تلاشتی پھر رہی تھی مگر سرا کہیں بھی نہیں تھا۔

* * *

”محبت اپنی شباہتیں ڈھونڈتی ہے۔ آتے جاتے موسموں میں، گزرتے لمحوں میں، مختلف رنگوں میں، مختلف چہروں میں، مختلف آنکھوں میں۔ محبت کا یہ وتیرہ ہے۔ اضطرابیوں سنگ، زرد پتوں کی طرح بے سمت اُڑنا اور منزلوں کا تعاقب کرنا۔ تغیراتِ زمانہ کے باوجود یہ بے خودی تھمتی نہیں ہے۔ یہ شوقِ سفر رُکتا نہیں ہے۔ محبت اپنی کھوج جاری رکھتی ہے۔ ناکامیوں سے بے پرواہ اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔“ گی کا مدھم لہجہ فضاؤں میں خوشبو کی صورت بکھرتا جا رہا تھا۔ ٹورنٹو اب بھی انہی فضاؤں کی زد پر تھا۔ سنی بروک پارک میں خشک زرد پتے اسی انہماک سے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس کی سمت تکتا رہا تھا پھر جانے کیوں ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ گی اس کے مسکرانے پر اسے دیکھنے لگی تھی۔ شاید اسی لئے وہ وضاحتی انداز میں گویا ہوا تھا۔

”لڑکیاں شاید ساری ایک جیسی ہوتی ہیں۔“ اس کے تجزیے پر وہ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی پھر

ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

‘‘کیا مشرقی لڑکیوں کی سوچ ایسی ہی فطری ہوتی ہے؟’’ اور وہ ہنس دیا تھا۔ پھر قدرے لاپرواہی سے شانے اچکا دیئے تھے۔

‘‘پتہ نہیں۔’’

‘‘کیا مطلب؟’’ گی کی جانب سے استفسار ہوا تھا۔

‘‘میں پاکستان میں زیادہ رہا نہیں۔ دس برس کا تھا جب مائی اماں نے پڑھنے کی غرض سے برٹین بھ دیا۔ عرصہ دراز تک وہیں رہائش پذیر رہا۔ کبھی کبھار پاکستان جانا ہوتا رہا۔ مگر وہ ڈیوریشن بہت کم رہا پڑھائی سے فراغت ہوئی تو خاندانی امور کی ذمہ داریاں کندھوں پر آن پڑیں۔ کاروبار کا آغاز ہوا۔ ملکوا ملکوں سفر کرنے لگا اور کسی اور طرف کا دھیان ہی نہیں رہا۔’’

‘‘اس کا مطلب ہے تم لڑکیوں سے کبھی وابستہ نہیں رہے؟’’ گی کو کسی قدر حیرت ہوئی اور وہ مسکرا دیا.

‘‘نہیں، ایسی بات نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اس لمحے تمہارے سامنے نہ ہوتا۔ میں ایک عام سا بند ہوں۔ فطری تقاضوں سے خود کو بچا نہیں سکتا۔ یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ مشرقی لڑکیوں سے م سابقہ اس طور نہیں پڑا۔ بہت سی کزنز ہیں۔ مگر انہیں میں نے کبھی ایسی نظر سے نہیں دیکھا۔’’ اس نے ک بھی مبالغہ آرائی کے بغیر صاف گوئی سے کہتے ہوئے شانے اچکائے تھے اور جواباً گی بہت سی بے یقی آنکھوں میں بھرے اسے تکنے لگی تھی۔

‘‘یعنی مغرب میں تمہاری وابستگی لڑکیوں سے رہی؟’’

جانے اُس نے کیا جاننا چاہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی ازلی تمکنت سے اس کی سمت نگاہ تھی اور دھان پان سی نظر آنے والی گی اس لمحے اپنے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

اس چہرے کے رنگوں میں ایک تغیر کی سی کیفیت تھی۔ ان فضاؤں کو مات دیتے لبوں پر خاموشیوں پہرہ تھا۔ سبکتگین لغاری اس کی سمت سے دھیان ہٹا کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا مگر اس لمحے اس کے لبوں بڑی دھیمی سی مسکراہٹ اتری تھی۔

‘‘تمہیں اچھا نہیں لگا؟’’

‘‘کیا؟’’ گی چہرے کا رخ پھیرے پھیرے بولی تھی۔

‘‘یہی، میری لڑکیوں سے وابستگی۔’’ انداز سرسری تھا مگر لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ گی کچھ نہ بولی تھی مگر سرسراتی پاگل ہوائیں بہت چپکے چپکے کچھ دھیمی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

‘‘کیا کسی سرد خانے سے کوئی بے خودی ہولے ہولے سر اٹھا رہی ہے؟’’ بہت ہولے سے جھک سبکتگین لغاری نے ایک مدھم سی سرگوشی کی تھی۔ شرارت سے بھرپور لہجے میں گویا ہوا تھا۔ گی یکدم چو ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر وہ جس سرعت سے گویا ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ سرعت سے اس کے ا میں تغیر واقع ہوا تھا۔ چہرہ کسی قدر بے تاثر اور انداز لاپرواہیانہ تھا۔ شرارت کرنے والا۔ اس کی جانب اس گھڑی متوجہ نہ تھا۔ گی اسے دیکھتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

‘‘تم بہت بے تاثر ہو۔ سرد، جامد، خود کو فقط پوز کرتے ہو یا پھر ہو بھی؟’’ وہ اس کے متعلق شاید کوئی تاثر قائم نہ کر پائی تھی تبھی دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی اور سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر اس لمحے جانے کیوں مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

‘‘میرے بارے میں جاننے کی متلاشی ہو؟’’ عجب سوال تھا۔

گی نے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ شاید اس کے چہرے سے کچھ اخذ کرنا چاہا تھا مگر پھر ناکام ہو کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

‘‘تم کوئی عام آدمی ہرگز نہیں ہو۔’’ بہت تھکے ہوئے لہجے میں جیسے وہ اعتراف کرتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور اس لمحے سردار سبکتگین کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

‘‘تم یہ اعتراف کرنے والی پہلی لڑکی نہیں ہو۔’’ ایک ازلی تمکنت اس گھڑی نہ صرف لہجے میں تھی بلکہ آنکھوں سے بھی یہ احساس ہویدا تھا۔ مگر گی کچھ نہیں بولی تھی۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان طویل خاموشی رہی تھی۔ سرسراتی خنک ہوائیں ہولے ہولے بہت سی مدھم سرگوشیاں کرتی پاس سے گزرتی رہی تھیں مگر ان مدھم سرگوشیوں پر نہ گی نے کان دھرے تھے نہ ہی سردار سبکتگین نے۔ بہت سے لمحے خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے تھے۔ پھر انہی خاموش لمحوں میں سردار سبکتگین لغاری نے اس دھان پان سی لڑکی کی جانب دیکھا تھا اور قدرے دھیمے انداز میں مسکراتا ہوا گویا ہوا تھا۔

‘‘کیا تمہیں مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی؟’’

‘‘نہیں۔’’ گی اس کی جانب دیکھے بغیر بولی تھی۔ سبکتگین بغور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ اس گھڑی گہری ہوگئی تھی۔

‘‘جھوٹ بول رہی ہو؟’’ دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

گی چند ثانیوں تک خاموش رہی تھی، پھر ہولے سے گردن پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا اور اسی قدر آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

‘‘ہاں۔’’

بہت برجستہ اعتراف تھا۔ سردار سبکتگین اسے دیکھنے لگا تھا۔ مگر وہ مزید کچھ نہیں بولی تھی۔ شاید جو بولی تھی وہی بہت کافی تھا۔ سردار سبکتگین کے لبوں پر بہت ہولے سے مسکراہٹ اُبھری تھی۔

‘‘تم پہلی لڑکی نہیں ہو جو ایسا اعتراف بلا تامل کر رہی ہو۔’’

گی نے دیکھا اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ یقیناً وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور اس لمحے گی کے گداز لبوں پر بھی مسکراہٹ بہار کے سارے رنگ اپنے ہمراہ لئے دبے پاؤں اتر آئی تھی جسے چھپانے کے لئے اس نے روایتی جاپانی لڑکیوں کی طرح نہ تو چہرے پر ہاتھ دھرنے کی کوشش کی تھی نہ ہی اس تروتازہ مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کی تھی بلکہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

‘‘تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی؟’’

‘‘تمہیں، کیا لگتا ہے؟’’ سبکتگین نے الٹا سوال داغ کر اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ لبوں پر پھیلی

مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ گی کے اس سوال سے حد درجہ محظوظ ہوا ہے۔ گی نے سرسری انداز میں شانے اچکائے تھے۔ انداز لاپرواہ سا تھا۔ سبکتگین نے یکدم ہاتھ بڑھا کر اس صبیح چہرے سے پہرہ دیتی ان شرارتی لٹوں کو چھوا تھا۔ گی ایک پل میں جیسے بیدار ہوئی تھی۔ بے ارادہ ہی ذرا پیچھے کھسکی تھی۔ لمس کوئی انگارہ ہو جیسے۔ مگر سبکتگین کی محویت قطعاً نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اسی طور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔

''تم بہت خوب صورت ہو گی!'' لہجہ مدھم تھا۔ مگر گی کچھ نہیں بولی تھی۔ چند لمحوں تک خاموشی ان کے درمیان سفر کرتی رہی تھی۔ پھر اچانک گی نے سر اٹھا کر اس لمبے چوڑے شخص کو دیکھا تھا۔

''تم اب تک یہ بات کتنی لڑکیوں سے کہہ چکے ہو؟''

''اتنی ہی جو تمہارے جتنی خوبصورت تھیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

گی جانے کیوں اسے بغور تکنے لگی تھی۔ پھر دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''اور ان خوب صورت لڑکیوں میں اتنی خوب صورت کتنی تھیں جو تمہارے دل کو چھو سکیں؟'' سبکتگین کچھ نہیں بولا تھا۔ بس فقط اسے دیکھتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ گی کچھ دیر تک اسے تکتی رہی تھی، پھر بول اٹھی تھی۔

''جو بہت کم کم مسکرانے والے ہوتے ہیں وہ جب مسکراتے ہیں تو مسکراہٹ ان کے چہرے پر بہت بھلی لگتی ہے۔ ایسے ہی جیسے تمہارے چہرے پر۔'' اس کا تجزیہ بہت برجستہ تھا۔ سبکتگین اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''تمہیں کیسے لگا کہ میں کم کم مسکراتا ہوں؟''

''تمہارے چہرے سے۔ بہت تناؤ کی سی کیفیت ہے۔ بہت حد تک سرد و جامد اور بے تاثر۔ شاید بہت اچھے ہو اندر سے ــــــ مگر تمہارا چہرہ اس بات کی ترجمانی نہیں کرتا۔''

اور وہ ہنس دیا تھا۔

''اپنی رائے تبدیل کر رہی ہو؟''

''نہیں ــــــ بہتر انداز میں واضح کر رہی ہوں۔'' وہ سر جھکا گئی تھی۔ وہ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ فقط خوب صورت ہی نہیں بہت زیادہ ذہین لڑکی تھی۔ وہ لمحہ لمحہ اس پر پہیلیوں کی صورت میں کھل رہی تھی شاید اسی لئے اس کے ساتھ بات کر کے سبکتگین کو لطف آ رہا تھا۔

''تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی؟'' وہ بہت چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اس کو تکنے لگی تھی۔ وہ بغور اس سمت دیکھ رہا تھا اور اس لمحے ان خواب خواب آنکھوں کے رنگ یکدم بدلنے لگے تھے۔ کتنی ویرانیاں کرنے لگی تھیں اور گی اس کی سمت سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ بالکل غیر ارادی طور پر۔ وہ اس اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود انگوٹھی کو گھمانے لگی تھی۔ انداز بے حد اضطراری تھا۔ سبکتگین اُ بغور دیکھ رہا تھا۔

''اس نے تم سے بے وفائی کی؟'' وہ کسی نتیجے پر پہنچتا ہوا گویا ہوا تھا۔

وہ یکدم سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''کیا بہت چاہتی تھیں تم اُسے؟'' اُسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

گی کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی جیسے وہ اس کی عقل پر ماتم کرتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''محبت اس زمانے کی شے نہیں۔ کرتے ہوں گے کوئی بے وقوف جن کے پاس عقل کا فقدان ہوتا ہوگا وقت کی فراوانی۔ مگر آج کے دور میں قطعاً نہیں۔ وقت کس کے پاس ہے۔ کتنی گہما گہمی ہے، افراتفری اور ایسے میں محبت۔ نان سنس۔''

''ایسا مت کہو۔ محبت کوئی فضول شے نہیں ہے۔''

''تو تم واقعی محبت پر اس درجہ ایمان رکھتی ہو۔ بے وقوف لڑکی! تبھی تمہاری آنکھیں اس قدر ویرانیوں بھری پڑی ہیں۔'' وہ اُسے ڈانٹتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر اُسے باور کرانے والے انداز میں بولا تھا۔ نو! یہ فقط بے وقوفی ہے۔ یہ بس دماغ کا خلل ہے۔ حقیقت کچھ نہیں ہے اس کی۔'' وہ کہہ کر رکا تھا۔ گی ھکائے بیٹھی رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ۔ کتنی بے وقوف ہوتی ہیں یہ ساری لڑکیاں۔ سنو! وہ جو کوئی بھی تھا تمہاری زندگی سے جا تم پر زندگی کے دروازے بند نہیں ہونے چاہیں۔ تمہیں بھی اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹنے کا اتنا ہی حق ل ہے جتنا کہ اسے۔ بھول جاؤ اسے۔ تم بھی خوش رہو۔ اپنے حصے کی خوشیاں تلاشو۔ جس طرح کہ وہ ں اور کر رہا ہوگا۔'' وہ بہت جذباتی انداز میں بول کر چپ ہو گیا تھا۔ مگر گی تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی کے ساتھ اٹھی تھی اور تھکے ماندے قدموں سے واپسی کا سفر طے کرنے لگی تھی۔ سبکتگین حیدر ں کتنی ہی دیر تک بیٹھا اس سمت تکتا رہا تھا۔

* * *

تقریب تو فقط منگنی کی تھی مگر کلاس اور اسٹیٹس کے تحت اقدامات انتہائی پُر وقار تھے۔

ہر شے معمول پر تھی۔ عفنان علی خان دوستوں میں گھرا کھڑا تھا۔ ابھی کچھ دیر میں اس لڑکی کے ساتھ لی نسبت طے ہونے جا رہی تھی جس کے لئے اس نے اپنی عقل کے ساتھ عندیہ دیا تھا۔ ماں اور بہنیں اقدر پُرجوش تھیں اس کے لئے، لڑکی ڈھونڈنے کے لئے۔ مہینوں اس مہم پر صرف ہوئے تھے۔ اس کی ا جانے کے کتنے قصد ہوئے تھے۔

''گھنے ہو بڑے۔ پھر مت کہنا پھنسا دیا۔ کوئی ہے تو بتا دو۔ ابھی تیر کمان میں ہے۔'' بڑی بہن شادی ریشہ اپنے دو سالہ غازی کو سنبھالتے ہوئے بولی تھیں۔ مگر وہ فقط مسکرا دیا تھا۔

''یقین نہیں آتا بھائی! اتنی عمر گزارنے کے بعد بھی آپ نے کہیں دھواں دھار قسم کا عشق نہ فرمایا ہو۔'' ا انوشہ بہت دیر کی سوچ بچار کے بعد گویا ہوئی تھی۔

''دیکھیں، کوئی ہے تو فوراً بتا دیں۔ یاد نہیں پڑ رہا تو خوب سوچ لیں۔ یادداشت کو کھنگالیں۔ کہیں تو ہوگی۔ کہیں تو کوئی نظر آئی ہوگی۔'' آنکھوں میں شرارت بھرے وہ دریافت کر رہی تھی اور اس نے کے سر پر چپت لگا دی تھی۔

کتنے دنوں کا وقت دیا گیا تھا مگر وہ کیا فیصلہ کرتا۔ کوئی کہیں تھا ہی نہیں۔

''اتنی جلدی کیا ہے تم لوگوں کو؟'' کچھ نہ بن سکا تو اعتراض کر ڈالا۔

''اکلوتے ہو دو بہنوں کے۔ کتنے چاؤ ہیں دل کے، سمجھتے ہی نہیں ہو۔'' عریشہ نے ڈپٹا تھا۔

''اور کیا ـــــ آئے دن کتنی شادیاں ہوتی ہیں خاندان میں۔ جاننے، ملنے والوں میں۔ اور میری سہیلیاں چٹ پٹے انداز میں روداد سناتی ہیں۔ یہ نئے کپڑے بنتے ہیں، لمبی شاپنگ ہوتی ہیں، مزے آتے ہیں نا۔'' انوشہ کی رائے بھی اہم ترین تھی۔

''تم لوگوں کو قربانی کا بکرا میں ہی ملا ہوں۔'' وہ انتہائی معصومیت سے احتجاج کرتا۔

فیضان علی اور فاطمہ علی خان بچوں کی نوک جھونک پر مسکراتے رہتے۔ کتنے عرصے تک وہ بہنوا فرمائش کو ٹالتا رہا۔ کبھی کاروباری مصروفیت کے بہانے، کبھی کسی اور بہانے۔ مگر آخر کب تک۔ بالآخرا ہتھیار ڈالنے پڑے جب انہوں نے لامعہ حق کی تصویر اس کے سامنے ڈال دی۔

''یہ کٹ کھنی بلی۔'' وہ بری طرح چونکا۔ نہ چہرہ نیا تھا نہ نام۔ کتنے پرانے فیملی ٹرم تھے۔ بابا کے، پارٹنر رہ چکے تھے توقیر حق صاحب۔ برسوں پرانی جان پہچان تھی۔ برسوں پرانے تعلقات تھے۔ کوئی اجْ نہ تھی وہ اس کے لئے۔

''عفنان علی خان صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ بھائی تو آپ ہمارے اکلوتے ہیں مگر ہم حتمیٰ ط کہتے ہیں کہ اس لڑکی کے سوا تمہیں کوئی لڑکی نہ سمجھ سکتی ہے نہ برداشت کر سکتی ہے۔'' عریشہ باور کر ہوئے بولی تھی۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر رہ گیا تھا۔

''سر پیٹو، چاہے جو مرضی کرو۔ اب اور بہانے نہیں چلنے والے۔ الس انف لامعہ حق آخری ؟ ہے۔''

''پہلی کون سی تھی؟'' وہ بے چارگی سے بولا تھا۔ عریشہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

''اچھا، اچھا ـــــ اب زیادہ بے بی بچے مت بنو۔ بس ہم نے لامعہ حق کو سلیکٹ کر لیا ہے۔''

اسے سوچنے کے لئے وقت دیا گیا تھا اور اس کے پاس کوئی اور فیصلہ نہ تھا۔

''تمہیں کبھی تو کسی سے محبت ہوئی ہوگی۔'' عریشہ بڑی تھی مگر سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے؛ گویا ہوئی تھی۔ مگر وہ سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''کبھی کوئی ہلکا سا کرش بھی نہیں؟'' عریشہ نے مزید کریدا تھا اور عفنان علی خان کا دل اپنا سر پیٹ کو چاہا تھا۔

تنہائی کے کتنے لمحوں میں اس نے لامعہ حق کے متعلق سوچا تھا مگر دل کیسا چپ چاپ سا تھا اور تہ نے فرد کو وکیل کرتے ہوئے فیصلہ دے دیا تھا۔ لامعہ حق کوئی اجنبی تو نہ تھی اس کے لئے۔ عادات؛ سبھی کچھ منکشف تھا۔ سب خوش تھے اور اس نے ان خوشیوں پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت کر دی تھی۔

لامعہ حق کتنی حیران رہ گئی تھی۔

''عفنان علی خان! کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟'' جیسے ہی فیصلے کے متعلق اسے علم ہوا نے جھٹ فون کر ڈالا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

''قطعاً نہیں۔ بلکہ یہ تمہارے خوابوں کی تعبیر ہونے جا رہی ہے۔''

''عفنان علی خان! میں نے کبھی تمہیں اس زاویے سے نہیں دیکھا۔''

''اُس زاویے سے تو یقیناً سوچا ہوگا۔'' وہ برجستگی سے بولا تھا مگر وہ قطعاً برا منائے بغیر مسکرا دی تھی۔

''اب تو ایسے ویسے ہر زاویے سے دیکھوں گی۔ اب ہمیشہ کے لئے میرے ہونے جا رہے ہو۔'' وہ رور تھی اور عفنان علی خان بھی مسکرا دیا تھا۔ منگنی کی تاریخ طے ہوئی تھی اور بالآخر یہ دن بھی آن پہنچا تھا۔

لامعہ حق تیاری کے لئے پارلر گئی ہوئی تھی اور اس کے انتظار میں تقریب تاخیر سے دوچار تھی۔ خدا خدا رکے لامعہ حق تیار ہو کر پہنچی تھی۔

''ان فضول قسم کی رسموں میں وقت کے زیاں کا بالکل بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔'' رسم کے لئے جب وہ ں کے قریب تھی، عفنان علی خان نے خالصتاً کاروباری انداز میں کہا تھا اور وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

''فارگاڈ سیک عفنان علی خان! اسے بھی کوئی بزنس اسائنمنٹ جان کر صبر کر لو۔'' وہ اس کے جلے بھنے داز پر مسکرا دیا تھا۔ بغور اس پر نگاہ کی تھی۔

''منہ میں سے ہوا خارج کر دو۔ پھولا ہوا چہرہ قطعاً اچھا نہیں لگ رہا۔'' اور وہ جواباً گھورنے لگی تھی۔ یسے کہہ رہی ہو۔ 'تمہیں پرواہ ہے کوئی؟'

''اچھی لگ رہی ہو۔'' عفنان علی خان نے کان کے قریب بڑی مدھم سی سرگوشی کی تھی اور پھر اسی رعت سے سیدھا بھی ہو گیا تھا۔ لامعہ حق اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اطراف پر نگاہ دوڑا ہا تھا مگر مخاطب وہی تھی۔

''نظریں جھکاؤ ـــــ لڑکیاں اتنی بے باکی سے دیکھتی اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ چڑانے والے انداز میں ویا ہوا تھا۔ لامعہ گھورتی ہوئی سر جھکا گئی تھی۔ تبھی فاطمہ نے بیٹے کو منگنی کی رِنگ تھمائی تھی۔

''رسم شروع کرو بیٹا!''

عفنان علی خان نے مخملی ڈبیہ کو ہاتھ میں لے کر بیش قیمت رِنگ برآمد کی تھی۔ پھر ذرا دیر کو یونہی انگوٹھی کو یکھا تھا۔

''سوچ کیا رہے ہو؟ ـــــ پہناؤ بھی۔'' لامعہ حق شرارت سے مسکراتی ہوئی گویا تھی۔ مگر اس نے کسی ندر سنجیدگی سے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس کا مخروطی ہاتھ تھام لیا تھا۔ خرد کا فیصلہ تھا۔ عقل نے مہر ثبت کی تھی۔ دماغ ساتھ تھا اور دل خاموش تھا۔ عفنان علی خان نے بہت ہولے سے رِنگ لامعہ حق کی مخروطی انگلی میں پہنانی شروع کی تھی۔ نگاہ اسی سمت سامنے اٹھی تھی اور نظر ساکت رہ گئی تھی۔ چار سمت سے اٹھنے والے شور نے اعلان کر دیا تھا کہ بندھن بندھ چکا تھا۔ کئی وشز دینے والے قریب آ رہے تھے اور اس لمحے عفنان علی خان کو چونکنا پڑا تھا۔ مگر نظر تھی کہ بار بار اسی سمت اٹھ رہی تھی۔

وہ اب بھی مسکراتی ہوئی تالیاں بجا رہی تھی۔ سفید لباس میں شانوں پر سیاہ بال بکھرائے، تر و تازہ چہرے پر دو جگنوی آنکھیں لئے بہت عام سی ہونے کے باوجود کوئی بات تھی جو اسے خاص کر رہی تھی۔ عفنان علی [illegible] دیکھ گیا تھا۔ اب وہ باقاعدہ ہاتھ ہلا کر وِش کر رہی تھی۔ شاید لامعہ کی

کوئی جاننے والی تھی۔ اردگرد ہجوم تھا۔ شاید اس لئے اب تک آگے بڑھ کر مبارکباد نہ دے سکی تھی۔

اردگرد کئی لوگ تھے۔ کئی چہرے تھے۔ مگر جیسے بے اختیاری غالب آتی جا رہی تھی۔

پہلی بار ایک اضطرابیت نے دبے پاؤں وجود کے علاقے میں قدم دھرے تھے۔

شاید پہلی بار وہ اتنا بے خود ہوا تھا۔

شاید پہلی ہی بار دل دھڑکنے کی صدا آئی تھی۔

کتنے حسین چہرے دیکھے تھے۔

کتنے دلربا پیکر نظروں سے گزرے تھے۔ پھر ایسا خاص کیا تھا اس میں؟

عفنان علی خان نے کتنی بار سرسری جان کر نگاہ چرانی چاہی تھی۔ تمام تاثر کو جھٹکنا چاہا تھا مگر سارے اقدامات ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔

نظریں بار بار اسی سمت اٹھ رہی تھیں۔ اسی زاویے پر ٹھہر رہی تھیں اور وہ جیسے تمام تر کوششوں باوجود بے بس تھا۔ انوشہ بول رہی تھی۔ وہ اس کی سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب وہ ان کی سمت بڑھی تھ

”تھینکس گاڈ! مجھے بھی قطار میں جگہ ملی۔“ وہ لامعہ حق کو وش کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔ لامعہ نے کے ہاتھ سے بکے لے کر ایک طرف دھرا تھا اور اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

”تمہیں کہا بھی تھا میرے قریب رہنا۔ مگر تم ان سے تو ملو۔ یہی ہیں موصوف عفنان علی خان۔ کہو، ناہینڈسم؟“ لامعہ حق کی کوئی قریبی شناسا تھی۔ شاید تبھی وہ تعارف بھی انتہائی غیر رسمی انداز میں دے رہی

جواباً جانے اس نے ہولے سے کیا کہا تھا کہ لامعہ حق کا خوشگوار قہقہہ فضا میں پھیلتا چلا گیا تھا۔ عف علی خان اس گھڑی دانستہ بے تاثر بننے کی کوشش کرتے ہوئے کسی اور سے مخاطب تھا۔ چونکا تب لامعہ نے متوجہ کیا۔

”یہ انابیہ شاہ ہے —— میری بیسٹ فرینڈ۔ میرے لئے یہ بے حد اہم ہے۔ سو تمہارے لئے اس کی حیثیت اسی طور ہونی چاہئے۔“ لامعہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ تر و تازہ چہرے والی لڑکی گھڑی عفنان علی خان کی جانب متوجہ تھی اور بڑی شگفتہ سی مسکراہٹ اس کے گداز لبوں کا احاطہ کئے ہو تھی اور اس کی جگنو سی آنکھیں کتنی آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

اس چہرے پر ایسا خاص کیا تھا؟

کیا کشش تھی جو نظروں کو اپنے سنگ باندھ رہی تھی۔

کچھ اس درجہ خوبصورت بھی نہ تھی وہ۔

پھر؟ —— دل سے سوال ایک بار پھر اٹھا تھا۔

نظریں ایک بار پھر از سرِ نو اس کا جائزہ لینے گئی تھیں اور نگاہ لمحہ بھر میں اس کی چمکتی آنکھوں پر ٹک گئی تھی۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

کہیں اندر سے یکدم آواز اٹھی تھی اور لفظ بازگشت ہو گئے تھے۔

لامعہ حق کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ وہ جادو سی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ وقت خواب خواب گزر رہا تھا اور وہ خاموش تھا۔ نگاہ لمحہ بھر کو چرائی تھی۔

اندر کہیں پھر متواتر شور ہونے لگا تھا۔ مگر وہ جیسے خود پر بند باندھتے ہوئے دانستہ اس وجود سے نظریں چرا رہا تھا۔

وہ مکمل بے تاثر تھا۔ دوستوں کے ساتھ مصروف تھا۔ مگر ہر کوشش جیسے رائیگاں تھی۔

کتنی مدھم مدھم سرگوشیاں اس کے اندر ہوتی رہی تھیں۔

اور وہ ان کیفیات کو نہ سمجھتے ہوئے کتنی دیر تک حیران سا رہا تھا۔ لیکن جیسے ان آنکھوں نے رہن رکھ لی تھی۔ کچھ اختیار ہی نہ رہا تھا۔

اور بے اختیاری نہ سمجھ میں آنے والی تھی۔

* * *

درد کے لمحے کتنے کٹھن تھے۔ گزرتا ایک ایک پل جیسے صدیوں پر محیط تھا۔

کیسی قیامتیں گزر رہی تھیں دل پر۔ مگر ضبط کس قدر لازم تھا۔ دل جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ کارڈیو ویسکولر ڈیزیز وارڈ میں وہ کتنی بار ماں کے پاس دبے قدموں آیا تھا۔ فارحہ کے لئے اسے تھکن سے چور دیکھنا محال تھا۔ دل کا درد کس قدر بڑھنے لگا تھا۔ ماما کی حالت ابھی اتنی غیر تھی۔ اس کے لئے خالہ کو اس نے گھر چھوڑا تھا مگر خود ایک لمحہ بھی ماں کے پاس سے نہ ہٹا تھا۔

دو روز گزرنے کے بعد فارحہ کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ مگر ہارٹ اٹیک کے باعث ساری توانائی جیسے نچڑ کر رہ گئی تھی۔ تر و تازہ نظر آنے والا چہرہ اس گھڑی حد درجہ بے رونق سا تھا۔ ایک ہی دن نے جیسے چہرے کی ساری شادابی چھین لی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری کتنی دیر تک ماں کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے خالی خالی نظروں سے اسے تکتی رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری بہت آہستگی کے ساتھ سر جھکا گیا تھا اور تب بہت آہستگی کے ساتھ اندر پل پل بہتا ہوا لاوا پانی کی صورت آنکھوں کے کنارے توڑتا ہوا باہر نکلنے لگا تھا۔ اگرچہ وہ کسی بھی صورت کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا مگر کچھ لمحے ایسے بھی ہوتے ہیں جب خود اپنے آپ پر ضبط کے بند باندھنا آسان نہیں ہوا کرتا۔ ایسے ہی لمحے کا سامنا اذہان حسن بخاری کو بھی تھا۔ فارحہ خالی خالی نظروں سے بیٹے کو دیکھتی رہی تھیں اور گرم سیال پلکوں کے کناروں سے چپ چاپ باہر کی سمت گامزن رہا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا، پھر بہت پُر عزم انداز میں گویا ہوا تھا۔

”میں ہوں نا —— آپ تنہا نہیں ہیں ممی!“

شاید وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر آنسوؤں کا کوئی گولہ جیسے حلق میں اٹک گیا تھا اور وہ چپ ہو کر [illegible] تک اسی طرح چپ چاپ اندر کے درد کو باہر منتقل کرتا رہا پھر ایک

عزم سے ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"میری ہمت آپ ہیں ممی! میں اور ماہا آپ کے بغیر بالکل ادھورے ہیں۔ کمزور، بے ہمت ہمیں آ کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی جتنی آپ کو ہماری ضرورت ہے۔" جوان اولاد کس قدر انتشار کا شکار تھی۔ فا بے بسی سے بیٹے کو ٹوٹنے پھوٹنے کے اس عمل سے گزرتا دیکھ رہی تھیں۔

"ممی! پلیز۔" اذہان نے ہاتھ بڑھا کر ماں کے بالوں میں جذب ہوتے قطروں کو اپنے مضبوط ہا سے پونچھا تھا پھر اسی قدر آہستگی سے بولا تھا۔

"ممی! آپ نے ہی کہا تھا نا کہ زندگی میں کوئی بھی نقطہ، نقطہ اختتام نہیں ہوتا ہو سکتا ہے جس اسٹا آپ فُل اسٹاپ تصور کر رہے ہیں وہیں اس سے آگے ایک نیا پیراگراف شروع ہوتا ہو۔ ممی! آپ کی ہوئی وہی چھوٹی سی بات آج میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں ـــــ دوسروں کے لئے رشتوں کے مف بدل سکتے ہیں۔ ہمارا ہر تعلق آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتا ہے۔ آپ نے جو درس دیا وہ مجھے ا بھی ازبر ہے۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود میں نے کہیں بھی رشتے کے کسی تقدس کو پامال نہیں ہونے د شاید غلطی میری ہی تھی۔ یہ سب کچھ میرے ہی باعث ہوا۔ مجھے بابا کے اور آپ کے درمیان نہیں آنا چا تھا۔ اگر میں مداخلت نہیں کرتا تو شاید صورت حال ایسی نہ ہوتی۔" اس کا دھیما لہجہ احساسِ جرم سے تھا۔ سر جھکائے وہ بول رہا تھا۔

"میں خود کو آپ کا، ماہا کا مجرم خیال کرتا ہوں ـــــ شاید میں خود کو کبھی معاف بھی نہ کر سکوں۔ یقین کیجئے، مجھے آپ سے بے حد محبت ہے۔ مجھے آپ کی خیر خواہی مقصود تھی ممی! میں اس آشیانے کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس کا حصہ میں بھی ہوں۔ مجھے بھی وہ گھر اسی قدر عزیز ہے۔ یہ اقدام خیر خواہی لئے تھا۔ مگر آئی ایم سوری ممی! میں آپ کا گھر نہیں بچا سکا، اپنی بہن کو تحفظ نہیں دے سکا۔ اس کی خوشیو قائم نہیں رکھ سکا۔ میں آپ کا بہت نالائق بیٹا ہوں ممی! بہت برا بھائی ہوں۔"

ٹوٹتے لہجے میں حد درجہ شکستگی تھی۔ فارحہ چپ چاپ بیٹے کو تکتی رہی تھیں۔ آنکھوں سے متواتر بہتا اندرونی کیفیت کا غماز تھا۔

"ممی! مجھے نہیں معلوم تھا، صورتِ حال اس درجہ شدت اختیار کر جائے گی۔ اگرچہ یہ معاملہ اسی ف سنگین تھا۔ جب مجھے اپنے دوستوں کے ذریعے بابا کے متعلق پتہ چلا تو مجھے اچھا نہیں لگا۔ ہم نے ا والدین کے لئے عزت و مرتبے کے بہت بلند درجات مقرر کر رکھے ہوتے ہیں اور اگر ان درجات ایک انچ بھی وہ رشتہ گرنے لگے تو ہمیں بے حد برا لگتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے اچھا نہیں لگا جب میر بابا کے بارے میں مجھے کسی اور سے پتہ چلا۔ وہ شکایتیں جو والدین کو جوان اولاد سے متعلق ملتی ہیں وہ اپنے باپ سے متعلق موصول ہوئیں۔ یہ میرے لئے کم نہیں تھا ممی! جب میں نے آپ کو مطلع کیا تو مجھے قدر یقین تھا کہ صورتِ حال کنٹرول میں آ جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور ہوا تو اس کے برعکس۔ میں صوتِ حال سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، حالات اتنے اختیار سے باہر ہوتے چلے گئے۔ میں تسلیم کرتا ہو مجھے آپ دونوں کے درمیان سے ہٹ جانا چاہئے تھا اور جس طرح بابا چاہتے تھے گھر چھوڑ دینا چاہئے تھ

پ نے مجھے روک کر اچھا نہیں کیا ممی! آپ کو مجھے نہیں روکنا چاہئے تھا۔ میرے گھر سے نکل جانے سے پ سے یا ماہا سے رشتہ ختم قطعاً نہیں ہو جاتا۔ مگر میرے ایسا کرنے سے آپ کا گھر ضرور بچ جاتا۔ بابا یسی انتہائی راہ اختیار نہ کرتے جو انہوں نے اب اختیار کی۔"

وہ بہت آرام سے سارے الزام اپنے سر لے رہا تھا۔ وہ سارے جرم بھی جو اس سے سرزد نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی جن میں سرے سے اس کا کوئی قصور ہی نہیں نکلتا تھا۔

فارحہ خاموش تھیں۔ مگر خاموشی متواتر اس بات کی نفی کر رہی تھی۔ وہ اگر ایسا سب نہ کرتا تو بھی شاید ورتِ حال بہتر نہ ہوتی۔ سعد بخاری نے جس طرح اس کے استفسار پر واضح انداز میں اس تعلق کی ضدیق کرتے ہوئے اسے قبول کیا تھا اور اپنی دیوانگی کا گراف بتایا تھا وہ اس کے لئے کسی دھماکے سے کم ہ تھا۔ اسے اپنے گھر کی بنیادیں اسی دن کھوکھلی ہوتی نظر آ گئی تھیں۔ اس کے بعد تو جو بھی ہوا تھا وہ فقط اس گھر کو بچانے کی سعی تھی۔ مگر جو مکان ریت پر بنا ہو اس کی بنیاد چند روزہ ہوتی ہے۔ اسے دکھ اس بات کا تھا جو ایک طویل رفاقت کے تحت انہیں رہا تھا۔ اس مان کا تھا جو اس رشتے کے باعث قائم تھا۔ سارا دکھ اس بات کا تھا کہ وہ اس رفاقت کو مضبوط ترین خیال کرتی تھیں اور ایسا تھا بھی تو ایک زمانہ گواہ تھا۔ لوگ مثالیں دیتے تھے۔ پھر اچانک یہ کیسی آندھی اُٹھی تھی؟ کیسا طوفان آیا تھا اچانک؟

کیسے ایک مضبوط ترین گھر کی بنیادیں پل میں کھوکھلی ہو گئی تھیں۔ کیسے ایک پل میں سب کچھ ڈھیر ہو گیا تھا۔ سب کچھ خاک میں مل گیا تھا۔ شاید اس وقت زیادہ دکھ ہوتا ہے جب توقعات حد سے زیادہ ہوں۔ لیکن اس معاملے میں بھی دل متواتر جھٹلا رہا تھا۔ توقعات غلط تو نہ تھی۔ معاملہ دو طرفہ تھا۔ بس ایک ہ آیا تھا اور اپنے سنگ سب کچھ بہا لے گیا تھا۔

بہت زیادہ یقین بھی ڈبوتا ہے۔ ایسا ہی یقین اسے اس رفاقت پر تھا۔ اپنے گھر پر تھا۔ اس کی بنیادوں پر تھا۔ مگر سب کچھ پل کے پل میں ڈھیر ہو گیا تھا۔

"ممی! آپ ٹھیک ہو جائیں گی ـــــ سب ٹھیک ہو جائے گا ـــــ میں بابا سے معافی مانگ لوں گا۔ ہمارا گھر پھر سے آباد ہو جائے گا۔ بابا اگر چاہیں گے تو میں اس گھر کو بھی خیر باد کہہ دوں گا۔ مگر پلیز، ممی! پلیز آپ ٹھیک ہو جائیں۔" سید اذہان حسن بخاری کا انداز جس قدر شکستہ تھا اس قدر اس کا اندر شکستہ تھا۔ ان ٹوٹتے پھوٹتے لمحوں میں وہ بالکل بچوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔ حالانکہ یہ بات دونوں پر منکشف تھی کہ ایسا کچھ بھی ہونا ممکن نہیں۔ جس طرح تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں پلٹ سکتا اسی طرح اس اقدام کا بھی کوئی ریٹرن نہ تھا۔ یقیناً گزرنے والے کسی لمحے کا کوئی ریٹرن نہیں ہوتا۔

سید اذہان حسن بخاری مداوا چاہتا تھا، ازالہ کرنا چاہتا تھا مگر ایسا کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔

یہ بات فارحہ بھی جانتی تھیں اور خود اذہان حسن بخاری بھی۔ مگر دونوں اک دوجے کو آسرا دے رہے تھے۔

* * *

مائی اماں نے بہت ہنگامی حالت میں فون کر کے اسے بلایا تھا۔ وہ آتے ہوئے گی سے بھی نہ مل سکا

تھا۔ مگر اس کے فیکس پر اس نے اچانک چلے آنے کی وجہ لکھ بھیجی تھی۔ اُسے امید تھی، اس کی چند رو دوست اس معاملے کو انڈر اسٹینڈ کرے گی۔

مائی اماں نے اپنی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر اسے بلوایا تھا اور یہاں آ کر وہ ان کا مدعا سن کر ایک گہر سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

"مائی اماں! آپ جانتی ہیں ابھی ان سب باتوں کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ نے ہ کہا تھا نا کہ میری دستار بندی جب دس برس کی عمر میں ہو گئی تھی تو اس سے وابستہ بہت سی ذمے داریاں بھ آپ ہی آپ میرے ذمے لگ گئی تھیں۔ اور اب جب ان ذمے داریوں کی منصبی کا وقت آیا ہے تو آ مجھے ان فضول معاملات میں الجھا رہی ہیں۔" اس کا انداز کسی حد تک بے زار تھا۔

حمیدہ بیگم بیٹے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یقیناً ماں کے جذبات و احساسات کی پرواہ تھی۔ تبھی بہت ہولے سے ا کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرے تھے۔

"مائی اماں! یہ کام کرنے کے لئے ساری عمر پڑی ہے۔ آپ پلیز ان بیڑیوں سے فی الحال مجھے آزا رہنے دیجئے۔" مدھم لہجے میں ایک بار پھر انکار کیا تھا۔ حمیدہ بیگم خفگی سے دیکھنے لگی تھیں۔

"تجھے ماں کے جذبات کا بھی کوئی پاس نہیں ــــــ کیسا سل سا وزنی پتھر سینے پر دھرا تجھے بھیج بھیج کر۔ کتنا طویل درد سہا۔ خود سے تجھے جدا دیکھنا کتنا محال تھا میرے لئے۔ مگر میں نے یہ سب کیا۔ تیر خوشی کے لئے، تیری آنے والی زندگی کی بہتری کے لئے۔ میں چاہتی تھی تم دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھو۔ جینے کا ڈھنگ سیکھو۔ مگر میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ تم ایک ماں کے جذبات کو کچل دو۔" حمیدہ بیگم کسی قد جذباتی انداز میں گویا تھیں۔ سبکتگین حیدر ماں کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"قول دے چکی ہوں میں ــــــ آزاد فضاؤں میں پل بڑھ کر قول کا پاس تم بھول چکے ہو گے مگر تمہاری ماں نہیں۔ میں ان لوگوں کو بلوا چکی ہوں۔ اپنی زوباریہ ہے نا، اس کے شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹ ہے۔ خوب صورت اور خوب سیرت ہے۔ میں نے بلوایا ہے فارم ہاؤس پر۔ کچھ اچھے دن ساتھ گزار لیں یہی مقصد تھا میرا۔ اس سے کسی قدر سمجھنے میں آسانی رہے گی اور تم لڑکی کو دیکھ بھی لو گے۔ باپ بیمار ہے بیچارا۔ باہر علاج کی غرض سے جا رہا ہے۔ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔"

"آپ نے سوشل ورک کے کام گھر میں بھی شروع کر دیئے ــــــ ان فلاحی کاموں کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے بیٹے کی قربانی دیں۔ پیسے کی ضرورت ہے تو دے ڈالئے۔ دس، بیس، تیس کتنے لاکھ درکار ہیں انہیں؟"

"سبکتگین حیدر!" حمیدہ بیگم نے بلند آواز سے ڈانٹا تھا۔ وہ خاموش ہو کر سر جھکا گیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"معذرت چاہتا ہوں مائی اماں! لیکن آپ کو مجھ سے پوچھے بغیر حامی نہیں بھرنی چاہئے تھی۔"

حمیدہ بیگم چند ثانیوں تک پُرافسوس انداز سے بیٹے کو تکتی رہی تھیں پھر دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔

"وہ کوئی غریب، بے سہارا، کم اوقات لڑکی نہیں ہے جسے تمہاری امداد کی ضرورت ہو۔ مظہر سیال ملک ا انڈسٹریلسٹ ہے۔ نام و مقام ہے اس کا۔ اکلوتی بیٹی ہے اس کی۔ ایم بی اے کر رہی ہے۔ کسی طرح ے کم نہیں ہے۔ لغاری خاندان کے نام و مرتبے کا پوری طرح احساس ہے ہمیں۔ جانتے ہیں ہم مخمل ٹاٹ کا پیوند کبھی لگانے کی غلطی نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس گھر کے لئے کسی ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی جو کو باندھ کے رکھ سکے۔ اسے سنبھال سکے، سنوار سکے۔ سب سے بڑھ کر تمہیں سنبھال سکے۔" حمیدہ کا لہجہ مضبوط ارادوں کی ترجمانی کر رہا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

"تم نے جو چاہا وہ کیا سبکتگین حیدر! ہم نے کبھی کسی مقام پر کوئی بند باندھنے کی کوشش نہیں کی۔ کہیں یں نہیں ٹوکا۔ کہیں تمہیں محدود یا پابند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے نہیں کہ تم اختیار رکھتے تھے۔ ف اس لئے کہ ہم تمہیں تمہاری زندگی خود آپ جینے کی آزادی دینا چاہتے تھے۔ مگر اس کا مطلب ہرگز یں ہوتا کہ اس بے جا آزادی سے خاندانی رسم و رواج یا نام و مرتبے کی حیثیت کالعدم قرار پا گئی۔ ہم ے اختیارات کا ناجائز فائدہ قطعاً نہیں اٹھا رہے۔ جو کچھ بھی ہونے جا رہا ہے وہ تمہاری بہتری کے لئے ۔ ماں سے بڑھ کر کوئی خیر خواہ دنیا میں دوسرا نہیں ہوتا۔ تم جان جاؤ گے کہ ہمارا انتخاب بھی غلط نہیں ے۔"

"لیکن مائی اماں! میں کوئی بھاگ تو نہیں رہا کہیں ــــــ یہیں ہوں۔ خدا آپ کو زندگی دے۔ یہ ب بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن اتنی جلدی۔" سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ دبا دبا احتجاج کیا تھا۔ "مائی ں! مجھے آپ کے انتخاب پر مکمل اعتماد ہے، بھروسہ ہے۔ لیکن ابھی فی الحال آپ اس تمام معاملے کو ملتوی ں کر سکتیں؟" سبکتگین حیدر لغاری نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

"سبکتگین حیدر! جب تمہارے بابا کی شادی ہوئی تھی تو ان کی عمر سترہ برس تھی اور آج جب ہم یہ اقدام رنے جا رہے ہیں، تم پورے بتیس کے ہو چکے ہو۔ کہو یہ رعایت کافی نہیں ہے تمہارے لئے؟"

"مائی اماں! وہ وقت اور تھے۔ زمانے اور تھے۔" بڑا کمزور سا لہجہ تھا۔

"مگر قدریں تو یہی تھیں۔ کہو تم ان تمام سے انحراف برتنا چاہتے ہو؟" مائی اماں نے اسے چاروں سمت ے گھیر لیا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری فقط خاموشی سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ مائی اماں نے مسکراتے ہوئے اس ے مضبوط شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

"کوئی ڈھور ڈنگر نہیں ہو، بیٹے ہو میرے۔ وہ بھی اکلوتے۔ تمہارے حق میں کوئی غلط فیصلہ کرنے کے علق سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔ کیسے سوچ رہے ہو تم کہ جو ہونے جا رہا ہے وہ کچھ غلط ہے؟ ــــــ اپنی ں پر اعتبار نہیں ہے تمہیں؟"

سبکتگین حیدر لغاری سر جھکا گیا تھا اور دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"مائی اماں! میں آپ سے اختلاف کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ انحراف کرنے کی بات ر رہی ہیں۔" کسی قدر شرمندہ سا انداز تھا۔ مائی اماں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ ہتھیار ڈال یے گئے تھے اور یہ کم نہ تھا۔ بہت بڑی جیت تھی۔ اسی لئے مائی اماں مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"میں نے اسی لئے ان لوگوں کو فارم ہاؤس پر آنے کی دعوت دی ہے ـــــ مل بیٹھنے سے
بڑھتی ہے۔ جان پہچان میں مضبوطی آتی ہے، تعلقات پائیدار ہوتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم بھی ذ
پر تیار ہو جاؤ۔ لڑکی کو دیکھ لو، مل لو، بات کر لو۔ وہ بھی تمہیں سمجھ لے۔ گو پرانے زمانوں کے لوگ
جدید زمانوں سے قدم ملا کر چلنے کے قائل ہیں۔ مگر اپنی قدروں کی ہم آہنگی کے ساتھ۔ مظہر میاں دل
عارضے میں مبتلا ہیں۔ علاج کی غرض سے بیرونِ ملک جا رہے ہیں۔ اپنی اولاد کے فرض سے اپنی
میں سبکدوش ہونا چاہتے ہیں ـــــ ہم بیٹی والے نہیں مگر ان والدین کے جذبات سمجھ سکتے ہیں جو
والے ہیں۔ جب تک مظہر میاں اور زوبار یہ ملک سے باہر رہیں گے، وہ بچی یہیں رہے گی اور تم بھ
عرصے میں کسی بزنس اسائنمنٹ کو لے کر ملک سے باہر نہیں جاؤ گے۔ میں چاہتی ہوں تم دونوں اچھی
ایک دوسرے کو جان لو، سمجھ لو۔ گو سمجھنے کے لئے پوری زندگی پڑی ہے مگر شادی سے پہلے کا یہ عرصہ اس
اہم ہوتا ہے کہ اس کے بعد نئی زندگی جو شروع ہونے جا رہی ہے، اس تعلق کو سمجھنے میں، نبھانے میں
مدد ملتی ہے۔ وہ پیچیدگیاں جو انجانے ہوتے ہوئے فیس کرنا پڑتی ہیں، وہ باہمی انڈر اسٹینڈنگ کے با
بہت حد تک حل ہو جاتی ہیں۔"

کتنے حکم نامے تھے مائی اماں کے ـــــ اور وہ بس سر جھکائے سن رہا تھا۔

***

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں؟
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

اضطراب نے اس طور دل پر پہرہ ڈال دیا کہ اب تک کی ساری حقیقتیں پل بھر میں منکشف ہو گئی تھیں
اک بے قراری کس طور وجود کے سارے علاقے میں ہلچل مچائے رکھتی ہے، یہ سب اس پر فقط
شب میں کھلا تھا۔

کیسے رازوں سے شناسائی پا گیا تھا دل۔

بس ایک شب میں کیسی کایا پلٹ ہوئی تھی۔ کیسے سارے منظر بدل گئے تھے۔

دل کتنے مختلف انداز میں دھڑک رہا تھا۔ کیسے ساز تھے۔ کیسے سُر۔

اِک جادو سا اندر باہر پھیل رہا تھا۔

آج سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ پھر آج کیوں؟

عقل و خرد اِک کونے میں کیسے حیرانی سے یک ٹک تکتی جا رہی تھی۔

دل کیسا مسرور تھا۔

اور وہ خود کس قدر حیران سا تمام منظر نامے کو تکتا چلا جا رہا تھا۔

ساری سوچیں جیسے اس ایک نقطے پر ٹِک گئی تھیں۔ وہی ایک نقطہ پھیل کر سارے وجود پر محیط ہ
تھا۔ ساری عقل مات ہو گئی تھی۔

سوچ کے ہر جز پر وہ تھی۔ وہی آنکھیں تھیں۔

ل

ہر سمت اسی خیال کا پہرہ تھا۔ ہر جز اس کی روشنی سے پُر تھا۔ وہی محور تھی۔ وہی کل۔ جیسے ہر شے پر اس
اختیار تھا۔ جیسے وہ ہر شے پر قدرت رکھتی تھی۔ جیسے وہی مختارِ کل تھی۔ اور عفنان علی خان کس قدر حیران

عقل نے کس قدر مزاحمت کی تھی۔ خرد نے کس قدر ہاتھ پیر مارے تھے۔ کس قدر جھنلایا تھا اس نے ہر
ال کو، سوچ کو، اس تصور کو، ان آنکھوں کو، ان آنکھوں سے پھوٹتی روشنی کو، ان آنکھوں سے بہتے ان رنگوں
، روشنی کی ان حصار میں لیتی لہروں کو۔

عفنان علی خان ڈھیروں سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے مکمل خرد مند ہوتے مکمل طور پر بے بس تھا جیسے۔ اس
نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ کبھی کوئی آئے گا اور سب کچھ اپنے بس میں کر لے گا۔ فقط
ب پل میں ساری دنیا بدل دے گا۔ کیسے ـــــ کیسے ہوا تھا یہ سب؟ اور وہ بھی اس لمحے جب وہ ایک
نئے تعلق کی ابتداء کرنے جا رہا تھا۔ ایک نئے بندھن کو رقم کرنے جا رہا تھا۔ جب وہ عقل کے طے کئے
ملوں پر مہر ثبت کر رہا تھا تو کیوں دھڑکا تھا دل اس لمحے؟ ـــــ کیوں، کس لئے؟

کہاں تھی وہ اب تک۔ کیوں اب ہی سامنے آئی تھی۔

عفنان علی خان دن چڑھے بیدار ہونے پر آنکھیں کھولے یک ٹک چھت کو تکتا جا رہا تھا جب فون کی
ل نے اسے بیدار کر دیا تھا۔ اس نے بے حد کسلمندی سے کروٹ لی تھی اور ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا تھا۔

"کہاں تھے تم؟ لائن پک کیوں نہیں کر رہے تھے؟" دوسری طرف لامعہ حق حقیقت کے طور پر منکشف
ی اور وہ جو ابھی تک ایک سحر کے حصار میں تھا بہ مشکل خود کو اس جادو کے قلعے سے باہر لایا تھا۔

"رات بھر مارے خوشی کے ساتویں آسمان پر رہا ہوں۔ اب کیا نیند بھی پوری نہ کروں؟" وہ بائیں ہاتھ
سے سر دباتا ہوا جیسے بہ مشکل مسکرایا تھا۔

"ہیں ـــــ تمہیں کیا واقعی اس قدر خوشی تھی اس انگیج منٹ کی؟" لامعہ حق جیسے بے ہوش ہونے کو
ی۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" لہجہ ہی نہیں، انداز بھی مسرور تھا اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔

"تو موصوف سوئے نہیں شب بھر۔ رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ حیرت ہے، مجھے کیوں نہ اندازہ ہوا؟
ر کتنے گھنے ہو تم محترم عفنان علی خان! پہلے تو کبھی بتایا نہیں۔ اور اب ایک لمحے میں اتنی دیوانگی دکھا رہے
د؟"

"تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہو رہی ہے کہ یہ دیوانگی تمہارے لئے ہے؟" وہ مسکرایا تھا۔

"عفنان علی خان!" لامعہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

"تم بہت برے ہو عفنان علی خان! تمہیں تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔" لامعہ حق انتہائی خفگی سے بولی
تی۔

"جانتی تو ہو تم، تمہارا انتخاب کیوں عمل میں آیا کہ تم مجھ جیسے کائیاں شخص کو جھیل سکو۔ عریشہ اور انوشے کی
ائے میں تمہارا اسٹیمنا خاصا اسٹرونگ ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

”ہاں ——— مگر اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرے دل کو بری طرح کچل دو اور مجھے درد بھی نہ ہو عفنان علی خان! میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔ بہت ہی عام سے خواب ہیں میرے۔ جدید زمانے پروردہ ضرور ہوں مگر اندر سے وہی فطری پن جھلکتا ہے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر تم مجھے جان لو۔“ وہ بہت مد لہجے میں بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر ہولے سے گویا ہوا تھا۔

”جان پہچان تو اب ہو ہی جائے گی۔ آغازِ سفر جو ہو گیا۔“

”تمہارا پرابلم یہ ہے عفنان علی خان! کہ تم چاروں سمت سے آنکھیں بند کر کے چلتے ہو۔ بالکل ناک کی سیدھ میں۔“ وہ جواباً بولی تھی اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

”چلو، اب تم ساتھ ہو نا۔ راستوں کا اور منزلوں کا تعین کرتی جانا۔ میں آنکھیں بند کر کے قدم دھ جاؤں گا۔“

”ہاں ——— اتنے ہی تو اچھے ہو نا تم۔“

”سنو، یہ تم سب کی رائے میرے متعلق اتنی متضاد کیوں ہے؟“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”غلط تو نہیں ہے۔“ وہ کسی قدرِ خفگی سے بولی۔

”اچھا چلو، باقی کی ناراضگی پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ یہ بتاؤ اتنی صبح ہی صبح فون کیوں کیا تھا؟

اور لامعہ کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ واقعی کتنا عجیب بندہ تھا نا یہ۔

”محترم عفنان! پہلی بات تو یہ کہ مروت بھی کسی شے کو کہتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ دوپہر کے بار بجے کو صبح ہرگز نہیں کہتے۔“

لامعہ حق نے کہا تھا اور وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”اب بولو، کیا کروں؟ ——— سنو لامعہ حق! مجھے عام مردوں والے رنگ ڈھنگ نہیں آتے۔ اب ای ہی ہوں میں اور یہ بات جانتی ہو تم۔“ گویا وہ صاف لفظوں میں واضح کر رہا تھا کہ مجھ سے توقعات لگا فضول ہو گا اور وہ جو اسے بہت اچھی طرح سے جانتی تھی، جانتے ہوئے کیسے پل میں ایسی بے وقوفی کر بیٹھ تھی۔ ایک لمحے میں ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

”میں تم سے کوئی توقعات وابستہ نہیں کر رہی عفنان علی خان! لیکن اس تعلق سے متعلق جو بھی ذمہ داریاں ہیں تمہیں انہیں سمجھنا ہو گا۔ شام کے لئے انوشے اور میں نے پی سی میں ڈنر کا پروگرام بنایا ہے۔ برائے مہربانی تم وقت نکال کر آ جانا۔ رات آٹھ بجے۔“ یہ کہہ کر اس نے فوراً ہی فون دھر دیا تھا اور عفنان علی خان ہونٹ بھینچ کر فون کو دیکھنے لگا تھا۔

خواب کیا تھے ——— اور حقیقت کیا تھی۔

ایک لمحے میں جھیل سیف الملوک جیسی آنکھیں اس کے دل کے پار تھیں۔ عفنان علی خان سر جھٹکتا ہو ہر سوچ کو باطل قرار دیتا ہوا اٹھا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔

* * *

کتنے دلربا منظر آنکھوں کے سامنے تھے۔ کتنے بارونق چہرے تھے اس کے اردگرد۔ پاپا خوش تھے۔ مسکرا رہی تھیں۔ فانی ہنس رہا تھا۔ کچھ نئے چہرے تھے۔ خوشیوں کا سفر ہر جانب محوِ سفر تھا اور جانے یہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود اسے اپنا اندر بنجر ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

جانے یہ کیسی بے سکونی تھی۔ کیسی گھٹن تھی کہ دم تک گھٹ رہا تھا۔ آزاد فضائیں تھیں۔ ہر سمت سبزہ تھا۔ اپنے عروج پر تھا۔ منظروں میں رنگ تھے۔ ایسے میں تو روح تک مہک جانی چاہئے تھی۔ مگر ایسا نہیں اس کا اندر جیسے گر رہا تھا۔ ویرانیاں بڑھ رہی تھیں۔ جانے کیسے انجانے خدشے تھے۔ کیسے انجانے تھے جو اسے اندر ہی اندر مار رہے تھے۔

اسے کسی بہت انجان شخص سے ملوایا گیا تھا جس کے ساتھ اس کی زندگی کا تانا بانا جڑنا تھا۔ جس کے س کی ڈور آنا تھی۔ جس کے ساتھ اسے اپنی آئندہ کی ساری زندگی گزارنا تھی اور کیسا سرسری تھا اس کا کتنا سرد تھا اس کا انداز جیسے سرے سے کوئی سروکار نہ ہو۔ جیسے وہ کوئی غیر اہم وجود ہو۔ بہ مشکل پانچ وہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔

کیا نام ہے؟ کیا مشاغل ہیں؟ ——— اور بس۔

بات چند رسمی قسم کے سوالوں سے آگے نہ بڑھی تھی اور پوچھتے سے انداز ایسا تھا جیسے یہ سب کسی بزنس نٹ کا حصہ ہو اور اس کے اندر بھی کہاں کوئی امنگ تھی۔ کب کوئی شوق تمنا تھا۔ اس کی آنکھیں تو بس اندر سے اچانک اُگ آنے والی ویرانیوں پر ٹکی تھیں۔ سماعتیں فقط ان سناٹوں پر لگی تھیں جو روح تک راساں کر رہے تھے۔ کتنی عجیب تھی کیفیت۔ کتنی عجیب تھی صورتِ حال۔ جانے کیوں وہ سمجھ نہ پا رہی۔ یا پھر سب کچھ واقعی نہ سمجھ میں آنے والے اسرار تھے۔ مگر یہ کیسے بھید تھے جو روح کو گھائل کر رہے اندر کے اطمینان کو نگل رہے تھے۔ اسے کیوں ان دیکھے وہموں نے آن گھیرا تھا؟ انجانے خدشات سارے وجود کو محصور کر دیا تھا اور ایسا کیونکر تھا؟ کچھ بھی تو سمجھ نہ پا رہی تھی وہ۔

اس کی خالی خالی نظریں عجیب پُر وحشت انداز میں منظروں کو دیکھ رہی تھیں جیسے وہ اس ماحول کا حصہ نہ جیسے اس کی دنیا کوئی اور تھی ——— جیسے باہر کے مناظر سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ کیسا عجب تھا کچھ۔

کیسی نہ سمجھ میں آنے والی کیفیات تھیں۔

پاپا آنے والے وقت کے لئے کتنے لمحوں تک کچھ بولتے رہے تھے۔ اس کے شانے کے گرد اپنا بازو کر بہت محبت سے کچھ کہہ رہے تھے۔ جانے کون سے لفظ ان کے لبوں پر تھے۔ جانے کیا کہہ رہے ہ۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ سماعتیں سنتے ہوئے بھی نہ سن رہی تھیں۔ سارے احساسات کیسے ہو رہے تھے۔ ساری حسیں کیسے نیم جاں ہو رہی تھیں۔

ال ——— اسے پاپا کے چہرے کی مطمئن مسکراہٹ کسی قدر اطمینان دے رہی تھی۔ وہ انہیں خوش چاہتی تھی۔ انہیں خوشیاں دینا چاہتی تھی۔ مطمئن دیکھنا چاہتی تھی۔ یہی رضا تھی اس کی۔ تبھی تو وہ ان اتھ اس فارم ہاؤس پر چلی آئی تھی۔ حمیدہ بیگم متواتر اس کے لئے التفات کے مظاہرے کر رہی تھیں۔ محبت سے اسے اپنے ساتھ بھینچ رہی تھیں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال رکھ رہی تھیں۔

نوازشوں کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر وہ خوش نہیں تھی۔

اندر کہیں اطمینان نہیں تھا۔ بے چینی حد سے بہت سوا تھی اور وہ یکسر انجان تھی۔ سردار سبکتگین حیدا یا حمیدہ بیگم سے اسے کوئی انٹرسٹ نہ تھا۔ رتی بھر دلچسپی نہ تھی۔ وہ اگر یہاں تھی تو فقط پاپا کی وجہ سے۔

”میرب بیٹا! خود کو یہاں اجنبی خیال مت کرو۔ ہم سب کو اپنا سمجھو۔“ حمیدہ بیگم اسے کھوئی کھوئ کر بولی تھیں۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ جانے کیوں اس سارے ماحول میں اس کا دم گھٹ رہا بھاگ جانا چاہتی تھی۔ ان تمام منظروں سے پیچھا چھڑا لینا چاہتی تھی۔ لیکن ایسا کچھ ممکن نہ تھا۔ اسے ا تھا جیسے اسے تختہ دار پر لٹکانے کی تیاری کی جا رہی ہو ـــــ اس کی موت کے سامان ہو رہے ہوں۔ جیسے زندگی ختم ہو رہی ہو ـــــ جیسے سب کچھ فنا کی جانب گامزن ہو۔

زوباریہ، پاپا اور حمیدہ بیگم اسے سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ وقت گزارنے کے مواقع فراہم کر تھے اور اس کے لئے جیسے یہ سب کچھ سوہانِ روح تھا۔

وہ سنگت، وہ قربت جیسے اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ سرپٹ دوڑتی ہوئی وہاں سے نکا چاہتی تھی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایسا کچھ بھی ممکن نہیں۔ سو بے حس بت بنی اس تمام صورت حال گزرتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے بھی جیسے یہ سب کچھ بہت مشکل تھا۔ یہ ساری رسمیں رواداریاں قائم رکھنا شاید اسے بھی بہت گراں گزر رہا تھا۔ ناگواری کی لکیریں اس کے چہرے پر قدر واضح انداز میں رقم تھیں۔ مگر میرب سیال کب یہ سب جاننا چاہتی تھی؟ ـــــ کب اسے کس سے، کسی چہرے سے دلچسپی تھی؟ ـــــ اس کی نظریں تو اپنے اندر کی ویرانیوں سے اُلجھی ہوئی تھیں خاموش پہر ان دونوں کے بیچ بات کئے بنا بسر ہوئے تھے۔ چپ چاپ گزرے تھے۔ دونوں کے لمحے بوجھ تھے۔ دونوں کے لئے جیسے بوجھ کو ڈھونا کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ دونوں جیسے اس صورت کے لئے تیار نہ تھے۔

وہ سات دن جو وہاں بسر ہوئے تھے کتنے ہولناک تھے۔

پاپا کے جانے کی تیاری مکمل تھی۔ زوباریہ امریکہ میں اپنے بھائی سے مسلسل رابطے میں تھیں۔

وہ کمرے میں بے سدھ سی پڑی تھی جب زوباریہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

”میرب! تم تیار ہو جاؤ۔ تمہاری رسم ہونے والی ہے۔“ اس کے سامنے ایک پیکٹ ڈالا تھا اسے اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ زوباریہ چند لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھیں پھر دو قدم آ آئی تھیں اور بے حد نرمی سے بولی تھیں۔

”دیکھو میرب! مظہر کی خواہش ہے یہ۔ ایک اچھی بیٹی ہونے کے ناتے تم پر یہ فرض عائد ہوتا۔ ان کی خواہش کا احترام کرو۔ کل کیا ہونا ہے یہ کسی کو پتہ نہیں ـــــ ہم فقط اچھے کی امید رکھ کر دع سکتے ہیں۔ مگر آنے والے کل کو نہ تو جان سکتے ہیں نہ ہی اپنی مرضی سے بدل سکتے ہیں۔“

زوباریہ جانے کیا کہنے جا رہی تھیں۔ کس لئے اتنی لمبی تمہید باندھ رہی تھیں۔ وہ کسی قدر خا

روں سے اسے تکتی جا رہی تھی۔ مگر زوباریہ سے کچھ نہ بولی تھی۔ پیکٹ کھول کر ایک زرتار فان کلر کا سوٹ ں کے سامنے دھرا تھا اور پھر بہت مدھم انداز میں بولی تھیں۔

”چلو شاباش، تیار ہو جاؤ۔ ابھی چند لمحوں میں قاضی صاحب بھی آ جائیں گے اور.......“

مگر وہ اس سے آگے سن کہاں سکتی تھی؟ کسی قدر حیرت سے چونکتے ہوئے زوباریہ کی سمت دیکھا تھا۔ ر وہ اس کی جانب متوجہ ہوئے بغیر اپنا مدعا بیان کرتی رہی تھیں۔ جیسے یہ کوئی معمول کا غیر اہم واقعہ ہو۔ جیسے کوئی سرسری ساذکر ہو۔

اور میرب سیال کی نظریں کیسی ساکت سی تھیں۔ کتنی بے یقینی تھی ان میں۔ کس قدر حیرت تھی۔ آنکھیں بی کھلی تھیں۔ تو یہ خدشے، یہی قیامتیں تھیں جو جسم و جاں پر ٹوٹنا تھیں۔ یہی وہ وسوسے تھے جو اندر ہی ر روح کو گھائل کر رہے تھے۔ یہی ویرانی تھی اندر کی۔ یہی وحشت تھی یا پھر ابھی کچھ اور بھی ہونا باقی تھا۔ ئی قیامتیں اور بھی تھیں جو جسم و جاں پر ٹوٹنا باقی تھیں۔ کچھ عذاب اور بھی تھے۔

زوباریہ جانے کیا کچھ مزید کہہ گئی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ جان ں ایک سکوت سا در آیا تھا۔ نظروں میں پاپا کا چہرہ پھر آ گیا تھا۔ اِک اُمید، اِک آس لئے آنکھیں کس ت کی متقاضی تھیں اس سے۔ کیا سوال تھا ان میں؟ اسے کچھ یاد نہ رہا تھا۔ کوئی دوسری بات یاد نہ رہی ں۔ نہ اپنا آپ نہ اور کچھ یاد رہا تھا تو فقط پاپا کا چہرہ۔ وہ پُر اُمید آنکھیں۔ وہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی اور دکو دیئے گئے حکم نامے کے تحت ڈھالنے لگی تھی۔

اپنا اندر چیخ رہا تھا۔ کچھ بے چینی سوا ہو گئی تھی مگر اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ چپ پ اس کاغذ پر اپنا آپ کسی کے نام لکھ دیا تھا ارد گرد کئی لوگ تھے۔ کچھ اپنے ہی تھے۔ مگر اسے سبھی چہرے ۔ جیسے لگ رہے تھے۔ ایک ہی رنگ تھے سب کے، ایک ہی ڈھنگ تھے۔

اسے اپنا آپ کسی پاتال میں گرتا محسوس ہو رہا تھا۔ دل جیسے بیٹھ رہا تھا۔ کیسے رہ سکتی تھی وہ یہاں؟ دل بھی ے بند ہونے کو تھا۔ پھر ساری عمر کیسے گزرتی؟

پاپا اس کے سامنے آن بیٹھے تھے۔ کچھ بول بھی رہے تھے مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ خالی لی نظروں سے بس ان کو تکتی چلی گئی تھی۔

آنکھیں خالی تھیں ـــــ خشک تھیں۔ شاید سارا پانی کہیں قطرہ قطرہ اندر ہی گر رہا تھا۔ یا شاید سارا اندر سمندر ہو رہا تھا۔

سید ازہان حسن بخاری ماں کو ہسپتال سے گھر لے آیا تھا۔

ہر جانب ایک طویل جامد سناٹا تھا۔ گھر کے تینوں نفوس ایک دوسرے سے نگاہیں ملانے سے کتر تھے۔ تینوں اپنے اندر کے بھید اپنے اندر لئے معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ شاید کوئی ر مقصود تھا۔ خود کو بھی اور اپنے سے منسوب لوگوں کو بھی۔ یا پھر چپ رہ کر ایک دوسرے کی ڈھارس چاہتے تھے۔ خود کو مضبوط ظاہر کر کے کسی کو اس احساسِ جرم سے بچانا چاہتے تھے یا پھر خود کو بے کے کسی اور کا حوصلہ بندھانا چاہتے تھے۔

ازہان حسن بخاری جب تک ہسپتال میں مصروف رہا تھا اسے کسی اور طرف دیکھنے کی فرصت ن تھی۔ ماں کے ساتھ اس کی توجہ اس قدر جڑی ہوئی تھی کہ وہ کسی اور سمت دیکھ ہی نہ سکا تھا۔ اور اب گھر لوٹا تھا تو ماہا پر نگاہ گئی تھی۔ چپ چاپ اپنے معمول کے کاموں میں مصروف، بے تاثر چہرہ، ج نظریں، متحرک ہاتھ اور جامد آنکھیں۔

وہ بری طرح احساسِ جرم میں گھر گیا تھا۔ نگاہ جھک گئی تھی۔ اندر دور تک ایک خاموشی پھیلتی تھی۔ وہ تو اب تک فقط ایک محاذ پر لڑ رہا تھا۔ فقط ایک جانب دیکھ رہا تھا۔ ساری توجہ ایک طرف تھی۔ وہ تو جان ہی نہ پایا تھا کہ کسی اور کو بھی اس کی ضرورت ہے ——— کسی اور کو بھی اس کا شا ہے اور وہ بھی وہ، جس کا سب سے عظیم نقصان ہوا تھا۔ وہ ہستی جو اسے بے حد عزیز تھی۔ جس کا مان اس دل پر کیا قیامت نہ گزری ہوگی۔

کسی سے کچھ نہ کہا تھا۔ کتنا درد ٹھہرا ہوگا اندر ——— کتنی گھٹن ہوگی اندر۔

ماہا اس کے سامنے چائے رکھ رہی تھی۔ جب وہ ہولے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ پلٹنے لگی تھی، ا نے آواز دی تھی۔

”ماہا ——— !“

ماہا رکی تھی مگر پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ شاید آنکھوں میں یکدم ہی بہت سی نمی آن ٹھہری تھی ا کمزور لمحوں میں اپنی کمزوری کو بھائی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر مضبوط نظر آنے کا یہ انداز بہت فقط ایک مخلص آواز آنے پر ہی وہ خود پر باندھے گئے ضوابط کی فصیلوں کو قائم نہ رکھ پائی تھی۔ آنکھ

ٹھہرا ہوا بہت سا پانی یکدم ہی باڑ پھلانگ کر باہر آیا تھا اور چہرہ چپ چاپ بھیگتا چلا گیا تھا۔ اس نے خود کو روکا نہیں تھا۔ اس لاوے کو چپ چاپ آنکھوں کے راستے بہنے کی اجازت دے دی تھی۔

ازہان حسن بخاری نے بہن کی پشت کو دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے آگے بڑھ کر بہن کے شانے پر بہت دھیرے سے ہاتھ دھرا تھا۔ وہ یکدم ہی پلٹی تھی اور پھر بھائی کے مضبوط شانے پر سر رکھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔ ازہان حسن بخاری کتنی ہی دیر اسے ہولے ہولے تھپکتا رہا تھا۔ چپ چاپ اسے تسلی دیتا رہا تھا۔ شاید اس لمحے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی یا پھر لفظ کسی بھی بات کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے یا پھر جو کچھ ہوا تھا اس کے لئے لفظ ناکافی تھے۔ کتنی دیر وہ دونوں بہن بھائی خاموش کھڑے رہے تھے۔ ماہا کے دل کا غبار کسی قدر چھٹ گیا تھا اور اب وہ خاموشی سے کھڑی سر جھکائے کسی قدر شرمندہ سی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے بہن کی طرف دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا۔

”مجھے معاف کر دو ماہا! میں تمہارا مجرم ہوں۔“ بہت آہستگی کے ساتھ اس نے اپنا گناہ قبول کیا تھا۔ مگر اہا سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”نہیں ——— میں ایسا نہیں سمجھتی۔ آپ خوامخواہ خود کو قصور وار مت ٹھہرائیں۔ جو کچھ ہوا وہ میری قسمت میں درج تھا۔ مجھے اس کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔ اچھا ہوا رشتے کی ناپائیداری وقت سے بہت پہلے ہی کھل گئی۔ اگر بعد میں کچھ ہوتا تو یقیناً اچھا نہیں ہوتا۔ میں قسمت کے اس فیصلے پر قطعاً افسردہ نہیں وں۔ افسردہ ہوں تو فقط آپ کے اور ممی کے باعث۔“ اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔ ازہان سن بخاری اس گھڑی جیسے مزید پستیوں میں گھر گیا تھا۔ دل پر اور بھی بوجھ آن پڑا تھا۔ شاید تبھی وہ کچھ لا نہیں تھا۔ پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ ماہا کتنی ہی دیر بھیگی آنکھوں سے اس سمت تکتی رہی تھی۔

❄❄❄

یہ تعلقات بھی عجیب شے ہیں۔ وابستگی ہوئی نہیں اور توقعات کا سلسلہ دور تک جا پھیلتا ہے۔ چاہے وئی امید دلائے یا نہ دلائے۔ کوئی کچھ کہے نہ کہے مگر یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔ یہ خود بخود اندر سے اٹھنے والا ذبہ ہے، جس پر کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی بندش نہیں۔

لامعہ حق کو بھی کوئی یقین نہیں دلایا گیا تھا۔ کوئی وعدہ بھی پیہم نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے ایک اص دن پر کسی بہت اپنے کی، کسی بہت دل کے قریب فرد کی توقع کر رہی تھی۔ اس کی آمد کی، اس کی توجہ لی، اس کی کسی نوازش کی منتظر تھی۔ دل افسونِ انتظار سے بندھتا چلا گیا تھا۔ حالانکہ عفنان علی خان نے یسا کچھ نہیں کہا تھا۔ ایسا کوئی یقین نہیں دلایا تھا مگر وہ پھر بھی اس کی منتظر تھی اور ایک لاحاصل انتظار کئے جا ی تھی۔

صبح آنکھ کھلی تھی تو پہلا احساس یہ جاگا تھا کہ ابھی اس کا فون آئے گا۔ ابھی وہ کوئی پیام بھیجے گا۔ کوئی وس آہٹ ہوگی، کوئی در پر ہوگا، وہ دروازہ کھولے گی۔ وہ نہ سہی، کوئی اس سے وابستہ فرد ہی سہی، کوئی سا کا پیامبر ہی سہی، کوئی خبر تو لائے گا۔ کوئی پیام تو بھیجے گا وہ۔ کچھ نہ کہے گا تو فقط پھولوں میں اپنی تمام رنگیں، اپنی تمام شدتیں سمو کر بھیج دے گا ——— ایک چھوٹا سا کارڈ ہی سہی، اس کی خوشبو تو سنگ لائے گا۔

تحریر ہی میں سہی، اس کے ہاتھ کا لمس تو ہوگا نا، جسے وہ چھو سکے گی، محسوس کر سکے گی۔

مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

صبح سے دوپہر اور پھر دوپہر سے شام اور شام سے رات ہوگئی تھی مگر جس سمت سے ایک آس تھ سمت سے کوئی ردِعمل نہیں آیا تھا۔

ماما پاپا کو اس کی خوشی عزیز تھی۔ سو انہوں نے ایک چھوٹی سی تقریب کا انعقاد گھر کے لان میں تھا۔ کئی عزیز و اقارب آئے تھے، کئی دوست مدعو تھے۔ مگر وہی نہیں تھا جسے ہونا چاہئے تھا۔

انابیہ شاہ آئی تھی اور اس کا اُترا چہرہ دیکھ کر کتنی دیر تک چھیڑتی رہی تھی۔

”تبھی تو کہتے ہیں بندہ امیر کی بجائے غریب زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ امیر کے پاس وقت ہی نہیں نہ آپ کو سراہنے کے لئے، نہ اقرار کے لئے، نہ تکرار کے لئے۔ جب کہ مڈل کلاس کے بہت مزے عیش ہی عیش ہوتا ہے۔ بندے کے پاس وقت بھی ہوتا ہے اور ایک دردمند دل بھی۔ خیال بھی رکھتا محبت بھی کرتا ہے۔“ انابیہ شاہ مسکراتے ہوئے یقیناً اُسے چھیڑ رہی تھی مگر اس نے کوئی جواب نہیں مسلسل منتظر نظروں سے آمد والے راستوں پر تکتی رہی تھی۔

”کوئی فائدہ نہیں ہے ـــــ موصوف نہیں آنے والے۔ نظریں ہٹا لو راستوں سے اب۔“ ا مسکرا رہی تھی اور لامعہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

انابیہ شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ پھر بغور اس کی سمت دیکھتے ہوئے قدرے ملائمت سے تھی۔

”کم آن یار! ڈونٹ ٹیک اِٹ سیریس۔ مذاق کر رہی تھی میں تو۔“

”میں تمہارے مذاق کی وجہ سے پریشان نہیں۔“ لامعہ نے نمی کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کسی بسورتے ہوئے کہا تھا۔ تقریب اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے

”ٹھیک کہا ہے کسی نے۔“ انابیہ کے اناری لبوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ تھی۔

”کیا؟“ لامعہ نے اس کی جانب دیکھے بغیر پوچھا تھا۔

”بے قدروں سے کر کے پیار، قدر گنوائی دل کی یار۔“ انابیہ شاہ سچ مچ اس کی کیفیت سے رہی تھی۔ لامعہ نے اُسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

مہمان بالآخر ایک ایک کر کے رخصت ہوگئے تھے۔

”اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“ کتنے کرب سے بولی تھی لامعہ۔ انابیہ شاہ نے اب کے بغو سمت دیکھا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”اور تمہیں بھی تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”کیا...... کیا، کیا میں نے؟“ لامعہ حق کسی قدر حیران ہوئی تھی۔

”تم نے حد کر دی ہے لامعہ حق!“ انابیہ شاہ کسی قدر افسوس سے بولی تھی۔ ”تمہیں کم از کم ان کو ایک فون کر دینا چاہئے تھا۔ ڈمب کال ہی سہی۔ چاہے کچھ نہ کہتیں۔ مگر ان حضرت کو خبر تو ہو جاتی

باور کرانا چاہتی ہو۔“

مگر لامعہ پُر افسوس انداز میں سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”اس کے پاس ایسی کوئی حس نہیں ہے۔“

”اور تم ـــــ؟“

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر پھر جانے کیا سوچ کر لب بھینچ لئے تھے اور خاموشی کے ساتھ سر جھکائے لامعہ کو دیکھنے لگی تھی۔ لان میں قمقمی روشنیوں کا بسیرا اب بھی تھا مگر مہمانوں کی رخصت کے بعد ایک طرح کا سکوت اب چارسُو پھیلا ہوا تھا اور اس طویل سناٹے کو محسوس کرتے ہوئے انابیہ شاہ یقیناً لفظوں کی متلاشی تھی جو اس کی دوست کے دل کو راحت دے سکیں۔ کسی قدر دلاسہ دے سکیں۔ مگر وہ وشش میں سراسر ناکام تھی۔ اسی تگ و دو میں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی جب لامعہ کی آواز اس کے کانوں پڑی تھی۔

”اس شخص نے مجھے حد درجہ ڈس اپوائنٹ کیا ہے انابیہ! میں اس کی غافل طبیعت سے سدا کی واقف مگر میں سمجھی تھی ـــــ لیکن اُسے تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔ زندگی کے پہلے ہی اسٹیپ پر کس درجہ بے سے پانی پھیرا ہے اس نے میری امیدوں پر۔ بے حد ظالم ہے وہ۔“

حد درجہ پُر افسوس انداز میں وہ کہنے کے ساتھ ہی اٹھی تھی اور بہت تھکے ماندے قدموں سے اندر کی ب بڑھنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ تا دیر اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کر کے سر اٹھا کر ان کی طرف تکنے لگی تھی۔ تقریب کا آغاز ایک اُمید پر ہوا تھا اور اختتام میں وہی امید دل کے کسی نہاں نے میں دفن ہوگئی تھی۔ یقیناً لامعہ بہت زیادہ ڈس اپوائنٹڈ تھی اور اس کی یہ کیفیت یقیناً اس کے دل پر بھی اثر کر رہی تھی۔ بہترین دوست تھی وہ اس کی۔ اس کی کیفیت پر اس کا دل بھی اسی قدر ملول ہوگیا

رات خاصی بیت چکی تھی۔ لان میں چارسمت خاموشی و ویرانی کا ڈیرہ تھا۔ رات ہولے ہولے بھیگ تھی۔ ہر سمت اوس کے قطروں کا پہرہ تھا۔ فضا میں ایک نمی سی تھی۔ وہ ابھی اٹھنے کا قصد کر رہی تھی ب نگاہ آسمان کی سمت سے ہٹانے پر اس نے اپنے سامنے اک عجیب ہی منظر دیکھا تھا۔ کوئی بہت اپنے پ میں مگن، پُروقار انداز میں مضبوط قدم اٹھاتا اس کی سمت چلا آ رہا تھا۔ قدموں میں پُراعتمادی حد درجہ ا جیسے وہ دنیا فتح کرنے کا عزم رکھتا ہو۔ اپنے فاتح ہونے کا یقین اس کے قدموں کی مضبوطی سے بہ ی لگایا جا سکتا تھا۔ انابیہ شاہ چونکے بغیر اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ شاید بہت محو تھی وہ لامعہ کی کیفیت پر۔ ی نہ تو چوکیدار کے گیٹ وا کرنے کی سمت توجہ مبذول کر سکی نہ ہی گاڑی پورچ میں رکنے کی آواز پر کان رکی۔ اور دیکھنے پر بھی وہ سمجھی تھی کہ آنے والے کے قدموں کا رخ اندر کی سمت ہوگا۔ مگر ان مضبوط موں کو مسلسل اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

آنے والا اسی پُراعتمادی اور وقار سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ نگاہ بغور اس پر تھی۔ آنکھوں ا عجب ایک انجانی کیفیت تھی۔ جیسے اس کی آنکھیں اس گھڑی کوئی جادوئی قلعہ تھیں اور کسی کا عکس لمحہ لمحہ

ان میں محصور ہو رہا تھا۔ انابیہ شاہ ان آنکھوں کے متواتر دیکھنے پر کسی قدر چونکی تھی۔ مگر تکنے والے کی محو ٹوٹی نہیں تھی۔ وہ اس لمحے سر اٹھا کر جیسے سیاہ گھور آسمان کی وسعتوں میں کچھ تلاشنے لگا تھا۔ انداز کسی دلفریب تھا۔ وہ دلچسپی سے اسے تکنے لگی تھی۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟" وہ کسی قدر حیرانی سے اس کی سمت تکتی ہوئی بولی تھی۔ مقابل کھڑا شخص لمحہ کو چونکا تھا پھر بغور اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"چاند ـــــ مگر وہ آج آسمان پر کہاں۔" انداز پُر افسوس تھا۔

"کیوں؟" وہ چونکی تھی۔

مقابل نے اسے بہت دلفریبی سے دیکھا تھا۔ پھر ایک جادوئی مسکراہٹ اس کے لبوں کا حصار کر تھی۔

"وہ آج زمین پر جو آ گیا ہے۔" اس کے جادوئی قلعے جیسی آنکھیں اس گھڑی شاید مسکرا رہی تھیں وارد کی حس مزاح یقیناً بہت عمدہ تھی۔ وہ ایک دم ہی مسکرائی تھی۔

"باتیں بنانا یقیناً آپ کو بہت اچھی آتی ہیں۔ مگر دل رکھنا۔" لامعہ کے متعلق سوچ کر وہ بولنے جا تھی مگر پھر یکدم ہی رک گئی۔

"دل ـــــ؟" وہ کسی قدر حیران ہوا تھا پھر نگاہ اس پر سے ہٹا کر اپنے سینے پر بائیں جانب مرکو تھی۔ دبیز سیاہ کوٹ کا کالر ہٹا کر اندر جھانکا تھا۔ پھر کسی قدر مایوسی سے دائیں ہاتھ سے سینے کے بائیں کو ٹٹولا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ یقیناً یہ سامنے کھڑا شخص دلچسپی سے خالی تھا۔ شاید کچھ اہم تھا اس میں، اس کی آنکھوں میں، اس کی باتوں میں۔ تبھی تو وہ ان لمحوں کے حصار مقید ہو کر یہ تک بھول گئی تھی کہ رات خاصی بیت چکی ہے اور اسے واپس بھی پلٹنا ہے۔ اس لمحے اس کی اس شخص پر تھی اور وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"یہاں تو ایک ہی دل تھا، سو وہ بھی نہیں رہا۔ آپ غالباً مغالطہ آرائی سے کام لے رہی ہیں۔ آپ اپنا دل تا حال مجھے نہیں سونپا۔" تمام تر تسلی کر لینے کے بعد وہ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لئے گویا ہوا تھا پہلے جہاں وہ چند ثانیوں تک ساکت سی اسے تکتی چلی گئی تھی پھر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"رات بارہ بجے کے بعد سے عقل و خرد سر پر پاؤں دھر کے بھاگ جاتی ہے۔ ٹھیک کہا ہے کسی نے وہ یقیناً محظوظ ہوئی تھی۔

جواباً موصوف دھیمے سے مسکراتے اسے تکتے چلے گئے تھے۔

"یہاں تو دل نہیں رہا اور آپ فقط عقل و خرد کی بات کرتی ہیں۔" وہ یقیناً اس گھڑی سنجیدہ نہ تھا۔ انا شاہ اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے ہولے سے مسکرائی تھی۔

"پروف ہو گیا، آپ ہی محترم عفنان علی خان ہیں۔ لامعہ آپ کے متعلق ٹھیک ہی کہتی ہے۔"

"زمانے کی جانے دیجئے، آپ اپنی کہیے۔ کس دیس سے آئی ہیں ـــــ کس درجہ نور پھیلا ہوا ہر سمت۔ کتنا بہت سا جادو ہے ہر طرف۔ سچ ـــــ سدھ بدھ گھو بیٹھا میں تو۔" وہ شخص واقعی مقابل کو

کرنا جانتا تھا۔

انابیہ شاہ کسی درجہ حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ رات یکدم ہی جادوئی سی ہوگئی تھی۔ اک طلسم سا ہر سمت پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں واقعی کوئی جادوئی قلعہ تھیں جن کے اندر اس کا عکس مقید ہوتا چلا گیا تھا۔ شاید وہ کوئی جادوگر تھا۔ کوئی شعبدہ گر تھا۔ کتنے نرالے انداز تھے اس کے۔ وہ یکدم چونکی تھی اور نگاہ پھیر گئی تھی۔ وہ اٹھنا چاہ رہی تھی مگر اسے ایسا کرنا ناممکن لگا تھا۔ سارا وجود پتھر ہو رہا تھا۔ اپنا تاثر برقرار رکھنے کو وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ اخلاق نبھایا تھا۔ اس کے سوا جیسے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ پہلی ملاقات تھی اور وہ کمزور پڑنا قطعاً نہیں چاہتی تھی۔ شاید تبھی بات بنانے کو بولی تھی۔

"لامعہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ قصور اس کا بھی نہیں۔ شاید رشتوں میں توقعات اپنے آپ عود کر آتی ہیں۔ بہت خاص دن تھا اس کا اور آپ نے یاد نہ رکھ کر یقیناً اچھا نہیں کیا۔ بہت ملول تھی وہ ـــــ رو رہی تھی۔ آپ کو نہیں آنا تھا تو مطلع کر دیا ہوتا۔ فقط فون پر ہی دو لفظ کہہ دیئے ہوتے۔ لامعہ کا دل تو رہ جاتا۔" اپنی دانست میں اس نے بڑی بات کی تھی مگر اس شخص کا کوئی ردعمل اس کے سامنے نہ آیا تھا۔ عجب بے تاثر انداز تھا جیسے اس نے سن کر بھی نہ سنا ہو۔ مگر اس کے بغور دیکھنے کی محویت قطعاً نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اب بھی دھیمے سے مسکراتا ہوا اس کی سمت تک رہا تھا۔

"آپ کی آواز بھی بہت میٹھی ہے۔ ایسے جیسے منوں کے حساب سے شہد گھلا ہو۔ بتایا نہیں آپ نے، کس دیس سے آئی ہیں آپ؟" وہ بدستور شرارت پر آمادہ تھا۔ وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے دھیان پھیر گئی تھی۔ عجب طلسمی رات تھی۔ کیسی گرفت میں لینے والی باتیں تھیں اس کی۔

"عجب شخص ہیں آپ۔ مگر ایک بات ہے، لامعہ کا انتخاب غلط نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی قطعی نہیں کہ آپ ہماری پیاری سی لامعہ کی جان عذاب میں مبتلا کر دیں۔ نخرے دکھائیں بھئی، لیکن ذرا پیار سے۔ ہماری لامعہ کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچنی چاہئے۔" کہتے سمے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی تھی، پھر مسکراتی ہوئی اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"چلوں گی اب ـــــ اچھا ہوا آپ سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع مل گیا۔ لامعہ کو بتاؤں گی تو بڑی تسلی ہو گی اسے۔ ناراض ہے کسی قدر۔ اب آئے بھی تو کیا آئے ہیں۔ خیر منتظر تو وہ اب بھی ہو گی۔ ازالہ ممکن تو ہے۔ بہرحال کوشش کر دیکھئے، تھوڑی کڑوی ضرور ہے مگر دل کی بری نہیں۔ اور ان حالات میں تو یوں بھی اس کا ہر اقدام جائز ہو گا۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

وہ ہولے سے اٹھی تھی۔ مقابل اسے اب تک بغور تک رہا تھا۔ کس درجہ محویت تھی۔ وہ اب کے نہ تو چونکی تھی نہ ہی حیران ہوئی تھی۔ دو قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچی تھی۔ اس کی خوشبوؤں کا پہرہ اس گھڑی فضاؤں میں تھا۔ ماحول میں چار سمت جیسے ایک مقناطیسی حصار بندھا ہوا تھا اور سارا کچھ اسی جادو کے زیر اثر تھا۔ وہ متاثر نہ تھی مگر کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔ وہ جس طرح بغور اسے دیکھ رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا، وہ کیا تاثر دے۔ تبھی شاید وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ قصد الوداعی تاثر دینے کا اور پل میں قدم اٹھا کر آگے بڑھ جانے کا تھا۔ مگر مقابل کھڑے شخص نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک ہاتھ کو گرفت

میں لے کر جیسے سارے لمحوں کو روک دیا تھا۔ وہ ٹھٹکی تھی۔ اس اقدام پر قدرے حیرت سے مقابل کی تکنا چاہا تھا مگر دوسری جانب محویت عجب دیوانگی لئے ہوئے تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ مگر مقابل کھڑا شخ اسے متواتر تکتا چلا گیا تھا۔ کتنی قربت تھی۔ اس کی خوشبو کتنی قریب تھی۔ سانسوں کی تپش سے جیسے سارا و سلگنے کو تھا۔

''اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں''

کتنے ہولے سے اس کے لب ہلے تھے اور پوری فضا جیسے کسی جادو سے بھرتی چلی گئی تھی۔ انابیہ جیسے پل میں بیدار ہوئی تھی۔ لمحہ بھر میں اس نے اپنا مرمریں ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھ مقابل مسکرایا تھا اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی بہت آہستگی سے مسکراتے ہوئے اس ہاتھ کو اپنی گرفت آزاد کر دیا تھا۔ مگر زیرِ لب مسکراتے ہوئے اس کے لبوں پر پھر وہی خوشبو سی بات تھی۔

''اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں''

اس کی آنکھوں میں کتنا یقین بول رہا تھا۔ انابیہ شاہ ساکت سی تکتی ہوئی لمحہ بھر میں الٹے قدموں پیچھ چلی تھی۔ وہ اسی طور تکتا ہوا، اسی قدر دلفریبی سے مسکرا رہا تھا۔ قدم جیسے من من بھر کے ہونے کو تھے مگر یکدم ہی رخ پھیرتے ہوئے پلٹی تھی اور وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔

***

عجب تبدیلی آئی تھی۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود عقل اور دل بہت چپ چاپ سے اِک کونے میں دبکے بیٹھے تھے۔ سارے وجود میں اِک سکوت سا تھا۔ اتنی چپ تھی کہ اگر ایک سُوئی بھی گرتی ارتعاش سارے بدن میں پھیل جاتا۔

ذہن تھا کہ قبول ہی نہ کر پا رہا تھا۔

اس کی زندگی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ حقیقت بدل گئی تھی۔ وہ پل میں کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ سارے حوالے بدل دیئے تھے وقت نے۔ نئے بندھنوں میں لا باندھا تھا۔ مگر وہ خود کو اور بھی تنہا محسوس کر ر تھی۔ جیسے کوئی اپنا آپ نہ تھا۔ جیسے سب اجنبی تھے، غیر تھے، پرائے تھے۔ اور ان پرائے لوگوں درمیان کتنی ششدر سی رُکی کھڑی تھی وہ۔ پتہ نہیں اپنے ہونے کا یقین چاہ رہی تھی یا کوئی نئی پہچان مانگ رہی تھی۔ ان لوگوں سے یا پھر شاید وقت سے، مگر ہر جانب اِک سکوت تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہ آ تھی۔ وقت شاید بے رحم تھا۔ تبھی تو وہ اپنوں سے دور ہو گئی تھی۔

انجانے منظروں میں قید ہو گئی تھی۔

بیگانے لوگوں میں آن گری تھی۔

کتنی سرد مہری تھی نگاہوں میں کسی کی۔ کتنے سرد لہجے تھے اور اس یخ بستگی سے اس کا سارا وجود سن رہا تھا۔ وہ اندر تک سے سرد پڑ رہی تھی۔

''پاپا، زوباریہ، فانی سب چلے گئے تھے اسے تنہا چھوڑ کر۔ اس برف کے زمانے میں، اسے برف ونے کو۔ اور وہ تھی کہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر پا رہی تھی۔

مائی اماں اس کا کتنا خیال رکھ رہی تھیں۔ محل سے بھی بڑا گھر تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری کا۔ کتنی اونچی صیلیں تھیں اس کی۔ کتنے اہتمام سے سجایا گیا تھا اسے۔ کتنی پُرتعیش آرائش و زیبائش تھی اس محل سے بھی ڑے گھر کی۔ نوکروں کی اِک فوج تھی، ہر لمحہ، ہر آن مستعد۔ مگر نفوس بہت تھوڑے تھے۔ وہ تو ابھی اس خصوص کمرے سے ہی باہر نہ نکلی تھی جسے رہائش کے لئے اسے سونپا گیا تھا۔ وہی کمرہ اس قدر بڑا اور پُر آسائش تھا کہ اسے خود پر کسی ریاست کی شہزادی ہونے کا گمان گزر رہا تھا۔ پورا گھر جانے کتنا بڑا ہو گا۔ وہ کھوجنے کی مہم پر نکلتی تو خود کھو جاتی۔ ریاستی محل تھا کوئی اور وہ تو تمام زمانوں کی مکین تھی۔ ایک عام سی لڑکی تھی۔ کب عادت تھی اسے راج کماریوں کی طرح زندگی گزارنے کی۔ اس کے پاپا جانے مانے نڈسٹریلسٹ تھے۔ آنکھ کھولتے ہی اس نے گھر میں ہر آسائش پائی تھی۔ ہزار گز پر بنا گھر تھا۔ گھر میں اپنا پن تھا۔ مگر اس محل سے بھی بڑے گھر کے سامنے اسے اپنا گھر بہت چھوٹا لگا تھا۔ وہ اکلوتی تھی۔ آسائش سے ر زندگی گزار چکی تھی۔ اس کی خواہش سے بھی پہلے ہر شے اس کی دسترس میں تھی۔ اسے کبھی کسی شے کے لئے کہنا نہیں پڑا تھا۔ مگر اس موجودہ حیثیت کے سامنے اسے اپنا آپ بھی بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ اندر سے کہیں کھو رہی تھی۔ ان بھول بھلیوں میں کہیں گم ہو رہی تھی۔

ایسے کسی ریاستی شہزادے کا تو تصور بھی موجود نہ تھا اس کے ذہن کے کسی خانے میں۔ اب تک تو اس نے کبھی کسی جیون ساتھی کا خاکہ ہی نہ تراشا تھا۔ اب تک کی زندگی تو فقط کتابوں اور تعلیمی اداروں کے اردگرد سرگرداں تھی۔ ابھی تک تو اس نے کسی ایسے تصور کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔

شاید عام سے ہی خواب بھی تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری تو کسی اور ہی دنیا کا شخص تھا۔

ایسا جیون ساتھی تو اس نے کبھی بھی نہ سوچا تھا۔

وہ تو عام زمانوں میں رہتی تھی۔ عام لوگوں میں بستی تھی۔ کسی خاص وجود کے خیال کا بھی وہاں گزر نہ تھا۔ پھر کیا ہوا تھا اس کے ساتھ۔

اس کا ذہن قطعاً قبول نہ کر پا رہا تھا۔

دل مان نہیں رہا تھا۔

نہ اس سارے ماحول کو، نہ اس نئے بندھن کو، نہ اس صورتِ حال کو۔ اُسے تا حال اس گھر میں اپنی پوزیشن کا تعین کرنا بھی مشکل لگ رہا تھا۔ وہ کوئی مہمان نہ تھی۔ کچھ دنوں تک قیام پذیر ہونے والی کوئی شخصیت بھی نہ تھی۔ مگر سب کچھ اپنا بھی نہ تھا۔ دو ہفتے سے زائد کا عرصہ یہاں گزر چکا تھا اور اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی قید خانے میں ڈال دی گئی ہو۔ کسی سنہری پنجرے میں بند کر دی گئی ہو۔ جہاں سے اس کی رہائی ناممکن ہو۔ وہ کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کی گھٹن کو قدرے کم کرنا چاہتی تھی۔ مگر کسی دروازے میں جیسے کوئی درز نہ تھی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ اس کا اندر کبھی اتنی وحشتوں سے بھر جائے گا۔

اس شام اس نے مائی اماں سے یونیورسٹی جانے کی بات کی تو وہ مسکرا دیں۔

”اس کے لئے تمہیں اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ـــــ تم بلاشبہ اپنی تعلیم جاری سکتی ہو۔ مجھے اندازہ تھا۔ لیکن میں تمہاری ذہنی پریشانی کی وجہ سے تمہیں ریلیکس دیکھنا چاہتی تھی ک اچھا ہے کچھ وقت سکون سے بسر کر لے۔ دراصل بیٹا! تم جس کیفیت سے گزر رہی ہو اس کا ہمیں پ طرح سے اندازہ ہے۔ یقیناً باپ زندگی میں تمام رشتوں میں بہت معتبر حیثیت رکھتا ہے اور......“ وہ بولنے جا رہی تھیں مگر اس کی جھکی آنکھوں کے کنارے بھیگتے دیکھ کر انہوں نے اپنی بات درمیان میں چھوڑ دی تھی۔ پھر بہت پیار سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا اور اس کی روشن پیشانی پر اپنے کی مہر ثبت کرتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

”یہ رشتہ، یہ تعلق تمہاری زندگی میں یقیناً ایک دم تبدیلی لایا ہے۔ میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔ جانتی ہو، تم میرے لئے کتنی اور کس قدر خوشیاں لائی ہو؟ ـــــ گو ابھی فقط نکاح کی رسم ہوئی ہے ا یہاں پر عارضی طور پر رہائش پذیر ہو۔ مگر تم نے ابھی سے میرا گھر روشنیوں سے بھر دیا ہے۔ میں تو وقت کے لئے بے صبری سے انتظار کر رہی ہوں جب تمہارے ممی، پاپا آئیں گے اور میں تمہیں ان مانگ کر ہمیشہ کے لئے اس گھر میں لے آؤں گی۔“ ان کی آواز خوشی سے لبریز تھی۔ مگر وہ اسی طرح جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ نہ تو نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا نہ ہی کچھ بولی تھی۔

”تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے اس گھر میں۔ تم جب تک یہاں ہو، جو چاہو کر سکتی ہو۔ اس گھر تمہاری حیثیت ایک مالکن کی ہے۔ بہو ہو تم اس گھر کی۔ سب کچھ تمہارا ہے۔ تمہارا اپنا۔ سبکتگین حیدر بھی اس کا چہرہ بہت ہولے سے اٹھا کہ وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ کی اس شگفتہ سی بات پر بھی اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں آیا تھا۔ کوئی رسمی تیور بھی نہ اُبھرا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور مائی اماں اس کے چہرے، اس کی آنکھوں کو بغور تکتے ہوئے جیسے کے اندر کی کیفیت پا گئی تھیں۔

”میرب بیٹا! جانتی ہو، میں نے تمہیں ہی اس گھر کے لئے کیوں چنا؟ کیونکہ مجھے تمہاری آنکھو روشنی بڑی صاف و شفاف لگی تھی۔ مجھے لگا تھا تم وہ ہو جو اس گھر کے لئے، سبکتگین حیدر کے لئے موز ترین ہو۔ مظہر سیال اور زوباریہ سے یہ بات فقط منگنی کے لئے ہوئی تھی۔ مگر جب تم ہمارے فارم ہاؤ آئیں تو میں تمہیں دیکھ کر اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکی۔ دراصل بیٹا! میں کسی بھی صورت تمہیں کھونا نہیں چا تھی۔ میرے کہنے پر ہی مظہر سیال اور زوباریہ کو اپنے فیصلے میں ترمیم کرنا پڑی۔“

میرب تمام باتیں فقط خاموشی سے سن رہی تھی۔ مائی اماں مسکرا رہی تھیں۔

”ہمارے وقت تو بڑے مختلف تھے۔ والدین ڈھور ڈنگروں کی طرح بنا پوچھے رشتے طے کر دیا کر تھے۔ پندرہ سولہ برس لگے نہیں اور لڑکی پرائی ہوئی نہیں۔ یکدم اماں باوا کا گھر چھوڑ کر ایک نئے دیس، نئے گھر سدھار جانا پڑتا۔ ایسے میں کسے فکر تھی کہ باہمی ہم آہنگی بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔ مگر ہم اس زما کے ہوتے ہوئے اور تمام ادوار کو برتنے کے باوجود نئے زمانے کے تقاضوں سے واقفیت رکھتے ہیں تے ہیں جب تک تم یہاں ہو اس گھر کو، اس کے طور طریقوں کو اور سب سے بڑھ کر سبکتگین حیدر لغاری جھ لو۔ مانا جو بھی ہوا بہت جلدی میں ہوا مگر اب وقت ہے کہ تم ایک دوسرے کو جانو، سمجھو اور اپنا مانو۔ دوسرے کی عادات و اطوار، پسند ناپسند۔ اسی کا نام ذہنی ہم آہنگی ہے نا۔ میں چاہتی ہوں تم اس گھر کو جانو اور قبول کرو، دل سے۔ مع سبکتگین حیدر لغاری کے۔ کیونکہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔“

وہ بول رہی تھیں جب کہ اس کی نگاہ عین سامنے اٹھی تھی۔ کوئی بڑی تمکنت سے قدم اٹھاتے ہوئے اتر رہا تھا۔ چال میں بہت اعتماد اور وقار تھا۔ بلیک سوٹ میں مردانہ وجاہت قابل دید تھی۔ یہ وجود اس وجود سے منسوب تھا، اس کے وجود کا حصہ تھا۔ مگر میرب سیال بڑے بے تاثر انداز میں نظریں جھکا گئی ں۔ کوئی اسی تفاخر سے چلتا ہوا قریب آیا تھا۔ ایک لمحے کو نظر اس پر پڑی تھی مگر بڑی سرسری سے۔ رے ہی پل وہ معمول کے انداز میں مائی اماں سے مخاطب تھا۔

”مائی اماں! میں باہر جا رہا ہوں۔ رات تک لوٹ آؤں گا۔“ بھاری لہجہ اس کے اردگرد جیسے ایک حصار باندھ گیا تھا۔ مگر اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ چونکی تب تھی جب مائی اماں بولی تھیں۔

”بیٹا! ٹھیک ہے ـــــ مگر میرب کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ بہت دنوں سے گھر میں بند ہے۔ ذرا موڈ ں جائے گا اس کا بھی۔“ مائی اماں کے کہنے پر سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف نگاہ کی تھی۔

”لیکن اماں! میں ایک ضروری کام سے جا رہا تھا اور ممکن ہے واپسی پر دیر بھی ہو جائے۔“ اس نے ل طور پر تعرض برتا تھا۔ میرب سیال کو حد درجہ سبکی محسوس ہوئی تھی۔

”سبکتگین! کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جو میں کہہ رہی ہوں وہ زیادہ اہم ہے۔ میرب سیال اس گھر حصہ ہے اب۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟“ مائی اماں نے بارعب انداز میں جیسے سب کچھ باور کرایا تھا۔ وہ لمبا شخص ہولے سے سر اثبات میں ہلا گیا تھا۔

”جی ـــــ جو حکم مائی اماں!“ ماں کے حکم سے اس نے انحراف نہیں کیا تھا۔ ”میں زبیر کے ساتھ کچھ فائلز دیکھ لیتا ہوں۔ جب تک آپ انہیں تیار کرا کر بھیج دیجئے۔“ اس پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ئے وہ کسی قدر سپاٹ لہجے میں گویا ہوا تھا اور پھر دوسرے ہی پل چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ مائی اماں کے جانے کے بعد اس کی جانب تکنے لگی تھیں۔

”جاؤ بیٹا! تم تیار ہو جاؤ۔“

وہ اگرچہ ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیوں اس لمحے وہ بھی اس حکم سے منحرف نہیں ہو سکی تھی۔ ت خاموشی سے اُٹھی تھی اور ضروری اقدامات کرنے کو چل پڑی تھی اور دل جانے کیوں اس گھڑی اور بھی کت ہو گیا تھا۔

❄❄❄

وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ بڑے سے بڑے گھاؤ بھر دیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اندر کہیں ایک نام سا درد باقی رہ جاتا ہے۔

دن گزر رہے تھے اپنی مخصوص رفتار سے اور ان دنوں میں کہیں کوئی مداوا نہیں تھا۔ گھاؤ پر وقت کا اک

کھرنڈ تو آ رہا تھا مگر اندر کہیں درد کی ٹیسیں اب بھی اسی طرح اندر کو ہلا کر رکھ رہی تھیں۔ گھر کے زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر اک دوسرے سے کترائے کترائے، نظریں چرائے۔ جیسے وہی اک دو کے سب سے بڑے مجرم ہوں۔ اور سید اذہان حسن بخاری کی کیفیت ان سب سے سوا تھی۔ وہ تو اس واقعی مرتکب تھا۔

فارحہ کو اس بات کا احساس تھا مگر جانے وہ کیوں کچھ نہیں بول رہی تھیں۔ چپ چاپ ساکت سی، صورتحال کو خاموش نظروں سے تکتی جا رہی تھیں۔ سعد حسن شاہ بخاری کا تعلق اس گھر سے، اس گھ مکینوں سے چاہے کتنا ہی واجبی سہی مگر وہ اس گھر میں آنے جانے سے باز نہیں آئے تھے۔ مہینے میں آدھ چکر لگا ہی لیا کرتے تھے اور اس اقدام میں بھی انہیں قصور انہی کا نظر آ رہا تھا۔

’’دیکھو فارحہ! میں ایسا نہیں چاہتا۔ سارا قصور تمہارا ہے۔ تمہاری سرد مہری نے میرے لئے اس میں آنے کے دروازے ڈھا دیئے ہیں۔ میں اس گھر سے یا اس گھر کی ذمے داریوں سے سبکدوش نہیں چاہتا۔ مگر تم بہت اجنبی ہو رہی ہو اور ایسا کر کے تم اپنے حق میں برا کر رہی ہو۔ یہ گھر میرا ہے۔ یہاں چاہوں تو روز آ جا سکتا ہوں۔ مگر تمہاری آنکھوں کی سرد مہری عجب الزام دیتی ہوئی سی ہے۔ ایسا کب تک چلے گا؟—— بچی نہیں ہو تم۔ صورتِ حال کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اور انہونی کیا ہوئی ہے نے کیا عجب کیا ہے؟ شادی ہی تو کی ہے۔ اور میں تم سے یا بچوں سے کب دستبردار ہو رہا ہوں؟۔ مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔ تم سب کا احساس ہے۔ تم سب کی فکر ہے۔ کسی نئے تعلق کے باند سے پرانے رشتے ختم تو نہیں ہو جاتے فارحہ! ان کی حیثیت مٹ تو نہیں جاتی۔ سمجھتا ہوں میں سب نہیں ہوں۔ مجھے اپنے فرائض کا علم ہے اور اس میں کوتاہی قطعاً نہیں برت رہا۔ تم سمجھاؤ اپنے بیٹے یکدم ہی باپ بننے کی کوشش کر رہا ہے وہ۔ جانتی ہو کتنے دن سے آفس نہیں آیا۔ میں نے پتہ کرایا تو موصوف میرے مخالف گروپ آف کمپنیز کے ڈائریکٹر سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ اب وہ میری جڑ چاہتا ہے۔ مجھے کھوکھلا کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس میں ہم سب کا فائدہ کے لئے کر رہا ہوں میں یہ سب دوڑ دھوپ—— انہی کے لئے نا۔ پھر کیوں نہیں سمجھ رہا ہے وہ یہ سمجھاؤ اسے۔ اپنے باپ کا باپ بننے کی کوشش نہ کرے۔ شاہ گروپ آپ کمپنیز میں ایم ڈی کی پو لئے آج اخبار میں اشتہار دوں تو امیدواروں کی لائن لگ جائے۔ مگر میں اپنے بیٹے کے حق کو ختم چاہتا۔ یہ سب کچھ اسی کا ہے۔ پرسوں بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہے اور میں چیئر مین ہونے اس کی غیر موجودگی کے لئے جواب دہ ہوں گا۔ فکر مجھے اس جواب دہی کی نہیں ہے فارحہ! فکر مجھے مستقبل کی ہے۔ اسے کہو، اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں تباہ نہ کرے۔ لندن سے بزنس کی ڈگری لے کر بڑا تیس مار خان بن گیا۔ یہ باپ اس کی پشت پر تھا ورنہ اپنے ملک میں رہ کر کتنے نوجوانوں کے تعلیم حاصل کرنا دوبھر ہو جایا کرتا ہے۔ کجا اتنے پائے کی بزنس ڈگری لینا، وہ بھی لندن جیسے سے۔ یہ ممکن ہوا تو فقط میرے باعث۔ اس کے باپ کے باعث۔ ورنہ آج وہ بھی اپنے ہاتھ وی لئے فٹ پاتھوں کی خاک چھان رہا ہوتا—— اسے اپنی کامیابی پلیٹ میں دھری دھرائی ملی

لئے دماغ چڑھ گیا ہے۔ باور کراؤ اسے، اپنے باپ کے بغیر وہ کچھ نہیں ہے۔ شاہ گروپ آف کمپنیز کے چیئر مین کی حیثیت سے میں تو با آسانی کسی کو بھی بٹھا کر ایم ڈی کی سیٹ فل اپ کر دوں گا پھر اس کا مستقبل کیا ہوگا؟ سڑکیں ناپے گا وہ۔ خاک چھانے گا۔ اسے باور کراؤ فارحہ! اسے بنا کسی تجربے کے فقط شاہ گروپ آف کمپنیز میں ہی ایم ڈی کی سیٹ مل سکتی ہے۔ کیونکہ شاہ گروپ آف کمپنیز اس کے باپ کی ہے۔ یہ رعایت ہر کوئی نہیں دے سکتا۔ بچہ نہیں ہے وہ۔ مگر انتہائی جذباتیت سے کام لے رہا ہے۔ گھر کی بات کو، گھر کے معمولی جھگڑے کو لے کر وہ دنیا بھر کے سامنے تماشا بنا رہا ہے۔ اس کی آفس سے غیر موجودگی پر کیسی کیسی تاویلیں پیش کرنا پڑ رہی ہیں مجھے، اس کا اسے یا تمہیں قطعاً کوئی اندازہ نہیں فارحہ! ایک چھوٹی سی بات کو لے کر وہ اس قدر ہائپر ہو رہا ہے۔ یہ انتہا پسندی اسے بہت نقصان پہنچائے گی۔ سمجھاؤ اُسے، اس کا دماغ ٹھکانے لگاؤ۔ ماں ہو تم اس کی اور وہ فقط تمہاری بات سمجھتا ہے۔‘‘

’’نہیں—— وہ آپ کی بات بھی سمجھتا تھا۔‘‘ فارحہ نے بہت آہستگی سے لب کھولتے ہوئے سید سعد شاہ بخاری کی سمت دیکھا تھا اور وہ تنے ہوئے چہرے سے اسے دیکھتے ہوئے یکدم بپھر گئے تھے۔

’’یہی بات—— فارحہ! یہی بات تو تم نے اس کے دماغ میں ڈال دی ہے۔ یہی جتا کر تم نے اسے اپنے ساتھ کیا ہے، میں تم سب کا دشمن ہوں۔ یہی کہہ کر تم نے اسے اپنے ساتھ کیا ہے اور ایسا کر کے تم قطعاً اچھا نہیں کر رہی ہو۔ میں اس کا باپ ہوں۔ اس کے ساتھ مخلص ہوں یا نہیں یہ الگ بات ہے۔ مگر تم—— فارحہ! تم ماں ہو کر اس کے ساتھ قطعاً مخلص نہیں ہو۔ تمہارا یہ اقدام سراہے جانے کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ ایسا کر کے تم اس کے پاؤں پر خود کلہاڑا مار رہی ہو۔ اکلوتا بیٹا ہے وہ ہمارا اور تم فارحہ! دوسری شادی ہی کی ہے نا میں نے فقط۔ اور کیا جرم ہے یہ؟ مذہب، قانون سب اس کی اجازت دیتا ہے۔ کوئی قبیح فعل سرانجام نہیں دیا ہے میں نے۔ مجھے خود اپنی اور میری نظروں میں مجرم ثابت مت کرو۔ اور ایسے میں جب کہ میں اس خاندان کے اور تمہارے حقوق اسی طور پر پورے کر رہا ہوں۔ جرم یہ تب ہوتا نا جب میں تم سے یا بچوں سے دستبردار ہوتا۔‘‘ ہمیشہ کی طرح وہ بنا فارحہ کی سنے بولتے چلے گئے تھے اور فارحہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ آنکھوں میں کتنی بہت سی نمی یکدم ہی آن ٹھہری تھی۔ سید سعد حسن بخاری نے اسے رک کر لمحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔

’’اوہ فارحہ! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔ دیکھو، میری طرف نگاہ اٹھاؤ۔ دیکھو میں اب بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ تم، بچے اب بھی میری پہلی ذمے داری ہو—— اب بھی میری پہلی ترجیح تم اور بچے ہو۔ کہاں بھاگ رہا ہوں میں، کہاں بھاگ سکتا ہوں؟ میں تو یہاں بھی فقط اس لئے کم آتا ہوں کہ مجھے تمہاری سرد مہری اچھی نہیں لگتی۔ اپنے بچوں کی بیگانگی اچھی نہیں لگتی۔ کیا مجھے تم سب کا احساس نہیں؟—— یا مجھے تم سب سے پیار نہیں؟ یا پھر مجھے ماہا کے ساتھ اس طرح پیش آنے والے واقعے کا ادراک نہیں؟—— آئی فیل گلٹی۔ رئیلی میں بھی اسی قدر درد سے گزر رہا ہوں—— جو میری بچی کے ساتھ ہوا اس کا مجھے بھی اسی طور احساس ہے۔‘‘ سعد حسن بخاری کا لہجہ دھیما اور جذباتی تھا۔

فارحہ نے بہت ہولے سے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں تھیں۔

* * *

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہاں سے لوٹنے کے بعد کتنی دیر تک اک گرفت میں لینے والی آواز اس کے اردگرد گونجتی رہی تھی۔ ا مدھر بازگشت اس کے گرد اپنا حصار باندھے رہی تھی۔ بلا ارادہ وہ سوچتی رہی جو وہ چاہتی نہیں تھی۔ مگر فسوں ساز لہجہ، وہ جادو بھری آواز اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

پتہ نہیں کہنے والے کے دل میں کیا سمائی تھی، عجب شخص تھا اور کیسی عجیب باتیں کر رہا تھا۔ لامعہ کا فا اسے واقعی بہت عجیب لگا تھا۔ وہ دوسری بار ملی تھی اس سے۔ پہلی ملاقات تو بڑی سرسری سی تھی لامعہ کی م کی تقریب میں۔ جب کہ دوسری ملاقات ــــــ اور کتنی لایعنی باتیں کرتا تھا وہ۔

کیسے لہجوں میں بولتا تھا وہ۔

جیسے وہ سب موسم، سب رنگ، سبھی ساز اپنے سنگ باندھ سکتا ہو۔

کتنا عجب تھا وہ۔ اس کی تو باتیں ہی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

کیسی مخفی گفتگو کرتا تھا وہ۔ کیسا عجب دیوانہ لہجہ تھا اس کا۔

شاید یہی فطرت تھی اس کی۔ یہی مزاج تھا اس کا۔

مگر وہ کس قدر حیراں تھی۔

اس کے تیور، اس کے انداز اسے بھلائے نہ بھول رہے تھے۔ عجب گمبھیر تھا سب کچھ۔ اس کے انداز، سبھی تیور۔ شاید یہی مزاج تھا اس کا۔

کتنا مختصر سا تجربہ تھا اس کا۔ ایسے بھی یقیناً لوگ ہوتے ہوں گے۔ پہلی ہی ملاقات میں بے تکلف جانے والے۔ چھیڑ چھاڑ کرنے والے۔ اور یوں بھی اس کا تعلق تو اس شخص کے لئے کچھ دلچسپی کا باع بھی تھا۔ لامعہ کی بیسٹ فرینڈ تھی وہ۔ شاید وہ اسی باعث اسے چھیڑ رہا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے خود کو کسی قدر مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر ایک لمحے میں جادوئی قلعوں سی نگاہیں اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

کیمپس سے آنے کے بعد، ایک لمبی نیند لینے کے بعد وہ جاگی تھی تو اٹھ کر فریش ہو کر دادا ابا کے پا آن بیٹھی تھی۔ یہاں آنے سے قبل اس نے کچن میں سر ڈال کر اندر جھانکا تھا۔ کباب اور پکوڑے جانے کی بڑی زبردست خوشبو اٹھ رہی تھی۔ ماہ وش ملازم کے ساتھ مصروف تھیں۔ وہ ہولے سے مسکرا تھی۔

''ماما! میری ضرورت تو نہیں؟''

وہ پلٹ کر جواباً مسکرائی تھیں۔

''ہاں ہے نا ــــــ کھانے کے لئے۔''

وہ ہنس دی تھی۔

''اوکے ــــــ اس میں، میں آپ کی ہیلپ ضرور کر سکتی ہوں۔ مگر پلیز! اگر ساتھ میں گرم گرم چائے بھی ہو تو۔''

ماہ وش مسکرائی تھیں اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم ابا کے پاس جا کر بیٹھو ــــــ میں آ رہی ہوں۔''

''اوکے ــــــ مگر ذرا جلدی۔'' وہ ایک پکوڑا اٹھا کر منہ میں رکھتی ہوئی دادا ابا کی طرف آ گئی تھی۔

ریگیڈیئر اعظم رحمان شاہ ریٹائرمنٹ کے بعد کی زندگی اپنی پوتی اور بہو کے ساتھ گزار رہے تھے۔ ایسے یں ان کے پاس بہترین مصروفیت چیس کھیلنا تھا اور وہ ان کے ساتھ بہت اچھا چیس کھیلتی تھی۔ بہت چھوٹی ی تھی جب بابا ایک حادثے میں گزر گئے تھے۔ اس نے اپنے اردگرد ہمیشہ دو مخلص ہستیوں کو پایا تھا جنہیں فود سے بڑھ کر اس کا خیال تھا۔

ماما انٹیریئر ڈیزائنر تھیں۔ کسی قدر مصروف رہتی تھیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے معاملے میں نہوں نے کوئی کوتاہی برتی ہو۔ ایک چھوٹا سا گھرانہ تھا جو محبتوں سے بندھا تھا اور وہ اس میں خوش تھی۔ وہ نوشیوں کی قدر کرنا جانتی تھی۔ کیونکہ سمجھتی تھی کہ یہ بہت مشکل سے ملنے والے خزانے ہیں۔ ابھی بھی وہ ماما وردادا جی کے ساتھ چائے کے ساتھ ممی کے مختلف قسم کے لوازمات سے مکمل طور پر انصاف کرتے ہوئے ختلف چٹکلے سنا رہی تھی۔ اسی وقت ہی لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

''تم کیمپس نہیں گئیں آج؟''

''گئی تھی ــــــ اور میں تبھی جانتی ہوں کہ تم آج کیمپس نہیں آئی تھیں۔'' انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔ ''اینی یز، اب کیسے مزاج ہیں جناب کے؟''

''ارے امیزنگ۔ تم نے تو کچھ زیادہ ہی ٹھکانے لگا دیا موصوف کو۔ خاصے سدھرے لگ رہے تھے رات کو۔'' لامعہ جواباً بولی تھی۔

''موصوف ــــــ کس کی بات کر رہی ہو تم؟'' انابیہ شاہ قدرے چونکی تھی۔

''عفنان علی خان کی۔'' لامعہ مگن سی مسکرائی تھی۔

''میں تمہاری بابت دریافت کر رہی تھی۔'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''اوکے ــــــ'' لامعہ یکدم ہنس دی تھی۔ ''ہاں، میں بھی ٹھیک ہوں۔ مگر وہ عفنان علی خان کچھ زیادہ ی ٹھیک ہو گیا ہے۔ ایک دم بی بابچہ بن گیا ہے۔ کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا تمہارا نام لے کر۔ لیکن ایسا کیا کہہ یا تم نے اسے؟''

انابیہ شاہ قدرے حیران رہ گئی تھی۔ سماعتوں میں یکدم ہی کسی کی مدھم سرگوشیاں گونجنے لگی تھیں۔ کوئی جادو چار سُو پھیلنے لگا تھا۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہی یقین سے پُر مدلل لہجہ۔

وہی خوشبو سی بات۔

انابیہ شاہ نے ایک لمحے میں ہر تاثر کو جھٹکا تھا۔

”کچھ نہیں۔ بس اسے ذرا سمجھایا تھا۔“

”اور وہ اتنا زیادہ سمجھ گیا—— رئیلی انابیہ شاہ! تم میں واقعی کوئی خاص جادو ہے۔ میں ہمیشہ حیرا جاتی ہوں۔ تم صورتِ حال کو یکدم اپنے بس میں کیسے کرتی ہو؟ شاید یہ ذہین لوگوں کی خاص پہچان ہے“ لامعہ اعتراف کررہی تھی۔

”ہاں شاید تم سناؤ، اب تو خوش ہو نا۔ ویسے تمہارے موصوف عفنان علی خان خاصے کائیاں ہیں۔ اندھا اعتماد بھی مت کرنا۔“ اس نے چھیڑا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

”اب یہ بات تو سمجھتی ہوں میں۔ لیکن کل واقعی میرا بہت برا حال تھا۔ میں نے طے کرلیا تھا، آریا کیا فائدہ اس شخص کے ساتھ سر پھوڑنے کا جسے آپ کی رتی برابر بھی فکر نہیں—— مگر خدا کا شکر ہے کچھ نہیں ہوا۔ میں نے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہی فون کیا ہے۔“

”چلو شکر ہے تمہارے عفنان علی خان کی عقل میں میری سمجھائی گئی بات آ گئی۔“

”آج شام میں کیا پروگرام ہے؟“ لامعہ نے دریافت کیا تھا۔

”کوئی خاص نہیں۔“ اس نے شانے اچکائے تھے۔

”تو پھر تم فرائیڈیز آ رہی ہو نا؟“

”فرائیڈیز——؟“ وہ چونکی تھی۔

”ہاں—— عفنان ہم دونوں کو ڈنر دے رہا ہے۔“

”کیا——؟“ وہ بری طرح چونکی تھی۔

یکدم ہی اس کے اندر وہی سرگوشیاں اُبھرنے لگی تھیں۔

وہی نظریں سر اٹھانے لگی تھیں۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہ لہجے کی تپش!

”انابیہ!“ دوسری طرف سے لامعہ نے پکارا تھا۔ وہ ایک دم جیسے کسی گہرے خواب سے بیدار تھی۔

”ہاں۔“

”تو تم آ رہی ہو نا؟“

”نہیں لامعہ! آج نہیں۔ پھر کبھی سہی۔ ابھی کچھ کام ہے مجھے۔ ایک اہم اسائنمنٹ بنانا ہے۔ پروگرام پھر کسی موقع کے لئے اٹھا رکھو—— انشاء اللہ ایسے وقت آتے رہیں گے۔ یوں بھی میں

میں ہڈی والا کوئی رول پلے نہیں کرنا چاہتی۔ فی الحال تم جاؤ۔ اپنے نام کے لمحوں کو انجوائے کرو۔ بیسٹ ف لک۔ مگر اسے کچھ کھینچ کر رکھنا، ہاں۔“ مسکراتے ہوئے مشورہ دیا تھا اور لامعہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

”تھینکس۔ لیکن سنو وہ میری اسائنمنٹ کے لئے بھی کچھ بندوبست کر دینا—— یو نو، میں تو یہاں فنان علی خان کے ساتھ بزی ہوں گی اور......“

”اوکے۔“ انابیہ نے مسکراتے ہوئے فون دھر دیا تھا اور اندر پھر وہی آواز سر اٹھانے لگی تھی۔

تصور میں پھر وہی جادوئی قلعوں سی نگاہیں تھیں۔

خود میں مقید کرنے کا سودا دل میں رکھتی۔

بہت سا جنوں مٹھی میں تھامے۔

کیا تھا یہ سب؟ شاید اس کا کوئی وہم جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

اس کی نگاہ اپنی کلائی پر گئی تھی، جہاں اک انگارہ سا لمس اب بھی زندہ تھا۔

تو کیا واقعی وہ جو سمجھ رہی تھی، وہی کچھ درحقیقت تھا یا پھر فقط گمان تھا؟ رد کئے جانے کے لائق۔

وہ کوئی دوست صفت تھا، شوخی اس کی فطرت تھی، مذاق اس کا وتیرہ تھا، چھیڑ چھاڑ اس کے مزاج کا نصہ تھی یا پھر.......

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ جب وہ فقط اک شوخی تھی، کوئی شرارت تھی تو پھر وہ اک بات، اک چھوٹی ی سرگوشی اس کے ذہن سے کیسے چپک گئی تھی؟ جب وہ لہجہ سرسری تھا،

وہ بات بے معنی تھی،

تو پھر وہ لہجہ متواتر اس کے اندر کیوں گونج رہا تھا؟

کیوں اسے ان پُر تپش آنکھوں کی حرارت اب بھی جلا رہی تھی—— کیوں اُسے لگ رہا تھا کہ وہ نکھیں اب بھی اسے کہیں سے چھپ کر دیکھ رہی ہوں جیسے۔

اور وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”ڈونٹ بی اسٹوپڈ انابیہ شاہ! ڈونٹ تھنک اینی مور۔ جسٹ اسٹاپ اِٹ ناؤ۔“ با آوازِ بلند اس نے خود کو کہہ کر باقاعدہ ڈپٹا تھا اور پھر ہر خیال کو جھٹکتے ہوئے کمپیوٹر کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

❄❄❄

کتنی دیر تک وہ بلاوجہ گاڑی سڑکوں پر بھگاتا رہا تھا۔ نہ منزل کا کوئی تعین تھا نہ ہی راستے واضح تھے۔ ک ہم سفر ساتھ تھا، مگر سب کچھ جیسے بے معنی تھا۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ایک خالی پن بدستور کہیں اندر وجود تھا۔

اور نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے راستے تھے مگر ان راستوں پر شاید منزل کہیں نہیں تھی۔ شاید یہ ساتھ بیٹھا ہم سفر—— ہم سفر بھی نہ تھا، کوئی اجنبی تھا۔ مگر پھر وہ اس کے ساتھ کیوں تھی؟ اس نے خالی خالی نظروں کو اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ جواباً وہ مکمل طور پر اس کے وجود سے غافل ہی رہا تھا۔ توجہ کا اک [illegible] لا تھا۔ اس صورت حال پر میرب سیال کی سمجھ

میں نہ آیا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی مرضی کو اس تمام عرصے میں قطعاً کوئی دخل نہیں رہا تھا۔ اگر اسے اختیار جاتا تو یقیناً وہ ایسے کسی مرحلے سے گزرنے کو تیار نہ ہوتی مگر سارا افسوس اسی بات کا تھا کہ اسے کوئی استعمال کرنے کو نہ دیا گیا تھا۔ فقط مسلط کیا گیا تھا اس پر، اپنا حکم نامہ، اپنی مرضی۔ اور ایسے میں اس ذات کہیں دب کر رہ گئی تھی۔ اور اب آئندہ کی صورتِ حال میں جیسے مزید دبتی جا رہی تھی۔ اس شخص سنگت میں اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے اسے ماننا پڑا تھا کہ اس نے پاپا یا زوباریہ کا حکم مان کر اچھا نہیں کر خود اپنے ساتھ بہت برا کیا ہے اور اس پر مزید چپ سادھ کر وہ مزید برا کرے گی۔ اپنی ذات کی نفی ا خود سے منکر کر دے گی۔ جس طرح اسے اور دیگر لوگ کر رہے تھے۔ وہ خود بھی ایک دن خود کو جھٹلائے گ کیونکہ بے معنی اور فضول شے کی ہر کوئی نفی کرتا ہے اور وہ خود کو ایک بے معنی اور فضول شے بنا رہی تھی۔

گاڑی میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پرسنل سیل کی بیپ سے اس ساکت ماحول میں یکدم ہی ا ارتعاش ہوا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی مگر سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں کال ر کرنے میں تعرض برت رہا تھا۔ بیپ ہوتی چلی گئی تھی اور تب جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کال کو ریسیو کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ بنا اس کی جانب دیکھے اس نے اپنا سیل فون کان سے لگایا تھا۔ ک دوسری جانب بولا تھا۔ خاموشی اتنی تھی کہ مدھم آواز اس سکوت کو توڑتی چلی گئی تھی۔

”تم ہو کہاں سبکتگین حیدر! پچھلے ایک گھنٹے سے میں تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم کہ ــــ اچھا بتاؤ۔ اب آ رہے ہو کہ نہیں؟ دیکھو، بہت رنگ ہے یہاں۔ اب انکار مت کرنا۔ ورنہ! تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔“ عجب تخاطب تھا۔ بولنے والی کی آواز میں کتنی مٹھاس تھی۔ میرب سیال سننے کا قصد کرتے ہوئے بھی اس گناہ کی مرتکب ہو گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے لمحہ بھر کو ایک ترچھی نگاہ اس پر کی تھی۔ وہ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری تکنے لگی تھی۔ تبھی اس کی بھاری آواز نے اس کے گرد حصار باندھا تھا۔

”اوکے ــــ میں پہنچ رہا ہوں۔“ کہہ کر اس نے فون بند کیا تھا اور ڈیش بورڈ پر اچھال دیا انداز کس قدر جارحانہ تھا۔ کسی بات کا کوئی شدید ردعمل تھا یہ۔ مگر کیا، وہ جان نہ پائی تھی۔ مگر اس گھڑی کے اندر کوئی انتشار تھا اور وہ اس بات کو ضرور سمجھ رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی کا رخ یکدم بدلا تھا اور گاڑی کو کسی مخصوص سمت پر ڈال دیا تھا۔ انداز کسی قدر جارحانہ تھا۔ جیسے وہ سب کچھ تہس نہس دینا چاہتا ہو پل بھر میں۔ ڈرائیونگ بھی کسی قدر ریش تھی۔ اس کا یہ ردعمل میرب سیال کی سمجھ سے تھا۔ مگر وہ اسے دیکھ بغور رہی تھی۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ وہ اسے قطعاً نہیں دیکھ رہا۔ اس کا ہونا، نہ اس کے لئے بے معنی ہے۔

کسی قدر اُلجھن کا شکار، اپنے دائیں بازو کو کھڑکی پر ٹکائے دوسرے ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتا ہوا وہ کے لئے مکمل طور پر ایک گمبھیرتا تھا۔ انتہائی تیز رفتاری جیسے کوئی احتجاج تھا۔ مگر وہ کیا سمجھتی۔ ذہن تو با مفلوج ہو رہا تھا اس گھڑی۔ چونکی تو وہ تب تھی جب گاڑی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے رکی تھی ا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتے ہوئے یکدم ہی چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا جیسے

بھی ابھی اس کا دھیان آیا تھا۔ یا پھر وہ کوئی شے تھی اور وہ اسے سیٹ پر رکھ کر بھول گیا تھا۔

”تم .... تم نہیں اُترو گی؟“ کسی قدر سراسیمگی سے وہ بولا تھا اور تب میرب سیال نے بہت ہولے سے حرکت کی تھی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ ماربل کے چکنے فرش پر اپنے بھاری مضبوط قدم اٹھاتا ہوا وہ آگے بڑھنے لگا تھا۔ وہ بہ مشکل اس کے ساتھ چل پا رہی تھی۔ اس کے قدم مخصوص مقام کی جانب اٹھ رہے تھے۔ کتنے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا خود میں مگن وہ چلتا جا رہا تھا۔ میرب سیال کچھ نہ سمجھتی ہوئی فقط اس کے حکم پر سر تسلیم خم کرتی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس کے کہے پر عمل کر رہی تھی۔

مگر یہ کیا؟ ــــ یہ کہاں لے آیا تھا سبکتگین حیدر لغاری اُسے؟ کتنا ہجوم تھا وہاں۔ کتنے جسم تھرک رہے تھے بلند و بانگ میوزک پر۔ کتنی الگ دنیا تھی یہ۔ وہ ساکت نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کتنے دلربا پیکر تھے جو سبکتگین حیدر لغاری کی سمت بڑھ رہے تھے اور وہ کسی درجہ بولڈنیس کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ وہ وہیں کونے میں رک گئی تھی۔ وہ گھر سے ساتھ چلے تھے۔ گاڑی میں تا دیر ہمسفر رہے تھے مگر اس مقام پر آ کر ان کی راہیں جدا جدا تھیں۔

کیسے ہم سفر تھے یہ؟ ــــ کیسا سفر تھا یہ؟

کہاں راہیں مڑتی تھیں؟ ــــ کہاں قدم پڑنے تھے؟ کچھ خبر نہ تھی۔ وہ بس ساکت سی اسی کونے میں کھڑی تھی۔

تو حقیقت یہ تھی، سبکتگین حیدر لغاری کی حقیقت کچھ اور تھی۔

اس کا روپ بہروپ کچھ اور تھا۔

وہ اس گھڑی کسی پری رخ کے کس قدر قریب تھا۔ کتنی سرشاری تھی لڑکی کے چہرے پر۔ جیسے وہ اس شخص کی بانہوں میں خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی محسوس کر رہی تھی۔ اور سبکتگین حیدر لغاری........

وہ یکدم آنکھیں میچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ جانے کیسے ایک لمحے میں ہی اس کے اندر ایک طوفان اٹھا تھا۔ آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگی تھیں۔

تو یہ تھا اس کے لئے کیا گیا انتخاب!

وہ جو اس لمحے انتہائی بے باکی سے کسی اور کی بانہوں میں تھا۔ کسی اور کے قریب تھا۔ وہ جو زندگی میں اس کی شراکت کے باوجود اس کے سامنے اس کے حصے کے لمحے کسی اور کو سونپ رہا تھا، کس قدر دیدہ دلیری سے اس کے سامنے۔

آنکھوں میں کتنے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے تھے۔ مگر وہ تمام نمی پلکیں جھپک جھپک کر کہیں اندر ہی مدغم کرنے لگی تھی۔ قریب سے ویٹر گزرا تھا، اسے ڈرنک کی پیشکش کی تھی مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ کتنے جدید زمانے کے پروردہ لوگ تھے سب۔ کتنے ماڈرن ملبوسات۔ اور وہ ایسے میں اپنے شانے کے گرد پھیلا شیفون کا سفید دوپٹہ بلا ارادہ ہی ہاتھ بڑھا کر ٹھیک کرنے لگی تھی۔ اتنے لوگوں میں اس کی نگاہ فقط اس ایک شخص پر اٹھی تھی۔ جو اسے اپنے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی لے آیا تھا۔ سارا غصہ اسی بات پر آ رہا تھا۔ وہ

اس پر اس کی مرضی کے خلاف مسلط کر دی گئی تھی۔ اس کے سر تھوپ دی گئی تھی۔

وہ ایک ان چاہا وجود، ایک ان چاہا ہم سفر۔

زبردستی کا سودا۔ سراسر زبردستی۔

داہنے ہاتھ میں ڈرنک تھامے بایاں ہاتھ اس مرمریں کمر کے گرد حمائل کیۓ وہ اس گھڑی مکمل مسرور تھا۔ نہ تو اسے یہاں لا کر وہ اسے اب یاد رہی تھی اور نہ ہی وہ اسے یاد رکھنا چاہتا تھا۔ ایک مر گئی ہستی تھی وہ اس پر۔ ایسا رویہ روا رکھنا تو واجب تھا اس پر۔

وہ آنکھوں کی ساری نمی اپنے اندر اتارتی ہوئی جیسے اس گھڑی وہاں ٹھہرے رہنے پر پابند تھی متحرک ماحول میں تھرکتے وجودوں کے بیچ، ایک جدید ماڈرن دور کی پارٹی میں وہ مکمل طور پر مش تصویر بنی کھڑی ایک بھونڈا انداق لگ رہی تھی۔

اپنی نفی کا یہ لمحہ اس کے لئے ایک عظیم تجربہ تھا۔

انتہائی مختصر لباس میں جدید تہذیب کی نمائندہ اس لڑکی کی نگاہ یکدم اس پر پڑی تھی اور وہ اک ا ساتھ سبکتگین حیدر لغاری کے کان کے قریب اپنے اناڑی ہونٹ لے جا کر کوئی سرگوشی کرنے لگی تھی سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ایک نظر دیکھا تھا مگر وہ نگاہ بڑی سرسری اور کسی قدر اکتائی ہوئی تھی۔ دا ہی پل وہ اس کی جانب سے رخ پھیر کر اس نازک وجود کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے دھیمے دھ کرنے لگا تھا۔ وہ نگاہ جھکائے بغیر ساکت سی اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ کتنے وجود اس کے دلربا پیکر ہوئے اسے تنہا کھڑا دیکھ کر اس کی سمت بڑھے تھے مگر اس نے سرنفی میں ہلا دیا تھا اور بڑی مستقل کے ساتھ سر جھکا کر اپنے اس ہم سفر کا انتظار کرنے لگی تھی۔

یہ تھا اس کا ہم سفر!

اس کا جیون ساتھی۔

جس کے ہاتھ اس کی ڈور تھی۔

جس کے سنگ اسے قدم قدم چلنا تھا۔

یہ تھا وہ شخص، جس کے نام اس نے اپنی تمام عمر لکھ دی تھی، اپنے سارے خواب لکھ دیئے تھے سارے دن، اپنی ساری راتیں لکھ دی تھیں۔ یہ تھا وہ شریک سفر جس کی منزلوں کا جنوں کچھ اور تھا۔

وہ جس کا شوقِ سفر کسی اور رنگ میں رنگا تھا۔

وہ جسے نئی نئی منزلوں کا شوق تھا۔

وہ جسے ایک جگہ ٹھہرے رہنے سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔

کتنے لمحے گزر گئے تھے۔ وہ سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ بالکل ایک اچھی بچی کی طرح اس نقے کھڑی تھی جہاں سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے کھڑا کر گیا تھا۔ وہ سر اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ ا اسے سر جھکا لینے کی عادت اپنانا تھی۔ کیونکہ ایسا اس کے لئے اس کے بڑوں نے سوچا تھا۔ یہ حکم نامے میں شامل تھا۔ جو فیصلہ اس پر صادر کیا گیا، اس میں درج تھا اور وہ انحراف کیسے کرتی؟

کتنی دیر گزر گئی تھی۔ سارا وجود شل ہونے کو تھا جب قدموں کی آہٹ اس کے قریب آ کر تھمی تھی۔ کوئی اس کے قریب آ کر رکا تھا۔ اس نے اپنا سر اٹھایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا تھا مگر وہ دوسرے ہی لمحے نگاہ پھیر گیا تھا۔ تبھی ڈانسنگ فلور سے وہی لڑکی تقریباً بھاگتی ہوئی اس کی سمت لپکی تھی۔

"سبکتگین!" قدرے قریب آنے پر اس نے پکارنے کے ساتھ ہی اپنی بانہیں بھی اس کے گرد حمائل کر دی تھیں۔ وہ اب کے درمیان میں سے خود کو ہٹا نہ سکی تھی۔

"سبکتگین! اپنا وعدہ یاد نہیں ہے شاید تم کو جو تنہا واپس پلٹ رہے ہو۔" ایک ادا سے مسکراتے ہوئے وہ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"آج نہیں ــــــ پھر کبھی۔" قدرے مدہم لہجے میں کہہ کر اسے ٹالا تھا۔

"اور تم جو پھر بھول گئے تو؟" عجیب انداز سے وہ اٹھلائی تھی۔ میرب سیال کی پرسنالٹی اس گھڑی جیسے اپنے وجود کا احساس کھو بیٹھی تھی۔ اس کا ہونا نہ ہونا بے معنی تھا جیسے۔

"تم یاد دلا دینا۔" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا اور وہ اک ادا سے کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"آج کوئی اور ...... ہاں ......" اک اندازِ دلربائی سے نگاہ کا زاویہ پھیر کر اسے دیکھا گیا تھا ــــــ جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی میرب سیال پر اک نگاہ کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل وہ نگاہ پھیر کر گویا ہوا تھا۔

"پارٹی ادھوری چھوڑ کر جا رہا ہوں ــــــ مگر جانا ضروری ہے۔"

"اوکے۔" دونوں میں اختتامی کلمات کے ساتھ بچھڑنے سے کچھ ضروری امور بھی انجام پائے تھے۔ یرب سیال نگاہ پھیر گئی تھی۔ ساتھ ہی رخ بھی پھیر لیا تھا۔ چند ثانیوں بعد سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی لبٹ کر اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔

"چلو ــــــ" عجب سپاٹ لہجے میں کہا گیا تھا اور وہ تو حکم کی منتظر تھی جیسے۔ ایک لمحے میں قدم ٹھانے لگی تھی۔ مگر قدموں کی رفتارِ بہت سست اور تھکی ماندی سی تھی۔ جیسے وہ برسوں کی تھکن اپنے ساتھ لے کر چل رہی ہو۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے اپنے تھکے ماندے وجود کو کسی حد تک ریلیکس کرنے کی غرض سے سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں۔

* * *

دھاگے کی ڈور ایک بار الجھ جائے تو پھر وہ الجھتی چلی جاتی ہے۔ رشتوں کی حقیقت بھی بالکل ویسی ہے۔ ایک بار ڈور الجھ جائے تو پھر لاکھ ڈھونڈتے رہو، سرا نہیں ملتا۔ فارحہ بھی اپنے گھر، اپنے رشتوں کی ڈور اسی مانند، اسی نہج پر دیکھ چکی تھی۔ جہاں کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ تھا اور پیچیدگیاں تھیں کہ بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

اپنے طور پر اس نے بہت احتیاط سے اذہان حسن بخاری کو سمجھانا چاہا تھا۔ مگر رشتوں کے درمیان بہت وسیع ہوگئی تھی۔ اتنی کہ وقت نے سارے نقش اتنی تفاوت پر لا کھڑے کئے تھے کہ چہروں کے عکس تاثر کھو بیٹھے تھے۔

”ممی! آپ اب بھی ان کی بات مانتی ہیں۔ ان کی طرف داری کر رہی ہیں۔“ وہ کسی قدر خفگی سے اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا تھا اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

”ممی! جانتی ہیں جو انہوں نے کیا، اس کا کوئی ازالہ نہیں ہے۔“

”اور جو تم کر رہے ہو اس کا بھی تو کوئی سبب نہیں ہے۔ مانا جو کچھ ہوا، غلط ہوا مگر.......“ وہ قطعی ا میں ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے قدرے تحمل سے گویا ہوئی تھیں۔

”دیکھو اذہان! یہ میرا اور تمہارے پاپا کا نجی معاملہ ہے۔ میں نہیں چاہتی تم اس میں کوئی مداخلت کر ان کی مزید مخالفت مول لو۔“

”ممی!“ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ نظروں میں بہت رنج تھا۔ ”آپ خود کو مجھ سے الگ رہی ہیں؟“

”نہیں، میں تمہیں صحیح اور غلط کا فرق سمجھا رہی ہوں۔“ وہ کسی قدر متانت سے گویا ہوئی تھیں۔ وہ جھکائے کسی قدر مضمحل نظر آ رہا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو اس کیفیت میں دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے ا کے مضبوط ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

”دیکھو بیٹا! تمہاری عمر بڑی جذباتیت والی ہے۔ اور صورت حال کو ہمیشہ عقل سے جانچا جاتا ہے۔ تمہارا ردعمل ہے وہ اپنی جگہ، میں جانتی ہوں تم اپنی ماں سے، مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔ لیکن تمہاری ماں بھی بہت محبت کرتی ہے تم سے۔“ مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس لمحے آنکھوں میں کتنے آن ٹھہرے تھے۔ اذہان سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”ہاں اذہان! مجھے تمہاری فکر ہے ـــــ تمہارے اچھے مستقبل کی فکر ہے۔ مانا تمہاری ماں کے سا ناانصافی ہوئی ہے، تمہاری بہن کو زک پہنچی ہے۔ مگر اذہان بیٹا! مسئلے کا یہ حل نہیں ہے کہ تم اپنے حق دستبردار ہو جاؤ۔ میں اپنے کسی بھی قول و فعل سے تمہیں تمہارے باپ کے خلاف اکسانا نہیں چاہتی۔ باپ اپنے بچے کے لئے اچھا سوچتا ہے، اچھا چاہتا ہے۔ سعد بخاری کو بھی بہت فکر ہے تمہاری۔ بہت کرتا ہے تم سے۔ تمہارے مستقبل کو تاریک دیکھنا نہیں چاہتا۔“ کتنے بہت سے آنسو رخساروں پر بہہ تھے۔ اذہان حسن بخاری ماں کو بغور تکتا چلا گیا تھا۔

”اپنی ماں پر بھروسہ ہے نا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے لئے کوئی غلط فیصلہ لے سکتی ہے؟“ اس چہرے کو ہاتھوں سے تھام کر دریافت کیا تھا مگر وہ بہت ہولے ہولے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

”آپ بے جا طرف داری کر رہی ہیں ان کی۔ بے جا حمایت کر رہی ہیں۔ انہیں میرے مستقبل زیادہ اپنی شاہ گروپ آف کمپنیز کی فکر ہو رہی ہے۔ زمانے کی فکر ستا رہی ہے۔ وہ لوگوں کی انگلیوں خوفزدہ ہو رہے ہیں جو ان کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ اس شکست سے ڈر لگ رہا ہے جو انہیں مستقبل میں

ا ہے۔“ دھیمے لہجے میں وہ بولا تھا اور فارحہ ساکت نظروں سے اسے تکنے لگی تھیں۔

”تو کیا تنہا کر دینا چاہتے ہو تم انہیں؟ ـــــ بدلہ لینا چاہتے ہو اُن سے؟ ساری ناانصافیوں کا اب لینا چاہتے ہو؟“ ان کے مدہم لہجے میں کتنے خوف بول رہے تھے۔ اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا ا۔

”نہیں اذہان! میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ کبھی بھی نہیں۔ تمہیں کل ہی سے شاہ گروپ ف کمپنیز میں بطور ایم ڈی اپنی ذمے داریاں سنبھالنا ہیں۔“ ان کا لہجہ ٹھوس تھا۔

”لیکن ممی.......“ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے مگر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کچھ بولنے سے باز رکھا ا۔

”یہ تمہاری ماں کا حکم ہے۔“ قطعی لہجے میں وہ بولی تھیں اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اذہان حسن ناری، ماں کی سمت تکتا رہ گیا تھا۔

کتنی دیر اسی طرح ساکت بیٹھے گزر گئی تھی۔ پھر وہ ہونٹ بھینچے اٹھا تھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔

تو پاپا اس طرح اپنا کام نکلوا رہے تھے ـــــ ممی کو بھی اب ان کی فکر تھی۔ اب بھی ان کا حکم ان کے لئے معتبر تھا۔ اس کا ذہن سلگ اٹھا تھا۔

کتنی بھولی تھیں ممی جو ان کے پرپز کے لئے اپنے بیٹے کو امپوز کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں یسا کر کے وہ فقط سید سعد حسن شاہ بخاری کی ذات کو تقویت دے رہی تھیں۔

کتنی دیر وہ اپنے اندر انتشار لئے، بے سمت راستوں پر سفر کرتا رہا تھا۔ پھر بالآخر تھک کر عزیر کی طرف چلا آیا تھا۔ وہاں کوئی گیٹ ٹو گیدر چل رہی تھی۔

”آئی ایم سوری، مجھے علم نہیں تھا۔“ وہ کسی قدر شرمندہ ہوا تھا۔

”کم آن یار! کوئی بڑی پارٹی نہیں ہے۔ زبیر بھیا کے چھوٹے بیٹے نومی کی برتھ ڈے تھی۔ پھر اگینے بھی آ گئی تھیں۔ سو، سوچا کہ ایک گیٹ ٹو گیدر ارینج کر لی جائے۔ اسی بہانے مل بیٹھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ تُو سنا، بڑا مضمحل سا لگ رہا ہے، خیریت تو ہے؟ کہیں عشق وشق تو نہیں کر بیٹھا کسی سے؟“ عزیر چھیڑ رہا تھا۔

وہ بمشکل مسکرایا تھا۔ ارادہ واپس پلٹنے کا تھا مگر فوری طور پر ایسا ناممکن ہی تھا۔ سو وہ چپ چاپ عزیر کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔

”اگینے کب آئیں؟“

”کل رات ہی، پورے پانچ برس بعد۔“ عزیر مسکرایا تھا۔ ”تمہیں یاد ہے ان کی شادی پر ہم نے کس قدر غل غپاڑا کیا تھا، کس قدر انجوائے کیا تھا۔ کل رات ہم اگینے کی شادی کی مووی دیکھ رہے تھے۔ تمہارا بھنگڑا بڑا زبردست لگا۔ دیر تک ہنستے رہے، محظوظ ہوتے رہے۔ سات برس پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ اس وقت کتنے بدھو تھے ہم۔ انتہائی اسٹوپڈ۔ نہ کسی بات کا ہوش تھا نہ کسی

کام کی فکر۔" عزیر مسکرا رہا تھا۔

"ہاں ـــــ چھوٹے ہونے کے سارے زمانے اچھے ہوتے ہیں۔ بے شعوری، بڑی بھلی، ہے۔" اذہان حسن بخاری بھی مسکرا دیا تھا۔

"اور اگینے کو کس قدر تنگ کیا تھا ہم نے۔ حالانکہ ہم دونوں اس وقت بھی ان سے بہت چھو تھے۔" عزیر ان گئے دنوں کی میٹھی یادوں کو دہرا رہا تھا اور اذہان حسن بخاری کا موڈ بھی کسی قدر بہلنے لگا

"ان کے شوہر نامدار کیسے ہیں؟ ـــــ ساتھ آئے ہیں کیا وہ بھی؟"

"نہیں۔ وہ تو ساتھ نہیں آئے۔ مگر اگینے بتا رہی تھیں کچھ دنوں میں شاید وہ بھی آ جائیں۔ بائے وے اگینے تمہیں بہت مس کر رہی تھیں۔ ان کے خیال میں تو تم اب بھی وہی دبلے پتلے، کمزور ونحیف نوعمر لڑکے ہو۔ تمہیں دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔"

"جیسے تمہیں دیکھ کر ہوئی تھیں۔" وہ یکدم مسکراتے ہوئے بولا تھا اور عزیر ہنس دیا تھا۔ سید اذہان ح بخاری کا موڈ کچھ بدل گیا تھا۔

وہ اور عزیر بچپن کے دوست تھے۔ کالج تک ساتھ رہے تھے۔ اگینے عزیر کی بڑی بہن تھیں۔ جب کالج میں تھے تب ہی اگینے کی شادی طے ہوگئی تھی اور ان کے لئے وہ موقع بہت ایکسائٹنگ تھا۔ ا اذہان حسن بخاری کے لئے تو یہ پہلا موقع تھا اور عزیر کے ساتھ مل کر اس نے بہت سی اوٹ پٹانگ حرکت کی تھیں جو اسے اب یاد بھی نہ تھیں۔ عزیر انہی باتوں کو سوچتے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ عزیر کے سا کھڑا تھا تبھی اگینے وہاں آ گئی تھیں۔

"پہچانئے تو بھلا کون ہے یہ؟" عزیر، اذہان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ اگینے مر آنکھوں میں کسی قدر حیرت بھر کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔ مگر وہ باوجود کوشش کے ناکام ر تھیں۔ اذہان حسن بخاری دلچسپی سے ان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"اذہان۔" عزیر نے اگینے کی مشکل حل کی تھی۔ مگر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"اذہان؟ ـــــ یو مین وہی اذہان؟" وہ چونکی تھیں اور اس کے ساتھ ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھیں۔

"ویری اسٹرینج ـــــ تم تو بہت بدل گئے ہو بھئی۔ اور شاید کچھ بڑے بھی ہو گئے ہو۔" مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر بڑے پن سے ہاتھ دھرا تھا۔ اذہان حسن بخاری بغور تکنے لگا تھا۔ کھلکھلا کر ہنسنے کے باعث اگینے کی آنکھوں میں اس سمے کئی جگنو جھلملا رہے تھے۔

"کیسے ہو تم؟ اور کیا کر رہے ہو آج کل؟ ـــــ سنا ہے بڑی پوسٹ سنبھالے بیٹھے ہو، ذمے داریاں نبھا رہے ہو۔"

"جی، وقت کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داریاں تو اٹھانا ہی پڑتی ہیں۔ آپ سنایئے، کیسی ہیں؟ بہت عرص بعد نہیں لوٹیں؟" اذہان نے جواباً دریافت کیا تھا اور اگینے ہولے سے مسکرا کر لب بھینچ گئی تھیں۔

"بس مصروفیت ہی اس قدر رہی۔ اینی وے، تم انجوائے کرو۔" وہ مسکراتے ہوئے یکدم ہی پلٹ گئ تھیں۔ اذہان حسن بخاری تادیر اس سمت تکتا رہا تھا۔

"اگینے بدل نہیں گئیں کچھ؟" مدھم لہجے میں وہ بولا تھا۔

"ہوں ـــــ اور ہم بھی تو کتنے بدل گئے ہیں ـــــ تم لندن سے پڑھ لکھ کر بزنس کی ڈگری لے آئے ہو۔ شاہ گروپ آف کمپنیز میں ہولڈنگ پوزیشن سنبھال چکے ہو۔ میں بھی اپنے حصے کی کامیابیاں سمیٹ چکا ہوں۔"

مگر اذہان سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"مگر اگینے نہیں بدلیں شاید۔"

"کیا مطلب؟" عزیر چونکا تھا۔

"مطلب یہ کہ اگینے اتنا نہیں بدلیں جتنا ہم بدل گئے ہیں۔ اگینے نے اپنے معاملے میں وقت کو روکا ہے۔ ان کے چہرے پر آج بھی اتنی ہی شادابی ہے مگر فطرتاً وہ کچھ بدل گئی ہیں۔ پہلے وہ خاصی سنجیدہ سی ا کرتی تھیں اور اب......."

"ظاہری بات ہے یار! خوش ہیں وہ۔ نیویارک میں رہ رہی ہیں۔ روحیل بھائی کس قدر خیال رکھتے وں گے ان کا۔" عزیر نے جواب دیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ـــــ یہ تو ہے۔" اس کی نگاہ اگینے پر جا ٹھہری تھی۔ مسکراتی ہوئی اگینے کی طرف۔ اور کیسا شگفتہ سا تھا اُن کا چہرہ۔ کتنی شادابی تھی ان کے چہرے پر اب بھی۔ وقت جیسے ان کے لئے واقعی تھم گیا تھا۔ تنا پُرسحر کر دیا تھا وقت نے انہیں۔ کوئی انجانی سی کشش بھر دی تھی اس میں۔ تبھی تو شاید اذہان حسن بخاری ی نگاہ بھی بلا ارادہ اس جانب اٹھ رہی تھی۔

❄❄❄

وہ لامعہ کے ساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھی اسائنمنٹ پر اہم ڈسکشن کرتے ہوئے سوڈے کے سپ لے رہی تھی جب یکدم سامنے اس کی نگاہ اٹھی تھی اور وہ چونک گئی تھی۔

عفنان علی خان بڑے پُراعتماد قدموں سے چلتا ہوا ان کی سمت بڑھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔ پھر لامعہ ی جانب دیکھا تھا جس کی اس جانب پشت تھی۔

"لامعہ! عفنان علی خان۔"

"ہاں ـــــ ابھی کچھ دیر قبل فون آیا تھا ان کا۔ لیکن سر احسان الحق کی کلاس کے باعث کال مسڈ کال ن گئی۔" لامعہ کا انداز پُرافسوس تھا۔

"ہاں ـــــ لیکن ابھی موصوف خود چلے آ رہے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔ پھر پلٹ کر نگاہ کی تھی مگر تب تک عفنان علی خان سر پر پہنچ چکا تھا۔ وہ جو یکدم پنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کے یہاں پہنچ جانے پر جزبز ہو گئی تھی۔ وہ وہاں سے ہٹنا چاہ رہی تھی مگر اس کی آمد سے قبل۔ لیکن وہ شخص بھی ایک کائیاں تھا۔

"تم کہیں بھاگ رہی ہو؟" لامعہ سے ہیلو ہائے کرنے کے بعد وہ بڑی بے تکلفی سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"پرفیکٹ۔ اور تم؟"

"پرفیکٹ ٹو۔" اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے تھے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"پھر تو بہت خوب جمے گی ہماری۔" وہ حسب معمول شوخ تھا۔ اس نے لامعہ کی طرف دیکھا تھا۔ بھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے لب بھی ہولے سے پھیل گئے تھے۔

"بیٹھو نا تم بھی۔" اسے بدستور کھڑے دیکھ کر کہا تھا۔

"نہیں ـــــ مجھے کچھ کام ہے۔" وہ وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی سہولت سے کہتے ہوئے مسکرا تھی۔

"انابیہ شاہ! ہم کوئی خاص راز و نیاز نہیں کرنے والے۔ بیٹھو تم۔" لامعہ نے اب کے ڈپٹا تھا۔ اس۔ دیکھا تھا۔ وہ شخص اسے بغور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ہولے سے بیٹھ گئی۔

"میں یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا تم سے ملتا چلوں۔" عفنان علی خان نے جواز دیا تھا۔

"اچھا کیا۔ مجھے بھی بہت زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ اور کینٹین کا اسٹف کھانے کا میرا کوئی مو تھا۔" لامعہ جواباً مسکرائی تھی۔

"اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہونا۔" انابیہ شاہ مسکرائی تھی اور جہاں لامعہ ہنسی تھی وہیں وہ مسکراتے ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

وہ مسکرا رہا تھا اور اسے ان آنکھوں کے رنگ آج بھی ویسے ہی لگے تھے۔ وہی لپکتی نظر، وہی وار وہی دیوانہ پن۔

وہ یکدم ہی نگاہ پھیر گئی تھی۔

"لامعہ! تمہاری دوست کی آنکھوں کے رنگ بہت خوب صورت ہیں۔ اس سے قبل جانتی ہو میں۔ ایسی آنکھیں کہاں دیکھی تھیں؟" عفنان علی خان بہت مگن سا بول رہا تھا۔

"عفنان! تم میرے سامنے کسی اور کی تعریف کر رہے ہو؟" لامعہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا مگر وہ اسی قدر دلفریبی سے مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ مگر ان آنکھوں نے مجھے شربت گلا کی یاد دلا دی ہے۔"

"شربت گلا؟ ہُو اِز شی؟" لامعہ نے گھورا تھا۔ مگر وہ ہنس دیا تھا اور بغور انابیہ شاہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

"شاید تم نہیں جانتی۔ ایک افغانی خاتون تھیں۔ سیونٹیز میں جب مہاجرین کا ایک غول مائیگریٹ کے پاکستان آیا تھا، تبھی اس نے بھی سرحدوں پر لگنے والے ایک کیمپ میں قیام کیا تھا۔ وہیں کسی انگر فری لانس فوٹو گرافر نے اس کی آنکھوں کو، اس کے چہرے سمیت کیپچر کیا تھا۔ اس کی آنکھیں بے خوبصورت تھیں۔ وہاں سے وہ شبیہ نکل کر دنیا بھر میں پھیل گئی۔ مختلف رسائل کی فرنٹ پر اسے جگہ قالینوں، غالیچوں پر اسے نقش کیا گیا۔ بی لیومی، آج اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی اس کی آنکھوں ریسرچ کی جا رہی ہے۔ امریکن یونیورسٹیز میں ان آنکھوں کے رنگوں پر اور ان آنکھوں سے نکلنے وا

شعاعوں پر ریسرچ کی جا رہی ہے مگر اب تک سب ناکام ہیں۔ سننے میں آیا ہے اس کی آنکھوں سے ست رنگی شعاعیں نکلتی ہیں جو دیکھنے والی نگاہ کو نہ صرف جکڑتی ہیں بلکہ اسے حیران بھی کر دیتی ہیں۔ ہے نا امیزنگ اسٹوری؟" وہ ایک گہرے راز سے پردہ اٹھاتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ تبھی لامعہ مسکراتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگی تھی۔

"حیران کن۔ میں نے آج تک کیوں غور نہیں کیا؟" انابیہ شاہ موضوع گفتگو بننے پر کسی قدر اُلجھن کا شکار نظر آ رہی تھی۔

"آنکھیں تو واقعی خوب صورت ہیں تمہاری انابیہ شاہ! پھر تو شربت گلا کی طرح تمہاری آنکھوں پر بھی ریسرچ ہونی چاہئے۔" لامعہ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ رہی تھی۔

وہ جیسے اس لمحے زبردستی مسکرائی تھی اور مکمل خود اعتمادی کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت تکنے لگی تھی۔

"آپ کی نالج تو خاصی کمال کی ہے۔ میں تو سمجھی تھی آپ فقط باتیں ہی بنا سکتے ہیں۔"

"جو شخص جدید دور کی شربت گلا کو کھوج سکتا ہے وہ یقیناً بہت کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں کہتا ہوا مسکرایا تھا۔ انداز ٹھوس اور مدلل تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔

"اٹھو اب فوراً ـــــ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" لامعہ یکدم بولی تھی۔ ساتھ ہی انابیہ کی سمت دیکھا تھا۔

"تم بھی چلو۔ اس روز بھی تم نے ٹال دیا تھا۔" انابیہ شاہ نے سامنے بیٹھے شخص پر اک نظر کی تھی۔ اسے لگا تھا جیسے وہ نظریں اک آس سے اسے دیکھ رہی ہوں۔ شاید پھر کوئی وہم۔ پھر کوئی گمان۔

مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"نہیں ـــــ مجھے لائبریری میں کچھ کام ہے۔" سہولت سے منع کرنے کے ساتھ ہی وہ مسکرائی تھی۔

"ایکسکیوز می۔" ان کے اٹھنے سے قبل ہی وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی کیفے ٹیریا سے نکلتی چلی گئی تھی اور اسے جانے کیوں لگا تھا کہ کوئی نظر اس کا تعاقب کر رہی ہو۔ بغور اسے دیکھ رہی ہو، جانچ رہی ہو۔ وہم تو نہ تھا شاید مگر یقین کرنے کو وہ پلٹ کر دیکھ بھی قطعاً نہ سکتی تھی۔

شربت گلا، سی آنکھیں۔

"جانتی ہو میں نے ایسی آنکھیں کہاں دیکھی تھیں؟" اک مگن سا لہجہ۔ مگر وہ ہر تاثر کو جھٹکنے لگی تھی۔ پھر کبھی کچھ نہ سوچنے کے لئے۔

❄❄❄

اس دن کے بعد سے اس نے جتنی بار بھی اس واقعے کے متعلق سوچا تھا اسے وہ اک خواب لگا تھا۔ بھیانک ترین خواب۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ کر خود کو بہلا نہیں سکتی تھی۔ کوئی دلاسہ دے کر خود کو بے وجہ مطمئن نہیں کر سکتی تھی کوئی تسلی دل کے لئے نہیں تھی۔ کیونکہ جو نظر نے دیکھا تھا وہ کوئی خواب نہ تھا، حقیقت تھی۔ اٹل سچائی۔ اور وہ چاہتی بھی تو نہ تو جھٹلا سکتی تھی نہ ہی اسے فراموش کر سکتی تھی۔ کتنی سوئیاں سارے بدن میں چبھ رہی تھیں۔ کیسی سزا کی مستحق ٹھہری تھی وہ۔

وہ تو کسی اور دنیا کا شخص تھا۔ اس کے رنگ ڈھنگ تو کچھ اور تھے۔ وہ تو کچھ اور طرح کے خواب دیکھ
تھا۔ کتنی شاہانہ تھی اس کی طبیعت۔

اور وہ تو عام زمانوں میں بسنے والی، عام سی لڑکی تھی۔ عام سے خواب رکھنے والی۔ کتنا بے جوڑ میل
ان کا۔۔۔۔۔ کتنا غلط فیصلہ تھا وقت کا۔

کتنی دیر تک وہ اپنی قسمت پر ماتم کرتی رہی تھی۔ بے آواز آنسو بہاتی رہی تھی۔ کل رات پاپا سے با
ہوئی تھی۔ وہ اس کی بابت پریشان ہو رہے تھے۔ اس نے کسی طرح کا کوئی تاثر انہیں نہیں دیا تھا۔ یہی ظا
کیا تھا کہ سب ٹھیک ہے۔ ان کی بابت بے حد پریشان تھی وہ۔ اتنی تفاوتوں پر وہ پہلے ہی بے حوصلہ
رہے تھے۔ ان کی آواز کی نمی کو وہ دل سے محسوس کر رہی تھی۔

''پاپا! آپ رو رہے ہیں نا؟'' کہتے ہوئے اس کی خود کی آواز بھرا گئی تھی۔

''نہیں بیٹا! مگر تم اپنا خیال رکھو۔''

''جی۔۔۔۔۔ مگر آپ کو اپنی کیئر کی ضرورت زیادہ ہے پاپا! اور میرب کو آپ کی بہت فکر ہے۔'' نہ
چاہنے کے باوجود اس کی پلکیں بھیگتی چلی گئی تھیں۔

''نئی رپورٹس آگئیں پاپا؟'' اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر یکدم دریافت کیا تھا۔

''ہوں، ہاں۔۔۔۔۔ آگئی ہیں۔'' وہ چونکے تھے۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز پاپا؟''

''ایوری تھنگ از فائن بیٹا!'' وہ مسکرائے تھے۔

''پاپا!'' وہ خود پر اختیار نہ رکھ سکی تھی۔

''میرب!'' اتنے فاصلوں پر پاپا نے جیسے اسے تنبیہ کی تھی مگر بہت سے آنسو چپ چاپ رخساروں
بہتے چلے گئے تھے۔

''ڈاکٹر نے سرجری کے لئے کب کی ڈیٹ دی ہے پاپا؟''

''ابھی نہیں دی۔ مگر تم رونا نہیں میرب!''

وہ جانتی تھی اس کے اس طرح رونے سے پاپا کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ تبھی وہ آنکھیں رگڑتے
ہوئے زوباریہ اور فانی کے متعلق دریافت کرنے لگی تھی۔

''تم خوش ہو نا بیٹا؟'' پاپا نے یکدم ان سے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ پاپا یقیناً اس سے اس نئے
رشتے، اس نئے حوالے کی بابت دریافت کر رہے تھے۔ وہ سر اثبات میں ہلانے لگی تھی۔

''جی پاپا!''

''حمیرہ بیگم خیال رکھ رہی ہیں نا تمہارا؟۔۔۔۔۔ تمہیں وہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟'' وہ متفکر تھے۔

''نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔'' اس نے پاپا کو مطمئن کیا تھا مگر خود اندر تک ایک بے اطمینانی پھیلتے
ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ چاہتے ہوئے بھی اس کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پینا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

***

کیمپس جانا شروع کر دیا تھا مگر سیف الرحمٰن سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی۔

''کیا بات ہے۔۔۔۔۔ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟''

''نہیں تو۔'' وہ زبردستی مسکرائی تھی اور سیف الرحمٰن بغور اس کا چہرہ تکنے لگا تھا۔

''میرب سیال! تمہاری یہ آنکھیں جھوٹ کہنے کے فن سے واقف نہیں ہیں۔ تم انہیں سچ بولنے سے باز
رکھنے میں قطعاً ناکام ہو۔ بتاؤ کیا بات ہے؟''

''نہیں۔۔۔۔۔ کوئی بات نہیں ہے۔''

''منگنی سے خوش نہیں ہو؟'' اس نے پکڑا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے اس کی سمت دیکھنے سے اجتناب برتا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ بضد تھا۔

''میری کلاس ہے سیف الرحمٰن!''

''جان چھڑا رہی ہو مجھ سے۔۔۔۔۔؟'' وہ مدلل لہجے میں بولا تھا اور وہ جواباً چپ سادھ کر اس کی
جانب دیکھنے لگی تھی۔

''بہت پریشان ہو نا۔ پھر کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کیوں نہیں کر رہی ہو؟'' وہ اک نگاہ میں اس کے اندر
تک کو پڑھ گیا تھا۔ کتنے سمندر آن تھمے تھے اس کی آنکھوں میں۔ مگر وہ ان تمام پانیوں کو اپنے اندر کہیں
ضم کرنے کے جتن کرنے لگی تھی۔

''میرب! میں سننا چاہتا ہوں، کیا ہوا ہے تمہیں؟ اور کیا تم وہیں اپنے منگیتر کے گھر قیام پذیر ہو ابھی
تک؟''

وہ سر جھکا گئی تھی۔ پھر ہولے سے بولی تھی۔

''ہوں۔۔۔۔۔ دراصل مجھے فقط منگنی کے لئے کہا گیا تھا مگر منگنی کی جگہ یکدم ہی نکاح کر دیا گیا
اور......'' وہ اس کی سمت دیکھنے سے گریزاں تھی۔

''اور؟'' سیف الرحمٰن اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''اوں۔۔۔۔۔ ہوں۔۔۔۔۔'' مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''میرب!''

اور اس کی آنکھوں کے کتنے بند اس دوستی سے پُر لہجے پر ٹوٹتے چلے گئے تھے۔ سیف الرحمٰن نے فقط
خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میرب!''

''مجھے پاپا بہت یاد آ رہے ہیں سیفی! مجھے سب اپنے بہت یاد آ رہے ہیں۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کا
کمزور سا جواز دیا تھا۔ سیف الرحمٰن اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ کچھ تھا۔ مگر فی الحال
میرب اس سے کہنا نہیں چاہ رہی تھی۔ سو اس نے بھی کریدنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔

میرب کچھ دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ سیفی نے اپنا رومال دیا تھا۔ اس نے چہرہ پونچھا تھا اور

چہرے کا رخ پھیر کر بولی تھی۔

”سیفی! یہ چینج زندگی میں بالکل اچانک آیا ہے۔ میں ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ تم شاید کبھی اپنے لئے کسی جیون ساتھی کا کوئی تصوراتی خاکہ بھی نہ بنایا تھا۔ عام لڑکیوں کی طرح کوئی پیکر تراشا تھا۔ مجھ سے یہ تبدیلی ہضم نہیں ہو رہی۔“

”میرب! کتنی لڑکیاں ہیں جن کی اسی طرح بیٹھے بٹھائے اچانک شادیاں ہو جایا کرتی ہیں۔ تم یکدم بھی خوش نصیب ہو۔ فقط نکاح کے بندھن میں بندھی ہو ابھی۔“ اس نے ماحول کی کثافت کو مسکرا کر چاہا تھا۔ میرب بھی جیسے اس کا دل رکھنے کو مجبوراً مسکرائی تھی۔

”ہیں کیسے موصوف؟“ قدرے توقف سے اس نے دریافت کیا تھا۔ وہ بے طرح چونکی تھی۔ اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

”بہت اچھے ہیں۔“

”کس قدر انڈر اسٹینڈنگ ہوئی؟“

”فقط بیس دن تو گزرے ہیں۔ اور اتنے دنوں میں کہاں انڈر اسٹینڈنگ ہوتی ہے۔ اتنے ز رہتے ہیں وہ۔ ملکوں ملکوں سفر رہتا ہے۔ بس ایک آدھ بار بات ہوئی ہے۔ وہ بھی سرسری سی۔“

”سرسری سی؟“ اس نے چھیڑا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

”اب ارینج شادیوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔“

”تمہیں کیسے لگتے ہیں موصوف؟“

”پتہ نہیں ـــــ ابھی تو بغور دیکھا بھی نہیں۔“ وہ زبردستی مسکرا رہی تھی، مسلسل۔

”میرب! تم اتنی دقیانوسی خیالات کی حامل تو کبھی نہ تھیں۔ لیکن سنو، اچھا وقت ہے یہ۔ جب تم کے یہاں قیام پذیر ہو۔ کوشش کرو اس کے مزاج کو سمجھ لو۔ ایک اچھی گھرداری میں یہ باتیں بڑی ثابت ہوتی ہیں۔“

”اب تم مجھے گھرداری کے سنہرے اصول سمجھاؤ گے۔“ وہ مسکرائی تھی۔

”مجبوری ہے ـــــ اس وقت کوئی بزرگ تمہارے قریب موجود نہیں۔“ اس نے مسکراتے ہو تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

”یہاں سب کو سبھی کچھ نہیں ملتا میرب! لیکن کچھ ضرور مل جاتا ہے۔ سو جو مل جائے اسے سنبھا رکھو۔ عظیم جانو۔ یوں بھی خوشی کی ساری لاجک ہمارے اندر سے اٹھتی ہے۔ ہم سوچیں گے ہمیں خو ہے تو تبھی ہم درحقیقت خوش رہ بھی پائیں گے۔ تم بھی خوشیوں سے متعلق سوچنا شروع کر دو اور مستقبل وقت پر ڈال دو۔ جب جو ہوگا بہتر ہوگا ـــــ اپنے سارے خدشے، سارے وسوسے کہیں دفن کر آنکھوں میں خوابوں کو آنے کی جگہ دو ـــــ مجھے امید ہے کسی قدر افاقہ ہوگا۔“ وہ کہتے کہتے یکدم تھا۔ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

تبھی واچ مین نے آ کر اطلاع دی تھی۔

”کوئی سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب بلاتا ہے تم کو۔ باہر گاڑی رکی ہے۔ وہ انتظار کر رہا ہے تمہارا۔ لینے کے واسطے آیا ہے۔“

جہاں سیف الرحمٰن چونکا تھا، وہیں وہ بھی قدرے حیرت سے اس کی طرف تکنے لگی تھی۔

”لو ـــــ تم تو کہہ رہی تھیں انڈر اسٹینڈنگ نہیں۔ یہاں تو کیمپس کے اوقات تک ازبر ہیں۔“ وہ مسکرایا تھا۔ وہ فائل اور دیگر اشیاء سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

پارکنگ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سیاہ مرسڈیز کھڑی تھی۔ مگر فرنٹ سیٹ آل ریڈی کسی نازک اندام حسینہ کے وجود سے پُر تھی۔ وہ تھکے ماندے قدموں سے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رکی تھی۔

کسی خاص حکم کی منتظر!

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سیاہ سن گلاسز آنکھوں سے ہٹائے بغیر اسے دیکھا تھا۔

”بیٹھو۔“ حکم صادر ہوا تھا اور وہ چپ چاپ، بنا کوئی تعرض برتے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ بہت سا دھواں آنکھوں میں بھرنے لگا تھا۔

کیا پھر وہی اس رات والا منظر ری پیٹ ہونے جا رہا تھا؟

وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پشت کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ گاڑی کا ماحول اس گھڑی بڑا رومانٹک ہو رہا تھا۔ بڑی مدھر مہک پھیلی ہوئی تھی۔ دھیمی آواز میں بڑا اسینٹی مینٹل سا ویسٹرن میوزک بج رہا تھا۔ شاید بہت دھیمے سُروں میں کوئی اک دوجے سے مخاطب بھی تھا۔ قصہ موضوع بحث تھا۔ کوئی داستانِ خاص چھڑی ہوئی تھی مابین۔

منظر اس رات سے کچھ میل کھاتا ہوا تھا۔ مگر چہرہ آج نیا تھا۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یکسانیت پسند نہ تھی۔

شاید اس نگاہ کو نئے منظروں کی بڑی جستجو تھی۔

وہ ہونٹ بھینچے جانے کیوں ساکت سی اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ حالانکہ اس کا تو کوئی حق بھی نہیں تھا۔

حق تو شاید سونپنے سے ہوتا ہے، دینے سے ہوتا ہے۔

اور اسے ابھی تک ایسی کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی۔

کوئی اقرار نہیں سونپا گیا تھا۔

مگر اس کے باوجود وہ ٹھہری نگاہ بڑی ساکت سی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسی لمحے قدرے چونکتے ہوئے بیک مرر سے اسے دیکھا تھا مگر اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ قطعاً خجل نہیں ہوئی تھی۔ بس نگاہ پھیری تھی اور کھڑکی کے اس پار دیکھنے لگی تھی۔

دوڑتے بھاگتے منظر۔

اور ان کی طرف بے ساختہ لپکتی نگاہ۔

اس کی حقیقت بھی تو یہی تھی ـــــ سیفی نے کہا تھا خوشیاں سوچو، خوشیاں تلاش کرو، آنکھوں میں خوابوں کو آنے کی جگہ دو ـــــ اور وہ کیسے پکڑتی ان بھاگتے دوڑتے منظروں کو؟ ـــــ کیسے تعاقب

کرتی ان کا؟

دوڑتے بھاگتے منظر تو شاید خواب ہوتے ہیں جو کبھی ہاتھ نہیں آتے۔ کبھی مٹھیوں میں نہیں دبو سکتے۔ اور پھر وہ ایسی بے حاصل کوشش کیسے کرتی، جب یقین کا اک لمحہ بھی نہ تھا۔

گاڑی اپنی رفتار سے چلتے چلتے یکدم رکی تھی۔

اس نے چونک کر دیکھا تھا ——— وہ پری رُخ وجود مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین سے اجازت چا تھا۔ کوئی امراء کی گلی تھی، اسٹریٹ کی دونوں جانب وسیع وعریض بینگلوز بنے ہوئے تھے۔

وہ وجود ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان وجود کے قریب تھا۔ انداز میں شوق تھا، لگن تھی، کوئی گہری تھی۔ دونوں میں اختتامی کلمات کے ساتھ علامتی رسومات بھی ادا ہوئی تھیں اور بالآخر وہ پری رخ گاڑی دروازہ کھول کر باہر نکل کر کھڑی ہوئی تھی۔ میرب سیال نہ چاہتے ہوئے بھی کنکھیوں سے اُن ناپسند منظروں کو دیکھ رہی تھی۔

اب وہ پری رخ کھڑکی میں جھک آئی تھی۔ انداز میں حد درجہ بے قراری تھی۔

''رات تم آرہے ہونا؟'' باہر کھڑے ہونے کے باعث وہ پہلے کے مقابلے میں قدرے بلند آواز بولی تھی۔

''ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اثبات کی مہر ثبت کی تھی۔

''اوکے۔'' وہ لڑکی بڑی ہی دل ربائی سے مسکرائی تھی، پھر کھلے گیٹ سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

میرب چہرے کا رخ پھیرے کھڑکی سے ادھر تکتی رہی تھی۔

وہ پری رخ چلی گئی تھی مگر گاڑی نہ چلی تھی۔ مگر میرب قطعاً چونکی نہ تھی۔ شاید کچھ اور ہونا باقی تھا ابھی۔ شاید کوئی اقدامِ خاص۔

''سنو ———''

وہ خود میں مگن بیٹھی تھی جب بھاری لہجے میں اسے پکارا گیا تھا۔ وہ بے طرح چونکی تھی۔ کسی قدر حیرت سے اس شخص کی جانب دیکھا تھا۔

''آگے آجاؤ تم۔'' ایک مزید حکم صادر ہوا تھا۔ وہ ساکت سی چند ثانیوں تک بیٹھی رہی تھی، پھر دروا کھول کر اتری تھی اور اس خالی کی گئی سیٹ پر بہت ہولے سے بیٹھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

گویا اس کا حصہ یہ تھا۔

چیز اس کے مصرف میں بھی آنا تھی مگر!

کچھ لمحے اس کے نام بھی تھے مگر!

مگر شاید باقی بچ جانے کے بعد۔

اس کا شمار بھی ہونا تھا۔

مگر شمار ہو جانے والے تمام مطلوبہ نمبروں کے بعد۔

آہ...... کتنی ہی ٹیسیں اٹھی تھیں اندر کہیں۔ کتنا درد اٹھا تھا۔ کیا پا لیا تھا اس نے؟ کیا گنوا دیا تھا؟

شاید اپنا آپ، شاید سب کچھ!

کن بے قدرے ہاتھوں میں آئی تھی وہ!

کس مقام پر فٹ کیا گیا تھا اسے، جہاں پہلے سے سارے منظر بھرے ہوئے تھے۔ جہاں اس کی رے سے کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

کتنے سناٹوں کا پہرہ وجود کے اردگرد بنتا چلا گیا تھا۔ کتنی مشکلوں میں گھر گیا تھا دل۔ کتنی خاموشیوں میں سمٹ گئی تھی جاں۔

اور تدارک کیا تھا؟

کیا تھا مداوا؟

کس قدر عجلت میں بنا کوئی چھان پھٹک کئے، اس کے نصیب کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔

اتنا بڑا فیصلہ......!

کیسے ہمدرد تھے اس کے، کیسے اپنے تھے؟

کتنے مضبوط بندھن میں باندھ گئے تھے اسے ——— کتنی مضبوط زنجیروں میں جکڑ گئے تھے اسے کہ وہ پاہتی بھی تو آزاد نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن کیا اس بندھن کی جگہ اگر فقط ایک انگوٹھی اس کی انگلی میں ہوتی تو وہ اس ید سے خود کو نکال پاتی؟ اس بندھن سے خود کو آزاد کرا لیتی؟

شاید نہیں۔

وہ تب بھی اسی قدر کم زور ہوتی ——— اسی قدر بزدل اور ڈرپوک ہوتی۔ کیونکہ اس کا سر محبتوں کے سامنے جھکا تھا۔ مجبوریوں کے سامنے بے بس ہوا تھا وجود۔ اس نے اپنے چاہنے والوں کے لئے اپنی قربانی ی تھی۔ اس کی خوشی کو مقدم جانتے ہوئے آنکھیں بند کر کے اس اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی تھی۔ بندھن بندھنے سے قبل بھی سب کچھ مخفی تھا اس پر مگر کچھ بے نام سے خدشے اندر سر اٹھانے لگے تھے۔ اس کی چھٹی حس مسلسل اسے کسی آنے والے خطرے سے متعلق مطلع کر رہی تھی مگر اس نے پھر بھی کوئی آواز نہ سنی تھی۔ کسی حکم سے تائب نہیں ہوئی تھی وہ۔ اس پر تبھی منکشف تھا۔

کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی۔

لیکن اس وقت ''کچھ بھی'' کے معنی اس قدر واضح نہ تھے۔

کتنی خاموشی تھی چار سُو ——— شاید ساری ہلچل اس کے اندر ہی تھی۔ ساری وحشتیں فقط اس کے اندر ی منڈلا رہی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس درجہ خاموشی سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ بھولے سے بھی اس کے جود پر اک نگاہ نہ ڈالی تھی۔ بھولے سے بھی اسے نہ دیکھا تھا، جیسے وہ اس کی موجودگی کی نفی کر رہا تھا۔ جیسے س کے لئے اس کا ہونا نہ ہونا ایک ہی معنی رکھتا تھا۔

میرب سیال نے اک نگاہ کی تھی اس طرف۔ اسے اک لمحے کو بغور دیکھا تھا۔

کس قدر پُر وجاہت تھا وہ شخص۔
کس قدر تمکنت تھی اس کے سبھی تیوروں میں۔
کس درجہ خود اعتمادی تھی۔

کتنی خصوصیات کا حامل تھا وہ اور کس قدر کشش تھی اس میں۔ اک زمانہ دیوانہ تھا اس کے لے ماہ رخیں پاگل تھیں، اس کی اک نگاہ کی منتظر۔ کیسی شان رکھتا تھا وہ۔ کیسا اک انجانا سا غرور اس کے چ پر تھا۔

وہ بلاشبہ بے انتہا کشش کا حامل تھا۔ بہت وجاہت تھی اس میں۔ اس کی بے تاثر نگاہ کے تیور بھی لٹا دینے پر مائل کرتے تھے۔

مگر اس کے باوجود کس قدر نفرت اٹھ رہی تھی اس کے لئے میرب سیال کے دل سے۔

اس کا سارا اندر اس ایک انتہائی متاثر کن وجود کی بھرپور نفی کر رہا تھا۔ کوئی ایک جذبہ بھی نہیں اس کے اندر اس شخص کے لئے۔ کتنا مضبوط تعلق مابین تھا مگر وہ اب سے مسلسل رد کر رہی تھی۔ کیونکہ اس کا اندر اس کے خلاف جا رہا تھا۔

اور لڑکیوں کی ترجیحات کیا ہوتی ہیں —— ان کے خواب کیا ہوتے ہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری اس کی ترجیح قطعاً نہ تھا۔ اگر اسے اختیار دیا جاتا تو وہ سو بار رد کرتی۔ کیونکہ وہ ا ترجیح قطعاً نہیں تھا۔ بگڑے نوابوں سی خصوصیات لئے، ریاستی شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والا شخص کم اس کی ترجیح نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ شاید مسلسل بلا ارادہ سردار سبکتگین کی طرف تکتی جا رہی تھی۔ ایک پل کو نگاہ کی تھی مگر خود میں اس الجھی ہوئی تھی کہ نگاہ ساکت رہ جانے کا احتمال ہی نہ ہوا تھا۔ نگاہ ہٹانا یاد ہی نہ رہا تھا۔

سرار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک پل کو ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔ اور تب وہ قد چونکی تھی اور فوراً چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''مائی اماں نے حکم دیا تھا تمہیں گھر پہنچا دوں۔'' اس کی بھاری آواز یکدم اس کے اطراف پھیلی وہ پہلی بار اس کی توجہ کا مرکز ہوئی تھی، مگر دل میں کہیں کوئی امنگ، کوئی ترنگ نہ جاگی تھی۔ وہ فقط خالی نظروں سے اس شخص کی جانب تکنے لگی تھی۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' شاید مائی اماں کی کسی تاکید پر وہ دریافت کر رہا تھا۔

میرب سیال نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا مگر اس نے بنا کان دھرے گاڑی ''چین کے سامنے روک دی تھی۔ وہ خاموش نظروں سے اس شخص کی جانب تکنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر نے بھی اس پر نگاہ کی تھی۔

''اترو۔'' حکم صادر ہوا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک اسی طرح سراسیمہ سی تکتی رہی تھی۔ پھر چہرے پھیر کر اپنی طرف کا دروازہ کھولا تھا اور خاموشی سے اتر گئی تھی۔ اس کے باوجود کہ وہ ایسا کچھ نہیں تھی۔ مگر وہ سردار سبکتگین حیدر کے کسی حکم سے اب تک جانے کیوں منحرف نہ ہو سکی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسے شاپنگ کراتا رہا تھا۔

کتنی بہت سی اشیاء —— جن کی اسے ضرورت بھی نہ تھی اور جن کے لئے اس نے کوئی خواہش بھی ماہر نہ کی تھی، وہ اس کے لئے منتخب کرتا جا رہا تھا۔ لیکن کچھ بھی لینے سے قبل وہ اک نظر اس کی طرف دیکھتے وئے اتنا ضرور کہتا تھا۔

''ٹھیک ہے؟''

اور وہ سر نفی میں ہلانا جیسے بھول گئی تھی۔

پتہ نہیں اس شخص کا رعب تھا یا پھر وہ کمزور ہی اتنی ہو گئی تھی۔ وہ آج تک کوئی انکار کر ہی نہ سکی تھی۔ کتنی ل گئی تھی وہ اتنے تھوڑے دنوں میں۔

کتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے لئے۔ بالکل اپنے شایانِ شان۔ پنی حیثیت کے مطابق۔ وہ معمولی اشیاء کی سمت تکتا ہی نہ تھا۔ بے تاثر چیزوں پر اس کی نگاہ ٹھہرتی ہی نہ ھی۔ اس کی نگاہِ انتخاب بڑی بلند تھی۔

'تو کیا اس کے معاملے میں بھی؟' کیسا سوال اٹھا تھا یکدم۔

اس کے متعلق سوچتے سوچتے یکدم خود اپنی ذات پر آ گئی تھی۔ مگر اندر بہت خاموش تھا، بڑا ساکت۔

''تمہیں بھوک تو ضرور لگی ہو گی۔'' چین ون سے نکل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے آنکھوں پر دوبارہ سیاہ سن گلاسز چڑھاتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھا۔ اور اب کے وہ کس قدر حیرت سے اس کی مت تکتی چلی گئی تھی۔ نہ تو سر اثبات میں ہلایا تھا نہ ہی نفی میں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اپنے طلوبہ راستوں پر ڈال دی تھی۔

شاید آج کے تمام ''اقدامات'' کے لئے مائی اماں کی جانب سے بطور خاص ''تاکید'' ہوئی تھی۔

آج کا دن اس کے نام لکھ دیا گیا تھا تو اس میں بھی کوئی جواز تھا۔ شاید وہ مائی اماں کی کوئی بات ٹال ہیں سکتا تھا۔ کوئی بات رد نہیں کر سکتا تھا۔ اور شاید تبھی ایک لمحے میں اس کی سوچ خود اپنے آپ پر تھمی تھی تو س کا انتخاب بھی کسی ایسے ہی حکم نامے کی طرح تھا۔

مائی اماں کی مرضی، ان کی پسند اور فقط ان کا حکم۔ وہ یقیناً سردار سبکتگین حیدر کی ترجیح نہ تھی۔ ہو بھی نہیں کتی تھی۔ کیونکہ وہ اس ''ٹائپ'' کی تھی ہی نہیں۔ وہ تو اس کی فقط ''مجبوری'' تھی۔ جس طرح وہ اس کی 'مجبوری'' تھا۔

تو کیا دونوں فقط ''مجبوریوں'' کا بندھن نبھا رہے تھے؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی ایک ''میریٹ'' کے سامنے روک دی تھی۔

''اترو —— '' ایک بار پھر حکم صادر ہوا تھا اور میرب سیال بہت خاموشی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی۔ شاید اب اسے تاعمر ایسے ہی احکامات کی تابعداری کرنا تھی، بنا زبان کھولے، بنا اپنی رضی جانے فقط سر اثبات میں ہلانا تھا اسے۔ کیونکہ یہی اس کی مجبوری تھی۔

دن بھر وہ ایک پُر وجاہت ترین شخص کے ساتھ رہی تھی۔

کتنے خوب صورت اور قیمتی لمحے بخشے تھے کسی نے اسے۔ مگر اس کے اندر پھر بھی ویسے ہی سنا
پہرہ تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ ان تمام اقدامات کی حقیقت جانتی تھی۔ وہ شخص جس کی قربتوں کی ہزار
رخیں فقط خواہش کرتی ہیں۔

وہ آج دن بھر اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ مگر کیسا بے تاثر سا لگ رہا تھا سب کچھ۔ کس قدر بے
شام جب اس نے اسے "لغاری ہاؤس" کے باہر چھوڑا تھا اس اختتامی لمحے میں بھی وہ کس قد
تاثر تھی۔ کس قدر سناٹے تھے اندر۔ کہیں کوئی آہٹ نہیں تھی۔

* * *

اور کتنی کوشش کی تھی کہ اس دیوانگی پر وہ قابو پالے۔ وہ سامنے آئے تو وہ اس کی جانب نہ دیکھے۔ نگاہ میں وہ دیوانگی، وہ وارفتگی نہ اُمڈے۔ مگر عفنان علی خان مکمل طور پر بے بس رہا تھا۔ کتنا بے خود کر دیتی تھی اسے وہ "شربت گلا"۔ کتنا اضطراب بھر دیتی تھی ساری جان میں۔

وہ جادو سی ست رنگی آنکھیں کتنے اسرار رکھتی تھیں اپنے اندر۔ کتنے بھید چھپے تھے ان میں۔ وہ بلا ارادہ ہی جیسے ان رازوں کو پانے کو بے خود ہو جایا کرتا تھا۔ اک پل میں وہ اپنے سارے اختیار، سارے ہوش کھو دیتا تھا۔

بیٹھے بٹھائے دل نے کیسے روگ لگائے تھے، کن منزلوں کا جنون دل میں آن سمایا تھا، کن راہوں کی لگن آنکھوں میں جاگنے لگی تھی۔

ذہن و دل کیسے پل میں مفلوج ہو جاتے تھے۔

کیسے کوئی تدبیر ہو ہی نہ پاتی تھی۔

وہ جانتا تھا یہ ٹھیک نہیں۔ مانتا تھا دل کہ وہ اس کے لئے "شجرِ ممنوع" ہے جس تک اس کی رسائی قطعاً کبھی ممکن نہیں۔ اس کے راستے کوئی اور ہیں اور اس کے راستے کوئی اور۔ جب کہ وہ ایک نئے راستے کا تعین اپنے لئے کر چکا ہے، ایک نئی راہ اپنا چکا ہے۔

کسی بندھن کا پابند ہو چکا ہے، کسی نئے تعلق میں بندھنے کی ابتدا کر چکا ہے، پھر یہ سب کچھ بے معنی ہے۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

مگر دل سمجھ نہ پا رہا تھا۔

اس روز جب پی سی میں اسے دیکھا تھا تو قدموں کو اس کی سمت بڑھنے سے قطعاً نہ روک سکا تھا۔ قدم اٹھے تھے اور وہ چلتا ہوا اس کے سامنے جا رکا تھا۔ اور وہ کس قدر حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آپ ـــــ؟" اس کی نظروں میں کس قدر حیرت تھی۔ شاید وہ اس پل مروتاً مسکرائی تھی۔

"کیسی ہو تم؟" وہ ایسے مخاطب ہوا تھا جیسے صدیوں کی پہچان رکھتا ہو۔ لہجے میں اتنی اپنائیت تھی جیسے وہ برسوں سے اس سے واقف رہا ہو اور ایسا اول دن سے تھا۔ انابیہ شاہ کے لب ایک بار پھر مروتاً پھیلے تھے۔

"ٹھیک ہوں ـــــ اور آپ؟"

"پرفیکٹ۔" وہ اسی بے خودی سے مسکرایا تھا۔

"ایک ورکشاپ اٹینڈ کرنا تھی۔" انابیہ شاہ نے شاید مروتاً مسکراتے ہوئے جواز دیا تھا۔

وہ بغور دیکھنے لگا تھا۔

''لامعہ نہیں آئی؟''

''نہیں ـــــــ شاید وہ کہیں اور مصروف تھی۔''

''اٹینڈ کر لی ورکشاپ؟'' بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ نے رسمی سی مسکراہٹ کے سا اثبات میں ہلایا تھا۔ ایسا قطعاً ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے سامنے سے یونہی ایک پل میں ہٹ جاتی۔ ما گہرے مراسم نہ تھے، کوئی وابستگی نہ تھی، کوئی گہری آشنائی بھی نہ تھی، مگر ایسا بھی نہ تھا کہ سرے سے تعلق ہی موجود نہ ہو۔ لامعہ حق کا حوالہ رد کئے جانے کے قابل تو نہ تھا۔ شاید تبھی وہ تمام تر مروت ہ سلیقے سے نبھا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس سراسیمہ سی کھڑی لڑکی کو بغور دیکھا تھا پھر بہت ہ سے اظہارِ مدعا کیا تھا۔

''کیا ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں؟'' عجب خواہش لبوں پر مچل گئی تھی۔ جانے مقابل کا ردِعمل کیا ہوتا سنگِ مرمر سا تراشیدہ پیکر جانے کس وصف سے پیش آتا۔ جانے وہ گداز لب کیا کہتے۔ مگر یہ سچ تھا کہ ایک لمحے میں وہ خود پر اختیار نہ رکھ پایا تھا۔ مگر اب جب ہوا تھا تو وہ اس صبیح چہرے سے اپنا دھیان ہٹا تھا۔ مگر اس گھڑی وہ چمکتی آنکھیں اس کی سمت اٹھی تھیں اور وہ تراشیدہ لب مسکرائے تھے۔

''ڈنر کروانے کے چکر میں ہیں؟'' کسی قدر شگفتہ انداز میں کہا گیا تھا۔ یقیناً وہ اس گھڑی ایک تعلق کو لے کر رسماً مسکرا رہی تھی۔ حالانکہ مذاق کا کوئی خاص تعلق درمیان استوار نہ تھا۔ عفنان علی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''موسم سرد تو ہے ـــــــ آئی تھنک، کافی، بہتر رہے گی۔ دراصل میں لامعہ کو شکوے کا کوئی موقع دینا چاہتی۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں آپ سے یہاں ملی تھی اور میں نے ڈھنگ سے آپ کو ٹریٹ کیا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔'' مسکراتے ہوئے اس نے وضاحت کی تھی اور اس کے انداز عفنان علی خان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''تو آپ لامعہ کے ڈر سے مجھے اچھی طرح مل رہی ہیں؟'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کسی قدر شکوہ انداز میں مسکرایا تھا۔

''نہیں ـــــــ ایسی بات نہیں۔'' وہ اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''کب سے جانتی ہیں آپ لامعہ کو؟'' کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''اسکول سے ـــــــ ہماری اسکولنگ ساتھ ہوئی تھی۔'' انابیہ شاہ کا جواب بڑا مختصر تھا۔ اور وہ ج سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''پھر اس سے قبل کیوں نہ ملیں آپ؟'' مسکراتے ہوئے شکوہ ہوا تھا۔

''اس سے قبل کبھی آپ نے منگنی بھی تو نہیں کی۔'' جواب بے حد برجستہ اور انداز شگفتہ تھا۔ وہ مسکرا بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے رنگ اس گھڑی بڑے شوخ سے تھے۔ وہ یقیناً مذاق کر کے محظوظ ہوئی تھی۔

''ویری انٹرسٹنگ۔ آپ کا سنس آف ہیومر خاصا اچھا ہے۔ آپ بہت مختلف ہیں۔''

''کس سے؟'' استفہامیہ انداز میں اس کی جانب تکتے ہوئے گویا ہوئی۔ عفنان علی خان مسکرایا تھا، بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''ہر کسی سے۔'' انداز بے حد مسرور تھا۔ انابیہ شاہ قدرے حیرت سے اسے تکنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ کافی کے کپ سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو بغور تکنے لگی تھی۔ عفنان علی خان کو شاید اپنی حد درجہ بے قراری کا ادراک ہوا تھا تبھی وہ لب بھینچ کر مسکرایا تھا۔

''لامعہ سے بہت مختلف ہو تم ـــــــ کیسے، آئی مین کیسے دوستی ہوئی تم دونوں میں؟'' انابیہ نے کافی کے فلیور سے محظوظ ہوتے ہوئے عفنان علی خان کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بڑی متانت سے مسکرائی تھی۔

''دوستی یا انڈراسٹینڈنگ کے لئے ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ آئی بلیو ـــــــ کبھی ایک جیسے سائن ایک دوسرے کو اٹریکٹ نہیں کرتے۔ بیٹری بھی تبھی چارج ہوتی ہے جب ایک سائن نگیٹو اور دوسرا پزیٹو ہو۔'' انداز بے حد مدلل تھا۔ عفنان علی خان اسے بغور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔ یقیناً مقابل کی بات قائل کر گئی تھی۔

''درست کہتے ہیں ـــــــ حُسن چاروں شانے چت کر سکتا ہے۔'' دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ انابیہ شاہ جو کافی کا سپ لے رہی تھی، اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟'' اس کی آنکھوں کو بغور تکتے ہوئے کافی کا سپ لیا تھا۔ اور وہ جو کسی قدر خود میں مگن تھی، چونک پڑی تھی۔ پھر قدرے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے اس مقابل بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔

''آپ کو کیسے خبر ہوئی کہ میں کچھ سوچ رہی ہوں؟''

''آپ کی آنکھیں سارے بھید کہہ جاتی ہیں۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ بجائے کنفیوز ہونے کے مکمل اعتماد کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''لامعہ کا قیاس آپ کے متعلق خاصا مختلف ہے۔'' گداز لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ عفنان علی خان دلچسپی سے تکنے لگا تھا۔ وضاحت قطعاً نہیں چاہی تھی نہ ہی کوئی اختلافِ رائے تھا۔ بس فقط مسکرایا تھا۔

''آپ کیا کہتی ہیں؟'' مکمل اعتماد سے اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا گیا تھا اور انابیہ شاہ جو مکمل پُراعتمادی کے ساتھ اس کی سمت دیکھ رہی تھی، کچھ بھی کہے بغیر نظریں پھیر گئی تھی۔ تبھی عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''آپ کو کافی پسند ہے؟'' عجب سوال دریافت کیا گیا تھا۔

''ہوں ـــــــ'' انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اس کا ٹیسٹ کڑوا اور کسیلا ہے اس لئے؟'' جانے وہ کیا پروف کرنا چاہ رہا تھا۔

''نہیں ـــــــ اس میں چاکلیٹ اور کریم ہے اس لئے۔'' وہ مکمل غیر سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔ اس کے غیر سنجیدہ انداز پر عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

جب بھی تم سے ملا ہوں یکسر
ایک نئی لڑکی لگی ہو تم
ایک سپ تلخ، ایک سپ شیریں
میری کافی میں گھل گئی ہو تم

کافی کے کپ کے کناروں پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے زیرِ لب مسکرایا تھا۔ لہجہ دھیما تھا، آواز مدھم تھی، جیسے یہ کوئی مدھم سرگوشی ہو، کوئی خود کلامی ہو۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ مدھم لہجہ کسی دوسرے کے کانوں تک نہ پہنچا ہو۔ انابیہ شاہ نے یقیناً اس آواز کو سنا تھا مگر کسی بھی طرح کا ردِعمل ظاہر کئے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی جیسے وہ بھی سنی ان سنی کرنا چاہتی تھی۔

"ایک بات کہوں؟" بہت ہولے سے اظہارِ مدعا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ نے فقط خاموشی سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا، کوئی اجازت نہیں دی تھی مگر وہ بولنے سے باز نہیں رہا تھا۔

"آپ کی ان آنکھوں میں رنگ باتیں کرتے ہیں۔ سبھی موسم بولتے ہیں۔" عجب انکشاف تھا۔ انابیہ شاہ نے ساکت نظروں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تھینکس فور دی کافی۔" قدرے رسمی انداز میں مسکراتے ہوئے مقابل کو دیکھا تھا۔ اس کے خلاصی کرانے والے انداز پر عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے پُرشکوہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تو کیا ہم ساتھ باہر تک بھی نہیں جاسکتے؟" بظاہر وہ نظریں پُرشکوہ تھیں مگر محظوظ ہونے کی کیفیت بے حد واضح تھی۔ وہ یقیناً اس گھڑی محظوظ ہو رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے قدم اس کے ہمراہ آگے بڑھا دیئے تھے۔ بہت سے کام کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے اور محض رکھ رکھاؤ کے لئے بھی کرنا پڑتے ہیں۔ اور وہ بھی رسمِ دوستی نبھا رہی تھی۔ عفنان علی خان خاموش تھا مگر آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ کس درجہ سرشار تھا۔

کوئی سنگ تھا، ہمراہ تھا۔

مگر دل کے لئے یہ چند لمحے بھی غنیمت تھے۔ سنگت مختصر سی مگر پُرلطف تھی۔

❄❄❄

بہت سے کام دوسروں کی خوشی کے لئے کرنا پڑتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا کرنے میں بہت کچھ چپ چاپ اندر ٹوٹتا ہے، بکھرتا ہے اور دفن ہوتا چلا جاتا ہے۔ سید اذہان حسن بخاری کے لئے بھی ماں کے حکم پر سر جھکانا جیسے ایک لازی جزو تھا۔ انکار اس کے لئے ناممکن تھا۔ سو اس نے سر جھکا دیا تھا۔ کیونکہ وہ سب کچھ کرسکتا تھا مگر اس ایک رشتے کی نفی نہیں کرسکتا تھا۔

سید سعد شاہ بخاری کو شاید اس کے آفس آنے کی اطلاع مل گئی تھی، تبھی وہ اس کے روم میں چلے آئے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری میں اب بھی اتنا احساس تھا کہ وہ سامنے کھڑے باپ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پُرخائف نگاہ خفگی لئے ہوئے تھی، قدرے اجنبی تھی، وہ ان کی طرف سے مکمل طور پر غافل تھا، ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری نے مضبوط جسامت کے مالک بیٹے کو دیکھا تھا۔ اس لمبے چوڑے قد و کاٹھ میں وہ آج بھی ویسی ہی فطری معصومیت کا حامل تھا۔ سید سعد حسن شاہ بخاری کو وہ آج بھی کوئی چھوٹا سا بچہ ہی لگا تھا۔ وہ اس کے قریب آگئے تھے، اسے بغور دیکھا تھا اور اس کے مضبوط شانے پر بہت ہولے سے ہاتھ دھر دیا تھا۔ مگر سید اذہان حسن بخاری تب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے ——— میں جانتا تھا۔" دونوں ہاتھوں سے اس کے مضبوط شانوں کو تھامتے ہوئے وہ مسکرائے تھے۔ سید اذہان حسن بخاری نے بہت ہولے سے گردن پھیر کر انہیں دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"یقین آپ کو خود پر نہیں، اس ہستی پر تھا جسے آپ نے اپنے عزائم کے لئے استعمال کیا۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری نے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"چلو ——— کسی کے لئے سہی۔ تمہیں شاہ گروپ آف کمپنیز کا خیال تو آیا۔"

"خیال مجھے شاہ گروپ آف کمپنیز کا نہیں، اس کی گرتی ہوئی ساکھ کا تھا۔ میری ممی بھی تو اس کمپنی کی پچاس پرسینٹ کی شیئر ہولڈر ہیں۔ اور اگر میں کوئی نقصان شاہ گروپ آف کمپنیز کو پہنچاتا تو یقیناً میری ماں کو ایک اور نقصان سہنا پڑتا اور میں اپنی ماں کو کم از کم کوئی زک نہیں پہنچا سکتا۔" اذہان حسن بخاری کا لہجہ متانت سے پُر تھا۔ سید سعد حسن اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ پھر چہرے کا رخ پھیر کر پُرافسوس انداز سے سر نفی میں ہلانے لگے تھے۔

"تم میرے اس حد تک خلاف جاسکتے ہو، مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔ میرا بیٹا، میرا خون۔" وہ عجیب بے بسی کے ساتھ بیٹے کی سمت تکنے لگے تھے۔ "تم کیا سمجھتے ہو ——— کس کے لئے کر رہا ہوں میں یہ سب کچھ، کس کے لئے؟ تمہارے لئے نا، اور کون ہے میرا۔ اور تم ایک پل میں ...." دھیما لہجہ کسی قدر کرب سے دوچار تھا۔ "کس کے لئے ہے یہ میرا سب کچھ ——— تمہارے لئے نا۔ یہ دوڑ دھوپ، یہ محنت، یہ کامیابیاں، یہ دولت کی ریل پیل، یہ نام یہ مرتبہ۔" اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا مگر وہ بے تاثر کھڑا رہا تھا۔

"آپ نے مخالفت خود مول لی ہے پاپا! ——— آپ نے یہ علیحدگی کی راہ خود منتخب کی ہے۔" سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے وہ چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔ چہرے کی رگیں بے حد تنی ہوئی تھیں۔ خود پر ایک جبر ناقابلِ بیان تھا۔

"کیا تم اس بات، اس [illegible] کو بھلا نہیں سکتے؟" عجب بے بسی سے کہتے ہوئے بے حد مضبوط قد و قامت کے مالک بیٹے کو دیکھا تھا جو بہت مضبوطی سے اس گھڑی ان کے سامنے ڈٹا کھڑا تھا اور اس گھڑی کس درجہ بے یقینی سے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا وہ سب بھولنے کے قابل ہے؟ ——— پاپا! آپ نے ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ممی کا کیا قصور تھا، اتنی طویل رفاقت کا کیا صلہ دیا آپ نے انہیں؟ اور ماہا ——— اُس کا کیا قصور تھا؟ آپ کو اس کا بھی خیال نہیں آیا۔" کس قدر دھیمے انداز میں وہ مخاطب تھا اس گھڑی۔ مگر آنکھوں کی سرخی

بتا رہی تھی کہ اندر بہت سے طوفانوں کا مقابلہ اس کے لئے آسان نہیں ہے۔ وہ یقیناً اس وقت بہت بند باندھے کھڑا تھا۔

"پاپا! آپ کو لگتا ہو گا کہ آپ ایسا کر کے حق پر ہیں۔ مگر میں اپنی ماں یا اپنی بہن کو کوئی زک نہیں سکتا، نہ ہی کوئی مخالف سمت اختیار کر سکتا ہوں۔ آپ کے لئے اتنا کافی ہے کہ میں اب شاہ گروپ آ کمپنیز کے ساتھ ہوں۔ شاید آپ کو احساس نہیں ہے کہ آپ نے کیا کچھ کھو دیا ہے؟ اور میں آپ کو اس احساس دلانا بھی نہیں چاہتا۔ شاید میری طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو۔ آئی ایم سوری، لیکن میں آپ معاف نہیں کر سکتا پاپا! مجھے اپنے سے وابستہ تمام رشتوں سے پیار ہے اور آپ نے نقصان میرا نہیں، سے وابستہ رشتوں کا کیا ہے۔" مدھم لہجے میں بہت کچھ کہہ گیا تھا۔ کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا تھا اور مضبو قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری بیٹے کو تکتے رہ گئے تھے۔

* * *

ڈاکٹر نے پاپا کی سرجری کی ڈیٹ دے دی تھی۔ اور جب سے اس نے یہ خبر سنی تھی اس کا دل بیٹھا رہا تھا۔ جانے کیوں اسے بے حد ڈر لگ رہا تھا۔ بہت سی خاموشی اندر پھیل رہی تھی اور آنکھیں کیسے ارادہ برس رہی تھیں۔ وہ ٹیرس کی سیڑھیوں پر بیٹھی گھٹنوں پر سر دھرے اس وقت خاموشی سے اپنے اندر غبار کو دھو رہی تھی، جب سردار سبکتگین حیدر لغاری مضبوط قدموں سے زینہ طے کرتا دکھائی دیا تھا۔ اس بلا ارادہ نگاہ کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی شاید بے ارادہ رکا تھا، اسے بغور دیکھا تھا پھر بے حد پیا لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"اینی پرابلم؟"

میرب سیال نے اسے دیکھا تھا، پھر بھیگی بھیگی آنکھوں کی تمام نمی کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے نفی میں ہلا گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند ثانیوں تک اسے اسی طرح خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بڑے بے نا انداز میں مضبوط قدم اٹھاتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا تھا اور میرب سیال کے اندر کی خاموشی مزید گہر ہوتی چلی گئی تھی۔

یہ تھا اس کا ہم سفر، اس کا رفیق زندگی۔

اس نے اس کے ایک لمحے کی بھی خبر نہ لی تھی۔

ایک لمحے کے ایک غم کو بھی نہ بانٹا تھا۔ اس سے وہ کسی خوشی کی امید کیا کرتی۔ اسے تو دو حرف تسلی تک میسر نہ تھے۔ ایک شانہ مہربان نصیب نہ تھا۔ کس درجہ تنہا تھی وہ۔ کس درجہ اکیلی۔ وہ اٹھی تھی اور نیم جا قدموں سے چلتی کمرے میں آ گئی تھی۔ کتنی دیر تک وہ چپ چاپ بیڈ پر لیٹی خالی خالی نظروں سے چھت سطح کو تکتی چلی گئی تھی۔ اچانک آہٹ ہوئی تھی مگر وہ چونکی نہیں تھی، دھیان نہیں پھیرا تھا۔ مائی اماں نے دہلی پر رک کر اسے دیکھا تھا، پھر اندر چلی آئی تھی۔ وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔

"میرب! میرے بچے! کیا ہوا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خود خبر نہ لی تھی مگر مسیحائی کرنے کو

ضرو بھیج دیا تھا۔ شاید کسی قدر انسانیت اس میں اب بھی باقی تھی۔ مائی اماں اس کے قریب بیٹھتے ے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھنے لگی تھیں۔

اس نے اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہوں میں —— آپ نے خوامخواہ زحمت کی۔" اس کا لہجہ دھیما مگر کسی قدر سرد تھا۔

ائی اماں نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت محبت کے ساتھ اسے اپنے ساتھ بھینچ گئی تھیں۔

"کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو تم؟ —— کیا کسی غیر گھر میں ہو؟ بیٹا! کیا تمہیں ہم سے کوئی شکایت ! —— سبکتگین حیدر نے کہا ہے کچھ؟ مجھے بتاؤ، طبیعت ٹھکانے لگا دوں گی اس کی۔"

مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ آنکھیں یکدم ہی پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

"میرب!" مائی اماں نے بہت آہستگی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔ تبھی اس کی آنکھوں میں ٹھہرے ر چھلک پڑے تھے۔

"ڈاکٹر نے پاپا کی ہارٹ سرجری کی ڈیٹ دے دی ہے۔" سر جھکا کر وہ بولی تھی۔ مائی اماں نے اسے ا تھا پھر بہت آہستگی سے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"بیٹا! اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟ —— انشاء اللہ سرجری کامیاب ہو گی اور مظہر صاحب ست ہو کر وطن واپس لوٹیں گے —— تم بس ان کی تندرستی کے لئے دعا کرو۔ خدا بیٹیوں کی دعائیں ں رائیگاں نہیں کرتا۔" انہوں نے حوصلہ بندھایا تھا۔ مگر دل کو پھر بھی ڈھارس نہیں ہوئی تھی۔

"اگر تم زیادہ پریشان ہو تو میں سبکتگین سے کہتی ہوں، وہ تمہیں ان کے پاس لے جائے۔"

"نہیں مائی اماں! اس کی ضرورت نہیں۔" وہ یقیناً سبکتگین حیدر لغاری کو کسی قسم کی تکلیف دینا نہیں تی تھی۔ مائی اماں نے خاموشی سے اسے دیکھا تبھی وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"ابھی فون پر بات ہوئی ہے میری ان سے۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے انشاء اللہ۔" اس نے جیسے خود کو ارس دی تھی۔ اپنے اندر کے خدشوں کا گلا گھونٹا تھا۔ حمیرہ بیگم اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"تم خود کو، اس گھر میں پرایا سمجھتی ہو نا؟"

"نن..... نہیں، ایسی بات نہیں۔" میرب سیال نے فوراً نفی کی تھی۔

"تو پھر اپنا دکھ، اپنی تکلیفیں چھپاتی کیوں ہو ہم سے؟ —— تمہیں لگتا ہے میں تمہاری ماں نہیں ں؟" مائی اماں نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا تھا۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں مائی اماں! دراصل میں ......" اور اس سے آگے اس سے کوئی بہانہ بن نہ پڑا۔ شاید تبھی وہ چپ سادھ گئی تھی۔ مائی اماں نے اسے دیکھا تھا پھر اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"جس قدر اس گھر پر سبکتگین حیدر کا حق ہے، اسی قدر تمہارا بھی ہے۔ جتنی میں اس کی ماں ہوں، اتنی اری بھی ہوں۔ خدا تمہیں سکھ ہی سکھ دے۔ لیکن اگر کوئی پریشانی ستائے تو تم اپنی اس ماں سے بیان سکتی ہو۔"

"جی ضرور مائی اماں!" سبکتگین حیدر لغاری کی طرح وہ بھی دانستہ نادانستہ حمیرہ بیگم کو مائی اماں کہنے لگی

تھی۔ شاید ان کے ہاں رسماً ماں کو مائی اماں بلایا جاتا تھا اور وہ لاشعوری طور پر ان سب رسموں کو قبو
رہی تھی۔ ان رشتوں کو قبول کر رہی تھی۔

”چلو اٹھو ـــــ فوراً فریش ہو جاؤ۔ میں سبکتگین حیدر سے کہہ دیتی ہوں، وہ تمہیں کہیں باہر
جائے۔“

”نن......نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔“ میرب سیال نے ایک لمحے میں نفی کرتے ہوئے سر ہلایا۔ ذہنی طور پر وہ پہلے ہی بہت ڈسٹرب تھی اور مزید کوئی پریشانی مول لینا قطعاً نہیں چاہتی تھی۔ اور سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ کہیں جانے کا مطلب تھا اپنے لئے ایک نیا دردِ سر ڈھونڈنا۔ سو اس نے اماں کے اس فیصلے کو ایک لمحے میں رد کیا تھا۔

مائی اماں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”سبکتگین حیدر سے کوئی شکایت ہے تمہیں؟“

”نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے۔ میں بس آرام کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے دھیان ان کی سمت
ہٹاتے ہوئے کہا تھا اور تب مائی اماں اس کے چہرے کو ہولے سے تھپکتے ہوئے اٹھی تھیں اور باہر نکل
تھیں۔

اور اس کے بعد میرب سیال کتنی دیر تک لیٹی خالی خالی نظروں سے چھت کی سطح کو گھورتی چلی گئی تھ

* * *

مکمل ادراک تھا اسے۔ وہ تمام صورتِ حال مکمل طور پر ”اختیار“ میں رکھنا چاہتا تھا۔ مگر ایک ”
اختیاری“ اس کی جان نہیں چھوڑ رہی تھی۔ جانتا تھا وہ کچھ بھی ممکن نہیں مگر وہ بے ارادہ اٹھتے ہوئے قد
کو روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ جب بھی سامنے آتی تھی، پہلے سے زیادہ مشکل میں ڈال جاتی تھی۔ جان
سے بھی زیادہ مشکل میں گھر جاتی تھی۔ جانے کیا جادو تھا ان شربتی آنکھوں میں، جانے کیسے بھید تھ
آنکھوں کے۔ دیکھتی تھی تو بے خود سا کر جاتی تھی۔

جیسے وہ سب اختیار رکھتی ہو، سارے منتر ازبر تھے، اسے اپنے بس میں کرنے کے۔

کیسی عجب تھی وہ۔

کیسی عجب تھیں وہ آنکھیں ـــــ اور وہ خود ـــــ!

ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے گاڑی کا گیئر بدلا تھا۔ اپنی بے بسی پر بڑا غصہ آ
تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا یا اس نے خود کو سمجھانے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ کئی بار
کرایا تھا مگر لاکھ سمجھانے پر بھی افاقہ قطعاً نہ ہوا تھا۔ وہ سامنے آتی تھی اور سارے منظر اپنے سنگ با
لیتی تھی۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت خاصی رونق تھی ـــــ شام کا وقت تھا، موسم بھی دلفریب تھا۔ بوندا باند
رہی تھی۔ تمام منظر بھیگ رہا تھا ـــــ مگر اس کے اندر وہی دو آنکھیں جھانک رہی تھیں ـــــ
سیف الملوک جیسی۔

وہ سوچوں میں غلطاں تھا جب اس کا پرسنل سیل چیخ اٹھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ سے فون
ا تھا۔ فون کی اسکرین پر واضح طور پر ”لامعہ“ لکھا ہوا تھا۔ اُس نے کال پک کر لی تھی۔

”کہاں ہو تم اس وقت؟“ لامعہ نے پہلی فرصت میں دریافت کیا تھا۔

”سن سٹ بولوارڈ لے رہا ہوں۔“ اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ انداز قدرے بجھا بجھا سا
مگر لامعہ نے جیسے محسوس ہی نہ کیا تھا۔ فوراً بولی تھی۔

”پھر تو تم صحیح سمت آ رہے ہو۔“

”عفنان علی خان نے کبھی اپنی عقل و خرد سے غلط سمت اختیار نہیں کی۔“ وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز
ں قدر چوٹ کرتا ہوا تھا۔ جانے وہ اس لمحے کس پر خفا تھا۔ خود پر، اپنی تقدیر پر، اس وقت پر یا لامعہ حق

”آئی نو ـــــ میں جانتی ہوں۔ میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔“ لامعہ حق مسکرائی تھی۔ ”ایسا کرو اگر تم
ست بولوارڈ لے چکے ہو تو ناک کی سیدھ پر آ جاؤ۔ ہم ”لبرٹی“ پر ہیں۔ میں نے ڈرائیور کو واپس بھیج
تھا۔ دراصل ماما کو گاڑی کی ضرورت تھی۔ ان کی گاڑی ورکشاپ میں تھی۔ مجھے علم نہیں تھا موسم ایسا ہو
ے گا۔ فی الحال تو فقط بوندا باندی ہے مگر اعتبار کچھ نہیں۔ ہم یہیں فورم پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ آ
ؤ۔“

”او کے۔“ اس نے جیسے مجبوراً سر ہلایا تھا۔ وہ فون بند کرنے والا ہی تھا مگر تبھی لامعہ بولی تھی۔

”موسم انجوائے کر رہے ہو؟“ وہ اس کے لہجے کی تھکن محسوس کرتی ہوئی دھیمے سے مسکرائی تھی۔ ارادہ
ید اس کی کسی قدر دل جوئی کا تھا مگر اس جانب کیسے کیسے بخیے نہ اُدھیڑے گئے تھے۔ مروتاً ایک مسکراہٹ
ل پر لاتے ہوئے انداز قدرے خوش گوار اختیار کیا تھا۔

”آف کورس ـــــ موسم بہت خوب صورت ہے۔“

”مگر مجھ سے زیادہ نہیں، ہے نا؟“ لامعہ کھلکھلائی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

”ہاں ـــــ“ جھوٹ بولنا کسی قدر محال لگا تھا۔ مگر جیسے لامحالہ خلاصی کرائی تھی۔

”سنو۔“ لامعہ نے ایک بار پھر اسی چاشنی سے پکارا تھا۔

”ہوں۔“ ادھر انداز سرسری تھا۔

”سیٹ بیلٹ باندھا ہے نا؟“ لامعہ کے لہجے میں کتنی فکر تھی۔

”ہاں ـــــ“ ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

”او کے ـــــ دین ڈرائیو کیئر فلی۔“ نصیحت کی تھی۔ ”آئی ایم ویٹنگ فور یو [illegible] دھیمے سے
نمون خاص کہا تھا مگر اس جانب سے فقط ”او کے“ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

گاڑی فورم کے سامنے روکتے ہوئے اسے اندازہ نہ تھا کہ لبرٹی میں لامعہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہو گا۔
اید تبھی اسے سامنے پا کر یکدم اپنے اندر سے اٹھتی ہوئی سرشاری کو دبا نہ سکا تھا۔

اسکائی بلیو شیفون کے جدید تراش خراش کے ملبوس میں وہ آج بھی جیسے ایک جادو تھی۔ وہ جھیل آنکھیں

آج بھی اتنا ہی فسوں طاری کر رہی تھیں۔ وہ سارے رنگ آج بھی اسی طور اپنے حصار میں باند
تھے۔ لامعہ نے فرنٹ ڈور سیٹ سنبھالی تھی جبکہ وہ بہت آہستگی سے پیچھے کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ لہجہ تو تمہارا بڑا بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔ ٹھیک تو ہو نا؟'' لامعہ نے اسے سا
نئے سرے سے حال دریافت کیا تھا۔ وہ گاڑی سروس روڈ سے نکالتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''کچھ تھکن ہوگئی تھی۔ مگر اب بہتر ہوں۔ تمہیں دیکھ لیا ہے نا۔'' نگاہوں میں کسی قدر شوخی بھر
گیا تھا۔ لامعہ اسے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''یو چیٹر ـــــ خوامخواہ مجھے پریشان کر دیا۔ تم سے بات کر کے میں مسلسل انابیہ شاہ کے کا
رہی کہ کہیں میں نے تمہیں خوامخواہ ڈسٹرب تو نہیں کر دیا؟ اور تم ہو کہ کتنے فریش نظر آ رہے ہو اس و
بغور اسے دیکھتے ہوئے وہ بولی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ بیک مرر سے ایک نظر پیچھے کے منظر
تھی۔

''آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔ بائے دی وے، یہ تم نے اتنی موٹی موٹی کتابیں کس لئے خر
تمہارا دماغ تو پہلے ہی خاصا کمزور سا ہے۔ کیوں ظلم کر رہی ہو اتنا اس پر؟'' بڑا شگفتہ سا مذاق ہوا تھا۔
مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی تھی، ساتھ ہی مسکرائی تھی۔

''شٹ اپ عفنان علی خان! یہ میری نہیں، انابیہ شاہ کی ہیں۔''

''اوہ ـــــ تبھی میں نے سوچا تمہارا ذوق کب سے اتنا عمدہ ہوگیا۔'' اس نے پھر چھیڑا تھا۔
ایک اچٹتی سی نظر پیچھے کے منظر پر بھی ڈالی تھی۔

موسم سے قطع نظر، ہر طرف سے بے نیاز اس گھڑی، چاروں سمت سے آنکھیں چرائے ایک
چہرے کے گرد پھیلائے وہ جیسے کسی خواب کی منتظر تھی۔ ''مصروفیت'' اگرچہ خوب تھی مگر عفنان علی خا
لبوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ پھیل گئی تھی جیسے وہ ان ''فرار لمحوں'' کا بھید پا گیا تھا۔ جیسے اس
اختیار کی گئی مصروفیت کا بھید پالیا تھا۔ شاید وہ ان لمحوں میں جان بوجھ کر غافل رہنا چاہتی تھی۔

لامعہ ساتھ تھی، سو اس کی نگاہ کسی قدر محتاط تھی۔

''یہ تم فوراً گاڑی گھر کی طرف لے جا رہے ہو۔'' لامعہ نے اسے ٹوکا۔

''کیوں ـــــ تمہیں کہاں جانا ہے؟'' عفنان علی خان نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں جلدی ہے کیا؟'' بڑے اختیار سے ڈپٹا گیا تھا۔ عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے
کر دیا تھا۔

''جناب حکم کریں تو گاڑی اسی موڑ پر روک دوں اور تا عمر کھڑا رہوں۔'' سعادت مندی کی حد
لامعہ مسکرائی تھی۔

''زیادہ بی بے بچے مت بنو۔ انابیہ شاہ بھی ساتھ ہے۔''

''اوہ، تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' عجب شرارت سی تھی لہجے میں۔

''تمہیں اتنی بڑی، اتنی اہم میری دوست دکھائی نہیں دی؟'' لامعہ نے ڈپٹا تھا۔ ساتھ ہی

رخ پھیر کر انابیہ شاہ کی طرف نگاہ کی تھی۔
دیکھو انابیہ! یہاں تمہیں یکسر فراموش کیا جا رہا ہے اور تم ہو کہ منہ سے بول تک نہیں رہی ہو۔ کم از کم
حتجاج ہی کر دو۔''

بیہ نے کتاب نظروں کے سامنے سے ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔
مجھے معلوم تھا تم مجھے ڈی فنڈ کر لو گی۔'' دھیمے انداز میں مسکرائی تھی۔ ''مجھے پہلے گھر چھوڑ دو۔ ماما
ہو رہی ہوں گی۔'' اس نے درخواست بالواسطہ کی تھی۔ اس کی مخاطب اس گھڑی فقط لامعہ حق تھی۔
تم بھی کتنی بورنگ ہو نا۔ میں تو سوچ رہی تھی آئس کریم کے لئے چلتے ہیں۔ اتنا خوب صورت موسم
ہے۔ اور ایک تم ہو۔ کتنی بڈھی روح ہے نا تم میں۔ اس موسم میں بھی اتنی خشک کتاب میں سر دیئے
و۔ کم از کم ان بھیگتے منظروں کو ہی ایک نظر دیکھ لو۔ وجود میں پل میں ایک توانائی سی بھر دیتے ہیں یہ
اور تم ہو کہ۔'' لامعہ حق نے پُر افسوس انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔
فنان علی خان نے ایک نظر پیچھے کی طرف ڈالی تھی۔ نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی مگر دوسری نگاہ اسی قدر بے تاثر
ں اجنبی ہوگئی تھی۔
عفنان! مجھے تم بعد میں چھوڑ دینا، پہلے انابیہ کو چھوڑ دو۔'' لامعہ حکم صادر کر کے سیدھی ہوئی تھی اور
ورڈ پر دھری کیسٹس دیکھنے لگی تھی۔ چند لمحوں کی چھان پھٹک کے بعد اس نے ایک کیسٹ اٹھا کر پلیئر
ل دی تھی۔

جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا!
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!
جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

تاد نصرت فتح علی خان کی آواز اطراف میں پھیلتی ہوئی سارے ماحول کو اپنے سنگ باندھ گئی تھی۔
ری سوا ہونے لگی تھی۔ جان مشکل میں گھرنے لگی تھی۔ مگر وہ جادو سا پیکر اسی طور خائف تھا۔

جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا!
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!
جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

ر باہر قیامتیں ہی قیامتیں تھیں۔ مگر بظاہر وہ خود پر مکمل اختیار قائم کئے ان تیزی سے بھیگتے ہوئے
ساوالے راستے پر گاڑی دوڑائے جا رہا تھا۔

* * *

ید ازہان حسن بخاری بہت تھکن زدہ سا گھر پہنچا تھا، جب اگینے ممی کے پاس اسے بیٹھی دکھائی د

"آپ یہاں؟" تھکن زدہ چہرے پر مسکراہٹ یقیناً بہت مشکل سے آئی تھی۔

"کیوں ـــــ میں یہاں نہیں آسکتی؟ ـــــ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ یہ گھر میر
بھابی کا بھی ہے اور میں رشتے میں تمہاری پھوپھی بھی ہوں۔" اگینے مسکرائی تھیں۔ مگر اس کے چ
پھر عود کر آیا تھا۔ باپ کے رشتے کے حوالے نے شاید اسے زیادہ خوش نہیں کیا تھا۔ فارحہ نے
تھا، پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں امی! آپ بیٹھیے۔" اس نے ماں کے آرام کے خیال سے قصداً تعرض برتا تھا۔ فار
کر بیٹے کو دیکھا تھا۔

"صورت دیکھو اپنی۔ کتنی اُتری ہوئی ہے ـــــ میرا خیال رکھتے ہو، مجھے اپنا خیال نہیر
گے۔" انہوں نے مامتا سے شانے پر ہاتھ دھرا تھا۔ اگینے بغور دیکھتی ہوئی مسکرادی تھیں۔

"آپ کی حد درجہ اسمارٹنس اور خوبصورتی کی وجہ آج سمجھ میں آئی ہے بھابی! آپ تبھی ب
کی بجائے بڑی بہن دکھائی دیتی ہیں۔ اتنا خیال جو رکھتے ہیں بچے آپ کا۔" پیچ کلر کی تھر
شیفون کی ساڑھی کا پلو شانے پر درست کیا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"تم دونوں باتیں کرو، میں آتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی فارحہ چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔
بخاری کھویا کھویا سا ماں کی طرف تکتا چلا گیا تھا۔ اگینے نے بغور اس کے چہرے کی سمت دیکھا

"فارحہ بھابی بہت لکی ہیں ـــــ انہیں تم جیسا تابعدار بیٹا خدا نے دیا ہے۔"

"نہیں ـــــ لکی میں ہوں، جو مجھے ان جیسی ماں ملی ہیں۔ یو نو اگینے! میں ممی کے لئے
ہوں، کچھ بھی۔ مجھے ان کی آنکھ میں آنے والا ایک نمی کا قطرہ بھی برداشت کرنا محال لگتا ہے۔"

"تبھی تو کہہ رہی ہوں، بھابی خوش قسمت ماں ہیں۔ ہر کسی کو اتنی نیک اور سعادت مند اول
جبکہ والدین سارے ہی محبت کرنے والے اور اپنے بچوں کا خیال کرنے والے ہوتے ہیں۔"

سید اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ خاموشی سے کوٹ اتار کر صوفے کی پشت پر دھرا
کی ناٹ بھی قدرے ڈھیلی کر دی تھی۔ انداز خاصا تھکا ماندہ تھا، جیسے اس کے وجود پر برسوں
اگینے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"بہت تھک گئے ہو؟"

"نہیں۔" وہ جو صوفے کی پشت پر سر دھرے، آنکھیں موندے ہولے ہولے کنپٹیوں
یکدم ہی چونک کر آنکھیں کھولتا ہوا سیدھا ہو گیا تھا۔ البتہ بایاں بازو اب بھی صوفے کی پشت
میں پھیلایا ہوا تھا۔ اگینے نے فقط اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ سید سعد حسن بخاری کی رشتے
وہ۔ خاندان ایک تھا۔ سو یہ کیسے ممکن تھا کہ خاندان میں ہونے والی کوئی بات پوشیدہ رہ پاتی۔
اس اسٹریس کی وجہ سمجھ رہی تھیں مگر کچھ کہنا مناسب نہ جانا تھا۔ اگرچہ وہ عمر میں اس سے خاصی
اس نے کبھی انہیں اپنے باپ کے حوالے سے نہ لیا تھا۔ عزیر اس کا بیسٹ فرینڈ تھا اور اگینے

ی حیثیت رکھتی تھیں جو عزیر کے لئے۔ بچپن سے ان کے گھر آنا جانا تھا۔ وہ انہیں کسی خاص حوالے
ں بلاتا تھا۔ بس فقط "اگینے" کہتا تھا۔

آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں اگینے؟" اسے بغور اپنی طرف تکتا پا کر بولا۔ اگینے نے اسے خاموشی سے
فا، پھر دھیمے سے گویا ہوئی تھیں۔

تم مجھے اجنبی خیال کرتے ہو اذہان حسن بخاری؟"

کیوں؟ ـــــ آپ کو کیونکر لگا؟" وہ قدرے چونکا تھا۔ وہ جواباً خاموشی سے چہرے کا رخ پھیر گئی
تبھی ملازم چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے کر آ گیا تھا۔ وہ دونوں لمحہ بھر کو خاموش ہی رہے تھے
نے چائے بنا کر کپ اس کی سمت بڑھایا تھا، ساتھ ہی مسکرائی تھیں۔

جب میں شادی کر کے گئی تھی تو تب تم نحیف و کمزور سے نوعمر لڑکے تھے۔ تب تم فقط ایک چمچ لشکر
تھے۔ میں نے اسی انداز سے شکر ملا دی ہے۔ یقیناً تمہارا ٹیسٹ اب بھی ویسا ہی ہو گا۔" قیاس بہت
تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ کپ تھام کر لبوں سے لگایا تھا، ایک سپ لیا تھا، پھر دوبارہ اگینے کو
تھا۔

آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟" سلسلہ کلام وہیں سے جوڑنا چاہا تھا۔ اگینے کے شگفتہ چہرے پر یکدم ہی
ں پھیل گئی تھی۔ وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔ پھر سر جھکا کر کپ سے اٹھنے والے دھوئیں کو
لگی تھیں۔

سعد بھائی نے یقیناً اچھا نہیں کیا۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا بھی
تم نے مجھے اس ضمن میں کچھ نہیں بتایا۔ آج آئی ہوں تو بھابی سے علم ہوا۔"

یداذہان حسن بخاری کے چہرے کا تناؤ جو کسی قدر معدوم ہوا تھا اب پھر اسی صورت دوبارہ موجود
ہرے کی رگیں کسی قدر تن گئی تھیں اور وہ خاموش ہو کر بے تاثر انداز میں چائے کے سپ لینے لگا تھا۔
و کسی قدر افسوس ہوا تھا۔ تبھی دھیمے سے بولی تھیں۔

آئی ایم سوری۔"

یداذہان حسن بخاری چند ثانیوں تک کچھ نہیں بولا تھا۔ دونوں چپ چاپ چائے کے سپ لیتے رہے
اگینے شاید اس گھڑی خود کو مجرم محسوس کر رہی تھیں۔ تبھی خاموشی سادھ لی تھی۔ جبکہ اذہان حسن بخاری
یت مختلف تھی۔ شاید اسے صورت حال کا اندازہ تھا تبھی وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

آپ سنائیے ـــــ کیسی ہیں؟ شوہر نامدار کیسے ہیں آپ کے؟ ساتھ نہیں آئے آپ کے؟" رسمی قسم
راہٹ کے ساتھ رسمی سی گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ اگینے نے اسے دیکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

سب کچھ اپنی جگہ، مگر تم بہت بدل گئے ہو۔" بغور تجزیہ کرنے کے بعد کہا گیا تھا۔ "بہت ذمے دار ہو
۔ بڑے لگنے لگے ہو۔" قصداً مذاق ہوا تھا۔

بڑا ہو بھی تو گیا ہوں اور آپ......" جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

میں ویسی کی ویسی ہوں۔" وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔ وہ بغور تکنے لگا تھا۔ پھر پُرخیال انداز میں سر

ہلایا تھا۔

''ہوں ......آپ ویسی کی ویسی ہیں۔ بتایا نہیں آپ نے کب آرہے ہیں آپ کے صا
رسمی گفتگو یقیناً موقع محل کے حساب سے تھی۔ اگینے کے لبوں کی مسکراہٹ ایک پل میں معد
اس نے نگاہ جھکا کر کپ ٹرے میں رکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ دیکھو کب آتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں فارحہ بھابی کیا کر رہی
اب آرام کرو، بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔'' کھڑے ہوتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ پھر د
چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔ سید اذہان حسن بخاری جانے کیوں اس سمت تکتا رہا تھا۔

***

سیفی نے کہا تھا، خوشی کی ساری لاجک ہمارے اندر سے اٹھتی ہے ——— ہم سوچیں
رہنا ہے تو ہم درحقیقت خوش رہ بھی پائیں گے۔ تم بھی خوشیوں کے متعلق سوچنا شروع کرد
وقت پر ڈال دو۔

اور اس نے خود کو وقت کے دھارے پر ڈال دیا تھا مگر اس کے باوجود جانے کیوں وہ
لاجک پر عمل نہیں کر سکی تھی۔

''تم یونہی خائف ہو۔ بندہ تو خاصا ہینڈسم ہے ——— نام کچھ لمبا چوڑا اور اولڈ فیشن ہے
رعب ہے۔ نام سمیت خاصا امپریسو لگتا ہے۔ ہے نا؟'' سیف الرحمٰن نے چکن سینڈوچ کے
بائٹ لیتے ہوئے بڑے دلچسپ انداز میں مسکراتے ہوئے میرب سیال کو دیکھا تھا۔ انداز کس
تھا۔ مگر میرب سیال کو اس ''انکشاف'' سے کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔

سیف الرحمٰن بنا کسی پریشانی کے اسے مسلسل دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟ موصوف کے حد درجہ ہینڈسم ہونے پر یا بے ت
ہونے پر؟''

''سیفی! تم چپ نہیں رہ سکتے ہو؟'' میرب نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں سرنفی

''تم نہیں کرنے دو گے ڈھنگ سے مجھے کوئی کام۔''

''میں بھی تو کام ہی کی بات کر رہا ہوں ——— ویسے کہیں ایسا تو نہیں کہ کہیں تم خو
الرحمٰن نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ابرو چڑھاتے ہوئے اسے شرارت سے دیکھا تھا۔ وہ جواباً گ
مگر یقیناً اسکا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ جانتی تھی۔ تبھی دوسرے ہی پل نگاہ پھیر کر رسٹ واچ کی

''کیا آج پھر موصوف لینے آنے والے ہیں؟'' سیفی نے پھر مسکراتے ہوئے دریا
میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تبھی شاید سیفی کو اس پر ترس آ گیا تھا جو دوسر
سادھ لی تھی۔

''اب چپ کیوں ہو گئے ہو؟'' دیکھے بغیر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا بولنا بھی تو تمہیں اچھا نہیں لگتا۔'' سیف الرحمٰن نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے شکو

وہ دھیمے سے مسکرادی تھی۔ ''چلو اُٹھو فوراً ——— مجھے کچھ میٹریل کلیکٹ کرنا ہے۔''

وہ تیزی سے اٹھ کر کیفے ٹیریا سے باہر نکل رہے تھے جب اس کے ایک کلاس میٹ نے مطلع کیا تھا کہ
یمپس کے باہر کوئی اس کا ویٹ کر رہا ہے۔ اس نے بلا ارادہ سیف الرحمٰن کی طرف دیکھا تو وہ شوخی سے
مکرا دیا تھا۔

''موصوف آن پہنچے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ ایک پیپر پر اپنا تمام تر شیڈول لکھ کر موصوف سردار
بکتگین حیدر لغاری کو تھما دو تا کہ ہمیں کم از کم اس انتظار سے تو چھٹکارا مل جائے۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔

''شٹ اپ سیفی!'' وہ ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ کو ہونٹ بھینچ کر دبا گئی تھی۔ مگر دل یکدم ہی
ہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ مگر ان دھڑکنوں میں کوئی بھی آہنگ خاص نہ تھا۔ ایک ناگواری اور
پسندیدگی کا تاثر زیادہ غالب تھا۔

''سیفی! تم یہیں ہونا ——— پلیز میرے ٹاپک سے ریلیٹڈ میٹریل نکال دینا۔''

''اوکے ——— اوکے۔ آئی کنسیڈرڈ۔'' اس نے فوراً میرب سیال کا جملہ کاٹ کر کہا تھا۔ میرب سیال
نے اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر بہت سست رو قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

میرب سیال کے نیم مُردہ قدم جیسے بہ مشکل اس کے وجود کا وزن سہارے ہوئے تھے۔ اس نے بنا
ھر اُدھر دیکھے پیچھے کا دروازہ کھول کر خود کو نشست پر ڈال دیا تھا۔ اسے یہ جاننے کا قطعاً کوئی شوق نہ تھا کہ
گے فرنٹ سیٹ خالی ہے یا کہ نہیں۔ وہ اپنا مقام جانتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آنکھوں پر سیاہ سن گلاسز چڑھائے، شیشے سے پیچھے کا منظر دیکھا تھا۔
نکھوں پر سیاہ گلاسز ہونے کے باعث تاثرات کسی قدر محفوظ رہے تھے۔ میرب سیال نے نگاہ اٹھا کر
یکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ نگاہ مکمل طور پر بے نیاز تھی، انداز لاتعلق تھا۔ وہ بیٹھ چکی تھی۔ مگر سردار سبکتگین
در لغاری نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی تھی۔

میرب سیال نے جانے کیوں اس گھڑی نگاہ اٹھا کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

''تم آگے آ کر بیٹھ سکتی ہو۔'' کسی قدر سپاٹ لہجے میں حکم صادر ہوا تھا۔

اس نے قدرے چونک کر نگاہ اس لمحے پہلی بار فرنٹ سیٹ پر کی تھی۔ ''خالی پن'' اس کے لئے کسی قدر
رت کا باعث تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے چند ثانیوں تک
پ چاپ اس سمت دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے دروازہ کھول کر وہ اتری تھی اور سردار سبکتگین حیدر
ری کے ساتھ آن بیٹھی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کیوں چند ثانیوں تک اسی انداز سے خود کو روکے رکھا تھا، پھر یکدم
ڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال چہرے کا رخ مکمل طور پر موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
ڑی میں خاصا سکوت تھا۔ اس دن والی مدھم سرگوشیاں نہیں تھیں۔

بس فقط خاموشی ہی خاموشی تھی۔

شاید ایسا اس لئے تھا کہ دونوں طرف سے یہ ایک جبری فعل تھا، ایک جبری عمل۔

وہ جانتی تھی اس اقدام کے لئے مائی اماں نے اسے امپوز کیا ہوگا۔ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھ اقدام کو سرانجام دینے پر مجبور ہو گیا ہوگا۔ اور کس قدر برا لگتا ہے کبھی کبھی اپنا کسی پر مسلط ہونا۔ کسی چاہی ہستی بننا، ناپسندیدہ فرد رہنا۔ بہت تکلیف دہ تھا یہ۔ یقیناً بہت بڑا جبر تھا یہ۔

وہ اسی طرح دم سادھے بیٹھی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی موجودگی، اس کی خوشبو چار سُو پھیل تھی اور یقیناً یہ بات اسے اس ماحول سے غافل نہیں ہونے دے رہی تھی۔

”مائی اماں بتا رہی تھیں آپ کچھ ڈسٹرب تھیں۔“ گاڑی کے پُرسکون ماحول میں یکدم اس کی آوا ایک ارتعاش برپا کر دیا تھا۔ وہ یکدم چونکی تھی۔ نگاہ اس سمت کی تھی۔ شاید یقین کرنا چاہا تھا، مخاطب تھی۔ اس گھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ نفس نفیس اسی سے مخاطب تھا۔ میرب سیال کو فی الفور سمجھ آیا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ شاید تبھی اس نے فقط خاموشی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

”اینی پرابلم؟“ اسی دن والا پوچھا گیا مختصر سا سوال اس نے اس بار پھر دہرایا تھا۔ میرب سیا اس کی جانب سے نگاہ ہٹائی تھی پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”سیال صاحب کیسے ہیں اب؟“ اس سے وابستہ اہم ترین شے کی مد میں پہلی بار دریافت کیا مگر کس قدر سرسری انداز تھا۔ لاتعلقی کتنی واضح تھی۔ اس کے لئے اس کا تعلق معتبر تھا، مائی اماں معتبر تھ اس کے لئے اس کے والد فقط سیال صاحب تھے۔ میرب سیال نے فقط سر ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حید لب دوبارہ بھینچ گیا تھا۔ شاید وہ بولنا چاہتا تھا، بات کرنا چاہتا تھا مگر شاید اسے مناسب الفاظ نہ مل تھے۔

میرب سیال نے اس صورت حال کو فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ اس شش و پنج کو آج بھی سمجھ تھی۔ شاید جیسا وہ سمجھ رہی تھی، ویسا نہیں تھا۔ سب قیاس تھا۔

”ڈونٹ بی سکیئر۔ انشاء اللہ سب اچھا ہوگا۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز نے یکد خیالات کی دنیا سے باہر لا پٹخا تھا۔ ایک خفیف سی دل جوئی تھی شاید۔ ایک بہت دھانسو سا دلاسہ تھا۔ سیال نے اس کی جانب نگاہ نہیں کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نوازش اور کی تھی۔ گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک د آج کے دن کے پھر کچھ لمحے اس کے نام ہونے جا رہے تھے۔ جبراً ہی سہی، کسی کے کہنے پر ہی سہی پھر پابند تھا اسے چند لمحے دینے کو، چند نوازشیں کرنے کو۔ میرب سیال اس کی جانب دیکھنا چاہتی تھ میں ہلانا چاہتی تھی، مکمل طور پر انکار کرنا چاہتی تھی مگر ہمت جیسے ناپید تھی۔ وہ ایسا کچھ نہیں کر سکی تھی۔ واقعی اس شخص میں اتنا رعب تھا یا پھر وہی حد سے زیادہ خود کو دباتی جا رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس نے بھی خاموشی سے نگاہ کی تھی۔ ما نگاہ میں کوئی خاص حکم تھا۔ وہ بہت ہولے سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتری تھی۔ وہ اس گھ کے مقابل تھا، ہمراہ تھا، ہم قدم تھا۔ مگر اندر کوئی احساسِ سرشاری نہ تھا۔ شاید کہیں سے کوئی ستائش رہی ہو، کوئی نظر کہیں سے سراہ رہی ہو، کوئی حسد بھرا جملہ کہیں سے اُبھرا ہو، کوئی تعریفی فقرہ کسی لب

جانے کتنی نظریں بے ارادہ اٹھی ہوں۔ مگر میرب سیال کو خبر نہ تھی۔ شاید وہ خبر رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ کہنے کو سب اس کا تھا، ہر شے پر قادر تھی وہ، مکمل دسترس میں تھا سب کچھ۔ وہ کہنے کو مختارِ کل تھی، ہر پر استحقاق رکھتی تھی مگر وہ جانتی تھی یہ سب فقط ایک خواب کی صورت تھا۔ سب کچھ گمان کی صورت تھا حقیقت کچھ نہ تھی۔

”اب کیسا لگ رہا ہے سب کچھ؟“ وہ اپنے ہی خوابوں اور خیالوں میں گم تھی جب سردار سبکتگین حیدر ری نے آواز کا ایک کنکر پھینک کر اس کی ساری دنیا میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اس نے بے طرح چونک کر ھا تھا۔ وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا، اس کے متوجہ ہونے پر وہ آنکھوں میں کوئی تاثرِ خاص دیئے بغیر رے دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

”ہاؤ آر یو فیلنگ ناؤ؟“ وہ ایسے دریافت کر رہا تھا جیسے اس کی توجہ کے چند لمحوں نے میرب سیال کی گی میں عجب انقلاب برپا کر دیا ہو۔ وہ ایک پل میں کوئی عظیم تاریخ مرتب کر گیا ہو۔ میرب سیال پر اس کوئی عظیم احسان کر دیا ہو۔ اسکا دل چاہا تھا وہ خوب زور سے ہنسے اور اس کے سارے خواب پل میں ار کر دے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ فقط سر کو ہولے سے آگے پیچھے ہلا دیا تھا اور اس احسان کو پل میں ر کر دیا تھا۔ سردار سبکتگین نے اسے لمحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا تھا پھر ہولے سے گویا ہوا تھا۔

”میرب سیال! مائی اماں چاہتی ہیں کہ تم اپنا خیال رکھو، خود کو پُرسکون رکھو۔“ بھاری لہجے میں عجب ائش تھی۔

’اور تم —— تم کیا چاہتے ہو؟‘ ایک ننھا منا سا سوال یکدم دل میں اُبھرا تھا مگر لبوں پر قطعاً نہ آیا تھا۔ رب سیال نے اسے فقط خالی خالی نظروں سے جواباً دیکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا، جانے کیسا ہمدرد تھا ا کہ جس کے لہجے میں کوئی اپنائیت نہ تھی۔ جس کے انداز میں کوئی تاثر کسی پہچان کا نہ تھا۔ اس برف ے سرد لہجے میں کہیں کوئی خاص گرم جوشی نہ تھی۔ کہیں کوئی ہلکی سی چاشنی نہ تھی۔ کوئی ذرہ برابر کیئر نہ تھی اور کیا چاہتی تھی؟ اس نے ایک گہری سانس خارج کر کے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”ایوری تھنگ از دی پارٹ آف لائف۔ یو شڈ کنسیڈر!“ کتنی اہم باتیں تھیں۔ کس درجہ خاص معنی ی ہو سکتے تھے اگر انداز بھی اسی قدر خاص ہوتا۔

واقعی —— فقط لہجے بات کی اہمیت کو کتنا بدل دیتے ہیں۔ الفاظ کچھ نہیں ہوتے۔ زندگی انہیں لہجے شتے ہیں، اپنے مختلف جذبات و احساسات کے ساتھ۔ وہ اسی طرح خالی خالی نظروں سے سردار سبکتگین یدر لغاری کی سمت تکتی چلی جا رہی تھی اور وہ جانے اس لمحے کیا سمجھا تھا۔ تبھی اپنے سپاٹ ترین لہجے میں گویا ہوا تھا۔

”کیا تم جانا چاہتی ہو وہاں؟“

”کہاں؟“ اس کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔ شاید وہ سمجھ نہیں سکی تھی، وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا یا کیا کہنا چاہتا تھا۔

"نیویارک ـــــ سیال صاحب کے پاس، ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے؟" وہ نظ گھڑی اس پر تھیں۔ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا مگر کوئی خاص بات کہیں نہیں تھی۔ بڑا بے تھا۔ بڑا پھیکا انداز۔ اسے لگا تھا جیسے وہ کوئی روبوٹ ہو، کوئی مشینی انداز کا انسان جس کے اندر کسی کی، کسی احساس کی کوئی رمق نہ ہو اور جو کسی انسانی قاعدے قانون سے سرے سے واقف ہی نہ ہو۔

میرب سیال نے بہت ہولے سے سرنفی میں ہلایا تھا اور نگاہ جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغا لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ لمحے اسی خاموشی میں گزرے تھے۔ پھر وہ قدرے توقف سے گویا ہوا تھا۔

"اگر آپ جانا چاہیں تو یہ ناممکن نہیں ہے۔ ہماری خدمات حاضر ہیں۔ دراصل مائی اماں آپ دیکھنا چاہتی ہیں۔ انہیں آپ کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ آپ سوچ لیجئے، جانا ہو تو بتا دیجئے گا۔" فط رکھاؤ لہجے میں عود کر آیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر کے لئے بھی شاید یہ ایک کٹھن مشق تھی۔ میرب سی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اس ٹیبل سے فقط اس کے اٹھنے کی منتظر تھی۔

"ارے ـــــ سبکتگین! تم یہاں؟ ـــــ وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔" ایک بہت کھلکھلا آواز سماعتوں سے یکدم ٹکرائی تھی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اُس رات پارٹی والی لڑکی اس سبکتگین حیدر لغاری کے بے حد قریب تھی۔ وہ بھی اس کی جانب متوجہ تھا، آنکھوں میں یکدم ہی چمک تھی۔ چہرے پر شگفتہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس گھڑی آس پاس سے یکسر بے خبر تھا۔

"اتنے دن سے کہاں غائب ہو تم؟ ـــــ یا پھر دانستہ بھاگ رہے ہو۔ کہیں توجہ کا مرکز بدل گیا؟" کھلکھلاتا ہوا لہجہ اس گھڑی دریافت کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کینوس کے رنگ دلفریب سہی مگر اس کی نگاہ منظروں سے کتنی جلد اکتا جاتی ہے، یہ بات سب پر منکشف تھی۔ شرارت لہجے میں انکشاف تھا کوئی مگر وہ برابر مسکرا رہا تھا۔

"پھیکے، بے رنگ منظر اس نگاہ میں جچتے نہیں۔ جانتے ہیں بھئی مگر اب ایسی بھی کیا گریز پائی" شکوہ تھا اس نازنین کے لہجے میں۔ پُر شوق نگاہ میں کیسی چمک تھی۔

میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"کم آن تزئین! میں آؤں گا کبھی۔" سردار سبکتگین حیدر قدرے دھیمے لہجے میں لبوں پر مسکراہٹ سجائے عذر دے رہا تھا۔

"کچھ مصروفیت رہی پچھلے دنوں؟ تبھی کسی طرف کا ہوش نہیں رہا تھا۔" وہ ماہ رُخ بہت پُر شکو سے تکتے ہوئے لب بھینچ گئی تھی۔ دونوں کو اس کی موجودگی کا احساس قطعاً نہ تھا یا پھر وہ اس بات کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

"تم تو ہمیشہ ہی مصروف رہتے ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری!"

"اب کیا سارے شکوے اسی ٹیبل پر کھڑے کھڑے کر لو گی؟"

"نہیں ـــــ شام میں کنٹری کلب جانا ہے، میں پارلر کے لئے نکلی تھی۔ بھوک نے ستایا تو آئی۔ اندازہ نہ تھا تم سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ مل رہے ہو نا پھر آج شام؟" ایک ادا سے

ئے دعوت دی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ گیا تھا۔

"اوں ہوں ـــــ آج نہیں، میں تمہیں کونٹیکٹ کروں گا۔" دھیمے لہجے میں قدرے گریز پائی ا۔ شاید وہ نازنین اشارہ سمجھ گئی تھی تبھی مسکرائی تھی۔

"او کے، بھول نہ جانا۔" ایک شگفتہ سی سرگوشی کی تھی اور پھر اسی شگفتہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے ٹ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے والٹ جیب سے نکال کر ایک خطیر رقم ٹیبل پر دھری تھی، پھر اٹھ کھڑا ہوا ا۔ اشارہ اٹھنے کا تھا اور وہ تو پہلے ہی منتظر تھی۔ فوراً ہی اٹھی تھی اور اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔ مگر قدم من ن بھر کے ہو رہے تھے۔ چال میں ایک تھکن بے حد واضح تھی۔

* * *

اسے خود سے گفتگو کرنے کا خبط کبھی نہ رہا تھا۔ اسے خود کلامیوں سے شغف بھی کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر ب جیسے اس کے لئے ہر شے کے معنی بدل گئے تھے۔

ہر بات کا مفہوم بدل گیا تھا۔

کتنی باتوں کے مفہوم بدل دیئے تھے۔

وہ ہمیشہ سے ایک خالی گھر تھا۔

مگر اس نے اس "خالی پن" کا شدید ترین احساس دلایا تھا۔ اس "خالی پن" کی اہمیت کو دو چند کر دیا تھا۔

اس وقت اس کی اس روز والی کتاب اس کے ہاتھ میں تھی جو شاید وہ جلدی میں اس کی گاڑی میں ہی بھول گئی تھی۔ عفنان علی خان کتنی دیر تک اس کتاب کو ہاتھ میں لئے اس کے لمس کو محسوس کرتا رہا تھا۔ دانستہ اس کی موجودگی کو تلاشا تھا۔ دانستہ اس لمس کو محسوس کرنا چاہا تھا۔ بے خودی کا یہ لمحہ کتنا پُر کیف تھا، عفنان علی خان کو اس کا اندازہ اس طور پر آج ہوا تھا۔ اس نے، اس کی زندگی کو واقعی اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

کچھ اپنے جیسا کر لیا تھا۔

'مسٹر عفنان علی خان! بہت برے پھنسے ہو تم تو ـــــ کچھ زیادہ ہی اسٹوپڈ نہیں بن گئے؟' دایاں ہاتھ منہ پر دھر کے پُر خیال انداز میں سوچا تھا۔ پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

'اُف اُف مسٹر عفنان علی خان! ـــــ اُف۔' اندر سے یکدم ایک آواز ابھری تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے تھے۔ یقیناً یہ اس کی راہ نہیں تھی۔ اسے اس جانب سفر نہیں کرنا تھا۔ اس طرح سوچنا بھی نہیں تھا۔ اس سے قبل بھی تو کئی بار باور کرا دیا تھا خود کو۔ مگر دل تھا کہ مانتا ہی نہ تھا۔

تاروں بھرے کھلے آسمان کو تکتے ہوئے وہ کتنی دیر تک اس ایک خیال کو سوچتا رہا تھا۔ موسم میں ٹھنڈک حد درجہ بڑھ گئی تھی ان دنوں۔ اس کے سامنے کافی کا بھاپ اُڑاتا کپ تھا۔ جانے کس خیال کے پیش نظر

اس نے کپ کے بیرونی کناروں پر شہادت کی انگلی کو ہولے سے پھیرا تھا۔

جب بھی تم سے ملا ہوں میں یکسر
ایک لڑکی لگی نئی ہو تم!
ایک سپ تلخ، ایک سپ شیریں
میری کافی میں گھل گئی ہو تم!

اپنی ہی دیوانگی سے پُر مدھم سرگوشی خیالوں میں گونجی تھی اور وہ لب بھینچے بھینچے اس لمحے جیسے خود پرُ تھا۔

'ہاؤ اسٹوپڈ یو آر مسٹر عفنان علی خان! ـــــ کہاں کے مجنوں بننے چلے ہو تم؟ ـــــ کہاں کے پال لینے کی خو ہے؟ خردمندی کا دامن چھوڑے کس دیوانے دیس بھاگے چلے جا رہے ہو؟'

اندر سے ایک آواز اُٹھی تھی اور اس سے قبل کہ خردمندی اس دلیل کو قبول کرتی، دل بہت پُر زور میں نفی کرتا چلا گیا تھا۔

"جانتا ہوں، مانتا ہوں، ساری حقیقت منکشف ہے خرد پر۔ مگر دل کو بہلانا آسان تو نہیں۔ نہ ما کیا کروں؟"

عجب دیوانگی اختیار کیے وہ اس گھڑی آسمان کی سمت تکے جا رہا تھا جب اس کے پرسنل سیل کی ٹون نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو یکدم ہی توڑ دیا تھا۔ اس نے اسکرین پر نگاہ کی تھی، کوئی اجنبی نمبر عفنان علی خان نے کال پک کر لی تھی مگر ایک مانوس آواز سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"ہیلو، مسٹر عفنان علی خان ـــــ آپ سن رہے ہیں نا؟ میں انابیہ شاہ بول رہی ہوں۔" شاید باور کرانے کو وہ ایک بار پھر بولی تھی۔

"آپ کو سن کر بندہ کھو سکتا ہے، سو نہیں سکتا۔ آپ بولتی رہیے۔" فطری شوخی ایک لمحے میں عود ک تھی۔ انابیہ شاہ جس نے کسی خاص مقصد کے تحت فون کیا تھا، لمحہ بھر کو لب بھینچ گئی تھی۔ موصوف خاصی کھیر تھے اور اس کی یقیناً شامت ہی آئی تھی جو اس نے "آ بیل مجھے مار" کے مصداق اسے فون کر لیا تھ

"مسٹر عفنان علی خان! دراصل میری کچھ ضروری کتابیں شاید آپ کی گاڑی میں رہ گئی ہیں۔ مر تھی لامعہ نے انہیں لے لیا ہو گا مگر اس سے رابطہ کیا تو اس نے انکار کرتے ہوئے آپ کا نمبر تھما دیا میں تسلی کر لوں کہ میری کتابیں آپ کی گاڑی میں ہی ہیں؟"

"آں ـــــ اچھا، تو وہ اسٹف آپ کا تھا۔" بے خبری کا یہ انداز بڑا مضحکہ خیز تھا۔ مگر عفنان علی کے لبوں پر اس گھڑی بدستور بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔

"اوہ ـــــ آئی سی۔ میں بھی سوچ رہا تھا یہ کون کوئی سقراط، بقراط اسے میری گاڑی میں رکھ لامعہ حق کے پاس تو سرے سے دماغ ہے ہی نہیں۔ وہ یقیناً ایسی غلطی کبھی نہیں کر سکتی۔" وہ موصوف بات کو بے وجہ طول دینے میں ماہر تھے۔ انابیہ شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر مروتاً قدرے خوشگوار کیا تھا۔

"بہت شکریہ مسٹر عفنان علی خان! بہت مشکور ہوں گی اگر آپ انہیں لامعہ حق تک پہنچا دیں۔"

"آپ تک کیوں نہیں؟ ـــــ چیز تو آپ کی ہے۔"

"اس تک پہنچ گئی تو سمجھیے مجھ تک پہنچ گئی۔" خاصا لیا دیا انداز تھا۔ عفنان علی خان نے محسوس کیا تھا، س دن کے بعد سے اس کے انداز میں ایک واضح کھچاؤ تھا۔ اس سے قبل کسی قدر لگی لپٹی مروت تھی مگر جس ن وہ اسے پی سی میں ملی تھی، اس کے بعد سے ایک عجیب سی جھجک، ایک گریز رویے میں در آیا تھا۔ شاید ہ دانستہ ایسا کر رہی تھی۔

"آر یو لسننگ می عفنان علی خان؟" اس کا کوئی رسپانس نہ پا کر وہ دوبارہ گویا ہوئی تھی۔ عفنان نے ایک گہری سرد قسم کی سانس خارج کی تھی۔

"یس ـــــ آئی ایم لسننگ یو۔"

"او کے ـــــ" اس نے شاید دوسری سمت سے فون بند کرنا چاہا تھا، جب بہت ہولے سے اس نے پکارا تھا۔

"انابیہ شاہ!"

"ہوں ـــــ؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔

"آج آپ نے آسمان دیکھا؟" عجب سوال تھا۔ شاید اسے خود اندازہ نہ تھا۔

"جی ـــــ؟" انابیہ شاہ کی حیرت یقینی تھی۔

"آپ کو دیکھنا چاہیے ـــــ آج چاند آسمان پر ہے۔ میلوں کی، صدیوں کی دوری پر۔ مگر اس دوری، مجبوری میں بھی نگاہ اسے صاف دیکھ رہی ہے۔ دید کا عالم بدلا نہیں ہے، شوق تھما نہیں ہے۔ کچھ اور سوا ہو گیا ہے۔ جنوں اور بھی بڑھ گیا ہے۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ بالکل خود کلامی سا۔ جیسے وہ اس گھڑی مدھم سرگوشیوں میں اس لمحے خود اپنے آپ سے مخاطب ہو ـــــ بے خودی عروج پر تھی مگر دوسری جانب کوئی کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"اٹس ٹو مچ عفنان علی خان! آپ کا مزاج تو خاصا شاعرانہ سا ہے ـــــ اور آپ فرما رہے تھے کہ آپ کو کتابوں سے کوئی شغف نہیں۔ حیرت انگیز۔ لیکن سنیں، بہت بڑے پھنسے ہیں آپ۔ لامعہ حق کو واقعی ان باتوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے ـــــ وہ تو کتابوں کے نام سے ہی الرجک ہے۔ کتنے مختلف مزاج ہیں آپ دونوں کے۔ میں لامعہ حق کو سمجھاؤں گی کہ وہ اب کتابیں پڑھنا شروع کر دے۔ کیونکہ موصوف خاصی انٹیلکچوئیل باتیں کرنے کے عادی ہیں۔" وہ شاید دانستہ اس کی بات کو مذاق میں اُڑا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"مجھے امید ہے آپ میری کتابوں کا اسٹف لامعہ حق تک پہنچا دیں گے۔ بہت شکر گزار رہوں گی۔" اور دوسرے ہی لمحے اس کی آواز کا سلسلہ سماعتوں سے جدا تھا۔

عفنان علی خان کتنی دیر تک اپنے پرسنل سیل کو تکتا رہا تھا۔ پھر جانے کیوں بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

* * *

سید اذہان حسن بخاری نے گھر میں قدم دھرا تو مہمانوں کو دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔ یاسرا فیملی بھلا اب کیا لینے آئی تھی۔ ماہا کو اس طرح ریجیکٹ کر کے بھلا اب کیا ناتا یا تعلق باقی بچا تھا۔ آگے بڑھنا چاہا تھا مگر تبھی تیزی سے فارحہ اس کے پاس آ گئی تھی۔

"اذہان! یاسر اور اس کے گھر والے آئے ہیں ـــــ تمہارے پاپا بھی موجود ہیں۔"

دونوں خبریں حیران کن تھیں اس کے لئے۔ شاید تبھی وہ اسی طرح ساکت انداز میں ماں تکنے لگا تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی ہولے سے گویا ہوئی تھیں۔

"اذہان! وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر یاسر ہے، جسے بے حد افسوس ہے اس لمحے ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا مگر گھر والوں کے ہاتھوں مجبور کر دیا گیا۔ پھر صورت حال بھی تو ا انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر بیٹے کو بغور دیکھا تھا۔ اذ بخاری خاموشی سے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فارحہ کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔

"اذہان! تمہارے پاپا ان سے بات کر رہے ہیں۔ یقیناً اس گزرے لمحے کا کوئی تدارک نہ لمحہ واپس آ سکتا ہے نہ وہ عظمت۔ مگر یاسر انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنی احساس دلایا ہے کہ ماہا کے ساتھ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ یقیناً وہ اس سلوک کی مستحق نہیں تھی۔"

"اور پاپا ـــــ؟" اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ اور ممی دوسرے ہی پل خاموش ہو کر اس تکنے لگی تھیں۔ چند لمحوں تک وہ خاموش رہی تھیں۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"اذہان! سعد بخاری تم دونوں کا دشمن نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کیا ہے اگرچہ اچھا نہیں نے مجھے زِک پہنچانے کے ساتھ ساتھ نادانستہ طور پر بیٹی کو بھی نقصان پہنچایا ہے مگر یقیناً اس۔ نہیں چاہا ہوگا۔ کبھی کبھی حالات و واقعات ہمارا ساتھ نہیں دیتے، ہمارے خلاف چلے جاتے ہیں میں ساری خطا ہماری ہی نہیں ہوتی۔"

وہ ایک بار پھر سید سعد حسن بخاری کی طرف داری کر رہی تھیں اور وجہ ناپید تھی۔ یا پھر اذ بخاری ہی سمجھنے سے قاصر تھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں ممی؟ ـــــ کیا ماہا کا رشتہ دوبارہ ان لوگوں کے ساتھ جوڑنا چاہتی ہیں نے یکدم سوال کر کے ممی کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔ تبھی وہ ا سانس خارج کرتا ہوا بہت رسانیت سے گویا ہوا تھا۔

"ممی! پاپا چاہے جو بھی سوچ رہے ہوں مگر میں اب ماہا کے ساتھ مزید کوئی ناانصافی نہیں ہو گا۔ اگر ان لوگوں کو پہلے کوئی احساس ہوتا تو وہ رشتہ اس طرح ختم ہی نہ کرتے اور یہ یاسر کی عقل جاگی ہے۔ آپ ـــــ ممی! آپ پھر اپنی بیٹی کا فیصلہ ایک پنچائیت کے حوالے کر آئی ہیں۔ خاموش نظروں سے کسی فیصلے کی منتظر پاپا کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ ماما کی رائے جانی ہے آپ نے

ی آنکھوں کو دیکھا ہے؟ ـــــ پوچھا ہے وہ کیا چاہتی ہے؟ ـــــ کیا مرضی ہے اس کی؟ آپ پھر ی زندگی کی ڈور اس شخص کے ہاتھ میں سونپ رہی ہیں جس نے ایک بار پہلے اسے دنیا کے سامنے تماشا دیا تھا۔ اس شخص کے فیصلے کی منتظر ہیں جس کے باعث ایک بار پہلے بھی ہم نقصان اٹھا چکے ہیں۔ ممی! پ کیوں اسی غلطی کو ایک بار پھر دہرا رہی ہیں؟ ـــــ کیوں ایک بار پھر ماہا کے لئے مشکل کری ایٹ کر ہیں؟ میں کم از کم اب کوئی فیصلہ ماہا کے خلاف نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے اس سب کا ازالہ کرنا ہے، جو ہو چکا ہے۔ اب میں کسی کو ماہا کی زندگی سے کھیلنے کا موقع قطعاً نہیں دوں گا۔" مدھم لہجے میں کہا تھا مگر ہجے کی مضبوطی بے حد واضح تھی۔ فارحہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے اس ے مضبوط شانے پر دھر دیا تھا۔

"میں بات کرتی ہوں ـــــ تمہارے پاپا بھی ہیں وہاں۔ انشاء اللہ اب کچھ غلط نہیں ہوگا۔" انہوں نے سہولت سے اسے روک دیا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے ماں کو دیکھا تھا۔ وہ پلٹی تھیں اور اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری نے بہت الجھے ہوئے انداز میں کوٹ اتار کر بائیں بازو پر دھرا تھا۔ اسی مضمحل راز میں ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی تھی، اوپر کا بٹن کھولا تھا اور پھر لب بھینچ کر ایک گہری سانس خارج ی تھی۔ شاید اندر کی بے چینی کو زائل کرنے کی ایک کوشش کی تھی۔

ماہا چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی۔

"اپنے سامنے کھڑے لمبے چوڑے بھائی کو چند لمحوں تک خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی کے ہاتھ آگے بڑھی تھی اور اپنا سر اس کے شانے پر دھر دیا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے اپنا ایاں ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔

"بھائی! میں اب یہ تعلق دوبارہ نہیں چاہتی تھی۔ مگر پاپا نے یہ ڈی سی ژن لیا ـــــ بھائی! اب کے بں اپنی زندگی کا فیصلہ خود آپ کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یہ شادی نہیں کرنا ہے ـــــ مجھے وقت چاہئے، پنے آپ کو اس ڈگر پر واپس لانے کے لئے۔ پھر اسی طور جینے کے لئے۔" مدھم سسکی میں ایک گزارش تھی۔

اذہان حسن بخاری چند لمحوں تک اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اسے خود سے الگ کیا تھا ور اس کے چہرے کو بغور تکا تھا۔ نمی آواز اور لہجے میں ہی نہ تھی، اس کی آنکھوں مین بھی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت ہولے سے اس کی آنکھوں سے اس نمی کو سمیٹا تھا، پھر بہت رسانیت سے گویا ہوا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا ـــــ تم فکر مت کرو، یہ بھائی ہے نا۔" اس کے شانے کو تھامے شاید اسے کوئی دلاسہ دینا چاہ رہا تھا۔ مگر چہرے کی تنی رگیں صاف بتا رہی تھیں کہ اس کے اندر سوچوں کے زیر و بم کا سلسلہ نہ تھمنے والا ہے۔

"تم میرے لئے جا کر اچھی سی چائے بناؤ، میں ابھی آتا ہوں۔" اس کے شانے کو ہولے سے تھپتھپا

کر وہ اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ عزائم یقیناً طے تھے۔ قدموں کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ وہ فیصلہ کر اور اب فقط اس پر مُہر ثبت کرنے جا رہا ہے۔ اندر سے آوازیں متواتر آ رہی تھیں۔ مذاکرات کی جاری تھی اور ان آوازوں میں سید سعد حسن بخاری کی آواز کسی قدر نمایاں تھی۔

”دیکھیں، ہمیں اعتراض اس رشتے پر قطعاً نہیں ہے۔ یقیناً اس رشتے کی ڈور دوبارہ جڑ بھی سک مگر آپ لوگوں کا رویہ کسی قدر غیر ذمہ دارانہ ہے۔ آپ لوگوں کو سوچنا چاہئے تھا کہ اس میں قصو قطعاً کوئی نہیں ہے۔ یہ خالصتاً ہمارا نجی معاملہ تھا۔ اس میں آپ لوگوں کی کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ چاہئے تھی —— اب جبکہ خاصے دن بھی گزر چکے ہیں اور بات کی نوعیت بھی قدرے بدل چکی ہے میں رشتے کی دوبارہ بات یقیناً خوش آئند ہے —— کم از کم آپ لوگوں کو احساس تو ہوا کہ آپ نے کچھ غلط کیا۔“ سعد بخاری بڑی سہولت سے کچھ کہنے جا رہے تھے جب سید اذہان حسن بخار کمرے میں قدم دھر دیئے تھے۔

فارحہ نے یکدم اس کی سمت دیکھا تھا۔ آنکھوں میں اچانک ہی ایک استدعا عود کر آئی تھی۔ سے کوئی نصیحت کی تھی، کوئی درخواست کی تھی۔ مگر اس کے قدم تھمے نہیں تھے۔ وہ اسی قدر مضبوطی کمرے کے عین وسط میں جا رکا تھا۔ سید سعد حسن بخاری اب بھی متواتر بول رہے تھے۔

”آپ نے اچھا کیا جو چلے آئے —— غلطی بہت سے لوگوں سے ہوتی ہے مگر ہر ایک کو اپنی احساس نہیں ہوتا۔ یہ یقیناً آپ لوگوں کا بڑا پن ہے، جو بات چیت دوبارہ کرنے کو چلے ہیں۔ ہمیں آ آمد سے یقیناً خوشی ہوئی ہے اور یقیناً ان باہمی مذاکرات سے کوئی اہم پیش رفت ہو گی، کوئی نتیجہ سامنے آئیں گے۔ عقل اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہے۔“

”جی ہاں —— عقل اور دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنی سابقہ غلطیوں پر نظر کر انہیں دوبارہ نہ دہرائے۔“ سید اذہان حسن بخاری نے ٹھوس اور مدلل انداز میں بات کو یکدم آگے تھا۔

سید سعد حسن بخاری نے بیٹے کی طرف چونک کر دیکھا تھا۔ فارحہ کی نظروں میں بھی ایک خوف تھا۔ یقیناً صورتِ حال اختیار سے باہر ہونے کو تھی۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ایک بار پھر باپ مدمقابل تھے اور ایسا ہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔ مگر سید اذہان حسن بخاری مضبوط لہجے میں بولتا چلا جا رہا

”میں باور کرانا چاہتا ہوں کہ ہم اتنے زور و شور سے اس ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی سیاسی نوعیہ مذاکرات نہیں کر رہے کہ دھواں دھار تقریریں جھاڑی جائیں اور نتیجہ صفر پر رہے۔ یہاں موضوع کو خارجی مسئلہ نہیں، فقط ایک فرد ہے۔ کسی ملکی یا خارجی مسئلے پر بھی حکمران بات چیت کرنے بیٹھیں عوام کی خواہشات اور مرضی کے ایجنڈے کو اپنے مابین ہونے والے مذاکرات میں شامل رکھتے ہیں لوگ تو پھر اس وقت ایک زندہ وجود کی بات کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس لمحے اس کی مرض انداز کر دیا جائے؟“ بڑے ہی ٹھوس اور مدلل لہجے میں وہ اس گھڑی گویا تھا۔

سید سعد حسن بخاری بہت ناپسندیدہ انداز میں اس لمحے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔

فارحہ اس لمحے بے یقینی کا شکار تھی۔ ساکت نظروں میں فقط سکوت تھا۔ مذاکرات کے لئے آئے ئے مہمانوں کے تاثرات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔

ماحول میں اِک سکوت سا در آیا تھا اور یقیناً یہ سکوت کسی طوفان کا پیش خیمہ ہی تھا۔

فارحہ نے نظروں ہی نظروں میں بیٹے کو تنبیہ کی تھی، درخواست کی تھی مگر آج اس نے ہر درخواست رد ردی تھی۔

”جو کچھ بھی ہو چکا ہے وہ ایک الگ بات ہے —— مگر جو کچھ بھی ہونا ہے وہ ہمارے اختیار میں ے۔ خردمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان مذاکرات کو یہیں اسی موڑ پر اختتام پذیر کر دیں۔ آئندہ پھر کبھی نہ لمس کرنے کے لئے۔ کیونکہ ماما ایسا نہیں چاہتی تھی۔ شاید آپ لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔ جو نا سانی ہوئی اس کا ادراک ہے۔ مگر ماما اس غلطی کو دوبارہ دہرانا نہیں چاہتی۔ آپ کو شاید افسوس ہو مگر آپ دیہ نشست یہیں برخاست کرنا ہوگی۔“

فارحہ ششدر سی بیٹے کی سمت تکتی چلی جا رہی تھیں۔

سید سعد حسن شاہ بخاری کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات بے حد واضح تھے۔ نگاہوں میں حد درجہ ے کی کیفیت تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری کو جیسے اس لمحے کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اسی قدر مضبوطی ے اپنے قدموں پر جما کھڑا تھا۔ آنکھوں میں عزم اسی طور برقرار تھا۔ چہرے پر وہی پُرسکون کیفیت تھی۔ ہی سمندر سا ٹھہراؤ تھا۔

”ہمیں آپ کے جذبے کی قدر ہے۔ آپ کا اقدام یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ مگر مجھے بہت افسوس کے اتھ کہنا پڑے گا کہ آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں۔“ بے حد مضبوط انداز میں کہتے ہوئے اس نے یک نظر فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔ ان پُرسکوت نظروں میں اس لمحے کوئی کیفیت نہ تھی۔ وہ بس پُرتحیر انداز ے اس کی سمت تکتی جا رہی تھی۔ سید اذہان حسن بخاری ئی نظروں میں کسی طرح کا کوئی احساسِ جرم نہ تھا۔ یسے وہ اس گھڑی حق پر تھا۔ جیسے کسی اقدام کے لئے غلط اقدام سرزد نہ ہوا تھا۔ جیسے وہ کسی بات کے لئے ے دار نہ تھا۔

فارحہ خالی خالی نظروں سے بیٹے کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری پلٹا تھا اور پھر باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ سعد حسن بخاری نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا، کہنے سننے کو جیسے اب کچھ باقی نہ رہا تھا۔

نشست برخاست ہو گئی تھی۔ مہمان اٹھ کر رخصت ہو گئے تھے۔ اس لمحے کمرے میں فقط دو نفوس تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں کترائے بیٹھے تھے۔ کمرے کا ماحول ساکت و جامد تھا۔ اردگرد بے حد خاموشی تھی۔ بالکل ویسا سکوت جو کسی طوفان کے آنے سے قبل ہوتا ہے۔

یا پھر جانے کے بعد!

ایک انہونی تو ہو چکی تھی۔ ایک واقعہ رونما ہو چکا تھا۔

تو کیا کوئی اور طوفان بھی ابھی آنا باقی تھا؟

کتنی سرد مہری تھی اس گھڑی رویوں میں۔

کتنی برف جمی تھی۔

اور برف جب پگھلنی تھی تو کتنے بند ٹوٹ جانے کا احتمال تھا۔

فارحہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

سید سعد حسن بخاری بنا کچھ کہے، بنا اس کی جانب دیکھے، بنا کوئی الزام دیئے، کوئی فیصلہ ہولے سے اٹھے تھے، نگاہ فارحہ سے یکسر اجنبی تھی۔ جیسے وہ اس کے لئے یکسر کوئی اجنبی ہو، غیر کوئی سلسلہ کبھی رہا ہی نہ ہو۔

فارحہ دم سادھے اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی تھیں۔ سید سعد حسن بخاری نے بہت آہستگ اٹھائے تھے اور وقت اس لمحے میں فاصلوں کی کہانی رقم کرتا چلا گیا تھا۔ خاموشی کچھ اور بھی بڑ اک سکوت نے ماحول کو چاروں سمت سے لپیٹ کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

کچھ کہا نہیں گیا تھا۔

کچھ سنا نہیں گیا تھا۔

کہیں کوئی فیصلہ نہیں سنایا گیا تھا۔

بس اک خاموشی تھی۔ طویل خاموشی۔

اور اس چپ کے کتنے اسرار تھے۔

سید سعد حسن بخاری بہت خاموشی سے رخ موڑے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔ فارحہ کی میں یکدم ہی نمی گھر کرنے لگی تھی۔

◆

رات بہت سرد تھی۔

یخ بستہ ہوائیں رگوں میں خون منجمد کئے دے رہی تھیں۔ مگر وہ کسی طرح کے احساس سے ماورا اس ی ٹیرس پر تھی۔ شانوں پر شال نہ تھی۔ نہ یہ خدشہ تھا کہ کوئی آئے گا اور بہت ہولے سے شانے پر اپنا ہاتھ دھرے گا اور ان ہاتھوں کی تپش سمیٹ لے گی سب کچھ۔ سارے خدشات، سارے وسوسے، ے خوف چن لے گا، سارے مخفی احساس، ساری کلفتیں بانٹ لے گا۔

وہ بڑی ساکت سی کھڑی تاروں سے بھرے آسمان کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

آف ہائٹ شیفون آنچل بڑا بے ترتیب سا ہوا کے سنگ لہرا رہا تھا۔ خود میں اس قدر گم تھی کہ نہ کان آہٹ سن سکے نہ کسی چاپ کو محسوس کر سکے۔ یا پھر آنے والا ہی بہت دبے قدموں آیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس قطعاً بے تاثر نظر آنے والی کو بہت سرسری انداز میں دیکھا تھا۔ نگاہ بے تاثر تھی۔ پھر بہت آہستگی سے قدم اس کی جانب بڑھا دیئے تھے۔ دو مضبوط بھاری قدموں کی ٹ اس کی سمت تھی۔ مگر وہ اسی قدر غافل تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے ل آن رکا تھا۔ میرب سیال اس لمحے بھی نہیں چونکی تھی۔ فاصلہ بہت زیادہ بھی نہیں تھا۔ فقط چند قدم کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یخ بستہ ہواؤں کے رخ پر کھڑی اس یکسر غافل لڑکی کو دیکھا تھا جو خود ہی نہیں، اپنے ماحول سے بھی اجنبی تھی۔

شاید آنے والے کو پہچان کے حوالے از بر نہ تھے۔ آ تو گیا تھا مگر تخاطب کیا ہونا چاہئے تھا، یہ معلوم نہ شاید اسی لئے ان لبوں پر جامد چپ تھی۔ رویوں میں کسی درجہ سرد مہری سہی مگر کچھ تاثر ان قربتوں میں ا تھا کہ میرب سیال یکدم ہی چونکی تھی۔ نگاہ اس سامنے کھڑے شخص پر اٹھی تھی، انداز کسی قدر چونکنے تھا۔ کچھ حیرت بھی شامل تھی ان آنکھوں میں۔ مگر سامنے کھڑے شخص کی نگاہ ہی نہیں، چہرہ بھی بہت حد بے تاثر تھا۔ میرب سیال کے متوجہ ہونے پر وہ لحہ بھر کو اپنی نگاہ اس پر سے ہٹا گیا تھا۔ پھر اسی سرد مہر زمیں اس کے لب ہلے تھے۔

’’میں کل نیو یارک جا رہا ہوں ـــــــ‘‘ اطلاع دی گئی تھی۔

’تو پھر؟‘ لبوں سے کچھ نہ کہا تھا مگر نگاہوں نے اس شخص کی سمت تکتے ہوئے استفسار ضرور کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند لمحے اسی طرح خاموشی کے ساتھ ان یخ بستہ ہواؤں کو محسوس کیا تھا۔

میرب سیال اسی قدر خاموشی سے کسی نئی اطلاع کے لئے منتظر تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''مائی اماں کا حکم تھا آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے لوں ـــــ ضروری تیاری کر لیجیے آپ یارک جارہے ہیں۔''

''کیا ـــــ؟'' وہ بے طرح چونکی تھی۔ مگر وہ بنا اس کی سمت دیکھے اس استفسار کی کوئی بغیر چل دیا تھا۔

میرب سیال حیران سی اس شخص کی چوڑی پشت کو تک رہی تھی جو اس گھڑی لمبے لمبے ڈگ خاموشی سے اس کے اور اپنے مابین فاصلوں کی کہانی رقم کر رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ اس حکم پر خوش ہو، اطمینان ظاہر کرے، اسے اپنا دوست، ہم نفس جانے، اس کے اس اقدام پر اسے سراہے یا پھر اس اقدام کو بیگانگی جانے۔ فوری طور پر ظاہر کئے بغیر اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ جو بھی تھا، کسی کو اس کا خیال تھا یا نہیں تھا، یہ بات تسلی بخ پاپا کو دیکھ سکے گی۔ ان لمحوں میں ان کے قریب ہو گی جب انہیں اس کی ضرورت ہے۔ شاید نے کوئی تعرض نہیں برتا تھا بلکہ کسی قدر اطمینان نے دل میں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

وہ بہت آہستگی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ جانے سے قبل سیفی تھا۔ اس سے بھی تو بات کرنی تھی۔ اسے مطلع بھی تو کرنا تھا۔

''ہنی مون پر جارہی ہو؟''

اس نے نیند سے بیدار ہوتے ہی حیرت کا زبردست اظہار کیا تھا۔ میرب سیال کے ہاتھ۔ چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

''شٹ اپ سیفی! ـــــ ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔'' پُر خفت انداز میں اسے ڈپٹا تھا مگر دوسری مسکرا دیا تھا۔

''معاملہ کیا ہے؟''

''تم پہلے اچھی طرح بیدار ہو جاؤ۔'' میرب نے ایک بار پھر ڈپٹا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''وہ تو میں ہو جاؤں گا ـــــ مگر تم کس خوشی میں جاگ رہی ہو اب تک؟ اختر شماری کرنے لیا ہے کیا؟ ـــــ یا پھر شب بیداری کا ارادہ ہے؟'' وہ قطعی طور پر غیر سنجیدہ تھا اور میرب سیال سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔

''سیفی! میں نیو یارک پاپا سے ملنے جارہی ہوں۔''

''اور محترم سردار صاحب؟'' سیفی کی شوخی بدستور قائم تھی۔

''وہ میرے ساتھ جارہے ہیں۔''

''تم ان کے ساتھ جاؤ یا وہ تمہارے ساتھ جائیں، بات تو ایک ہی ہے کہ تم دونوں ایک دم ساتھ جارہے ہو۔''

سیف الرحمٰن! اب جاگ جاؤ۔''

خوشی ہو رہی ہے؟'' سیفی بدستور مسکرا رہا تھا۔

کس بات کی خوشی ہو گی؟ ـــــ پاگل ہو گئے ہو تم؟ ـــــ سیفی! تم جانتے ہو میں کس قدر ٹنس اور تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے۔'' میرب سیال نے تلخی سے کہا مگر وہ ہنس دیا تھا۔

میرب سیال! جو بھی کہو، سردار صاحب ہیں۔ واقعی کمال شخص۔ تمہیں یاد ہے بے جی ہمیں ایک کہانی تی تھیں۔ سردار سبکتگین نامی ایک بادشاہ کی، جنہیں ہرن کے شکار سے خاصا شغف تھا۔ جو روز خوب ہرنیوں کا شکار کیا کرتے تھے اور ایک دن جب......''

شٹ اپ سیف الرحمٰن!'' میرب سیال کے صبر کا پیمانہ یکدم لبریز ہوا تھا۔

سنو تو۔'' سیف الرحمٰن نے اصرار کیا۔

ند ثانیوں تک خاموش رہا تھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے پُر خیال انداز میں گویا ہوا تھا۔

کہیں تمہارے سردار صاحب بھی تو ایسی کسی ہابی کے شائق نہیں؟''

سیف الرحمٰن!'' میرب سیال نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا مگر دوسری جانب سیف الرحمٰن کو کوئی لر نہ تھی۔

جو بھی کہو، بی ایم ڈبلیو اور لیموزن میں گھومنے والا شخص اتنا بی با اور شریف ہو نہیں سکتا۔''

کیوں ـــــ تمہیں سب کچھ اتنا مشکوک کیوں لگ رہا ہے؟ ہوش کے ناخن لو سیف الرحمٰن! بے جی ں ہیں، تمہاری عقل ٹخنوں میں ہے۔''

دراز قد تو سردار صاحب بھی ٹھیک ٹھاک ہیں، ان کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟'' وہ مسلسل چھیڑ رہا رب سیال خاموشی سادھ گئی تھی۔ تبھی وہ دوسری طرف سے گویا ہوا تھا۔

واپس کب لوٹو گی؟''

کچھ ہی دنوں میں۔ سیف! تم دعا کرنا۔''

لو ـــــ یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے؟ میں تو ہمیشہ ہی تمہارے لئے دعا گو رہتا ہوں۔ خدا تمہاری سلامت رکھے۔ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔'' وہ ایک بار پھر پٹری سے اتر چکا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں مگر دوسری جانب اس کی ہنسنے کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

میرب سیال! اتنی دور جارہی ہو نا ـــــ تمہارا موڈ اچھا کرنا چاہ رہا تھا۔ انشاء اللہ سب اچھا ہو گا۔ یال رکھنا۔''

بے جی کیسی ہیں؟'' میرب سیال نے نانی کے متعلق دریافت کیا تھا۔

ٹھیک ہیں ـــــ تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ دراصل مظہر انکل کے رویے نے انہیں کچھ زیادہ خوش نہیں ائشہ پھپھو کے بعد انہوں نے فاصلوں کی بہت وسیع خلیج رشتوں کے درمیان استوار کر دی ہے۔ یقیناً ہیں ہے۔ ہم انہیں بلیم نہیں کر سکتے۔ مگر بے جی اس معاملے کو لے کر خاصی افسردہ رہتی ہیں۔ اب جب کہ میرب! تم ہمارے ہوتے ہوئے اس وقت کہیں اور قیام پذیر ہو۔ بے شک وہ اب

تمہاری سسرال ہے۔ مگر بے جی کو یہ چیز بہت پریشان کر رہی ہے۔ مظہر انکل نے ایسا کر کے یہ اور ہمارے خاندان کی نفی کی ہے۔ جو تعلق تم میں اور ہم میں موجود ہے اسے قطعاً جھٹلایا نہیں جا مظہر انکل اس معاملے میں ہمیں خاصا اجنبی تصور کرتے ہیں۔ ہم تو پھر بھی اس صورت حال کو فیم ہیں مگر بے جی خاصی حساس ہیں اس معاملے میں۔ کیوں نہ ہوں، ان کی نواسی ہو تم۔ وہ بھی اُ سکے تو کبھی آ کر ان سے مل جاؤ۔'' سیف الرحمٰن جس قدر سنجیدگی سے اس لمحے بات کر رہا تھا، لگ رہا تھا کہ یہ وہی سیف الرحمٰن ہے جو کچھ لمحے قبل اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

میرب سیال نے ہونٹ بھینچ کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''ہوں ــــــ میں آؤں گی۔ تم میری طرف سے بے جی کو پوچھ لینا۔''

دوسری طرف سیف الرحمٰن خاموش رہا تھا۔ وہ بھی چند ثانیوں تک چپ رہی تھی پھر بہت آ گویا ہوئی تھی۔

''دراصل میں بھی کبھی اس بے وجہ بے مہری کی وسیع ترین خلیج کو سمجھ نہیں سکی۔ ماما کی م ایکسیڈنٹ تھا اور اس کے لئے ماموں پاپا کو بلیم کرتے تھے اور پاپا ماموں کو۔ پاپا، ماما کو لے ک پویسو تھے اور ماموں اپنی جگہ۔ قصور ماموں کا بھی نہیں تھا، غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ بہرحال اس معاملے میں قصوروار نہیں ہیں۔ رشتوں میں دراڑ تو پہلے ہی موجود تھی، ماما کی موت نے تو ا مزید وسعت دی ہے۔ ممکن ہے شاید ایک دن سب بہت اچھا ہو جائے۔ مجھے یہ وقت، یہ زند میں نہیں آئی سیفی! شاید تبھی میں تمام معاملات اس وقت کے حوالے کر دیتی ہوں جب ایک دا بہت اچھا ہو جائے۔ فی الحال میں پاپا کے لئے بہت پریشان ہوں۔ سیفی! تم بے جی سے کہنا اا دعا کریں۔ بعض اوقات غلطیاں معاف کر دینے سے کسی کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ پاپا ک دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔'' اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

''میرب! پریشان نہ ہو ــــــ مظہر انکل ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''انشاءاللہ۔'' میرب نے فون دھر دیا تھا مگر دل پر جانے کیوں اک انجانا سا بوجھ عود کر آیا

* * *

بات ساری یہ تھی کہ دل بہت مشکل میں تھا۔ جان پر بنی ہوئی تھی۔ راہ کوئی نہ تھی۔ بجھائی رہا تھا۔ ایسے میں جو بھی ہوتا، وہ ایک ضروری اقدام ہوتا۔ اس ایک لمحے سے بچ نکلنے کا، جان کن میں کوئی کیا کرتا ہے، کیا کر سکتا ہے؟

فی الفور اس نے بھی یہی کیا تھا۔

اس کے گھر کی ڈور بیل پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے علم نہ تھا کہ اس سے اگلا لمحہ کیا ہوگا، کیا ایک لمحہ جو اس کے ہاتھ آیا تھا وہ اسے ہارنا نہیں چاہتا تھا۔

ایک، دو، تین ــــــ چند ثانئے ہی گزرے تھے شاید۔ گیٹ کھلا تھا اور دوسرے ہی لمح مقابل تھا۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''السلام علیکم ــــــ مس انابیہ شاہ ہیں؟''

سامنے کھڑے بریگیڈیئر اعظم رحمٰن شاہ نے اسے سرتاپا بغور دیکھا تھا۔ کسی کے گھر میں پہلی بار آنے کا ں شاید اسی قدر کنفیوژ کرتا ہے۔ عفنان علی خان جیسا شخص اس لمحے خود کو خاصا چغد محسوس کر رہا تھا۔

''آپ؟'' اپنے سامنے کھڑے سوٹڈ بوٹڈ شخص کو بریگیڈیئر صاحب نے بغور دیکھا تھا۔ وہ لب بھینچ کر اس لمحے زبردستی مسکرایا تھا یا پھر محض راہ و رسم کو۔

''جی میں ــــــ میں عفنان علی خان ہوں۔''

''تو اس میں اتنا کنفیوژ ہونے کی کیا بات ہے؟'' بریگیڈیئر صاحب دھیمے سے مسکرائے تھے۔

عفنان علی خان حیران ہو کر تکنے لگا تھا۔ تبھی وہ مسکرا دیئے تھے۔

''اندر آ جاؤ برخوردار! تم صحیح مقام پر پہنچے ہو ــــــ میں انابیہ کا دادا ہوں۔''

عفنان علی خان نے سکون کا گہرا سانس لیا اور ساتھ ہی ان کے ساتھ قدم اندر بڑھا دیئے تھے۔

''ساتھ پڑھتے ہو؟'' سرخ بجری کی روش پر چلتے ہوئے اور داخلی دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے یڈیئر صاحب نے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان چونکا تھا، پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں، پڑھ چکا ہوں۔ آج کل بزنس کر رہا ہوں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں پڑھنے والی لائف جتنی ایزی لزل ہوتی ہے، اتنی ہی ٹف اور ہارڈ بھی ہوتی ہے۔ موٹی موٹی خشک کتابوں سے سر کھپانا یقیناً آسان ا۔ لیکن اس کے باوجود سب کچھ بہت انٹرسٹنگ ہے۔'' مسکراتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔ بریگیڈیئر صاحب اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

''انابیہ سے کب ملے تم؟''

''منگنی پر۔'' بہت بے ارادہ منہ سے پھسلا تھا۔

''منگنی پر؟'' بریگیڈیئر صاحب چونکے تھے۔ عفنان علی خان کو اپنی بدحواسی کا یکدم ادراک ہوا تھا۔ ا لب بھینچ کر بڑی رسانیت سے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ ساتھ ہی بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

''آئی مین، ایک تقریب میں۔ انابیہ گھر پر ہیں نا؟'' ان کی طرف تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ یڈیئر صاحب مسکرا دیئے تھے۔

''یقیناً۔'' گلاس ڈور کھولتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ اسے ایک وسیع و عریض ویل ڈیکوریٹڈ نگ روم میں بٹھایا تھا۔ پھر نوکر کو آواز دے کر انابیہ کو بلانے کا حکم دیا تھا اور خود اس کے مقابل آن ے تھے۔

''برخوردار! خاصے اچھے وقت پر آئے ہو تم ــــــ آج ہمارا برتھ ڈے ہے اور انابیہ کو نت نئے پرائزز دینے کی عادت ہے۔ یہ جو تم گھر میں کچھ سجاوٹ دیکھ رہے ہو اسی کے باعث ہے۔ کیک بھی کٹنے ہی والا ہے۔ تقریب ہر سال اسی سادگی سے انجام پاتی ہے۔ اس 65 برس کی عمر میں بھی انابیہ مجھے بچہ بنا کر رکھا ہوا ہے اور میں اس کی خوشی میں خوش ہوں۔'' بریگیڈیئر صاحب مسکرا رہے تھے۔

عفنان علی خان بھی مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی کچھ پُر اُلجھن انداز میں ہونٹ بھینچ کر شانے بھی اچکائے

”لیکن میں تو آپ کے لئے کوئی گفٹ نہیں لایا۔“

”کوئی بات نہیں ـــــ لیکن یہ تمہارے ہاتھ میں پیکٹ تو ہے نا۔“ بدستور اس کے ہاتھ ہوئے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وہ چونکا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔ اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ تبھی وہ پیکٹ ٹیبل پر دھر دیا تھا۔

”یہ انابیہ کے لئے ہے۔“ دھیمے سے مسکراتے ہوئے مطلع کیا تھا۔

”لیکن انابیہ کی تو آج برتھ ڈے نہیں ہے محترم!“ بریگیڈیئر صاحب برجستہ بولے تھے۔

عفنان علی خان نے چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں اس لمحے ایک نرم سا ا اور لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی ـــــ یقیناً یہ ایک دوستانہ اقدام تھا۔ وہ یقیناً دوستانہ مزاج رکھے اسے انابیہ کا دوست جانتے ہوئے خصوصی رعایت دے رہے تھے۔ عفنان علی خان مسکرا رہا تھا، سے گویا ہوا تھا۔

”جانتا ہوں۔ یہ ان کی کتابوں کا کوئی اسٹف ہے جو میری گاڑی میں رہ گیا تھا۔ وہ بھول گ مطلع کرتے ہوئے یکدم اس کی نظر سامنے کی طرف اٹھی تھی، جہاں وہ تھی۔ یقیناً اپنے گھر میں ا سامنے دیکھ کر وہ کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔ نظروں میں کسی قدر حیرت کا احساس بھی بریگیڈیئر صاحب نے پلٹ کر اس کی طرف نگاہ کی تھی۔

”آؤ، آؤ ـــــ تمہارا کوئی مہمان آیا ہے۔“ انابیہ جو صوفے کی پشت پر تھی اس کی سمت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

”کیسے ہیں آپ؟“ مروتاً احوال دریافت کیا تھا۔

”پرفیکٹ ـــــ آپ کیسی ہیں؟“

”ٹھیک ہوں۔“ وہ اخلاقاً مسکرائی تھی۔ دادا ابا دونوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔

”یہ آپ کا ضروری اسٹف تھا۔ میں نے لامعہ سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر ریفوز کر کے پاس وقت نہیں۔ تب میں نے بذاتِ خود انہیں آپ تک پہنچانا ضروری خیال کیا۔“

”آپ نے اچھا خیال کیا۔“ وہ مسکرائی تھی۔ یقیناً وہ اس کی وضاحت کے انداز سے محظوظ یہ دادا پوتی اسے خاصا ایزی لے رہے تھے۔ یا پھر وہی اس قدر چغد لگ رہا تھا۔ چند ثانیوں تک تک جھانکا تھا۔ یقیناً یہ محاذ آسان نہ تھا۔ کیے ہوں گے سر بہت سے معرکے۔ پائی ہوگی فتح مقامات پر۔ مگر یہ مقام کوئی اتنا غیر اہم تو نہ تھا۔ وہ یونہی تو اس قدر ہونق نہ لگ رہا تھا۔ اندر۔ کچھ کم مختلف نہ تھے۔ مقام خاص تھا۔ تبھی تو اس قدر کمزور واقع ہو رہا تھا۔ یونہی خاموش رہ کر ا ہمتوں کو مجتمع کیا تھا۔ پھر سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”آپ نے مجھے دادا جی کی برتھ ڈے کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ اب دیکھئے نا، میں اس اہم کوئی گفٹ تک نہیں لایا۔“ شکوے کا انداز خاصی اپنائیت لئے ہوئے تھا۔ جہاں وہ حیران ہ

ابا مسکرا دیئے تھے۔

”ڈونٹ وری۔ اس کی ضرورت نہیں۔ تم آ گئے ہو، یہی کافی ہے۔“

”مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔“ عفنان علی خان نے وش کیا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیئے۔

”تھینکس۔ تم لوگ بیٹھو، میں آتا ہوں ابھی۔“ وہ یقیناً دانستہ وہاں سے اٹھے تھے۔ ”لیکن ہاں، کیک در کھا کر جانا۔ بذاتِ خود تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ جانتا ہوں اگر نہیں دوں گا تو میری پوتی میری ن کو آ جائے گی۔“ وہ یقیناً اس لمحے شگفتہ انداز میں مذاق ہی کر رہے تھے۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ انابیہ کے لبوں پر بھی اس لمحے دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ دادا ابا کے جانے پر آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

”مائنڈ مت کیجئے گا۔ میرے دادا ابا کی طبیعت عام روش سے ہٹ کر ہے۔ وہ عام بزرگوں کی طرح ں، وہ میرے اچھے دوست ہیں۔ ان کی موجودگی میں مجھے کبھی کسی دوست کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔“

”اس معاملے میں تو خاصے خوش قسمت واقع ہوئے ہیں دادا ابا۔ یقین مانیے، کچھ حسد محسوس ہونے لگا ے اس گھڑی ان سے۔“ وہ شگفتگی سے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ بھی مسکرا دی تھی۔

”اب یہ مت کہئے گا۔ میرے پاس ایسا کوئی حق محفوظ نہیں۔“ اس کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمی کراہٹ کے ساتھ وہ گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ اس لمحے جیسے اخلاقاً مسکرائی تھی۔ پھر اسی انداز میں گویا ہوئی ی۔

”دادا ابا واقعی بہت اچھے ہیں ـــــ بابا کے بعد وہی ہمارے لئے سب کچھ ہیں۔ اس گھر کے نفوس ت تھوڑے ہیں۔ میں، ماما اور دادا ابا۔ مگر اس مثلث کے تینوں کونوں میں محبت کی بائنڈنگ بڑی ٹرونگ ہے۔“ وہ کسی قدر اپنائیت سے اپنی فیملی کے متعلق مطلع کر رہی تھی۔

”اس معاملے میں تو آپ نے خاصا برا کیا۔ مجھے مطلع کر دیتیں تو آج ایک قابل فخر دوست میرے لقہ احباب میں شامل ہو جاتا۔ مجھے دلی افسوس ہے کہ میں یہاں ہوں اور دادا ابا کے لئے کوئی گفٹ نہیں لا کا۔“

”دوست فقط مادی اشیاء کے لین دین کے اصول پر استوار نہیں ہوتے۔ کچھ اور وصف بھی اس عاملے میں درکار ہوتے ہیں۔“

”مثلاً؟“ اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے پوچھا۔ انابیہ شاہ چونکی تھی، پھر ہونٹ بھینچ کر دھیمے سے مسکراتے وئے شانے اچکا دیئے تھے۔

”ڈیپنڈ کرتا ہے۔ سینا یو کیا ہے۔“

”بتائیں گی نہیں؟“ بغور دلچسپی سے تکتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

”نہیں۔“ صاف انکار کیا تھا۔ اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

”کیوں؟“ آگاہی چاہی تھی۔ ان جادوئی قلعوں میں اس وقت کسی قدر بے چینی سمٹ آئی تھی۔ انابیہ شاہ چہرے کا دھیان پھیر گئی تھی،

"اس لئے کہ ایسی باتیں بیان نہیں کی جاتیں، سمجھی جاتی ہیں۔"

"اور اگر کوئی قطعاً جاہلِ مطلق ہو تو؟" آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ شاہ نے اس مقابل بیٹھے شخص سے نگاہ یکدم ہی ہٹا لی تھی۔ ساتھ ہی بڑے بے تاثر انداز میں شانے دیئے تھے۔

"سکھائیں گی نہیں مجھے؟" مدھم دھیمے لہجے میں کوئی گزارش تھی۔ استدعا سے پُرنظر بڑی فرصت اس کی سمت تک رہی تھی۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت ایک نگاہ سرسری انداز میں کی تھی۔

"کیا؟" لمحہ بھر میں اس کی زبان سے پھسلا تھا۔ نظروں میں کسی قدر حیرت در آئی تھی۔ مقابل شخص چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا جیسے محظوظ ہوتا رہا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"بہت انوکھے بھید ہیں کیا؟ —— شاید تبھی آپ عام کرنے سے گریز برت رہی ہیں۔ سچ کہوں تو شوقِ جنوں بڑھنے لگا ہے۔"

انابیہ شاہ لب بھینچ کر مسکرا دی تھی۔

"لامعہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے آنے کے لئے کہا تھا۔ شاید وہ بھی آ جائے۔" ذکر کیا تھا مگر مقابل شخص کا انداز کسی قدر بے تاثر ہو رہا تھا۔ بلکہ انداز کسی قدر بجھ گیا تھا۔ کچھ لمحے قبل وا شوق اس لمحے معدوم ہو چکا تھا۔ اس بات کا کوئی جواب دیئے بغیر وہ چہرے کا زاویہ بدل گیا تھا۔ تب اس کے ہاتھ کا بیک کیا ہوا بلیک فورسٹ لے آئی تھیں۔ انابیہ نے عفنان علی خان کو ماما سے متعارف تھا۔

"بیٹا! لامعہ نہیں آئی تمہارے ساتھ؟" ماما نے دریافت کیا تھا۔ وہ جواباً جانے کیوں انابیہ شاہ کی تکنے لگا تھا۔

"عفنان علی خان میری بکس کا اسٹف لوٹانے آئے تھے ماما! —— لامعہ شاید کچھ بزی ہے۔ ر میں بات ہوئی تھی میری۔ کہہ تو رہی تھی آئے گی۔" جانے کیوں اس لمحے میں اس نے اس شخص کی نا حمایت کر دی تھی۔ وہ اس لمحے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

برتھ ڈے کیک کٹ گیا تھا —— اپنے دادا ابا کے ساتھ مسکراتی ہوئی، سرشار سی وہ لڑکی گھڑی خاصی مختلف لگ رہی تھی۔ اُس کا یہ روپ خاصا نیا اور انوکھا تھا۔ عفنان علی خان کی نظریں اسے دیکھ رہی تھیں۔ انابیہ شاہ کو یا تو ان نظروں کی اضطرابی کیفیت سے کوئی سروکار ہی نہ تھا یا جان بوجھ کر ان نظروں کے حوالوں سے بچنا چاہ رہی تھی۔ جو بھی تھا، یہ لمحے بیش قیمت تھے۔ ایک گیدرنگ میں اس گھڑی وہ شامل تھا۔ اس خاندان کا حصہ تھا۔ سب سے بڑھ کر وقت جن قربتو داستان رقم کرنے سے گریزاں تھا، وہی قربتیں اس لمحے میں چپکے چپکے اپنے بھید کھول رہی تھیں نظریں اس سے گریزاں تھیں۔

وہ چہرہ اس سے انجان تھا۔

وہ سراپا ان نظروں سے بیگانگی برت رہا تھا۔

مگر یہ احساس کم نہ تھا کہ وہ اس گھڑی، اس لمحے میں شامل تھا جب وہ اس کے ساتھ تھی۔ جب وقت ں کے ساتھ تھا۔ آج کا ایک ایک لمحہ اس کا تھا اور وہ اس پر سرشار تھا۔ انابیہ شاہ حیران تھی، ان مختصر وں میں اس نے دادا ابا سے خاصی دوستی کر لی تھی۔ اور جب جاتے سمے وہ اسے اخلاقاً دروازے تک چھوڑنے کے لئے آئی تھی تو وہ مسکرا رہا تھا۔

"سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو —— آج چاند پھر آسمان پر نہیں ہے۔" کھلے آسماں تلے اس کے نگ کھڑا وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کی مت تک رہا تھا۔ نظروں میں کسی قدر شرارت تھی اور لبوں پر بڑی دل آویز مسکراہٹ۔

"ہو بھی نہیں سکتا —— آج پھر چاند زمین کے سفر پر ہے۔" مدھم سی سرگوشی میں شاید کوئی اہم تھا یا پھر اس کی حیرت ہی دوچند تھی۔ یک ٹک اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان نے اس کی حیرت سے حظ اٹھایا، ایک الوداعی نگاہ اس پر ڈال کر پلٹ گیا تھا۔ انابیہ شاہ اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ نظریں اس کی چوڑی پشت پر تھیں۔ وہ اسے اسی طرح تکتی چلی گئی تھی۔ وہ چلا گیا تھا۔ اردگرداب کوئی نہ تھا۔ لان میں رات کی رانی اور گلابوں کی مہک عجب جادو سا جگا رہی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا۔ اس نے بہت ہولے سے سر کھلے آسماں کی سمت اٹھایا، متلاشی نظریں بادلوں میں یکدم ہی الجھنے لگی تھیں۔ بہت سے چمکتے تاروں بھرے تھال میں اس لمحے کسی شے کی کمی تھی۔ بادلوں نے بہت کچھ چھپا دیا تھا یا پھر واقعی کچھ غیر موجود تھا۔ نگاہ لمحہ بھر کو بھٹکی تھی۔

"سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو —— آج چاند پھر آسمان پر نہیں ہے —— ہو بھی نہیں سکتا۔ آج پھر چاند زمین کے سفر پر ہے۔" مدھم سرگوشی نے یکدم اس کے گرد اپنا حصار باندھا تھا۔ وہ لمحہ بھر میں جیسے بیدار ہوئی تھی۔ سر دوبارہ جھکایا تھا اور دوسرے ہی پل پلٹ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

* * *

دراڑ جب دلوں پر پڑتی ہے تو فاصلے صدیوں پر محیط ہو جاتے ہیں۔

فارحہ ان لمحوں میں فاصلوں کو صدیوں کی طرح پھیلتے ہوئے چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔

غلط سوچا تھا انہوں نے۔ غلط قیاس کیا تھا۔ کوئی طوفان آئے گا اور اپنے سنگ سب کچھ بہا لے جائے گا۔ یہاں تو سب کچھ سناٹوں تلے دبتا چلا جا رہا تھا۔ خاموشیوں میں دفن ہو رہا تھا۔ بیگانگی مزید بڑھتی چلی گئی تھی اور ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ قصوروار کسے ٹھہرائیں۔ باپ کو، بیٹے کو، خود کو یا پھر اس وقت کو؟

اذہان حسن بخاری جب اسے میڈیسن دینے آیا تھا تو وہ کتنی دیر تک اسے چپ چاپ تکتی چلی گئی تھیں۔

"ممی پلیز! دوا نہ چھوڑا کیجئے۔ آپ کے لئے بہت ضروری ہے یہ۔ آپ کو شاید یاد نہیں، صبح آپ کو چیک اپ کے لئے بھی جانا ہے۔ آپ تیار ہو جایئے گا، میں آپ کو لے جاؤں گا۔" دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے اس گھڑی وہ میڈیسن لئے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

فارحہ نے بہت خاموشی سے دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور ساری میڈیسن باری باری

نگل لی تھیں۔ مگر ازہان حسن بخاری اب بھی بدستور ایک سعادت مند بیٹے کی طرح ان کے سامنے
تھا۔ فارحہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ اس گھڑی بغور ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شفاف آنکھیں پُرسکو
تھیں۔ روشن چہرہ بے تاثر تھا۔ پیشانی پر کوئی شکن نہ تھی۔ مگر وہ جانتی تھیں، سب کچھ پھر بھی اپنے معمو
نہ تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص اس گھڑی بچوں کی طرح مضمحل تھا۔ فارحہ کے دیکھنے پر بہت آہستگی سے اس
اپنا سر ماں کی گود میں دھر دیا تھا۔ وہ اس لمحے واقعی آزردہ تھا۔ فارحہ بیٹے کو چپ چاپ تکتی رہی تھیں،
بہت ہولے سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''آئی ایم سوری ممی!'' بہت ہولے سے اس کے لب ہلے تھے۔ انداز بہت تھکا ہوا تھا۔ فکر
خوردہ۔ فارحہ کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی اترنے لگی تھی۔

''ممی! میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ آپ نے ہی تو کہا تھا، ایک ٹھیک وقت میں تمہیں جو صحیح نظر آ
اس کے لئے کام کرو اور مستقبل کو اللہ کے حوالے کر دو۔ ماہا مجھے بے حد عزیز ہے ممی! میں اسے
مزید سانحے کی نذر نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی مزید زک پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک بھائی ہونے کے نا
اس لمحے اس کے لئے اسٹینڈ لینا مجھ پر فرض تھا۔ میں نے جو بھی کیا میرے خیال سے وہ غلط نہیں
اور......''

''نہیں ازہان! تم نے واقعی کچھ غلط نہیں کیا ـــــ لیکن شاید کبھی کبھی بہت کچھ اختیار میں نہیں
کرتا۔ جیسے وقت اس گھڑی ہماری مخالف سمت چل رہا تھا۔'' بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن ممی! سبھی قصور وقت کا بھی تو نہیں۔ ہم سبھی کچھ وقت کے سر تو نہیں ڈال سکتے۔'' بہت آ
سے وہ گویا ہوا تھا۔

''لیکن ایک دوسرے کو الزام دینے سے بھی تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

''ممی! کیا سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا؟ ـــــ کیا وہ سارے سُکھ واپس نہیں آسکتے؟ وہ سار
اچھے دن، جو ہم نے مل کر ایک ساتھ گزارے؟'' اس کا لہجہ پژمردہ تھا۔

فارحہ خاموش رہی تھیں۔ مگر بہت خاموشی کے ساتھ پلکوں پر سے دو شفاف قطرے ٹوٹے تھے
رخساروں پر سے پھسلتے ہوئے دوپٹے میں کہیں مدغم ہو گئے تھے۔ ازہان حسن بخاری اسی طور سر ماں ک
میں دھرے بیٹھا رہا تھا۔

''ممی! جب میں چھوٹا تھا اور کبھی بہت ڈس ہارٹن ہوتا تھا تو مجھے آپ کی آغوش میں سر چھپا کر
سکون ملتا تھا۔ ایک عجیب سے اسٹرنتھ ملتی تھی۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں ہر طرح کے خطرے سے محفوظ ہو
پوری جانفشانی سے اب دنیا کا سامنا کر سکتا ہوں۔'' دھیمی آواز کسی قدر آزردہ تھی لیکن فارحہ کچھ نہیں
تھیں۔ چپ چاپ اس کے چہرے کو تکتی رہی تھیں۔ وہ اس لمحے کوئی معصوم بچہ تھا۔ دنیا کے سامنے ت
کھڑا ہونے والا لمبا چوڑا، مضبوط ڈیل ڈول کا مالک شخص اس لمحے بے حد نحیف تھا۔ جیسے وہ اس گھڑ
کوئی بچہ تھا۔ فارحہ کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ اس انتشار سے پُر کیفیت میں اسے دیکھنا فارحہ کو یقیناً تک
دے رہا تھا۔ اسے شکستہ حال دیکھنا ایک مشکل تجربہ تھا۔ اکلوتا بیٹا تھا وہ۔ کس قدر عزیز تھا۔ وہ تو اس کی ج

چھوٹی تکلیفوں پر بے چین ہو جایا کرتی تھیں۔ اس لمحے تو وہ ایک کڑے امتحان میں مبتلا تھا۔

''ممی! آئی لو یو! ـــــ آئی لو پاپا ٹو۔ مجھے اپنے گھر کو مکمل دیکھنے کی عادت رہی ہے۔ پاپا کو ہمیشہ
لیڈنگ پوزیشن پر دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے کس اسکول میں جانا ہے، کون سا سبجیکٹ چوز کرنا ہے، میرے لئے
ہیلتھی ایکیویٹی کون سی ہے ـــــ مجھے کون سا گیم کھیلنا چاہئے، کیسے جوگرز پہننے چاہئیں کہ میرے پاؤں
کے لئے آرام دہ رہیں۔ مجھے کن کاموں سے راحت ملتی ہے، کن چیزوں سے مجھے خوشی مل سکتی ہے، کتنے
کھلونے، کتنے بہت سے کھلونوں کا ڈھیر میں نے ہمیشہ اپنے کمرے میں دیکھا۔ کتنی بہت سی اشیاء جن کی
مجھے ضرورت بھی نہیں تھی، کیسے وہ میرے آگے ڈھیر کرتے چلے جاتے تھے۔ کیسے میری ایک خوشی کے لئے
ہزاروں جتن کیا کرتے تھے۔ کتنا اہم جانا انہوں نے ہمیشہ مجھے۔ کیا کچھ نہ کیا میرے لئے۔ کتنی چھوٹی
چھوٹی باتوں کے لئے میری کیئر کی، میرا خیال رکھا۔'' کتنی آہستگی سے اس کی آنکھوں کے کناروں سے گرم
گرم پانی نکل کر پھسلتا ہوا فارحہ کی گود میں جذب ہو رہا تھا۔

''مجھے یاد ہے ممی! جب ایک بار میں ٹیرس کی سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا تھا تو ان کی جان پر بن آئی
تھی۔ اور جب میں جونیئر کیمبرج میں اپنی مخالف ٹیم سے باسکٹ بال کا میچ ہار گیا تھا تو وہ میرے لئے کتنے
افسردہ ہو رہے تھے۔ مجھے یاد ہے ـــــ مجھے یاد ہے ممی! وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو پس پشت ڈالے اگلے
کئی دنوں تک مجھے جم لے جا کر پریکٹس کراتے رہے تھے جب تک کہ میں بال باسکٹ تک لے جانے میں
پرفیکٹ نہیں ہو گیا تھا۔ کتنا ضروری اور اہم کام تھا وہ ان کے لئے۔ میری معمولی سی خامی بھی ان سے
برداشت نہیں ہوتی تھی۔ کیسے وہ مجھے ہر عیب سے، ہر کمی سے ماورا دیکھنا چاہتے تھے۔ میری اکاؤنٹس کی
ٹیوٹر جب اچانک ہی بیمار پڑ گئی تھیں تو پاپا کی کیسی جان پر بن آئی تھی۔ کیسے وہ آفس سے آنے کے بعد
گھنٹوں مجھے پریکٹس کرایا کرتے تھے۔ میں پرفیکٹ نہیں تھا ممی! بہت سی خامیاں تھیں مجھ میں۔ بہت سے
عیب تھے مجھ میں۔ مگر پاپا کی تعمیر نے کیسے مجھے ایک کوالٹی پرسنالٹی بخش دی۔''

فارحہ کی آنکھوں کا پانی بہت ہولے ہولے رخساروں پر پھیل رہا تھا۔

''ممی! ـــــ ممی! مجھے یاد ہے۔ سینئر کیمبرج میں غلط لڑکوں کی صحبت میں جب پہلی بار میں نے
سگریٹ کو چھوا تھا تو وہ کس قدر ٹینس رہے تھے۔ کتنے دنوں تک انہیں یہی فکر ستاتی رہی تھی۔ نوعمری میں
اکثر ایڈونچر میں لڑکوں سے شرارتیں سرزد ہوتی ہیں۔ لیکن میں جب کیمپس پکنک میں ایک بار سمندر کی
لہروں کی زد پر آیا تھا تو کتنی دیر تک وہ مجھے خود سے لپٹائے بچوں کی طرح آنسو بہاتے رہے تھے۔ حالانکہ
یہ بات منکشف تھی ان پر کہ میں ایک اچھا سوئمر ہوں۔ لیکن کس قدر خوفزدہ انداز میں انہوں نے اپنا چوڑا سا
ہاتھ میرے سامنے پھیلا کر مجھ سے پرامس چاہا تھا کہ آئندہ میں کبھی پانی میں نہیں جاؤں گا۔ میں جانتا تھا
ان کے خوفزدہ ہونے کی وجہ مجھ سے ان کی بے تحاشا محبت تھی۔ وہ مجھے کسی معمولی تکلیف میں بھی نہیں دیکھ
سکتے تھے۔ سو میں نے چپ چاپ ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا اور پھر کبھی ان کے کہنے کے مطابق پانی
کے قریب نہیں گیا تھا۔'' مضبوط لہجہ اس گھڑی بے حد شکستہ تھا۔ بہت سی نمی آواز میں تھی اور آنسو تو فارحہ کی
آنکھوں سے بھی بہہ رہے تھے۔

"ممی! جب میرا قد ان کے قد کے برابر آیا تھا تو وہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر کے قد کی لمبائی
ہوئے کس قدر مسرور ہوئے تھے۔ کتنی خوشی ہوئی تھی انہیں، ان کا بیٹا ان کے قد کے برابر ہو گیا۔ آ
ہے وہ کیا کہہ رہے تھے اُسی روز، مضبوط بازوؤں میں ان کا ـــــ کیسے بول رہے تھے وہ آ
'دیکھو فارحہ! میرا بیٹا جوان ہو گیا ہے۔ اس کا قد میرے قد کے برابر آ گیا ہے۔ اب مجھے کسی طر
کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں بس اتنی فکر ضرور کرنی ہے کہ میں اب کچھ بڑا ہو گیا ہوں۔' آ
خود کو دیکھ کر وہ کس درجہ سرشاری سے مسکرا رہے تھے۔ کتنی خوشی ہوئی تھی انہیں میرے بڑے ہونے
میں نے کیا، کیا ممی! ـــــ کتنی تکلیف پہنچائی انہیں۔ وہ بچپن میں میری کوئی ناجائز بات بھی رد نہیں
تھے۔ چھوٹی چھوٹی بے تکی، بے معنی باتوں کو سنتے ہوئے گھنٹوں گزار دیتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی خو
کشید کرتے رہنا ان کی عادت تھی۔ مجھے ہر طرح سے خوش رکھنے کی ذمہ داری تھی جیسے ان کی۔ مجھ
دیکھنا سوہانِ روح تھا ان کے لئے۔ مگر میں ـــــ ممی! میں نے کیا، کیا ان کے لئے؟ ـــــ کیا
کے ساتھ؟ مجھے تو مضبوط بازو بننا تھا نا ان کا۔ انہیں خوش رکھنا تھا نا۔ ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا تھ
طرح انہوں نے میرا ہمیشہ رکھا۔ جس طرح مجھے ہمیشہ اہم جانا، مجھے بھی تو ممی! ـــــ ممی! میں
نالائق بیٹا ہوں۔ آپ کا بھی اور......اور پاپا کا بھی۔ نہ میں آپ کو خوش رکھ پایا نہ انہیں۔ میں تو ا
کو ہی ٹوٹنے سے، بکھرنے سے نہیں بچا پایا۔ پاپا نے مجھے سب کچھ سکھا دیا، سب کچھ۔ مگر یہ نہیں
جب گھر ٹوٹنے لگتا ہے تو اس کی بنیادوں کو کیسے ہلنے سے بچاتے ہیں ـــــ کیسے اس مضبوط گھر ا
سے باز رکھ سکتے ہیں؟ ـــــ جب دل سے دل دور جانے لگتے ہیں اور فاصلے صدیاں بننے لگ
کس طرح ان فاصلوں کو سمیٹا جا سکتا ہے۔ کس طرح صدیاں بننے سے روکا جا سکتا ہے۔ ایسا نہ
انہوں نے۔ انہوں نے نہیں بتایا کہ جب دلوں میں میل آ جائے تو اسے کس طرح دھویا جا سکتا ہے
آئینے میں آئے بال کو کس طرح مٹایا جا سکتا ہے؟ ـــــ کیسے وقت کی سیاہی کو دھویا جا سکتا۔
نہیں بتایا انہوں نے۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے مجھے رول ماڈل تو بنا دیا ممی! ہر طرح سے ا
ایک کوالٹی پرسنالٹی بھی دے دی۔ مگر اتنی اہم باتوں کو مجھ سے مخفی رکھ کے انہوں نے میری اندرونی
کو کسی قدر کمزور کر دیا ہے۔ مجھ سے بیگانگی برت کر، خود سے دور کر کے مجھے بہت تنہا اور اکیلا کرد
بہت زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ اور ایسے میں کیسے لڑوں میں؟ کوئی تنہا کب تک اور کیسے لڑ سکتا ہے؟
اپنے آپ سے لڑنا ـــــ بہت مشکل ہے نا ممی! یہ تو۔ پاپا نے مجھے کبھی خود اپنے آپ سے لڑنے کی
تو دی ہی نہیں۔ کبھی اپنے آپ سے جنگ کرنا سکھایا ہی نہیں۔ اور وہ تو.....وہ تو میرا اپنا آپ ہیں۔
جب اپنے اندر سے ہے تو ممی! کس سے لڑوں میں، کیسے لڑوں؟ لڑا بھی کیسے جا سکتا ہے؟ مجھ میں ا
ہی نہیں۔ سچ کہوں، ہارنے لگا ہوں میں ـــــ شاید ہار چکا ہوں۔" اس مضبوط شخص کی آنکھیں
بھیگ رہی تھیں۔ کتنے نمکین سمندر اس لمحے ماں کی آغوش میں چپ چاپ مدغم ہو رہے تھے۔

"میرا پرابلم یہ ہے ممی! میں آپ دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے کا عادی رہا ہوں ـــــ ایک سا
دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے آپ دونوں کی ایک ساتھ کی خوشی دیکھنے کی عادت رہی ہے۔ میں آج بھ

کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری اسٹرینتھ آپ دونوں ہیں۔ اور میں تبھی مضبوط ہوں گا جب آپ
ں ایک ساتھ مجھے نظر آئیں گے۔ میں آپ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی آزردہ نہیں کر سکتا، شکستہ نہیں
لکا۔ لیکن......لیکن ممی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ پتہ نہیں ایسا ہو بھی پائے گا یا نہیں۔ اور اگر ہو گا تو
اور کیونکر۔ کوئی تدارک ہے بھی یا کہ نہیں۔ وہ ٹوٹا اعتبار، وہ ٹوٹا گھر، وہ سارے ٹوٹے مان کیسے جڑیں
کس طور؟"

ـــــ شکستہ لہجہ واضح طور پر نمی سے پُر تھا اور فارحہ کے پاس اس لمحے کوئی تدارک نہ تھا ماسوائے اپنا ممتا سے
ھ اس کے سر پر دھرے رکھنے کے۔ وہ اس گھڑی کچھ کر نہیں پائی تھی۔ شاید اس سے زیادہ وہ کچھ کر بھی
سکتی تھی۔

***

میرب سیال نے ہدایت کے مطابق اپنا ضروری سامان پیک کر لیا تھا۔ نیویارک کے کلائے میٹ
واقف تھی۔ سو بھاری تعداد میں گرم کپڑے بھی رکھ لئے تھے۔ گو اسے کوئی لمبا چوڑا قیام نہیں کرنا
سردار سبکتگین حیدر لغاری کا بزنس ٹور تھا یہ۔ اس کا اپنا ایک شیڈول طے تھا۔ یقیناً اس کا ارادہ با
ط اسے ساتھ لے کر جانے کا نہ تھا۔ اس کی ہمراہی یقیناً مائی اماں کی بدولت عمل میں آئی تھی۔ جو بھی
ں کے لئے اہم یہ تھا کہ اس وقت میں جب پاپا کے پاس اس کی موجودگی ضروری تھی، وہ ان کے
جا رہی تھی۔ اگرچہ وہ اس پر مسلط ہونا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ سو اس
سامانِ سفر باندھ لیا تھا۔

جاتے وقت وہ بے جی سے بات کرنا نہیں بھولی تھی۔ وہ کسی قدر آزردہ تھیں اور اگر وہ ان کو ایسے میں
ے بغیر چلی جاتی یا پھر اس کے جانے کی اطلاع سیف الرحمٰن سے بہت رسمی انداز میں ملتی تو شاید انہیں
ں ہوتا۔ تبھی اس نے ان سے بات کرنا ضروری خیال کیا تھا۔

"خوش تو ہے نا انو؟" انہوں نے شاید ایک نئے تعلق کے متعلق فکرمندی سے اس سے دریافت کیا
۔ وہ جیسے اس گھڑی مجبوراً مسکرائی تھی۔

"ہاں بے جی! سب ٹھیک ہے۔" انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"لڑکا تو اچھا ہے نا ـــــ تجھے پسند تو ہے نا؟" ان کی فکر اور انداز فطری تھا۔

"ہاں بے جی! کہا نا، سب ٹھیک ہے۔ میں آؤں گی تو آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔ آپ پاپا کے
ے دعا کیجئے گا۔ اور ہو سکے تو ان کی خطاؤں کے لئے انہیں معاف کر دیجئے گا۔"

بے جی یقیناً دوسری طرف رونے لگی تھیں۔

"بے جی! پلیز آپ روئیں نہیں۔" اس نے ان کا حوصلہ بندھانا چاہا تھا۔ تبھی فون دوسری طرف سے
ف الرحمٰن نے لے لیا تھا۔

"سیفی! بے جی کا خیال رکھنا۔" اس نے ان کی کیفیت کے پیش نظر تاکید کی تھی۔

"ہاں ـــــ وہ تو میں رکھ لوں گا۔ مگر تمہارا خیال کون رکھے گا؟" دوسری طرف وہ یقیناً شرارت سے

مسکرا رہا تھا۔

میرب نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''اتنی سرد سرد آہیں خارج مت کرو —— موسم پہلے ہی کافی سرد ہے۔ اور میرا فریز ہو ارادہ نہیں۔''

''تم فضول باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے؟''

''خوش ہونا؟'' جانے کیا اگلوانا چاہا تھا۔ وہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی تھی۔

''نہیں ہونا چاہئے کیا؟''

''کیوں نہیں —— مجھ سے بڑھ کر بھلا کون خیر خواہ ہو گا تمہارا؟''

''حسد کی بو کیوں آ رہی ہے پھر؟'' میرب سیال نے جواباً چھیڑا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''میں حسد کر کے کیا کروں گا؟ اگر مجھے ایسے سردار صاحب مفت میں بھی ملیں تو میں نہ لوں لوں بھی تو پہلی فرصت میں بیچ کر ریوڑیاں کھا لوں۔ وہ ان موصوف سے یقیناً زیادہ سودمند ہوں گی

''سیفی ——!'' اس نے ڈانٹنا چاہا تھا۔ مگر اس کے باوجود ہنسی اس کے لبوں پر آ چکی تھی۔ تبھ بھینچ گئی تھی۔

''میرب!'' اُس نے سنجیدگی سے پکارا تھا۔

''ہوں۔''

''اپنا خیال رکھنا۔''

''اور کیا؟''

''اور اس موقع کو کسی قدر راویل کرنے کی کوشش کرنا۔ موسم اچھا ہے۔ دل پر اثر پذیر بھی ہو سک تم اسے اجازت دو۔ سردار صاحب کی سنگت کچھ اتنی بری بھی نہیں ہو گی۔ اب اپنے احساس بیہ دل ملنے کے کئی مواقع میسر ہوں گے۔ بشرطیکہ تم چاہو۔''

''سیفی! تم اپنے دادی اماؤں جیسے مشورے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے؟''

''سچا خیر خواہ ہوں تمہارا۔''

''اگر ایسا ہے تو بے جی کا خیال رکھنا۔ وہ رو تو نہیں رہیں اب؟''

''اتنی فکر ہو رہی ہے تو آ کر چکر لگا جاؤ۔''

''ہاں......'' وہ ابھی کچھ بولنے جا رہی تھی جب اپنی پشت پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا نے تبھی باقی کی بات اندر ہی دبا لی تھی اور گویا ہوئی تھی۔

''سیفی! میں تم سے پھر بات کروں گی۔ او کے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا کسی سبب کے اس کے قریب نہیں آتا تھا۔ یقیناً اس گھڑی بھی وہ ضروری ہدایت دینا چاہتا تھا۔ میرب نے پلٹ کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''آر یو ریڈی ناؤ؟'' مکمل توجہ سے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ل

''ہوں۔'' اس نے میکانکی انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سرسری از میں تکتے ہوئے سر ہلایا تھا اور پھر اس پر سے اپنا دھیان ہٹا لیا تھا۔ میرب سیال نے ایک نظر دیوار پر ے قیمتی وال کلاک پر ڈالی تھی پھر بہت آہستگی سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''سنیں۔'' پہلا تخاطب تھا یہ۔ اس تعلق کے استوار ہونے سے اب تک پہلی بار اس نے حیدر لغاری ے کچھ کہا تھا۔ پہلی بار بذات خود اسے خود اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ وہ جو جانے کے لئے پلٹنے کو تھا، اس دھیمی آواز پر یکدم ہی پلٹ کر سوالیہ انداز میں اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ شاید پہلی ہی بار وہ دانستہ اس کی ت دیکھنے پر مائل ہوا تھا۔ پہلی ہی بار باضابطہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس گھڑی اپنی پوری توجہ سے ں کی سمت تکتا ہوا اسے یقیناً بڑا عجیب لگا تھا۔ اسے متوجہ کر کے وہ یقیناً کنفیوژ ہوئی تھی۔ پتہ نہیں واقعی اس ں میں اتنا رعب تھا یا پھر وہ ہی اسے اتنا سر پر سوار کر رہی تھی۔ اس کے یکدم نگاہ جھکا لینے اور خاموشی ادہ لینے پر وہ کسی قدر اکتاہٹ کا شکار ہوا تھا۔ شفاف آنکھوں میں کسی قدر ناگواری کی جھلک عود کر آئی ی۔ میرب سیال کو بھی اپنی کمزور کیفیت بے حد بری لگی تھی۔ تبھی وہ سر اٹھا کر کسی قدر اعتماد سے اس شخص سمت تکنے لگی تھی۔

''ابھی کچھ وقت ہے —— میں اپنی بے جی سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟'' پہلی خواست تھی۔ اس خاص تعلق کے حوالے سے پہلی گزارش تھی۔ اس کی پابند تو نہ تھی، تا حال کوئی قیود سری جانب سے بھی عائد نہ کی گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس خاموشی پر شاید مایوس ہو کر سر جھکا گئی ی۔ بے جی جس طرح آزردہ ہو رہی تھیں، اس کے پیش نظر اس نے ایسا ضروری جانا تھا۔ لیکن اب اپنی گزارش کے بے قدر ہو جانے کا شدید ترین احتمال ہوا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹنے والی تھی جب وہ گویا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے —— لیکن زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔'' پہلی اجازت تھی یہ۔ پہلی باضابطہ فتگو تھی ان دونوں کے مابین۔ پہلا حکم تھا شاید۔ جسے صادر کرنے کے بعد وہ پلٹا تھا اور وہاں سے چلا لیا تھا۔ میرب سیال نے چند ثانیوں تک جانے کیوں اس شخص کی چوڑی پشت کو تکا تھا۔ پھر ضروری امان لینے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ لوٹی تھی تو گاڑی سے ٹیک لگائے وہ اس کا منتظر تھا۔ مائی اماں ئی تاکیدیں تھیں، ضروری ہدایات تھیں۔ جنہیں سنتے ہوئے وہ مسلسل اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ ردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بھی ہمیشہ کی طرح خاصا سرد تھا۔ کسی قدر لاتعلق اور لیا دیا۔ مکمل توجہ جانے ں کی کن کاموں اور لوگوں کے لئے وقف تھی۔ اس لمبے چوڑے شخص کی سمت بلا ارادہ تکتی ہوئی وہ گاڑی بیٹھی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس کے اس فعل کا منتظر تھا۔ فوراً ہی مائی اماں سے مل کر وہ اپنی رف کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ آن بیٹھا تھا۔ ڈرائیور نے حکم پر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب یال نے دھیان کھڑکی کی سمت پھیرنے سے قبل براہ راست ڈرائیور کو بے جی کا ایڈریس بتانے کے اتھ ضروری ہدایت دے دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت اس لمحے ایک بے تاثر نگاہ ی تھی اور چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

ان کے پاس وقت واقعی زیادہ نہ تھا۔ وہ جانتی تھی، اس کے اس اقدام پر وہ شخص کچھ خاص خو ہوا تھا۔ شاید تبھی جب گاڑی بے جی کے گھر کے سامنے رکی تھی تو اس نے سردار سبکتگین حیدر لغا گاڑی سے اترنے کی اور اپنے ساتھ چلنے کی درخواست نہیں کی تھی۔

رشتہ اس کا تھا۔ تعلق اس کا تھا۔ وہ کچھ کہتی بھی کیونکر۔ اس تعلق، اس رشتے کی ابھی تک خو لئے ثانوی حیثیت تھی۔ پھر وہ کسی اور کو اس سلسلے میں انوالو کیوں کرتی۔ خاموشی سے اپنی طرف کھول کر وہ گاڑی سے باہر نکلی تھی اور ابھی پلٹی بھی نہیں تھی جب دوسری سمت کا دروازہ کھلنے کی آ اسے کسی قدر چونکا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس لمحے گاڑی نکل کر کھڑے ہوئے اس کے ہمراہ چلنے کا منتظر تھا۔ اس کی حیرت دوچند تھی۔

کوئی خوش آئند تبدیلی تھی یہ۔

یا پھر وقتی مصلحت کے تحت کوئی وقتی اقدام تھا۔

لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری کب سے مصلحتوں کا پابند ہونے لگا، وہ کیونکر دوسروں کی خاطر ا کی نفی کرنے لگا تھا۔ کیا کچھ مروت اس میں بھی باقی تھی؟ مصلحتاً، مروتاً افعال سرانجام دینا اسے بھی میرب سیال نے اس کی سمت ایک سرسری نگاہ کی تھی۔ پھر قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

"ماشاء اللہ، دولہا تو بڑا سوہنا ہے تیرا۔" بے جی اس سے ملنے کے بعد اس لمحے سردار سبکتا لغاری سے مل رہی تھیں۔ کس قدر بی بے بچوں کی طرح اس لمحے وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ مائی ا بہت انسیت تھی اسے۔ بزرگوں سے ادب و آداب سے ملنا یقیناً اسے آتا تھا۔ بے جی کی فطری ا وہ شاید دھیمے سے مسکرایا بھی تھا۔ میرب سیال کو بڑی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"خدا جوڑی سلامت رکھے ــــ دل کو بڑی راحت ملی ہے تم دونوں کو سامنے دیکھ کر۔ بڑ تھا جی۔" بے جی نے محبت سے اسے تکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس گھڑی جیسے مصلحتاً مسکرائی تھی۔

"سیال سے بڑا گلہ تھا مجھے ــــ مگر تیرا دولہا دیکھ کر ساری کلفتیں دھل گئیں۔ ساری عمر ت دیئے اس نے۔ اب مر بھی جاؤں گی تو میری قبر بڑی ٹھنڈی رہے گی۔"

"خدانخواستہ بے جی!" میرب سیال فوراً بولی تھی۔ "خدا آپ کو لمبی عمر دے۔"

"بیٹا! کیا کروں گی لمبی عمر لے کر؟ ــــ اس عمر میں تو اپنی خواہش کم، بچوں سے زیادہ د ہے۔ خدا تم لوگوں کو خوش رکھے۔ اس سے زیادہ کی خواہش ہے نہ حاجت۔" بے جی اسے اپنے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکنے لگی تھیں جو اس لمحے گھڑی کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"بے جی! ماموں، مامی اور سیفی وغیرہ نظر نہیں آرہے؟"

"سیفی تو کسی کام سے باہر گیا ہے ــــ البتہ باقی سب لوگ ایک تقریب میں گئے ہیں۔ ہو اپنی ننھیال اس تعلق کے بعد۔ سبکتگین بیٹا کیا سوچ رہا ہوگا، کوئی خاطر داری بھی نہیں کی۔"

"نہیں بے جی! ــــ ایسی بات نہیں۔ ایکچوئیلی ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں تھا۔ مجھے فکر ہو رہی تھی۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی نگاہ بدستور اس کی طرف تھی۔ وہ اس کے گھڑی کرنے سے ہی جان گئی تھی کہ وہ اس لمحے کیا چاہ رہا ہے۔

"بیٹا! مجھے اپنی اکلوتی نواسی بہت عزیز ہے۔ بہت خیال رکھنا ہے اس کا۔ یوں سمجھو اس گھڑی ہماری تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ جی جان سے عزیز رکھنا اسے۔ کبھی کوئی آزار مت آنے دینا۔" بے جی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سر پر ہولے سے ہاتھ دھرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جانے کیوں اس لمحے اس جانب متوجہ تھی۔ بے جی کی ہدایت پر وہ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ وہ دھیان پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین لغاری دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"جی ــــ آپ بے فکر رہیے۔"

"ایک درخواست اور کروں گی۔"

"جی، ضرور۔ مگر درخواست نہیں، حکم کیجئے۔" سعادت مندی بلا کی تھی۔ میرب سیال بری طرح چونکی ۔اس جانب نگاہ بھی کی تھی مگر وہ اس گھڑی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا، مکمل توجہ سے بے جی کی سمت رہا تھا۔

"بہت ترسی ہوں میں ہمیشہ میرب کے لئے۔ میری اکلوتی بیٹی کی نشانی ہے یہ۔ مگر حالات کچھ ایسے ہ کہ سیال نے اسے ہم سے زیادہ ملنے نہیں دیا۔ خیر ہمیں اس سے کوئی گلہ نہیں ــــ جو اس نے چاہا سو ۔مگر بیٹا! اب جب کہ میرب کی زندگی کے وارث تم ہو، میں تم سے امید رکھوں گی کہ تم اسے ہم سے نے آتے جاتے رہا کرو گے۔ بہت تڑپا ہے دل اپنی بچی کے لئے۔ اب اور کی ہمت نہیں۔ عمر کی نقدی ہونے کو آن پہنچی ہے۔ کب بلاوا آجائے، کسے خبر۔ بس تم سے امید کروں گی کہ تم اسے محبت سے رکھو، کا خیال کرو اور کبھی کبھار ہم سے ملوانے لاتے رہا کرو۔" بے جی کی درخواست پر اس نے دھیمے سے اتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ پھر دھیان پھیر کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا۔

"چلیں ــــ" وہ جانتی تھی وہ اس کا توقع سے زیادہ وقت لے چکی تھی اور وہ یقیناً توقع سے زیادہ ت کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ تبھی اس نے فوراً قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس گھڑی کے ہمراہ تھا۔ اس کے ہم قدم تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل اس نے اس کا بہت انوکھا روپ دیکھا تھا۔ جس علق یقیناً کم از کم وہ قیاس نہیں کر رہی تھی۔ تبھی شاید حیرت بھری نگاہ اس لمحے اس کی سمت اٹھی تھی۔ کے اپنی جانب دیکھنے پر وہ قدرے چونکا تھا۔

"کیا؟" مختصر استفسار ہوا تھا۔ میرب سیال نے فوراً سر نفی میں ہلایا تھا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر فوراً بیٹھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دوسرے ہی لمحے اس پر سے نگاہ ہٹائی تھی اور اپنی طرف کا زہ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ ڈرائیور نے حکم پر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال چہرے خ پھیر کر کھڑکی سے باہر تکنے لگی تھی۔

* * *

اس شام کے بعد سے اس نے ہر خیال کو سرسری لیا تھا۔ یکسر فراموش کر دیا تھا سب کچھ۔ اور کچھ

سوچنے لائق تھا بھی کیا ـــــ کوئی بات اس قدر معمول سے ہٹ کر بھی واقع نہ ہوئی تھی۔ شام میں جب وہ گرم گرم کافی کے سپ لیتی ٹیرس پر کھڑی اس سرد موسم کو انجوائے کر رہ
چوکیدار کے گیٹ وا کرنے اور اندر پورچ میں آ کر رکنے والی گاڑی نے اسے چونکا دیا تھا۔
تھا کہ وہ اس سے قبل بھی یہاں کا چکر شاید لگا چکا تھا۔ ورنہ چوکیدار کسی اجنبی یا نو وارد کے آ
اس طرح وا ہرگز نہیں کرتا تھا۔

وہ اسی جانب اسی طرح دیکھ رہی تھی جب عفنان علی خان نے گاڑی سے باہر نکل کر ہاتھ ا
وش کیا تھا۔ اخلاق کا تقاضا یہی تھا کہ جواباً وہ بھی ہاتھ ہلا دیتی اور وہ اس قدر ان مینرڈ قطعاً نہی
آئے مہمان سے بدسلوکی کی روداد بنتی۔ سو لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ سجا کر اس نے بہت آہستگ
ہلا دیا تھا۔ عفنان علی خان ہاتھ میں ایک پیکٹ لئے ٹیرس کی بیرونی سیڑھیاں چڑھتا ہوا آ رہا تھا
شاہ کو اب مہمان نوازی کے کچھ اور تقاضے بھی پورے کرنے تھے۔

سیڑھیاں چڑھ کر اس لمحے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ چند ہی ثانیوں
کے مقابل تھا۔

"یہاں سے گزر رہا تھا ـــــ سوچا دادا ابا سے ملتا چلوں۔" حال احوال کے بعد مدعا بیا
یقیناً وہ دادا ابا سے دوستی گانٹھ چکا تھا۔

وہ جواباً رسماً یا پھر شاید اخلاقاً مسکرائی تھی۔ دھیان اس کے ہاتھ میں تھمے پیکٹ کی سمت گیا

"یہ کیا ہے؟"

انابیہ شاہ کے دریافت کرنے پر وہ چونکا تھا۔

"دادا ابا کے لئے گفٹ ہے۔ اس روز میں انہیں کوئی گفٹ نہیں دے سکا تھا۔"

"موصوف کو تعلقات استوار کرنے کے سارے گر شاید ازبر تھے۔

"کیا ہے یہ؟"

"چیس بورڈ۔"

"چیس بورڈ؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ تو کیا وہ دادا ابا کی دلچسپیوں سے بھی واقف تھا؟ وہ اگ
متاثر نہ ہوتی تو یقیناً اس سامنے کھڑے بندے کی لیفٹ کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ شاید تبھی وہ م

"کھیلنے سے واقف ہیں؟" بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"حرج تو کوئی نہیں۔"

"کھیلنے میں یا ہارنے میں؟" وہ یقیناً محظوظ ہو رہی تھی۔

"دونوں میں۔ کھیلیں گے نہیں تو جیتیں گے کیسے؟ اور ہاریں گے نہیں تو سیکھیں گے کیسے؟
کے لئے کھیلنا تو بہت ضروری ہے نا۔" موصوف کی فلاسفی خاصی کمال کی تھی۔

"پھر تو لامعہ کے لئے زندگی خاصی دشوار اور مشکل ہو گی۔ چیس کھیلنے والے، دماغ سے چل
ہوتے ہیں۔" قیاس آرائی کی تھی۔ مگر مقابل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ہاں لبوں کی مسکراہ

ا۔
ادا ابا لاؤنج میں ہیں۔" اطلاع دی تھی۔
ہنمائی نہیں کریں گی؟"
امعہ کو انگلی تھام کر چلنے والے لوگ اچھے نہیں لگتے۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے مسکرا کر مطلع کیا تھا یا
رایا تھا لیکن عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
نہیں ہر گھڑی لامعہ نامہ الاپنے کی عادت کیوں ہے؟" وہ یکدم پٹری سے اترا تھا۔ وہ چلتے چلتے
ا تھی۔ عفنان علی خان بغور تکتا رہا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔ تبھی عفنان علی
ہی سے اسے دیکھتا ہوا گویا ہوا تھا۔
ادا ابا خاصے اچھے دوست ہیں ـــــ آپ نے ٹھیک کہا تھا۔"
ہ چیس پلیئر بھی بہت عمدہ ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔
رار ہی ہیں آپ مجھے؟" وہ بغور اس کی سمت تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔
ہیں ـــــ مطلع کر رہی ہوں۔ وہ سامنے دادا ابا موجود ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" اسے لاؤنج میں
وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ عفنان علی خان مسکرایا تھا، پھر آگے بڑھ گیا تھا۔
ثق مانگے امتحاں کیا کیا۔'
یہ کافی لے کر آئی تھی جب خاصا ٹف میچ جاری تھا۔ عفنان علی خان اور دادا ابا مکمل توجہ سے شطرنج
ں کو گھور رہے تھے۔ وہ مسکرا دی تھی۔
ادا ابا! اگر لامعہ کو کبھی لگا کہ اس کا منگیتر بہت ذہین و فطین ہے تو اس کا سہرا یقیناً آپ کے سر ہو گا۔"
، مگ ان کے سامنے رکھتی ہوئی وہ یقیناً ان کی کیفیت سے محظوظ ہوئی تھی۔ عفنان علی خان نے فقط
ا کی تھی۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ وہیں کھڑی تھی جب ماما نے اسے آواز دی تھی۔
یٹا! تمہارا فون ہے۔"
آ رہی ہوں ماما!" ماما کو آواز دے کر وہ عفنان علی خان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔
طرنج واقعی خاصا مشکل کھیل ہے۔ ہے نا؟" اپنی مستند رائے دے کر وہ بنا اس کا جواب سنے پلٹ
۔ عفنان علی خان اسے فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔
یہ شاہ کو اس شخص کی کیفیت یقیناً محظوظ کر رہی تھی۔ دادا ابا پچھلے پچاس برسوں سے چیس کھیل رہے
یں ہرانا یقیناً آسان نہ تھا۔ وہ بھی عفنان علی خان جیسے قطعی نابلد شخص کے لئے، جسے چیس کی ابجد
م نہ تھی۔
سکراتی ہوئی فون اسٹینڈ کی طرف آئی تھی۔ دوسری طرف اوزی کی آواز سن کر وہ بری طرح چونک
ـ

اُوہ! ـــــ اوزی! تم؟ ـــــ ماما نے مجھے بتایا تک نہیں۔ کتنے بے ایمان شخص ہو تم۔ یقیناً تمہی
ا بتانے سے باز رکھا ہو گا۔"

دوسری طرف اوزی ہنس دیا تھا۔

''بتا دیتا تو تمہارے ایکسائٹمنٹ کیسے دیکھتا؟''

''بہت مزہ آتا ہے تمہیں مجھے پریشان کر کے۔''

''یقیناً ـــــ لیکن تمہیں خوش دیکھ کر مجھے زیادہ لطف آتا ہے۔'' اوزی دوسری طرف مسکر

''مانچسٹر کا موسم کیسا ہے؟ ـــــ زیادہ ٹھنڈ تو نہیں؟ ـــــ اور تم اپنا خیال رکھ رہے ہو

''ایوری تھنگ از فائن اینڈ اِن کنٹرول۔ تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟ ـــــ کچھ کہیں اس بار بھی فیل تو نہیں ہو گئیں؟''

''اوزی! میں فیل نہیں ہوئی تھی، فقط میرے مارکس کم آئے تھے۔ میں تمہاری طرح ہوں۔'' اس نے اپنا دفاع کیا تھا۔ دوسری طرف اوزی ہنستا چلا گیا تھا۔

''اچھا سنو! ـــــ تمہارے لئے کیا لاؤں؟''

''تم آرہے ہو؟'' وہ حیرت سے چیخی تھی۔ دادا ابا اور عفنان علی خان نے بیک وقت اس تھا مگر وہ اس گھڑی بے حد مگن تھی۔ کسی بھی رسمی انداز کے بغیر۔ اس کے چہرے پر اس لمے احساسات تھے۔ وہ اس گھڑی جس سے بھی مخاطب تھی، بہت دل سے مخاطب تھی۔

''اوہ گاڈ ـــــ اوزی! تم آرہے ہو؟''

''تمہارا کیا خیال ہے ـــــ میں سدا جوگ لے کر یہیں پڑا رہوں گا؟''

''ارادہ تو خیر تمہارا کچھ ایسا ہی تھا ـــــ اب اگر آرہے ہو تو جی کڑا کر کے آنا۔''

''میرا حوصلہ بندھانے کے لئے تم ہو نا۔''

''تمہیں ہر مرض کی دوا میں کیوں نظر آتی ہوں؟''

''کیونکہ تم مجھ سے زیادہ جینئس ہو۔''

''کیا لاؤ گے میرے لئے؟''

''کیا لاؤں؟''

''تم خود آجاؤ۔''

''اتنی رعایت ـــــ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔'' اوزی کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ وہ ہنس دی تھ

''کب آرہے ہو؟''

''یہ نہیں بتاؤں گا۔''

''ہر بار کی طرح اس بار بھی سرپرائز دو گے ـــــ پچھلی بار بھی ساری رات بیٹھی ج جب تم آئے تھے تو پانی کی پوری بالٹی میرے اوپر انڈیل کر اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ بہت پچھلے برس کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا منہ کسی قدر کڑوا ہو گیا تھا۔ لیکن دوسری طرف اوزی ہ

''چلو، پرامس کرتا ہوں۔ اس بار پانی کی پوری بالٹی نہیں انڈیلوں گا۔''

''یعنی تم پھر کسی دھماکے دار سرپرائز کے ساتھ وارد ہو گے ـــــ ماما کو آگاہ کر دیتی ہ

تمہیں میں۔ قطعاً نہیں جاگوں گی اب۔ مزید بے وقوف نہیں بننا ہے مجھے۔''

''مزید کیا مطلب؟'' اوزی کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''اٹس ٹو مچ اوزی! ـــــ فون پر ہو اس لئے لحاظ کر رہی ہوں۔ ورنہ......''

''ورنہ کیا؟ ـــــ دیکھو پچھلی بار کی طرح اس بار بلے کا استعمال مت کرنا۔ کہنے کو تم ایک دھان پان نازک لڑکی ہو۔ مگر شارٹ لگانے میں تمہارا انداز بالکل انضمام والا ہے۔'' اوزی نے دہائی دی تھی۔

شاہ ہنس دی تھی۔

''تبھی تو کہہ رہی ہوں، شرافت سے وقت بتا کر آؤ۔ اچھا سا استقبال کروں گی۔''

''اس ویک میں کسی بھی دن ـــــ اس سے زیادہ نہیں بتاؤں گی۔''

''اوکے ـــــ لیکن اسی ڈیوریشن میں آجانا۔ میں ماما کو مطلع کر رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے ـــــ تم اپنا خیال رکھنا۔ دادا ابا کو میرا اسلام دینا۔''

''اوکے۔'' وہ فون رکھ کر سرشاری سی مڑی تھی۔

''ماما! اوزی آرہا ہے۔ دادا ابا! اوزی آرہا ہے۔''

''اچھا ـــــ کب؟'' دادا ابا جہاں متوجہ ہوئے تھے وہیں عفنان علی خان نے بھی بغور اس کی جانب ا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ جو بھی تھا، اس کے آنے کی خوشی اس کے چہرے پر رقم ا۔ انابیہ شاہ کی نظر اس پر پڑی تھی۔ تبھی وہ لمحہ بھر کو ساکت ہوئی تھی۔ یقیناً اس ایک لمحے میں وہ یکسر ا گئی تھی کہ اس لمحے اس گھر میں ایک قدرے اجنبی شخص بھی براجمان ہے۔ شاید تبھی اس نے اپنی ائٹمنٹ پر کسی درجہ قابو پایا تھا اور دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''اسی ویک ـــــ اسی ویک میں۔ حسب معمول سرپرائز دے کر آنے والا ہے وہ۔'' دادا ابا کو مطلع کے اس نے چیس بورڈ پر نگاہ کی تھی۔ جہاں بازی اختتام پذیر ہو چکی تھی۔

''ہو از دی ونر؟'' سوالیہ نظروں سے دادا ابا کی طرف دیکھا تھا۔ جتنی گیم اُلجھی ہوئی تھی اس کے ق اتنی جلد نتیجہ متوقع نہیں تھا۔ یہ بات اس کے لئے یقیناً حیرت کا باعث بنی تھی۔

''عفنان علی خان۔'' دادا ابا مسکرائے تھے۔

''عفنان علی خان؟'' زیر لب مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔ عفنان علی خان خاموشی کے ساتھ بیٹھا بغور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے حیرت سے اس پر نگاہ کی تھی۔ اس ا کی آنکھوں میں اس لمحے ایک خاص چمک تھی۔ لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔

''ہی از اے ریئلی جینئس پرسن۔ یقیناً عفنان علی خان شطرنج کا ایک ماہر کھلاڑی ہے۔'' دادا ابا کے س اس کے تفاخر میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ انابیہ شاہ کی حیرت برحق تھی۔ وہ واقعی ایسا ایکسپکٹ کر رہی تھی۔ دادا ابا نماز پڑھنے کے لئے جانے سے قبل اُسے سراہنا نہیں بھولے تھے۔

''میں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں ـــــ آتے جاتے رہا کرو۔ یقیناً خوب جمے گی ہماری تمہاری۔''

انابیہ شاہ ایک ٹک اس کی سمت تکتی [illegible] تھی۔

دادا ابا کے جانے کے بعد عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

''خواب و خیال کی کیفیت سے باہر آ جاؤ۔ یہ خواب سی آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں وہ یقیناً
ہے۔'' مدھم لہجے میں ایک خاص تفاخر تھا۔ آنکھوں میں واضح چمک تھی۔ لبوں کی دھیمی مسکراہٹ
کہ وہ اس گھڑی اپنی جیت پر کس درجہ سرشار تھا۔ اس کی سمت بغور تکتا ہوا بہت ہولے سے گویا

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہ مکمل طور پر مسرور تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل دھواں دھار بولنے والی لڑکی کی زبان اس قدر گنگ

''تمہارے وصف تو نرالے ہیں ـــــ ان آنکھوں کی ایک جنبش سے ہی فقط دنیا زیر
ہے۔ تمہیں افعال و اعمال سے کیا غرض؟ تمہاری کرشمہ سازیاں تو اس سے بھی سوا ہیں۔
بھیدوں سے واقفیت ہے تمہاری۔ ایک عام سے بندے کی سوچ کی تو رسائی بھی تم تک ممکن
انوکھے جہانوں میں بستی ہو تم؟ ـــــ کتنے انوکھے ٹھکانے ہیں تمہارے۔'' عفنان علی خان کی
شاید بھٹک رہی تھی۔ وہ اس گھڑی پھر شاید پٹڑی سے اُتر رہا تھا بلکہ شاید اتر چکا تھا۔ انابیہ شاہ
اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

''کھانا کھا کر جانے کا ارادہ ہے؟''

وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے بغور دیکھتے ہوئے سر نفی ہلا دیا تھا۔

''نہیں ـــــ پھر کبھی سہی۔ آج تو فقط جیت سے سرشار ہوں۔'' وہ اسی طرح کھڑا تھا ج
آئی تھیں۔

''تم کھڑے کیوں ہو بیٹا! بیٹھو نا ـــــ کھانا کھا کر جانا۔''

''نہیں آنٹی! پھر کبھی سہی۔'' وہ بولا تھا۔ پھر ایک نگاہ اس کی طرف کی تھی، دھیمے سے مسکر
پلٹ کر قدم بڑھا دیئے تھے۔

* * *

''بھابی! کتنی عجیب بات ہے ـــــ آپ نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی شادی کر
اسے ہنی مون کے لئے بھی بھجوا دیا اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ وہ تو اس روز عفنان نے اسے
تو تب حقیقت کھلی ورنہ شاید آپ تو اپنی بیٹی سے یہ بھی مخفی رکھتیں۔'' فاطمہ خان نے مائی امار
تھا۔ وہ بڑی رسانیت سے مسکرا دی تھیں۔

''بھلا ایسی باتیں بھی کبھی مخفی رہ سکتی ہیں فاطمہ؟ ـــــ بتایا تو تھا تمہیں سیال صاحب
متعلق۔ انہی کی اکلوتی بیٹی ہے میرب۔ وہ علاج کی غرض سے باہر جا رہے تھے سو یہاں چھوڑ

''اور وہ جو عفنان کو خود سبکتگین نے مطلع کیا؟'' فاطمہ خان نے استفسار کیا تھا۔

''یہی تو بتا رہی ہوں ـــــ سیال صاحب کو علاج کی غرض سے بیرون ملک جانا تھا۔
بات تو اس سے قبل ہی چلی تھی مگر انداز سرسری تھا۔ سیال صاحب جب جا رہے تھے تو ان کا

فا۔ مگر مجھے میرب اس قدر پسند آئی تھی کہ میں اسے ہرگز کھونا نہیں چاہتی تھی۔ سو میں نے ان کے
نے نکاح کی تجویز رکھی تو انہوں نے بھی انکار نہیں کیا۔ اس طرح میرب سبکتگین کی منکوحہ ہوگئی۔ ابھی با
کچھ کیا کہاں ہے۔ پھر کاہے کا ڈھنڈورا پیٹنا۔ سیال صاحب صحیح سلامت لوٹیں گے تو پھر باضابطہ اس
کا اعلان کریں گے۔ فی الحال تو وہ دونوں سیال صاحب کی عیادت کو ہی گئے ہیں۔ میرب بہت آزردہ
ی تھی۔ سبکتگین حیدر بھی بزنس ٹور پر جا رہا تھا۔ میں نے میرب کو بھی ساتھ کر دیا۔''

''سبکتگین حیدر نے عندیہ دے دیا تھا نکاح کے لئے؟'' فاطمہ پھوپھی تھیں۔ بھتیجے کے مزاج سے اچھی
ح واقف تھیں۔ تبھی کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''فاطمہ! گھوڑا چاہے لاکھ سرکش ہو، اپنے سائیس سے سرکشی نہیں کر سکتا۔ چاہے لاکھ ہاتھ پیر مارے مگر
ں جانتا ہے کہ اسے کس طرح قابو کیا جا سکتا ہے۔''

''سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پسند تو ہے نا لڑکی؟'' فاطمہ خان کو تشویش ہوئی تھی۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''میرب میں ناپسند کرنے والی کوئی بات نہیں۔ سب سے بڑھ کر مجھے اس لڑکی میں بہت خاص شے
ائی ہے فاطمہ! بہت سی لڑکیوں کو دیکھا ہے میں نے۔ مگر میرب کو دیکھ کر جانے کیوں مجھے لگا کہ یہی وہ
ہے جو میرے سبکتگین حید لغاری کو سمجھ سکتی ہے۔ سب کچھ اپنے رنگ میں رنگ سکتی ہے۔ مجھے یقین
وہ ایک دن ایسا سب کر گزرے گی۔'' مائی اماں کا لہجہ پُریقین تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے بھابی! مگر سبکتگین حیدر......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔ مائی اماں نے انہیں
اتے ہوئے دیکھا تھا۔

''تمہارے خدشے بے جا نہیں ہیں فاطمہ! کسی قدر فکر مند میں بھی تھیں۔ مگر اب مجھے لگنے لگا ہے کہ
یقیناً ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکی بڑی کرشمہ ساز ہے۔ وہ حالات کو اپنے بس میں کر سکتی ہے۔ پہلے پہل
بھی لگا تھا میں نے کسی معصوم لڑکی کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ لیکن اب مجھے ایسا کوئی پچھتاوا نہیں۔
! مجھے لگتا ہے یہ وہی لڑکی ہے جس کی ضرورت سبکتگین حیدر جیسے شخص کو تھی۔ یہی وہ لڑکی ہے جو
مل کر سکتی ہے۔''

فاطمہ خان نے سر ہلایا تھا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔''

تبھی مائی اماں نے ان کی سمت تکتے ہوئے کہا تھا۔

''تم سناؤ ـــــ بیٹے کی شادی کب کر رہی ہو؟''

''ابھی کہاں بھابی! ـــــ آپ تو جانتی ہیں آج کل کے بچوں کے مزاج کو۔ عفنان بھی کہاں حق
تھا اتنی جلدی شادی کے۔ وہ تو بہنوں کے اور میرے کہنے پر منگنی کی زنجیر پیروں میں پہن لی۔''

''تو زبردستی کیوں کر رہی ہو بچے پر؟ ـــــ عفنان علی خان تو ماشاء اللہ خاصا سلجھا ہوا بچہ ہے۔ اس

معاملے میں تم تو ایک خوش نصیب ماں واقع ہوئی ہو۔ کر دو جہاں کہتا ہے۔ میرے سبکتگین حیدر کا سے معاملہ ہی مختلف تھا۔ ورنہ کیا عجب کہ جس لڑکی کے لئے کہتا میں اسے بہو بنا کر گھر نہ لے آ سرد آہ کے ساتھ مائی اماں گویا تھیں۔ فاطمہ نے بھائی کے ہاتھ پر بہت ہولے سے ہاتھ دھر دیا تسلی دینے والا تھا۔

"ماشاءاللہ ـــــ بہت سمجھ دار اور سعادت مند تو اپنا سبکتگین حیدر بھی ہے۔ بس آزاد م کچھ بگاڑ اس کی شخصیت میں بھی آ گیا ہے۔ خیر چھوٹی موٹی خامیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں سے پاک تو صرف خدا کی ذات ہے۔ اور پھر یہ چھوٹی موٹی خامیاں تو دور کی جا سکتی ہیں۔ ان کے برعکس سبکتگین حیدر میں بہت سی عمدہ صفات بھی موجود ہیں جو شاید کسی دوسرے شخص میں نا عفنان علی خان، سبکتگین حیدر کے کچھ برعکس واقع ہوا ہے۔ آپ پسند کی شادی کی بات کر رہی ہ تو پوچھ پوچھ کر ہار گئیں مگر اس نے مجال ہے جو ایک بھی لڑکی کا نام لیا ہو۔ سرے سے اس کی کوئی موجود ہی نہیں تھی۔"

"تبھی تو بہنوں اور ماں کی مشترکہ پسند پر چپکے سے سر جھکا دیا۔" فاطمہ خان مسکرا رہی تھیں۔

"خیر لامعہ بچی ہے تو اچھی۔ منگنی کی تقریب میں خوب جچ رہی تھی عفنان کے ساتھ۔" مائ سراہا تھا۔

"بس بھابی! خدا سے یہی دعا ہے کہ وہ جوڑی سلامت رکھے۔ اس تعلق کو سدا بنائے رکھے۔

"آمین۔" مائی اماں نے بھی اس دعا کی قبولیت کے لئے لب کھولے تھے۔

***

"اگینے! آپ نے کبھی معجزے ہوتے دیکھے ہیں؟" اذہان حسن بخاری نے گرم کافی کا ہوئے کھلے آسمان کی وسعتوں کو دیکھا تھا۔

اگینے نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"شاید۔" بولی تو آواز بہت دھیمی تھی۔ اذہان حسن بخاری کافی کا بھاپ اڑاتا کپ ہاتھ م کی سمت پُر خیال نظروں سے تکنے لگا تھا۔

"شاید کبھی کہیں کسی زمین پر ہوتے ہوں، ہوئے ہوں۔ مگر میں نے کبھی اپنی آنکھوں ے سازیاں نہیں دیکھیں۔" اگینے مدھم لہجے میں کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی مسکرا اگینے مزید گویا ہوئی تھی۔

"شاید معجزے چاند پر ہوتے ہیں ـــــ گماں، میں حسین تر، دلفریب ترین۔ دیکھو، خو سوچیں تو دلکش ترین ہوتی ہیں۔ مگر..... مگر رسائی سے بہت پرے، دسترس سے کہیں باہر ہو کہوں، میں نے تو آج تک کوئی تارا ابھی ٹوٹتے نہیں دیکھا۔ جن کے ٹوٹنے پر کوئی دعا بروقت جا سکے کہ اس ایک قیمتی لمحے میں مانگی جانے والی وہ دعا پوری ہو جائے۔"

اذہان حسن بخاری نے شاید اس کی بات کے ہی ضمن میں اس لمحے بے دھیانی میں سر

آسمان کو بغور دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے مسکرا دیا تھا۔

"سچ کہوں ـــــ آج تک میں نے بھی کوئی تارا ٹوٹتے نہیں دیکھا۔ اس ضمن میں یقیناً ہمیں ناسا الوں کی خدمات لینی چاہئیں۔ آخر یہ بھید کھلے، ایسا ہے بھی یا کہ نہیں۔ سچ میں کوئی ایسا تارا ہے کہ جس کے ٹوٹنے پر کوئی خواہش پوری ہونے کی یقین دہانی ہو سکے؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

اگینے ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے بغور تکنے لگا تھا۔ اگینے نے کافی کا سپ لیا تھا، اس پر نگاہ کی تھی اور لب بھینچ کر مسکرائی تھی۔

"زندگی کی الگ کہانی ہے۔ زندگی چاند تاروں میں نہیں بستی، زندگی میں بستی ہے۔ بہلاوے بہت خوب صورت سہی، مگر دل کو، دماغ کو باور کرانا بہت مشکل ہے۔ حقیقت کا ادراک بہت برا ہوتا ہے۔ آگاہی بہت بری ہوتی ہے۔ آنکھیں بند کر کے چلنا آسان ہے۔ اندھیرے میں کسی بات کا احساس نہیں ہوتا۔ سب رنگ ایک جیسے لگتے ہیں۔ مگر..... مگر آگاہی ان سب باتوں کی مکمل نفی کرتی ہے۔"

"آپ کو ایسا لگتا ہے؟" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا تھا۔ اگینے نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"تم سے بڑی ہوں۔ جھوٹ تو قطعاً نہیں بول سکتی۔"

"کس نے بتایا آپ کو؟ ـــــ ناسا والوں نے یا خود آپ نے؟" جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ شگفتگی سے مسکرایا تھا۔

"اوہ کم آن ـــــ" وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری خاموشی سے اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ اگینے نے کافی کا سپ لیا تھا پھر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

"ہماری عمر کے ہو لو۔ پھر پوچھیں گے۔ ابھی بہت چھوٹے ہو تم۔ اور تجربہ وقت کے ساتھ آتا ہے۔ اس کا کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔"

اذہان حسن بخاری نے کافی کا سپ لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"شاید آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔" وہ ایک لمحے میں ہم خیال ہوا تھا۔ اگینے خاموشی سے سر جھکا کر کافی کے سپ لینے لگی تھی۔ تبھی اذہان حسن بخاری کے پرسنل ڈیجیٹ سیل پر رِنگ ٹون بجی تھی۔

"ایکسکیوز می۔" اس نے ایک لمحے میں معذرت کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا تھا۔

"جی چاچو! کیسے ہیں آپ؟" دوسری طرف فیض چاچو تھے۔

"پرفیکٹلی آل رائٹ۔ تم کیسے ہو؟ ـــــ باقی سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں چاچو! کب آ رہے ہیں آپ واپس؟" اس نے دریافت کیا تھا۔

"صبح بھابی سے بات ہوئی تھی تو وہ بھی کان کھینچ رہی تھیں۔ سیمینار تو کب کا نمٹ چکا۔ انہیں بھی تشویش ہو رہی تھی کہ کہیں میں نے یہیں یو ایس اے میں قیام کا ارادہ تو نہیں کر لیا۔ انہوں نے تو یہاں تک پوچھ لیا کہ کہیں میں اپنے ساتھ کوئی گوری وَوری تو نہیں لا رہا۔" فیض چاچو بہت فرینڈلی تھے۔ اس لمحے بھی وہ ہنس رہے تھے اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''پھر کیا کہا آپ نے؟''

''مجھے تو بہت سی گوریاں پسند آ گئی ہیں۔ مگر معاملہ یہ ہے کہ میں بھی ان کو پسند آ جاؤں۔'' وہ کھا ہنس رہے تھے۔

''چاچو! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ آپ کسی جارج کلونی سے کم ہیں کیا؟'' اس کا موازنہ بہہ تھا۔ تبھی فیض چاچو کھلکھلا کر ہنس دیئے تھے۔

''آف کورس۔ اگلے بیس برسوں تک میں بھی ٹاپ موسٹ ایلجبل بیچلر گائز میں شمار رہوں گا۔'' اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ تبھی انہوں نے قدرے سنجیدہ ہو کر دریافت کیا تھا۔

''بھابی سے میں نے کچھ دریافت نہیں کیا۔ مگر مجھے بڑی فکر ہو رہی تھی۔ سعد بھائی کی طرف ے کچھ ٹھیک ہے نا؟'' وہ اصل مدعا پر آئے تھے۔ اذہان حسن بخاری لب بھینچ گیا تھا۔ چند ثانیوں تک رہا تھا پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''سب ٹھیک ہے چاچو!'' لہجہ مدھم تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو؟'' فیض بخاری کا انداز کسی قدر فکر مندانہ تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ بولے تھے۔

''میں یہاں آنا نہیں چاہ رہا تھا۔ ان دنوں جو اس گھر کی حالت تھی، یقیناً اس میں سب کچھ چھوڑ بہت آکورڈ لگ رہا تھا۔ مگر فارحہ بھابی نے امپوز کیا تو مجھے آنا پڑا۔ بات تو کچھ دنوں کی تھی مگر میر دھیان اسی طرف لگا رہا۔ فیملی کرائسس میں ہو تو پھر شاید چھوٹی چھوٹی باتوں اور واہموں میں دل کو سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ اور میری فیملی تو درحقیقت مشکل میں ہے۔'' فیض بخاری بہت پریشان لگ تھے۔

''نہیں چاچو! یہاں سب ٹھیک ہے۔ آپ کب آ رہے ہیں؟''

''بہت جلد جان! تم اپنا اور بھابی کا خیال رکھنا۔'' بہت محبت سے وہ گویا تھے۔

''جی چاچو!'' سلسلہ منقطع کر کے اس نے اگینے کی سمت دیکھا تھا جو اس لمحے اسی کی سمت بغور د تھی۔ وہ جانے کیوں نظر پھیر گیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب کا فون تھا؟'' فیض بخاری کے متعلق دریافت کیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہوں۔''

''موصوف مشہور و معروف ہارٹ اسپیشلسٹ بن چکے ہیں۔'' متاثر کن انداز میں شانے اچکا کر کیا تھا۔ اذہان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہوں۔''

''ابھی تک شادی نہیں کی؟'' اسے شاید حیرانی ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''کہیں جوگ ووگ تو نہیں لے لیا؟'' مسکراتا ہوا انداز یقیناً تفتیشی ہی تھا۔ اذہان حسن بخار لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔

''میری عمر 35 برس ہو چلی ہے اور موصوف مجھ سے تو چند برس بڑے ہی ہیں۔ جب میں پرائمری میں ی تو انہوں نے ٹینتھ اسٹینڈرڈ پوزیشن کے ساتھ پاس آؤٹ کیا تھا۔'' وہ فون پر اس کی گفتگو یک طرفہ طور ہی سہی، سن چکی تھی۔ اتنی سمجھ دار تھی کہ لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ سکتی تھی۔ وہ اس کا موڈ بھی بھانپ ئی تھی شاید۔ تبھی ماحول کی اور اس کے اندر کی کثافت شاید معدوم کرنے کو اس گھڑی بے معنی گفتگو بھی اسے انہماک سے کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''فیض چاچو تو خاصے ہینڈسم تھے ان دنوں۔ بہت سی لڑکیاں فدا تھیں ان پر۔ آپ نے کبھی انہیں اس اویے سے نہیں دیکھا؟'' دوستانہ انداز میں دریافت کیا تھا۔ اگینے کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن ناری بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''بہت نک چڑھا اور خبطی تھا وہ ان دنوں ـــــ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا تھا۔ مجھے اسے چھیڑ کر بڑا لف آتا تھا۔ بہت بنتا تھا وہ کہ ذہین ہوں، پوزیشن ہولڈر ہوں، ڈاکٹری پڑھ رہا ہوں، کچھ کچھ ہینڈسم بھی وں۔ موصوف کی گردن ہمیشہ یوں تنی رہتی تھی۔ لیکن میرے سامنے اس کی ساری کلف اتر جاتی تھی۔ قباچہ کہہ کر چھیڑتی تھی اسے۔'' وہ مسکراتی ہوئی گزشتہ وقت کے پردے چاک کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''اگینے! میرے چاچو اچھے خاصے معقول شخص ہیں۔'' دفاع کیا تھا۔

''ہاں، تو میں کب انکاری ہوں؟ ـــــ میں بھی سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔'' اگینے لی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ اگر اگینے کا مقصد اس کی ٹینشن ریلیف کرنے کا تھا تو وہ یقیناً اس ضمن میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اس لمحے اذہان حسن بخاری کے چہرے پر بڑی شفاف مسکراہٹ تھی۔ اسے مطمئن یکھ کر اگینے کو خوشی ہوئی تھی۔

* * *

میرب سیال نے اپنے وہاں پہنچنے کی پیشگی اطلاع نہیں دی تھی۔ تبھی زوباریہ اسے دیکھ کر قدرے یران ہوئی تھی۔

''اچھا کیا آ گئی ہو تم۔ لیکن تمہیں اطلاع تو دینی چاہئے تھی۔'' زوباریہ کا انداز ہمیشہ کی طرح کسی قدر رد تھا۔ میرب سیال انہیں فقط دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ کی تھی اس پر پھر زوباریہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میں ایک بزنس اسائنمنٹ کے لئے آ رہا تھا۔ مائی اماں کا خیال تھا اس وقت انہیں بھی سیال صاحب کے پاس ہونا چاہئے۔ مجھے مائی اماں کے خیال سے اختلاف نہیں ہوا۔'' مضبوط لہجے میں کہتا ہوا شاید وہ سے ڈیفنڈ کر رہا تھا۔ میرب سیال نے کسی قدر چونک کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ مگر اس لمحے وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ سر جھکا کر آگے بڑھ گئی تھی۔

پاپا اس سے مل کر خوش تھے۔ کتنے لمحوں تک اسے اپنے ساتھ لگائے بیٹھے رہے تھے۔ اور ان کا لمس اس نے بھی تو کتنے دنوں بعد محسوس کیا تھا۔ کس قدر سکون مل رہا تھا۔ آنکھوں سے بہت خاموشی کے ساتھ گرم

گرم پانی بہہ رہا تھا۔

”بچے! ٹھیک ہے سب کچھ۔ تم کیوں رو رہی ہو؟“ پاپا نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھ ہوئے دھیمے سے مسکرا کر کہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی مظہر سیال گویا ہوئے تھے۔

”ایوری تھنگ از فائن بیٹا! ـــــ دیکھو میری طرف، لگ رہا ہوں نا تندرست؟ اچھا یہ بتاؤ خوش تو ہو نا؟ ـــــ سبکتگین خیال تو رکھ رہا ہے نا تمہارا؟ حمیدہ بیگم سے کہہ دیا تھا میں نے، اپنا سونپ کر جا رہا ہوں۔ تندرست ہو کر لوٹوں گا تو بڑی دھوم دھام سے خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو گا۔ تب تک وہ میرے بچے کا خیال رکھیں۔“ وہ شاید اس کا دھیان بٹانا چاہ رہے تھے۔ مگر وہ بہت سی سر اٹھا کر ان کی طرف تکنے لگی تھی۔

”پاپا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

”کیوں؟“ اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے وہ مسکرائے تھے۔ ”بیٹا! ٹھیک تو ہے سب۔ کے باور کرانے پر بھی اس کے اندر کی کیفیت نہیں بدلی تھی۔ تبھی اس کے ہاتھ تھام کر مظہر سیا ہوئے تھے۔

”ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے جب بچپن میں تم میرے لئے دعا کیا کرتی تھیں تو میں ہر سے نکل آیا کرتا تھا۔ مجھے یقین ہے اگر آج بھی میری بیٹی میرے حق میں دعا کرے گی تو وہ رائیگا جائے گی۔“ پاپا کے حوصلہ بندھانے کے باوجود اس کی آنکھوں سے نمی ختم نہیں ہوئی تھی۔

”ابھی تو بہت جینا ہے مجھے۔ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں ڈولی میں بٹھا کر رخصت کرنا ہے۔ فانی ک کو گھر لانا ہے۔ نواسے نواسیوں، پوتے پوتیوں کو گود میں کھلانا ہے۔ ابھی اتنی جلد ہرگز نہیں جانا ہے تم ہر طرح کی فکر دل و دماغ سے نکال دو۔“ پاپا نے اس کی پیشانی پر بہت آہستگی سے اپنے پیار کی م کی تھی۔ اس کے آنسوؤں کی شدت اور بھی بڑھ گئی تھی۔

یکدم آہٹ ہوئی تھی۔ شاید کوئی اس کے قریب تھا۔ خوشبو نتھنوں میں گھسی تھی۔ تاثر بڑا جانا پہچانا

”ہمت سے کام لیں۔ اس طرح آپ سیال صاحب کا حوصلہ نہیں بڑھا سکتیں۔“ کوئی اس کے کھڑا مخاطب تھا۔ اس کے حواس لمحہ بھر میں بیدار ہوئے تھے۔ یقیناً یہ آواز، یہ لہجہ سردار سبکتگین حیدر لغ ہی تھا۔ وہ بہت آہستگی سے پاپا سے الگ ہوئی تھی۔

”ٹھہرے کہاں ہو تم لوگ؟“ پاپا نے دریافت کیا تھا۔

”ہوٹل میں۔“ میرب نے بہت آہستگی سے جواب دیا تھا۔ تبھی زوباریہ بولی تھی۔

”تم ہمارے ساتھ بروک لین میں کیوں آ کر نہیں رہتے؟ یہ زیادہ بہتر رہے گا۔“

زوباریہ کی پیشکش یا پھر مشورے پر اس نے بلا ارادہ سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سم کی تھی۔ وہ بہت بے تاثر سا چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ یعنی فیصلہ اس کے ہاتھ ٹھہرا تھا۔ تمام حق د رکھتی تھی۔ تمام مرضی اس کی تھی۔ ایک لمحے میں اسے فیصلہ کرنا تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔

”نہیں ـــــ ہم زیادہ دنوں کے لئے نہیں آئے۔ دو ایک دن میں شاید ان کا کام نمٹ جائے اور ں واپس لوٹنا پڑے۔ آپ کو خوامخواہ زحمت ہو گی۔“ اس نے زوباریہ سے کہتے ہوئے ایک نگاہ سردار گین حیدر لغاری کی سمت کی تھی۔ لیکن وہ شخص ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا۔ اس کا دھیان قطعاً اس کی سمت ا اور ایسا کوئی فیصلہ کر کے اسے اس کی حمایت یا ستائش تو قطعاً حاصل نہ کرنی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر ی سے اس کے تعلقات اگر بہت سرد مہری لئے ہوئے تھے تو زوباریہ سے بھی کوئی خاص انسیت نہ تھی۔ پہلے ہی بہت ٹنس تھی۔ مزید کوئی اسٹریس لینا نہیں چاہتی تھی۔ اور زوباریہ کے ساتھ رہنے کا مطلب تھا لئے لمحہ نئی ٹینشن کری ایٹ کرنا۔

پاپا سے ملنے کے بعد وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ دونوں خاموشی سے چلتے ے گاڑی تک آئے تھے۔

”تھینکس۔“ میرب سیال نے گاڑی میں بیٹھ کر اس کی سمت نگاہ کر کے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ وہ تکتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

”فور سپورٹنگ می۔“ اس کے ساتھ وہ چاہے جو رویہ رکھتا مگر وہ قطعاً نہیں چاہتی تھی کہ وہ پاپا کے منے کسی طرح کی بیگانگی یا سرد مہری کا مظاہرہ کرے۔ تبھی بہت مشکور سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چہرے سے بھرپور تاثر دیتے ہوئے بے نیازی سے شانے اچکا دیئے ے۔ لیکن میرب سیال نے اس کی سمت سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔

”آج پاپا سے مل کر مجھے جو راحت ملی وہ فقط آپ کے باعث ممکن ہوئی۔ اگر آپ مجھے ہمراہ نہیں تے تو شاید اس وقت میں پاپا سے مل نہیں پاتی جس لمحے انہیں میری ضرورت تھی۔“ وہ مشکور سی بول رہی ی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

”یہ رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں۔ جتنے دل کے قریب ہوتے ہیں، اتنا ہی کمزور بھی کر دیتے ہیں۔ ل وقت یہ دو احساسات سے دوچار کرتے ہیں۔ مضبوطی اور کمزوری سے۔“

اس شخص سے اس کا تعلق بڑا واجبی سا تھا۔ سرد مہری میں لپٹا۔ بے تاثر انداز لئے۔ پھر جانے کیوں وہ ا سے اتنی خاص نوعیت کی گفتگو کر رہی تھی۔ شاید وہ واقعی اس کی مشکور تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی شاید مروت کے تقاضوں سے واقف تھا۔ متواتر اس کی سمت توجہ سے تکتا ا تھا۔ شاید وہ اس کی جانب سے مزید کچھ بولنے کا منتظر تھا۔ مگر میرب سیال اب کے کچھ نہیں بولی تھی۔ ردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ بہت مختصر سا تعلق تھا اس کا۔

بہت مختلف دنوں کا ساتھ تھا۔

کتنا کچھ جان پائی تھی وہ اس کے متعلق۔ کتنا منکشف ہوا تھا وہ اس پر۔ اگر کوئی قیاس کرتی تو یقیناً غلط دتا۔ یا پھر جو بھی تھا وہ بے مہر نہیں تھا۔ بے تاثر نظر آتا بھی تھا تو شاید تھا نہیں۔ یا پھر وہ محض انسانیت کے ناتے اس لمحے بنا کسی غرض کے اس کے ساتھ تھا۔ میرب سیال اس کی سمت سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

تبھی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"پریشانیوں کے متعلق سوچنے سے، پریشانیاں مزید بڑھتی ہیں۔ سو ڈونٹ بی سکیئر۔ انشا ٹھیک ہوگا۔" بہت مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ اس لمحے اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔ میرب سیال سا کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"اگر آپ کو سیال صاحب کی ہمت بندھانا ہے تو خود آپ کو مضبوط نظر آنا ہوگا۔ آنسو ان کمزور کر دیتے ہیں۔ خود کو بھی اور اسے بھی جس کا حوصلہ بندھانا مقصود ہو۔ آپ کو اپنی ہمت چاہیے۔ اس سے سیال صاحب کو یقیناً تکلیف ہوگی۔" لفظ بہت نرم تھے مگر انداز بہت دوستانہ؛ ان آنکھوں میں کسی قدر نرمی ضرور تھی۔

میرب سیال خاموشی سے تکتی رہی تھی۔

کوئی رسمِ دوستی نہیں تھی۔ فقط مروت تھی۔

اور وہ کچھ زیادہ ایکسپیکٹ بھی نہیں کر رہی تھی۔ شاید تبھی وہ خاموش ہوا تھا۔ وہ بھی بہت آ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

دل بہت سنبھلا نہ تھا۔

مگر اس دل جوئی پر کسی قدر ڈھارس ضرور بندھی تھی۔ وہ بہت خاموشی سے بیٹھی تھی جب سبکتگین حیدر لغاری کا پرسنل سیل بجا تھا۔

میرب سیال کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔

ایک لمحے میں اس نے سردار سبکتگین کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ کسی سے مخاطب تھا۔

صورت حال کڑی ہو تو ایک پتا سرکنے پر بھی دل بہت تیزی سے دھڑکتا ہے۔ پاپا اس وقت تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پرسنل سیل کے بجنے پر وہ یہی سمجھی تھی کہ فون شاید ہسپتال سے کی دھڑکنیں معمول پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری بڑی رسانیت سے اس گھڑ مخاطب تھا۔ فون یقیناً ہسپتال سے نہیں تھا۔

"کیا ہوا ــــ؟" وہ سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ وہ اب بھی حو سی اس کی سمت دیکھ رہی تھی اور نہ جانے اس لمحے میں کیا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ شاید وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا کمزور لمحوں میں اس کا حوصلہ بندھانا مقصود تھا۔

میرب سیال چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر ہونٹ بھینچ سمت سے دھیان ہٹا گئی تھی۔ تب اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

* * *

سید اذہان حسن بخاری سر جھکائے فائل دیکھ رہا تھا۔ جب سعد بخاری نے اس کے آفس میں قدم تھا۔

"تمہیں کتنا عرصہ ہوا ہے بزنس کرتے ہوئے؟" کسی قدر درشت لہجے میں ان کا مخاطب وہی تھا۔

اذہان حسن بخاری نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے کسی قدر حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ یقیناً ان خاطب وہی تھا۔ مگر وہ کس ضمن میں اس سے دریافت کر رہے تھے، وہ یہ نہیں سمجھ پایا تھا۔ تبھی فقط خاموشی ان کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ سعد بخاری چند ثانیے تک خاموشی سے اسے تکتے رہے تھے پھر ایک گہری نس خارج کرتے ہوئے کسی قدر اکتاہٹ سے پُر لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"جانتے ہو، جتنی تمہاری عمر ہے اتنا میرا تجربہ ہے۔" بھرپور انداز میں جتایا تھا۔ مگر وہ بڑی رسانیت ے مسکرا دیا تھا۔

"یقیناً ــــ آپ کو میرے والد محترم ہونے کا شرف جو حاصل ہے۔" شانے اچکانے کا انداز اف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں مکمل طور پر ہیلپ لیس ہے۔

سید سعد شاہ بخاری نے ایک گہری سانس خارج کر کے جیسے اس لمحے کی ساری کوفت کو رفع کرنا چاہا تھا ر کسی قدر پُرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر رسانیت سے گویا ہوئے تھے۔

"پوچھ سکتا ہوں فہیم صاحب کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کو تم نے ملتوی کیوں کر دیا؟" بغور اس کی نب تکتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھے۔

اذہان حسن بخاری نے سامنے دھری فائل بند کر دی تھی۔ پھر سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا اور بہت ھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"کیونکہ میں جانتا ہوں یہ سب بے سود ہوگا۔ فہیم صاحب فقط اپنی کمپنی کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا ینے کی غرض سے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ ان کی دیوالیہ ہوتی کمپنی ہمارے کسی کام کی ہیں۔ شاہ گروپ آف کمپنیز کی اپنی ایک ساکھ ہے۔ ایک نام و مقام ہے۔ معاملہ مارکیٹ ریپوٹیشن کا ہے۔ آج ہماری کمپنی کے شیئرز کس قدر بلند ہیں، یہ بات سب پر منکشف ہے۔ ترقی اور کامیابی کا اوپر جاتا واگراف سب کے لئے کشش کا باعث ہوتا ہے۔ بلندی کی سمت ہر کوئی بڑھنا چاہتا ہے۔ مگر ایسا آسان ہیں۔"

"تم کیا سمجھتے ہو، تمہارے ان کھوکھلے بہلاووں میں مجھ جیسا شخص آ سکتا ہے؟ ــــ کیا تم مجھ سے

بہتر سمجھتے ہو کہ شاہ گروپ آف کمپنیز کے لئے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں؟'' وہ کسی قدر خائف تھے۔

''اس کا فیصلہ تو بورڈ آف ڈائریکٹرز زیادہ بہتر انداز میں کر سکتا ہے۔ آپ چاہیں تو ایک سکتے ہیں۔'' اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔

سید سعد شاہ بخاری بیٹے کو دیکھ کر رہ گئے۔ ایک بار پھر بیٹا ان کے مدمقابل تھا۔ چند ثانیوں طرح کھڑے رہے تھے۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئے تھے۔

''تمہیں کیوں عادت ہوتی چلی جا رہی ہے ہر جگہ میری مخالفت کرنے کی؟'' ان کا لہجہ مدھم کسی قدر پُرافسوس تھا۔ اذہان حسن بخاری انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''ایسا نہیں ہے ــــــ مجھے دانستہ آپ کی مخالف سمت چلنے کی عادت نہیں۔ میں مانتا ہوا تجربہ بھی مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ آج شاہ گروپ آف کمپنیز جس گراف پر ہے وہ بھی سب باعث ہے۔ مگر پاپا! جو میں کہہ رہا ہوں وہ بھی غلط نہیں ہے ــــــ اور پھر یہ کوئی اس قدر سیریس نہیں ہے۔ میرا نہیں خیال کہ فہیم صاحب کو یا ان کی کمپنی کو اپنے ساتھ لینے سے یا نہ لینے سے فائدہ یا نقصان ہو سکتا ہے۔''

''تم جانتے ہو فہیم صاحب ہمارے کتنے پرانے جاننے والے ہیں؟''

''تو کیا ہوا؟'' اس نے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ ''پاپا! بزنس، تعلقات کی بیں چلتے۔ اور جن شرائط پر وہ ہمارے ساتھ ڈیل کرنا چاہتے ہیں ان پر تو قطعاً نہیں۔'' اذہان حسن انداز کسی قدر ٹھوس تھا۔ سعد بخاری خاموشی سے اس کی سمت دیکھ رہے تھے۔

''پاپا! یہاں معاملہ فقط مخالفت برائے مخالفت کا نہیں ہے اور یہاں فیملی میٹر سے زیادہ معاملہ ساکھ کا ہے۔ ہم اگر چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو لے کر الجھیں گے اور ایک دوسرے کی مخالفت کر یقیناً ایسا ماحول کمپنی کے حق میں سازگار نہیں ہوگا۔ میں ایک بزنس مین کا بیٹا ہوں۔ اتنا تو جانتا ہی جس طرح گھر کی ڈائننگ ٹیبل پر بزنس سیکرٹس نہیں ڈسکس ہو سکتے اسی طرح گھر کے مسائل کرنے کے لئے آفس میں بھی کوئی جگہ نہیں۔''

سید سعد بخاری اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ کچھ دیر اسی طرح خاموش رہے تھے۔ پھر بہت سے پلٹے تھے اور چلتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ سید اذہان حسن بخاری نے تا دیر نگاہ کو اس نہیں ہٹایا تھا۔

* * *

''تم ہوتے کہاں ہو آج کل؟'' وہ آفس سے نکل رہا تھا جب لامعہ حق نے اسے آن لیا تھا۔ پہلے ہی تھکن سے چور تھا اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر مظلومیت کی جو کیفیت ابھری تھی وہ بڑ تھی۔ لامعہ حق نے اسے بغور دیکھتے ہوئے گھورا تھا۔

''مجھے اپنے سامنے پا کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

''نہیں ــــــ ایسی کوئی بات نہیں۔'' عفنان علی خان تمام تاثر پل میں زائل کرتا ہوا کسی

رانے کی کوشش کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

واقعی؟'' لامعہ حق نے جانے کس بات کا یقین چاہا تھا۔

فنان علی خان نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

ہاں، واقعی۔''

معہ حق نے اس کے شانے کو تھامتے ہوئے کسی قدر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

یو نو عفنان! تمہاری بے توجہی مجھ سے قطعاً برداشت نہیں ہوتی ــــــ خواہ تم کتنے بھی مصروف ہو، ہتی ہوں تم مجھے سوچتے رہو، مجھے چاہتے رہو، مجھے اپنی سوچوں میں، خیالوں میں اور........'' وہ ھیمے لہجے میں کسی خواب کی سی کیفیت میں گویا تھی جب عفنان علی خان اس کی سمت تکتے ہوئے ہنس

اور کیا لامعہ؟'' اس کے انداز پر لامعہ حق نے اسے دیکھا تھا۔ پھر کسی قدر خفگی سے گویا ہوئی تھی۔

مذاق اُڑا رہے ہو میرا؟''

مر وہ ہنس دیا تھا۔ پھر داہنا ہاتھ بہت ہولے سے اس کے سر پر بجا کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے گویا ہوا

حیران ہو رہا ہوں لامعہ! تمہاری طرف سے اس طرح کی امید نہیں تھی نا۔ آئی مین، تم اتنی شاعرانہ ن بھی رکھ سکتی ہو۔ یہ گہرے گہرے لفظ، یہ بھاری بھاری ثقیل جملے، یہ ساری رسمی باتیں، لامعہ حق کی ن کا حصہ تو قطعاً نہیں ہو سکتیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لفٹ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ لامعہ حق سے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

عفنان! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس اٹھارہویں منزل سے کود کر اپنی جان دے دوں؟''

نہیں ــــــ لیکن تم ایسا کچھ کرنے کے متعلق غور و خوض کر رہی ہو کیا؟'' وہ یقیناً دھیمے سے مسکراتے اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''عفنان!'' لامعہ حق نے گھورا تھا۔

''میرے عشق میں جان سے گزرنے کا ارادہ ہے کیا؟'' گراؤنڈ فلور کا بٹن پش کرتے ہوئے اس کی دیکھا تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے سنجیدہ نہ تھا۔

لفٹ گراؤنڈ فلور پر جا کر کھلی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''اٹھارہویں فلور سے کودنا اس قدر خوفناک خیال ہے کہ سوچ کر ہی تمہارے رونگٹے کھڑے ہو گئے؟'' اتر چھیڑ رہا تھا۔ لامعہ حق نے اسے فقط گھورا تھا۔ ایک سرسری نگاہ کی تھی۔ پھر دھیان پھیر گئی تھی۔

''تم ساتھ ہو تو میں بیسویں منزل سے بھی کود سکتی ہوں۔''

''یعنی شرط یہ ہے کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ کودنا پڑے گا؟'' وہ کسی قدر خوفزدہ ہوا تھا۔ اداکاری بے حد ارتھی۔ ''دیکھو ــــــ فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ایسے خوفناک شوق پالنے کا مجھے کوئی شوق

نہیں۔ اگر تمہارا ایسا کوئی ارادہ ہے بھی تو فی الحال ملتوی کر دو۔ عفنان علی خان کے دماغ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔'' وہ مکمل طور پر محظوظ ہو رہا تھا۔ لامعہ حق اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا——؟'' عفنان علی خان نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہو دروازہ کھولا تھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ عف نے گاڑی ریورس میں لیتے ہوئے اسے دھیمے سے مسکرا کر دیکھا تھا۔ کچھ کہنا چاہا تھا۔ تبھی وہ گو

''تم سے کسی طرح کی مروت کی امید رکھنا قطعاً فضول ہے عفنان علی خان!—— تم کے امر سے بھی واقف نہیں۔'' انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔

عفنان علی خان فقط مسکرایا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔ شاید وہ اپنے تاثرات اس ضمن میں محفوظ ر لامعہ حق بھی خاموشی کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ پر دھری کیسٹس کو دیکھنے لگی تھی۔

''ابھی سے ہمت ہار گئیں —— غالباً تمہیں تو بہت طویل سفر کرنا ہے ابھی۔'' جانے وہ کہہ رہا تھا مگر لامعہ حق یکدم ہی اس کی سمت جارحانہ انداز میں تکنے لگی تھی۔

''میں بہت سا سفر کر سکتی ہوں عفنان علی خان!—— بہت دور تک چل سکتی ہوں۔ بشر منزلوں کا تعین بھی کر دو۔ کم از کم ان فاصلوں کی ہی حقیقت کھول دو جو تمہارے دل سے میر حائل کھڑے ہیں۔ چل سکتی ہوں میں، بہت دور تک، بنا تھکے، بنا رُکے اگر تم حدوں کا تعین بھ کسی قدر سنجیدہ تھی۔ مگر عفنان علی خان بہت پُرسکون انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''آسانیاں کہاں ہیں اس راہ میں؟—— قدم قدم پر روڑے پڑے ہیں۔ ہمت ہو تو متواتر چھیڑ رہا تھا۔

''عفنان علی خان! جانتے ہو ہر ری ایکشن کے لئے ایک ایکشن بہت ضروری ہے۔ تحر ہے جب کوئی باعث تحریک بھی ہو۔'' دھیمے لہجے میں جانے اس نے کیا باور کرانا چاہا تھا۔ عف نے ایک نگاہ کی تھی اس پر اور فقط مسکرا دیا تھا۔

''آسان نہیں ہے یہ سب کچھ۔ قطعاً آسان نہیں۔'' جانے کیا جتایا تھا۔ جانے کیا جتانا چا نہیں سمجھی تھی۔ فقط چپ چاپ اسے تکتی چلی گئی تھی۔

''جانتے ہو عفنان علی خان! بہت برے ہو تم۔'' وہ جیسے یکدم ہمت ہار گئی تھی۔ اندا شکست خوردہ تھا۔ الزام بہت کڑا تھا۔ مگر وہ بہت طمانیت سے مسکرا دیا تھا۔

''سرِ تسلیم خم ہے —— مزید کوئی گستاخی نہیں کروں گا۔ کوئی رتی بھر بھی مخالفت کروں گا گی۔'' وہ مکمل طور پر سعادت مند تھا اس لمحے۔ لامعہ حق اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے صورتِ حال سے مکمل طور پر محظوظ ہوا تھا مسکرایا تھا۔ وہ مکمل طور پر مسرور تھا۔

لامعہ حق خفا خفا سی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی عفنان علی خان نے اس کی سمت نگاہ کی

''بات نہیں کرو گی تو معلوم کیسے ہوگا کہ میرے سنگ آنے کا مدعا کیا ہے؟'' وہ یقیناً اب

ہ حق نے کسی قدر ناپسندیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

ھر چھوڑ دو مجھے۔'' حکم ہوا تھا۔

ہتر —— لیکن اگر گھر ہی جانا تھا تو یہ کام تو آپ کا ڈرائیور بھی بخوبی انجام دے سکتا تھا۔ مجھے ے کی وجہ سمجھنے سے میں قاصر ہوں۔''

کرا رہا تھا۔ لامعہ حق کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

فنان علی خان! تم چاہتے ہو کہ میں اسی مصروف شاہراہ پر اتر جاؤں اس گاڑی سے؟'' انداز دو ھا۔''

خدا، میں نے ایسا نہیں کہا۔'' وہ بہت مطمئن سا مسکرایا تھا۔ ''میں نے تو فقط ارادہ معلوم کرنے کی کی تھی۔'' اس کا انداز مکمل طور پر سعادت مندانہ تھا۔ لامعہ نے دیکھا تھا۔ لبوں پر دھیمے سے پھیلتی ٹ کو وہ روک نہیں سکی تھی۔

م واقعی بہت برے ہو عفنان علی خان!'' اس کے چوڑے مضبوط شانے پر اپنے نازک ہاتھ کا مُکا بنا تے ہوئے اس نے بھرپور خفگی سے کہا تھا۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔

ھے انابیہ کی طرف چھوڑ دو۔''

ان علی خان کے اندر کے معمولات میں ایک لمحے میں تغیر واقع ہوا تھا۔

بریت؟'' ایک سرسری سی نگاہ کی تھی۔

دں —— ہم کسی کام کے بنا بھی بڑے آرام سے مل لیتے ہیں۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

ان علی خان نے اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ تھوڑی دیر قبل مسکراتے لبوں پر اس لمحے خاموشی آن ٹھہری تھی۔ تاثرات مکمل طور پر محفوظ تھے۔ لامعہ حق اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

ں کے بعد کچھ نہیں بولا تھا۔ وہ لمحات بڑے پُرسکوت تھے۔ بہت سے اسرار ان لمحوں میں موجود چغلی کھا رہے تھے۔

* * *

بپائر اسٹیٹ'' سے نکلتے ہوئے اس نے میرب سیال کی سمت دیکھا تھا۔

ہاں سے آپ تنہا بروک لین جاسکتی ہے؟'' اس نے فانی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی جس پر لین حیدر لغاری نے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ مگر اس کا شیڈول خاصا ٹف تھا۔ وہ جانتی تھی۔ تبھی ھ چلنے کی پیشکش کئے بغیر فقط اپنے جانے کا مدعا سامنے رکھا تھا۔

ار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر تفکر کی لکیریں بھی واضح ر آئی تھیں۔

ریو شیور؟'' وہ اس کے ساتھ یہاں تک آئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس کی ذمے داری تھی۔ باعث وہ کسی قدر فکر مند ہوا تھا۔

ں۔'' میرب سیال نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''رُکو ---- میں تمہاری لئے کیب ہائیر کر دیتا ہوں۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی متلاشی
اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔ قطعاً بے تاثر نظر آنے والے شخص کا یہ رویہ خاصا انوکھا تھا۔ اُسے اُس کی فکر

وہ اس کے لئے متفکر تھا۔

اس کے لئے سوچ رہا تھا۔

اس لمحے کی کیفیت خاص تھی یہ۔

حقیقت کچھ بھی ہو۔ اس سے قبل اور اس ایک لمحے کے بعد جو بھی ہو لیکن وہ ایک پل
میں بہت اہم تھا۔

بہت خاص تھا۔

میرب سیال نے اس لمبے چوڑے شخص کو سڑک کے اطراف نگاہ دوڑاتے دیکھ کر یکدم ٹوکا
''آپ کو غالباً دیر ہو رہی ہے ---- آپ چلے جایئے، میں انتظار کر لوں گی۔''

جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے فقط اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا
خاموشی کے ساتھ چہرہ پھیر گئی تھی۔ چند لمحے سرک گئے تھے۔ کوئی کیب اب تک ہاتھ نہیں آ
ہاتھ میں چمڑے کا بیگ لئے، بائیں ہاتھ کی کلائی پر بندھی قیمتی رسٹ واچ کو بغور تکتا وہ شخص
کیب کو ہائیر کرنے کے جتن کرتا اسے کسی قدر حیران کن لگا تھا۔

''ٹیکسی ----'' باقاعدہ چند قدم دوڑ کر اس کے لئے تگ و دو کی گئی تھی۔ کاروں میں
شخص اس کے لئے اس گھڑی ایک کیب کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ رکھ رکھاؤ سے ہی
شخص، انوکھی آن بان رکھنے والا، بزنس ٹائیکون، اس لمحے جیسے اپنے نام، اپنے رتبے، اپنی
ماورا تھا۔

ٹیکسی روک کر اس نے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور میرب سیال جو اسے بغور دیکھ رہی تھی
اٹھاتی ہوئی اس کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

اسے بٹھانے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے کھڑکی پر جھکا تھا۔

''کوئی مسئلہ ہو تو فون کر لینا۔ ہوٹل آنے کے لئے میں گاڑی بھجوا دوں گا۔ کتنی دیر لگے گی
''زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ۔'' اس نے مطلع کیا تھا۔ سردار سبکتگین
نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا اور کھڑکی میں سے ہٹ گیا تھا۔ ٹیکسی آگے بڑھنے لگی تھی۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ پہلی بار اس شہر میں آئی ہے۔ شاید اسی لئے اس کی پریشانی دوچند
حقیقت اس کے برعکس تھی۔ مگر اس لمحے میں جب وہ اس کے لئے پریشانی کا اظہار کر رہا
اس نے جتانا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔ اور پھر اس نے میرب سیال سے دریافت بھی کب
پوچھتا تو وہ ضرور بتا دیتی کہ وہ نیویارک ہی نہیں یورپ کے بھی کئی ٹور پاپا اور فیملی کے ساتھ لگا

فانی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ زوباریہ ہسپتال میں تھی۔
وہ آپا کے ساتھ تھا۔ میرب نے اس کے لئے اس کا من پسند لنچ بنایا تھا۔ وہ دیر تک

ل

دی باتیں کرتا رہا تھا۔
''پاپا ٹھیک ہو کر گھر واپس کب آئیں گے آپی؟''
''بہت جلد۔''
''اب ہم یہیں رہیں گے؟'' اس کے معصوم دل میں کئی سوال تھے۔
''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ پھر اس کے معصوم ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر
ں سے چھوا تھا اور مکمل توجہ سے اس کی سمت تکتی ہوئی بولی تھی۔
''آپ سے کس نے کہا کہ اب ہم یہیں رہیں گے؟''
''ماما نے۔ وہ آپا سے میرے لئے سکول میں ایڈمیشن کے لئے بات کر رہی تھیں۔''
اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے چند ثانیوں تک اسے ساکت سی تکتی رہی تھی۔ فانی نے
پنے معصوم ہاتھوں سے اس کا چہرہ چھوا تھا۔
''آپی! آپ بھی ہمارے ساتھ یہیں رہیں گی نا؟''
''ماما کیا کہتی ہیں؟'' اس نے زوباریہ کے متعلق دریافت کیا تھا۔
فانی نے اپنا چھوٹا سا سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
''معلوم نہیں ---- مگر آپ کے بغیر تو میں اداس ہو جاؤں گا۔ مجھے میرا من پسند لنچ کون بنا کر دے
؟ اور وہ مزے مزے کی اسٹوریز کون سنائے گا؟'' وہ معصومیت سے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔
رب سیال نے اپنے لبوں کو اس کی پیشانی پر رکھ دیا تھا، اپنے ساتھ لگا کر اسے بھینچا تھا، پھر بہت دھیمے
ے گویا ہوئی تھی۔
''آپ پاپا کے لئے دعا کرتے ہیں؟''
''ہوں ---- بہت ساری۔ پاپا کے لئے بہت سی دعا کرتا ہوں اور پھر پھونک مار کر اسے اُڑا دیتا
ں۔ میری ساری دعا اللہ کے پاس چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری دعا پوری کر دیتے ہیں نا؟'' وہ
صومیت سے دریافت کرتا ہوا اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔
میرب نے اس کی سمت تکتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ تبھی اس کی نگاہ وال کلاک پر پڑی تھی۔
دار سبکتگین حیدر لغاری کو بتایا ہوا وقت یاد آ رہا تھا۔ تبھی وہ فوراً گویا ہوئی تھی۔
''آپی جائیں گی اب۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔'' اس کے پھولے پھولے گالوں کو چھوتے ہوئے وہ
مکرائی تھی۔ فانی کسی قدر پریشانی سے اس کی جانب تکنے لگا تھا۔
''آپ فانی کے پاس نہیں رہیں گی؟'' انداز کسی قدر روٹھا روٹھا سا تھا۔
وہ مسکرا دی تھی۔
''پاپا کے پاس جا رہی ہوں نا ---- پھر آؤں گی۔''
''مجھے تنہا ڈر لگے گا۔'' آواز میں عدم تحفظ عود کر آیا تھا۔ اس نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔
''ماریہ ہے نا آپ کے پاس۔ ابھی کچھ دیر میں ماما بھی آ جائیں گی۔'' اسے بہلایا گیا۔

"مجھے ماریہ اچھی نہیں لگتی۔ آپ ماما کو جلد بھیج دیجئے گا۔" درخواست ہوئی تھی۔

"اوکے۔" وہ مسکرادی تھی۔ ایک بار پھر اسے پیار کیا تھا اور ماریہ کو ضروری ہدایت دے کر وا آئی تھی۔ اسٹین ہوپ اسٹریٹ سے نکلتے ہوئے اس نے رسٹ واچ پر نگاہ کی تھی۔ یقیناً اسے د تھی۔ فانی کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ضرور پریشان ہ گا اس کی بابت۔ وہ تو اسے قطعی نابلد جان رہا تھا۔ ایسے میں اس کے لئے فکرمند ہونا یقینی تھا۔ و ہوئی چل رہی تھی جب یکدم ہی ایک لمبی سیاہ گاڑی کے ٹائر اس کے قریب چرچرائے تھے۔ وہ اچ میں اچھل کر پیچھے ہٹی تھی۔ دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔ اس علاقے میں سیاہ فام گروہوں کی وا وارداتوں سے واقف تھی، سو ساری جان مٹھی میں آگئی تھی۔ اس نے تنہا نکل کر یقیناً غلطی کی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کو فون کر کے مطلع کر دینا چاہئے تھا اور اس نے کہا بھی تھا کہ مجھے مطلع کر د

وہ دم سادھے کھڑی اپنے حواس بحال کر رہی تھی جب گاڑی کا شیشہ اتارا گیا تھا۔ وہ کسی صورتِ حال کے لئے مکمل طور پر تیار تھی۔ ذہن پوری طرح بیدار تھا۔ اعصاب مکمل اختیار میں تھے۔

گاڑی کا شیشہ بہت ہولے سے اتارا گیا تھا۔ مکمل اختیار کے باوجود اس کی آنکھوں میں خو تھا۔ رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ ایک سنسنی سی جسم میں دوڑ گئی تھی۔

مگر اس نے نگاہ کی تھی اور حیرت دوچند ہوگئی تھی ـــــ کھڑکی سے جھانکتا چہرہ بہت ج تھا ـــــ بہت اپنا نہ سہی مگر اسے دیکھ کر میرب سیال کے سارے حواس، سارے اعصاب ایک معمول پر آئے تھے۔ سینے میں رکی ہوئی سانس ایک دم ہی خارج ہوئی تھی۔ دھڑکنیں کسی قدر اعتد گئی تھیں۔ اندر ایک اطمینان کی سی کیفیت چھانے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی کیفیت کو بغور دیکھا تھا پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا

"آؤ ـــــ گاڑی میں بیٹھو۔" کہنے کے ساتھ ہی اس کے لئے در وا کر دیا تھا اور وہ جو تھوڑی دیر قبل مکمل طور پر خوفزدہ تھی اب کسی قدر صورت حال تسلی بخش تھی۔ بہت اعتماد کے ساتھ قدم بڑھائے تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی اپنی مخصوص رفتار سے سمت بڑھنے لگی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا میرا انتظار کر لیجئے گا۔"

(کب ـــــ؟ ایسا کب کہا تھا؟) اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی اس کے غلط بیانی کرنے پر۔ پر چپ رہی تھی۔ فقط خاموشی سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔ وہ یقیناً چہرے سے تمام کیفیات جا فن رکھتا تھا اور میرب سیال کی کیفیت بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ وہ یہاں کے ماحول سے وا تبھی اس کی پریشانی بھی بجا تھی۔ شاید اسی لئے اپنے بزی ترین شیڈول سے وقت نکال کر وہ اسے آن پہنچا تھا۔

"آئندہ احتیاط کیجئے گا۔" اس نے بے تاثر لہجے کے ساتھ دھیمے انداز میں کہا تھا۔ میرب بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

نیو یارک بہت بڑا شہر ہے ـــــ یہاں سروائیو کرنا بہت آسان نہیں۔ اگر آپ یہاں کے مقامات اقفیت نہیں رکھتے تو ہر قدم ایک رسک کے مترادف ہے۔"

جی۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"آپ کو اگر یہاں گھومنا پھرنا ہے تو میپ ہاتھ میں رکھئے گا۔ یہاں پر اگر کسی سے سرِ راہ روک کر بھی ت کریں گی تو وہ بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ مشینی شہر ہے۔ بہت مشینی سی لائف ہے۔ یہاں بہت کم ہے سب کے پاس۔ بہت کم لمحوں میں قدموں کی رفتار بڑھانے کے جنون میں وقت سے نکلنا چاہتے ہیں سب یہاں۔ یہاں یوں سفر کرنا آسان نہیں۔" ایک بہت بڑے ترقی یافتہ شہر کے وہ گوہر افشانی کرتے ہوئے اسے باور کرا رہا تھا۔

یرب نے اس کی جانب تکتے ہوئے سر بہت ہولے سے اثبات میں ہلایا تھا۔

"جانتی ہوں ـــــ پہلے بھی کئی بار آچکی ہوں۔" وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر حیرت سے لحہ بھر کو دیکھا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل چہرے کا پھیر گیا تھا۔ میرب سیال جانے کیوں چند ثانیوں تک اس شخص کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر بہت ہولے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

* * *

"بھابی! ایسا کب تک چلے گا؟" فیض بخاری نے بہت دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے فارحہ کی طرف اتھا۔ وہ سر جھکا گئی تھیں۔ دانستہ اقدام تھا یہ شاید۔ وہ بہت کچھ مخفی رکھنا چاہتی تھیں۔ خود سے بھی اور د کے لوگوں سے بھی۔

فیض بخاری نے اپنے سامنے بیٹھی فارحہ کو دیکھا تھا پھر کسی قدر پُراُلجھن انداز میں گویا ہوئے تھے۔

"بھابی! آپ جانتی ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ایک تو آپ خود اپنا خیال نہیں رکھ رہی ہیں، دوسرا بھابی! جانتی ہیں آپ ایک سیریس اٹیک سے گزر چکی ہیں۔"

"تو...... تو کیا ہوا؟" وہ چائے کے کپ کے کناروں پر بہت ہولے سے انگلی گھماتے ہوئے مسکرائی

"کیا ہوا ـــــ بھابی! آپ اس حد تک کیئرلیس ہو رہی ہیں۔ مجھے آپ سے ایسی توقع نہیں تھی۔ اور بھائی......" ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ لب بھینچ گئے تھے۔ فارحہ سر جھکائے رہی تھیں۔

"فیض! فکر مجھے اپنی نہیں، اذہان کی ہے، ماہا کی ہے۔ میں ان کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ معمولی تکلیف میں مبتلا ہوتا بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اپنے بچوں کو ہر تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں میں۔ مگر سلسل ناکام ہوں۔ اذہان اس سارے معاملے کو لے کر انتہائی ڈپریسڈ ہے ـــــ کتنے دن گزر گئے میں نے اس کی آنکھوں میں سکون نہیں دیکھا۔ میں نے کبھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ اب جب وہ میری گود میں سر دھرے چپ چاپ آنسو بہاتا ہے تو میرا دامن جیسے جلنے لگتا ہے۔ وہ ی گود میں کوئی ماورائی قوت ڈھونڈتا ہے جو اسے اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دے

سکے۔ وہ میری ماما سے کھوئی ہوئی ہمت چاہتا ہے اور میں...... میں اسے کوئی جھوٹی تسلی بھی پاتی۔ کتنا اچھا دور تھا جب وہ چھوٹا تھا۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے میں اسے بہلا دیا کرتی تھ چھوٹے چھوٹے اسباب درکار تھے مجھے اسے خوش کرنے کے لئے۔ اور آج——" کتنی بہت سی چاپ ان کی آنکھوں میں آن ٹھہری تھی اور وہ لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔

فیض چند لمحوں تک اسی طرح خاموشی سے بیٹھے رہے تھے۔ پھر بہت ہولے سے ان کی س ہوئے گویا ہوئے تھے۔

"بھابی! آپ وہ واحد فریق ہیں جو اس صورت کو اپنے بس میں کر سکتی ہیں۔ اذہان کو ہم ذ ٹھہرا سکتے۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا۔ وہ جب آپ کو عدم تحفظ کا شکار پاتا ہے تو یہ ک کے اندر بھی ایک ہلچل مچا دیتی ہے۔ جس طرح ماں بچے کے لئے سینہ سپر ہو جاتی ہے اس طرح پر آنچ آتے نہیں دیکھ سکتا اور اذہان لی صورت حال تو خاصی پیچیدہ ہے۔ اس نے گھر کو ہمیشہ ہے۔ سعد بھائی کو ہمیشہ ایک ذمہ دار باپ کی طرح پایا ہے۔ سعد بھائی کے بدلتے رویے نے ا ایک دھچکا پہنچایا ہے۔ مگر وہ رشتوں کا احترام اب بھی نہیں بھولا۔ اسے اب بھی افسوس ہے۔ کیو بھی ان رشتوں کو معتبر جانتا ہے جن سے وہ جڑا ہوا ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود، میں جانتی ہوں وہ حقیقت ماننے کو تیار نہیں——وہ جب بھی ا ذہن میں لاتا ہے، ایک طوفان اس کے اندر اٹھنے لگتا ہے۔ اس کے خاموش لبوں پر ساکت جام مگر میں جان جاتی ہوں وہ طغیانیوں میں گھر گیا ہے۔ مگر میں مکمل طور پر بے بس ہوں فیض! م بھی تو اسے وہ سکون، وہ اعتماد نہیں لوٹا سکتی۔ اسے وہ ایک جڑا ہوا گھر نہیں لوٹا سکتی۔ اسے ایک ایک ساتھ رہنے کے لطف سے بہرہ ور نہیں کر سکتی۔ یہ سب میرے اختیار میں نہیں ہے فیض!" ف کرب سے سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔

"لیکن یہ تو آپ کے بس میں ہے کہ آپ اپنا خیال رکھیں——اس کا خیال رکھیں—— سو ہو چکا۔ اس کا تدارک ممکن نہیں۔ مگر صورتِ حال کو معمول پر لانے کے جتن تو کئے جا سکتے ہیں کی جا سکتی ہے۔ حقیقت تو ہمیشہ ہی بہت کڑوی اور کسیلی ہوتی ہے بھابی! حقیقت کو جھٹلانے سے کرنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی نہ ہی اسے فیس کرنے کا خوف اس کے بھیانک رنگوں ہے۔ ایک نہ ایک دن حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے——فرار کی راہ فقط خوف دیتی ہے، اُلجھن بڑھاتی ہے۔ جب سب راہیں بند ہوں تو مکمل یکسوئی کے ساتھ عقل و خرد سے مدد طلب کرنی چا نہ کہیں روشنی کی ایک لکیر ضرور ملتی ہے اور وہی روشنی کی لکیر اس الجھی ہوئی گتھی کا سرا سلجھانے م ہے۔" فیض بخاری کہہ رہے تھے اور فارحہ ساکت بیٹھی ان کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔ ان کا ذہ لمحے بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

"ممی!——ممی!" وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھی تھیں جب اذہان کی آواز ان کی سماعتوں تھی۔ وہ ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور یہ وقت تھا جب انہیں خود کو معمول کے مطابق بہت ریلیکس

انہوں نے ایک نظر فیض بخاری کی طرف دیکھا تھا، پھر چہرے کا رخ پھیر کر ایک گہری سانس خارج ی جیسے اب تک کی تمام کثافت کو ایک لمحے میں باہر منتقل کرنا چاہا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"ممی!——اوہ، فیض چاچو بھی یہیں ہیں۔ آپ کو تو غالباً اس وقت ہسپتال میں ہونا چاہئے تھا۔" اس فیض چاچو کو سامنے پا کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

فیض بخاری مسکرا دیا تھا۔

"ہسپتال کا نام لے کر مجھے مزید مت ڈراؤ——ابھی ابھی تین روزہ سمپوزیم سے جان چھڑا کر آ رہا ں۔ پہلے یو ایس میں سیمینار، پھر آتے ہی یہاں سمپوزیم میں شرکت۔ یہ ڈاکٹر ہونا بھی خاصا جان وں کا کام ہے۔" وہ زبردستی مسکرا کر جیسے اس لحہ بھر پہلے کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی چاچو کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ انداز خاصا ا تھکا سا تھا۔ فیض نے بغور دیکھا تھا۔

"ویری بیڈ چاچو! مسیحا ہیں آپ۔ کتنا معتبر نام ہے آپ کا۔"

"ہوں——مگر ایک مسیحا کی پرسنل لائف کی بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں——اس کا بھی ایک ر ہوتا ہے، فیملی ہوتی ہے۔ جسے وقت دینا اسے اچھا لگتا ہے۔ جن کے ساتھ وقت گزارنا اسے اچھا لگتا ہے۔ اب دیکھو کتنے دنوں سے میں اپنے بچوں سے ڈھنگ سے مل نہیں پایا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جب رغ ہو کر گھر لوٹا ہوں تو نہ ماہا ہے یہاں نہ ہی تم تھے۔"

"ماہا کہاں گئی ہے؟" چاچو کی بات پر مسکراتے ہوئے یک دم اسے ماہا کا خیال آیا تھا۔ تبھی فارحہ گویا ئی تھیں۔

"دوست کی طرف گئی ہے——گھر میں بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ میں نے ہی کہا کہ چلی جاؤ۔ ذرا دل ل جائے گا۔"

سید اذہان نے کوٹ اتار کر صوفے کی پشت پر دھرا پھر داہنے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا ا۔

"بھابی! آپ تو ماشاء اللہ گھر داری خوب اچھی طرح جانتی ہیں۔ ماہا کو کچھ سنہری اصول ہی سکھا یجئے۔ گھر بیٹھی ہے تو کچھ ہاتھ تو آئے۔" فیض چاچو مسکراتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

"نہیں——اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے ماہا کا ایڈمیشن گرین وچ میں کرا دیا ہے۔ اب اسے راغت کے لمحے بہت کم میسر آئیں گے۔ گھر داری سیکھنے کے لئے ابھی عمر پڑی ہے۔ پہلے اس کے لئے ینے کے ڈھنگ سیکھنا بے حد ضروری ہیں۔" اس کے دھیمے لہجے میں بہت بڑا پن تھا۔ ماہا کے لئے وہ بے حساس تھا۔ اس کے متعلق فیصلہ کر کے اس کے چہرے پر حد درجہ راحت تھی۔ گہری آنکھوں میں کسی درجہ کون تھا۔ فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ تبھی فیض چاچو مسکرائے تھے۔

"یہ تو بہت اچھا کیا تم نے۔"

"ہاں واقعی ـــــ تم نے بہت اچھا کیا۔" فارحہ نے بیٹے کے اطمینان کو اپنے اندر اترتا مح تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

"تم بیٹھو، میں تمہارے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تھیں۔ تب وہ ان کا ہاتھ تھام ہوا تھا۔

"نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ دیر آرام کروں گا ـــــ شام میں ہم ڈنر کے ل جائیں گے۔ چاچو! آپ بھی کہیں مت جائیے گا۔ کوئی اور شیڈول ہو بھی تو اسے کینسل کر دیجئے۔ آ طور پر فیملی ٹائم ہو گا۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

فارحہ تادیر اسے حیرت سے تکتی رہی تھیں۔ فیض بخاری مسکرائے تھے۔

"ہمارے بچے ہم سے کہیں زیادہ عقل مند ہیں بھابی! ـــــ وہ حالات کو بس میں کرنے کے گر جانتے ہیں۔"

"ہاں۔" فارحہ کے چہرے پر ایک طمانیت کا احساس بہت واضح تھا۔

* * *

لامعہ کو بہت سی باتوں کا خبط تھا۔ انہی میں سے ایک شاپنگ کرنا بھی تھا اور کبھی کبھی تو فقط ونڈو اور تب وہ بے تحاشا چڑتی تھی۔

"لامعہ! بہت ہی ندیدوں والا انداز ہے یہ۔ اشیاء کو دور سے کھڑے انتہائی للچائی ہوئی نظر تکتے رہنا۔ دوسرے لفظوں میں اسے وقت ضائع کرنا بھی کہہ سکتے ہیں ـــــ بھئی جب کچھ لینا فوراً لو اور باہر نکلو۔ یہ کیا کہ گھنٹوں اِدھر سے اُدھر شاپس کے چکر لگاتے اور اشیاء کا پوسٹ مارٹم کر دیں۔"

مگر لامعہ کے سر پر اس کے اعتراض کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور آج تو شکر تھا، اس نے شاپنگ کی تھی۔

"شکر ہے، تم نے آج ونڈو شاپنگ کو ترجیح نہیں دی۔" بہت سے بیگ صوفے پر پٹختے ہوئے ا دہائی دی تھی۔ لامعہ مسکرائی تھی۔

"کتنی بوسیدہ لڑکی ہو نا تم ـــــ لڑکیاں تو شاپنگ کے نام پر ہی کھل اُٹھتی ہیں اور تم۔"

انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

"مجھے بھی شاپنگ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر وہ جو تم گھما پھرا کر تھکا دیتی ہو اس سے جا ہے میری۔ اب دیکھو، کس قدر تھکا دیا ہے تم نے مجھے۔" صوفے پر انتہائی ایزی انداز میں ٹانگیں بیٹھے ہوئے اس نے بالوں کو کلپ سے آزاد کرتے ہوئے صوفے کی پشت پر پھیلا دیا تھا۔ لامعہ تھی۔

"اب سو مت جانا ـــــ میں افضل سے کہہ کر چائے منگواتی ہوں۔" اسے آنکھیں بند کر وہ بولی تھی مگر انابیہ شاہ نے آنکھیں وا نہیں کی تھیں۔ اسی طرح پڑی رہی تھی۔

لامعہ اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

انابیہ شاہ واقعی بہت زیادہ تھک گئی تھی۔ اس طرح آنکھیں موند کر بہت سکون مل رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا ہیں سو جائے۔ مگر وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی گہری سانس خارج کرتے ہوئے قوتِ ارادی مجتمع کرتے ہوئے اس نے آنکھیں وا کی تھیں اور چند قدموں پر رکے شخص کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ جانے وہ وہاں کب آیا تھا ـــــ اور ـــــ انابیہ شاہ نے پیروں کو صوفے پر سے اتارتے ہوئے قریب دھرا دوپٹہ اٹھا کر شانے پر ڈالا تھا۔ پھر نظریں جھکا کر دونوں ہاتھ پشت پر لے جاتے ہوئے صوفے کی پشت پر بکھرے ہوئے بال سمیٹنے لگی تھی۔

چند قدم کے فاصلوں پر رکے عفنان علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"آئی ایم سوری ـــــ" بہت ہولے سے چلتا ہوا وہ اس کے قریب آن رکا تھا۔ یقیناً وہ شرمندہ تھا۔ مگر لامعہ کے گھر میں شاید وہ اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ دوسرے غلطی خود اس کی اپنی بھی تھی۔ اس کے تو دھیان میں بھی نہ تھا، اس گھڑی وہاں کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔

"اِٹس او کے ـــــ" مکمل پُر اعتمادی سے اس نے سر ہولے سے ہلایا تھا۔

"خیریت؟ ـــــ اتنی ڈھیر ساری شاپنگ ایک ساتھ؟" صوفے اور ٹیبل پر اِدھر اُدھر دھرے بیگز کو دیکھ کر عفنان علی خان نے سوالیہ نظروں سے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"لامعہ کو ایسے بہت سے شوق لاحق ہیں ـــــ کب، کہاں، کیا اس کے دل میں سما جائے کسی کو کچھ علم نہیں۔ آپ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ مستقبل میں کچھ محتاط انداز اختیار کرنا خاصا سود مند رہے گا۔" ریڈ سگنل کی سمت اشارہ کرتی اس وقت وہ خاصی منفرد لگ رہی تھی۔ بڑی بروقت نصیحت تھی مگر اس کے باوجود بہت ناصحانہ نہ تھی۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"کوئی کل ڈھیلی ضرور ہے محترمہ کی۔" صوفے پر دھرے بیگز اٹھا کر اس نے بڑی سہولت سے میز پر دھرے تھے اور خود جگہ بنا کر بیٹھ گیا تھا۔ "سال بھر کی شاپنگ ایک ساتھ کر ڈالی۔" وہ یقیناً حیران تھا۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"ایکسکیوز می ـــــ آپ لامعہ کو کم از کم میرے سامنے برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ ایک سال کی شاپنگ قطعاً نہیں ہے۔" دفاع یقیناً بہت دلچسپ تھا۔ عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ تبھی لامعہ، افضل کے ساتھ چائے کی ٹرالی لئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم کب آئے؟" عفنان کی سمت تکتے ہوئے کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔

"بس ابھی تھوڑی دیر قبل۔ تمہارے پرسنل سیل پر ٹرائی کر رہا تھا۔ مگر غالباً تم بزی تھیں۔"

"ہاں ـــــ میں اکثر شاپنگ کے دوران سیل آف کر دیتی ہوں تاکہ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" انابیہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے وہ کسی قدر سرد لہجے میں بولی تھی۔

عفنان علی خان نے بغور دیکھا تھا اسے۔ اس روز کی ناراضگی ابھی تک برقرار تھی۔

لامعہ نے خاموشی کے ساتھ چائے کا کپ اس کی سمت بڑھایا تھا جسے تھامتے ہوئے وہ مسکراد

"شام کے پانچ بج رہے ہیں ــــ اپنے منہ کے کلاک پر ٹائم ملالو۔ ابھی تک بارہ بج رہے

لامعہ جواباً گھورنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ اس ماحول میں خود کو خاصا مس فٹ محسوس کرنے لگی

لامعہ کی سمت دیکھا تھا۔

"لامعہ! اب چلوں گی میں۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"بیٹھو ــــ چائے تو پی کر جاؤ۔"

"نہیں ــــ بہت دیر ہو جائے گی۔ تم لوگ پیو۔" انابیہ مروتاً مسکرائی تھی۔

"اوہ ــــ تو تم ہم دونوں کے خیال سے اٹھ رہی ہو۔ بے فکر ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ایسے کوئی راز میں نہیں ہونے والے۔ یہاں لیلیٰ مجنوں والا کوئی چکر نہیں ہے۔" لامعہ نے اس کا ہاتھ کھینچ کر د لیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ عفنان علی خان اس تمام صورت حال کو دلچسپی سے مسکرایا تھا۔

"عالم مدہوشی میں دیکھے جانے کا جنوں ہے تو کوئی آتش شوق بھی تو جگانا سیکھو۔" بڑا ذو معنی ا اس کی مخاطب یقیناً لامعہ ہی تھی۔ انابیہ شاہ جلدی جلدی گرم چائے کے سپ لینے لگی تھی۔

"آتش شوق گریز پائی سے نہیں بھڑکتی۔ بڑے انوکھے وصف درکار ہوتے ہیں اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے، نظر خاص چاہئے ہوتی ہے۔ یہاں تو تم حد درجہ گریزاں ہو۔ نگاہ کتنی اجنبی ہ میں کوئی آتش شوق بھڑکے تو کس طور۔" بظاہر وہ لامعہ کی سمت دیکھ رہا تھا مگر مخاطب کوئی اور صورت حال پر جہاں لامعہ دھیمے سے مسکرائی تھی وہیں انابیہ شاہ نے خود کو بہت آکورڈ فیل کیا تھا۔

"کتنے برے ہو نا تم عفنان علی خان!" لامعہ پورے استحقاق سے اس سے مخاطب تھی۔

"ابھی جانا کہاں ہے تم نے ہم کو ــــ ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ کتنے جہاں آباد ہیں کہیں نگاہ سے دور ہیں۔ کتنی دنیائیں ہیں جنہیں تم دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ کتنے منظر ہیں جن پر کبھی تم نے چاہی ہی نہیں۔" کیسا شکوہ تھا۔ انداز میں کس درجہ دیوانگی تھی اس گھڑی عفنان علی خان کے لبوں پر لامعہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

"انابیہ! اس شخص کی باتیں میری سمجھ میں کبھی نہیں آئیں گی۔ کبھی کبھی تو حد درجہ اجنبی لگتا ہے۔ ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں اس کا سر پھوڑ دوں اور کبھی......" لامعہ حق اس کی حد درجہ دیوانگی پر تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی مگر عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"دل کے معاملات بہت عجب ہیں۔ سمجھنے کے لئے فقط نظر کی نہیں، دل کی بھی ضرورت پڑتی۔ وقت ملے تو مشورہ کرو دل سے بھی۔ سنو تو سہی دل کیا کہتا ہے اس بابت۔" وہ مکمل طور پر مسرور تھا نظریں لامعہ پر تھیں مگر اس کے وصف کا تخاطب کوئی اور ہی تھا۔ شاید یہ بات لامعہ نہیں جانتی تھی مسکرا رہی تھی۔

"بس، بس ــــ اب اس درجہ بھی خود کو مجنوں ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جانتی ہوں

لامعہ نے کباب کی پلیٹ انابیہ شاہ کی سمت بڑھائی تھی جسے اس نے سر نفی میں ہلا کر ریفوز کر دیا

ہو۔" لامعہ

اب چلوں گی میں۔" کپ میز کی سطح پر دھرا تھا۔

"دیکھا، ڈرا دیا نا میری اتنی اچھی سی دوست کو۔ وہ اسی لئے رکنے سے گریز کر رہی تھی۔" لامعہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"اسی گریز کو تو ختم کرنا چاہتا ہوں میں۔" وہ مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ نے عفنان علی خان ست نگاہ کی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں کچھ خاص رنگ تھے، کوئی تاثر خاص تھا۔ وہ لمحہ بھر میں نظر گئی تھی۔

"لامعہ! اب میں چلتی ہوں۔" اس نے اجازت چاہی تھی۔

"بیٹھتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ عفنان تمہیں چھوڑ دیتے۔ آخر اتنی جلدی کس بات کی ہے؟" اسے رخصت نے کے لئے لامعہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ انابیہ فقط مسکرائی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سارے منظر چھوٹ گئے تھے مگر کچھ منظر ذہن میں پھر بھی باقی رہ گئے تھے۔

کتنا عجیب شخص تھا وہ۔

کس قدر مہمل باتیں تھیں اس کی۔

سمجھ سے کس درجہ بالاتر تھا وہ۔

اب تک وہ اسے سمجھ نہ سکی تھی اور اس کے لئے اس نے کوئی خاص کوشش بھی نہ کی تھی۔ مگر جس طرح وہ ہ لمحہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا وہ سب نظر انداز کئے جانے کے قابل نہ تھا۔

اس نے کئی بار سوچا تھا۔ کئی بار خاص زاویہ فکر اپنانا چاہا تھا۔ مگر خرد سب رد کرتی چلی گئی تھی۔

شاید ویسا سب کچھ نہیں تھا جیسا وہ سوچ رہی تھی۔ شاید اس شخص کا مزاج ہی ایسا تھا۔ اس کی طبیعت ہی ا تھی۔ ہاں اگر کچھ سوچنے اور فکر کرنے کے قابل تھا تو اس کا اس کی جانب بڑھنا۔ مگر یہ بھی تو محض اتفاق لگتا تھا نا۔

اس نے تمام تر سوچوں کو جھٹکتے ہوئے کیب کو روکا تھا اور تمام سوچوں کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ یقیناً ا نہیں تھا جیسا وہ سوچ رہی تھی۔

❄ ❄ ❄

جب تک وہ یہاں تھی، بڑی باقاعدگی سے متواتر پاپا سے ملنے جا رہی تھی۔ ان کے ڈاکٹر سے بھی بطور ص ملاقات کی تھی۔ وہ خاصی حد تک پُر امید تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھی احسان مند تھی۔ پنے انتہائی اہم ترین شیڈول میں سے وقت نکال کر وہ اس کے ساتھ ہسپتال ضرور آ جاتا تھا اور وہ سمجھتی تھی اس کا احسان ہی تھا۔ پاپا نے اس شخص سے اس کا تعلق اپنی مرضی سے جوڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ انفرادی ر پر جیسا بھی سلوک کرتا، اسے قبول تھا۔ اسے اس کی سرد مہری سے اتنا گلہ نہیں تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی پاپا دا پنے کسی فیصلے پر شرمندگی ہو یا پھر وہ کسی بات کا بوجھ اس حالت میں لیں۔ اگر سبکتگین لغاری ایسی

کیفیت میں اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتا تو یقیناً وہ بہت مشکل میں گھر جاتی۔ اپنی بات اور تم
حالت میں پاپا کے لئے کوئی صدمہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس روز بھی جب وہ ڈاکٹر سے ملنے کے بعد باہر نکلی تھی وہ اس کا منتظر تھا۔ میرب کسی قدر ٹھ
گئی تھی۔

"آپ کو تو اہم ترین کام سے جانا تھا کہیں۔" ابھی جب تھوڑی دیر قبل زوبار یہ اسے رکنے
رہی تھی تو وہ پاپا کی خیریت دریافت کر کے باہر نکل آیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی شاید وہ چلا گیا ہ
باہر نکلی تھی تو اسے موجود پا کر کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

سبکتگین حیدرلغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ اور تب میرب سیال نے بہت ہولے سے دروا
اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ پورے سفر میں وہ کچھ نہ
حالانکہ وہ اس اقدام کے لئے سبکتگین حیدرلغاری کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ مگر جانے کیا ہوا
کوئی مناسب لفظ مل نہ پائے تھے۔ شاید اسی لئے وہ چپ سادھے بیٹھی رہی تھی۔ گاڑی ٹائم
سامنے رکی تھی۔ جب سبکتگین حیدرلغاری نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

"تمہارا گاڑی میں بیٹھنا مناسب نہیں ــــــ اگر چاہو تو میرے ساتھ آ سکتی ہو۔" کوئی
یہ۔ فقط ایک مخلصانہ مشورہ تھا۔ اس سفر میں وہ اس کی ذمہ داری تھی اور وہ اسے ساتھ لا کر اپ
بہت خوبی سے نبھا رہا تھا۔

میرب سیال نے چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی ٹا
عمارت میں داخل ہو گئی تھی۔ سبکتگین حیدرلغاری نے لفٹ میں داخل ہو کر اپنا مطلوبہ نمبر دبا
رکنے پر وہ اپنے مطلوبہ فلور پر لفٹ سے باہر نکلے تھے۔ وہ سبکتگین حیدرلغاری کے ہم قدم تھ
ساتھ تھی جب ایک بے حد دلکش پیکر کسی قدر حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساسات کا اظ
دوسرے لفظوں میں چیختا ہوا سبکتگین حیدرلغاری کی جانب لپکا تھا۔

"ہے ــــــ گین ــــــ وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔" کسی قدر جاپانی خدوخال کی ا
حد دلنشین لڑکی تھی۔ کتنی بے قراری سے وہ سبکتگین حیدرلغاری کی سمت بڑھی تھی۔ کتنی [illegible]
ساتھ لگتے ہوئے ملاقات کے تمام ضروری امور انجام دیئے تھے۔ سبکتگین حیدرلغاری یقیناً اس
اچھی طرح جانتا تھا۔ تبھی تو اس کی کمر کے گرد ہاتھ دھرے بہت خوش نوائی سے اس [illegible] اس
تھا۔ میرب سیال اس گھڑی جیسے کہیں پس منظر میں رہ گئی تھی۔ کچھ قدم کے فاصلے پر وہ چپ
ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں بہت رغبت سے ایک دوسرے سے مخاطب تھا۔ وہ اس
موجودگی کے متعلق دریافت کر رہی تھی۔ سبکتگین حیدرلغاری بہت دھیمے سے اسے مطلع کر رہا تھا۔

"ٹھہرے کہاں ہو؟" شستہ انگریزی میں پوچھتے ہوئے اسے کسی تیسرے وجود کا سرے
تھا۔ سبکتگین حیدرلغاری نے مطلع کیا تھا۔

"اور پھر تو ملنا ملانا ہوتا رہے گا۔"

"تم یہاں کیسے؟"

"میں یہاں اپنی آنٹی کے پاس آئی تھی۔ یہیں نیو یارک میں ہوتی ہیں وہ۔ امید نہیں تھی تم یہاں مل
اؤ گے۔ اس کے بعد کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا تم نے۔ بڑے بے مروت ہو۔" بڑی بے تکلفی سے وہ سبکتگین
یدرلغاری کے شانے پر ہاتھ دھرے ہوئے مخاطب تھی۔ کیسی چمک تھی اس لمحے اس پری رخ کی آنکھوں
یں۔ کیسی روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ جیسے سرِ راہ چلتے چلتے یکدم کوئی خزانہ ہاتھ لگا ہو۔ تو حقیقت
ھی کہ کہیں کوئی ایک نہ تھا۔

بہت سے دل فرشِ راہ تھے ــــــ بہت سی آنکھیں محوِ انتظار تھیں۔
کتنی پلکیں بجھی ہوئی تھیں۔ اور سبکتگین حیدرلغاری، اسے تو شاید یاد بھی نہ ہو گا۔ گنتی بھی کہاں یاد
ہوئی۔ گی! اعداد و شمار کتنا مشکل مرحلہ ہو گا۔
کتنے مقامات تھے۔ کتنی نظریں تھیں۔
کتنے دل اور کتنی داستانیں۔
اگر ان سب میں کچھ کامن تھا تو فقط سبکتگین حیدرلغاری۔

میرب سیال اسی طرح کھڑی تھی جب اس سرو قامت اور تیکھے نقوش والی اور کسی قدر جاپانی تاثر دیتی
لڑکی کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ اس نے بڑی حیرت سے چونکتے ہوئے دوسرے ہی لمحے سبکتگین حیدرلغاری
کی سمت دیکھا تھا۔

"یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟" سوال میں بے تحاشا حیرت تھی۔ سبکتگین حیدرلغاری جواب تک اس
کے وجود سے کسی قدر غافل تھا اس گھڑی یکدم ہی گردن موڑ کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا پھر بہت
ہولے سے گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

"ہوں ــــــ" کسی طرح کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔ تبھی وہ پری رخ اس کی سمت مسکراتے
ہوئے بڑھی تھی۔

"ہائے ــــــ آئی ایم گی **GEE**۔" ہاتھ اس کی سمت بڑھایا تھا۔ جواباً میرب سیال بھی مسکرا دی
تھی۔

"میرب سیال۔"

"بہت خوب صورت ہو تم۔ سبکتگین حیدرلغاری نے کبھی تمہارے بارے میں نہیں بتایا۔ میں اس کی
دوست ہوں۔ جاپانی نژاد کینیڈین۔ ویسے اگر تم مجھے مل کینیڈین کہو تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔" گی کے لبوں
پر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔ جواباً میرب سیال نے بھی جیسے مسکرانا فرض تھا۔ گی بہت زندہ دل لڑکی تھی۔
ساری باتیں وہیں کھڑے کھڑے کر لینا چاہتی تھی۔

"تم بہت خوب صورت ہو۔"

میرب سیال نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا جب سبکتگین حیدرلغاری ان کی طرف پلٹا تھا۔

"بہتر نہ ہو گا کہ ہم کہیں بیٹھ کر بات چیت کر لیں؟"

گی نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ تبھی وہ دونوں آگے بڑھنے لگے تھے۔ میرب سیال ک ساتھ دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

بہت سی باتوں اور چیزوں کی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پابند تھی۔ جس طرح اس گھڑی نہ چ بھی ان کے ساتھ ہونا۔ یقیناً وہ اس لمحے ان دونوں کے درمیان حائل تھی۔ اگر اسے انتخاب جاتا اور کسی قدر لبرٹی دی جاتی تو وہ یقیناً کسی کے بھی درمیان دیوار بننا قبول نہ کرتی۔

گی، سبکتگین حیدر لغاری کے بہت قریب تھی۔ اس کے داہنے مضبوط آہنی بازو میں اپنا ڈالے وہ اس گھڑی مکمل طور پر مسرور تھی۔

ناتا کچھ نیا تو نہ تھا۔ حالات بتا رہے تھے، وابستگی کچھ معمولی نہ تھی۔

اسے اس لمحہ انتہائی شرمندگی ہو رہی تھی ــــــ بہت آکورڈ فیل کر رہی تھی وہ۔ یقیناً یہ آسان نہیں تھی۔ جانے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے ان میں۔ سرگوشیوں میں بہت سی خاص با تھیں۔ میرب سیال کچھ نہیں سن پائی تھی۔ شاید وہ کچھ سننا چاہتی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنی آنکھیں ا میچ لینا چاہتی تھی۔ کان بھی بند کر لینا چاہتی تھی۔ وہ لمحے بڑے ثقیل تھے جب گی کے پرسنل سیل بجی تھی۔ جانے کون تھا دوسری طرف۔ لیکن اس کے دوسرے ہی پل اس نے معذرت طلب سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

"معذرت چاہتی ہوں ــــــ لیکن شام میں ضرور ملاقات ہوگی۔ تم ہوٹل میں ہی رہنا۔"

اختتامی الوداعی رسومات انجام دیتے ہوئے وہ اپنے گداز لب سبکتگین حیدر لغاری کے قریب لے جاتے ہوئے بہت دلکشی سے مسکرائی تھی۔ جواباً سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مس آئی تھی۔

وہ پری رخ چلی گئی تھی اور "ٹائم اسکوائر" کی ساری دلکشی جیسے ماند پڑ گئی تھی۔ شاید گی واقعی صورت لڑکی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں دور تک اس کا تعاقب کر رہی تھیں اور میرب سیا تھا کہ سبکتگین حیدر لغاری ابھی تک اس ایک لمحے کے سحر کی گرفت میں تھا اور وہ تاثر ابھی تک ماند اس کی آنکھوں کی چمک کتنی بڑھ گئی تھی۔ وہ بے حد مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ گی چلی گئی تھی مگر ا بتگین حیدر لغاری کے چہرے پر چھوڑ گئی تھی۔ وہ اس کی جانب بغور دیکھ رہی تھی جب وہ اس متوجہ ہوا تھا۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں کچھ کام نمٹا کر ابھی آتا ہوں۔" اسے وہاں چھوڑ کر وہ وہاں سے نکل گ

میرب سیال نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ نظروں میں پھر گی کا تصور جھلملانے لگا ایک بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ خوب صورت تو خیر تمام ہی لڑکیاں تھیں جن سے وہ آج تک لغاری کے حوالے سے ملی تھی۔ شاید معاملہ یہ تھا کہ سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ واقعی بہت بلند تھ پسند عام نہ تھی۔ عام چہرے اسے بھاتے نہ تھے۔ نام بدلتے تھے، مقام بدلتے تھے مگر اس کی پسن بلند رہتی تھی۔

بارسا تو خیر کوئی بھی نہیں ہوتا۔ مگر اس درجہ پذیرائی کا وصف شاید سبکتگین حیدر لغاری ہی کا خاصہ تھا۔

مختصر سے دنوں میں وہ اسے بہت زیادہ نہیں جان پائی تھی۔ مگر جتنے دن سے اس کے ساتھ تھی ہر روز ایک نیا رنگ اس کے سامنے آ رہا تھا جو پہلے رنگ سے یکسر مختلف اور الگ تھا۔ جانے کتنے رنگ اور تھے سبکتگین حیدر لغاری کی شخصیت کے۔ جانے اور کتنے وصف تھے۔

اسے کھوجنے کی اس قدر جستجو نہ تھی۔ مگر جو کچھ اس کے سامنے آ رہا تھا وہ اس سے اپنی آنکھیں بند بھی ر سکتی تھی۔ بہت کچھ حیران کن تھا۔ بہت کچھ چونکا دینے والا تھا۔ یقیناً ایسی بہت سی حیران کن باتیں، مزید ابھی اس کے سامنے آنا باقی تھیں۔ سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی یقیناً بہت ایڈونچرس تھی۔ بہت دل شخص تھا۔ لطف اندوزی کے بہت نرالے وصف از بر تھے اسے۔ اور وہ یقیناً حیران ہونے کے لئے اب تک کتنے تاثر تھے۔ کتنے چہرے سامنے آئے تھے اور اس پر یہ بھید نہ کھل سکا تھا کہ درحقیقت وہ ا۔ ابھی وہ ایک منظر ہی سمجھ نہ پاتی تھی کہ منظر بدل جاتا تھا۔ کتنی پرتیں تھیں سبکتگین حیدر لغاری کی ت کی۔

وہ نہیں جانتی تھی آنے والے لمحے اس کے لئے کیا لے کر آنے والے تھے۔

اسے آنے والے دنوں میں کیا کرنا تھا۔ وقتی طور پر اس نے تقدیر کا لکھا اسی کو جان کر اکتفا کر لیا تھا۔

ہر بدلتا منظر جس طرح سے اسے چونکا رہا تھا اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ زیادہ دن اس ماحول کا حصہ رہ ا۔

ایسی کوئی خاص جذباتی وابستگی تو نہیں ہوئی تھی ان دونوں میں مگر یہ ہوا تھا کہ اس کے پچھلے کچھ برے یرب کی نگاہ سے محو ضرور ہو گئے تھے۔ یا پھر اس نے جان بوجھ کر اس تاثر کو ذہن سے زائل کر دیا راب اس ایک لمحے میں پچھلے سارے منظر پوری شدت کے ساتھ روشن ہوتے چلے گئے تھے اور ان ں کے رنگ اسے کس قدر برے لگ رہے تھے۔

سبکتگین حیدر لغاری یقیناً وہ شخص نہیں تھا جس کی خواہش وہ کرتی۔

ہُر وجاہت تھا۔ پُرتاثر تھا۔

شخصیت میں سحر بھی تھا۔ بے تحاشا کشش بھی تھی۔ وقار بھی تھا۔ جاہ و جلال بھی۔

مگر وہ خاص وصف نہیں تھا جو اپنے جیون ساتھی میں وہ تلاشنا چاہتی تھی۔

تھیں کچھ اچھی عادتیں بھی سبکتگین حیدر لغاری میں۔ کچھ اچھی باتیں بھی ضرور تھیں۔ مگر خامیوں کے خوبیوں کا گراف بہت اَن بیلنس تھا۔ شاید کچھ خواص مزید بھی سبکتگین حیدر لغاری کی پرسنالٹی میں رہوتے مگر انہیں کھوجنے کی، تلاشنے کی جستجو اس میں قطعاً نہیں تھی۔

یک گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے دیکھا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری سامنے سے آتا ہوا اس کی سمت ہا تھا ــــــ وہ اس کے قریب آتا اور اسے اٹھنے کے لئے کہتا، وہ اس سے قبل ہی تمام امور انجام چکی تھی۔

"چلو ــــــ" وہ بولا تھا۔ پھر یکدم اس کی سمت پلٹا تھا۔ "تمہیں بھوک تو نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے سرنفی میں ہلایا تھا۔

"اوکے ـــــ چلو پھر۔" وہ غالباً عجلت میں تھا۔ لفٹ کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے ق خاصی سرعت تھی۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اگر آپ کو کوئی کام ہے تو میں اکیلی ہوٹل چلی جاتی ہوں۔ آپ وہ کام انجام دے لیجیے۔" قناعت کرنا آ گیا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے فقط اس کی سمت خاموشی سے دیکھا۔ کچھ کہا نہ اسکوائر سے نکل کر اس نے میرب کے لئے ایک کیب ہائیر کی تھی اور اسے بٹھا کر کھڑکی میں ج ہدایت کی تھی۔

"ہوٹل پہنچ کر مجھے فون کر دینا۔"

یہ ہدایت یقیناً اس کی خیریت کے پیش نظر تھی اور میرب سیال نے بہت ہولے سے سر اثبا دیا تھا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔

جب سے سبکتگین حیدر لغاری اس کی زندگی میں آیا تھا، اس کا سر فقط اثبات میں ہلنے لگا تھا کرنے کے لمحے زندگی میں کچھ زیادہ میسر نہیں آئے تھے۔ مگر جتنے بھی میسر آئے تھے اسے کبھی انتہائی چغد انداز میں فقط سر نہیں ہلانا پڑا تھا۔ مگر اب جیسے وہ اس سے زیادہ کی سکت رکھتی ہی نہ تھی

ایسا کیا تھا سبکتگین حیدر لغاری میں؟

ایسا کیا تھا اس کی شخصیت میں جو وہ اس کی اس درجہ تابع ہو گئی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسی نہج پر سوچتی رہی تھی مگر کچھ خاص سمجھ میں نہ آیا تھا۔

❄❄❄

زندگی جتنی بھی مشکل ہو، جینے کی صورت نکل ہی آتی ہے۔ پچھلے دنوں زندگی میں جتنی بھی ا تھی اس کا کچھ تدارک نہ تھا۔ مگر اب یوں ہوا تھا کہ وہ تاثر اگر پوری طرح زائل نہیں بھی ہوا دھیرے دھیرے واپس اپنے ڈھب پر آنے لگی تھی۔

ماہا نے کیمپس جانا شروع کر دیا تھا اور اسے دیکھ کر فارحہ کو بہت اطمینان ہوا تھا۔ وہ نئے جینا شروع کر چکی تھی۔ ایک مقصد آ گیا تھا اس کے ہاتھ۔ بہت حد تک مصروف ہو گئی تھی وہ یقینا والی کوئی کیفیت باقی نہ رہی تھی۔ اسے مطمئن دیکھ کر اذہان حسن بخاری بھی خوش تھا اور ان دونو فارحہ خوش تھیں۔ سعد حسن شاہ بخاری کا آنا جانا ایک الگ معمول تھا۔ مگر انہوں نے ماہا کے کہ کرنے پر کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا تھا۔

"سب کچھ بہت بدل گیا ہے۔" جانے انہوں نے کس ڈھب پر کہا تھا۔ فارحہ بہت دھیمے تھیں۔

"ہاں ـــــ واقعی بہت کچھ بدل گیا ہے۔" شاید طنز تھا کوئی۔ سعد حسن شاہ بخاری د تھے۔

"آپ کو بچوں کو وقت دینا چاہئے۔ انہیں آپ کی ضرورت یقیناً اب بھی ہے۔" جانے کیا

حسن بخاری کچھ نہیں بولے تھے۔ فقط خاموشی سے اس کی جانب تکتے رہے تھے۔

تغیر کا باعث کوئی اور تو نہیں۔" بہت ہولے سے احساس دلایا تھا۔

تم مجھے میری غلطیوں کی یاد دہانی کرانا چاہتی ہو؟" سعد حسن بخاری کو شاید آئینہ دکھانا اچھا نہیں لگا

نہیں۔ فقط باور کرانا چاہتی ہوں۔ کسی کو الزام دینے سے قبل اسباب پر بھی غور ضرور کر لیجیے۔" فارحہ لہجے میں بولی تھیں۔ سعد حسن بخاری دیکھ کر رہ گئے تھے۔ فارحہ انہیں اسی طرح ساکت چھوڑ کر باہر ئی تھیں۔ باہر لاؤنج میں اذہان حسن بخاری، اگینے اور عزیر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

تم لوگ کب آئے؟" فارحہ، اگینے اور عزیر سے ملتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

بس ابھی ابھی۔"

ماہا کہاں ہے؟ ـــــ کچھ خاطر مدارات بھی کی یا نہیں؟" فارحہ نے فیروزی شیفون کی ساڑھی کا ہالتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ تبھی اذہان حسن بخاری گویا ہوا تھا۔

آپ بیٹھیں ممی! ماہا گئی ہے کچن میں۔" تب فارحہ، اگینے کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

اذہان بتا رہا تھا سعد بھائی آئے ہوئے ہیں۔" اگینے نے دریافت کیا تھا۔

ہاں۔" فارحہ نے مختصر جواب دیا۔ ایک ہلکی سی رسمی مسکراہٹ لبوں پر پھیلی تھی پھر دوسرے ہی پل ہو گئی تھی۔ اگینے نے انہیں بغور دیکھا تھا۔ وہ ان کی کیفیت کسی حد تک سمجھ گئی تھی۔ شاید تبھی کچھ ریافت نہیں کیا تھا۔

بھابی! ہم بلال کی شادی کا کارڈ دینے آئے تھے۔" اگینے نے کارڈ فارحہ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ وہ ر حیرت سے مسکرا دی تھیں۔

اوہ ـــــ اتنی اچھی خبر۔ تم لوگوں نے بنا مطلع کئے سب کام بالا ہی بالا طے کر ڈالے اور سب کچھ رکے اب ہمیں فقط مطلع کر رہے ہو۔" فارحہ نے مسکراتے ہوئے بہت اپنائیت سے شکوہ کیا تھا۔ اگینے دی تھی۔

بھابی! آپ کے بغیر ہم بھلا کچھ کر سکتے ہیں؟ سب آپ کے منتظر ہیں۔ سارے کام آپ کے ہی انجام پائیں گے انشاء اللہ۔ ردا کے گھر والوں کو کچھ جلدی تھی۔ سو بہت قریب کی ڈیٹ فکس کرنا ہم سب لوگوں کے لئے خود بہت غیر متوقع خبر ہے یہ۔ لڑکیوں نے تو اچھا خاصا دھاوا بول دیا ہے۔ انہیں خاص تیاریاں جو کرنی ہوتی ہیں۔" اگینے مسکراتے ہوئے مطلع کر رہی تھی۔ تبھی عزیر گویا ہوا

"اگینے آپا کے قدم بہت لکی ہیں۔ آتے ہی بلال کو ٹھکانے لگا دیا۔ سب سوچ رہے ہیں اگلا نمبر کس کا "

"تم قطعاً نہیں ہو گے۔ لکھ کر رکھ لو۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔ بہت بعد وہ عام روٹین کی طرح مسکرا رہا تھا۔ ورنہ وہ تو یہ سب بھول ہی گیا تھا۔ فارحہ اسے دیکھ کر بہت

خوش ہوئی تھی۔

”میں نہیں ہوسکتا، لیکن تم تو ہو سکتے ہو نا۔“ عزیر نے جواباً چھیڑا تھا۔ دونوں ہاتھوں پ ہوئے کھلکھلا کر ہنستے چلے گئے تھے۔ اگینے نے مسکراتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔

”میری مانیں تو بھابی! آپ بھی اب ازہان کے لئے کوئی لڑکی دیکھ ہی ڈالئے۔ گھر م کچھ سکون آپ کو بھی ملے گا۔ پھر رونق بھی خوب رہے گی۔“

”اگینے! یہ کیا پٹیاں پڑھا رہی ہیں آپ میری والدہ کو؟“ ازہان حسن بخاری نے ا مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

”تمہارے بھلے کی باتیں ہی بتا رہی ہوں۔“

”ماشاءاللہ۔ کچھ ہم بھی تو سنیں۔“ اگینے کی سمت بغور تکتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

”اوئے یار! اگینے تیرے لئے لڑکی دیکھنے کی بات کر رہی ہیں۔ مسیحا ہم ہیں اور نیکیاں کر سوجھ رہی ہے۔“ عزیر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ازہان حسن بخاری کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ سمت تکتی چلی گئی تھیں۔ کیسی آسودگی اتر رہی تھی اندر کہیں۔ کس قدر راحت محسوس کر رہی تھیں ا

”کچھ بھی کہو، لڑکی تو تمہارے لئے اگینے ہی دیکھے گی۔“ فارحہ نے بھی حصہ لیا تھا۔

”ممی! آپ بھی؟“ ازہان حسن بخاری نے ماں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

”دیکھ لو، اب تو فارحہ بھابی نے بھی گرین سگنل دے دیا۔ اب آرام سے بتا دو اپنی پ درکار ہے تمہیں؟“ اگینے نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ ازہان حسن بخاری نے م اگینے کی سمت بغور دیکھا تھا۔

”اوں، ہوں۔“ سر نفی میں ہلایا تھا۔ ”یہ تو میں آپ کو قطعاً نہیں بتاؤں گا۔“ وہ جیسے ا حال سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

”اگینے! اپنے محترم ازہان حسن بخاری کا ارادہ کچھ اور ہے۔ آپ اپنا ارادہ بدل لیجۓ مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”نہیں۔ ازہان حسن بخاری کے لئے لڑکی تو میں ہی دیکھوں گی۔ اور دیکھنا یہ خود بھی ا رہ جائے گا۔“ اگینے نے دعویٰ کیا تھا۔

”کیوں ____ اس قدر خوفناک ہوگی وہ؟“ عزیر نے بیچ میں لقمہ دیا تھا۔ ازہان حسن بہت فطری تھا۔ دونوں دوست، عرصہ دراز بعد یوں مل کر بیٹھے تھے اور انجوائے کر رہے تھے۔ کو آنے کی بطور خاص تلقین کی تھی اور پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

ازہان حسن بخاری انہیں چھوڑنے کے لئے باہر تک آیا تھا۔ عزیر جب پورچ سے گاڑی اگینے نے اس کی سمت قدم بڑھائے تھے تبھی اس نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔

”اگینے!“

”ہوں؟“ اگینے نے گھوم کر اسے دیکھا تھا۔ مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی

در تکنے لگی تھی۔

”تھینکس۔“ بہت ہولے سے وہ بولا تھا۔

”کس لئے؟“ اگینے حیران ہوئی تھی۔

”آپ کے باعث آج ہم بہت عرصے بعد کھل کر مسکرائے۔ میں نے بہت دنوں بعد ممی کو اس طرح سکون پایا۔“ اگینے اس کی سمت تکتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

”شکریہ میرا نہیں بلال کا ادا کرو، جو شادی کر رہا ہے۔ یہ ساری خوشیاں اسی کی شادی کے باعث ہاتھ لی ہیں۔“

”ہوں۔“ ازہان حسن بخاری نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔

”تبھی تو کہہ رہی ہوں اب تم بھی اس ضمن میں سوچنا شروع کر دو۔“ اگینے نے مسکراتے ہوئے کہا ا۔ ازہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ تبھی عزیر نے ہارن دیا تھا۔ اگینے پلٹنے لگی تھی ب ازہان حسن بخاری نے اسے پکارا تھا۔

”اگینے!“

”ہوں ____؟“ وہ ایک بار پھر پلٹی تھی۔

ازہان حسن بخاری نے چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

”لڑکی آپ جیسی ہونی چاہئے۔“ آنکھوں میں ایک شرارت رکی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا اس لڑی۔ اگینے نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا پھر مسکراتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔ ازہان حسن بخاری چند انیوں تک وہیں رکا اس سمت تکتا رہا پھر لب بھینچ کر مڑا اور قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

دن شاید پلٹ رہے تھے۔ زمانہ شاید بدل رہا تھا۔

اسے سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حالانکہ سب کچھ بدلا نہ تھا۔ مگر اس کے لئے یہی بہت تھا کہ اس کے ھر کی کھوئی ہوئی مسکراہٹیں آج دوبارہ لوٹ رہی تھیں۔ اس کی ماں کی آنکھوں میں اطمینان تھا، سکون تھا۔ ں پر مسکراہٹ تھی۔ اور اتنا کچھ بہت کافی تھا اس کے لئے۔ فارحہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں جب اس نے ہولے ہولے چلتے ہوئے ان تک فاصلہ سمیٹا تھا۔ ان کے قریب رک کر چند ثانیوں تک انہیں دیکھا تھا ر بیٹھتے ہوئے سر ان کی گود میں دھر دیا تھا۔ فارحہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ کہا کچھ یں تھا۔ ازہان حسن بخاری نے بھی فقط مسکراتے ہوئے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔ دونوں شاید ایک وجے کی کیفیت بہ خوبی سمجھ رہے تھے۔

* * *

انابیہ شاہ اپنے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی نیٹ سرفنگ کر رہی تھی۔ باہر لاؤنج میں دادا ابا اور حترم عفنان علی خان دھواں دھار بحث و مباحثے میں مصروف تھے۔ غالباً ان کا موضوع گفتگو ادب تھا۔ دسرے معنوں میں دونوں حضرات اس لمحے خاصی ادبی گفتگو فرما رہے تھے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا۔ شاید تبھی ان کی آواز بخوبی اس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھی۔

عفنان علی خان کے آنے سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ دادا ابا کو ایک سنگت میسر آ گئی تھی۔ اور ا وقت خاصا اچھا گزرنے لگا تھا۔ درحقیقت وہ عفنان علی خان کی آمد کے اغراض و مقاصد جانے کرنے سے یکسر قاصر رہی تھی مگر اس نے بطور خاص اس ضمن میں کچھ سوچا بھی نہ تھا۔ دیکھا جاتا تو کا یہ واقعہ تھا بھی نہیں۔ ہاں یہ تھا کہ وہ شخص بہت دوستانہ مزاج رکھتا تھا۔ شاید اسی لئے کسی حد تکلف واقع ہوا تھا۔ یہ اس کی طبیعت کا خاصہ تھا شاید۔ اس کے باعث اس پر کوئی فتویٰ جاری نہ سکتا تھا۔ ہر شخص کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات سوچنے والی تھی کہ اس نے دادا ابا کا دل وا لیا تھا۔ دادا ابا کو بہت کم لوگ متاثر کرتے تھے اور انہی میں ان محترم عفنان علی خان کا شمار بھی، تھا۔ اس میں کچھ تو تھا کہ دادا ابا اس کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ اتنے کم دنو پہچان ہے۔

انابیہ یکدم اپنے کمرے سے اٹھ کر ان دونوں کے پاس آ گئی تھی۔

دادا ابا، عفنان علی خان کی معلومات پر اسے سراہ رہے تھے۔ اس کی مدلل گفتگو پر اسے اپری ٹ رہے تھے۔ وہ پلٹنا چاہتی تھی لیکن یکدم یہ ممکن نہ تھا۔ شاید تبھی وہاں کھڑی رہی تھی۔ اور پھر شاید ا خجالت مٹانے کو بہت آہستہ سے جھک کر اپنے بازو دادا ابا کے گرد حمائل کر دیئے تھے۔ عفنان علی چہرے کو اس گھڑی دانستہ بغور دیکھ رہا تھا۔

”تم تو غالباً بزی تھیں؟“

دادا ابا نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ سے دریافت کیا تھا۔ وہ مسکرائی تو نگاہ خان سے لحہ بھر کو ٹکرائی تھی۔ تبھی وہ ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

”اتنی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے سوچا چائے، کافی کا پوچھ لوں ضرورت نہیں؟“

”نہیں ـــــ مجھے تو نہیں۔ تم عفنان علی خان سے پوچھ لو۔“ دادا ابا نے مسکراتے ہوئے خان کی سمت اشارہ دیا تھا۔ تبھی وہ اس کی سمت براہِ راست تکنے لگی تھی۔

”ناٹ ایٹ آل۔“ اس نے شانے بےفکری سے اچکائے تھے۔ تبھی دادا ابا گھڑی دیکھتے کھڑے ہوئے تھے۔

”بھئی برخوردار! بہت اچھی گفتگو رہی تم سے۔ ابھی نماز کا وقت ہو چلا ہے ورنہ مزید نشس دونوں بیٹھو، باتیں کرو۔ میں نماز پڑھ لوں۔“

دادا ابا کہنے کے ساتھ ہی چلتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئے تھے۔ عفنان علی خان اب خاص بغور تکتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر غالباً اس گھڑی مروتاً مسکرائی تھی۔

”مجھے نہیں علم تھا آپ اتنی ادبی قسم کی گفتگو بھی فرما سکتے ہیں۔“ اس نے اپنی حیرت کا ا تھا۔ عفنان علی خان بہت دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

”کیوں ـــــ آپ مجھے اتنا بےادب جانتی ہیں؟“ جواب بہت بروقت تھا۔ وہ مسکرا دی

”نہیں، ایسی بات نہیں۔ دراصل میں آپ کو قطعاً نابلد سمجھتی تھی۔“ اس نے سچ کہا تھا۔ عفنان علی خان بغور تکتے ہوئے بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

”کس بات سے؟“ اس گھڑی خاصی دلچسپی سے وہ انابیہ شاہ کی سمت متوجہ تھا۔ روشن آنکھوں میں بڑی ی چمک تھی۔ جانے کیسا احساس تھا۔ انابیہ شاہ نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

عفنان علی خان اپنے سوال کی جواب دہی کے لئے یقیناً منتظر تھا مگر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی ان علی خان بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

”اور کن کن باتوں سے نابلد سمجھتی ہیں مجھے، کبھی سہولت سے وضاحت ضرور کیجئے گا۔“

انابیہ شاہ ایک بار پھر اس کی سمت تکتی ہوئی اخلاقاً مسکرائی تھی۔ ساتھ ہی گویا ہوئی تھی۔

”ادب کے اتنے بڑے ناموں پر گفتگو کرنا آسان نہیں۔ اور وہ بھی دادا ابا کے ساتھ۔ دادا ابا ادب کا ا پھرتا، جیتا جاگتا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔“

”اور میں؟ ـــــ میرے بارے میں کیا خیال ہے؟“ بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سینے پر ٹکاتے ے اس نے خود اپنے متعلق دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے لحہ بھر کو کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا پھر بہت سہولت سے شانے اچکا دیئے تھے۔ بڑا بےتاثر انداز تھا جیسے وہ تمام تر تاثر محفوظ رکھنا چاہتی ا۔ عفنان علی خان اس کی سمت بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ انداز میں ایک خاص احساسِ تفاخر تھا۔ ، اپنے وصف کے متعلق بخوبی جانتا ہو۔ اس گھڑی کتنی آہستگی سے وہ گویا ہوا تھا۔

اُس جانِ تکلم کو تم مجھ سے تو ملواتے
تسخیر نہ کر پاتا حیران تو کر جاتا!

کتنی دلکش مسکراہٹ اتری تھی اس لمحے اس کے لبوں پر۔ انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی وہ کھڑا ہوا تھا۔

”کیا اب بھی دوستی کے لئے ماحول سازگار نہیں ہے؟“ اس کے مدمقابل کھڑے ہوتے ہوئے وہ اسے دریافت کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ وہ قدم داخلی دروازے کی ت بڑھانے لگا تھا۔ انابیہ نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

”برف پگھلنے میں اور کتنی دیر لگے گی؟“ لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ انداز ذومعنی تھا۔ انابیہ شاہ ، قدم بڑھاتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

”آپ کا مزاج دادا ابا سے خاصا میچ کرتا ہے۔ آپ کی اور ان کی خوب جمے گی۔“

”اور آپ؟“ دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس نے، اس کی سمت اشارہ کیا تھا۔

”میں؟“ وہ اپنی جانب اشارہ کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ ”میرا مزاج بہت مختلف ہے۔ لامعہ نے بتایا ل آپ کو۔ میں بہت زیادہ دوست نہیں بناتی۔ اسکول سے لے کر اب تک میری فقط ایک ہی دوست ، لامعہ کی شکل میں۔ مجھے افراد کا ہجوم اپنے اردگرد لگانا اچھا نہیں لگتا۔“

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی ایک خاص ادا سے شانے اچکائے تھے۔ برآمدے کی سیڑھیاں

اتر کر اس نے سر اٹھا کر کھلے آسمان کی سمت نگاہ کی تھی۔ جانے کیا تلاشنے کی کوشش کی تھی۔ اناب قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے دوسرے ہی لمحے دھیان اس کی تھا۔

''کاش___'' ایک حسرت بہت ہولے سے اس کے لبوں پر دم توڑ گئی تھی۔ انابیہ شاہ ق پائی تھی۔ عجب دیوانہ پن تھا۔ شاید وہ شخص کسی قدر خبطی واقع ہوا تھا جو عجیب و غریب حرکتیں کر ساتھ خود کلامی کا بھی عادی تھا۔ انابیہ شاہ کے اپنی طرف حیرت سے تکنے پر دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''کیا ہوا؟'' سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ انابیہ نے بہت ہولے سے سر نفی تھا۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔

''چلتا ہوں___ دادا ابا کو میری طرف سے خدا حافظ کہہ دیجئے گا۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔ چوکیدار نے گیٹ وا کیا تھا اور جب تک وہ ا نکال کر نہیں لے گیا تھا، انابیہ شاہ وہیں ستون کے ساتھ لگی کھڑی رہی تھی۔ پھر وہیں سیڑھیوں تھی۔ رات کی رانی کی مہک نے لان کے تمام ماحول کو اپنے سحر میں باندھا ہوا تھا۔

چند ثانیوں تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی تھی پھر ایک لمحے کو سر اٹھا کر کھلے آسمان کی طرف ا چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے روشن تھا۔ آسمان کا حُسن دوبالا ہو رہا تھا۔

''کاش___'' ایک صورت سرگوشی کی مانند اس کے اطراف میں اُبھری تھی۔

وہ سر فوراً پہلے والی پوزیشن پر لے آئی تھی۔ چند ثانیوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ پھر یک اور گلاس ڈور کھول کر قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

* * *

ہسپتال سے فون آیا تھا۔ بات تو کچھ خاص نہ تھی۔ ڈاکٹر نے چند ضروری امور کے لئے انہ بلوایا تھا۔ مگر جانے کیوں میرب سیال کا دل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یکدم ہی بہت سے سے در آئے تھے۔ صبح ہی تو وہ پاپا سے مل کر آئی تھی۔ سب کچھ معمول پر تھا۔ پاپا کو وہ اپنی آنکھوا چکی تھی۔ ان کی حالت خاصی بہتر تھی لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو یکدم ہی بہت سے اندیشول تھا۔ فوری طور پر کچھ اور تو سمجھ میں نہ آیا تھا، اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور برابر وا۔ جانب پیش قدمی کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دو الگ الگ رومز قیام کے لئے لئے۔ درجہ بوکھلاہٹ کا شکار تھی کہ اس نے دروازے پر دستک دینے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ہا دھرا تھا اور ایک ہلکے سے دباؤ سے دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ اندر کا منظر اس کی توقع کے بہت شاید تبھی وہ وہیں دہلیز پر ہی ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری گی کے بہت قریب کھڑا تھا۔ گی اس وقت اس کی آہنی گرفہ مضبوط ہاتھ گی کی نازک کمر کے گرد دھرے ہوئے تھے اور وہ حد درجہ رغبت سے اس گھڑی اس جھکا ہوا تھا۔ میرب سیال نے آنکھیں بہت سختی سے میچ ڈالی تھیں۔ یقیناً وہ اس ایک بہت قیمتی

ی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت گی پر ڈھیلی ہوتی چلی گئی تھی۔ یقیناً ایسے کسی لمحے کا اندیشہ اسے بھی تھا۔ گی نظریں جھکا کر چلتی ہوئی قدرے فاصلے پر جا رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے تنہا اس امنے کھڑا اسے کسی قدر ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اسے یہ مداخلت بہت ناگوار گزری

یرب سیال کسی قدر شرمندہ تھی۔ تبھی سر جھکائے کھڑی تھی۔ سختی سے میچی ہوئی آنکھوں کو بہت ہولے ا کیا تھا مگر سر اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں یقیناً اس گھڑی خشمگیں تھیں دنا بھی چاہئے تھیں۔ اس کا اقدام ایسا ہی تھا۔ یہ کارروائی ایٹی کیٹس اور مینرز کے سخت خلاف تھی۔ یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ شاید اسی لئے اس کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔

''آئی ایم سوری!___'' یقیناً وہ حد درجہ شرمندہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بغور دیکھ ا جب وہ اسی طرح سر جھکائے ہولے سے جانے کے لئے پلٹی تھی۔

''ٹھہرو___'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پشت سے پکارا تھا۔ اس کے قدم یکدم تھم گئے تھے مگر ی بار اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

''کوئی کام تھا؟''

''اوں، ہوں۔'' میرب سیال نے لب بھینچ کر سر نفی میں ہلایا تھا۔ پلٹ کے دیکھنے کی ہمت اب بھی میں ناپید تھی۔ گی کچھ فاصلے پر کھڑی اس دھان پان سی لڑکی کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس نے قطعاً نہیں اچاہا تھا کہ ان دونوں میں کیا رشتہ تھا۔ اسے یہ جاننے کی اتنی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس کے لئے سب بے معنی تھا۔ اگر کچھ اہم تھا تو فقط وہ شخص۔ شاید اسی لئے اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے اس کے متعلق کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ مگر وہ لڑکی اس لمحے جب وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بہت ب کھڑی تھی، کیسی عجیب کیفیت تھی اس لڑکی کی آنکھوں میں۔ کتنا بہت سا دھواں بھرا ہوا تھا۔ اور اب ادہ کس طرح رخ پھیرے کھڑی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس طرح کسی قدر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کے چہرے کے رات نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔ کتنی بے تاثر سی تھیں وہ نظریں۔ اور وہ لڑکی کتنی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

''پھر___؟'' وہ یقیناً اس لڑکی سے جواب چاہ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر اسی طرح گردن موڑے سر امیں ہلا رہی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' مدھم لہجہ کسی قدر شرمندہ سا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکل تی۔

کوئی نیا لمحہ تو نہ تھا___ کوئی نئی بات بھی نہ تھی۔ یہ پہلا منظر تو نہ تھا۔ اسے تو یقیناً اب ان سب ں کا عادی ہو جانا چاہئے تھا۔ پھر اس کے اندر بہت سا دھواں کیوں بھرنے لگا تھا؟___ کیوں اس کا گھٹنے لگا تھا؟___ کیوں اس کی آنکھوں میں بہت سی جلن گھر کرنے لگی تھی؟

جب کوئی وابستگی سرے سے تھی ہی نہیں۔

جب سرے سے کوئی استحقاق تھا ہی نہیں تو اسے کیوں ہر بار ایسے منظر بہت پُر وحشت لگتے

جب ایسا سب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طبیعت کا خاصا تھا تو وہ مان کیوں نہیں لیتی تھ

کیوں ہر بار اس کی نگاہ حیرانیوں سے بھر جاتی تھی؟

کیوں کبھی وہ بے تاثر نہیں بن پاتی تھیں؟

اس نے تو اس تعلق کو دل سے مانا بھی نہیں تھا۔

کسی استحقاق کو برتا بھی نہیں تھا۔

پھر کیوں ان منظروں کی جلن اس کے من کو سلگانے لگتی تھی؟ —— کیوں وہ یہ سب دیکھ کر غیر کی مانند اجنبی نہیں بن پاتی تھی؟

اپنے کمرے میں آ کر اس نے بیگ شولڈر پر ڈالا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ آنکھوں میں بہت بھر رہا تھا۔ دل کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ سانس سینے میں گھٹ سی رہی تھی۔ مگر وہ تیزی سے ہوٹل سے نکل آئی تھی۔

کیب میں بیٹھ کر ہسپتال کی جانب بڑھتے ہوئے بھی ذہن اسی طرح جل رہا تھا۔

عجب تو کچھ بھی نہ ہوا تھا مگر جانے کیوں وہ اس صورت حال کو بہت ہارڈ لے رہی تھی۔ یا وجہ سے ہی پریشان تھی۔ دل بہت ہولے جا رہا تھا۔

جانے کیا ہونے جا رہا تھا۔

جانے کیا ہونے والا تھا۔

بے چینی حد درجہ سوا تھی۔

سانس سینے میں گھٹ رہی تھی۔ اس کے لئے جیسے وہ تمام لمحے کاٹنا محال ہو رہا تھا۔

کیب نے اسے ہسپتال کے سامنے اتارا تھا اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ہسپتال میں داخل ہوئی

ڈاکٹر تیزی سے اس کی سمت بڑھتا دکھائی دیا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا —— یقیناً صورتِ حال بس میں نہ تھی۔

اس کا دل یونہی نہیں گھبرا رہا تھا۔

شاید.......

”آپ میرے ساتھ آئیے۔“ ڈاکٹر بہت عجلت سے بولا تھا اور اس کی نظر ساکت رہ گئی تھی۔

دل جیسے تھمنے لگا تھا۔

پوری روح میں قیامت سی برپا ہو گئی تھی۔ نہ جانے صورت حال کیا تھی؟ —— نہ جانے تھی؟ —— فوری طور پر وہ کچھ نہ جان پائی تھی۔ تبھی وہ خالی خالی نظروں سے تکتی چلی گئی تھ بحال رکھنا تھا۔ استحکام قائم رکھنا تھا۔ وہ مشکل میں تھی۔

ذہن مکمل طور پر ماؤف تھا۔

وہ تنہا تھی —— بہت اکیلی۔

کوئی شانہ مہربان بھی نہ تھا۔

مگر اسے اپنے ضبط کو آزمانا تھا۔

خود کو قائم رکھنا تھا۔

حوصلوں کو کھونا نہیں تھا۔

اس نے خود کو اپنے اندر مجتمع کرتے ہوئے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تھا۔

”سب کچھ ٹھیک ہے؟“ شستہ انگریزی میں پوچھتے ہوئے وہ حد درجہ پُر اعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی

ا۔ ڈاکٹر نے بہت عجلت میں سر نفی میں ہلایا تھا۔ پھر اسی قدر روانی سے گویا ہوا تھا۔

”ایمرجنسی ہے —— مسٹر سیال کی کیفیت اچانک بگڑ جانے کے باعث ہمیں فوری طور پر ان کو جری روم میں لے جانا ہوگا۔ مگر فکر مت کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ ڈاکٹر کا انداز پُر عجلت تھا۔

اس کا اندر پل بھر میں بیٹھتا چلا گیا تھا۔ سارے حوصلے پل بھر میں دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

”ڈاکٹر! پلیز، میں اپنے والد سے ملنا چاہوں گی۔“ اپنی بھیگتی پلکوں کی نمی کو اس نے یک دم ہاتھ کی ت سے رگڑ کر صاف کیا تھا۔

”نی الحال ایسا ممکن نہیں۔ مگر حوصلہ مت ہاریں۔ ریسیپشن پر کچھ ضروری پیپرز رکھوا دیئے ہیں۔ پلیز، پ وہ سائن کر دیں۔ ہری اپ۔“ ڈاکٹرز تیزی سے سرجری روم کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اسی سرعت ے سامنے کا دروازہ کھلا تھا۔ نرسز اور ڈاکٹرز پاپا کو اسٹریچر پر ڈالے تیزی سے باہر نکلے تھے۔

میرب سیال ان کی طرف دوڑی تھی۔ بڑی عجلت میں پاپا کا ہاتھ تھاما تھا۔ بھیگتی آنکھوں سے ان کا چہرہ لھا تھا۔ وہ ہوش میں نہ تھے۔

”پاپا! —— پاپا!“ اُس نے نم ہوتی آنکھوں سے پکارا تھا۔ مگر جواب کوئی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹرز اسی تیزی ے انہیں لے کر سرجری روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔ اس کے قدم بہت پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ ہاتھ خالی گیا تھا۔

فقط اک لمس تھا۔

اس مہربان ہاتھ کا لمس جس کی تپش اس نے لمحہ بھر قبل محسوس کی تھی۔

کیسا کڑا وقت تھا۔

کیسی جاں پہ بنی ہوئی تھی۔

کتنا بڑا طوفان تھا۔

اور وہ تنہا تھی۔

یقیناً اسے حوصلہ نہیں ہارنا تھا۔

ہاتھ میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ مگر اسے خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا تھا۔

خود کو ٹوٹنے نہیں دینا تھا۔

چند لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑی بھیگی آنکھوں سے سرجری روم کی سمت جاتی ویران راہو تھی۔ پھر ہاتھ آنکھوں تک لے جا کر پلکوں کو رگڑتے ہوئے صاف کیا تھا اور مڑ کر ریسپش بڑھنے لگی تھی۔

ضروری پیپرز سائن کرنے کے بعد اس نے مکمل حوصلے کے ساتھ زوباریہ سے رابطہ کیا تھا کرنے کے بعد وہ پلٹی تھی۔

لبوں پر بہت سی دعائیں تھیں۔

بہت سی التجائیں تھیں۔

وہ اپنے پورے دل، اپنی پوری جان اور پوری عقل و خرد کے ساتھ اس لمحہ خدا کے سامنے رہی تھی۔ اس کا دل سجدہ ریز تھا اور اسے یقین تھا یہ دعائیں، یہ مناجاتیں رائیگاں نہیں رہیں گی۔ خدا یقیناً اپنے بندوں کی مشکل گھڑی میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جتنی زیادہ صداق مخاطب کیا جاتا ہے، جتنے دل سے پکارا جاتا ہے، اتنی ہی رغبت سے وہ اپنے بندوں پر اپنی رحم کر دیتا ہے۔ وہ خود کو اس لمحے خدا کے بہت قریب محسوس کر رہی تھی۔

یقیناً خدا اس کی دعائیں سن رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے بہتے پانیوں میں اور بھی روانی آ گئی تھی۔

کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ تھی اس گھڑی۔

کوئی خدشہ نہیں تھا۔

کیونکہ وہ خدا کے قریب تھی۔ اس سے اپنے پورے دل سے مخاطب تھی۔

وہ تنہا نہیں تھی۔

دل اب پہلے کی طرح ڈر نہیں رہا تھا۔

حوصلے پوری طرح مجتمع تھے۔ وہ پُر اعتماد نظر آ رہی تھی۔

* * *

بڑی فطری سی بات ہے۔ شاید کسی بھی شے میں تعطل واقع ہونے سے ساری کیفیت میں اثر پذیری اقع ہو جاتی ہے۔ تسلسل پہلے جیسا نہیں رہتا۔ پہلے جیسی کیفیت باقی نہیں بچتی۔

ترسیل ویسی باقی نہیں رہتی۔

معنی بدل جاتے ہیں، شے نئے سانچوں میں ڈھل جاتی ہے، تغیر اپنا آپ منوا کر ثابت کر دیتا ہے کہ بہت کچھ واقع ہو چکا ہے اور اب کچھ پہلے جیسا باقی نہیں رہا۔ گرہ دھاگے میں پڑے یا تعلقات میں، ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ بال آئینے میں آئے یا دل میں، کیفیت ایک سی ہوتی ہے۔ فقط اپنی جانب سے تسلی کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ خوش گمانی فقط خود کو باور کرانے کا ایک ڈھونگ ہے۔ فرض کر لینا ایسے ہی ہے جیسے آپ خود کو اپنے ہاتھوں خود بے وقوف بنانے چلے ہوں۔

بڑے بودے رہتے ہیں ایسے سارے اقدامات۔

بڑے ہی کمزور رہتے ہیں ایسے سارے ڈھنگ۔

بڑی متضاد کیفیات جواباً آپ کا منہ چڑا رہی ہوتی ہیں۔ اس سے پل میں ثابت ہو جاتا ہے کہ خود کو بے وقوف بنانے کی آپ کی ساری کوششیں سب رائیگاں رہیں۔

کبوتر کی طرح آنکھیں میچ لینے سے حقیقت چھپ نہیں جاتی۔

خوش فہمی، خوش گمانی بہت بودا بہلاوا ہے جو یقیناً حقیقت کی بھرپور نفی کرتا ہے۔

ناشتے کی ٹیبل پر جس طرح کا سکوت تھا اسے دیکھ کر فارحہ کو بخوبی اس بات کا احساس ہوا تھا۔ اذہان حسن بخاری ناشتے کے بغیر ہی نکل گیا تھا۔ جب سے ایسی صورت حال ہوئی تھی وہ باپ کے معاملے میں ایسا ہی ہو گیا تھا۔ شاید اسے سعد حسن بخاری کا اس طرح مہمانوں کی طرح آنا، قیام کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس لئے جس دن وہ ناشتے کی ٹیبل پر ہوتے تھے وہ اس دن شاید دانستہ عجلت میں ناشتہ کئے بغیر نکل جاتا تھا۔

فارحہ ماں تھیں۔ انہیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بیٹے کی کیفیت اس خاموشی میں بھی سمجھ سکتی تھیں۔

''کیسی جا رہی ہے تمہاری پڑھائی؟'' سید سعد حسن شاہ بخاری نے ڈان کے صفحات کو اپنے چہرے کے سامنے پھیلاتے ہوئے اور چائے کا سپ لیتے ہوئے ماہا سے دریافت کیا تھا۔

اس نے پہلے کسی قدر چونکتے ہوئے ماں کی سمت نگاہ کی تھی۔ یقیناً اس کے لئے یہ سوال بہت تھا۔ فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ تبھی ماہا نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"جی پاپا! بہت اچھی۔" یقیناً یہ گریز رشتوں میں پہلے نہ تھا۔

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" انداز کسی قدر سرسری تھا۔ نگاہ اسی طرح اخبار پر تھی۔

فارحہ نے چائے کے سپ لیتے ہوئے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

ماہا ایک بار پھر سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

"نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔" ماہا کا لہجہ اور انداز دونوں کسی قدر گریز لئے ہوئے تھے۔ ر معنی شاید پہلے جیسے نہ رہے تھے۔ تعلقات میں دراڑ آنے سے تسلسل قائم نہ رہ سکا تھا۔

"تمہیں اگر ایڈمیشن لینا تھا تو مجھے کہتیں۔ فارن کی کسی یونیورسٹی میں تمہارا داخلہ کرا دیتا۔"

"نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔" ماہا نے کہتے ہوئے اک نگاہ ماں کی سمت کی تھی جیسے ان کی مد ہو۔ جیسے اس اجنبی ماحول میں فقط وہی ایک ہستی اس کی اپنی ہو۔ مگر فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ اس گھڑی خود ہی جواب دہ ہونا تھا۔ تبھی وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"تھینکس پاپا! لیکن مجھے خود بھی اس معاملے میں علم نہ تھا۔ اذہان بھائی نے بذات خود ایڈ مجھے بھی سرپرائز دیا ہے۔ لیکن اب میں کافی سہولت محسوس کر رہی ہوں۔ یہاں مجھے کوئی مسئلہ نہیں

سعد حسن بخاری نے چائے کے سپ لیتے ہوئے ایک نگاہ ماہا پر کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل میں ہلا دیا تھا۔

"میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں رقم منتقل کروا دی ہے۔ پھر بھی کسی شے کی ضرورت ہو دینا۔"

"جی پاپا!" ماہا نے سر ایک بار پھر اثبات میں ہلایا تھا۔ اک نگاہ ماں کی سمت کی تھی پھر فو کھڑی ہوئی تھی۔

"میں چلتی ہوں ماما!" کہنے کے ساتھ ہی وہ اٹھی تھی اور فوراً اس منظر سے ہٹ گئی تھی۔

فارحہ سر جھکائے چائے کے سپ لیتی رہی تھیں۔ یقیناً وہ ان رویوں کے تغیر پر غور کر رہی تھ

سعد حسن بخاری اخبار کی جانب بغور تکتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

"بیٹا بہت سمجھ دار ہو گیا ہے تمہارا ـــــ بہت بڑے بڑے فیصلے کرنے لگا ہے۔" انداز م کاٹ تھی۔ فارحہ کا سارا حلق جیسے کڑوا ہو گیا ہو۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر سعد حسن بخاری کی سمت د

"سراہ رہے ہو؟" بہت دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ "اگر سراہ رہے ہو تو اتنا باور کرانا چا یقیناً یہ تمہارے لئے بھی اسی قدر فخر کا مقام ہے۔ وہ تمہارا بھی بیٹا ہے۔" انہوں نے رسانیت میں باور کرایا تھا۔ سعد حسن بخاری فقط دیکھ کر رہ گئے تھے۔ فارحہ چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتی رہی تھیں پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"سعد! یہ ٹھیک نہیں ہے۔" لہجہ تھکن سے کسی قدر چور تھا۔

"کیا ٹھیک نہیں ہے؟ ـــــ وہ جو میں نے کیا یا وہ جو تمہارے بیٹے نے کیا یا پھر وہ جو تم کر رہی ہو؟" حسن بخاری کا لہجہ کسی قدر زہر خند تھا۔ فارحہ کے لئے یہ سب حیرت کا باعث نہیں ہونا چاہئے تھا مگر نے کیوں وہ اس گھڑی ساکت سی ان کی سمت تکنے لگی تھیں۔

"کیا ـــــ کیا، کیا ہے میں نے؟" لہجہ بے حد کمزور تھا۔ بے یقینی حد سے سوا تھی جیسے انہیں امید نہ ا کہ سارا کا سارا الزام ان کے سر دھر دیا جائے گا۔ جیسے جواب دہی کا یہ لمحہ بہت تکلیف دہ ہو۔

"تم نے اپنے بیٹے کو اپنا وکیل بنایا ہے فارحہ! تم نے اپنے اندر کی ساری کڑواہٹ اس کے اندر منتقل ردی ہے۔ اپنا سارا زہر تم نے اس کے اندر انڈیل دیا ہے۔ تم نے میری بے وفائی کا بدلہ میرے بیٹے کو ے حق میں کر کے لیا ہے فارحہ! اب کس لئے پُر افسوس ہو؟ ـــــ کس لئے پریشان ہو؟ اپنا وکیل بنایا ا تم نے اسے؟ ـــــ میرے مدمقابل خود آپ کھڑا کیا۔ باہر کون لایا تھا؟ تم نا۔ تم نے اس سارے ے کو عام کیا تھا نا۔ پھر اب کیوں روتی ہو؟ یہی چاہتی تھیں نا تم کہ تمہارا بیٹا تمہاری حمایت کرے۔ تمہاری الت کرے۔ تمہارا ساتھ دے۔ یہی سب تو ہو رہا ہے۔ پھر دکھ کس بات کا ہے اب؟"

کتنے الزامات تھے جو ایک پل میں ان کے سر ہوتے چلے گئے تھے۔ وہ ساکت سی تھیں۔ آنکھوں میں لدم ہی کتنی بہت سی نمی آن ٹھہری تھی۔ ایک پل میں وہ کتنی کمزور پڑتی چلی گئی تھیں۔ ساری ہمتیں پل میں یر ہوئی تھیں۔

"میں نے؟ ـــــ یہ سب میں نے کیا؟ ـــــ سعد! تم کتنے آرام سے سارے الزامات میرے سر کھتے ہوئے بری الذمہ ہو رہے ہو۔ میں نے کیا یہ سب؟ ـــــ اس گھر کا سکون، اس گھر کا خیال۔"

کتنے پُر افسوس انداز میں انہوں نے سر پر ہاتھ دھرا تھا۔ سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔ کتنا تاریک لمحہ ا۔ کچھ بجھائی ہی نہ دے رہا تھا۔ وہ کتنی بے یقین تھیں۔

"اس گھر کو بنانے میں، میں نے اپنی پوری عمر لگا دی سعد! خود کو مٹا دیا۔ اپنی پہچان، اپنی شناخت، اپنی شخصیت، سب کچھ رول دیا۔ اس گھر کو آباد کرنے میں، اسے بنانے، سنوارنے میں خود کو تیاگ دیا میں نے۔ اور تم کہتے ہو میں نے ـــــ میں نے کیا یہ سب۔ سعد! دنیا میں ایسی کون سی عورت ہو گی جو اپنے گھر کا سکون اپنے ہاتھوں برباد کرنا چاہتی ہو؟ ـــــ اس گھر کو ڈھانا چاہتی ہو جسے بنانے میں اس نے اپنی پوری عمر لگا دی؟" ان کا مدھم لہجہ کس قدر پُر افسوس تھا۔ کتنا گرم گرم پانی چپ چاپ آنکھوں کے کناروں کو توڑتا ہوا چہرے پر پھیلنے لگا تھا۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے کتنے بے یقین انداز میں سعد حسن شاہ بخاری کو دیکھ رہی تھیں۔ بے معنی رہا تھا سب کچھ۔ فضول گیا تھا سب۔ ایک عمر کی رفاقت، ایک عمر کا احساس، ایک عمر کی ریاضت، رائیگاں رہا تھا سب۔ ساری قربانیاں بے ستائش ٹھہری تھیں۔ وہ ایک پل میں خالی ہاتھ تھیں۔ کتنا ویران لگا تھا اس لمحے میں سارا منظر۔ کتنی خاموشی تھی چار سمت اور ان کا اندر کتنا ساکت تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا سانحہ گزر گیا ہو۔ ان پر الزام دھرنے والا شخص اس گھڑی مکمل طور پر خاموش تھا۔

"سعد! تم......" فارحہ نے کچھ بولنا چاہا تھا جب سعد حسن بخاری اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا

تھا۔

”کوئی انوکھا کام نہیں کیا تم نے فارحہ! نہ ہی میں نے کچھ عجب کیا ہے۔ بچی نہیں ہو تم۔ کے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ خلافِ قانون نہیں ہے کچھ بھی۔ جینے کا حق مجھے بھی حاصل پر فیصلے کرنے کا حق رکھتا ہوں میں۔ یہ بات تمہیں کتنی بار باور کرانی پڑے گی۔ کچھ بھی بد ہے۔ کچھ بھی نہیں بدل سکتا۔ جو ہونا تھا ہو چکا، قبول کرو اس حقیقت کو۔ کیوں جاہل عورتوں پیٹ رہی ہو۔ کیا فرق آیا ہے تمہاری حیثیت میں؟ —— کیا بدلا ہے؟ کس بات کا رونا —— کیوں حالات کو معمول پر آنے نہیں دیتی ہو؟ میرے لئے کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔ یہ گھر ہے۔ تم میری ہو، بچے میرے ہیں۔ کہاں ذمہ داری سے منحرف ہوا ہوں میں؟ —— منحرف ہونے کی کوشش ضرور کر رہی ہو۔ میری حیثیت کو چیلنج ضرور کر رہی ہو۔“

”کیا——؟“ فارحہ کس قدر بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ کیا چاہا تھا انہوں نے تھا۔ وہ تو حالات کو معمول پر لانے چلی تھیں۔ سب کچھ بدلنا چاہ رہی تھیں۔ سب طرف سے کے کسی خوش گمانی میں مبتلا ہونا چاہ رہی تھیں۔ انہوں نے تو امن کا پرچم لہرانا چاہا تھا۔ سمیٹنا چا سب کچھ۔ سارے قصے بھول کر اپنے گھر کو پھر اسی ڈور سے باندھنا چاہتی تھیں۔ اور کیا ہوا میں ساری کوششیں ڈھیر تھیں۔ کیسے بے سود رہا تھا سب کچھ۔ ہاں یہ ہوا تھا کہ کچھ نئے الزامات گئے تھے۔

کتنے بہت سے آنسو چپ چاپ ان کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے تھے۔

سعد حسن بخاری چیئر ہٹا کر ایک جھٹکے سے اٹھے تھے اور بنا ان کی سمت دیکھے کمرے سے تھے۔ اس ماحول میں تنہا خود کو محسوس کرتے ہوئے بھیگتے چہرے کے ساتھ فارحہ کو تسلیم کرنا بہت کچھ بدل گیا ہے۔

* * *

سب ہی سوچیں تھیں۔ بہت سے خیالات تھے۔ کئی رنگ بکھرے پڑے تھے چار سمت۔ کا محور فقط وہ تھی۔

خیال کا ہر پہلو فقط اس سے نکلتا تھا اور اسی پر ختم ہو جاتا تھا۔

دل اس ایک خیال کا طواف کرتے کرتے پہروں گزار دیتا تھا اور تھکتا نہ تھا اور وہ اس جیسے بالکل بے یار و مددگار تھا۔ بے اختیاری حد سے سوا تھی۔

اس نے پہلے پہل خیال کیا تھا، فقط چند روزہ کیفیت ہوگی۔

فقط ایک پل کی رغبت۔

اور جیسے جیسے دن گزریں گے، وقت بیتے گا، سب کچھ معمول پر آ جائے گا۔

یہ حقیقت تھی کہ وہ دیوانہ نہ تھا۔ کوئی ارادہ بھی نہ تھا اس کا مجنوں بننے گا۔ گریباں چاک کر میں صحرا نوردی کرنے کا اسے کوئی شوق نہ تھا۔ ایسا کوئی خلل اس کے دماغ میں واقع نہ ہوا تھا۔

گزر رہا تھا، اس کا دل اس کی بھرپور نفی کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ آنکھیں اپنا تاثر بھرپور طریقے سے قائم تی جارہی تھیں۔ وہ خیال متروک نہ ہو پا رہا تھا۔ یقیناً صورتِ حال سنگین ہونے چلی تھی اور عفنان علی یقیناً اس ساری کیفیت پر حیران تھا۔ یہ بات چند روزہ نہ رہی تھی۔ کیفیت اب تک برقرار رہی تھی۔ معاملہ کچھ اور تھا۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں؟
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

کتنے ہولے سے اُبھریں وہ آنکھیں۔ اندر کہیں اک پل میں اجالا ہوا تھا اور سارا وجود روشنی سے بھر گیا

کتنا دور تھا وہ ان باتوں سے۔ کتنا انجان تھا، قطعاً نا آشنا تھا۔ اس کا تو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، کجا اس مبتلا ہونا۔ دیوانگی کی حد تھی اور وہ اس معاملے میں قطعی طور پر بے بس تھا۔

شاید محبت بہت قوی شے تھی۔

بے بس کر دینے والی کوئی ماورائی قوت۔ تبھی وہ بے اختیاری کے بہاؤ میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ ورنہ اس نے اس طور تو کبھی نہیں سوچا تھا۔

کوئی اختیار نہیں رہا تھا اس کا خود پر۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس ایک خیال کو سوچنے سے باز نہیں رہ پاتا یقیناً جو ہو رہا تھا وہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس معاملے میں مکمل طور پر بے بس تھا۔

کوئی حق نہیں تھا اسے، کوئی سبب نہیں بنتا تھا۔ اور ایسے میں جب کہ وہ خود ایک نئے تعلق میں بندھ چکا اور مزید نئے تعلق میں بندھنے والا تھا۔

یقیناً یہ سب غلط تھا۔ مگر محبت نہیں مان رہی تھی۔ دل نہیں مان رہا تھا۔ وہ چھپنا چاہتا تھا، بھاگنا چاہتا تھا سب بے سود تھا۔ اس کی سوچ کا ہر راستہ دل سے نکلتا تھا اور اس خیال سے جا ملتا تھا۔ وہ جادوؤں سے آنکھیں اسے خود سے بھاگنے نہیں دیتی تھیں اور وہ اسی ایک نقطے پر ساکت و جامد ہو جاتا تھا۔ محبت ایک قوی شے تھی۔

اس لمحے جب وہ آفس سے نکل رہا تھا تب بھی اس کا خیال اس کے ساتھ تھا۔ پچھلے کئی دن تک اس نے خود پر دانستہ جبر کیا تھا۔ دانستہ جبر سہا تھا۔ مگر یہ بہت کڑی سزا تھی جیسے حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ آنکھوں سے بچ کر نہیں رہ سکتا تھا۔

اس گھڑی موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ آسمان بادلوں سے مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ بہت سی بوندیں اس کے چہرے پر آن پڑی تھیں۔

موسم کی پہلی بارش تھی۔

اس نمی کی شگفتگی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے تصور میں اس کا چہرہ تھا۔ وہی جادوئی آنکھیں اس کے روبرو تھیں۔ بہت دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری تھی۔ محترم عفنان علی خان مکمل طور پر محظوظ

ہوئے تھے اس وقت۔ مکمل طور پر مسرور تھے۔

”موصوف! عقل ٹھکانے نہیں ہے آپ کی؟“ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے خود سے مخاطب تھا۔

”مجنوں بننے جا رہے ہیں آپ ـــــ بالکل ٹھیک نہیں ہے یہ۔ انجام کی کچھ فکر کیجئے۔ ورن زندگی صحراؤں کی خاک چھانتے بسر ہو جائے گی۔“

مگر باور کرانے کی ساری کوششیں بے کار گئی تھیں۔ دل اپنی کیفیت برقرار رکھے اسی طور م اسے ماسوائے افسوس کرنے کے اور کوئی چارہ نہ بچا تھا۔

اپنے ہی خیالوں میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے عفنان علی خان کی نگاہ ایک لمحے میں چونک شاپ پر کھڑی یقیناً وہ وہی تھی۔ سفید لباس میں ملبوس اس بھیگے منظر میں وہ کوئی ماورائی مخلوق لگ

اپنے ہی خیال میں مگن۔

اپنی ہی دھن میں۔

سارا ماحول اس گھڑی اس کے زیر تھا۔ اس کے رنگوں سے بھرا ہوا تھا۔

ہر سمت اس کا جادو بکھرا ہوا تھا اور وہ خود میں گم تھی۔ اپنے آپ میں مگن تھی۔

عفنان علی خان کی نگاہ اس منظر کی گرفت میں تھی۔ گاڑی کی اسپیڈ بہت دھیمی ہو گئی تھی۔

عفنان علی خان نے گاڑی اس کے قریب روک دی تھی۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔ بوکھ ہاتھوں میں پکڑے تمام وہائٹ ٹیوب روز اس کی گاڑی کے بونٹ پر بکھرتے چلے گئے تھ پر آ رہے تھے۔ انابیہ شاہ نے اس اقدام پر یقیناً کڑے تیوروں سے مقابل کی سمت تکنا چاہا تھا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے عفنان علی خان کو دیکھ کر وہ جہاں حیران ہوئی تھی وہیں وہ غصہ زائل ہو گیا تھا۔

”آپ یہاں؟ ـــــ آپ کو معلوم ہے آپ نے میرا کتنا نقصان کر دیا۔ اگر آپ کی جگہ تو......“

”تو آپ اسے یقیناً بہت سخت سست سناتیں۔ خوب خبر لیتیں اس کی۔ ہے نا؟“ وہ مسکرا مدھم بوندوں کا تسلسل جاری تھا۔ دونوں اس گھڑی بھیگتے منظر کا حصہ تھے۔

عفنان علی خان کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ کتنی شفاف بوندیں اس کے چہر کتنی دلکشی در آئی تھی اس منظر میں۔ ماحول جادو سے کتنا بھر گیا تھا۔

انابیہ شاہ کسی قدر خفگی سے اس کی سمت تکتی گویا تھی۔

”یقیناً ـــــ لیکن آپ سے یہ کس نے کہا کہ میں آپ کی خبر نہیں لوں گی؟“ عفنان علی خا بغور تکتی وہ گویا تھی۔

”ضرور ـــــ میری خواہش ہو گی ایسا ضرور ہو۔“ انداز اور لہجہ کس قدر ذومعنی تھا۔

”کیا؟“ انابیہ شاہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے یقیناً اس پل حیران تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

”آئی ایم سوری۔ لیکن میں آپ کا نقصان پورا کر سکتا ہوں۔ بائے دی وے، یہ تھے کس کے لئے؟“

مت بغور تکتا ہوا وہ دریافت کر رہا تھا۔

”آپ کے لئے یقیناً نہیں تھے۔“ اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ یقیناً طنزیہ ہی تھی۔ لیکن عفنان علی ں کی سمت تکتا بہت بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔

”لیکن اس لمحے بکھرے ہوئے تو تمام میری گاڑی پر ہی ہیں۔“ انداز بہت مسرور تھا۔

”یہ فقط آپ کی غلطی کے باعث ہوا۔“ انابیہ شاہ نے الزام اس کے سر دھرا تھا۔ مگر وہ بہت سرشاری کرا دیا تھا۔

”میں قبول کرتا ہوں۔“ سینے پر داہنا ہاتھ دھرتے ہوئے اپنی غلطی قبول کی تھی اور اس کے ساتھ ہی چلتا اور شاپ کی سمت بڑھ گیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیرت سے اس شخص کی پشت کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ چند میں وہ واپس پلٹا تھا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں پھول تھے۔

”یہ اتنے سارے؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

”ہوں ـــــ ایک تو نقصان پورا کرنے کے لئے اور دوسرے آپ کا موڈ بحال کرنے کے لئے۔“

”کیا مطلب؟“ انابیہ قطعاً نہ سمجھی تھی۔

عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے تھے۔

”سمپل ـــــ ایک آپ کا نقصان پورا کرنے کے لئے ہے یعنی یہ وہائٹ ٹیوب روز۔“ اس نے ہوئے بکے اس کے داہنے ہاتھ میں تھمایا تھا اور پھر بہت دھیرے سے مسکراتے ہوئے سرخ گلابوں بکے پر نگاہ کی تھی۔ ”اور یہ آپ کے لئے۔ مجھ سے آپ کا نقصان ہوا، اس کی تلافی کے لئے۔“ اس کا ہاتھ تھام کر اس نے وہ بکے اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ برستی شفاف بوندیں ان پھولوں پر اپنی کہانی ا چلی گئی تھیں۔ انابیہ شاہ نے بوندوں سے اٹے چہرے سے قدرے حیرت سے اس کی سمت دیکھا وہ مکمل مؤدب سا اس گھڑی اس کے سامنے تھا۔ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کسی قدر دگی اور خجالت کے تاثرات تھے جیسے واقعی اسے اپنی غلطی پر افسوس ہو اور واقعی وہ اس لمحے شرمندہ ہو۔

شاہ نے سرخ گلابوں پر نگاہ کی تھی اور اس کے ساتھ ہی گویا ہوئی تھی۔

”لیکن آپ کی خطا اتنی بڑی نہیں عفنان علی خان! ـــــ میں یہ نہیں لے سکتی۔ تھینکس۔“ سرسری اور اندر سپاٹ لہجے میں کہتی ہوئی وہ اس گھڑی کسی قدر پُرتکلف لگی تھی۔

عفنان علی خان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”پھول واپس نہیں کئے جاتے۔ آپ کو ضرورت نہ ہو تو ڈسٹ بن میں ڈال دیجئے گا مگر اس طرح کرنا قطعاً مناسب نہیں۔“ لہجہ اور انداز بتا رہا تھا کہ اسے کسی قدر ناگوار گزرا ہے۔

انابیہ شاہ نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ پھر اس کے حوالے پر غور کرتی ہوئی شاید اسے کسی قدر رعایت ا ہوئی وہ بکے قبول کر گئی تھی۔

”اوکے ـــــ لیکن اب میرا ارادہ اس موسم میں بھیگنے کا قطعاً نہیں ہے۔ میں چلوں گی۔“

”آئیے، میں چھوڑ دیتا ہوں۔“ عفنان علی خان نے آفر دی تھی۔

”نہیں ـــــ قریب ہی ہے یہاں سے گھر۔ میں چلی جاؤں گی۔ شکریہ۔“ وہ شاید اخلا
تھی۔ اس کے ساتھ ہی قدم اٹھائے تھے۔ عفنان علی خان نے اس کی پشت کو چند ثانیے یونہی
گاڑی لاک کر کے بہت سرعت سے اس کا تعاقب کیا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہ لمحہ بھر میں
قدم تھا۔ انابیہ شاہ اسے حیرت سے تکنے لگی تھی۔

”آپ؟“

”ہوں ـــــ“ عفنان علی خان شانے اچکاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ”بارش میں واک کر
کرنا چاہتا ہوں۔“

انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

”پاگل ہو گئے ہیں آپ؟ ـــــ کیا اس سے قبل آپ نے کبھی بارش کا لطف نہیں لیا؟“ اند
پُر اُکتاہٹ تھا۔ وہ یقیناً زچ ہو چکی تھی۔ مگر مروتاً اس کا لحاظ کرنا پڑ رہا تھا۔ عفنان علی خان
میں ہلایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

وہ اس لمحے اس کے ہمراہ چلنے لگا تھا۔ بھیگتے منظروں میں ایک دلکشی در آئی تھی۔ کیونکہ وہ
اس کے ساتھ تھی۔ موسم مسرور تھا۔ مہک رہا تھا۔ کتنا مسحور کن احساس تھا۔ ایک سرور سا پھیل رہ
وجود میں۔ کوئی جادو ہولے ہولے اپنے حصار میں لے رہا تھا۔

”موسموں میں واقعی دلکشی ہوتی ہے۔“ کتنے مدھم انداز میں وہ گویا ہوا تھا جیسے آج پہلی با
بات کا ادراک ہوا تھا۔ جیسے یہ کوئی پہلا احساس تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کے ہمراہ چلتے ہوئے ا
تھی۔ بھیگتے موسم میں اس کے سنگ چلتے ہوئے وہ یقیناً بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

”آپ نے اس سے قبل کبھی ایسا تجربہ نہیں کیا؟ ـــــ آئی مین لطف نہیں چکھا؟“ انابیہ
سے دریافت کر رہی تھی۔

”اوں ہوں۔“ عفنان علی خان نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ پھر بہت مدھم مسکراہٹ اس کے لب
تھی۔ ”اس طور تو کبھی نہیں۔“ انداز، لہجہ بے حد مسرور تھا۔ ذومعنویت عروج پر تھی۔ مگر انابیہ
سمجھ رہی تھی۔ شاید تبھی اس نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

”لیکن مجھے تو بارشوں میں بھیگنا قطعاً بھی مرغوب نہیں۔ اگرچہ اس کے باوجود میں کئی بار
بھیگی ہوں جیسے کہ اب بھی نہ چاہتے ہوئے بھیگ رہی ہوں۔“

”نہ چاہتے ہوئے ـــــ یعنی تمہیں یہ موسم پسند نہیں؟“ وہ حیران ہوا تھا۔ وہ دھیمے سے
پھر نظر راستوں پر مرکوز کر دی تھی۔

”کیا رکھا ہے ان موسموں میں؟ ـــــ کچھ بھی نہیں۔“ لہجہ اور انداز کسی قدر کھویا ہوا سا
علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔

بونداباندی عروج پر پہنچی تھی۔ موسم میں یکدم شدت آئی تھی اور پانی بادلوں سے بھر پو

شاہ نے یکدم نگاہ اس شخص پر کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل سر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا
لگا تھا۔ انابیہ
بندوں کا تسلسل اور بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ دونوں تیزی سے بھیگنے لگے تھے۔ شاید بہت سرعت سے
ہوئے انہوں نے ایک قریبی درخت کے نیچے پناہ لی تھی۔

بارش میں بھیگنے کا بھی اپنا ایک لطف ہے۔ ہے نا؟“ عفنان علی خان بہت ہولے سے پتوں سے ٹپکتی
بندوں کو ہاتھ کی اوک میں جمع کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ جیسے وہ ان لمحوں
الت سے اُکتا گئی ہو یا پھر یک دم موسلا دھار رنگ اختیار کرنے والی بارش نے اسے بدمزہ کر دیا

مجھے بارشوں میں بھیگنا اچھا نہیں لگتا ـــــ بہت بچکانہ اقدام ہے یہ۔“ اس نے جیسے اس لمحے خود
کی تھی۔ عفنان علی خان اس کے بوندوں سے اٹے چہرے کو بغور تکتا چلا گیا تھا۔ کتنے قطرے تھے
کے صبیح چہرے پر۔

بہت ہولے سے اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے چہرے کے قریب
جا کر ان گھنی پلکوں پر اٹے موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔ اقدام بہت اچانک تھا۔ انابیہ شاہ لمحہ
جھجکتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی مگر وہ اقدام سرزد ہو چکا تھا۔ وہ قدرے حیرت سے اس شخص کو تکنے لگی تھی
گھڑی بہت دھیمے انداز میں مسرور سا مسکراتا ہوا کسی قدر رغبت سے اپنی پوروں پر چمکتے اس پانی
قطرے کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ کسی قدر ناگوار لہجے میں اس حرکت پر سرزنش کی گئی تھی۔ مگر وہ بہت دھیمے سے مسکرا دیا

”خوشی۔“ نگاہ پوروں پر ٹکے اسی ننھے قطرے پر تھی۔ لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔

”خوشی؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔

”ہوں۔“ عفنان علی خان نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا
۔ پھر اسی قدر آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

”آسمان سے اتری ہوئی خوشی۔ جوان آنکھوں کے لئے بہت سے پیام اپنے سنگ لے کر آئی تھی۔
ہیں معلوم ہے یہ قطرہ کیا کہہ رہا ہے؟“ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

”کیا؟“ لہجہ اسی قدر پُر حیرت تھا۔ وہ یقیناً حیرت سے اس کی سمت متوجہ تھی۔

”اگر یہ چہرہ، یہ آنکھ مجھے نہیں پاتی تو میں واپس لوٹ جاتا اور اپنے ساتھ وہ سارے اچھے لمحے بھی
ہمالے جاتا جو میں اس کے لئے لایا تھا۔“ عجب دیوانگی تھی لہجے میں۔ وہ ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔

”دیکھو، یہ اب بھی بول رہا ہے ـــــ کہہ رہا ہے، تم نے اچھا کیا جو اس لڑکی کو میرے پاس لے
ئے۔ ورنہ میں اسے اس کے سارے سپنے کبھی سونپ نہ پاتا۔ اس کے حصے کی ساری خوشیاں اور خواب
ہی گٹھڑی میں بند پڑے رہ جاتے اور مجھے پھر اگلے موسموں کا انتظار کرنا پڑتا۔ اور یہ انتظار بہت کڑا ہوتا۔
یٹا۔“ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ کچھ تو تھا کہ سارا ماحول اس کے زیر آ گیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیرت

سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''کیا پاگل پن ہے یہ؟'' شاید اسے ڈپٹنا چاہا تھا۔ مگر لہجہ کسی قدر کمزور تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''یہ تو فقط ایک پہلا قطرہ تھا۔ تم چاہو تو ایسے بہت سے قطرے مزید بھی تمہارے حصے ہیں۔ شاید تم نہیں جانتیں، ہر قطرے کی اپنی ایک گٹھری ہے۔ اپنے الگ سپنے ہیں۔ الگ خوشیا الگ رنگ ہیں۔''

انابیہ شاہ نے یک دم اس شخص پر سے اپنی نگاہ پھیری تھی۔ دور تک دُھند ہی دُھند تھی۔ سارا رہا تھا۔ کتنے قطرے اس گھنے پیڑ کی شاخوں سے ٹپکتے ہوئے ان پر پڑ رہے تھے۔ وہ اب بھی اس ساتھ ساتھ بھیگ رہے تھے۔ وہ متواتر بول رہا تھا۔ وہی مدھم لہجہ تھا اور پورا ماحول اس کے زیر تھا۔

''جانتی ہو موسم فقط تین ہوتے ہیں۔ مگر دل کے موسموں کا کوئی شمار نہیں۔ ہر ہر پل کی اپنی ہے، اپنا ایک رنگ ہے۔ اپنا ایک وجد ہے۔ کیا کیا قیامتیں کس طور گزر جاتی ہیں دل پر، کوئی نہیں موسم ہم مل کر بانٹتے ہیں، مل کر ساتھ گزارتے ہیں۔ مگر ان موسموں کی کہانی بہت مختلف ہے۔ داستان کہتا ہے۔''

نہ جانے کیا کہہ رہا تھا وہ۔ نہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔ انابیہ شاہ بنا اس کی سمت دیکھے سرعت سے ہٹی تھی اور دوسرے ہی پل بھاگتے ہوئے جیسے اس ماحول سے دور نکلتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان وہیں کھڑا اتنا دیر اس سمت تکتا رہا تھا۔ مگر وہ ایک بار بھی نہیں پلٹی تھی۔ جیسے پتھر ہو جانے کا احتمال تھا۔ جیسے وہ حد درجہ خوفزدہ ہو۔

* * *

دعا دل سے نکلی ہو تو رائیگاں نہیں جاتی۔ اس کی تمام دعائیں بھی مستجاب ہو گئی تھیں۔ مظہ ہارٹ سرجری کامیاب رہی تھی اور میرب سیال کے لئے یہ بہت بڑی خوشی تھی۔ گو وہ لمحات بہت کڑے تھے جو دل پر بیتے تھے۔ رات اس نے آنکھوں میں بسر کر دی تھی مگر اب ایک اطمینا پھیل رہا تھا۔ اس نے شیشے کے اس پار بستر پر لیٹے پاپا کو دیکھا تھا اور دل ہی دل میں خدا کا شکرا

رات گزر گئی تھی۔ قیامت خیز لمحے گزر گئے تھے۔ دل سنبھل گیا تھا۔

مگر کوئی اب بھی نہیں آیا تھا۔

میرب سیال کو انتظار نہیں تھا۔ شاید وہ اس کی جانب سے امید رکھ بھی نہیں رہی تھی۔ مگر ز جب اس کی بابت دریافت کیا تھا تو وہ فوری طور پر کچھ نہ کہہ پائی تھی یا پھر وہ واقعی کوئی وضاح اسے گرانا نہیں چاہتی تھی۔

رات بھر جاگنے کے باعث سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ رونے کے باعث پپوٹے سوج ر آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وجود تھکن سے شل ہونے کو تھا۔

''تم جا کر آرام کر لو ——— میں ہوں یہاں۔'' زوباریہ نے مشورہ دیا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا

''پاپا جب ہوش میں آ جائیں تو مجھے فون کر دیجئے گا۔''

''اوکے۔'' زوباریہ نے سر ہلایا تھا۔

وہ تھکن سے شل وجود کے ساتھ ہسپتال سے باہر نکل آئی تھی۔

کوئی امید نہیں تھی۔

مگر وہ ذہن کو اس خیال کو سوچنے سے باز نہ رکھ سکی تھی۔

رات گزر گئی تھی اور وہ نہیں آیا تھا۔

''بے حسی کی حد تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ایسا کیوں سوچ رہی تھی۔ ایسا کیوں چاہ رہی تھی۔ حالانکہ اس نے تو اس تعلق کو سرے سے قبول ہی نہ کیا تھا۔ دل سے مانا ہی نہ تھا۔ بس زبردستی کا سودا تھا۔ اور کیوں رکھتا وہ خیال۔ کیوں کرتا کوئی احساس۔

اس پر کچھ فرض تو نہ تھا۔

وہ تو آزاد تھا اول روز سے۔ کوئی ذمہ داری اٹھائی ہی نہ تھی۔ نبھانے کی بات تو بہت بعد کی تھی۔ اس نے ایسی کوئی کمٹ منٹ کی ہی نہ تھی۔ پھر کس شے کا افسوس کر رہی تھی وہ۔

اس کی زندگی کی لکیر الگ تھی۔ جینے کے راستے اور تھے۔ طور طریقے مختلف تھے۔

کتنے ناپسندیدہ منظر اس کی نظروں میں گھومتے چلے گئے تھے۔ اس نے جلتی ہوئی آنکھوں میں تیرتے نمکین پانیوں کو اپنے اندر ہی کہیں مدغم کرنا چاہا تھا۔ بہت دُکھتے ہوئے سر کو ہولے سے ہاتھوں سے دبایا تھا۔

ٹیکسی ہوٹل کے سامنے رکی تھی۔ اس میں ہمت ناپید تھی، چلنے کی سکت تک نہ تھی۔ سر گھوم رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ مگر وہ بہت پُراعتماد قدموں سے چلتی ہوئی ہوٹل میں داخل ہوئی تھی۔ لفٹ سے نکل رہی تھی جب وہ اسے نظر آیا تھا۔ غالباً وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا۔ شاید کہیں جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر رک گیا تھا اور میرب سیال کے لئے جیسے یہ ایک جبری فعل تھا۔ بہ مشکل وہ اس کے سامنے رکی تھی۔

''کیا ہوا؟'' جانے وہ اس کی کیفیت کے مدنظر دریافت کر رہا تھا یا پھر صورت حال کے متعلق جاننا چاہ رہا تھا۔ میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اک خاموش نگاہ کی تھی۔ بے تاثر اور لاتعلق نگاہ۔ اور سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تم کہاں گئی تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری باز پرس کر رہا تھا۔ کیا حق رکھتا تھا وہ؟ کیا جاننے کا خواہاں تھا وہ؟

کیا وہ واقعی متفکر تھا اس کی بابت؟

اس کی غیر موجودگی اس کے لئے پریشانی کا باعث رہی تھی؟

آنکھوں سے لگ تو نہ رہا تھا۔ چہرہ کس قدر فریش لگ رہا تھا۔ شب بیداری یا کسی پریشانی کی کوئی ہلکی سی بھی لکیر نہ تھی۔

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ یہ تھا وہ شخص جس کے ہاتھ میں

اس کی زندگی کی ڈور تھی۔ جس کے ساتھ اسے اپنی باقی ماندہ زندگی گزارنا تھی۔ جس کے نام اسے ا کچھ کر دینا تھا۔

یہ تھا وہ شخص۔

بے مہر، کج ادا۔

وفا جس کی سرشت میں تھی ہی نہیں۔ اور وہ کیا کیا امیدیں لگانے چلی تھی۔ اپنی عقل پر حد درجہ ہوا تھا۔ وہ بہت تلخی سے مسکرائی تھی۔

''بے فکر رہئے سردار سبکتگین حیدر لغاری! میری کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ جس طر آپ کی زندگی میں غیر اہم ہوں اسی طرح آپ بھی میرے لئے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ نام آپ کے لئے یہ رشتہ؟ آزاد رہنا چاہتے ہیں نا آپ؟ تمام تر ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے ہیں نا؟ ہر واسطے سے۔ تعلقات بوجھ لگتے ہیں نا آپ کو —— ہر رشتہ بار لگتا ہے نا؟ زنجیروں میں قید ہونا پ نا آپ کو؟ اپنی آزادی بہت عزیز ہے آپ کو۔ مگر مائنڈ اِٹ مسٹر سبکتگین حیدر لغاری! میرب سیال کو لڑکی نہیں ہے۔ بہت غلط قیاس کیا آپ نے اس کے متعلق۔ بہت غلط سوچا۔'' وہ پُراعتماد انداز م کے سامنے تنی کھڑی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ میرب سیال کی سرخ آنکھوں درجہ ناگواری تھی اور وہ کسی درجہ ناپسندیدہ نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''بہت غلط قیاس کیا آپ نے سبکتگین حیدر لغاری! —— میرب سیال کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔

''میرے لئے کوئی تعلق بوجھ نہیں ہے، کوئی رشتہ زنجیر نہیں ہے۔ میرے نزدیک رشتہ ایک کمٹ ہے جسے دل سے قبول کرنا چاہئے اور دل سے نبھانا چاہئے۔ ورنہ.......'' بہت ہولے سے اس میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں سبکتگین حیدر لغاری! حیرت ہے، دنیا گھوم چکے ہیں اور فقط اتنی سی با جانتے۔'' کتنا پُرافسوس تھا میرب سیال کا انداز۔ اپنے اندر کا غبار نکالتے ہوئے اسے اندازہ تک نہ وہ اس وقت راہداری میں کھڑی ہے۔ اور یقیناً ایسی باتوں کے لئے ایسا ماحول قطعاً سازگار نہیں ہوتی ہے ہر بات کی۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ اور شاید اس کی حد ٹوٹ چکی تھی۔ برداشت ختم تھی یا پھر واقعی وہ اس قدر ڈیپریس تھی کہ کچھ اندازہ نہ تھا کہ کس کے سامنے کھڑی ہے۔ کہاں کھڑی کیا بول رہی ہے۔

سبکتگین حیدر لغاری اس کے مقابل کھڑا بے تاثر چہرے سمیت اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ چہرے بات کا کچھ احساس ظاہر نہ تھا۔ کسی جذبے کا کوئی ردِعمل درج نہ تھا۔ وہ مکمل طور پر سپاٹ نظر آ رہا تھا جواب نہیں رہا تھا۔ کچھ نہیں بولا تھا۔ بس چپ چاپ کھڑا اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ وہ مضبوطی سے ا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے اس کی سمت سے کچھ اور بولنے کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے سرخ آ سے اسے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی پل آگے بڑھنا چاہا تھا۔ مگر نہ جانے کیا ہوا تھا، آنکھوں کے سامنے میں اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ گرتی، سبکتگین حیدر لغاری نے ا

ازوؤں میں تھام لیا تھا۔ وہ خشمگیں گھورتی ہوئی سرخ آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔

بے ہوش ہو چکی تھی۔

نگین حیدر لغاری نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں سنبھالا تھا اور اٹھا کر روم کی سمت بڑھنے لگا

ا وقت وہ کچھ دیر قبل اپنا غبار اس پر نکال رہی تھی اگر ذرا بھی ہوش و حواس میں ہوتی تو اس گھڑی حیدر لغاری کا بڑھایا ہوا ہاتھ جھٹک دیتی۔ وہ کوئی کمزور لڑکی نہیں تھی۔ مگر کجا یہ تھا کہ وہی مضبوط لڑکی ہوش و خرد سے بے گانہ اس لمحے اسی شخص کے بازوؤں پر سوار تھی جس کے سامنے کچھ دیر قبل اس و مضبوط ظاہر کرنا چاہا تھا۔

نگین حیدر لغاری نے اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے ایک نظر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ غالباً یہ تھا۔ وہ اتنے قریب سے اور دانستہ پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کی آگ اگلتی آنکھیں اس بند تھیں اور وہ مکمل طور پر ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

تنے دنوں میں پہلی بار وہ اس کے مد مقابل کھڑی ہوئی تھی۔ پہلی بار کچھ کہا تھا۔ پہلی بار باضابطہ ہوئی تھی اور بات اِدھر اُدھر کی نہیں بلکہ اپنی اور اس کے متعلق کی تھی۔ پہلی بار اس پر اس کی شخصیت اور رنگ منکشف ہوا تھا۔

ا پر کمبل ڈال کر وہ پلٹا تھا اور فوری طور پر ڈاکٹر کو فون کیا تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کسی طرح کا کوئی ہر نہ تھا۔ ڈاکٹر فوری طور پر پہنچا تھا۔ اس کا مکمل چیک اپ کیا تھا۔

ہُو اِز شی؟'' ڈاکٹر نے یقیناً تعلق کا تعین کرنا چاہا تھا۔

مائے وائف۔'' سبکتگین حیدر لغاری نے بہت مدھم لہجے میں مطلع کیا تھا۔

کوئی چپقلش رہی آپ کے درمیان؟'' ڈاکٹر نے چشمے کے پیچھے سے اسے بغور دیکھا تھا۔ اس نے دئے ہونٹوں کے ساتھ سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

ہائپر ٹینشن کی وجہ کچھ تو ہو گی۔ اسٹریس یونہی تو کری ایٹ نہیں ہو جاتی۔'' ڈاکٹر شستہ انگریزی میں اس لمحے کسی قدر نرمی سے مسکرایا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اکٹر نے اسے انجکشن دیا تھا، پھر ایک نسخہ لکھ کر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

کچھ دیر میں ان کی کیفیت سنبھل جائے گی۔ مگر ان کے لئے پُرسکون رہنا بہت ضروری ہے۔ فوری میں نے انہیں انجکشن دے دیا ہے۔ چند لمحوں میں ہائپر ٹینشن کنٹرول میں آ جائے گی۔ مگر یہ ٹھیک بہت خطرناک ہے یہ۔ ہائپر ٹینشن اِز اے سائیلنٹ کلر۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ فشارِ خون کے باعث دماغی وین پھٹ سکتی ہے، دل بند ہو سکتا ہے۔ اگر آپ اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں تو بہت خیال وگا آپ کو۔'' ڈاکٹر نے کہا تھا۔

اکٹر نے مزید چند ہدایات کی تھیں اور پھر چلا گیا تھا۔ وہ کتنی دیر چپ چاپ کھڑا اس کی سمت تکتا رہا پھر پلٹا تھا۔ جب اس کا پرسنل سیل بج اٹھا تھا۔

دوسری طرف گی تھی۔ اس نے فون کان سے لگایا تھا۔

''میں سیرن ڈیپیٹی میں ہوں گین! انتظار کر رہی ہوں تمہارا۔ تم ابھی تک پہنچے کیوں نہ قدر متفکرانہ انداز میں اس سے دریافت کر رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ خود میرب سیال پر ڈالی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''آئی ایم سوری گی! یہ ممکن نہیں آج میرے لئے۔'' مختصر انداز میں تعرض برتا تھا۔

''کیوں ــــــ کیا ہوا؟ ــــــ بہت مصروف ہو؟''

''ہوں ــــــ کہہ سکتی ہو۔ ہم پھر کبھی ملتے ہیں۔''

''شام میں تمہارے ہوٹل چلی آؤں؟'' گی جواباً گویا تھی۔

''نہیں ــــــ میں خود آ جاؤں گا۔ تم فون کر لینا۔ یا پھر میں تم سے رابطہ کر لوں گا۔''

''گین! کیا ہوا؟ پریشان ہو کچھ۔ کوئی بات ہو گئی ہے؟'' گی نے دوسری جانب جانے ک موڈ کا اندازہ کر لیا تھا۔

''نہیں ایوری تھنگ از فائن۔''

''گین!'' گی نے بہت ہولے سے پکارا تھا اور وہ جو سلسلہ منقطع کرنے کا قصد کرنے وا رک گیا تھا۔

''ہوں۔''

''اپنا خیال رکھنا۔''

''او کے۔'' سلسلہ منقطع کر کے اس نے پلٹ کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا۔ پتہ نہیں ک تسلی یا اندازہ کرنے کے لئے وہ کسی قدر جھکا تھا اس پر۔ اسے گھڑی بھر کو بغور دیکھا تھا۔ سانس سے چل رہی تھی۔ وہ پُرسکون انداز میں تھی۔ شاید اس کی تشفی ہو گئی تھی۔ تبھی وہ سیدھا کھڑا ہوا تک یونہی کھڑا رہا تھا۔ پھر سامنے کاؤچ پر بیٹھ کر اس کے ہوش میں آنے کا یا پھر جاگنے کا انتظا تھا۔

یقیناً یہ پہلا تجربہ تھا۔

بہت کڑے لمحے تھے۔ یہ سب آسان نہ تھا۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس گھڑی اس لمح دہی پر مامور تھا۔ فرض تھا یہ اس پر اور اسے بہرطور اسے انجام دینا ہی تھا۔

❄❄❄

سب کچھ معمول پر تھا۔ سب کچھ بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آ رہا تھا۔ مگر کچھ تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔ تیاری سے بلال کے گھر پہنچنے تک سید اذہان حسن بخاری کی نظریں اپنی ماں کی آنکھوں میں کچھ تھیں۔ مگر جتنی دفعہ بھی ان کے چہرے پر نظر پڑی تھی، وہ بہت سی طمانیت چہرے پر لئے دھیم ہوئی نظر آئی تھیں۔ مگر اس کا دل جیسے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

''ممی! کیا ہوا ہے؟'' بہت مدھم لہجے میں اس نے دریافت کیا تھا۔

ارہ نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

ب کچھ ٹھیک ہے بیٹا! تمہیں کیا لگ رہا ہے ــــــ کہیں کچھ غلط ہے؟''

ذہان حسن بخاری نے بغور ان کی طرف دیکھا تھا پھر یک دم کچھ کہے بغیر دھیان پھیر گیا تھا۔ فارحہ بیٹے کی سمت دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے سمت نگاہ کی تھی۔

ب کچھ ٹھیک ہے ــــــ فکر کرنے کے دن تمہارے نہیں ہیں۔ فضول کی سوچوں کو ذہن میں جگہ ''بڑے ہو چکے ہو تم۔ مگر اتنے بھی نہیں کہ ہم بڈھوں کی صحبت اختیار کرو۔ چلو جاؤ اپنی عمر کے لوگوں مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔ مگر وہ مسکرایا نہیں تھا۔

''یہ تم ماں بیٹا اتنے ہجوم میں بیٹھے کیا راز و نیاز کر رہے ہو؟'' اگینے تبھی وہاں آئی تھی۔ اذہان حسن نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ عزیر تمہیں وہاں ڈھونڈ رہا ہے۔'' اگینے نے مطلع کیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا

''اینی پرابلم؟'' اگینے نے اذہان حسن بخاری کے چہرے پر نگاہ کی تھی۔

''ہوں، اوں۔'' اس نے اگینے کی سمت نگاہ کی تھی۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''پھر؟'' غالباً چہرے پر بارہ بجے کی کیفیت پر اشارہ ہوا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ نگاہ بغور اس کی سمت دیکھ ی۔

''اچھی لگ رہی ہیں آپ۔'' جواب بہت متضاد تھا۔ اگینے جہاں لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی وہیں دوسرے مسکرا دی تھی۔

''یہ یقیناً میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

''ہو بھی نہیں سکتا اگینے!''

''او کے ــــــ تم اب جاؤ یہاں سے۔ عزیر ورنہ پاگل ہو جائے گا۔'' اگینے نے ہاتھ پکڑ کر اسے بلا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

بات تو یقیناً کچھ تھی۔ مگر ممی جانے کیوں اسے بتانے سے گریز کر رہی تھیں یا پھر اس کا ہی وہم تھا۔ وہ ان میں محو اپنے ہی دھیان میں چل رہا تھا جب ایک آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

''ایکسکیوزمی۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟'' وہ ٹیرس کی سیڑھیاں اترنے کو تھا جب آواز نے اس کا ب کیا تھا۔ اس کے پاؤں یک دم ہی تھمے تھے۔ بہت آہستگی سے پلٹ کر اس نے نگاہ کی تھی۔ شیفون سفید دودھیا لباس میں میز پر بہت سے دیے اپنے سامنے دھرے وہ یقیناً اسی کی سمت متوجہ تھی۔ سید ان حسن بخاری نے شاید اس کی سمت دیکھ کر یقین کرنا چاہا تھا کہ پکارنے والی آواز وہی تھی یا پھر.....

''ایکسکیوزمی! کیا آپ میری کچھ مدد کریں گے؟'' وہ بہت دھیمے لہجے میں مخاطب تھی۔ ٹیرس کا وہ حصہ یا آرائش کے لئے مخصوص تھا تبھی اس جانب سناٹا تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت نہ تھی۔ یوں بھی تمام مہمان

نیچے لان میں تھے۔ شاید ٹیرس کی آرائش کی ذمہ داری اس کے سر تھی یا پھر.......

’’ہیلو! کیا آپ مجھے سن رہے ہیں؟‘‘ سید اذہان حسن بخاری سوچوں میں محو تھا جب ایک نے پکارا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری نے اس لڑکی کی سمت بغور دیکھا تھا۔ ٹیرس پر روشنی کا انتظام کچھ تھا۔ وہی معمول کا ایک لیمپ روشن تھا اور جہاں وہ کھڑی تھی وہ جگہ تو قطعاً تاریک تھی۔ وہ جانب سے منتظر تھی کسی ردعمل کی۔ نگاہیں اس کی سمت تھیں اور اس لمحے اذہان حسن بخاری اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔ چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے وہ چلتا ہوا اس کے مقابل جا رکا تھ

کھلے آسمان تلے کھڑی وہ اس لمحے کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی تھی۔ چودھویں کا چاند آسمان تھا۔ بہت سی زرد روشنی اس لمحے اس چہرے کا بھرپور احاطہ کیے ہوئے تھی۔

’’ماچس ہوگی آپ کے پاس؟‘‘ بہت پُراعتماد انداز میں وہ اس کی سمت تکتی ہوئی دریافت

سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت بہ غور تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اپنا داہنا ہاتھ جیب کر لائٹر برآمد کیا تھا۔ مقابل کھڑی لڑکی کے چہرے پر بہت شگفتہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس بالوں کو ہاتھ سے کان کے پیچھے کرتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

’’مجھے لگ رہا تھا آپ سگریٹ ضرور پیتے ہوں گے۔ اس سے قبل دس عدد اشخاص کا گز سے مگر بدقسمتی سے ان میں اسموکنگ کا رجحان ناپید تھا۔ حیرت ہے میڈیا پر ٹوبیکو مافیا اپنی پبلس کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے اور اثر خاک نہیں ہو رہا۔ حالانکہ ایڈز تو خاصے دھماکہ خیز ہ ایک شخص سمندر کی آخری تہہ پر پہنچ کر واپس باہر آ گیا۔ یا پھر کسی دوسرے نے بلند و بالا عمار خوف و خطر چھلانگ لگا دی۔ یا پھر.......‘‘ وہ بولنے کا شاید خبط رکھتی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے بنا اس کی سمت توجہ دیئے لائٹر جلایا تھا اور بہت آہستگی کے ساتھ دھرے دیے باری باری روشن کرتا چلا گیا تھا۔ بہت مدھم، دھیمی، پُرفسوں روشنی ماحول کا احاط تھی۔

مقابل کھڑی لڑکی نے اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

’’تھینکس۔‘‘ لہجہ پُرتشکر تھا۔

اذہان حسن بخاری نے مقابل کھڑی نازک اندام لڑکی پر اک نگاہ کی تھی۔ چراغوں کی رو لمحے اس کا سراپا بہت واضح تھا۔ اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ غالباً تشکر کے لئے تھی۔ نگاہ نے جانچا تھا۔ پھر بہت ہولے سے لب وا ہوئے تھے۔

’’اٹس اوکے مگر میں سگریٹ نہیں پیتا۔‘‘ مطلع کیا تھا۔ مقابل کھڑی لڑکی چونکی تھی۔ جیسے بولنے کی تمام محنت اکارت گئی تھی۔ وہ لمحہ بھر کو لب بھینچ گئی تھی۔ پھر دوبارہ بہت تازگی سے مسکرائی

’’سگریٹ پینا بھی نہیں چاہیے۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں۔ مگر اس لائٹر کے لئے بہت شکریہ

اذہان حسن بخاری کے لبوں پر جانے کیوں دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ مگر دوسرے ہی ل

دھیان ہٹا کر باقی ماندہ دیے جلانے لگا تھا۔

’’روشنی اچھی ہوتی ہے نا ـــــ سارا منظر واضح ہو جاتا ہے۔ سارے رنگ کھل کر سامنے آ جاتے

’’پتہ نہیں وہ واقعی زیادہ بولنے کی عادی تھی یا پھر اس لمحے ایسا کچھ ذکر ضروری تھا۔ سید اذہان حسن ی نے اسے دیکھا تھا پھر دھیان دوبارہ اسی کام پر مرکوز کر دیا تھا۔

’’بعض اوقات بہت سے رنگ پھر بھی واضح نہیں ہوتے۔ بہت سے منظر پھر بھی نگاہ سے پوشیدہ رہ ے ہیں۔‘‘ شاید اس کی اندرونی شورش کا اثر تھا کہ اس کے لہجے میں اک سکوت در آیا تھا۔

’’لیکن اس میں قصور روشنی کا تو نہیں۔ قصور تو اس نگاہ کا ہوا جو فقط چند مخصوص منظروں سے آگے بڑھتی یں۔ پوشیدگی درحقیقت خود پوشیدہ نہیں ہوتی۔ نگاہ ڈھونڈنے میں ناکام رہتی ہے کبھی کبھی۔ شے سامنے موجود ہو تو بعض اوقات نظر نہیں آتی۔‘‘ بہت دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ اس گھڑی اس سے ل اختلاف برت رہی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے اسے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھا کر بغور دیکھا تھا۔ وہ ذہین تھی۔ گفتگو کا مدلل انداز بتا تھا وہ کوئی معمولی نوعیت کی لڑکی نہیں۔ اذہان حسن بخاری نگاہ پھر پھیر گیا تھا۔ اک اک کر کے کتنے دیے ن ہوتے چلے گئے تھے۔

’’جو بھی ہو، روشنی اندھیرا مٹاتی ہے۔ اپنی نگاہ میں نقص ہو تو الزام روشنی پر قطعاً نہیں دھرا جا سکتا۔‘‘ وہ رائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دیا اٹھا کر پلٹی تھی اور ٹیرس کی دیواروں پر دھرنے لگی تھی۔ سید اذہان حسن ری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

’’سنبھل کر۔ کبھی کبھی روشنی جلا بھی دیتی ہے۔‘‘

وہ پلٹی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

’’جانتی ہوں ـــــ میرے لئے خدشے اہمیت نہیں رکھتے۔ میری نظر ہمیشہ روشن پہلوؤں پر مرکوز نا ہے۔ جلاتی تو اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ الاؤ فقط روشنی اور آگ سے ہی تو نہیں دہکتے۔ آگ تو اور ا بہت سی قسم کی ہوتی ہے۔ جلنے کے اور بھی بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ ہو سکتے ہیں۔‘‘ کتنے پُراعتماد از میں وہ اس کی سمت تکتی ہوئی گویا تھی۔ سید اذہان حسن بخاری فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔ شاید حُسن نے ے لاجواب کر دیا تھا یا پھر وہ مزید کچھ بولنا ہی نہ چاہتا تھا۔ لبوں پر چپ تھی۔ کچھ دیر کا نامکمل کام سرانجام ہنکا تھا۔ تمام دیے روشن ہو چکے تھے۔ اس نے لائٹر بند کر کے جیب میں رکھنا چاہا تھا جب وہ یک دم اس ا سمت پلٹی تھی۔

’’آں...... ہاں، پلیز۔ یہ لائٹر مجھے دے دیجئے۔ کچھ ہی دیر میں، میں اسے آپ کو لوٹا دوں گی۔ لچویلی اگر کوئی دیا ہوا سے بجھ گیا تو۔‘‘ اس نے خدشے کے باعث گزارش کی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ا کی سمت دیکھا تھا پھر لائٹر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

’’انسان چاہے لاکھ خدشات سے بے نیاز ہو مگر خدشات کی حقیقت سے نگاہ نہیں پھیر سکتا۔ اندیشے د بہ خود در آتے ہیں دل میں، ذہن میں۔‘‘ دھیمے لہجے میں بول کر جانے کیا باور کرانا چاہا تھا۔ شاید مقابل

کھڑی لڑکی کی نفی کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ لائٹر تھامتی ہوئی بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا پھر نگاہ پھیری تھی اور اس کے ساتھ ہی پلٹتے ہو سے ہٹ گیا تھا۔ ٹیرس پر کھڑی اس لڑکی نے اس شخص کی پشت کو قدرے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ لبوں شگفتہ سی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس شخص سے مل کر یقیناً محظوظ ہوئی تھی۔

"ساہیہ خان! تم سے ابھی تک یہ چراغ روشن نہیں ہوئے؟ ——— اتنا بڑا کام تو نہیں سونپا تمہیں۔ کہہ رہی تھیں کیلگری میں کئی شادیوں کے انتظامات اپنے ہاتھوں سرانجام دے چکی ہو کہوں، لگتا قطعاً نہیں ہے۔" وہ دوبارہ بجھ جانے والے دیوں کو لائٹر سے روشن کر رہی تھی جب عز آیا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"کچھ جھوٹ نہیں کہا تھا۔ نہ ہی تمہارے کانوں نے کچھ غلط سنا تھا ——— دیے کب کے روشن ہ ہوتے اگر ماچس تم اپنی جیب میں ڈال کر نہیں لے گئے ہوتے۔ بیسیوں لوگوں سے پوچھا تب جا کر بندے سے یہ لائٹر ملا۔ کتنی بڑی خوش آئند تبدیلی آچکی ہے پاکستان میں۔ حضرات نے غالباً سگریٹ پیکٹ پر درج انتباہ کے باعث سگریٹ نوشی ترک کر دی ہے۔ بہت جلد پاکستان میں کھلی ٹوبیکو دیوالیہ ہو جائیں گی۔" وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھی۔ لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ عزیر مسکرایا تھا۔ پھر ا ہاتھ میں تھمے لائٹر کو دیکھ کر قدرے چونکا تھا۔

"یہ اذہان حسن بخاری کا لائٹر تمہارے پاس کہاں سے آیا؟" ساہیہ خان نے قدرے چونکتے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اگر وہ اذہان حسن بخاری تھے تو یہ لائٹر انہوں نے مجھے خود آپ دیا ہے۔ نہ صرف لائٹر دیا ہے دیے روشن کرنے میں میری مدد بھی کی ہے۔"

"اوہ ——— تو ملاقات ہو گئی تمہاری موصوف سے؟" عزیر مسکرایا تھا۔ "کیسے لگے محترم؟"

"کچھ خبطی سے ہیں۔ خواہ مخواہ فلسفہ بگھارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ خیر میں نے بھی جواباً کو نہیں چھوڑی۔ خوب تاک تاک کر لفظ پھینکے۔ موصوف اب تک محظوظ ہو رہے ہوں گے۔" وہ شر سے مسکرا رہی تھی۔ چمکتی آنکھوں میں بہت سے جگنو روشن تھے۔ عزیر اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ! اٹس ٹو مچ۔ بہت سیدھا سادھا بندہ ہے وہ۔"

"تو میں نے کب کہا کہ اس کے اشتہار لگے ہوئے ہیں۔" وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"مگر تمہیں اسے اس طرح تنگ نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"تمہیں کس نے کہا میں نے اسے تنگ کیا ہے؟ ہماری ملاقات خاصی دلچسپ اور ادبی ادبی سی ہوئی ہے۔ ہاں فلسفے کا بگھار کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔" وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھی۔ گداز ہونٹوں پر بڑی مسکراہٹ دبی تھی۔ عزیر اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

* * *

نہ اختیار کیا جانے والا ہر قدم بے سود رہا تھا۔ کتنے دن تک اس نے کوشش کی تھی۔ اس کی سمت
الے راستوں پر نگاہ بھی نہیں کی تھی۔ اس کی سمت چلنے والی ہواؤں کا تعاقب بھی نہیں کیا تھا مگر اس
ب میں آتی سرگوشیاں تھمی نہیں تھیں اور تب جیسے وہ تھک کر ہار گیا تھا۔

نہیں مان رہا تھا۔
نہیں لگ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر چل پڑا تھا۔

راستوں پر۔
اس سمت جاتے تھے۔ اس شہر جاناں کی سمت جا ملتے تھے۔

یہ کیا مجنوں سی حالت بنا رکھی ہے؟ خردمندی سے کوئی واسطہ رکھا ہے یا نہیں؟" لامعہ کیمپس کی
میں اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

رچہ سوٹڈ بوٹڈ تھا مگر شیو بڑھا ہوا تھا۔ جس سے انداز بہت رف سا لگ رہا تھا۔ لامعہ کے کہنے پر
علی خان بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ نگاہ اس چہرے کا طواف کرنے لگی تھی جو اس کے عین سامنے
مگر اس سے یکسر انجان اور بے خبر تھا۔ نگاہ اس کی جانب قطعاً مائل نہ تھی۔ کسی التفات کی امید تو
ور کی بات تھی۔

تم نے دیوانہ بنا دیا ہے ——— خردمندی کا دعویٰ تھا مجھے۔ ہوش مندی پر ناز تھا۔ مگر تم نے تو
غرور دھول کر دیئے۔ ہوش کھو بیٹھا میں تو۔ شب و روز کے گزرتے تسلسل کی کچھ خبر نہیں۔ تمہیں کچھ
کہو۔" نظروں نے کتنے چور انداز سے اس چہرے کا طواف کیا تھا۔

امعہ حیران ہوئی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل ہنستی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان! تم واقعی پاگل ہو گئے ہو۔ کہیں صحرا نوردی کا کوئی ارادہ تو نہیں کرلیا؟"

فنان علی خان نے جوس کے سپ لیتی انابیہ شاہ پر ایک نگاہِ خاص کی تھی۔ پھر بہت ہولے سے اس
ں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

س سے پوچھنا تو ہے
کیا صلہ وفاؤں کا
ہے یہی کہ دن اور رات
اس کو سوچتے رہنا
اس کو کھوجتے رہنا
اس سے پوچھنا تو ہے
کیا یہی محبت ہے
اس کے ہی خیالوں سے
اپنی ہی دعاؤں کو
خود ہی بے اثر کرنا

خودکو بے ثمر کرنا

اس سے پوچھنا تو ہے

کتنے مدھم لہجے میں اس نے مدعا بیان کیا تھا۔ لامعہ حق جہاں مسکرائی تھی وہیں انابیہ یکسر بے خبر نظر آنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"کسی مشاعرے سے شرکت کر کے آرہے ہو؟" لامعہ نے چھیڑا تھا۔

"بس اسی بات کی کسر رہ گئی ہے ان دنوں۔" وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ نے نگاہ اب بھی اس سمت نہیں کی تھی مگر وہ اپنی سماعتوں کو یقیناً اس سمت تھی۔ پھر یک دم اس نشست سے اٹھ جانا بھی جیسے مناسب نہ تھا۔ یہاں رکنا جیسے اس اب بھی کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ لامعہ کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ بے حا عالم دیوانگی پر۔ اور وہ سمجھ نہ پائی تھی اس کیفیت کو۔ کسی کا انداز کس قدر پُر پیچ تھا۔ اُلجھا ہوا

"یقین دلانے کا راستہ نہیں ہے کوئی۔ ورنہ بے کیفی کی کیفیت بیان کرنے میں دیر کہار عجب شے ہے یہ دیوانگی۔ بہت نامراد شے ہے یہ جنوں خیری ——— قدموں سے لپٹے صورت بچتی ہی نہیں۔" لہجہ دیوانگی سے مکمل طور پر پُر تھا۔ مگر بھوری آنکھوں میں بہت سی تھی۔ پتہ نہیں وہ اس گھڑی سنجیدہ تھا یا پھر کوئی مذاق کر رہا تھا۔

"سمندر کو دور سے تکتے رہنے کا نظارہ بہت دلکش ہوتا ہے۔ مگر گہرائیاں ناپنا بہت دقیق مشکل میں گھر جاتی ہے۔ اک نہ ختم ہونے والی اضطرابیت وجود میں پھیل جاتی ہے۔ کسی پل عالم دیوانگی کو جھیلنا آسان نہیں۔ جان پر بن آتی ہے۔ کبھی تم نے ساحل پر کھڑے ہو کر تعاقب کیا ہے؟ کتنے اضطرابوں کی داستان درج ہوتی ہے ان پر۔ کتنی ان کہی داستانیں چھوڑ جاتی ہیں۔ کتنے انوکھے وصف ہیں محبت کے۔ کتنے عجیب فسانے ہیں۔" اس کا انداز کم تھا اور لامعہ حق ہنستی چلی گئی تھی۔

"آج کیا ہو گیا ہے تمہیں عفنان علی خان؟ ——— کہیں واقعی تم میرے عشق میں پاگل تو نہیں ہو؟" وہ واقعی حیران تھی۔ عفنان علی خان نے اس سے برابر بیٹھی انابیہ شاہ پر اک نگاہ کی تھی۔ مسکرا دیا تھا۔

"کچھ علم نہیں۔ عالم مدہوشی میں ہوں۔ اردگرد کا کچھ ہوش نہیں۔ بیدار ہوں گا تو کچھ پتہ تو خواب کی سی کیفیت ہے۔ خواب جیسے منظر ہیں۔ خواب جیسے رنگ ہیں اور خواب جیسی تم ہو۔ کتنا تعاقب کرتا ہوں تمہارا۔ کیسے دیوانوں کی طرح تلاشتا ہوں تمہیں ہر سمت۔ تم میری سمت نہیں۔ مجھ پر اپنی نظر کیوں نہیں کرتیں؟ مجھ میں تو اتنا دریافت کرنے کی بھی سکت نہیں کہ یہ عالم گا بھی کہ نہیں۔ میں اس خواب سے جاگوں گا تو تم کو پا سکوں گا کہ نہیں۔ کیا تم میرے لئے فقط رہو گی؟ ——— دیوانے کا خواب۔"

لہجہ مدھم اور انداز کس قدر خواب آشنا تھا۔

"بس بس، بہت ہو گیا۔ ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔ آج کے لئے اتنا کچھ کافی ہے۔" لامعہ حق رائی تھی۔ پھر کب کی خاموش اور قدرے لاتعلق بیٹھی انابیہ شاہ پر نظر مرکوز کی تھی۔

"انابیہ! تم جانتی ہو مردوں کے ڈھنگ کتنے عجیب اور وصف کتنے نرالے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں عورت پہیلی ہے۔ اسے آج تک کوئی سمجھ نہیں کا۔ مگر درحقیقت مرد ایک معمہ ہے۔ اسے سمجھنے کا دعویٰ کوئی نہیں سکتا۔"

"یقیناً۔" کب کی خاموش بیٹھی انابیہ شاہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔ انداز پُر اعتماد تھا۔ نگاہ اس شخص ں کی تھی مگر وہ کمزور ہرگز نہ پڑی تھی۔

"مثل مشہور ہے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔ خواب دکھانا بہت دلفریب ہے مگر بوں میں رہنا بہت مشکل۔" لبوں پر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔ وہ گھڑی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لامعہ! اپنے فیانسی کے لئے کوئی ٹھنڈا وغیرہ منگواؤ۔ موصوف خاصی گرمی سے آئے ہیں۔ باہر کا موسم ہے مسٹر عفنان علی خان؟ گرمی کچھ زیادہ تو نہیں؟" وہ براہِ راست اس کی سمت تکتی ہوئی مسکرائی تھی۔ نان علی خان نے حُسن کے تیور دیکھے تھے۔ ان آنکھوں کو دیکھا تھا اور پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"کن موسموں کی بات کر رہی ہیں آپ؟ ——— اندر کے یا باہر کے؟" بغور اسے تکتے ہوئے یافت کیا تھا۔

"میں نے بیرونی موسموں کے متعلق ہی دریافت کیا ہے۔ اندرونی موسموں کی روداد تو آپ کافی سے دہ سنا چکے ہیں غالباً۔" وہ مسکرا رہی تھی اور لامعہ حق ہنستی چلی گئی تھی۔

"ویل سیڈ انابیہ شاہ! یور آر ٹو گڈ۔ عفنان علی خان کی اتنی باتوں کے جواب میں مجھ سے کوئی ایک اب بھی بن نہ پڑا تھا۔ مگر تم نے واقعی ان موصوف کو لاجواب کر دیا۔" لامعہ، انابیہ شاہ کی ذہانت کی داد تا ہوئی مسکرائی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ لب بہت ہولے سے وا ئے تھے۔

ہم سے اک بار بھی جیتا ہے، نہ جیتے گا کوئی
وہ تو ہم جان کے کھا لیتے ہیں ماتیں اکثر

"مقابل حُسن ہو اور مخاطب بھی ہو تو کچھ ایسی کیفیت ہو ہی جاتی ہے۔" انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی لامعہ گویا ہوئی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے عفنان علی خان! اور تم جانتے ہو مجھے کینٹین کے لوازمات قطعاً نہیں بھاتے۔" انابیہ شاہ نے گھڑی کی سمت دیکھا تھا پھر بیگ اور فائل سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"سوری! ——— میری کلاس کا وقت ہو چلا ہے۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے کچھ سننے کا انتظار نہیں یا تھا اور ہوا ہو گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس دور جاتی لڑکی کو دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج رتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یقیناً دل ٹھہرنے کا اب کوئی ساماں نہ تھا۔

***

سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ بند ہوتے پپوٹوں کو اس نے جیسے بہ مشکل کھولا تھا۔ کتنی دیر تک ذہن ماؤف رہا تھا۔ سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے کمرے کے چار سمت دیکھتی رہی تھی۔

یہ کمرہ وہ تو نہیں تھا۔

یہ سب——— اس نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی تھی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز رہی تھی۔ وہ کسی قدر چونکی تھی۔ مگر حواس اس قدر بیدار نہ تھے۔ سمجھنے کی کوشش میں اس نے پوری کی پور آنکھیں کھول دی تھیں۔ تبھی واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی اور دوسرے ہی لمحے کوئی اس روبرو تھا۔

'سردار سبکتگین حیدر لغاری۔' اس کے حواس ایک پل میں بیدار ہوئے تھے۔ وہ ٹاول سے بال پونچ ہوا یک دم چونکا تھا۔ غالباً اس کے جاگنے پر حیران ہوا تھا۔

میرب سیال یک دم اٹھ کر بیٹھی تھی۔ شانوں پر بال بڑے بے ترتیب انداز میں بکھرے ہوئے تھ سر جھکائے وہ اس گھڑی یقیناً اس کیفیت سے قبل کے واقعے کے متعلق سوچ کر کسی قدر شرمندہ تھی۔

''آپ اچانک بے ہوش ہو گئی تھیں——— مجھے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ آیا تو آپ کو اٹھا کر اپنے کمر میں لے آیا۔ ڈاکٹر نے آپ کو ریلیکس کرنے کے لئے کہا تھا۔ سو ڈسٹرب نہیں کیا۔ ہاؤ ڈو یو فیل ناؤ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی اپنے کمرے میں موجودگی کی وضاحت دے رہا تھا۔ لہجے میں کسی طر کوئی تاثر نہ تھا۔ اس کی ہارش ورڈنگ سے متعلق کوئی ردِعمل اس کے چہرے پر نہ تھا۔ وہ چہرہ بہت بے تھا۔ میرب سیال نے ایک لمحے کو اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ شاید وہ شب بھر سویا نہ تھا۔ اپنی گرد اس گھڑی بائیں ہاتھ سے دباتا ہوا وہ اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔

''کیا ہوا؟'' میرب سیال کے لبوں پر یک دم سوال اُبھرا تھا۔ بڑی غیر ارادی حرکت تھی یہ۔ سر سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا جیسے اس تخاطب پر حیران ہوا ہو۔

''شاید کچھ اسٹریس آ گئی ہے نک میں۔ صوفے پر سونے کی عادت نہیں نا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغا جواب دے کر ہیئر ڈرائیر کرنے لگا تھا۔ میرب سیال کے ذہن میں گزرا ہوا تمام منظر گھوم گیا تھا۔ مگر نے معذرت خواہ رنگ قطعاً اختیار نہ کیا تھا۔ وہ کل ہسپتال سے لوٹنے سے اب تک بہت زیادہ سوئی تھ یقیناً یہ دواؤں کا اثر تھا۔ سر اب تک گھوم رہا تھا۔ اس نے وال کلاک سے نگاہ ہٹاتے ہوئے سر کو ہا سے قدرے دبایا تھا۔

''مجھے ہسپتال جانا تھا۔'' اس نے مدھم لہجے میں جیسے خود کلامی کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے قدرا لجھی ہوئی اس لڑکی کو آئینے میں دیکھا تھا۔

''ہائپر ٹینشن کے باعث ایسی ادویات دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ یہ تمام فقط ریلکسیشن کے لئے تھا۔ ڈ نے کہا ہے یو شڈ مسٹ ٹیک کیئر آف یور سیلف۔ سٹریس لینا کوئی اچھی بات نہیں۔'' آئینے میں اس عکس کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ انداز بہت سرسری تھا۔ کسی طرح کا کوئی احساس اس کے لہجے سے ظاہر نہ تھا۔

میرب سیال نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ آئینے میں اس کا عکس بہت واضح تھا۔ اور اس لمحے یقیناً وہ ی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نصیحت خوب تھی۔ بروقت تھی۔ مگر افسوس، بہت غلط شخص کے لبوں سے تھی۔

اسے لمحہ لمحہ زچ کرنے والا، اس کی جان سولی پر لٹکانے والا، اس کی تمام پریشانیوں کا جواز، وہ شخص ں لمحے اس تمام معاملے سے کیسا بری الذمہ تھا۔ جیسے وہ اس تمام معاملے کا حصہ تھا ہی نہیں۔ یا پھر جیسے ے اس بابت کچھ علم تھا ہی نہیں۔ کتنا لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا وہ۔ یا پھر یہ سب دانستہ تھا۔ ارادی طور پر تھا۔

کیسے سلگاتا تھا وہ اس کی جان۔ اور پھر کیسے بے تاثر بن جاتا تھا۔ شاید یہ بھی ذمے داری سے بچنے کی کوئی ارادی حرکت تھی۔

کوئی منصوبہ ساز پہلو تھا۔

اپنے اندر کی بے بسی کا احساس ایک بار پھر کس درجہ ہوا تھا۔ پورا ذہن پھر سلگنے لگا۔

وہ ناپسندیدہ وجود تھی۔

ناپسندیدہ ہستی۔ جو فقط کسی کے سر مسلط کی گئی تھی اور وہ اس تسلط پر بھی کس درجہ آزاد تھا۔ کیسے آزادانہ طور پر اپنے رویوں کا اظہار کرتا تھا۔ کیسے آزادی سے اپنے ناپسندیدہ پہلوؤں پر احتجاج کرتا تھا۔ پسندیدہ فعال و اقدام کی منصبی کے لئے اسے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ آزاد تھا مکمل طور پر۔

شاید زیادتی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔ قربانی کا بکرا فقط اسے بنایا گیا تھا۔ دونوں طرف سے۔

ایک طرف وہ بوجھ تھی۔ ذمے داریوں کا بوجھ۔ اور دوسری طرف ضرورت۔

ذمے داریوں نے وہ بوجھ اس ضرورت کے دامن میں ڈال دیا تھا۔ اس نے فقط ایک مقام اپنے ام، مقام اور رتبے سے پُر کیا تھا۔ ورنہ اس کی حقیقت صفر تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً گھاٹے یں نہ رہا تھا۔

یقیناً اس مقام کے لئے کسی ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی——— اس جیسی بے وقوف، احمق جو زیادہ سوال نہ کر سکتی۔ زیادہ وضاحتیں نہ مانگ سکتی۔ بس خاموشی سے سب تکتی رہتی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے میرب سیال کو اپنی سمت یک ٹک تکتے دیکھ کر اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اگرچہ کر لیا تھا مگر پھر بھی تیاری سے ہاتھ روک کر اس نے چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا ضرور تھا۔

''کیا ہوا؟''

میرب سیال نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ کچھ لمحوں تک اسی طرح تکتی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ وہ ٹائی لگاتے ہوئے اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال سر جھکائے کچھ لمحوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ شاید وہ اس لمحے بہت خالی ذہن تھی۔ کیفیت کسی قدر غائب دماغی کی

تھی۔

’’مائی اماں کا فون آیا تھا آپ کے لئے۔‘‘ بہت مدھم لہجے میں مطلع کیا تھا۔ میرب سیال اس
بیٹھی رہی تھی۔ نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا نہیں تھا۔ نہ ہی کسی طرح کا کوئی ردعمل ظاہر کیا تھا۔
ہونے کے برابر تھی۔ جیسے اسے اس ذکر کی مطلق کوئی پرواہ نہیں تھی۔ جیسے وہ سنتے ہوئے بھی نہ سن رہی
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اس کی سمت اک نگاہ کی تھی۔

’’آپ کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ کسی قدر پریشان ہو رہی تھیں۔ غالباً اب تک آپ
سے بات نہیں ہوئی۔ اب کے فون آئے تو بات کر لیجئے گا۔ ان کو فکر ہو رہی تھی آپ کی۔‘‘ سردار
حیدر لغاری جیسے اسے اہم ترین ہدایت کر رہا تھا۔

وہ جانے کیوں بُت بنی بیٹھی رہی تھی۔ حالانکہ ارادہ تو وہاں سے اٹھ کر بھاگ جانے کا تھا۔ مگر
وجود میں اس لمحے سکت ہی نہ رہی تھی۔ دروازہ بہت ہولے سے بجا تھا۔ ویٹر ناشتہ لے آیا تھا۔ وہ
نہیں چونکی تھی۔ خالی خالی نظروں سے ساکت بیٹھی اس منظر کو تکتی چلی گئی تھی۔ ویٹر ناشتہ سرو کر کے وا
چکا تھا۔ اس کے وجود میں تب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

’’آپ فریش ہو جایئے۔ ناشتہ آ چکا ہے۔‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیسے اس لمحے حکم د
میرب سیال نے بہت ہولے سے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ کتنی بارعب شخصیت تھی۔ یقیناً کوئی مر
ہوتا تو بڑی زیادتی ہوئی۔

شاید اس نے اسی لئے میرب سیال کو چنا تھا۔

کمزور تھی وہ اس کی دانست میں۔ بے حد کمزور۔ سر جھکائے کھڑی خاموشی سے اس کے احکا
کر بنا من مانی کئے عمل کی مہر ثبت کرتی چلی جاتی تھی۔ کبھی کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا اسے محترم
سبکتگین حیدر لغاری سے۔ موصوف کو کبھی انکار سننا پڑا ہی نہ تھا۔ شاید وہ جانتا تھا وہ کتنی کمزور تھی۔ کر
بے بس۔

اور اس نے کیا بھی تو ایسا ہی تھا۔ کتنے مواقع تھے جہاں اس نے خود اپنے آپ کی نفی کی تھی۔ خو
آپ کو جھٹلایا تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے احکامات کی پیروی کر کے دانستہ یا نادانستہ اس
نام نہاد غرور و وقار کو تقویت دی تھی۔ یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کامیاب رہا تھا۔ اگر اس کی اس
اسٹریٹجی تھی تو وہ صد فیصد نفع میں رہا تھا۔

’’آپ جلدی سے ناشتہ کر لیجئے۔ پھر غالباً آپ کو ہسپتال بھی جانا ہے۔ کیسی طبیعت ہے اب
کی؟ مجھے ان کی طرف جانا تھا مگر اَن فورچونیٹلی ـــــ اینی ویز، آپ تیار ہو جایئے، ہم ساتھ چلیں۔
اس نے کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہنے کے ساتھ ایک مزید اطلاع دی تھی۔ مگر وہ اطلاع میر
کے لئے قطعاً بھی خوش آئند نہ تھی۔ میرب سیال نے اپنے سامنے کھڑے تک سک سے تیار سردار
حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

’’نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں۔‘‘ جواب کسی قدر غیر واضح تھا۔ شاید تبھی سردار سبکتگین حیدر

ے کسی قدر چونک کر دیکھا تھا۔ مگر دوسرے ہی پل شاید دانستہ اس لہجے، اس انداز کو یکسر نظر انداز
ئے ہوئے گویا ہوا تھا۔
ہری اپ۔ آپ کو ابھی میڈیسن بھی لینا ہیں۔ رات میں فون آیا تھا۔ میں نے دانستہ مائی اماں کو آپ
بت کے متعلق نہیں بتایا ورنہ وہ شاید مزید پریشان ہو جاتیں۔‘‘
رب سیال بنا اس کی سمت دیکھے، بنا کوئی دھیان دیئے کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں لب بھینچ کر
ے اٹھی تھی۔ مگر تبھی آنکھوں کے سامنے یکدم اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ غالباً اسے چکر آیا تھا۔ وہ
ئی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کسی قدر مستعد انداز میں آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔
شبو کا ایک بھبکا اس کے نتھنوں میں گھسا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس کے کس قدر
تھا۔ قربت کس قدر تھی۔ مگر سب کس قدر سرسری تھا۔ دھڑکنیں کتنی اعتدال پر تھیں۔ کوئی رتی بھر بھی تو
محسوس نہ ہوا تھا۔ قربتوں کا وہ احساس کس قدر سرسری تھا جیسے وہ قربت بس اس وقت کی سرسری
ت تھی اور بند آنکھوں کے ساتھ وہ اس فراخ سینے پر سر دھرے کتنی دیر گہرے گہرے سانس لیتی خود کو
ا پر لانے کے جتن کرتی رہی تھی۔ کس قدر کمزور واقع ہوئی تھی وہ۔ مگر یہ کمزوری شاید جسمانی نہ تھی۔
دنی طور پر ہرٹ ہوئی تھی۔ چوٹ اندرونی تھی۔ نہ نظر آنے والی۔ دکھائی نہ دینے والی۔ سردار سبکتگین
اری اسی طرح اس کے سامنے کھڑا رہا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا، اس کی حالت ٹھیک نہ تھی۔
تنے لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ پھر اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ دھر کے بہت آہستگی
ا سر اٹھایا تھا۔ چہرہ پسینے سے تربتر تھا۔
آر یو اوکے؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر متفکر ہوا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کی سمت نگاہ
ہ سر اثبات میں ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کے
ہرے ہولے سے اپنا ہاتھ ہٹاتی ہوئی وہ قدرے سنبھلتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری
نے کس خدشے کے پیش نظر اس کا شانہ اب بھی اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔
میں ڈاکٹر کو بلا لیتا ہوں۔‘‘ بغور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔
نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔‘‘ میرب سیال نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا۔ ’’میں اپنے روم
انا چاہتی ہوں۔‘‘ کہنے کے ساتھ ہی وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے قدرے دور ہٹی تھی۔ سردار
ن حیدر لغاری نے بدستور سہارا دینا چاہا تھا مگر اس نے بہت آہستگی سے اس مضبوط ہاتھ کو پیچھے ہٹا دیا

اس کی ضرورت نہیں۔‘‘ کہنے کے ساتھ ہی وہ کسی قدر سست قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی
ے سے نکلتی چلی گئی تھی۔
ردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس سمت دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کسی طرح کا کوئی تاثر نہ تھا۔ جیسے
م کیفیت سے اس کا کوئی واسطہ رہا ہی نہ ہو۔ جیسے وہ اس معاملے سے مکمل طور پر لاتعلق ہو۔ یا پھر
ل تمام صورت کے وقوع پذیر ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ میرب سیال کے جانے سے بس

ہوا یہ تھا کہ اس نے چند ثانیوں تک اس جانب خاموشی سے تکا تھا۔ پھر شاید معمول کے ا اسی طرح لب بھینچے پلٹنے والا تھا جب اس کے ڈیجٹ سیل پر رِنگ ٹون بجی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اسی بے تاثر انداز میں جیب سے موبائل نکال کر کان سے لگایا

‘‘ہیلو ــــ مائی اماں! ــــ کیسی ہیں آپ؟’’ تاثرات یکدم تبدیل ہوئے تھے۔

‘‘ٹھیک ہوں ــــ تم کیسے ہو بیٹا؟’’

‘‘ٹھیک ہوں مائی اماں!’’ وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

‘‘اور میری بہو ــــ وہ کیسی ہے؟ ــــ کہاں ہے وہ؟ میری بات کرواؤ اس سے۔

‘‘جی مائی اماں!’’ وہ مودب انداز میں بول کر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا آگے بڑ کان سے لگالیا تھا۔

‘‘تم اس کا خیال رکھ رہے ہو یا نہیں؟’’ مائی اماں اپنی بہو کے لئے بہت فکر مند تھیں۔

‘‘جی مائی اماں!’’ اس کے پاس سوائے سر ہلانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا جیسے۔

‘‘اور تم نے اسے ہوٹل میں کیوں ٹھہرایا ہوا ہے؟ ــــ مین ہٹن والا گھر کس دن کام آ تم لغاری خاندان کی بہو کو کہیں لے کر گئے ہو اور اس طرح غیروں کی طرح ہوٹل میں ہی ٹھہ رہی ہو گی وہ؟’’ مائی اماں کسی قدر خفگی سے ڈپٹ رہی تھیں۔ وہ چلتا ہوا میرب سیال کے کم تھا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس قدمی کر دی تھی۔ وہ چونکی تھی۔ نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت کی تھی۔ کسی قدر حیرت مگر اس نے بہت رسانیت کے ساتھ اس کی سمت تکتے ہوئے فون بڑھا دیا تھا۔

‘‘مائی اماں تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔’’ کہنے کے ساتھ ہی فون اس کے ہاتھ میں تھ لمحے کی اپنی اہم ترین ذمے داری سے گویا سبدکوش ہو گیا تھا۔

میرب سیال نے فون ہاتھ میں لے کر چند ثانیوں تک خالی خالی آنکھوں سے خاموشی۔ حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ اس گھڑی وہ اس کے چہرے سے دھیان پھیر چکا تھا۔ اور تـ نے فون کان سے لگالیا تھا۔

‘‘جی مائی اماں! ــــ ٹھیک ہوں ــــ آپ کیسی ہیں؟’’ آواز میں نقاہت بہت تبھی مائی اماں چونکی تھیں۔

‘‘کیا ہوا تمہیں؟ ــــ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟’’

‘‘جی مائی اماں! ــــ میں ٹھیک ہوں۔’’ اس نے باور کرانا چاہا تھا۔ مگر اپنے مدھم لـ لانے میں یکسر ناکام رہی تھی۔ آواز کی نقاہت بھرپور چغلی کھا رہی تھی۔

‘‘بیٹا! ماں ہوں۔ مجھ سے ایسے بہانے نہیں چل سکتے۔ کیا ہوا ہے؟ ــــ سبکتگین نے نہیں بتایا۔’’ وہ بے حد متفکر نظر آ رہی تھیں۔ میرب سیال کی نگاہ بلا ارادہ اس شخص کی سمت اس لمحے اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔ شاید یہ گریز دانستہ تھا۔ وہ اس لمحے جان بوجھ کر لاتعلق

سی طرح کی جواب دہی سے خوفزدہ تھا وہ۔ تمام معاملہ اس پر ڈال کر بری الذمہ ہونا چاہتا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نگاہ ہٹا کر کہنے لگی۔

‘‘موسم کا اثر ہے مائی اماں!’’ بہانہ گھڑا تھا۔ مگر مائی اماں شاید مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔

‘‘فون دے تو اُسے ــــ ابھی خبر لیتی ہوں۔ اس لئے تو ساتھ نہیں بھجوایا تھا کہ وہ تم سے مکمل طور پر ہو کر اپنے کام نمٹاتا رہے۔’’

‘‘نہیں مائی اماں! غلطی ان کی نہیں ہے۔’’ پتہ نہیں کیسے ایک لمحے میں اس کی زبان سے پھسلا تھا۔ اس کا تو کوئی ارادہ نہ تھا اس شخص کو ڈی فنڈ کرنے کا۔ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر لے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا اور وہ خود کتنی حیران ہوئی تھی۔ نادانستگی میں وہ اسے بچا گئی تھی۔ جس طرح وہ ہر طرح سے اس کے معاملات سے لاتعلق نظر آتا تھا، اس سب کو لے کر یہ ممکن تو نہ ایسا ہونا تو نہیں چاہئے۔ مگر وہ ایک اقدام سرزد ہو چکا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پتہ نہیں کسی تشکر انداز میں اس کی سمت دیکھ رہا تھا یا پھر ایسی کوئی کیفیت اس کی آنکھوں میں تھی ہی نہیں۔ شاید وہ معمول رح اس کی جانب متوجہ ہوا تھا اور رتی بھر بھی حیرت ان نگاہوں میں تھی ہی نہیں۔ جو بھی تھا میرب اس لمحے اس کی جانب سے نگاہ پھیر کر مائی اماں سے مخاطب تھی۔

‘‘پاپا کی سرجری کامیاب رہی ہے ــــ میں آپ کو مطلع کرنے والی تھی مگر مصروفیت اس قدر رہی ......’’ وہ کوئی وضاحت دینے جا رہی تھی جب مائی اماں گویا ہوئی تھیں۔

‘‘خدا انہیں زندگی دے۔ ہسپتال جاؤ تو میری جانب سے بطور خاص پوچھنا۔ سیال صاحب سے ہو تو میری بات کروا بھی دینا۔’’

‘‘جی اچھا۔’’ میرب سیال کے لئے اس لمحے بولنا جیسے انتہائی مشکل ترین فعل تھا۔ کتنی مشقت کرنا پڑ تھی اسے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ جیسے اس لمحے میں اسے اس کی مشکل کا اندازہ ہوا بھی ہاتھ بڑھا کر فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ مائی اماں اس کے کان کھینچنے لگی تھیں۔

‘‘تنہا جب جاتے ہو تو ہمیشہ مین ہٹن میں قیام کرتے ہو۔ بہو ساتھ ہے تو ہوٹلوں میں خوار کروا رہے تنی نحیف ہو رہی ہے اس کی آواز۔ ہوٹلوں میں گھر جیسا ماحول کہاں ملتا ہے۔ بیمار پڑوا دیا نا۔ یہ خیال رہے ہو تم اس کا؟’’ مائی اماں کا لہجہ بہو کی محبت میں چور تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر مدھم سا تبسم اُبھرا تھا۔ میرب سیال کو یقیناً علم نہ تھا کہ دوسری جانب مائی اماں کیا کہہ رہی ہیں مگر وہ لمحے اس سپاٹ چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر چونکی ضرور تھی۔

‘‘اوکے ــــ آئندہ ایسی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔’’ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے سارا الزام ے سر لیتا ہوا آئندہ کے متعلق تسلی دے رہا تھا۔

چہرے پر وہی مدھم دھیمی مسکراہٹ تھی۔ میرب سیال کے اپنی جانب تکنے پر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا پھر سلسلہ منقطع کرتے ہوئے باضابطہ اس کی جانب تکتے ہوئے مخاطب ہوا تھا۔ اس عرصے میں میرب

سیاا چہرے کارخ پھیر چکی تھی۔

”کیا پروگرام ہے اب؟“ وہ شاید آئندہ کے لائحہ عمل کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ میر اپنے سامنے کھڑے شخص پر ایک نگاہ کی تھی اور پھر بہت ہولے سے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی ہوئے بولا تھا۔

”اوکے ـــــ یو شڈ ٹیک ریسٹ ناؤ۔ شام میں ہسپتال چلیں گے۔“

”نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں۔ میں ہسپتال جانا چاہوں گی۔“ کہنے کے ساتھ ہی و واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت اسی طرح دیکھ رہا تھا جب وہ اس لمحے یکدم ہی پلٹی تھ

”میرے لئے آپ کو کسی طرح کا تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہسپتال چلی جاؤں کے راستے اجنبی نہیں ہیں میرے لئے۔ آپ اپنی روٹین کو ڈسٹرب مت کیجئے گا۔“

پنے تمام معاملات سے ایک پل میں اسے الگ کرتی ہوئی وہ پلٹی تھی اور واش روم میں گھر

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سمت تکتا رہ گیا تھا۔ پھر لب بھینچے پلٹا تھا اور دروازہ کھول کر تھا۔

* * *

کبھی کبھی کسی شے کے متعلق قیاس کرنا یا فرض کرنا بہت مشکل ہوتا ہے ـــــ احتمال اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں فرض شدہ نتائج منفی اور لاحاصل نہ رہیں۔ یا پھر یہ بھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موجودہ رتِ حال کو دیکھ کر جو بات آپ اخذ کر رہے ہوں درحقیقت ویسا کچھ بھی نہ ہو۔ کبھی کبھی نگاہ جو دیکھتی اور اخذ کرتی ہے ویسا ہوتا نہیں ہے۔ شاید بات کچھ ایسی ہی پیچیدہ تھی یا پھر بہت سیدھی اور صاف۔

عفنان علی خان لیونگ روم میں دادا ابا کے ساتھ بہت خوشگوار موڈ میں چیس کھیلنے میں مصروف تھا۔ اب ریا یہ معمول بن چکا تھا۔ بات چونکا دینے والی نہیں تھی۔ شاید تبھی زینہ اترتی انابیہ شاہ چونکی نہیں تھی۔ نہ اس کے چہرے یا آنکھوں میں کسی طرح کی کوئی حیرت بکھری تھی۔ البتہ عفنان علی خان نے لحہ بھر کو نظر کر اسے ضرور دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ پر رسمِ میزبانی جیسے فرض ہو گیا تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بڑی کل سے ابھری تھی۔ ایک رسمی انداز انجام دینا کسی قدر مشکل لگا تھا مگر اس کے لئے یہ فعل سرانجام دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔

”آؤ انابیہ بیٹا!“ دادا ابا اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے تھے۔ ”بھئی تمہارا دوست تو بہت ماہر ہو گیا ہے۔ بھو، مجھے چاروں شانے چت کر دیا۔“ دادا ابا، عفنان علی خان کو سراہتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

”آدمی کا پلیئر ہونا ضروری ہے۔ پرفیکٹ اور ماہر کھلاڑی بنتے دیر نہیں لگتی دادا ابا! اور عفنان علی خان ......“ وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرائی تھی۔ تب عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

”آف کورس ـــــ آدمی کا کھلاڑی ہونا شرط ہے۔ اگر وہ کھلاڑی نہیں ہو گا تو سوچو کتنی نقصان لی بات ہو گی، ہے نا۔ کھلاڑی ہو گا تو اس میں اسپورٹس مین اسپرٹ بھی ہو گی۔ شہ اور مات کی فکر بھی ائے گی۔ حوصلہ ٹوٹے گا تو بندھانے کی فکر بھی ہو گی۔ ہار کا ڈر ہو گا تو جیتنے کے لئے اقدامات بھی وچنے پر مائل ہو گا۔ بہت اچھا اور کام کا پوائنٹ ڈس کور کیا تم نے انابیہ شاہ! یعنی تم بھی نفع اور نقصان کے فلسفے سے واقف ہو۔“

کتنی ذومعنویت تھی ان جملوں میں۔ کتنے معنی نکلتے تھے ان مخفی باتوں کے۔ ان آنکھوں میں اس لمحے وئی خاص بات تو تھی۔ لبوں کی دھیمی مسکراہٹ تو چغلی کھا رہی تھی۔

انابیہ شاہ نے دادا ابا کی طرف دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔ پھر کراتے ہوئے دادا ابا کی سمت دیکھا تھا۔

”آپ نے تو بہت طاق کر دیا محترم عفنان علی خان کو ـــــ شاگردی کام آ گئی۔“ وہ میں گویا متاثر ہوئی تھی۔ ”چلیں، ایک فائدہ تو ہوا۔ لامعہ حق کو اب یقیناً کوئی گلہ نہیں رہے گا۔ گر علم ہوگا تو یقیناً اسے خوشی ہوگی کہ محترم عفنان علی خان کی ذہنی صلاحیتوں میں کئی گنا اضافہ ہو صرف یہ بلکہ وہ بہت سے علوم سے واقفیت بھی پا گئے ہیں۔ کئی بھیدوں سے آشنائی ہوگئی ہے ا خاص ہاتھ آ گیا ہے ان کے۔“ انداز بہت شگفتہ تھا۔ وہ یقیناً بہت محظوظ ہو رہی تھی۔

عفنان علی خان نے دادا ابا کی سمت مسکراتے ہوئے نگاہ کی تھی۔ ہونہار پوتی کے پٹر پٹر بو۔ وہ بہت محظوظ ہو رہے تھے۔ شاید ایسی فصاحت، ایسی بلاغت اسے انہی محترم سے ورثے میں ملی تھ

”ٹھیک ہے۔ تم نے ایک دم بجا فرمایا۔ یہ سارے وصف تم سے ملنے کے بعد ہی ہاتھ میرے۔ سارے ڈھنگ تم سے ملنے کے بعد ہی سمجھ آئے ہیں۔ اس آگاہی کا سارا کریڈٹ تمہار جاتا ہے انابیہ شاہ! تم نے ہی تو ملوا دیا تھا دادا ابا سے مجھے۔ تم مجھ سے نہ ملتیں تو کیسے جان پا ساری حقیقتیں۔ کیسے منکشف ہوتے مجھ پر ایسے انوکھے وصف، کتنے رازوں سے آشنائی ہوہی نہ کتنی باتوں سے نا آشنا رہتی۔ تم نے تو میری آنکھ کو ضیاء دی ہے۔ روشنی بخشی ہے۔ یہ رمز آشنا اعظم تمہارے سبب ہی تو ہاتھ لگا ہے میرے۔ کیسے فراموش کر دوں، کیسے کہہ دوں کہ یہ غلط ہے۔ جھٹلا سکتا میں۔“ کتنی روشنی بھر گئی تھی اس لمحے ان بھوری آنکھوں میں۔ کوئی خاص رنگ تھا، کو کیفیت تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

”رئیلی دادا ابا! میں آپ سے نہ ملتا تو شاید وہ سب کچھ نہ جان پاتا جو آپ سے ملنے کے کتنے تجربات بولتے ہیں آپ کی باتوں میں۔ کتنی مختصر نشستیں رہیں آپ کے ساتھ۔ مگر محبت کے رن سچے ہوں تو بہت گاڑھے چڑھتے ہیں۔ آپ کی مختصر ترین ملاقاتوں میں بھی مجھے سیکھنے اور جاننے زیادہ موقع ملا۔“ وہ دادا ابا کو سراہتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ شعبدہ باز تھا کوئی۔ مہارت اس کا وصف تھ پل میں سارے رنگوں کو اپنے رنگ میں رنگنا جیسے وتیرہ تھا اس کا۔ دادا ابا اس کے شانے کو تھپتھپا جوابی کلمات کہتے ہوئے جہاں مسکرا رہے تھے وہیں انابیہ شاہ ساکت نظروں سے اس کی سمت د تھی۔ یقیناً وہ ایک ماہر کھلاڑی تھا۔ کتنا مسرور دکھائی دے رہا تھا وہ۔ اس لمحے انابیہ شاہ کی سمت تکتی میں چمک کچھ اور بھی سوا ہوگئی تھی۔ وہ مسکراہٹ پہلے سے بھی زیادہ دلکش ہوگئی تھی۔ کتنے اسرار بول تھے ان آنکھوں میں۔ انابیہ شاہ فوراً ہی چہرہ پھیر گئی تھی۔

”دادا ابا! مجھے پارک ٹاور جانا ہے۔ گاڑی کب تک آئے گی؟“ وہ اس لمحے یکسر موضوع بدلتے دادا ابا سے مخاطب تھی۔ وہ ایک لمحہ بہت لاتعلقی کا تھا۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بہ غور دیکھا آنکھیں اس لمحے اس کے وجود سے یکسر لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں اور یہ تردّد یقیناً دانستہ تھ

”بیٹا! ایک گاڑی تو ورکشاپ میں ہے اور دوسری تمہاری ماما لے گئی ہیں ـــــ تم انتظار کر لو آتی ہوں۔“ دادا ابا نے کہتے ہوئے اپنی رسٹ واچ دیکھی تھی۔

انابیہ شاہ کی آنکھوں کی الجھن جیسے بڑھ گئی تھی۔ کتنی کوفت سے لب بھینچے تھے اس نے۔ تبھی دادا

علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

”تم عفنان کے ساتھ چلی جاؤ ـــــ کیوں بیٹا! کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا نا؟“

”ارے نہیں دادا ابا!“ عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ نے اپنے سامنے موجود شخص کی جانب دیکھا تھا۔ دادا ابا کی اجازت کے بغیر اس کے لئے کسی کا تعرض برتنا جیسے ناممکن ہوگیا تھا۔ اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس لمحے عفنان علی خان کے ہونے کے۔ بہت خاموشی کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت تکتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھائے عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ اُبھری تھی۔

”شکریہ۔“ بہت مودب انداز میں وہ جھک کر مدھم انداز میں گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ نے قدم اٹھاتے ئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

”کس بات کا شکریہ؟“

”میرے ساتھ آنے کے لئے ـــــ یہ اعتبار سونپنے کے لئے۔ جانتی ہیں دوستی میں اعتبار کی بہت ت ہوتی ہے۔ پہلی اینٹ کہلاتا ہے یہ۔“

انابیہ شاہ نے گلاس ڈور کھولتے ہوئے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر روڈ ز میں گویا ہوئی تھی۔

”کون سی دنیا میں رہتے ہیں آپ محترم عفنان علی خان؟ ـــــ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ اخذ کر ہے ہیں۔“ لہجہ اور انداز کسی قدر لاتعلق تھا۔ مگر اس کے ہم قدم چلتا ہوا شخص بہت طمانیت سے مسکرا دیا انابیہ شاہ خاموشی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

”ناراض ہیں اب تک؟ ـــــ خفگی ختم نہیں ہوئی اس دن والی؟ حالانکہ میں نے آپ کا نقصان حتیٰ مکان حد تک پورا کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔“

انابیہ شاہ نے اس کی سمت اک نگاہ کی تھی، پھر لب بھینچ کر بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

”لامعہ حق کے لئے زندگی کسی امتحان سے کم نہ ہوگی۔ میری سیم پیتھی ابھی سے اس کے ساتھ ہے۔“

”مگر آسانیاں تلاش کرنے والے کسی قدر بزدل واقع ہوتے ہیں۔ راہِ متبادل تلاشنا اور راہ بدل لینا دو ر متضاد چیزیں ہیں۔ تمہیں نہیں لگتا بزدلی، کم ہمتی کی نشانی ہے اور کم ہمتی کوئی قابل ستائش عمل نہیں۔“ با عفنان علی خان نے جانے کیا باور کرانا چاہا تھا۔ آنکھوں کی چمک کسی خاص بات کی نشاندہی کر رہی ا۔ مگر وہ اس کی سمت سے نگاہ کا زاویہ پھیر گئی تھی۔ وہ اس سے بہت انتہا پسندی والا کوئی رویہ روا نہیں نا چاہتی تھی۔ رشتے یا تعلق کی کوئی سمت بھی متعین کرنا نہیں چاہتی تھی۔ نہ ہی دوستی نہ ہی حد درجہ اجنبیت ہت زیادہ لگاوٹ نہ ہی بے زاری۔ وہ اس شخص کے معاملے میں اعتدال پر رہنا چاہتی تھی۔ مگر وہ جانے دل ایک لمحے میں صدیاں پھلانگنا چاہتا تھا۔ شاید اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔

یہ دوستانہ مزاج، یہ بے تکلفانہ رنگ، شاید یہ اس کا وصف تھا۔ مگر انابیہ شاہ کی اپنی حد بندیاں تھیں ہیں نہ تو خود کراس کرتی تھی نہ ہی کسی اور کو ایسے اقدامات کرتے دیکھ کر سراہ سکتی تھی۔ شاید اسی لئے

عفنان علی خان اس کے لئے کسی قدر نا قابل برداشت تھا۔ مگر وہ اس کا باضابطہ اظہار کرنا نہیں چاہتی وہ لامعہ حق کے اور اپنے تعلق کے متعلق آگاہ تھی اور عفنان علی خان کے متعلق بھی آگاہ تھی۔ سوچ تو تھی مگر یہ اس کا مزاج تھا۔ وہ اوّل اوّل کی دوستی کو لے کر بہت جلد بے تکلفی برتنے والوں میں سے نہ

"آپ سوچتی بہت ہیں۔" ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تھا اور انابیہ شاہ چو ہوئے اس شخص کی سمت تکنے لگی تھی۔

"خاموشی ایک بات کی بہت واضح اور ٹھوس دلیل ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ بہت سنجیدہ ہیں اور ز گزارنے سے متعلق بہت مدلل نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ فقط امپریشن قائم کرنا چاہ رہے کہ لوگ آپ کو سنجیدہ اور بردبار جانیں۔ دوسرے معنوں میں عقل مند۔" وہ بہت شگفتہ انداز میں ہوئے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ کے لبوں پر بہت ہولے سے مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"دیٹس گریٹ۔ میں جانتا ہوں آپ ماشاءاللہ سے خاصی ذہین و فطین واقع ہوئی ہیں۔ بات وا تو اسے جتانے کی سعی قطعاً نہیں کرنا چاہئے۔ مدمقابل شخص کو خواہ مخواہ شرمندہ کرنے والی بات ہوتی بہت خوش گوار انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ گئی تھی۔ پھر کسی قدر نرم لہجے میں ہوئی تھی۔

"اور جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے آپ کا؟"

"خاصے اچھے ہوتے ہیں۔ کم از کم اتنے پیچیدہ واقع نہیں ہوتے کہ انہیں شماریات کا کوئی سوال دے دیا جائے۔"

"میں شماریات کا کوئی سوال ہوں؟" انابیہ شاہ نے اس رائے زنی پر کسی قدر حیرت کا اظہار کیا عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"دقیق چیزیں کبھی کبھار بہت لطف دیتی ہیں۔ لگن اور شوق اور بھی سوا ہو جاتا ہے۔"

"لامعہ بہت سادہ ہے ـــــ بہت سادہ چیزیں اچھی لگتی ہیں اسے۔" پتہ نہیں کیا جتانے کی کوش تھی۔ وہ بھرپور انداز میں ہنسا تھا۔

"اور مجھے مشکل اور دقیق۔ میرا مزاج اس قدر سادہ نہیں ہے مگر مجھے سادگی اچھی لگتی ہے۔" اس چہرے کو بہ غور تکا تھا۔ لبوں پر بہت گہری مسکراہٹ تھی۔ "جو دلکشی اور رعنائی ان سادہ چہروں میں ہوتی بعض اوقات بہت دلکش اور پُر آرائش چہروں میں بھی نہیں ہوتی۔ کوئی جادو سی بات ہوتی ہے ان جادو چہروں پر۔ دل خود بہ خود کھنچنے لگتا ہے ان کی جانب۔ کچھ ایسے کہ اختیار رہ ہی نہیں پاتا خود پر۔"

مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ جانے کیا باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔ ہاں مگ یہ ضرور جانتی تھی کہ لامعہ حق بہت دلکش تھی۔ آرائش و زیبائش کرنا، سجنا سنورنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

"مجھے جھیل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ! ساکت، وسیع اور سبک، کچھ گہری، کچھ مخفی سی، کبھی رنگوں میں بہتی ہوئی، کبھی خود سے بھی انجانی، کبھی اتنی پُرسکون، اتنی ساکت کہ سُوئی بھی گرے تو آوا آہٹ سے جان میں اک قیامت مچ جائے۔ اور کبھی اتنی پُر ہلچل کہ اک جہاں میں اضطرابیت بھر جا

اتی خاموش، اتنی چپ کہ بہت سے رازوں سے واقفیت کے لئے دل مائل ہوں۔ اور کبھی اتنی پُر شور ن اس کی آہٹوں سے گونجنے لگیں۔ سارا وجود اس کے مدھر شور سے بھر جائے۔"

تنا مبہم تھا اس کا لہجہ۔ کتنے گہرے انکشافات تھے۔ وہ کیوں کہہ رہا تھا ایسا سب کچھ۔ کیوں انوکھے رہا تھا۔ کیا جاننا مقصود تھا اسے۔ کن رازوں سے واقفیت چاہتا تھا وہ، یا پھر کن باتوں سے روشناس چاہتا تھا وہ؟ کیا جتانا چاہتا تھا؟ کیا مقصود تھا اسے اس گھڑی۔

ل دوست سے، اک دوست کی معمولی سی نوعیت کی کوئی بات؟

کیا واقعی وہ اس سے اپنے اندر کی کوئی بات شیئر کر رہا تھا؟ کیا واقعی وہ کوئی دوست ڈھونڈ رہا تھا اس کوئی ایسی ہی روایت درکار تھی جسے رسمِ آشنائی کہا جاتا ہے، دوستی کہا جاتا ہے۔

"تم شاید مجھے سمجھ نہیں پا رہیں انابیہ شاہ! اور شاید یہ تمہارے لئے آسان بھی نہیں۔ دو چار ملاقاتوں ں کھل ہی کتنا پاتا ہے۔ کوئی کسی کو جان ہی کتنا پاتا ہے۔ مگر میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے تمہیں میں کوئی غلطی نہیں کی۔" وہ اس پر نگاہ کرتا ہوا کسی قدر سنجیدہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

"ایسا نہیں ہے کہ لڑکیوں سے کبھی میرا سابقہ نہ رہا ہو۔ مگر انابیہ شاہ! مجھے کسی نے کبھی اس طور سے ہیں کیا۔ جانے کیوں دل چاہتا ہے کہ تمہیں وہ سب کچھ کہوں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ جو میرے دل ہے اور جو کوئی نہیں جانتا۔" بہت مدھم لہجے میں وہ گویا تھا۔ کیا کہنے جا رہا تھا وہ؟ کیا کہنے کے لئے نہید باندھ رہا تھا؟

"کیا تم لامعہ حق کو......." جانے کیا سوچ کر اس کے لبوں پر ایک خدشہ اُبھرا تھا۔ وہ چونکا تھا، پھر ادیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے انابیہ شاہ؟"

"پتہ نہیں ـــــ لیکن مجھے اپنی دوست بہت عزیز ہے۔" اس کے لہجے میں دوستی کی حاجت کو محسوس تے ہوئے اس نے اس کی بات سن تو لی تھی مگر اس کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی دوست لامعہ حق کے نا کچھ الٹا سیدھا سنتی۔ شاید تبھی وہ کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں اس کی سمت تکتی ہوئی سرنفی میں نے لگی تھی۔

"عفنان علی خان! کچھ مت کہنا۔ کم از کم میں اپنی دوست کے متعلق کوئی فضول بات نہیں سنوں گی۔ ہ تمہیں پسند نہیں ہے تو تم یہ سچ اس کے منہ پر جا کر کہو۔ مجھ سے ہرگز نہیں۔"

وہ یکدم ہنس دیا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں لامعہ حق کی کوئی خامی گنوانے والا ہوں؟ بائے دی وے، کیا کوئی خامی اس میں؟" وہ کسی قدر بھولپن سے مخاطب تھا۔ انابیہ شاہ کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ اس لمحے کس طرح کا ں ظاہر کرے۔ شاید تبھی وہ خاموشی سے اسے تکتی رہی تھی۔

"لامعہ سے بہت گہری انسیت ہے نا ـــــ بہت محبت کرتی ہو اس سے؟"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم واقعی اچھی دوست ہیں۔" انابیہ شاہ نے بلاتردد کہا تھا۔

”اور میں۔“

انابیہ شاہ خاموشی سے تکتی رہی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

”مجھے جھیل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ! اور تم......“ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے پا
سامنے گاڑی روک دی تھی اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!“ مدھم لہجے میں کہتے ہوئے سر بہت ہولے
تھا۔ انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔ انابیہ شاہ کتنی ساکت سی تکتی گئی تھی اسے۔ پھر یکدم ہی جیسے
اور دروازہ کھول کر باہر نکل کر کتنی سرعت سے چلتی ہوئی وہ آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی۔
دانستہ تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔

’لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!‘ مدھم سرگوشی کسی قدر اُلجھی ہوئی تھی۔ کتنی مبہم بات تھ
اشارہ نہ تھا۔ مگر اس کے اندر ایک لمحے میں جیسے ایک تغیر واقع ہوا تھا۔

شاید...... شاید اس لئے کہ عفنان علی خان نے لامعہ حق کو اس کے سامنے رد کیا تھا۔ ا
تھا۔

’مجھے جھیل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ! اور تم......‘ ادھورے فقرے نے کتنی دیر
اندر اپنی بازگشت بنائے رکھی تھی۔

’لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!‘

کیا جتانا مقصود تھا اسے؟ کیا واضح کرنا چاہتا تھا وہ؟ ــــ اور پھر وہ اسے لامعہ حق سے
رہا تھا؟ ــــ یہ موازنہ کس لئے تھا؟ اور ان دوستوں کے مابین ہی کیوں تھا؟

کیا یہ فقط رائے زنی تھی؟

اک عام سا تجزیہ یا پھر......

انابیہ شاہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ عفنان علی خان کی اُلجھی ہوئی باتو
بہت اُلجھا سا دیا تھا۔ بہت عجیب شخص تھا وہ۔ بہت عجیب باتیں تھیں اس کی۔ انابیہ اب تک ا
تھی۔ لامعہ حق کی کیفیت جانے کیا تھی؟

* * *

ساہیہ خان زینہ اتر رہی تھی جب اسے اذہان حسن بخاری، عزیر کے ساتھ کھڑا نظر آ
دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔ بہت ہولے سے وہ اس کی سمت بڑھی تھی۔

”اے ساہیہ! کہاں جا رہی ہو تم؟“ عزیر نے اس کی سمت دیکھا تھا تو فوراً پکارا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کے مقابل آن رکی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس جانب متوجہ ہوا تھا۔ ا
طور پر کوئی تاثر نہ اُبھرا تھا۔ تبھی عزیر نے مسکراتے ہوئے ساہیہ خان کی سمت دیکھا تھا۔

”جانتے ہو اذہان! کون ہے یہ؟“

سید اذہان حسن بخاری نے اس چمکتی آنکھوں والی لڑکی کی سمت نگاہ کی تھی جو اس لمحے بڑ

ارہی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجب شرارت ٹھہری ہوئی تھی۔ شاید یہ اس کے مزاج کا خاصہ تھی یا پھر اس
نکھوں کا رنگ ہی ایسا تھا۔ یقیناً یہ چہرہ، یہ خدوخال نئے نہ تھے اس کے لئے۔ غالباً اجنبی تو قطعاً نہ
۔ وہ پہلے بھی اس چہرے کو دیکھ چکا تھا اور تب اس لمحے ان آنکھوں میں ایسی ہی شرارت رکی ہوئی تھی۔
یہ شوخی، یہ شرارت اس کے مزاج کا حصہ تھی۔ اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے اس چہرے کی سمت
تا تھا جب عزیر مسکراتا ہوا بولا تھا۔

”تمہیں یاد ہے ایک لڑکی بڑی شرارتی ہوا کرتی تھی۔ نچلا بیٹھنا اسے آتا ہی نہ تھا۔ مگر اس کی زیادہ تر
رتوں کا نشانہ تم ہی بنا کرتے تھے۔ یاد ہے ایک بار جب بیس بال کا میچ ہماری ٹیم جیت گئی تھی تو اس نے
اٹ فورٹیٹ کے مقولے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمہاری پالتو بلی کو عین سردی کے موسم میں نہلا دیا تھا۔
وہ تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم سے ٹرٹلز جو اسے انتہائی کمزور و نحیف نظر آتے تھے انہیں صحت عامہ
زریں اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے واک شاک کرانے کی غرض سے ایکوریم میں سے نکال کر ٹیرس
تے ہوئے فرش پر چھوڑ دیا تھا۔ تا کہ ان کی صحت اچھی ہو جائے۔“ عزیر نے مسکراتے ہوئے یقین
یا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کسی قدر دلچسپی سے اپنے سامنے موجود لڑکی کو بہ غور دیکھا تھا۔

”آں، ہاں ــــ تو یہ ہے میری دشمن اعظم۔ وہ چوہیا۔“ ایک دلفریب مسکراہٹ نے اس کے
ے کا احاطہ کیا تھا۔ سامنے کھڑی ساہیہ خان کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

”ایکسکیوز می۔ اب وہ چوہیا نہیں رہی۔ ہاں، مجھے کچھ یاد ضرور آ رہا ہے کہ میں کسی بابا بلیک شیپ سے
ور کہیں ملی ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں وہی شرارت تھی۔ پاپا بچپن میں اسے بابا کہہ کر بلاتے تھے اور وہ
ارت سے اسے بابا بلیک شیپ بنا دیتی تھی۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

”ٹرٹلز کو چہل قدمی کروانے کا شوق ابھی بھی اسی درجہ ہے کہ کچھ کمی ہوئی ہے؟“ کسی قدر شگفتگی سے
کراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ ساہیہ خان ہنس دی تھی۔ عزیر انہیں ملوانے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا

”وقت کے ساتھ کبھی کبھی بہت کچھ پیچھے چھوٹ جایا کرتا ہے۔ مگر مجھے یقین ہے تم اب بھی بلی کے
وٹے چھوٹے بچوں کو ابا کے بڑے سے جوتے میں سلاتے ہو گے۔“

اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

”حیرت ہے ــــ تم نے مجھے اس رات پہچانا نہیں۔“ ساہیہ نے شکوہ کیا تھا۔ تبھی اذہان حسن
ناری اسے بہ غور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

”شاید تم بہت بدل گئی ہو۔ یا شاید میں بہت بدل گیا ہوں۔ شاید ہم دونوں بہت بدل گئے ہیں۔“

”شاید ــــ مگر تم جانتے ہو میری یادداشت بہت اچھی ہے۔“ وہ مسکرا رہی تھی۔

”اچھا۔“ وہ چونکا تھا۔ ”تو اس رات تم نے مجھے پہچان لیا تھا؟“

”شاید۔“ انداز کسی قدر شرارت سے پُر تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں پہچاننا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ میں دور سے دیکھ کر ہی جان گئی تھی۔ یہ جو موسوف افلاطون نظر آنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ یقیناً اذہان حسن بخاری ہی ہیں۔'' اس کے انکشاف حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''تم اب بھی اسی طرح بے تکان بولتی ہو۔ حیرت ہے، میں نے اس رات تمہیں سن کر بھی پہچانا۔ حالانکہ وہ لڑکی دنیا میں واحد ہو سکتی ہے جو بی باون کی طرح تابڑ توڑ حملے کرنے میں اپنا رکھتی۔''

ساہیہ خان کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔ یقیناً والی شباہتوں سے کہیں زیادہ بدل چکی تھی۔

''کب لوٹی ہو کیلگری سے؟'' اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا۔

''دو چار روز قبل ہی۔ بلال چاچو کی شادی تھی۔ کیسے نہ آتی۔''

''کیلگری میں سب کیسا چل رہا ہے؟ —— کیا کر رہی ہو تم وہاں؟ شادی وادی تو غالباً......'' حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے جملہ غالباً جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''اب تک اتنے ہی منہ پھٹ ہو، اتنا بھی نہیں جانتے، لڑکیوں سے ایسے بے تکے سوالات چھو۔ نہیں پوچھ لئے جاتے۔'' ساہیہ خان نے اسے جتایا تھا۔

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''پوچھوں گا نہیں تو علم کیسے ہو گا؟ ویسے اتنے سالوں میں تم نے پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ اتنی خفا تھیں ہم سے؟'' بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''غالباً نہیں۔ بس مصروفیت کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ وقت ہی نہیں ملا۔'' ساہیہ نے شانے اچکاتے، کسی قدر بے فکری سے کہا تھا۔

''تم کب سے وقت کی پابند ہو گئیں؟ تمہیں تو وقت سے غالباً آگے بھاگنا اچھا لگتا تھا۔ بھول گ اکثر تم گھر کے لئے دیا جانے والا ہوم ورک وہیں سکول کی لائبریری میں بیٹھ کر سرانجام دے لیا تھیں۔''

''ہاں —— اور تم ہوم ورک کئے بغیر بڑی بے فکری کے ساتھ باسکٹ بال کھیلتے رہتے تھے۔ کتنا ضائع کرتے تھے۔''

اور تم کتنی پڑھاکو تھیں۔'' اذہان حسن بخاری کو کہتے ہوئے یکدم یاد آیا تھا۔ تبھی اس نے لمحہ بھر چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ نظروں میں کسی قدر شرارت آن رکی تھی۔

''وہ تمہارا موٹا سا چشمہ کہاں گیا؟ وہ تو غالباً تمہاری ذہانت کو پروف کرنے کے لئے اہم ترین معا تھا۔ یاد ہے جب ہم ایک بار باغ میں امرود توڑ کر بھاگ رہے تھے تو ہم سب دھر لئے گئے تھے۔ ماسوا تمہارے۔ اور جانتی ہو وجہ کیا تھی؟ یقیناً تمہارا وہ بقراطی چشمہ۔ انکل نعمان کو لگا تھا کہ تم اتنی ذہین ہ ایسی ویسی کوئی شرارت کر ہی نہیں سکتیں۔'' وہ بڑی دلچسپی سے اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

ساہیہ ہنس دی تھی۔

تمہی کے دن شاید بہت بھلے ہوتے ہیں —— کیا کر رہے ہو آج کل؟ سنا ہے بڑے ذمے دار ہو بزنس سنبھال لیا ہے۔''

''ہوں۔''

''اور بال بچے؟'' کسی قدر شرارت سے مسکراتے ہوئے اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔

بال بچے؟'' وہ لمحہ بھر میں چونکا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کی شرارت تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

اپنے پوتے کے لئے لڑکی تلاش کر رہا ہوں۔ اگلے برس تک شادی بھی کر دوں گا۔ ویسے تمہاری نظر اچھی لڑکی ہو تو بتاؤ۔'' وہ زیرِ لب مسکراتا ہوا بولا تھا۔

اہیہ نے لب بھینچ کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر دونوں یکدم کھلکھلا کر ہنستے چلے گئے تھے۔ دوست عرصہ دراز بعد ملے تھے۔ کرنے کے لئے بہت سی باتیں تھیں۔ وہ اردگرد کے ماحول سے وہ بہت مگن انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ جب اگینے وہاں آئی تھی۔

ل لئے دونوں دوست؟ —— کیا ساری جمع شدہ باتیں آج ہی کر لینے کا پروگرام ہے؟'' تے ہوئے ان دونوں کی سمت دیکھا تھا۔

پھپھو! آپ نے دعویٰ کیا تھا نا کہ میں اذہان کو پہچان نہیں پاؤں گی؟'' ساہیہ نے کہا۔

ہاں —— مگر میں جانتی ہوں وہ دعویٰ اب رد ہو چکا ہے۔'' اگینے پُر افسوس انداز میں کہتی ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اگینے کی سمت بہ غور دیکھا تھا۔

گینے! آپ بھی شامل تھیں اس سارے کھیل میں؟ —— بائی گاڈ، مجھے آپ سے ایسی توقع نہیں اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

مجھے کچھ زیادہ علم نہیں۔ ہاں، عزیر سے تم اس بابت دریافت کر سکتے ہو۔'' اگینے نے قطعاً لاعلمی کا تھا۔

کچھ زیادہ تو نہیں کیا۔ بس لائٹر ہی تو مانگا تھا۔ اور تم، کتنی ثقیل گفتگو فرما رہے تھے۔ یہ بڑے بڑے رڈز۔ بالکل دادا ابا لگ رہے تھے۔ جواباً کیسی مشکل ہوئی تھی مجھے بھاری بھاری لفظ ڈھونڈنے ساہیہ مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی ہنس دیا تھا۔

اچھا، اب چلو، وہاں بلال کی رسم ہونے جا رہی ہے۔ تم لوگ اپنی یہ ساری باتیں بعد میں کر لینا۔'' مسکراتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو دھکیلا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک نگاہ کی تھی اگینے پر، بڑھ گیا تھا۔

لیجئے! آپ کے لئے بہت اہم موقع ہے یہ غالباً۔'' اذہان حسن بخاری نے چلتے ہوئے اگینے کی جا تھا۔

کس لئے؟'' اگینے قدرے حیران ہوئی تھی۔

پ کے مشن امپاسبل کو سرانجام دینے کے لئے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

"مشن امپاسبل؟" اگینے چونکی تھی۔ اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"سنا ہے شادیوں میں لڑکیوں کی بڑی بھرمار ہوتی ہے۔ اور ایسے میں کئی میچ میکر اپنا کام با
لیتے ہیں۔" وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔

"اذہان!" اگینے نے مسکراتے ہوئے تنبیہ کی تھی۔

"یہ آپ دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہیں؟" ساہیہ نے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔ اُر
اگینے کوئی وضاحت کرتی، اذہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"بچوں کے سننے کی باتیں نہیں ہیں۔"

"اذہان!" ساہیہ نے ہاتھ کا مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

"بڑا ہو گیا ہوں میں۔ ابھی بھی مار رہی ہو۔ تیور نہیں بدلے ہیں۔"

"تیور بدل لوں گی تو تمہیں ٹریٹ کیسے کروں گی؟ —— تم جیسے بندے سے نمٹنا آسا
یہ بات مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔"

اگینے نے ان دونوں کو مسکراتے ہوئے بہ غور دیکھا تھا۔

* * *

پاپا سے ملنے کے بعد وہ بہت تھکی ماندی سی لوٹی تھی جب سیف الرحمٰن کا فون آ گیا تھا۔ با
کمزوری اور تھکن کے وہ اس کے فون کو نظر انداز نہ کر سکی تھی۔

"کہاں غائب ہو؟ —— صبح بھی فون کیا تھا۔ اطلاع ملی، تم ہزبینڈ وائف دونوں غائب
فکر ہو رہی تھی تمہاری۔ کل رات سردار صاحب سے بات ہوئی تھی۔ فرما رہے تھے کچھ طبیع
تمہاری۔ کیا ہو گیا؟" سیف الرحمٰن نے کسی قدر سنجیدہ ہوتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ چونک گ

"کب...... کب کال کیا تھا تم نے؟"

"غالباً کل رات۔ کیوں، کیا ہوا؟ موصوف تمہیں بتانا بھول گئے یا جان بوجھ کر نہیں بتایا؟"

"سیفی! ایسی بات نہیں ہے۔ شاید مصروفیت کے باعث وہ بتانا بھول گئے ہوں۔" وہ وض
ہوئی بولی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"تمہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ڈی فنڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے میرب سیال! خیر تم
کیا ہو گیا تھا؟ اپنا خیال نہیں رکھ رہی ہو؟"

"نہیں، سب ٹھیک ہے۔ بس پاپا کے باعث بہت پریشان ہوں۔ اب بہتر ہوں۔" میرب
ہاتھ سے سر کو بہت ہولے سے سہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہئے میرب سیال!" سیفی نے بہت مخلصی سے باور کرایا تھا۔

"ہاں، جانتی ہوں۔"

"انکل کیسے ہیں اب؟"

"پہلے سے بہتر ہیں —— سرجری کامیاب رہی ہے۔"

ینک گاڈ۔ اور تم نے فون کر کے مطلع بھی نہیں کیا؟" سیفی نے شکوہ کیا تھا۔

یا تو ہے، کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اب بھی سوچ ہی رہی تھی کہ تمہارا فون آ گیا۔ بے جی کیسی
باقی سب؟"

ب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اور تم......؟" سیفی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر کچھ ثانیوں تک خاموشی اختیار کی
نے کیا کہنے جا رہا تھا وہ جب میرب سیال فوراً بولی تھی۔

فی! تم بے جی کو مطلع کر دینا۔ پاپا بہتر ہیں اب اور میں بھی جلد واپس آ رہی ہوں۔"

......؟"

کچھ نہیں۔" لہجہ بہت پُر تھکن تھا۔

مستقل پریشان ہو نا میرب سیال؟" سیف الرحمٰن نے جواباً دریافت کیا تھا۔

، وہ پاپا کی وجہ سے......" وہ کوئی جواز دینے جا رہی تھی جب وہ تیزی سے اس کی بات کاٹتا ہوا

یک نہیں ہے میرب سیال! تم خود کو کہیں بھول رہی ہو۔"

ل چکی ہوں۔" بہت مدھم، شکستہ سا انداز تھا۔ ایک دوست کے سامنے خود کو پوشیدہ نہیں رکھ پائی
ید اسے بھی کوئی جگہ درکار تھی ونٹی لیشن کی، حبس بے جا بڑھ گیا تھا۔ غبار سے سارا وجود ڈھک گیا
اس کا دم گھٹ جاتا اگر یونہی تھوڑی دیر چپ رہتی تو۔ کتنی خاموشی سے آنکھوں سے پانی کے
ٹ کر رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

ں کے لئے میرب سیال؟ —— کس کے لئے یہ سب، جب تم خوش نہیں ہو۔ جب اندر کہیں
ی نہیں ہے۔" سیف الرحمٰن کا دل اس کے ان کہے بھید سے جیسے واقف تھا۔ شاید دوستی کی واضح
ہے۔ بندہ سو کوس کی دوری پر بھی بیٹھا ہو تو اپنے کسی کا احوال اس کے دل میں خود بخود اترنے لگتا
یوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔

ی بھی بہت کچھ سہنا پڑتا ہے سیف الرحمٰن! دانستہ —— جان بوجھ کر —— جبراً۔"

کیوں یہ جبر سہہ رہی ہو؟ —— کیا مجبوری ہے میرب؟ تم نے انکل کے باعث یہ فیصلہ کیا تھا
ب تو وہ بہتر ہو چکے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ تم اس شاہ زادے کی قید میں مزید رہو؟ میرب! تم
سے نہ کہو، چاہے لاکھ پوز کرو مگر میں جان گیا تھا، اول روز سے ہی، تمہاری آنکھیں بہت بنجر ہو
واضح دلیل تھی ان میں کسی اذیت کی۔ مجھے تبھی لگا تھا جیسے کوئی معصوم سی، ننھی پری کسی ظالم دیو کی
گی ہو۔ ہوا کیا ہے؟ کیا اس نے تمہیں ہرٹ کیا ہے؟" سیف الرحمٰن دریافت کر رہا تھا۔ مگر وہ
اب کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک لاوا چپ چاپ جلتی آنکھوں سے بہتا ہوا سارے وجود کو جلاتا رہا تھا۔

ایک باشعور لڑکی ہو میرب سیال! اب اپنے فیصلے خود بھی کر سکتی ہو۔"

یا...... کیا کروں میں سیفی؟ اس سے کیا گلہ کروں؟ اُلجھنیں تو خود آپ میرے اندر ہیں۔ کتنی
ے جکڑا ہوا ہے میرا وجود۔"

یکدم آہٹ ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ سردار سبکتگیں کھڑا تھا۔ میرب سیال ساکت تھی۔ اس کی سمت تکتی رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سے پیش قدمی کی تھی اس کی سمت اور چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ میرب سیال ریسیور ہا ساکت سی اسی طرح اس کی جانب متوجہ تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے تکتے آہستگی سے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر ڈال دیا تھا اور اسے بہ غور تکتے ہو سے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔ یہ پہلا دانستہ اقدام تھا۔

پہلا دانستہ بخشا جانے والا لمس تھا۔ میرب سیال کا ہاتھ جیسے کسی انگارے نے چھولیا کیسی بے نام سی تپش سرایت کر گئی تھی اس کے پورے وجود میں۔ کتنا قریب تھا وہ۔ شاید آ اسے اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی مخصوص خوشبو سے سارا ماحول بھر گیا تھا۔ میر سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس لمحے وہ بہ غور اس کو دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی آنکھیں اس سے بھری ہوئی تھیں جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر ان اپنے پوروں پر لیا تھا۔

”التفات کے کون سے روپ دیکھنا چاہتی ہو تم؟ ــــــ وارفتگی کی کون سی حد؟“ کتنے وہ اس گھڑی مخاطب تھا۔ نگاہ کتنی پُر تپش تھی۔ اس کی کلائی اس کی آہنی گرفت میں تھی۔ سارا نگاہوں کی تپش سے جلنے کو تھا۔

”کوئی گلہ تھا تو شکایت کی ہوتی، ازالہ کیا نہ ہوتا؟“ اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے کہا تھا۔ میرب سیال کتنی گرم گرم سانسوں کو اس لمحے اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ کتن سارے وجود میں۔ اندر کہیں بھونچال آیا ہوا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے تیوروں سے واقف کہاں تھی وہ؟ کہاں منکشف تھے اس پر کے مخفی رنگ؟ کہاں کوئی عقدہ کھلا تھا اس پر۔

وہ تو ابھی فقط اوّل اوّل کی راہوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اس حیرت کدے سے ہی باہر نہ جو اس شخص نے اس کے سامنے بچھا دیا تھا۔ وہ اس دنیا سے ہی الگ نہ ہو رہی تھی جس سے مرضی کے برعکس جدا کیا گیا تھا۔ وہ تو ابھی تک انہی پہیلیوں میں کھوئی ہوئی تھی جو اس کے ا رہی تھی۔ پھر کیسے ــــــ کیسے سمجھ پاتی اس شخص کو؟

اور سمجھنا آسان تو نہ تھا۔

”رنگوں میں کھیلنے کا شوق تھا تو کچھ اظہارِ مدعا کیا ہوتا۔ یوں بے نام الزامات تو نہ عائد ہاتھ بڑھا کر کتنے ہولے سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ میرب سیال کے اندر جیسے قیامتوں تھا۔ نازک وجود بہت ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔ شاید وہ بہت خوفزدہ تھی۔ شاید یہ انداز ڈھنگ، یہ وصف اس کے لئے بہت نئے تھے۔

ان تجربات سے پہلی بار سابقہ ہوا تھا۔ ان رنگوں سے پہلی بار آشنا ہو رہی تھی وہ۔ چہرہ جا

ور انداز میں اس کے سامنے کھڑی تھی اس لمحے۔ بہت مضبوط ہونے کا دعویٰ کتنا بودا ثابت ہوا تھا۔ کتنا ا بہلاوہ تھا وہ۔ ایک دم ڈھکوسلا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری آہنی دیوار بنا اس کے سامنے کھڑا تھا کہ کسی طرح کی کوئی مزاحمت بہت بے ی لگ رہی تھی۔

”موسموں کے احوال چہروں پر درج ہونے لگتے تو سارے مسئلے جنم ہی کیوں لیتے؟ خاموشیاں فقط یں بڑھاتی ہیں۔ خواہشوں کی تتلیاں پکڑنے کے لئے عملی اقدام بہت ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔ یونہی ہاتھ نہیں آ جاتے۔ دلکشی اور رعنائی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ جھوٹے دعوے فقط ایک بہلاوا تے ہیں۔ بارشوں میں بھیگنے کا شوق ہو تو کمرے کے اندر دبک کر نہیں بیٹھ جاتے۔ نم ہونے کے لئے ے قطرے کا تعاقب کرنا پڑتا ہے۔ شوقِ تمنا بڑھنے لگے تو لب نہیں سی لئے جاتے۔ آنکھوں کی کہانیاں کہاں تک پڑھ سکتا ہے؟ بنا کہے سنے کہاں تک جان سکتا ہے؟ ــــــ چلو مان لیا ایسا ہو بھی جائے تو ا بھی عقدہ کھلنے میں دیر بھی تو لگتی ہے۔ خوابوں کی حقیقت آنکھوں سے مت پوچھو۔ دل کی دلیلوں پر ہونا کہاں کی عقلمندی ہے، ہوں۔“ بہت آہستگی سے اس صبیح چہرے کو چھوتے ہوئے کتنی آہستگی سے وہ لڑی مخاطب تھا۔ میرب سیال کی ساری جان جیسے قیامت کے زیر تھی۔

”کہاں درج ہے کہ کہانیوں کو عیاں نہ کرنے کے بھی ثواب ہوتے ہیں؟ تسلیم و رضا کے باب، بنا کسی دے منکشف ہو سکتے ہیں؟“ اس کے چہرے کو شہادت کی انگلی سے قدرے اوپر اٹھاتے ہوئے اس ا چہرے پر بہ غور ایک نگاہ کی تھی۔

”علاج چارہ گر کے پاس ہو تو رجوع کرنے میں دیر کرنا کہاں کی دانشمندی کہلاتی ہے؟“ کتنے سوال ردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر۔ مگر میرب سیال کے لبوں پر جیسے اس گھڑی چپ سی لگی تھی۔

”چارہ سازی بھی تبھی عمل میں آتی ہے جب اندیشہ ہائے فکر ستائے اور غافل تو یہاں کوئی نہیں۔ پھر ہ سارے الزامات۔ ہواؤں کے بھی رخ ہوتے ہیں۔ بنا رخ کے کوئی آئین سازیاں نہیں ہوتیں۔“ رم گرم سانسیں اس کے چہرے پر منتقل کرتے ہوئے کسی قدر آہستگی سے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا میرب سیال اپنا شل سا وجود لئے، آنکھیں میچے کھڑی رہی تھی۔ بالکل ساکت وجود جیسے پتھر ہو گیا تھا۔ کی بھی طرح کے نتیجے کی پرواہ کئے بغیر سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا اور بہت رسانیت سے چلتا ہوا کمرے باہر نکل گیا تھا۔ اپنے اندر کی قیامتوں میں گھری میرب سیال کتنی دیر تک اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ اجو کچھ ہوا تھا وہ کوئی خواب نہ تھا۔ نہ سراب تھا۔

* * *

اُس شام عفنان علی خان پھر اس کے سامنے موجود تھا اور وہ کسی قدر اُکتاہٹ سے اسے دیکھ کر رہ گئی ا۔ دادا ابا نماز پڑھ رہے تھے اور مہمان نوازی کا تقاضہ یہی تھا کہ اسے اچھی طرح سے ٹریٹ کیا جاتا۔ وہ ڑی سے بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی تھی۔ ماما نے یقیناً اس کی آؤ بھگت کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ شاید اسی ہ وہ کسی قدر کسلمندی سے اپنی جگہ پر جمی بیٹھی رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی مروت کا مظاہرہ کرے مگر اس سے

یہ سب نہیں ہوتا تھا۔ کم از کم اس حد تک تو نہیں۔ یقیناً یہ بہت مشکل تھا اس کے لئے۔ مگر عفنا
کے لئے فاصلے سمیٹنا شاید بہت آسان تھا۔

جس طرح اس لمحے وہ چائے کا کپ لئے اس کے قریب آن بیٹھا تھا، اسے سامنے دیکھ کر
یقیناً مناسب نہیں تھا۔ شاید تبھی وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کسی قدر مروت کا مظاہرہ کرتی ہوئی مسکرا

''ایک بات بتاؤں؟'' عفنان علی خان چائے کے سپ لیتا ہوا بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔
شاید تمہیں بتایا نہیں۔ تم مروتاً مسکراتی ہوئی قطعاً اچھی نہیں لگتیں۔''

''تو پھر؟'' وہ یکدم شرمندہ ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے اس لمحے کھل کر مسکرائی تھی۔

''مروت کچھ بڑھ گئی ہے ان لبوں پر۔'' مسکراتے ہوئے کسی درجہ رسانیت سے باور کرایا تو
انابیہ شاہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ پھر شاید اسی بے دھیانی اور خجالت میں چینل تبدیل کرنے لگی تھی۔

''جانتی ہو، ان بے واسطہ، سرد، منجمد لمحوں میں، میں قربتوں کی کہانیاں کیوں لکھ رہا ہوں؟''

''کیوں؟'' انابیہ شاہ ٹی وی اسکرین کی سمت تکتی ہوئی بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔ عفنا
اس کی سمت تکتا ہوا بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''کیونکہ مروتوں میں لپٹے موسم مجھے نہیں بھاتے۔ سرد مہریوں میں ڈوبے، کہر آلود منظر
لگتے ہیں مجھے۔ رنگوں کا مٹنا مجھے قطعاً پسند نہیں۔ منظروں کے بنجر پن سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔
چہرے، بے رابطہ لہجے، بے رنگ منظر تکنا یقیناً تکلیف دہ فعل ہے۔ اور میری مشکل یہ ہے کہ
نہیں جھیل سکتا۔ منظروں کو رنگوں سے ڈوبنے سے بچانے کے لئے یہ قصد کرنا ضروری تھا انابیہ
اقدام کرنے سے باز نہیں رہا میں۔''

اس کے مدھم لہجے میں کتنے آہنگ تھے۔ مگر انابیہ شاہ نے اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی۔ جا
خاموشی کے ساتھ ٹی وی اسکرین کو گھورتی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے بہ غور دیکھا تھا اسے پھر آ
گویا ہوا تھا۔

''قصہ کچھ یوں ہے انابیہ شاہ! کہ اختیار کے راستوں پر میرے قدم رہے ہیں اور اضطرابو
تجربہ بہت نیا ہے میرے لئے۔ گو بہت مشکل صورت حال ہے مگر میں کسی بھی طرح اندھیرے
چلانا چاہتا۔ یہ راستہ، یہ رابطہ، یہ ڈھنگ، یہ سارے فعل سرانجام دینا یقیناً بہت مشکل ہے میر
جانے وہ کہاں کی داستان سنا رہا تھا۔ انابیہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ بس فقط ایک لمحے کو نگاہ کی تھی
پر کہنیاں ٹکائے بہ غور اسے دیکھ رہا تھا۔ انابیہ شاہ دھیان دوبارہ ٹی وی اسکرین کی جانب مرکوز کر گئی

''انابیہ شاہ! اس راستے میں بہت سی کٹھنائیاں ہیں۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ اس سے آگے کا
گا۔ کسی طرح کا کوئی قیاس نہیں ہے مجھے۔ کسی طرح کا کوئی فرض نہیں کر سکتا۔ مگر یہ سچ ہے کہ ان
بہت مشکلوں میں گھر گیا ہوں۔''

وہ مدھم لہجے میں بول رہا تھا۔ انابیہ شاہ خاموشی سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جب اچا
آواز ماحول کو اپنے سنگ باندھنے لگی تھی۔

سانسوں میں رہتی ہو بولو میں کیا کروں؟
یرے
آنکھوں میں رہتی ہو بولو میں کیا کروں؟
یری

کروں؟

سوچوں پر بیٹھی ہو بولو میں کیا کروں؟
یری
ہونٹوں پر ہنستی ہو بولو میں کیا کروں؟
یرے
کیسے ہو جاتا ہے بے قرار دیا جلے آجاتا ہے اعتبار
لگے وہ کرتا ہے انتظار، دل پر نہ ہوتا ہے اختیار

شاہ نے عفنان علی خان کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ اس لمحے خاموشی لبوں پر لئے بہ غور اسے دیکھ رہا
کیسی الجھنیں تھیں، وہ سمجھ نہ پاتی تھی۔ مگر اس لمحے یکدم ہی اس کے چہرے سے نگاہ ہٹاتے
نے ریموٹ کا بٹن پش کرنا چاہا تھا جب عفنان علی خان نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر ریموٹ اس
سے لے لیا تھا۔ انابیہ شاہ قدرے چونکی تھی۔ شاید حیران ہوئی تھی۔ مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ
سکرین پر نگاہ جماتے ہوئے یکدم ہی والیوم بڑھانے لگا تھا۔

یہ میرے سینے کی دھڑکنیں تم سے میں کیا کہوں
یہ میری سلجھی سی الجھنیں تم سے میں کیا کہوں
کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار، دیا جلے آجاتا ہے اعتبار
ہر پل لگے وہ کرتا ہے انتظار، دل پر نہ ہوتا ہے اختیار

گرفت میں لینے والے ڈھنگ تھے۔ کیسے رنگ تھے جو چارسُو پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ عفنان علی
بھوری آنکھوں کی چمک اس لمحے کتنی سوا ہو گئی تھی۔ جیسے بہت سے جگنو یکدم ہی کہیں جل اٹھے
جیسے پل میں سارا ماحول تابناک ہو گیا تھا۔ انابیہ شاہ کے لئے وہ صورت حال کس قدر متنازعہ تھی۔
سے وہ اس لمحے اس شخص کی سمت دیکھ رہی تھی۔

یہ دیا جلتا رہے یہ کبھی بجھ نہ سکے
دنیا میری اب تم سے ہے تم سے ہے دنیا میری

شاہ کو لگا تھا، اس لمحے عفنان علی خان جیسے عالم مدہوشی میں ہو۔ جیسے اک دیوانگی نے اسے اپنے
جکڑ کر بے بس کر دیا ہو۔ وہ اس کی سمت اسی طرح ساکت سی دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی سمت
تھا۔ شاید وہ انابیہ شاہ کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر حیران ہوا تھا یا پھر مسرور۔ آنکھوں کی بے تحاشا
کے ساتھ اس لمحے اس کے لبوں پر اک دلفریب مسکراہٹ کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

یہ میری عجب خواہشیں تم سے میں کیا کہوں
یہ میری تنہا سی محفلیں تم سے میں کیا کہوں
کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار، دیا جلے آجاتا ہے اعتبار
ہر پل لگے وہ کرتا ہے انتظار دل پر نہ ہوتا ہے اختیار

تکرار یکدم ہی بڑھنے لگی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا، انابیہ شاہ نے یکدم ہی مزاحمت کی تھی اور اٹھ جب عفنان علی خان نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ انابیہ شاہ اس گستاخی پر یقیناً حیران چونک کر اسے دیکھا تھا مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ ٹی وی کا والیوم کم کرتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ انا لئے یہ شخص سدا سے ایک الجھن رہا تھا اور اب بھی وہ اسے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہی تھی جب اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

”بات سنگین ہے انابیہ شاہ! مگر اتنی نہیں کہ تم مجھ سے خوفزدہ......“ بہت دوستانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔ پل پل رنگ بدلتا تھا وہ شخص۔ پل پل اپنے اختیار میں کر لیتا تھا۔ کیا اسم تم پاس؟ انابیہ شاہ اسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی جب وہ مسکرایا تھا۔

”اگر مجھے علم ہوتا کہ تم اس قدر خوفزدہ ہو جاؤ گی تو میں وہ بات جو تم سے شیئر کرنے جا رہا کبھی نہ کرتا۔“ انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔ انابیہ کے لئے اب بھی وہ شخص، اس کی باتیں معمہ تھیں علی خان نے بہ غور نگاہ کی تھی اس پر۔ پھر جیسے ترس آ گیا تھا۔ شاید تبھی وہ قدرے سنجیدہ ہوتے کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

”انابیہ شاہ! معاملہ شاید تمہیں اتنا گمبھیر نہ لگے مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔ کم از کم اس شخص کے نہیں جو اس صورت حال سے دوچار ہو۔“ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا حیرتوں میں گھری ہوئی تھی۔ شاید تبھی وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

”چلو بات آسان کئے دیتے ہیں۔ تو بات اتنی سی ہے انابیہ شاہ! کہ مجھے تمہاری ضرورت مین، تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے۔“ اس نے یکدم اظہارِ مدعا کیا تھا۔

”کس ضمن میں؟“ انابیہ شاہ کی ست رنگی آنکھوں میں حیرت بہت واضح انداز میں تیر رہی تھی۔

”دوستانہ امداد، فقط چھوٹی سی رعایت۔“

انابیہ شاہ نے کسی قدر اُلجھن سے پُر نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”عفنان علی خان! تمہیں نہیں لگتا، تم بہت پیچیدہ باتیں کرنے کے عادی ہو۔ اب تک تم نے کہا وہ میری سمجھ میں کم از کم بالکل بھی نہیں آیا۔ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ ـــــ کہنا کیا چاہتے جو تم کہہ رہے ہو یا پھر وہ جو تم کہہ نہیں پا رہے ہو؟“ کسی قدر پُر اعتماد انداز سے وہ اس کی سمت تھی۔

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو ـــــ جو بات میں کہنا چاہتا ہوں، کہہ نہیں پا رہا ہوں۔ لیکن یہ تم طرح گھور کیوں رہی ہو؟“ اپنی بات وہیں چھوڑ کر وہ یکدم مسکرایا تھا۔ بھوری آنکھوں میں شرار واضح تھی۔ جیسے وہ جان بوجھ کر بات کو طول دے رہا ہو۔ انابیہ شاہ زچ سی ہو کر رخ پھیر گئی تھی۔ غور اس کی سمت تکتا ہوا بولا تھا۔

”انابیہ شاہ! جو کچھ بھی ہوا بہت جلدی میں اور اچانک ہوا۔ میں شاید ابھی اس کے لئے تیار نہ

انے مجھے مرغوب کبھی نہیں رہے مگر اس ضمن میں، میں کوئی لائحہ عمل مرتب نہیں کر پایا اور مجھے ان ڈں کا پابند ہونا پڑا جن کے لئے فی الحال میں تیار نہیں تھا۔ دیکھو بڑی سمپل سی بات ہے۔ ایک مرد نے کے ناتے مجھے ہر طرح کا حق حاصل ہے مگر تب صورت حال ایسی تھی کہ میرے پاس جیسے کوئی اور نا پہچانہ تھا۔ مگر اب......“ وہ کسی قدر روانی سے کہتا ہوا یکدم الجھنوں میں گھر گیا تھا۔ انابیہ شاہ اسے ر دیکھ رہی تھی۔ وہ لب بھینچ کر دھیمے سے مسکرایا تھا۔ پھر انابیہ شاہ کی سمت مکمل توجہ سے تکتا ہوا بولا تھا۔

”تم سے مدد مانگنے کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ تم بالواسطہ یا بلاواسطہ اس معاملے سے جڑی ہو۔ آئی مین ی کی دوست ہونے کے ناتے۔ تم دونوں غالباً بچپن سے ساتھ ہو۔ بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ مابین ود ہو گی۔ مجھے اسی انڈراسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ انڈراسٹینڈنگ میرے پاس نہیں ہے۔ لامعہ کے اتنے قریب کبھی نہیں رہا۔ کبھی اس طور اسے دیکھا نہیں۔ جاننے کی خواہش کبھی دل میں بی ہی نہیں۔ سو وہ میرے لئے ایک اجنبی دیس کی کوئی اجنبی کہانی جیسی ہے۔ کوئی اجنبی دو چار سرسری ملاقاتوں میں مل کر جتنا کسی دوسرے اجنبی کو جان سکتا ہے اتنا ہی میں لامعہ حق کے متعلق جان پایا ا۔ یہ بڑی فطری سی کنڈیشن ہے۔ ایسا ہونا کوئی عجب نہیں۔ وہ میرے قریب تھی مگر میں نے اس کی ن کبھی دیکھا نہیں، کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ مگر اب......اب میں چاہتا ہوں انابیہ شاہ! تم اس ن میں میری مدد کرو۔ تم بہترین دوست ہو اس کی۔ اس کے متعلق تم سے بہتر کوئی اور نہیں جان سکتا۔“ وہ ہ کر رکا تھا۔ انابیہ جو اسے بہ غور دیکھ رہی تھی، چونکی تھی۔

”اور......“

وہ چونکا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”انابیہ شاہ! زندگی یوں نہیں گزرتی۔ تمہیں نہیں لگتا، بہت مشکل ہے یہ، جس کے متعلق آپ سرے ے کچھ جانتے ہی نہ ہوں اس کے متعلق کوئی اہم ترین فیصلہ کر لیں۔ زندگی بسر کرنے کی بات تو بہت دور ا ہے انابیہ شاہ! میں تو اس کے متعلق سوچتے ہوئے بھی عجب اُلجھن محسوس کر رہا ہوں۔ تمہاری طرف میں ی نہیں بڑھا۔ میں جانتا تھا تم وہ واحد فریق ہو جو یہ گتھی سلجھا سکتی ہو اور تمہیں میری مدد کرنا ہو گی انابیہ اہ! کیونکہ میں اجنبی راستوں پر سفر کرنا نہیں چاہتا۔ بہت مشکل ہو گا یہ میرے لئے۔ لامعہ حق سے تعلق ڈ ایک فیملی کا فیصلہ تھا۔ میری مرضی، رائے اس میں قطعاً بھی شامل نہیں رہی۔ میں نے بس مہر ثبت کی ن فیصلوں پر جو مجھے سنائے گئے تھے۔ اگرچہ یہ جبری اقدام نہ تھا۔ کسی طرح کا دباؤ نہ تھا۔ میں کسی طرح زاد بھی تھا مگر بعض اوقات دوسروں کی خوشی کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور اب جب کہ فیصلے سرزد ہو چکے ہیں، مجھے اندیشوں نے آن گھیرا ہے۔ انابیہ شاہ! مجھے نہیں لگتا ایسا تعلق بہت پائیدار ہو سکتا ہے جس ں ایک فریق دوسرے فریق کو سرے سے جانتا ہی نہیں۔ پیچیدگیاں تو ہو سکتی ہیں نا۔ اب نہ سہی بعد میں کا۔ بات ایک عمر کی ہے انابیہ شاہ! اور یہ زندگی دوبارہ نہیں ہے۔“ بہت ہولے سے اپنا مدعا بیان کر کے ں نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے بہ غور اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

”تو پھر میں اس میں کیسے کارآمد ہوں؟ آئی مین، میں کیسے ہیلپ آؤٹ کر سکتی ہوں تمہیں؟ میں تو

تمہیں بھی زیادہ نہیں جانتی۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ بولی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔

"لیکن جان تو سکتی ہو نا تم ــــــ آئی مین، تم لامعہ حق کو تو جانتی ہو نا۔ ہم دونوں کے اسٹینڈنگ ڈی ویلپ کر تو سکتی ہو نا۔" ہولے سے مسکراتے ہوئے درخواست کی تھی۔ انابیہ شاہ خامو اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ جیسے وہ اس تمام معاملے پر از سر نو غور کر رہی تھی۔ یا پھر شاید صورت حا طور پر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے الجھن میں دیکھا تو مسکرا دیا تھا۔

"اس میں مشکل کہاں ہے انابیہ شاہ؟"

"آسانی بھی تو کہیں نہیں۔"

"یعنی تم اس استدعا پر غور بھی نہیں کرو گی ــــــ؟" بہ غور تکتے ہوئے نگاہوں میں کسی قدر۔ سمٹ آئی تھی۔

"ایسا میں نے کہا نہیں۔" انابیہ شاہ نے پہلی بار بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے

"لیکن کیا ایسا ہو بھی نہیں سکتا؟"

"ایسا میں نے ابھی سوچا نہیں۔" انابیہ شاہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"یعنی تم .... تم اس کے متعلق سوچ سکتی ہو؟"

"شاید ...... شاید نہیں۔" وہی بے نیازانہ انداز تھا۔

عفنان علی خان کی آنکھوں میں خدشے ابھر آئے تھے۔

"ریفیوز کرو گی؟"

"مجھے کیا کرنا چاہئے کیا نہیں، اس کے متعلق فیصلہ اتنی آسانی سے نہیں ہو سکتا۔"

"یعنی تمہیں لامعہ سے کوئی انسیت نہیں؟"

"بلیک میل کر رہے ہو مجھے؟" انابیہ شاہ یکدم مسکرائی تھی۔

عفنان علی خان نے اس لڑکی کی آنکھوں کو بہ غور دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

"بالکل گہری خاموش جھیل جیسی ہو تم۔" انداز یکدم ہی بدلا تھا۔ انابیہ شاہ چونکی تھی۔ پھر نفی میں سر ہوئی مسکرا دی تھی۔

"اور لامعہ حق میرے جیسی بالکل بھی نہیں ہے۔ ہے نا، یہی کہا تھا نا تم نے؟" عفنان علی خان کی بہ غور تکتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔

"عفنان علی خان! تمہارا مجھے اس سے اور اسے مجھ سے کمپیئر کرنا میری بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔ ہم دونوں اچھے دوست ہیں۔ مگر الگ الگ شخصیتوں کے مالک ہیں۔ اور تم شاید، بہر حال یہ کچھ مشکل ہے۔ لامعہ حق مجھے بہت عزیز ہے۔ اس کی خاطر میں یہ مدد کر سکتی ہوں۔ مگر اس سے قبل مجھے لامعہ حق بھی بات کرنا ہو گی۔ یا پھر تم اسے اس سے مخفی رکھنا چاہتے ہو؟" مکمل اعتماد کے ساتھ عفنان علی خا سمت دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ تبھی وہ مسکرائی تھی۔

"تم نے سب کچھ واضح کر کے یقیناً اچھا کیا۔ ورنہ......"

"ورنہ کیا؟" وہ چونکا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ اس لمحے بڑی ہلکی پھلکی نظر آ رہی تھی۔ اس اظہارِ مدعا کے بعد یقیناً اس کا یہ نیا روپ اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ کسی قدر مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اس سے قبل وہ واقعی اس سے کسی قدر خوفزدہ تھی۔ مگر اب اس کا اعتماد بڑھتا رہا تھا کہ وہ اس کا اعتبار حاصل کر چکا تھا۔ اب یقیناً صورت حال اس کے حق میں ہی ہونا تھی۔ وہ ناکام نہیں رہا تھا۔ قربتیں کچھ ہاتھ تو لگی تھیں۔ سب کچھ بھی رہا ہو وہ اس لمحے انابیہ شاہ کے قریب تو تھا اور فی الحال اس کے لئے یہ احساس کافی تھا۔

* * *

سید اذہان حسن بخاری، عزیر کے ساتھ کھڑا تھا جب ساہیہ خان خاصے عجیب و غریب انداز میں اسے اسکائی بلیو کلر کا جدید تراش خراش کا لہنگا ہاتھوں سے قدرے ٹخنوں تک اٹھائے، جوتے ہاتھ میں اٹھائے سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تھی۔ انداز کسی قدر پُر وحشت تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے کسی قدر دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بنا اردگرد کی پرواہ کئے چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔ پہلی فرصت میں ہاتھ میں پکڑے جوتے زمین پر ڈالے تھے۔ پھر دوسرے ہاتھ میں تھما چھوٹا سا پرس اس کی سمت بڑھایا تھا۔

"ذرا پکڑو اسے۔ یہ دوپٹہ بھی نا۔" کسی قدر اکتاہٹ کے ساتھ وہ بھاری کام والے دوپٹے کو شانے پر سے ہٹا کر عجیب وحشت سے گھورنے لگی تھی۔ "کیا کروں اس کا؟ ــــــ یہ پھپھو کو بھی جانے کیا سوجھی، نکال کر یہ لہنگا تھما دیا۔ کہاں تجربے ہیں مجھے ایسی ہیوی ڈریسنگ کرنے کے۔ کتنی آکورڈ لگ رہی ہوں نا میں۔ منع بھی کیا تھا مگر مانی ہی نہیں، پکڑ کر مذاق بنا دیا۔ جوکر لگ رہی ہوں پوری۔ اب اگر کہیں لڑکھڑا کر گر گرا گئی تو مجھے سنبھالے گا کون؟ یہ پھپھو بھی نا مذاق بنانے پر تلی بیٹھی ہیں۔ دکھانا چاہتی ہیں شاید کیلگری سے یہ عجوبہ آیا ہے۔" وہ حسب معمول بے تکان بول رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ ہنسا تھا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟ ــــــ کیا تمہیں بھی میں عجوبہ لگ رہی ہوں؟" ساہیہ نے خائف نظروں سے اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ نظریں بہ غور اس چہرے پر تھیں۔

"اب اس دوپٹے کا کیا کروں؟" وہ سوا تین گز سے بھی طویل بھاری بھر کم دوپٹے کو بدستور ہاتھ میں لئے پریشان حال کھڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ اذہان حسن بخاری سے کوئی حل مانگ رہی تھی یا فقط مشورہ۔ اذہان حسن بخاری نے اسے چند ثانیوں تک بہ غور دیکھا تھا پھر کسی قدر لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔

"سوری ــــــ ہیلپ لیس ہوں اس معاملے میں۔ یکسر انجان اور قطعی نابلد۔ لیکن شاید تمہیں پہلے یہ جوتے پہن لینے چاہئیں۔ اس سے کم از کم یہ ہو گا کہ اس لانگ اسکرٹ کی لمبائی کسی درجہ کم ہو جائے گی۔" اس نادر و نایاب مشورے پر ساہیہ نے اسے کسی قدر گھورتے ہوئے دیکھا تھا۔

"ازہان! یہ لانگ اسکرٹ نہیں ہے۔ غالباً لہنگا کہتے ہیں اسے۔" حد درجہ پُر اکتاہٹ انا اسے مزید گھورنے کا ارادہ موقوف کرتی ہوئی اپنی سینڈل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ پھر اپنی جا دلچسپی سے تکتے ہوئے ازہان حسن بخاری کی سمت وہ طویل بھاری بھرکم دوپٹہ بڑھایا تھا۔

"تم ذرا اسے پکڑو۔"

ازہان حسن بخاری کے لئے یہ تجربات یقیناً بہت نئے اور انوکھے تھے۔ شاید تبھی وہ اپنے ا ہاتھوں کی سمت قدرے حیرت سے دیکھ رہا تھا جن میں ساہیہ خان کا ننھا منا سا پرس اور بھاری بھ دوپٹہ تھما تھا۔ مگر اس سب کے باوجود اس کی دلچسپی کا تسلسل ٹوٹا نہیں تھا۔ وہ ساہیہ خان کو جھکے ہوئے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ وہ سینڈل پہن کر سیدھی ہوئی تھی۔ مسکراتے ہوئے ازہان حسن بخاری دیکھا تھا۔

"تھینکس۔ آئیڈیا اچھا تھا تمہارا اس لانگ اسکرٹ کی لمبائی کو کم کرنے کا۔ اگر اس میں میرا پا گیا تو؟" مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ازہان حسن بخاری بہ غور اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا

"اب تم مجھ سے یہ فریاد مت کرنا کہ میں تمہیں تھام لوں۔"

"ازہان!" اس کی شرارت پر وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"اب اس دوپٹے کا میں کیا کروں؟" ازہان حسن بخاری نے اپنے ہاتھ میں تھمے اسکائی بلیو بھ کم دوپٹے کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اور تب شاید ساہیہ کو اپنی حماقت کا اندازہ ہوا تھا۔ کسی قد سے فوراً اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لے لیا تھا۔

"تم نے کبھی لڑکیوں کو دوپٹہ اوڑھے نہیں دیکھا؟" غالباً اپنی خفت مٹانے کو وہ کسی قدر ڈپٹ انداز میں گویا ہوئی تھی۔ ازہان حسن بخاری بہت محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرایا تھا۔

"سوری، میں نظر باز قطعاً واقع نہیں ہوا۔" آنکھوں میں حد درجہ شرارت لئے وہ گویا ہوا تھا۔ سا سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر اپنے نازک سے ہاتھ کا مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ ازہا بخاری ہنستا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ اپنی خفت مٹاتے ہوئے اسے گھورنے لگی تھی۔

"میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ تم نے یہاں لڑکیوں کو دوپٹے اوڑھے دیکھا ہو گا—— اوڑھے جاتے ہیں ایسے بھاری بھرکم دوپٹے؟"

"میرا مطلب بھی یہی تھا کہ تم قطعاً ایک نابلد شخص کے سامنے کھڑی ہو۔ شاید تمہیں اسے۔ رکھنا چاہیے۔ ایک طرف کا پلو آگے کی طرف اور دوسرا گردن کی طرف سے بل دے کر پیچھے کی ط بہت ماہرانہ مشورے سے نوازا تھا۔ ساہیہ اس کی ہدایات کو بہ غور سنتے ہوئے عمل پیرا ہو چکی تھی۔

"کیسے؟ ایسے——؟" خاصے بے ڈھنگے انداز میں اس نے چادر کی طرح اس آنچل کو اپنے گ تھا۔ ازہان حسن بخاری بے ساختہ ہنسا تھا۔ ساہیہ جیسے زچ ہو گئی تھی۔

"ازہان——!"

اور تب ازہان حسن بخاری کے لئے اس کی مدد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

"یہ پکڑو۔" اس کا ننھا سا پرس اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ پھر اس کے اس دوپٹے کو تھاما تھا اور کچھ اس تہہ کیا تھا کہ سائیڈز کا دلکش بارڈر نمایاں ہو گیا تھا۔ دوپٹے کو اسی مہارت سے اس کے بائیں شانے پر ن کے قریب دھرا تھا۔ پھر باقی ماندہ دوپٹے کو گردن کے رخ پر گھما کر پیچھے کی طرف ڈال دیا تھا۔ ن دار گردن میں نیلے رنگ کے دوپٹے کی بہت واضح لکیر بن کر ایک دلکشی عطا کر گئی تھی۔ بھاری ے کو سنبھالنے کی ذمہ داری جیسے اب ختم ہو گئی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے بہت مہارت سے سمیٹا تھا دوپٹے کو۔ جب وہ اس کے قریب ہو کر یہ کام انتہائی مہارت سے کر رہا تھا، ساہیہ خان بہت دلچسپی اسے بہ غور دیکھ رہی تھی۔

"اِٹ لکس بیٹر ناؤ۔" ایک ناقدانہ زاویے سے اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان بہت ے مسکرائی تھی۔

"تھینکس! تم نے میری مشکل حل کر دی۔ ورنہ اکینے پھپھو نے تو پھنسا دیا تھا مجھے آج۔ اینی ویز، لگ رہی ہوں میں؟ یہ لپ اسٹک کا شیڈ اس سوٹ کے ساتھ آکورڈ تو نہیں لگ رہا؟" وہ کچھ اس انداز اس سے دریافت کر رہی تھی جیسے وہ ان کاموں میں مکمل طور پر ماہر ہو۔ ازہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت ساختہ تھا۔

"کیا ہے—— اس طرح کیوں ہنس رہے ہو؟ فقط دریافت ہی تو کیا ہے۔ ایک ناقدانہ نظر ڈال کر ہیں سکتے۔"

"تم شاید بھول رہی ہو۔ میں تمہارا میل فرینڈ ہوں۔" مسکراتے ہوئے باور کرایا تھا۔

"ہوں—— دوست تو ہو نا۔ اب فی الحال یہاں کوئی اور دستیاب ہے نہیں۔ اور بائے دی وے کیا ل دوست نظر نہیں رکھتا یا پھر سنس لیس ہوتا ہے؟" وہ کسی قدر ڈپٹتی ہوئی بولی تھی۔ ازہان اسے تکتے ے مسکرا دیا تھا۔ پھر سر تا پا اس پر ایک بھرپور ناقدانہ نگاہ ڈالی تھی۔

"ہوں، ٹھیک ہے۔ ناٹ بیڈ۔" لب بھینچ کر سوچتے ہوئے رائے زنی کی تھی۔ ساہیہ خان جانے کیوں کرادی تھی۔

"اگر میں نے تمہاری جگہ ایک فی میل فرینڈ بنائی ہوتی تو یقیناً میں بہت فائدے میں ہوتی۔ اینی ویز، نکس فور دی کمپلیمنٹ۔ میں آئینہ دیکھ لوں گی۔"

"مِں جو تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے؟" لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے وہ نے پر ہاتھ باندھے مکمل شرارت کے موڈ میں تھا۔ "چاہو تو آئینہ بنا لو، اپنا عکس دیکھ لو، اپنا روپ رنگ نوار لو، چاہو تو......"

"ازہان! میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی۔" وہ خفگی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی۔ مگر ازہان حسن بخاری مسکرا یا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہو گی غالباً۔ آئینہ تاب کہاں لا سکے گا اس حُسنِ کرشمہ ساز کی۔ چکنا چور ہو جاؤں کا میں تو اک لمحے میں، اگر آئینہ ہوا تو۔" شرارت اس کی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ ساہیہ نے پہلے تو اسے

گھور کر کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا پھر ہنس دی تھی۔

"چالاک ہو گئے ہو ــــــ باتیں بنانا خوب آ گئی ہیں۔ بچپن میں تم یقیناً ایسے نہ تھے۔" ؛ مسکرا دیا تھا۔

"بچپن میں تو تم بھی چوہیا سی ہوا کرتی تھیں۔ بقراطی چشمے والی چوہیا۔"

"اور تم؟" ساہیہ نے اس کی سمت اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی تھی۔

"میں اس وقت بھی بہت ہینڈسم تھا۔ یاد ہے، وہ تمہاری بیسٹ فرینڈ سویرا جو مجھے دیکھ کر چل کھلے ہوئے گٹر میں گر گئی تھی۔" مسکراتے ہوئے یاد دلایا تھا۔ ساہیہ لب بھینچ کر مسکراتی ہوئی ہلانے لگی تھی۔

"ایسا اس لئے ہوا تھا اذہان حسن بخاری! کہ تم نے جان بوجھ کر اس کا چشمہ چھپا دیا تھا۔" میں اس کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا مگر وہ بدمزہ ہونے کی بجائے کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔ ساہیہ خان ا ہوئی مسکراتی رہی تھی۔

"تم بالکل بھی نہیں بدلے ہو اذہان حسن بخاری!" سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

"اور تم ــــــ" بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ "یقیناً بہت بدل گئی ہو۔ ساہیہ اپنے سلکی بالوں کو کان کے پیچھے کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"چلیں اب۔ باہر لان میں سب منتظر ہوں گے۔"

"ہوں۔" اذہان سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔

ساہیہ خان اب بھی اس بھاری بھرکم ڈریس میں کمفرٹیبل فیل نہیں کر رہی تھی۔ داہنے ہاتھ بھی وہ لانگ اسکرٹ نما شے اس نے قدرے اوپر اٹھائی ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود جانے کیا پاؤں لڑکھڑا گیا تھا۔ اذہان جو اس کے ساتھ چلتے ہوئے بدستور دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا غا سمت سے کسی ایسی کی حماقت کی توقع کر رہا تھا۔ توجہ اس پر مرکوز تھی۔ تبھی فوراً اسے سہارا دے کر تھا۔

"تھینکس!" ساہیہ کسی قدر خجل سی ہو کر سنبھلی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ غالباً تمہیں اس کی ضرورت تھی۔ لیکن بی کیئرفل۔ یہاں سے باہر نکل سنبھالنے والا اتنا مضبوط سہارا دستیاب نہیں ہوگا۔"

"کیوں ــــــ کہاں جا رہے ہو تم؟" کسی قدر حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اذ بخاری نے اس نازک اندام لڑکی کو بہ غور دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"کیوں ساتھ جانا چاہتی ہو؟" چھوٹی سی شرارت کی تھی۔ ساہیہ نے جواباً گھورا تھا۔

"عجب تو کچھ نہیں۔ دل ہی تو ہے۔ مچل بھی تو سکتا ہے نا۔ اک سہانے سفر کے لئے، کم رفاقت کے لئے، چاند کے تمنائی انہی زمینوں پر ہی تو بستے ہیں۔" وہ ایک بار پھر چھیڑ رہا تھا اور سا گھور کر رہ گئی تھی۔

"بہت خوش فہم ہو رہے ہو۔ کہاں کے پرنس آف ویلز ہو؟"

"ہوں تو نہیں مگر بن تو سکتا ہوں، کسی کے دل کا۔ حکمرانی کے وصف بھی تو نرالے ہیں۔"

"اذہان!" مسکراتے ہوئے تنبیہہ کی تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔

"منظر دلکش ہوں تو بہکنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔ اختیار کے زاویے کمزوریوں میں بھی تو گھر سکتے ہیں۔"

"اذہان! تم چاہتے ہو میں تمہارے پاس سے چلی جاؤں؟"

"نہیں۔ غالباً میں تو تمہاری مشکل حل کرنے کے لئے یہاں موجود ہوں۔ کہو تو بانہوں میں اٹھا ں۔" آنکھوں میں بھرپور شرارت تھی۔

"اذہان!"

لیکن وہ ہنس دیا تھا۔

"سوچ لو، میں تو تمہارے فائدے کے لئے ہی کہہ رہا تھا۔ چلنا دشوار ہو رہا ہے کسی قدر تم سے۔"

"ڈونٹ وری اباؤٹ می اینی مور۔ میں چل سکتی ہوں۔"

"پھر بھی سہارے کی ضرورت تو پڑے گی۔"

"نہیں پڑے گی۔" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے باور کرایا تھا اور وہ مسکرا دیا۔

"چلو، جہاں تک ممکن ہو سکے، ساتھ چلتے ہیں۔"

"اور اس سے آگے؟" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"آگے کی فکر ابھی سے نہیں کرنا چاہئے۔ اندیشے ڈرانے آ جائیں گے۔"

"اندیشوں سے ڈرتے ہو؟" نگاہ اٹھا کر دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"نہیں ــــــ آج تو جینا چاہتا ہوں۔" بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"اور کل؟"

"جو آیا نہیں اس کی فکر کرنا فضول ہے۔" انداز سرسری تھا۔

"کس نے بتایا تمہیں؟" مسکراتے ہوئے لمبے چوڑے ساتھ چلتے شخص کو دیکھا تھا۔

"تمہاری آنکھوں نے۔" جواب بہت برجستہ اور بھرپور تھا۔ ساہیہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

"جانتی ہو مجھے تمہارے اس لانگ اسکرٹ نے رعایت دے دی۔ ورنہ ابھی تم اگر اسے تھام کر چل نہ رہی ہوتیں تو ایک مُکا میرے شانے پر جما چکی ہوتیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور ساہیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

❄❄❄

یہ تعلق کیا تھا؟ درمیان کیا تھا؟ ــــــ وہ کبھی سمجھ نہ پائی تھی۔ یہ سب تو دور کی بات، وہ شخص کیا تھا؟ وہ تو ابھی تک اسے ہی سمجھ نہ پائی تھی۔

کتنا دقیق تھا وہ، ریاضی کے سوالوں کی طرح الجھا ہوا۔ شاید اس نے باضابطہ اسے سلجھانے کی کبھی

کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی ضرورت محسوس کی تھی۔ اگر وہ اس سے ایسا رویہ روا رکھتا تھا تو شاید کچھ کی بھی تھی۔ اسے کوئی ردِعمل ضرور چاہئے تھا۔ اتنا تو جتانا چاہئے تھا کہ وہ کیا ہے اور اس کی زندگی کی کیا اہمیت ہے۔ مگر اس نے جتایا تو تھا اور کیا انجام ہوا تھا اس کا؟

میرب سیال کی نگاہ اپنی اس کلائی پر گئی تھی جہاں اس کی آہنی انگلیوں کا نشان اب بھی ثبت تھا۔ اس روز کے متعلق سوچ کر ہی وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ کون سا روپ تھا اس کا؟ کون سا اسے تو کوئی واقفیت تک نہ تھی۔ اس کے وصف کیسے تھے کبھی جان ہی نہ پائی تھی۔

شاید وہ کسی قدر انتہا پسند تھا۔

شاید بااختیاری کا زعم حد درجہ تھا۔

شاید تبھی ساری دنیا اس کے لئے بڑی ثانوی سی اہمیت رکھتی تھی۔

شاید وہ تو اسے اپنی رعایا لگتی تھی۔ بے یار و مددگار۔ اس پر انحصار کرتی ہوئی۔ مکمل طور پر اس میں۔ اور یہ کسی طور سچ بھی تو تھا۔ پاپا کے فیصلے نے اسے اس درجہ محکوم بنا دیا تھا ورنہ وہ مزاحمت کی رکھتی تھی اور مزاحمت تو اب بھی کر سکتی تھی۔ جس سبب اس نے یہ قید قبول کی تھی اس سزا کو سہنے کا تھا۔ وہ سبب اب موجود نہ رہا تھا۔ پاپا کے باعث اس نے خود کو پابند کیا تھا اور اب ماشاءاللہ وہ تھے۔ ایسے میں وہ کوئی فیصلہ تو کر سکتی تھی۔ ہر طرف سے کان بند کر کے فقط اپنے اندر کی بھی تو کہ جینے کا حق تو اسے بھی حاصل تھا۔

کم از کم اسے یہ تو سوچنے کا حق تھا کہ وہ اتنی ارزاں نہیں۔ اتنی بے وقعت نہیں۔ اس کی حیثیت ہے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا رویہ کچھ بھی رہا ہو، فیصلہ بہرحال اسے لینا تھا۔ وہ مزید کسی آزما گزرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اس رشتے کے متعلق سوچتی رہی تھی۔

پاپا سے بھی ملنے گئی تھی تو آنسو خود بخود آنکھوں سے امڈ امڈ آ رہے تھے۔

"بیٹا! کیا ہوا پاپا کی جان کو؟" پاپا نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"اوں، ہوں۔" اس نے فوراً سر نفی میں ہلاتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑی تھیں۔

"بس آپ کو دیکھ کر پاپا! آئی لو یو پاپا!" وہ جانے کیوں بہت کم ہمت ہو رہی تھی۔ انداز انتہا تھا۔ لیکن وہ پاپا کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی تبھی کچھ دیر بیٹھنے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے باہر آ گئی تھی۔ زوباریہ اسے اہم ترین معلومات دینے لگی تھی۔

"تمہارے پاپا کی خواہش کے عین مطابق تمہارے لئے ورجینیا میں ایک گھر خرید دیا ہے اور والا اپارٹمنٹ تو آل ریڈی تمہارے نام ہے۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی زوباریہ؟"

"ضرورت نہیں، اسے خواہش کہتے ہیں۔" زوباریہ بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔ "تمہارے خواہش ہے یہ۔ انہوں نے اپنے سوئس اکاؤنٹ کو تم دونوں بہن بھائی کے نام منتقل کروا دیا ہے۔

پوری ہونے کے بعد تم دونوں حاصل کر سکو گے۔"

"زوباریہ!" وہ ساکت رہ گئی تھی۔ جانے کیسے اندیشوں نے یک دم اسے آن گھیرا تھا۔ دل ایک دم میں آ گیا تھا۔ آنکھوں کی نمی بڑھنے لگی تھی۔

"زوباریہ! میرے لئے پاپا اور میری فیملی ہی سب کچھ ہے۔ آپ پاپا سے کہہ دیں، ہم مل کر رہیں گھر میں، ایک چھت تلے، ہنسی خوشی رشتوں کی ڈور میں بندھے۔ رشتے اہم ہوتے ہیں زوباریہ! دولت کسی شے کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ آپ پاپا کو منع کر دیں۔"

زوباریہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا

"میرو! ہم نے جو کچھ بھی کیا وہ کچھ عجب نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے اور انشاءاللہ ٹھیک رہے گا۔ خدا پاپا کو سلامت رکھے، زندگی دے۔ مگر میرو! ایسے معاملات ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کے لئے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو انہیں ان کے لئے بہتر لگتا ہے۔ یہ تمہارے پاپا کی تھی۔ تم اسے ایک باپ کی طرف سے تحفہ سمجھ لو۔ مگر یہ کوئی بٹوارہ یا جائیداد کی تقسیم نہیں ہے۔ تمہاری میں تو ابھی دیر ہو گی، مگر بیٹیوں کی حقیقت تو فقط زبان سے نکالنے تک کی ہوتی ہے۔ کہا نہیں اور پرائی ہیں۔ والدین اپنی اولاد کو لے کر جہاں فکرمند ہوتے ہیں وہیں ان کے سہانے اور روشن مستقبل کو خواب بنتے اور انہیں تعبیریں بخشنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ سمجھ لو، تمہارے پاپا بھی ابھی سے تمہاری کی تیاریوں میں جت گئے ہیں۔ بہت خوشی سے وہ ایک ایک خواب بُن رہے ہیں۔ میرا نہیں خیال ہیں اس میں کوئی اعتراض ہونا چاہئے۔ تم کل میرے ساتھ چل کر وہ تمام پراپرٹی دیکھ لو جو مظہر نے لئے خریدی ہے۔" زوباریہ کسی درجہ حلاوت سے مخاطب تھی۔

اور وہ تو کبھی اس کے قریب آئی بھی نہ تھی۔ کبھی آنا چاہا ہی نہ تھا۔ بس ایک سرد مہری کی چادر اپنے چار اس تعلق سے دور بھاگتی رہی تھی۔ دانستہ فرار کی راہیں تلاشتی رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ —— کچھ پریشان ہو تم؟" زوباریہ نے اس کے چہرے کو بہت ہولے سے چھوتے پوچھا تھا۔ وہ چونکی تھی پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"آپ فانی کا ایڈمیشن یہیں کروا رہی ہیں؟"

"ہاں۔" زوباریہ نے بہت مدھم لہجے میں جواب دیا تھا۔ "دراصل تمہارے پاپا کے باعث ہمیں کچھ یہیں قیام کرنا ہو گا۔ تم تو جانتی ہو پاکستان میں وہ سہولیات حاصل نہیں جو یہاں کے ہسپتالوں ہیں۔ ایک میجر سرجری کے بعد احتیاط کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ خدا نہ کرے کسی طرح کی کوئی کمپلیکیشن واقع ہو۔ مگر احتیاط پھر بھی ضروری ہے۔ زیادہ دیر نہیں مگر جتنا عرصہ یہاں رہیں گے، فانی رہے گا اور یہ کسی بھی طرح بہتر نہیں اس کے لئے۔ یہ ڈی سی ژن بھی تمہارے پاپا کے ہی کہنے پر لیا نے۔" زوباریہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

میرب سیال اپنی جگہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ یقیناً اس کے قیاس غلط ثابت ہوئے تھے۔ اس کی

سوچوں نے خود رو جھاڑیوں کی مانند اس کے ذہن میں جگہ بنائی اور زوباریہ اس کا
تھپتھپاتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھی اور پاپا کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑی سو
ہوٹل واپس جانا چاہیئے یا پھر فانی سے ملنے بروک لین۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی جب وہ
دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مضبوط قدم اٹھاتا ہوا اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ وہ چلتا ہوا اس
رکا تھا۔ چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا اسے۔ پھر گویا ہوا تھا۔

''میں سیال صاحب سے مل کر آتا ہوں —— تم جا کر گاڑی میں بیٹھو۔'' عجب تحکم
میں۔ میرب سیال نے اس شخص کی سمت دیکھنا چاہا تھا۔ شاید کوئی ردعمل بھی دینا چاہا تھا۔ م
سے آگے بڑھ گیا تھا۔

کتنی دیر وہ وہیں کھڑی رہی تھی۔ بنا کوئی فیصلہ کیے، بنا کسی حکم کو مانے۔ اور کیوں مانتی
کیا سمجھتا تھا وہ؟ کیا اپنی قطار میں لگی کھڑی مہ جبینوں میں سے کوئی ایک یا پھر اپنی رعایا کا کو
کیا تھی وہ اس کے لیے؟

سر جھکا کر کلائی پر نگاہ کی تھی۔ جہاں اس کی آہنی گرفت کے نشان اب بھی اسی طور ثبت
خود میں الجھی کھڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں دوبارہ لوٹ آیا تھا۔ اسے وہاں
قدر حیرت سے دیکھا تھا اسے۔ میرب سیال اس کی سمت جانے کیوں تکنا نہیں چاہتی تھی
حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس
ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا مگر سر
لغاری بنا اس کی سمت متوجہ ہوئے اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا اور وہ جو ایک قدم بھی ا
تھی جانے کیوں اس کے سنگ کھنچتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لے جا کر گاڑی میں بٹھایا تھا پھر خود بھی اس کے سا
ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

اب کیا ارادہ تھا اس کا؟

کیا کرنے جا رہا تھا وہ؟

اس کے حوالے سے ہر آنے والا پل اسے حیرت سے دوچار کرتا تھا۔

پراسرار تھا وہ شخص اس کے لیے۔ اسے سمجھنے کا دعویٰ تو دور وہ تو اس کے رویوں کو سمجھنے کی
نہ رکھتی تھی۔ کس قدر حیرت سے اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت نگاہ کی تھی۔ مگر ا
متوجہ نہ تھا۔ سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

''تمام ضروری فائلز کو دیکھ لیجئے گا۔ یہ اسائنمنٹ بہت اہم ہے ہمارے لیے۔ سب کام
دیا ہے میں نے۔ میری ساری اپوائنٹمنٹ کینسل کروا دیجئے۔ نو اپنی میٹنگ۔ نو اپنی بزنس
دنوں تک آپ مجھے بالکل ڈسٹرب نہیں کریں گے۔ آئی ایم ٹیکنگ لیو فرام اپنی ہیڈک۔ کوئی

دوء مت کیجئے گا۔ تمام ضروری فائلز سائن کر دی ہیں میں نے۔ اہم ترین میٹنگز بھی نمٹا لی
جانے کس سے مخاطب تھا۔ شاید کسی ماتحت سے —— شاید ——
یال نہ جان پائی تھی۔ مگر اس کی ہونے والی گفتگو سے اسے کچھ اسی طرح کا اندازہ ہو رہا تھا
اہم ترین امور سے رخصت لے رہا تھا۔ مگر کیوں؟

یال کی نظریں اپنے قریب بیٹھے سبکتگین حیدر لغاری پر مرکوز تھیں۔ کتنی قربت تھی۔ کتنے قریب
نقط ایک ہاتھ کا فاصلہ یا شاید اس سے بھی کم۔ ہاتھ بڑھاتی تو پل میں سارے فاصلے سمٹ
ھ میں ہاتھ آتا تو کوئی دوری باقی بچتی ہی نہیں۔

تنا کج ادا تھا یہ شخص۔

قدر بے مہر تھا۔

ن کی کہانیاں لکھنے والے لمحے اس کے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے درمیان جیسے خواب تھے۔
جو فقط خواب ہوتے ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

طرح بدستور اس کی سمت دیکھ رہی تھی جب وہ فون کر کے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

یا ہوا؟'' اس کی کسی انجانی اُلجھن کا پتہ چاہا تھا۔

سیال یکدم چونکی تھی۔ پھر فوراً ہی چہرہ پھیر گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے
ھ کو تھام لیا تھا۔ میرب سیال کو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔ چونک کر وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی۔
ین حیدر لغاری اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔ اس نے ان روشن آنکھوں کو کبھی اس سے قبل
ے نہیں دیکھا تھا۔ کبھی توجہ کی ہی نہیں تھی۔ نظر ملی بھی تھی تو بہت سرسری انداز میں وہ دیکھ کر
لتی تھی۔ وہ خوفزدہ نہیں تھی۔ مگر وہ کبھی اس کی جانب اس طرح دیکھ بھی نہ پائی تھی۔ ان
اس طور دیکھ نہ پائی تھی جس طرح آج دیکھ رہی تھی۔ شاید کوئی رنگ خاص تھا ان آنکھوں
ر وہ آنکھیں تھیں ہی ایسی، یا پھر.......

سیال کا دل یکبارگی بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

لیا؟

رنے جا رہا تھا وہ؟

یا ارادے تھے اس کے؟

ک نگاہِ غلط انداز بھی اس پر کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ نگاہ ملتی بھی تھی تو انداز حد درجہ سرسری ہوتا تھا۔
کس درجہ فرصت سے وہ اس کی جانب مائل تھا۔
درجہ توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ھا یہ؟

التفات؟

کوئی نوازش؟

یا پھر کوئی اور ستم۔

”کیا ہوا؟ــــــ اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ بہت توج ہوئے باقاعدہ ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی اور چہرے کو چھوا تھا۔ ”ہر طرح کی فکر اور پریشانی کرلو اور .... اور الجھنوں میں گھرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔“ بہت دھیمے سے مسکراتے مخاطب تھا جیسے برسوں کے مراسم ہوں اور کبھی کسی طرح کا کوئی تفاوت رہا ہی نہ ہو۔ جیسے ق باب ان کے درمیان درج ہوں اور شناسائی اپنے عروج پر ہو۔ کبھی کوئی سدِ راہ ان کے درمیا ہو۔ کوئی فاصلہ مابین رہا ہی نہ ہو اور ....

”زندگی بہت دلکش ہے غالباً۔ اس میں فقط دلکشی ہونی چاہیے، رعنائی ہونی چاہیے۔ اُلجھ سلجھانے کو صدیاں پڑی ہیں اور صدیوں تک کون جیا ہے؟ ان آنے والی صدیوں کی فکر کر بہتر یہ نہیں کہ ان موجودہ لمحوں کو صدیوں پر محیط کر دیا جائے۔ اک اک پل پر، اک اک کہانی لکھی جائے، دلکشی کی، رعنائی کی، لطافتوں کی۔ کیا خیال ہے؟“ اس کے چہرے کو ہو ہوئے وہ کسی درجہ توجہ سے مخاطب تھا اس سے۔ سپاٹ چہرے کی کیفیت کتنی مختلف تھی۔

لبوں پر کیسی مسکراہٹ تھی۔

کیا کیا ہونے جا رہا تھا؟

کیا کرنے والا تھا وہ؟

پھر کوئی نیا وار؟

یہ انداز تو نہ تھے اُس کے۔ ایسے تیور تو نہ تھے۔ یہ آج اسے کیا ہو رہا تھا؟ــــــ سردا لغاری کہیں پاگل تو نہیں ہو رہا تھا؟

گاڑی تیزی سے فراٹے بھر رہی تھی۔

”کک .... کہاں جا رہے ہیں ہم؟“ اس نے بدلتے رستوں پر نگاہ کر کے کسی درجہ خوف سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

وہ بہت رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔ پھر بہت توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

”ایک نئے جہاں کو ڈسکور کرنے ــــــ اک نئی دنیا کے سفر پر۔“

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مطمئن تھا۔ جیسے کوئی معمول کی بات ہو۔ میرب سیال حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

”کیا ــــــ کہاں؟ کہاں جا رہے ہیں ہم؟“ کوشش کے باوجود وہ اپنے اندر کے تغ سکی تھی۔ ہراساں سی اس لمحے وہ کسی قدر بے بسی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھ کہ اس شخص کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔ کتنی توجہ سے اس لمحے اس پر نگاہ کی تھی۔ بہت دھیمے اور پھر اسی درجہ اطمینان سے گویا ہوا تھا۔

کہا تو ہے۔ اک نئی دنیا کے سفر پر ہنی! اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے؟“

رب سیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی اور تب وہ اسی درجہ اطمینان سے اس کی کتا ہوا گویا ہوا تھا۔

انی پرابلم؟“

ں نے جیسے میکانکی انداز میں اس کی سمت یک ٹک تکتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ عجب ہونق انداز اس لمحے مکمل طور پر اپنا اعتماد گنوا چکی تھی۔

آر یو او کے؟ ــــــ میرا مطلب ہے اچھا محسوس کر رہی ہو؟“ وہ ایک بار پھر نوازشوں کی بارش کرتا ائی دلکش انداز میں گویا تھا۔ جیسے اس سے بڑا اس کا کوئی ہمدرد اس ساری روئے زمین پر نہ ہو۔ اور سیال کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔ وہ جیسے سمجھ نہ پا رہی تھی کہ اس لمحے میں اسے کس طرح کا ظاہر کرنا چاہیے۔ وہ جیسے اس لمحے مکمل طور پر خالی الذہن تھی۔ جیسے تمام کی تمام عقل سر پر پاؤں دھر نصت ہو چکی تھی۔ پتہ نہیں اس شخص کا، اس کی شخصیت کا رعب ہی اتنا تھا یا پھر صورت حال ہی اتنی کن تھی کہ فوری طور پر وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ حالانکہ اتنی بے وقوف یا ہونق وہ کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ ں شخص کے سامنے جانے کیوں وہ کبھی بھی اپنی شخصیت کا مکمل اعتماد ظاہر نہیں کر پائی تھی۔ جانے وہ عاملے میں مرعوب تھی یا کنفیوژ یا پھر خوفزدہ۔

وہ اسی کیفیت میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی جانب دیکھ رہی تھی جب وہ بولا تھا۔

”آر یو سکیئرڈ؟“

تب اس لمحے یکدم ہی میرب سیال کا سر نفی میں ہلتا چلا گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ اتنی اثر پذیر کیسے واقع ی۔

”تو پھر؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور تکتے ہوئے جواز چاہا تھا اور تب جانے کیوں وہ کچھ ی نہ سکی تھی۔ جانے کیوں ذہن جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ زبان جیسے قوتِ گویائی کھو چکی تھی۔ گاڑی اسے ایئرپورٹ کی سمت بڑھ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا تھا۔ کیا ہونے ا۔

اس شخص کا اگلا قدم کیا تھا۔ وہ شاید اخذ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس کی منصوبہ سازی، اس کی سوچ سے بھی سوا تھی۔

اس کی سوچوں تک رسائی جیسے ناممکن تھی۔

عجب دھوپ چھاؤں سا شخص تھا۔ عجب مزاج تھا اس کا۔ نہ سمجھ میں آنے والا۔ کتنے رنگ تھے اس کے ر رنگ پہلے سے کتنا مختلف تھا۔ وہ سوچتی بھی تو کبھی سمجھ نہ پاتی۔ شاید اس شخص کو اس کے لئے ایک معمہ بنا تھا۔ وہ اسے کبھی بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ چاہتی بھی تو نہیں۔ بہت الجھا ہوا شخص تھا وہ۔ ریاضی کے ل سے بھی کہیں زیادہ الجھا ہوا۔

اور وہ .... وہ جیسے بہت زیادہ تھک چکی تھی۔ پورا وجود جیسے اس لمحے شل سا لگ رہا تھا۔ ہمت جیسے

ناپید تھی۔ وہ احتجاج تو کیا کرتی وہ تو اس سے نگاہ ملا کر کچھ دریافت کرنے کی ہمت خود میں نہیں
نگاہ حیران سی تھی اور زبان گنگ۔

کتنی آہستگی سے اس نے اس لمحے اپنے بے ہمت وجود کو جنبش دے کر سر سیٹ کی پشت پر
آنکھیں موند لی تھیں۔

یقیناً وہ مزاحمت نہیں کر سکی تھی۔

اختلاف رائے نہیں کر سکی تھی۔

یہ اس کے بس کی بات شاید نہیں تھی۔

* * *

ن اور جنگ میں سب جائز ہے۔ شاید تبھی عفنان علی خان کو اپنے سارے اقدام حق پر نظر آ رہے
ید یہ انسانی فطرت ہے۔ یہ بات سائیکی سے ری لیٹ ہے۔ انسان کا پرسنل انٹرسٹ اس کی پہلی
ر پاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب جاں اپنی مشکل میں ہو تو کسی اور طرف کی فکر قطعاً نہیں ستاتی۔
ب اپنے گھر میں لگی ہو تو سد باب کے لئے پہلا خیال اپنے ہی گھر کا آتا ہے۔ سارے اقدامات
یں اپنے مفاد کے لئے عمل میں آتے ہیں۔ فکر اس لمحے فقط اپنی ستاتی ہے۔ ہزاروں تدبیریں
اتی ہیں فی الفور اس تکلیف اور پریشانی سے نجات کے لئے۔ دنیا کی کوئی فکر باقی نہیں رہتی۔ کہیں
بھی ہو رہا ہو، کسی طرح کی مصیبت آ جائے، کوئی بھی خطرہ عود کر آئے، کوئی انوکھی واردات ہو
ئی سانحہ گزر جائے، کہیں کوئی قیامت آ جائے۔ مگر فکر پھر بھی اپنے گھر کی ہی ستاتی ہے۔
ان علی خان کے لئے بھی اپنی جان کی اضطرابیت کو جھیلنا اور سہنا آسان نہ تھا۔ بہت مشکل میں تھی
ر تمام تر نگاہ فقط اپنی جان پر مرکوز تھی۔ پہلی ترجیح اس کی اپنی ذات تھی۔ معاملہ بھی تو دل کا تھا۔ اور
شکل میں تھا۔ پھر کیسے اقدامات کی فکر نہ ستاتی۔
ید یہ کسی قدر خود غرضی کے زمرے میں آتا تھا۔ مگر اس کے سوا جیسے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔
اور صحیح کی فکر ان معاملات میں قطعاً نہیں رہتی۔ سب ثانوی نظر آتا ہے۔ فقط اپنا آپ صحیح نظر آتا
ر عفنان علی خان کے لئے بھی فقط اپنا آپ اہم تھا۔ اپنا دل اہم تھا۔ اپنی جان اہم تھی۔ باقی سب
ر آ رہا تھا۔ کسی جھوٹ پر شرمندگی نہ تھی۔ کسی اقدام پر کوئی پشیمانی نہ تھی۔ سب حق پر نظر آ رہا تھا۔
ہ بھی کہتا اسے قطعاً فکر نہ تھی۔
ندر کی وسعتوں کو بہ غور تکتے ہوئے وہ یقیناً اس لمحے اس ماحول کا حصہ نہ تھا۔ لامعہ حق نے اسے
ے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے بولی تھی۔
فنان علی خان! کہاں ہو تم؟"
وں۔" وہ بے طرح چونکا تھا پھر اس کی سمت تکتے ہوئے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا
ری سی مسکراہٹ پل میں لبوں کا حصہ ہوئی تھی۔
یہیں تو ہوں۔"
پھر میرے ساتھ کیوں نہیں ہو؟" لامعہ حق نے مدھم لہجے میں جیسے جتایا تھا۔ عفنان علی خان نے اس
ے دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے ساتھ ہی تو ہوں۔" لہجہ مدھم اور کھویا کھویا سا تھا جیسے اس لمحے اسے خود کی کچھ خبر

"تو پھر میرے ساتھ کیوں نہیں ہو؟" لامعہ حق نے بہت مان سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہا ہوئے شگفتہ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ وہ نگاہ پھیرتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لہجہ بہت مدھم تھا۔ جیسے کوئی بے خبری مدھم سرگوشی۔ لامعہ حق نے بہ غور نگاہ کی تھی اس پر۔

"کچھ گمشدہ سے لگ رہے ہو؟"

عفنان علی خان اس سوال پر چونکا قطعاً نہیں تھا۔ نہ ہی کسی طرح کی کوئی حیرت اس کے چہ ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح بے فکری سے سمندر کی وسعتوں پر نگاہ مرکوز کئے رہا تھا۔ مگر اک دھیمی اس لمحے اس کے چہرے کا حصہ ضرور ہوئی تھی۔ اس کی جانب دیکھے بغیر اس کے لب بہت ہلے تھے۔

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گمشدہ میری

عجب کھویا کھویا سا انداز تھا۔ جیسے اسے اپنے اردگرد سے کچھ واسطہ نہ ہو۔ جیسے اپنے آپ ہو۔ کچھ خبر نہ ہو۔ جانے کس دیس کا اسیر تھا وہ۔

جانے کن جہانوں میں بس رہا تھا۔

"خیریت؟ ــــــ کہیں کسی نے چرا تو نہیں لیا تمہیں مجھ سے؟" لامعہ حق نے بہت مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان بہت بے فکری سے مسکرا دیا تھا۔

"ایسی سنگین غلطی کوئی نہیں کرسکتا۔ بے فکر رہو۔"

"اور جو اس وقت تمہارے ساتھ ہے؟" لامعہ حق کا سوال بہت واضح تھا۔ عفنان علی خان بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھری تھی۔

"اسی کے ساتھ تو ہوں۔" انداز بہت مسرور تھا۔

"اور میں؟" لامعہ حق کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ مگر سیاہ گھور آنکھوں میں بہت سے خدشے تھے جن کی یقیناً کوئی فکر محترم عفنان علی خان کو قطعاً نہیں تھی۔ شاید تبھی ان لمحوں میں اس شخص ٹھہری مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی تھی۔

"کیا ــــــ کیا سننا چاہتی ہو تم؟" وہ اس کی سمت بہت توجہ کے ساتھ تکنے لگا تھا۔ انداز د تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

"کیا کہو گے تم؟" لامعہ حق بھی دوسری سمت کمزور قطعاً نہیں پڑی تھی۔ لبوں پر وہ دلربا طور رکی رہی تھی۔

"مجھے کیا کہنا چاہئے لامعہ؟" عفنان علی خان نے الٹا سوال کر کے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"کچھ بھی۔ مگر کوئی جھوٹ نہیں۔"

"کوئی دلفریب، جاں گسل جھوٹ بھی نہیں؟ دل کچھ تو بہلنا چاہتا ہو گا۔" زیر لب مسکراتے ہوئے حق کو دیکھا تھا۔ جواباً لامعہ حق نے اسے چند ثانیوں تک اسی طرح دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے راتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں عفنان علی خان! دل ناداں ضرور ہے مگر اتنا بھی نہیں۔ شوق کی منزلیں بے شمار سہی مگر خرد کہتی سب کچھ مان لو۔ یہ ضروری بھی نہیں۔"

عفنان علی خان کو جیسے اس درجہ مدلل جواب کی امید اس کی جانب سے نہیں تھی۔ شاید تبھی وہ اس کی ت تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"تم کب سے خردمندی کے اشاروں پر چلنے لگیں لامعہ حق؟" اس کی حیرت یقیناً سوا تھی۔

"کیوں ــــــ تم مجھے اس درجہ کم عقل جانتے ہو؟"

عفنان علی خان نے لب بھینچ کر چند ثانیوں تک جیسے سوچا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"یقیناً نہیں۔ حُسن کو جھٹلانے کی سعی یقیناً میں نہیں کرسکتا۔ میں ہی کیا، کوئی بھی ایسی غلطی نہیں کرسکتا۔"

"اب یقیناً تم ڈپلومیسی سے کام لے رہے ہو۔" وہ مکمل اعتماد سے مسکرائی تھی۔

"اوں ہوں ــــــ اسے میانہ روی کہتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا اور پھر ہنس دیا تھا۔ "بائے دی وے، تم کیا چاہتی ہو؟"

"کہوں تو کیا جان لو گے؟" وہ شگفتگی سے مسکرائی تھی۔

"شاید۔" عفنان علی خان نے سر پُرخیال انداز میں ہلایا تھا۔

"شاید نہیں۔" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا پھر لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیرا تھا ر نگاہ سمندر کی وسعتوں پر جما دی تھی۔

"یہ معاملات بہت عجیب ہوتے ہیں عفنان علی خان! شاید تم جان نہ پاؤ۔ کہنا یا جتانا کبھی کبھی بہت بے وقعت کر دیتا ہے۔ بہت بے معنی لگتا ہے ایسے میں سب کچھ۔"

وہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی اور چلتے ہوئے سمندر کی لہروں کے سنگ ہو لی تھی۔ عفنان علی خان نے سے دیکھا تھا۔ دل اس جانب مائل قطعاً نہ تھا مگر اس لمحے توجہ کے در بند رکھنا جیسے اسے روا نہ لگا تھا۔ شاید کی مروت کے ساتھ ہی سہی، وہ اس لمحے اٹھا ضرور تھا اور چلتے ہوئے اس کے سنگ جا ملا تھا۔

"کیا...... یہی منشا تھی نا دل کی؟" اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ اس لمحے اس کے ہم قدم تھا۔ مگر لامعہ حق نے کسی قدر پُر اُلجھن نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ شاید وہ اس کے جملے سے کچھ اخذ نہ کر پائی تھی۔ عفنان علی خان بہت بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"ہم قدم رہوں ــــــ تمہارے ساتھ رہوں۔ قدم قدم سنگ رہوں۔ لمحہ لمحہ سنگ چلوں۔" وہ جیسے لمحے کی اسم سے جیسے غیب کے بھید پا گیا تھا۔ لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا مگر نظر کے کسی زاویے

سے نہ لگا تھا کہ وہ کہیں کسی بات سے مرعوب ہوئی ہے یا حیرت نے اسے چار سمتوں سے آن گھیرا ہے بولی بھی تھی تو انداز بہت بے فکر تھا۔

”اس میں عجب بات کیا ہے عفنان علی خان؟ جو تعلق تم میں اور مجھ میں ہے اسے دیکھا جائے تو بات کچھ اتنی انوکھی بھی نہیں۔“

اس نے مکمل طور پر اسے رد کیا تھا۔ مگر عفنان علی خان اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”باندھ کر رکھنا چاہتی ہو اپنے پلو سے؟ —— اپنا پابند رکھنا چاہتی ہو؟“

”آزاد چھوڑ دوں گی تو یہ بھی تو مناسب نہ ہوگا۔“ وہ بہت شگفتگی سے مسکرائی تھی۔ ”تم کیا چاہتے ہو تمہیں آزاد چھوڑ دیا جائے؟ بندھے ہوئے بندھنوں سے کسی قدر نالاں ہو؟ رہائی چاہتے ہو؟ اسیری وحشت ہو رہی ہے؟“ انداز بہت سرسری تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ عفنان نے پوچھا تھا۔

”مجھے؟ —— مجھے لگتا ہے عفنان علی خان! تم.......“ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا پھر جانے کیوں لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان بہ غور اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”کہو نا —— رک کیوں گئیں؟ میں منتظر ہوں سننے کے لئے۔ کسی سنسنی خیز انکشاف کے لئے الزام کے لئے۔ حوصلہ ہے مجھ میں۔“ وہ اس کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔

لامعہ حق نے اب کے کسی قدر سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

”تم بہت مشکل شخص ہو میرے لئے عفنان علی خان! مجھے یقین ہے مجھے گنوا کر تمہیں کسی طرح کا پچھتاوا نہیں ستائے گا۔ تم بہت سکون میں رہو گے یقیناً۔“ اس نے جیسے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے اور اس لمحے عفنان علی خان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

”تمہیں کس نے بتائی یہ بات؟“

مگر لامعہ حق کچھ نہیں بولی تھی۔ چہرے کا رخ پھیرے ساحل کی لہروں کے سنگ چلتی رہی تھی۔

”سنو، کسی نے بہت غلط اطلاع دی ہے تمہیں کہ تم خفا ہو کر غصے میں اچھی لگتی ہو۔“ اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ اسی طرح چہرے کا رخ پھیرے رہی تھی۔

”جانتی ہوں۔“

”کیا؟“ عفنان علی خان نے دلچسپی سے بہ غور اسے دیکھا تھا۔

”تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔“

عفنان علی خان بہت بے ساختہ ہنسا تھا۔

”افسوس، ابھی ایسی کوئی پلاننگ میں نے کی نہیں۔ جب اس کے متعلق سوچوں گا تو سب سے پہلے تمہیں مطلع کروں گا۔ امید ہے تم چانس مس نہیں کرو گی۔ یقیناً ایک گولڈن اپرچونٹی ہو گی یہ تمہارے لئے۔“

وہ سنجیدگی سے اسے منانے پر بضد نظر آ رہا تھا۔

”تم فور بیڈ رومز کا سپر لگژری اپارٹمنٹ بڑے آرام سے بک کروا سکو گی۔ اس سے زیادہ کے متعلق دچاہت۔ دل کے والوز (خانے) اس سے زیادہ ہوتے نہیں۔ سو اس سے زیادہ کی کوئی رعایت میں نہیں دینے سے قاصر ہوں۔“ وہ مسکرا رہا تھا۔

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ لبوں پر بکھرتی مسکراہٹ کو وہ اس لمحے روک نہیں سکی تھی۔

”باتیں بنانا تو بہت خوب آتی ہیں۔“

”اس کے علاوہ بھی کئی گڈ کوالٹیز ہیں مجھ میں۔ تم نے شاید کبھی غور نہیں کیا۔ کبھی فرصت ملے تو سوچنا۔“ کس قدر مدھم سرگوشی کی تھی۔

”میں تمہارے بارے میں سوچوں اور تم؟“

”اوہ گاڈ، یہ لڑکیاں بھی۔ دل کے چار کے چار کمرے تمہیں لکھ کر دینے کو تیار بیٹھا ہوں اور تم اک ذرا سا اعتبار تک نہیں کر سکتیں۔“

”تمہارا کوئی بھی انداز اعتبار سونپنے والا نہیں ہے عفنان علی خان! ہر اقدام سے کج روی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔“ لامعہ حق کا موڈ بحال ہو چکا تھا اور وہ اس لمحے مسکرا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت لب بھینچ کر جیسے ہزار ضبط سے دیکھا تھا پھر اسی خاموشی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور گاڑی کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ لامعہ حق اس اقدام پر حیران ضرور ہوئی تھی مگر بولی کچھ نہیں تھی۔ جو بھی تھا، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ اچھا ضرور لگ رہا تھا۔ دل میں آرزو یہی جاگی تھی، یہ ساتھ ہمیشہ یونہی قائم رہے۔ یہ ہاتھ یونہی ہاتھ میں رہے اور یہ خواب آسا لمحے کبھی ختم نہ ہوں۔

پتہ نہیں ایسا ممکن تھا بھی کہ نہیں۔

❊❊❊

ساہیہ خان اس شور اور ہنگامے کی عادی نہ تھی۔ اکیلے کے خیال سے وہ لڑکیوں کے درمیان بیٹھ تو گئی تھی مگر ڈھولک کی تھاپ اور بے ڈھب آوازوں نے اسے خاصا بدمزہ کر دیا تھا۔ وہ بے دھیانی میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی جب عین سامنے قدرے کچھ فاصلے پر اسے سید اذہان حسن بخاری، فارحہ کے ساتھ کھڑا نظر آیا تھا۔ اس طرح جم کر ایک جگہ پر بیٹھنا اس کی فطرت میں نہ تھا۔ سو اسے دیکھ کر ایک لمحے میں اس کے چہرے پر زندگی دوڑ گئی تھی۔ وہ فوراً اُٹھی تھی اور اس کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

”تھینک گاڈ! تم نظر آ گئے۔ ورنہ میری برداشت جواب دے چکی تھی۔ چلو فوراً نکلو یہاں سے۔“ اس کا بازو تھام کر وہ عجلت سے پُر انداز میں بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کے سامنے خجل سا ہو کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی شاید ساہیہ خان کو بھی اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تھا۔ کسی قدر خجل ہو کر ساہیہ نے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

”السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟“

فارحہ بہ غور دلچسپی سے اسے دیکھتی ہوئی مسکرائی پھر اس کے گال کو بہت ہولے سے تھپتھپاتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم کچھ اُلجھن میں نظر آ رہی ہو۔ خیریت؟''

''جی، وہ بس ایکچوئیلی اتنا شور ہضم نہیں ہوتا مجھ سے۔''

''تو سیدھے سے کہو نا، تم آنٹی کے اس ہینڈسم، ڈیشنگ بیٹے کے ساتھ گھومنے جانا چاہتی ہو اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''کم آن، اب میری مجبوری سے اتنا زیادہ فائدہ بھی مت اٹھاؤ۔ میں تمہیں کسی طرح کا جھوٹ کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتی اور وہ بھی اتنا بڑا جھوٹ۔''

''جھوٹ؟'' اذہان حسن بخاری بے طرح چونکا تھا۔ ''یہ جھوٹ ہے۔'' اذہان حسن بخاری کا ارادہ اسے تنگ کرنے کا تھا۔ مگر اس لمحے ساہیہ خان زچ ہو گئی تھی۔

''تم چلو یہاں سے۔ اس کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے۔ بائے آنٹی۔'' اُسے کھینچتی ہوئی وہ تیزی وہاں سے نکل آئی تھی۔

باہر نکل کر اس نے کھلی فضا میں ایک گہرا سانس لیا تھا اور ماحول کی تمام لطافتوں کو جیسے اپنے اندر تھا۔

''تھینک گاڈ۔'' اس نے سر اٹھا کر آسمان کی وسعتوں کو اک نظر دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کسی قدر دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے —— لیکن یہ میرا بازو کیا یونہی تھامے رہنے کا ارادہ ہے؟'' دھیمے سے مسکرا ہوئے دریافت کیا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں۔ میں فقط یہ کنفرم کرنا چاہ رہا تھا اگر ارادہ بدستور تھامے رکھنے کا ہے تو میں ذہنی طور پر تیار جاؤں۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔ اس لمحے آنکھوں میں ایک شرارت رکی ہوئی تھی۔

ساہیہ خان مسکرائی تھی پھر داہنے ہاتھ کا ایک مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ ساتھ قدر خجل ہو کر اس کے بازو کو اپنی گرفت سے رہا کر دیا تھا۔

''نہیں۔ میرا مطلب یہ قطعاً نہ تھا۔ بازو تھامے رکھ سکتی ہو مگر کتنی دیر؟'' وہ شرارت سے بھرپور میں مسکرا رہا تھا۔ بلیک سوٹ کے ساتھ ماؤف شرٹ اور ڈارک ٹائی میں وہ اس لمحے خاصا وجیہہ لگ رہا ساہیہ اسے تکتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! تم چالاک ہو گئے ہو۔ مگر یہ اسمارٹنس یہاں کام نہیں آنے والی۔ ساہیہ خان لڑکی کم از کم تمہاری باتوں میں نہیں آنے والی۔ یہ جال کہیں اور جا کر بچھاؤ۔''

''اچھا؟'' وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں یہاں کوئی جال بچھا رہا ہوں؟''

''تمہاری باتوں نے۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''اور آنکھیں؟'' اذہان حسن بخاری نے بغور دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

ہمیں —— ''لمحہ بھر کو سوچا تھا پھر م شانے بہت بے فکری سے اچکاتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا

ایسا تجربہ مجھے کبھی نہیں ہوا۔''

کوئی ارادہ بھی نہیں ہے؟'' دھیمے لہجے میں دریافت ہوا تھا۔

اذہان!'' ساہیہ خان زچ ہو گئی تھی۔ لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

اب اگر کوئی اول فول بکی تو میں تنہا کہیں چلی جاؤں گی۔'' تنگ کرنے پر باقاعدہ دھمکی دی تھی۔

کیسے؟ —— تمہیں تو یہاں کے راستوں کی بھی خبر نہیں۔''

اب اتنی بھی ڈفر نہیں ہوں میں۔ بچپن انہی گلیوں میں گزرا ہے۔'' ساہیہ بے فکری سے مسکرائی تھی۔

ہاں۔ مگر اب کافی کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اور پھر تمہیں میرے ساتھ کی عادت بھی تو ہے۔''

عادت؟'' وہ بے طرح چونکی تھی۔ ''غالباً آپ اس جگہ لفظ ''ضرورت'' استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ اصی کمزور ہے آپ کی۔'' اس نے تصحیح کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''جانا کہاں ہے؟''

''کیا مطلب جانا کہاں ہے۔ کسی بھی پُرسکون جگہ۔ گاڑی نکال لو۔ کچھ اور نہیں تو لانگ ڈرائیو کے ہی سوچ لو۔ اب کیا یہ سب کچھ بھی تمہیں میں ہی بتاؤں؟''

''نہیں۔ میں دراصل سفر کے متعلق سوچ رہا تھا۔ تمہارا سفر تو یقیناً بہت شاندار کٹے گا۔ مگر مجھے کسی قدر ور کرنا پڑے گا۔ اردو والا نہیں، انگریزی والا۔'' آنکھوں میں شرارت لئے مسکرا رہا تھا۔

''تمہیں احساس نہیں ہے شاید، اب ہم بڑے ہو چکے ہیں۔'' جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ مگر اذہان حسن مسکرا دیا تھا۔

''ہاں —— مگر وہ زمانہ فراموش نہیں کر سکتا جب میں ایک انتہائی معصوم بچہ تھا اور تم مجھے ہمیشہ بیٹ کیا کرتی تھیں۔'' اس کا جواز بہت بچکانہ تھا۔ ساہیہ خان بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''اور سارے حساب کتاب اب پورے کرو گے؟''

''کیا حرج ہے۔'' اذہان حسن بخاری نے بے فکری سے شانے اچکائے تھے۔ ''موقع ہی اب دیا ہے تم ۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''تم نے نہیں، تمہیں وقت نے موقع ہی اب دیا ہے۔'' ساہیہ نے وضاحت دی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔ اب یا تب۔''

''بدلہ لو گے مجھ سے؟''

''معاف کر دوں گا تو یقیناً یہ اقدام مناسب نہ ہو گا۔'' گاڑی کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

''آہ، تم بچپن کی باتوں کو اب تک دل سے لگائے بیٹھے ہو؟'' ڈرائیونگ سنبھالتے ہوئے اس شخص کو کھا تھا جس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ رکی ہوئی تھی۔

''تم اثر ہی اتنا گہرا چھوڑ گئی تھیں۔'' اذہان حسن بخاری اس کی سمت متوجہ نہیں تھا مگر اس کے لبوں کی

مسکراہٹ اس لمحے کچھ گہری ہو گئی تھی۔ ساہیہ خان جیسی بااعتماد لڑکی نے اسے چند ثانیوں تک تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”بہت کچھ بدل گیا ہے نا یہاں۔“ شہر کے راستوں کو تکتے ہوئے غالباً وہ کسی قدر حیراں ہو

”ہاں ـــــ مگر اندر کے سارے زمانے اب بھی ویسے ہی ہیں۔ سارے موسم وہیں ر ہیں۔“

”ازہان!“ وہ جیسے اب ضبط ہار گئی تھی۔

”لے کر کہاں جا رہے ہو؟“

”دور کہیں۔ جہاں کوئی روکنے والا نہ ہو۔ جہاں کوئی ٹوکنے والا نہ ہو۔“

”شٹ اپ ازہان!“ ساہیہ خان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

”اچھا چلو، تم بتاؤ، کہاں جانا ہے؟ میں کچھ کہوں گا تو پھر ڈانٹو گی۔“

”اتنا وقت گزر گیا ہے۔ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔“ ساہیہ نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

”لیکن مجھے تو سب کچھ یاد ہے۔“ ازہان حسن بخاری نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیک

”کیا؟“ وہ چونکی تھی۔

”اک بقراطی چشمے والی لڑکی تھی۔ اور وہ مجھے بہت ستاتی تھی۔“ وہ مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان ہنس

”اور تم سارے حساب بے باق کرنے کی کوشش میں ہو۔“

”ہوں۔ زیادہ نہیں۔ مگر کسی حد تک تو۔“ وہ چھیڑنے سے باز نہیں رہا تھا۔

”شیم آن یو ازہان! تمہارے شہر میں مہمانوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک روا رکھا جاتا ہے؟ تھی۔ اس کی ہنسی بہت جلترنگ بجاتی ہوئی تھی۔

”سبھی کے ساتھ تو نہیں۔ مگر کچھ خاص دوستوں کے ساتھ۔“ بہ غور نگاہ کی تھی۔

”ابھی کہاں لے کر جا رہے ہو؟“ ساہیہ نے موضوع بدلا تھا۔

”بتایا تو تھا۔“ وہ اسی بے نیازی سے مسکرایا تھا۔ مگر ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ ازہان حس نے بھی مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ گاڑی سمندر کے کنارے روک دی تھی۔ ساہیہ بے طرح چونکی تھی۔

”تمہیں کس طرح پتہ چلا کہ اس وقت میرا دل سمندر کے لئے چاہ رہا ہے؟“ وہ دروازہ کھول نکلی تھی۔

”شاید سنا نہیں تم نے، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ مجھے وہ چھوٹی سی بقراطی چشمے والی لڑکی ہو جو سمندر کے کنارے بیٹھ کر ریت کے گھروندے بنایا کرتی تھی۔“

”تم ایک بے رحم اور چالاک، انہیں ایک ہی وار میں ڈھا دیا کرتے تھے۔“

کتنا شوق تھا اسے ریت کے کچے گھروندے بنانے کا۔

اور کتنا بیر تھا اس لڑکے کو ان کچے گھروندوں سے۔

”تم لڑکیاں ہمیشہ کچے گھروندے ہی کیوں بناتی ہو؟“ بہ غور تکتے ہوئے دلچسپ سوال داغا تھا۔

پتہ نہیں۔ لیکن یہ خواب گھروندے بہت لطف ضرور دیتے ہیں۔“ ساہیہ نے اعتراف کیا تھا۔

بے وقوفی۔ سراسر بے وقوفی کے سوا یہ کچھ نہیں۔“

”شاید۔ مگر خوابوں پر اختیار کسے ہوا ہے؟“

”تم خواب دیکھتی ہو؟“

”ہاں، کبھی کبھی۔“ ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ اس کے رخسار کا ڈمپل بہت واضح ہو گیا تھا۔

”اور تم؟“ سوالیہ نظروں سے ازہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

”کبھی اتفاق نہیں ہوا۔“ شانے اچکائے تھے۔

”تم نے کوشش نہیں کی یا کسی خواب نے پلکوں پر کبھی دستک ہی نہیں دی؟“

وہ اس سوال پر محظوظ ہوتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت بہ غور تکنے لگی ی۔ پتہ نہیں اس نے گریز کیوں برتا تھا۔ جواب دینے میں تامل کیوں برتا تھا۔ مگر ساہیہ خان نے بھی اس لمحے میں اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ وہ اسی طرح خاموش کھڑی سمندر کی وسعتوں کو دیکھ رہی تھی۔ جب چانک ہی آسمان پر چھائے ہوئے سیاہ بادلوں سے بوندیں گرنے لگی تھیں۔ ساہیہ نے سر اٹھا کر آسمان کی ت دیکھا تھا۔ رات گہری تھی۔ سیاہ بادل گھرے ہوئے تھے۔ چاند تاروں کے چہروں پر ایک دبیز چادر کا ہرہ تھا۔ ساہیہ خان کے چہرے پر موسم جیسے دلکشی کی ایک نئی کہانی لکھ گیا تھا۔

”آج چاند تاروں کا پہرہ آسمان پر نہیں۔“ بہت مسروری ہو کر اس نے جیسے خود سے ہی کوئی سرگوشی کی ی۔ ازہان حسن بخاری اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”انہیں خبر ہو گئی ہو گی کہ آج کوئی اس سمت نکلنے والا ہے۔“ انداز اور لہجہ بہت شگفتہ تھا۔ ساہیہ خان بے ساختہ مسکرائی تھی۔

”باتیں بنانے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتے یقیناً۔“

”تمہیں بارش اچھی لگتی ہے؟“

”ہوں۔ اور تمہیں؟“ ساہیہ نے چہرے کا رخ پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

”بارش کسے اچھی نہیں لگتی ہو گی۔“ وہ شانے اچکاتا ہوا بے نیازی سے بولا۔

”مگر میں یہ پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ ایک سحر پھونکتی ہوئی رات میں سمندر کا یہ کنارہ۔ اور اس پہ یہ بادلوں سے برستی شفاف پانیوں کی بوندیں، جیسے موسم کوئی دلکشی کی انوکھی داستان وقت کے چہرے پہ ہولے ہولے لکھتا جا رہا ہو۔ کتنا افسوں ہے ان منظروں میں۔ ساری جان میں ایک جادو سا بھرتے لگتا ہے۔ کوئی بہت ہی دلکش احساس ہے یہ جو کم از کم لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا۔“ وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔ جب وہ یکدم ہی ہنسا تھا اور ہنستا چلا گیا تھا۔

”تم بھی ساہیہ خان! ـــــ تم بھی عام لڑکیوں کی سی سوچ رکھتی ہو؟“

”کیوں ـــــ تمہیں حیرت کیوں ہے؟ اس میں عجب کیا ہے؟ کوئی بڑھک نہیں ماری میں نے۔ کوئی انوکھا دعویٰ نہیں کیا۔ پھر تمہیں کیسے لگا کہ میں کوئی انوکھی لڑکی ہوں، عام لڑکیوں سے ہٹ کر؟“ ساہیہ خان

نے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا اور سمندر کی شوریدہ سر لہروں کو بہ غور تکنے لگا تھا۔

"تمہیں سمندر اچھا لگتا ہے؟" ساہیہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے دریا
تھا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"کیونکہ ــــــ" اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ "کیونکہ یہ وسیع اور گہرا

"اور محبت؟" ساہیہ خان نے اس کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"محبت۔" وہ جیسے محظوظ ہوا تھا۔ "تم محبت کے متعلق کیا جانتی ہو؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔ مگر شاید یہ کہیں نہ کہیں ضرور ہے۔ کسی مخفی گوشے میں، کسی پوشیدہ لمحے میں،
بھری چپ میں، کسی بادل کے ٹکڑے میں، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔"

"تمہیں اتفاق ہوا کبھی؟" اذہان حسن بخاری نے محظوظ ہوتے ہوئے سوال داغا تھا۔

"کس بات کا؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"محبت ڈھونڈنے کا۔ اس کے تعاقب میں جانے کا۔"

"محبت کے تعاقب میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ خود بہ خود تعاقب میں آ جاتی ہے،
لئے یہ وقف ہوتی ہے۔" اس نے مختصر جملوں میں ایک گہرا رنگ بیان کر دیا تھا۔ اذہان حسن بخار
بہ غور تکتا ہوا بولا۔

"اور اگر یہ تعاقب میں نہ آئے تو؟"

"یہ ہو نہیں سکتا۔ محبت اپنے مطلوب کو ڈھونڈ لیتی ہے۔ اس کے لئے اسے کوئی تردد نہیں کرنا پڑ
کے لئے یہ قطعاً مشکل نہیں۔ جس طرح اور بہت سی چیزوں میں ہمارا حصہ مخصوص ہوتا ہے، اسی طر
ہے۔ محبت اپنا حصہ سونپنے ضرور تعاقب میں آتی ہے اور قسمت کا وہ حصہ سونپے بغیر واپس پلٹتی نہیں۔

"کبھی اس نے تمہارا تعاقب کیا؟" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا اور
گھورنے لگی تھی۔

"یہ تمہیں میں کیوں بتاؤں؟ کتنے منہ پھٹ شخص ہو تم اذہان حسن بخاری! کتنی بڑی بڑی با
بے ڈھنگے انداز میں یوں پوچھ جاتے ہو جیسے روزمرہ کے موسم کے احوال کے متعلق دریافت کر ر
ساہیہ خان نے چہرے پر پڑنے والی بوندوں کو ہاتھ کی پشت سے پونچھا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"تم بتانے سے گریزاں ہو۔"

"شٹ اپ اذہان حسن بخاری! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایسا اب تک کچھ نہیں ہوا ہے۔" دل
سی لڑکی اس لمحے جیسے خجل سی ہو گئی تھی۔

"کیوں؟ ــــــ کسی کی نگاہ نہیں پڑی تم پر یا تم نے کسی پر کبھی کوئی نگاہ نہیں کی؟"

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟" وہ اپنی دلکش مسکراہٹ چہرے پر لئے اس کی سمت پُر اعتماد ان
تکنے لگی تھی۔

نی محبت ابھی تمہارے تعاقب میں نہیں آئی۔" وہ باز نہیں آیا تھا۔

ذہان!" اس نے جیسے زچ ہو کر اسے چپ کرانے کی کوشش کی تھی۔

ں......ں......ں...... تو تم یہاں اس لئے آئی ہو؟" وہ بدستور اسی طرح چھیڑ رہا تھا۔ نگاہوں
رجہ شرارت رکی ہوئی تھی۔

یا مطلب؟" وہ یقیناً نہیں سمجھی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

ب محبت کبھی مطلوب کے تعاقب میں نہیں آتی تو مطلوب کو خود محبت کا تعاقب کرنا پڑتا ہے۔ ہے

ٹ اپ اذہان!" وہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ کر اسے گھورنے لگی تھی۔

ہیں تمہیں کسی کی محبت ہی تو نہیں کھینچ لائی؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

س کی؟ ــــــ کس کی محبت کھینچ کر لائے گی مجھے؟" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت پُر اعتماد
ا اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

ہو سکتا ہے مجھ جیسا کوئی ہینڈسم، یا پھر میں ہی۔" کوئی انوکھا قیاس کیا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی

ہاٹ اے گڈ جوک اذہان حسن بخاری! تم نے سارے دن کی کوفت ایک پل میں رفع کر دی۔ مگر
جوک دوبارہ مت سنانا۔ میں بدمزہ ہو جاؤں گی۔" اس کے چہرے پر شفاف بوندوں کے سنگ وہی
مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ ازلی اعتماد اس کی آنکھوں میں تھا اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

آئس کریم کھاؤ گی؟"

تمہارے اتنے اچھے جوک کے بعد یقیناً یہ ایک اضافی ٹریٹ ہو گی۔ کچھ میٹھی سی، کچھ کریمی سی۔"

تو پھر بیٹھو گاڑی میں۔" اذہان حسن بخاری نے کہنے کے ساتھ ہی پیش قدمی کر دی تھی اور تب ساہیہ
نے بھی قدم اٹھانے شروع کر دیئے تھے۔

* * *

کتنی بار آئی تھی وہ ان راستوں پر۔ کتنی بار اس نے ان مقامات کو دیکھا تھا۔ کوئی بھی جگہ نئی تو نہیں
سارے منظر دیکھے بھالے تھے، یہی یورپ کی گلیاں تھیں۔ مگر تب وہ اس درجہ خوفزدہ نہیں تھی۔ دل
لرز نہ رہا تھا۔ دھڑکنوں میں اتنا ارتعاش نہ تھا۔ وہ اس قدر خوفزدہ نہ تھی۔ شاید تب وہ اپنی فیملی کے
کا۔ اس کے بہت سے اپنے اس کے ساتھ تھے۔ سارے مان دینے والے رشتے، سارے اپنا پن
والے لوگ۔ اور اب۔
تنہائی کی کس درجہ بھرمار تھی۔ نوازشوں کا سلسلہ نہ تھمنے والا اور حیران کن تھا اور اس کا دل دہل رہا

کوئی قدم قدم اس کے ساتھ تھا۔ اس کا دل بہلانے کے سامان ڈھونڈ رہا تھا۔ اسے خوش کرنے کے
کر رہا تھا اور وہ خوش نہیں تھی۔

التفات کی تیز بارش تھی اور وہ پھر بھی جیسے صحرا کی دھوپ میں ننگے سر کھڑی جل رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تحائف کا ایک ڈھیر اس کے سامنے لگا دیا تھا۔ کتنی ڈھیر تھی۔ ہر جگہ سے اس کے لئے کچھ نہ کچھ وہ لیتا رہا تھا۔

"ہنی! ہاؤ اِز اِٹ؟" ہر شے لینے سے پہلے وہ اس کی سمت بہت توجہ سے تکتے ہوئے انداز میں دریافت کرتا تھا اور جب وہ جواباً ساکت رہتی تھی تو وہ بہت دھیمے سے مسکراتے اس کے ساتھ لگا کر تنقیدی زاویہ سے تکتا تھا۔

"آئی تھنک یہ خاصی سج رہی ہے تم پر۔ شاید یہ کلر بھی تم نے پہلے کبھی نہیں پہنا، تمہیں۔" فان کلر کا ایک پارٹی ویئر ایوننگ گاؤن وہ اس کے ساتھ لگا کر تنقیدی نظروں سے تھا اور وہ ساکت سی تکتی ہوئی یکدم ہی رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کتنی طرح مختلف مقامات سے اس کے لئے لے لی تھیں۔

"ہنی! کچھ پریشان لگ رہی ہو؟" بہت توجہ سے اس کی سمت تکتے ہوئے اس نے بار خوش نہیں ہو میرے ساتھ؟" وہ کسی قدر متفکر ہو کر دریافت کرنے لگا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کہہ کی کیوں وہ اتنی بے ہمت ہو رہی تھی یا پھر اس شخص کے انداز ہی اس قدر چونکا دینے والے حیرتوں میں گھر گئی تھی۔

کیسے ڈرامائی انداز میں اس شخص نے اپنے رویوں کا رخ پھیرا تھا۔ کہاں تو وہ اس سے حا تھا۔ اس کی جانب ایک نگاہ غلط انداز تکنا بھی جیسے کفر جانتا تھا۔

اوروں پہ کرم اپنوں پہ ستم، کے مصداق وہ اس کی جانب مائل تک نہ تھا اور کہاں اب د نوازشوں کی، عنایتوں کی بارش کئے دے رہا تھا۔ کتنی جلدی بدلے تھے اس کے رویے اس قدر اچانک۔ آخر کوئی اسرار تو تھا۔ کچھ تو بھید تھا۔ کیا تھا جو وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

اس وقت وہ سات ہزار فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے ہوٹل ماؤنٹین پلاٹس میں تھی۔ ماؤنٹیز بنا یہ ہوٹل سوئٹزرلینڈ کے تمام حسین نظاروں کو آنکھوں تک منتقل کر رہا تھا۔ مگر اس کے اندر کو جاگ رہی تھی۔ ہر حس منجمد تھی۔ وہ اپنے اندر کے اسباب جاننے کی خواہاں تھی مگر باوجود کو جاننے سے قاصر تھی۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ مگر اس کا ذہن جا آنے والے خطرے کے لئے مسلسل الارم بجا رہا تھا۔ حالانکہ ایسا ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔ ہو نہ بھی ہوتا۔ مگر نہ جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے اندر باہر بے حد خاموشی ہے۔ ایک گہرا اور یہ سکوت کسی نہ کسی طوفان کا پیش خیمہ ضرور ہے۔ جیسے ہی یہ سکوت ٹوٹے گا تو ایک طوفان آ

پتہ نہیں یہ فقط واہمے تھے، فقط اس کے خدشے تھے یا پھر اس میں کچھ صداقت بھی تھی۔ خوفزدہ ضرور تھی۔ پتا بھی گرتا تھا تو وہ لرز کر رہ جاتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جس قدر اس کے قریب آ رہا تھا وہ اس سے اتنا ہی دور بھاگنا چا اس سے اسی قدر خوفزدہ تھی۔

ی! تمہاری آنکھوں میں یہ خوف کیسا تیر رہا ہے؟ کس بات کے اندیشے تمہیں ستا رہے ہیں؟" اس چیئر پر تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت توجہ سے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

م ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

ار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے اپنا بایاں بازو اس کے شانے کے گرد تھا۔ میرب سیال کے اندر یکدم ہی حشر برپا ہو گیا تھا۔

دگی بہت چھوٹی اور مختصر ہے ہنی! اسے بے کار کی فکروں میں ضائع کر دینا کہیں کی بھی دانش مندی ام فکروں کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دو۔ دیکھو یہ موسم کیا کہہ رہا ہے۔ یہ سارے دلربا منظر تمہیں کس ت سے تکتے ہیں۔ حُسن کو نزاکتوں اور لطافتوں کے موسموں میں قیام کرنا چاہئے۔ بے توجہی کے سم اسے منجمد کر دیتے ہیں اور تمازتوں والی رُتیں اسے جھلسا دیتی ہیں۔ سو ان خوب صورت موسموں ں کر لینا ہی عقل مندی ہے ہنی! ان منظروں پر نگاہ کرو۔ انہیں اس حیرت کدے سے باہر نکلنے کی د۔ دیکھو کس درجہ ساکت ہیں یہ تمہیں دیکھ کر۔ شاید یہ بھی جانتے ہیں حُسن زلفِ پُر پیچ کی طرح ہو تو کچھ اور بھی سلجھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دلکشی کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ شاید اسی لئے یہ سارے ان حیران سے ہیں۔ کیا تم انہیں ان حیرتوں سے باہر نکلنے کا موقع نہیں دو گی؟"

بہت ہولے سے مسکرا رہا تھا۔

یرا مشورہ ہے ہنی! تمہیں ان رنگوں سے دوستی کر لینی چاہئے۔ ان منظروں سے بات چیت کرنا ہی ہو گا تمہارے لئے بھی اور ان منظروں کے لئے بھی۔ ورنہ یہ سارے دلربا منظر یقیناً تمہاری طرح یں گے اور ایسے میں مشکل کچھ اور بھی بڑھ جائے گی۔ کیا تم چاہتی ہو کہ یہ موسموں کی ساری ں کثافتوں سے اٹ جائیں؟ اور ایک منظر، ایک گہری چپ کی چادر اوڑھ لیں؟ کیا یہ ان موسموں ں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو گی؟" کتنی توجہ سے وہ اس کی جانب تکتا ہوا کہہ رہا تھا۔ قربتوں کے موسم ر تھے۔ نوازشوں کے منظر دلفریب تھے۔ سارا موسم اس دلربائی میں گھر گیا تھا۔ مگر میرب سیال کے ے سناٹوں پر اسی قدر گہری دھند کی چادر لپٹی رہی تھی۔ لفٹ چیئر نے جیسے ہی ماؤنٹین کے اختتامی ے کو چھوا تو وہ فوراً اتری تھی مگر توازن برقرار رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ لڑکھڑاتی ہوئی گرتی خطرے سے دوچار ہوتی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آہنی گرفت نے اسے اپنے حصار میں لے لیا

یہ راستے بہت پُر پیچ ہیں ہنی! ان گیسوؤں سے بھی زیادہ پُر پیچ۔ جتایا تھا نا کہ یہ بے نیازی سود مند

یرب سیال نے میچی ہوئی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔ وہ شخص اسے اسی طرح حصار میں لئے کھڑا تھا۔ لبوں پر کسی قدر دلفریب مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی بوکھلاہٹ کی تمام کیفیات سے حد درجہ ہو رہا ہو۔ میرب سیال نے بہت آہستگی سے بنا کچھ کہے خود کو اس کے حصار سے آزاد کرایا تھا اور ں کے ساتھ پلٹ کر چلتی ہوئی اس شخص سے قدرے دوری پر جا رکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے چند ثانیوں تک اسی طرح کھڑے دیکھا تھا پھر اس کی قدمی کر دی تھی۔

"اُلجھن کیا ہے؟ یہ ذہنی رو اس قدر بھٹکی ہوئی کیوں ہے؟ خطرات ایسے میں اور بھی بڑھ جب آپ بے توجہی برتنے لگیں۔"

میرب سیال نے فقط خاموشی سے اس شخص کی نوازشوں کو دیکھا تھا۔ کہا اب بھی کچھ نہ تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ کسی بچے کی مانند تھام لیا تھا اور اسے لے کر چلنے لگا تھا۔ وہ میں اس شخص کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔

"خاموشیوں کو لبوں پر اس طرح پہروں بٹھائے رکھو گی تو موسموں کو شکوہ تو ضرور ہوگا۔ لا موسموں کے دلفریب رنگوں کو سمیٹنا ہے تو ہاتھ تو بڑھانا ہوگا۔" کتنی پیچیدگی اور ذو معنویت تھی ا میں۔ بہ ظاہر جو کچھ تھا وہ نظر نہیں آ رہا تھا اور جو نظر آ رہا تھا یقیناً ویسا کچھ تھا نہیں۔

کیا یہ شخص سراب سا تھا؟

کوئی سراب تھا۔

یا پھر کوئی حقیقت۔

وہ نظر اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی جب وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"کوئی سراب نہیں ہے ہنی! سب حقیقت ہے۔ بہت روشن اور واضح حقیقت۔" وہ سوچ رہ جیسے اس کی سوچیں سطر سطر پڑھ رہا تھا۔ میرب سیال کس درجہ حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی کی حیرتوں سے کچھ نسبت نہ رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ جان لینا بے حد ضروری ہے ہنی! کہ یہ سب حقیقت ہے۔ یہ میں ہوں۔ یہ تم ہو اور یہ نظارے، یہ سب ہمارے لئے ہیں۔ تمہاری یہ آنکھیں، ان کے سارے رنگ، ان کے سار خاص زاویے کے منتظر ہیں۔ کچھ خاص رنگوں کی جستجو میں۔ خاموشیوں کا احتجاج کچھ سوا ہو گیا اب بھی ان ساکت جامد خاموشیوں کو توڑنا مناسب خیال نہیں کرو گی؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔ مگر نظر کے زاویے بہت خاص تھے۔ اس کے ہاتھ گرفت یکدم ہی کچھ نئے عنوان درج کرتی چلی گئی تھی۔ حدت کا احساس کچھ اور سوا ہو گیا تھا۔ فر معنی مفہوم ایک پل میں بدلنے لگے تھے۔ جیسے وہ لمس یکدم ہی بہت مدھم مدھم سرگوشیاں کرتے کے لہو میں دوڑنے لگا تھا۔ پوری جان یکدم ہی ایک قیامت کے زیر آنے لگی تھی۔ وہ یکدم ہی ایک ٹیک لگا کر رک گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بہ غور تکنے لگا تھا۔

"میں ان آنکھوں کو بہ غور دیکھ رہا ہوں ہنی! ان کا کوئی بھی رنگ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ان نقش درج ہیں ان کے مفہوم تم شاید پڑھنے سے قاصر ہو، میں نہیں۔ مجھے ان آنکھوں میں چمکتا صاف دکھائی دے رہا ہے۔ دیکھو، یہاں میں ہوں، سطر سطر تحریر ہوں، ہر رنگ میں ڈھل رہا چپکے چپکے پڑھ رہا ہوں۔ اور تمہیں ——— تمہیں خبر تک نہیں۔" وہ کتنے دلفریب انداز میں

ں کی بارش کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ ہر حرف سے منکر ہوتی ہوئی یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

منکر ہونا ایک بہلاوہ ہے ہنی! اور بہلاوے زیادہ دیر کام نہیں آتے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ے چہرے کو ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے جیسے اس بچپنے کو رخصت کرنے کی ہدایت دی تھی مگر وہ تب ی جواب دیئے بغیر چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔ دھڑکنوں کا شور یکدم ہی بڑھنے لگا تھا۔ شاید وہ زدہ تھی۔ شاید اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سنگ انجانے راستوں کے سفر پر نہیں آنا چاہئے اس وقت Vey Vey شہر میں تھے۔ وہ شہر جو چارلی چپلن کی رہائش گاہ کے طور پر بھی مشہور ہے۔ کر فریڈی مرکری کے اسٹیچو کے ساتھ ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ وجود پر یکدم ہی ی تھکن آن پڑی تھی۔ وہ خود کو بے حد بے ہمت اور کمزور محسوس کر رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر کا ارادہ جانے کیا تھا۔

جانے کون سا کھیل کھیلنے جا رہا تھا وہ؟

جانے کیا عزائم تھے اس کے۔ وہ قطعاً نہیں جانتی تھی۔ مگر اس کے اندر پھیلے خوف کے سائے کچھ اور ہرے ہو گئے تھے۔

کاش وہ یہاں سے بھاگ سکتی۔ بھاگ کر اس شخص سے دور نکل سکتی۔ وہ جتنا اس کے قریب آ رہا تھا، وحشتوں میں اسی قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ الجھنیں اور بھی بڑھ رہی تھیں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اتنا اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ اور اس شخص کے مزاج کے تیور یقیناً وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

نہ جانے کیا ہونے والا تھا اب اس کے ساتھ؟

***

انابیہ شاہ اپنے کمرے میں تھی جب ماما نے بتایا تھا کہ اس کا فون ہے۔ وہ بے دھیانی میں چلتی ہوئی آئی تھی۔ فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

"کیسی ہو پلی؟"

"اوزی! تم؟" وہ حیرت سے پُر لہجے میں مسکرائی تھی۔ "تم تو آنے والے تھے۔ اطلاع تو عرصہ دراز بھجوادی تھی۔ کیا ریڈ کارپٹ استقبال کی توقع کر رہے تھے؟ کچھ سنسنی پھیلانا چاہ رہے تھے یا پھر بے پر اڑائی تھی؟ ویسے سنو، یہاں بھی کوئی منتظر نہ تھا۔" بہت کچھ کہنے کے ساتھ اس نے جتایا تھا اور دوسری ب اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"سنو! یہ آخری بات کچھ چغلی کھا رہی ہے۔ کہہ دو کہ تم جھوٹ بول رہی ہو، میں مان لوں گا۔" اوزی رکی جانب ہنس رہا تھا۔ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

"خوش فہمی والی عادت گئی نہیں تمہاری۔ کہا تھا تو آئے کیوں نہیں؟"

"تم انتظار کر رہی تھیں نا؟"

"نہیں ——— میں جانتی ہوں تم سرپرائز دینے کے عادی ہو۔ کبھی بھی، جب دل میں سمائے گی آن پہنچو گے۔"

"تم بلوالو آواز دے کر میں تب بھی آجاؤں گا۔" وہ دوسری جانب شرارت سے مسکرایا تھا۔

"جانتی ہوں کتنے سعادت مند ہو۔ آنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ کیا ابھی تک زخم اتنے ہی گہر
وہ مسکرائی تھی۔ اوزی کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

"تم جانتی ہو انابیہ شاہ! دل بہت مضبوط ہے میرا۔ اثر جلد قبول نہیں کرتا۔"

"اب جھوٹ تو مت کہو۔ اور وہ بھی اس قدر بڑا جھوٹ۔" انابیہ شاہ نے جھٹلایا تھا۔

"ہاں ـــــ اتنا مضبوط نہیں۔ مگر ہے تو دل ہی نا۔"

"یعنی کہ دل سنبھلا نہیں ابھی تک؟" انابیہ شاہ نے چھیڑا تھا۔

"اور تم دُکھانے سے باز نہیں آؤ گی؟"

"زخموں پر نمک چھڑکنے کا بھی اپنا ہی ایک لطف ہے۔" انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

"سنگدلی کی حد ہے۔ اقدام دوستانہ ہرگز نہیں۔" اوزی نے دوسری جانب دہائی دی تھی۔

"اور تم...... تم نے بھی حد کر دی۔"

"کیا...... کیا ہے؟ شہر بدر ہی تو ہوا ہوں فقط۔"

"اور جو روگ لگایا ہے؟"

"بے فکر رہو ـــــ سوگ قطعاً نہیں منا رہا۔ بڑے مزے میں گزر رہی ہے۔ ہم لڑکے بہ
طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ بہت سے اسٹاپ پڑتے ہیں ہماری زندگی میں اور ہر اسٹاپ پ
کہانی جنم لے لیتی ہے۔"

"اور پچھلی کہانی؟" انابیہ شاہ نے وضاحت چاہی تھی۔

"وہ وہیں اسی اسٹاپ پر کہیں پیچھے چھوٹ جاتی ہے۔ جیسے پیچھے چھوٹ جانے والے منظر دھند
جاتے ہیں اور دھندلے منظروں کی سمت کوئی زیادہ دیر نہیں تکتا۔ کیونکہ یہ منکشف ہوتا ہے کہ ان کی
کچھ بھی باقی نہیں۔"

"بہت فلسفہ بگھارنے لگے ہو۔"

"تمہیں سوچنے لگا ہوں نا۔" اوزی دوسری طرف پھر ایک بار کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"شٹ اپ اوزی! ایک تو اس عرصہ دراز بعد فون کرتے ہو اور پھر اتنی فضول کی گفتگو بھی کر
انابیہ شاہ نے ڈپٹا تھا۔

"چلو اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ تم شادی کب کر رہی ہو؟"

"شادی؟" وہ بے طرح چونکی تھی۔

"کوئی ملا یا اب تک میرا انتظار کر رہی ہو؟" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

"شٹ اپ اوزی!" وہ مسکرائی تھی۔ "تمہیں اتنی سنگین قسم کی خوش فہمیاں کب سے ہونے لگیں؟

"جب سے میں تمہاری آنکھوں کے متعلق سوچنے لگا ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

"وہاٹ ربش۔" وہ جھینپ کر بولی۔ "اوزی! سیدھی راہ پر آجاؤ۔"

تم آواز دو نا۔ کچی ڈور سے بندھا سیدھا کھنچا چلا آؤں گا۔" وہ ترکی بہ ترکی جواب دے رہا تھا۔ وہ
جنجلی پر کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

اوزی! تم بہت کمال کے شخص ہو۔ باتیں بنانا یقیناً تمہیں خوب آتا ہے۔"
گر زندگی کیسے خوب صورت بنائی جاسکتی ہے یہ فقط تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں۔" وہ یقیناً باز آنے والا
یہ شوخی، یہ شرارت اس کی فطرت تھی اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی شاید تبھی مسکرادی تھی۔

آ کب رہے ہو؟"

مس کر رہی ہو؟"

اگر کہوں ہاں تو؟"

تو میں مان لوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تمہارے دوستوں کی فہرست میں چند گنے چنے نام ہیں
ور ان گنے چنے ناموں میں اوزی کا نام یقیناً پہلا ہے۔"

مسکرادی تھی۔

اسی بات کا تو مان ہے مجھے اوزی! میں جانتی ہوں میں اپنے دوستوں کو کس قدر عزیز ہوں۔ انکل اور
یسے ہیں؟"

سب ٹھیک ہیں۔ ماما بہ طور خاص اپنی اکلوتی بھتیجی کو پیار بھجوا رہی ہیں۔"

ان سے میری طرف سے تھینکس کہو۔"

محبتوں کے لئے شکریہ نہیں کہتے۔"

ہاں، جانتی ہوں۔ لیکن یہ تھینکس تمہارے لئے نہیں، پھپھو کے لئے ہے۔ اب سیدھے سے بتادو،
رہے ہو؟ ـــــ بتا کر پھر غائب مت ہو جانا۔ تم جانتے ہو مجھے انتظار کرنا کتنا برا لگتا ہے۔"

بھی تو بتا نہیں رہا ہوں۔ جلد آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

سامنا کر لو گے؟" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

نہ بھی کر سکا تو تمہارا آنچل تو ہے نا۔"

منہ چھپاؤ گے؟" انابیہ شاہ نے چھیڑا تھا۔

اوں ہوں ـــــ آنسو اگر آبشار بننے لگے تو پونچھ لوں گا۔"

کاورڈ۔" انابیہ شاہ نے جیسے طعنہ دیا تھا۔ مگر وہ اسی طرح کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

طعنے مارنے والی عادت گئی نہیں تمہاری۔"

یہ تو کچھ بھی نہیں۔ تم آجاؤ تو دو دو ہاتھ کروں گی۔" وہ مسکرائی تھی۔

ضرور ـــــ بصد شوق۔ انکار کس کافر کو ہے؟" اوزی شرارت سے اب بھی باز نہ آیا تھا اور تب اس
تتامی کلمات کے ساتھ سلسلہ منقطع کر کے فون رکھ دیا تھا۔ اوزی کا فون بہت دنوں بعد آیا تھا اور اس
ت کرکے اس کا دل ہمیشہ ہلکا پھلکا ہو جاتا تھا۔ اچھے دوستوں کی شاید یہی خاصیت ہے۔ وہ مسکراتی
کرور کی مڑی تھی جب نظر یکدم عین سامنے جا پڑی تھی۔ وہ یقیناً چونکے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اسے قطعاً

اس بات کی خبر نہ تھی کہ یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ جب وہ آئی تھی تو یقیناً اپنی بے دھیانی عفنان علی خان کو دیکھ نہ پائی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ دادا ابا کے ساتھ تشریف فرما تھا اور کوئی نوٹس نہ لے پائی تھی۔

محترم عفنان علی خان اس کی سمت دیکھ چکے تھے۔ سو اب وہیں سے پلٹ جانا بھی کسی طر نہ تھا اور ایسے میں جب کہ وہ اس کی جانب متوجہ بھی تھی تو نظر انداز کر کے چلے جانا مناسب نہ لگا تبھی وہ اس کے متوجہ ہونے پر بہت رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔ عفنان علی خان اسی کی سمت تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"تم بڑی خوش قسمت ہو۔ تمہارے پاس دادا ابا جیسی ہستی ہیں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ دادا ابا وا لٹریچر کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ بہت معلومات ہیں ان کے پاس۔" عفنان علی خان بے حد رہا تھا۔

"تو آپ فیض یاب ہو رہے ہیں دادا ابا کی معلومات سے۔" انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

"وائے ناٹ۔ دادا ابا واقعی بے مثال ہیں۔" اس نے تعریف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں ر ابا نے جواباً اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔

"جیتے رہو بیٹا۔"

"تھینک یو دادا ابا! آپ کی صحبت میرے لئے ایک اعزاز ہے۔" عفنان علی خان یقیناً اپ چاہتا تھا۔ اس لمحے دادا ابا مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"یقیناً تم سے مزید نشستیں بھی رہیں گی۔ مگر فی الحال مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔ تم ملاقات ہوگی۔" دادا ابا اٹھے تھے اور وہاں سے چلے گئے تھے۔

عفنان علی خان بہ غور انابیہ شاہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

"کیا سوچا آپ نے؟"

"کس بات سے متعلق؟" انابیہ شاہ حیران ہوئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب دیک مسکرا دیا تھا۔

"بھول گئیں آپ؟"

انابیہ شاہ نے خاموشی سے چند ثانیوں تک دیکھا تھا۔

"کیا مجھے یاد رکھنا چاہئے تھا؟"

"اگر ایسا ہوتا تو اچھا تھا۔" عفنان علی خان کا لہجہ کچھ دھیما تھا۔

"مگر ایسا ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے......" وہ برجستگی سے کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"تو نہیں تیری جستجو بھی نہیں۔" عفنان علی خان اس کے ادھورے جملے کو مکمل کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ اس کے چہرے کو بہ غور تکتی رہی تھیں۔ لبوں پر ایک تبسم جامد ہو گیا تھا اور وہ بہت ہولے سے

ز لگا تھا۔

"اوں ہوں——— مگر ایسا یقیناً نہیں ہے۔" لہجہ دھیما اور سرگوشی جیسا تھا۔ شاید انابیہ شاہ ٹھیک طور پر ہیں پائی تھی تبھی اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ جب کہ عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی

"تو آپ نے فراموش کر دیا مجھے۔" عفنان علی خان نے جیسے بڑی فرصت سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے کب کہا تھا کہ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی؟" انابیہ شاہ نے بے نیازی سے کہتے ہوئے جیسے لاجواب کر دیا تھا۔ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ وہ یقیناً برجستگی اور حاضر جوابی میں اپنا ثانی رکھتی تھی۔

"تو آپ میری مدد نہیں کریں گی؟" عفنان علی خان کی بھوری آنکھوں کی جوت یکدم ہی بجھنے لگی تھی۔

"کیا میں نے آپ سے ایسا کوئی وعدہ کیا تھا؟" انابیہ شاہ کے پُر اعتماد چہرے پر بہت دھیمی مسکراہٹ ہوئی تھی۔ عفنان علی خان کی ساری امیدیں پل میں ڈھیر ہوئی تھیں۔

"تو آپ واقعی میری کوئی مدد نہیں کر رہی ہیں؟"

"اوں...... ہوں۔" انابیہ شاہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "میں نے سوچا تو مجھے لگا یہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ بہتر ہے تم لامعہ حق سے ہی رجوع کرو۔ یہ معاملہ تم دونوں کے بیچ کا ہے اور مجھے یقیناً تم دونوں کے بیچ نہیں آنا ہے۔ اس سے غلط فہمیاں بھی جنم لے سکتی ہیں۔ میری اور لامعہ کی دوستی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور میں قطعاً نہیں چاہوں گی۔" انابیہ شاہ کی ست رنگی آنکھوں کی روشنی بڑی شفاف تھی۔ ایک اعتماد سا رہا تھا اس کے لہجے سے۔ عفنان علی خان کی ساری ہمت جیسے ڈھے گئی تھی۔ وہ ساکت سا اس کی تکتا چلا گیا تھا۔ پھر یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"تم...... تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ آئی مین، تم کیسے چاہو گی کہ لامعہ کی زندگی اچھی نہ گزرے۔"

"میں یقیناً ایسا نہیں چاہوں گی اور میں ایسا چاہتی بھی نہیں۔ تبھی تو ایسا اقدام لے رہی ہوں۔ دیکھو ان علی خان! میں تمہیں فقط کچھ دنوں سے جانتی ہوں اور یہ جان پہچان بھی بڑی واجبی سی ہے۔ جب کہ حق کو میں گزشتہ اٹھارہ برس سے جانتی ہوں۔ تب سے، جب مجھے رویوں کی کچھ پہچان بھی نہ تھی۔ اور نے تب ایک دوسرے کو جانا اور......"

"اور انابیہ شاہ! مجھے تمہاری اسی انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتا ہوا گویا ہوا انابیہ شاہ نے اسے بہت اطمینان سے دیکھا تھا۔

"میری اس انڈر اسٹینڈنگ سے تمہیں کیا ملے گا عفنان علی خان؟ میں یہ بات ٹھیک طور پر سمجھ نہیں تمہیں نہیں لگ رہا چارہ گر کوئی اور ہے اور تم رجوع کہیں اور سمت کر رہے ہو۔" انابیہ شاہ کا رویہ یقیناً کے لئے چونکا دینے والا تھا اور وہ یقیناً اس دن کے بعد سے اس سے ایسی کوئی توقع نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ طرح اس نے اس سے بات کی تھی، اس سے وہ یہی اخذ کر پایا تھا کہ وہ اس ضمن میں اس کی مدد کرنے دیا ہے مگر ایسا یقیناً نہیں تھا۔ انابیہ شاہ یقیناً ایک ذہین لڑکی تھی جو عقل و خرد سامنے رکھ کر فیصلے کرنے کا

گر جانتی تھی اور عفنان علی خان نے یقیناً اسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ وہ اس کے رویے پر حیرا تبھی چند ثانیوں تک کچھ بول ہی نہ پایا تھا۔ فقط خاموشی کے ساتھ اس کی سمت تکتا رہا تھا۔

”عفنان علی خان! لامعہ حق سے جو میری انسیت یا نسبت ہے اس کے لئے میں تمہیں تو سکتی ہوں مگر تمہارے لئے قطعاً بھی کسی طرح سود مند ثابت نہیں ہو سکتی۔ اگر یہی بات مجھے لا شاید میں ایسا آنکھیں بند کر کے کر گزرتی۔ مگر تمہارے لئے۔“ وہ بہت ہولے سے سرنفی میں تھی۔ ”ایسا ممکن نہیں ہے عفنان علی خان! تم سے میری کوئی نسبت نہیں ہے۔ کوئی حوالہ ہے بھی حق کا۔ میں تمہیں لامعہ حق کے توسط سے دیکھتی ہوں، اس کے توسط سے ملتی ہوں، اس جانتی ہوں، اس سے زیادہ تم میرے لئے کچھ نہیں ہو۔ میں چند لمحوں کی فقط جان پہچان طویل عمر کی رفاقت اور دوستی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔“ وہ مکمل طور پر تھی اور عفنان علی خان جہاں کچھ دیر قبل کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اب شاید کسی قد تھا۔ تبھی اس لمحے اس کے لبوں پر ایک دھیما سا تبسم کھیل گیا تھا۔

”انابیہ شاہ! میں تمہیں کوئی انتہائی اقدام اٹھانے کو نہیں کہہ رہا۔ مسئلہ فقط یہ ہے کہ میں لا چاہتا ہوں اور اس میں تمہاری اتنی ہی مدد چاہتا ہوں جتنی کہ کوئی ایک بہترین دوست، کسی دوسر کی کر سکتا ہے۔ میں تم سے کوئی فیور نہیں چاہ رہا۔ نہ ہی کوئی شرط درمیان رکھ رہا ہوں۔ کسی طر غلط بیانی بھی میں نے ہرگز نہیں کی۔ اگر مجھے تمہاری کوئی مدد درکار ہے تو اس میں کچھ جھوٹ نہیں واقعی تمہاری ضرورت ہے انابیہ شاہ! تمہاری انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔ تم جتنا لامعہ حق کو یقیناً مجھے نہیں جانتیں۔ اس کی اور تمہاری طویل رفاقت بھی ہے مگر میں تم سے کیا چاہ رہا ہوں انا مانگ رہا ہوں؟ کچھ زیادہ تو نہیں، جسٹ لٹل کیئر۔ جسٹ لٹل ہیلپ۔ وہ بھی اس لئے کہ میں، اس طور نہیں جانتا اور جاننا چاہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا تم اس چھوٹی سی بات کو اتنا ہارڈلی کیوں۔ حالانکہ اس میں اتنی عجیب بات کیا ہے؟ کیا ایک انسان کی مدد کرنا غلط ہے؟ کیا ایک انسان کو کچ برائی ہے؟ اور تم سے میں کیا چاہتا ہوں، یہی نا کہ تم مجھے لامعہ حق کے متعلق بتاؤ، مطلع کرو۔ وہ کیا پسند کرتی ہے، کیا ناپسند کرتی ہے، اسے کیا اچھا لگتا ہے کیا نہیں اور اس میں انوکھی اور عجیب با انابیہ شاہ؟“ عفنان علی خان نے بہت مدھم لہجے میں جیسے احتجاج کیا تھا۔ مگر انابیہ شاہ بہت ہو دی تھی۔

”یہ بات تمہیں جتنی آسان نظر آ رہی ہے درحقیقت اتنی آسان ہے نہیں عفنان علی خان!“

”تم ڈر رہی ہو؟“

”نہیں ـــــ یقیناً نہیں۔ اس میں ڈرنے والی کوئی بات ہے بھی نہیں عفنان علی خان! بہ نہیں کر سکتی، وہ بات میں نے تمہیں باور کرا دی۔ جو نہیں ہو سکتا، وہ نہیں ہو سکتا۔ ممکن، ناممکن کے اپنے پیمانے ہوتے ہیں اور میرا دل، میرا دماغ مجھے جس بات کی اجازت نہیں دیتا وہ میں ہوں۔ اس کے لئے چاہے تم مجھے بزدل کہو یا ڈرپوک مگر میں جانتی ہوں، میں ایسا ڈی سی ژن کیوں

لے رہی ہوں۔ میں کوئی غلط کام نہیں کر سکتی۔ میری اپروچ بہت فیئر ہے۔ تم نے مجھے ابھی جانا ہی ہاں ہے۔ اس لئے اگر مجھے بزدل یا ڈرپوک کہتے بھی ہو تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں جانتی ں، جو مجھے جانتا ہے وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔“ اس کی سمت پُراعتماد نظروں سے تکتی ہوئی وہ اس گھڑی با پُراعتماد تھی۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا، جانے کیوں۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر مروت رکھتی تھی۔ کرٹسی اس کے مزاج ھہ تھی شاید حق پر ہوتے ہوئے بھی اور اسے انکار کے بعد بھی وہ کسی مروت سے اس کی سمت تکنے لگی

ا۔

”آئی ایم سوری عفنان علی خان!“ بہت ہولے سے وہ بولی تھی اور پھر پلٹ کر چلتی ہوئی زینہ طے نے لگی تھی۔ عفنان علی خان بہ غور اس لڑکی کی پشت کو تکتا رہا تھا۔ پھر بہت تھکے ہوئے انداز میں اٹھ ڑا ہوا تھا۔ لبوں پر ایک شگفتہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

* * *

آگینے نے اذہان حسن بخاری کے سر ذمے داری لگائی تھی کہ وہ ساہیہ خان کو شہر کی سیر کرائے۔ اگر چہ ہیہ خان کا بچپن اسی شہر میں گزرا تھا مگر آگینے کا کہنا ماننا اذہان حسن بخاری پر جیسے فرض تھا۔ سو وہ بنا کوئی زدگئے اسے لے گیا تھا اور کتنے ہی مقامات دکھا ڈالے تھے۔

”یہ شہر، اس کے خدوخال، گلیاں، سڑکیں، سب کچھ کتنا بدل گیا ہے۔“ ساہیہ خان کسی قدر حیران تھی۔

”خود کو دیکھو، مجھے دیکھو ساہیہ خان! جب ہم اتنے بدل گئے ہیں تو یہ شہر کیونکر نہ بدلا ہوگا۔“

ساہیہ خان نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

”تم بدل گئے ہو اذہان حسن بخاری! میں تو اب بھی ویسی ہی ہوں۔“

”اچھا؟ لیکن مجھے تو کسی طرح سے بھی تم وہ ساہیہ نہیں لگ رہیں۔“

”کیوں؟ تمہیں میں کس طرح وہ ساہیہ نہیں لگ رہی؟“

”اچھا یہ بتاؤ، کیا تبدیلیاں آئی ہیں مجھ میں؟“ وہ یکدم رک کر دلچسپی سے اسے دیکھتی ہوئی دریافت رنے لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”کم آن اذہان! چلو زیادہ نہیں ایک، دو، تین، چار، پانچ فقط پانچ تبدیلیاں گنوا دو۔“ اس نے کراتے ہوئے انگلیوں پر گنواتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا پھر یکدم اس کی سمت کسی قدر رازداری ے جھکی تھی۔

”سنو، فقط پوزیٹو تبدیلیوں کی بات کرنا۔ نیگیٹو کی بات تو......“ دھمکی دینے والے انداز میں وہ کہہ کر کرائی تھی۔

”تمہارا یہ دھونس دینے والا انداز نہیں بدلا ہے۔“

”یہ پوزیٹو تبدیلی ہے؟“ اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

”یہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے والی عادت نہیں گئی ہے۔“

ساہیہ نے ہاتھ کا ایک مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

"یہ...... یہ عادت بھی نہیں گئی۔"

"یہ تو ساری کی ساری نیگیٹو باتیں ہی گنوائی ہیں تم نے۔ چلو خیر، میں تمہیں تمہاری اچھی با ہوں۔ نمبر ایک تم پہلے سے زیادہ ہینڈسم اور ڈیشنگ ہو گئے ہو۔ نمبر دو بہت ذمے دار ہو گئے ہو، بہت غیر ذمے دار تھے۔" وہ بتاتے ہوئے مسکرائی تھی۔ "نمبر تین سنجیدہ اور بردبار ہو گئے ہو۔ نم کیئرنگ اور لونگ ہو گئے ہو اور لاسٹ بٹ ناٹ دی لیسٹ، ڈیڈی کیڈ بہت ہو گئے ہو، ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ "ایم آئی رائٹ؟"

"اس میں عجب کیا ہے؟ —— وقت کے ساتھ اتنی تبدیلیاں تو آ ہی جاتی ہیں اگر ئیں اگر ہوں تو اس میں کوئی خاص بات مجھے نظر نہیں آتی۔ تم بتاؤ اب کہاں جانا ہے؟"

"گھڑی دیکھو اذہان! تمہارا نہیں خیال یہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور ہمیں کھانے کے چاہئے۔" ساہیہ خان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور تب اذہان حسن بخاری چونکتے ہوئے بولا۔

"اوہ، اچھا یاد دلایا۔" اذہان نے کہنے کے ساتھ ہی گاڑی میریٹ کی طرف موڑ دی تھی۔

"تمہاری زندگی میں کیا واقعی کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی؟" میریٹ میں کینڈل لائٹ ڈنر کر وہ یکدم مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"کیا مطلب؟ کس طرح کی تبدیلی کی بات کر رہی ہو تم؟"

اور تب وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ اس کی دلکش آنکھوں میں یکدم ہی جگنو چمکنے لگے تھے۔

"کوئی لڑکی وغیرہ۔" وہ اسی شرارت سے مسکرائی تھی۔

"لڑکی وغیرہ؟" وہ شاید سمجھا نہ تھا۔

"اس سے زیادہ سیدھی بات کیسے ہو سکتی ہے۔ یقیناً میں نہیں جانتی۔" وہ خفگی سے تکنے لگی تھی۔

"آں...... ں...... ں...... تو تمہارا اشارہ اس طرف تھا۔" وہ یکدم چونکا تھا۔

"اور تم کیا سمجھے تھے؟" وہ مسکرائی تھی۔

"کچھ نہیں۔" اذہان حسن بخاری نے شانے اچکاتے ہوئے بے تاثر انداز اختیار کیا تھا۔ نظروں سے اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ تبھی اذہان حسن بخاری بھی انجوائے کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

"لڑکی —— کوئی ایسی خاص چونکا دینے والی لڑکی اب تک آئی نہیں زندگی میں۔"

"میں بھی نہیں؟" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"تم؟ —— تم تو خاصے سے زیادہ چونکا دینے والی ہو۔" وہ جیسے ہنسی میں ٹال گیا تھا۔

"صحیح بتاؤ نا۔" ساہیہ نے اصرار کیا تھا۔

"بتا تو رہا ہوں۔ تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔"

"بے ایمان! کتنے جھوٹے ہو تم۔" ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"لٹ می تھنک۔" وہ ذہن پر کسی قدر زور دیتے ہوئے سوچنے لگا تھا۔

"اس میں اتنا سوچنے والی بات کیا ہے اذہان؟ جس لڑکی نے تمہیں کرش کیا ہو گا وہ بھولی تو نہ ہو گی۔"

"کرش —— تو تم اس زاویے سے پوچھ رہی تھیں۔ پہلے بتانا تھا نا۔" وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ ساہیہ گھورنے لگی تھی۔ تبھی وہ مکمل توجہ سے اس کی سمت تکتے ہوئے بولا۔

"تم۔"

"کیا —— ؟" وہ چونکی تھی۔ "شٹ اپ اذہان!" وہ جیسے بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ یقیناً اس کے انداز سے محظوظ ہوا تھا۔

"اور تم؟"

"میں، کیا؟" وہ اپنی طرف شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے چونکی تھی۔

"تم نے اپنی طرف کسی کو آنے نہیں دیا یا کسی نے کبھی زحمت ہی نہیں کی؟" وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے دریافت کر رہا تھا اور وہ گھورنے لگی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا اذہان حسن بخاری! کم از کم تمہیں لڑکیوں سے اس درجہ صاف گوئی سے سوالات پوچھنے کا سلسلہ منقطع کر دینا چاہئے۔"

"تم نے جواب نہیں دیا۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ ساہیہ نظریں اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

"تم نے پوچھا تھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا ہے اذہان!"

"ہاں۔ لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہاری زندگی کسی نئے عنوان سے مہکی یا کہ نہیں؟"

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟" وہ شرارت سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ "تم اس روز بھی کچھ ایسا ہی پوچھ رہے تھے۔ ارادہ کیا ہے؟" عجب اک شرارت کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ اس سے دریافت کر رہی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے ساہیہ! کہ تم جیسی مرد مار لڑکی کے متعلق کوئی کافر اس زاویے سے سوچ بھی سکتا ہے۔ کم از کم مجھ پر تو ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ اپنی شامت کو خود سے آواز دوں۔" وہ یقیناً اس لمحے اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

"ٹھیک کہا تم نے مرد مار لڑکی۔ وہاں کیلگری میں ہمارے پڑوس میں ایک انڈین لڑکا تھا۔ ایک دن اس بے چارے نے مجھے صبح میں جوگنگ کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد تو اس نے گویا اپنا معمول ہی بنا لیا۔ بہانے بہانے سے، یو نو، وہ تو لڑکوں کا خاص انداز ہوتا ہے۔ نام کیا ہے جی؟ کرتی کیا ہیں؟ میری ہابیز یہ ہیں۔ تو کیا ہم شام میں مل سکتے ہیں وغیرہ۔ اور تم جانتے ہو میں نے اس بے چارے کو کیسے دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا؟ حالانکہ موصوف اچھا خاصا ہینڈسم تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"نام کیا تھا اس کا؟" اذہان نے بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"علی۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تمہیں جواب تک یاد ہے اس میں کچھ خاص بات تو ہوگی۔" اذہان مسکرایا تھا۔ وہ ہنس دی

"اسے یاد رکھنے والی ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔ وہ بھی تم نے اصرار کیا تو مجھے یاد کرنا پڑا۔ ا
قول تمہارا نام بوائے امیج کے ساتھ کسی کی ہمت ہو ہی نہیں سکتی کہ قریب سے بھی گزر جائے۔" وہ

"یاد ہے تمہیں بچپن میں تمہاری کیسی بری پٹائی لگایا کرتی تھی۔"

اذہان حسن بخاری اس ذکر پر شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ پھر قدرے توقف سے اس کی جانب
ہوئے بولا۔

"ویسے اب تو خاصی تبدیل ہو چکی ہو تم۔ اور خوب صورت تو یقیناً ہو۔"

"اوہ، ریئلی؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"آف کورس۔" اذہان حسن بخاری نے دل پر ایک اداء سے ہاتھ رکھ کر جیسے کوئی حلف اٹھایا
یکدم مسکرا دی تھی۔

"جھوٹے کہیں کے۔"

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

❄ ❄ ❄

وہ اس وقت جرمنی میں تھے۔ کتنے ہی مقامات گھومنے کے بعد وہ اس وقت ہائیڈل برگ!
سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت تکتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"اس ہیڈل برگ کیسل کے لئے ایک بات مشہور ہے کہ یہ جگہ بے حد رومینٹک ہے اور یہ ک
تنہا نہیں جانا چاہیئے۔ اٹس اے لور پلیس۔ محبت کرنے والوں کو اپنے لووینس کے ساتھ اس قلع
چاہیئے۔" شاید وہ یہاں پہلے بھی آ چکا تھا۔ کس کے ساتھ؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی اور شاید جانا بھی نہ
تھی۔ مگر وہ بول رہا تھا۔

"ایک بار پہلے میں یہاں آیا تھا اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ۔ جب وہ سب قلعے کے باہر
میں تب تنہا اندر چلا گیا تھا اور جانتی ہو تب کیا ہوا تھا؟" وہ پُرجوش لہجے میں بتاتے ہوئے یکدم
میرب سیال کو جاننے کا بھلا کیا شوق ہو سکتا تھا؟ وہ تو سن بھی بے دلی کے ساتھ رہی تھی۔ دھیان
کی سمت لگانا ہی کب چاہتی تھی وہ۔ مگر وہ بھی نہ جانے کیوں اسے اس لمحے اس ہیڈل برگ کی
داستان سنانے پر بضد تھا۔ اس کے رکنے پر میرب سیال نے فقط سوالیہ نظروں سے اس کی سمت د
دریافت قطعاً نہیں کیا تھا۔ مگر شاید یہ اشارہ ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کافی تھا کہ وہ م
لگا تھا۔

"میں اس قلعے کے چیپل میں تھا جب مجھے کوئی جادو خود کو زیر کرتا لگا تھا۔ مجھے لگا تھا جیسے کوئی
اندر ہو اور ہولے ہولے مجھ میں باتیں کر رہا ہو۔ وہ لہجہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں اس زبان
شاید واقف نہیں تھا۔ مگر میرے اندر جو سرور اس لمحے تھا اس سے قبل میں نے محسوس نہیں کیا تھا۔
جیسے کوئی میرے اندر ہے اور کہہ رہا ہے، مجھے تم سے ملنا ہے، کہیں، کسی روز۔

سی بھی دن، کسی بھی مہینے۔
سی بھی ماہ و سال۔
سی گلی میں، کسی کونے میں، کسی کوچے میں۔
نم میرے ساتھ کی تمنا کرو۔
مجھے سوچو، اتنا کہ تمہارے خیال کے تمام زاویے میرے رنگوں میں رنگنے لگیں۔
مجھے جانو، اتنا کہ میں تم میں سمانے لگوں اور تم تم نہ رہو۔
مجھے چاہو، اتنا کہ کوئی حد باقی نہ رہے۔
مجھے اپنی جاں میں رکھ لو، اپنے اندر کہیں چھپا لو۔
میں تم میں گم ہو جاؤں اور تم مجھ میں۔
کوئی تمہیں، ہمیں کھوجنے بھی آئے تو کوئی نشان باقی نہ ملے۔
مجھے خود میں ضم کر لو۔
میں تمہارا سامان خاص ہوں۔ زادِ راہ ہوں۔ مجھے اپنے سنگ لے لو اور اپنا ہمسفر کر لو۔
میرا ہاتھ، ہاتھ میں تھام لو اور مجھے کبھی تنہا مت چھوڑو۔ مجھے سنگ رہنا ہے تمہارے۔ قدم قدم ساتھ
نا ہے۔ میں جادو ہوں۔ مجھے اپنے وجود پر چھانے دو۔ مجھ کو اپنا کر لو۔ یا مجھے اپنا ہو جانے دو۔"

وہ دھیمے مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ کیسے خواب ناک حروف تھے اور کیسا جادو سا تھا اس کا لہجہ۔

"یہیں، اسی چیپل میں، یہیں پر مجھے ایسا لگا تھا کہ کہیں کوئی میرا منتظر ہے۔ میرا انتظار کر رہا ہے۔ شاید
ئی دنوں سے، شاید مہینوں سے، شاید سالوں سے، یا پھر شاید صدیوں سے ـــــ تب میرا ایمان ایسی
ذں پر نہیں تھا۔ اور......."

"اور اب؟" میرب سیال کے لب جانے کیسے یکدم وا ہوئے تھے۔ وہ چونکا تھا۔ اسے لحہ بھر کو دیکھا
ا۔

"پتہ نہیں۔" شانے عجب ایک بے نیازی سے اچکائے تھے۔ "مجھے نہیں معلوم۔ شاید یہ سب فضول
نما ہوں۔ جن پر کم از کم میں یقین نہیں رکھتا۔ مگر اس قلعے کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں محبت باتیں کرتی
ہے اور گمشدہ وجود کے حصوں کو تلاشتی ہے۔ تب میں تنہا تھا اور یقیناً یقین کرنے والی کوئی بات تھی بھی
ہیں۔ مگر مجھے لگتا ہے کچھ ہے ضرور جو نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔ مگر بہت اہم اور خاص ہے۔ اس کے بعد
کی میں بارہا اس قلعے میں آیا۔ مگر تنہا نہیں۔"

"اور اس کے بعد وہ آواز نہیں آئی؟" میرب سیال کی آواز خود اس کے لئے اجنبی تھی۔

"نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس قلعے کے متعلق، اس کے فرنیچر اور تصویر سے متعلق معلومات
ہم پہنچانے لگا تھا۔ وہ چیپل کے وسط میں کھڑی دیواروں پر نقش آرٹ کے حسین نمونوں کو دیکھ رہی تھی جب
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ یکدم ہی گرفت میں لیا تھا۔ وہ چونکی تھی مگر اس سے بھی زیادہ
رعت کے ساتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اپنے قریب کیا تھا۔

ماحول میں محبت باتیں کر رہی تھی۔

اک جادو چار سُو پھیل رہا تھا۔

ایک فسوں، جان کو اپنے بس میں کر رہا تھا۔

فضا میں ایک نشہ تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ دل پر اس جادو کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

کتنی مشکل میں گھر گئی تھی جان۔ کیسا بھونچال سا آ گیا تھا سارے وجود میں۔ ایک قیامت تھی۔ دھڑکنوں نے یکدم ہی حشر مچا دیا تھا۔ اس کا وجود ایک عجیب جنونی گرفت میں تھا۔ کتنی سانسیں اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔

میرب سیال کی جان فنا ہونے کو تھی۔ اس لمحے مزاحمت کیسی بے معنی لگ رہی تھی۔ وہ جنون حشر اٹھا دینے کو تھا۔

میرب سیال نے ایک جھٹکے سے اس حصار سے خود کو رہا کرایا تھا اور پھر بھاگتی ہوئی اس کیبل چلی گئی تھی۔

ہوٹل میں آ کر وہ اپنے کمرے میں دبک کر کتنی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتی رہی تھی۔

دل ایک عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ بڑا بے ہنگم شور تھا۔ اس کا پورا وجود جیسے کسی بھونچال میں تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ جیسے قیامت کو چھو کر گزرا تھا۔ سارے وجود میں جس کا ارتعا تک وہ محسوس کر رہی تھی۔ آنکھوں میں جانے کیوں اس لمحے بہت سی نمی آن ٹھہری تھی اور پلکیں ہولے ہولے بھیگنے لگی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے وہاں سے اس طرح چلے آنے پر پریشان سا اس کے پیچھے جب وہ بیڈ پر اوندھے منہ پڑی ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

دروازے میں رک کر اس نے میرب سیال کو دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے پیش قدمی کرتا اسے چند ثانیوں تک دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے کسی قدر جھکتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ تھا۔ میرب سیال کو لگا تھا جیسے اس کے وجود کو کوئی انگارہ چھو گیا ہو۔ وہ یکدم اٹھ بیٹھی تھی۔ بھیگی آنکھو ایک خاص طرح کا سحر تیر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا۔ پھر قریب بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

اس گرفت میں، اس لمس میں کوئی خاص آہنگ تھا۔

کوئی بے خودی تھی۔

اور میرب سیال کی جان ہوا ہونے لگی تھی۔ کتنا خوف سمٹ آیا تھا اس کی آنکھوں میں۔ مگر سردار حیدر لغاری کو مطلق پرواہ نہ تھی۔ ہاتھ بڑھا کر کس قدر آہستگی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ پیشانی سے گداز لبوں تک شہادت کی انگلی سے ایک صراط بنائی تھی۔ میرب سیال آنکھیں میچ وہ شخص اس کے قریب تھا۔ بے حد قریب۔ اس کی قربت سے اس کا سارا وجود جیسے جل جانے کو تھا۔ گرم گرم دہکتی سانسوں کو وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی اور اس کا سارا وجود شل ہونے کو تھا۔

ہورہی تھی وہ اس گھڑی۔ کس قدر کمزور۔

"محبت زندگی ہے ہنی! اور زندگی بہت مختصر ہے۔" وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جب یکدم ہی میرب کے بے جان وجود میں ایک قوت آن سمائی تھی۔ ہمت جیسے یکدم ہی بیدار ہوئی تھی۔ میرب سیال کا اٹھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔ کمرے کے سناٹے میں شور ہوا تھا اور سارا منظر ساکت رہ گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کس قدر سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر جارحانہ انداز اس کے بالوں کو ہاتھ کی گرفت میں جکڑ کر اس کے چہرے کو سلگتی نظروں سے دیکھا تھا۔

میرب سیال نے ایک جھٹکے سے خود کو اس سے آزاد کرایا تھا اور اسے گھورتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔

"کیوں ...... کیوں کر رہے ہو تم یہ سب میرے ساتھ؟ کس لئے؟ کیوں؟" کتنے آنسو اس کے اروں کو بھگوتے چلے گئے تھے۔ کچھ لمحوں قبل تک کا خوف جیسے اس کے اندر سے کہیں معدوم ہو گیا تھا اس لمحے وہ اپنے سامنے موجود شخص کو کس قدر پُر اعتماد نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"محبت تم جیسا شخص قطعاً نہیں کر سکتا۔ تم جیسے شخص کے نصیب میں محبت ہو بھی نہیں سکتی اور ہو گی بھی ا۔ تم محبت کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری بدنصیبی پر مجھے ترس آتا ہے۔ میں بلاوجہ تم سے خوفزدہ ہوتی رہی۔ ...... تم جیسا شخص جو خود ...... خود سے نظریں نہیں ملا سکتا، وہ کسی دوسرے کو کتنا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس بات کا اندازہ کر لینا چاہئے تھا۔ اب تک بہت سی لڑکیوں سے ملے ہو گے تم۔ بہت سی لڑکیوں کو گرویدہ کیا ہو گا۔ بہت کو اپنے حصار میں باندھا ہو گا۔ مگر سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں سردار تگین حیدر لغاری! حیرت ہے، مجھے تمہاری سمجھ اتنی دیر میں کیوں آئی۔ تم جو جال بُن رہے تھے اس کی تو مجھے تبھی ہو جانی چاہئے تھی جب تم مجھے یہاں لے کر آ رہے تھے۔" کتنی پُر اعتماد سی وہ اس کے منے کھڑی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"افسوس ہو رہا ہے مجھے۔ میں نے تم پر اعتبار کیا، تم پر۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! ترس آ رہا ہے مجھے تم تم تو بہت چھوٹے ہو۔ دلوں سے کھیلتے ہو نا۔ مگر یاد رکھنا، تمہارا دل کبھی آباد نہیں ہو گا۔ ترسو گے محبت کو۔ تمہیں ایک بوند بھی نہیں ملے گی۔ محبت کبھی تمہیں ملی نہیں ہے۔ اس لفظ سے تمہارا سابقہ کبھی پڑا نہیں۔ سو دنے خواب دکھانا بند کر دو۔ خود کو دیکھو، تمہیں خود پر بہت ترس آئے گا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! محبت کے لفظ سے نا آشنا ہو تم۔ اور افسوس نا آشنا ہی رہو گے۔"

اس کی آنکھوں میں تکتی ہوئی وہ بولی تھی۔ اور پھر اس بھیگے چہرے اور آنکھوں کے ساتھ اس کمرے سے نی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کتنی دیر تک ساکت سا اپنی جگہ پر کھڑا رہا تھا۔

یقیناً جو کچھ ہوا تھا وہ بے حد غیر متوقع تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی امید شاید قطعاً نہ تھی۔

وہ بھی میرب سیال جیسی لڑکی سے۔

چہرے کی رگیں بے حد تن گئی تھیں۔ تناؤ بے حد بڑھ گیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا اس کے سات
کسی لڑکی نے اس کے وجود کی نفی کی تھی۔ پہلی بار کسی اقدام پر اسے اس طرح کے جارحانہ رویے
دیکھنا پڑا تھا۔ ورنہ زندگی کس قدر آسان رہی تھی اس کے لئے۔ جب، جو چاہا ہاتھ آ گیا تھا۔ جو
ہاتھ بڑھا کر تھامنا چاہا تھا وہ دسترس سے دور نہ رہی تھی۔ اور آج اس کی منکوحہ، اس کی زندگی م
ایک بزدل اور انتہائی خوفزدہ سی نظر آنے والی لڑکی اس کی نفی کر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر انتشار یکدم ہی بڑھ گیا تھا۔ وہ باہر نکلا تھا اور اپنے کمرے
تھا۔ اس کے اندر ایک الاؤ دہک رہا تھا۔ احساسِ توہین سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ یقیناً جو ہوا تھا وہ
کئے جانے کے قابل نہ تھا۔ اس کی نفی کے ساتھ اس کی تذلیل بھی کی گئی تھی۔ یقیناً یہ احساس بھلا
سکتا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر کی کیفیت اس کے چہرے پر درج تھی۔ اگر اس گھڑی وہ
سامنے ہوتی تو وہ یقیناً اس کے وجود کو تہس نہس کر چکا ہوتا۔

* * *

ب سیال تنہائی کے ایک گوشے میں بیٹھی کتنی دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی۔ کتنی دیر تک اس کے
آنسوؤں کی صورت اس کے گھٹنوں میں جذب ہوتا رہا تھا۔ کیا سمجھتی تھی وہ اس شخص کو اور کیا نکلا تھا
کے سامنے جو صورتِ حال تھی، جس طرح سبکتگین حیدر لغاری اپنا امیج بنا رہا تھا وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔
ے کیوں اسے کبھی نہیں لگا تھا کہ وہ شخص اس کے لئے بھی کسی طرح کی کسی پریشانی کا باعث ہو سکتا
بھی ایک لمحے کو بھی سوچ نہیں سکی تھی کہ وہ کسی طرح کا کوئی نقصان اسے بھی پہنچا سکتا ہے۔ شاید
بھی کہ جس طرح وہ اس سے لاتعلق نظر آ رہا تھا، نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے باعث وہ کبھی
سوچ کے ساتھ لے ہی نہیں سکی تھی۔ شاید اسی لئے وہ اس کے سنگ چل پڑی تھی۔ بنا کسی خوف
وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنے ہی گھر میں نقب زنی کرے گا۔
ر ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اس اقدام پر مائل ہوا۔
ب سیال نے ازسرِ نو صورتِ حال کا جائزہ لینا شروع کیا تھا۔ کیونکہ یہ توجہ، یہ قرب کا احساس، یہ
تمنا، دسترس میں لینے کی خواہش، رسائی پانے کی لگن، محبت تو قطعاً نہ تھی اور اس سے قبل سردار
حیدر لغاری نے اس سے محبت کا کبھی کوئی دعویٰ کیا بھی نہیں تھا۔ دعویٰ کرنا تو دور کی بات اس کے
رام سے الفت کی یا محبت کی کوئی رمق بھی نہیں ملتی تھی۔ التفات یا نظرِ کرم کی بات بھی دور کی تھی۔ وہ
معاملے میں اس درجہ تک بے نیاز تھا کہ اس کے وجود تک کی خبر نہ تھی۔ جیسے اس کے لئے اس کا
ہونا، ایک سا ہو۔ وہ اس کے ساتھ ہوتی بھی تھی تو اس کی توجہ یا دلچسپی کے معیار کے پیمانے شاید
ف تھے۔ جن پر کم از کم وہ پوری نہیں اترتی تھی۔ پھر کیسے ہوا تھا یہ سب، کس باعث؟
ب وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی منظورِ نظر نہ تھی۔ جب کوئی واسطہ بھی نہ تھا۔ تو پھر اس اجنبیت کے
تک، ایسے کیسے مہربان ہوا تھا وہ؟
تے دن پہلے بھی تو وہ اس کے ساتھ تھی۔ تب تو کچھ نہ ہوا تھا۔ اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ضبط اتنا
ہوتا تو وہ پہلے ہی ہار گیا ہوتا۔ مگر یقیناً ایسا نہیں تھا۔ یقیناً وہ پہلے اس کی توجہ کا مرکز نہیں تھی اور راتوں
رکی جادو نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی جادوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ایک لمحے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری
ہے ڈرامائی انداز میں چرا لے گئی اور وہ فطری عاشقوں کی طرح محبتوں کی انتہائی معراج کو چھونے
سے۔ یقیناً ایسا کوئی خوش کن لمحہ بھی ان کے درمیان نہیں آیا تھا۔ ایسا کوئی حادثہ بھی نہیں ہوا تھا کہ

پل بھر میں جنگل کا جنگل ہرا ہونے کی کیفیت سمجھ میں آسکتی۔

میرب سیال آنسو بہاتے بہاتے یکدم چونکی تھی۔

''آں ـــــ تو تم اس لئے قریب آئے میرے۔ اس لئے ان التفات کی بارشوں کو سنگ آئے کہ مجھے نئے رنگوں سے آشنا کرسکو۔ تم یہ سمجھے کہ میں التفات کی خواہش مند ہوں، تمہاری جا محبت چاہتی ہوں، تمہاری نظرِ کرم کی منتظر ہوں۔ سو تم ایک مہربان بادل بن گئے۔

تم یقیناً سیفی کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو سن چکے تھے اور اس کی باتیں تمہیں تپا گئی تھیں۔ تبھی کہ مجھے تمہاری نوازشوں کی ضرورت ہے اور میں تمہاری جانب سے کسی پیش قدمی کی منتظر ہوں۔

اور تم مہربان بادل بن گئے۔ التفات کی بارش برسانے کو چل پڑے اور میں سمجھ نہ پائی کہ یہ اتن شدید ردعمل بھی ہوسکتا ہے۔ میں سمجھ ہی نہیں پائی اور تم آگے بڑھتے چلے گئے۔ تو تم یہ سمجھے سردا حیدر لغاری! کہ میں قطرہ قطرہ بھیگنے کی خواہش مند ہوں۔ میں بارشوں کا تعاقب کرنا چاہتی خواہشوں کی تتلیاں پکڑنا چاہتی ہوں۔ تم سمجھے کہ میں منتظر ہوں۔ کسی دلربائی کی، تمہاری جانب پذیرائی کی۔ تم سمجھے کہ میں بھی ایک عام سی لڑکی ہوں اور فطرت کے تقاضوں سے روشناس ہو ہوں۔ تو یہ تمام صورتِ حال ایک ردعمل تھا۔ تم سن چکے تھے کہ سیفی کیا کہہ رہا تھا، میں کیا کہہ رہی خوش نہیں تھی تم سے، اور تمہیں خوش کرنے کا انداز یہ نظر آیا کہ مجھے ایسے رنگوں سے رنگ دو جو تمہا طرح جھوٹے اور کچے ہیں۔

چندروزہ رفاقت، چندروزہ التفات۔

چندروزہ مہربانی اور پھر ایک طویل سیاہ رات۔

تم سمجھے کہ میرے فطری تقاضے بھی وہی ہیں۔ وہی توجہ چاہتی ہوں میں۔

تمہارے احساس کی وہی تپش، وہی حدت، وہی گرم جوشی، وہی احساسِ پذیرائی اور تم!

میرب سیال یکدم ہی اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تھی۔ تیزی سے سارا سامان سو میں بھرا تھا اور پرس شولڈر پر ڈال کر سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی باہر نکل آئی۔ کاؤنٹر پر چابی دی تھی او آؤٹ کر کے باہر نکل آئی تھی۔ یقیناً اب اسے اس شخص کے ہمراہ نہیں رہنا تھا۔ اس کے بعد تو قطعاً وہ اس قدر گر سکتا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو اس سے بہت خوفزدہ تھی۔ کتنا رعب تھا اس متاثر تھی۔ وہ تو اس کی سمت نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے بھی ڈرتی تھی۔ کتنا بلند لگتا تھا وہ اسے اور کیسے اک میں ڈھیر ہوا تھا سب کچھ۔

ایک چھوٹی سی معمولی سی بات کا کیسا شدید ردعمل دیا تھا اس شخص نے۔ ایک تو دو دوستوں کے ہونے والی گفتگو اخلاقیات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سنی، پھر اس کے خلاف اقدامات بھی کر اور وہ بھی اس قدر انتہائی اور جارحانہ اقدام۔ تو نیاز مند کرنا چاہتا تھا وہ اسے۔ جب خبر ہوئی تھی وہ اا خائف ہے، خوش نہیں ہے، اس رفاقت سے اس کی وابستگی اس طور نہیں ہے تو وہ تپ گیا تھا۔ یہ جان وہ اس کی جانب سے کچھ اقدامِ خاص کی توقع رکھتی ہے اور وہ اسے نیاز مند کرنے چلا تھا۔ کیا جانا

ی سوچ کتنی سطحی سی ہوگئی تھی۔ کتنا عام، سطحی مرد بن گیا تھا وہ۔

گر گئی تھی وہ اپنی ہی نظروں میں۔ جانے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں وہ کس مقام پر ہو اتنا انتہائی اقدام اٹھانے کا مرتکب ہوا۔

سمجھ رہا ہوگا وہ اسے۔

کا وقار، اس کا تشخص، اس کی انا، اس کی خودداری جیسے پل میں سب ڈھیر ہوگیا تھا۔ کیسا پست لگ ب کچھ۔

ی نمی آنکھوں میں بھر رہی تھی مگر وہ چلتی چلی جارہی تھی۔ قدم من من بھر کے ہورہے تھے۔ ذہن تھا مگر وہ چل رہی تھی۔ اس شخص سے، اس کی پرچھائیں سے بھی دور نکل جانا چاہتی تھی۔ نفرت رہی تھی اسے اس شاہ فطرت شخص سے۔ بلندیوں پر رہنے کا کتنا ڈھونگ کرتا تھا وہ اور درحقیقت ہ پست تھا۔

وچتی بھی تو شاید سمجھ نہ پاتی۔ کبھی کچھ اخذ نہ کرپاتی۔ اس کی سوچ کی رسائی اس مقام تک آئی ہی ر ایسا تھا اور یہ سچ تھا۔ وہ شخص بلند نظر تھا، بلند قامت تھا۔ مگر درحقیقت اس درجہ بلند تھا نہیں۔ ہو کر بھی نہیں گزرا تھا اسے۔

وچ رہی تھی اور خود اپنی نظروں میں گر رہی تھی۔ آخر کیا سوچ کر اس نے پیش قدمی کی تھی۔

درجہ بے وقعت اور ارزاں۔

یہی حیثیت تھی اس کی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں؟ ـــــ کیا یہی مقام تھا اس کا اس ی میں؟

* * *

ریوں اور مجبوریوں کی کہانی بہت جاں گسل تھی۔ وہ جتنا وقت کی فصیلوں کو پاٹنے کی کوشش کرنا چاہتا ملے اتنے ہی صدیوں پر محیط ہوتے چلے جارہے تھے۔

نان علی خان درمیان موجود تمام فاصلوں کو ایک لمحے میں مٹانا چاہتا تھا اور دوسری جانب فاصلے تھے یاں بنتے جارہے تھے۔ ایسے میں کوئی تدبیر کارگر ہوتی تو کس طرح؟

ت متواتر اس کی مخالفت کررہا تھا۔ دل بضد تھا۔

ر ہر اقدام منفی نتائج لا رہا تھا۔

صلوں کی لکیر کو مٹانے کی ہر کوشش جیسے رائیگاں تھی۔ وقت کے ہاتھوں وہ شکست خوردہ تھا مگر دل ان رہا تھا۔ مسلسل کسی ضدی بچے کی مانند ضد کئے جارہا تھا۔

ل شام لامعہ کا فون آیا تھا۔ وہ بتا رہی تھی کہ پی سی میں ان کا کوئی سیمینار ہے۔ وہ یکدم چونکا تھا۔

'تم جاؤ گی؟''

'ہوں۔''

”اوہ—— مگر میرا تو کچھ اور پروگرام تھا۔“

”کیا..... کیا پروگرام تھا تمہارا؟“ لامعہ چونکی تھی۔

”تم تو غالباً بزی ہو آج شام۔ ہم ڈنر کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔“

”اوہ، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تم ایسا کوئی پروگرام بنانے والے ہو؟“

”سرپرائز ڈیئر!“ وہ مسکرایا تھا۔

”تو آجاؤ، ہم وہیں ڈنر ساتھ کرلیں گے۔“

”وہاں غالباً تمہارے فیلوز کی گیدرنگ ہوگی۔ تم خواہ مخواہ ڈسٹرب ہوگی۔“ تعرض برتا تھا۔

”ارے نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہم ڈنر سیمینار کے بعد کریں گے۔ تم اس وقت آنا۔ پہلے چاہو تو ٹھیک ہے۔ بصورت دیگر تمہارے پاس عین ڈنر کے وقت پہنچنے کا آپشن تو موجود ہے نا۔“

”ہاں—— یہ بہتر رہے گا۔“ اس نے سرسری لہجے میں کہا تھا۔ مگر اندر کہیں بہت سی روشن
گئی تھی۔ اور اس شام وہ کتنی اہم ترین اپائنٹمنٹس اور میٹنگز کینسل کرتا ہوا پی سی میں تھا۔

سیمینار کے اختتام پر لامعہ اسے نظر آئی تھی مگر پھر یکدم اس کی ایک دوست اسے کھینچ کر
تھی اور تب وہ منتظر نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔

مضطرب نظریں، بڑی بے قراری سے اس ایک آشنا چہرے کو کھوج رہی تھیں۔ جب وہ
تھی۔ ایک اطمینان دل کے کسی کونے میں پھیلنے لگا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ انابیہ شاہ کی نگاہ بھی اس کی سمت
شاید تبھی وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

”آپ یہاں؟—— حیرت ہے۔ لامعہ نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔“ بات کا آغاز کر
بہانہ درکار تھا۔ سو اس سے مناسب کچھ اور نہ لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر
دی تھی۔

”لامعہ اکثر ایسی باتیں بھول جاتی ہے۔ بائی دی وے، آپ یہاں کیسے؟ کہیں آپ بھی
کرنے تو نہیں آئے؟ حیرت ہے، لامعہ نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔“ وہ جیسے ایک لمحے میں
رہی تھی۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

”گڈ، انٹرسٹنگ۔“ وہ جیسے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ
انابیہ شاہ بہت پُر اعتماد نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو غالباً لامعہ نے انوائٹ کیا ہے۔“

”نہیں—— میں نے اسے انوائٹ کیا ہے۔ ایکچوئیلی ہمارا ڈنر کا پروگرام تھا۔ لامعہ نے
کا کوئی سیمینار ہے۔ میں نے کہا چلو ڈنر کا پروگرام اس کے بعد رکھ لیتے ہیں۔“

”خاصے انڈر اسٹینڈنگ ہیں آپ۔ آپ تو اچھا خاصا سمجھنے لگے ہیں لامعہ کو۔“ انابیہ شاہ مسکرا

ا ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں؟“ وہ جواباً بولا تھا۔ انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

یوں نہیں؟“ اور تبھی وہ چلتے ہوئے آگے بڑھنے لگے تھے۔

یں نے کہا جب کوئی دوست مدد کرنے کو تیار نہیں تو خود ہی کیوں نہ صورت حال کو قابو کرنے کے
زیر ڈھونڈی جائے۔“ وہ بہت اعتماد سے مسکرایا تھا۔

ہیں گریٹ۔“ انابیہ شاہ نے جیسے داد دی تھی۔ ”بہت اچھا سوچا آپ نے۔ زندگی کی ناؤ اپنی ہو تو
کے حوالے نہیں کرتے۔ چلانے کی کوشش آپ کرتے ہیں۔ دیر یا سویر، کوشش کرنے سے چپو
اور
آجاتے ہیں۔“ وہ مسکرائی تھی۔

یے ایک بات بتاؤ، دل کے تالاب میں چپوؤں والی کشتی نہیں چلتی۔ اگر چلائی جائے تو سارا پانی
جاتا ہے اور فقط خالی ریت پر کشتی چلتی نہیں۔“ وہ ہنسی تھی۔ ہنسی بڑی کھلکھلاتی ہوئی تھی۔ عفنان
بہ غور اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے سینکڑوں جگنو چمکنے لگے تھے۔

نان علی خان نے ٹیبل پر اپنے مقابل بیٹھے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ ویٹر دھواں اُڑاتی کافی سرو کر گیا
ں کی توجہ کافی سے زیادہ اس چہرے پر تھی۔

یک بات بتاؤ گی؟“ انداز سرسری تھا۔

ہوں“ انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

تم نے کبھی محبت کی ہے؟“ وہ انتہائی اطمینان سے سوال پوچھ گیا تھا۔

کیا؟“ وہ یکدم چونک پڑی تھی۔

نان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

یہ کیسا سوال ہے؟“ انابیہ شاہ نے جواب دینے سے تعرض برتا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔ محظوظ ہونے کا
دلفریب تھا۔ انابیہ شاہ سر جھکا کر کافی کے سپ لینے لگی تھی۔

اظہار کے کون سے طریقے کارگر ہو سکتے ہیں؟ یقین دلانے کے راستے کیا ہو سکتے ہیں؟“ بہت
مل کئے گئے سوال میں ہزاروں معنی پنہاں تھے۔

دیئر آر لاٹس آف ویز فور ٹیلنگ۔“ انابیہ شاہ نے شانے اچکاتے ہوئے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

کیا کہوں اور کیسے، کیا کہہ دوں کہ...... کہ میں تمہیں ہر سمت سے اپنے قبضے میں کرلینے کا خواہاں
ان سمتوں میں حسد بھی شامل ہے۔ کاش....... کاش میں تمہاری خواب گاہ کا وارڈ روب ہوتا، کاش
اپنے سارے خواب رکھتیں—— تمہارے کئی خوابوں تک میری رسائی ممکن ہوتی۔“

لہجے میں وہ کافی کے کپ کو بہ غور تکتے ہوئے کہہ رہا تھا اور انابیہ شاہ ساکت سی بیٹھی اس کی سمت
تھی۔ تبھی اس نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

کیا ایسا کہنا مناسب ہوگا؟“ بہ غور اسے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ابیہ شاہ نے اس کی آنکھوں کی سمت دیکھا تھا پھر شانے اچکاتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر اسی
لہجے میں بولی تھی۔

”کہنے کے لئے بے تحاشا لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔“

”تو پھر؟“ وہ مسکرایا تھا۔

”پتہ نہیں۔ شاید میں نہیں جانتی۔“ وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔

”لامعہ کی دوست ہو اور اتنی سی مدد نہیں کرسکتیں۔“

”تمہیں ہر بار یہ کیوں لگتا ہے کہ میں کوئی خدائی فوج دار ہوں۔ یا پھر کوئی ہیلپ لائن؟ نے جواز چاہا تھا۔

عفنان علی خان ہنس دیا تھا۔

”مجھے ایسا ہرگز نہیں لگتا۔ مگر میں مدد کس سے مانگوں۔ تم جھیل سی گہری ہو اور ایسے لوگ بڑ کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی سوچ بھی اسی قدر وسعت رکھتی ہے۔“

”اور لامعہ حق جھیل سی گہری نہیں ہے نا؟“ وہ اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔ وہ ہنس

”تمہیں یاد ہے اب تک؟“

”میں ایسی باتیں نہیں بھولتی۔“

”اور کیا کیا یاد ہے تمہیں؟“ بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

”وہ سب کچھ جو میں یاد رکھنا چاہتی ہوں۔“

”تھینکس۔“ وہ بہت دلکشی سے مسکرایا تھا۔

”فور وہاٹ؟“ وہ چونکی تھی۔

”تم نے مجھے اپنی سوچوں میں زندہ رکھا، یادوں میں تازہ رکھا۔“ وہ ہنسا تھا۔ ”تم باتیں اہم شاید مجھے پہلی بار ادراک ہو رہا ہے کہ خوب صورت لڑکیاں باتیں بھی خوب صورت کرتی ہیں۔“

”یہ اعتراف ہے یا سنگین اعتراف؟“ وہ بنا متاثر ہوئے گویا ہوئی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا

”اعتراف......اعترافِ شکست کہوں تو شاید زیادہ مناسب لگے۔“ جملہ ذو معنی تھا۔ کئی تھے۔ انابیہ شاہ نگاہ کا زاویہ پھیر گئی تھی۔

”بتایا نہیں تم نے۔“

”کیا؟“ وہ چونکی تھی۔

”تمہیں کبھی محبت ہوئی یا نہیں؟“

”بہت فضول سوال نہیں یہ؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بہت پُر اعتماد انداز م پھر یکدم رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

”تھینکس فور یور کافی۔ لامعہ کو آنے میں شاید دیر لگے گی۔ مجھے جانا ہوگا اب۔“ وہ کہنے اس کی سمت ایک مروت سے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان تادیر اس پُر اعتماد قدم اٹھاتی لڑکی کو تکتا رہا تھا۔

* * *

سردار سبکتگین حیدر لغاری چت اپنے بیڈ پر پڑا تھا جب یکدم ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا اور وہ تیزی اٹھ کر باہر کی سمت دوڑا تھا۔ پہلی فرصت میں اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا مگر کمرہ لاک تھا۔ یقیناً وہ نہیں تھی۔ وہ بڑی عجلت میں ریسیپشن پر پہنچا تھا۔ اس کی بابت دریافت کیا تھا۔

”جناب! وہ تو ابھی تھوڑی دیر قبل چیک آؤٹ کر گئی ہیں۔“ ریسپشنسٹ نے شستہ انگریزی میں مطلع کیا اور دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے باہر کی سمت دوڑ لگا دی تھی۔ نگاہ بہت بے قراری سے ڈھونڈ رہی تھی لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ باہر کی سمت دوڑا تھا۔ تبھی وہ اسے دور سے ئی دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بڑی سرعت سے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ وہ تیزی آگے بڑھ رہی تھی جب وہ اس کے سامنے جا رکا تھا۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ موسم خراب تھا۔ میرب نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ بھیگی پلکوں پر بہت سے موتی اب بھی چمک رہے تھے۔ سردار گین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ سے سامان لینا چاہا تھا مگر وہ مزاحمت کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کا بھاری ہاتھ اٹھا تھا اور میرب سیال کے چہرے پر اپنا نشان ثبت کر گیا تھا۔

ب سیال ساکت سی اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

بوندا باندی کے تسلسل میں یکدم ہی تیزی آ گئی تھی۔ تیز بوچھاڑ انہیں بھگونے لگی تھی۔ سردار سبکتگین لغاری انتہائی خشمگیں نظروں سے تکتا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ میرب سیال کی ساکت نظریں کسی حیرت سے اس کی سمت اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اسی طرح ساکت و جامد کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر نے اپنا مضبوط آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی کو تھاما تھا۔ مگر وہ مزاحمت کرتی ہوئی چیخ پڑی تھی۔

”مجھے نہیں رہنا ہے تمہارے ساتھ —— کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ ایسا؟ کیا سمجھتے ہو تم؟ کیا با اختیار ہو؟ سب کچھ روا رکھ سکتے ہو، جو چاہو کر سکتے ہو، حاکم و مختار ہو، دنیا کو اپنی مٹھی میں لئے تے ہو، جب چاہو، جو چاہو کر سکتے ہو۔ لیکن میں نہیں ڈرتی ہوں تم سے۔ سنا تم نے۔ کوئی خوف نہیں مجھے تمہارا۔ تم کس حد تک جا سکتے ہو، جان گئی ہوں میں۔ کتنا بلند جانا تھا میں نے تمہیں مگر بہت کھوکھلے
“

بارش میں بھیگی ہوئی انتہائی نفرت سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکتی وہ چیخ رہی تھی۔ لہجہ اور ز بے خوف تھا۔ اگرچہ میرب کی کلائی اب بھی اس آہنی گرفت میں تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں سے بہت تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے اور انتہائی قدری سے بارش کے پانیوں میں مل کر ضائع ہو رہے تھے۔

”کیا سمجھتے ہو تم؟ تمہاری قربتوں کی متلاشی ہوں میں۔ تم جیسے شخص کی ہمراہی کی خواہاں ہوں۔ کیا اخذ تم نے۔ کیا چاہتی ہوں میں تم سے، ایسی قربت، ایسی محبت، ایسا التفات، ایسا کرم، کیا سمجھے تم سردار گین حیدر لغاری! کیا اخذ کر کے تم نے ایسا اقدام اٹھایا؟ کیسے تمہیں لگا کہ میں تمہاری سرد مہری سے عاجز ہوں اور تمہاری کسی گرم جوشی کی خواہاں ہوں۔ تم کتنے سطحی مرد ہو، یہ اچھی طرح جان گئی ہوں میں۔ تمہیں کیسے لگا کہ میں ایک اتنی ارزاں سی لڑکی ہوں جسے حاصل کرنا تمہارے لئے اتنا آسان رہے گا۔ تو

اس لئے لائے تھے تم مجھے یہاں۔ اس مقصد کے لئے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! مجھے تمہارے متع کر بھی گھن آ رہی ہے۔ حیرت ہے، تمہیں احساس تک نہیں۔ تم نے مجھے انہی لڑکیوں کی قطار م کھڑا کیا جن کا گزر مجھ سے قبل تمہاری زندگی میں تھا۔ میں تمہارے قریب تھی۔ تمہارے نام سے تھی اور تمہیں لگا میں سہل الحصول ہوں۔ تمہارے اختیار میں ہوں۔ مکمل استحقاق رکھتے ہو تم۔ جو چاہ رہ سکتے ہو۔“

بارش زوروں پر تھی۔ موسم میں خنکی بڑھنے لگی تھی مگر اسے احساس تک نہ تھا، اس کا چہرہ زرد پڑ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ میں موجود اس کا ہاتھ بالکل یخ ہو رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغار سمت اٹھی نظروں میں نفرت ہی نفرت تھی اس لمحے۔ اور یہ پہلا احساس تھا جو اس نے برتا تھا۔ اس اسے کبھی اس بات کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ بے تاثر چہرے اور ساکت آنکھوں کے ساتھ وہ اسے دیکھتا رہا یکدم اسے کھینچتے ہوئے آگے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

انداز جارحانہ تھا۔ آنکھیں بے تاثر تھیں۔

مگر شاید اس سکون کے پیچھے کوئی بہت بڑا طوفان چھپا ہوا تھا۔ ان خاموشی کی تہوں میں کوئی بھو ضرور تھا۔ کہیں کوئی انتشار ضرور تھا جو بہ ظاہر نظر نہیں آ رہا تھا مگر کہیں موجود تھا ضرور۔

وہ میرب سیال کی کلائی پر اسی درجہ مضبوط گرفت رکھے آگے بڑھا تھا اور میرب سیال اس کے کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ میرب سیال کا دل جیسے تھمنے کو تھا۔ دھڑکنیں جیسے مدھم پڑتی محسوس ہو رہی تھ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ سارا وجود سرد پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ ہمتیں جیسے ٹوٹ رہی تھ اس میں دو قدم چلنے کی بھی جیسے سکت نہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بازو سے تھامے گھسیٹتا چلا جا رہا جب یکدم ہی اس کی ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا اور وہ ہوئی اس کے بازوؤں میں آ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہوش و خرد سے بیگانہ چہرے کی سمت ایک نگاہ کی تھی۔ بانہوں میں موجود اس جھولتے ہوئے وجود کو دیکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جو دھواں دھار اس کے خلا بول رہی تھی اس گھڑی وہ اس کی پناہ میں ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہوئے ہونٹوں اور بے تاثر آنکھوں کے ساتھ اس وجود کو دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس بے ہوش کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل جن آنکھوں سے نفرت پھوٹ رہی تھی وہ بند تھیں۔ جس زبان سے زہر اگلا تھا وہ چپ تھی۔ وہ وجود ہوش و خرد سے بیگانہ اس کے رحم و کرم پر تھا۔ سارے دعوے بے کار رہے تھ اس لمحے وہ اسی کے بازوؤں میں تھی جس کے لئے اس کے اندر حد درجہ کدورت تھی، نفرت تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے نازک وجود کو بازوؤں میں لئے ہوٹل کی سمت بڑھ رہا تھا۔

❄ ❄ ❄

مہندی کی تقریب تھی۔ سب میوزک پر بھنگڑا کر رہے تھے۔ ساہیہ خان بھی پیش پیش تھی۔ نہ صرف

رف تھی۔ بلکہ متواتر اسے بھی کھینچ رہی تھی۔ مگر ازہان حسن بخاری مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

”کیا ہے؟ ——— کتنے پکے مشرقی ٹائپ مرد ہو تم۔“ وہ چھیڑ رہی تھی۔ مگر وہ ہنس دیا تھا۔

”میرے لئے تم اتنا سا بھی نہیں کر سکتے ہو؟“ ساہیہ نے گھورا تھا۔

”مجھے یہ سب بالکل بھی نہیں آتا۔“

”لیکن اکینے کی شادی پر تو تم نے خوب ہلا گلا کیا تھا۔“ جتایا تھا۔

وہ حیران ہوا تھا۔

”تمہیں کس نے بتایا؟ ——— تب تو تم یہاں پر تھیں بھی نہیں۔“

”تم کیا سمجھتے ہو، یہاں پر نہیں ہوں گی تو کیا یہاں سے ناواقف بھی ہوں گی؟“ وہ مسکرائی تھی۔

وہ چونکا تھا۔

”یعنی تم یہاں کی برابر خبر رکھے ہوئے تھیں۔“

”ہاں۔“

”اور میری؟“ وہ مسکرایا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”بطورِ خاص تمہاری نہیں۔“

”لگ تو یونہی رہا ہے۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”غلط لگ رہا ہے۔ خوش فہمی زیادہ ہونے لگی ہے تمہیں۔ علاج کراؤ۔“ ساہیہ خان شرارت سے مسکرا ائی۔ مگر وہ ہنس دیا تھا۔

”ایسے ایک کونے میں گھسے کھڑے رہو گے تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔ کل کوئی تمہاری شادی بھی بھنگڑا نہیں کرے گا۔“ مسکراتے ہوئے جتایا تھا۔

”اچھا؟“ وہ کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

”نحوست۔ کوئی جوک نہیں ہے یہ۔ پہلی بار کسی لڑکے کو شرماتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔“ طعنہ دے کر پھیر لیا تھا۔

ازہان حسن بخاری نے اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھا تھا پھر اس کو شانوں سے تھام کر رخ اپنی ف پھیر لیا تھا۔ چند ثانیوں تک بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیما سا تبسم لبوں پر تھا۔ بہ غور اس کی آنکھوں ار دیکھتا رہا۔ ساہیہ خان اس کے انداز پر اسے چند ثانیوں تک یونہی تکتی رہی تھی۔ پھر چہرے کا رخ پھیر کرا دی تھی۔

”شرمانے، گھبرانے والوں کو اور کیا کہتے ہیں ازہان حسن بخاری؟“ انداز چھیڑنے والا تھا۔ وہ مسکرا ائی۔ رخسار پر پڑنے والا ڈمپل بہت بھلا لگ رہا تھا۔ وہ شاید پھر کسی شرارت کے موڈ میں تھی۔ اسے رنا بے وجہ نہ تھا۔

ازہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا پھر دایاں ہاتھ بڑھا کر شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو بہت ہولے سے اپنی طرف پھیرا تھا اور بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے بہ غور اس چہرے کو

دیکھا تھا۔

’’شرمانے، گھبرانے والوں کو جو بھی کہتے ہوں مگر اذہان حسن بخاری قطعاً نہیں کہتے۔‘‘

’’تو پھر کیا کہتے ہیں؟‘‘ ساہیہ خان نے شرارت سے چھیڑا تھا۔ اذہان حسن بخاری اسے چند تک خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر یکدم اس کا نازک ہاتھ تھام کر اس ہجوم کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

اوہ لے گئی میری بانہہ پھڑ کے
اوہ لے گئی میری بانہہ پھڑ کے

گانے والے کی آواز فضا میں گونج رہی تھی اور اذہان حسن بخاری کے قدم اس ردھم میوزک اٹھنے لگے تھے۔ وہ نہ صرف خود جھوم رہا تھا بلکہ ساہیہ خان کو بھی اپنے سنگ بھنگڑا کرنے پر مجبور کر ساہیہ خان جہاں حیران ہوئی تھیں وہیں مسکرا بھی رہی تھی۔

’’بہانے تو ایسے بنا رہے تھے جیسے سرے سے واقف ہی نہیں۔ قطعی نابلد ہو۔‘‘

’’تمہیں آزما رہا تھا۔‘‘

’’اور میں تو جیسے بے وقوف بن گئی تھی۔‘‘

’’لگ تو ایسے ہی رہا تھا۔‘‘

’’اور اگر میں کہوں کہ میں فقط چھیڑ رہی تھی تو؟‘‘ شرارت سے بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکتے مسکرائی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

جوش نال پاؤ بھنگڑا
جوش نال پاؤ بھنگڑا

میوزک مکمل طور پر ردھم میں تھا۔

’’اور اگر میں کہوں کہ میں جانتا تھا، تو؟‘‘

’’تو میں کہوں گی یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں تھا۔‘‘ اسے رد کیا تھا۔

’’پھر...... پھر کیا تھا؟‘‘ وہ جاننے پر بضد ہوا تھا۔ ساہیہ مسکراتی ہوئی گھومی تھی۔

جوش نال پاؤ بھنگڑا
جوش نال پاؤ بھنگڑا

اس کی توجہ غالباً مکمل طور پر اس جانب نہ تھی۔ پاؤں یکدم مڑا تھا، وہ لڑکھڑائی تھی، تبھی اذہان بخاری نے انتہائی سرعت سے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

اک خوشبو کا گھیراؤ بہت دلفریب تھا۔ بات لمحہ بھر کی تھی مگر ساہیہ خان کی دھڑکنوں میں یکدم ہی ارتعاش سا ہوا تھا۔ کتنی گرم گرم سانسوں کو اس نے اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ جان یکدم ہی ایک میں گھرنے لگی تھی۔ ایک مشکل اس افسوں کو اور بھی بڑھانے لگی تھی۔

’’آر یو آل رائٹ؟‘‘ اذہان حسن بخاری نے اسی طرح اسے اپنے حصار میں تھامے ہوئے شہاد انگلی سے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو قدرے اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ ساہیہ خان

یں ہلایا تھا اور پھر دھیان پھیرتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے حصار سے نکلنا چاہا تھا۔ مگر
رف اذہان حسن بخاری جیسے شرارت پر مائل تھا۔ بازوؤں کا گھیرا کھولنے کا ارادہ ملتوی کرتے
ی قدر شرارت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ ساہیہ خان نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ
تھا۔ آنکھوں میں شرارت رکی ہوئی تھی۔

ہوڑ دو مجھے۔‘‘ دھیمے لہجے میں جیسے کوئی درخواست ہوئی تھی۔

ر میں کہوں، نہیں۔‘‘ وہ شرارت سے مدھم سی سرگوشی کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

ہان حسن بخاری!‘‘ ساہیہ نے سر اٹھا کر کسی قدر خفگی سے تکتے ہوئے ڈپٹا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا
ہی بازوؤں کا گھیرا کھول کر اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔ ساہیہ نے خجل سی ہو کر ہاتھ کا
سا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا اور سر جھکا کر یونہی زرتار بلیو دوپٹے کو درست کرنے لگی

یہ خان کے چہرے کی حالت کچھ متغیر تھی۔ وہ اس کی سمت سے نگاہ اب بھی پھیرے ہوئے تھی۔

ب بات کہوں؟‘‘ اذہان حسن بخاری اس کے چہرے کی کیفیت کو بہ غور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

ں۔‘‘ ساہیہ نے خود کو معمول پر ظاہر کرنے کو چہرے پر ایک اطمینان بھری دھیمی سی مسکراہٹ سجا کر
ت دیکھا تھا مگر اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

شرماتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔‘‘ عجب انکشاف تھا۔ ساہیہ حیران رہ گئی تھی۔

ہان!‘‘

وہ شرارت پر بضد نظر آ رہا تھا۔ قدرے جھکا تھا۔

کہہ رہا ہوں —— یقین نہ ہو تو آئینہ دیکھ لو۔ تکلف کی ضرورت نہیں، میری آنکھیں حاضر ہیں۔
نا اپنا عکس دیکھ کر اندازہ لگا سکتی ہو۔‘‘ مدھم لہجے میں کی گئی پیشکش عجب دلربا تھی۔ وہ ساکت سی تکتی
ا۔

سا بات کا؟‘‘ بے دھیانی میں جیسے لبوں پر سے پھسلا تھا۔

نا حسن بخاری کے لبوں کی دھیمی مسکراہٹ یکدم ہی قہقہے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

تنی بے وقوف لگ رہی ہو۔‘‘

ہان!‘‘ وہ چیخی تھی۔ مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ جانے کے لئے آگے بڑھی تھی مگر تبھی عین اسی
نا حسن بخاری نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ساہیہ خان گردن کا رخ
ا کی سمت تکنے لگی تھی۔

یہ بھنگڑا نہیں کرو گی میرے ساتھ؟‘‘ لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ میں عجب ایک شرارت تھی۔ ساہیہ
دیکھا تھا، پھر اس کا فطری اعتماد عود کر آیا تھا۔

ں۔ تم یہ شوق تنہا پورا کر لو۔‘‘

ن یہاں پر آنے کے لئے تمہی نے مجبور کیا تھا۔ احساس دلایا تھا۔‘‘

''اذہان حسن بخاری! میں نے جتنا ساتھ دینا تھا، دے دیا۔ اب تم اکیلے ہی انجوائے کرو کر سکتے ہو تو کسی اور کو تلاش کر لو۔''

''اوہ —— کیا واقعی تلاش کر لوں؟'' سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ ہنس د

''آف کورس۔'' اجازت دی تھی۔

''تمہیں برا تو نہیں لگے گا؟''

''مجھے ...... مجھے کیوں برا لگے گا؟'' اور جواباً اس کا قہقہہ بے حد برجستہ تھا۔ وہ کھلکھلا کر تھا اور تبھی ساہیہ خان ہاتھ چھڑا کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

* * *

عفنان علی خان دادا ابا سے مل کر نکل رہا تھا جب انابیہ شاہ اسے تالاب کے کنارے بیٹھی رات کا پہر اور اس پر چودھویں شب کا چاند آسمان کے عین وسط میں، حُسن ایسے میں کچھ اور نکھر مدھم روشنی میں وہ ایک عجب تاثر دے رہی تھی۔ چاند کی پہلی روشنی کا عکس اس کے چہرے وقت دو چاند اپنا عکس تالاب کے پانی پر چھوڑ رہے تھے۔ تالاب کا پانی اس لمحے روشنی اور نور تھا۔ ایک عجب سی روشنی پھوٹ رہی تھی اس پانی سے۔ سارا پانی جیسے سونا ہو گیا تھا۔

عفنان علی خان نے پھر قدم اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔

''عجب معجزہ ہے یہ۔ آنکھوں کو یقین نہیں ہوتا۔ کیسی کیسی کرشمہ سازیاں ہو سکتی ہیں۔ سوچ رہ جاتی ہے۔'' بہت ہولے سے وہ گویا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ جو کسی قدر محو تھی، قدرے چونکتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''کچھ کہہ رہے تھے آپ؟''

''کہہ چکے۔ غالباً اب کچھ باقی بچا نہیں۔''

انابیہ شاہ نے فقط اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''حُسن اور افسوں ایک ساتھ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ شاید تبھی اس قدر حیران ہوں۔'' وہ انابیہ شاہ حیران ہوئی تھی۔ شاید تبھی کسی قدر چونکتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی مگر وہ مسکرا نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں چاند کی بابت بات کر رہا ہوں۔ چاندنی راتوں کے متعلق اس سے قبل فقط سوچا تھا، سنا تھا۔ دیکھا کبھی نہیں تھا۔ یہ واقعی حیران کن ہے۔ یہ چاند، عکس، یہ بھیگی بھیگی سی روشنی، آنکھیں خیرہ کیوں نہ ہوں۔'' بہت مبہم سا مسکرایا تھا۔ ''شاید تم ای تھیں۔''

انابیہ شاہ اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی مگر وہ اس چہرے کو بہ غور تکتا رہا تھا۔

''کچھ کہہ رہے ہیں آپ؟''

عفنان علی خان بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''آپ سی گہری آنکھوں والے جب ساحل پر آتے ہیں
لہریں شور مچاتی ہیں لو آج سمندر ڈوب گیا

میں سوچ رہا تھا اگر چاند کی آنکھیں ہوتیں تو وہ کیسا نظر آتا؟'' اس نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔

شاہ اس کی بات پر اب کے چونکی نہیں تھی، ہاں کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

''چاند کی آنکھیں؟ —— چاند کی آنکھیں کس طرح ہو سکتی ہیں؟ یہ خیال تمہارے ذہن میں کیسے ؟''

''یونہی۔ ویسے اگر ایسا ہو تو کتنا بھلا لگے۔ بائے دی وے تم نے کبھی ایسا سوچا ہے؟''

''اوں، ہوں۔ غالباً میں ایسی فضول باتیں نہیں سوچتی۔'' انابیہ شاہ نے پُر افسوس لہجے میں کہتے ہوئے ی میں ہلایا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''میں نے دیکھا ہے۔'' انداز مسرور تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''چاند کے چہرے پر دو خوب صورت آنکھوں کا پہرہ
آپ کی صورت سے ملتا ایک چہرہ دیکھا ہے
نیلے گہرے آساں میں، روشنی کا اک جزیرہ دیکھا ہے۔''

وہ مکمل طور پر مسرور نظر آ رہا تھا۔ باتیں سرگوشیوں جیسی تھیں۔ لہجہ اور انداز پُرفسوں تھا۔ اور انابیہ شاہ ی قدر حیرت سے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔

''آپ خود کلامی کے مرض میں مبتلا ہیں۔''

''نہیں —— غالباً مجھے خود سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ مگر اس لمحے میرا مخاطب چاند ہے۔ آسمان لی دُور وسعتوں میں وہ ایک چاند جو حسین ہے۔ بے حد حسین۔ دلفریب اتنا ہے کہ دل اسے پانے کو پل ر میں مچل جائے۔ ہاتھ تھامنے کو ایک لمحے میں اُٹھ جائیں۔ آنکھیں اسے دیکھیں اور دیکھتے رہنے کے ر میں مبتلا ہو جائیں۔ خواہشیں بے انت سمندر ہو جائیں اور سارے لمحے خواب خواب لگنے لگیں۔ مجھے ں چاند کے متعلق سوچنا اچھا لگتا ہے۔ باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ وہ میرے سارے حوالوں میں ہے، ساری باتوں میں ہے۔ میرے سارے قصے اسی سے منسوب ہیں۔ ساری کتھائیں اسی سے وابستہ ہیں۔ مجھے اچھا لگتا ہے اسے دیکھنا، اسے دیکھتے رہنا، اسے سوچنا اور پہروں سوچتے رہنا۔ اس کا ذکر لمحہ لمحہ خود سے کرنا اور اسے کبھی جتانا نہیں، اسے خوابوں میں ملنا، پانا اور لمحہ لمحہ کھو جانا —— مجھے اچھا لگتا ہے اس کے سنگ رہنا، قلیل ترین لمحوں میں ملنا۔ کبھی فقط ایک لمحے کا دیکھنا۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ یہ دوری اور مجبوری کی کہانی بڑی پُر لطف اور دلفریب ہے۔ شاید باتوں میں، میں اسے بیان نہ کر سکوں۔ نہ تم سمجھ سکو۔''

وہ اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ وہ اب کے بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''لامعہ سے پوچھوں گی۔''

''کیا؟''

”وہ کیسے ہضم کر لیتی ہے اتنی مشکل باتیں؟“ وہ مسکرا رہی تھی۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

”شاید اس لئے کہ اسے کبھی کچھ سننے کا اتفاق ہوا ہی نہیں۔“

”یعنی؟“ وہ چونکی تھی۔

”مشکل باتیں اس کی عقل میں ذرا کم ہی آتی ہیں۔“ وہ اس ذکر سے جیسے خوش نہیں ہوا تھا
ختم کرنا چاہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

”لامعہ کو پتہ چلے کہ تم اس کے متعلق ایسا سوچتے ہو تو یقیناً نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔“ عفنان علی
دیا تھا۔ پھر اس کی سمت بہ غور تکنے لگا تھا۔

”تم مجھے جتا رہی ہو یا ڈرا رہی ہو؟“

”کیا تم ڈر رہے ہو؟“ وہ محظوظ ہوتی ہوئی مسکرائی تھی۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا

”تمہیں میں اس درجہ چکن ہارٹ نظر آتا ہوں؟“

”پتہ نہیں۔“ انابیہ شاہ نے بے نیازی سے شانے اچکائے تھے۔ ”میں کوئی قیاس نہیں کر سکتی۔“

”کوشش بھی نہیں کرو گی؟“

”میں فضول قسم کے کاموں کے لئے وقت صرف نہیں کرتی۔ تم غالباً لامعہ کے متعلق بات کر
تھے۔“ انابیہ شاہ نے اسے یقین دلایا تھا۔

”اوں، ہوں۔“ سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ ”میں غالباً چاند کے متعلق بات کر رہا تھا
موضوعِ گفتگو یہ پُرفسوں چاند تھا۔ جس کا عکس پانی میں ہے۔“ نگاہ تالاب کی سمت کر کے اشارہ
جہاں انابیہ شاہ کے چہرے کا عکس چاند کے عکس کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔

انابیہ شاہ حیران سی ہو کر تالاب کے پانی کی سمت تکنے لگی تھی۔

”اوہ —— مگر یہ تو فقط عکس ہے۔ فقط ایک شباہت۔ اور شباہتوں کی حقیقت کچھ خوش آئند
ہوتی۔“ انابیہ شاہ نے جیسے اسے ڈرایا تھا۔ مگر وہ مسرور سا مسکرا دیا تھا۔

”تم نے کبھی خواب دیکھے ہیں انابیہ شاہ؟“

”خواب دیکھنا اور بات ہے عفنان علی خان! اور خوابوں میں جا کر رہنا اور بات۔ بہت سے
خوابوں میں زندگی بسر کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھے خواب دیکھنا تو اچھا لگتا ہے مگر خوابوں میں عم
نہیں۔ میں اس مقولے پر عمل کرتی ہوں۔

خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لئے
ان میں جا کر مگر رہا نہ کرو“

”دلچسپ۔“ وہ متاثر ہو کر مسکرایا تھا۔ ”میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔“

”کیا؟“

خوب صورت لڑکیاں اتنی ذہین کیوں ہوتی ہیں۔“

شاید اس لئے کہ کوئی انہیں بے وقوف نہ بنا سکے۔“

لیکن ہر خوب صورت لڑکی کا ذہین ہونا بھی شرط نہیں۔“

اپنے کہے کو خود آپ جھٹلا رہے ہیں عفنان علی خان!“

اوں، ہوں۔“ وہ مسکرایا تھا۔ ”غالباً میں ایک وضاحت دینا بھول گیا تھا۔“

لامعہ حق کی ہمت کی داد دینا پڑے گی۔“ وہ مسکرائی تھی۔

تم ہر بات میں بے چاری لامعہ حق کو کان سے پکڑ کر کیوں کھینچ لاتی ہو؟“

کیوں، تمہیں اچھا نہیں لگتا؟“ انابیہ شاہ نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جواب دیئے بغیر تالاب کی
لچسپی سے تکنے لگا تھا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟“ انابیہ شاہ کو تشویش ہوئی تھی۔

اپنے چاند کو۔“ وہ مسرور سا مسکرایا تھا۔

روبرو تکنے کی ہمت نہیں یا برداشت نہیں؟“ وہ مسکراتے ہوئے جیسے چھیڑ رہی تھی۔ وہ بہ غور اس کی
تا ہوا مسکرا دیا تھا۔

ہمت تو ہے۔ مگر ڈرتا ہوں۔“ مدھم لہجے میں کئی بھید چھپے تھے۔

کس بات سے؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ چند ثانیوں تک اس کی سمت تکتا رہا تھا پھر بہت دھیمے سے
یا تھا۔

چاند برا مان جائے گا۔“ جواب بہت غیر متوقع تھا۔ شاید تبھی انابیہ شاہ مزید کچھ نہیں بولی تھی بلکہ اس
ت سے نگاہ بھی پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

چلتا ہوں۔“ ایک نگاہِ خاص اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے پلٹ کر
بڑھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ یکدم اٹھی تھی اور اندر کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

* * *

رب سیال نے آنکھیں کھول کر کمرے کے ماحول کو دیکھا تھا۔ فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔ مگر
رفتہ سب منظر آنکھوں کے سامنے واضح ہونے لگے تھے۔ ساتھ ہی ذہن کے تمام طبق بھی روشن ہو
تھے۔ وہ یکدم ہی اٹھ بیٹھی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کمرے میں نہیں تھا اور وہ اس وقت یقیناً اُس کے کمرے میں تھی۔

ایک شدید طور کا احساسِ عدم تحفظ اس کے اندر اُبھرا تھا۔ دل یکدم ہی کسی خوف سے بھر گیا تھا۔ اس
یک طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی تھی۔ عجب سکوت سا تھا کمرے میں۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری اس
رے میں نہ تھا۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھی خالی ذہن اور خالی خالی نظروں سے ہر شے کو دیکھتی
ی۔ عجب ایک وحشت سی اس کے اندر اس لمحے پھیلی ہوئی تھی۔ دل وہاں سے لمحہ بھر میں بھاگ جانے
او رہا تھا۔ مگر شاید ایسا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ زندگی نے اسے عجب ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

جہاں پر کھڑی وہ عجب اُلجھن میں تھی۔ ہر سمت جیسے تاریکی کے گہرے سائے تھے اور اس کی بجھ رہا تھا، کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ جانے اس سے آگے کی راہ کیا تھی۔ فی الحال تو سارے منظ دُھند میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ نہ اس راہ پر آگے بڑھ سکتی تھی نہ ہی واپس پیچھے پلٹ سکتی تھی۔

کوئی بھی فیصلہ کرنا جیسے اس کے لئے آسان نہ تھا یا پھر صورتِ حال ہی اتنی پیچیدہ تھی کہ را مل نہ رہی تھی، کوئی سرا ہاتھ آ نہ رہا تھا، کوئی گرہ کھل نہ رہی تھی۔ وہ بس حواس باختہ سی تاریکیوں کھڑی تھی۔ لیکن یہ طے شدہ بات تھی کہ اسے ان تاریکیوں میں سدا نہیں رہنا تھا۔ اسے یہاں راہ سوچنا تھی۔ یہاں سے نکلنے کی تدبیر سوچنا تھی اور یقیناً یہ آسان نہ تھا۔ مگر اسے اس مشکل کو حل اپنی پوری عقل کے ساتھ، پورے ذہن کے ساتھ، مکمل ہوش مندی اور خردمندی کے ساتھ۔ کوئی جا کی بات نہ تھی یہ۔ سو کوئی جذباتی قسم کا فیصلہ نہیں کرنا تھا اسے۔ اگرچہ جس طرح کی صورت حا درپیش تھی وہ فی الفور اس سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر یقیناً ایسا ممکن نہ تھا۔ اسے یہاں سے نکلنا تھ پوری خردمندی اور عقل کو بیدار رکھتے ہوئے۔

وہ اسی طرح خالی خالی آنکھوں سے مناظر کو دیکھ رہی تھی جب کمرے میں آہٹ ہوئی تھی۔ اس کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ناشتے کی ٹرے لئے اس کے سامنے موجود تھا۔ جانے کب درواز اور کب وہ اندر داخل ہوا تھا۔ وہ خود میں اتنی گم تھی کہ جان ہی نہ پائی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے پاس آ کے رکا تھا۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر اس نہیں دیکھا تھا۔ بہت ہولے سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ناشتے ک بیڈ پر دھرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

”میرے خیال میں تمہیں پہلے ناشتہ کر لینا چاہئے۔ باقی کے تمام ضروری امور اس کے بعد اٹھا رکھنے چاہئیں۔“ وہ اس کی سمت تکتا ہوا بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

میرب سیال نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا، نگاہ پھیرے رکھی تھی۔ مگر دل میں یکدم ہی جانے بہت سا خوف بھر گیا تھا۔ دھڑکنیں معمول پر نہ رہی تھیں۔ یکدم ہی ایک ارتعاش سا سارے وجود میں تھا۔ یقیناً یہ کیفیت خوف کی تھی، عدم تحفظ کی تھی۔ وہ اس پناہ میں، اس قرب میں خود کو محفوظ نہیں جان تھی۔ کوئی احساس خوف بن کر رگ و پے میں سرائیت کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے سا بیٹھا تھا۔ انداز بے تاثر تھا۔ کوئی اقدام ناپید تھا۔ کچھ ہونے یا نہ ہونے کا احتمال بھی نہ تھا مگر اس کے با میرب سیال کی دھڑکنوں میں خوف کی ایک واضح نشاندہی مل رہی تھی۔

رات کے متعلق وہ نہیں جانتی تھی۔ بے ہوشی میں سارے احساس جیسے منجمد ہو گئے تھے۔ کسی با کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ مگر اب وہ کیفیت باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ خردمندی سے پورے ہوش و حواس رکھے اس شخص کے سامنے تھی۔ مگر اس کے باوجود خوفزدہ تھی۔ شاید یہ سارے خوف اسی بیداری کے ہیں۔

رات وہ اس کے رحم و کرم پر تھی۔ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ وہ ا

رے میں لے آیا تھا۔ ہیٹر آن کر کے، اپنا کمبل اس کو اوڑھایا تھا۔ وہ یقیناً اس کے قریب تھا۔ مگر وہ ہیں جانتی تھی۔

رب سیال رات والی اور اب کی کیفیت میں واضح فرق محسوس کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی رات کیا یا ہوا ہوگا۔ مگر اب جب اٹھی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے مقابل دیکھ کر اس کی پھر وہی ہی جو رات میں بے ہوش ہونے سے قبل تھی۔

کیا ہوا؟ ——— کیا سوچ رہی ہو؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت انداز اور لہجہ سپاٹ تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک نگاہ بھی اس کی سمت نہیں کی تھی۔ یکنا تک گوارا نہ سمجھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے ہاتھ اٹھا کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ چہرے کا رخ کسی قدر اپنی طرف پھیرا تھا۔ شاید وہ اس کی توجہ تھا۔ میرب سیال کی بے توجہی اسے کسی قدر کھل رہی تھی۔ یا پھر وہ کسی قدر اری ٹیٹ ہو رہا تھا۔ مگر اس ر کوئی خوش آئند ردعمل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ میرب سیال بدک کر کچھ اور بھی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ جیسے اسے انگارے نے چھو لیا ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت نگاہ کی تھی، بہت بے تاثر اور سرد ا وہ۔ کسی طرح کا کوئی احساس اس نگاہ میں نہ تھا۔ کسی طرح کا کوئی تاثر اس کے چہرے سے واضح نہ شاید اسے میرب سیال کے اس انداز پر کسی قدر غصہ آ رہا تھا۔ یا پھر اسے اس کا اس طرح ری ایکٹ ناگوار گزر رہا تھا۔ مگر اس طرح کی کسی بات کا اظہار اس کے چہرے پر نہ تھا۔

”شاید تم نے سنا نہیں ——— میں نے کہا ہے تمہیں ناشتہ کر لینا چاہئے۔“ بے حد سرد مہر لہجے میں وہ ہوا تھا۔ میرب سیال نے تب بھی اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی۔ ہاں آنکھوں میں یکدم ہی سمندر آن ے تھے اور طغیانی اتنی بڑھی تھی کہ لمحہ بھر میں پیمانے چھلک پڑے تھے۔ وہ چہرے کا رخ پھیرے اسی بیٹھی تھی جب آنکھوں سے گرم سیال پانی کے قطرے بہہ کر رخساروں کو جلانے لگے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے خود کو بے حد بے بس س کر رہا تھا۔ میرب سیال اس شخص کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر جیسے کسی بات پر اس کا بار نہ رہا تھا اور فضول کا کوئی بند وہ باندھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیوں تک اسی طرح اسے بیٹھا دیکھتا رہا تھا پھر بے حد ناگواری سے گویا تھا۔

”چاہتی کیا ہو تم؟ ——— کیا قیامت آ گئی ہے جو یوں واویلا مچا رہی ہو؟ آسمان تو ٹوٹ کر نہیں گر پڑا، سلامت ہو تم۔ ثابت و سالم ہو، ٹھیک ٹھاک ہو۔ ایک رات گزر جانے کے بعد کیا تمہیں اندازہ نہیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا کچھ نہیں۔“ مدھم لہجے میں جیسے انگارے ہی انگارے تھے۔ میرب سیال چہرے پر ٹھہری اس کی نگاہوں سے جیسے شعلے لپک رہے تھے۔

”تمہیں اس بات کا اب تک اندازہ نہیں ہوا کہ میں کس درجہ اختیار رکھتا ہوں۔ میں کیا کر سکتا تھا اور نے کیا نہیں کیا ——— تم رات میرے رحم و کرم پر تھیں۔ اگر مجھے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا ہوتا تو کون

روک سکتا تھا مجھے، تم؟ جسے خود کا بھی کچھ ہوش نہ تھا۔ کیا سمجھتی ہو تم، کس بات نے مجھے مجبور کیا؟ تمہارے ان مگرمچھ کے آنسوؤں نے، یا پھر تمہارے اس بے وقوفانہ ڈر اور خوف۔ سبکتگین حیدر لغاری دھیمے لہجے میں کہتا ہوا بہ غور میرب سیال کو دیکھ رہا تھا جو اس لمحے بھی اس پھیرے ہوئے تھی۔

"میں چاہتا تو کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اور تم کیا کر لیتیں؟ —— ماسوائے آنسو بہانے کے اور خوفزدہ ہونے کے، تمہیں آتا ہی کیا ہے؟ رات تم نے بہت کچھ کہا اور میں نے سنا اور یاد رکھو، سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سننا سیکھا نہیں ہے، فقط حکم صادر کرنا جانتا ہے۔ یہ چونچلے چھوڑ دو، مجھے ان باتوں کا کچھ خاص تجربہ نہیں ہے۔ سو بے سود رہے گا یہ سب۔ یہ ڈرامہ بند ہو جانی چاہئے۔ کوئی قیامت تو آئی نہیں ہے نہ ہی آسمان سر پر گر پڑا ہے۔ کیا تمہیں اب یہ گا کہ تم ایک اہم ترین رشتے میں منسوب ہو اور تمہیں اب اس طرح کی بچکانہ حرکتوں کو چاہئے۔"

کتنے بارعب لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ انداز میں مکمل استحقاق بول رہا تھا جیسے وہ ہر بات کا ہو۔ جیسے واقعی ساری دنیا اس کی مٹھی میں ہو اور وہ جس سے جو چاہے سلوک روا رکھ سکتا ہو۔ مگر اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ نگاہ پھیرے اس سے صاف طور پر لاتعلق نظر آ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بار پھر شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کا رخ اپنی کچھ دیر تک بہ غور دیکھا تھا۔ پھر اسی سرد لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"مجھے باتوں کو بار بار دہرانے کی عادت نہیں ہے —— میں چاہتا ہوں تم بھی ایک بار پیرا ہونے کی عادت اپنا لو۔ آئی تھنک یہ فائدہ مند رہے گا تمہارے لئے۔ بہ صورت دیگر مجھے نبھانے خوب آتے ہیں۔" سرد و جامد لہجے میں ایک واضح وارننگ تھی۔ اور میرب سیال اس کی تکنے لگی تھی۔

"آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! —— نفرت ہے مجھے تم سے۔ بہت کھوکھلے ہو تم بڑے بڑے دعوے کرتے قطعاً اچھے نہیں لگتے۔ مجھے کچھ جتانے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کمزور مجھے سمجھ رہے ہو، غالباً میں اتنی کمزور ہوں نہیں۔ تم نے یقیناً غلط قیاس کیا ہے۔ میرب ہرگز نہیں ہے۔ اگر تم اختیار رکھتے ہوئے اپنے وصف جتانا اور نبھانا جانتے ہو تو میرب سیال بھی رکھتی ہے کہ وہ ان تمام ناپسندیدہ مناظر سے خود کو الگ کر سکے۔ آئی ہیٹ دِس سچویشن —— دِس لائف —— آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! —— میرب سیال تم سے نفرت کرتی اسے قطعاً بھی ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے۔" میرب سیال زہر خند لہجے میں بولی تھی۔ جب سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اس کے چہرے کو جارحانہ انداز میں اپنے قریب کیا تھا۔ میرب سیال کے چہرے کو اس کی گرم گرم سانسیں انگاروں کی چھونے لگی تھیں۔ کس قدر قریب تھا وہ۔ مگر سب کچھ کس قدر تکلیف دہ تھا۔ قربت کے ان لمحات

خوش آئند بات نہ تھی۔ کوئی بھی مہربان لمحہ نہ تھا۔ میرب سیال تکلیف سے کراہ کر رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو خشمگیں نظروں سے تکتا رہا تھا۔ پھر بنا کچھ کہے اس کے کو جھٹکے سے آزاد کر دیا تھا۔ اٹھا تھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

* * *

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی جب کسی نے اس پر پانی کا جگ اُلٹ دیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ لمحہ بھر میں بیدار ہوئے تھے، نگاہ اٹھی تھی اور وہ چیخ پڑی تھی۔

"اوزی کے بچے! ——" وہ خطرناک تیوروں سے چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتری تھی۔ مگر اس سے قبل اوزی مسکراتے ہوئے دوڑ لگا چکا تھا اور اس لمحے وہ ماما کے پیچھے چھپ رہا تھا۔

"اوزی کے بچے! باہر نکلو۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" وہ چیخی تھی۔

"تمہارے ہاں مہمانوں کا استقبال اس طرح ہوتا ہے؟" وہ ماما کے پیچھے سے سر نکال کر مسکرایا تھا۔

"ہمارے ہاں مہمان اس طرح کی حرکتیں بھی نہیں کرتے۔"

"یعنی ٹِٹ فور ٹیٹ۔" وہ مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"ایک تو بے وقت آتے ہو، اس پر عجیب و غریب حرکتیں بھی کرتے ہو۔" وہ کسی قدر نرم پڑی تھی۔ تبھی ماما کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ کانوں تک لے جا کر معافی نامہ دائر کیا

انابیہ شاہ نے درخواست پر غور کیا تھا اور مسکرا دی تھی۔ تبھی اوزی نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"بچوں والی حرکتیں گئی نہیں ہیں تمہاری۔" وہ مسکراتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں بڑا ہو چکا ہوں؟"

"میں نے آج تک چھ فٹ کا کوئی بچہ نہیں دیکھا۔" انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا اور اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"ویسی کی ویسی تتیا مرچ جیسی ہو۔"

"بتا کر نہیں آ سکتے تھے؟ —— کم از کم ایک فون ہی کر دیتے۔"

"تم کیا کرتیں؟ کیا بام و در سجا دیتیں؟"

"شاید نہیں۔ مگر میری نیند تو تباہ نہ ہوتی۔" وہ مسکرائی تھی۔ اوزی گھورنے لگا تھا۔

"عجب سیلفش لڑکی ہو۔ میں اتنی دور سے تمہارے لئے آیا ہوں اور تم نین سے نین نہیں ملا رہی ہو۔"

اس کا انداز ایسا تھا کہ انابیہ شاہ کو ہنسی آ گئی تھی۔

"تم اس قابل ہو کہ تم سے نین ملائے جائیں؟ بائے دی وے، آئے کب ہو؟"

"تھوڑی دیر قبل۔ آنٹی نے بتایا تھا تم سو رہی ہو ہمیشہ کی طرح۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اور تم نے سوچا ہمیشہ کی طرح اس کی نیند برباد کر دی جائے۔" انابیہ شاہ اس کی بات کاٹتی ہوئی

مسکرائی تھی۔

''یار! سال کے تین سو پینسٹھ دن تو تم آرام سے سوتی ہو۔ کیا ہوا جو آج جلدی بیدار ہو گئ
دی وے، موسم کیسا ہے یہاں کا؟'' اوزی آنکھ ایک ادا سے دباتا ہوا مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''موسم بدل چکا ہے اوزی! اب پہلے جیسی کوئی بات نہیں رہی۔ یہ بات شاید تم اچھی طرح جانتے

''یعنی موسم بدلنے کے کوئی چانسز نہیں۔'' اوزی کا لہجہ کچھ بجھ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کے
افسوس پر اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''کبھی کبھی ہواؤں کے رخ بدلنے بھی پڑتے ہیں اوزی! ــــ اگر تم میں دم ہو تو موسموں کو اپ
میں کر لو۔''

''تم جانتی ہو، یہ خاصا مشکل ہے۔ اور میرے وجود پر خاصی تھکن کا بوجھ لدا ہے۔ ابکے لوٹا
ایک بے نام سی تھکن بھی اپنے سنگ لایا ہوں۔ مسافتوں کا بوجھ ہلکا نہیں تھا انابیہ شاہ! پاؤں گرد
ہوئے ہیں۔ آنکھوں میں تھکن ہے اور چہرے پر مسافتوں کی کوفت۔ ایسے میں، میں موسموں کو اپ
میں کرنے کے فقط خواب دیکھ سکتا ہوں۔ عملاً نہیں۔'' اوزی کی آنکھوں میں کئی اُجالے ہولے ہول
تھے۔ انابیہ شاہ نے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔

''یہ کافی مشکل ہے انابیہ شاہ!''

''مشکل تو مشکل ہی ہوتی ہے ــــ اسے آسان کرنا پڑتا ہے۔''

''میرا ایک کام کرو گی؟'' اوزی ہولے سے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''موسموں سے کہہ دو، مجھے وہ سارے نقش لوٹا دیں جو وہ اپنے سنگ لے گئے ہیں۔ وہ سارے
وہ سارے راستے جو گرد سے اٹ گئے ہیں، انہیں پھر سے انہی رونقوں سے بھر دیں۔ میں سارے
کی تعبیریں لے آؤں گا۔ بس یہ موسم وہ اسم اعظم بول دیں جن کے کہنے سے سارے بند دروازے
چلے جائیں اور سارے منظر روشن ہو جائیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور انابیہ شاہ ہنس دی تھی۔

''اوزی! صبح صبح اتنی ثقیل گفتگو ــــ ناشتہ نہیں کرنے دو گے کیا؟ میرا پیٹ تو تمہاری فلسفیانہ با
سے بھر جائے گا۔'' انابیہ شاہ نے کہا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''پوچھو گی نہیں تمہارے لئے کیا لایا ہوں؟''

''کیا لائے ہو؟'' وہ پوری توجہ سے پوچھنے لگی تھی۔

''خود آ گیا ہوں ــــ کیا یہ کافی نہیں؟'' وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے ہاتھ کا مکا
اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

* * *

صورتِ حال تسکین بخش نہیں تھی میرب سیال کے لئے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ فوری طور پر ان حالات

لتی اور اس شخص سے دور بھاگ جاتی۔ اس نے اپنی نفرت کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ مگر اس کا کوئی
ر آمد نہیں ہوا تھا۔
ت جوں کے توں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ رہے تھے۔ وہ مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر
ا کا یہ جتانا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نفرت کرتی ہے، کچھ خاص کارآمد ثابت نہ ہوا تھا۔
ین حیدر لغاری پر اس کا کچھ خاص اثر نہ پڑا تھا۔
ے اگلے کئی دنوں میں بھی وہ یہی جتاتی اور باور کراتی رہی تھی۔ مگر اس کا نتیجہ صفر ہی رہا تھا۔
ہیں کیا لگتا ہے، کیا تمہیں میں خود سے محبت کے لئے مائل نہیں کر سکتا یا مجھ میں اتنی اہلیت ہی
اس روز جب وہ اسے باہر لے جانا چاہ رہا تھا اور وہ مسلسل انکاری تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری
ی کو عجب جنونی انداز میں تھام کر گویا ہوا تھا۔ وہ بے تاثر سرد جامد آنکھیں بہ غور میرب سیال کو دیکھ
اور میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اور تب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے پر کچھ
آیا تھا۔ شہادت کی انگلی سے اس کی پیشانی سے لے کر لبوں تک ایک سرائیت کھینچی تھی، پھر مسکرا دیا

رے لئے یہ قطعاً مشکل نہیں ہے ہنی! مجھے ہواؤں کے رخ بدلنے آتے ہیں۔ مجھے وہ سارے
ر ہیں جن سے بند تالے کھلتے ہیں۔ شاید تمہیں خبر نہیں، میں وہ فسوں بھی جانتا ہوں جو ایک بول
سارے قفل کھولتا چلا جاتا ہے۔ مجھے سمتوں کو بدلنا آتا ہے سویٹی! میں رنگوں کو اپنے رنگ میں رنگنا
ا۔ مجھے علم ہے منظروں کو کب، کہاں اور کیسے اپنے اختیار میں کرنا ہے۔ کب گریز پا نظاروں کو
یار میں کرنا ہے اور کب سارے منظروں کو جل تھل کرنا ہے۔ یہ حقیقت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہنی!''
ے وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں سے ایک عجب روشنی پھوٹ رہی تھی اور میرب سیال کی ساری جان
بھونچال آ گیا تھا۔ وہ نظریں جھکا کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ مگر وہ حصار اسی طور اس کے اردگرد
۔ وہ پناہ اسی طور اسے تھام رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں اس کے چہرے کو بہ غور
تھیں۔

ھے گریز پا موسموں کو برتنے کے سارے ڈھنگ آتے ہیں۔ مجھے علم ہے کیسے بادل بنتا ہے اور قطرہ
تا ہے۔ میں آسمان کی وسعتوں سے بھی باخبر ہوں۔ مجھے علم ہے، گرد منظروں کو دبا دیتی ہے۔ سو،
پھونکنا ہے کہ جادو کا ایک قلعہ سا بن جائے۔'' لہجہ اور انداز بہت دھیما تھا۔ جیسے کوئی مدھم سرگوشی۔
ں کچھ بھولا نہیں ہوں سویٹی! سو مجھے کچھ باور کرانے کی کوشش مت کرو۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری
پر مسکراہٹ تھی۔ ایک مدھم، پراسرار مسکراہٹ۔
رب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند ثانیوں تک اس چہرے کو تکا
آہستگی سے اس کی کلائی پر سے اپنی گرفت ہٹا لی تھی۔
رب سیال اس کی سمت تکتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔ چہرہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ وہ لاکھ خود کو مضبوط
ہی تھی مگر یہ سچ تھا کہ وہ مضبوط تھی نہیں۔ مگر وہ اس صورتِ حال سے نکلنا ضرور چاہتی تھی اور اس

کے لئے راستہ بھی سوچ رہی تھی۔ مگر فی الحال اسے کوئی راہ سجھائی دے نہیں رہی تھی۔

”کتنا وقت لوگی تم تیار ہونے میں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت تکتا ہوا دریا اور میرب سیال یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”تم میرے ساتھ زبردستی قطعاً نہیں کر سکتے سردار سبکتگین حیدر لغاری! تم کتنے ہی دعوے سے ڈرنے والی نہیں۔ تمہاری کسی بات نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ سنا تم نے سردار سبکتگین حیدر لغا سے قطعاً بھی مرعوب نہیں ہوئی۔ تم اپنا تاثر قائم کرنے میں ناکام رہے ہو۔“ وہ دھیمے مگر سخت بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”بہت معصوم ہو تم۔ بے حد بھولی بھالی۔ مجھے بعض اوقات تم پر غصہ بالکل بھی نہیں آتا کیوں؟ کیونکہ میں نے اس سے قبل اتنی بھولی صورت دیکھی ہی نہیں۔ شاید تم نے بھی سردار سب لغاری جیسا کوئی شخص مجھ سے قبل نہ دیکھا ہو۔ مگر یہ سچ ہے، تم جتنی معصوم اور بھولی بھالی ہو، سر حیدر لغاری اسی قدر اپنے وعدوں اور ارادوں میں اٹل ہے۔ آئی تھنک تم تجربہ کرنا ضروری خیا گی۔“ وہ اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا۔ یہ کیسا روپ تھا اس کا؟ یہ کیسا رنگ تھا؟ وہ شخص بدلتا تھا اور ہر رنگ پہلے رنگ سے مختلف ہوتا تھا۔ جانے اس کا حقیقی رنگ کیا تھا اور کس طور حقیق کرتا تھا؟ اس کے تیور میرب سیال کی سمجھ میں نہ آنے والے تھے۔ وہ واقعی اسے سمجھ نہ پائی تھ چاہتی بھی نہیں تھی۔ شاید وہ واقعی سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نفرت کرتی تھی۔ شاید وہ واقعی اس بھاگنا چاہتی تھی اور کوئی متبادل راہ نہیں پاتی تھی۔ یا پھر ایسا اس کے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔

کبھی کبھی وقت بہت بے بس کر کے رکھ دیتا ہے اور میرب سیال کو لگ رہا تھا کہ وقت نے قدموں میں بیڑیاں ڈال کر اسے اپنا پابند کر لیا ہے اور اب وہ چاہے بھی تو اس قید سے رہائی مم شاید مجبوریوں کی زنجیر پیروں میں ڈالے اسے یونہی ان فصیلوں میں قید رہنا تھا۔ شاید اس کی سار انہی دیواروں سے سر پٹختے ہوئے گزر جانی تھی۔

شاید اسے یونہی عمر بھر روتے رہنا تھا۔ شاید یونہی عمر بھر قید و بند میں بسر کرنا تھی۔ یہ ایک طویل سزا تھی جس کی مدت معین نہ تھی۔ شاید اسے جب تک جینا تھا، انہی سزاؤں کو سہنا تھا۔ شاید یہ سزا کے لئے تھیں۔ سو پھر یہ احتجاج بھی فضول تھا شاید۔

شاید اسے اس قید و بند سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے تھا۔ شاید اسے ان بیڑیوں سے دوستی کر لی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید یہی تو سمجھا رہا تھا۔ اور غلط کہاں کہہ رہا تھا وہ؟ شاید وہ درست کا حرف حرف سچا تھا۔ وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔ وہ اس کی زندگی پر مکمل اختیار رکھتا تھا۔ مختار کل تھا سفید کا مالک تھا۔ کیونکہ اس کا سارا جیون اس شخص کے نام لکھا تھا اور یہ بات فراموش کئے جانے نہ تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے حرف حرف میں سچائی تھی اور وہ شاید پاگل تھی جو دیواروں سے

اسے سمجھوتہ کر لینا چاہئے تھا۔ ٹھیک اس طرح جس طرح اس سے قبل کیا تھا۔ شاید اسے یہ سب برداشت کرتے رہنا چاہئے تھا جس طرح کہ اس سے قبل برداشت کرتی رہی تھی۔

ار سبکتگین حیدر لغاری شاید ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

اس سے کٹ کر نہیں جی سکتی تھی۔ اس کے بنا اس کی زندگی کا مفہوم بے معنی تھا۔ کیونکہ سب ایسا ہی ے تھے۔

کی نظروں کے سامنے پاپا کا چہرہ آیا تھا۔ کتنے خوش تھے وہ اس بندھن سے۔ اس کی ذمہ داری نبھا بے حد مطمئن تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اسے یہاں ان سے ملوانے کے لئے لانا اور کئی دہیں رکھنا یقیناً ایک سراہے جانے لائق اقدام تھا۔ اور پاپا کتنا خوش ہوئے تھے۔ وہ واقعی سردار حیدر لغاری کے معترف ہو گئے تھے۔ ان کے دل میں اس کی جگہ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اور ایسے میں س سے علیحدہ ہو جاتی یا کسی سے ذکر بھی کر دیتی تو شاید یہ بسا بسایا سکون ایک پل میں تہس نہس ہو سارا اطمینان جاتا رہتا۔ اور شاید کچھ باقی نہ رہتا۔ اور ایسا ہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔ یہی ایک بات تو اس کی سب سے بڑی دکھتی رگ تھی۔ اس کی سب سے بڑی مجبوری۔ اور شاید سردار سبکتگین حیدر اس دکھتی رگ سے بخوبی واقف تھا۔ تبھی تو اس طرح کا انداز اختیار کئے ہوئے تھا۔ اور وہ بھی تو ی اس کی مجبوری کیا ہے۔ وہ بھی تو واقف تھی کہ اس کی کمزوری کیا ہے۔ پھر کیا حاصل تھا اس چون و ے۔

خاموشی سے چلتی ہوئی وارڈ روب کے سامنے جا رکی تھی اور ایوننگ پارٹی کے لئے ڈریس منتخب نے لگی تھی۔ شاید اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلی بن جانا چاہئے تھا۔ بنا آرگومنٹ کئے اس کی ہر بات چپ چاپ مان لینی تھی کہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔

کیونکہ وقت اس کے ساتھ نہیں تھا۔

اور جانے کب تک اس کے مخالف ہی رہنا تھا۔

وہ چپ چاپ تیار ہونے لگی تھی۔ جب یکدم ہی فون کی بیل ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً ے میں نہیں تھا۔ اس نے فون اٹھا لیا تھا۔ دوسری طرف مائی اماں تھیں۔

”کیسی ہے میری بیٹی؟“ مائی اماں بہت محبت سے اس کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ وہ تمام ہمتوں ع کرتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

”جی مائی اماں! ٹھیک ہوں میں۔ آپ......آپ کیسی ہیں؟“ کتنی مشکل صورت حال تھی۔ اسے اپنے کو فائدہ پہنچانا تھا اور اس کے لئے خود کو لمحہ لمحہ مارنا تھا۔ آواز حلق سے بہ مشکل نکل رہی تھی مگر اسے لے کا سلسلہ موقوف نہیں کرنا تھا۔

”سبکتگین حیدر کہاں ہے؟ ___ کیسا ہے وہ؟“

”جی وہ بھی ٹھیک ہیں مائی اماں! دراصل......“ وہ ابھی کچھ بولنے ہی جا رہی تھی جب کسی نے ایک ے میں فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔ وہ حیرت زدہ سی پلٹی تھی۔ اس کے بے حد قریب سردار

سبکتگین حیدر لغاری کھڑا تھا۔ اس کی سمت خشمگیں نظروں سے تکتا ہوا۔ غالباً اسے خدشہ تھا کہ و اُگل دے اور مائی اماں کے سامنے اس کا امیج خراب نہ ہو جائے۔ اُس نے اُس کے ہاتھ سے کچھ دیر بات کی تھی اور پھر سلسلہ موقوف کر کے اس کی سمت دیکھا تھا۔

میرب سیال کی آنکھوں میں ایک لمحے میں سمندر آن ٹھہرا تھا۔

”نہیں کر سکتی میں یہ سب۔ نہیں رہنا ہے مجھے تمہارے ساتھ۔ نہیں جھیلنی ہے مجھے یہ لمحہ لم بہت جان لیوا ہے یہ میرے لئے۔ پلیز مکر جاؤ میرے وجود کی حقیقت سے ـــــ فراموش کر د دو آزاد مجھے۔ جینا چاہتی ہوں میں۔ سانس لینا چاہتی ہوں۔ تمہاری قربتوں میں دم گھٹ میرا ـــــ مر جاؤں گی میں۔ نہیں رہ سکتی میں تمہارے ساتھ۔“ عجب ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحے میں اس کی سمت بڑھا تھا۔

بہت توجہ کے ساتھ اس چہرے، ان آنکھوں کو دیکھا تھا جن میں کئی سمندر ٹھہرے ہوئے تھے۔ کئی پانیوں کا بوجھ اٹا ہوا تھا۔ کچھ تحیر، کچھ خوف اپنے اندر سمیٹے وہ آنکھیں اس لمحے ساکت تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ دیوار پر ٹکاتے ہوئے جیسے ان حیرتوں سے پُر آنکھوں کو اس اور بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ فرار کے سبھی راستے جیسے مسدود ہو گئے تھے۔

میرب سیال پانیوں سے بھری آنکھوں سے اسے ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔ اس شخص کی آنکھو چہرے سے کسی طرح کے تاثر کا اظہار نہ مل رہا تھا۔

وہ لمحہ پھر جیسے کسی قیامت کی پیش قدمی کا اعلان کر رہا تھا۔

میرب سیال کی ساکت آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ا اطمینان سے دایاں ہاتھ اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا۔ شہادت کی انگلی سے ان پلکوں پر ٹکے مو اپنی پور پر لیا تھا۔ بہ غور دیکھا تھا اور پھر ایک پل میں ہوا میں اُڑاتے ہوئے بہت محظوظ ہونے وال میں مسکرا دیا تھا۔

”عورت کے آنسوؤں میں بہہ جانے والی شے کو جانتی ہو کیا کہتے ہیں؟“ دلچسپی سے میرب سیا سمت دیکھتے ہوئے سوال دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لب مسکراہٹ اس لمحے کچھ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

”مرد۔“ وضاحت بہت دلچسپ تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال کی آنکھیں ساکت تھ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت اطمینان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

”مقولہ بہت مشہور ہے۔ شاید تمہیں بھی ازبر ہو۔ مگر یہاں ایسی کوئی علامت نہیں ملتی۔“ بہت سے جتایا تھا۔ ”مجھ پر ان نمکین سمندروں کا جادو کچھ زیادہ اثر نہیں کرے گا میرب سیال! سو یہ سارا بہت بے کار رہے گا۔ شاید یہ سن کر تمہیں بھی کچھ افسوس ضرور ہو، یہ بالکل بے سود ہے۔“ لبوں پر مسکرا بدستور قائم تھی۔

”بے سود کام کر کے شاید تمہیں بھی کچھ زیادہ خوشی نہیں ہو گی۔ سو وقت برباد کرنے سے فائد

ر توجہ سے تکتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا اور ساکت نظروں سے تکتی میرب سیال کے پاس اس لمحے جواب نہ تھا۔

”تم بھول رہی ہو شاید، یہ عرصہ باہمی انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ہے۔ اور تم اتنا تو سمجھ گئی ہو گی کہ مجھے کو دہرانا قطعاً اچھا نہیں لگتا اور یہ کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے وعدوں اور ارادوں میں کس درجہ ہے۔ کیا اب تک تم نہیں سمجھی ہو کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی چیزوں سے دستبردار ہونا پسند نہیں کرتا۔ ے اس کی ہے وہ اس کی ہے۔ خوابوں میں نہیں، حقیقت میں زندگی بسر کرتا ہے یہ شخص۔ سو تم بھی اب ی کی ساری باتیں چھوڑ دو، اپنی اس بچکانہ سوچ سے باہر نکل آؤ۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی وائف م از کم اس طرح کے بچکانہ اقدامات کی توقع نہیں کرتا۔“ بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ے کو تھپتھپایا تھا جیسے وہ اس لمحے کسی بچے سے مخاطب ہو۔

”شاباش، اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ یقیناً ہمیں دیر ہو رہی ہے۔“ بارعب لہجے میں حکم صادر کیا تھا ہر پلٹ کر چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

یرب سیال کتنی دیر تک کھڑی اس سمت تکتی رہی تھی۔

ساہیہ خان مہندی کی کون ہاتھ میں لئے عجیب وغریب انداز میں اس کی سمت دیکھ رہ

اذہان حسن بخاری وہاں آیا تھا۔

''اگینے کہاں ہیں؟''

''پھپھو؟ ـــــ پتہ نہیں، شاید اوپر ٹیرس پر ہوں۔ فارحہ آنٹی بھی وہیں ہیں۔'' وہ عجب ر
میں بتاتے ہوئے کون میں سے پن نکال کر ہتھیلی پھیلا کر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی تھی۔

''یہ کیا کررہی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے اسے کسی درجہ دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''مہندی لگارہی ہوں۔'' سرسری انداز میں بنا اس کی سمت دیکھے مطلع کیا تھا۔ اذہان حسن اسے دیکھا تھا، وہ اسی طرح عجب بے ڈھنگے انداز میں ہتھیلی پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی
اذہان حسن بخاری نے اس کی جانب پیش قدمی کردی تھی۔

''لاؤ۔'' اس کے عین سامنے بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''مہندی ایسے نہیں لگاتے۔'' مسکراتے ہوئے آگاہ کیا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ حیرت زدہ سی دیکھنے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر کون اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔

''تم؟'' ساہیہ خان کسی درجہ حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری اعتماد کے ساتھ مسکراتے ہوئے کون اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ پھر ٹشو سے اس کی ہتھیلی
ترچھی لکیروں کو صاف کیا تھا۔ ساہیہ بہت غور سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔

''مہندی لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔'' وہ بہت مستند انداز میں اُسے باور کرا رہا تھا۔

''اچھا۔'' وہ مرعوب ہوئے بغیر نہ رہی تھی۔

''مہندی لگانے کے لئے کون کو اس طرح پکڑنا پڑتا ہے۔'' وہ سمجھا رہا تھا۔

''اوہ ـــــ ویری نائس۔'' ساہیہ خان پھر متاثر ہوئے بغیر نہ رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری اس کی ہتھیلی کو ہاتھ میں لئے دوسرے ہاتھ سے بہت آہستگی کے ساتھ پھو
بنا رہا تھا۔

''یہ کیا بنا رہے ہو؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

ائن۔'' وہ مسکرایا تھا۔

عجیب وغریب سا ڈیزائن نہیں یہ؟'' وہ چونکی تھی۔

ے کئی درجہ بہتر ہے جو تم اس سے قبل بنا رہی تھیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

لگ رہا ہے پورا باغ لگانے کے موڈ میں ہو تم۔ بس گملے بنانے کی کسر رہ گئی ہے۔ تم نے ان کے
چھوڑی ہی نہیں۔ اب گملے کہاں بناؤ گے؟'' وہ یقیناً اس لمحے شرارت آنکھوں میں لئے چھیڑ رہی

ان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

نے اس سے قبل کبھی مہندی لگائی ہے؟''

ں۔ بچپن میں۔''

ر وہ کس نے لگائی تھی؟''

م نے۔'' وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ ''تم ایک کام کیوں نہیں کرتے؟''

کیا؟''

بزنس وزنس چھوڑ کر اسی فیلڈ میں کیوں نہیں آجاتے؟ ـــــ خاصے ماہر لگ رہے ہو۔'' وہ یقیناً
تھی۔

شٹ اپ ساہیہ!'' وہ خجل سا ہو گیا تھا۔ لبوں پر پُرخفت سی مسکراہٹ تھی۔ ساہیہ ہنس دی تھی۔ ''رنگ
نے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟''

پتہ نہیں۔ لیکن اگینے اس روز بتا رہی تھیں۔'' وہ شرارت سے سر اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

کیا؟''

ہی کہ رنگ گہرا آنا محبت کرنے والے پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔ وہ جتنی زیادہ محبت کرتا ہے، رنگ اتنا
آتا ہے۔ اب مجھے تو یہ پتہ نہیں کہ تمہاری زندگی میں داخل ہونے والا تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔
بات تم زیادہ بہتر انداز میں جانتی ہوگی۔'' وہ آنکھوں میں بہت سی شرارت لئے اس لمحے اس کی
دیکھ رہا تھا۔

ساہیہ خان اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکدم اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا تھا۔ وہ یکدم ہنس
ا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ پھر بہ غور اس ہتھیلی کو دیکھنے لگی تھی۔

''تمہیں خدشہ ہے کہ رنگ اچھا نہیں آئے گا؟'' وہ بدستور شرارت پر مائل تھا۔

''تمہیں فکر کیوں ستا رہی ہے اذہان حسن بخاری؟''

''دوست ہوں۔ تمہیں کسی مشکل میں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟'' اس نے شانے بے نیازی سے اچکائے
ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟'' اذہان حسن بخاری نے اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"اظہارِ افسوس کے لئے اس سے بہتر کوئی طریقہ شاید نہ ہو۔"

"اسوس کی کیا ضرورت ہے ـــــ میں ہوں نا۔" بھرپور شرارت سے مسکراتے ہوئے ںا طرف دیکھا تھا۔

"شٹ اپ اذہان!" وہ مسکراتی ہوئی گھورنے لگی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"تمہاری پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں گئی۔" وہ بدستور شرارت پر مائل تھا۔

"ہاں ـــــ مگر اس کے لئے تمہیں قربانی کا بکرا بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"آر یو شیور؟" اذہان حسن بخاری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ ساہیہ نے مسکراتے ہو کا ایک مُکا بنا کر اس کے شانے پر جڑ دیا تھا۔ پھر ہتھیلی پر بنے پھول بوٹے دیکھنے لگی تھی۔

"تم نے مہندی واقعی اچھی لگائی ہے۔"

"لیکن فائدہ کیا؟ ـــــ رنگ تو آئے گا نہیں۔" وہ چھیڑتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان تھی۔

"ہاں۔ مگر پھر بھی یہ ایک اچھا تجربہ ہے۔ جو دل چاہے کر لینا چاہئے، سوچنا نہیں چاہئے کہ کیا کیا نہیں۔ نفع نقصان تو بزنس کے لئے سوچے جاتے ہیں، چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور راحتیں سمیٹنے نہیں۔"

"ہوں ـــــ شاید ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ لیکن تم دل کی کچھ زیادہ ہی نہیں مانتی ہو؟" اذہان حسن نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں۔ تمہارے خیال میں یہ گڈ سائن ہے یا نہیں؟"

اذہان حسن بخاری نے جواباً اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا تھی۔

"مجھے نہیں پتہ اذہان! اور لوگ کس طرح سوچتے ہیں یا کیا کرتے ہیں۔ مگر میرا اپنا ایک جینے کاڈ ہے اور مجھے اسی طرح جینا اچھا لگتا ہے۔ اس سے اور کچھ شاید نہ ملتا ہو مگر راحت بہت ملتی ہے۔ا راحت بہت معنی رکھتی ہے۔ شاید تمہیں یہ بہت امیچور سا لگے، شاید تم افسوس بھی کرو میری عقل پر۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ہاں ـــــ میں جانتا ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"یہی کہ تم ایسی ہی ہو۔" وہ مسکرایا تھا۔ وہ ہنس دی تھی اور اس کے رخسار کا ڈمپل اس لمحے دانغ، بہت بھلا لگنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری اس کی سمت بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ چونکی تھی۔

"تمہارے چہرے کے رنگ دیکھ رہا ہوں۔ بہت نیچرل ہے سب کچھ۔ بے ریا، بے فکر اور ہ صاف۔"

ںا ے جینے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"ایک کام کرو۔" اذہان حسن بخاری کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"مجھے بھی جینا سکھا دو ـــــ کچھ اپنے جیسا بنا دو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت بہت توجہ سے ے ہوئے بولا تھا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

"مذاق کر رہے ہو اذہان حسن بخاری!"

"نہیں، میں مذاق نہیں کر رہا ـــــ تم واقعی بہت اچھی ہو۔"

ساہیہ خان جواباً مسکرا دی تھی۔

"یہ اعتراف شاید تم نے زندگی میں پہلی بار کیا ہے۔"

"شاید۔" اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"شاید؟" وہ جواباً مسکرائی تھی۔

"اور شاید تمہیں یہ اچھا بھی لگا ہے۔" وہ اب ٹیز کرنے پر مائل تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا

"تم باز نہیں آؤ گے اذہان! قطعاً نہیں سدھر سکتے تم۔"

"تم کوشش کر دیکھو ـــــ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

"یہ پیش کش تمہاری ضرورت ہے یا مجبوری؟"

"عجیب بے ڈھنگی لڑکی ہو ـــــ ساری بات کا سُرا کرکرا کر دیا۔ اچھی خاصی خواہش کو ضرورت اور ری کے خانوں میں ڈال رہی ہو۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا تھا اور ساہیہ خان ہنستی چلی گئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" تبھی وہاں اگینے آئی تھی۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اپنا مہندی والا ہاتھ اس کے نے کر دیا تھا۔

"اذہان مجھے مہندی لگانا سکھا رہا تھا۔"

"سکھا نہیں رہا تھا بلکہ یہ مہندی میں نے ہی لگائی ہے۔ اگینے! سچ بتایئے گا، کیسی لگ رہی ہے؟" وہ راتے ہوئے اگینے کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"تم یہ کام بھی کر سکتے ہو؟ ـــــ حیرت ہے۔" اگینے مسکرائی۔

"اگینے! آپ داد دے رہی ہیں یا واقعی حیرت کا اظہار کر رہی ہیں؟" وہ بہ غور دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں داد دے رہی ہوں، یقیناً۔ اوپر جاؤ، بلال کو تم سے شاید کوئی کام ہے۔" اگینے نے ساڑھی کا ل درست کرتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک نظر ان کی سمت بہ غور دیکھا تھا، پھر اٹھ کھڑا تھا۔

"اگینے!" جاتے جاتے وہ یکدم پلٹا تھا۔

"ہوں؟" اگینے چونکی تھیں۔ وہ پھر بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

""اچھی لگ رہی ہیں آپ۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا مسکراتی ہوئی پلٹ کر ساہیہ سے بات کرنے لگی تھی۔

* * *

اس شام وہ اوزی کے ساتھ لاؤنج میں تھی جب عفنان علی خان آیا تھا۔ اُسے لگا تھا، وہ اس کم نئے فرد کو دیکھ کر شاید کسی قدر حیران ہوگا یا پھر کسی قدر حیرت کا اظہار کرے گا، مگر ایسا کچھ نہیں ہ دادا سے ملنے کے بعد ان کی طرف بڑھا تھا۔ اوزی نے بھی اس کی سمت کسی قدر چونکتے ہوئے اور پھر دوسرے ہی لمحے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

دونوں مقابل کھڑے ایک دوسرے کو چند ثانیوں تک تکتے رہے تھے، پھر یکدم ہنستے ہوئے بڑ گئے تھے۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"وہاٹ اے سرپرائز یار! تُو یہاں کہاں؟" اوزی مسکراتے ہوئے اس کے چوڑے شا مارتے ہوئے عجب انداز سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے ـــــ تُو سنا، تُو واپس کب لوٹا مانچسٹر سے؟ اور شادی وادی تو کہیں؟ ان دنوں بڑا مجنوں ہو رہا تھا تُو کسی پاکستانی گوری کے لئے۔ کیا ہوا اُس کا؟ کہیں کوئی او لے اُڑا؟" عفنان علی خان کا انداز بھی اسی قدر دوستانہ تھا اور اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"بس چھوڑ یار! اس عمر کے قصے خواب ہوئے۔ اس عمر کی باتیں جانے دو۔ تُو سنا، تُو کب لو تیرے تو دُور دُور تک ارادے نہ تھے۔"

"بس لوٹنا پڑا۔ یا یوں سمجھو یہی ضروری بھی تھا۔ شاید نہ لوٹتا تو بہت کچھ گنوا دیتا۔" عفنان ع انابیہ شاہ کی سمت ایک نگاہ ڈال کر مسکرایا تھا۔

"یعنی بہت کچھ پالیا ہے تم نے یہاں آ کر۔"

"نہیں خیر، ابھی پایا تو نہیں مگر خواہش ضرور ہے۔ اینی وے، یہاں کہاں؟" عفنان علی خان ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

اوزی نے ایک نگاہ انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"شی از مائے کزن ـــــ اور تم؟"

"فرینڈز۔" عفنان علی خان نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں انکشاف وہ دیکھ کے رہ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ساتھ بیٹھے دھواں دھار بول رہے تھے اور دونوں کے فلک شگاف قہقہے فضا رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا وہ دونوں پہلے سے اچھے دوست تھے۔ مگر انابیہ شاہ پھر بھی کسی قدر ح تھی۔ اسی حیرت میں اٹھ کر وہ لان میں چلی آئی تھی اور پائپ لگا کر کیاریوں کو پانی دینے لگی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا؟ ـــــ یہ مالن کب سے بن گئیں؟" اوزی، عفنان علی خان کے ساتھ وہاں وہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

م کہیں جا رہے ہو؟" وہ اوزی سے مخاطب ہوئی تھی۔

ہاں ـــــ میں عفنان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ رات کے کھانے پر کوئی اہتمام مت کرنا، میں کھانا کھاؤں گا۔"

ا پوچھیں تو کیا بتاؤں؟" وہ سرسری انداز میں گویا تھی۔ عفنان علی خان اس چہرے کو بہ غور دیکھ رہا

ہی کہ میں عفنان کے ساتھ ہوں۔ ویسے اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں نے دادا ابا کو مطلع کر دیا پھر بھی آنٹی کو بتا دینا۔"

اوکے۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور یوں توجہ سے پودوں کو پانی دینے لگی تھی۔

ایک بات بتاؤ۔" اوزی گیا نہیں تھا۔

چونکی تھی۔ اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ نگاہ عفنان علی خان سے بھی ٹکرائی تھی جو اس ی کی جانب متوجہ تھا۔

تم نے بتایا نہیں کہ تم عفنان علی خان کو جانتی ہو۔" اوزی نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"مجھے خواب نہیں آیا تھا۔ نہ ہی الہام ہوا تھا کہ تم کسی محترم عفنان علی خان کو اس سے قبل بھی جانتے اس کا انداز بے حد لاتعلقی لئے ہوئے تھا۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔ جب کہ عفنان علی خان بہت دلچسپی ں چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"انابیہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ انہیں جاننے کا دعویٰ میں کر سکتا ہوں، یہ نہیں۔" مختصر جملے میں ہزار معنی تھے۔

"ہے نا انابیہ! غالباً یہ تعلق میری ہی جانب سے ہے۔ دادا ابا سے دوستی میں نے اپنی مرضی سے ہی کی یہ میری ہی خواہش تھی۔ انابیہ تو اس سے واقف بھی نہیں۔ یا اگر ہیں بھی تو کسی درجہ لاتعلق ہیں۔ یہ لاتعلقی ان کے مزاج کا حصہ ہے۔" وہ بہت دلچسپی سے اس کی جانب دیکھتا ہوا اظہارِ مدعا کر رہا تھا نابیہ شاہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اوزی بہت دلچسپی سے سنتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے اپنے ن کی سمت ایک نگاہ کی تھی پھر بہت رسانیت سے مسکرا دی تھی۔

"سوری، میں واقعی تمہیں بتانا بھول گئی۔ میری بہت ہی کلوز فرینڈ کے فیانسی ہوتے ہیں۔ شاید تم اسے ئے بھی ہو، وہی لامعہ حق۔" بہت پُرسکون لہجے میں مطلع کرتے ہوئے بھی وہ جیسے جنگل میں آگ لگا گئی۔ اوزی کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدلے تھے۔ ایک سایہ سا آ کر گزر گیا تھا اور وہ ے کا رخ پھیر گیا تھا۔ تبھی عفنان علی خان نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے یاد دہانی کرائی ما۔

"ہم لیٹ ہو رہے ہیں اوزی! شاید تم بھول رہے ہو۔"

"ہاں، ہاں ـــــ چلو۔" اوزی یکدم مسکرایا تھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر عفنان علی خان کے ساتھ آگے

بڑھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر پُر افسوس انداز میں اوزی کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔ وہ ا
نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیسے وہ بول گئی تھی اور اب ایک احساسِ ندامت نے اسے گھیر لیا تھا
اس کے اندر پھیلنے لگا تھا۔ مگر شاید اس کا مداوا اس کے پاس نہ تھا۔

❄❄❄

یہ سچ تھا، اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جیسے مر رہی تھی۔ لمحہ لمحہ جیسے ایک اذیت
تھا۔ مگر وہ ان قربتوں سے دور نہیں بھاگ سکتی تھی۔

ایک لمحہ نہیں، ایک پل نہیں، وہ ایک ثانیہ بھی اس کے سنگ بسر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگ
اختیار میں نہ تھا۔ کیا عجب بے بسی کی گھڑی تھی کہ فیصلے کا کوئی اختیار اس کے ہاتھ میں نہ تھا
تھی۔ مکمل طور پر بے بس۔ وہ شخص جیسا سلوک چاہتا، اس سے روا رکھتا۔ جو چاہتا تھا، کرتا تھا۔
کا رویہ غیر مساوی تھا۔ مگر اس نے طے کر لیا تھا، اسے کیا کرنا ہے۔

اس شام جب وہ اس کے پاس آئی تھی وہ کسی کے ساتھ فون پر بزی تھا۔ شاید دوسری طر
وش ہی تھی۔ اس کا لہجہ بہت شہد آگیں تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر وہاں کھڑا رہنا فض
وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کچھ دیر وہیں کھڑی اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی، پ
کمرے میں آگئی تھی۔ جی بہت برا ہو رہا تھا۔ رونے کو بے حد چاہ رہا تھا۔ مگر وہ رونا نہیں چا
کے ان آنسوؤں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو نفرت تھی۔ اور وہ بھی ان آنسوؤں سے نفرت
اس کی کمزوریوں کو اس شخص پر عیاں کر دیتے تھے۔ اور یہ یقیناً ٹھیک نہ تھا۔ جب کسی پر آپ ک
عیاں ہو جائیں تو تب وہ کچھ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کمزو
سبکتگین حیدر لغاری کو اور بھی طاقت ور کر دیں۔ تبھی اس نے تیزی سے بھیگتی پلکیں ایک لمحے
بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے پونچھ دی تھیں۔ پھر اٹھی تھی اور الماری کھول کر
پیک کرنے لگی تھی۔ آنکھوں میں بے حد جلن تھی۔ وہ اس شخص کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی تھی۔
نہیں چاہتی تھی مگر ذہن اس طرف سے ہٹ نہیں رہا تھا۔

”تمہیں اہمیت دینا چاہتی میں تمہیں کوئی۔ قطعاً بھی نہیں۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی سینڈ
پُر وحشت انداز میں اچھالا تھا۔ دروازے کی سمت اس کی پشت تھی۔ وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔ عین
سردار سبکتگین حیدر لغاری کمرے میں داخل ہوا تھا اور تیزی سے اپنی سمت آتی ہوئی سینڈل کو جس ذ
و تشویش سے دیکھا تھا اسی قدر سرعت سے ہاتھ بڑھا کر کھینچ بھی لیا تھا۔

”اتنی الجھن میں کیوں ہو؟ —— جو دل کہتا ہے اسے مان لینے میں حرج کیا ہے؟“ بھا
اُبھری تھی اور میرب سیال بے طرح چونک پڑی تھی۔ ایک لمحے میں رخ پھیر کر دیکھا تھا۔ سردا
حیدر لغاری ہاتھ میں اس کی سینڈل لئے بہ غور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اس کی کیفیت
درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر کھل رہی تھی۔ جتنا مخفی رکھنا چاہتی تھی خود کو اُ
وہ اس کے زمانوں سے اسی درجہ شناسائی رکھتا تھا۔

سیال نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی لمحے چہرے کا رخ پھیر کر آنکھوں

تھا۔
بکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا۔ اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔ چند ثانیوں تک
اسے دیکھا تھا، پھر سینڈل والا ہاتھ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔
کا بہترین حل یہ ہے کہ غصے کو آنے ہی نہ دیا جائے۔ اُلجھنوں میں گھرے رہنا مسئلے کا حل قطعاً
ے کہہ سن لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔“ وہ یقیناً محظوظ ہو رہا تھا۔
سیال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر سینڈل اس کے
لے لی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔
کہنا چاہتی تھیں تم؟“ بہ غور دیکھتے ہوئے وضاحت چاہی تھی۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی مگر
ں بھری تھیں اور یکدم ہی چھلک بھی گئی تھیں۔
بکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، ہاتھ بڑھا کر پلکوں سے نمی کے ایک قطرے کو چن
ور دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز میں اس روز والی اُلجھن نہ تھی۔ شاید آج
کے آنسوؤں نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو واقعی راحت دی تھی۔
ن ہے یا کوئی افسوس؟“ مختصر جملہ اپنے اندر بہت گہرائی لئے ہوئے تھا۔ لہجے میں کوئی خاص
۔ مگر میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی جانب نگاہ نہیں کی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ واقعی محظوظ ہو رہا
رب سیال شاید یہی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔
واپس جانا ہے۔“ بہت مشکل سے اظہارِ مدعا کیا تھا۔ آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔
ضرورت ہے اتنے بند باندھنے کی؟ —— خود پر اتنے ستم ڈھانے کی؟ جو ہوتا ہے، ہو جانے
رار ہا تھا۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔
واپس جانا چاہتی ہوں۔“ اُس کی کہی ان سنی کر دی تھی۔
ں؟ —— میرا کسی اور جانب مائل بہ کرم ہونا اچھا نہیں لگ رہا؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری
ہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔
انے پیکنگ کر لی ہے —— اگر آپ کو کام ہے تو آپ رک جائیے۔ مگر میں مزید نہیں رک
بنا اس کی سمت دیکھے بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ اس کے اطراف گونجتا چلا گیا

ر —— ہاں، مگر اس سے کیا ہو گا؟ کچھ بدل تو نہ جائے گا۔ بدلنا ہے تو خود کو بدلو میرب سیال!
ہ ان سب باتوں کا عادی ہو جانا چاہئے۔ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے تو کسی قدر برداشت تو کرنا
کیونکہ میرے معمولات یہی ہیں۔ مجھے یکسانیت کبھی اچھی نہیں لگتی۔ ایک جیسے موسم مجھے نہیں
ے ٹھہرے زمانوں سے میرا جی اوب جاتا ہے۔ اور اتنے دن سے تم بھی تو میرے ساتھ ہو۔ اتنا
کی جان ہی گئی ہو گی۔“

میرب سیال نے سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''میں جتنا جان گئی ہوں، وہ بہت کافی ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! اس سے زیاد نہیں چاہتی۔ میں اس معاملے پر بات کرنا ضروری خیال نہیں کرتی۔ یوں بھی میں لفظوں سے اقدامات پر یقین رکھتی ہوں۔ فی الحال میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے یہاں سے جانا ہے۔ کچھ مدد کریں گے یا نہیں؟'' بہت اعتماد سے بولتی میرب سیال کی سمت سردار سبکتگین حیدر لغاری متاثر ہونے والے انداز میں دیکھا تھا۔ پھر گویا ہوا تھا۔

''جانے کی اتنی جلدی کیا ہے؟ ـــــ ابھی ہی تو وہ لمحے میسر آئے ہیں جب کچھ کھلنے لگا ہے منکشف ہونے لگا ہے کچھ۔'' وہ جانے کیوں مسکرا رہا تھا۔ شاید میرب سیال کی کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

''آپ میری کچھ مدد کریں گے یا نہیں؟'' میرب سیال نے قطعی لہجے میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''مجھ سے زیادہ تمہارا خیر خواہ اور کون ہوگا میرب سیال؟''

میرب سیال اس شخص کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اسی بات کا تو احتمال ہے مجھے۔'' دھیمے لہجے میں باور کرایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

''خوف زدہ ہو مجھ سے؟''

''نہیں ـــــ مجھے آپ سے ڈر نہیں لگتا، یہ بات بتا چکی ہوں میں آپ کو۔ ڈر مجھے لگتا ہے سیاہ بختی سے۔ سارا قصور اسی کا ہے۔ یہی ہے جس نے مجھے اتنا کمزور کر دیا ہے اور آپ کو بہت

''انٹرسٹنگ۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ ''تو مجھ سے الگ ہونے کے متعلق سوچ

میرب سیال نے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا

''تمہاری سوچیں تک پڑھنے پر قادر ہوں میرب سیال! اور کہاں تک یقین دلاؤں کہ تمہیں سمجھتا ہوں یا سمجھنے لگا ہوں؟'' وہ بے حد دلچسپی سے میرب سیال کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''میرے خیال میں ہم بہت بہترین جیون ساتھی ثابت ہوں گے۔ یہی ساری کوالٹیز تو درکا اچھے جیون ساتھی بننے کے لئے۔ ایک دوسرے کو جاننا، ایک دوسرے کے دل کی بات جان دوسرے کی کیئر کرنا، خیال کرنا۔ یہی نا، اور کیا ـــــ اور کیا میرب سیال، ہاں؟'' سردار سبکتگین مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''یعنی مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' اس نے جیسے ایک لمحے میں اخذ کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے ہلانے لگا تھا۔

''نہیں میرب سیال! تم اب میری ذمہ داری ہو۔ تمہارا خیال رکھنا، تمہارے متعلق سوچنا

رہی ہے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب تم میرے ساتھ رہو۔'' وہ جیسے اسے جتا رہا تھا۔ بہت کچھ باور کرا

میرب سیال خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

میرب سیال! یقیناً تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟'' وہ مسکراتے ہوئے یقین چاہ رہا تھا اور میرب نے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''ہم یہاں سے کب جائیں گے؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''جب تم کہو گی۔'' وہ اسے مکمل لبرٹی دیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''تو پھر میں آج ہی جانا چاہتی ہوں۔'' میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''بہتر۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے شانے بہت بے نیازی سے اچکائے تھے۔

میرب سیال سر جھکائے تیزی سے پیکنگ کرنے لگی تھی۔

* * *

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

ساہیہ خان کے لئے یہ سب بہت دلچسپ تھا۔ تبھی وہ لان میں آ کر بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی تھی۔ بوندا باندی آہستہ آہستہ بارش میں بدلنے لگی تھی۔ مگر اس کا شوق نہ تھما تھا۔ اگینے کب سے آوازیں دے رہی تھی لر وہ ان سنی کر رہی تھی۔

''ساہیہ! فون کروں گی تمہاری ماما کو ـــــ شکایت لگاؤں گی باقاعدہ، یہاں آ کر بگڑ رہی ہو۔'' اگینے نے دھمکی دی تھی مگر وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''اگینے! بگڑنے میں اور انجوائے کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور میں اس وقت انجوائے کر رہی ہوں۔ ریئلی، بہت مزہ آ رہا ہے۔ میری مانیے تو آپ بھی آ جائیے۔'' اس نے با آواز بلند کہتے ہوئے فٹ بال بچوں کی طرف اچھالا تھا۔ مگر فٹ بال بچے کی جگہ اذہان حسن بخاری کے ہاتھ میں جا پہنچا تھا۔

''اذہان! تم کب آئے؟'' ساہیہ خان اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''بس ابھی ابھی۔ تم سناؤ۔''

سوٹڈ بوٹڈ سادہ شخص بنا پرواہ کئے وہاں کھڑا تھا۔ بارش تیزی سے اسے بھگو رہی تھی۔ مگر اس گھڑی اسے جیسے احساس تک نہ تھا۔ وہ اس نکھری ستھری شفاف سی لڑکی کو چہرے پر بہت شگفتگی لئے زندگی سے بھرپور رنگوں میں رنگے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ تیز بارش میں بھیگتی بہت دلربا لگ رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری تیز بارش میں بھیگتا ہوا اسے دیکھتا رہا تھا۔

''ویسے آج کل بہت پائے جا رہے ہو یہاں۔ بہت فارغ وقت ہاتھ آ گیا ہے کیا؟''

''نہیں ـــــ وقت نکال رہا ہوں۔ وہ بھی بطور خاص تمہارے لئے۔ اگر ایسا نہیں کروں گا تو پھر تم ہی گلہ کرو گی۔'' مسکراتے ہوئے جواز دیا تھا۔

''اچھا بہانہ ہے۔'' ساہیہ مسکرائی تھی۔

”بہانہ؟ —— یہ بہانہ ہرگز نہیں ہے۔ میں واقعی تمہارے لئے وقت نکال رہا ہوں۔ بطور خا مسکرایا تھا۔

”ایک بات بتاؤں —— تم بھیگ رہے ہو۔“ آگاہ کیا تھا۔ وہ مسرور سا مسکرا دیا تھا۔

”بھیگ چکا ہوں۔ مجھے چیک کررہی تھیں تم، میں حاضر دماغ ہوں یا نہیں؟“

وہ ہنس دی تھی۔

”میں کتنی برینی ہوں، جانتے ہو تم۔“

”جانتا ہوں —— تبھی تو ہمیشہ حملوں کے لئے تیار رہتا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔ ”یعنی آزمائش اترا میں۔“

”یہ میں نے ابھی نہیں کہا۔“

”کہا نہیں مگر پروف تو ہوگیا۔“

”پروف؟ لیکن ابھی تو میں نے تمہیں آزمایا ہی نہیں۔“

”تو آزماؤ نا، پلیز۔“ عجب لجاجت بھرے انداز میں درخواست ہوئی تھی۔

”اتنی جلدی کیا ہے ازہان حسن بخاری؟ —— وقت تو آنے دو، فیصلہ آپ ہی ہو جائے گا۔“

”آزمانے کے لئے وقت کی قید رکھنے والے چور ہوتے ہیں۔“ ازہان حسن بخاری شرارت تھا۔

”چور؟“ وہ مسکراتی ہوئی کسی قدر حیرت سے چونکی تھی۔ ”تم مجھے چور کہہ رہے ہو؟“

ازہان حسن بخاری بے ساختہ ہنسا تھا۔

”اسے کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ کسی قدر جارحانہ انداز میں وہ گھورتی ہوئی جانے کے لئے تیزی تھی۔ مگر وہ توازن برقرار نہ رکھ پائی تھی۔ بھاگتے ہوئے پاؤں مڑا تھا۔ وہ گرنے کو تھی جب یکدم حد سرعت کے ساتھ ازہان حسن بخاری نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان کو لگا تھا جیسے انگارے نے چھولیا ہو۔ ایک لمحے میں سنبھلتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنا چاہا تھا مگر وہ اس کے گرد باندھے بہت شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

”کتنا رومینٹک موسم ہے —— کہو تو ایک آدھ ڈوئیٹ گالیں؟“

”شٹ اپ ازہان!“ اس نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر مُکا جڑا تھا۔

”فلموں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔“ ازہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

”لیکن ہم کسی فلم کا حصہ نہیں ہیں۔“ ساہیہ خان نے ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔ وہ چلی تھی تبھی پاؤں مڑا تھا اور وہ گرتی چلی گئی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے اسے زمین پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا دیکھ کر ہنستا چلا گیا تھا۔

”شٹ اپ ازہان! اٹھاؤ مجھے۔“ ساہیہ خان نے اب کے خود ہاتھ بڑھایا تھا۔ ازہان حسن بخاری

م ہوئے ہاتھ کو مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔ وہ اٹھی تھی مگر کراہ کر رہ گئی تھی۔ شاید چوٹ شدید لگی ازہان حسن بخاری نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا۔ ساہیہ خان نے قدم اٹھانے کی کوشش کی تھی قدم بھی نہ چل سکی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ خاصے ہیلپ لیس انداز گڑی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ شاید پاؤں میں موچ آئی تھی اور چلنا یقیناً ممکن نہیں رہا تھا اس ے۔

ازہان حسن بخاری نے بہت سہولت سے جھک کر اسے بانہوں میں اٹھالیا تھا۔

ہی......یہی چاہ رہی تھیں نا تم؟“ مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

میں نے ایسی کوئی درخواست نہیں کی تھی۔“ انداز شرارت سے پُر تھا۔

برستی ہوئی بارش میں وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھائے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

”درخواست نہیں کی تھی۔ مگر اس روتی بسورتی صورت میں، تم جانتی تھیں، ایسا ہی ہوگا۔ کیسا لگ رہا تے ہینڈسم سے بندے کی بانہوں میں سفر کرنا؟“ وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنے کو خوشگوار انداز میں ہا تھا۔ ساہیہ خان تکلیف کے باوجود مسکرادی تھی۔

”تم بہت خوش فہم ہو ازہان حسن بخاری!“

”نہیں خیر، کچھ اتنا زیادہ بھی نہیں۔ لیکن ایک بات کہوں، تمہارا وزن خاصا زیادہ ہے۔ کل سے بیلنس لینا شروع کردو۔ ورنہ عنقریب سلمنگ کلب جوائن کرنا پڑے گا۔“ وہ چھیڑ رہا تھا اور وہ ہنس دی

”نسومت —— مذاق نہیں ہے یہ۔ تمہارا وزن واقعی کافی زیادہ ہے۔ دیکھو میرا سانس پھول رہا “ وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔

”شٹ اپ ازہان!“ وہ ہنس دی تھی۔ ”اچھے خاصے تو چل رہے ہو۔ اور یوں بھی لڑکیوں کی عمر اور ان کی بات نہیں کرنی چاہئے۔ وہ دونوں کے ہی معاملے میں بہت ٹچیکس ہوتی ہیں۔“

”ہاں، جانتا ہوں۔ لیکن مجھے جھیلنا پڑ رہا ہے، سو بول رہا ہوں۔ اگینے کے ہاتھ کے بنے گاجر، مٹر، آلو کے پراٹھے کھانا بند کردو۔“ ازہان حسن بخاری اسے لے کر اندر بڑھتے ہوئے بولا تھا اور وہ دی تھی۔

”تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ان تمام قسموں کے پراٹھے نوش کررہی ہوں ان دنوں؟“

”اگینے سب کو ایسے ہی کھلاتی ہیں۔ اور جانتی ہو ان کی خوب صورتی کا اصل راز یہی ہے۔ وہ دوسروں کھلا کھلا کر موٹا کردیتی ہیں مگر خود ہرگز نہیں کھاتیں۔“ وہ مسکرا رہا تھا۔

”اچھا؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔

”کیا ہوگیا ہے اسے؟“ لاؤنج میں بیٹھے سب لوگ اسے اس طرح ازہان حسن بخاری کی بانہوں میں ر چونکے تھے۔ اگینے فکرمندی میں پیش پیش تھی۔ ”کہا بھی تھا بارش میں مت کھیلو، مگر مانی ہی نہیں۔ بخت لیا نا۔ دکھاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟“

"کچھ نہیں اگینے! خالی موچ ہے شاید۔ آپ بام لگا کر پٹی باندھ دیں۔ کل تک ٹھیک ہو جا ازہان حسن بخاری نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ مگر اگینے کی فکر کم نہیں ہوئی تھ

"لگوالی نا چوٹ؟ اب مزہ آ گیا؟ —— تب جب منع کر رہی تھی تو سن کر نہیں دے رہی تھ ڈپٹتے ہوئے وہ عزیر کا نمبر ملا رہی تھی۔

"ہاں، عزیر! —— کہاں ہو تم؟ —— جلدی گھر پہنچو۔ ساہیہ کو پاؤں میں شدید چوٹ ہے۔ نہیں، اتنی انجرڈ نہیں، غالباً تم دیکھ لو آ کر۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم ہسپتال لے جائیں گے۔ تو آ جاؤ۔" گھر کے ڈاکٹر کا یہی فائدہ تھا۔ جہاں کہیں بھی ہوتا تھا فوراً دھر لیا جاتا تھا۔ اب بھی کے ساتھ تھا مگر آپا کی بات کہاں ٹال سکتا تھا۔ اگینے جانتی تھی ابھی تھوڑی دیر میں وہ یہاں ہوگا۔ اطمینان سے آ کر اس کا پاؤں دیکھنے لگی تھی۔

ازہان حسن بخاری بہ غور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اگینے کو اس طرح پریشان ہوئے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہے پھپھو؟ —— آپ بھی بس۔ اور یہ چاچو کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سیریس انجری نہیں ہوئی ہے۔ معمولی سی موچ ہی تو ہے۔ ازہان ٹھیک کہہ رہا تھا، آپ بام مل کر پٹ دیں، ٹھیک ہو جائے گا کل تک سب۔"

اگینے نے سنی ان سنی کرتے ہوئے ہیٹر آن کیا تھا۔ پھر کسی قدر ناپسندیدگی سے اس کے گیلے کپڑ دیکھا تھا۔

"اُفوہ، یہ گیلے کپڑے۔"

"اگینے! فی الحال اسے چینج کرنے کا آرڈر مت دیجئے گا۔ یہ چل پھر نہیں سکتی۔ اور خدانخواستہ زیادہ یا کمپلیکیٹڈ ہوئی تو مسئلہ ہو جائے گا۔"

"ہاں، مگر تمہارے ساتھ تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا نا۔ پھر تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" اگینے نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ چونک گیا تھا۔ اگینے بہت نرمی سے مسکرائی تھی۔

"تم تو جا کر کپڑے چینج کر سکتے ہو نا۔ اس طرح سوٹڈ بوٹڈ، بھیگے ہو۔ بیمار پڑ گئے تو؟ —— جاؤ کے کمرے میں جا کر کپڑے چینج کرو۔ میں تمہارے لئے گرم گرم کافی تیار کرتی ہوں۔" اگینے بولی تھ مسکراتے ہوئے پلٹ کر عزیر کے کمرے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

"شادی کے دن سر پر ہیں اور تم چوٹ لگوا کر بیٹھ گئی ہو۔ اب خاک انجوائے کرو گی۔ چاچا کی دیکھنے آئی تھیں اور خود چوٹ لگوا کر بیٹھ گئیں۔ اب اٹھنا مت، بیٹھی رہو یہیں، جب تک عزیر نہیں آ میں تمہارے لئے کافی بنانے جا رہی ہوں۔ ہیٹر چل رہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر تک کپڑے سوکھ جا گے۔" اگینے نے اسے ہدایت کی تھی۔ اس نے اچھے بچوں کی طرح سر ہلایا تھا اور اگینے تب پلٹ کر سمت بڑھ گئی تھی۔

"یہ پھپھو بھی نا —— چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہیں۔ مگر......" یکدم اپنا بارش میں

نا۔ ٹ بال کھیلنا یاد آیا تھا اور پھر دھڑام سے گرنا۔ وہ یکدم مسکرادی تھی۔

* * *

وزی سیڑھیوں پر قدرے نیم تاریکی میں بہت چپ چاپ بیٹھا تھا۔ جب انابیہ شاہ چلتی ہوئی اس کے پاس بیٹھی تھی مگر وہ تب بھی چونکا نہیں تھا۔ نہ ہی انابیہ شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"میرا مقصد تمہارا دل دُکھانا ہرگز نہیں تھا۔" وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ اوزی نے اس کو دیکھا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا انابیہ شاہ! کہ تم نے میرا دل دُکھایا ہے؟"

انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔ تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔

"قصور کسی کا نہیں ہے انابیہ شاہ! اس دل کو دُکھنا ہی تھا، سو دُکھ گیا۔ اوزی کا دل بہت کمزور ہے۔ اسے عادت ہو چکی ہے ایسے معاملات کی۔" وہ مسکرایا تھا، بات جیسے مذاق میں اُڑانا چاہی تھی۔ "تم سناؤ، کیوں نہیں ہو اب تک؟"

"میں اتنی جلدی نہیں سوتی اوزی! اور تم......" وہ کچھ بولتے بولتے رہ گئی تھی۔ خاموش ہو کر چہرے کا پھیر گئی تھی۔ اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے دوستانہ انداز میں رادیا تھا۔

"سنو اچھی لڑکی! ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اوزی کے دل کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم بے کار میں خود کو گلٹی امت کرو۔ میں جانتا تھا، یہ ہو چکا ہے۔ سب کچھ بھی ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا۔"

"اوزی!" انابیہ شاہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"سنا ہوگا تم نے زندگی سفر ہے، موڑ بہت سے پڑتے ہیں۔ ہر موڑ منزل نہیں ہو سکتا۔ ڈونٹ وری۔ کی از اوکے۔"

انابیہ شاہ چپ رہی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"تم مجھ سے سب کچھ چھپانا چاہتی تھیں نا؟" لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انابیہ شاہ فقط اسے دیکھ کر رہ گئی کی اور وہ ہنس دیا تھا۔

"اوزی کو اتنا کمزور سمجھتی ہو؟"

"مجھے نہیں پتہ تھا تم عفنان علی خان کو پرسنلی اتنی اچھی طرح جانتے ہو۔" انابیہ شاہ کا لہجہ مدھم تھا اور وہ کرادیا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے انابیہ شاہ؟ —— یہ تم نے منہ پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں۔ ویسے بائے کی وے، وقت کیا ہوا ہے؟"

"اپنی رسٹ واچ پر دیکھو۔"

"اوہ ہاں، میں بھول ہی گیا تھا کہ میں وقت کو اپنے ہاتھ میں لئے گھومتا ہوں۔" وہ اس کی یاددہانی پر

مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اوزی اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"تم —— انابیہ شاہ! تم کہاں تک پہنچی ہو؟"

"میں؟" وہ چونکی تھی۔ "کیا مطلب؟"

اوزی مسکرا دیا تھا۔

"زندگی سفر ہے نا۔ کہیں تم بھی برداشت تو نہیں کر رہیں؟"

انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی اور اوزی پتہ نہیں اس کی خاموش سمجھا تھا۔

"تمہیں اپنے بارے میں سوچنا چاہئے انابیہ شاہ!"

انابیہ شاہ پہلے چونکی تھی، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"ہاں —— میں اپنے بارے میں سوچتی تو ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں اتنی ہی کیئرلیس ہو

اوزی نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"نہیں —— اس سے بھی کہیں زیادہ۔"

"کیا مطلب؟"

"انابیہ شاہ! خود کو اہمیت دینا سیکھو۔ تم خود اپنے لئے کس قدر اہم ہو۔ اس بات کا ادراک تمہیں سکون دے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ —— فقط ادراک سکون کیسے دے سکتا ہے؟ ادراک سے زیادہ دیگر اقدا تو ضروری ہوں گے۔" انابیہ شاہ نے بات کو مذاق میں اُڑانا چاہا تھا اور اوزی بھی مسکرا دیا تھا۔

"یہی تو...... یہی تو کہہ رہا ہوں کہ خود کو کچھ اہمیت تو دو۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! میں خود کو اہمیت نہیں دیتی؟ میرا خیال ہے ہر کوئی اپنے آپ کو اہمیت دیتا ہے۔ یہاں بات میری نہیں، تمہاری ہو رہی تھی اور یہاں میرے خود کو اہمیت دینے سے زیادہ ضر بات یہ ہے کہ تم خود اپنے اس جعلی خول سے باہر نکل آؤ۔ بہت کھوکھلے لگتے ہو کبھی کبھی۔" وہ جواباً مسک ہوئی بولی تھی اور اوزی ہنستا چلا گیا تھا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟ —— میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم ٹھیک نہیں کہہ رہی ہو۔ جانتی ہو، کبھی کبھار چیزیں جیسی نظر آتی ہیں ویسی نہیں ہیں اور درحقیقت جیسی ہوتی ہیں ویسی نظر نہیں آتیں۔"

"یہ فلسفیانہ باتیں خدا کے لئے اپنی پٹاری میں بند رکھو اوزی! تم جانتے ہو اتنی مشکل باتیں میری میں قطعاً نہیں آتی ہیں۔"

"تمہاری سمجھ میں تو اور بھی بہت کچھ نہیں آتا انابیہ شاہ!" وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ تھی۔

"تم عفنان علی خان کو کب سے جانتی ہو انابیہ شاہ؟" قدرے توقف کے بعد اوزی نے دریافت کیا

ابیہ شاہ نے بہت چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو اوزی؟" اس کا لہجہ مدھم تھا۔

اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"نہیں، ایسے ہی۔" انداز ٹالنے والا تھا۔

"وہ کچھ کہہ رہا تھا تم سے۔" انابیہ شاہ نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میں یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ دراصل وہ تمہاری دوست کا فیانسی ہے نا، سو تم اس تعلق کیا سوچتی ہو؟"

"میں؟ —— میں اس کے متعلق کیا سوچوں گی اوزی؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟"

"ریلیکس۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔" اوزی نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"تو پھر...... پھر کیا تھا؟" انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ اوزی نے بہت تگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"انابیہ شاہ! تم بہت اچھی ہو۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ بات میں جانتی ہوں اوزی! اب زیادہ مکھن مت لگاؤ۔"

وہ مسکرائی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"وہ دادا ابا کا اچھا دوست بن گیا ہے اوزی! دادا ابا شاید اس سے قبل بہت تنہائی محسوس کرتے تھے۔ وہ کتابوں میں الجھے نظر آتے تھے۔ میں اور ماما شاید انہیں زیادہ وقت دے نہیں پاتے تھے۔ مجھے اس ت کا اندازہ ہے اوزی! تبھی جب عفنان علی خان ان سے ملنے کی غرض سے یہاں آنے لگا تو میں نے ئی قدغن نہیں لگائی۔ اس کی وجہ سے دادا ابا کا وقت اچھا گزر جاتا ہے اوزی! مجھے دادا ابا بہت عزیز یں۔"

"اور عفنان علی خان؟" اوزی یکدم گویا ہوا تھا۔ وہ حیران ہو کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"عفنان علی خان؟"

"ہاں —— میں کہہ رہا تھا، عفنان علی خان اس لحاظ سے خاصا معقول اور مناسب شخص ہے۔ وہ جس قدر اچھا نظر آتا ہے اس سے کہیں زیادہ دل کا اچھا ہے۔ یقیناً دادا ابا اس کے ساتھ اچھا محسوس کرتے ہوں گے۔" اوزی مسکرا رہا تھا اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

"تم عفنان علی خان کو کب سے جانتے ہو؟"

"یہ چھوڑو، میں اسے جانتا ہوں کیا یہ کافی نہیں ہے؟" پھر کسی قدر تشویش سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ "اے، کہیں تم اپنی دوست کو لے کر تو اپری ہینسو نہیں ہو رہیں؟"

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اوزی ہنس دیا تھا۔

"تمہاری دوست کو ایک اور جنم ملے اور وہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈے تب بھی اسے عفنان علی خان جیسا بندہ نہیں ملے گا۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو اوزی؟" انابیہ شاہ نے اس کی جانب کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ مگر

"جو مل گیا ہے اسے یاد رکھ، جو نہیں ملا اسے بھول جا۔" وہ اپنی لاجک بیان کر رہا تھا اور انابیہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ یکدم اٹھا تھا۔ تبھی انابیہ شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اوزی اس کی سمت تھا۔ انابیہ شاہ نے اسے بہ غور دیکھا تھا، پھر مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"بھولنا واقعی کیا اتنا آسان ہے اوزی؟"

اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"گڈ نائٹ ـــــ تم بھی سو جاؤ اب۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور اس کی جانب دیکھ کر رہ گئی تھی۔

* * *

ایک طوفان کے بعد ایک سکون بہت لطف دیتا ہے۔

اس نے نیویارک پہنچ کر جیسے سکون کا سانس لیا تھا۔ اپنوں کے درمیان ایک تحفظ کا احساس اندر اُبھرا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کی پُرسکون کیفیت کو بہ غور دیکھا تھا۔

"مجھے پاپا سے ملنے جانا ہے۔" میرب سیال نے اظہارِ مدعا کیا تھا۔

"ضرور ـــــ مگر وہ تو ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو چکے ہیں غالباً۔" دھیمے لہجے میں باور کرایا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"جانتی ہوں ـــــ آج ان سے ملنے کے بعد مجھے اپنے جانے کے متعلق بھی مطلع کرنا روز گزر گئے ہیں، سیفی کا فون آیا تھا۔ میری اسٹڈی کا بھی بہت حرج ہو رہا ہے۔ سمسٹرز سر پر ہیں اور وہ بول رہی تھی جب یکدم ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"اور تم؟"

وہ کچھ نہیں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"تم بھی کوئی معمولی کام تو نہیں کر رہیں میرب سیال! غالباً تم تو سب سے بڑا کام کر رہی ہو۔ ز سمجھ رہی ہو۔ اس کے اسرار، اس کے بھید سمجھ رہی ہو اور یہ کوئی معمولی کام تو نہیں ہے۔"

"ہاں شاید۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے ا سے دنوں میں جتنا زندگی کو سمجھا ہے، جانا ہے وہ واقعی بہت زیادہ ہے۔"

"اس کے لئے تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ یقیناً یہ میری بدولت ہی ممکن ہوا۔" وہ جانے مسکرا رہا تھا۔

"ہاں ـــــ اس کے لئے میں واقعی آپ کی ممنون ہوں۔ آپ نے مجھے واقعی زندگی کا ایک دکھایا ہے۔ شاید میں ساری زندگی میں جو نہ دیکھ پاتی، جو نہ محسوس کر پاتی، آپ نے مجھے اس احسا دو چار کیا ہے۔" وہ بہت خوب صورتی سے طنز کر رہی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت رسانی مسکرا دیا تھا۔

رہو جاؤ ـــــ مجھے فورٹین وال اسٹریٹ جانا ہے۔ وہاں سے ہو کر میں تمہیں تمہاری فیملی کی
ڑ دوں گا۔" پیشکش کی تھی۔ مگر میرب سیال نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
ں، اس کی ضرورت نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ اتنی انجان نہیں ہوں یہاں کے راستوں سے۔"
رض برتا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔
ے اپنی چیزوں کی حفاظت کرنا اچھا لگتا ہے میرب سیال! میرا انداز اپنی چیزوں کے متعلق بہت
ہے۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔" دھیمی مسکراہٹ بتا رہی تھی وہ میرب سیال کی کیفیت سے
ر رہا تھا۔

ب سیال چپ چاپ اٹھ کر وارڈ روب کے سامنے جا رکی تھی۔ جب وہ تیار ہو کر نکلی تھی، سردار
یدر لغاری اس کا منتظر تھا۔ اب اسے پھر اس ناپسندیدہ سنگت کو جھیلنا تھا اور برداشت کرنا تھا۔ خود
تھا اور جبر کرنا تھا۔ اتنے دنوں میں بہت سی مجبوریوں کے باوجود وہ اب تک اس جبر کی جانے کیوں
ں ہوئی تھی۔ اور شاید وہ کبھی عادی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ تبھی اپنے طور پر اس نے فیصلہ کر لیا تھا اور
تھا کہ اسے اس فیصلے سے ہٹنا نہیں تھا۔
ض، اس کی قربت، خود اس کا جبر سب وقتی تھا۔
ر روزہ تھا۔
یقیناً اسے غلط سمجھا تھا۔
در اپنا اس کا زعم بہت بودا تھا اور یہ میرب سیال نے اسے سمجھانا تھا۔
اپنی دسترس پر بہت خوش گمان تھا۔ اپنی دولت، اپنے حسب نسب، نام، مرتبے پر نازاں تھا۔ اس کی
میں تسلط ہی تسلط تھا مگر وہ یہ بھول گیا تھا کہ میرب سیال ایک جیتا جاگتا وجود ہے، کوئی مفتوح علاقہ
بہت خوش گمان تھا وہ۔ شاید کسی قدر اندھیرے میں تھا اور میرب سیال کو اسے اس اندھیرے سے
نا تھا۔ اس کی خوش گمانی کو دور کرنا تھا۔
وہ آج کے دور کی لڑکی تھی۔ اپنے حقوق سے بخوبی واقف تھی اور اپنے حق کے لئے لڑنا جانتی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری اگر اسے کمزور سمجھنے کی غلطی کر رہا تھا تو یقیناً وہ بہت غلطی پر تھا۔ گاڑی فورٹین
اسٹریٹ پر رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نیویارک اسٹاک ایکسچینج کے اندر گیا تھا اور وہ بزنس کیپٹل
کے نام سے جانی جانے والی فورٹین وال اسٹریٹ کی عمارت کو بہ غور دیکھنے لگی تھی۔ امریکہ کی وہ
ت جس کے باعث وہ ساری دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وال
یٹ کو چھینک آتی ہے تو امریکہ کی پوری اکانومی کو نمونیا ہو جاتا ہے۔ میرب سیال کی نظریں اس وقت
بل پر تھیں جس کے سینگوں پر امریکن اکانومی کا گراف نمایاں تھا۔ بُل کے سینگ اوپر تھے، یعنی امریکہ
اکانومی کا گراف ان دنوں بلند تھا۔ اگر وہ سینگ نیچے ہوتے تو یقیناً امریکہ کی اکانومی کو نمونیا ہو گیا ہوتا۔
وہ یہ سوچ کر ہی مسکرائی تھی، جب یکدم اس کی نظر عمارت سے باہر نکلتے سردار سبکتگین حیدر لغاری پر
لگی۔ وہ تنہا نہ تھا۔ کوئی اس کے ساتھ تھا اور وہ گی تھی۔ وہی گی، جس کی دلربائی قیامت خیز تھی اور سردار

سبکتگین حیدر لغاری جس کی دلربائی کا اسیر تھا۔

اس گھڑی بھی وہ اس کے ساتھ بہت خوش گوار موڈ میں تھا۔ دونوں جانے کیا بات کرر میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ اس کی سمت جھک رہا تھا۔ میرب سیال یکدم ہی چہرے کا رخ تھی۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا تھا، وہ یکدم دروازہ کھول کر اتری تھی اور تیزی سے چلتی ہوئی وہاں سے لگی تھی۔ بنا اس کی پرواہ کیے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی غیر موجودگی میں کس درجہ پریشان ہو اسے کچھ پرواہ نہیں تھی۔ بس اس کے اندر جیسے ایک طوفان اٹھا تھا اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑ تھی۔ بہت سی نمی اس کی آنکھوں میں آن رکی تھی۔ مگر وہ رکی نہیں تھی، قریب سے گزرنے والی کیب کیا تھا اور پھر فوراً دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا سوچ کرے گا۔ اسے اس کے متعلق پرواہ نہیں تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ کیب فراٹے بھرنے لگی اور وہ آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

❄❄❄

اگینے اور دیگر لوگ ساہیہ خان کو متواتر ڈانٹ ڈپٹ رہے تھے اور وہ جانتی تھی اس کا قصور تھا۔ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''شادی کتنی نزدیک ہے اور تم .... لوگ کیا کہیں گے، یہ ہے دولہے کی وہ بہن جو کیلگری تھی۔'' اُس کے چلنے پھرنے پر پابندی تھی۔ حالانکہ معمولی سی موچ تھی مگر سب کا نزلہ اس پر گر رہا تھا۔ ازہان آیا تھا تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''خوش ہو اب؟'' ازہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ وہی شگفتہ ہنسی ہنس تھی۔

''ہاں بہت۔ کم از کم انجوائے بھی تو میں نے ہی کیا ہے نا۔ اور یہ معمولی سا درد اس کے سامنے کچھ ہے۔''

ازہان حسن بخاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ یہ لڑکی واقعی بہت زندہ دل تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر ساہیہ نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''زندگی۔'' وہ بہت آہستگی سے مسکرایا تھا۔

''زندگی؟'' وہ چونکتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''ہاں ـــــ زندگی، دلکشی اور ....'' جملہ مسکراتے ہوئے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''اور ....؟'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''رعنائی۔'' ازہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے جملہ مکمل کیا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''رئیلی ساہیہ خان! کبھی کبھی مجھے تم پر حیرت ہوتی ہے۔ تم زندگی سے اتنے خوش گوار رنگ کیسے چ ہو؟ ـــــ کیسے ڈھونڈ لیتی ہو اتنے کھلتے ہوئے موسم؟'' ازہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا اور وا چلی گئی تھی۔

ں کا جواب میں تمہیں دوں گی۔ مگر ایک شرط پر۔''

''کیا؟''

''یہ کہ تمہیں مجھے آئس کریم کھلانے لے جانا ہوگا۔'' ساہیہ خان نے فرمائش کی تھی اور وہ ہنس دیا

سوچ لو، بارش ہو رہی ہے آج بھی۔ کیا آج بھی بازوؤں پر اٹھانا پڑے گا؟''

اٹھا لوگے تو کوئی حرج بھی نہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''تو پھر تم لے جا رہے ہو نا؟''

اگینے سے پوچھنا ہوگا۔'' ازہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

''وہ تو کبھی بھی اجازت نہیں دیں گی۔'' ساہیہ نے منہ بسورا تھا۔

تو پھر؟''

کہہ دو، میں لے جانا چاہ رہا ہوں۔'' مسکراتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر بہت آہستگی تھ بڑھا کر اس کا ہاتھ مانگا تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ جانب بڑھا دیا تھا۔ ازہان حسن بخای نے اس کا ہاتھ تھام کر سہارا دے کر اسے کھڑا کیا تھا۔ ساتھ ے فاصلے پر دیگر خواتین کے ساتھ بیٹھی ضروری امور پر تبادلہ خیال کرتی اگینے کی طرف دیکھا تھا۔ آواز بلند مطلع کیا تھا۔

اگینے! ہم آئس کریم کھانے جا رہے ہیں۔''

ٹھیک ہے ـــــ جلدی آ جانا۔'' اگینے کا جواب تھا اور ازہان حسن بخاری اسے لے کر آگے بڑھنے

لے کر تو جا رہا ہوں۔ مگر سنو، میرے سہارے کی عادی مت ہو جانا۔'' ازہان حسن بخاری نے چھیڑا مسکرا دی تھی۔

''تمہاری ایک پرابلم ہے ازہان حسن بخاری! پتہ ہے کیا؟ تم خوش فہم بہت جلد ہو جاتے ہو۔''

''اوہ، رئیلی؟'' وہ مسکرایا تھا۔ ''ایک خوب صورت لڑکی میرے اتنے قریب ہوگی تو بولو اور کیا ہوگا؟'' چھیڑنے سے باز نہیں رہا تھا اور ساہیہ خان کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو ازہان حسن بخاری! میں نے تمہیں بدل دیا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

''وہ کیسے؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''تم میرے رنگ میں رنگنے لگے ہو۔'' ایک گہرا انکشاف ہوا تھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

''اچھا ـــــ کیا واقعی؟ مجھے اس بات کا پتہ نہیں تھا۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔

''اب تو پتہ چل گیا نا؟'' ساہیہ مسکرائی۔

''ہاں۔'' وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے بٹھایا پھر دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا تھا۔

''تم لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہو؟''

’’تم ایسا سمجھتے ہو—— میں ایسا نہیں سمجھتی۔ لڑکیاں تو خدا کی بنائی ہوئی خاصی عقل مند لڑ
ساہیہ نے بھرپور انداز میں ڈی فنڈ کیا تھا۔ ازہان حسن بخاری ونڈ اسکرین کی سمت تکتا ہوا مسکرادیا

’’تم مسکرا رہے ہو؟‘‘ ساہیہ کو جیسے اُلجھن ہوئی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

’’تو اور کیا کروں؟‘‘ ایک نظر اسے دیکھا تھا۔

’’یعنی تم ڈنائے کر رہے ہو؟‘‘ وہ کسی قدر خفگی سے بولی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے مسکراتے ہ
نفی میں ہلا دیا تھا۔

’’نہیں، کم از کم میں اتنی خوب صورت لڑکی سے اختلاف نہیں کر سکتا۔‘‘ اس کا انداز شرارت
اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔ بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ ازہان حسن بخاری ونڈ اسک
گرتی پانی کی بوندوں کو تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

’’بارش ہو رہی ہے ساہیہ!‘‘ پتہ نہیں اس نے اطلاع دی تھی یا پھر سوال کیا تھا۔ وہ سمجھی نہیں ت
شاید کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

’’ہاں، تو پھر؟‘‘ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر تھی مگر آنکھوں میں حیرت بہت واضح تھی۔

’’بارش—— ساہیہ! تم لڑکیوں کو بارش اتنی پسند کیوں ہوتی ہے؟‘‘

’’بارش؟‘‘ وہ چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ ’’شاید اس لئے کہ ہم اپنے اندر بہت زیادہ دلکشی ا
رکھتے ہیں۔‘‘

ازہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

’’مجھے تم سے ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی ساہیہ خان!‘‘

’’جب توقع تھی تو پھر پوچھا کیوں؟‘‘

’’تصدیق، ساہیہ خان! تصدیق چاہتا تھا میں۔‘‘

’’تو اب ہو گئی تمہاری تصدیق؟‘‘ وہ مسکرائی تھی۔

’’ہاں۔‘‘ اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

’’ایک بات کہوں ساہیہ؟‘‘ اجازت طلب کی تھی۔

’’ہاں کہو؟‘‘ وہ کھڑکی سے باہر برستی بارش کو بہ غور دیکھ رہی تھی۔

’’تم بالکل اس بارش جیسی ہو۔‘‘ عجب انکشاف تھا۔ ساہیہ خان نے بہت چونک کر اس کی سم
تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

’’شٹ اپ ازہان! ایسے دعوے مت کرو۔ ابھی تمہیں موسموں کی کچھ خبر نہیں۔ ابھی
جاننے لگے ہو تم رنگوں کو، موسموں کو...... اور......‘‘ ساہیہ خان نے کھڑکی کی سمت چہرہ پھیر ل
بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

’’اور؟‘‘ ازہان حسن بخاری نے نگاہ ونڈ اسکرین سے اس کی سمت منتقل کی تھی۔ ساہیہ خان
کے مدھم لہجے پر اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت اعتماد کے ساتھ مسکرا دی تھی۔

ن کورس۔ ساہیہ خان کو بھی۔‘‘ جملہ مکمل کیا تھا۔ مگر ازہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

ہیں کیسے لگا کہ میں تمہیں اب جاننے لگا ہوں ساہیہ خان؟‘‘ وہ جیسے اس کے جواب سے حد درجہ
اتھا۔

اہری بات ہے ازہان حسن بخاری! ہم ملے بھی تو اب ہی ہیں۔‘‘ ساہیہ خان نے یقین دلانا چاہا

ر یہ پہچان اوّل اوّل کی تو نہیں۔‘‘ ازہان حسن بخاری منکر ہوا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت دیکھتی
ارسانیت سے مسکرائی تھی۔

ل اوّل کے تعلقات سے بھی کچھ زیادہ پیچیدہ سی بات ہے۔ ازہان حسن بخاری! ہم تب ملے تھے
ی کوئی پرسنالٹی ڈی ویلپ ہی نہ ہوئی تھی۔ وہ بچپن تھا۔ جب سب منظر اچھے لگتے ہیں اور سارے
ب صورت۔ وہ دور بڑا ناسمجھی کا دور تھا۔ سراسر حماقتوں کا دور۔ اور حماقتوں کو یاد رکھنا اور یاد کرنا کوئی
ی نہیں۔ ہم یقیناً اب اتنے احمق نہیں رہے۔‘‘

نی اب اس سے زیادہ احمق ہو گئے ہیں۔‘‘ ازہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ وہ بھنچے لبوں کے ساتھ
اتھی۔

ر سوچو ساہیہ خان! اب اس مزید احمق پن کے ساتھ ایک دوسرے کو سمجھنا تو اور بھی دشوار ہو گا نا۔‘‘

م کتنا فضول بولتے ہو نا ازہان حسن بخاری!‘‘

ہ نہیں۔ مگر اتنا جانتا ہوں مجھے بولنا تم نے سکھایا ہے۔‘‘ اس نے اعتراف کیا تھا۔ وہ حیران ہوئی

نی اس سے قبل تم جیسے بولتے ہی نہیں تھے۔‘‘

ان حسن بخاری نے گاڑی آئس کریم پارلر کے سامنے روک دی تھی۔

ہیں بولتا تھا۔‘‘ اعتراف کیا تھا۔ لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ ساہیہ کی سمت بہ غور دیکھتے
و چہرے کا رخ پھیر کر اس کے لئے آئس کریم کا آرڈر دینے لگا تھا اور ساہیہ خان اس کی سمت بہ
نے لگی تھی۔

نہیں کیا لگتا ہے ساہیہ خان! اس آئسکریم میں ایسی کیا بات ہے جو بندے کے موڈ کو ہپی شپی کر
ہے؟‘‘ آئس کریم اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

اس میں کریم ہے، مٹھاس ہے ازہان حسن بخاری! اور یہ دونوں چیزیں محبت کی علامت ہیں۔‘‘

آ...... اچھا......‘‘ وہ ہنس دیا تھا۔

تمہیں نہیں معلوم تھا؟‘‘ وہ حیران ہوئی تھی۔

ہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

نہیں۔ مگر تم نے بتا کر بہت اچھا کیا۔‘‘ اس نے کہتے ہوئے جھک کر اس کی آئس کریم میں سے ایک
لے لیا تھا۔

''واقعی، میٹھی اور کریمی تو ہے۔'' پُرخیال انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

''جانتے ہو، آئس کریم سب کے ساتھ شیئر نہیں کرتے۔'' ساہیہ خان نے ایک انکشاف ک

''کیا مطلب؟ —— پھر کس کے ساتھ شیئر کرتے ہیں؟'' ازہان حسن بخاری نے سوالیہ
اس کی سمت دیکھا تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے مفہوم تم مجھ سے پوچھتے ہوئے بہت اسٹوپڈ لگتے ہو ازہان حس
اور وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''جس بات کے متعلق پتہ نہ ہو اس کے متعلق پوچھ لینے میں، میں کوئی قباحت محسوس نہیں
خان!'' باور کرا دیا تھا۔ ''شاید تم بتانا نہیں چاہ رہی تھیں یا واقعی تمہارے پاس اس کا کوئی جوا
مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''میں کوئی بھی بات بلا جواز نہیں کرتی ازہان حسن بخاری!'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''تو پھر بتاؤ نا، تم کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کس بات سے متعلق؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''آئس کریم سے متعلق۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تم اتنی کریوسٹی کیوں محسوس کر رہے ہو ازہان حسن بخاری؟''

''اور تم چھپانا کیوں چاہ رہی ہو؟''

''میں چھپانا نہیں چاہ رہی مگر کچھ باتیں خود آپ بھی سمجھنا چاہئیں ازہان حسن بخاری! ا
خیال کہ تم ناسمجھی کی ایج میں ہو۔'' وہ جتاتی ہوئی مسکرائی تھی۔

ازہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر جھک کر اس کے کپ میں سے آئس کریم
منہ میں رکھی تھی، پھر مسکرا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت شرارت تھی اور ساہیہ خان اسے دیکھ کر ا

''تم سیدھی سادھی باتوں کو کتنا پیچیدہ کر دیتی ہو ساہیہ خان!'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھ
خان اسے گھورنے لگی تھی۔ مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

❄❄❄

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وہ اوزی کے ساتھ ساحل کے کنارے کھڑی تھی۔ جب ا
اوزی کو کوئی پرانا دوست مل گیا تھا۔ وہ معذرت کرتا ہوا اس کے سنگ بڑھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ تنہا ساحل کی لہروں کے سنگ کھڑی سمندر کی وسعتوں کو دیکھنے لگی تھی۔ بوندا باندی
پکڑنے لگی۔ وہ بھیگنے لگی تھی۔ اس نے نگاہ اس سمت کی تھی جہاں اوزی گیا تھا۔ وہ اب تک نہ لو
رخ پھیر کر ساحل پر لہروں کے سنگ کھیلتے بچوں کو بہ غور دیکھنے لگی تھی۔

برستی ہوئی بوندیں اسے بھگونے لگی تھیں۔ مگر تب اچانک ہی کسی نے اس پر چھتری کا سایہ
کسی کی موجودگی کے احساس نے اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عفنان علی خان اس
ڈھال بنا کھڑا تھا۔

چونک گئی تھی۔ آواز میں حیرت بہت نمایاں تھی۔

''دا
یہاں تنہا کھڑی کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔

تنہا نہیں ہوں۔ اوزی بھی ہے۔ اس کا کوئی فرینڈ مل گیا تھا، وہ اس کے ساتھ گیا ہے۔ آپ کو کیا
کہ ہم یہاں آنے والے ہیں؟'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

نہیں۔ مگر شاید اسے دل سے دل کو راہ ہونا کہتے ہیں۔ ویسے کیا تم ایسا نہیں سمجھتیں؟''

شاہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

میرا چیزوں کو سمجھنے کا تجربہ بالکل مختلف ہے۔''

یہاں بھی تم میری مخالف سمت کھڑی ہو۔'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔ وہ جواباً اس کی سمت
پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

ٹھیک سمجھے ہیں۔ تنہا کیوں ہیں؟ —— اس موسم میں تو لامعہ کو آپ کے ساتھ ہونا چاہئے

علی خان نے اس کے سوال پر اس کی سمت دیکھا تھا پھر شانے اچکا دیئے تھے۔ انداز کسی قدر

یقیناً حیرت ہوئی ہوگی اوزی کے اور میرے تعلق پر۔'' وہ جیسے بات جاری رکھنے کو بولا تھا۔
نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

—— کچھ خاص نہیں۔'' انداز سرسری تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

تمہیں بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔''

کو کس طرح پتہ چلا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

کر رہا تھا —— یوں ہی باتوں میں اکثر وہ تمہارا ذکر کر دیتا ہے۔''

نان علی خان! اچھے اور پرانے دوستوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے اچھی
ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا ذکر برملا کرتے ہیں۔'' شاید وہ باور کرا رہی تھی۔ عفنان علی
دیا تھا۔

''اس کا انداز کسی قدر بے تاثر تھا۔

—— آپ کو کبھی اندازہ نہیں ہوا؟'' انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا
علی خان نے چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

'' وہ مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی شانے اچکا گئی تھی۔ پھر نگاہ پھیر کر
وسعتوں پر جما دی تھی۔ عفنان علی خان اسی طرح اس پر چھتری تانے کھڑا تھا جب وہ احساس
چونکی تھی اور اس کی سمت دیکھا تھا۔

پلیز، میری فکر نہ کریں۔ مجھے بارشوں میں بھیگنے سے ڈر قطعاً نہیں لگتا۔ اوزی کو بہت شوق ہو
بھی بارشیں بہت پسند ہیں۔ ایک بوند بھی گرے تو وہ کمرے میں یا گھر کے اندر دبک کر نہیں

بیٹھ سکتا۔" وہ مسکراتی ہوئی مطلع کر رہی تھی اور اس گھڑی بارش میں اور بھی شدت آ گئی تھی۔ و تھا مگر انابیہ پر مسلسل چھتری تانے ہوئے تھا۔

"آپ دوستوں میں کیا یہ بات کامن ہے؟" وہ دلچسپی سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

"نہیں، بالکل نہیں۔ مجھے بارش کچھ زیادہ اچھی نہیں لگتی۔ مگر اوزی تو دیوانہ ہے۔ وہ مسکر کی سمت دیکھ رہی تھی۔ جب یکدم ایک لہر نے اس کے قدم ہلا دیئے تھے۔ وہ لڑکھڑائی تھی قبل کہ گرتی، عفنان علی خان نے بہت سرعت کے ساتھ اسے تھام لیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی دور لہروں پر جا گری تھی۔

انابیہ شاہ کو ایک لمحے میں جیسے کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔ حواس لمحہ بھر کو جیسے مفلوج ہو گئے تھے۔ بم ایک احساس سا سارے وجود کو جھنجھوڑ گیا تھا۔ ایک لمس نے جیسے سارے وجود میں ایک ہلچل سنبھلی تھی۔ بنا اس کی سمت دیکھے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا۔ پھر سنبھل کر کھڑے دور لہروں پر نگاہ کی تھی۔

"وہ آپ کی چھتری۔"

عفنان علی خان نے ایک نگاہ لہروں پر بہتی ہوئی چھتری کو دیکھا تھا، پھر انابیہ شاہ کی سمت

"تم چاہتی ہو میں وہ چھتری لینے جاؤں؟" وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھ مسکرا دی تھی۔

"آپ ہر بات میں میری رائے جاننے کے لئے کیوں بضد ہوتے ہیں؟ چھتری آپ کی بھی آپ کی ہونی چاہئے۔" وہ بے نیازی سے شانے اچکاتی ہوئی بولی تھی۔ انداز لاتعلق سا تھا

عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ بہ غور ایک نگاہ۔ اور پھر یکدم ہی لہروں کی س تھا۔ انداز میں ایک جنوں خیزی تھی، اشتعال تھا اور انابیہ شاہ اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔ عف کے قدم شوریدہ سر لہروں کی سمت بڑھ رہے تھے اور چھتری مزید آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

عفنان علی خان یقیناً خطرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ انابیہ شاہ کے اندر یکدم ہی خوف تھا۔ وہ بے حد پریشانی کے ساتھ اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ تیز بارش کے باعث سمندر کی ط بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ لہریں اور بھی شوریدہ سر ہو رہی تھیں۔

"عفنان علی خان!" اس نے آواز دے کر اسے آگے جانے سے باز رکھنا چاہا تھا مگر اس ان سنی کر دی تھی۔

"عفنان!" وہ چیخی تھی مگر وہ نہیں رکا تھا۔ کتنی شوریدہ سر لہریں تھیں۔ عفنان علی خان جتنا تھا وہ مزید اس سے دور جا رہی تھی۔ وہ اس سے کتنی دور جا چکا تھا۔ تیز لہروں کا شور تھا۔

"عفنان!" وہ چیخی تھی۔ ایک بڑی لہر اس کی سمت بڑھ رہی تھی۔ مگر اس کی جنوں خیزی ہرگز

"عفنان!" لہر نے اسے خود میں ضم کر لیا تھا۔ انابیہ شاہ کی پُر وحشت آنکھیں اسے ڈھونڈنے لگی

"عفنان! پلیز ہیلپ۔" وہ چیختی چلی گئی تھی۔

***

یا ہوا؟ کچھ پتہ چلا؟" گی نے شستہ انگریزی میں سردار سبکتگین حیدر لغاری سے دریافت کیا نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ چہرے پر عجب طرح کا ایک کھنچاؤ تھا۔ پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ گی اس سے زیادہ پریشان شاید پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سکتا ہے وہ کسی ضروری کام سے کہیں چلی گئی ہو۔" گی نے اسے تسلی دینا چاہی تھی۔ مگر سردار حیدر لغاری تب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ بہت خاموشی کے ساتھ جیب سے سیل فون نکالا تھا اور کوئی نمبر نے لگا تھا۔

ین! انڈراسٹینڈ۔ وہ بچی نہیں ہے۔ اور پھر تم بتا رہے تھے نا وہ یہاں پہلے بھی آتی رہی ہے۔ تب تو یہاں کے راستوں اور مقامات سے واقف ہو گی۔" گی اس کا حوصلہ بندھانا چاہتی تھی مگر وہ سوائے وش نگاہ اس پر ڈالنے کے کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کا ڈائلڈ نمبر رسپانس ہو گیا تھا۔

ری طرف زوباریہ تھی۔

ہلو، جی میں سردار سبکتگین حیدر۔ کیا میرب اس طرف پہنچ گئی ہے؟" بہت شائستگی سے دریافت کیا تھا۔

باریہ کسی قدر حیران ہوئی تھی۔

ہیں، ابھی نہیں۔ کب نکلی تھی وہ یہاں آنے کے لئے؟"

ی تھوڑی دیر قبل۔ اینی وے، ڈونٹ وری۔ شاید وہ راستے میں کہیں رک گئی ہو۔"

اں۔ مگر تم اتنا کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ وہ بچی نہیں ہے۔ پھر یہاں کے راستے اور مقامات بھی لئے نئے نہیں ہے۔ وہ طویل عرصہ یہاں گزار چکی ہے۔ اس کی اسکولنگ یہیں ہوئی تھی۔ تم فکر د۔ شاید کوئی پرانے دوست مل گئے ہوں گے۔ انہی کے ساتھ رک گئی ہو گی۔" زوباریہ نے اسے رنا چاہا تھا۔ وہ یقیناً اس معاملے کو بہت سرسری لے رہی تھیں۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری جانتا تھا یہ س قدر سرسری تھا نہیں۔

گی شاید، بہر حال جیسے ہی وہ وہاں پہنچے، پلیز آپ میری اس سے بات کروا دیجئے گا۔"

اوکے۔ مگر ڈونٹ وری، ہاں۔" زوباریہ مسکرائی تھی۔

نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ بس آپ میری اس سے بات کرا دیجئے گا۔ مجھے مائی اماں کا ایک ضروری ے دینا ہے۔"

اوکے۔" زوباریہ نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کی رگیں اور بھی تن گئی تھیں۔ یقیناً اس کی پریشانی مزید بڑھ گئی "وہ وہاں بھی نہیں گئی تھی تو پھر کہاں گئی تھی؟

یقیناً پریشان تھا اور اسے ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس نے ہاتھ میں تھما ہوا سیل فون دیوار پر دے مارا شاید اس سے زیادہ غصہ اسے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ میرب سیال بے حد بچپنا رکھتی تھی اپنی طبیعت میں ے کھا بات ہمیشہ خائف رکھتی تھی۔

وہ اس تعلق سے قبل بھی جانتا تھا کہ ان دونوں کی سوچوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا، ذ گے، ذہنی سطح نہیں ملے گی۔ وہ اسے دیکھتے ہی جان گیا تھا، وہ بے حد امیچور ہے۔ وہ بہت کچ کرے گی اس سے اور اس کی سوچوں تک کبھی رسائی حاصل نہ کر سکے گی۔

وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر وہ یہ بات مائی اماں کو نہ سمجھا سکا تھا۔ وہ کچھ سننے کو، ما نہ تھیں۔ بس اپنی خواہشیں نظر آ رہی تھیں انہیں اور وہ اس لمحے ان کی خواہشوں کو کسی طرح بھی حوصلہ خود میں نہیں پا رہا تھا۔ اس نے خود کو رد کر کے ان کا فیصلہ مان لیا تھا مگر وقت اسے رد نہیں وہی ہوا تھا جو اس نے اخذ کیا تھا۔ وہ لا ابالی پن کی اس ایج میں تھی جہاں خوابوں کے شہر بسائے جا خوابوں کے محل بنائے جاتے ہیں۔

وہ خوابوں، خیالوں میں زندگی بسر کرنے والی لڑکی تھی اور وہ حقیقتوں کو کھلی آنکھ سے دیکھنے میچور شخص۔

یہی تضاد ان دونوں کے بیچ کے فاصلے سمیٹ نہ سکا تھا اور یقیناً ایسا کبھی ہونا بھی ناممکن ہی اس تعلق کو اب کسی بوجھ کی طرح اتار کر پھینک بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس کی سرشت میں نہ تھا۔ وہ تو اس کا حسب نسب، خاندانی وقار اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے۔ سو اب یہ تعلق خواہ بوجھ سہ سبکتگین حیدر لغاری کو اسے ڈھونا ضروری تھا۔ خواہ عمر بھر سہی۔ مگر وہ میرب سیال سے کسی بھی دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ اس سے بھاگ رہی تھی، رہائی چاہتی تھی۔ مگر وہ چاہتے اتنی چھوٹ نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اپنے حقوق کی کوئی جنگ لڑے یا پھر اس سے علیحدگی کے متعلق بھی اور خواہ اسے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑتا۔ کچھ بھی۔

”گین! پلیز ڈونٹ بی ایموشنل۔“ گی نے بہت آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا نازک تھا۔ ”گین! یو ول فائنڈ آؤٹ ہر۔“ اس کے لہجے میں یقین تھا اور تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا ہوا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو تم؟ ـــــ رکو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ گی نے پیشکش کی تھی۔ نے تنے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی سمت دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اسے کوئی بھی اقدام کرنے رکھا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی اور باہر نکل گیا تھا۔

گی نہیں جانتی تھی وہ کہاں گیا ہے۔ مگر وہ دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں حد درجہ وحشت نظ تھی۔ وہ یقیناً اس وقت بے حد فشار کے زیر تھا۔ اس کے چہرے کا تناؤ اس کے اندر کی غمازی کر اس کی تنی رگوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اس لمحے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے۔ کوئی!

* * *

یارک کوئی چھوٹا شہر نہ تھا جہاں وہ اسے آسانی سے ڈھونڈ پاتا۔

منگ ہوئے تین چار گھنٹے ہو چکے تھے اور سبکتگین حیدر لغاری پاگلوں کی طرح گاڑی نیو یارک کی ڑاتا اسے کھوج رہا تھا جو خود اپنی مرضی سے مسنگ ہوئی تھی۔

ٹھکانہ علم میں نہ تھا جہاں کے متعلق قیاس ہوتا کہ وہاں جانے کا احتمال ہوگا اور وہاں وہ مل بھی

وہ واقعی راہ تو نہیں بھٹک گئی؟‘ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں خیال آیا تھا مگر دوسرے ہی لمحے اسے رد کر دیا تھا۔ یقیناً ایسا نہیں تھا اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ کوئی بچی نہ تھی۔ اور پھر اس شہر کے مقامات اور راستوں سے ناآشنا بھی نہیں تھی۔

وہ جہاں بھی گئی تھی، اپنی مرضی سے گئی تھی اور یہ فرار ارادی تھا۔ اس نے جان بوجھ کر یہ قدم پھر بھی اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اس کے گمشدہ ہونے کی رپورٹ کسی پولیس اسٹیشن پر کرا دیتا۔

تنے ہی مقامات دیکھنے کے بعد اس نے سوچا تھا۔ اس کی تصویر ہاتھ میں لئے کئی لوگوں سے اس کے پوچھا تھا۔

اس لڑکی کو دیکھا کہیں آپ نے؟“

نو سر۔“

ب تک وہ کتنے مقامی لوگوں کو روک کر پوچھ چکا تھا مگر فائدہ کچھ نہ ہوا تھا۔ یہاں کی زندگی اتنی تیز کہ لوگوں کو خود اپنی شکل بھی شاید یاد نہ رہتی ہوگی۔ کجا کسی اور کی خبر رکھنا اور خدوخال دیکھنے کے بعد رکھنا۔ یقیناً یہ ناممکن ہی تھا۔

اس وقت وہ سینٹرل پارک میں تھا۔ فانی کو لے کر اکثر وہ اس پارک میں آتی رہی تھی۔ اسے گمان تھا فرسٹریشن میں وہ اسی طرف نکل آئی ہو۔ یقیناً اس ڈیپریشن کے بعد اسے سکون کی تلاش ہوگی۔ شاید اسے فوری طور پر فرار کے بعد اس نے اس طرف کا رخ کیا ہو۔ وہ ذہنی سکون کی متلاشی ہوگی اور یہ اس جگہ کے لئے انتہائی موزوں تھا۔ قدرت نے جتنی خوب صورتی انسان کو بخشی ہے وہ ساری اس مکمل مل جاتی ہے۔ اس شہر میں بستے جنگل میں وہ کتنی دیر تک اس کی تصویر ہاتھ میں لئے پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتا رہا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری بہت شکستہ سا اٹھا تھا۔ یقیناً اس کی تلاش آسان نہ تھی۔ بنا پولیس کی کرنا ناممکن ہی تھا اور اسے ہر صورت پولیس کی مدد لینا ہی تھی۔ اگر زیادہ وقت گزر جاتا تو یقیناً بھی سنگین ہو سکتی تھی اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

روک فیلر سینٹر کے متعلق سوچ کر وہ یکدم چونکا اور پھر گاڑی اسی سمت دوڑا دی۔

یہاں پر سردیوں کے لئے اسکیٹنگ پلیس بنائی جاتی ہے اور گرمیوں میں یہاں پر ریسٹورنٹ ہے۔ سردیوں میں یہاں پر کرسمس کے موقع پر سب سے بڑا کرسمس ٹری بھی لگایا جاتا ہے جسے لئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ مگر فی الحال ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ ابھی دسمبر کی آمد میں کچھ یہاں پر نہ تو اسکیٹنگ کے لئے اہتمام نظر آ رہا تھا اور نہ ہی کسی اور طرح کی کوئی تبدیلی واقع گاڑی روک کر روک فیلر سینٹر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ تبھی اس کی نظر پشت کئے بیٹھے اس ناز پڑی تھی۔ شاید اس نے اپنا سر گھٹنوں پر دھرا ہوا تھا۔ شاید وہ پُر ملال ہو رہی تھی۔ سبکتگین حیدر رک کر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا، پھر کچھ سوچتے ہوئے قدم آگے تھے۔ یقیناً یہ صورت حال ایسی نہ تھی کہ اس سے کسی سخت لہجے میں باز پرس کی جاتی یا پھر ڈانٹا جا حیدر لغاری میں اتنا سنس تو تھا کہ وہ موقع کی نوعیت کو سمجھ سکتا تھا۔ اپنا سارا غصہ، اکتاہٹ، سار اس نے ایک گہری سانس لے کر رفع کی تھی اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ مگر وہ اسی طرح سر دیئے بیٹھی رہی تھی۔ نہ چونکی تھی نہ سر اٹھایا تھا نہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت سہولت سے جھک کر گھٹنوں کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ نظریں بہ غور اس چہرے پر تھیں۔ اسی طرح توجہ سے دیکھتے ہوئے بہت آ ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

میرب سیال یکدم چونک گئی تھی۔ بے حد حیرت سے بھیگی پلکوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ تاثر آنکھوں سے کچھ واضح نہ تھا مگر اس لمحے وہ بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

کیسے آ گیا تھا وہ یہاں؟ ـــــ کیسے خبر ہو گئی تھی اسے اس کی؟ ـــــ میرب سیال ایک سمت دیکھنے کے بعد نگاہ پھیر گئی تھی۔

”کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟“ سبکتگین حیدر لغاری نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ نظریں کے چہرے پر تھیں۔ ”اگر آنا تھا تو کم از کم بتا ہی دیا ہوتا۔ جانتی ہو میں کس قدر پریشان ہو گیا کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں اور تم.......“ بے حد دھیمے لہجے میں کچھ دیر قبل والا کوئی تاثر نہ تھا۔ نہ وہ نہ ہی وہ تناؤ۔ شاید وہ خود پر قابو پانے کے سارے گُر جانتا تھا۔ خود پر اس کا اختیار واقعی قوی تھا اور خود کو سنبھالنا اور موقع کے مطابق ڈھالنا ناممکن ہی تھا۔ یقیناً وہ خود پر اختیار رکھتا تھا۔ تبھی اس لمحے ملائمت لئے اس کی طرف متوجہ تھا۔

میرب نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بہت غصے میں ہو گا۔ اس کے وہاں وہ یہ سمجھ رہا ہو گا کہ وہ فرار ہو گئی ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ چند لمحے اپنے ساتھ بِتانا چاہتی تھی۔

خود سے ملنا چاہتی تھی اور بس۔ مگر اس کی سوچ کے مطابق کچھ نہ ہوا تھا۔ اس شخص کے چہرے پر کھنچاؤ نہ تھا۔ کوئی تناؤ نہ تھا۔ ہاں، تھا تو صرف ٹھہراؤ تھا۔

”اگر مجھے مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھتی تھیں تو کسی اور کو ہی بتا دیا ہوتا۔ جانتی ہو، تمہارے اس طرح غائب ہو جانے سے کس درجہ پریشان ہوا ہوں میں؟ ـــــ کتنے عجیب عجیب خیال آ رہے تھے دل میں؟ ـــــ کتنے واہموں نے مجھے آن گھیرا تھا۔ مجھے لگا تھا کہیں تم مسنگ نہ ہو گئی ہو یا پھر کوئی ”بہت مدھم لہجے میں کہہ کر سبکتگین حیدر لغاری نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے چہرے کا پھیر لیا تھا۔ میرب سیال ساکت نظروں سے اس کی سمت دیکھتی گئی تھی۔ وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا اور وہ پھر بھی اسے سمجھ نہ پا رہی تھی۔ اس کے چہرے کو پڑھ نہ پا رہی تھی۔ کیا تھا وہ؟

وہ بہ غور اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا تھا۔

”کیا ہوا؟“

میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ بس اس کے چہرے، اس کے خدوخال کو دیکھتی رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے میرب کی سمت دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا، بہت ہولے سے اس کی بھیگی پلکوں کو چھوا تھا۔

”تم رو رہی تھیں ـــــ؟“ کس درجہ کیئرنگ انداز تھا پوچھنے کا۔ جیسے اسے بہت تکلیف پہنچی ہو اس بات سے۔

میرب لب بھینچے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھام کر لبوں تک لے گیا تھا۔

”سوری! ـــــ میں نے تمہیں پریشان کیا۔“ فقط ایک جملہ، ایک مدھم سرگوشی جیسے اس سب کا ازالہ کر گئی تھی۔ میرب سیال کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔

”میں نہیں چاہتا تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ مگر دانستہ یا نادانستہ ایسا ہو جاتا ہے۔ دراصل میرب! یہ سب ارادی نہیں ہے، میں خود جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں تمہارا دل بہت نرم ہے اور میں اسے تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں چاہتا۔ تمہیں دکھ دینا یا دکھی کرنا ہرگز بھی میری منشا نہیں ہوتی۔ اتنی اچھی لڑکی کا دل کون دکھانا چاہے گا۔ تم سمجھتی ہو، اتنا بے حس ہوں میں؟ ـــــ اتنا سنگدل؟“

میرب بہت خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میرب! شاید میں نے واقعی کچھ برا کیا ہے جو شاید مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر تم خود سوچو، کوئی اتنی جلد کیسے بدل سکتا ہے؟ ایک عرصہ میں نے ان فضاؤں میں گزارا ہے۔ میں جانتا ہوں تم بطور ہم سفر بہت سی کوالٹیز دیکھنا چاہتی ہو مجھ میں۔ اس طرح میں بھی تم میں بہت سے پہلو تلاشتا ہوں۔ دراصل شاید ہم دونوں ہی ابھی تک ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں میرب! کہ ہم فوری طور پر کوئی بھی فیصلہ لے لیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟ یقیناً یہ عرصہ کافی نہیں ہے جو ہم نے ایک دوسرے کے سنگ گزارا۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے کبھی کبھی ایک عمر بھی ناکافی ہوتی ہے۔ یہ

تو فقط کچھ عرصہ تھا۔ اگر ہم ایک دوسرے کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں تو ضروری تو نہیں کہ فوری ا بھی فیصلہ لے لیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے میرب! خامیوں یا خوبیوں کی میعاد کبھی بھی کل وقتی نہیں تبدیلیوں سے متعلق ایک پروسس ہے جس میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ تم اگر مجھے اپ سے دیکھنا چاہتی ہو یا میں تمہیں اپنی سوچ کے مطابق دیکھنا چاہتا ہوں تو اس کے لئے ہم دونوں وقت ایک دوسرے کو دینا ہوگا۔ راتوں رات ایسے انقلابات نہیں آتے میرب! سوچو، میں کیوں ا زندگی اٹھا کر فقط تمہارے لئے تبدیل کر دوں گا؟ یا پھر تم کیوں اپنا سب کچھ فقط میرے لئے بدل د میں سے کسی کے لئے بھی اپنا آپ بدل دینا آسان نہیں ہوتا میرب! ایسا کرنے کے لئے اسبا ہوتے ہی۔ سب سے بڑھ کر وقت درکار ہوتا ہے میرب! جو شاید تم نہیں سمجھ رہی ہو۔" بہت مدھم کہہ رہا تھا وہ اور میرب سیال اس شخص کو بھیگی آنکھوں سے بہ غور دیکھ رہی تھی۔

"یہ تعلق، یہ عمر بھر کے رشتے، کوئی پل بھر کی بات نہیں ہوتی۔ انہیں سمجھنے کے لئے اور استوار کر لئے صدیاں لگ جاتی ہیں اور ایسا عموماً ارینج میرجز میں ہوتا ہے جہاں فریقین ایک دوسرے کے میں سرے سے ہے واقف نہیں ہوتے۔ وہاں ایسا ہی ہوتا ہے عموماً۔ مگر باہمی انڈر اسٹینڈنگ سے ر ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم میرے لئے اپنا سب کچھ بدل دو۔ نہ ہی میں یہ کہہ کہ میں تمہارے لئے اپنا سب کچھ بدل دوں گا۔ یقیناً یہ دعویٰ بہت غلط ہوگا۔ لیکن میں یہ ضرور کہہ سک کہ شاید ایسا ہو بھی جائے۔ شاید اس لئے کہ یک طرفہ طور پر کچھ نہیں ہوتا میرب! یہ تعلق، یہ رابطہ ہے۔ ایک ہاتھ دو ایک ہاتھ لو۔ ہم نے کوئی جنونی سی محبت یقیناً نہیں کی تھی کہ تم اپنا سب کچھ میر بدل دو۔ یا پھر میں خود کو تمہارے مطابق ڈھال لوں۔ ایسا ہو سکتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ۔ گر ایسا ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ جس طرح تمہیں مجھ میں بہت کچھ برا لگتا ہے اسی طرح مجھے بھی تمہار عادات ناپسند ہیں۔ ہو سکتا ہے میں بھی تمہیں اپنی زندگی میں لا کر خوش نہ ہوں۔ ہو سکتا ہے میں بھی خوشی فیل نہ کر رہا ہوں۔ مگر میں شادی کو بچوں کا کھیل نہیں سمجھتا۔ جو اسے بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں وہ آگے بڑھانے میں یکسر ناکام رہتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ہم اس معاملے میں ناکام ہوں۔ جس تمہاری کچھ مجبوریاں رہی ہیں اسی طرح میری بھی کچھ مجبوریاں رہی ہوں گی۔ ہم دونوں ٹھیک بھی ہ ہیں اپنی جگہ پر اور دونوں غلط بھی۔ مگر ہمیں اس تعلق کو مجبوریوں کے خانے سے نکال کر محبتوں کے میں لانا ہے اور یہ تبھی ممکن ہوگا جب تم مجھ سے تعاون کرو گی اور میں تم سے۔ یہ بات بات پر رونا، کرنا بچوں جیسی باتیں ہیں۔ سمجھ دار بنو۔ شاید اب تک میں بھی تمہارے ساتھ خوش نہیں ہوں مگر میں ہونا چاہتا ہوں اور یہ اعتراف اس لئے کر رہا ہوں کہ تم بھی اس بات کو سمجھ لو کہ ہم دونوں کو کیا کرنا ہے؟" صاف گوئی سے سارے معاملات پر روشنی ڈال رہا تھا اور میرب سیال خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ غلط تو نہیں کہہ رہا تھا وہ۔ کوئی ریاکاری اس کی آنکھوں میں نہ تھی۔ اس کا لہجہ خالص تھا۔ یقیناً اسی طرح مسائل اسے بھی درپیش تھے اور اب تک وہ فقط اپنے حوالے سے سوچ رہی تھی۔ وہ اس نقطے پر سوچ سکی تھی کہ سبکتگین حیدر لغاری کی بھی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔

ائی کسی کے لئے نہیں بدلتا میرب! اور اتنی پرانی باتوں کو کسی ایک فرد کے لئے ایک لمحے میں بدلنا ی نہیں اور بدلنے کے لئے سبب درکار ہوتے ہیں۔ راتوں رات انقلابات نہیں آتے۔"

تگین حیدر لغاری نے کچھ غلط تو نہ کہا تھا۔

لیا سوچ رہی ہو؟" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔ میرب سیال نے لے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی سبکتگین حیدر لغاری نے اسی ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کی ا چوڑا، مضبوط ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ میرب سیال نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اپنا کے ہاتھ پر دھر دیا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

تگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔

* * *

ش جتنی شدید تھی، لہروں کی طغیانی میں اتنا ہی اضافہ ہو چکا تھا۔ جہاں تھوڑی دیر قبل عفنان علی خان ہا تھا۔ اب وہ ان لہروں میں غائب ہو چکا تھا۔

بیہ شاہ ساکت نظروں سے اس پُر وسعت سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ کتنے لوگ تھے سمندر کے کنارے۔ بھی اس وقت مدد کے لئے ان لہروں کی سمت جانے کو تیار نہ تھا۔ وہ جو اتنا چیخی تھی، چلائی تھی تو بے سود رہا تھا۔ اوزی بھی جانے کہاں تھا اور عفنان علی خان ــــ اُس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے مندر کی سمت نگاہ کی تھی۔ کتنی تیزی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس شخص کے لئے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق خاص بھی نہ تھا۔ وہ شخص جسے وہ ٹھیک سے جانتی بھی نہ تھی۔ جس کے ساتھ کوئی خاص حوالہ بھی نہ تھا۔ اس کی ڈبڈبائی نظر اٹھی تھی اور وہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہ چھتری ہاتھ میں ، لہروں پر تیزی سے تیرتا ہوا کنارے کی طرف آ رہا تھا۔ سب لوگ حیرت زدہ سے اسے دیکھ رہے

عفنان!" اُسے جیسے یقین نہ آیا تھا۔ ڈبڈبائی آنکھوں کو زور سے رگڑا تھا۔ مگر وہ منظر خواب نہ تھا۔ لمحے کنارے پر پہنچ جانے والا وہ عفنان علی خان ہی تھا۔ وہ ساکت سی اس کی سمت تکتی گئی تھی۔ وہ ا پر چلتا ہوا اس کے مقابل آن رکا تھا۔ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا تھا پھر مسکراتے ہوئے چھتری والا ں کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"ڈر گئی تھیں؟" بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"شٹ اپ! ــــ شٹ اپ عفنان علی خان!" وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے چیخی تھی مگر وہ مسکرا دیا

"ڈر گئی تھیں نا کہ میں مر جاؤں گا؟" وہ جیسے محظوظ ہو رہا تھا۔

"آئی سے شٹ اپ۔ زندگی مذاق ہے تمہارے لئے؟ ــــ کیوں کیا تم نے ایسا؟ تمہیں کچھ ہو تو کیا جواب دیتی میں لامعہ کو؟ اور تم........" اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگتی چلی گئی تھیں۔ "کیا سمجھتے زندگی اتنی فضول شے ہے؟" اس کے ہاتھ میں تھمی ہوئی چھتری کو ایک جھٹکے سے تھاما تھا۔

"یہ......فقط یہ......اسے تھامنے کے لئے تم نے زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔ کیا سمجھا تم نے خو کوئی ہیرو جو ایسے انوکھے کام کر کے کسی بھی لڑکی کو امپریس کر لو گے؟ وہ داد دیتے ہوئے تمہیں کیا معرکہ سر کیا ہے تم نے۔ مگر سن لو، انابیہ شاہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ یہ، اسے تھامنے کے لئے تم سے لڑنے گئے تھے نا؟" اس نے ہاتھ میں پکڑی چھتری کی سمت اشارہ کیا تھا اور پھر ایک جھٹکے بلند کرتے ہوئے اسے سمندر کی لہروں پر اچھال دیا تھا۔

"تم ہیرو ہو نا، تو اب جاؤ، پھر پکڑ لاؤ اسے جا کر۔" وہ کہہ کر مڑی تھی جب عفنان علی مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ انابیہ شاہ نے بہت چونک کر اسے پلٹ تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم تو ہو گی نہیں، پھر کیا فائدہ؟ امپریس تو مجھے تمہیں کرنا ہے نا۔ اور تم ہی چلی جاؤ گی تو پھر یہ کا فائدہ۔" وہ بات کو جیسے مذاق میں اڑانا چاہ رہا تھا۔ مگر انابیہ شاہ اسے خفگی سے دیکھتی ہوئی چہرے پھیر گئی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ لامعہ حق تم جیسے بندے کے ساتھ گزارہ کیسے کرے گی؟—— تم میں نہ آنے والے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر قبل جو کیا، وہ سوائے پاگل پن کے اور تھا۔" وہ تھک کر جیسے چپ ہو گئی تھی۔ مگر عفنان علی خان مسکراتا ہوا بہ غور اسے تکتا رہا تھا۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا، جاؤ پکڑ لاؤ۔"

"تم غلط بیانی کر رہے ہو—— میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔"

"مگر تم مجھے چیخ چیخ کر پکار تو رہی تھیں نا۔" وہ مسکرایا تھا۔

"میں چاہتی تھی تم بچ جاؤ۔" وہ کہتی ہوئی دھیان پھیر گئی تھی۔

"اور اگر میں پھر بھی نہیں بچتا تو؟" وہ جیسے محظوظ ہوا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی عفنان علی اس کے چہرے کو دلچسپی سے تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

"اچھا بتاؤ، اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو تم کیا کرتیں؟"

"میں اتنی بے حس نہیں ہوں کہ کسی کے مرنے پر خوشی مناؤں۔" وہ اسی انداز سے بول کر چہر رخ پھیر گئی تھی۔

"تو پھر کیا دُکھ مناتیں؟" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو یہ لہریں، یہ سمندر روز کتنے لوگوں کو نگل جاتا ہے۔ مذاق ہے یہ سب تمہارے لئے اگر تمہیں واقعی کچھ ہو جاتا تو؟ کیا پروف کرنا چاہتے تھے تم، بہت گڈ سوئمر ہو تم؟ اور خدانخواستہ ایسا نہ ہو جا تو؟ تم سنجیدہ نہیں تھے، مذاق کر رہے تھے مگر یہ بات یہ سمندر نہیں جانتا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی۔"

"مگر ہوا تو نہیں نا۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر تسلی دیتا ہوا مسکرایا تھا۔ "اور رہی اس سمندر کی بات تو یہ بات بھی جانتا ہے جو کوئی اور نہیں جانتا۔ اس پر میری دیوانگی کے راز منکشف ہیں۔ تبھی تو واپس باہر اچھال دیا۔" مسکراتا ہوا اسے مطمئن کرنے کو وہ بولا تھا مگر وہ چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

ن علی خان بارش میں کھڑا بھیگتا ہوا اس دور جاتی لڑکی کو دیکھتا رہا تھا۔

* * *

ب لوگ ہال کمرے میں بیٹھے تھے جب اذہان حسن بخاری اندر داخل ہوا تھا۔

جا میرے یار! بڑی دیر کر دی—— کہاں تھا تو؟" عزیر اسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

ا ہو رہا ہے؟" وہ ساہیہ خان کو سب کے درمیان مرکز نگاہ بنا دیکھ کر کسی قدر حیران ہوا تھا۔ اس میں اس وقت ٹیرو کارڈز تھے اور وہ حسب عادت کوئی سنسنی پھیلائے بیٹھی تھی۔ تمام ینگ پارٹی ت سی بیٹھی تھی۔

رد کارڈ بھائی۔ سب کو اپنے احوال جاننے کی فکر ستا رہی ہے۔" عزیر مسکرایا تھا۔

ر تم سمجھتے ہو یہ ٹھیک ہو گا؟" وہ کسی قدر حیرت سے مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان کی نگاہ اس پر تھی اور وہ ا اسے بہ غور دیکھ رہی تھی۔

م یقین نہیں کرتے؟" وہ کسی قدر حیران ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا بے نیازی سے شانے اچکا دیئے تھے۔

ں—— میں یقین نہیں کرتا۔ بس ایک فن ہے اور بس۔"

ور ہم تم سے یہ کب کہہ رہے ہیں اس پر یقین کرو۔" ساہیہ خان وہی شرارت آنکھوں میں لئے ری انداز میں مسکرا رہی تھی۔

یں جانتا ہوں، تم مجھ سے ایسی کوئی فرمائش نہیں کرو گی۔"

تمہارا پرسیپشن رونگ بھی تو ہو سکتا ہے۔" ساہیہ خان مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری اسے بہ غور ے مسکرا دیا تھا۔

یعنی تم مجھ سے کوئی ایسی فرمائش کرنے والی ہو؟"

تمہیں کیا لگتا ہے اذہان حسن بخاری؟" وہ مسکرائی تھی۔

ہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ پھر شہادت کی انگلی سینے پر رکھی تھی۔

مجھے......مجھے لگتا ہے ساہیہ! میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔"

یعنی تم اس سے زیادہ بے وقوف ہو۔" ساہیہ خان نے برجستہ کہا تھا اور سب ہنسنے لگے تھے۔

"تم ساہیہ سے نہیں جیت سکتے۔ مان لو یار!" عزیر نے اپنی نیس کی بھرپور سائیڈ لی تھی۔

"جو ہار مان لے وہ اذہان حسن بخاری نہیں۔" وہ بہ غور دلچسپی سے اس چہرے کو تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"اتنے دعوے مت کرو اذہان حسن بخاری! کہ بعد میں شرمندہ ہونا پڑے۔" وہ مسکرا رہی تھی اور وہ یا تھا۔

"ساہیہ خان! تمہارے آگے گھٹنے ٹیکنے سے بہتر ہے میں خودکشی کر لوں۔"

"اتنے سنجیدہ نہ ہو، کھیل لو، گیم ہی تو ہے۔" عزیر نے شانہ تھپتھپایا تھا۔

"مگر بہت خطرناک کھیل ہے یہ۔ اور اذہان حسن بخاری خطرات جان بوجھ کر مول نہیں لیتا۔ انجانے

بھیدوں پر پردہ پڑا رہے تو بہتر ہے۔ کھل جائے تو سب بے وقعت ہو جاتا ہے۔ میں ان باتوں
سمجھتا۔"

"بے وقوفی نہ کرو ازہان! چلو سلیکٹ کرواپنے کارڈز۔" ساہیہ نے اس کے سامنے کار
تھے۔

"اتنے شوشے چھوڑنے کی عادت بدلی نہیں تمہاری۔ تم کبھی نہیں بدلو گی۔" ازہان حسن
مسکراتے ہوئے ہتھیار ڈال دئیے تھے۔ "لیکن سنو، کوئی فضول بات مت کرنا۔" وارننگ دی تھی

"چٹ پٹی باتیں سننے کی بڑی عادت ہے تمہاری۔"

"تم نے عادی بنا دیا ہے۔" ازہان حسن بخاری بہ غور تکتا ہوا بڑی برجستگی سے کہتا ہوا مسکرا رہا

"سارے الزام ایک طرف، فی الحال کارڈز چوز کرو۔" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے حکم جاری

"کچھ آتا واتا بھی ہے یا فقط بے وقوف بنا رہی ہو؟" ازہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا
نکال کر اس کے سامنے دھر دیئے تھے۔ ساہیہ خان بنا اس کی بات کا کوئی جواب دیئے بہ غور
دیکھنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟ —— اتنی کھو کیوں گئیں تم؟" وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان ا
ہوئی مسکرا دی تھی۔

"بڑے چھپے رستم ہو تم۔ یہ عشق وشق کے چکر میں کب سے پڑ گئے؟"

ازہان حسن بخاری کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔

"ایسا اس میں درج ہے۔"

"کیوں، یہ جھوٹ ہے؟" ساہیہ خان بہت یقین سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی
حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"پلیز، کیری آن، انٹرسٹنگ۔ اب واقعی مجھے مزہ آ رہا ہے۔ ہاں، تو میں مجنوں بن چکا ہو
جلدی سے میری لیلیٰ کا چہرہ دیکھ کر خدوخال بھی بتا دو۔ یہ تو پتہ چل جائے کہ وہ مجھ جیسے ڈیشنگ بند
ساتھ سوٹ بھی کرے گی یا کہ نہیں۔"

"اٹس ناٹ جوک ازہان حسن بخاری! ویری بیڈ۔" عزیر نے اسے باز رکھا تھا کیونکہ وہ ساہیہ
ہوا چہرہ دیکھ چکا تھا۔ ازہان مسکرا دیا تھا۔

"چلو بتاؤ شاباش! میں سننے کے لئے بہت بے قرار ہوں۔ تم از کم یہی بتا دو کہ آج کے دن م
کوئی ڈیٹ ویٹ ہے کہ نہیں اس کے ساتھ؟" آنکھوں میں شرارت لئے وہ مسکراتا ہوا ساہیہ خان ک
دیکھ رہا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"کتنا شوق ہے نا جاننے کا اور ابھی تھوڑی دیر قبل کہہ رہے تھے، آئی ڈونٹ بیلیو دیٹ۔" باقاعد
کی نقل اتاری تھی۔ سب ہنسنے لگے تھے۔ ازہان حسن بخاری بہ غور دلچسپی سے تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا یہ سلسلہ اتنا انٹرسٹنگ ہو گا۔ بائی دی وے، یہ ٹیرو کارڈ پڑھنا سیکھا کہاں

"
کینیڈا میں ہماری نیبر تھیں، ایک آنٹی۔ انہی سے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

تم مجھے سکھا دو گی؟" وہ شرارت سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

ساہیہ خان مسکرا دی تھی پھر کارڈز کی سمت دیکھتے ہوئے اسے بتانے لگی تھی۔

"آج کی شام اچھی گزرے گی۔ اسی خاص ہستی کے ساتھ گزرے گی اور تمہارے دل کو بہت راحت
ا۔"

"مسالہ کچھ کم ہے —— پلیز کچھ اور بڑھاؤ نا۔" وہ درخواست کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ سب ہنسنے لگے

"تم سنجیدہ نہیں ہو گے تو میں قطعاً نہیں بتاؤں گی۔"

"بتاؤ گی نہیں تو میں یہ غیب کی باتیں کیسے جان پاؤں گا؟" ازہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ "اچھا چلو،
ے بڑھاؤ بات۔ مزید کیا ہے ان ٹیرو کارڈز میں؟"

ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

"جتنے اچھے بزنس مین ہو، اتنے اچھے لور قطعاً نہیں ہو۔ کاروباری طور پر تو آج یقیناً تم نے بہت بڑی
ا سائن کر کے اپنی کامیابی کو یقینی بنا دیا ہے۔ مگر ان دوسرے قسم کے معاملات میں تم قطعاً ناتجربہ کار واقع
گے۔"

"یعنی؟" ازہان حسن بخاری چونکا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ یقیناً وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

"یعنی وہ موصوفہ آج تمہیں بالکل بھی گھاس نہیں ڈالیں گی۔" ساہیہ کا انداز پُر افسوس تھا۔

"چل بھئی، تیری نیا تو ڈوبی سمجھ۔" عزیر نے مسکراتے ہوئے بھرپور ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

"یعنی تُو نہیں لگنے والا پار۔ پہلا عشق اور وہ بھی اتنا ناکام۔" ایک اور کزن نے مزید ہمدردی کی تھی۔

تبھی ازہان حسن بخاری نے ساہیہ خان کی سمت دلچسپی سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اس معاملے میں کامیاب کیسے ہوا جا سکتا ہے، یہ نہیں لکھا تمہارے ان ٹیرو کارڈز میں؟"

"مذاق اُڑا رہے ہو ازہان حسن بخاری؟" ساہیہ خان نے خفگی سے دیکھا تھا۔

"تم نے تو میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑا دیئے۔ اب میں کیا مذاق بھی نہیں کر سکتا؟" بے حد برجستگی
ے وہ بولا تھا اور سب ہنستے چلے گئے تھے۔

"کسی بھی قسم کی پیش قدمی کرنے سے اجتناب برتنا۔ ورنہ بات بگڑ سکتی ہے۔" ساہیہ نے ہدایت نامہ
اری کیا تھا۔ وہ سعادت مندی سے گردن ہلانے لگا تھا۔

"یعنی میں کچھ بھی کر لوں، عشق میں ناکام ہونا طے ہے۔" پُر افسوس انداز میں کہتے ہوئے ساہیہ خان
لو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"یہ صرف آج کے دن کے لئے تھا۔" اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

"انٹرسٹنگ۔ یعنی کل کی باتیں جاننے کے لئے پھر تم سے رجوع کرنا پڑے گا۔" ازہان حسن بخاری

مسکرایا تھا۔ ”ویسے اس سے قبل تو تم نے مجھے نہیں بتایا کہ تمہیں کوئی اس طرح کا علم بھی آتا ہے۔“

”ابھی تم نے ساہیہ خان کو جانا ہی کتنا ہے اذہان حسن بخاری!“

”تمہیں بتانے کے لئے کیا روز روز تم سے ٹیرو کارڈز پڑھوانا ضروری ہے؟“ وہ اب بھی سنجید

”شٹ اپ اذہان!“ وہ ڈپٹنے لگی تھی۔

”کیا ہو رہا ہے بھئی؟“ تبھی اندر اگینے مرتضٰی داخل ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے نگاہ ا
کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

”آ جایئے اگینے! بہت انٹرسٹنگ کارڈز پڑھتی ہے اپنی ساہیہ۔ غیب کی باتوں سے کمال کی ہے اس کی۔“

”نہیں بھئی، مجھے تو معاف ہی رکھو۔ یہ بچوں کے کام بچوں کو ہی اچھے لگتے ہیں۔“ اگینے مسکرائ

”یعنی آپ بھی میری طرح ان باتس پر بیلیو نہیں کرتیں اگینے؟“ اذہان حسن بخاری بہ غور تکتا ہ
تھا۔

”بالکل نہیں۔“ اگینے نے مسکراتے ہوئے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ ”اینی وے،
صبح کے انتظامات کے لئے بڑے بھائی سے مل لو۔“

”جی بہتر۔“ عزیر فوراً اٹھ گیا تھا۔

اگینے نے ان سب کی طرف دیکھا تھا پھر ملائمت سے مسکرائی تھی۔

”تم سب اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ شادی والا گھر ہے۔ کوئی ہلا گلا کرو بھئی۔ اور ساہیہ! یہ تم ک
ٹیرو کارڈز کے ذریعے لوگوں میں سنسنی پھیلا رہی ہو۔“

”یہی بات اگینے! بالکل یہی بات میں نے بھی ساہیہ کو سمجھائی تھی۔“ اذہان حسن بخاری مسکرا
ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے پھپھو! ہم خاصا انجوائے کر رہے ہیں۔ ویسے آپ ہمارے لئے چائے کے کچھ بھجوا دیں تو لطف اور بھی دوبالا ہو جائے گا۔“ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور اگینے سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اگینے کے جانے کے بعد اس کی سمت دیکھا تھا۔

”کتنی فضول لڑکی ہو تم۔ بجائے اگینے کی ہیلپ کرنے کے تم الٹا ان سے کام کروا رہی ہو۔“
ساہیہ مسکرا دی تھی۔

”پاؤں۔ اذہان! اس زخمی پاؤں کے ساتھ کوئی کام کیسے کر سکتا ہے؟“

”تو کس نے کہا تھا بارش میں بھیگ کر پاؤں زخمی کرو۔“

”اب تو یہ ہو گیا نا۔“ وہ مسکرا دی تھی۔ آنکھوں میں وہی شرارت تھی۔ چہرے پر وہی شگفتگی۔ اور ا
اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”کبھی نہیں سدھرو گی تم۔“

* * *

ی توجہ جتنی بھی ہو، مرہم کتنی بھی ہمدردی کے ساتھ رکھا گیا ہو، زخم نہیں بھرتا۔ وہ سوچ رہی تھی
چ رہی تھی اتنا ہی مزید الجھ رہی تھی۔ وہ واقعی اس شخص کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر
مد تک بدل سکتا تھا یا بدل گیا تھا، وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اور اگر یہی اس کا اصل رنگ تھا تو پھر وہ
ں نے ہیڈل برگ میں کیا تھا؟
ے وہ پاپا کے سامنے بیٹھا کتنے سعادت مندانداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ زوباریہ بھی اس کی قائل ہو

یرب کی طرف سے یقیناً اب اتنے پریشان یا فکر مند نہیں رہے۔ تم جس طرح میرب کا خیال کر
ہمارے لئے بہت تسلی کا باعث ہے۔ سیال صاحب ہمیشہ متفکر رہا کرتے تھے یہ سوچ کر کہ
م سفر کیسا ہو گا۔ اکلوتی بیٹی کے معاملے میں شاید کوئی بھی والد اسی طرح جذباتی ہو سکتا ہے۔ مگر تم
ن تمام خدشوں کو دور کر دیا ہے۔“ زوباریہ کہہ رہی تھی اور میرب سیال، سردار سبکتگین حیدر لغاری
بے ساختہ دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی اس لمحے اسی کی جانب متوجہ تھا۔ میرب سیال بہت آہستگی سے
خ پھیر گئی تھی اور فانی کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔
بھی اپنی کمزوریوں کی خبر جنہیں نہیں بھی کرنا چاہتے جب انہیں تک وہ خبر جا پہنچتی ہے تو اچھا نہیں
ی نہیں بتانا چاہتی تھی اس شخص کو کہ وہ کتنی کمزور ہے۔ اس کے تمام رشتے، ناتے اسے کتنا کمزور بنا
۔ ان کی محبت اسے کتنا کمزور کر رہی ہے۔ ہاں یہ محبت ہی تو تھی جس نے اسے اس قدر کمزور کر دیا
ں جیسے ہم سفر کے ساتھ زندگی گزارنے کو تیار ہو گئی تھی۔
ں جس کی سنگت میں کوئی ہوش مند لڑکی چند لمحے بھی گزارنا قبول نہ کرتی۔ اس نے جانتے بوجھتے
ں کے نام کر دی تھی اور وہ جانتا تھا یہ بات، وہ کس قدر کمزور ہے، کس قدر پسپا ہے۔
با ہوا بیٹا؟ ـــــ کچھ پریشان لگ رہی ہو۔“ پاپا نے بہت ملائمت سے پوچھتے ہوئے اس کا ہاتھ
وہ مسکرا دی تھی۔
ں پاپا! میں تو بہت خوش ہوں۔“ نظر خود بہ خود سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اٹھ گئی تھی جو اس
کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔
ں کیوں نہیں ہو گی۔ اتنا اچھا خیال کرنے والا، چاہنے والا ہم سفر جو ملا ہے۔ جو اس کا خیال ہم
زیادہ رکھ رہا ہے۔“ زوباریہ کافی سرو کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔
ں کے چہرے کی شگفتگی اور تازگی گواہ ہے اس بات کی۔“ زوباریہ نے اسے کپ تھما کر مسکراتے
ں کے گال کو بہت ہولے سے تھپتھپایا تھا۔ میرب مسکرا دی تھی۔ مگر وہ مسکراہٹ بہت بے کیف اور
ی۔ اور زوباریہ کہہ رہی تھی۔
تمہارا یورپ کا ٹور یقیناً بہت اچھا رہا ہے۔ چہرہ بہت کھلا کھلا سا لگ رہا ہے۔ یعنی تمہیں سبکتگین کے
انے کے لئے پرمٹ کر کے یقیناً ہم نے اچھا کیا۔ ورنہ یہاں رہ کر اور اپنے پاپا کے متعلق سوچ
رہ جو تمہارا حال تھا وہ دیکھنے کے لائق تھا۔ منہ پر بارہ بج رہے تھے۔“ زوباریہ مسکرائی تھی اور اس کے

لئے ایک مجلسی تبسم چہرے پر سجانا جیسے فرض ہو گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے پاپا کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پاپا غالباً کافی کے لئے اٹھ کر بی بیٹھنا چاہ رہے تھے جب سردار سبکتگین حیذر لغاری نے بہت توجہ کے ساتھ ان کے شانوں کو ا ہاتھوں سے تھام کر بیٹھنے میں مدد دی تھی۔ پھر ان کی پشت پر کشن رکھتے ہوئے کافی کا کپ ان میں تھمایا تھا۔ اس کا انداز بہت کیئرنگ تھا اور میرب سیال جانے کیوں دیکھتی چلی گئی تھی۔ سر حیدر لغاری نے اس لمحے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"پاپا! آپ کی بیٹی خاصی بگڑی ہوئی ہے۔ بہت تنگ کیا اس نے مجھے۔ جب تک بھی وہاں ا نے ناک میں دم کئے رکھا۔ اور محترمہ بات بات پر روتی تو اس طرح ہیں کہ آبشار بھی کیا ہی گے۔" وہ یقیناً خوش گوار موڈ میں فقط چھیڑ رہا تھا۔ دوسرے معنوں میں پاپا سے اس کی شکایت لگا کا کوئی گہرا رنگ نمایاں کر رہا تھا اور پاپا اور زوباریہ جہاں مسکرائے تھے وہیں وہ اس کی سمت دیکھ تھی۔

"بیٹا! یہ ایسی ہی حساس ہے۔ تمہیں اس کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جو عا کے لئے کوئی معنی بھی نہیں رکھتیں انہیں لے کر پریشان ہونا اس کی عادت ہے۔ پھر مجھ سے توا منٹ بہت زیادہ ہے، تبھی تو ماحول بدلنے کے لئے اسے تمہارے ساتھ بھیج دیا تھا۔ یہاں رہتی تو تھا یونہی پریشان رہتی۔" پاپا نے مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے شولڈر پر اپنا ہاتھ د اس لمحے مسکرا رہا تھا۔ اپنائیت کے کتنے رنگ تھے اس کے چہرے پر اور میرب سیال کس طرح حیرا

"بیٹا! ابھی چھوٹی ہے یہ۔ شاید اپنی ذمے داریوں کو اور زندگی کے نشیب و فراز کو اس انداز سمجھتی جس طرح کہ سمجھنا چاہئے۔ یقیناً ابھی جذباتی ہے۔ فوری طور پر سوچتی ہے اور ایکٹ کرتی عمر کے ساتھ ایک ٹھہراؤ بھی آ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں آپ اسے انڈر اسٹینڈ کرو۔ آپ کا تعاو یقیناً اس میں مثبت تبدیلیاں بہت جلد رونما ہوں گی اور وہ اپنی ذمے داریوں کو سمجھنے لگے گی۔" ملائمت سے کہہ رہے تھے اور وہ ان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"پاپا! بچی تھوڑی ہوں میں۔ اور آپ......" اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت د بہت نارمل انداز میں مسکرا دی تھی۔ "آتے ہی میری شکایتیں لگانا شروع کر دیں۔ میرے ممی پاپا خلاف کر کے اپنے حق میں کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ایسا قطعاً نہیں ہوگا۔" وہ بہت شگفتگی سے مسکرا پاپا کے چہرے پر اس لمحے کیسی آسودگی پھیل رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ غور اس کی سم تھا۔

"چلیں؟" اس کی سمت دیکھتے ہوئے رائے جاننا چاہی تھی۔ میرب سیال نگاہ اٹھا کر اا دیکھنے لگی تھی۔ وہ پوری توجہ سے اس کی جانب متوجہ تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں کچھ وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزار سکوں؟ ——— آئی مین، مل یہاں رہنا چاہتی ہوں جانے سے پہلے۔"

کے، ایز یو وِش۔" اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے لیم ہونے کی مہر ثبت کر دی تھی اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

کے پاپا! اب اجازت دیجئے۔" بہت سعادت مندی سے وہ پاپا سے اجازت مانگ رہا تھا۔

بی تو تم لوگوں کے جانے میں کچھ دن ہیں نا۔ میں چاہ رہی تھی ہم فیملی پکنک کا کوئی اہتمام کریں۔" نے رائے دی تھی۔

ائے ناٹ؟" وہ مسکرایا تھا۔

چھا خیال ہے نا میرب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے اس کی رائے چاہ رہا اجہاں چونکی تھی وہیں فوراً اثبات میں سر بھی ہلا دیا تھا۔

جی...... جی ضرور۔" انداز کھویا کھویا سا تھا۔ تبھی زوباریہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

یرب! سبکتگین کو باہر تک چھوڑ کر آؤ۔" زوباریہ کے یاد دلانے پر وہ سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر ل سمت دیکھنے لگی تھی۔ سبکتگین آگے بڑھ گیا تھا۔ میرب سیال کو مجبوراً پیش قدمی کرنی پڑی تھی۔ سردار حیدر لغاری غالباً دانستہ آہستہ چل رہا تھا۔ میرب اس کے پیچھے چل رہی تھی جب وہ یکدم ہی جانے مڑا تھا۔ میرب سیال اور اس کے درمیان کے فاصلے یکدم ہی سمٹ گئے تھے۔ میرب سیال کا سر اس نے سے جا لگا تھا اور یہ بالکل غیر دانستہ طور پر ہوا تھا۔ یقیناً یہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس یکدم لنے کے باعث ہوا تھا کہ میرب سیال اپنے اوسان بحال ہی نہ رکھ پائی تھی۔ مگر اس لمحے نہ وہ ائی تھی نہ ہی گری تھی۔ کیونکہ ایک مضبوط حصار اسے اپنی پناہ میں لے چکا تھا۔

ل بے تحاشا قربت پر یقیناً حواس بحال رکھنا ناممکن رہا تھا۔ ایک خوشبو کا احساس رگ و پے میں اترتا تھا۔ میرب سیال کی دھڑکنوں میں یکدم ہی زیر و بم آیا تھا شاید اسی لئے اس نے سر اٹھانے کی کئے بغیر آنکھیں میچے رکھی تھیں۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو گردن جھکا کر تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے پر آئی ہوئی بالوں کی لٹوں کو ہٹایا تھا۔ اس لمس کے احساس نے میرب سیال کے اندر ایک پل میں ا مچا دی تھیں۔ اس نے ایک پل میں پیچھے سرکنا چاہا تھا مگر بانہوں کا حصار اس کے گرد مضبوط تھا۔ ں نے نظریں جھکائے عجب بے بسی سے جیسے خود کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ یقیناً کوئی بھی مزاحمت کی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر کیا تاثر تھا، وہ جان نہ پائی تھی کہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ت سے ناپید تھی اس میں۔ مگر ایک پُر تپش حصار وہ اپنے اردگرد بدستور محسوس کر رہی تھی۔ اتنے ی کہ سبکتگین کی سانسوں سے اس کا سارا وجود جلنے کو تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے اچانک بہت ہولے سے جھک کر اس کی ر پر ایک مہر ثبت کی تھی۔ میرب سیال کی جان اس لمحے اور بھی مشکل میں گھر گئی تھی۔ وہ آنکھیں بہت سے میچ گئی تھی۔ مگر تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز اس کی سماعتوں میں پڑی تھی۔

"بہت ڈر لگتا ہے تمہیں مجھ سے؟" جانے کس خیال کے تحت وہ پوچھ رہا تھا۔ میرب سیال نے بہت

آہستگی سے سر اٹھایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں م اس کی پناہ میں عجب اک تحفظ کا احساس تھا۔ دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش تھا مگر اس شور م ہلچل میں کوئی خوف کہیں پوشیدہ نہ تھا۔ جس گرفت میں وہ تھی اس میں والہانہ پن تھا۔ اس ل قیامت سی سارے وجود میں تھی۔ مگر شاید کوئی خوف کہیں نہ تھا۔ اس کا جھک کر پیشانی پر کی سے مہر ثبت کرنا یقیناً اسے برا نہیں لگا تھا۔ تب ہی اس نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''ذرا سا بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' میرب سیال نے بہت مدھم لہجے میں کہتے ہوئے نگاہ جھکا لی تھی۔ سردار سبکتگی جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''خوف بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' میرب سیال نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغا انکشاف پر کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اس تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کیا یہ ضروری ہے؟'' میرب سیال نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔

''اوں...... ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ شاید یہ اچھا لگا ہے۔'' بہت آہستگی سے کہا تھا۔

''کیا؟'' میرب سیال نے گردن اٹھائے بغیر مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین نے بہت ہولے سے اس کا چہرہ اٹھایا تھا۔

''تمہارا مجھ پر اعتبار کرنا، تھینکس اے لاٹ۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس کے چہرے کو تھا۔

''کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟'' جاننا چاہا تھا۔

''کیا؟'' میرب سیال کے لئے ان قربتوں کو جھیلنا جیسے دوبھر ہو رہا تھا۔ لہجہ مدھم اور آواز کسی ہوئی تھی۔

''شاید تم نے مجھ پر اعتبار کر لیا ہے۔'' بہت دھیمے سے وہ مسکرایا تھا۔ مگر میرب سیال نے کو دیئے بغیر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''شاید تمہیں مجھ پر اعتبار آنے لگا ہے۔ کسی قدر ہی سہی، مگر یہ تبدیلی خوش آئند ضرور ہے۔ دِس ری لائے۔'' سردار سبکتگین حیدر نے قدرے گردن جھکا کر اس روشن پیشانی پر ایک جلتا ہوا تھا اور پھر بہت آہستگی سے اسے اس خوشبو کے حصار سے رہا کر دیا تھا۔

''گڈ بائے۔'' بہت آہستگی سے ہاتھ ہلاتا ہوا وہ پلٹا تھا۔

میرب سیال نے سر اٹھا کر اسے جاتا ہوا دیکھا تھا پھر یکدم ہی پلٹ کر قدم اندر کی جانب بڑ

* * *

ڑکیاں بند ہیں، دیواروں کے سینے ٹھنڈے
پھرے ہوئے دروازوں کے چہرے چپ ہیں
ری ہیں کہ خاموشی کے دھبے جیسے
ں میں دفن ہیں آہٹیں سارے دن کی
رے ماحول پہ تالے سے پڑے ہیں چپ کے
ی آواز کی اک بوند جو مل جائے کہیں
زی سانسوں پہ ہے رات
چ جائے گی

نان علی خان بیڈ پر چت لیٹا تھا۔ نگاہ چھت پر تھی بظاہر۔ مگر سوچوں سے چپکی ہوئی دو بھیگی آنکھیں ورہٹ نہ رہی تھی۔

ں کے لئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ پریشان تھی۔ یہ خیال دل کو بہت تقویت ہا تھا۔ پہلی بار اس کی سمت سے کچھ منکشف ہوا تھا۔ پہلا احساس تھا جو فقط اس کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ از تھا جو ظاہر ہوا تھا۔ شاید پہلا عقدہ تھا جو کھلا تھا۔ گو بہت واضح نہ تھا مگر کچھ ایسا ہوا ضرور تھا۔ جانے اس چہرے میں، ان آنکھوں میں کہ وہ کبھی خود کو روک ہی نہ پایا تھا۔ اس نے بار بار سوچا تھا، محبت ہوئی تھی۔ وہ اس کی سمت کیونکر راغب ہوا تھا۔ ایسا کیا خاص تھا اس میں۔ مگر یہ عقدہ کبھی نہ کھلا تھا۔ ں کا خوب صورت ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا تھا کہ کئی خوب صورت چہرے اس سے قبل بھی نگاہ سے ے تھے۔ مگر دل اس طور دھڑکا نہ تھا۔ شاید محبت کے واقع ہونے کے لئے کسی خاص جواز کی ضرورت ہوتی۔

کوئی مخصوص موسم نہیں ہوتا۔

محبت اپنا جواز خود ہے۔ اسے کرنے کے لئے جواز ڈھونڈنے نہیں پڑتے۔ سو دل جب مبتلا ہوا تھا تو وہ بے بس ہو گیا تھا۔

شاید محبت ایسی ہی بے بس کر دینے والی قوت ہے۔

وہ اسی طرح لیٹا اس احساس کے متعلق سوچ رہا تھا جب اوزی کا فون آ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ نہیں یار! جسٹ ٹیکنگ ریسٹ۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''سنا ہے، بہت بڑے حادثے سے بچے ہو؟''

''ہاں۔'' عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''یہ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لینا بند کرو اور اس طرف آ جاؤ۔'' اوزی نے حکم نامہ جاری کیا تھا۔

''کیا کام ہے؟'' عفنان علی خان کا لہجہ بہت تھکا ماندہ سا تھا۔

''اچھا، تو ابھی مجھے تم سے ملنے کے لئے جواز تلاشنے ہوں گے۔''

''نہیں، آرہا ہوں۔'' عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اوزی کے سامنے تھا اور وہ اس کی اچھی خاصی خبر لے رہا تھا۔

''مجھے تم سے اس درجہ حماقت کی امید نہیں تھی۔ اگر تمہیں واقعی کچھ ہو جاتا تو؟'' اوزی ڈپٹ ر
''تو تم نے ڈانٹنے کے لئے مجھے یہاں بلایا ہے۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے اس
ٹالی تھی۔

''یہ کیا کم ہے عفنان علی خان؟'' اوزی حیران ہوا تھا۔ ''تم اکلوتے بیٹے ہو اپنے والدین
اکلوتے بھائی ہو۔ تم نے ایک بار بھی سوچا نہیں یہ حماقت کرنے سے قبل؟''

''سوچتا تو شاید کرتا نہیں۔'' عفنان علی خان بہت اطمینان سے مسکرا رہا تھا اور اوزی اسے دیکھ
تھا۔

''تمہیں انابیہ شاہ نے کچھ زیادہ ہی بتا دیا ہے۔ اتنا کچھ خاص ہوا نہیں تھا۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''شٹ اپ عفنان علی خان! تم اس درجہ دیوانے ہو سکتے ہو، مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اس سے
نے کبھی تمہیں اس طرح کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا۔''

''اس سے قبل اس طرح کے حالات بھی تو زندگی میں درپیش نہ آئے تھے۔'' عفنان علی خان
سے مسکرا رہا تھا اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''مجنوں بن کر تاریخ میں نام لکھوا جاتے؟ کیا کرتے، ہاں؟ اگر کچھ ہو جاتا تو؟ ـــــ اپنے
میں نہیں تو اپنے سے وابستہ لوگوں کے متعلق ہی سوچا ہوتا۔ زندگی اتنی ارزاں شے ہے تمہارے
اوزی کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا مگر عفنان علی خان اسی درجہ اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ تبھی ان
کے لئے کافی لے کر آ گئی تھی۔ عفنان علی خان نے کپ تھامتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''اپنے کزن کو کیا بتا دیا ہے تم نے؟ ـــــ اس کا پارہ نیچے نہیں اتر رہا۔'' وہ مسکرایا تھا۔ مگر انا
نے کوئی تاثر دیئے بغیر پلٹ کر دوسرا کپ اوزی کی سمت بڑھا دیا تھا اور پھر اسی خاموشی سے پلٹ
نکل گئی تھی۔

عفنان علی خان اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ اوزی نے گہری سانس خارج کی تھی۔

''عفنان علی خان! تم جیسے کُول بندے سے میں اتنی انتہا پسندی کی امید قطعاً نہیں کرتا۔''

''خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو تم۔ دیکھو، کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔ ٹھیک ٹھاک ہوں بالکل۔
سالم۔ اور تم جانتے ہو نا میں کتنا گڈ سوئمر ہوں۔''

''یہ بات دل کی تسلی کے لئے کافی نہیں ہے عفنان علی خان! یقیناً تم ہمیں عزیز ہو۔''
مگر تبھی عفنان علی خان چونکا تھا۔

''ہمیں؟ ـــــ یہ ہمیں میں کون کون شامل ہیں تمہارے علاوہ؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کی

ں کی سمت دیکھا تھا پھر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔
ں بہت حساس لڑکی ہے عفنان علی خان! تمہارے اس اقدام نے یقیناً اسے بہت حد تک
شاہ بہت
ا تھا۔ وہ گھر آ کر بھی بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ تمہیں اس کے سامنے اس طرح کی حرکتوں
برتنا چاہیے۔ یقیناً اس کا دل دُکھا ہے۔'' اوزی مطلع کر رہا تھا۔
مجھے نہیں پتہ تھی یہ بات۔'' اس نے برملا حیرت کا اظہار کیا تھا اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔
ن علی خان کافی کا کپ رکھتا ہوا اٹھا تھا۔
ں جا رہے ہو؟'' اوزی چونکا تھا۔
ں میں شامل دیگر لوگوں سے معذرت کرنے۔'' بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ پھر پلٹ کر باہر نکل
ابیہ شاہ باہر سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ جب وہ بہت آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آن بیٹھا تھا۔
شاہ چونکی نہیں تھی نہ ہی اس کی سمت نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت کی تھی۔ شاید ایسا اس نے دانستہ
تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب دیکھا تھا۔
ری بتا رہا تھا تم ناراض ہو مجھ سے؟'' انداز بہت دوستانہ تھا مگر انابیہ شاہ نے جیسے سنی ان سنی کر دی
نان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔
، معذرت کرتا ہوں میں۔ آئی ایم سوری۔'' بہ غور توجہ سے تکا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی
وش چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی رہی تھی اور وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
راصل مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہارا دل اتنا کمزور ہے۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ اینی وے، اگر
ں طرح کے مذاق اتنا خوفزدہ کرتے ہیں تو آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہوں، ہرگز نہیں کروں گا۔
وزی نے بھی اچھا خاصا ڈانٹ ڈپٹ لیا ہے اور اس پر تم بھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت
ا تھا۔
یسے مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم میری اتنی اچھی دوست ہو کہ مجھے کچھ ہونے سے تمہیں کچھ فرق پڑتا

ہیں ـــــ مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تم غالباً غلط سمجھ رہے ہو۔'' وہ اسی قدر روڈ انداز میں گویا ہوئی
ر عفنان علی خان مسکرا رہا تھا۔ پھر بہت توجہ سے اسے دیکھنے لگا تھا۔
انابیہ شاہ! بعض لمحے بہت بھاری ہوتے ہیں۔ جھیلنا آسان نہیں ہوتا انہیں۔ جو جھیل رہا ہو اس کا
اسے ہی ہوتا ہے۔ وہ کمزور نظر آ رہا ہو تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ درحقیقت کمزور ہے۔ وہ
ت حاوی ہونے والے ہوتے ہیں۔ اگر چاہے بھی تو اس حقیقت سے منکر نہیں ہو سکتا کوئی۔''
مگر انابیہ شاہ کچھ بولی نہیں تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس
ا کی تھی۔
''خائف ہونے کے جواز ڈھونڈنے والے یہ نہیں جانتے کہ بعض اسباب کس درجہ بھاری ہوتے
ہال، یہ الگ ۔ ۔ ۔ اس کا اندازہ کوئی اس طور کر نہیں پاتا۔'' مکمل توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

''میں جانتا ہوں انابیہ شاہ! تمہارے خائف ہونے میں اسباب صاف دکھائی دیتے ہیں، اختیاری بعض اوقات اختیار نہیں رہنے دیتی انابیہ شاہ!'' لہجہ بہت مدھم تھا اور انابیہ شاہ اسی طر رخ پھیرے بیٹھی رہی تھی۔ عفنان علی خان لب بھینچ کر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا اٹھ کھڑا

''کاش، میرے اختیار میں ہوتا کہ میں تمہیں وہ سارے جواز سونپ سکتا انابیہ شاہ!'' بہت میں کہتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

''کاش کہہ پاتا وہ باتیں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ مگر افسوس کبھی باتیں کہیں کھو جاتی ہیں اور اور کبھی دونوں ہی ساتھ نہیں دیتے۔ وقت سے شکوہ اس لئے نہیں کروں گا کہ جانتا ہوں ایک دا مجھے اسے اپنے بس میں کر لینا ہے۔ اور تب سب ویسا ویسا ہوگا جیسا جیسا میں چاہوں گا۔'' کتنا اس کا لہجہ اور انداز۔ انابیہ شاہ اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔

❄❄❄

''ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہو تم؟'' ازہان حسن بخاری نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ سا نے شیشے میں سے اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''لڑکیاں تیاری میں وقت لیتی ہیں ازہان حسن بخاری!'' اس نے بلش آن لگاتے ہوئے ہوئے جتایا تھا۔ ازہان حسن بخاری اندر بڑھ آیا تھا۔

''فائدہ؟ــــــ فرق تو پھر بھی کچھ نہیں پڑے گا۔'' مسکراتے ہوئے آئینے میں بہت دلچسپی عکس دیکھا تھا۔

ساہیہ خان بہت بے ساختہ ہنسی تھی۔

''کسے ــــــ ازہان حسن بخاری پر یا پھر کسی دیکھنے والے پر؟''

''شاید دونوں پر۔'' ازہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''ویسے کرتی کیوں ہو تم لڑکیاں یہ بناؤ سنگھار؟''

''تاکہ خوب صورت نظر آسکیں۔'' ساہیہ لپ اسٹک لبوں پر پھیرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''خوبصورت نظر آسکیں یا ہم لڑکوں کو بے وقوف بنا سکیں؟'' ازہان حسن بخاری مسکرایا تھا اور خان رخ پھیر کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ نگاہوں میں بہت سی شرارت آن رکی تھی اور گداز لبوں مسکراہٹ۔

''ازہان حسن بخاری! اس کام کے لئے تیز کانٹوں سے لیس ہونا ضروری تو نہیں۔''

ازہان حسن بخاری بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

''ذہین لڑکیوں کی ایک بات بہت اچھی ہوتی ہے۔ خود کو ڈیفنڈ بہت بہتر انداز میں کر پاتی ہیں۔''

''اور تمہیں یہی بات اچھی نہیں لگتی۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ازہان حسن بخاری بہ غور دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔

''کس نے کہا تم سے؟''

تمہاری آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہا ہے ازہان حسن بخاری!''

''نہیں آنکھیں پڑھنا بھی آتا ہے؟'' ازہان حسن بخاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ ''بتایا نہیں اس سے نام نے۔'' آواز میں حیرت حد سے سوا تھی مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

ساہیہ خان سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''تم مجھے کنفیوژ کرنے کی کوشش کر رہے ہو ازہان حسن بخاری؟'' انداز پُر اعتماد تھا اور ازہان حسن مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''ہرگز نہیں ساہیہ خان! کیونکہ میں جانتا ہوں خوب صورت لڑکیاں پُر اعتماد ہوں یا نہ ہوں یہ ضرور کرتی ہیں کہ لوگ انہیں پُر اعتماد جانیں۔''

''ازہان حسن بخاری! کیا یہ ضروری ہے کہ میں تم سے ایگری کروں؟'' ساہیہ خان بہت دلربائی سے ائی تھی اور نیلو پر کیوٹکس لگانے لگی تھی۔

ازہان حسن نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''تم جھوٹ بھی کہو گی تو وہ بہت دلربا ہوگا ساہیہ خان! تم کہو گی تو میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لوں'' عجب سعادت مندی سے وہ گویا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''کیا لائے ہو میرے لئے؟'' نیلو پر پھونک مارتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں تمہارے لئے کچھ لایا ہوں؟'' وہ کسی قدر حیران ہوا تھا اور ساہیہ خان مسکرا ئی تھی۔

''ازہان حسن بخاری! تمہیں مجھ سے زیادہ بہتر اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں جان سکتا۔'' عجب دعویٰ اور ازہان حسن بخاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''اوہ، رئیلی؟''

''آف کورس ــــــ'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ''اب جلدی سے اپنے ہاتھ آگے کر کے مجھے دکھاؤ، کیا ئے ہو؟''

ازہان حسن اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا اور پھر اپنے ہاتھ آگے کرتے ہوئے پیکٹ اس کی سمت بڑھا یا تھا۔

''کیا ہے؟ــــــ کھول کر دکھاؤ نا۔''

''تم خود دیکھ لو نا۔''

''کیسے دیکھوں؟ میرے نیلو پر لگی کیوٹکس خراب ہو جائے گی۔'' ساہیہ خان اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کی سمت دیکھ رہی تھی اور تب ازہان حسن بخاری پیکٹ کھولنے لگا تھا۔ ساہیہ خان کی نظریں بہ غور اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''گجرے ــــــ؟'' اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں کے گجرے دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔ ازہان حسن بخاری اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''اب یہ مت کہہ دینا کہ انہیں تمہیں پہنا بھی دوں۔''

''کیوں ——— تم میری اتنی چھوٹی سی فرمائش پوری نہیں کر سکو گے؟'' وہ اپنی مخصوص شرار
میں لئے کھلکھلاتے ہوئے ہنسی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے اس کی کلائی کو

''کیسے کیسے کام کروانے لگی ہو تم مجھ سے۔''

''لکی ون۔ اسی بہانے ایک خوب صورت لڑکی کی قربت تو میسر آ رہی ہے۔'' وہ شرارت سے
تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ ——— کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''ساہیہ خان! میں اگر تم سے اختلاف کروں گا تو تمہیں یقیناً برا لگے گا۔'' بہت سہولت سے
نازک کلائی میں پہناتے ہوئے اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

اور ساہیہ خان مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگی تھی۔

''نہیں ——— مجھے قطعاً برا نہیں لگے گا۔ مگر حُسن کو جھٹلانا آسان نہیں ہے۔ اتنا دھیان میں رکھنا

''اوہ، ریئلی۔'' اذہان حسن بخاری نے بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ اس کی کلائی پر
گرفت کچھ مضبوط ہو گئی تھی۔ ساہیہ خان جو اس کی سمت بہت پُر اعتماد انداز سے دیکھ رہی تھی یا
نظریں جھکا گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''حسن کو شکست دینا مشکل نہیں ہے ساہیہ خان! نہ ہی جھٹلانا آسان۔ صرف مشکل ہے تو
شکست خوردہ دیکھنا۔''

ساہیہ خان بنا اس کی سمت دیکھے اپنی کلائی کو دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکدم مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! یہ دونوں گجرے ایک ہی کلائی میں پہنا دو گے تو دوسری کلائی میں کیا
گے؟'' اس کا اعتماد ایک لمحے میں اس کے لہجے میں تھا۔

''یہ تو تمہیں بتانا چاہئے نا۔'' اپنی غلطی ہرگز ماننے کو تیار نہ ہوا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

''جلدی کرو اذہان! ابھی تمہیں مجھے نیچے جانے کے لئے بھی ہیلپ آؤٹ کرنا ہے۔''

''تم کچھ زیادہ ہی ایکسپکٹ نہیں کر رہی ہو مجھ سے؟'' اذہان حسن بخاری نے سر اٹھا کر اسے مسکر
ہوئے دیکھا تھا۔

''آئی تھنک سو۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ''مگر غالباً یہ میری مجبوری ہے۔ اس انجری کے بعد
میرے لئے خود سے چلنا مشکل ہے۔''

اذہان حسن بخاری نے گجرے دونوں کلائیوں میں پہنا کر تنقیدی نظروں سے اس کی کلائیوں کو د
تھا۔

''کیسی لگ رہی ہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ اگر یہ گجرے کسی خوب صورت کلائی میں ہوتے تو ان کی خوب صورتی شاید کچھ
بڑھ گئی ہوتی۔'' وہ مسکرایا تھا۔

یا مطلب ہے، یعنی میری کلائیاں خوب صورت نہیں ہیں؟'' ساہیہ خان نے اسے خفگی سے دیکھا

ن حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

ہلو، ورنہ وہ سب ہمیں چھوڑ کر دُلہن لینے روانہ ہو جائیں گے۔'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

ن نے اسے دیکھا تھا اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

ان حسن بخاری نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا پھر لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔

کیا سوچا ہے تم نے، شادی یہیں پاکستان میں کرو گی یا وہاں کیلگری میں؟''

ہیہ خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ عجب شرارت آنکھوں میں لئے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔
ہان مسکرا دی تھی۔

یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں اذہان حسن بخاری؟''

اس لئے کہ میں تمہارا بہترین دوست ہونے کے ناتے سب سے بڑا خیر خواہ ہوں۔'' اذہان حسن
نے جواز دیا تھا۔

مگر اس کے باوجود مجھے تم سے خیر خواہی کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے اذہان حسن بخاری!'' ساہیہ خان
ا قدر پُر افسوس انداز سے کہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

میری خیر خواہی پر شک کر رہی ہو؟''

نہیں ——— مگر میں فی الحال تم پر اعتبار نہیں کر سکتی اذہان حسن بخاری!''

ور وہ ہنس دیا تھا۔

''میری نیک نیتی پر اس قدر شک۔''

''شک نہیں اذہان! اسے حفظ ماتقدم کہتے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''یعنی تم مجھ پر بعد میں اعتبار کرو گی۔'' وہ اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

''ایسا میں نے کب کہا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''مگر یہ تو کہا نا فی الحال نہیں یعنی بعد میں ضرور ایسا ہو گا۔'' اذہان حسن بخاری مسکرا رہا تھا اور ساہیہ
ان اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

''تقریب اعتبار منعقد کرنا اس قدر آسان نہیں اذہان حسن بخاری! اس سے قبل کسوٹی پر پرکھنا بھی بے
ضروری ہوتا ہے۔''

''اوہ ریئلی۔ تو پلیز پرکھو نا۔ مجھے اچھا لگے گا اگر یہ تقریب اعتبار جلد منعقد ہو جائے۔'' اذہان حسن
رکا بے حد برجستگی سے بولا تھا اور وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ
ری ہو گئی تھی۔

* * *

پتہ نہیں، واقعی سب ٹھیک ہو گیا تھا یا پھر ایسا بہ ظاہر نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سردار سبکتگین
یدر لغاری کا مزاج کیا تھا، وہ اب تک سمجھ نہیں پائی تھی۔

کبھی وہ شعلے جیسا تھا اور کبھی شبنم۔ کبھی اتنی دہشت اندر بھر دیتا تھا کہ وہ سانس تک لیتا ہوا اور کبھی اتنا مہربان بن جاتا تھا کہ اس سے بڑا کوئی ہمدرد نہ لگتا تھا۔ وہ واقعی اسے اب تک سمجھ نہ اور سبکتگین حیدر لغاری بھی تو یہی کہہ رہا تھا۔ ابھی انہیں ایک دوسرے کو سمجھنا چاہئے۔

وہ مڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے سامنے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

”آپ؟“

”یہاں سے گزر رہا تھا، تمہارا دھیان آ گیا، سو چلا آیا۔ کیا میں نے ٹھیک نہیں کیا؟“ اسے ا حیرت سے تکتا پا کر وہ گویا ہوا تھا اور میرب سیال فوراً ہی سر نفی میں ہلانے لگی۔

”ایسا نہیں ہے۔ دراصل میں.......“

”میرے متعلق سوچ رہی تھیں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا او کہے بغیر دیکھتی رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا اور میرب سیال بہت آہستگی سے سر تھی۔

”کیا ہم کچھ وقت ساتھ گزار سکتے ہیں؟ ـــــ آئی مین، کہیں باہر جا سکتے ہیں؟“ سردار سبکتگی لغاری نے دریافت کیا تھا اور میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”پاپا....... پاپا سے پوچھنا ہوگا۔“

”اب تک پاپا کی انگلی تھام کر چلی ہو؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کسی قدر محظوظ ہوتے ہو غور دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ خجل سی ہو گئی تھی۔ یقیناً وہ کچھ زیادہ ہی حماقتوں کا مظاہرہ کر رہی اسے اتنا زیادہ پزل ہونے کی ضرورت قطعاً نہیں تھی اور وہ بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے۔ ا بہت مضبوط نظر آنا چاہئے تھا تاکہ وہ اسے آسانی سے کوئی زک نہ پہنچا سکے اور؟“

وہ چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا او لمحے اس کے قریب کھڑا بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”غالباً پاپا تو اس سے قبل ہی اپنی اس بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے چکے ہیں۔ اصولاً تو تمہیں میری انگلی تھام کر چلنا چاہئے۔“ وہ جیسے اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔ لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی اور نگاہیں بہ غور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

”میں....... میں انگلی تھام کر چلنے کی اسٹیج سے نکل چکی ہوں۔“ اس نے اعتماد بحال کرنے کو کسی ق مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا۔ شاید اپنی دانست میں اسے مرعوب کرنا چاہتی تھی مگر وہ قطعاً متاثر نہ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

”اوہ، رئیلی؟ ـــــ مگر مجھے تو لگتا ہے تم اب بھی میری انگلی تھام کر چلنا چاہتی ہو۔ کہیں میں غلط نہیں؟“ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ گویا تھا اور میرب سیال یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کیا تھا اور پھر بہ غور

تھا۔

ہیں مت پھیرو میرب سیال! ان پلکوں کی جنبش کے مفہوم سمجھنے کا خاص حق محفوظ رکھتا ہوں م مجھے ان آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھنے سے محروم کر دو گی؟“ کیا رنگ تھے لہجے کے۔ کیا تیور تھے ں کے۔ میرب سیال بہت زور سے لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔

آپ....... آپ غالباً کہیں لے جانا چاہ رہے تھے۔“ یاد دہانی کرائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری

تھا۔

رب سیال! اس نگاہ کے تیور جاننے کا موقع نہیں دو گی، اس چہرے کو پڑھنے نہیں دو گی تو کیسے سمجھ نہیں؟ تمہیں نہیں لگتا کہ تم میرے ساتھ نہیں خود اپنے ساتھ ناانصافی کر رہی ہو؟“ سردار سبکتگین ری مسکرا رہا تھا۔ مگر اس مسکراہٹ میں کوئی ریاکاری نہ تھی۔ ان آنکھوں میں کسی نئی سازش کا جال بُنا آ رہا تھا۔

کیا واقعی موسم رنگ بدل رہا تھا؟ ـــــ منظر رنگوں میں رنگ رہے تھے؟ ـــــ کیا واقعی آسمان ہو کر زمین پر جھک آیا تھا؟

رب سیال اسے سر اٹھائے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جب وہ بہت اپنائیت سے مسکرایا تھا۔

کیا ہوا؟ ـــــ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟“

رب سیال نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

آپ اندر چل کر پاپا کے پاس بیٹھیں، میں تیار ہو کر آتی ہوں۔“ وہ یکدم ہی ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ ا اور تھوڑی دیر بعد جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا منتظر تھا۔ وہ آہستگی لتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ہم قدم تھا اور شاید یہ احساس کچھ خاص لیے ہوئے تھا۔

ایک بات کہوں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

رب سیال نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کے چہرے کے تاثرات واضح تھے۔

”مجھے زندگی میں کبھی خود کو بدلنے کا خیال اس سے قبل نہیں آیا تھا۔“ وہ بہت دھیمے سے مسکرایا۔ ”میں بھی اس رخ کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔ یہ نئے بندھنوں میں بندھنا، نئے تعلق استوار کرنا، ان کی بات کو پورا کرنا، ان کی توقع پر پورا اترنا، کچھ ماننا، کچھ منوانا، ان باتوں کے متعلق کبھی نہیں سوچا تھا میں شاید۔ اتنی جلد میں ان سب چکروں میں پڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ زندگی بہت سی ڈیمانڈز کرتی ہے۔ لگتا ہے کہ میں ذمے داریوں سے بھاگنا چاہتا تھا۔ دراصل اس زندگی کی ذمے داریاں بہت سی باتوں تقاضا کرتی ہیں۔ بہت سی توقعات، بہت سی خواہشات بنا کسی پذیرائی کے، بنا کسی سبب کے بھی جنم لے لیتی ہیں۔ اور اگر اگلا اس پر پورا نہ اترے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی ملال دل کو گھیرنے لگتا ہے۔ سو میں نے سوچ لیا تھا جب تک ان سب ذمے داریوں کو ٹھیک طور پر پورا کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا، اس کے

متعلق نہیں سوچوں گا۔ مگر مائی اماں کی خواہش پر سر جھکانا پڑا اور ان دنوں میں انوکھے تجربات۔ ہوں۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ جب میرب سیال اس کے ساتھ چلتے ہوئے سر اٹھا کر ا دیکھنے لگی تھی۔

''آپ پچھتا رہے ہیں مجھ سے تعلق جوڑ کر؟'' جانے کیا سوچ کر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکۃ لغاری چونکا تھا۔ پھر بہت دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''تم ایسا سمجھ رہی ہو؟'' اس نے الٹا سوال کر کے میرب سیال کے لئے مشکل پیدا کر دی تھ سیال اس کی سمت دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''بات غالباً آپ کے متعلق ہو رہی تھی۔'' یاد دہانی کرائی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ سے اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ تو نہیں۔'' جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ میرب سیال قطعاً متا بغیر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

''آپ نے بتایا نہیں، پچھتا رہے ہیں مجھ سے تعلق جوڑ کر؟''

''تمہیں ایسا کیوں لگا؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھ

''آپ کے لہجے میں کوئی ریگرٹ صاف بول رہی ہے۔'' مدھم لہجے میں انکشاف کیا تھا۔

''اچھا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران ہونے سے زیادہ شاید محظوظ ہوا تھا۔ لبوں پر مسکراہ ہو گئی تھی۔

''کیا ایسا غلط ہے؟'' میرب سیال نے قطعاً متاثر ہوئے بغیر وضاحت چاہی تھی۔

''ہاں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا کسی تعرض کے جواب دیا تھا۔ میرب سیال نے چونکہ کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ بہت اعتماد سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج میں تعلقات کی راہ اتنی ایمانداری اور جانفشانی سے بحال نہ کر رہا غالباً تم اب بھی مجھ پر شک کر رہی ہو۔'' کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہا تھا۔ میرب سیال سر نفی میں ہ لگی تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر کیسی بات ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھا تھا میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی، اس کے سنگ چلتی ہوئی بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گویا ہوا تھا۔

''شاید تم نے بھی مجھ جیسے جیون ساتھی کے خواب نہیں دیکھے ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح، مہ خیالوں میں بھی کوئی تم جیسی لڑکی نہیں تھی۔'' بے حد صاف گوئی سے کہتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''یہ سچ ہے میرب سیال! ہم اچانک ایک دوسرے سے آن ملے ہیں۔ دو الگ الگ سمتوں کے لو جنہیں وقت نے ایک سمت میں چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ایسے میں ہمیں زیادہ واویلا نہیں کرنا چاہئے۔

قاضا یہی ہے کہ ہم وقت کے اس فیصلے کا خیر مقدم کریں اور قسمت کے فیصلے کو خوشی سے اور ذہن و ماندی سے قبول کریں۔ جذباتیت کام سنوارتی نہیں ہے فقط بگاڑتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہم زید کوئی نقصان اٹھائیں۔ شاید ہم دونوں ایک دوسرے کی خواہشوں کے مطابق نہیں ہیں میرب لرہم ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی خواہشات کے مطابق ڈھال ضرور سکتے ہیں۔ یہ سمجھوتہ، اس ے لئے بہت ضروری ہے۔ اور اگر اسے دل سے قبول کیا جائے تو یہ اتنا برا بھی نہیں لگے گا۔ تم یقیناً ت سمجھ رہی ہو نا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے اپنے مضبوط ہاتھ کی ہیں لیتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر میں ہلا دیا تھا۔

اگر ہم ایک دوسرے کو ابھی سمجھ لیں گے، ذہن و دل سے قبول کر لیں گے تو یقیناً بعد میں پرابلمز اتنی یں رہیں گے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ میرب سیال اپنا ہاتھ اس مضبوط ں دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا رہی تھی۔ جب یکدم کسی نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ے شانے سے پرس اچک لیا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر چیخی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے شانوں ام کر دیکھا تھا۔

''آر یو آل رائٹ؟''

''یں۔۔۔۔۔ بٹ مائے پرس۔'' اس نے تیزی سے بھاگتے ہوئے اس شخص کی سمت اشارہ کیا تھا۔ بکتگین حیدر لغاری نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

''ڈونٹ وری۔ تم یہیں رکو۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے اس پرس اچکنے والے چور کی سمت ے لگا تھا۔ چور نے اسے اپنے پیچھے آتے دیکھ کر اور بھی تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔

''سبکتگین!'' میرب سیال نے اسے باز رکھنے کو آواز دی تھی مگر وہ سنی ان سنی کرتا ہوا اس چور کے پیچھے نے لگا تھا۔

''سبکتگین!'' ایک تیز رفتار ٹرالر تیزی سے اس کی سمت بڑھتا دیکھ کر اسے خبردار کرنے کو وہ چیخی تھی۔ مگر بکتگین حیدر لغاری اس سے بہت فاصلے پر ہونے کے باعث غالباً اس کی آواز سن نہ سکا تھا۔۔۔۔۔ تیزی سے اس کی سمت بڑھا تھا۔

''سبکتگین!'' وہ چیخی تھی۔

ٹرالر بہت تیزی سے کسی وجود سے ٹکرایا تھا۔ ایک دلخراش چیخ اُبھری تھی اور میرب سیال کو سارا منظر کیا میں ڈوبتا لگا تھا۔۔۔۔۔!

یہ سب اتنی سرعت سے ہوا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ کتنی دیر حواس باختہ سی وہیں کھڑی رہی تم
ساکت نظریں اس منظر پر مرکوز تھیں جہاں کوئی حادثہ یقیناً ہو چکا تھا۔

اس کا وجود جیسے پتھر ہو گیا تھا۔

کتنے لمحوں تک وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی تھی۔ پھر قدم بڑھانے لگی تھی۔ سارے حواس اس منجمد تھے اور وہ چلتی چلی گئی تھی۔ اس جگہ کی جانب جہاں کوئی حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ کیسی پتھری تھیں اس نگاہیں۔ قدم رکے تھے اور وہ ساکت رہ گئی تھی۔

کوئی سڑک پر چت پڑا تھا اور اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ مگر وہ چہرہ، وہ خدوخال ویسے تو نہ تھے۔ کوئی اور ہی تھا۔ اور تب اس کی نگاہ اپنی جانب سے رخ پھیرے کھڑے شخص پر پڑی۔ لانبا قد، چوڑ شانے ـــــ میرب سیال سرعت سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

وہ خدوخال، وہ چہرہ اجنبی قطعاً نہ تھا۔ اس کے سامنے کھڑی وہ کتنی حیرت سے اسے تکتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جو زمین پر پڑے اس وجود کو کسی قدر تاسف اور افسوس سے دیکھ رہا تھا گھڑی چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور چہرہ حواس باختہ۔

"میرب!" بہت آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے پکارا تھا۔ مگر وہ تب بھی نہ چونکی تھی۔ اسی اجنبی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے اپنے ہاتھ سے چھیڑا تھا جیسے وہ اس کے ہونے کا یقین چاہ رہی تھی۔ عجب بے خود سا انداز تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے اس ہاتھ کو تھام کر لبوں سے لگایا تھا۔

"میرب! ـــــ کیا ہوا میرب؟" بہت بے قراری سے دریافت کیا تھا۔ یقیناً وہ اس کی کیفیت سمجھ نہیں پایا تھا۔ مگر میرب اسے اسی طرح خالی خالی نظروں سے دیکھتی ہوئی یکدم ہی اس کے فراخ سینے پر دھر کر رونے لگی تھی۔

"میرب! کیا ہوا؟" اس نے اس کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے کسی قدر فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ بنا کچھ کہے اسی طرح روتی چلی گئی تھی۔ اور تب ساری بات جیسے اس کی سمجھ میں آ گئی تھی، وہ اس کی طرف سے فکرمند ہوئی تھی۔ اس کے متعلق سوچ کر پُرملال ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ کر مسکرا رہا تھا۔ پھر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔"

یال نے سر اٹھا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب بغور تکتے ہوئے
ے دوبارہ بولا تھا۔

کچھ ٹھیک ہے ـــــ سب کچھ۔" مضبوط لہجے میں تسلی دیتے ہوئے باور کرایا تھا اور اسے تھام
لیا تھا۔

ی دیر میں پولیس وہاں پہنچ چکی تھی اور معمول کی کارروائی شروع ہو چکی تھی۔ یہ خدا کا شکر تھا کہ
ے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ وہ چور فقط زخمی ہوا تھا۔ ریسکیو کی ٹیم موقع پر پہنچ کر اسے
ے جا چکی تھی۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ مگر میرب سیال بہت سہم سی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو
بھی ضروری کارروائی کے بعد وہ اسے لے کر گھر واپس آ گیا تھا۔

* * *

ے میں اندھیرا کیے وہ گھٹنوں پر سر دھرے ساکت بیٹھی تھی جب اوزی نے دروازہ کھول کر اندر
مگر وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔ اوزی چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ چند ثانیوں تک اسے
ے تکتا رہا تھا پھر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر لیمپ روشن کیا تھا۔

رگی روشنی سے عبارت ہے انابیہ شاہ! کیونکہ روشنی میں سبھی منظر بہت واضح ہو جاتے ہیں اور سبھی
ے دکھائی دیتے ہیں۔"

ا کا لہجہ نرم تھا اور انابیہ شاہ سر اٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے
کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

بیہ! زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے ـــــ بہت کچھ۔ مگر جو پل گزر جاتا ہے وہ اپنے ساتھ بہت
جاتا ہے۔ مگر سبھی کچھ نہیں۔" اس کا لہجہ مدھم تھا۔ مگر بہت کچھ باور کراتا ہوا۔

یہ شاہ بہت آہستگی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

ھے معلوم تھا انابیہ شاہ! ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا یہ خوف، یہ ڈپریشن پھر سے عود کر آئے گا اور تم پھر انہی
ا میں گھر جاؤ گی۔ مگر انابیہ شاہ! ایسا کرنے سے کیا سب کچھ بدل جائے گا؟ تم جینا چھوڑ دو گی تو
ا رک جائے گی؟"

کی اس کی طرف مکمل توجہ سے تکتا ہوا دریافت کر رہا تھا مگر انابیہ جواباً خاموش تھی۔ اس کی ساکت
مں بہت سے گہرے سائے رکے ہوئے تھے۔ چہرہ پُرسکون سا تھا۔ اوزی نے اسے بغور دیکھا تھا،
نکھوں سے کتنی خاموشی سے نمکین پانیوں کے قطرے ٹوٹ کر چہرے کو بھگونے لگے تھے۔ اوزی کی
اس کے قریب دھری اس تصویر پر پڑی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس تصویر کو اٹھایا تھا جہاں کوئی بہت
ے مسکراتا ہوا، زندگی سے بھرپور دکھائی دے رہا تھا۔ زندگی کے سارے رنگ اس چہرے پر تھے۔
ذائقے اس کی آنکھوں میں تھے اور اوزی نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔

بیہ شاہ کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔
ت بیٹھی تھی۔ اوزی کچھ بھی کہے بغیر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ عجب اک بے بسی سی انداز میں تھی۔

کتنی دیر وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھا رہا تھا اور انابیہ شاہ کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہتے رہ

"انابیہ شاہ! زندگی میں سے جو لوگ چلے جاتے ہیں وہ کبھی واپس نہیں آتے۔ تمہیں یہ بار چاہیے اور مان لینی چاہیے۔" اوزی نے مدھم لہجے میں بنا اس کی طرف دیکھے باور کرانا چاہا آنکھوں سے نمکین پانی اسی طرح بہتا رہا تھا۔

"انابیہ شاہ! جن کا ساتھ جتنا ہوتا ہے، وہ اتنا ہی ہونا طے ہوتا ہے۔ اس میں کسی کی مرضی ہوتا۔ ہم نہ تو اپنی مرضی سے ان لمحوں کو بڑھا سکتے ہیں نہ گھٹا سکتے ہیں نہ ہی اپنی مرضی سے ان لمحوں لا سکتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے انابیہ شاہ! بالکل بھی ممکن نہیں۔"

انابیہ شاہ چپ چاپ بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کی جانب تکتی رہی تھی۔

"انابیہ شاہ! غازی کا اور تمہارا ساتھ اتنا ہی تھا۔ وہیں تک کا تھا جہاں تک تم دونوں ساتھ سے آگے کا موڑ آخری تھا جسے نہ تم بدل سکتی تھیں نہ ہی غازی۔" اوزی کا لہجہ مدھم تھا۔

"انابیہ شاہ! غازی ایک گزر جانے والا موڑ ہے۔ جسے گزر ہی جانا تھا۔ اس میں تمہارا یا کسی قصور نہیں۔ تم اگر چاہتیں بھی تو اسے روک نہیں سکتی تھیں کیونکہ اسے بہرحال جانا ہی تھا اور اتنے جانے والوں کو روکا نہیں جا سکتا۔ انابیہ شاہ! خود کو اس منظر نامے سے باہر لاؤ۔ میں جانتا ہوں خان کے مذاق میں کیے گئے ایک اقدام نے تمہیں پھر وہیں پر لے جا کھڑا کیا ہے جہاں سے لوٹ کر ایک بار پہلے آئی تھیں۔ مگر تمہیں خود کو باور کرانا ہے انابیہ شاہ! کہ یہ فقط مذاق تھا اور مذاق ہی ہوتا ہے۔ اس میں نقصان کسی کا نہیں ہوا۔ نہ ہی عفنان علی خان کا مقصد کسی کی دل آزاری شاہ! تمہیں خود کو باور کرانا ہے کہ غازی کے واقعے کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک الگ واقعہ تھا اور یہ الگ نوعیت کا اور یہ کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔" اوزی کا انداز بہت کچھ والا تھا اور انابیہ شاہ اسے سن رہی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا پھر بغور توجہ تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"ان دونوں واقعات میں قطعاً بھی کوئی مماثلت نہیں انابیہ شاہ! تمہیں خود کو اس سیاہ دائرے لانا ہے انابیہ شاہ! جس کے اندر رہ کر تمہیں تمام رنگ سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔ تمہیں خود کو باور کرانا زندگی صرف رنگوں سے اور روشنی سے عبارت ہے اور باقی سب رد کیے جانے کے قابل۔"

انابیہ کی آنکھوں کے نمکین سمندر اسی طرح طغیانیوں سے پُر تھے اور اوزی اسے دیکھ رہا تھا۔

"غازی جا چکا ہے انابیہ شاہ! اور اسے لوٹ کر واپس نہیں آنا ہے۔ اس کے لیے تم خود کو مت از کم میں تو تمہیں اس بات کی اجازت قطعاً نہیں دوں گا۔" بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی کے نمکین پانیوں کو سمیٹا تھا۔ اس کا انداز کسی ہمدرد کا سا، حوصلے بندھانے والا تھا۔ وہ ایک مہربان اس کے سامنے تھا اور تبھی انابیہ شاہ اس کے شانے پر سر دھرتے ہوئے رونے لگی تھی۔ اوزی نے تھا پھر اس کے شانے کو بہت ہولے سے تھپتھپانے لگا تھا۔

* * *

ور کچھ زیادہ طویل نہیں ہو گیا؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہیں یہ سب ان بھابی صاحبہ کا
ہیں؟" عفنان علی خان مسکرایا تھا۔
کوئی ہنستا چلا گیا تھا۔
ہے ایسا ہے؟"
ایسا بھی تو ہو سکتا ہے نا، گین صاحب! آپ جیسے بندے میں بیٹھے بٹھائے تبدیلیاں رونما
ضرور اسباب کچھ خاص ہی ہیں۔ بائے دی وے، بھابی کی تصویر ہی ای میل کر دو یار!
میں تو تم نظر نہیں آ رہے ہو۔ چپکے چپکے نکاح کیا، چپکے چپکے رخصت بھی ہو گئے۔ نہ بتایا، نہ
مجھے تو لگتا ہے تم بھابی جی کے عشق میں ڈوب چکے ہو۔" عفنان علی خان نے فتویٰ جاری
طرف گین صاحب ہنس دیئے تھے۔
پانی گردن تک آیا ہی چاہتا ہے۔ تم سناؤ۔ پھپھو سے بات ہوئی تھی، بتا رہی تھیں تم آج کل
ہو؟"
انہوں نے تم سے؟" عفنان علی خان حیران ہوا تھا۔
دیا تھا۔
کہا فاطمہ پھپھو نے؟"
عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ "آئی ایم ریئلی ان ٹربل۔ کچھ ہے جو سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ کچھ
پا رہا ہوں۔ کچھ ہے جو بہت الجھا ہوا سا ہے۔" مدھم لہجے میں کہتے کہتے وہ یکدم چونکا تھا۔
آ رہے ہو؟"
— کیا ہوا؟ معاملہ کچھ زیادہ سنگین ہے کیا؟" گین دوسری طرف متفکر ہوا تھا۔
"عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔
شق وشق کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے؟" گین کو دوسری طرف تشویش ہوئی تھی۔ عفنان علی
تھا۔
ؤ تو پھر بات کریں گے۔"
کیوں نہیں؟"
کے ساتھ بڑی ہونا۔ یار! بات کراؤ نا بھابی سے۔ ہم بھی تو دیکھیں جنہوں نے اپنے محترم
حیدر لغاری کو قابو میں کر لیا وہ درحقیقت ہیں کیسی۔" عفنان علی خان مسکرایا تھا۔
دیا تھا۔
نہیں ہے۔ آئی مین میرے ساتھ نہیں ہے۔ کل ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اسی کے
تھی۔ میں نے اس کے پیرنٹس کے ہاں چھوڑ دیا۔"
— کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟" عفنان علی خان نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔
خدا کا شکر ہے، سب ٹھیک رہا۔ مگر تم جانتے ہو نا لڑکیوں کی سائیکی، کس درجہ بہادر ہوتی

ہیں۔ بس یہی بہادری کام آ گئی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ "اینی وے، تم کچھ بتار
عفنان علی خان چونکا تھا۔

"ہاں .... نہیں، تم آ جاؤ پھر بات کریں گے۔" دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"اور تب تک پانی سر سے گزر گیا تو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

"کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو بہر حال ہونا ہی ہے۔" وہ بہت نیم جان انداز میں مسکرا
سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"یعنی معاملہ خاصا سنگین ہے۔"

"کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب تو کوئی سد باب بھی ممکن نہیں رہا۔" عفنان علی خ
سے مسکرایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"یعنی مجنوں بن گئے ہو۔"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ مگر بڑی بے جان سی مسکراہٹ تھی۔

"یار گین! تمہیں کبھی عشق نہیں ہوا؟ اتنی لڑکیوں سے ملا تُو، اتنی لڑکیوں کی قربت مِ
دلفریب، دلربا ہجوم تیرے اردگرد بنے رہے۔ کبھی .... کبھی نہیں لگا .... کہیں .... کسی ایک
ایک چہرے کے لئے رک جانا چاہئے۔ یہ چلنا پھرنا، بھاگنا، یہ سفر در سفر، یہ منزلوں کا جنوں، یہ
کبھی ڈال ڈال کا سلسلہ اب موقوف ہو جانا چاہئے۔" عفنان علی خان کا لہجہ مدھم تھا۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"میرے یار! تُو میری بات چھوڑ، اپنی سنا۔ تیرا یہ حشر اس انگیج منٹ والی نے کیا ہے یا معا
ہے؟"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"یار گین! مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔ یار سمیٹ دو اپنا یہ سلسلہ۔ مجھے تمہیں بہت کچھ
مشورہ کرنا ہے۔"

"یہ راتوں رات پانی سر کو کیسے آ گیا؟ ــــــ بات اتنی نئی تو نہیں لگتی۔ جب میں وہاں تھ
کیوں نہیں کیا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کو حیرت ہوئی تھی۔

"تب مجھے صورت حال کی سنگینی کا اندازہ خود اس طور نہیں تھا۔" عفنان علی خان دھیمے سے مُ

"نام کیا ہے؟"

"گین! اب تم اتنے تھوڑے سے دنوں میں میرا نام بھی بھول چکے ہو؟" عفنان علی خان کو
تھی۔

"شٹ اپ یار! میں اس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

"تم آ جاؤ نا یار! پھر بات کریں گے۔"

ہ زیادہ سیریس نہیں ہو گئے تم؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش ہوئی تھی۔ عفنان علی خان
ھا۔

ین! تیرا میرا معاملہ بہت مختلف ہے۔ تُو ہمیشہ چلتا رہا ہے اور کبھی کسی موڑ پر رُکا ہی نہیں۔ اور
دھیمے سے مسکرایا تھا۔ "میں کبھی چلا ہی نہیں۔ کبھی کوئی سفر کیا ہی نہیں۔ مگر ایک لمحے میں جب چلا
ا کا سفر کر آیا ہوں۔" ایک جملے میں ہزار ہا داستانیں پوشیدہ تھیں اور سردار سبکتگین حیدر لغاری متاثر
نہیں رہ سکا تھا۔

محترمہ سے منسوب ہوا نہیں خبر ہے کہ محترم کہیں اور منسوب ہو چکے ہیں؟"

ن علی خان مسکرا دیا تھا۔ "نہیں۔"

ان محترمہ کو خبر ہے جن کے باعث آپ اس کیفیت کو پہنچ چکے ہیں؟"

ں، اسے بھی خبر نہیں ہے۔" عفنان علی خان کا لہجہ دھیما تھا۔

نے اسے کبھی بتایا نہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی انویسٹی گیشن شروع ہو چکی تھی۔ عفنان
چونکا تھا۔

گین! تمہیں نہیں لگتا یہ انویسٹی گیشن قبل از وقت ہے؟ سردار صاحب! آپ کسی جھگڑے کے حل
ہیں بیٹھے ہیں۔ یہ عفنان علی خان کی زندگی کا معاملہ ہے۔" مسکراتے ہوئے یقین دہانی کرائی
دار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

دگی کا نہیں، محبت کا معاملہ ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

ں ــــ تو اس میں فرق کیا ہے؟ بات ایک ہی ہے۔ کبھی محبت کی ہو تو خبر بھی ہونا۔" جتایا تھا۔
سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

لواب آ کر تم سے سیکھوں گا۔"

ے تمہیں کچھ سکھا کر یقیناً خوشی ہو گی۔" عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر
پلٹ کر دیکھا تھا۔ فاطمہ علی خان دروازے میں کھڑی تھیں۔

ما! آپ؟" وہ مسکرایا تھا۔

ین کا فون تھا؟" فاطمہ علی خان مسکرائی تھیں۔

ی۔"

ب آ رہا ہے وہ؟ ــــــ اور اس کی دلہن کیسی ہے؟"

ھا آر فائن ماما!" عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

ہ علی خان چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھیں۔ پھر اس کے چہرے کو بہت محبت سے تھام لیا

اور تم میری جان! تمہیں کیا ہوا ہے؟" ان کا لہجہ فکر مند تھا اور عفنان علی خان ان کے ہاتھوں کو
ہوئے مسکرایا تھا۔

”مجھے کیا ہونا ہے ماما؟ آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔ اچھا تو گین کو بھی آپ نے ہی مطلع کیا اس نے مجھے فون کھڑکا دیا۔ ماما! سب ٹھیک ہے۔ بس کام کا کچھ برڈن تھا اس لئے۔ اور آپ پریشان ہو گئیں۔“ مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر فاطمہ خان سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔

”خواہ مخواہ نہیں میرے بچے! ماں کی نگاہ کبھی بھی کچھ غلط نہیں دیکھ سکتی۔ میں نے فیضان سے تھا، ان کے مطابق آفس میں کوئی اتنی بڑی پرابلم نہیں ہے کہ تم اس طرح گھبرائے پھرتے نظر آؤ خان مطمئن نہ ہوئی تھیں اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

”اوہ کم آن ماما! سب کچھ ٹھیک ہے ـــــ آپ نے خواہ مخواہ پاپا کو بھی پریشان کر دیا۔ دیکھ میں آپ کو ٹھیک نہیں لگ رہا؟ ـــــ اینی ویز، انوشے کہاں ہے؟ اسے کہیں ایک کپ کافی میر میں بھجوا دے۔ مجھے ایک میٹنگ کے لئے جانا ہے اور آئی ایم آل ریڈی لیٹ۔“ بہت عجلت سے وارڈ روب کی سمت بڑھا تھا۔ تبھی فاطمہ بولی تھیں۔

”تم جاؤ، باتھ لو۔ میں کپڑے نکال دیتی ہوں۔“

***

اذہان حسن بخاری اور ساہیہ خان ایک ساتھ کھڑے تھے۔ دونوں میں یقیناً کوئی نوک جھونک تھی۔ فارحہ انہیں دور سے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ بیٹے کی زندگی میں آنے والی یہ تبدیلی یقیناً خو تھی۔ انہیں اچھا لگا تھا۔ ورنہ جس طرح کی سچویشن سعد حسن بخاری نے کری ایٹ کر دی تھی اسے د تھا حالات کبھی معمول پر نہ آسکیں گے اور زندگی میں ایک تناؤ بدستور قائم رہے گا۔ مگر...... فارحہ ایک سانس خارج کرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔

خدا کا شکر تھا ایسا نہیں ہوا تھا اور بہر طور سب کچھ زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگا تھا۔ اذہا بخاری بھی۔ انہوں نے بیٹے کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے سوفٹ ڈرنک کا سِپ لیا کوئی ان کے قریب آن رکا تھا۔ فارحہ چونکی تھیں۔ ان کے بہت قریب کوئی اور نہیں، سعد حسن کھڑے تھے اور ان کے پہلو میں ان کی کمسن بیگم عریبہ بھی موجود تھیں۔

فارحہ کے چہرے سے سارا اطمینان ایک لمحے میں رخصت ہوا تھا۔ مسکراتے لب بھنچ گئے تھے کی جگہ ایک تناؤ نے لے لی تھی۔ وہ اس تقریب میں کسی طرح کی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھیں تبھی سمت سے نگاہ پھیر کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا۔ مگر سعد حسن بخاری اس لمحے ان کا ہاتھ تھامتے ہو دیئے تھے۔ فارحہ نے بہت چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جیسے ان کی اس کیفیت سے حد در ہوئے تھے۔

”ہمیشہ بہت جلدی میں رہتی ہو فارحہ! کبھی تو فرصت کے اوقات نکال کر ہم سے بھی دو گھڑی لیا کرو۔“

فارحہ نے بہت خاموش سی نگاہ اس چہرے پر ڈالی تھی اور رخ پھیر گئی تھیں۔

”کم آن۔ اس طرح اجنبی مت بنو۔ میری بیوی سے ملو۔ یہ عریبہ، عریبہ بخاری۔ غالباً پہلی

اس سے۔“ سعد حسن بخاری کے لبوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ تھی۔ اگر وہ انہیں کوئی زک تھے تو وہ ایسا کر چکے تھے۔ فارحہ کے چہرے کی کیفیت بہت متغیر تھی۔

...... کیوں لائے ہو تم اسے یہاں سعد حسن بخاری؟ یہ دکھانے کے لئے کہ تم کتنی جوان بیوی پھر یہ کہ تم جسے چاہو سڑک پر سے اٹھا کر اس مرتبے پر فائز کر سکتے ہو؟“

لہجے میں بہت سے الاؤ دہک رہے تھے۔ سعد حسن بخاری کے چہرے کی کیفیت پل بھر میں متغیر

اپ فارحہ! اپنی حدود میں رہو۔“

اپنی حدود ہی میں ہوں۔ لیکن تم اپنی حد میں نہیں۔“ فارحہ مضبوط لہجے میں کہتی پہلی بار بہت ہائپر

”تم جو زہر میری زندگی میں گھول چکے ہو سعد حسن بخاری! اسے میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ مگر پلیز ی حرکتیں کر کے مجھے اب مزید پریشان مت کرو۔ سکون سے رہنے دو مجھے میرے بچوں کے اری زندگی سے مجھے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، میں اسے قبول کر چکی ہوں۔ مگر جھ میں اب بھی نہیں کہ تمہارے بار بار کے ان حملوں کا مقابلہ کروں۔“ سعد حسن کی سمت سے تے ہوئے وہ بہت نیم جاں نظر آ رہی تھیں۔ ویران آنکھوں میں ایک لمحے میں ایک انجانی سی ناری تھی۔

تمہارے ان فضول کے ہتھکنڈوں سے تنگ آ چکی ہوں۔ کچھ نہیں چاہتی ہوں میں تم سے۔ بس میرے بچوں کے ساتھ۔ میرے لئے میرے بچوں کا سُکھ اور میرے گھر کا سُکھ بہت معنی رکھتا رحہ چہرے کا رخ پھیرے پوری طرح مضمحل نظر آ رہی تھیں۔

سن بخاری مسکرا دیئے تھے۔

ن سا گھر فارحہ! ـــــ کون سے گھر کا سُکھ؟ ـــــ وہ گھر تو کب کا ٹوٹ چکا جس کے سُکھ کی رہی ہو۔ تمہیں نہیں لگتا یہ بہلاوہ بہت بودا اور فضول ہے؟“

نے سعد حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ پہلو میں کھڑے چہرے کی دلربائی تھی۔

بات جتانے کے لئے تم اسے یہاں لائے ہو؟“ مدھم لہجے میں شکستگی بے حد واضح تھی۔ آنکھوں بھیگنے لگے تھے۔

بات سعد حسن! ـــــ یہی بات جتانے کو تم یہاں اس کے ہمراہ آئے ہو نا کہ میرا سب کچھ کر چکا ہے اور اب میں خالی ہاتھ ہوں۔ کچھ نہیں رہا میرے پاس اب اور۔“ ان کے حوصلے جیسے نے لگے تھے۔ شاید تبھی وہ بغیر مزید کچھ کہے چپ ہو کر سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔ پھر ہمت کر کے

سعد حسن بخاری! میں اب بھی اتنی ہی مضبوط ہوں، اتنی ہی باحوصلہ ہوں۔ کیونکہ میرے پاس بچے ہیں جو میری سب سے بڑی طاقت ہیں۔ مگر تم...... تم بے حد کمزور ہو میری نظر میں سعد حسن!

کیونکہ میں تمہیں خالی ہاتھ دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں نہیں لگتا سعد حسن! تم یہاں میرے پاس اپنے انر ایسی ہی خلش کی تسکین کرنے آئے ہو۔"

"شٹ اپ فارحہ! ـــــ آئی سے شٹ اپ۔" سعد حسن بخاری نے مدھم مگر کسی قدر سخت کہا تھا۔ چہرے کا تناؤ بہت بڑھ چکا تھا۔ دونوں کے درمیان کی تکرار بڑھ رہی تھی۔ بخاری کی نگاہ ان کی سمت اٹھی تھی۔ اسے موقع کی نوعیت سمجھنے میں قطعاً بھی دیر نہیں لگی تھی۔ جب ازہا سے وہ آگے بڑھا تھا۔

"وہاٹ ہیپنڈ ممی؟"

مگر فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا تھا پھر فوراً ہی مڑ کر وہاں نکلتی چلی گئی تھیں۔

ازہان حسن بخاری نے باپ کی طرف فقط خاموش نظروں سے دیکھا تھا اور بنا کچھ کہے وہاں سے گیا تھا۔

❄❄❄

سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا جب گی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔ اس کی طر کافی کا مگ بڑھایا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" شستہ انگریزی میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" لبوں پر بڑی رسمی سی مسکراہٹ تھی۔ "تمہیں لگا میں کچھ سوچ رہا ہوں؟" براہِ راست ا کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ گی نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"میرے بارے میں سوچ رہے تھے؟" انداز میں کسی درجہ شرارت تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغار کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ مجھے تمہارے متعلق سوچنا چاہئے؟"

"نہیں سوچنا چاہتے ہو؟" الٹا سوال کر دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"نہیں۔" صاف انکار تھا۔

مگر گی اس کی سمت بہ غور دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"آر یو شیور؟"

"آف کورس۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بڑے بے تاثر انداز میں شانے اچکا دیئے تھے۔ گ مسکرا دی تھی۔

"تھینکس۔ تھینک یو ویری مچ۔ یعنی دل کی گہرائی سے شکریہ۔" وہ وضاحت دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"مگر یہ شکریہ تھا کس بات کے لئے؟"

نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ "مجھے نہ سوچنے کے لئے۔" مدھم لہجے میں شانے اچکائے تھے۔ انداز کسی قدر بے نیازانہ تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

کرا کیوں رہے ہو اب؟"

وچ کر کہ جس نے تمہیں چاہا وہ کیسا ہوگا؟"

کے لبوں کی مسکراہٹ ایک لمحے میں معدوم ہوئی تھی۔ آنکھوں کی جوت ایک لمحے میں بجھی تھی۔ پ ہوئی تھی وہیں بہت آہستگی سے چہرے کا رخ بھی پھیر گئی تھی۔

ہت چاہتی ہو اسے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہ غور اس کے چہرے کو پڑھا تھا۔ گی نے ایک دیکھا تھا پھر نگاہ پھیر لی تھی۔

لین! بہتر نہ ہوگا اگر ہم اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں؟"

تم اس ذکر سے بچنا چاہتی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ وہ کچھ بھی دیئے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

ڈرتی ہو؟" دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ گی نے اس کی جانب دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے سر میں ہلا دیا تھا۔

ہاں۔ کہیں ٹوٹ کر بکھر نہ جاؤں۔"

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

کیا ہوا؟" گی چونکی تھی۔

سوچ رہا تھا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

کیا؟" گی نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

یہی کہ محبت کا کیا واقعی کوئی وجود ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں میں جہاں حیرت تھی لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور گی نے اسے بہت حیرت سے دیکھا تھا۔

م محبت پر واقعی یقین نہیں رکھتے گین؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

تم کیا سمجھتی ہو؟ کیا محبت کی واقعی کوئی وقعت ہے اس زمانے میں گی؟ آئی مین اس دور میں؟"

نہیں کیا لگتا ہے گین؟ ـــــ کیا نہیں ہے؟" گی نے کسی درجہ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ سردار حیدر لغاری نے اس کی جانب دیکھا تھا پھر شانے بہت بے نیازی سے اچکاتے ہوئے مسکرا دیا

یں نہیں جانتا۔ مگر میں نے محبت کو کبھی بھی یہاں وہاں اپنے اردگرد چلتے پھرتے نہیں دیکھا۔ کیا تم یکھا ہے؟" وہ غیر سنجیدہ انداز میں مسکرا رہا تھا اور گی تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

مجھے یقین نہیں ہو رہا گین! کیا تم واقعی محبت سے منکر ہو؟" وہ واقعی حیران تھی اور سردار سبکتگین حیدر جانے کیوں اس کے انداز پر مسکرا دیا تھا۔

"اور مجھے حیرت ہو رہی ہے، تم محبت کی اس درجہ حامی ہو۔ مجھے تو لگ رہا ہے تم میں جولی
آ گئی ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ "اور مجھے لگتا ہے کہ مجھے اب تم کو گی کی بجائے جولیٹ کہہ کر بلانا ہوگا
گلیوں میں بال کھولے پھرتی بے قرار کھا سی لڑکی ـــــ محبت کی انگلی تھامے، دور تک چلتی ہو
سوچ کر ہی محظوظ ہو رہا تھا۔ مگر گی اس کی شرارت پر مسکرائی نہیں تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"کم آن گی! نکل آؤ اس دیوانے پن سے باہر۔ کیونکہ روم کی گلیوں میں آنکھوں میں ویرانی لیے
کھولے، بے قراری سے گھومتا پھرتا اور رومیو رومیو پکارتا وہ کریکٹر اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھ
صرف شیکسپیئر جیسے دیوانے اور جذباتی شخص کے ذہن کا شاخسانہ تھا۔" وہ اپنی دانست میں اس کی
دور کر رہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"میں تمہاری بات مان بھی لوں گین! تو کیا فرق پڑتا ہے؟ حقیقت جو ہے وہ بدل تو نہیں جائے
اس کا انداز کسی قدر پُر تاسف تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ماننا تو مت مانو۔ مگر تم میری سوچ نہیں بدل سکتیں۔"

گی نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ مسکرایا تھا۔ گی بھی جواباً مسکرا دی تھی۔

"دیکھ رہی ہوں سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا..... کیا واقعی تمہیں کبھی محبت نے نہیں گھیرا، کبھی اس
تمہارے اندر پڑاؤ نہیں ڈالا؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ مگر گی مسکرا دی تھی۔

"کہیں یہ تمہاری شخصیت کا رعب تو نہیں کہ محبت تمہارے قریب بھی پھٹکی ہی نہیں؟ سردار سبکتگین ح
لغاری! خود کو اتنا بھی مت بناؤ کہ تم زندگی کے اصل رنگ کو ہی نہ سمجھ سکو۔ خاص بننے کا اپنا ہی ایک لط
ہے۔ مگر کبھی کبھی عام بن جانا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔"

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً مسکرا دیا تھا۔ گی نے بہ غور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، پھر مسکرا
تھی۔

"ایک بات پوچھوں گین؟"

"ہوں۔"

"وہ کون ہے جس کے لئے تم اس روز اتنا پریشان ہو رہے تھے؟"

گی کا سوال بہت غیر متوقع تھا۔ شاید تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر چونک کر دیکھا تھا۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"تمہیں اچھا نہیں لگا؟" گی نے اسے ندامت سے دیکھا تھا۔ "دراصل میں نے اکثر اسے تمہار
ساتھ دیکھا ہے۔ میں نے کبھی اس سے قبل پوچھا نہیں اور شاید مجھے جاننے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے؟
مگر جس طرح تم اس روز اس کے لئے پریشان ہو رہے تھے وہ بہت حیران کن تھا۔ ایسا کوئی کسی بہت اپ

ی کر سکتا ہے۔"
ہہ رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت بے تاثر انداز میں چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔
نے اسے چپ ہو کر دیکھا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
رہے ہو؟" گی نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔
وں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ گی نے اسے کسی قدر بے قرار نظروں

ا تھا۔
کچھ کہنا چاہتی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس نگاہ کو پڑھ رہا تھا۔
ردن بہت ہولے سے نفی میں ہلی تھی۔ خود کلامی کا سا کوئی انداز تھا اور اگرچہ سردار سبکتگین حیدر
ں لفظ کا مفہوم نہیں جانتا تھا مگر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ گی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
ت جاؤ، بھی کہہ رہی ہو اور نظریں بھی پھیر رہی ہو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا اور وہ
ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی تھی۔
جا رہا ہوں۔ مگر پھر آؤں گا۔ مجھے خدا حافظ نہیں کہو گی؟" اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔
سیونارا۔" گی کا لہجہ مدھم اور بجھا بجھا سا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔
گڈ بائے۔" ہولے سے ہاتھ ہلا کر وہ پلٹا تھا اور پھر باہر نکلنے لگا تھا۔

❄❄❄

نان علی خان، اوزی سے مل کر نکل رہا تھا۔ جب بیرونی سیڑھیوں پر ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھی
اہ پر نگاہ پڑی تھی۔ قدم خود بہ خود رک گئے تھے۔ وہ بہت آہستگی سے اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔
ا نے کسی قدر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ عفنان علی خان بہت رسمی سے انداز میں مسکرایا تھا۔
اچھے دوستوں کو کوئی اس طرح پریشان کرتا ہے؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ بہت
ہوئے دیکھنے لگی تھی۔
پریشان؟ میں نے کسے پریشان کیا ہے؟" مدھم لہجے میں حیرت بہت واضح تھی۔ وہ اس لمحے عفنان
ن کی سمت دیکھ رہی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
اوزی کو۔ انابیہ شاہ! تمہیں نہیں لگتا تم اس کے ساتھ کچھ غلط کر رہی ہو؟"
نابیہ شاہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
اوزی کی عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے کی۔"
اور تم؟" عفنان علی خان نے اس کی سمت اشارہ کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔
تمہیں کس نے کہا عفنان علی خان! کہ میں پریشان ہوں؟"
اچھا، تو تم پریشان نہیں ہو؟" وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ خاموشی
دیکھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط
رکھ دیا تھا۔

”آئی ایم سوری انابیہ شاہ!“ لہجہ مدھم تھا۔

اور وہ بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی اور عفنان علی سمت خاموشی سے دیکھتا ہوا نظر پھیر گیا تھا۔

”ابھی تک ہمارے درمیان کوئی رشتہ استوار نہیں ہوا ہے نا انابیہ شاہ! کوئی ربط نہیں بنا ہے۔ کا کوئی نام بھی نہیں ہے۔ نہ دوستی، نہ ہی دشمنی۔ مگر انابیہ شاہ! میں پھر بھی تمہارے لئے کچھ خا ہوں۔ تمہارے متعلق خاص رنگ سے سوچتا ہوں۔ تمہیں خاص زاویے سے دیکھتا ہوں۔ تمہ تمہارے دُکھ، تمہاری ہنسی، تمہاری خوشی، تمہارا افسردہ ہونا یہ سب بہت معنی رکھتا ہے میرے شاہ! میں اس ربط کا کوئی مفہوم سمجھ نہیں پاتا مگر اس ربط کو بہت واضح انداز میں محسوس ضرور کرتا ہ لہجے میں وہ کیسے کیسے انکشافات کر رہا تھا اور انابیہ شاہ اسے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔

”انابیہ شاہ! مجھے وہ سارے رنگ بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر میں انہیں اپنے اردگرد دیکھ ضرور ہوں۔ سب زاویے، سبھی حاشیے، انابیہ شاہ! ان سب کا سلسلہ تم سے کیوں جا ملتا ہے؟ تمہارے متعلق خود کو سوچنے سے باز نہیں رکھ پاتا۔“ اس کا مدھم لہجہ کتنے رنگوں سے بھرا ہوا تھا او کس درجہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”تم جب میری کچھ لگتی بھی نہیں ہو، ہمارے درمیان کوئی ربط، کوئی تعلق ہے ہی نہیں تو پ انابیہ شاہ؟ ___ پھر یہ سب کیوں؟ ___ ایسا کیوں انابیہ شاہ؟“ کتنے سوال تھے اس لہج آنکھوں کی تپش کس درجہ بڑھ گئی تھی۔ کتنی بے قراری عود کر آئی تھی اور انابیہ شاہ ایک پل میں چہر پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”میرے پاس اس رشتے کو دینے کے لئے کوئی نام نہیں ہے انابیہ شاہ! اور میں جانتا ہوں تم معاملے میں خود کو بہت بے بس پاتی ہوگی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس ربط کا کوئی نام نہیں یا ب معنی ہے۔ بعض اوقات بہت سی چیزوں کے مفہوم سمجھ میں نہیں آتے۔ بہت سی باتیں عام فہم نہیں وہ بے معنی نہیں ہوتیں۔ انہیں یونہی بے سبب جان کر چھوڑ دینا دانش مندی نہیں۔ بہت سی چیز مانگتی ہیں، وقت چاہتی ہیں، اپنا آپ منوانے کے لئے اور باور کرانے کے لئے۔ دوستی اور دشمنی کو دینا چاہئے۔ وقت دینے سے بہت سے مدھم رنگ بھی گہرے ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ بھی واضح ہو جو اس سے قبل واضح نہیں ہوا ہوتا۔ بہت مدھم سی مسکراہٹ عفنان علی خان کے لبوں پر تھی۔ مگر ا چہرے کا رخ پھیرے خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر تھا۔

”پتہ نہیں تمہاری لوجک کیا ہے انابیہ شاہ! مگر میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ شیئر کر خواہش اپنے اندر پاتا ہوں۔ دوستی نہیں، دشمنی بھی نہیں مگر اس خاموشی میں بھی کچھ کہنے کو دل چاہ شاید تمہیں مجھے سننا اچھا نہیں لگتا ہوگا مگر مجھے تم سے کہنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے انابیہ شا تم سے بہت سی باتیں کروں۔ بہت سی باتیں۔ معنی، بے معنی بہت سی باتیں۔ کچھ کو تم سمجھو، کچھ کو نہ

ا چلا جاؤں۔“ وہ عجب دیوانگی سے کہتے ہوئے مسکرایا تھا پھر سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

اید اس لئے ہے کہ اوزی کی طرح میرا کوئی اتنا اچھا دوست نہیں ہے۔ اوزی از ریئلی اے لکی ں کی دوست ہو۔ اس کے ساتھ ہو۔“

اہ اس کی سمت خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی ست رنگی آنکھوں کو دیکھا

یا تھا۔

اہ اسے کسی درجہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

لی خان اسے اس طرح ساکت چھوڑتا ہوا اٹھا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ انابیہ شاہ کتنی طرح بیٹھی رہی تھی۔

* * *

ر جھکائے چپ چاپ سی بیٹھی تھیں جب ازہان حسن بخاری ان کے قریب آن رکا تھا۔ فارحہ چونکی تھیں۔ اسی طرح بیٹھی رہی تھیں۔ ازہان حسن بخاری نے انہیں دیکھا تھا پھر بہت آہستگی کے بل جھک کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔ تب فارحہ چونکی تھیں اور اس کی جانب دیکھنے

سوئے نہیں؟“ بہت مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا مگر ازہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا ی سے انہیں دیکھتا رہا تھا۔ تب فارحہ جانے کیوں بہت خاموشی کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر گئی

ن حسن بخاری نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔

! ___ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ خود کو تنہا کیوں محسوس کر رہی ہیں؟ میں آپ کی اسٹرنتھ ہوں ممی! میں آپ کو بے حوصلہ نہیں دیکھ سکتا۔“

ہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

ا جانتی ہوں میں کمزور نہیں ہوں۔ کیونکہ میرا بیٹا میری طاقت ہے۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں رہی ہوں؟“

ن حسن بخاری نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ان کی گود سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ ان کی آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھوں سے پونچھنے لگا تھا۔

یک طرف آپ مجھے اپنی طاقت بھی کہہ رہی ہیں اور دوسری طرف رو بھی رہی ہیں ممی؟“

رونے کے لئے فقط یہ جواز نہیں ہوا کرتا کہ کوئی کمزور ہے۔ رونے کے لئے بعض اوقات اور بھی بب بن جایا کرتی ہیں۔“ مدھم لہجے میں وضاحت دی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے ماں کی طرف ا پھر بے حد بے بسی کے ساتھ دوسرے ہی پل چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

می! آپ کو لگتا ہے کہ رونے سے کسی مسئلے کا کوئی حل نکل سکتا ہے؟ ___ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ ہا دینے سے وہ درد باقی نہیں رہے گا؟“ مدھم لہجہ بہت شکستہ سا تھا۔

رحہ بہت آہستگی سے نظریں پھیر گئی تھیں۔

”میں جانتی ہوں، یہ درد لا متناہی ہے۔ عمر کی باقی ماندہ تمام مسافتوں پر محیط، دور تک پھیلا ہوا بھی جانتی ہوں، فقط دو آنسو رو دینے سے یہ ختم نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی کسی بات کا مداوا ممکن ہے۔ اوقات بہت سی باتوں پر اختیار نہیں ہوا کرتا اور یہ کیفیت بھی انہی میں سے ایک ہے۔“

اذہان حسن بخاری سر اٹھائے ان کی سمت خاموشی سے دیکھتا رہا تھا پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا

”ممی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ پاپا کی اس غلطی کو بھلا کر ہم پر، خود پر اور اس گھر پر توجہ دیں۔ اس لئے نہیں کہہ رہا کہ مجھے پاپا سے کوئی ہمدردی ہے مگر ممی! میں آپ کو کوئی معمولی سی زک پہنچتے نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کو ذرا سی بھی تکلیف ہوتی ہے تو میرا دل اس سارے جہاں کو تہس نہس کر دے ہے۔ میں یہ نہیں کہتا آپ پاپا کی غلطی کو فراموش کر دیں۔ پاپا کو معاف کر دیں۔ مجھے صرف آ ہیں۔ آپ کو کسی طرح کا نقصان پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔“

فارحہ نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”میں جانتا ہوں ممی! ایسا آسان نہیں ہے ——— ایسا نہیں ہے کہ مجھے آپ کے دکھ کا اند ہے۔ مجھے اندازہ ہے۔ مگر.......“ وہ جیسے مزید کہہ نہ سکا تھا۔ جذبات لہجے پر غالب آ گئے تھے اور ہو کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

فارحہ نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔

”بیٹا! بہت کچھ بکھر جائے تو سمیٹنا کسی قدر دشوار ضرور ہو جایا کرتا ہے۔ مگر ایسا ناممکن نہیں ہے، رائٹ۔“ مدھم لہجے میں بیٹے کا حوصلہ بندھایا تھا۔ ”ایسا نہیں ہے کہ مجھے سنبھالنے کا فن نہیں آتا۔ ہے کہ میں جیسے ہی سب کچھ سمیٹنے کی کوشش کرتی ہوں تو سب کچھ پہلے سے بھی زیادہ بکھر جاتا ہے۔ کے لہجے میں بہت شکستگی تھی۔ ”پہلے سے زیادہ بکھر جانا، سمیٹنا اور بھی مشکل کر دیتا ہے۔“ فارحہ جیسے چپ ہوئی تھیں۔ مگر چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے جیسے اپنے چہرے کے تاثرات کو چھپاتے ہو تھیں۔

”تم جاؤ، جا کر آرام کرو۔ تھک گئے ہو گے۔“

اذہان حسن بخاری نے مضمحل سا ہو کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔

”ممی! ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟“

اور فارحہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تبھی شاید وہ لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھیں۔

”ممی! آپ بچپن میں جب مجھے کہانیاں سنایا کرتی تھیں تو مجھے آپ کی زبان سے نکلے حرف ایمان تھا۔ مجھے لگتا تھا ممی! وہ جادو بھرے کردار جب چاہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ سارے حالا بس میں کر سکتے ہیں۔ تب مجھے لگتا تھا وہ سارے کردار سچ ہیں اور میں جب چاہوں ان کرداروں زندگی میں مدد لے سکتا ہوں۔ مگر ممی! آج مجھ پر کھلا ہے کہ وہ جادوئی کردار بھی اتنے ہی بے بس اگر وہ آج یہاں ہوتے۔ شاید آج اسی لئے مجھے کوئی بہلاوہ بہلا نہیں سکتا۔ مگر ممی! جانے کیوں میرا بھی یہ چاہتا ہے کہ آپ میرا سر اپنی گود میں رکھ کر اپنے ملائم ہاتھ میرے بالوں میں پھیریں اور

ری کہانیاں سنائیں جن میں سب کچھ ناممکن، ممکن ہو جایا کرتا تھا۔ اور......“ مدھم مدھم لہجے میں بولتے وہ رکا تھا۔ پھر بنا فارحہ کی طرف دیکھے یکدم ہی اٹھا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ فارحہ کتنی دیر تک رح بیٹھی دیکھتی رہی تھیں۔

❄❄❄

تواتر بارش ہو رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے لینے آیا تھا۔

”شام میں فانی کا برتھ ڈے منانا چاہتی ہوں۔ کیا جانا ضروری ہے؟“ کسی قدر الجھن سے پُرنظروں س نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا اور وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

”ہاں، مگر ہم واپس لوٹ آئیں گے۔ فانی کی برتھ ڈے ساتھ منائیں گے۔“ تسلی سے مطلع کیا تھا۔

ب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”کہاں کا پروگرام ہے؟“

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ اس دم گہری ہو گئی تھی۔

”بے فکر رہو ——— فی الحال ہنی مون کا کوئی پروگرام نہیں۔“

یرب سیال اس کی اس درجہ بے باکی پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اسے وہ چھوٹی سی شرارت بھی بہت لی۔ یہی وجہ تھی شاید کہ جب وہ اس کے ساتھ نکل رہی تھی، نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ لبوں پر کوئی انہ تھا۔ گاڑی سبک روی سے آگے بڑھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا ور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”پوچھو گی نہیں کہاں لے جا رہا ہوں؟“ نظروں میں ایک خاص چمک تھی۔ شاید وہ پھر مذاق کے موڈ تھا۔ مگر وہ اب کے پُراعتماد انداز میں دھیمے سے مسکراتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”نہیں ——— غالباً مجھے اعتبار ہے۔“

”ریئلی؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ میرب سیال مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ گئی تھی۔

”آپ کو حیرت کیونکر ہو رہی ہے؟ کیا میری طرف سے قبول نہیں کرتے کہ میں آپ پر اعتبار کروں ؟“ اس کی سمت دیکھے بغیر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت گی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف پھیر لیا تھا۔ میرب سیال کسی درجہ حیران ہوئی ا۔ دھڑکنوں میں کسی قدر ارتعاش بھی واقع ہوا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بہ غور دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”مجھے باہمت لوگ اچھے لگتے ہیں۔ آنکھوں میں دیکھ کر، نظر ملا کر بات کرنے والے۔ نظر چرا کر لے والے چور لگتے ہیں۔“ ایک گہرا انکشاف کیا تھا اور میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سردار گین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”کچھ کہہ رہی تھیں تم؟“ جتایا تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا

تھا۔

''ہاں، اعتبار۔ یہی پوچھ رہی تھیں نا تم؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ''نہیں، اعتبار تو واقعی تم کرنے لگی ہو اور مجھے اس بات کی خوشی بھی ہے میرب سیال! مگر تمہارا یا تو فیس ایسا ہے یا پھر تمہیں تاثرات چھپانے پر ملکہ حاصل ہے کہ کبھی کبھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تمہارے چہرے کو ٹھیک طور نہیں پاتا۔ اس کے باوجود کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ تم ایسا کرو اپنے چہرے کو کسی قدر آسان کر لو۔ کچ جو ایکسپریشنز سمجھ میں نہیں آتے تو بہت اُلجھن ہوتی ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انکشاف کیا پھر اعتراف، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ شاید اسی لئے چند ثانیوں تک چپ چاپ سی اس کی سمت دیکھتی رہ

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''اس انداز سے مت دیکھو۔ ابھی توجہ کی اتنی پکی عادت نہیں پڑی ہے۔ کسی قدر کچا پن باقی ہے۔ کر بیٹھا تو پھر شکوہ کرو گی۔''

میرب سیال نے دیکھا تھا، اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔ سردار سبکتگین لغاری کا یہ کوئی نیا ہی روپ تھا جو اس گھڑی اس کے سامنے آ رہا تھا۔ وہ کسی قدر حیران سی چہرے پھیر گئی تھی۔

''ایک بات کہوں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے سمت نگاہ نہیں کی تھی مگر انداز شاید اجازت دینے والا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمے لہجے م ہوا تھا۔

''مجھے اچھا لگا۔''

میرب سیال نے کسی قدر چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''تمہارا اپنے لئے پریشان ہونا، فکر مند ہونا۔'' مدھم لہجے میں گہرے اسرار تھے اور میرب سیال سمت دیکھتی ہوئی بہت ہولے سے نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط ہاتھ بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''تھینکس...... تھینکس آ لاٹ۔'' لہجہ سرگوشی جیسا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا شاید رسماً مسکرا دی تھی۔

''میں رشتوں پر اعتبار کر رہی ہوں سردار سبکتگین حیدر لغاری! مجھے نہیں پتہ کہ آگے کیا ہونے کیا ہو گا، مگر میں صرف اس اعتبار پر اعتبار کر رہی ہوں جو مجھے آپ نے اس روز روک فیلر پر دلا مدھم لہجے میں اس نے انکشاف کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت چند ثانیے خاموش رہا تھا، پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب ٹھیک نہیں، یا ایسا کر کے تم کوئی غلطی کر رہی ہو؟'' گہری آنکھیں

وبہ غور دیکھ رہی تھیں۔ میرب سیال نے اس کی سمت ایک نگاہ کی تھی پھر بہت دھیمے سے مسکراتے ر نفی میں ہلا دیا تھا۔

یرا نہیں خیال کہ اعتبار کوئی غلطی ہے۔ اگر یہ غلطی ہوتی تو میں اسے قطعاً نہ دہراتی۔'' مختصر سا جملہ و جتانے کو تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

نہیں لگتا ہے گزری باتوں کو دہرا کر کچھ حاصل ہو سکتا ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ ٹھہرا ہوا یرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

سرپرائز۔'' وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ ''اعتبار ہے نا؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا اور یال سر اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

ی گاڑی رکی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تھا۔

گاڑی ایک انتہائی خوب صورت گھر کے سامنے رکی تھی اور اس کی نگاہیں خیرہ ہونے لگی تھیں۔ وہ محل ، بہت سے پھولوں سے ڈھکا، سفید دودھیا سا، وہ جیسے کسی خواب میں سفر کرنے لگی تھی۔ سردار حیدر لغاری اس کے قریب آن رکا تھا۔

یہ......!'' کسی قدر حیرت سے چونک کر اس نے اس گھر کی سمت اشارہ کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر سکرا دیا تھا۔

ے گھر میں قدم نہیں رکھو گی؟''

نا گھر؟'' وہ دوسری بار چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا ہاتھ تھامتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

ٹس یور ہنی!'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر بڑھنے لگا تھا اور وہ جیسے کسی خواب میں نے لگی تھی۔ اتنا بڑا گھر تھا اور اتنا ویل فرنشڈ کہ وہ ساکت سی رہ گئی تھی۔

اچھا لگا تمہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری ڈور پر سے پردے سرکاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ بارش کے تنی بوندیں اس شیشے پر تھیں۔ شیشے سے باہر نظر آنے والا لان کا سبزہ بہت بھلا تاثر دے رہا تھا۔

ینکس! مگر اس کی کیا ضرورت تھی؟''

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر دو قدم کا فاصلہ عبور کرتا اس کے قریب آن رکا ے شانوں سے تھاما تھا اور کسی قدر قریب کر لیا تھا۔ میرب سیال کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ ایک ہلچل ل سے وہاں تک پھیل گئی تھی۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی بہ غور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

ضروری نہیں ہنی! محبت ـــــ اسے محبت کہتے ہیں اور میرا خیال ہے محبت کی ضرورت ہمیشہ رہتی مدھم لہجے میں بہت سے رنگ تھے مگر میرب سیال میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سر اٹھا کر اس کی سمت ے دیکھ سکتی۔ وہ اسی طرح سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی ما کا جھکا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور اسے بہ غور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"محبت کوئی مہربانی نہیں میرب سیال! کہ اس کے لئے تعرض برتا جائے یا پھر مشکور ہوا جا
ایک حق ہے، جسے بہت اعتماد کے ساتھ قبول کرنے کا فن آنا چاہئے۔"

پتہ نہیں فضا میں خنکی بہت زیادہ تھی یا پھر اس شخص کی قربت ہی میں کوئی اسرار تھا کہ وہ کسی قد
تھی۔

سر جھکائے کھڑی وہ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی توجہ کا مرکز تھی۔ سردار سبکتگین حیدر ا
اس کے گرد اپنا حصار کچھ اور بھی تنگ کر دیا تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محو
تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا موسم کچھ بدل رہا ہے اور محبت کا آغاز اب ہوا ہی چاہتا ہے؟" لبوا
مسکراہٹ لئے وہ اس سے مخاطب تھا اور میرب سیال اپنی آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔
ہلچل سی برپا ہو گئی تھی۔ سارا وجود جیسے کسی طوفان کی زد پر آ گیا تھا۔ اس قربت سے جیسے سارا و
تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کی سمت بہ غور دیکھا تھا پھر جانے کیوں اس
اپنا حصار بہت آہستگی سے ہٹاتے ہوئے اسے اس قربت سے آزاد کر دیا تھا۔

میرب سیال نے اُس کے اس اقدام پر کسی قدر سکھ کا سانس خارج کیا تھا۔ مگر نگاہ اٹھا کر
ہمت اس میں اب بھی نہ تھی۔

"میرب!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نگاہ شیشے کی سمت پھیرتے ہوئے باہر کا جل تھل
دیکھا تھا۔

"جی؟" بہت مشکل سے اس نے حلق سے آواز برآمد کی تھی۔

"کیا تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو؟" مدھم لہجے میں پوچھا گیا سوال بہت اَن ایکسپیکٹڈ تھا
میرب کسی قدر چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اگر تمہارا ڈر کچھ دور ہو گیا ہو تو بیٹھ جاؤ ——— میں تمہارے لئے کافی لے کر آتا ہوں
سبکتگین حیدر لغاری گویا ہوا تھا اور پھر یکدم ہی مڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

میرب سیال سر جھکائے اسی طرح کھڑی رہی تھی۔

کیسا تھا وہ شخص ——— وہ کیوں اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

❄❄❄

"مجھے حیرت ہے اوزی! ——— تم میں اتنی بھی ہمت نہیں؟" انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت
سمت دیکھا تھا مگر اوزی چونکے بغیر مسکرا دیا تھا۔

"نہیں۔ میں کم ہمت نہیں ہوں انابیہ شاہ! مگر میں کسی قدر محتاط ضرور ہوں۔ حالات میر
نہیں ہو سکے اس لئے انہیں میں مزید اُلجھانا نہیں چاہتا۔" ایک نیم جاں سی مسکراہٹ اس کے لبوا
انابیہ شاہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

"کم ہمت اور بزدل، اور کسے کہتے ہیں اوزی؟"

ی ہنس دیا تھا۔

جو مکمل طور پر کاورڈ ہو۔ میں مصلحت پسند ہوں اس لئے تم مجھے کسی قدر رعایت دے سکتی ہو۔" وہ
تھا اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

تے کم ہمت ہو کہ کسی کا سامنا بھی نہیں کر سکتے۔"

ی نے لب بھینچ لئے تھے، اسے دیکھا تھا اور پھر بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

م چاہتی ہو کہ سب کچھ پہلے سے بھی زیادہ بکھر جائے؟"

ہیں ——— میں ایسا نہیں کہہ رہی۔ مگر فقط ایک رسمی سی ملاقات کی ہمت تو تم میں ہونی چاہئے۔ یہ
ہڑی ہے اتنی ہی مختصر بھی ہے۔ کبھی کبھی ہم جن سے بچنے کے لئے بھاگتے ہیں نادانستگی میں انہی
راتے ہیں اور تم تو پھر زیادہ فاصلے پر نہیں ہو۔ ایک ملک ہے، ایک شہر ہے اور......" انابیہ شاہ
چپ ہو گئی تھی۔

ی مسکرا دیا تھا۔

ر بخیے اُدھڑ گئے تو دوبارہ رفو گری کون کرے گا؟" کسی قدر غیر سنجیدہ انداز سے اسے دیکھا تھا۔ مگر
چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اوزی شرارت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

ر رفو گری کا وعدہ کرو تو میں پیش قدمی کرنے کو تیار ہوں۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انابیہ شاہ اسے
ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

ٹ اپ اوزی!"

وہ ہنس پڑا تھا۔

ر! ایک بات تو کنفرم ہے، یہ لڑکیاں رفو گری بہت اچھی کرتی ہیں۔ پھاہے رکھنے میں انہیں کمال
ہے۔ زخم دنوں میں ٹھیک ہوتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی نشان تک باقی نہیں رہتا۔"

م ایک اہم پہلو پر بات کر رہے تھے اوزی!" انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر ناگواری سے دیکھا تھا اور
تے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

ل ——— تو کیا کروں؟ جاؤں اور گھٹنے ٹیک دوں؟ ہتھیار ڈال دوں یا پھر فرار ہو جاؤں؟ ———
زیادہ ہی غلط قسم کے مشورے نہیں دے رہی ہو تم مجھے؟ کیسی دوست ہو تم، میری ریپوٹیشن خراب
کے چکر میں ہو۔" اوزی شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ چہرے کا رخ پھیر گئی
ل اوزی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا اور بہت توجہ سے دیکھتے
ائمت سے بولا تھا۔

نو میری دوست! میری اچھی سی ہمدرد! ایسے نہیں ہوتا ہے۔ جو بیت گیا سو بیت گیا۔ دبی راکھ کو
یدنے سے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ہم اجنبی ہی بنے رہیں تو اچھا ہے۔ اس اتنے بڑے، اجنبی دیس میں
ی جگہ میں، اجنبی سے مقام میں۔ اگر کہیں بھولے سے مل بھی جائیں تو اجنبی بن کر، بنا کچھ کہے
بے / نگاہ کئے گزر جائیں۔ یہی مناسب ہے۔ چیز اپنی ہو تو استحقاق جمانا بھی اچھا لگتا ہے اور

دھونس جمانا بھی۔ مگر شے پرائی ہو تو اس کے جلوے بھی پرائے ہوتے ہیں۔ تمہاری سمجھ میں یہ اتنی چھو بات نہیں آتی۔" مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہلکے سے چپت لگائی تھی اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر تھی۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔ "پرائے مال پر نظر رکھنا کوئی اچھی بات تو نہیں انابیہ شاہ! کتنی بری باتیں کر ہو تم مجھے۔" انداز شرارت سے پُر تھا۔ وہ غالباً ان ساری باتوں کو مذاق میں اُڑانا چاہ رہا تھا۔ انابیہ اسے چپ چاپ دیکھا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔

اوزی نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکائے تھے۔

"جو موڑ گزر گیا سو گزر گیا۔ پلٹ کر دیکھنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ دیکھوں گا بھی تو سارے منظر اور دھواں دھواں ملیں گے۔ پھر فائدہ؟"

"کس بات سے فائدہ نہیں؟" دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے جب ایک تیسری آواز نے انہیں تھا۔ دونوں نے نگاہ کی تھی۔ عفنان علی خان ان کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"تم لوگ کچھ خاص ڈسکس کر رہے تھے؟"

"ارے نہیں یار! ہم میں ایسا کچھ خاص نہین کہ کچھ خاص ڈسکس کریں۔ تم سناؤ، یہ چھکے چ کیسے مار دیا؟ آج شام کا تمہارا شیڈول تو خاصا ٹف تھا نا۔ آنٹی سے بات ہوئی تھی صبح، بتا رہی تھیں اسٹیٹس جانا تھا؟"

عفنان کرسی کھینچ کر مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"ہاں ——— جانا تو تھا۔ مگر پاپا نے وہ اسائنمنٹ اپنے ذمے لے لیا۔ یو نو ایکسپیرینس از د گیم۔ سو ہم رد ہو گئے اور پاپا جی کو اپنی عمر اور تجربے کا فائدہ مل گیا۔" وہ مسکرایا تھا۔

نگاہ اس چہرے پر گئی تھی۔ انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور عفنان علی خان کے لبوں کی گہری ہو گئی تھی۔

"چائے کافی کچھ نہیں ملے گی؟" براہِ راست دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس دیکھا تھا۔ اٹھنے کا قصد کیا تھا تب ہی اوزی نے روک دیا تھا۔

"تم بیٹھو، کافی میں بنا کر لاتا ہوں۔"

"اپنی دوست کا اتنا خیال۔" عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"یار! دوست ہے نا۔ اور اس کی طبیعت یوں بھی ان دنوں کچھ بہتر نہیں۔ اگر کافی کی جگہ کچھ تو؟" اوزی مسکراتا ہوا پلٹا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کی طبیعت کے متعلق غالباً تشویش ہوئی تھی۔

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں۔ ٹھیک ہوں میں۔ اوزی تو بس خوامخواہ۔" اس کا انداز سرسری تھا۔

مگر عفنان علی خان کی نظریں اس چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں۔

خیال رکھا کرو ——— خود سے اس درجہ لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔" مشورے سے نوازا تھا۔ وہ کتائے ہوئے انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

ی کی عادت ہے۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔ غور سے دیکھئے اور بتائیے، آپ کو لگتا ہے کہ مجھے کچھ ہوا ا اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ نظریں بہ غور اس چہرے کو

ہیں۔

یسے ممکن ہے کہ کسی پر ایک نگاہ کرو اور اس کے اندر کوئی طوفان برپا نہ ہو، وہ اپنا آپ نہ بھلا ں کی رو پھر بہکنے لگی تھی اور انابیہ شاہ تھک کر جیسے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

ہیں نہیں لگتا عفنان علی خان! تم بے معنی اور لایعنی باتیں زیادہ کرتے ہو؟" کسی قدر اکتائے از میں دریافت کیا تھا مگر وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

ا کروں ——— ہوش باقی ہی نہیں رہتے۔ کچھ سوچوں تو بامعنی بات بھی کروں۔ یہاں تو یہ عالم ۔ جو کہہ رہا ہوتا ہوں اس کی بھی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ جو دیکھ رہا ہوتا ہوں وہ بھی سب خواب خواب سا ۔ دل چاہتا ہے یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے۔ یہ بے خودی سدا یونہی بنی رہے۔ مگر میں جانتا ہوں ایسا ۔ سچ پوچھو تو یہ ہوش مندی کے لمحے زیادہ ظلم ہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ انداز بے حد غیر سنجیدہ تھا۔

ہ شاہ لب بھینچ کر نظروں کا رخ پھیر گئی تھی۔

ا نے سوچا کبھی؟" بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

با؟" انابیہ شاہ بے طرح چونکی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

ارے مابین کیا ہونا چاہئے ——— دوستی یا پھر دشمنی؟" انداز میں شرارت تھی اور انابیہ شاہ مسکرا دی

ھے کبھی کسی سے دشمنی رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور دوستی کے لئے میں بہت وقت لیتی

تنا وقت؟ ——— دو، چار، چھ یا پھر دس، کتنے سال؟" وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ اس کے انداز پر ا تھی۔

ا الحال وقت کا تعین ممکن نہیں عفنان علی خان! زندگی بڑی ان پری ڈکٹبل ہے اور دوستی اور دشمنی ھی زیادہ۔" انابیہ شاہ بولی تھی اور وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

نا میں اوزی کافی تیار کرتے ہوئے زور و شور سے گنگنا رہا تھا۔

در جتنا بھی تُو مجھ سے
ا تیرے میں
ہا تو عادت سی ہے ایسے جینے میں
رکی سے کوئی شکوہ بھی نہیں ہے
ہا تو زندہ ہوں میں اس نیلے آسمان میں"

عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور دیکھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''دور جتنا بھی تُو مجھ سے
پاس تیرے میں
اب تو عادت سی ہے ایسے جینے میں''

اوزی کی آواز متواتر ان تک پہنچ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے اپنا مضبوط ہات کر اس کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے بے حد چونک کر دیکھا تھا۔ مگر عفنان علی خا محویت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان ست رنگی آنکھوں کو بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

''میں اکثر سوچتا ہوں اس گزرتے ہوئے ماہ و سال میں کہیں کوئی دن ایسا ہے بھی کہ نہیں جو سنگ کچھ نئے رنگ باندھ کر میری طرف آئے گا اور مجھ سے کہے گا کہ لو جو کچھ تمہارا تھا وہ تمہیں آج، دیا، رکھوا اپنی امانت اپنے پاس اور مجھے جانے دو۔ مگر میں پھر لوٹ کر آؤں گا، تمہارے لئے اس کہیں زیادہ اپنے سنگ سمیٹ کر سوچتا ہوں ایسا ہونا بھی ہے یا کہ نہیں۔ ایسا ہوگا بھی کسی دن یا کہ کہیں یہ میرے خواب، میری خواہش سب بے معنی ہی نہ ہوں۔ یہ جو میں سب دیکھتا ہوں، سوچتا سب کہانیاں ہی نہ ہوں کہ آنکھ کھولوں اور کچھ باقی بچے ہی نہ۔'' وہ تھک کر جیسے چپ ہو گیا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''انابیہ شاہ! جو جہان خیالوں میں، خوابوں میں آباد ہوتے ہیں وہ حقیقت میں آباد کیوں نہیں ہو ناممکن تو کچھ بھی نہیں۔ پھر اتنا کچھ بے معنی کیوں رہتا ہے؟ کیوں جاں سلگتی ہے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا

انابیہ شاہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور عفنان چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ اوزی کافی لے آیا تھا۔

''ہیلو ـــــ کہاں غائب ہو تم دونوں؟ ـــــ ایک ساتھ ہوتے ہوئے بھی اتنی خامو مسکراتے ہوئے کافی کے کپ ان کے سامنے رکھے تھے۔ عفنان علی خان نے ان ست رنگی آنکھوں کو تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''کبھی کبھی جو جتنا قریب نظر آتا ہے درحقیقت اتنا ہی دور ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہ سمجھ میں آ ہے۔''

عفنان علی خان اٹھا تھا اور پھر پلٹ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ اوزی نے انابیہ شاہ کی سمت تھا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

* * *

گھر دیکھنے کے بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے گویا ہوا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا تم کچھ زیادہ ہی خاموش رہتی ہو ـــــ تمہاری عمر کی لڑکیاں تو بہت بولنے والی ہیں۔'' اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔ میرب نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''ضروری تو نہیں کہ تمام لڑکیاں ایک جیسی ہی ہوں۔''

ار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات پر کچھ سوچتے ہوئے پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔

ں ـــــ جیسے سبھی لڑکے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ لیکن تم اتنی چپ چپ، گم صم گم صم ہو گی تو ہم رے کو جانیں گے کیسے؟ ـــــ تم میرے بارے میں کیسے جانو گی؟''

ب سیال مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

ں کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

ار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر سوچتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

م سوال کر سکتی ہو۔''

یسے سوال؟''

یسے سوال جن کی مدد سے تمہیں جاننے میں مدد ملے۔''

یا ایسا کرنے سے ایک دوسرے کے متعلق جانا جا سکتا ہے؟'' میرب سیال کو کسی قدر حیرت ہوئی

پتہ نہیں ـــــ شادی شدہ زندگی کا یہ میرا بھی پہلا ہی تجربہ ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چکاتے ہوئے کہا تھا اور دونوں ہی مسکرا دیئے تھے۔ تبھی سبکتگین حیدر لغاری قدرے سنجیدگی سے گویا

یرا نہیں خیال کہ میوچل انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ان سب باتوں کا سہارا لینا ضروری ہے۔ یہ خود ں ابت ہوتی ہے۔ جیسے کہ میں تمہیں کسی قدر سمجھنے لگا ہوں۔ اسی طرح تم بھی یقیناً مجھے کسی قدر سمجھنے لی۔''

رب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ فقط خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

تمہیں گفٹ پسند آیا؟'' براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ہوں۔'' میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

اور میں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز کسی قدر مختلف تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی اور ا میں...... وہ یکدم ہی نگاہ چرا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی

بتاؤ گی نہیں تو پتہ کیسے چلے گا؟''

آپ کو یہ بات جاننے کی جلدی ہے ـــــ؟'' میرب سیال نے جواباً پُر اعتماد انداز سے اس کی دیکھا تھا۔

نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

کوئی بھی نتیجہ اخذ کر لینا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ بہت سی باتوں کے لئے وقت درکار ہوا کرتا ہے۔ سچ تو میں ابھی واقعی آپ کو سمجھ نہیں پائی ہوں۔ شاید یہ عمل کچھ دقیق ہوگا۔''

اور کیا ناممکن بھی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ میرب سیال نے

اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے نظر پھیر گئی تھی۔

”ایسا میں نے نہیں کہا اور یقیناً ایسا ہے بھی نہیں۔ بٹ اِٹ ٹیکس ٹائم۔“ وہ پُر اعتماد لہجے مے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

”تم جتنی پُر اعتماد بولنے میں نظر آتی ہو، خاموشی میں نہیں لگتی ہو۔“ تجزیہ کیا تھا۔ وہ کسی قدر حیر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”آپ مجھے اس قدر بے وقوف اور کم عقل جانتے ہیں؟“ کسی قدر افسوس ہوا تھا کہ وہ اس ایسا سوچتا ہے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”نہیں ـــــ ایسی بات نہیں ہے۔ لیکن سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ لیکن تم چپ رہنے میں زیادہ عقل مند لگتی ہو۔“ عجیب رائے تھی۔ میرب سیال کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”کیا اب مجھے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ میں ذہین ہوں، بولتے رہنا ہوگا۔“

”ہاں ـــــ اس لئے بھی کہ مجھے تمہیں سننا اچھا لگے گا۔“

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ حیران سی اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت سے نگاہ پھیر چکا تھا۔

* * *

”کیا ہوا ہے؟ ـــــ اتنے چپ چپ سے کیوں ہو؟“ ساہیہ خان نے اس کے ساتھ چ اسے بہ غور دیکھا تھا۔

ازہان حسن بخاری نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا اور اسی طرح خاموشی سے چلتا رہا تھا۔

”ازہان حسن بخاری! کبھی کبھی خاموش رہنے سے اُلجھنیں اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ او چاہتی کہ تمہارے معاملے میں ایسا کچھ ہو۔“

ازہان حسن بخاری تب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ ساہیہ نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

”زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے ازہان حسن بخاری! مگر اس طرح طاری کر لینے سے مسائل ح جاتے۔ تم اگر مجھے کچھ نہیں بتانا چاہتے تو مت بتاؤ۔ مگر اس طرح چپ رہ کر مجھے اُلجھن میں بھی کرو۔“

ازہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”جانتے ہو ازہان حسن بخاری! جب میں یہاں آئی تھی اور پہلے دن تمہیں دیکھا تھا تو تم ا مجھے ایسے ہی لگے تھے۔ زندگی سے بہت دُور ـــــ زندگی سے بہت خالی۔ مجھے لگا تھا رنگوں سے واسطہ رہا ہی نہیں۔ رنگوں کو کبھی تم نے دیکھا ہی نہیں ـــــ بہت بے رنگ اور خالی لگے تھے تم مجھ دل چاہا تھا، بہت سے رنگ بھر دوں تم میں۔ تمہارے اندر نئے احساس جگا دوں۔ تمہیں ایک سے دیکھنا سکھا دوں۔ نئے سلیقے برتنا سکھا دوں۔“ ساہیہ خان بولی تھی اور ازہان حسن بخاری ا

سکرا دیا تھا۔

اہیہ خان! رنگ کتنے بھی گہرے ہوں، بالآخر اپنا تاثر کھو ہی دیتے ہیں۔ کیونکہ زندگی ان رنگوں ہیں زیادہ گہری ہے۔ بے حد گہری، اپنے ہر ہر موڑ پر بے طرح چونکا دیتی ہے۔“

رتم اسی طرح زندگی کے سامنے کم ہمت پڑتے رہو گے تو کیا مشکلات کا حل نکل آئے گا ازہان ری؟“ ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

ن حسن بخاری بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

اہیہ! مجھے کبھی نہیں لگا کہ میں کم ہمت اور کمزور ہوں ـــــ مگر جب میں خود سے وابستہ افراد کو کسی ں دیکھتا ہوں تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں کس قدر بے بس اور کمزور ہوں۔ میں ان لمحوں میں ئے کا تدارک نہیں کر پاتا ہوں تو اور بھی شکستہ ہو جاتا ہوں۔ ایسا ہونا مجھے اور بھی توڑ جاتا ہے۔ ی بکھر جاتا ہوں ـــــ خود اپنی جان پر مشکل ہو تو جھیلنا آسان ہے۔ مگر اپنے کسی بہت پیارے لیف میں دیکھنا بہت مشکل ہے۔“ اس کا لہجہ مدھم اور کسی قدر شکستہ تھا۔

ہیہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

برا دل چاہتا ہے ساہیہ خان! میرے پاس کوئی منتر ہو ـــــ کوئی اسم ہو ـــــ میں اسے اس دم ور سب کچھ اچھا ہو جائے۔ کوئی جادو کی چھڑی ہو، اسے وقت پڑنے پر گھماؤں اور سب کچھ ٹھیک اور کوئی مشکل باقی نہ رہے۔“

ہیہ خان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دی تھی۔

زہان حسن بخاری! کبھی کبھی تم مجھے بہت بچے سے لگتے ہو۔ بہت انوسینٹ سے۔ جو دنیا کے لوگوں سے خوفزدہ ہے اور ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ مگر جب کر نہیں پاتا تو بہت ڈس دتا ہے۔ پتہ نہیں ایسا ہے بھی کہ نہیں مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں اگر ایسا نہیں بھی ہے تو ہر انسان رایک بچہ ہوتا ہے جو خوفزدہ بھی ہوتا ہے اور وقت پڑنے پر بہادر بھی ہونا چاہتا ہے۔ اگر آپ بہادر ناہیں تو صرف ایسا سوچنے سے ہی ہو سکتا ہے۔“ وہ مسکرا رہی تھی۔

ہان حسن بخاری نے اپنی اس ہمدرد کو دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

تم مجھے کچھ زیادہ ہی کیوول نہیں لے رہی ہو؟“

اگر میں تمہیں نارمل بھی لوں گی تب بھی کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔“ وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔

خوشی اس کا موڈ بحال ہو جانے کی تھی۔

ہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

ساہیہ خان! میں ہمیشہ سے ایسا نہیں ہوں۔“

ہاں ـــــ تم ہمیشہ سے جیسے ہو، میں جانتی ہوں۔“ ساہیہ خان مسکرائی تھی اور اس کی سمت چاکلیٹ ڑھا دیا تھا۔

ڈپریشن لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ لو، چاکلیٹ کھاؤ اور کسی قدر ریلیکس ہو جاؤ۔“ اس کا انداز

بدستور شوخ تھا۔ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے لیا تھا۔

''اب یہ مت کہنا کہ اتنا میٹھا کھاتی ہوں اسی لئے موٹی ہو رہی ہوں۔ کیونکہ میں جانتی ہو ہرگز نہیں ہوں۔ اس لئے تمہارے چھیڑنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' وہ مسکرائی تھی اور ا بخاری کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''تمہیں کوئی بات زندگی میں مشکل نہیں لگتی؟ ـــــــ تم ہر شے کو اتنا ایزی کیسے لے لیتی ہو؟''

''کیونکہ میں جانتی ہوں اذہان حسن بخاری! میرے ایسا نہ کرنے سے بھی چیزیں اور ان جوں کی توں رہے گی۔ سو میرے خواہ مخواہ کے برڈن لینے اور پریشان ہونے سے جب کوئی فرق نہیں ہے تو پھر میں ان باتوں کو اتنا ہیوی کیوں لوں؟ سو میرے دوست! ٹیک اِٹ لائٹ این لائف برائٹ۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ ہنسو، مسکراؤ اور سب کچھ بھول جاؤ۔ یاد رکھو صرف وہ بات ہیں۔'' وہ چاکلیٹ کی بائٹ لیتے ہوئے مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ تبھی اس کا پرسنل ڈیجٹ سیل بجا تھا فوراً کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو ـــــــ ماہا! کیا ہوا؟''

''بھائی وہ......'' ماہا دوسری طرف بہت پریشان لگ رہی تھی۔

''ماہا! ـــــــ ہیلو ماہا! ـــــــ ٹیل می، کیا ہوا ہے؟ ـــــــ تم رو کیوں رہی ہو؟''

اذہان حسن بخاری کا سارا سکون ہوا ہو چکا تھا۔

دوسری طرف ماہا بہت پریشان لگ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے چہرے کی کیفیت یکس تھی۔

''ماہا! ڈونٹ وری۔ میں آ رہا ہوں۔'' بہت سرعت سے اذہان حسن بخاری نے سیل فون کا کیا تھا اور اسی تیزی سے گاڑی کی سمت بڑھا تھا۔

''اذہان! کیا ہوا ہے؟'' ساہیہ خان نے اسے بہت پریشانی سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن پلٹ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں۔ مگر ماہا بہت پریشان ہے۔ میرا گھر پہنچنا بہت ضروری ہے۔''

''میں بھی ساتھ چلوں؟'' ساہیہ نے عجلت سے اس کی سمت بڑھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا اور پھر اسی سرعت سے گاڑی میں بیٹھا تھا اور گاڑی تھا۔ ساہیہ نہیں جانتی تھی کہ دوسری طرف صورت حال کیا تھی مگر وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔ یق جس کے باعث ماہا اتنی پریشان تھی۔

◆

بھی کبھی ذہن جتنا سوچتا ہے، اتنا ہی الجھتا جاتا ہے اور وہ دانستہ طور پر کچھ بھی سوچ کر الجھنا نہیں ی تھی مگر بعض باتوں پر اختیار نہیں ہوا کرتا۔ اور وہ بھی سوچوں کے اس جال سے خود کو بچا نہیں پا رہی

رہ رہ کر ذہن اس طرف جا رہا تھا۔ رہ رہ کر سارے منظر نگاہ میں گھوم رہے تھے۔ رہ رہ کر ساری باتیں ں میں جکڑ رہی تھیں۔ وہ لمحے بھر کی قربتیں، وہ حدتیں، وہ شدتیں، بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔ اور ب سیال سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ایسا کیوں ہے؟

شاید وہ شخص اسے کسی قدر حیران کر رہا تھا۔ وہ اس کی باتوں، اس کی پرسنالٹی کے سحر میں کچھ الجھ رہی ی۔ کچھ تھا جو باعث اضطراب تھا۔

وہ رات کے اس پہر، واک کرتے ہوئے پلٹی تھی جب اپنے سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کھڑا کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یقیناً اسے یہ خواب کا کوئی سلسلہ لگا تھا یا پھر اپنا کوئی وہم۔ تبھی سر جھٹکتے ہوئے ں کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا جب اس شخص نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کو اپنی رفت میں لے لیا تھا۔ میرب سیال بری طرح چونکی تھی۔ ٹھٹکی تھی۔ چند ثانیوں تک یونہی کھڑی رہی تھی۔ ر بہت آہستگی سے نگاہ پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا اور اس کے روبرو ہونے کا یقین کیا تھا۔

''آپ؟'' وہ حیرت سے بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا، مجھے خواب جان کر تم کوئی غلطی کر رہی ہو؟''

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا پھر بہت مدھم انداز سے مسکرا دی تھی۔

''میں حقیقتوں کو خواب سمجھنے والوں میں سے نہیں۔ میرا خیال ہے مجھے خواب اور حقیقت میں امتیاز کرنا خوب آتا ہے۔'' خود کو پُر اعتماد ظاہر کرنا چاہا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم بہت سیانی ہو۔ خوابوں کو حقیقت سمجھنے کی غلطی تم یقیناً نہیں کر سکتیں۔''

''یہ تعریف ہے کوئی یا پھر......؟'' میرب سیال نے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''اگر اعتراف کہوں تو کیسا لگے گا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً مسکرایا تھا اور میرب سیال لب بھینچ کر مسکرا دی تھی۔

''مجھے حیرت نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کوئی بھی رائے قائم کرنے میں ہر فرد آزاد ہے۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے بلکہ کسی قدر دلچسپی سے دیکھتا رہا تھا۔

"تمہارے متعلق کوئی بھی رائے حتمی طور پر قائم نہیں کی جا سکتی۔ جو بھی اخذ کرتا ہوں، بہت مسترد کرنا پڑتا ہے۔ تم بہت ان پری ڈکٹبل ہو۔"

"ان پری ڈکٹیبل یا انٹلکچوئیل؟" میرب سیال بہت ملائمت سے مسکرائی تھی۔ پُر اعتماد آنک بہت اُجلی روشنی کا ڈیرہ تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ـــــ تم زیادہ حیران کن ہو یا پھر زیادہ ذہین؟"

"ہر ذہین، حیران کن ہی ہوتا ہے۔" اس نے کہا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا سیال کو اس شخص کو اس طرح ہنستا دیکھ کر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ تبھی شاید وہ اس کی سمت دیکھتی مگر سبکتگین حیدر لغاری نے حیران ہوئے یا چونکے بغیر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"سیانے کہتے ہیں گرل فرینڈ چاہے جیسی بھی ہو، بیوی ہمیشہ ذہین ہونی چاہیے۔ مجھے خوشی ہے بیوی ذہین ہے۔ بے قوف محبوبہ کی طرح اس کے سامنے بین نہیں بجانا پڑتی۔" وہ قطعاً سنجیدہ نظر تھا اور میرب سیال مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"بے وقوف محبوبہ کے سامنے بین بجانے کی ضرورت یوں بھی پیش نہیں آتی کہ وہ ان باتوں کر اپنی انگلی پر نچانا خوب جانتی ہے۔" میرب سیال نے اس کے جملے کو گویا مکمل کیا تھا اور سرد حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی چند ثانیوں تک خا اسے دیکھتا رہا تھا، پھر گویا ہوا تھا۔

"تمہیں گھر پسند آیا؟"

"ہوں۔" میرب سیال نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"میرب! میرا یہ خواب تھا، میرا ایک گھر ہو اس گھر میں کوئی ایسا، جس کے سامنے میں مودب اس کی مانوں، اس کی سنوں، اس کے سنگ سنگ چلوں ـــــ اور یہ سفر کبھی ختم نہ ہو، محبت بڑھتی باقی کسی شے کی ضرورت باقی نہ رہے ـــــ مجھے وقت نے کچھ ایسا سفر میں رکھا کہ کبھی کسی جگہ گھڑی قیام نہیں کر سکا۔ چہرے بہت سے دیکھے، لہجے بہت سے سنے، مگر کسی میں زندگی کی باز نہیں دی میرب سیال! سب بہت رسمی سا تھا۔ بہت بے کیف اور کسی قدر بے مزہ۔ سچ کہوں، خاص کی چاہ کبھی نہیں تھی۔ کسی خاص چہرے کو دیکھنے کے متعلق میں نے کبھی نہیں سوچا، کبھی کوئی خو تھی کہ ایسا ہو جائے کہ باقی سب کچھ ماند پڑ جائے، ساری چمک دمک، ساری ظاہری وضع قطع سردار سبکتگین حیدر لغاری رکا تھا پھر اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔ "میرب! خوابوں پر اعتقاد نہیں کیا۔ کبھی خواب نہیں بُنے۔ مگر تمہارا ساتھ اب مجھے اچھا لگنے لگا ہے میرب! در بدر۔ اب ایک جگہ رکنے کو دل چاہتا ہے۔ تمہارے ساتھ میرب! تمہارے ساتھ چلنے کو دل چا سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا اور میرب سیال اسے کسی قدر حیرت سے دیکھتی رہ گئی

فی حیران کر رہا تھا۔ وہ تقریب اعتبار منعقد کر رہی تھی۔ اس پر اعتبار کر رہی تھی۔ مگر اس درجہ، وہ ی کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر لبوں تک تھا اور ایک خاص لمس نے اس کے اندر بہت سے احساس ایک ساتھ بیدار کر دیئے تھے۔

وہ گھر تمہارے لئے ہے میرب! میرے سارے خوابوں سمیت۔" کیسا یقین بول رہا تھا اس کے ں۔ مگر میرب سیال جانے کیوں اس لمحے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

ہاں میرب! اب میں خواب دیکھنا چاہتا ہوں ـــــ تمہارے بارے میں خواب ـــــ کیا مجھے تم ت دو گی کہ میں تمہارے متعلق کوئی خواب دیکھ سکوں؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قربتیں کچھ نئی کہانیاں کہہ رہی تھیں اور میرب سیال اس لمحے آنکھیں بہت ے میچ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ اس پر سے رفت ہلکی کر دی تھی۔ میرب سیال کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"میرب!" بہ غور تکتے ہوئے پکارا تھا۔

"ہوں۔" میرب سیال نے دیکھے بغیر کہا تھا۔

"ایک بات کہوں؟"

"جی۔"

"اعتبار آنے میں چاہے دیر لگے مگر یہ اعتبار بہت مضبوط ہونا چاہیے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی ریں اس صبیح چہرے کو بہ غور دیکھتے ہوئے مسکرائی تھیں۔ "میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ ہم اب چلیں ، تم اپنی پیکنگ مکمل کر لو۔ کچھ شاپنگ وغیرہ کرنا ہو یا دوستوں کے لئے گفٹس لینے ہوں تو فہرست بنا کر ے شیڈول سے آگاہ کر دینا۔ او کے؟" بہت کیئرنگ انداز میں دریافت کیا تھا۔

"او کے۔" میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

* * *

اسے خدشہ تھا کہ کچھ ایسا ہی ہوا ہو گا۔ اور یہی ہوا تھا۔ پاپا نے وہی کیا تھا اور ممی کی طبیعت یکدم ہی ڑنے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری صورت حال تو نہ جانتا تھا مگر اسے معلوم تھا ہی معمول کی کوئی جھڑپ ہوئی ہو گی اور رتنازعہ اس حد تک بڑھا ہو گا کہ ممی کی برداشت جواب دے گئی ہو گی۔ پاپا بھی وہیں تھے مگر وہ فوری طور ان سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ مگر یہ ضرور ہوا تھا کہ اس کے اندر کا تناؤ بے حد بڑھ گیا تھا۔ فیض چاچو ممی کو ریٹمنٹ دے کر باہر نکلے تھے، تبھی وہ ان کی سمت بڑھا تھا۔

"چاچو!" اس کا انداز بہت تھکا ماندہ تھا اور فیض حسن بخاری نے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے ـــــ ڈونٹ وری۔ بی پی کچھ بڑھ گیا تھا۔ مگر اب سب کچھ انڈر کنٹرول ہے۔"

فیض بخاری نے اس کا حوصلہ بندھایا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

”کیا بچوں کی طرح پریشان ہو رہے ہو —— کہا تو ہے سب کچھ ٹھیک ہے۔“ بہت ہولے کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔ مگر وہ مسکرایا نہیں تھا۔

”چاچو! کیا میں ممی سے مل سکتا ہوں؟“

”نہیں —— ابھی نہیں۔ میں نے میڈیسن دی تھی، وہ اب آرام کر رہی ہیں۔ یہ ان کے ضروری ہے۔“

”چاچو! کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟“ وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

”میں ڈاکٹر ہوں۔ مگر اس سے قبل تمہارا چاچو بھی ہوں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے کچھ جھوٹ کہ وہ دھیمے سے مسکرائے تھے۔ ”مگر ایک ہارٹ پیشنٹ کے لئے اس حد تک بڑھا ہوا بی پی میرے خیا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ ہمیں ان کا خیال رکھنا ہوگا۔ اور تم جیسے سعادت مند بیٹے سے میں یہ سکتا ہوں کہ تم ان کا بہت خیال رکھو گے۔“ انہوں نے بہت ملائمت سے کہتے ہوئے اس کا موڈ ب چاہا تھا مگر وہ تب بھی نہیں مسکرایا تھا۔

”او کے —— میں چلتا ہوں۔ کوئی پریشانی کی بات ہو تو مجھے فون کر دینا۔“ فیض چاچو دوبارہ کے لئے نکل گئے تھے اور اس وقت کمرے میں صرف وہ دونوں باپ بیٹا رہ گئے تھے۔ کتنی دیر خامو اطراف پھیلی رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے نگاہ اٹھا کر باپ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی س بخاری کچھ بولے تھے۔

ماہا کافی لے کر آئی تھی۔ جب پاپا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے جانے کے متعلق آگاہ کیا اذہان حسن بخاری گویا ہوا تھا۔

”ماہا! ان سے کہو میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

ماہا نے باپ کی سمت دیکھا تھا اور حیرت تو سعد حسن بخاری کی نگاہوں میں بھی تھی۔ جواباً انہ کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے تبھی قدم اٹھاتے ہوئے باپ کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

”ماہا! تم باہر جاؤ۔“ مدھم لہجے میں کوئی تحکم تھا۔ ماہا نے ایک نظر باپ اور بھائی کی سمت دیکھا باہر نکل گئی تھی۔ سعد حسن بخاری بہت حیرت سے بیٹے کی سمت دیکھ رہے تھے۔ چہرہ مطمئن سہی مگر کی سرخی اس کے اندر کے انتشار کی بھرپور غمازی کر رہی تھی۔ وہ کسی قسم کے سوال و جواب کے مو تھے۔ لیکن اس لمحے یہ جیسے ناگزیر تھا۔ اذہان حسن بخاری باپ کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں ممی کی اس کیفیت سے قبل کیا واقعہ رونما ہوا تھا؟“ ایک بار پھر بیٹا، با مقابل تھا۔ ایک بار پھر تناؤ کی کیفیت حد درجہ بڑھ چکی تھی۔

سید سعد حسن بخاری کے چہرے اور آنکھوں میں حد درجہ ناگواری در آئی تھی۔

”میرا نہیں خیال کہ میں تمہیں کسی طرح کی جواب دہی کا پابند ہوں۔“ ان کا انداز بے حد تن اذہان حسن بخاری انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

آپ نے جو چاہا وہ کیا۔ جو آپ کو مناسب لگا وہ آپ نے روا رکھا۔ پھر اب دوسروں کو ان کے حال ہیں چھوڑ دیتے؟ کیوں جینے نہیں دیتے؟ —— کیا آپ سمجھتے ہیں کہ زندگی پر صرف آپ کا حق ے گزارنے کی لبرٹی صرف آپ کو حاصل ہے اور باقی سب ایک سانس لینے کے لئے بھی آپ کے ؟“ اذہان حسن بخاری کا لہجہ مدھم تھا۔ مگر سعد بخاری بیٹے کی گستاخی پر سخت طیش میں آگئے تھے۔

کیا ایسی فضول سی گفتگو کے لئے تم میرا اتنا ٹائم برباد کرنا چاہتے ہو یا پھر کوئی نئی بات بھی ہے ے پاس کرنے کے لئے؟“ کسی قدر درشت انداز میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

ئی نئی باتیں عمل میں لانے کی رِیت تو آپ نے اپنے سر لے لی ہے۔ ایک بار چونکا دینے والی حال عمل میں لا کر جو داغ بیل آپ نے ڈالی تھی وہ اب آپ کی عادت ہو چلی ہے۔ حیرت اس ہے کہ جب آپ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی خود کو حق پر سمجھتے ہیں تو پھر باقی لوگوں نے کیا قصور کیا پ ان کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ کیوں ہر روز ایک رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں؟ جب چھ وہ ہو رہا ہے جو آپ نے چاہا ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ آپ خوش ہے نا اپنی مرضی کر کے تو پھر باقی پنی مرضی سے خوش کیوں نہیں رہ سکتے؟ آخر کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ اس عورت کو؟ انگاروں پر گھسیٹ رہے ہیں آپ اُسے —— کیا قصور ہے اس کا؟ کس شے کی کمی رکھی ہے اس پ کی زندگی میں؟ سبھی کچھ تو دیا ہے۔ ایک گھر، سکون، بچے۔ پھر کیا چاہتے ہیں اب آپ اس سے؟ نے آپ کے لئے سیکری فائس تک کر لیا۔ ایک عظیم قربانی کی امید رکھی ہوگی نا آپ نے ایک عورت کے ناتے ان سے۔ انہوں نے تو اس کا بھی ثبوت دے دیا۔ کوئی واویلا نہیں کیا، کوئی شور نہیں مچایا۔ یامت چپ چاپ سہہ گئیں وہ۔ پھر اب کیا چاہتے ہیں آپ ان سے؟“ کوشش کے باوجود بھی وہ لہجے کو سخت ہونے سے نہیں باز رکھ سکا تھا اور سعد حسن بخاری ساکت سے اپنے مقابل کھڑے بیٹے کو رہ گئے تھے۔

”شٹ اپ اذہان! —— تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ تم کس سے مخاطب ہو۔“

”معلوم ہے —— معلوم ہے۔ تبھی تو...... تبھی تو میرا لہجہ اب بھی اتنا ہی دھیما ہے اور انداز اتنا ہی ہ۔ جس عورت کو آپ اپنی زندگی سے خارج کر چکے ہیں اس نے ایسے آداب تو سکھائے ہی نہیں کہ اپنے سے وابستہ رشتوں میں تمیز کر سکیں۔ آپ یہ مت سمجھئے کہ میں آپ سے کسی طرح کی بدتمیزی کر کسی بات کی تسکین کرنا چاہ رہا ہوں یا آپ کے مدمقابل کھڑا ہو کر آپ سے اپنی ماں کے ساتھ نے والی ناانصافی کا بدلہ لے رہا ہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اگر آپ سے کچھ چاہتا ہوں تو صرف پلیز ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ جینے کا حق جتنا آپ کو ہے، ہمیں بھی ہے۔ بہت بہت الجھ ہے ہماری زندگی آپ کے ایک چھوٹے سے اقدام سے۔ ہم دنوں تک کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر بھی بات معمول پر نہیں آتی۔ اور جب صد ہزار کوششوں سے پلٹ کر اس مقام پر آتے ہیں آپ پھر آتے ہیں سب کچھ ایک لمحے میں بکھیرنے۔ اور آپ...... آپ کا ایک اقدام ہمیں پھر سے وہیں پر جا تا ہے۔ کیوں...... کیوں کرتے ہیں آپ ایسا؟ —— آخر کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ

ہمیں؟ آپ یہی کیوں چاہتے ہیں کہ صورت حال سدا کنٹرول میں رہے۔ گیند ہمیشہ آپ کے
رہے ـــــ میں، ممی، ماہا ـــــ کیا بگاڑا ہے ہم سب نے آپ کا؟ ـــــ کیوں منگلی ٹارچر کر
آپ ہمیں؟ ـــــ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ ایک باپ کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ ایک شو
ذمے داریاں تو آپ بھلا ہی چکے ہیں۔ کیا باپ ہونے کے فرائض بھی فراموش کر چکے ہیں؟
ان کے مقام سے ہٹا ہی چکے ہیں، کیا آپ کی زندگی میں سے ہمارا مقام بھی خارج ہو گیا
حسن بخاری کا مدھم لہجہ سعد حسن بخاری کو ساکت کر گیا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اسے اسی طرح سا
سے تکتے رہے تھے۔ پھر بہت سخت انداز میں گویا ہوئے تھے۔

”تمہیں مجھ سے اس انداز سے مخاطب ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ نہ ہی ہم میاں
معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق ہے ـــــ تم شاید بھول رہے ہو کہ میں وہی باپ ہوں ج
تمہیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ تم جو کچھ بھی ہو میری وجہ سے ہو۔ مجھ سے کٹ کر تمہاری کوئی
ہے۔ مانتا ہوں بڑے ہو چکے ہو تم، مگر اتنے بڑے قطعاً نہیں ہوئے کہ اپنے باپ کے مقابل آ
ہو سکو۔ میں اپنے باپ ہونے کا کوئی فرض بھولا نہیں ہوں۔ تم مجھے کچھ جتانے کی کوشش مت کر
کرانے کی۔ میں اپنی ذمے داریوں سے خوب واقف ہوں۔ تم آج ہر بات کے لئے مجھے بلیم
ـــــ اپنے باپ کو ـــــ مجھے، جس نے تمہیں آج اس قابل بنایا۔ حالانکہ اگر تم غور کرو تو
سبب تم خود ہو۔ تم اذہان! تم نے یہ سارا معاملہ بگاڑا۔ تم اپنے باپ کے مقابل آن کھڑے ہو
بھی ہوا، آج تک جو بھی معاملہ پیش رہا اس کا سبب تم تھے ـــــ تم۔ معاملہ ہم دونوں کا تھا
تھا۔ مگر تم نے اسے بڑھاوا دیا۔ وکیل بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماں کے سپورٹر بن گئے اور
دشمن فرض کر لیا۔ حالانکہ غور کرو تو جان جاؤ گے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون؟ بیٹے ہونے ک
سکتے ہو، میں نہیں۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ تم میرے بیٹے ہو ـــــ یاد رکھو! بیٹا جتنا بھی بڑا ہو
باپ سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں بھولا ہوں۔ سو تم بھی یاد رکھو۔“

سعد حسن بخاری نے مدھم لہجے میں باور کرایا تھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر وہاں سے نکل گئے۔
اذہان حسن بخاری کتنی دیر تک خاموشی سے وہیں کھڑا اس سکوت میں کھوئے لفظوں کے
رہا تھا۔

* * *

کبھی کبھی کسی صورت حال سے بچنے کی سعی کرنے کے سارے اقدامات دھرے کے دھ
ہیں۔ بھاگنے کی جتنی کوشش کی جائے، راستے قدموں سے بندھ جاتے ہیں۔ اور اگرچہ اس
سعی تو دانستہ نہیں کی تھی مگر اس کے باوجود جب لامعہ حق اس کے سامنے آئی تھی تو وہ کتنی
ساکت سا دیکھتا رہا تھا۔

”مئے اوزی! وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔ کب لوٹے تم؟“ بے حد گرمجوشی سے ا
لگائے ہوئے وہ ... دلفریبی سے مسکرا رہی تھی اور اوزی فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا

ر فقط مسکرانے کے اس کے پاس جیسے کوئی چارہ نہ تھا۔
اپس آ گئے ہو اور بتایا تک نہیں۔ ایسی لاتعلقی کی امید تم سے نہیں تھی اوزی! بڑے بے مروت ہو کر
ہو تم اب کے تو۔“ لامعہ حق مسکراتے ہوئے شکوہ کر رہی تھی اور اوزی مسکرا دیا تھا۔
م نے بھی تو لاتعلقی کی حد کر دی۔ منگنی کر لی اور خبر تک نہیں ہونے دی۔“ اوزی نے جواباً شکوہ کیا تھا
حق ہنس دی تھی۔

م آن ـــــ اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں۔ تم تو جانتے ہو، لامعہ حق ہر کام ڈنکے کی چوٹ
ی عادی ہے۔ تم سناؤ، تنہا لوٹے ہو یا اپنے ساتھ کوئی گوری ووری بھی لائے ہو؟“ لامعہ حق اسی
کے ساتھ مسکرا رہی تھی اور اوزی بھی مسکرا دیا تھا۔
ہمارے ایسے نصیب کہاں ـــــ کیا ساری باتیں اسی شاپنگ مال میں کھڑے کھڑے کر لوگی؟“
عہ حق کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔
آج بھی ملنے کے بہانے اسی کثرت سے ڈھونڈتے ہو۔ ٹھہرے کہاں ہو؟“ لامعہ حق نے اس کے
گے بڑھتے ہوئے کہا تھا۔
انابیہ کے یہاں۔“ اوزی نے مسکراتے ہوئے مطلع کیا تھا۔
انابیہ کے یہاں؟“ لامعہ حق چونکی تھی۔ ”لیکن اس نے تو ایسا کچھ نہیں بتایا مجھے۔ حالانکہ ہماری
تو متواتر ہو رہی ہے۔“ لامعہ حق کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ ”کہیں تم نے اسے خود تو منع نہیں کیا
بتانے سے؟“ لامعہ حق نے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کسی قدر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔
آج بھی بے سبب الزام عائد کرنے کی عادت نہیں گئی تمہاری۔“
کب سے ہو یہاں؟“ لامعہ حق نے ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔
کچھ ہی دن ہوئے ہیں۔“
اور کب تک قیام کرو گے؟“ لامعہ حق نے ٹیبل منتخب کی تھی۔
زی اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔
کہاں؟“ آنکھوں میں کسی درجہ شرارت آن رکی تھی۔
ر لامعہ حق ہنس دی تھی۔ وہی نقرئی ہنسی جو زندگی کے سارے احساس جگانے کا گُر اپنے اندر رکھتی تھی۔
تمہاری باتیں آج بھی اتنی ہی اُلجھی ہوئی ہیں۔ اور نظریں اتنی ہی متلاشی۔ لگتا ہے تمہاری تلاش کا
ہیں۔“ مسکراتے ہوئے تجزیہ کیا تھا۔
زی مسکرا دیا تھا اور پھر بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔
مں کولمبس نہیں ہوں کہ ایک حیران کن جگہ کی تلاش پر نکلوں اور راستے میں ہی پڑاؤ ڈال کر اسی پر
کروں اور اسی مقام کا ہو رہوں۔ مجھے جن جہانوں کی تلاش ہے ان سے کم پر اکتفا کرنا مجھے نہیں آتا
!“

عہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

"یہ عادت کچھ اتنی اچھی نہیں اوزی! انسان کو کسی قدر کمپرومائزنگ ہونا چاہئے۔ ایسا ہوئے سی آسانیاں ہو جاتی ہیں۔"

"آسانیاں تو انہیں اچھی لگتی ہیں لامعہ حق! جو مشکلات سے نظریں چراتے ہوں۔ جنہیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی عادت ہی نہ ہو۔ اور میرے متعلق تو جانتی ہو تم۔" اوزی مگر اور لامعہ حق اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"تمہیں اچھا لگتا ہے یوں در بدر بھٹکنا؟" بہ غور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"مجھے کیا اچھا لگتا ہے، اس کے متعلق کبھی کسی نے جاننے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔" اوزی کہتے ہوئے جیسے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ لامعہ حق اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ضروری تو نہیں کہ تمہیں جو اچھا لگتا ہے اوزی! وہی سب دوسروں کو بھی اچھا لگتا ہو۔" لامعہ مصلحت سے پُر انداز اختیار کیا تھا۔

"بدلی نہیں ہو تم۔ آج بھی قائل کرنے کے سارے گُر آزمانا جانتی ہو۔"

"اور تم بھی تو نہیں بدلے ہو —— آج بھی اسی طرح جھٹلانا جانتے ہو۔"

"حُسن کو جھٹلانے کی سعی کوئی کافر ہی کر سکتا ہے۔" اوزی مسکرایا تھا اور لامعہ حق بھی مسکرادی آرڈر سرو کر کے چلا گیا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں کب تک قیام کرو گے اس شہر میں؟" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اس دیکھا تھا اور اوزی کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"تم اگر شہر کی وضاحت نہ بھی کرتیں تب بھی میں سمجھ سکتا تھا کہ تم شہر میں قیام کی ہی بات کر اس کی آنکھوں میں بہت سی شرارت رکی ہوئی تھی اور لامعہ حق اس لمحے ہنس دی تھی۔

"تم جیسے بندے کے سامنے یہ سب بہت ضروری ہو جایا کرتا ہے اوزی! تم کسی بھی بات کا کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔"

"ہاں —— مگر کبھی کبھی بہت سی وضاحتیں اور تاویلیں بھی کسی بات کے واقع ہونے کو سکتیں لامعہ حق! شاید تم یہ بات نہیں جانتی ہو۔" اوزی کا انداز باور کرانے والا تھا اور لامعہ حق رہ گئی تھی۔

"کبھی کبھی سفر پر چلنے سے قبل اس بات کا تعین کر لینا بہت ضروری ہو جاتا ہے اوزی! کہ صحیح بھی ہے یا کہ نہیں۔ آیا یہ رستہ فقط رستہ ہی ہے یا پھر اس کی کوئی ڈگر منزل کی طرف بھی جاتی

"شوقِ جنوں جب حد سے سوا ہو جائے تو اس بات کا کوئی ہوش رہتا ہی کب ہے لامعہ حق کا تعین تو جب ممکن ہوتا ہے نا جب کچھ ہوش باقی رہے۔ کیا تمہیں ابھی تک اس بات کا انداز اوزی کا لہجہ مدھم تھا اور لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ۔ مگر اس کے باوجود لامعہ حق اس کی سمت سکی تھی۔ تبھی اوزی مسکراتا ہوا اس کو دیکھنے لگا تھا۔

"تمہارے فیانسی محترم سے ملاقات ہوئی تھی۔ موصوف خاصی توپ شے واقع ہوئے ہیں۔

ملے ہو ان سے؟ کہاں؟ اور بائے دی وے، تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میرے فیانسی وہی ہیں؟"

حیرت ہوئی تھی اور اوزی مسکرادیا تھا۔

ہیں ہوئی ہوتی اگر موصوف میرے دوست واقع نہ ہوئے ہوتے۔"

ت؟ —— تم عفنان علی خان کے دوست ہو؟ حیرت ہے، عفنان نے بھی مجھے کبھی کچھ نہیں

ہ حق کو شدید حیرت ہوئی تھی مگر

نے تو تمہیں اور بھی بہت کچھ نہیں بتایا لامعہ حق! اس کے بارے میں تو تمہیں کبھی اس درجہ ں ہوئی۔" انداز بہت عام تھا مگر لہجہ بہت خاص۔ اور لامعہ حق کے لبوں کی مسکراہٹ ایک لمحے ہوئی تھی۔ اوزی نے اس چہرے کو بہ غور دیکھا تھا۔

ن ہو؟" غالباً اس تعلق کے متعلق دریافت کیا تھا۔ لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا تمہیں کوئی ڈاؤٹ ہے؟"

ں —— تمہارا خیال ہے لامعہ حق!" انداز باور کرانے والا تھا اور لامعہ حق مسکراتے ہوئے سر نفی نے لگی تھی۔

ی فکر کرنا چھوڑ دو اوزی! مجھے اپنی فکر کرنا خود آتا ہے۔ اور میں تمہیں اس کیئر کے لئے تھینکس بھی گی۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ اور اوزی ہنس پڑا تھا۔

آج بھی اتنی ہی بے مروت ہو۔"

ر بے لحاظ بھی۔ تم جانتے ہو مجھے بے وجہ کرٹسی دکھانا اچھا نہیں لگتا۔ اینی وے۔ عفنان علی خان کو ے جانتے ہو؟"

یوں، ارادہ کہیں اس کے متعلق انویسٹی گیشن کرنے کا تو نہیں؟"

ن سے محبت کی جاتی ہے ان کے متعلق بذاتِ خود جانا جاتا ہے۔ شہر کی ہواؤں سے یا چہروں سے جاتا۔" جتایا تھا اور اوزی لب بھینچ کر مسکرادیا تھا۔

مسٹ بی اے لکی گائے!" لہجے میں کوئی حسرت بول رہی تھی۔

از۔" لامعہ حق کے لہجے میں یقین ہی یقین تھا۔ لبوں پر وہی دلفریب مسکراہٹ۔ اوزی اس دیکھ کر رہ گیا تھا۔

* * *

ی کبھی کوئی واقعہ اس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے کہ اس کے اثرات اگلے کئی لمحوں تک زائل نہیں ہو ذہان حسن بخاری کے اندر جس خلفشار نے سر اٹھایا تھا وہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں تھا۔ بلکہ انتشار کچھ ھتا چلا گیا تھا۔ وہ جتنا سوچتا تھا، خود کو اتنا ہی بے بس پاتا تھا اور یہ صورت حال اسے اور بھی دگرگوں گی۔ آفس سے جانے کے بعد وہ بجائے اندر جانے کے وہیں لان میں سنگی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

ت نیم جاں کر دینے والے ہوں تو انسان فرار کے راستے خود بہ خود ڈھونڈنے لگتا ہے۔ مگر اس

کے پاس کوئی راہِ فرار نہ تھی اور یہ کیفیت اس انتشار کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ کوٹ بازو پر دھرے چاپ وہاں بیٹھا تھا جب ساہیہ خان چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔

”کہاں تھے تم؟ —— آنٹی اتنی پریشان ہو رہی تھیں۔ اور تم نے اپنا سیل کیوں آف کر م ساہیہ خان نے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ نہ ہی اس کی سمت دیکھنے کی تھی۔ اسی طرح ساکت سا بیٹھا رہا تھا اور ساہیہ خان اسے بہ غور دیکھنے لگی تھی۔

”اذہان! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں کم از کم اتنا ویک نہیں سمجھتی تھی۔ تم ماما اور فارحہ آنٹی کو کی بجائے خود اس صورت حال سے منہ چھپائے فرار کے راستے تلاش کر رہے ہو۔“

”تو کیا کروں میں —— کیا کروں؟“ وہ کسی قدر برہمی سے کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھ خان اس کے درشت انداز اور بلند آواز پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے د بہت آہستگی سے سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔ انداز پُر افسوس تھا۔

”آئی ایم سوری ساہیہ!“ مدھم لہجے میں کسی قدر ندامت تھی۔ مگر ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ پھر مدھم گویا ہوا تھا۔

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ساہیہ! میں کیا کروں؟ —— جو ہو رہا ہے میں نے اس کے نہیں سوچا تھا۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یا میری فیملی کو اس طرح کی کیفیت سے دوچار گا۔ جب زندگی ایک سوالیہ نشان بن کر رہ جائے گی اور ہم سب اٹھنے والے سوالات کے جواب دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہ جائیں گے۔“ اذہان حسن بخاری کا انداز بے حد بے بسی لئے ہو ساہیہ خان اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”ساہیہ! —— میں نے کبھی بھی زندگی میں خود کو اتنا بے بس نہیں پایا۔ جو صورتِ حال د اس کے متعلق کوئی لائحہ عمل کام نہیں آ رہا۔ میں ہر طرح کی کوششیں کر کے تھک چکا ہوں۔ جب ہے کہ تدبیر کام آ گئی ہے تو تبھی یہ عقدہ کھلتا ہے کہ صورتِ حال پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہے۔“ اس کا لہجہ مدھم تھا اور انداز تھکا ماندہ۔ ساہیہ خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس دھر دیا تھا۔

”اذہان! شکست مان لینا دانش مندی نہیں —— بہت سی باتوں کے اسرار نہ سمجھ میں آ ہوتے ہیں۔ مگر یہی بھید اپنے اندر بہت سے سوالوں کے جواب رکھتے ہیں۔ تمہیں ہمت چاہئے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تمہیں جو کچھ نظر آ رہا ہے اسے قبول کرو۔ حقیقت کو مان کبھی بہت سے سوالوں کے جواب خود بہ خود مل جاتے ہیں۔ تمہارا پرابلم یہ ہے اذہان! کہ حقیقت کو ہی تسلیم نہیں کر پا رہے ہو۔ اور یہی سب سے بڑا سبب ہے تمہاری تھکن کا۔ تمہار صورت حال کو دیکھتے ہوئے بھی قبول نہیں کر پا رہا اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے اذہان! حقیقت کو تسلیم کر لینے سے ہی بہت سی باتوں کا جواب مل جاتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو کم از کم اس

اسد باب ہی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

تمہاری بات کو مسترد کرتا ہوں۔“ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے ہوئے اس کے تمام الفاظ کو ایک لمحے میں رد کیا تھا۔ ”لیس ساہیہ خان! رد کرتا ہوں میں تمہاری ہر ب کتابی باتیں ہیں۔ تم یہ سب اس لئے کہہ رہی ہو کیونکہ تم اس طوفان کا حصہ نہیں ہو ساہیہ! ہ میں ہوں۔ تم اس طوفان کی شدت کو اس طرح سے محسوس بھی نہیں کر پا رہی ہو جس طرح کہ ہوں۔ پھر تم کوئی حل کیونکر پیش کر سکتی ہو جب تمہیں کسی بات کا اندازہ ہی نہیں۔“ اس کا لہجہ، ب کس قدر اجنبی تھا اور ساہیہ خان اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ نظروں میں حد درجہ بے یقینی تھی۔ گویا ن حسن بخاری سے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی۔

ادیر تک وہ اسے اسی طرح ساکت سی دیکھتی رہی تھی۔ پھر کسی درجہ تاسف سے سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

ہان! یہ ٹھیک ہے کہ مجھے ان باتوں کا ادراک نہیں ہے اور جس کیفیت سے تم گزر رہے ہو اسے بھی نہیں جھیلا۔ مگر یہ غلط ہے کہ میں اسے اس طرح سے محسوس نہیں کر رہی ہوں۔ تم نے —— تم نے مجھے ایک لمحے میں خود سے الگ کر دیا۔ پرایا کر دیا۔“ اس کا لہجہ مدھم تھا اور انداز پُر گر اذہان حسن بخاری اس کی سمت سے نظریں پھیر گیا تھا۔

ی کبھی طوفان میں گھرے ہوئے شخص کو صورت حال کا اندازہ اس انداز سے نہیں ہو پاتا جس طور کہ دیکھنے والے کو ہوتا ہے۔ جو دور سے دیکھ رہا ہوتا ہے وہ زیادہ بہتر طور پر اندازہ کر پا رہا ہوتا ہے کہ حال کتنی سنگین ہے۔“ وہ اٹھی تھی اور پھر بنا اس کی سمت دیکھے، چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

* * *

تم آج لامعہ حق سے ملے تھے؟“ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے حتمی انداز میں کہا تھا اور ر حیران ہوتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

ہیں کیسے خبر ہوئی؟“

ہارے چہرے پر لکھا ہے اوزی!“

چھا؟ ——“ وہ حیران ہوا تھا۔ ”تو کیا ایسی ساری باتیں چہرے پر آن درج ہوتی ہیں؟“ اس کا ا قدر سادہ تھا۔ مگر انابیہ شاہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ گئی تھی۔

آف کورس۔ لیکن تم نے بتایا نہیں کیا ہوا، کیا وہ حیران تھی؟“ انابیہ شاہ نے گفتگو کا سلسلہ پھر وہیں ع کیا تھا اور جواباً اوزی کے لبوں پر بہت بجھی بجھی سی مسکراہٹ اُبھری تھی۔

جب سب کچھ میرے چہرے پر درج ہے تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟“

بیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

اوزی! اگرچہ تمہاری حالت خاصی دگرگوں ہو رہی ہے۔ مگر ایک فطری تجسس بھی تو ہوتا ہے نا۔“

تو تم لطف لینا چاہتی ہو میری کیفیات سے۔ کسی شاعر نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی

دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں"

اس کا انداز دہائی دیتا ہوا تھا اور انابیہ شاہ ہنس پڑی تھی۔ تبھی اوزی نے مسکراتے ہوئے اس دیکھا تھا۔

"دوسروں پر ہنسنا کتنا آسان ہے نا۔"

"ہاں ہے۔ مگر ہمدردی کے پھاہے بھی تو میں ہی رکھتی ہوں نا۔" انابیہ شاہ بہت دنوں بعد مسکرا تر دتازہ لگی تھی۔ اوزی اس کی سمت بہ غور دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہو اتنے دنوں بعد کھل کر مسکراتی۔" اوزی نے کہا تھا اور وہ لب بھینچ کر چہر پھیر گئی تھی۔

"میں نے یہ تعریف اس لئے نہیں کی کہ تم اپنے مسکراتے لب اس قدر سختی سے بھینچ لو۔" ا اسے باور کرایا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں ملاقات کیسی رہی؟"

"کیسی رہ سکتی ہے تمہارے خیال میں۔ وہ گریزاں گریزاں، ہم پریشاں پریشاں۔ ایسے میں ا کیا ہو سکتا ہے؟ وہی جو اول ملاقات میں رہا، اس سے کچھ زیادہ مختلف تو نہیں تھا۔" وہ پُر مزاح کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

"رئیلی ——— اس لڑکی سے مجھے مل کر کبھی نہیں لگا کہ میں اسے پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں یا سے جانتا ہوں۔ اس سے جتنی بار بھی ملا ہوں ہر ملاقات وہی پہلی سی لگی ہے۔" اوزی کا انداز تھا۔ وہ تمام باتیں اس طرح بیان کر رہا تھا جیسے روزمرہ کی خبروں سے مزین کوئی اخبار پڑھ کر انابیہ شاہ نے اُسے بہ غور دیکھا تھا۔ شاید تبھی اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" اوزی اس کی سمت دیکھتا ہوا پوچھنے لگا تھا۔ تبھی وہ مسکراتی ہوئی اس کی سمت گئی تھی۔

"مجھے اکثر لگتا ہے تم روزمرہ کی خبروں سے مزین کوئی اخبار پڑھ کر سنا رہے ہو ——— خود سے متعلق۔ تمہارا انداز بڑا ہی کیژول ہوتا ہے۔" انابیہ شاہ نے تجزیہ کیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"محبت کی ہے تم نے کبھی انابیہ شاہ؟" مدھم لہجے میں دبا عجب سوال تھا اور انابیہ شاہ جو مسکر بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟"

اوزی اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"انابیہ شاہ! آسان شے نہیں ہے محبت۔ اسے کرنے والا خود ایک خبر بن جاتا ہے۔" باور انابیہ شاہ اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"انابیہ!" اوزی نے بہت مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

"ہوں؟" انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھنے سے دانستہ گریز کیا تھا۔

نا محبت بہت آسان شے نہیں مگر یہ اتنی مشکل بھی نہیں کہ چہرے پر ہوائیاں اُڑ جائیں۔" انداز نے والا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر قریب پڑا کشن لے کے کھینچ مارا

ویسے جب تمہیں محبت ہو تو مجھے ضرور بتانا۔"

کیوں؟" انابیہ شاہ نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

دونوں مل کر اختر شماری کریں گے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی اور انابیہ مسکرا دی تھی۔

مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے سرسری انداز سے کہنے کے ساتھ ہی ریموٹ اٹھا کر ٹی وی ن کی جانب اپنی توجہ مبذول کی تھی۔ اوزی نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

انابیہ!" دلچسپی حد سے سوا تھی۔

ہاں۔" انابیہ کا انداز سرسری تھا۔

جس طرح تم محبت کے نام پر شائے ہوتی ہو اس سے مجھے صاف کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔"

"اوزی!" انابیہ شاہ نے اسے گھورا تھا مگر وہ ہنس دیا تھا۔

ڈور بیل ہوئی تھی۔ ماما نے کچن سے پکار کر اسے دروازہ کھولنے کی ہدایت کی تھی۔

"انابیہ! دیکھو کون ہے باہر؟"

انابیہ نے جواباً اوزی کی سمت دیکھا تھا۔

"جاؤ، دیکھو جا کر، ساتھ والے انکل اکبر ہوں گے۔ دادا ابا سے ملنے آئے ہوں گے۔ انہیں دادا ابا لرے میں پہنچا دینا۔ اور سنو، واپسی میں میرے لئے کافی بھی بنا لانا۔" اس نے دو تین آرڈر ایک دیئے تھے۔ اوزی نے ہاتھ میں پکڑا کشن اس کی سمت اچھالا تھا اور گھورتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ ا توجہ سے ٹی وی اسکرین کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

کچھ لمحوں کے توقف سے اس کے قریب آہٹ ہوئی تھی۔

"کون تھا اوزی؟" وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولی تھی۔ مگر دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں آیا

"اوزی! تم نے کوئی جواب نہیں دیا؟ ——— کون تھا؟" انابیہ شاہ نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے اوزی کی سمت کی تھی اور اوزی کی جگہ کسی اور کو کھڑا دیکھ کر چونک پڑی تھی۔

"آپ؟"

عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"کافی لینے گیا ہے وہ، غالباً تم نے اسے آرڈر کیا تھا!" اس کے دیکھنے پر وضاحت کی تھی۔ "بیٹھنے کے نہیں کہو گی؟" عفنان علی خان نے بہ غور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"اوزی کے مہمان ہیں ——— اس کے آنے تک انتظار کر لیجئے۔" وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ یہ پہلا تھا جب وہ کسی قدر معمول سے ہٹ کر بولی تھی۔

عفنان علی خان نے ان ست رنگی آنکھوں کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"یعنی میں آپ کا مہمان نہیں ہوں۔" وہ اس کے اجازت نہ دینے کے باوجود اس کے عین، گیا تھا۔ انابیہ خاموشی کے ساتھ ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"مجھے خواہش ہو چلی ہے یہ جاننے کی کہ تم اپنے مہمانوں کو کیسے ٹریٹ کرتی ہو گی۔"

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر ٹی وی آف کر کے ریموٹ ایک طرف رکھ دیا تھا۔

"آپ کو میرے متعلق اتنا تجسس کیوں ہے؟ مانا ہوتا ہے ہر انسان کو تھوڑا بہت تجسس کر انسان سے متعلق۔ مگر اس درجہ۔ آپ کیوں خیال کرتے ہیں کہ میں کسی اور پلیٹ سے آئی ہو ٹریٹمنٹ دیگر انسانوں کے ساتھ آپ سب سے کچھ مختلف ہے؟" وہ بولی تھی اور عفنان علی خا تھا۔

"اپنے بارے میں تم بہت اچھی اور مزیدار رائے رکھتی ہو۔ غالباً میں نے تمہارے متعلق ایسا نہیں کیا تھا۔ مگر تم نے بتا کر مجھے لاجواب کر دیا ہے۔" عفنان علی خان محظوظ ہوئے بغیر نہیں ر انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"مجھے آج اچھا لگا ہے انابیہ شاہ! آج تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم اچھا بول سکتی ہو۔ خاموشیوں سے بہت وحشت ہوتی ہے اور......"

"مجھے یہ جاننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے عفنان علی خان! کہ آپ کو کیا شے اچھی لگتی ہے اور لیکن مجھے آپ میں بہت کچھ ہے جو پسند نہیں ہے۔" وہ اس کی سمت پُر اعتماد انداز سے دیکھتی تھی۔ مگر عفنان علی خان ہنستا چلا گیا تھا۔

"اوہ، ریئلی ــــــ کیا واقعی ایسا کچھ ہے؟ اگر ہے تو پلیز ٹیل می، میں اپنے متعلق تم سے لئے منتظر ہوں۔ اچھی یا بری، کچھ بھی۔ مگر کچھ سمجھ تو آئے کہ دوسری طرف ہے کیا۔ بہت گزر گ میں۔ اب تو اس بھید کو کھل جانا چاہئے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت رکی ہوئی تھی اور اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اوزی تبھی کافی لے کر آ گیا تھا۔

"یہ اتنی خاموشی کیوں چھائی ہوئی ہے؟" ان دونوں کو خاموش دیکھ کر اسے کسی قدر حیرت! انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ جب کہ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے ہم اس مقولے پر عمل کر رہے ہوں کہ خاموشی بھی گفتگو کرتی ہے۔"

"ویل سیڈ۔" اوزی نے مسکراتے ہوئے اسے داد دی تھی۔ "خاموشی کبھی کبھی واقعی باتیں کر مگر کبھی کبھی باتیں اس خاموشی سے کہیں زیادہ بہتر ہوتی ہیں۔ کیا خیال ہے؟" اوزی مسکرایا تھا ا علی خان جانے کیوں ہنس پڑا تھا۔

"شاید ہم میں سے کوئی اس حقیقت کو نہیں جانتا۔ یا پھر جانتے بوجھتے نظر انداز کر رہا ہے۔ ا سے کہیں اہم یہ بات ہے کہ میرے فارم ہاؤس پر ایک گیٹ ٹو گیدر ہو رہی ہے ــــــ میں چاہتا

سمیت تم سب بھی شرکت کرو۔" عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا ہوپ کہ تم سب ضرور آؤ گے۔"

شاہ کچھ کہے بغیر اٹھی تھی اور پھر اسی خاموشی سے چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ عفنان علی خان نے دُور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

* * *

بہت خاموش سی بیٹھی تھی۔ فارحہ اس کے سامنے تھیں۔ مگر دلجوئی کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو

اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا مجھ میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما ہو گئی ہے؟" فارحہ اس کے موڈ کو نے کے لئے بہت دھیمے سے مسکرائی تھیں اور اگینے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

بھابی! آپ کو نہیں لگتا آپ کا دل گنجائش سے بہت زیادہ بڑا ہے؟"

فارحہ جانے کیوں مسکرا دی تھیں۔

اگینے! ایسا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسپیشلی ایک عورت کے لئے۔ کیونکہ اسے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے نا بھی پڑتا ہے۔"

نے خاموشی سے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

بھابی! آپ کو لگتا ہے کہ ایسا کر کے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے؟"

فائدہ ــــــ فائدے اور نقصان کے متعلق سوچنا عبث ہے اگینے! میں نے اب تک کی زندگی میں کیا اس میں کبھی بھی کسی فائدے کی امید نہیں رکھی۔ آج سعد مجھ سے بدظن ہے۔ ہزار ہا گلے ہیں مجھ سے۔ مگر میں یہ بات جانتی ہوں، میں نے اس کے لئے، اس گھر کے لئے کتنی قربانیاں دی فارحہ کا لہجہ افسردہ تھا۔ "آج وہ ان قربانیوں کا صلہ کسی اور کو دینا چاہتا ہے۔ تم جانتی ہو اگینے! اب اسے کیا چاہتا ہے؟" فارحہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

اگینے! وہ چاہتا ہے ہماری کمپنیز کے تھرٹی پرسنٹ شیئر وہ اس کے نام کر دے۔ اپنی نئی شریک حیات نام۔ اور ایسا کرتے ہوئے اسے اس بات کا قطعاً کوئی احساس نہیں کہ کیا کر رہا ہے اور کیونکر کر رہا فارحہ کے حصے کی خوشیاں تو وہ کسی اور کو دان کر ہی چکا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اب وہ اپنے کو بھی فراموش کر رہا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اسے قطعاً احساس نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ کتنی انصافی کر رہا ہے۔ مگر میں ...... میں یہ نا انصافی قطعاً بھی اپنے بچوں کے ساتھ نہیں ہونے دوں اپنا مقام تو شیئر کر سکتی ہوں، اپنے حصے کی خوشیاں بھی کسی تیسرے وجود کو سونپ سکتی ہوں مگر اپنے کا حصہ نہیں بانٹ سکتی۔ سعد جانتا ہے اس کمپنی کی پچاس پرسنٹ کی شیئر ہولڈر میں ہوں۔ بقیہ کے کے نام ہیں اور وہ انہیں بھی اپنے بچوں کی بجائے دوسروں میں بانٹ دینا چاہتا ہے۔" فارحہ کی م تھی۔ یقیناً وہ سنجیدہ تھیں۔ اگینے کے پاس ان کی تسلی کے لئے شاید کوئی لفظ نہ تھے۔ تبھی شاید وہ سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

فارحہ نے بھیگی آنکھوں سے اگینے کو دیکھا تھا۔

"اگینے! میں نے ایسا کیا تو کیا غلط کیا؟ ——— کیا تو کیا عجب؟ وہ مجھے موردِ الزام
فارحہ ضبط ہار گئی تھیں۔ اور تبھی اگینے نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت آہ
سر ہلاتے ہوئے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

"بھابی! پلیز، اگر آپ ہی حوصلہ ہاریں گی تو باقی لوگوں کو کون سنبھالے گا؟ ان حالا
ثابت قدم رہنا چاہئے۔ وقت سب سے بڑا منصف ہے۔ آپ سب کچھ خدا کے حوالے کر
بہتر کرے گا۔ ایک دن سعد بھائی کو اپنی غلطی کا اندازہ ضرور ہو گا۔" اگینے نے ملائمت
فارحہ کو تسلی دی تھی۔ فارحہ سر جھکائے بیٹھی تھیں جب ماہا پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اندر دا

"ممی! بھائی .... بھائی اپنے کمرے میں پیکنگ کر رہے ہیں ——— میں نے ان
وہ مجھے کچھ بتا نہیں رہے۔"

فارحہ اس اطلاع پر بھونچکا رہ گئی تھیں۔ اگینے اور انہوں نے ایک ساتھ اذہان حسن بخا
کی سمت پیش قدمی کی تھی جہاں اذہان حسن بخاری تیزی کے ساتھ پیکنگ میں مصروف تھا۔

❋❋❋

دوپہر میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کا فون آیا تھا۔ آج کا ڈنر وہ اس کے ساتھ کرنا چاہتا
پاس انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ شاید اسی لئے وہ شام میں تیار ہونے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جب آیا تھا تو اسے دیکھ کر کچھ لمحوں تک ساکت سا تکتا رہا تھا
تھا۔

"بیوٹی فل ——— لیکن میرے خیال میں تمہارے بال کھلے ہوئے زیادہ اچھے لگتے
ہوئے وہ اس کے قریب آیا تھا، عین اس کے سامنے رکا تھا اور پھر بانہیں پھیلا کر اس کی پشت
ہوئے اس کے جوڑے کی شکل میں بندھے بالوں کو بہت آہستگی سے کھول دیا تھا۔ میرب سیا
قربت پر ساکت رہ گئی تھی۔ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو نے اس کے حواس خطا کر دیئے تھ
جھکائے اسی طرح بت بنی کھڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غو
شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو کسی قدر اوپر اٹھایا تھا۔

"نائس ——— ناؤ یو لکس ویری پریٹی۔" بہت دھیمی سی مسکراہٹ سردار سبکتگین حیدر لغار
احاطہ کر گئی تھی اور میرب سیال اس لمحے نظریں جھکا گئی تھی۔

"چلیں؟" بہت مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہر
ہوئے بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

"ہاں ——— مگر ٹھہرو، شاید میں کچھ بھول رہا ہوں۔" اس چہرے کو نگاہ کسی قدر دلچسپی
اور ان نظروں کی حدت میرب سیال کے لئے کسی قدر پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔ وہ اس
کسی قدر الجھن میں نظر آ رہی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس بات کا کوئی احساس

یدر لغاری نے اس چہرے کو بہ غور دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اس روشنی پیشانی پر جھکتا ہوا بھرپور
تھا اور میرب سیال کی رگوں کا سارا خون جیسے اس کے چہرے پر آن ٹھہرا تھا۔ سینے میں کہیں
رتعاش سا برپا ہو گیا تھا اور وہ اپنی کیفیت پر خود آپ حیران رہ گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے جیب میں سے ایک پیکٹ نکالا تھا پھر اس میں سے ایک چمکتا ہوا، نازک
نکال کر اس کی گردن کی سمت بڑھایا تھا۔

ازت ہے؟" اس کے کسی قدر حیرت سے دیکھنے پر غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے
کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے ناچار سر اثبات میں ہلا کر نظریں جھکا لی تھیں اور تب سردار
یدر لغاری کے ہاتھ اس کی نازک گردن میں اس قیمتی نیکلس کو پہنانے لگے تھے۔

ں کی یہ کہانیاں ہزار ہا جاں گسل سہی، وہ لمحے کتنے بھی دلفریب سہی، مگر یہ سب میرب سیال کے
بہت دشوار ہو رہا تھا۔ لیکن وہ جیسے مکمل طور پر بے بس تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی گردن میں وہ موتیوں سے مزین قیمتی نیکلس پہنا کر ایک تنقیدی
سے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

ٹ ٹو بیڈ۔"

یرب سیال نے کسی درجہ حیرت سے اسے نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری
تھا۔

کی تھنک ناؤ یو لکس رئیلی پریٹی۔" ان آنکھوں میں اس کے لئے ستائش ہی ستائش تھی اور میرب
لمحے جیسے ناچار مسکراتے ہوئے نظر جھکا گئی تھی۔

یکھنے کے لئے میری نظریں ہی کافی ہیں یا کسی قسم کے آئینے کی ضرورت اب بھی باقی ہے؟" سردار
یدر لغاری نے مدھم لہجے میں جھک کر اس سے دریافت کیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

یا اب ہم چل سکتے ہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

ئے ناٹ ——— شیور۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔ میرب سیال
یہ سارے تجربے بہت نئے تھے اور سارے حوالے انجانے۔ شاید اسی لئے وہ اپنی دھڑکنوں کا
ابھی تک اپنے کانوں میں سن رہی تھی۔

ار سبکتگین حیدر لغاری واقعی حیران کن تھا اور وہ اسے قدم قدم پر واقعی حیران بھی کر رہا تھا۔ یا پھر
ادرجہ حیران ہو رہی تھی اور درحقیقت ان باتوں میں حیران ہونے والی کوئی بات نہ تھی۔ بہرحال جو
یرب سیال کے لئے یہ لمحے قیامت سے کم نہ تھے۔

خص کی سنگت، اس کی ہمراہی اس کے لئے جیسے خواب جیسی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ حقیقت تھی اور کچھ
ب نہ تھا۔ مگر وہ بات خود کو باور کرانے کے باوجود باور نہ کرا پا رہی تھی۔

ے کے دوران بھی جانے وہ کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ میرب سیال کو اپنا آپ بہت کھویا کھویا سا لگا تھا۔

کیا ہوا؟ ——— کیا سوچ رہی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب کسی قدر تشویش

سے دیکھا تھا۔ میرب سیال چونکی تھی اور فوراً ہی سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آر یو انجوائنگ ود می؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کس خدشے کے پیش نظ
اور وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"آف کورس۔"

"تو پھر تم اتنی گم صم سی کیوں ہو؟"

"نہیں —— ایسا نہیں ہے۔" میرب سیال نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"کیا میں تمہیں خوش رکھنے میں ناکام ہو رہا ہوں؟ —— کیا میں اس کوشش میں یکسر
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے
مدھم لہجے میں اظہار کیا تھا۔

"کیا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے کچھ نہ سمجھا تھا۔

"یہ سب ...... یہ سب کچھ جو آپ میرے لئے کر رہے ہیں۔ یہ رات، یہ ڈنر، ی
اور ......"

"اور میں ...... میرب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے جملے کو درمیان میں سے
وہ چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

"اور میں ...... میرب سیال؟ تم نے بتایا نہیں، میرے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا
سردار سبکتگین حیدر لغاری کا سوال شاید بہت مشکل تھا۔ تبھی میرب سیال کتنی دیر تک خاموشی
تکتی رہی تھی پھر جیسے بے بسی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

"آپ ...... آپ بھی اچھے ہیں۔" اس نے جیسے زبردستی وہ ایک جملہ ادا کیا تھا اور سرد
لغاری کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"صرف اچھا؟" نگاہیں کچھ اور بھی وضاحت چاہ رہی تھیں۔ مگر میرب سیال چہرے
تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے اس پر رحم آ گیا تھا۔ تبھی مسکرا دیا تھا۔

"تھینکس۔ مگر بات اچھا لگنے سے کچھ آگے بڑھنے کی اشد ضرورت ہے۔ تمہارا کیا خیال
کچھ اتنی تسلی بخش تو نہیں نا؟" کسی قدر ملائم لہجے میں وہ اظہارِ مدعا کرتا ہوا اس کی رائے جاننا
وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

فلور پر کئی کپل دھیمے آرکسٹرا پر اپنی اپنی محبتوں کے جہاں آباد کئے ہوئے تھے۔ سردا
لغاری نے اس جانب ایک نگاہ کی تھی پھر مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا اور تبھی بہ
ساتھ اپنا چوڑا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی سمت

د —— میں تمہارے ساتھ کچھ دیر رقص کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت ہے نا؟" مدھم لہجے میں کئی
تھیں اور میرب سیال ساکت سی اس کی سمت تکتی ہوئی سر یکدم نفی میں ہلا گئی تھی۔
ھے اس سب سے کچھ شغف نہیں۔"
ھ سے تو ہے نا؟" مدھم لہجے میں پوچھے گئے سوال میں کیا کیا نہ تھا۔ میرب سیال خاموشی سے اس
دیکھ رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی
میں لیا تھا اور وہ اس لمحے جانے کیوں کوئی تعرض ہی نہ برت سکی تھی۔ اٹھی تھی اور اس کے سنگ چل

کو کسی ایسے ہی لمحے کی آرزو تھی۔ کسی ایسے ہی مضبوط رفیق سفر کی خواہش تھی جو اپنی پناہ میں لیتا تو
ئی ڈر باقی نہ رہتا جو اس کے ہاتھ کو تھامتا تو لگتا ساری دنیا اس کی مٹھی میں آ گئی ہو۔ وہ جس کے
ی تو لگتا کہ ساری دنیا اس کے ساتھ چل رہی ہو۔ جس کی قربتوں میں اسے یہ زمین بھی آسمان لگتی۔
ی تو ہوا تھا۔ وہ شخص اس کے قریب تھا۔ وہ اس کی پناہ میں تھی۔ اس کی مضبوط بانہوں نے اس کے
ما ہوا تھا۔ مگر جانے کیوں دل پھر بھی جیسے مطمئن نہ تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔
تگین حیدر لغاری کی قربتیں کیا کیا کہانیاں نہ کہہ رہی تھیں۔ وہ اس کی زلفوں پر جھکا جانے کیا کہہ رہا
ے تو بس اپنا وہ شانہ اس حدت سے جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ سارا وجود جیسے کسی آتش کے زیر تھا۔
ردار سبکتگین حیدر لغاری کے لب اس کے گیسوؤں پر ہولے ہولے ملتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔
کچھ سرگوشیاں کر رہا تھا۔ مگر میرب سیال کے خود اپنے اندر کا شور اس قدر تھا کہ وہ کچھ بھی سن نہیں پا
کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس اسے اپنا آپ کسی الاؤ کے حصار میں لگ رہا تھا۔ حدت اتنی تھی کہ
ور دم رودم سلگتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

* * *

'کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ —— کہاں جا رہے ہو تم؟" فارحہ نے کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔
ہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اسی طرح سامان نکال کر سوٹ کیس میں رکھتا رہا تھا۔
نے پیش قدمی کی تھی اور اس کے عین سامنے جا رکی تھیں۔
"میں پوچھ رہی ہوں کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ —— کیا کر رہے ہو تم یہ؟"
ازہان حسن بخاری نے ماں کی طرف ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔
"تھک گیا ہوں میں —— جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب میری برداشت سے باہر ہے۔ تھک چکا ہوں
راز روز ٹوٹ پھوٹ کر اور سمیٹ سمیٹ کر۔ اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اب یہاں نہیں
ماگا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ واپس اسٹیٹس۔" ازہان حسن بخاری نے مطلع کرنے کے ساتھ ہی
ن ادوبارہ سوٹ کیس میں رکھنا شروع کر دیا تھا اور فارحہ اور اگینے اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھیں۔ پھر ایک
مں فارحہ نے پیش قدمی کی تھی اور اس کے ہاتھ سے سب کچھ لے کر بیڈ پر ایک طرف اچھال دیا تھا۔
"کیا کر رہے ہو یہ تم؟ —— تم ہمیں چھوڑ کر جاؤ گے؟ —— ہم سب کو؟" اس کی سمت دیکھا تھا۔

مگر اذہان حسن بخاری ان کی سمت سے نگاہ چرا گیا تھا۔ کچھ لمحے یونہی کھڑا رہا تھا پھر قدرے توقف ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔

”ممی! یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ یہ سب بدلنے والا نہیں ہے۔ یہ تنازعہ روز بڑھنے والا ہی ہے اور بڑھتے ہوئے تنازعات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور م بھی جانتا ہوں ممی! جب کچھ ختم ہونے والا ہی نہیں تو پھر فائدہ؟“ اذہان حسن بخاری کا لہجہ تھکا ماندہ تھا۔ فارحہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ کتنی خاموشی سے پلکوں کے کنارے سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ بکھرتے چلے گئے تھے اور اذہان حسن بخاری ہاتھ میں تھمے ہوئے کپڑے ایک طرف پھینک کر ان کی دیکھنے لگا تھا۔

”کیا کروں میں —— بتائیے آپ، کیا کروں؟“ اس کا انداز بے بسی سے پُر تھا۔ ”جب میر یہاں رہنے سے کچھ بدل ہی نہیں رہا تو پھر میرے یہاں ہونے سے فائدہ؟ ممی! آپ کیوں رو رہی ہی میں آپ کو تو بلیم نہیں کر رہا۔ اور......“ وہ تمام ارادے توڑتا ہوا آگے بڑھا تھا اور فارحہ کی آنکھوں کو ا ہاتھوں سے صاف کرنے لگا تھا۔ اگینے، ماں بیٹے کی محبت کا منظر بہ غور دیکھ رہی تھی۔

”مجھے...... مجھے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تُو؟ اپنی ماں کو؟ —— اتنا بڑا بوجھ ہو گئی ہے آج تیرے لئے ماں کہ اسے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تُو؟“ فارحہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے چوڑے ہاتھ سے ان کی آنکھوں کی نمی کو پونچھا تھا پھر انہیں تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

”میں نہیں جانا چاہتا آپ کو چھوڑ کر۔ بہت مشکل ہے یہ میرے لئے۔ لیکن کیا کروں، آپ بتائیے کیا کروں؟ جب یہاں رہ کر میں صورت حال کو اپنے بس میں ہی نہیں کر پا رہا تو پھر میرے یہا رہنے سے فائدہ؟ جب آپ دونوں کو یونہی ایک دوسرے سے رسہ کشی کرتے رہنا ہے تو پھر کیا فرق ہے کہ میں یہاں رہوں یا کہ نہیں۔“ اس کا لہجہ مدھم تھا اور فارحہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

”مجھے فرق پڑتا ہے اذہان! تیری ماں کو فرق پڑتا ہے۔ تُو کیوں اپنی ماں کو مزید دُکھی کرنا چاہتا ہے اذہان کی سمت بہ غور دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ ”ٹھیک ہے، مان لوں گی میں وہ سب کچھ چپ چا جو سعد حسن بخاری کہتا ہے۔ کوئی مخالفت نہیں کروں گی۔ مگر تم...... تم کہیں نہیں جاؤ گے۔“ آنسو ان آنکھوں سے متواتر بہہ رہے تھے۔ ”سنا تم نے —— تم کہیں نہیں جاؤ گے۔“ ان کے کمزور لہجے میں ایک حکم تھا۔ اور اذہان نے انہیں بانہوں میں سمیٹ کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

”ممی! آپ سب کے بغیر میری زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے —— میں آپ سب کے بغیر نہیں سکتا ہوں۔ میرے لئے یہ سوچ بھی جان لیوا ہے مگر......“ اس نے تھک کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ یہ نہیں کہتا ممی! کہ سرنڈر آپ کریں یا کسی کی غلط بات کو چپ چاپ مانتی چلی جائیں۔ میں یہ سب چاہتا۔ مگر ممی! میں آپ کو اس طرح ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میرے لئے یہ سب تکلیف دہ ہے۔ میں فرار آپ سے نہیں چاہتا۔ فرار میں اس صورت حال سے بھی نہیں چاہتا۔ فرار ہوں تو بس اس شکست و ریخت کے عمل سے، جو میں دیکھ نہیں پا رہا ہوں۔ میں آپ کو اس کیفیت میں

ں! پاپا کو سمجھا نہیں سکتا کہ وہ سب کچھ فراموش کر کے پاتھ بنائیں جو زندگی کی طرف لوٹتا ہو۔ میں ت پر مائل نہیں کر سکتا اور شاید میں انہیں قائل بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ہر بار آپ کو توڑیں گے، ے اور میں کبھی بھی کوئی احتجاج نہیں کر سکوں گا۔ مگر میرے لئے یہ سب کچھ دیکھنا بھی بہت مشکل ں ہر بار آپ کو ڈیفنڈ کرنے کے لئے ان کے سامنے جا کھڑا ہوں گا اور انہیں ہر بار میں خود کا بھی بڑا دشمن لگوں گا۔ وہ غلط ہوتے ہوئے بھی خود کو غلط نہیں سمجھتے۔ انہیں گلہ ہے کہ میں ان کی ر رہا ہوں یا آپ کو ڈیفنڈ کرنے کے لئے ان کے مقابل کھڑا ہو رہا ہوں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش نے کہ میں بھی اگر آپ کو چھوڑ دوں گا تو آپ کتنی تنہا رہ جائیں گی۔ میں دانستہ ان کی مخالفت نہیں کر ان کو جھٹلانا اور رد کرنا میرے بس میں نہیں۔ مجھ سے یہ کبھی نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی میں آپ کو پ کا مقام واپس دلا پاؤں گا۔ یہ فاصلوں کی خلیج بڑھتی چلی جائے گی۔“ اذہان حسن بخاری کا لہجہ زردہ تھا۔

ں! گھر، گھر کے افراد سے بنتا ہے۔ گھر میں بسنے والوں سے بنتا ہے۔ میں نے ہمیشہ ایک بسا ہوا ا ہے۔ وہ سکھ دیکھا جو عظیم تر تھا۔ لیکن اب جب میں اسی بسے ہوئے گھر کو ٹوٹا پھوٹا دیکھتا ہوں تو یہ برداشت نہیں ہوتا۔ اس گھر کی بنیادیں میرے سامنے کھوکھلی ہو رہی ہیں اور میں کچھ کر نہیں پا رہا ور شاید کسی کا بھی نہیں ہے ممی! قصور شاید اس وقت کا ہے جس نے ہم سب کو اس دوراہے پر لا ا ہے، جس پر نہ ہم چل کر آگے بڑھ پا رہے ہیں نہ ہی اس سے پلٹ پا رہے ہیں۔ ممی! ہم میں سے ں جانتا کہ اس سے آگے کا موڑ کیا ہے۔ یا پھر اس سے آگے کی راہ کیا ہو گی۔“ اذہان حسن بخاری دل کے کنارے بہت آہستگی سے بھیگ رہے تھے۔ وہ انتشار کے مرحلے سے چپ چاپ گزر رہا نے کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

حہ بھیگی آنکھوں سے سر اٹھا کر بیٹے کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔

ں تجھے اپنے ساتھ باندھ کر رکھنا نہیں چاہتی اذہان! مگر میں تجھ سے جدا ہو کر بھی نہیں جی سکتی۔ ں نا، کیا کروں، مجبور ہوں دل کے ہاتھوں، اپنی ممتا کے ہاتھوں۔ اس لئے تجھے بھی مجبور کر رہی تُو اس مشکل صورت حال میں بھی میرے ساتھ رہے۔ میرے ساتھ جئے۔ کچھ خودغرضی ہے۔ مگر ہر ماں ہی خودغرض ہوتی ہے۔“ فارحہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولی تھیں اور اذہان حسن بخاری نے ادب ہو کر سر ان کے سامنے جھکا دیا تھا۔

ی! میں آپ سے الگ ہرگز نہیں ہوں۔ یہ جان آپ کی ہے، مانگئے تو وہ بھی دے دوں گا۔“

ایسی باتیں کر کے اپنی ماں کو اور دُکھی مت کر۔ ورنہ بہت پٹائی لگاؤں گی۔“ فارحہ نے ہاتھ اٹھا کر ے دھمکی دی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی سمت دیکھا تھا پھر انہیں اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

* * *

نے سے پہلے کی ایک شام وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ سب کے لئے گفٹس خرید رہی تھی۔ کی اماں کا فون آ گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت خوش دلی سے بات کر رہا تھا۔

''جی مائی اماں! سب ٹھیک ہے یہاں ـــــــ جی، آپ کی بہو بھی۔''

مائی اماں نے غالباً اس کی بابت پوچھا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''جی، آ رہے ہیں ہم کل کی فلائٹ سے۔ لیجئے، اپنی بہو سے بات کیجئے۔'' اس نے سیل فو سمت بڑھا دیا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

''السلام علیکم مائی اماں!''

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟'' مائی اماں محبت سے مخاطب تھیں۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''جی، ٹھیک ہوں ـــــــ آپ کیسی ہیں مائی اماں؟''

''ٹھیک ہوں بیٹا! میں نے سوچا تم دونوں تو مجھے یاد کرو گے نہیں، میں ہی کر لوں۔''

''ارے یہ کیسے سوچ لیا آپ نے؟ ایسا بھلا ہو سکتا ہے؟ ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں؟'' م نے مودب انداز میں کہا تھا۔

''جانتی ہوں جان! میں تو مذاق کر رہی تھی۔ یہ بتاؤ، سبکتگین حیدر لغاری خیال تو رکھ رہا ہے نا

''جی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''بیٹا! وہ بظاہر جو نظر آتا ہے ویسا ہے نہیں۔ دیکھنے میں لگتا ہے وہ سخت گیر ہے۔ جسے شاید د جذبات کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔ وہ شاید دوسروں کے متعلق سوچتا بھی نہیں، مگر ایسا نہیں حیدر ایک دردمند دل رکھتا ہے۔ تکلیف میں تو وہ کسی جانور کے ننھے سے بچے کو بھی نہیں دیکھ صرف مورائیلی کی نہیں ہے بیٹا! وہ واقعی ایک حساس طبیعت کا مالک لڑکا ہے۔ بس کھلنے میں ک ہے اسے سمجھنا کسی قدر دشوار ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ وہ کسی سے خائف ضرور رہ سکتا ہے، لا سکتا ہے مگر کسی کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔'' مائی اماں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق کہہ رہی تھیں سیال بے دھیانی میں اس شخص کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت ب سے دیکھ رہا تھا۔

''میں یہ تو نہیں جانتی بیٹا! کہ تم اسے کس حد تک سمجھ پائی ہو۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ تم ا کر سکو۔ اسے سمجھنا اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ بس اسے دل سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ تم میری بات؟'' مائی اماں نے اس سے دریافت کیا تھا اور اس نے سر بے دھیانی میں اثبات میں

''جی۔''

''بات یہ ہے بیٹا! جب ہم کسی کو کسی حد تک سمجھنے لگتے ہیں تو پھر مشکلات کسی قدر کم ہو بہت سی پریشانیاں ہماری اپنی تیار کردہ بھی ہوتی ہیں۔ اس میں قصور صرف دوسرے کا ہی نہیں اس لئے نہیں کہہ رہی بیٹا! کہ میں تمہاری ساس ہوں اور سبکتگین حیدر لغاری کی ماں۔ ایسا بالکل میں اس سے زیادہ تمہاری خیر خواہ ہوں۔ اس لئے میں چاہتی تھی کہ تم دونوں کے درمیان ایک اسٹینڈنگ ہو جائے۔ تم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔ میرا خیال ہے یہ عرصہ خاصا سودمند ثابت ہوا ہوگا، ہے نا؟'' مائی اماں نے پوچھا تھا اور اس نے سر ایک بار پھر اثبا

''جی۔''

''اچھا، کیا واقعی تم ایک دوسرے کو سمجھنے لگے ہو کسی قدر؟'' مائی اماں کو کسی قدر خوشی ہوئی تھی۔

وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''جی کسی قدر پیش رفت ہوئی تو ہے۔ شاید اسے شناسائی ہونا ہی کہتے ہیں۔''

''شکر ہے خدا کا۔ میں دل سے دعا گو تھی تم دونوں کے لئے۔'' مائی اماں نے باقاعدہ شکر ادا کیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ نئی زندگی کا یہ عرصہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اس میں اس سے بھی زیادہ بات یہ ہے کہ سارا کا سارا کردار ایک عورت یا پھر لڑکی ہی ادا کرتی ہے۔ تم اسے اچھا کہو یا پھر برا مگر نئی ا کے اس باب میں سمجھ بوجھ سے کام ایک لڑکی کو ہی لینا پڑتا ہے۔ تبھی ایک ہنستی بستی زندگی وجود میں آ ہے۔ ایک ہنستا بستا گھر بن سکتا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟''

''جی مائی اماں!'' میرب سیال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''بیٹا! بات نصیحتوں کی نہیں ہے۔ نصیحتیں بڑے بوڑھے بزرگ کرتے ہیں۔ تو مجھے اپنی ساس مت ماں سمجھ اور ماں سے بڑھ کر ایک دوست۔ میں سبکتگین سے زیادہ تجھے اپنی مخلص لگوں گی۔ یہ مت ا کہ میں کہیں کسی مقام پر اپنے بیٹے کی حمایت کروں گی یا خواہ مخواہ اسے فیور کروں گی۔ نہیں، میں اسے ا ہونے کی رعایت بالکل نہیں دوں گی اگر وہ کوئی غلطی اس ضمن میں کرے گا۔ تم اس بات کا یقین کر لو بکتگین حیدر کو بھی سمجھا دو۔ جب سے گیا ہے، کاروبار میں الجھا ہوا ہے۔ ایک بار بھی ڈھنگ سے بات ہوئی۔'' مائی اماں بولی تھیں اور وہ مسکرا دی تھی۔

''آپ ان سے بات کر لیجئے۔''

''اس سے بات تو میں کروں گی ہی مگر پہلے مجھے اتنا کہنے دو کہ اپنا بہت خیال رکھنا اور سبکتگین حیدر کا تمہارے پاپا کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ آپ سبکتگین حیدر سے بات کر لیجئے۔'' وہ فون اسے تھما کر ایک گفٹ شاپ ت بڑھ گئی تھی۔ اور جب وہ ایک کرسٹل ہارٹ ہاتھ میں لئے اسے جانچ رہی تھی تبھی سبکتگین حیدر ا وہاں آ گیا تھا۔ میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے کی بجائے پوری توجہ سے اس کرسٹل ہارٹ کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''بیوٹی فل۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس آئٹم کو بھرپور سراہا تھا۔

میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''اچھا ہے نا؟''

''ہاں، بہت۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر وہ گفٹ آئٹم اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ لن انداز میں اس کرسٹل ہارٹ کو دیکھتے ہوئے اپنی توجہ شاپ کیپر کی سمت مبذول کی تھی اور اسے فوراً کرنے کو کہا تھا۔

میرب سیال اسے سیفی کے لئے لینا چاہتی تھی۔ مگر اب بے بسی سے اسے صرف دیکھ کر رہ گئی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید اس کی مشکل سمجھ گیا تھا۔ تبھی بہت ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس چہرے کو اپنے بھاری مضبوط ہاتھ سے بچوں کی طرح تھپتھپایا تھا۔

“تم کچھ اور لے لو۔ شاباش۔” اور میرب سیال اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ جانے کس کے لئے منتخب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کرسٹل ہارٹ کو۔ اسے قلق اس بات کا نہ تھا کہ اس نے اس کے ہاتھ اسے لے کر اپنے لئے پیک کروالیا تھا۔ بات اس سے بھی کہیں یہ کاٹ رہی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغا نے اسے کس کے لئے بطور خاص منتخب کیا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے گفلنس دیکھ رہی تھی جب سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب کھڑے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

“کیا ہوا؟ ــــ مائی اماں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ تمہارا موڈ بگڑ گیا؟”

وہ ایک لمحے میں چونکی تھی۔

“نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔” اس نے سر نفی میں ہلایا تھا اور سردار سبکتگین لغاری مسکرا دیا تھا۔

“شیور؟” بہ غور اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

“ہوں۔” وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

“مائی اماں کیا کہہ رہی تھیں؟” سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیوں جاننے کا شوق ہوا تھا اور سیال اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

“کچھ خاص نہیں۔ بس رسمی سی باتیں ہو رہی تھیں۔ آپ کو کچھ خاص تجسس نہیں ہو رہا جاننے کا مسکراتی ہوئی پُراعتماد نظروں سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سمت بہ غور دیکھا تھا پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

“ہو سکتا ہے ہم میں بہت پرسنل باتیں ڈسکس ہوئی ہوں۔ جن کے متعلق کسی اور سے شیئر کر ہو۔” میرب سیال نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس کے پُراعتما پر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

“اوہ، رئیلی؟” غالباً وہ محظوظ ہوا تھا۔

“ہاں۔” میرب سیال مسکراتی ہوئی اس کی جانب سے توجہ ہٹا کر گفلنس پیک کروانے لگی تھی۔

“میرب!” ہولے سے پکارا تھا۔

“جی ــــ” وہ پلٹی نہیں تھی۔ اسی طرح کھڑے کھڑے جواب دیا تھا۔ اس کی پشت پر کھڑا حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

“جانتی ہو، ہزبینڈ وائف میں کچھ بھی پرسنل نہیں ہوتا۔” جتایا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

“ہوتا ہے۔” اسے رد کیا تھا۔ انداز کمال کا پُراعتماد تھا۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ وائف میں بھی بہت کچھ پرسنل ہوتا ہے۔ جیسے ابھی آپ نے وہ کرسٹل ہارٹ پیک کروایا تو میں بالکل نہیں پوچھا کہ وہ آپ نے کس کے لئے پیک کروایا ہے۔”

“اوہ ــــ تو یہ بات ہے۔” سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران ہونے سے زیادہ محظوظ ہوا تھا۔ مگر ب سیال مزید کچھ بھی کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔ اور تب اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر ری کو بھی پیش قدمی کرنا پڑی تھی۔

* * *

کتنے دن گزر گئے تھے۔ وہ اس روز کے بعد اس کی طرف نہیں آئی تھی۔ اور اسے بھی مصروفیت اس ری تھی کہ وہ اس سے بات تک نہ کر سکا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے معلوم تھا کہ وہ اس سے ناراض اور وہ جانتا تھا، غلطی بھی اسی کی تھی۔ تبھی شام میں وہ اس کی طرف آ گیا تھا۔ وہ ٹیرس پر تھی۔ اسے تے ہی منہ پھیر کر وہاں سے نکل جانا چاہا تھا مگر ازہان حسن بخاری نے بہت سرعت سے اس کا ہاتھ تھام ھا اور اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ ساہیہ خان کسی قدر ناگواری سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر ہت مؤدب انداز میں سر جھکا گیا تھا۔

“میں جانتا ہوں، غلطی میری تھی۔ سو آئی ایم سوری۔” مدھم لہجے میں کہا تھا اور ساہیہ خان اس کی سمت کر رہ گئی تھی۔

“نہیں، غلطی تمہاری نہیں تھی ازہان حسن بخاری! غلطی میری ہی تھی۔ میں تمہیں اپنا سمجھی تھی۔ تبھی اری دل جوئی کرنے پہنچ گئی تھی۔ مگر مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اسے اپنی زندگی میں مداخلت سمجھو گے۔” یہ خان نے کسی قدر لاتعلق لہجے میں کہا تھا۔ مگر ازہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

“آئی سیڈ آئی ایم سوری، مجھے اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا تب ہی۔”

“لیکن تب تو تم نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔” ساہیہ خان نے اس کی سمت پُرشکوہ نظروں سے دیکھا تھا۔ ن حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

“تب تم نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ یاد ہے، فوراً ہی اٹھی تھیں اور چلی آئی تھیں۔” یاد دلایا تھا۔ مگر ساہیہ اس کی سمت سے رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

“ساہیہ! پلیز ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ می۔” اس کے عین سامنے کھڑے ہوتے ہوئے مدھم لہجے میں ات کی تھی اور ساہیہ خان اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

“ازہان حسن بخاری! میں جانتی تھی تم کس درجہ مشکل میں گھرے ہوئے ہو۔ مجھے تمہاری کیفیت کا زہ تھا تبھی میں نے تمہیں دیگر دوستوں سے ہٹ کر ٹریٹ کیا۔ مجھے معلوم تھا تمہیں دلجوئی کی ضرورت کر میں یہ بھی جانتی تھی تمہیں ہمدردی کا کوئی عام انداز نہیں بھائے گا۔ شاید تم اس ہمدردی کو اچھا خیال کرو گے۔ اس لئے میں نے تم سے ایک مختلف رویہ اپنایا۔ مقصد فقط یہی تھا کہ تم کسی قدر سنبھل جاؤ۔ ں کی حقیقتوں کو فیس کرنا سیکھ جاؤ۔ میں نے ایک عام دوست سے ہٹ کر تمہاری دلجوئی کی۔ مگر تم ــــ ازہان! تم بہت برے ہو۔” وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ زہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

”واقعی بہت برا ہوں۔ مگر کیا کروں؟ ـــــ ایسا ہی ہوں میں۔ کیا تم مجھے اس طرح قبول کر ہو؟“

ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

”اذہان! تمہارا پرابلم پتہ ہے کیا ہے؟ تم اپنے دوستوں کو بہت ہی کیژول لیتے ہو اور ایسا کر ہوئے تم ان کے جذبات کو بھی کسی قدر ہرٹ کر جاتے ہو۔“

”لیکن یہ بات بھی سچ ہے کہ میں اپنے دوستوں کو کھونا قطعاً بھی نہیں چاہتا۔ سو ہاؤ کین آئی لو بیسٹ فرینڈ ناؤ۔“ اذہان حسن بخاری نے اپنا چوڑا ہاتھ اس کی سمت پھیلایا تھا۔ ساہیہ خان نے ا سمت دیکھا تھا پھر اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

”تھینکس۔“ اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان بھی مسکرا دی تھی۔

”میں تم سے ناراض نہیں اذہان! میں ایک دوست کی کیفیت کو سمجھ سکتی ہوں۔ میں جانتی تھی تم ڈپریسڈ تھے۔ اور ایسے میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں بس تمہیں کچھ وقت دینا چاہتی تھی تاکہ تم اس حال کو خود آپ سمجھ سکو اور قبول کر سکو۔“ ساہیہ خان نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری ا سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”ساہیہ خان! تم میری بہت سمجھ دار اور عقل مند دوست ہو۔ تم نے واقعی ٹھیک کہا تھا کہ جب تک اس صورت حال کو قبول نہیں کر لوں میں اس سے نہیں نمٹ سکتا۔ اور اب میں نے صورت حال کو قبو شروع کر دیا ہے۔“

”تبھی اسٹیٹس دوبارہ جانے کا ڈرامہ رچایا؟“ ساہیہ خان نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیک اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

”تو ساری خبریں رکھی جا رہی تھیں ـــــ اتنی فکر تھی تو خود کیوں نہیں آ گئیں؟“

”روکنے؟“ ساہیہ خان نے وضاحت چاہی تھی مگر وہ کچھ بولے بغیر مسکرا دیا تھا۔

”میں جانتی تھی تم نہیں جا سکو گے اذہان!“

”کیوں؟ ـــــ تمہیں یہ یقین کیونکر تھا؟“ اذہان حسن بخاری کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی اور سا مسکرا دی تھی۔

”اذہان حسن بخاری! جو شخص محبتوں میں بندھا ہو، وہ کبھی کہیں نہیں جا سکتا۔ میں جانتی تھی وابستہ رشتوں کی محبت تمہیں کہیں جانے نہیں دے گی۔ بہتر ہو گا تم بھی اس بات کا یقین کر لو فارحہ آنٹی کو پریشان کرنے کا ارادہ نہ کرو۔“

”فارحہ آنٹی کو نہیں مگر ان کی منظور نظر اس بلی جیسی لڑکی کو پریشان کرنے کا ارادہ تو کر سکتا ہو اسے شانوں سے تھامتا ہوا مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

”اذہان! فارحہ آنٹی بہت پریشان ہیں۔ پلیز تم واقعی انہیں آئندہ پریشان مت کرنا۔ بہت ہیں انہیں تم سے۔ بہت چاہتی ہیں وہ تمہیں۔“ ساہیہ خان نے باور کرایا تھا اور اذہان حسن بخا

ولتی اس لڑکی کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

مجھے بے وقوف سمجھتے تھے اذہان؟“ اس کے اس طرح دیکھنے پر وہ مسکرائی تھی۔

ں ـــــ ایسی بات نہیں ہے۔ مگر میں تم سے اس قدر سمجھ داری کی باتیں ایکسپکٹ نہیں کر رہا کرایا تھا۔

کیا سمجھتے تھے، ساہیہ خان کو صرف ہنسی مذاق ہی کرنا آتا ہے؟“

ں، میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ تم ہر رنگ میں کتنی خوب صورت ہو۔“ آنکھوں میں شرارت لئے ا تھا اور ساہیہ خان ہنس دی تھی۔ وہی اپنی فطری ہنسی۔

ز، ہمیشہ میرے ساتھ رہنا، اسی طرح۔“ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں ی تھی اور وہ سر اثبات میں ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

ں، مگر تمہیں ایک پرامس کرنا ہو گا۔“

امس؟“ وہ چونکا تھا۔

ں۔ وہ یہ کہ آئندہ کتنا بھی بڑا کرائسس کیوں نہ زندگی میں آ جائے، تم اسے اتنا ہیوی نہیں لو گے۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر اس صورت حال سے نمٹو گے۔“ ساہیہ خان نے اپنا نازک سا ہاتھ ھایا تھا۔

ں ـــــ آئی ڈو پرامس۔“ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اپنا بھاری ہاتھ اس کے ہاتھ تھا۔

* * *

ان علی خان کو کوشش کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی۔

بے خودی تھی۔ ایک اضطراب تھا جو دل کو چار اطراف سے گھیرے ہوئے تھی اور وہ بے بس تھا۔

ر بے بس۔
انے کب سے
یں کچھ باقی ہیں
پھر بھی تیری یاد
آتی ہے
انے کب سے

ی کچھ نہیں پایا تھا ان آنکھوں میں ایسا کیا جادو تھا؟ ـــــ اس چہرے میں کیسی کشش تھی کہ وہ اس کھ دیکھ ہی نہ پاتا تھا۔ کچھ سوچ ہی نہ پاتا تھا۔ کیا بھید تھا ان آنکھوں میں۔

ہتا بھی تُو مجھ سے
تیرے میں
عادت سی ہے مجھ کو ایسے جینے میں

زندگی سے کوئی شکوہ بھی نہیں ہے
اب تو زندہ ہوں میں اس نیلے آسمان میں

کتنی باتیں تھیں جو ان کہی تھیں۔ کتنی کہانیاں تھیں جو کبھی بیان نہ ہو سکی تھیں، جنہیں کبھی وہ ا کہہ ہی نہ سکا تھا۔ کیسی بے اختیاری تھی اس دل میں اور کیسی بے بسی تھی اس کی۔

چاہت ایسی ہے تیری بڑھتی جائے
آہٹ ایسی ہے یہ تیری مجھ کو ستائے
یادیں گہری ہیں اتنی کہ دل ڈوب جائے
اور آنکھوں میں یہ غم نم بن جائے
اب تو عادت ہے مجھ کو ایسے جینے میں
سبھی لمحے ہیں
سبھی باتیں ہیں
بھلا دو انہیں
مٹا دو انہیں

اچانک اس کے پیچھے آہٹ ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دھیان کیا تھا۔

"عفنان!" ماما کو اسے اس وقت جاگتا دیکھ کر کسی قدر حیرت ہوئی تھی تبھی وہ چلتی ہوئی آگے تھیں۔ "تم سوئے نہیں ابھی تک؟" ماما نے دریافت کیا تھا اور اس نے بنا جواب دیئے نظر تھیں۔ سرخ آنکھوں میں کوئی گہرا اضطراب بول رہا تھا۔ فاطمہ خان نے کسی قدر فکرمندی سے پیشانی پر ہاتھ دھرا تھا۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ماما!" وہ ہولے سے کہہ کر سر جھکا گیا تھا۔ فاطمہ خان نے بیٹے کو بہ غور دیکھا بیٹے کے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے؟ تم پریشان لگ رہے ہو۔ کیا بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو؟ اس روز نے پوچھا تھا مگر تم ٹال گئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو، ماں سے جھوٹ بولنا اس قدر آسان ہے؟ کیا نہیں دیکھ رہی؟"

"کیا؟" وہ مسکرایا تھا مگر انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔ "کیا دیکھ رہی ہے آپ کی نگاہ؟"

فاطمہ خان کچھ نہیں بولیں مگر وہ بیٹے کی جانب بہ غور دیکھ رہی تھیں۔ عفنان علی خان نے ماں دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"ماما! میں نے آپ سے کچھ چھپایا ہے۔"

"کیا؟" فاطمہ خان چونکی تھیں۔

"بہت کچھ ماما!" وہ سر جھکا گیا تھا۔ انداز بے حد بجھا بجھا سا تھا۔ "بہت کچھ۔" وہ ان کی لگا تھا۔ "لیکن اب میں مزید کچھ نہیں چھپاؤں گا ــــــ آپ جانتی ہیں میں کسی جرم کا مرتکب

ی خود کو مجرم سمجھنے لگا ہوں۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود ایک احساسِ جرم ذموں سے ہر گھڑی لپٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ماما! آپ جاننا چاہتی ہیں نا میں کس لئے پریشان رہتا ہ کون سی بے چینی ہے جو مجھے ستاتی رہتی ہے؟"

اضطراب سے بھری آنکھوں کو وہ ماں کی سمت اٹھائے کہہ رہا تھا۔ اور فاطمہ خان ساکت سی بیٹے کو یں۔

مجھے خوابوں سے کبھی کوئی شغف نہیں رہا ماما! ــــــ مجھے کبھی کوئی بے قراری نہیں تھی۔ مگر اس کی ا نے عجب ہلچل مچا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا منظر اسی کے رنگ میں رنگ گیا۔ ماما! اس کی ایک مجھے زندگی کے ہزار ہا رنگ دکھائے، ہزار ہا معنی بتائے۔ وہ باتیں بھی سمجھائیں جو میں اس سے قبل یں سمجھتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو لگا زندگی بس وہ ہے اور باقی سب خواب۔ ماما! اس کی خواب آنکھوں میں عجب ایک بات ہے جو ہوش بھلا دیتی ہے۔ اور .... اور مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ میں ے سامنے ہوتا ہوں تو کچھ اور دیکھ ہی نہیں پاتا، کچھ اور سوچ ہی نہیں پاتا۔ صرف .... صرف اسے ہوں اور اسے سوچتا ہوں۔ عجب بے خود کر دیتی ہے وہ مجھے۔ کچھ ہوش باقی نہیں رہنے دیتی ــــــ ا اس کے سامنے ہار جاتا ہوں۔ عجب ایک پسپائی ہوتی ہے میرے انداز میں اور اسے کچھ خبر نہیں ــــــ اس کی جادوئی آنکھیں میرے اندر کئی خواب جگانے لگتی ہیں اور میں بے بس سا، خالی خالی سے اس کے چہرے کو تکتا رہتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ماما! ــــــ میں اس سے دور بھاگتا ہوں مگر پاؤں بندھ جاتے ہیں۔ میں نہیں دیکھنا چاہتا ان رنگوں سے، خوابوں سے بھری آنکھوں کو مگر ان رنگوں سے عجب ایک انسیت سی ہو چلی ہے کہ کچھ تدبیر کام نہیں آتی۔ اور تب تب مجھ پر کھلتا ہے کہ میں کبھی اس سے دور ہونے کی سعی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آئی لو ہر ــــــ آئی لو ہر ماما! ــــــ میں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ماما! ہر بندھن توڑ دوں گا۔ میں ان زنجیروں میں بندھ کر نہیں رہ سکتا۔" عفنان مان کا انداز شکستہ اور نڈھال تھا اور فاطمہ خان ساکت سی بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

"دم گھٹنے لگا ہے میرا ــــــ اب میں وہ سب کر جاؤں گا جو مجھے اس سے ملا سکے۔ کیونکہ مجھے احساس نے لگا ہے ماما! کہ اس کے بنا کوئی راستہ نہیں۔ نہ جینے کا، نہ ہی ...." وہ یکدم اٹھا تھا اور چلتا ہوا وہاں نکل گیا تھا۔

فاطمہ خان کتنی دیر تک وہاں بیٹھی سرسراتی ہواؤں کے شور کو سنتی رہی تھیں۔

میرب سیال اپنی پیکنگ کر رہی تھی۔ جب سیفی کا فون آ گیا تھا۔

''سیفی تم؟ —— تم اتنے عرصے بعد؟ کہو، کیسے یاد آ گئی میری؟'' وہ حیران ہونے کے ساتھ کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ مگر سیفی ہنس دیا تھا۔

''تمہارے تھانیدار صاحب کا ڈر تھا۔ بس اسی لئے باوجود چاہنے کے بھی کال نہیں کر سکا۔''

''تھانیدار؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب۔'' سیفی نے وضاحت دی تھی اور وہ حیرت سے چونک تھی۔

''انہوں نے اس بابت کچھ کہا تھا تم سے؟''

''ارے نہیں۔ کہا تو کچھ نہیں کبھی۔ مگر موصوف کی دہشت ہی اتنی ہے کہ مجھ جیسا بندہ سہم جائے۔'' وہ بدستور مذاق کے موڈ میں تھا۔

''سیفی!'' اس کے ہنسنے پر میرب سیال نے اسے ڈپٹا تھا۔

''ہیں کہاں اس وقت محترم؟ —— لگتا ہے پہرہ کچھ کم ہوا ہے، جو تم مجھ سے بات کر رہی ہو۔'' دوسری طرف مسکرا رہا تھا۔ ''ویسے خوشی مجھے اس بات کی زیادہ ہے کہ میں تم سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی تھی۔ یعنی سیفی اس سے قبل بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ —— کیا سوچنے لگیں تم؟'' سیفی نے جیسے اسے جھنجھوڑا تھا۔

''نہیں، کچھ نہیں۔ تم بتاؤ، یہاں کا نمبر کہاں سے ملا؟ تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں پاپا کے ساتھ ہوں'' اس نے مسکراتے ہوئے خود کو معمول پر رکھنا چاہا تھا۔

''زوباریہ سے بات ہوئی تھی۔ تبھی خبر ہوئی کہ تم یہاں ہو۔ کیا ہوا؟ —— یہ معجزہ کیسے ہوا؟ صاحب نے اتنی نرمی کیسے کر دی؟'' سیفی ہنس رہا تھا۔

''شٹ اپ سیفی! اب وہ اتنے بھی جلاد نہیں ہیں۔ تم تو خواہ مخواہ۔''

''اوہو —— یعنی اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ تم انہیں ڈی فنڈ بھی کرنے لگی ہو۔'' سیفی مسکرایا میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''سیفی! میرے پاس تمہیں کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ بے جی کے متعلق بتاؤ، کیسی ہیں وہ؟''

''تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ کچھ زیادہ دن نہیں لگا دیئے تم نے؟''

''ہاں۔ مگر اب تمہارے انتظار کی یہ مدت ختم ہو رہی ہے۔ میں واپس آ رہی ہوں۔''

''اوہ، ریئلی؟ لیکن کب؟''

''بہت جلد۔'' میرب سیال کے لبوں پر بہت مطمئن مسکراہٹ تھی۔ ''سیفی! میں جانتی ہوں میں اسٹڈی بہت کچھ مس کر چکی ہوں۔ پلیز، تم میرے لئے نوٹس تیار رکھنا اور مجھے اس میں تمہاری ہیلپ کی بھی ضرورت پڑے گی۔ تم ایسا کرنا......''

''میرب!'' وہ تیزی سے بول رہی تھی جب اپنے پیچھے آہٹ کے ساتھ ایک بھرپور لہجہ سنائی دیا تھا۔ وہ ہی پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب کھڑا اس کی توجہ کا منتظر تھا۔

''سیفی! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا اور سردار گین حیدر لغاری کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''تم مصروف تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف پوری توجہ سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''نہیں۔ آپ کو کوئی کام تھا؟''

''کام؟'' مسکراتے ہوئے بھرپور انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ''کیا تم سے ملاقات کے لئے فقط کام جیسے حوالوں کی ضرورت ہے؟''

''نہیں۔'' میرب سیال نے بنا تعرض سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''تمہارے چہرے پر کسی شے کی کمی ہے میرب!'' لہجہ دھیما تھا۔ میرب سیال بے طرح چونکی تھی۔ بے اختگی میں ہاتھ چہرے کی جانب چلا گیا تھا۔ بہت آہستگی کے ساتھ اس نے اپنے چہرے کو چھوا تھا۔ ظروں میں کسی قدر حیرت تھی۔

''کمی؟ —— کس چیز کی کمی؟'' اس کا لہجہ بھی حیرت سے بھرپور تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا یا تھا۔ بہت آہستگی سے قدم اٹھا کر اپنے درمیان کا فاصلہ سمیٹا تھا اور اس کے قریب آن رکا تھا۔ اسے بہ غور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ میرب سیال اس کے اقدام پر کسی قدر جھجک کر نظریں جھکا گئی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''یور اسمائل —— ہنی! آئی ایم مسنگ یور اسمائل اِن یور فیس۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے وہ بہ غور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی دھڑکنوں میں ارتعاش یکدم ہی برپا ہوا تھا۔ مسکراتی تو وہ کیا، وہ تو نگاہ اٹھا کر اس کی سمت اس لمحے دیکھ بھی نہ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہوں میں اس گھڑی کوئی تپش سی تھی۔

''میں بہت سے رنگ اس چہرے پر بکھرے دیکھنا چاہتا ہوں ہنی! مجھے اچھا لگتا ہے جب تم مسکراتی ہو مجھے وہ سبھی رنگ اچھے لگتے ہیں جو اس لمحے تمہاری ان آنکھوں سے پھوٹتے ہیں۔ مجھے وہ چمک بہت بھلی لگتی ہے جس کے باعث تمہارا چہرہ کچھ اور بھی نکھر سا جاتا ہے۔'' کتنی میٹھی سی، مدھم سرگوشی تھی۔ ''سوآل

ویز اسمائل ہنی!"

"آپ ـــــ آپ شاید کچھ کہنے آئے تھے؟" اس کی گرم گرم سانسوں کی حدت سے گھبراکر سیال نے چہرے کا رخ پھیرا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بہت گہری مسکراہٹ اتری تھی۔

"کوئی ضروری بات؟" کہنے کے ساتھ اسے بہ غور دیکھتے ہوئے اس کے صبیح چہرے پر آئی ہوا زلف پریشان کو بہت آہستگی سے چھوا تھا جو اس گھڑی اس کے چہرے پر آ کر اس کی خوب صورتی کو بڑھا رہی تھی۔

"ضروری بات تو میں اب بھی کر رہا ہوں ہنی! کیا تمہیں لگتا ہے کہ یہ کسی قدر بے معنی اور ہے؟" بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور میرب سیال نے یکدم ہی سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ غالباً میں نے ایسا نہیں کہا۔"

"لیکن تمہاری آنکھیں تو کہہ رہی ہیں ہنی!" وہ بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔

"کبھی کبھی بہت سی باتوں کو سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ شاید آپ بھی سمجھنے میں کوئی غلطی کر ہیں۔" اس نے وضاحت دی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"تمہاری ساری باتوں کے مفہوم میں سمجھ سکتا ہوں۔ وہ بھی جو تم کہتی ہو اور وہ بھی جو تم نہیں کہتی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انداز جتانے والا تھا۔

میرب سیال جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

"مجھے سمجھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔" یکدم مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "فقط کوشش کر رہا ہوں ہنی! کیونکہ کو کامیاب ہو جاتی ہیں۔"

"جانے کے متعلق کنفرم ہے نا۔ آپ کی پیکنگ مکمل ہو گئی؟" میرب سیال نے اس کی توجہ کا رخ موڑا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس اقدام پر مسکرا دیا تھا۔ پھر اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا

"نہیں ـــــ اور یہی بات میں تمہیں بتانے آیا تھا۔ تم بھی ابھی پیکنگ مت کرو۔"

"کیوں؟" میرب سیال چونکی تھی۔

"وہ اس لئے کیونکہ فی الحال ہم نہیں جا رہے۔"

"نہیں جا رہے؟" وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"ہاں ـــــ ارادہ تو مکمل تھا۔ مگر کل اچانک ہی مسٹر چاولہ نے انفارم کیا کہ ایک نئے اسائنمنٹ کے باعث ہم جا نہیں پائیں گے۔ بات اگر معمولی ہوتی تو اسے مسٹر چاولہ بھی ہینڈل کر تھے۔ مگر یہ اسائنمنٹ بہت بڑا ہے، سو میرا یہاں موجود ہونا بے حد ضروری ہے۔ تم اب تسلی کے ساتھ کے ساتھ رہ سکتی ہو اور ان کی دیکھ بھال کر سکتی ہو۔ ویسے مائی اماں کا فون آیا تھا اور ان کی خاص ہدا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں، وہاں اس نئے گھر میں جو میں نے بطور خاص تمہارے لئے لیا؟

یا اب تک نہیں کروں گا جب تک تم یہ خواہش خود ظاہر نہیں کرو گی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس ہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔

"مجھے اچھا لگتا ہے میرب سیال! تمہارے لئے دیوانہ بننا۔ تمہارے لئے دیوانگی ظاہر کرنا۔ مگر ہنی! ہی چمک تمہاری آنکھوں میں بھی دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ تمہیں جتانا نہیں چاہتا ہنی! مگر زندگی کچھ ہ دو پر چلتی ہے۔ اگر میں کچھ کیئر دیتا ہوں تو کچھ کیئر جواباً وانٹ بھی کرتا ہوں۔ اور میرا نہیں خیال کہ ی طرف سے کچھ ایسا ایکسپکٹ کرنا کچھ عجب ہے یا غلط۔" مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ بھرپور توجہ سے۔

"کیا ایسا سوچ کر میں کچھ غلطی کر رہا ہوں ہنی؟" تخاطب دلفریب تھا۔ اور میرب سیال کی دنیا میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔

"نہیں۔" بہت آہستگی سے اس نے سر جھکا کر جواب دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"یہ چھوٹی سی بات تم میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بھی تو کہہ سکتی ہو نا ہنی؟"

میرب سیال نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں کسی قدر شرارت تھی۔ مگر میرب سیال اس لمحے نہیں کہہ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لمحے اس کی سمت دیکھا تھا۔ شاید اسے اس پر کسی قدر ل آ گیا تھا تبھی وہ لب بھینچ کر مسکرا دیا تھا۔

"او کے ـــــ تم اپنا پیک کیا ہوا سامان کھول دو اور ریلیکس کرو۔ میں پھر چکر لگاؤں گا۔" وہ جانے ارادہ کر کے پلٹا تھا۔

"سنیں۔" میرب سیال نے یکدم جانے کیوں پیچھے سے پکارا تھا۔

"ہوں؟" وہ پلٹ کر دوسرے ہی پل اس کی طرف پوری توجہ سے دیکھنے لگا تھا۔

"چائے .... چائے پی کر جائیے گا۔" میرب سیال نے کہا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی ست دیکھتا ہوا بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے لہجے اور باتوں کی شیرینی کافی ہے۔" وہ بولا تھا اور پھر پلٹ کر فوراً ہی چلتا ہوا وہاں سے ل گیا تھا۔ میرب سیال ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

❄❄❄

زندگی میں کبھی کبھی سمجھوتے بہت ناگزیر ہو جایا کرتے ہیں۔ خواہ یہ کتنے بھی مشکل کیوں نہ ہوں۔

فارحہ چائے کا کپ ہاتھ میں لئے بہت خاموشی سے شوہر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"فارحہ! زندگی میں جو بات تلخی دے اسے کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ تمہارے اور میرے رشتے کو ے گھر میں، بچوں میں جو ٹینشن ہے اس کا اندازہ مجھے ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا ہے جس کے باعث کھنچاؤ کری ایٹ ہو ہی جاتا ہے۔" سعد حسن بخاری کا انداز وضاحت دینے والا تھا اور فارحہ کے پاس جیسے بولنے کو کچھ نہ تھا۔

"فارحہ! مجھے تمہارا، بچوں کا، اس گھر کا خیال ہے۔ تم اور بچے اب بھی میرے لئے پہلی ترجیح ہو۔ تم یہ

کیسے سمجھ سکتی ہو کہ میں ان کے ساتھ کسی طرح کی کوئی ناانصافی کر سکتا ہوں۔ عریبہ تھرٹی پرسنٹ چاہتی مگر اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ میں اپنے شیئرز کے تھرٹی پرسنٹ دے بھی دوں۔ مجھے یہ بات معلو کہ میرا ایک بیٹا ہے، بیٹی ہے۔ ان کا حصہ، ان کے حصے کی ذمہ داری میں کیسے بانٹ سکتا ہوں؟ تم مجھے غلط سمجھتی ہو۔ ہمیشہ الزام دیتی ہو۔“

فارحہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

”میں نے کبھی کسی طرح کا کوئی الزام نہیں دیا آپ کو۔ میں نے صرف آپ سے یہی کہا تھا ک اپنے بچوں کے سلسلے میں کوئی ناانصافی برداشت نہیں کروں گی۔ مگر خیر، اب میں ان باتوں کو بھی دہرانا چاہتی۔ آپ کو جو کرنا ہے کیجئے۔“ فارحہ کا لہجہ لاتعلق تھا اور سعد بخاری اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

”تمہارا پرابلم یہ ہے کیا ہے فارحہ! تم صورت حال اور حالات کو اپنے بس میں جب ہوتا نہیں پا تو بچوں کی طرح ہار مان کر سر پٹخنے لگتی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو، تم اگر حقیقت نہیں مانو گی تو کیا سب کچھ جائے گا؟ ایک صرف تمہارے نہ ماننے سے ہر بات کا مفہوم تبدیل ہو جائے گا؟ ——— یقیناً ایسا نہیں فارحہ! اب تمہیں بھی یہ بات خود کو باور کرا دینی چاہئے۔“

فارحہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔ عجب ایک طنز تھا اس انداز میں۔

”میں خود کو یہ بات بہت پہلے باور کرا چکی ہوں۔“

سعد بخاری نے خاموشی سے ان کی سمت دیکھا تھا۔

”مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ بچوں سے متعلق۔“ بہت مدھم لہجے میں مدعا بیان کیا تھ فارحہ بہت چونک کر سعد بخاری کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔

”کیسی بات؟“ انداز حیرت سے پُر تھا اور سعد حسن بخاری انہیں دیکھنے لگے تھے۔

”بچوں کے مستقبل سے متعلق۔“

اور فارحہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

* * *

”کیا ہوا؟ ——— یہ منہ پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟ صبح گھڑی نہیں ملائی تھی کیا؟“ اوزی اُسے کا کپ تھماتے ہوئے مسکرایا تھا اور انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

”بعض چہرے ہوتے ہی ایسے ہیں، کچھ بھی کر لو، فرق نہیں پڑتا۔“

”یعنی تمہارا چہرہ واقعی اس خراب گھڑی جیسا ہے جو بارہ سے آگے کبھی نہیں بڑھتی؟“ اوزی مسکرایا انابیہ شاہ لب بھینچ کر مسکرا دی تھی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! زندگی کیا ہے؟“

”کچھ بھی ہو، مگر صبح کا اخبار تو ہرگز نہیں ہے۔“ اوزی شانے اچکاتا ہوا مسکرایا تھا۔

”صبح کا اخبار؟“ وہ کسی قدر حیران ہوتے ہوئے مسکرائی تھی۔

”آف کورس یار! زندگی صبح کا اخبار ہرگز نہیں ہے کہ اس میں روز ایک طرح کی خبریں شائع ہو ہیں لگتا، ہمیں روز ایک نئے احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک نئی امنگ، ایک نئی ترنگ کی۔ اگر طرح روز ایک طرح کی خبریں اور ایک طرح کے واقعات زندگی میں واقع ہونے لگیں تو پھر زندگی ار میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہے نا۔“ اوزی وضاحت دیتا ہوا مسکرایا تھا۔

ہاں، شاید۔“ انابیہ شاہ کافی کا سپ لیتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

کیا پروگرام ہے؟“ اوزی نے دریافت کیا تھا۔

کس سے متعلق؟“ انابیہ شاہ چونکی تھی۔

عفنان انوی ٹیشن دے کر گیا تھا نا۔ بھول گئیں تم؟“ اوزی نے یاد دلایا تھا اور انابیہ شاہ لب بھینچ کر ے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”کیا کرنا ہے؟“ اوزی نے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت لی سے بولی تھی۔

”ابھی کچھ طے نہیں ہے۔ جب ہو گا تو بتا دوں گی۔“ آواز مدھم تھی۔

”انابیہ!“ اوزی نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

”ہاں۔“ وہ اس کی سمت دیکھے بغیر بولی تھی۔

”تمہیں نہیں لگتا تم بہت زیادہ زندگی سے بھاگتی ہو؟“

”ہاں، شاید۔“ وہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔

”شاید نہیں، یقیناً۔ تم واقعی زندگی سے فرار چاہتی ہو لیکن تمہیں نہیں لگتا ایسا کر کے تم کچھ غلط کر رہی ؟“

”غلط یا صحیح، اس سے کیا فرق پڑتا ہے اوزی!“ وہ بجھے بجھے سے انداز میں بنا اس کی سمت دیکھے بولی۔

”رق...... فرق پڑتا ہے انابیہ! تمہیں نہیں لیکن آنٹی کو، نانا جی کو اور مجھے انابیہ! میں اس طرح اپنی ت کو ضائع ہوتے ہوئے نہیں ....“

”تم بھی تو اوزی! ——— تم بھی تو ضائع ہو رہے ہو ——— خود کو ضائع کر رہے ہو۔“ انابیہ شاہ نے اکی بات کاٹ دی تھی اور اوزی اس کی سمت دیکھتا ہوا بولا تھا۔

”ہاں ——— یہ تو ہے۔ مگر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن سنو، تمہیں میری فکر کرنے کی اس قدر ضرورت نہیں ے۔ تم ہم لڑکوں کو نہیں جانتی ہو۔ ہم بہت گھنے ہوتے ہیں۔ کچھ بھی ہو جائے، ہماری فطرت نہیں بدل تی۔ ہم انجوائے منٹ کے بہانے کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ کیا کریں، اس کے مہارا گزارہ نہیں ہوتا نا۔“ انابیہ شاہ ہنس دی تھی۔

”تم دنیا کے پہلے مرد ہو جو مردوں کے خلاف اتنی کثرت سے بولتے ہو۔ ورنہ تو مرد اکثر اپنے متعلق یال آرائیوں کو جھٹلاتے ہی نظر آتے ہیں۔“ انابیہ شاہ نے کہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

”انابیہ شاہ! حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ اس کے باوجود کہ حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے۔“ اگرچہ اوزی کا انداز جتانے والا نہیں تھا مگر اس گھڑی انابیہ شاہ لب بھینچ کر یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”رات بہت ہوگئی ہے ـــــ ہمیں اب سو جانا چاہئے۔ گڈ نائٹ۔“ کہنے کے ساتھ ہی پلٹی تھی چلتی ہوئی زینے کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ اوزی نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر چلتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

* * *

”تم بزنس کرو گی؟“ اذہان حسن بخاری کی حیرت اس کے لہجے میں ہی نہیں اس کی آنکھوں اور چہرے سے بھی صاف عیاں تھی۔ اور حیرت سے زیادہ غالباً وہ محظوظ ہوا تھا۔ کیونکہ لبوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔ ساہیہ نے اسے کسی قدر ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا۔

”اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟ ـــــ کیا لڑکیاں بزنس نہیں کر سکتیں یا نہیں کر رہیں؟ مسٹر اذہان حسن بخاری! آپ کی عقل یقیناً بہت ناقص ہے۔ یا پھر آپ ان مردوں میں سے ہیں جو عورتوں کو اب بھی سترہویں یا پھر اٹھارہویں صدی میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ آج کی لڑکی سب کچھ کر سکتی ہے۔“ وہ خفا خفا سے لہجے میں بولی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔ جیسے اسے چڑا کر وہ بہت زیادہ محظوظ ہوا تھا۔

”تم مانو یا نہ مانو۔ میں اب بھی لڑکیوں کے گھر میں بیٹھ کر کام کاج کرنے کے حق میں ہوں۔ کپڑے دھونا، ڈش واشنگ کرنا، ککنگ کرنا، ان سب کاموں سے فارغ ہو کر کسی فردِ خاص کے لئے سجنا سنورنا اور بیٹھ کر بے تابی سے کسی آنے والے کا انتظار کرنا۔ اور پھر جب وہ آ جائے تو مسکرا کر اسے وش کرنا اور اس کے لئے کھانا گرم کر کے نکالنا۔“ وہ طویل فہرست گنوانے کے موڈ میں تھا۔ مگر ساہیہ خان نے تبھی اسے ٹوک دیا تھا۔

”شٹ اپ اذہان! مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی۔“ وہ غصے سے بولی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔ ساہیہ خان منہ پھلا کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

”کیا ہوا؟ ـــــ اچھا، دکھاؤ مجھے یہ فائل، کیا پروجیکٹ تیار کیا ہے تم نے۔“ فائل لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا مگر ساہیہ خان نے جھٹک دیا تھا۔

”رہنے دو ـــــ میں کر لوں گی۔ نہیں ضرورت ہے مجھے تمہاری اور تمہاری مدد کی۔“

”ساہیہ! جسٹ کڈنگ یار! میں جانتا ہوں تم میں کتنا پوٹنشل ہے کام کرنے کا۔ ویسے یہ فوڈ چین کا آئیڈیا تمہیں ملا کہاں سے؟“

”آئیڈیا نہیں ملا، میں اس سے قبل کام کر چکی ہوں کینیڈا میں۔ اور میں جانتی ہوں ہاؤ ٹو ورک۔“ ساہیہ خان نے باور کرایا تھا اور اذہان حسن بخاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔

”مگر اس سے پہلے تم نے کبھی نہیں بتایا تھا اس سے متعلق۔“

”تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔ یا پھر جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ تم شاید مجھے ایک بے وقوف لڑکی سمجھ رہے تھے۔“ ساہیہ خان مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

”اب اگر سمجھ رہا تھا تو کیا عجب تھا۔ نائنٹی نائن پرسنٹ لڑکیاں ایسی ہی تو ہوتی ہیں۔“ وہ مکمل طو

موڈ میں تھا۔ ساہیہ نے اسے دیکھا تھا، پھر فائل اور پرس سمیٹ کر اٹھنے والی تھی تبھی اذہان حسن نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان نے کسی قدر خفگی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

ھ چھوڑو میرا۔“

فا ہو کر جا رہی ہو؟“ اذہان حسن بخاری نے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

یں۔ مگر میں اس سلسلے میں انکل سے بات کر لوں گی۔“ وہ بولی تھی اور اذہان حسن بخاری کے لبوں ہٹ یکدم جو غائب ہوئی تھی سو ہوئی تھی، ساہیہ خان کے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کی گرفت بھی یکدم ہوئی تھی اور دوسرے ہی لمحے اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ کی گرفت سے آزاد تھا۔

ہیہ خان نے اس کے چہرے کی یکدم بدلتی کیفیت کو دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی سامنے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا جو مت سے دھیان پھیرے بیٹھا اس لمحے بہت اجنبی نظر آیا تھا۔

اذہان!“ بہت آہستگی سے اسے پکارا تھا۔ ”دیکھو، اگر تم میری طرف دیکھو گے نہیں، بات نہیں کرو ہاں میرے رکنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔“ مسکراتے ہوئے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ ں مسکرایا تھا۔

اذہان!“ ساہیہ خان نے اسے تنبیہہ کرنے والے انداز میں دیکھا تھا۔ مگر اذہان نے اس کی سمت یکھا تھا۔

اذہان! اٹس ناٹ اے گڈ سائن۔ تم اپنے پاپا سے اس قدر نفرت کرتے ہو کہ ان کا نام آتے ہی موڈ یکسر تبدیل ہو گیا۔“ ساہیہ خان کے لہجے میں حیرت تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری کی توجہ اس کی ئیں تھی۔

اذہان! نے کہا تھا تم بدل رہے ہو، حقیقت کو تسلیم کر رہے ہو۔ کیا یہ سب اس کا ثبوت ہے؟ ! ایسا کب تک رہے گا؟ کیا واقعی تم انکل سے اتنی نفرت کرتے ہو کہ ان کا نام بھی نہیں سن سکتے؟“

نہیں۔“ اذہان حسن بخاری نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ خود ول پر ظاہر کرنے کو اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”اذہان! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔“ کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی نا نے اس کے ہاتھ سے فائل لی تھی اور بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

”یہ پروجیکٹ تم اسٹارٹ کہاں سے کرنا چاہتی ہو؟ کچھ پلان کیا ہے تم نے؟ پھر بجٹ، ریسٹورنٹس کے لوکیشنز ـــــ میرا خیال ہے تمہیں اس پر اچھا خاصا ہوم ورک کرنا ہوگا۔ اچھا ہوگا تم ایک بار پاپا کی ے بھی لے لو۔ اِن فیکٹ ان کا ایکسپیرینس مجھ سے بہت زیادہ ہے اور وہ تمہیں مجھ سے زیادہ اچھی ے یا مشورہ بھی دے سکیں گے۔“ اس کی سمت سنجیدگی سے دیکھتا ہوا وہ بول رہا تھا اور ساہیہ خان اسے ر رہ گئی تھی۔

”اذہان حسن بخاری! بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے ہو۔ پلیز، یہ دکھاوے کا خول مت چڑھاؤ اپنے

چہرے پر۔"

اذہان حسن بخاری نے اس رائے کو سنتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ خان! کبھی کبھی کسی کی کسی کے ساتھ اس حد تک انڈر اسٹینڈنگ ہونا بھی اچھا نہیں لگتا۔ تم اس گھڑی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی ہو۔ کیونکہ تم میرے سامنے بیٹھی مجھے بہ غور دیکھ رہی ہو اور سط پڑھ رہی ہو۔ مجھے تمہارا یہ اپنے اندر اس طرح جھانکنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔" اذہان حسن بخار لہجہ مدھم اور انداز جتانے والا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

"کیا اب تم مجھ سے بھی فرار چاہتے ہو؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کی سمت بہ غور دیکھا تھا، پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ مگر مجھے یہ سب اچھا بھی نہیں لگ رہا۔" بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"کیا اچھا نہیں لگ رہا؟ اذہان! میں تو ہمدرد ہوں تمہاری۔ ایک سنسیئر فرینڈ۔ پھر تمہیں میرے سا یوں منتشر ہونا اور بکھرنا برا کیوں لگ رہا ہے؟ میں جانتی ہوں بعض لمحوں میں ہم اس قدر شکستہ ہوتے ہیں خود سے بھی چھپنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کوئی سد باب نہیں ہے۔ سد باب یہ ہے ک حوصلہ مندی سے اور بہادری سے ان حالات کا سامنا کریں۔ مجھے بھی اچھا نہیں لگ رہا کہ میرا بہتر دوست میرے سامنے اس قدر شکستہ ہو رہا ہے۔ تم پلیز کسی قدر سنبھالو، بدلو خود کو۔ کیونکہ یہ سب ٹھیک نہ ہے۔" ساہیہ خان نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا تھا اور اذہان حسن بخاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے د سے مسکرا دیا تھا۔

"چلو اٹھو اب فوراً۔" دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے حکم دیا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" اذہان حسن بخاری حیران ہوا تھا۔

"لنچ کے لئے۔" ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ "وقت ہے نا؟" کسی قدر تشویش سے اس کی سمت د تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"ہوں۔"

❄❄❄

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک بات برملا کہہ لینے سے بہت سکون ملتا ہے اور کوئی فیصلہ لے ا کسی نتیجے پر پہنچ کر اس سے زیادہ۔

عفنان علی خان کو بھی اپنے اندر ایک اطمینان سا محسوس ہو رہا تھا۔ ماں کو اپنی رائے سے آگاہ کر کے بعد اسے کسی قدر سکون ملا تھا۔ اب تک وہ فقط خود اس آگ کی لپیٹ میں تھا اور کوئی راہ دکھائی نہ دے رہی تھی۔ مگر اب یہ ہوا تھا کہ اپنی رائے دینے کے بعد اسے اس قدر یقین تھا کہ ماما اس کی رائ قطعاً رد نہیں کریں گی۔ وہ اس کو پا سکتا تھا یا کہ نہیں، یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ فی الحال یہ تسکین کافی تھی وہ ایک دوغلی زندگی سے باہر آ رہا تھا۔ منافقت سے باہر نکل رہا تھا اور یہ بات کسی قدر اطمینان بخش تھی۔ صبح وہ معمول کے مطابق آفس کی طرف جا رہا تھا جب سڑک کے کنارے انابیہ شاہ اسے کھڑی نظر آ

فنان علی خان نے گاڑی روک دی تھی۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت کسی قدر چونکتے ہوئے حیرت ا تھا مگر اس نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھول دیا تھا۔ اور تب جیسے ے کے لئے گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

وزی سے کہا ہوتا، تمہیں ڈراپ کر دیتا۔" عفنان علی خان اس کا خیال کر کے بولا تھا۔

ہ سو رہا تھا۔ اور میں نے اس کی نیند ڈسٹرب کرنا ضروری خیال نہیں کیا۔ ایکچوئیلی میں ماما کے ساتھ ہیں ضروری کام سے جانا تھا۔ سو میں نے انہیں یہیں تک ڈراپ کرنے کا کہہ دیا۔ میری گاڑی میں ہے۔ اینی ویز، مجھے ان چھوٹی چھوٹی پرابلمز کو لے کر اتنی پریشانی نہیں ہوتی۔" وہ بولی تھی اور لی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

آپ غالباً واحد لڑکی ہیں جو پرابلمز کو لے کر کسی قدر پریشان نہیں ہوتیں۔ ورنہ تو لوگ خاصا گھبرا ہیں۔ اِن فیکٹ، ان کے ہاتھ پاؤں کے طوطے اُڑ جاتے ہیں پریشانی کو دیکھ کر۔"

ابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

کیا ان میں آپ بھی شامل ہیں؟" اس کی آنکھوں میں کوئی گہری شرارت تھی اور عفنان علی خان مسکرا

نہیں۔" بہ غور اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ "غالباً میں بھی اس معاملے میں کچھ کچھ تمہارے جیسا ہوں۔ ا پرابلمز سے نمٹنا آتا ہے۔"

یرا نہیں خیال کہ یہ کوئی اتنی بڑی کوالٹی ہے۔" انابیہ شاہ نے شانے کسی قدر بے نیازی سے اچکاتے کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں سے ذات میں اتنی خوب صورتی گھر کر جاتی ہے کہ بڑی بڑی کو ڈھونڈنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔" انداز جتانے والا تھا۔ انابیہ شاہ جو مسکرا رہی تھی، اس کی سمت نگاہ دیکھ کر لب بھینچتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" چہرے کا رخ پھیرے پھیرے بولی تھی۔ انداز کسی قدر لاتعلقی لئے ہوئے ر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا انابیہ شاہ! اتنی عجلت میں رہنا ٹھیک نہیں۔ زندگی بہت دھیان اور سمجھ بوجھ سے دیکھنے نے والی چیز ہے۔"

انابیہ شاہ نے چہرے کا رخ پھیر کر عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے دیکھنے کا انداز بتا رہا ہے انابیہ شاہ! کہ تم مجھ سے اتفاق رائے نہیں رکھتی ہو۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے عفنان علی خان! کہ میں تم سے اتفاق رکھتی ہوں یا کہ نہیں۔ یہ مسئلہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے متعلق سوچ کر الجھا جائے۔ دنیا میں بہت سے لوگوں کا پوائنٹ آف ویو اکثر ایک سے مختلف ہی ہوتا ہے۔" انابیہ شاہ نے سرسری سے انداز میں باور کرایا تھا۔

"ہاں ـــــ مگر اس کے باوجود ایسے بہت سے لوگ ایک ساتھ چلتے ہیں۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔

ساتھ رہنے کے لئے پوائنٹ آف ویو یا سوچوں کا ملنا ضروری نہیں، دلوں کا ملنا ضروری ہے۔'' اندا کرانے والا تھا۔ مگر وہ ست رنگی آنکھیں کسی قدر لاتعلقی کا اظہار کرتی ہوئی اس پر سے ہٹ گئی تھیں۔

انابیہ شاہ لاتعلق بنی ہی بیٹھی رہی تھی۔ توجہ کی کوئی نگاہ اس سمت نہیں کی تھی۔

''انابیہ! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کچھ۔'' مدھم لہجے میں اظہارِ مدعا ہوا تھا۔ مگر انابیہ شاہ نے ا سمت نہیں دیکھا تھا۔ نہ اس بابت کچھ دریافت کیا تھا۔ عفنان علی خان نے ایک نگاہ اس کے چہرے تھی، پھر مسکرادیا تھا۔

''چلو رہنے دو۔ بات کچھ وقت چاہتی ہے اور یہ سارے لمحے بہت عجلت بھرے ہیں۔ پھر ملیں کسی فرصت کے لمحے میں بات کریں گے۔ اس وقت تو لمحے بھی بھاگتے دوڑتے سے ہیں اور تمہیں بھ جلدی ہے۔'' عفنان علی خان نے گاڑی اس کے کیمپس کے سامنے روک دی تھی۔ انابیہ شاہ نے اسے دیکھا تھا۔

''تھینکس۔''

''فور واٹ؟'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا پھر فوراً ہی پلٹ چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا د

کہوں گا تم سے وہ حرف سارے
جو روز خوابوں کی سرزمیں پر
میں چپکے چپکے سے چن رہا ہوں
جو کہہ رہا ہے یہ دل میرا
وہ ساری باتیں بھی سن رہا ہوں
سنبھال رکھے ہیں خواب سارے
جو تم نے میری پلکوں پر بو دیئے تھے
بے دھیانی میں بے خیالی میں
عجب کچھ حرف تم نے جو کہہ دیئے تھے
سنبھال رکھے ہیں میں نے جب تک
سوچتا ہوں
فرصت کے کسی لمحے میں
تم سے ملوں گا تو کیا کہوں گا

عفنان علی خان کے چہرے پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ اتری تھی اور وہ ایک تصور کو دیکھ کر گیا تھا۔

* * *

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس اچانک فیصلے نے اسے زیادہ پریشان نہیں کیا تھا۔ شاید اس

اپنوں کے ساتھ تھی۔ ان کے بہت قریب تھی۔ اس کی پوری فیملی یہاں تھی اور پھر اس کے بعد کسی اور ضرورت کیا باقی رہ جاتی تھی؟ ہاں، یہ تھا کہ اس کی اسٹڈی کا کچھ حرج ہو رہا تھا۔ مگر وہاں جا کر پھر کنٹی نیو کر سکتی تھی۔ فی الحال اس فیصلے سے اسے یوں بھی تقویت ملی تھی کہ پاپا کے پاس رہنا وہ بھی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود اسے وقت دینا نہیں بھولتا تھا اور اس توجہ التفات پر میرب سیال کی سمجھ میں بالکل نہیں آتا تھا کہ وہ کیسے ری ایکٹ کرے۔ وہ ایسے لوگوں نہیں تھی جو کسی کی خطاؤں کو معاف نہیں کر سکتے اور تاعمر یاد رکھتے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں تھا کہ وہ سبکتگین حیدر لغاری کی خطاؤں کو اب تک یاد رکھے ہوئے تھی یا اسے معاف نہیں کر سکتی تھی۔ مگر یہ بھی وہ کسی قدر ایپری ہینسو ضرور تھی۔ وہ اس کے موڈ کو، اس کے مزاج کے تیوروں کو اب تک سمجھ نہیں پائی عجب پارہ صفت مزاج رکھتا تھا وہ۔ وہ ایک رنگ کو دیکھتی تھی اور اس کا تاثر قائم بھی نہیں ہو پاتا تھا کہ رنگ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والا ہوتا تھا اور وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھتی رہ جاتی تھی۔ اور اب وہ واقعی حیران تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری کا التفات مکمل طور پر اس کی سمت تھا۔

بان تھا مگر وہ جواباً اسے وہ سب کچھ لوٹا نہیں پا رہی تھی جس کی خواہش وہ کر رہا تھا۔

ی تھی ارینج میرجز میں سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں مگر جس صورت حال کا سامنا اسے تھا، اس کے ائی قیاس تا حال کر نہیں پا رہی تھی۔

وہ واقعی بدل گیا تھا؟

اقعی اس کے لئے سنسیئر تھا؟

نام وہ اس سے ملنے آیا تھا تو وہ کتنی ہی دیر خاموشی کے ساتھ اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ شاید وہ ہرے، اس کی آنکھوں میں اس کی اندر کی کوئی کیفیت تلاشنا چاہ رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر اس کے قریب آ کر رکتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں اسے قریب کیا تھا اور ایک لمس خاص سونپتے ہوئے بہ غور اس کی طرف دیکھا تھا۔

چہرہ، یہ آنکھیں دیکھنے سے کیا ہوگا سویٹ! بعض اوقات یہ سب بہت سرسری اور رسمی سا ہوا کرتا اگر کچھ پڑھنا ہے تو اس دل کو پڑھو۔ شاید تمہیں وہ بھید مل جائے جس کی کھوج تمہاری آنکھوں مدھم لہجے میں ایک اسم خاص اسے بتایا تھا اور میرب سیال اس لمحے جانے کیوں چہرے کا رخ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو ہاتھ بڑھا کر اپنی سمت کیا تھا اور بھرپور توجہ سے لگا تھا۔

چیزوں پر استحقاق جتایا جاتا ہے۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں؟'' ان آنکھوں میں اپنائیت تھی اور یک دوستانہ مسکراہٹ۔ میرب سیال نے آنکھیں اٹھا کر ان اپنائیت کا احساس دیتی دو آنکھوں کو

”دیکھو ہنی! ——— بغور دیکھو ——— پرکھو، سب اجازت ہے تمہیں۔“ مدھم سرگوشی میں کو بات ضرور تھی۔ میرب سیال کی پلکیں اس لمحے خود بہ خود جھکتی چلی گئی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغار لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

”اتنی جلدی ہمت ہار جاؤ گی ہنی! تو تمہیں اس بھید سے شناسائی کیسے ملے گی، جس کی تلاش ہے؟ اس طرح تو تم کچھ بھی جان نہیں پاؤ گی کبھی۔“ انداز کسی قدر محظوظ ہونے والا تھا اور میرب چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اندر ایک شور سا برپا تھا اور آوازیں صاف سماعتوں تک آ رہی تھیں۔ ایسے کیا کہتی، سنتی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی مشکلات میں یقیناً اضافہ کر رہا تھا۔ وہ جس قدر سلجھا تھی اسی قدر الجھ جاتی تھی۔

”ہنی! سوچ سوچ کر اتنا مت الجھو کہ میں بے اختیار تمہیں سلجھانے کی کوئی تدبیر کرنے کی کو بیٹھوں۔“ وہ خود سے اُلجھ رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز اس کی سماعتوں تھی۔ وہ نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر انداز بے حد ہونق تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”ٹیل می یور پرابلم ہنی؟“

”پرابلم؟“ وہ چونکی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلایا تھا۔ ”نہیں ——— کوئی پرابلم نہیں ہے۔“ اس نے با تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے کسی قدر تشویش سے دیکھنے لگا تھا۔

”اگر کوئی پرابلم نہیں تو پھر یہ آنکھیں اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ ——— یہ اس چہرے پر حیرتوں کا پہرہ کس لئے ہے؟“

میرب سیال کچھ بولے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”کوئی تشویش ہے تو اسے لبوں سے بیان کرو ہنی! چپ رہنے سے تو اُلجھنیں اور بھی بڑھ جا باہمی مشاورت سے بڑے مسائل سلجھ سکتے ہیں۔ دلوں کی الجھنوں کو سلجھانے کا یہ سب سے بہتر ہے۔ یقین نہ ہو تو آزما دیکھو۔“

”نہیں ——— ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں پریشان نہیں ہوں۔ نہ ہی ایسی کوئی الجھن مجھے ہوئے ہے۔“ میرب سیال نے وضاحت دے کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

”اگر کوئی الجھن نہیں تو پھر اس خاموشی کا سبب کیا ہے؟ کچھ چاہیئے؟ کسی شے کی ضرورت بتاؤ، کیا چاہیئے؟“ وہ آسمان و زمین اس کے قدموں میں دھرنے کو تیار تھا۔ انداز ایسا تھا کہ میر کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی تھی۔

”مجھے بتاؤ، تمہیں کیا چاہیئے؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔

”کچھ نہیں چاہیئے مجھے۔“ میرب سیال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

”کچھ نہیں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں بہ غور دیکھا تھا۔

”نہیں۔“ میرب سیال کی پلکیں اس لہجے پر جو لرزیدہ جھکی تھیں وہیں چہرے کی مسکراہٹ بھی

ار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو شہادت کی انگلی سے قدرے اوپر اٹھاتے ہوئے بہ غور اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

یا میرا یقین بھی نہیں؟“

ب سیال بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا جملہ ہرایا تھا۔

یا میرا یقین بھی نہیں ہنی؟ ——— میرا اعتبار بھی نہیں؟ ——— کیا میرا پیار بھی نہیں؟“ مدھم سرگوشی مدت تھی اور انداز میں کس قدر شدت۔ میرب سیال کے حواس خطا ہونے لگے تھے۔ اس نے خود ور پر بے بس محسوس کیا تھا۔

لو میرب سیال! کیا میرا پیار بھی نہیں؟“ اس کے جھکے ہوئے سر کو اٹھا کر مسکراتے ہوئے بھرپور توجہ کے چہرے کو دیکھا تھا۔ میرب سیال نے اس کی پُرتپش نظروں میں دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے ، میں ہلا دیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

ھی کبھی لفظ بہت ضروری ہو جایا کرتے ہیں میرب! تم ایسا کرو مجھے سوچ کر جواب دے دینا۔ ھے تمہارے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔“

یا...... کیا مطلب؟“ میرب سیال حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

یونکہ......“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کو بہ غور دیکھا تھا، پھر رکی رکھتے ہوئے بولا تھا۔ ”کیونکہ میرب! میں ان آنکھوں کی زبان اب سمجھنے لگا ہوں۔ مجھے پڑھنا ہے ہنی! اور جب پڑھنا آ جائے تو پھر نظروں سے کوئی بھی مفہوم چھپا نہیں رہ سکتا۔“ باور کرایا تھا اور یال اسے دیکھ نہیں سکی تھی۔ جانے کیوں۔

* * *

یہ شاہ کا موڈ قطعاً کہیں جانے کا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ کسی کو کسی طرح کی کوئی خاص تقویت دینا چاہتی ے۔ مگر اس شام اچانک ہی فون آ گیا تھا جسے اوزی نے ریسیو کرنے کے بعد اس کی سمت ریسیور تھا۔

ون ہے؟“ وہ حیران ہوئی تھی۔

ت کر لو۔“ اوزی بولا تھا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے ریسیور کان سے لگا لیا تھا اور رف ایک یکسر اجنبی آواز سن کر وہ کسی قدر حیران رہ گئی تھی۔

یٹا! کیسی ہو تم؟“ کوئی خاتون بہت محبت سے دریافت کر رہی تھیں۔

ی، ٹھیک ہوں۔ مگر آپ......؟“ اس نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

ں فاطمہ علی خان ہوں ——— عفنان علی خان کی ممی۔“

”——— کیسی ہیں آپ؟“ اس نے حیران ہونے کے ساتھ اخلاقاً دریافت کیا تھا۔

''بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔ میں نے اوزی سے بات کی تھی۔ دراصل میں تم سب کو اپنے فارم ہونے والی گیٹ ٹوگیدر میں انوائیٹ کرنا چاہتی تھی۔ میں نے عفنان سے کہا تھا، پتہ نہیں اس کو با کہ نہیں، سو میں نے خود فون کرنا ضروری خیال کیا۔ اوزی کو تو عرصہ دراز سے جانتی ہوں مگر تم انجان نہیں۔ دراصل اوزی تمہارا بہت ذکر کرتا رہتا ہے اور لامعہ بھی۔ بہت تمنا تھی تم سے بات اور تمہیں دیکھنے کی۔ بیٹا! میں چاہوں گی تم ضرور اس پارٹی میں آؤ۔''

''جی آنٹی! ـــــ میں کوشش کروں گی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں ہامی بھر لی تھی۔

''کوشش نہیں بیٹا! تم ضرور آنا۔ اپنی فیملی کو بھی ساتھ ضرور لانا۔ بیٹا! یہی تو وہ چھوٹے چھو ہوتے ہیں ساتھ مل بیٹھنے کے۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟''

''جی آنٹی!'' وہ سر ہلاتی ہوئی بولی تھی۔ فاطمہ خان اس سے بہت سی باتیں اِدھر اُدھر کی کرتی اور ان باتوں کا ماخذ یہ تھا کہ انہوں نے بالآخر انابیہ شاہ کو اس پارٹی میں آنے کے لئے تیار کرلیا رکھ کر انابیہ شاہ کسی قدر متفکر سی سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟'' ممی اسے کافی دینے آئی تھیں جب بولی تھیں۔ کر ان کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرادی تھی۔

''نہیں ـــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ دراصل فاطمہ آنٹی کا فون آیا تھا۔'' وہ کہہ کر رکی تھی۔ پھ دیتی ہوئی بولی تھی۔ ''عفنان علی خان کی والدہ۔''

''ہاں ـــــ جانتی ہوں میں۔ پھر کیا ہوا؟'' وہ کسی قدر اطمینان سے بولی تھیں اور انابیہ شا گئی تھی۔

''آپ انہیں جانتی ہیں؟''

''ہاں۔'' ممی نے کسی قدر رسانیت سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ''اُس شام جب تم لا گئی تھیں، وہ آئی تھیں یہاں۔ بہت ہی نائس خاتون ہیں۔ لگا ہی نہیں کہ پہلی بار مل رہی ہیں۔ خان کا مزاج بالکل ان جیسا ہے۔ بعض لوگوں میں یہ خاصیت ہوتی ہے، بہت جلد گھل مل جاتے کہہ رہی تھیں۔ وہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

***

سعد حسن بخاری نے اپنی دانست میں کچھ بھی فیصلہ لیا ہو مگر فارحہ اس فیصلے کو حتمی اس لئے تھیں کیونکہ وہ اس فیصلے سے وابستہ افراد کو اس فیصلے سے زیادہ اہم جانتی تھیں۔ ان کی دانس فیصلے میں ترمیم ہوسکتی تھی مگر یہ سب سوچنے اور سمجھنے کے باوجود وہ مطمئن نہ تھیں۔ جانے کیا وجہ دیکھا جائے تو پہلی بار سعد حسن بخاری نے وہ فیصلہ لیا تھا جس میں اس کی رضا بھی شامل تھی۔ بھی شامل تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ کچھ پریشان سی تھیں۔ شاید وجہ بچوں کی پسند ناپسند اور مر کرتی تھی اس لئے۔

ازہان حسن بخاری اپنے کمرے میں تھا جب وہ دودھ کا گلاس لے کر وہاں آئی تھی۔

می! آپ...... آپ نے کیوں زحمت کی؟ کسی نوکر کو بھیج دیا ہوتا۔'' ازہان حسن بخاری نے کہا تھا۔

اؤں کے لئے بچوں کے کام زحمت قطعاً نہیں ہوسکتے۔'' فارحہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے ممی؟'' ازہان حسن بخاری بولا تھا اور فارحہ کسی قدر چونکتے ہوئے مسکرادی

نہیں کیسے خبر ہوئی؟''

ہان حسن بخاری مسکرادیا تھا۔

آپ کا بیٹا ہوں ممی! کیا اتنی سی بات بھی نہیں جان سکتا؟'' ازہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے گود میں سر دھر دیا تھا۔ فارحہ مسکراتی ہوئی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی تھیں۔

مجھے لگتا ہے بڑے ہو چکے ہو تم۔ اب تمہیں ماں کی انگلی چھوڑ کر بیوی کا پلو پکڑ کر چلنے کی عادت ڈالنی ۔'' فارحہ مسکراتی ہوئی بولی تھیں۔

می! آپ کو نہیں لگتا، آپ میرے خلاف گہری سازش کرنے جا رہی ہیں؟ فی الحال تو مجھے ماں کی ڑ کر چلنے میں ہی خاصا سکون مل رہا ہے۔ آپ کیوں اس سکون کو تباہ کرنے کے چکر میں ہیں؟'' اس کا ابل غور تھا۔

تمہارا سکون برباد کرنے کے چکر میں نہیں ہوں، اس گھر کو آباد کرنے کے چکر میں ہوں۔ میرا بھی ہتا ہے اس گھر میں ایک بہو آئے ـــــ چھوٹے چھوٹے، پیارے پیارے بچے ہوں، جو مجھے لہہ کر بلائیں۔''

اور ممی! آپ اتنی ینگ ایج میں دادی بنتی کیا اچھی لگیں گی؟'' ازہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے ا بات کاٹ دی تھی۔

ازہان! بات مذاق میں اُڑانے کی قطعاً نہیں ہو رہی۔''

تو ممی! میں کب مذاق کر رہا ہوں؟ ـــــ میں تو یہ کہہ رہا ہوں، اتنی نائس، ینگ سی خاتون دادی بنی لیں گی؟ آپ کو نہیں لگتا، لوگ آپ کو بوڑھی سمجھنے لگیں گے؟'' وہ مذاق کے موڈ میں تھا اور فارحہ ہنس ں۔ پھر بہت پیار سے اس کے سر پر ایک چپت لگاتی ہوئی بولی تھیں۔

ازہان! میں واقعی سیریس ہوں۔ مجھے بتاؤ، تمہیں کیسی لڑکی پسند ہے؟''

لڑکی ـــــ ہوں، سوچنے دیجئے۔'' ازہان حسن بخاری ذہن پر کسی قدر زور دینے لگا تھا۔ پھر تے ہوئے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

آپ نے انجلینا جولی کو دیکھا ہے؟''

ہاں۔'' فارحہ کسی قدر حیران ہوئی تھیں۔

تو بس، لڑکی بالکل ویسی ہی ہونی چاہئے۔''

ارحہ ہنس پڑی تھیں۔

ابھی تو شادی سے بھاگ رہا تھا، انکار کر رہا تھا اور ابھی جھٹ سے پسند بھی بتادی۔''

"اب آپ اصرار کر رہی ہیں تو میں انکار بھی تو نہیں کر سکتا نا۔" سعادت مندی سے کہتا ہوا مُکر

"مذاق نہیں اذہان! ٹھیک سے بتاؤ، تمہاری پسند کیا ہے؟ کیسی لڑکی پسند ہے تجھے؟"

"آپ واقعی سنجیدہ ہیں؟" اذہان نے مسکراتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا تھا۔ فارحہ نے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"ہاں۔"

"یعنی اب آپ روایتی ماؤں کی طرح گھر گھر جا کر حور پریوں کی تلاش شروع کرنے والی اذہان کو کسی قدر تشویش ہوئی تھی۔

"نہیں۔" فارحہ مسکرا دی تھیں۔ "میرا ارادہ ایسا کچھ کرنے کا نہیں ہے۔ تبھی تو تم سے تمہا دریافت کر رہی ہوں۔ ویسے میرے پاس ایک لڑکی ہے۔"

"کون؟" وہ چونکا تھا۔

"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی ابھی۔ لیکن تم اگر چاہتے ہو کہ لڑکی تمہاری من چاہی ہو تو۔ ویسے تمہیں خان کیسی لگتی ہے؟" انہوں نے سرسری انداز میں کہتے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھا تھا۔ اذہان حسب بے طرح چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ ـــــ آپ اس کے متعلق سوچ رہی ہیں؟ ـــــ ممی! پلیز، آپ ایسا سوچئے گا مجھے اپنے گھر کو تیسری جنگ عظیم کا میدان نہیں بنانا ہے اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے ناگاساکی کی کوئی مخلوق لگیں۔" وہ برجستہ بولا تھا اور فارحہ مسکرا دی تھیں۔

"اب ایسی بھی توپ صفت نہیں ہے وہ۔"

"توپ؟ ـــــ یہ مثال اس کے لئے بہت چھوٹی ہے ممی! اسے تو آپ مدر بم کہیے۔" وہ اور فارحہ ہنس دی تھی۔

"مگر مجھے تو پسند ہے وہ۔ اور تمہارے پاپا کو بھی۔" فارحہ بے دھیانی میں بولی تھیں اور اذ بخاری کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدلے تھے۔ ایک پل میں مسکراہٹ غائب ہوئی کی جگہ ایک سختی نے لے لی تھی۔ فارحہ بیٹے کی اس کیفیت کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"میں سونا چاہتا ہوں ـــــ آیئے، میں آپ کو آپ کے کمرے تک چھوڑ دوں۔" لہجہ ب تھا اور فارحہ کے لئے یہ بات کسی تشویش سے کم نہیں تھی۔

* * *

کبھی کبھی بہت سی چیزوں کی، باتوں کی امید نہیں ہوتی اور جب وہ وقوع پذیر ہو جاتی ہیں تو لگتا ہے۔ عفنان علی خان کا دل بھی اسی ایک خوشی سے بھر گیا تھا۔

وہ چہرہ اپنے سامنے دیکھ کر وہ جیسے بُت بن گیا تھا۔

امید کہاں تھی کہ وہ آئے گی۔ دل نے سو بار کہا تھا مگر وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ کتنی تاویلیں اس نے۔ اس کی سرد مہری کو لے کر کتنی وضاحتیں دی تھیں مگر دل کا کہا رد نہ ہوا تھا اور وہ چہ

ا۔ دل کی مراد بر آئی تھی۔ خواہش پوری ہوئی تھی۔ مگر وہ کتنا ساکت سا اسے دیکھتا جا رہا تھا اور ایسا ہوئے اسے اردگرد کے لوگوں کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ ایک میکانکی انداز میں چلتا ہوا وہ اس کے ار کا تھا۔ عجب دیوانگی سے پُر انداز تھا۔ انابیہ شاہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

یلکموزمی! ـــــ کیا میں آپ کا ہاتھ تھام سکتا ہوں؟" سعادت مندی سے درخواست کی تھی۔

کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اسی لمحے عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک سا لیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیران ہوئی تھی مگر وہ اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

راصل مجھے اب یقین آ گیا ہے کہ تم واقعی میرے سامنے ہو۔ ورنہ میں تمہیں کوئی خواب سمجھنے کی بیٹھا۔" اس کا انداز سرشاری سے پُر تھا اور انابیہ شاہ نے ایک نظر اِدھر اُدھر متوجہ لوگوں پر ڈال کر رخجالت سے اسے دیکھا تھا۔

عفنان علی خان!"

ہاں۔" وہ جی جان سے متوجہ ہوا تھا۔

میرا ہاتھ۔"

فنان علی خان چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

اوہ، ہاں۔" ایک خواب سے بیدار ہونے کے ساتھ ہی انابیہ شاہ کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا راس لمحے انابیہ شاہ خود کو کمزور ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی کسی قدر اعتماد سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"لامعہ کہاں ہے؟"

"لامعہ؟" وہ ایسے چونکا تھا جیسے اس نے کوئی انوکھی، بھولی بسری داستان اس کے سامنے چھیڑ دی ہو۔

"لامعہ نہیں آئی کیا؟ ـــــ تم نے اُسے انوائٹ نہیں کیا؟" انابیہ شاہ کو تشویش ہوئی تھی۔ مگر وہ بہت نا سے مسکرا دیا تھا۔

"سوری ـــــ اس معاملے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں۔ یہ ڈیپارٹمنٹ ماما کے ہاتھ تھا۔" اس کا انداز ا تھا۔ انابیہ شاہ نے اسے کس قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ تبھی فاطمہ خان وہاں آ گئی تھیں۔

"ماما! انابیہ شاہ۔" عفنان علی خان نے ماں کی توجہ مبذول کروائی تھی۔ فاطمہ خان بہت گرمجوشی سے شاہ سے ملی تھیں۔

"باقی لوگ نہیں آئے؟"

"ی آئے ہیں۔ وہ اوزی کے ساتھ وہاں ہیں۔" اس نے ہجوم کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اوکے ـــــ میں ان سے مل لوں۔ عفنان! تم انابیہ کو اندر لے کر جاؤ۔" فاطمہ خان نے بیٹے کو حکم ا۔ وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے ناچار قدم آگے بڑھا تھے۔

"ایک بات کہوں؟" اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ہوں۔" انابیہ شاہ نے اجازت دی تھی اور عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''تم اچھی لگ رہی ہو۔'' برملا اظہار کیا تھا۔ انابیہ شاہ کو اپنے اجازت فراہم کرنے پر کسی قدر افسو
تھا۔ تبھی انوشے سامنے سے آتی ہوئی اسے دکھائی دی تھی۔

''بھائی! یہ کون ہیں؟''

''انابیہ شاہ ــــــ ماما کی مہمانِ خاص۔ سننے میں آیا ہے بطور خاص دعوت دے کر بلوایا گیا خیال رکھنا، مزاج پر کوئی بات گراں نہ گزرے۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے بہن کو ہدایت کی تھی۔ انوشے مسکراتی ہوئی اسے لے کر آگے بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان کا انداز ہمیشہ ہی چونکا دینے والا ہوتا تھا۔ مگر وہ اندر آکر لامعہ حق کو وہاں موجو حیران رہ گئی تھی۔

''اے انابیہ! تم بھی یہاں انوائیٹڈ ہو؟'' لامعہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی اور انابیہ شاہ فوری اسے کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

❋❋❋

''تمہارے اور میرے درمیان مجھے ایک گہرا رابطہ لگتا ہے گین! سمجھ میں نہیں آتا کیا۔ مگر میں کیوں خود کو تم سے بہت قریب پاتی ہوں۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرا کام یہاں ختم ہو چکا ہے۔ مگر یہاں جانے کو میرا من نہیں چاہتا۔ اب اگر تم وجہ دریافت کرو گے گین! تو مجھے تم بے وقوف لوگے۔'' گی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ گی اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر ان پر درج لکی بہ غور دیکھنے لگی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

''کبھی کبھی ہم اپنی ذات کی گمشدہ کڑیوں کو وہاں ڈھونڈنے کی کوششیں کرتے ہیں جہاں ان کے کوئی شواہد نہیں ہوتے۔ نہ ہی امکانات۔ بات کچھ عجب ہے مگر ایسا ہوتا ہے گین!''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''گی! تمہاری باتوں میں رنگ، خواب بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے تم واقعی روم کی گلیوں میں پھرتی جولیٹ لگتی ہو۔ جس کا رومیو اسے چھوڑ کر دور جہانوں کے سفر پر چلا گیا ہے اور واپسی کا کہی امکان نہیں۔''

''تمہاری قیاس آرائی میں بہت سچائی ہے گین! میں تمہیں جھٹلا نہیں سکتی۔ میں واقعی اپنے را تلاش میں سرگرداں ہوں اور باوجود کوشش کے اسے کہیں نہیں پاتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری تلاش ہے اور ساری کوششیں رائیگاں۔'' گی کا لہجہ بہت دھیما اور کسی قدر اُلجھا ہوا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر مسکرا دیا تھا۔

''مجھے یہ سب کچھ بہت بے معنی سا لگتا ہے گی! شاید اس لئے کہ مجھے ان سب حوادث سے کچھ نہیں پڑا۔ یا پھر مجھے ان معاملات سے کچھ رغبت ہی نہیں۔ مگر گی! میں تمہیں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ راہوں پر مت چلو۔ اگر محبت پر تمہارا ایمان کامل ہے تو یقیناً تم ایک نہ ایک دن اپنی امید کو ضرور پا میں نے کبھی ایسی دیوانگی دیکھی نہیں، برتی نہیں۔ مگر ایک بزنس مین ہونے کے حوالے سے اتنا مز

ہوں کہ ڈی ٹرمینیشن اور ڈیڈیکیشن ہو تو کوئی بھی مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔'' اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔ اسے دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''گین! محبت کے متعلق تمہارا زاویۂ فکر کتنا معاشی رنگ لئے ہوئے ہے۔ اتنا میٹریلسٹک بندہ۔ قیاس اپنے ہی زاویے سے کرتا ہے اور.......''

''اور کیا گی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ انداز محظوظ ہونے والا تھا اور گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اگر تمہیں کبھی محبت ہو گئی تو تم کیا کرو گے گین؟'' گی نے دریافت کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری بے ساختہ ہنسا تھا۔ جیسے گی کے اس سوال نے اسے حد درجہ محظوظ کیا تھا۔ گی اسے کسی قدر حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

''تمہارا سوال کسی قدر دلچسپ ہے گی! تم واقعی گفتگو میں مہارت رکھتی ہو۔'' وہ اسے ٹال گیا تھا۔ اچھا، ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہیں واقعی یقین ہے کہ تم اسے پا لوگی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا ہو۔ مگر گی کسی قدر افسوس سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''بہت افسوس کی بات ہے گین! تم میرا انداق بنا رہے ہو۔ حالانکہ تم درحقیقت اس سے متعلق کچھ جانتے ہی نہیں ہو۔''

''تمہیں کیا پتہ کہ میں کچھ جانتا ہوں کہ نہیں؟'' براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ انداز کسی قدر چیلنجنگ تھا اور گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ گین کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''مجھے نت نئے تجربات کرنے کا شغف بہت پہلے سے ہے۔ بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے اس سے۔ بے خبر اور انجان رہنے سے کہیں بہتر باخبر رہنا اور جاننا ہوتا ہے۔ بندہ بہت سی مشکلات سے نہ صرف بچ جاتا ہے بلکہ اسے ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ بھی آ جاتا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہمدم تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

''تم جانتے ہو گین! لڑکیاں مردوں سے زیادہ عقل مند ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتی کم ہیں مگر سمجھتی زیادہ ہیں۔''

''ضروری نہیں ہے گی! کہ میں تمہاری رائے سے اتفاق بھی کروں۔ تم بتانے والی تھیں کہ اس تمام تفکر کا پس منظر کیا تھا۔''

''میں نے تمہیں ایسا کچھ بتانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔'' گی کسی قدر حیرت سے کہتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ ''اور یوں بھی جس بندے کو اس معاملے سے سرے سے دلچسپی ہی نہیں، اسے سنا کر مجھے کیا ملے گا؟ مجھے تو تم سے کسی چھوٹی سی ہمدردی کی بھی امید نہیں۔''

''اور اس کے باوجود تمہیں مجھ میں دلچسپی ہے اور تم مجھ میں اپنی ذات کی گمشدہ کڑی ڈھونڈتی ہو؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

”بعض اوقات ایسا ہوتا ہے گین! اور ایسا صرف محبت میں ہوتا ہے۔ محبت چہروں میں چہروں ڈھونڈتی ہے۔ شباہتوں میں شباہتیں تلاشتی ہے۔ یہ محبت کی بڑی فطری سی کہانی ہے۔ محبت کی نظر بہ اضطرابیت لئے ہوئے ہوتی ہے۔ گمشدہ چہروں کو چہروں میں ڈھونڈنا اس کی مجبوری ہے۔ اور گمشدہ لہجوں اکثر لہجوں میں تلاشنا اس کی عادت۔ محبت کی یہ کہانی میں تمہیں کیسے سمجھاؤں گین! اگر سمجھانے کی کوشش کروں تو شاید سمجھا نہیں پاؤں گی۔ کیونکہ گین! وجہ یہ نہیں کہ مجھے سمجھانے کا گُر نہیں آتا بلکہ معاملہ سراسر ہے کہ تمہارے اندر ایسا کوئی دِیا روشن ہی نہیں۔ نہ اُمید کا، نہ ایمان کا۔ اور ایسے میں محبت کی اُلجھی باتوں تمہیں سمجھاؤں گی تو یہ سر پتھر سے پھوڑنے والی بات ہی ہوگی۔“

گی کسی قدر پُرشکوہ انداز میں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

* * *

”بی ہیولائیک اے نارمل انابیہ! ــــــ تمہارے انداز کی بیزاری تمہارے چہرے پر صاف نظر آر ہے۔“ اوزی نے اُسے بہت دبے دبے سے لہجے میں ڈپٹا تھا اور وہ چہرے کا رخ پھیر کر ہجوم کی دیکھنے لگی تھی۔

”انابیہ! مانا تم یہاں پر اپنی مرضی کے برخلاف آئی ہو۔ مگر کیا ضرورت ہے اس طرح بے زار نظر آ کی بھی؟ تمہیں نہیں لگتا تم انتہائی آدم بے زار لڑکی ہو۔ نارمل لوگ بھلا کیا کہیں آتے جاتے نہیں؟ کسی ملتے ملاتے نہیں؟“ باقاعدہ ڈپٹا تھا اور انابیہ شاہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

”اوزی! مجھے پوز کرنا نہیں آتا۔ میری سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ جو کچھ میرے اندر ہے وہی بھی۔“

”اور دنیا میں جینے کے لئے یہ عادت کچھ اتنی اچھی نہیں ہے انابیہ شاہ! نارمل لوگ ایسے بی ہیو کرتے ہیں۔“ اوزی نے باقاعدہ ڈپٹا تھا۔

”تو تمہارا خیال ہے میں ابنارمل ہوں؟“ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ تبھی نگاہ سامنے اٹھی تم عفنان علی خان، لامعہ حق کے ساتھ کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ دونوں کس قدر قریب تھے۔ لامعہ حق کا ناز ہاتھ عفنان علی خان کے مضبوط شانے پر تھا اور گداز لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔ بہت آہستگی سے پھیر کر وہ دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

اوزی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

”محبت زندگی میں ہزار ہا رنگ لے کر آتی ہے اور آنکھوں کے لئے بیش بہا خواب۔ جن آنکھوں کوئی رنگ نہیں، کوئی خواب نہیں ان پر صد افسوس۔“ جانے کیوں اسے جتایا تھا۔ مگر انابیہ شاہ کچھ نہیں تھی۔ چہرے کا رخ پھیرے کھڑی رہی تھی۔

”موسموں کو آنکھوں سے باتیں کرنے دینا چاہئے انابیہ شاہ! ورنہ واقعی خواب آنکھوں سے روٹھ جا ہیں۔“ اوزی کا لہجہ مدھم تھا اور اس پل انابیہ مسکرا دی تھی۔ پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”اتنے تلخ تجربات کرنے کے بعد بھی تم اس طرح کی رائے رکھتے ہو اوزی! کمال ہے۔ صد آفرین ہے۔“ انداز داد دینے والا تھا اور اوزی مسکرا دیا تھا۔

”محبت بڑا حوصلہ دیتی ہے انابیہ شاہ! چاہے ساتھ رہے نہ رہے، ہاتھ آئے نہ آئے۔ مگر محبت اپنی بہت خوبی سے خود آپ کرتی ہے۔“ اوزی کا لہجہ بے حوصلہ نہ تھا۔ وہ لامعہ حق کی طرف بہ غور دیکھ رہا اس کی آنکھوں میں اس گھڑی کئی جگنو چمک رہے تھے۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

”اوزی! کیا محبت میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ اپنے مطلوب فرد کو کسی اور کے ساتھ دیکھ سکے؟“

اوزی مسکرا دیا تھا۔

”میں نے کہا نا انابیہ! محبت بہت حوصلہ دیتی ہے۔“

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

”حوصلہ یا صبر اوزی؟“

”دونوں ہی۔“

”بڑی فطری بات ہے۔ جب کوئی شے دسترس سے باہر ہو تو نفسیاتی طور پر دل و دماغ کو صبر آ ہی جاتا اس میں اتنا عجب کیا ہے؟“ انابیہ نے کسی قدر اختلاف کیا تھا۔

”ایسا نہیں ہے انابیہ شاہ! نارسائی کا کرب بڑا جان لیوا ہے۔ مگر محبت میں سب جھیلنا آ جاتا ہے۔“

”یہ تو بالکل ایسے ہی ہوا کہ جب سر پر پڑتی ہے تو سب سمجھ میں آ جاتا ہے۔“ انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔ تبھی شے وہاں آئی تھی۔

”انابیہ! آپ کو ممی بلا رہی ہیں۔“ اطلاع دینے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے پلٹ گئی تھی۔

”اوکے، میں آتی ہوں۔“ وہ اوزی سے کہہ کر پلٹی تھی اور چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ راری میں قدم دھرا تھا تبھی اس کا ہاتھ کسی نے گرفت میں لے کر تیزی سے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ طرح کسی وجود سے جا ٹکرائی تھی۔ فوری طور پر سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ آنکھیں بہت سختی سے میچے اس بہت تیزی سے چلتی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ مگر حواس بحال ہونے والے انہی لمحوں میں احساس ہوا تھا کہ وہ کسی کے بہت قریب ہے۔ کسی کی گرم گرم سانسوں کی تپش اسے اپنے چہرے پر وس ہوئی تھی۔ تبھی اس نے بہت آہستگی سے آنکھوں کو کھول کر سر اٹھایا تھا اور اپنے سامنے موجود وجود کو یکھا تھا۔

عفنان علی خان اسے بہ غور دیکھ رہا تھا اور اس گستاخی پر وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اسی پل عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت ہولے سے چھوا تھا۔

”انتظار ...... انتظار .... انتظار .... ایک لامتناہی انتظار۔“ مدھم لہجے میں بے پناہ شدت تھی اور اس کی سمت دیکھتی آنکھوں میں بے انتہا تپش۔

”کبھی سوچا ہے تم نے؟ ـــــ کبھی غور کیا ہے، یہ انتظار کس قدر جان لیوا ہو سکتا ہے۔ محبت کرنے

والوں کے نصیب میں تو یوں بھی کئی عذاب اترتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ خود محبت کرنے والے ابھی ا خود آپ دعوت دیں؟" مدھم لہجے میں بے قراریوں کی ہزار ہا داستانیں تھیں۔ انابیہ شاہ اس کے تیور پر کسی قدر حیران سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرد مجنونانہ تھی۔

"عفنان علی خان!" بے حد درشت لہجے میں کہتے ہوئے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا مگر عفنان علی خان نے اسے ٹوکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کے بہت آہستگی سے اس کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔

"شی۔" سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلایا تھا۔ "آج کچھ مت کہو۔ کچھ نہیں انابیہ شاہ! میں نے ان لمحوں کے لئے بہت انتظار کیا ہے ــــــ بہت صبر سہا ہے میں نے اس دل پر۔ ہزار ہا اضطرابوں کو ہے۔ پلیز، آج نہیں۔" مدھم لہجے میں کوئی درخواست سی تھی۔ اس کا ہاتھ بدستور اس کے لبوں پر تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ اسے بولنے نہیں دے گی۔

"میں تمہاری ضرور سنوں گا۔ مجھے بھی بہت چاہ ہے انابیہ شاہ! تمہیں دیکھنے کی، تمہیں سننے کی۔ مگر نہیں۔ آج تم مجھے اجازت دو کہ میں تم سے کہہ سکوں، تمہیں سنا سکوں۔ وہ داستان جو تم نے آج تک سنی۔ وہ تمام لفظ جو میں آج تک نہیں کہہ سکا۔" وہ اس کے چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا اور انابیہ شا کیفیت عجیب تھی۔ ذہن اس ہمت پر بے حد ماؤف سا تھا۔

"جنہیں آج تک تم نہیں سن سکیں، وہ تمام حرف انابیہ شاہ! ــــــ سوچتا ہوں، شروع کہاں کروں۔ تمہاری ایک نگاہ نے مجھے قیامتوں کی نذر کر دیا تھا یا جب میں اپنا آپ گنوا بیٹھا تھا۔ کب انابیہ شاہ؟ ــــــ کہاں سے بتاؤں؟ یہ داستان تو صدیوں پر محیط ہے اور مجھے اک پل ہزار ہا صدیوں برابر لگا ہے۔" عفنان علی خان کا لہجہ بھاری اور بوجھل تھا۔ کتنی شدت تھی اس میں اور انابیہ شاہ ساکت اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونق انداز سے دیکھنے پر وہ بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر کی آنکھوں کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ انابیہ شاہ پلکیں میچ گئی تھی۔

عفنان علی خان کا لہجہ بھرا ہوا تھا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ان آنکھوں نے انابیہ شاہ! ــــــ تمہاری ان آنکھوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا ــــــ لوٹ سب، وہ بھی جو میرا تھا اور وہ بھی جو میرا نہیں تھا۔ ان آنکھوں نے مجھے واقعی کہیں کا نہیں چھوڑا۔ تمہا ایک نظر نے عجب اثر کیا۔ جہاں کئی اضطرابوں کی نذر کیا، وہیں بہت حسین احساس سے بھی روشناس کرا اور مجھے پہلی بار لگا کہ یہ زندگی بے حد حسین ہے۔ تمہاری طرح، تمہاری ان آنکھوں کی طرح۔ بے انتہا اور دلفریب۔ انابیہ شاہ! تمہاری ان آنکھوں کا پہرہ میرے دل پر تب سے ہے جب تم پہلی بار مجھے دکھا دی تھیں۔ تمہاری شباہتوں کا ڈیرہ تب سے میرے اندر ہے۔ میرے لہو میں، میری رگ رگ میں دوا ہے جب سے تم نے ایک بے خبر سی نظر مجھ پر کی تھی۔ ایک سرسری نگاہ۔ مگر وہ نظر میرے اندر قیامتیں کرنے کو کافی تھی۔ پہلی بار انابیہ شاہ! پہلی بار میں نے خود کو بے حد بے بس پایا۔ پہلی بار اتنا مضطرب مجھے یہ اسیری بہت اچھی لگی انابیہ شاہ!" پُرتپش لہجے میں کیسی کیسی کہانیاں نہ تھیں۔

ابیہ شاہ! شاید میں تمہیں کبھی نہیں بتا سکوں گا۔ کبھی سمجھا نہیں سکوں گا کہ میں تمہارے لئے کس طور کرتا ہوں اور کیا فیل کرتا ہوں۔ مگر میں اتنا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ میں تمہارے لئے سب کچھ ہوں۔ ہر شے، جو ناممکن ہے، اسے بھی ممکن کر سکتا ہوں۔ اور اب میں ایسا کر کے دکھاؤں گا۔ یو ابیہ شاہ!"

ئی پُریقین لہجے میں وہ کہتا ہوا، اس پر ایک نگاہِ خاص ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا اور انابیہ شاہ حیرتوں نگاہ لئے اسے بُت بنی دیکھتی رہ گئی تھی۔

میں ایک تاثر انگیز آواز کا پہرہ دور تک تھا۔ ایک بازگشت اس کے اندر باہر تھی۔ چاروں طرف ر وہ ساکت سی کھڑی تھی۔

ی ہاتھ نے اس کے شانے کو بہت ہولے سے چھوا تھا۔ وہ یکدم ٹھٹکی تھی۔ اوزی اس کے سامنے کھڑا کی اجنبی سی کیفیت پر اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔

کیا ہوا؟" بہت فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

بیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بہت آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا سر دھر دیا تھا اور بہت سا گرم گرم کی پلکوں کے بند توڑتا ہوا بہہ کر اوزی کے شانے میں جذب ہونے لگا تھا۔

مجھے یہاں سے جانا ہے اوزی! ابھی، ابھی وقت۔" اس نے مدھم لہجے میں درخواست کی تھی اور اوزی بلک کر رہ گیا تھا۔

* * *

ہان حسن بخاری میٹنگ سے باہر نکلا تھا جب ساہیہ خان کا فون آ گیا تھا۔ دورانِ میٹنگ بھی اس فون کالز آئی تھیں، کئی ایس ایم ایس بھی موصول ہوئے تھے مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ہم موضوع پر اس کی رائے لینا چاہتی تھی مگر وہ اس قدر تھک چکا تھا کہ اس کا موڈ بالکل بھی ساہیہ ے بات کرنے کا نہ تھا۔ وہ گھر کی طرف ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ انداز کسی قدر پُرسکوت تھا اور چہرہ در بے تاثر۔

مس کرو، تم آئندہ کبھی زندگی میں کسی موقع پر کمزور نہیں پڑو گے۔" ایک بہت مخلص، پُرخلوص لہجہ کے قریب گونجا تھا اور جانے کیا سوچ کر اس نے سیل سوئچ آن کر دیا تھا۔ دوسری طرف ساہیہ خان لسل ٹرائی کر رہی تھی۔ سیل آن کرنے کے بعد پہلی کال اسی کی تھی۔ موبائل کی اسکرین پر ساہیہ خان چمک رہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بہت بے دلی سے کال ریسیو کی تھی۔

"اذہان! کہاں غائب ہو تم؟ ــــــ اتنے ایس ایم ایس کیے، فون کالز کیں اور تم ایک بار بھی بل نہیں ہوئے۔" دوسری طرف ساہیہ خان بھرپور شکوہ کر رہی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح نہ ہی مسکرایا ہی دوستانہ انداز میں کوئی وضاحت دی تھی۔

"کہو ــــــ کیا کام ہے؟" بہت سرسری سے سرد مہر لہجے میں دریافت کیا تھا اور دوسری طرف ساہیہ ران رہ گئی تھی۔

''کام؟ــــــ اذہان حسن بخاری! کیا میرا تمہارا تعلق صرف کام کا ہے؟ اور یہ کس لہجے میں بار رہے ہو تم مجھ سے؟ــــــ کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''تھکن ساہیہ خان!'' اذہان حسن بخاری نے وسیع تارکول کی سڑک پر نظر جمائے ہوئے ایک سی وضاحت دیتے ہوئے گہری سانس خارج کی تھی۔ ''ایک اہم ترین میٹنگ تھی۔ پاپا کہیں اور تھے، سو سب کچھ مجھے ہی ہینڈل کرنا پڑا۔ اینی ویز، تم کچھ کہہ رہی تھیں؟'' وہ مدعا پر آیا تھا اور ساہیہ چونک پڑی تھی۔

''آر یو آل رائٹ اذہان حسن بخاری؟''

''آف کورس۔'' اُس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ ''بس شیڈول بہت ٹف تھا آج کا۔ تمہیں کر تھا؟ ایسا کرو سارا ایجنڈا تیار کر کے رکھو۔ ملتے ہیں تو بات کرتے ہیں۔'' اس کا انداز بہت سرسری سا تھ

''اذہان!'' ساہیہ خان نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔

''ہاں؟'' اس کا لہجہ بہت مدھم اور انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''تم مجھے اگنور کر رہے ہو نا، جان بوجھ کر؟'' ساہیہ نے دوسری طرف دریافت کیا تھا اور اذہان بخاری جواباً کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

''اذہان حسن بخاری! مجھے یقین تھا تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکو گے۔'' ساہیہ خان کا لہجہ یقین پُر تھا اور اذہان حسن بخاری بولا تھا۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ! میں گھر پہنچتا ہوں تو بات کرتے ہیں۔ میں ڈرائیو کر رہا ہوں۔'' سب کیا تھا اور ساہیہ دوسری طرف کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

''اوکے؟'' اذہان حسن بخاری نے اجازت چاہی تھی۔

''اوکے۔'' ساہیہ نے دوسری طرف سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری خاموشی کے ساتھ ونڈ اسکرین سے اس پار نظر آنے والی سیاہ تارکول کی سڑک اس پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگا تھا۔ انداز بہت اُلجھا اُلجھا سا تھا۔

گمبھیر چپ میں کئی کہانیاں تھیں۔

کچھ بھی بے معنی نہ تھا۔ اسباب لاتعداد تھے۔

مگر اذہان حسن بخاری کے لبوں پر ایک گہری چپ تھی۔

* * *

''تم بہت لکی ہو میرب! تمہیں سبکتگین جیسا جیون ساتھی ملا ہے۔ کتنا ٹف شیڈول ہے اس کا ے باوجود وہ تمہارے لئے وقت نکالنا نہیں بھولتا۔ ایسے میں جب بندہ کئی ضروری کام بھول جاتا سبکتگین حیدر لغاری کو تمہاری یاد رہتی ہے۔'' زوباریہ اس سے مخاطب تھی اور مظہر سیال مسکرا دیے تھے

''اپنی بیٹی کا یہی سُکھ میں چاہتا تھا اور اب اپنی زندگی میں ہی اسے خوش اور مطمئن دیکھ چکا ہوں پا ہے میں مر بھی جاؤں تو مجھے کوئی غم نہیں ہوگا۔'' پاپا کے لہجے میں ڈھیروں ڈھیر اطمینان تھا۔ اور ا

ہ گئی تھی۔

رہ کافی بنانے کے لئے اٹھ گئی تھی۔ اور جب واپس لوٹی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ میرب سیال نے اپنے حصے کی کافی کا بنایا ہوا کپ اس کے سامنے رکھ

نہیں ــــــ میں کافی نہیں لوں گا۔ تم لے لو۔'' اسے سرسری انداز میں کہنے کے بعد وہ پاپا کی طرف گا تھا۔

یں بزنس کے سلسلے میں شکاگو جا رہا ہوں۔ مائی اماں سے بات ہوئی تھی۔ ان کی ہدایت تھی میرب کو اتھ لے لوں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو......'' بہت سعادت مندی سے وہ مظہر سیال سے دریافت تھا۔

بیٹا! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ شیور ــــــ وائے ناٹ ــــــ آپ میرب سے پوچھ لو۔'' پاپا راتے ہوئے کہا تھا۔

کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ ــــــ بھلا میرب کو کیا اعتراض ہوگا؟'' زوباریہ نے میرب کی فطری وسوچ کر کہا تھا اور پھر میرب کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ میرب خاموشی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی دیکھنے لگی تھی۔

میرب! تم تیاری کر لو۔ غالباً سبکتگین کو دیر ہو رہی ہوگی۔ تمہیں آج ہی نکلنا ہے نا گین؟'' زوباریہ یافت کیا تھا۔

جی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

میرو! جلدی پیکنگ کرو۔ ٹھنڈ بہت ہوگی۔ تم گرم کپڑے زیادہ پیک کرنا، چلو میں تمہاری ہیلپ کرتی ۔'' زوباریہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے تک جاتے ہوئے میرب سیال کا ذہن مزید وچوں سے بھر چکا تھا۔ جانے اب کیا ارادے تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے۔ بہر حال اسے اب کے ساتھ جانا تو تھا کہ تعرض کی نہ کوئی وجہ تھی نہ ہی گنجائش۔

وباریہ نے اس کی مدد کی تھی اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ تھی۔

کاگو ایئرپورٹ پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

تم تھک تو نہیں گئی ہو؟ ــــــ اگر تھک گئی ہو تو ہم کچھ دیر ریسٹ کر سکتے ہیں۔ لیکن میرے پاس م ہے۔ یہاں رکنا میں افورڈ نہیں کر سکتا۔'' اپنی مجبوری بیان ہوئی تھی اور وہ کسی قدر حیرت سے اس رف دیکھنے لگی تھی۔

غالباً میں نے آرام کے لئے نہیں کہا۔ جو آپ کو مناسب لگے، آپ کر سکتے ہیں۔'' میرب نیال نے ا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

سو نائس آف یو۔ ایکچوئیلی ہمیں اپنی منزل المیتوئے کے مقام کاربن ڈیل تک پہنچنے کے لئے ابھی لوکس تک کا سفر کرنا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی مجبوری بیان کی تھی۔ پھر شاید اسے

میرب سیال پر کسی قدر ترس آ گیا تھا جو اس نے سینٹ لوئس میں ہی خیمہ زنی کی پیش گوئی کر دی تھی او فقط اسی کے لئے تھا۔ میرب کو اگر کسی قدر تھکن تھی بھی تو وہ اب سینٹ لوئس کے حسین موسم کے باعث ہو چکی تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں اور بارش نے اس کا استقبال کیا تھا اور اس کے مزاج کی ساری کلفت اور زاری ڈھل گئی تھی۔ وہ ایک دم فریش ہو چکی تھی۔ سینٹ لوئس میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے قیام کا میرب سیال کو پسند آیا تھا اور پہلی بار اس نے اسے سراہا تھا۔ ہوٹل کے روم میں کھڑکی سے باہر بارش بوندیں گرتے دیکھ کر وہ بہت سکون محسوس کر رہی تھی۔ ٹھنڈ بے حد تھی۔ کمرے میں ہیٹر آن تھا۔ مگر شیشے سے باہر کا منظر دیکھ کر اس ٹھنڈ کا اندازہ پورے طور پر ہو رہا تھا۔ مگر اسے یہ سب بہت اچھا بھی لگ تھا۔ وہ بہت مگن سی کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ شاید تبھی اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے وہاں آ علم نہیں ہوا تھا۔ وہ چونکی تھی، نہ ہی پلٹ کر دیکھا تھا۔ غالباً وہ واقعی محو تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چ اس کے پیچھے آن رکا تھا، پھر بہت آہستگی سے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنے حصار میں بھر لیا تھا۔

میرب سیال کو جیسے کوئی کرنٹ سا چھو گیا تھا۔ وہ بے طرح چونکی تھی۔ گردن کا رخ پھیر کر دیکھا سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی پشت پر کھڑا چہرہ اس کی گردن پر جھکائے بہت ہولے ہولے کچھ کہ تھا۔ اس کے لمس کی حدت سے میرب سیال کو اس سرد موسم میں بھی اپنا سارا وجود جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

”یہ لمحے زندگی کا احساس اپنے سنگ لا رہے ہیں ہنی! ——— تم سوچو تو محسوس کرو گی کہ زندگی لمحوں میں ہی ہے۔ مگر میرے لئے زندگی کا احساس جس قدر دلکش ہے، تمہارا احساس اس سے کہیں دل پذیر اور دلکش ہے۔“

وہ حواس باختہ سی آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔ اس اچانک توجہ اور التفات کا کوئی مطلب نہیں پائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری رات کے اس پہر اس کے قریب تھا۔ اس کے کمرے میں تو میرب سیال کی دھڑکنوں کا ارتعاش بڑھتا چلا گیا تھا۔ وہ بے جان بت بنی اس لمحے اس کے بازوؤں حصار میں تھی۔ اس میں اتنی ہمت بھی باقی نہیں تھی کہ وہ کوئی مزاحمت ہی کر سکتی۔ حواس مکمل طور تھے۔ ایک بار پھر وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے رحم و کرم پر تھی۔ اس کی زندگی کی ڈور اس کے ہاتھ میں اس کے ساتھ تھی، اس پر قناعت کر رہی تھی۔ اور اب وہ چاہے جیسا بھی سلوک روا رکھتا۔

”بہت سی باتیں نہ کہی جائیں یا نہ باور کرائی جائیں تو ان کے مفہوم دھندلانے لگتے ہیں۔ اور ہنی! تمہارے اور اپنے معاملے میں قطعاً ایسا نہیں چاہتا ہوں۔ مجھے بہت سے مفہوم دھندلانے سے قبل واضح کرنے ہیں۔ بہت سی باتوں کی خوشبو کو تمہاری سانسوں سے چننا ہے، بہت کچھ کہنا ہے، بہت کچھ ہے۔ جو وقت کو گنوا دیتے ہیں، میری دانست میں وہ عقل مند نہیں ہوتے۔ اور مجھے ان لمحوں کو اپنی گر میں بھرنا ہے۔“ اس کی زلفوں پر اپنی کتنی پُرتپش سانسوں کی حدت منتقل کرتے ہوئے وہ اس گھمبیر لہجے میں کہہ رہا تھا اور میرب سیال کی حالت ان نوازشوں پر ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

”مجھے یہ کہنے دو ہنی! کہ زندگی تمہارے ساتھ کچھ اور بھی دلکش ہو جاتی ہے۔ یہ لمحے تمہارے حسن بہت سے رنگ چرا کر اپنے ساتھ باندھ لیتے ہیں اور مزید دلفریب ہو جاتے ہیں۔ تم اتنے بہت سے

سنگ رکھتی ہو کہ میں حیران سا ہو جاتا ہوں۔ جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں تم مجھے نئی سی لگتی ہو۔“ رگوشیاں کتنی بہت سی حدتیں اس کے اندر بھر رہی تھیں۔ کتنے نئے احساس جگا رہی تھیں۔ وہ ہیں میچے کھڑی تھی۔ جب سامنے دیوار پر لگے کلاک نے الارم بجایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر ہت آہستگی سے اس کا رخ اپنی طرف پھیرا تھا۔

تھ ڈے ٹو یو ہنی! ——— مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔“ دھڑکنوں کا شور اتنا بڑھا تھا کہ ے پھٹنے لگے تھے۔ اپنی تمام تر بے بسی کو محسوس کرنے کے باوجود وہ اس لمحے حیران تھی۔ سردار لغاری کو اس کی زندگی کے وہ خاص ترین لمحے کیسے یاد رہے تھے؟ ——— کیسے علم ہوا تھا نے تو اُسے کبھی مطلع نہیں کیا تھا۔

چاہتا تھا ہنی! تمہاری زندگی کے ان لمحوں کو تم میرے ساتھ ——— صرف میرے ساتھ بسر وں کی ساری دلکشی کو میں تمہارے چہرے پر دیکھوں، تمہیں سنوں، محسوس کروں۔ صرف میں تمہارے قریب ہوں اور تمہارے سارے رنگ اور ساری دلکشی صرف میرے لئے ہو۔ میرے وئی دیکھے، نہ سنے۔ بس تم ہو، میں ہوں اور محبت۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ دھیما تھا۔ لہجے میں موجود حدتوں اور شدتوں کو مکمل طور پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کے اندر جیسے ایک ہلچل سی

اِن دی ایئر ہنی! اینڈ آئی کین ہیئر دی وائس آف لو۔ کیا تمہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا؟“ بہ غور ں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا اور میرب سیال نے اس لمحے خود کو بے حد بے بس محسوس

عجب حال تھا۔ کتنی قیامتوں کے زیر تھا سب کچھ۔ وجود کے تمام علاقوں میں ایک ہلچل سی تھی۔ ربات سے روشناس کرا رہی تھی اسے وہ نگاہِ خاص ——— کتنے نئے زاویوں سے سوچنا سکھا اس کے لئے اس طرزِ عمل کو جھیلنا آسان نہ تھا۔ کجا کہ اس کو سمجھنا یا اس سے اخذ کرنا۔ وہ اُس شخص کے سامنے دم سادھے کھڑی تھی۔

ں کے ان موسموں کی پذیرائی کے لئے دل کے در وا کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے میرب ارے لمحے، یہ منظر، یہ تمہارے میرے درمیان حائل خاموشیاں، سنو تو کیا کچھ نہیں کہتے۔“ ا حیدر لغاری کے لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔

ئیں لگتا کہ لطافتوں کے موسموں کی کہانیوں کو تمہیں سمجھانے کی اس درجہ ضرورت ہے۔ تمہیں کیا سارے معنی اس قدر ہی دقیق ہیں کہ پذیرائی کوئی راہ نہ پا سکے؟ یا پھر نوازشوں کی مزید کوئی باقی ہے؟“ اس کے مدھم لہجے میں کتنے سوال سلگ رہے تھے کہ وہ ان کی تپش صاف محسوس کر

رتوں کی بات فی الحال ہم ایک طرف اٹھا رکھتے ہیں۔ خواہشیں بھی تو لامحدود ہوتی ہیں۔ آسمان تی صحیفوں کی طرح اترتی ہیں، طرح اترتی ہیں کہ دل ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر ایسے میں کسی

یقین کی بات کی جائے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال میں اس طرف دیکھتے رہنے کی ہمت ناپید تھی۔ دل میں انتشار تھا اور سانسوں میں زیر و بم۔ وہ ان لمحوں کی طوالت پر کوئی احتجاج نہیں کر سکتی تھی، نہ ہی انہیں سمیٹ کر راہِ فرار اختیار کر سکتی تھی۔ اس سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر، آنکھوں میں فتح مندی کی عجب سرشاری تھی۔ اور میرب سیال اپنی بے بسی خوب جانتی تھی۔

"اتنی بندشوں کا پابند خود کو کرنا بہت فضول لگتا ہے ہنی! کھل کر سانس لینے سے جو تر و تازگی اندر سرای کرتی ہے اس کی لذت ناقابل بیان ہے۔ جب اتنے حقائق سامنے ہوں تو اپنے اندر سے گھٹن زدہ اور بوسیدہ ماحول کو نکال دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی خود سے، اپنے آپ سے انحراف کر کے، اپنے اندر دبی دبی آواز کو بھی سن لینا چاہئے۔ دیکھنا تو چاہئے کہ دل کیا کہتا ہے۔ بلاوجہ کے واہموں میں خود کو الجھ کہاں کی عقل مندی ہے۔" اس کے ملائم ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر ایک خاص انداز سے دیکھ ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔

"مانا اندیشوں کی فکر بھی کرنا چاہئے۔ مگر ہر وقت یہ سلسلہ جاری رہے، کوئی اتنا ضروری بھی نہیں۔ ک کبھی عقل و خرد کو دل کی سمت آنے والی راہوں پر آنے سے روک دینا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ہم یہ اقدامِ خاص انجام دینے سے قطعاً بھی دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ دل کے وصف جتنے زالے! بہرحال اتنے دل پذیر بھی ہیں۔ اور زندگی کو بہر طور لطافتوں کی ضرورت ہر گز، باقی رہتی ہے۔ کیا حرج۔ اگر کبھی دل کو صرف دل کے اختیار میں دے دیا جائے اور مکمل اختیارات سونپ کر اسے آزاد چھوڑ جائے۔ اب یہ اتنا سرکش بھی نہیں کہ لوٹ کر واپس ہی نہ آئے۔ دل، دل ہی تو ہے۔ کچھ نرم، کچھ گر بالکل اپنے پُر لطف احساسات کی طرح۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ کہانی کچھ اس سے الگ اور ہٹ کر ہے کتنی بھرپور توجہ سے وہ اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے دریافت کر رہا تھا اور میرب سیال۔ پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ لاجواب ہو گئی تھی بلکہ وہ حیرتوں میں گنگ تھی اور لبو پر چپ کے ہزار تالے پڑے تھے اور ایسے میں وہ بولتی بھی تو کیا؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ شاید اس پر کسی قدر ترس آ گیا تھا۔

"حُسن واقعی کرشمہ ساز ہے ہنی! گرفت میں لینے والے سارے تیور اسے ازبر ہوتے ہیں۔ مگر یا یہاں کچھ سمجھنے اور سمجھانے کی نہیں ہو رہی، نہ ہی جتانے کی۔ بات تو ہے دل سے دل کو منانے کی۔ اور بے شک بے حد ضروری ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تم اس حقیقت سے کوئی انحراف کرو گی یا کسی طرح کی پر تمہیں کوئی انا گیری گھیرے میں لے گی۔ کیونکہ یہ بات میں بھی جانتا ہوں اور تم کو بھی سمجھ لینی چاہئے دلوں میں بننے والے سارے سلسلوں میں درحقیقت صرف محبت کو سفر کرنا چاہئے۔ صرف اور صرف م کو۔ باقی کسی بات کی گنجائش نہیں۔" انداز باور کراتا ہوا تھا۔ مگر میرب سیال نے اپنے سامنے کھڑے کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کے نازک شانوں کو تھاما میرب سیال کے نازک وجود میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ کسی ممکنہ خطرے کو بھانپ کر وہ آنکھیں

سبکتگین حیدر لغاری نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا پھر اس وجود کو اپنے بازو کے حصار میں لے ے جہازی سائز کے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لئے یہ سارے لمحے قیامت ھڑکنوں کے زیر و بم سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ قدم من من بھر کے لگ رہے کے لئے آگے بڑھنا دشوار ترین تھا۔ مگر کوئی مزاحمت اس کے لئے محال تھی۔ سردار سبکتگین حیدر قدم مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے بعد تھمے تھے۔ بہت آہستگی سے اسے بیڈ پر بٹھایا تھا۔ میرب سیال انفعال جیسے ناچار سر انجام دے رہی تھی۔ دم سادھے اس کی سمت دیکھنے سے مکمل طور پر گریزاں ار سبکتگین حیدر لغاری نے مکمل اختیار سے اسے لٹا کر اس پر کمبل ڈالتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور ا۔

ج کی شب کی صبح کیسی ہو گی، اس کی خبر نہیں۔ مگر آج کے دن کے سارے خواب تمام ہوئے۔ ہے کہ جس طور بسر کرنے کی خواہش تھی، اس طور یہ دن بسر ہوا۔ گڈ نائٹ، اب تم سو جاؤ۔ صبح کیا اس کا فیصلہ غالباً صبح پر ہی چھوڑ دینا کافی ہو گا۔" مسکراتے لبوں پر ایک ملائمت تھی۔ نظروں میں ت، مگر ایک پُر تعظیم انداز، جیسے اس کی پرواہ رکھتی ہوں۔

نائٹ ——!"

آہستگی سے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کی پیشانی پر ایک مُہر خاص ثبت کرتا ہوا اُٹھا تھا اور پلٹ کر ے باہر نکل گیا تھا۔ اور میرب سیال اس سرد موسم میں جل اٹھنے والے الاؤ میں گھری، نرم بستر پر دیر تک اس لہجے کی تپش میں جلتی رہی تھی۔ نگاہیں کتنی حیرت سے اس بند دروازے کو تکتی رہی ے ابھی تھوڑی دیر قبل سردار سبکتگین حیدر لغاری بند کر گیا تھا۔ مگر اس ایک دروازے کو بند کرنے خیالات کے کتنے در وہ انجانے میں وا کر گیا تھا یا پھر دانستگی کے سارے اقدامات تھے۔

انابیہ شاہ کے اندر جھکڑ سے چل رہے تھے۔

اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک قیامت کا لمحہ آ کر گزر گیا ہے۔ مگر ایسا ہو چکا تھا اور خرد و عقل کو ازبر تھی۔ مگر اسے جھیلنا پھر بھی دشوار ترین تھا۔ کئی لمحے بیت چکے تھے اس بات کو مگر اس کا وجود اب تک رہا تھا۔ اس لہجے کی بازگشت وہ اپنے اردگرد محسوس کر رہی تھی۔

”ان آنکھوں نے ——— انابیہ شاہ! تمہاری ان آنکھوں کا پہرہ میرے دل پر تب سے ہے جب بار مجھے دکھائی دی تھیں۔ تمہاری شباہتوں کا ڈیرہ تب سے میرے اندر ہے میرے لہو میں، میری رگ میں دوڑ رہا ہے جب سے تم نے ایک بے خبر سی نظر مجھ پر کی تھی۔ ایک سرسری سی نگاہ۔ مگر وہ میرے قیامتیں برپا کرنے کو کافی تھی۔ پہلی بار میں نے خود کو بے حد بے بس پایا۔ انابیہ شاہ! شاید میں تمہیں نہیں سکوں گا۔“ اس لہجے میں کتنی شدتیں تھیں۔ اپنے اردگرد گونجتی اس بازگشت میں اسے ایک الاؤ محسوس ہو رہا تھا اور اس الاؤ میں اس کا سارا وجود جل رہا تھا۔

ناممکن تو نہ تھا سب کچھ۔

اسرار اور بھید تو اول روز سے محسوس ہو رہے تھے۔ مگر وہ اپنے طور پر بند باندھنے کی ناکام کوشش تھی مگر سراسر ناکام رہی تھی۔

عفنان علی خان کا جنون، اس کی محبت ایک بپھرا ہوا سمندر تھا جو اپنے اندر بہت سے تلاطم رکھتا تھا کے اندر ہزارہا طغیانیاں تھیں اور ہزارہا طوفان۔

غلطی اس کی تھی شاید۔ وہ ممکنہ خطرات کو بھانپ کر بھی کوئی مناسب حکمت عملی وضع نہ کر سکی تھی۔

اپنی آنکھوں، اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اس کا انداز کس قدر پُر وحشت تھا۔

”ان آنکھوں نے انابیہ شاہ! ——— تمہاری ان آنکھوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔“ گئے دنوں باتوں میں اس طوفان کے شواہد ملتے تھے۔ پھر وہ کیسے نہ سمجھ سکی تھی؟ کیسے نہیں؟

”میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں ——— ہر شے، جو ناممکن ہے، اسے بھی ممکن کر سکتا ہوں ایسا میں کر کے دکھاؤں گا۔ اور تم دیکھو گی انابیہ شاہ!“ ایک بے حد پُر عزم لہجے کی بازگشت اس کے اند اس نے قریب رکھا گلدان اٹھا کر اس آئینے پر دے مارا تھا جس میں اس کا عکس تھوڑی دیر قبل جھلملا رہا

❄❄❄

ازہان حسن بخاری نے وعدہ تو کر لیا تھا مگر وہ اس پر عمل درآمد نہیں کر سکا تھا۔ اور ساہیہ خان ا

ر کا بھید پا گئی تھی اسی لئے دوسرے دن وہ اس کے سامنے تھی۔

ہ تو نہیں جانتی، مگر مجھے لگ رہا ہے ازہان! جیسے تم مجھ سے دانستہ بھاگنا چاہ رہے ہو۔ مجھے بتاؤ، ایسا ہے؟“ ساہیہ خان کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آ رہی تھی۔ مگر ازہان حسن بخاری نے بہت سرسری انداز میں ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

یا کچھ نہیں ہے۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ کیا بات کرنے والے تھے ہم؟ ——— کچھ ورک آؤٹ کیا تم ، پروجیکٹ کو لے کر؟“ ازہان حسن بخاری کا لہجہ کسی قدر بے تاثر تھا اور ساہیہ کی نگاہوں میں بے یقینی

-(

ہان! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ——— یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کرنے لگے ہو؟ ایسے اجنبی تو نہ تھے ہم؟“

ان حسن بخاری کے لبوں پر بہت بے جان مسکراہٹ ابھری تھی۔

ساہیہ خان! تمہیں عادت ہو چلی ہے بلاوجہ شک کرنے کی۔ ایک بات طے ہے، تمہارے ہزبینڈ کی ی گزرنے والی ہے۔ تم تو ناک میں دم کر دو گی اس کا۔“ تجزیہ کمال کا تھا۔ مگر ساہیہ خان قطعاً محظوظ ئی تھی۔

یسی رسمی اور مروت سے لبریز باتوں کی جگہ تو ہمارے درمیان پہلے نہیں تھی۔ کہیں تم...... اوہ، ہاں تو تم بات کو لے کر اب تک اتنے ڈپریسڈ ہو۔ لیکن کہا تو تھا وہ سب مذاق تھا۔ ماما انکل کی ایڈوائز میرے ہے۔ مگر جب میں تم پر بھروسہ کر رہی ہوں تو مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ غلط ہرگز نہیں ہے۔ لیکن ن حسن بخاری! تم ایسے کیسے ہو سکتے ہو؟ اور وہ بھی میرے ساتھ؟“ ساہیہ خان کا لہجہ ہی نہیں، نگاہ بھی سے پُر تھی۔ مگر ازہان حسن بخاری چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ ساہیہ خان ے خاموشی سے دیکھا تھا پھر پلٹ کر آگے بڑھنے لگی تھی۔ اور اسی لمحے ازہان حسن بخاری نے نجانے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی طرف مڑ کر نہیں تھا۔

ازہان! پلیز، اب کوئی وضاحت دینے کی کوشش مت کرنا۔ میرے لئے ٹولریٹ کرنا آسان نہیں ہو رم لہجے میں کہا تھا مگر ازہان حسن بخاری نے اس کے ہاتھ کو چھوڑے بغیر اس کی طرف دیکھا تھا۔

نہیں ساہیہ! میں کسی قسم کی کوئی وضاحت دینے کی کوشش نہیں کر رہا۔ ایسا کروں گا بھی تو شاید یہ بہت فضول لگے گا۔ میں تمہیں کسی طرح کی زک نہیں پہنچانا چاہتا۔ اگر تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہو تو ت۔ تم بیٹھو۔“ اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔ ساہیہ خان نے پلٹ کر ازہان حسن بخاری کی دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

ازہان حسن بخاری! مجھے لگتا ہے اگر میں یہاں رکوں گی تو تمہاری الجھنوں میں مزید اضافہ کر دوں گی۔ مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تمہیں جو بھی مشکل درپیش ہے اس میں کہیں نہ کہیں میرا کوئی حصہ ضرور ہے۔“ خان کا انداز پُر اعتماد تھا اور ازہان حسن بخاری نگاہ پھیر گیا تھا۔

الکی کیا بات ہے ازہان حسن بخاری! جو تم مجھ سے نگاہ نہیں ملا پا رہے ہو؟“

مگر اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف تب بھی نگاہ نہیں کی تھی۔

”اوہ —— مائے گاڈ۔ اذہان! تمہاری چپ مجھے کیوں کسی بات کی صاف چغلی کھاتی لگ رہی ٹھیک ہے، تم مجھے نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ مگر سنو، اگر تمہاری اس چپ کے باعث کہیں کسی جگہ میری ز کو کوئی زک پہنچی تو اس کے لئے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

”تمہیں اگر مجھ سے کچھ کہنا ہو تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔ اب میں یہاں بالکل نہیں آؤں گی۔“ خفا خفا انداز سے کہہ کر وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور اذہان حسن بخاری کے پاس ماسوائے اسے خاموشی سے جا ہوئے دیکھتے رہنے کے اور کوئی راستہ نہ تھا۔

* * *

بہت عرصے بعد وہ جیسے پُرسکون نیند سویا تھا۔ صبح کا سورج بیدار ہو کر اس کی کھڑکیوں پر اپنی دستک د چکا تھا مگر آج عفنان علی خان کا اٹھنے کا کوئی موڈ نہ تھا۔ شاید وہ اور کچھ دیر اسی طرح پڑا رہتا لیکن فو مسلسل ہونے والی بیل نے اسے کسی قدر ڈسٹرب کر دیا تھا۔ کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں اس نے ریسیو کی تھی۔

”ہیلو۔“ لہجہ نیند کی خماری سے بھرا تھا اور آنکھیں بدستور مُندی ہوئی تھیں۔

”ہیلو —— عفنان! لامعہ حق اِز ہیئر —— ویئر آر یو؟ —— اور یہ تم نے اپنا سیل کیوں آ رکھا ہے؟“

”اوہ —— تھانیدار جی آپ ——“ عفنان علی خان کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ ”کیا خیال ہے آ —— بندہ اس وقت کہاں ہو سکتا ہے؟“ لہجہ کسی قدر تپا ہوا تھا مگر لامعہ حق بنا پرواہ کئے بولی تھی۔

”جاگے نہیں ہو کیا اب تک؟“

”جاگ چکا ہوں —— تم شام میں کیا کر رہی ہو؟“

”کیوں —— تمہارا پروگرام مجھے ڈیٹ پر لے جانے کا ہے؟“ لامعہ حق نے دوسری طرف چھ مگر وہ قطعاً محظوظ نہیں ہوا تھا۔

”تم شام میں مجھے شنگھریلا میں ملو۔“ حکم دیا تھا۔

دوسری طرف لامعہ حق مسکرا دی تھی۔

”خیریت؟ —— یہ آج اس قدر مہربانی کس لئے؟“

”تم ملو —— خود جان جاؤ گی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں نے فون تمہیں اس لئے کیا تھا، وہ پاپا کی کوئی اہم ترین فائل تمہارے ہے۔ پلیز تم وہ ان تک ضرور پہنچا دینا۔ اور تھینکس فور انوائٹنگ می۔ میں شام میں شنگھریلا پہنچ جاؤں گی دیکھو آج پھر تم کوئی پخ لگا کر منع مت کر دینا۔ تمہارا کوئی اعتبار بھی نہیں ہے۔“

”یقین رکھو —— آج کا شیڈول قطعاً بھی تبدیل نہیں ہوگا۔“ عفنان علی خان کا لہجہ یقین دلاتا

ی طرف لامعہ حق نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ وہ آج عرصہ دراز بعد بہت مسرور سا اٹھا تھا۔ جیسے کوئی بوجھ ہولے ہولے سرک رہا تھا۔ وہ پُرسکون لگ رہا تھا۔ لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ ہ بہت مگن سا سیٹی پر کوئی شوخ سی دُھن بجا رہا تھا۔ ھ لے کر نکلا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کا فون آ گیا تھا۔ اسکرین پر اس کا نام دیکھ کر عفنان علی رایا تھا۔ پھر کال ریسیو کر کے سیل کان سے قریب کر لیا تھا۔

تو آخر کار آپ کو یاد آ گئی ہماری۔ ہمیں تو آپ کا انتظار تھا۔ آپ نہ آئے...... سو یہ کال بھی غنیمت لگی عفنان علی خان نے شکوہ کیا تھا۔

سری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔ ”مصروفیت اچانک بڑھ گئی تھی۔ ورنہ تم جانتے ہو، بکتگین حیدر لغاری وعدے کا کس قدر پابند ہے۔“

”میں تو سمجھ رہا تھا شریکِ سفر کی محبت نے لمحوں کو طوالت پر مجبور کر دیا ہے۔“ ایک لطیف سا مذاق کیا ور جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

”ہاں، وہ بھی ہے...... مگر کام زیادہ اہم ہے۔“

”شریک سفر کو خوش رکھنا اور اسے وقت دینا بھی تو ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اب تو بھابی کو دیکھنے کا دوچند ہو گیا ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے والی لڑکی معمولی ہرگز نہیں ی۔“ مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو —— دیکھو، اب بھی میں شکاگو میں ان محترمہ کا برتھ ڈے سیلی بریٹ کرنے میں ا ہوں۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

”سب کام کاج چھوڑ کر؟“ عفنان علی خان کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔

”غالباً۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جواب قریباً مثبت تھا۔

”گریٹ ——“ عفنان علی خان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ”تو آخر کار جگہ جگہ وفاداریاں لنے والا سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک جگہ ٹھہر ہی گیا۔ کیا میں ان عظیم خاتون سے بات کر سکتا ہوں جنہوں اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟“ عفنان علی خان نے خواہش ظاہر کی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنستا گیا تھا۔

”ویل سیڈ۔ میں اس وقت باہر ہوں، وہ ہوٹل میں ہے۔ آج بھی تمہاری بات اس سے نہیں ہو سکتی۔ تمہاری نیّا کہاں تک پہنچی؟ کنارے لگ گئی یا اب تک بیچ منجدھار میں ہی پھنسی ہوئی ہے؟“

”یہ محبت کی ناؤ ہے میرے بھائی! اتنی آسانی سے پار نہیں لگتی۔ ہزاروں طوفانوں کا مقابلہ مردانہ وار کرنا ا ہے تب بھی یہ ناؤ ڈولتی ہی رہتی ہے۔“ عفنان علی خان نے دردناک لہجے میں کہا تھا اور سبکتگین حیدر غاری ہنس دیا تھا۔

”اور کس نے کہا تھا محبت کرو؟“

عفنان علی خان کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

"کسی نے بتایا ہی نہیں تھا میرے دوست! کہ یہ اتنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اب سر پر پڑی جھیلنا آہی جائے گا۔"

"اور نتیجہ کیا رہا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

"نتیجہ تو معلوم نہیں، مگر کوششیں سنا ہے کامیاب ہو جاتی ہیں۔"

"تو تم کوششیں کر رہے ہو۔ گڈ، میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کروں گا۔"

"بھابی کا اسی طرح خیال رکھنا۔" عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

"تم سے تو بے فائدہ ہے —— ہاں، بھابی سے بات کرنا واقعی سود مند ہوگا۔ فارغ ہو جاؤ تو ان بات ضرور کرانا۔ مجھے یقین ہے بہت سی گُر کی باتیں ہاتھ لگیں گی۔" انداز چھیڑنے والا تھا۔ سردار حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

* * *

بہت بے دلی کے ساتھ گاڑی پورچ کرنے کے بعد وہ اندر داخل ہوا تھا۔ انداز بے حد تھکن لئے ہو تھا۔ کوٹ اتار کر بائیں کلائی پر دھرا تھا، دائیں ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے قدم اپنے کر طرف بڑھا رہا تھا جب فارحہ کی آواز نے اُسے چونکا دیا تھا۔

"آج آنے میں تم نے اتنی دیر کر دی؟" فارحہ زینے کے آخر پر کھڑی تھیں۔ اذہان حسن بخاری کر دیکھا تھا، سامنے ماں موجود تھی۔ مگر اس استفسار پر وہ کسی قسم کی کرٹسی کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا۔

"کام کچھ زیادہ تھا آج۔" بولا تھا تو انداز بہت سرد تھا۔

"تھک گئے ہو؟" بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کچھ کہے بغیر سر اثبات ہلا دیا تھا۔

"اتنے تھک گئے ہو کہ کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں جا رہے ہو؟" فارحہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

"وہ......میں نے کھا لیا تھا۔" الجھن اس کی آنکھوں میں ہی نہیں، اس کے لہجے اور آواز میں بھی چھلک رہی تھی۔ "آپ......آپ نے کھانا کھایا؟"

"اس گھر کا ایک اصول رہا ہے اذہان! —— جب تک سارے افراد اکٹھے نہ ہو جائیں، کھانا نہیں جاتا۔" فارحہ کا لہجہ سپاٹ تھا جیسے وہ اس سکوت میں چھپے بھید کے معنی سمجھنا چاہ رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری شرمندہ سا دوبارہ اتر آیا تھا اور چلتا ہوا فارحہ کے سامنے آن رکا تھا۔

"ممی! آپ......"

"اذہان!" اذہان نے بولنا چاہا تھا مگر فارحہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا اور پُرشکوہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی تھیں۔

"مجھے تمہارے رویے میں کوئی بڑی تبدیلی نظر آ رہی ہے اذہان! میں نے یہ گھر بہت مشکل سے بنا اور مجھے خود پر بہت فخر محسوس ہوتا تھا کہ میں نے اینٹ اینٹ جوڑ کر محبت کی ایک عمارت تعمیر کی ہے۔ عمارت کے باسیوں میں محبت کا بسیرا میرے ان ہاتھوں سے ہوا تھا۔ یہ گھر میری زندگی بھر کی کمائی تھا۔

نیاد کیا ہلی سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔ آج اس گھر کی اینٹ اینٹ گرتی ہوئی دیکھ رہی ہوں اور مجھے ہو رہا ہے۔" آواز میں ایک کرب تھا اور اذہان حسن بخاری اس لمحے شرمندہ ہو گیا تھا۔ ماں کے گرد و پھیلایا تھا اور لے کر چلتا ہوا صوفے کی سمت آ گیا تھا۔

می! آئی ایم سوری۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا قطعاً نہ تھا۔ دراصل......میں واقعی تھک گیا تھا......" وہ بولا تھا جب فارحہ نے تیزی سے اس کا جملہ کاٹا تھا۔

ھک تو میں بھی گئی ہوں اذہان! مگر میں کس سے کہوں، بتاؤ کس سے؟" ان کا لہجہ قدرے اُداس تھا۔

جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ فارحہ کی آنکھوں میں نمی بھر آئی تھی۔ چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے ان کا لہجہ ست خوردہ تھا۔

ھک تو میں بھی گئی ہوں......بولو......میں کیا کروں؟......کہاں جاؤں؟......میرے لئے تو جائے پناہ بھی نہیں ہے۔ کوئی دوسری راہ بھی نہیں ہے۔ میں کتنی بے بس ہوں۔ کتنی شکست خوردہ اور ہوں......کسے بتاؤں میں، کسے کہوں کہ میں ہار گئی ہوں؟"

ھم لہجے میں ایک کرب تھا۔ کتنے ہی آنسو، آنکھوں سے ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے تھے۔ اذہان حسن نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے پونچھتے ہوئے مدھم لہجے لا تھا۔

"پلیز ممی! میرا مقصد آپ کو تنہا کرنا نہیں تھا۔ نہ ہی میں آپ کو ناخوش کر سکتا ہوں۔ میں آپ سے اجنبی ہیں ہو سکتا۔ کچھ بھی ممکن نہیں ہے میرے لئے۔"

ارحہ نے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"تو پھر مجھ سے بھاگ کیوں رہے ہو؟ —— اس گھر سے —— اس گھر کے لوگوں سے؟ کیا میں جانتی تجھے؟ —— تُو کیوں وہ بات مجھے نہیں بتا رہا جو تجھے کاٹ رہی ہے؟ —— ایسا کیا ہے جو تجھے چین کر رہا ہے؟ ہمارے درمیان اس روز رشتے کی بات ہوئی تھی نا، تو ٹھیک ہے۔ تمہیں پسند نہیں تو نہ ہم دوبارہ اس پر کبھی بات نہیں کریں گے۔ مگر تُو......تُو خود پر کوئی جبر نہ کر......خود کو کوئی سزا نہ ے۔" فارحہ کا لہجہ لجاجت لئے ہوئے تھا اور اس لمحے اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا تھا۔

"نہیں ممی! —— ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپ چاہتی ہیں نا، ساہیہ سے میرا تعلق جڑے —— تو ٹھیک آپ ایسا کر سکتی ہیں۔ مگر پلیز، آئندہ کبھی ان آنسوؤں کو ان آنکھوں سے بہنے مت دیجئے گا۔ آپ کے ے کے لئے آپ کے احساسات، جذبات بہت معنی رکھتے ہیں۔" لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔ فارحہ کسی قدر حیرت ے بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"اذہان! مجھے بتاؤ، پرابلم کیا ہے؟ تم کیوں مجھ سے بات کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہے ہو؟ ہاری ماں ہوں میں۔ کیا اپنے دل کی بات تم مجھ سے بھی نہیں کہہ سکتے؟ —— ساہیہ خان میرے خیال ے تمہارے لئے سب سے بہتر لڑکی تھی، تمہارے لئے وہ ایک بہترین شریکِ سفر ہو سکتی تھی۔ مگر ایسا صرف ں نے سوچا یا پھر تمہارے پاپا نے۔ تم چاہو تو اس سوچ کو، اس پسند کو رد بھی کر سکتے ہو۔ مگر اس طرح نہیں

اذہان! ـــــــ مجھ سے تمہارا یہ اُلجھن سے بھرا رویہ برداشت نہیں ہو رہا۔ تم اگر ساہیہ سے صرف ا
ہاتھ کھینچنا چاہتے ہو، صرف اور صرف اس لئے دور ہٹنا چاہتے ہو کہ ساہیہ خان تمہارے پاپا کی بھی پسند
یہ جواز بہت بچگانہ ہے اذہان! ـــــــ صرف اس جواز کو لے کر تمہیں اپنی زندگی بگاڑنے کا حق میں
دوں گی۔ اور رہی بات یہ کہ تم اس فیصلے سے اس لئے ناخوش ہو کہ اسے تمہارے پاپا نے تمہارے لئے
اور تم ان سے نفرت کی حد متعین کرتے ہوئے کسی شدت پسندی کا ثبوت دینا چاہتے ہو تو یہ بھی میرے
ناقابل قبول ہوگا۔ کیونکہ اذہان! تم میرے بیٹے ہو۔ مگر اپنے ہزبینڈ سے نفرت کی اجازت میں تمہیں
نہیں دوں گی، نہ ہی مخالفت کرنے کی۔ ان کے اور میرے درمیان کیا ہوتا ہے؟ کیوں ہوتا ہے؟ یہ تمہا
سر نہیں۔ تم اپنے معاملات میں اس رشتے کی کسی کڑواہٹ کو لانے کی کوشش مت کرو۔ اپنی زندگی کو
اور عقل سے اور نقصان کے تعین کے ساتھ پرکھنا سیکھو۔ اگر ساہیہ تمہیں پسند ہے اور تم اسے صرف ا
کھونا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے پاپا کی پسند کردہ لڑکی ہے تو یہ سراسر غلط ہوگا۔ اور اگر کوئی اور وجہ بھی ہے
چاہوں گی تم اسے دل میں رکھنے کی بجائے کہہ دو۔ کیونکہ اُلجھنیں دل میں رکھنے سے اور بھی بڑھتی ہیں
نہیں۔“ فارحہ، بیٹے کی سمت جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں مگر اذہان حسن بخاری کچھ بھی
چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

”اذہان! ساہیہ خان اتنی اچھی اور پیاری ہے کہ کوئی بھی اسے ٹھکرا نہیں سکتا۔ تمہارے دل میں
میں نہیں جانتی۔ مگر ساہیہ جیسی لڑکی میرے بیٹے کی بہترین شریکِ سفر ہو سکتی ہے۔ ایسا میں سوچتی ہوں
رد کرنے والا کوئی احمق ہی ہوگا۔“

اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

”ممی! مجھے پسند پر کوئی اعتراض نہیں۔“ لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔ فارحہ نے بیٹے کو
حیرت سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیا تھا اور ان کی طرف دیکھنے لگا

”آپ کو لگتا ہے تو ٹھیک لگتا ہے ممی!“ اس نے عندیہ دیا تھا۔ فارحہ اسے اسی طرح دیکھ رہی تھ
اذہان حسن بخاری نے اپنا سر فارحہ کے شانے پر دھر دیا تھا۔

”آپ ساہیہ خان کو میری زندگی کا حصہ کر سکتی ہیں۔“ مدھم لہجے میں کہہ کر وہ یکدم اٹھا تھا اور چلا
سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا۔

* * *

عفنان علی خان، لامعہ حق کے سامنے بیٹھا تھا اور دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دونوں
ایک دوسرے سے نظریں پھیرے بیٹھے تھے۔ لامعہ حق کے چہرے پر ایک بے یقینی کی کیفیت تھی اور آنکھوں
میں ایک انجانی سی ویرانی۔

عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھا تھا اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

”لامعہ حق! زندگی میں منافقت ہونا اچھا نہیں۔ جو دل میں ہو وہی افعال و اعمال میں بھی ہونا ضرور
ہے۔ مجھے کہنے دو لامعہ حق! کہ دلوں کے درمیان فقط محبت کو ربط بن کر رہنا چاہیے، کسی سمجھوتے کو نہیں۔

ہت نازک اور پُر پیچ ہوتے ہیں۔ ان پر محبت کی ناؤ تو چل سکتی ہے مگر کوئی سمجھوتہ ٹرین ہرگز نہیں
وئی راہ دلوں میں نہیں پڑتی جس پر سمجھوتے اپنی راہ بناتے ہوں۔ دل سے دل تک صرف محبت
، کوئی سمجھوتہ نہیں۔ مصلحت کے تقاضے دو ریاستیں تو مان سکتی ہیں مگر دو دل قطعاً نہیں۔ دل کسی
ٹیبل پر آ بھی جائیں تو بات فقط احساسات کی ہوتی ہے، محبت کی ہوتی ہے۔ محبت اپنے مفادات
ں چلتی۔ مگر محبت سے کم پر قناعت بھی نہیں کر سکتی۔ محبت کی قناعت بھی صرف محبت ہے۔“
ق نے اس کی سمت دیکھے بغیر اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی سے بیش قیمت رِنگ نکالی تھی اور ٹیبل پر اس
رکھ دی تھی۔

ا جانتی ہوں عفنان علی خان! ـــــــ دلوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ٹرین نہیں چل سکتی، فقط محبت
ہے۔ اور محبت، تمہارے میرے درمیان نہیں۔“ ایک بے جان سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر ٹوٹی
فنان علی خان کی طرف دیکھنے سے مکمل گریز کر رہی تھی جیسے وہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ ضبط کے
ں سے گزر رہی ہے۔

ے تمہاری فیئر اپروچ پسند آئی عفنان علی خان! ـــــــ کم از کم تم میں سچ بولنے کی ہمت تو ہے۔ کچھ
ں تو وہ بھی نہیں ہوتی۔ ساری زندگی دل کے منافی گزار دیتے ہیں۔ عمر بھر منافقت کرتے رہتے ہیں
احساسِ جرم تک نہیں ہوتا۔ تمہاری ہمت تو قابل داد ہے۔ کم از کم تم عام مردوں کی طرح نہیں ہو۔
...شاید تبھی مجھے تم اچھے لگتے ہو۔“ آنکھوں کے کناروں کی نمی کو انگلیوں کے پوروں سے پونچھتی ہوئی
تھی۔ ”شکر ہے ہم نے ساری زندگی اس دھوکے میں نہیں گزاری۔ بہت سے لوگوں سے ہم پھر بھی
رہیں۔ ہم نے سراب منظروں کو دیکھتے دیکھتے عمر نہیں گزاری۔“

نان علی خان نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ تسلی کا کوئی لفظ اس گھڑی اس کے لبوں پر نہ تھا۔ اس کی
میں کوئی ملال نہ تھا۔ مگر لامعہ حق کے لئے یہ گھڑی کسی قدر ملال کی تھی۔

عفنان علی خان! مجھے بہت ملال ہے۔ کیونکہ میں تم جیسے خالص شخص کو کھو رہی ہوں۔ کاش تمہاری محبت
لئے ہوتی .... میری ہوتی۔“ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر اس کی آنکھوں کے کنارے نم تھے۔
ہے، اگر تم دلوں کے مابین سمجھوتے کر لیتے تو ہم دونوں جنتی ہوتے۔“ وہ مسکرائی تھی۔ ”تم مجھے دیکھ کر
تے اور میں تمہیں دیکھ کر شکر۔ اور صابر اور شاکر دونوں جنتی ہیں۔“ وہ مسکرا رہی تھی۔ مگر عفنان علی خان
ے مسکرا نہیں سکا تھا۔ شاید اسے لامعہ حق کے دُکھ کا احساس تھا اور شاید اسی لئے اس نے اپنا مضبوط
ں گھڑی اس کے نازک سے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ مگر لامعہ حق اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی سر نفی میں
لگی تھی۔

”کچھ مت کہنا پلیز۔ کچھ بھی مت کہنا۔ مجھے اس لڑکی سے یقیناً بہت جیلسی محسوس ہوگی۔ اس لئے
ں کی بھی نہیں کہ وہ کون ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں وہ جو کوئی بھی ہے، یقیناً بہت لکی ہے۔“ لامعہ حق
کراتے ہوئے جتایا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

”بُری تم بھی نہیں ہو لامعہ حق!“

''ہاں ـــــ مگر اس سے اچھی ہرگز نہیں۔'' وہ جانے کیوں اس لمحے کو بہت لائٹ لینا چاہ رہی تم
کے لبوں کی مسکراہٹ دیکھ کر عفنان علی خان چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''لامعہ حق! دل کے کھیل بہت عجب ہیں۔ اس میں پیدل مات ہوتی ہے۔ مجھے اپنی جیت کا کوئی
نہیں ہے مگر میں یہ رسک لے رہا ہوں۔ کیونکہ محبت میرے ساتھ ہے اور مجھے دلاسہ دے رہی ہے
دل اس دل کی ضرور سنے گا۔ وہ مجھے ملتی ہے یا نہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ مگر وہ نہیں تو کوئی اور بھی نہیں۔
وہ منافقت والی زندگی کبھی نہیں گزاروں گا۔ وہ ہوگی تو اس کے ساتھ جیوں گا۔ وہ نہیں بھی ہوگی تو ز
کے لئے ہوگی ـــــ شہ یا مات۔''

اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ پرعزم تھا۔ اور لامعہ حق مسکرادی تھی۔

''ایک بات بتاؤ گے؟ ـــــ اس نے تمہارے اندر جگہ مجھ سے پہلے بنائی تھی یا میرے بعد؟''
لب مسکرا رہے تھے مگر ان آنکھوں میں اس لمحے ایک اُداسی تھی اور لہجے میں ایک حسرت۔

عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔ مدت کتنی کثیر ہے یا کتنی قلیل، وہ میرے اندر ہے اور پل پل ہے۔ میں لمحہ
سوچتا ہوں۔ وہ قدم قدم میرے ساتھ چلتی ہے، اہم صرف یہ ہے۔ کب سے ہے، یہ نہیں۔''

''تمہاری دیوانگی اس پر منکشف ہے؟'' عجب سوال تھا اور عفنان علی خان کے لبوں پر ایک
مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

''نہیں۔''

لامعہ حق نے اسے شدید ترین حیرت سے دیکھا تھا۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''اصل مقصد یہ نہیں کہ وہ مجھے چاہتی ہے یا نہیں۔ میں اسے چاہتا ہوں، اصل بات یہ ہے۔
جواب محبت سے آئے یہ ضروری نہیں۔''

لامعہ حق مسکرادی تھی۔ لہجے میں حیرت بے حد نمایاں تھی۔

''اور تم یہ جو اس کے لئے کھیل رہے ہو؟'' جانے کیا جتانا چاہا تھا اسے۔ شاید کسی اندیشے کی طر
مبذول کرانا چاہتی تھی وہ۔ مگر عفنان علی خان ایک عزم سے مسکرادیا تھا۔

''ہاں ـــــ کیونکہ محبت کو شہ اور مات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔'' چہرے پر حد درجہ سکون تھا۔
اپنے فیصلے سے مطمئن تھا۔

''اگر وہ لڑکی میرے سامنے ہوتی تو شاید میں اسے قتل کر چکی ہوتی۔'' لامعہ نے مسکرا
انکشاف کیا تھا۔ وہ چونکا تھا۔

''حسد کی وجہ سے؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

لامعہ حق نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور وہ مسکرادیا تھا۔

''اوہ مائے گاڈ ـــــ اتنی انتہا پسندی اچھی نہیں ہوتی۔ اس شدت پسندی کو کسی اور کے لئے
رکھو۔ کیونکہ زندگی میں کوئی ایک ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے لئے ایک زندگی ناکافی لگتی ہے۔ اور
ہ کوئی ایک تمہاری زندگی میں بھی ضرور آئے گا ـــــ کب؟ خدا ساری مناجاتیں سنتا ہے۔''

عہ حق اس تسلی پر کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک نظر اسے مسکرا کر دیکھا تھا، پھر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے
ئی۔

نان علی خان نے ایک نظر اسے جاتا دیکھا تھا اور پھر نظر ٹیبل پر دھری اس رِنگ پر پڑی تھی۔ اس نے
ھا کر اسے اٹھا لیا تھا اور بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

❋ ❋ ❋

ہان حسن بخاری جانتا تھا، اس کی رضامندی کے بعد ممی دیر نہیں کریں گی۔ وہ پہلی فرصت میں
ل لے کر ساہیہ خان کے گھر ہوں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا تھا۔

ماہیہ خان کا فون آیا تھا۔ خاصی جلی کٹی سنا رہی تھی مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی ازہان بخاری! یہ سب کرنے کی؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا، ہمت کیسے ہوئی؟ بھئی جی دار بندے ہیں ـــــ ہر کام ڈنکے کی چوٹ پر
تے ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا مگر آنکھوں میں ایک عجب ویرانی کا تاثر تھا۔ اس کا لہجہ بھی اس بات کی چغلی
کھا رہا تھا۔

''ازہان! شٹ اپ۔ تم جانتے ہو یہ سب جو ہو رہا ہے ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ عجب شش و پنج میں تھی۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے؟'' اسے چھیڑنے کا قصد کیا تھا مگر وہ ڈپٹنے لگی تھی۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے۔'' باقاعدہ اس کی نقل اتاری گئی تھی۔ ''اتنے ہی تو بچے ہو نا تم...... دیکھ نہیں رہے
تنے اہم کام سرانجام دینے جا رہی ہوں میں۔ بزنس اسٹارٹ کرنا بچوں کا کھیل تو نہیں ہوتا۔ اور تم......''
بوکھلاہٹ میں بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''بچوں کا کھیل نہیں ـــــ یہی بات تو تمہیں سمجھنا ہے ساہیہ خان! ایک پرفیکٹ بزنس ٹائیکون کی
ں کے لئے بزنس کرنا زیادہ آسان رہے گا۔ وہاٹ ڈو یو تھنک؟'' مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا اور وہ سٹپٹا
رہ گئی تھی۔

''ازہان! آر یو میڈ؟ ـــــ واپس لو اپنا پروپوزل۔''

''سوری سویٹ! تم اپنے پیرنٹس سے خود بات کرو یا پھر خود ہمت ہے تو انکار کر دو۔'' ازہان حسن بخاری
رایا تھا۔

''میں...... میں انکار کر دوں؟ دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے تمہارا؟'' وہ جل کر بولی تھی۔

ازہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

''زبردستی کوئی نہیں ہے۔ میں تو خود ڈر سے تڑوا رہا ہوں، تم سے زیادہ مظلوم ہوں میں۔ تمہیں تو پھر بھی
ناپسند ہوں۔ مگر اس طرف تو ایسے بھی کوئی شواہد نہیں دستیاب۔''

''پھر تو تمہارے لئے انکار کرنا زیادہ آسان ہوگا۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''نہیں ـــــ میں کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں۔ کسی کام نہیں آئی۔ تم ٹرائی کر و ـــــ شاید کامیاب

جاؤ۔ فائدہ تو دونوں کا برابر ہوگا۔" وہ قطعاً سنجیدہ نظر نہ آ رہا تھا۔

"اذہان!" اس نے ٹوکا تھا مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ "سچ بتاؤ نا۔" اصرار ہوا تھا۔

"کیا؟"

"یہ سب، یہ تعلق، یہ رشتہ، تمہاری مرضی اس میں شامل ہے کہ نہیں؟"

"یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنی چاہئے۔ یہ خاصا لڑکوں والا جملہ ہے۔ تمہیں تو مشرقی لڑکی کی گھونگھٹ میں منہ چھپا کر صرف شرمانا چاہئے۔" چھیڑا تھا۔ مگر دوسری طرف ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی

"اذہان حسن بخاری! تم میرے سامنے نہیں ہو۔ میں دیکھ بھی نہیں رہی ہوں۔ مگر مجھے جانے کیا رہا ہے جیسے......"

"جیسے......؟" وہ چونکا تھا۔

"تم سوچ لو اذہان حسن بخاری! مجھے لگتا ہے یہ سب بہت جلدی ہے۔ ابھی یہ عمر ذمہ داریوں کو سن کی نہیں ہے۔ اور ابھی ہم ایک دوسرے کو بھی اچھی طرح سے نہیں جانتے ہیں۔ ہمیں ایک اچھی گزارنے کے لئے اچھی انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہوگی اور یہ فی الفور نہیں ہوگی۔ وقت درکار ہوگا اس لئے۔ ہم اس دور میں یقیناً نہیں ہیں اذہان حسن بخاری! جہاں زندگی تجربات کی نذر کر دی جاتی تھی سنجیدہ تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری جواباً کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

"ہیلو ــــــ تم مجھے سن رہے ہو نا؟"

"ہاں۔" وہ جیسے بیدار ہوا تھا۔ "لسن ساہیہ! ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔ اس وقت مصروف ہوا

"او کے۔" ساہیہ خان نے دوسری طرف فون رکھ دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے سر چیئر کی پشت سے ٹکا دیا تھا اور ایک وحشت سے چھت کی سمت تکنے لگا تھا

❄❄❄

ساتھ رہنے اور ساتھ ہونے میں واضح فرق ہوتا ہے۔ اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ جس شخص کے سا درحقیقت اس کے ساتھ تھی بھی یا کہ نہیں۔

وہ قدم قدم اس کے ساتھ تھا۔ اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس کی پسند ناپسند کو اہم جان رہا تھا۔ زندگی کے اہم ترین دنوں کو سیلی بریٹ کر رہا تھا۔ مگر یہ سب دل سے بھی تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر سمجھنے سمجھانے کی بات کہ معاملہ زندگی بھر کا تھا اور ارینج میرج میں یوں تو ہوتا ہی ہے، سمجھوتہ تو کرنا ہے سو وہ بھی اس انڈر اسٹوڈ کمپرومائز کو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ ــــــ تم پریشان نظر آ رہی ہو؟" اس کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں دیکھ کر سردار حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا اور میرب سیال سر نفی میں ہلاتی ہوئی ایک مروت سے مسکرا دی تھی اور سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

"اپنے اس چہرے کو، اپنی ان آنکھوں کو مروت کی نذر مت کیا کرو۔ کئی رنگ بجھنے لگتے ہیں۔" لبوں سے ایک انکشاف کیا تھا جو کہ میرب سال کے لئے کسی قدر چونکانے کا باعث بنا تھا اور سردار

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا تھا۔

ن نہیں ہو رہا؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

سیال نے سر انکار میں ہلاتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

یا ہم باہر جا سکتے ہیں؟" اس کی خواہش اس سرد موسم میں یقیناً عجب تھی تبھی تو گرم گرم کافی کے سپ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

ہاں کیا اچھا نہیں لگ رہا؟"

سوال سن کر وہ خاصی بدمزہ ہوئی تھی۔ تبھی ہال میں یہاں سے وہاں نگاہ دوڑانے لگی تھی۔

نا ممکن نہیں ہے۔ مگر باہر موسم خاصا ٹھنڈا ہے اور بارش بھی ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تم بیمار نہ پڑ ں کے خدشے کی نشاندہی کے باوجود وہ ضدی بچوں کی طرح خفا سی چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی رہی

ی وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

کے، اٹھو۔" اس کی خواہش اس کے لئے مقدم تھی یا نہیں، وہ نہیں جانتی تھی مگر اس گھڑی وہ فوری طور ں تھی۔ شاید کسی قدر حیرت تھی اس شخص کے اقدام پر۔ وہ اسی طرح بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی جب گین حیدر لغاری نے اس کا نازک ہاتھ پکڑ کر یکدم اسے کھینچ لیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو لڑکھڑائی تھی مگر ایک حصار نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ خوشبو کا ایک دلفریب احساس ہوا تھا۔ وہ دوسرے ہی لمحے ی اور اس کی سمت دیکھے بغیر چلنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

ر واقعی ٹھنڈ بہت زیادہ تھی اور اس پر مستزاد بارش...... اس کی ضد نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو رین لینے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔

تم نے رین کوٹ بھی لینے نہیں دیا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے شکوہ کیا تھا۔

اس سے کیا ہوتا؟" وہ اس لمحے اس کی ایک بھی سننے کو تیار نہ تھی۔

ہم اس میں اپنے خواب رکھتے۔ اس کی پاکٹس میں ان بھیگے بھیگے لمحوں کی حدت کو، شدت کو کہیں چھپا ۔ یا پھر رکھ کر بھول جاتے اور گرم پُر تمازت موسموں میں پہروں ان میں سے وہ پل نکال کر محظوظ اور مسکراتے رہتے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

ساؤنڈز سو رومانٹک نا......؟" اس کی رائے چاہی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں اس لمحے شرارت تھی یکدم ہی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ بھیگے موسم کی خوشبو سے ساری معطر تھیں۔ اور میرب سیال اس خوشبو کو اپنے اندر بھر لینے کا قصد کر رہی تھی۔

آسمان سے برستے موتیوں کے کئی قطروں کو وہ اپنی ہتھیلیوں پر جمع کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر مسلسل ناکام سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی اس خواہش کو دیکھا تھا اور پھر چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکا تھا۔ مضبوط ہاتھ اس کے ہاتھوں کے گرد دائرہ بناتے ہوئے اسے ایک نظر بطورِ خاص دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"آؤ، مل کر خواب جمع کریں۔" مختصر جملہ بہت کچھ باور کرانے اور واضح کر دینے کو کافی تھا۔ میرب نے اس شخص کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

”کیا دکھائی دے رہا ہے؟“ مسکراتے ہوئے اپنی آنکھوں کی بابت دریافت کیا تھا۔ میرب سیا ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”اس موسم میں لوگ ہمیں بھیگتا دیکھیں گے تو دیوانہ ہو جائیں گے۔ انہیں شاید خبر نہیں، محبت ک والوں سے سب کچھ ممکن ہوسکتا ہے۔“ وہ مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے یکدم ہی اپنے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔ اس روز کی قربت کے بعد اس کی جھجک کچھ ا بڑھ گئی تھی۔ حالانکہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بہت پروٹیکٹیو ہوتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ان سے دور بھاگتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس سے خوفزدہ تھی، ایسا بالکل نہیں تھا۔ خوفزدہ وہ اپنی دھڑکنو تلاطم پر ہوتی تھی۔

”تمہیں یہ سب کیسا لگتا ہے میرب؟“ اس کی طرف بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا اور تعرض مسکرادی تھی۔

”یہ محبت، یہ کیئر، یہ پروٹیکشن کسے بری لگ سکتی ہے؟“ اور اس کے جواب نے سردار سبکتگین حیدر لا کو حیران کردیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے یقیناً کسی ایسے جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ آسمان سے برتی ان بوندوں میں بھیگتے ہوئے اس کے چہرے کو وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

”سو —— وہاٹ گرل وانٹ ریئلی؟“ سوال ہوا تھا اور میرب سیال نگاہ جھکا گئی تھی۔

”جسٹ لو اینڈ پروٹیکشن۔“ مختصر جواب نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بہت محظوظ کیا تھا۔ تیز ہو جسم سے آر پار ہو رہی تھیں۔ برستی بارش اس خنکی کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ مگر میرب سیال بے پرواہی گران برستی بوندوں سے چہرے کو تر و تازہ کرنے لگی تھی۔ ٹھنڈ کی شدت انتہا پر تھی مگر وہ عجب بے خودی اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

”میرب ——!“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مدھم لہجے میں پکارا تھا مگر وہ اتنی مگن تھی کہ نہیں تھی۔

”میرب!“ اسے شانے سے تھام کر یکدم ہی اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ میرب سیال اس اچانک اندا بھونچکا رہ گئی تھی۔ اپنے وجود کو حدتوں میں پا کر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ عجب ایک تشویش نظروں لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

”آر یو آل رائٹ؟“

”ہوں۔“ میرب سیال نے سر اثبات میں ہلانے کے ساتھ ہی اس پُر حدت گرفت سے خود کو علیحہ تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا اوورکوٹ اتار کر ایک لمحے میں اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا۔

”چلیں؟“ اجازت طلب نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”ہاں۔“ میرب سیال نے اس کی سمت سے نگاہ ہٹالی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے لے کر بڑھنے لگا تھا۔

❄❄❄

قات صورت حال اتنی تیزی سے بدلتی ہے کہ فوری طور پر کوئی سد باب نہیں ہو پاتا۔

پنے ہی اندر سے نبرد آزما ہونے میں لگی ہوئی تھی کہ وقت اسے اور بھی آزمائش میں ڈال گیا تھا۔

ن اس کے سامنے تھی اور انابیہ شاہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ اس کے کچھ تھی۔ مگر لامعہ حق کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا تھا اور اس کے م لاوا اس کے شانے کو جلانے لگا تھا۔

یہ شاہ ساکت سی بیٹھی اس لمحے کے فوری سدِ باب کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ غبار تو اس کے اندر کہاں جاتی؟ —— کس سے کہتی؟

! میں ہار گئی —— ہار گئی میں —— سب کچھ۔“ اس کے شانے پر آنسو بہاتے ہوئے لامعہ حق اور اس کے اندر کئی طوفان سر اٹھانے لگے تھے۔ صورتِ حال کا اندازہ اسے نہیں تھا مگر وہ اخذ ں کہ شاید عفنان علی خان نے اس کے متعلق مطلع کر دیا ہے یا پھر اسے کہیں اور سے......

! آئی ہیٹ دیٹ گرل......آئی ہیٹ ہر انابیہ!......وہ جو کوئی بھی ہے اس کے باعث میں ے میں رہی ہوں۔ وہ مجھ سے سب کچھ چھین چکی ہے۔ کچھ نہیں چھوڑا اُس نے میرے پاس...... لیا اس نے۔“ لامعہ حق کسی کے متعلق کہہ رہی تھی اور اس انکشاف پر وہ اسے ساکت بیٹھی دیکھ ا میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اس سے پوچھ سکتی کہ مدعا کیا ہے۔

! اس نے مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اسے قتل کر —— آئی کل ہر —— آج جو کچھ بھی ہوا ہے، صرف اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ ساری ہار وئی ہے۔“

؟—— کس کی بات کر رہی ہو تم؟“ انابیہ شاہ نے اپنے اندر کی تمام ہمتیں جمع کرتے ہوئے ھا۔

جو اُس کے دل میں ہے۔ جو اُس کے اندر ہے اور اُسے مجھ سے دُور کر رہی ہے۔“ لامعہ حق بہت رہی تھی۔ اس کا لہجہ مدھم تھا مگر اس کے اندر کا سارا کرب اس کے لہجے میں تھا۔

تا ہے بہت حوصلہ ہے مجھ میں، جھیل سکتی ہوں میں سب کچھ بہت آرام سے —— مگر ایسا نہیں ہ! —— میں بہت کمزور لڑکی ہوں —— بے حد کمزور —— اُس کے سامنے میں ضبط کے رہی —— مگر میرا سارا اندر طوفانوں کی زد پر رہا —— اور اُسے اس بات کا احساس تک نہیں تنا خود غرض ہے وہ —— یہ ساری دنیا اتنی خود غرض کیوں ہوتی ہے انابیہ شاہ؟ —— اور میں ہی ہوں نا۔ ہم سب خود غرض کیوں ہوتے ہیں؟“ وہ اسے شانوں سے تھامے پوچھ رہی تھی۔

ے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے فقط اسے دیکھ رہی تھی۔

شاہ! تم......تم تو ایسی نہیں ہو۔ تم تو......تم تو کسی کی خوشی کے لئے اپنا سب کچھ بھی دان کر معہ حق اس کا شانہ تھپکتی ہوئی مسکرائی تھی۔ ”تم سے تو کوئی تمہاری جان بھی مانگے تو تم ہنسی خوشی تنی کرٹسی ہے تم میں......مگر سب......سب ایسے نہیں ہوتے انابیہ شاہ! ساری دنیا ایسی نہیں

ہے۔ ایسا کیوں ہے انابیہ شاہ؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی اور انابیہ شاہ نے ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ کب کا رکا ہوا غبار پلکوں کے کنارے توڑ کر یکدم باہر نکلا تھا اور اس بھیگتا چلا گیا تھا۔ انداز میں عجب ایک بے بسی تھی۔ اس کی بیسٹ فرینڈ مشکل میں تھی۔

''معاملہ کیا ہے لامعہ حق؟ ــــــ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اس کی طرف توجہ سے دیکھتے ہوئے مد میں دریافت کیا تھا اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔ عجب ایک پاگل پن اس کے انداز میں دکھائی دے ر انابیہ شاہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جب وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''انابیہ شاہ! اُس نے مجھے چھوڑ دیا کسی اور کے لئے۔'' مدھم لہجے میں کیا گیا انکشاف کسی قیامت نہ تھا۔ انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی جب لامعہ حق نے اس کے سامنے اپنا خالی ہاتھ کر دیا تھا او ایک پاگل پن سے مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''دیکھو، خالی ہے اب یہ ہاتھ۔ کچھ نہیں ہے اس میں۔ یہ انگلی بھی خالی ہے اب۔ میں نے عفن خان کو اُس کے رِنگ کے ساتھ ہر رشتہ بھی لوٹا دیا ہے۔ اور اب عالم یہ ہے کہ میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں دم اکیلی۔'' وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی اور انابیہ شاہ اتنی خالی تھی کہ اسے تسلی دینے کو اس کے دو لفظ بھی نہ تھے۔ ہمتیں انتہائی پست تھیں۔ وہ اپنے آپ کو بہت شکست خوردہ محسوس کر رہی تھی۔ بہت تھکی ہوئی۔

لامعہ حق کے آنسو اسے اپنے آنسو لگ رہے تھے اور اس کی ہار اپنی ہار۔ مگر اس بات کو جتانے کو ا پاس کوئی لفظ نہ تھے، فقط آنسو تھے جو خاموشی سے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

''جب کوئی آپ پر کسی اور کو فوقیت دیتا ہے تو قطعاً اچھا نہیں لگتا۔ روح اندر سے کٹنے لگتی ہے۔ عجب احساسِ کرب اندر جاگتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس لمحے بہت بے بسی محسوس ہوتی ہے۔'' لامعہ جھکائے عجب انکشافات کر رہی تھی۔ ''کتنی عجیب بات ہے نا...... اُس نے لامعہ حق کو اپنی زندگی سے کیا، کسی اور کے لئے، کسی اور کی محبت کے لئے۔ شی مسٹ بی اے لکی گرل...... آئی ایپری شی ایٹ ہر بٹ آئی کانٹ لائیک ہر۔ مجھے اس سے شدید ترین جلن محسوس ہو رہی ہے انابیہ شاہ!...... شدید حسد۔ اس میں ایسا کیا ہو گا جو لامعہ حق میں نہیں؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت ہو سکتی ہے؟ مج زیادہ دلکش ہو سکتی ہے؟ کیا...... کیا خاص بات ہو گی اس میں؟''

بھیگتی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر اس کے کسی سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

لامعہ حق یکدم مسکرائی تھی، پھر ہنس دی تھی۔ انداز عجب دیوانگی لئے ہوئے تھا۔

''میں تو بھول ہی گئی۔ شاید وہ پوری کی پوری ہی بہت خاص ہو گی۔ یا پھر عفنان علی خان کی محب اسے خاص بنا دیا ہو گا۔'' وہ ایکسپکٹ کر رہی تھی۔ انابیہ شاہ نے اُسے تھاما تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا اور ا آنکھوں سے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے تھے۔

''انابیہ شاہ! مجھے نفرت عفنان علی خان سے کرنی چاہئے یا اس لڑکی سے؟ میری سمجھ میں نہیں آر قصوروار زیادہ کون ہے اور مجھے خالی کرنے میں کس کا زیادہ ہاتھ ہے۔ اس لڑکی کا جسے عفنان علی خا

ان علی خان کا جو باوجود میری توجہ کے، محبت کے، میرا وفادار نہ رہ سکا۔ کسی کی ایک نگاہ اسے مار کے شانے پر سے سر اٹھاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے

کوشش کے میں عفنان علی خان سے نفرت نہیں کر سکتی۔ اس کا کوئی اقدام مجھے برا نہیں لگتا۔ اب ام قتل ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ بھی ہو، بندہ جی دار ہے۔ ہمت ہے اس میں۔ بہت سے لوگوں میں تو دتی ہے۔ عفنان علی خان کی صاف گوئی مجھے اچھی لگی۔ میرے دل میں گھر کر گئی۔ اُس نے کہا کے درمیان کوئی سمجھوتہ ٹرین ہرگز نہیں چلائی جا سکتی۔ دلوں کے مابین راستے اتنے پُر پیچ ہیں کہ ادٔ ہی چل سکتی ہے یا پھر محبت...... جو دل سے دل کو باہم پیوست کرتی ہے، جوڑتی ہے اور ایسی کوئی محبت کا حوالہ ہم دونوں کے بیچ نہ تھا۔'' وہ اپنی ہاتھ کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے

ی ہوا اس نے مجھے دھوکا میں نہیں رکھا۔ سب کچھ بتا دیا، ابھی تو وقت اور حالات ہمارے بس میں ت اگر کل مجھے معلوم ہوتی تو شاید میں تو جی ہی نہ پاتی۔ مار دیتی، خود کو، عفنان علی خان کو یا پھر اس ہا ہی ہوا عفنان علی خان نے دیگر مردوں کی طرح مجھے دھوکا نہیں دیا۔ وہ سچ کا قائل ہے، اس کا ، منافق نہیں ہے وہ۔ اور سب سے بڑھ کر بہت چاہنے والا ہے۔ بے حد، بے حساب۔ مگر میرا س یہی بات بہت بری ہے۔''

یہ شاہ جواب تک اسے ساکت سی بیٹھی دیکھ رہی تھی، اس لمحے بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

اتی ہو وہ کون ہے؟''

ا ــــ اور میں اسے جاننا بھی نہیں چاہتی۔ ایسا کرنے سے میری نفرت، میرا حسد اس کے لئے ، گا۔ کیونکہ وہ مجھے احساس دلاتی ہے کہ میں شکست خوردہ ہوں...... ری جیکٹڈ ہوں...... کسی کی اس کے باعث خارج ہوں۔ اور میں جانتی ہوں اس کے متعلق اگرچہ میرا تجسس بہت زیادہ ہے انا میرے لئے اسی قدر تکلیف دہ ہو گا اور میں اپنی تکلیف کو یقیناً بڑھانا نہیں چاہوں گی۔ اور اس ں کیا پڑتا ہے، کوئی بھی ہو وہ، میں تو نہیں ہوں نا۔'' اور انابیہ شاہ اس سے نظر ملائے بغیر نہ رہ سکی کے اندر کتنے طوفان سر اٹھا رہے تھے۔ کتنے جھکڑ چل رہے تھے۔ لامعہ حق کہہ رہی تھی۔

ا ہو، عفنان علی خان کو یہ بھی علم نہیں کہ وہ اسے چاہتی بھی ہے کہ نہیں۔ مگر اس کے باوجود اس نے وداؤ پر لگا دیا ہے۔ شی مسٹ بی اے لکی گرل نا...... عفنان کہہ رہا تھا اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ ہے کہ نہیں، میں اسے چاہتا ہوں، یہ بات اہم ہے۔ میں اس کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ وہ نہیں تو انہیں، اس کے ساتھ جیوں گا، اس کے لئے جیوں گا۔ وہ نہیں بھی ہو گی تو زندگی اسی کے لئے ہو الفت والی زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔ اسٹرینج نا...... دنیا کے نا کمٹی ٹائن پرسنٹ مردوں سے مختلف فالوآن، [illegible]''

انابیہ شاہ کے لئے یہ سارے انکشافات قیامت سے کم نہ تھے۔ کسی کی شدتوں کی کہانی وہ چپ
رہی تھی اور اس میں ہمت ناپید تھی یہ بتانے کی کہ وہ لڑکی جس سے لامعہ حق نفرت کرنا چاہتی ہے اور
متعلق متجسس ہے وہ کوئی اور نہیں، انابیہ شاہ ہے۔ اس کی اپنی بیسٹ فرینڈ۔ وہ اپنے اندر کے ط
سامنا چپ چاپ کر رہی تھی جب لامعہ حق پُرافسوس لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

”دیکھا جائے تو عفنان علی خان خاصا قابل ترس ہے۔ مجھ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔
یکطرفہ محبت کے عذاب میں مبتلا رہی اور وہ بھی اسی یکطرفہ راہ پر گامزن ہے بے چارا......قابل تر
میرے لئے کیونکہ مجھ پر اس یکطرفہ محبت کا عذاب منکشف ہے۔ انابیہ شاہ! ہر محبت کا جواب محبت ک
ہوسکتا؟ کیوں ہم اپنی بے پناہ محبت سے کسی دل کو اپنے آہنگ سے نہیں دھڑکا پاتے؟......کیوں ہ
رہتے ہیں اور باوجود شدت سے چاہنے کے کوئی دوسرا قدم ہمارے ساتھ نہیں اٹھتا۔ کوئی ہاتھ، ہاتھ
ہوتا؟“

لامعہ حق کی نظروں میں کتنے سوال تھے۔ مگر ان میں سے کسی کا جواب بھی انابیہ شاہ کے پاس
فقط اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

* * *

ساہیہ خان اس شام شنگھریلا میں اس کے ساتھ تھی اور اسے کسی قدر اُلجھن سے دیکھ رہی تھی۔ اذ
بخاری نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

”بات کیا ہے ساہیہ خان؟“

ساہیہ خان نے اس کے چہرے پر سے اپنی نگاہیں ہٹائی تھیں اور ایک اُکتائی ہوئی سانس خار
ہوئے انتہائی اُلجھن سے پیشانی پر ہاتھ دھرا تھا اور اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”اذہان! تم تو یوں لاتعلق ہو رہے ہو جیسے تمہارا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔“ ساہیہ خان حیر
تھی۔ اذہان بخاری مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”چاہتی کیا ہو تم؟ —— بیٹھے بٹھائے اتنا ہینڈسم لڑکا تمہیں مل رہا ہے۔ اور کیا چاہیے؟ غالباً تم
دل کی مراد بر آئی ہو گی۔“ بات کو مذاق میں اُڑانا چاہتا تھا اور ساہیہ خان کسی قدر حیرت سے اسے
تھی۔

”تم اذہان حسن بخاری!“ وہ مسکرائی تھی۔ ”تم تو مجھے مفت ملو تب بھی نہ لوں۔ منہ دھو رکھو، دل ک
آئی ہے۔“ باقاعدہ اس کی نقل اتاری تھی۔

اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

”پرابلم کیا ہے تمہارے ساتھ؟“

”پرابلم؟ —— پرابلم تم ہو اذہان حسن بخاری!“ ساہیہ خان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہ
اذہان حسن بخاری کسی قدر چونکا تھا، پھر مسکراتے لب بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل گیا تھا۔

”میں؟“ لہجے میں کسی قدر حیرت تھی۔

تم اذہان حسن بخاری!......تم...... مجھے تمہارے انداز میں عجب طرح کی ایک اُلجھن نظر آ
کوئی بات ہے جو تمہیں تنگ کر رہی ہے۔ تم پریشان ہو اور ایسا میں اب سے نہیں پچھلے کئی دنوں
کر رہی ہوں۔“ ساہیہ خان کا لہجہ پُریقین تھا اور اذہان حسن بخاری اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا

کچھ نہیں ہے۔“ اذہان حسن بخاری نے باور کرانا ضروری خیال کیا تھا۔ ”ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“
واقعی؟“ ساہیہ خان نے اسے بھرپور اعتماد سے دیکھا تھا۔ ”اگر ایسا ہے تو پھر مجھے تمہاری نظروں
کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا؟ کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ تم فرار کے راستے تلاش کر رہے ہو؟ بظاہر تو
سامنے ہو مگر تمہاری آنکھیں مجھ سے کترا رہی ہیں۔ شاید کچھ کہنا چاہ رہے ہو مگر کہہ نہیں پا رہے
سکتی ہوں وہ کیا بات ہے؟“ ساہیہ خان اسے ہمیشہ حیران کر جایا کرتی تھی اور اب بھی وہ کسی قدر
اسے دیکھ رہا تھا مگر یہ حیرت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔
ٹھیک کہتی ہیں۔ تم سے بہتر شریکِ سفر مجھے مل ہی نہیں سکتا۔ تم میرے لئے بہترین چوائس ہو۔“
دلفریب تھا۔ مگر ساہیہ خان مطمئن ہوئے بغیر بولی تھی۔
تم اذہان حسن بخاری؟ —— تم کیا خیال کرتے ہو؟ غالباً یہ رائے تو میرے لئے تمہاری ممی کی
اس کا اذہان پر اعتماد تھا اور اذہان حسن بخاری جہاں چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا،
رے ہی پل مسکرا دیا تھا۔
تمہیں میں قبل از وقت کیوں بتاؤں؟ —— وہ لمحے تو آنے دو جب یہ انکشافات ہو سکیں، میں کہہ
تم سن سکو۔“ لبوں پر مسکراہٹ دلفریب تھی۔ ”بس ایک ذرا انتظار......سن صدائیں دے رہی ہے
ارکی۔“ انداز شرارت سے پُر تھا مگر ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔
تم نے کہا تھا فارحہ آنٹی مجھے تمہارے لئے بہترین شریکِ سفر خیال کرتی ہیں۔“
ال......تو پھر......؟“ اذہان حسن بخاری سمجھ نہیں سکا تھا۔ تبھی شاید سرسری انداز اختیار کرتے
ات کو مذاق میں اڑانا چاہا تھا مگر وہ مکمل سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔
ذہان! مجھے تمہارا شریکِ سفر نہیں بننا۔“ انکشاف کیا تھا۔
ہاٹ......؟“ وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔
اں......مجھے تمہارا شریکِ سفر نہیں بننا اذہان حسن بخاری! کیونکہ میں تمہاری جیون ساتھی بننا چاہتی
شریکِ سفر کبھی بھی، کسی موڑ پر راہ پلٹنے کا ارادہ کر سکتا ہے۔ کسی بھی موڑ پر ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ سکتا
ر جیون ساتھی سانس سے سانس کا بندھن ہے جو آخری سانس تک باقی رہتا ہے۔ اور ساہیہ خان کسی
جیون ساتھی بننا تو قبول کر سکتی ہے، شریکِ سفر نہیں۔“ اصطلاح تھوڑی عجب ضرور تھی مگر بات میں کسی
غرور تھا۔ شاید تبھی اذہان حسن بخاری متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا اور مسکرا دیا تھا۔
ریکِ حیات تو بن سکتی ہو نا۔ یہ تو زندگی سے اور سانسوں سے خاصا قریب ہے۔“ انداز میں کسی قدر
گی اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

”تم بات کا پسندیدہ کونا کہیں سے بھی کھینچ کر لے جا سکتے ہو۔ مگر تم مجھے ٹال نہیں سکتے ہو اذہا بخاری!...... جب تک مجھے اصل سبب نہیں بتاؤ گے، میں ماننے والی نہیں ہوں۔“

”کیا بچگانہ باتیں ہیں ساہیہ خان! میں ایگری ہوں۔ تبھی تو یہ پروپوزل ممی لے کر تمہار ہیں۔“ اذہان حسن بخاری نے باور کرانا چاہا تھا مگر وہ اسے کھوجتی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟“ اذہان حسن بخاری نے اس کے دیکھنے پر استفسار کیا تھا۔

”ان آنکھوں میں مجھے اپنے لئے کہیں کوئی محبت دکھائی نہیں دے رہی اذہان حسن بخاری!“ تشویش بجا تھی شاید۔ اذہان حسن بخاری اس کے چہرے کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔

اور اس لمحے ساہیہ خان کی حیرت سوا ہو گئی تھی۔ کتنی دیر خاموشی سے وہ اسے دیکھتی رہی تھی، ہو ہولے سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ وہ اسی طرح بیٹھی تھی جب اذہان حسن بخاری کی آواز اُبھری تھی۔

”یہ سچ ہے، مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔“ اذہان حسن بخاری کا انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا خان ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔

”ہاں، یہ سچ ہے ساہیہ خان! ـــــ مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور مجھے تم سے محبت ہو یہ بھی ضرو ہے۔“ اذہان حسن بخاری کے لہجے میں عجب ایک سکوت تھا اور ساہیہ خان اسے حیرتوں میں ڈوبی سا دیکھے جا رہی تھی۔ پھر یکدم وہاں سے اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

❄❄❄

انابیہ شاہ کا عجب حال تھا۔

وہ پے در پے انکشافات سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ عجب سانحے رونما ہو رہے تھے اور اس کی سو کی جیسے ساری ہمت سلب ہو گئی تھی۔ مگر اس حیرت اور پریشانی میں کسی نے مزید اضافہ کرنا ضروری تھا اور اس طغیانی میں اضافہ دوچند ہو گیا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کے یہاں اپنا پروپوزل بھجوایا تھا۔

اس کے لئے...... یعنی انابیہ شاہ کے لئے۔

اس نے سنا تھا تو جیسے ایک آسمان اس کے سر پر آن گرا تھا۔

کتنی دیر تک وہ حیرتوں میں ڈوبی ساکت بیٹھی رہی تھی۔

اوزی اس کے قریب آن بیٹھا تھا مگر جیسے اس کے پاس بھی اسے کہنے کے لئے کچھ نہ تھا۔

”اوزی! مجھے کہیں جانا ہے۔“ انابیہ شاہ نے تمام ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے اوزی کی طرف دیکھا

”کہاں جانا چاہتی ہو تم؟“ اوزی نے دریافت کیا تھا۔

”تم میرے ساتھ چلو گے یا نہیں؟“ انابیہ شاہ کا لہجہ قطعی تھا۔

”انابیہ! تم مینٹلی بہت ڈسٹرب ہو اور میں تمہیں اس کیفیت میں کہیں نہیں لے جا سکتا۔ انابیہ آرام کرنا چاہئے۔ نانا اور آنٹی پہلے ہی بہت پریشان ہیں تمہیں لے کر۔“

”انہی پریشانیوں کو تو کم کرنا چاہتی ہوں میں اوزی!“

”تمہیں اس وقت ریسٹ کرنا چاہئے۔ یہ ڈیپریشن تمہارے لئے اچھا نہیں ہے۔“ اوزی نے اس کے نے پر ہاتھ دھرا تھا اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے بہنے لگے تھے۔

”انابیہ!“ اوزی کے لئے یہ صورتِ حال کسی قدر پریشانی کا باعث تھی۔ ”دیکھو اگر تم چاہتی ہو کہ رے اس بھائی کو کوئی دکھ نہ ہو تو پلیز اسٹاپ کرائینگ ناؤ...... اور کسی کو فرق پڑتا ہو یا نہ ہو، مگر مجھے ا ں کا رونا بہت تکلیف دیتا ہے۔ تم جانتی ہو تم جب بچپن میں بھی رویا کرتی تھیں تو میں اپنے کھلونے تمہیں ے کر بہلانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اس وقت تو اتنا سنس بھی نہیں تھا...... اور اب تو...... انابیہ! سب ں قدر چاہتے ہیں تمہیں...... اور تم جواباً کیسی تکلیف دے رہی ہو ہم سب کو...... تمہارا یہ رویہ کسی طرح ا مناسب نہیں ہے۔ تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو؟ محبت ہی کرتا ہے نا کوئی تم سے...... عجب کیا ہے بیہ! کوئی گناہ تو نہیں ہے یہ...... نہ ہی وہ ایسا کر کے کوئی گناہ کر رہا ہے۔ حیرت ہے، ہم کسی کی غیبت رتے ہوئے نہیں ڈرتے، چوری کرتے ہوئے نہیں ڈرتے، کسی کو بے عزت کرتے ہوئے بھی ہمیں عجب سوں نہیں ہوتا، حتیٰ کہ قتل کرتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے...... ڈاکہ مارتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے۔ مگر بت کرتے ہوئے، کسی کو دل سے محبت کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ کیا محبت کرنا اتنا ہی برا کام ہے؟ کسی کو اہنا، دل سے محبت کرنا اتنا ہی بڑا گناہ ہے؟ کبھی نہیں سمجھ سکا ہوں میں۔ یہ سب کچھ اتنا ٹھیک ہے تو ہم اسے لط کیوں سمجھتے ہیں؟“ اوزی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور وہ سر دونوں ہاتھوں پر گرا کر اس کی طرف ے رخ پھیر گئی تھی۔

”اوزی! ممی اور دادا کی نظروں میں سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی میں۔ لامعہ حق کے آنسو مجھے جینے نہیں ے رہے۔ اور......“ کتنی آہستگی سے اس کی آنکھیں پھر چھلکنے لگی تھیں۔

اوزی نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کر لیا تھا اور بہت کیئرنگ انداز میں بولا تھا۔

”تمہیں عادت ہو چکی ہے انابیہ! دنیا بھر کی فکر کرنے کی۔ کبھی تم نے اپنے دل کی سننے کی کوشش کی ہے، ل کیا کہتا ہے؟ کبھی غور کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے تم نے؟ غازی کے بعد تم نے خود پر زندگی کے روازے کس طرح بند کر لئے ہیں، یہ سب جانتے ہیں۔ مگر تم...... تمہیں اس کے باوجود کوئی فکر نہیں ہے کہ ب اگر تمہاری وجہ سے جلتے کڑھتے ہیں تو کیوں۔ نانا، آنٹی اور میں...... تمہیں کسی کی کوئی پرواہ نہیں انابیہ!...... تمہیں نہیں لگتا نہ تم اچھی پوتی ہو نہ اچھی بیٹی اور نہ اچھی بہن۔ کس قدر پریشان کرتی ہو تم ہمیں...... تم جانتی ہو نا...... تم پہلے بھی ایک مشکل سے گزر چکی ہو...... یہ اُلجھنیں، یہ بیکار کے مسئلے مسائل تمہیں کیا دیں گے انابیہ؟...... سوائے تمہاری مشکلات کو بڑھانے کے۔ تم جانتی ہو ڈاکٹر ابھی بھی تمہیں ایڈوائز کر کے گیا ہے، نہ تو تم نے میڈیسن لی ہے اور نہ تم ان فضول کی باتوں کو سوچنے سے باز رہ رہی ہو۔ یہ ڈیپریشن تمہارے لئے کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے، جانتی ہو نا تم؟“

انابیہ اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی اور اوزی اس کا شانہ تھپتھپانے لگا تھا۔

”میں چاہا ہوں انابیہ! تم اپنے اندر کا سارا غبار دھو دو اور پھر کبھی دوبارہ مت روؤ۔“

”اوزی! مجھے لگ رہا ہے میں سب کی مجرم ہوں ـــــ سب کی نظروں سے گر گئی ہوں۔“ وہ آنسوؤں

کے درمیان بول رہی تھی۔

”ایسا کیوں لگتا ہے تمہیں؟ —— تمہارا اس میں کیا قصور ہے؟ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اور ت کسی اقدام سے باز بھی نہیں رکھ سکتی ہو۔ عفنان علی خان اگر تم سے محبت کرتا ہے تو کیا تم اسے ایسا سے منع کر سکتی ہو؟ یقیناً نہیں۔ خوامخواہ کی فکریں مت پالو۔“ اوزی نے نصیحت کی تھی۔ دروازے پر تھا۔ اوزی نے سر اٹھا کر دیکھا تھا، وہاں آنٹی کھڑی تھیں۔

”عفنان علی خان آیا ہے —— انابیہ سے بات کرنا چاہتا ہے۔“

انابیہ نے سر اٹھا کر ممی کی طرف دیکھا تھا مگر وہ اسی لمحے مڑ کر باہر نکل گئی تھیں۔

”تم ملنا چاہتی ہو اس سے؟“ اوزی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ شال سنبھالتی ہوئی اٹھ ہوئی تھی۔

عفنان علی خان لیونگ روم میں اس کا منتظر تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے سامنے تھی۔ عفنان علی خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ بھیگتی آنکھوں سے اسے چپ چاپ دیکھتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان کے لئے اس کا یہ روپ، یہ حالت بہت تکلیف کا باعث بنی تھی۔ اس کا دل کٹ تھا۔

”انابیہ!“

”شٹ اپ عفنان علی خان! شٹ اپ...... اب میں تمہاری کوئی بکواس نہیں سنوں گی۔ میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ مجھے تمہارا پروپوزل قبول نہیں ہے۔ دیٹس آل......“ وہ کہہ کر پلٹی ت

عفنان علی خان نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ انداز بے حد جنونی تھا اور اس کی آنکھوں سے ا عجب شعلے نکل رہے تھے۔ انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا پھر بہت مضبوط لہجے م تھی۔

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنا ہے۔ بہتر ہو گا تم اس وقت کوئی بحث نہ کرو۔“ اپنا ہاتھ چھڑانا چا عفنان علی خان نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

”میں اپنی زندگی کو تمہارے اس ایک فیصلے کی نذر نہیں کر سکتا انابیہ شاہ! —— میں ساری کشتیا آیا ہوں اور اب پیچھے قطعاً نہیں ہٹوں گا۔ اب چاہے تم میری پذیرائی کرو یا نہ کرو، میں اپنے فیصلو ترمیم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ ادر جو میں طے کر چکا ہوں اس سے منحرف نہیں ہوں گا۔ تم چاہے میر دو یا نہ دو۔ چاہے مجھے چاہو یا نہ چاہو، میرا ہاتھ تھامو یا نہ تھامو۔ بٹ آئی کانٹ اسٹاپ لونگ یو انابیہ میری طرف سے یہ محبت کم ہو سکتی ہے نہ ہی ختم ہو سکتی ہے۔ میں تمہیں یہی باور کرانے اور سمجھانے آیا تمہارے لئے جو میرے دل میں جگہ ہے وہ کبھی بھی کم نہیں ہو گی۔“ انتہائی مضبوط لہجے میں باور ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر اس کے شانے پر اس کے مضبوط آہنی ہاتھوں کی گرفت یکدم ہی ڈھیل تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر یکدم پلٹا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

انابیہ شاہ بھیگتی آنکھوں سے اس دھندلے منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

وہ نیند میں تھی، جب مائی اماں کا فون آیا تھا۔

کل بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اس کی طبیعت واقعی بگڑ گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اگلے دن اس کیئر کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ڈپٹ بھی رہا تھا۔

”کہا بھی تھا نا...... بارش میں مت بھیگو۔ مگر عجب ضدی ہو تم۔“

میرب سیال نے اس شخص کی طرف دیکھا تھا اور اس لمحے جانے کیوں اس کا کیئر کرنا اسے اچھا لگا تھا۔

دار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

”کیا ہوا؟“ غالباً وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کے ڈپٹنے پر برا مان گئی ہے۔ میرب سیال نے نفی میں سر ہلاتے ئے منہ تک کمبل اوڑھ لیا تھا۔

”سو جانا۔ مگر سونے سے قبل یہ کافی پی لو۔“ اس کے چہرے پر سے کمبل ہٹاتے ہوئے حکم جاری کیا تھا۔

رب سیال نے بادل نخواستہ اٹھ کر اس کے ہاتھ سے کافی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ نازک ہاتھ اس کے ضبوط ہاتھ سے لمحہ بھر کو ٹکرایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کو لگا تھا جیسے اسے کوئی انگارہ سا چھو گیا ہو۔ کسی ر تشویش سے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔ وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟“ وہ فون اٹھا کر کسی ڈاکٹر کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا جب میرب سیال نے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یہ حرکت یکدم ہی سرزد ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا میرب سیال نے یکدم ہی اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا اور اس کی طرف سے نظر پھیر گئی تھی۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے —— میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ معمولی بخار ہے، آپ فکر نہ کریں۔“ میرب ا کی نظر گریزاں تھی۔

”شیور......؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا ھا۔

”او کے۔“ وہ پلٹا تھا اور دراز میں سے چند ٹیبلٹس نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی تھیں۔

”تم یہ لے لو۔ اور اگر پھر بھی کیفیت برقرار رہے تو مجھے انفارم کرنا مت بھولنا۔“ ہدایت کی تھی۔ میرب ا نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”ٹیک کیئر ——!“

”او کے ——!“

سردار سبکتگین حیدر لغاری باہر نکل گیا تھا۔ وہ سو گئی تھی۔ مگر اب مائی اماں کی کال نے اسے یکدم ہی بیدار دیا تھا۔ طبیعت خراب ہونے کے باوجود اس نے بہت خندہ پیشانی سے ان سے بات کی تھی۔

”سبکتگین حیدر کہاں ہے؟ —— میری بات کراؤ۔“

”آپ نے ان کے سیل پر ٹرائی نہیں کیا؟“ اسے حیرت ہوئی تھی۔

''کیا ہے۔ مگر وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے اور سیل اس کا غالباً بند ہے۔ کئی بار ٹرائی کیا مگر رابطہ نہیں ہو رہا۔ اس کے کمرے میں دیکھو جا کر، ٹھیک تو ہے وہ؟'' مائی اماں کی تشویش بجا تھی۔ مگر اس وقت ......رات کے چار بجے وہ سبکتگین حیدر لغاری کو ڈسٹرب کیسے کر سکتی تھی؟ اور پھر........

''آپ کو ضروری کام ہے کوئی؟''

''ہاں ـــــ کام بھی ہے۔ مگر........ اچھا ایسا کرو تم پتہ کرو، میں تھوڑی دیر بعد کال کرتی ہوں۔''

''جی بہتر۔'' میرب سیال نے بستر چھوڑتے ہوئے فون رکھا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ مائی اماں کا حکم اس کے لئے رد کرنا آسان نہ تھا۔ مگر چار بجے کے قریب......! یہ بھی ٹھیک نہ تھا کہ کسی کو ڈسٹرب کیا جائے۔ اور سبکتگین حیدر لغاری کے مزاج سے تو وہ واقف تھی۔ جانے وہ کیسا ردِ عمل ظاہر کرتا.......اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔ پل پل موسم بدلتا تھا اس کا مزاج۔

پل میں موم، پل میں شعلہ تھا وہ ـــــ اور ـــــ

وہ چلتی ہوئی اس کے روم کے باہر جا رکی تھی۔ بہت ڈرتے ڈرتے دستک دی تھی مگر کوئی رسپانس نہیں ملا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پھر ہمت کی تھی مگر دوبارہ بھی کوئی رسپانس نہیں آیا تھا۔ غالباً وہ گہری نیند سونے کا عادی تھا۔ مگر مائی اماں کا حکم بھی تو ماننا ضروری تھا۔

اس نے ایک بار پھر دستک دی تھی مگر جواب نہ پا کر اس نے یونہی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ دھرا تھا۔ کمرہ لاکڈ نہیں تھا، کھلتا چلا گیا۔

میرب سیال کی نظر عین سامنے کمرے پر پڑی تھی اور اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی......!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے کمرے میں نہیں تھا۔

میرب سیال کی نگاہ متحیر رہ گئی تھی۔ آہستگی سے چلتی ہوئی وہ آگے بڑھی تھی۔ واش روم کا دروازہ کھولا دیکھا تھا مگر کوئی وہاں نہ تھا۔

''سبکتگین!'' میرب سیال نے پکارا تھا۔ نظروں نے یہاں وہاں اسے تلاشا تھا۔

''سبکتگین!'' پریشانی لہجے میں عود کر آئی تھی۔ مگر اس کے کمرے میں کوئی نہ تھا جو اس کو جواب دیتا۔ اس کی نیند پوری طرح سے اُڑ چکی تھیں۔ نیند کی خماری سے بھری ہوئی آنکھیں مکمل طور پر کھل چکی تھیں۔ سراسیمہ سی کمرے کو ایک طائرانہ نگاہ سے دیکھتی پلٹی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کہاں تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر یہ بات کسی تشویش سے کم نہ تھی۔ پریشانی واضح طور پر اس کی آنکھوں میں در آئی تھی۔

وہ کوئی بچہ نہ تھا۔ مگر رات کے اس پہر اس کا اس طرح کمرے سے غائب ہو جانا یقیناً باعث تشویش ہی تھا

ں ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور اب پیچھے قطعاً نہیں ہٹوں گا۔ اب چاہے تم میری پذیرائی کر دیا
ہے مجھے چاہو یا نہ چاہو۔ میرا ہاتھ تھامو یا نہ تھامو لیکن تمہیں نہیں چھوڑ سکتا انابیہ شاہ!''
ان علی خان کا لہجہ ابھی تک اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا۔ پچھلی شب کا اثر جوں کا توں تھا۔ وہ اس
،اس مجنونانہ لہجے کو اور ان پُرجنون آنکھوں کو فراموش ہی نہیں کر پا رہی تھی۔
ب جیسے ایک تاثر خاص بن گیا تھا۔ اگلے دن وہ کیمپس بھی نہیں جا سکی تھی۔ لامعہ کا فون آیا تھا مگر
بات نہیں کی تھی۔ اس کی ہمتیں جیسے ٹوٹ چکی تھیں۔
سارا دن بجتا رہا تھا۔ اسکرین پر ایک نمبر اُبھرتا رہا تھا مگر اس نے ایک بار بھی کال ریسیو نہیں کی تھی۔
کر دیا تھا۔ مگر جب دوسرے دن سوئچ آن کیا تھا تو سیل ایس ایم ایس سے بھرا پڑا تھا۔
لیز ٹاک ٹو می۔''
راس جیسے کتنے ہی میسجز اُسے مزید پریشان کر رہے تھے اور شام میں عفنان علی خان پھر اس کے
دجود تھا اور وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔
بط کو آزمانا چاہتی ہو؟'' عفنان علی خان اس کی آنکھوں میں بہ غور دیکھ رہا تھا۔ کل کی بہ نسبت آج وہ
اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے پر پُرسکون کیفیت تھی۔ جیسے وہ صورت حال کو اپنے بس میں کر چکا

اُزمانا چاہتی ہو مجھے یا پھر خود کو؟........ انابیہ شاہ! کیا یہ اتنا آسان ہے؟........ آسان ہے یوں نگاہ
..... یا پھر اجنبی بن جانا؟........ تمہیں نہیں لگتا تم نے عفنان علی خان کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔''
تے ہوئے وہ مکمل طور پر پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔
کیا سمجھتی ہو؟ اتنی جلدی ہمتیں ہار سکتا ہے کوئی؟ ـــــ اتنی جلد حوصلہ ہار سکتا ہے؟'' بہ غور دیکھتے
نفی میں ہلایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔
ہو بھی جانا، غلط جانا، غلط سمجھانا۔ انابیہ شاہ! ـــــ جو ایک پل بھی اپنی سمت بدل لے وہ محبت نہیں۔
ن علی خان تم سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ کیا سمجھتی ہو تم، مجھ سے اجنبی
ہو گی تو میں ہر راہ بدل لوں گا، پلٹ کر لوٹ جاؤں گا........ پھر کبھی تمہاری سمت نہ آنے کے لئے؟ کیا
لی خان اتنا کمزور ہے یا پھر اس کی محبت اتنی کھوکھلی ہے؟ بولو انابیہ شاہ! کیا لگا تمہیں؟'' مدھم لہجہ کسی
ل اپنے اندر رکھتا تھا۔

”دل کو سنبھالنا اتنا ہی آسان ہے۔ سمجھنے اور سمجھانے کی باتیں کب تک ہمارے مابین ہوتی
انابیہ شاہ! کب تک ہم وقت گنواتے رہیں گے؟ کیوں نہیں سوچتی تم؟ لمحے قیمتی بھی تو ہو سکتے ہیں۔
پلٹ کر واپس کب لوٹیں گے۔ تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک چھوٹی سی بات۔ عمر
ہے اور تم محبت کے لمحے گنوا رہی ہو ——— کیا کروں میں انابیہ شاہ! تمہارا۔ کیسے سمجھاؤں کہ دل کی
ہوتی ہے اور دماغ کی اپنی۔ دل اور دماغ کبھی ایک راہ پر نہیں چل سکتے۔ تبھی تو تمہارے معاملے
سمجھا نہیں پاتا۔ اور تم ہو کہ یہ بات سمجھتی ہی نہیں ہو۔ سمجھنا بھی نہیں چاہتی ہو۔ بس لکیریں کھینچے
دائرے بناتی جا رہی ہو۔ اپنے اور میرے درمیان فاصلے بڑھاتی جا رہی ہو اور سمجھتی ہی نہیں کہ یہ
دل سے کتنی دور لے جائیں گے۔ طفل بھی اپنے فائدے اور نقصان کی بات کو بخوبی سمجھتا ہے۔ مگر
شاہ!......تم تو......کیسے بتاؤں میں تمہیں؟ کیسے سمجھاؤں؟“

”کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ انابیہ شاہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی اور
میں باور کراتے ہوئے بولی تھی۔ ”کچھ بھی باور کرانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں عفنان علی خان!
اپنا اچھا برا، نفع نقصان، سب خوب سمجھتی ہوں۔ سو پلیز، اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو۔ میں اپنے
مطلع کر چکی ہوں اور بار بار دہرانا مجھے اچھا نہیں لگتا ——— اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم ایسی بے تکی
مجھے قائل کر لو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔“

انابیہ شاہ کہہ کر آگے بڑھنے لگی تھی جب بہت سرعت سے عفنان علی خان نے اس کے نازک
اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ آنکھوں میں
عنصر بہت واضح تھا۔ مگر دوسری طرف عفنان علی خان بہت مطمئن سا مسکراتا نظر آ رہا تھا۔ اس کی
میں بہ غور جھانکتا ہوا وہ جیسے اپنی محبت کا بھرپور اعتراف کر رہا تھا۔

”یہ فرار، یہ بھاگنا دوڑنا، یہ حقیقتوں کو جھٹلانا، سب سے چہرہ چھپانا، کب تک؟ ——— ہاں،
انابیہ شاہ؟“ مضبوط ہاتھ شانوں پر دھرتے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ ساکت سی اس کی سمت
تھی۔ جیسے وہ اس گھڑی قطعاً بے بس تھی یا پھر حیران و ششدر۔ اور عفنان علی خان کہہ رہا تھا۔

”دیوار اٹھانا چاہتی ہو تو اتنا جان لو، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو گی۔ راستوں کو علم ہے۔ درمیان
سفر جذبوں کو کرنا ہے۔ سو فاصلے اپنا آپ سمیٹ لیں گے۔ تمہیں کوئی اور راہ نکالنا ہو گی انابیہ شاہ!
لئے بھی ضروری نہیں کہ تم کامیاب بھی ہو۔“ بہت دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

”سنا ہو گا تم نے، محبت سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مگر اس پیچیدہ مسئلے کا حل بھی صرف اور
ہے۔ سو جو بھی اقدام اٹھاؤ جان لینا کہ یہ سر جھکا ہوا ہے اور ہمیشہ جھکا رہے گا۔ تلوار اٹھاؤ اور دیدہ و
کرو، دل حاضر ہے۔ مگر یہ کھیل فیئر ہونا شرط ہے۔ بساط جب بچھ ہی چکی ہے تو پھر ڈر کیسا۔ ہار
کیا فرق پڑتا ہے۔ محبت تمام خساروں کا مداوا بہت خوبی سے کرنا جانتی ہے۔ سو کھیل لینے میں کیا
آئی ایم ریڈی ٹو پلے۔ وہاٹ اباؤٹ یو، وِل پلے اور ناٹ؟“ مسکراتی نگاہ میں کچھ خاص رنگ
شاہ کی حیرت سوا تھی۔ کچھ نہیں بول سکی تھی وہ۔

تمام کشتیاں جلا کر آیا ہوں ——— واپس پلٹنے کی تو کوئی راہ ہی نہیں ہے۔

دل کو اس راہ پر چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

آزمانا ہو تو آزما لو ——— جانچنا ہو تو جانچ لو۔ کوئی راہ تبدیل نہیں ہو گی۔“
ہم لہجے میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔ وہ مبہوت سی کھڑی تھی جب عفنان علی خان اسی پُراعتماد انداز
کراتا ہوا پلٹا تھا اور پھر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

* * *

بے تاثر بن جانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اور ان معاملات میں تو قطعاً بھی نہیں جو براہِ راست آپ سے
ہوں۔

گو ہوا کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ ایکسپکٹ کر رہی تھی۔ مگر اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس کے
بھی وہ اس نقطے پر اب تک خود کو ساکت و جامد محسوس کر رہی تھی۔

”ساہیہ! کیا ہوا؟“ اگینے چلتی ہوئی اس کے پیچھے آن رکی تھی۔ مگر ساہیہ خان چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی پلٹ
اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساکت نگاہ خلاؤں میں کہیں یونہی اُلجھی رہی تھی۔

”ساہیہ!“ اگینے اس کے سامنے آن رکی تھی۔ بہ غور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جیسے صورت حال کو
اچاہا تھا مگر اس کا چہرہ اس لمحے کھلی کتاب نہ تھا۔ اگینے کے اس طرح جانچنے پر وہ مسکرا دی تھی اور انداز بجھا
ہی مگر وہ جیسے تمام صورت حال اپنے بس میں کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔

”بھابی کب سے تمہیں کھانے کے لئے بلوا رہی تھیں۔ تم نے سنا نہیں۔“ اگینے نے کسی قدر جانچتی
دں سے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ ساہیہ خان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”بھوک نہیں ——— ماما سے کہیے، جب ہو گی کھا لوں گی۔“

”کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں پھپھو!“ لب بہت ہولے سے مسکرائے تھے۔

”کسی نے کچھ کہہ دیا؟“

”کون......کون کہے گا کچھ مجھ سے؟“ مسکراتے ہوئے نگاہ چرا رہی تھی۔

”اذہان......اذہان نے کچھ کہہ دیا؟“ اگینے کسی نقطے پر پہنچی تھی اور ساہیہ خان ساکت سی اس کی
ف دیکھنے لگی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

”نہیں ——— وہ کیا کہے گا کچھ مجھ سے۔ وہ میرا اچھا دوست ہے اور دوستوں میں کچھ عجب کیسے ہو سکتا
ہے؟“ وہ خوامخواہ مسکرائی تھی۔

”تمہیں یقین ہے؟“ اگینے نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”قطعی۔“ ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

”آپ کو کیا لگا ——— کیا ایسا ہو سکتا ہے ہم میں؟“ نظریں چراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اگینے اس

کے چہرے کو بہ غور تکتی رہی تھی۔

”خود کو اور دوسروں کو بے وقوف بنانا کوئی اچھی بات نہیں۔“ اگینے بولی تھی۔ انداز باور کرانے والا تھا۔ مگر ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

”پھپھو! آپ کو کیا لگتا ہے، اذہان کو اور مجھے لے کر جو ہونے جا رہا ہے، آئی مین جو تعلق بننے جا رہا ہے وہ کتنا صحیح ہے؟“ الجھن سے بھرے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

”تو تم اس بات کو لے کر پریشان ہو؟“ اگینے جیسے حتمی نتیجے تک پہنچی تھی۔ ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اگینے نے دو قدم آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیکھا تھا اور نرمی سے مسکرادی تھی۔

”ساہیہ! آنے والے دنوں کی فکریں، آنے والے دنوں پر ہی چھوڑ دینا اچھا ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے بہت سے مسائل جنم نہیں لیتے۔ یہ ایک اچھا حل ہے اپنے آپ کو ریلیکس رکھنے کا۔“

”مگر پھپھو! صرف آج ریلیکس رہنے کے لئے میں اپنے آنے والے کل کو اندیشوں میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ آج پر ہی آنے والے کل کو بیس کرنا ہے۔ سو آج سے ہی کل کی فکر کرنا ضروری ہے۔“

”جب میں تمہاری عمر میں تھی تو بالکل بھی ایسا نہیں سوچتی تھی۔ خاصی بڈھوں والی سوچ ہے۔“ اگینے نے مذاق میں ڈالنا چاہا تھا اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہی تھی۔ ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔ مگر یہ مسکراہٹ قلیل لمحوں کی تھی۔ چند لمحے بعد ہی وہ ہونٹ بھینچ کر اسی ڈگر پر تھی۔

”پھپھو! رابطوں میں پذیرائیاں بھی ہوں، کیا یہ ضروری ہے؟“ بات بہت گہری تھی شاید تبھی اگینے چونک پڑی تھی۔ مگر ساہیہ خان کو اس بات کا احساس ہونے نہیں دیا تھا۔

”کن رابطوں کی بات کر رہی ہو تم؟ ——— رابطے تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔“

”ہاں، ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“ ساہیہ خان لاجواب ہو کر مسکرا دی تھی۔ ”رابطے تو کئی طرح کے ہو ہیں۔ کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ہر ربط میں پذیرائی بھی ہو، یہ ضروری نہیں۔ اور ضروری تو یہ بھی نہیں کہ بے تکے موضوعات پر بے تکی بات بھی کی جائے۔“

”ربط تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ مگر ساہیہ! ہر ربط سے ہم ہر طرح کی توقعات نہیں رکھ سکتے۔ خاص لوگوں سے ہی خاص توقعات وابستہ کی جاتی ہیں۔“

”اور کتنا بڑا پاگل پن ہے نا یہ پھپھو! نہ کسی کی سننا، نہ کہنا، بس پاگلوں کی طرح اپنی طرف سے توقعات بیٹھنا، اپنے آپ کو کتنا بے قیمت کرنے والی شے ہے نا۔ کوئی سمجھتا ہی نہ ہو، جانتا ہی نہ ہو اور آپ۔“ بے الجھے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے وہ یک دم ہی بات ادھوری چھوڑ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اگینے کے انداز کو محسوس کر رہی تھی مگر واضح طور پر کچھ پوچھنا مناسب نہیں جانا تھا۔

”تم آؤ ——— کھانا کھا لو۔ بھابی کو بہت فکر رہے گی ورنہ۔“

”پھپھو!“ ساہیہ خان نے جواباً کچھ بولنے کو لب کھولے تھے مگر پھر بولے بغیر لب بھینچ گئی تھی۔ اگی نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھتے ہوئے بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

یہ! یہ عمر خواہ مخواہ کی فکروں میں گھرنے کی نہیں ہے۔ اور تمہاری عمر تو یوں بھی ابھی بہت کم ہے۔
نجوائے کرو۔ یہ الجھاوؤں کے جال بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں۔ ایک بار الجھے تو سلجھنے کی کوئی
ہی نہیں۔ مجھے بہت عزیز ہو، سو مشورہ یہی دوں گی کہ جو ہو رہا ہے، جو ہونے جا رہا ہے ہو جانے
تو تم وقت کو روک سکتی ہو نہ وقت کے کسی اقدام کو۔ تو کیا بہتر نہیں کہ ہم خواہ مخواہ کے الجھاوؤں کی
ریں اور الجھنوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں کہ بعض اوقات آنکھیں میچ لینا ہی سب سے بڑا
ہے۔ اب چاہے یہ اقدام کسی خوف کے سبب ہی کیوں نہ ہو یا پھر کسی مصلحت کے تحت۔“ مسکراتے
کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

اٹھو، کھانا ٹھنڈا ہو گیا تو مزہ نہیں آئے گا۔“ انداز بہت سرسری تھا اور ساہیہ خان انہیں دیکھ کر رہ گئی
ن بے سبب تو نہ تھی۔ کیسے وہ نظر انداز کرتی اور کیسے آنکھیں میچتی۔

* * *

ذہان حسن بخاری ایزی چیئر پر آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ کمرہ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ دل کے
ر کئی خیالوں کی آہٹیں تھیں۔ کئی آوازیں دستکیں دے رہی تھیں۔ دو آنکھوں کا پہرہ دل پر تھا۔ دو
کپکپا رہے تھے۔ کچھ حرف تھے شاید۔

ٹے پھوٹے، بے ربط، بے آہنگ۔

نی، مگر ہزار ہا معنی اپنے اندر سمیٹے۔

ران تھی، کچھ ویراں۔ لمبی دراز پلکیں کچھ کپکپا رہی تھیں۔ اک انجان سا بوجھ ان پر لدا تھا۔ سمندر
نکھوں کے کنارے چپکے چپکے بھیگ رہے تھے۔

ہ گداز لب ساکت تھے۔ عارض بھیگ رہے تھے۔ سارے لمحے پانیوں کی زد پر تھے اور وہ خاموش

خود سے الگ کبھی مت ہونے دینا۔ یہ احساسِ سپردگی، یہ نیا پن، یہ احساسِ محبت، دل ڈرتا ہے۔
نہ جائے سب۔ اذہان! میرے رہو گے نا؟‘

مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ گداز لب کپکپا رہے تھے۔ سمندر آنکھیں طغیانیوں میں گھری تھیں اور وہ
پلکیں نہ جھپک سکا۔ بس ساکت سا تکتا رہا تھا۔

جو کھو جاؤں تو کیا کرو گے اذہان؟‘

ڈھونڈوں گا ——— تلاشوں گا ——— دنیا کے ایک نقطے سے دوسرے تک۔ اک کنارے سے
تک۔ صدائیں دوں گا ——— تمہارا نام لوں گا۔‘

کا اپنا لہجہ بے قرار تھا۔ مدھم، جنوں خیز۔

ایسا کرنے سے میرے خیالوں تک رسائی پا سکو گے؟ کیا ڈھونڈ لو گے مجھے؟‘ وہ بھیگی آنکھیں اس کی
تھیں اور اس کا اک جہاں جیسے قیامتوں میں گھر گیا تھا۔

گنوا دو گے اذہان حسن بخاری؟‘ وہ نگاہ بے قرار تھی۔

’نہیں، کوئی اپنی زندگی کیسے گنوا سکتا ہے؟ــــــ میں جینا چاہوں گا۔ زندگی کے ساتھ، تمہار بے قرار لہجہ احساسِ محبت سے بھرپور تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کے تمام آنسو اپنی پوروں پ تھے۔ وہ کانپتا، کمزور لہجہ، مدھم آواز اس کے گرد حصار باندھ رہی تھی۔ مضطرب نگاہ اس کے چہرے

’مجھے سمیٹ لوــــــ اپنی پناہ میں لے لو۔ میں زندگی ہوں تو مجھے جی کیوں نہیں لیتے؟ باندھ دھڑکنوں میںــــــ سانسوں میں بسا لوــــــ مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے، تمہارے لئے تمہاری زندگی ہوں میں۔ تمہارے لئے ہوں۔ احساس سے چھو لو، مجھے کوئی اندیشہ باقی نہ رہے سارے پل سمیٹ کر گرفت میں باندھ لو۔ میں تم سے بچھڑنا نہیں چاہتی۔ یہ لمحے مجھے ڈرا رہے ہیں، یہ گزر گئے تو کچھ باقی نہیں رہے گا۔ تم ان خدشوں کو مٹا کیوں نہیں دیتے؟ سانسوں کی ہوں تو مجھے اپنے رنگوں میں رنگ کیوں نہیں لیتے؟ میں تمہارے اختیار کے دائروں میں ہوں۔ اختیار میں رہنے دو۔ تمہارے بغیر، تمہارے بنا زندگی باقی نہیں رہے گی۔‘ وہ گہرے سمندر پھر طغیانی پر تھے۔

اور اذہان حسن بخاری کے لبوں پر گہری چپ تھی۔

’تمہاری چپ میں اک سکوت ہے اذہان حسن بخاری! اور مجھے یہ سکوت بہت ڈرا رہا ہے۔‘

مضبوط ہاتھوں سے ان نازک ہاتھوں کو ہولے سے تھام لیا تھا۔ گرم لمس یہ جتانے کو کافی تھا سنگ ہوگی۔

’میں حالات کو اپنے بس میں کر لوں گاــــــ تمہارے لئے سب کچھ کروں گاــــــ اس لئے، اس رفاقت کے لئے، سب کچھ۔ بس مجھے کچھ لمحے دو۔ میں ہر وہ اقدام کروں گا جو تمہیں مجھ کر دے۔ فقط چند دنــــــ چند روزــــــ چند لمحے۔ میں سب کچھ بدل دوں گا، سب کچھ۔‘ سا لہجہ یقین دلاتا ہوا تھا۔

’محبت کا احساس ہو تمــــــ تمہاری آہٹوں نے مجھے زندگی بخشی ہے۔ تمہارے اک لمس نے کیا ہے۔‘ سرگوشیوں میں شدت تھی اور وہ بھیگی نگاہ سے اسے دیکھ رہی تھی۔

’اذہان!......اذہان!‘ کوئی پکار رہا تھا شاید۔ کوئی ہاتھ، ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا۔ کوئی نگاہ پلٹ وہ لرزتی پلکیں گریزاں ہو رہی تھیں۔ وہ گداز لب کچھ کہہ رہے تھے۔ قدرے ہولے ہولے رہے تھے اور اس کا دل ایک گہرے اضطراب میں گھرتا جا رہا تھا۔ دھڑکنیں پاتالوں میں کھو رہی سانسیں رک رہی تھیں۔ دل جیسے دھڑکنا بھول رہا تھا۔

”اذہان!......اذہان!“ کسی نے اس کا شانہ ہلا کر اسے جیسے جھنجھوڑا تھا۔ اس نے ایک آنکھیں وا کی تھیں۔

”اذہان! کیا ہوا؟“ ممی اس کے سامنے کھڑی پریشانی سے دریافت کر رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری نے کھوئے کھوئے انداز میں خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔ پھر سر دیا تھا۔

لو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

* * *

تھا۔

تو تھی۔

لمحے میں سب کچھ متزلزل ہوتا لگا تھا۔

ں کھدروں میں چھپے خوف ایک لمحے میں پھر سر اٹھانے لگے تھے۔

ن حیدر لغاری اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

تا ہوں تم پریشان ہو گئی تھیں۔ مگر تمہاری طبیعت خراب تھی، سو میں نے تمہیں ڈسٹرب کرنا ھا اور تم......“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے وضاحت دینا چاہی تھی۔ میرب سیال خاموشی رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مزید کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

ن حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر دھرا تھا۔ میرب سیال نے ت دیکھنے سے مکمل گریز برتا تھا۔ یہ اندازِ بیگانگی کا اقدام غالباً دانستہ تھا۔ وہ نگاہ جھکائے کھڑی لمحے وہ ہاتھ اس کے شانے پر آیا تھا اس نے اپنا نازک سا ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس پنے شانے پر سے ہٹا دیا تھا۔

ن حیدر لغاری کو اس اقدام پر بہت حیرت ہوئی تھی۔

تم......“ کچھ بولنے کو لب کھولے تھے مگر پھر کچھ بولے بغیر لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ لمحوں کے بولا تھا تو لہجہ بے حد مضبوط تھا۔

ھتی ہو، کہاں گیا تھا میں آدھی رات کو اٹھ کر۔ اعتبار نہ کرنے کی عادت ہو گئی ہے تمہاری۔ کیا ے پلو کا اسیر ہو گیا ہوں میں؟ــــــ باندھ کر رکھ لیا ہے تم نے مجھے؟ــــــ تمہاری مرضی تک نہیں لے سکتا؟ میرب سیال! تم......“ غصے میں بولتے بولتے یکدم وہ مٹھیاں بھینچ کر ھا۔ پھر ہاتھوں سے بالوں کو کسی قدر الجھن سے بھینچتے ہوئے اس کی طرف کسی قدر غصے سے

تم اپنے اور میرے رشتے کے بیچ پھر خواہ مخواہ کی دیوار اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ایسا کچھ یسا تم سمجھ رہی ہو۔ آئی واز جسٹ بزی ود دی ورک۔ اینڈ دیٹس آل۔ پلیز ٹرائے ٹو میک سنس یک ٹرسٹ۔ ایسے کیسے چلے گا؟ تم بیوی ہو میری، پلیز ماں بننے کی کوشش مت کرو۔ میں بہت ہارا اعتبار جیتنے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم......تم پھر مجھے اسی ڈگر پر دھکیل رہی ہو۔ کیا تم رے درمیان وہ دیوار پھر سے کھڑی ہو جائے؟ وہ سارے فاصلے پھر سے عود کر آئیں؟“ اسے جھوڑتے ہوئے کسی قدر ایگریسو انداز میں کہا تھا۔

ل نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

کچھ نہیں کہہ رہی ہوںــــــ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ باور کراتے ہوئے چلتی ہوئی دور جا

رکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"میرب! تم بالکل بچوں سا مزاج رکھتی ہو—— ذرا سی بات ہوئی نہیں اور تم روٹھی نکل۔" ہوئے اس کی پشت پر جارکا تھا۔ "اینی وے، آج کا کیا پروگرام ہے؟ ہمیں شام کہاں گزارنی چاہ کے دونوں شانوں کو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ بس اما نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"اینی ویز، تھینکس۔"

"فور واٹ——؟" میرب سیال چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہ ہو گئی تھی۔

"تمہارا یہ روپ پہلی بار میرے سامنے آیا ہے تو جانا ہے کہ شاید اسی کا نام محبت ہے۔ شاید کہتے ہیں۔ ایک دوجے کو سوچنا، فکر کرنا، ایک دوسرے کے لئے پریشان ہونا، یہ سب محبت ہی ہے خوشی ہے کہ ہم دونوں کے بیچ محبت جنم لے چکی ہے۔ اگر آج ایسا نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس قدر گر آتیں۔ یہ روٹھا روٹھا سا انداز بتا رہا ہے کہ تمہیں میری کتنی فکر ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ان ڈگر پر تھا۔ وہی رنگ تھے۔ وہی ڈھنگ۔ لہجے میں وہی چاشنی تھی اور نظروں میں وہی تاثر خاص۔

میرب سیال اس کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔

"کیا اب بھی ناراض ہو؟" بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرایا تھا۔ میرب سیال چہرے کا رخ پھیرا تھا وہیں نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ ناراض نہیں تھی۔"

"اور اس کے باوجود تم میری طرف اس وقت نہیں دیکھ رہی ہو۔ گریزاں ہو اور مجھے نظر انداز اسے ناراضگی نہیں تو اور کیا کہیں گے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

میرب سیال کچھ بولے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

❄❄❄

Piano کی ساری **Black Keys** ایک ایک کر کے ٹوٹ چکی ہیں—— جدائی کا جو گ بھیج رہا ہوں وہ میں نے سارے کا سارا **White Keys** پر **Compose** کیا ہے۔ یہ سوچ کر

Shawl کے بغیر بھی **White Dress** میں بہت خوب صورت لگتی ہو۔

کھلی کتاب کے کسی سرے سے ایک سوکھا گلاب یکدم ہی نیچے جا گرا تھا۔ اذہان حسن بخار کر اس سوکھے پھول کو اٹھایا تھا اور بہ غور تکنے لگا تھا۔

"تمہیں لڑکیوں میں سب سے اچھی بات کیا لگتی ہے؟"

"لڑکیوں میں؟" اس کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"کیوں—— اس سوال میں اتنا عجب کیا ہے؟"

جب کچھ نہیں ہے۔ مگر اگر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچوں گا تو برا تو تمہیں ہی لگے گا نا۔"

ا تھا۔

نکھوں نے اسے عجب خفگی سے دیکھا تھا۔

ھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

چہرہ خفا خفا سا رخ پھیر گیا تھا۔ اسے خفگی کا احساس ہوا تھا اور اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے اپنی وڑا تھا اور بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

مجھے صرف تم اچھی لگتی ہے اور صرف تم ہی اچھی لگتی ہو۔ تمہارے سوا اور کچھ نہیں۔" سرگوشی میں انداز والا تھا۔ "تم مسکراتی ہو تب اچھی لگتی ہو۔ جب میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہو بہت اچھی لگتی ہو اور او پھیر کر اجنبی بن جاتی ہو تب تو اور بھی اچھی لگتی ہو—— مجھے تم میں جو بھی ہے، سب اچھا لگتا ہارا چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جانا، ہر بات کی فکر کرنا، بات بے بات روٹھ جانا اور پھر ر مان جانا۔ تمہاری تمام خامیاں، تمام خوبیاں، تمام کمیاں، تمام کمزوریاں سب بہت اچھا لگتا

بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

ان حسن بخاری نے ڈائری کو کھولا تھا۔ کئی نقش از سر نو تازہ ہو کر اس کے اردگرد چمکنے لگے تھے۔

یں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

کیا؟"

کہہ دوں؟"

اں۔"

تم میری خواہشوں میں ہو۔"

اگل۔"

ہ بات میں نے تم سے آج تک نہیں کہی تھی۔ سنبھال کر رکھے تھے سارے لفظ۔ مگر تم یہ کتاب تو بند کر

ہ کر دی بند۔ پھر۔"

مجھے اپنے دل میں رہنے دو۔" وہ شرارت پر آمادہ ہوا تھا۔

ٹ اپ اذہان! الس سو چیپ اینڈ ویری فلمی۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

ں تم سے عام لفظ کہنا نہیں چاہتا تھا۔"

م آن اذہان! فضول کی مت ہانکو۔ بہت ضروری کام کر رہی ہوں میں۔ سو پلیز ڈسٹرب مت کرو۔"

انے اسے دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

ان حسن بخاری نے کچھ صفحے مزید پلٹ دیئے تھے۔

کی آنکھیں پھر اسکے سامنے تھیں۔

گداز لب کپکپا رہے تھے۔

بہت کچھ کہنے کی خواہش تھی مگر لبوں پر کوئی ایک لفظ بھی نہ تھا۔ سر بہت ہولے ہولے نفی میں ہلا ر
اس کے ہاتھوں نے اس چمکتے چاند سے چہرے کو اپنے حصار میں لیا تھا۔ بھیگتی پلکوں کی لرز
بھی بڑھ گئی تھی۔

"مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ تمہارے ساتھ جینا ہے۔ تم مجھے روک کیوں نہیں لیتے؟ توڑ
دیتے یہ ساری دیواریں، یہ سارے حصار جو تمہیں اور مجھے الگ الگ دائروں میں بانٹ رہے ہ
کیوں ہو تم؟ مجھ سے کہتے کیوں نہیں کہ میرے بغیر جی نہیں سکو گے۔ کہہ دو کہ زندگی آسان نہیں
مجھے تمہاری خاموشیوں سے وحشت ہو رہی ہے۔ توڑ دو یہ برف کی دیوار۔ ان لبوں کی خاموشی
تمہارے اور میرے درمیان فاصلے حائل کر رہی ہے۔ تم اتنی چھوٹی سی بات سمجھتے کیوں نہیں ہو؟!
ہوں۔ میں چلی جاؤں گی۔ کیسے جیو گے؟"

بھیگتی آنکھوں میں کسی قدر اضطراب تھا۔ عارض بھیگ رہے تھے مگر وہ خاموش کھڑا تھا۔

"کیا میرے بغیر جی لو گے؟" گداز لب لرز رہے تھے۔

لمحے ہاتھ سے سرک رہے تھے —— "اذہان حسن بخاری! وقت گزر رہا ہے۔ یہ پل بیت
ہاتھ نہ رہے گا۔"

ایک تصویر ڈائری سے جھانکتی دکھائی دی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے تصویر ہاتھ میں لے لی
چہرہ اس کے سامنے تھا۔ تابنا کی بلا کی تھی۔ مگر اس کے تصور میں انہی دو بھیگی پلکوں کا پہرہ تھا۔

"یہ لمحے جب تم میرے سامنے ہو، میرے پاس ہو، میرے قریب ہو۔ یہی لمحے میرے
ہیں۔ مجھے جی لینے دو۔ ان آنکھوں میں لمحہ دو لمحہ کو ہی سہی۔ میں اپنے عکس کو تمہاری آنکھوں میں
چاہتا ہوں۔ تمہارا چہرہ میرے سامنے ہو تو مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ یہ آنکھیں کچھ یاد نہیں رہنے دیتی
لمحوں میں جینا چاہتا ہوں۔ مجھے جی لینے دو۔ لمحہ دو لمحہ کو ہی سہی۔ حسین اور دل پذیر ہو تم۔ اپنے
ان لمحوں کو بخش دو۔ دان کر دو اپنی ساری دلکشی اس وقت کو۔ میں ان لمحوں کو روک لینا چاہتا ہوں۔
کو پھیلا دو۔ میں آسمان کے تمام تارے چن لینا چاہتا ہوں۔ یہ اپنی آنکھوں کے جگنو مجھے سونپ
لمحہ کی یاد اپنے دل میں محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دو۔" ایک جنوں فضا میں ڈوب
وقت کی ساعتیں تھم گئی تھیں۔ نبضیں جم گئی تھیں۔ سانسیں رک گئی تھیں۔ تمام منظر جم گئے تھے۔

وہ مبہوت سا کھڑا تھا۔

پرسنل سیل یکدم ہی بجنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری جیسے ایک گہرے خواب سے بیدار
ڈائری میں رکھی تھی اور ڈائری بند کر کے سائیڈ کی دراز میں ڈال دی تھی۔

"ہیلو —— جی، آئی ایم ریڈی ٹو میٹنگ۔ جی، آپ بات کر لیں۔" وہ کہتے ہوئے کمر
گیا تھا۔ کچھ دیر قبل والا ہر تاثر چہرے سے معدوم ہو چکا تھا۔

فارحہ نے بیٹے کو سیڑھیاں اترتے دیکھا تھا۔

ہاں جا رہے ہو؟ —— کھانا لگ چکا ہے۔"

ہیں می! پاپا کا فون آیا ہے۔ ایک اہم میٹنگ ہے۔ مجھے جانا ہو گا۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے
یا تھا۔

❄❄❄

بار و بے اعتباری کے درمیان لٹکے رہنا آسان نہ تھا۔ اس سے کہیں بہتر تھا کہ وہ اس تمام معاملے کو
طرف رکھ دیتی اور زندگی کو پھر سے ایک ڈگر پر لانے کی سعی کرتی۔ اس نے ایک بار خود کو پھر سمجھایا
کرایا تھا۔ سمجھوتوں میں اس طرح تو ہوتا ہے۔ زندگی میں اس طرح کی مشکلیں تو سہنا تھیں۔ پھر
نے سے اور جلنے کڑھنے سے فائدہ۔

م کا اہتمام لازم تھا۔ حکم تھا۔ سو وہ تھوڑی سی تیاری کے بعد باہر نکل آئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر
یں تھا۔

چلتی ہوئی اس کمرے تک آ گئی تھی۔ چند لمحوں تک اسی طرح ساکت کھڑی رہی تھی۔ عجب شش و پنج کا
تھا۔

وازہ کھولے یا نہ کھولے —— اندر جائے یا کہ نہ جائے۔

کے اندر لمحہ بھر کو ایک سکوت کا احساس ہوا تھا۔

ں نے اس قلیل لمحے میں جیسے سوچا تھا اور پھر کسی نقطے پر پہنچتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔ مگر آنکھیں
نہ خوف کے پیش نظر بہت زور سے میچ لی تھیں۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے پچی
کو کھول کر کمرے پر نگاہ کی تھی۔ کمرے میں کسی ممکنہ خطرے کا دور دور تک نام و نشان تک نہ تھا۔ بلکہ
نگاہ نے دیکھا تھا اسے دیکھ کر کسی قدر حیرت نے گھیر لیا تھا۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور اپنا ہاتھ داہنے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ چہرے کے تاثرات
اہر تھا کہ وہ بہت تکلیف میں ہے اور بہت مشکل سے جھیل رہا ہے۔ وہ بہت سرعت سے آگے بڑھی تھی
لمحے میں اس پر جھکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"کیا ہوا؟ —— آر یو آل رائٹ؟"

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"یس —— آئی ایم آل رائٹ۔ ڈونٹ یو وری۔"

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنے معاملات سے اسے جیسے علیحدہ رکھنا چاہا تھا۔ میرب سیال کسی قدر
ل میں آ گئی تھی۔

"کچھ بتائیں گے آپ مجھے؟ —— ہوا کیا ہے آپ کو؟" وہ پلٹی تھی اور بہت سرعت کے ساتھ کوئی نمبر
لگی تھی۔

"کیا...... کیا کر رہی ہو میرب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب
نے اس کی سمت دیکھا تھا اور بہت رسانیت سے بولی تھی۔

”میں ڈاکٹر کو کال کر رہی ہوں۔“ ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ پر تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بغو دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے —— ڈاکٹر سے کنسلٹ کر چکا ہوں اور میڈیسن بھی لے چکا ہوں۔ آرام آنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔“ وضاحت دیتے ہوئے بھی اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ م تھا۔

میرب سیال نے خاموشی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہت آہستگی سے اپنے پاس بٹھالیا تھا۔ تکلیف کے آثار اب بھی ا کے چہرے پر تھے۔

”تھینکس فور دِس کیئر۔ مگر اب میں ٹھیک ہوں —— پہلے سے کہیں بہتر۔ تم آ گئی ہو نا۔“ تکلیف م بھی شرارت سے باز نہیں رہا تھا۔ مسکرایا تھا۔ مگر میرب سیال کے لبوں پر خاموشی تھی۔

”تم نے دروازہ اتنا ڈرتے ڈرتے کیوں کھولا؟ —— مجھ پر کیا اب تک اعتبار نہیں آیا؟ خدشے ا قدر تھے کہ دل کی ماننا گوارہ نہیں کیا؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے سامنے موجود چہرے کو بہ غور دیکھ ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی ساکت چپ کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور آہستگی بولی تھی۔

”ایسا پہلی بار ہوا ہے یا اس سے قبل بھی یہ کیفیت رہی ہے آپ کی؟“

”مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟“ مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

”اگر تکلیف تھی تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھے بغیر کہا تھا۔ سردار سبکتگی حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس ک چہرے کا رخ اپنی سمت کر لیا تھا۔

”مجھ پر اعتبار تو نہیں تھا نا۔ تم کیا سمجھ رہی تھیں، کیا میں کسی کے ساتھ بزی تھا؟“ براہِ راست اس ک آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال نگاہ چرا گئی تھی۔ کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حید لغاری نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا۔

”کیا وہ اعتبار اتنا کچا تھا میرب سیال؟ —— کیا وہ محبت اتنی کمزور تھی؟“ مدھم لہجے میں کوئی شکا تھی۔ مگر میرب سیال چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی تھی۔

”آپ نے بتایا نہیں، آپ کو یہ مسکیولر پین کب سے تھا؟“

سوال بالکل مختلف سمت کا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

”اتنی فکر ہے تو پھر یہ گریز کیوں میرب سیال؟“ لہجہ مدھم تھا۔ کسی سرگوشی سا۔ ”اتنی محبت ہے تو پھر یہ ا دوری کیا ہے میرب سیال؟ کیوں میں پلٹ کر تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو تمہیں میلوں کی نہیں، صدیوں دوری پر کھڑا پاتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے پاس نہیں ہو، میرے ساتھ نہیں ہو۔ ایسا کیوں ہے مر

با کس لئے ہے؟ اسباب واضح کرو تو کوئی تدبیر بھی کی جائے۔ مگر تم خاموشیوں میں گھری کھڑی ہو۔ پ کے ساتھ۔ مجھے بتاؤ، نشاندہی کرو میرب سیال! میں تخمینہ لگاؤں گا۔ کوئی سدباب ڈھونڈوں ں کروں گا وہ سارے گلے دور کر سکوں۔ شکوے مٹا سکوں۔ صرف ایک بار کہو۔ فقط ایک بار بتاؤ۔ ں تک جانے والے رستوں پر میری رہنمائی کرو۔ میں تمہارے دل کو چھونا چاہتا ہوں۔ اترنا چاہتا ارے دل میں۔ اپنے دل تک آنے والے راستوں کا تعین کرو میرے لئے۔ مجھے سمجھاؤ، کیسے جیت ں میں یہ دل؟ کیسے تمہیں پا سکتا ہوں؟ میں تم سے روح کا رشتہ چاہتا ہوں میرب سیال! دل کا تعلق دل۔ بتاؤ مجھے، تمہارے دل تک پہنچنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟ —— کتنے آگ کے دریا پار ہوں گے؟ —— کتنے سمندر پاٹنے ہوں گے؟“ مدھم لہجے میں ہزارہا خواہشیں تھیں اور لاتعداد

مگر میرب سیال خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

”تمہیں کیا لگا میرب سیال! میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں؟“ بہ غور اس کی سمت تکتے ہوئے سوال کیا ر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

”ایک بات کہوں میرب؟“ بہت آہستگی سے پکارا تھا مگر وہ نگاہ پھیرے رہی تھی۔

”پلیز، میک ٹرسٹ، آئی ایم یور۔“ ایک مدھم سرگوشی تھی۔ ایک یقین تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”آپ....... آپ کو آرام کرنا چاہئے۔“ پلٹے بغیر کہا تھا۔

”اور تمہیں اعتبار۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ میرب سیال نے چہرے کا رخ پھیر کر اس کی دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

”کین یو گیو می، جسٹ ون لٹل فیور؟“ مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ میرب سیال چونک پڑی تھی۔

”کیا؟“

”کین یو اسمائل —— اسمائل فور می؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔

ب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

”سویٹ تھینکس! ناؤ یو لک لائیک اے مائے پرنسس۔“

”آپ کو آرام کرنا چاہئے —— تھوڑی دیر بعد ہم ڈنر ساتھ کریں گے۔“ میرب سیال نے مدھم لہجے ں کہا تھا۔

”شکوے اور شکایتوں کے ساتھ؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ میرب سیال نے اس کی طرف کھا تھا پھر دونوں ہنس دیئے تھے۔

”ایک بات کہوں۔“

”ہاں۔“

”مجھے تمہارا ہنسنا، اس طرح اچانک ہنسنا بہت اچھا لگتا ہے۔ تم اس لمحے میری آنکھوں میں دیکھ کر جان تا ہو کہ تمہارا چہرہ دلکشی سے کتنا بھر چکا ہے۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔ میرب سیال نے مسکراتے

لب بھینچ لئے تھے اور پھر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال کر باہر نکل آئی تھی۔

***

عجب ایک احساسِ جرم اُسے ہو رہا تھا۔ عجب ایک احساسِ گناہ اُسے ستا رہا تھا۔ حالانکہ غلطی اس کہیں بھی نہیں تھی۔ کہیں پر بھی اس سے کوئی مس ٹیک نہ ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود خمیازہ وہ بھگت تھی۔ وہ سر جھکائے سیڑھیوں پر خاموش بیٹھی تھی جب اوزی چلتا ہوا اس کے پاس آن بیٹھا تھا اور کا کپ مسکراتے ہوئے اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

‘‘آج بہت روز بعد تم کیمپس گئی تھی نا؟’’

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا اور لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

‘‘پتہ نہیں ـــــ مجھے تو ہر دن ایک سزا کی طرح ہی لگتا ہے۔’’

‘‘لامعہ حق ملی تھی؟’’ اوزی نے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

‘‘نہیں ـــــ میں نے کوشش ہی نہیں کی اس سے ملنے کی۔ گئی تو وہ کہیں آگے کی رو میں تھی اور میں، میں اتنی بزی ہو گئی کہ سر اٹھا کر دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ کئی روز کے لیکچر مسنگ تھے اور بہت ڈ کام جمع تھا۔’’ وہ ڈھیروں وضاحتیں دیتے ہوئے یکدم ہی تھکنے لگی تھی۔ اوزی نے اس کی سمت دیکھا تو مسکرا دیا تھا۔

‘‘تم اتنی چھوٹی سی بات ہنس کر نہیں کہہ سکتیں کہ تم میں ہمت نہیں تھی اس کا سامنا کرنے کی؟’’ اد دلایا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت جیسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر عجب ایک وحشت سے مسکرا دی تم

‘‘ہاں، غالباً اسے بزدلی اور کم ہمتی ہی کہتے ہیں۔’’ عجب ایک بے بسی اس کے چہرے پر تھی گرد رہی تھی۔

‘‘ایسا کب تک چلے گا انابیہ شاہ؟ ـــــ تمہیں نہیں لگتا اب تمہیں کسی قدر بہادر اور دلیر ہو چاہئے؟’’

‘‘ہاں۔’’ وہ یکدم مسکرا دی تھی۔ ‘‘میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ مجھے آج غازی کی بہت یاد آ رہی ہے اکثر کہتا تھا، جو لوگ خود سے اور دوسروں سے ڈرتے ہیں ان کی ساری زندگی بھاگتے ہوئے گزر جاتی اور وہ غلط قطعاً نہیں کہتا تھا۔’’ وہ جیسے اعتراف کر رہی تھی۔ اوزی نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا اور چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

‘‘اوزی! مجھے احساسِ گناہ ستا رہا ہے۔ مجھے ہر کسی کی نگاہیں الزام دیتی لگ رہی ہیں اور ایسا صرف ا شخص کے باعث ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا اوزی؟ ـــــ اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟

وہ بہت آزردہ لگ رہی تھی۔ عجب اُلجھی اُلجھی سی۔

اوزی اس کا موڈ بدلنے کو مسکرا دیا تھا۔

‘‘کہیں باہر چلیں؟ ـــــ آؤٹنگ پر؟’’

انابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

ب تک چلے گا اوزی؟ کب تک میں لوگوں سے بھاگتی رہوں گی اور ڈرتی رہوں گی؟ مجھے یہ رنا ہوگا۔ اور ایسا بہت جلد ہو جائے تو اچھا ہے۔’’ اس نے جیسے ایک نقطے پر پہنچتے ہوئے کہا تھا۔

تمام صورتِ حال کو بس میں کرنا ہوگا اوزی! ـــــ مجھے سب پہلے جیسا کرنا ہوگا اور میں ایسا ضرور کروں گی۔’’ اس کا لہجہ پُرعزم اور مضبوط تھا۔

یہ شاہ! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ کوئی انسان لائیک اے ڈش نہیں ہوتا کہ تم اسے گارنش کر کے ی دستر خوان پر رکھ دو۔ انسان، انسان ہوتا ہے اور اس کی اپنی مرضی اور خواہش بھی ہو سکتی ہے۔ ی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی ہے؟’’ اوزی نے اُسے باور کرایا تھا۔

سی کو بھی اپنی مرضی کے مطابق نہیں چلا سکتی ہو انابیہ شاہ! ایسا ممکن نہیں ہے۔ بات اگر عقل و خرد کی ا یہ برین واشنگ ممکن ہو سکتی ہے۔ مگر بات اگر دل کی ہو تو کیا کرو گی تم؟ کیا زبردستی کسی کو مجبور کر ئی اپنی سمت بدل لے یا کسی اور کی سمت لوٹ جائے۔ اگر اسے وہاں رہنا ہوتا تو وہ وہاں سے کوچ یوں؟ خیمے اُکھڑنے کی کوئی تو حقیقت ہوگی انابیہ شاہ! اتنی چھوٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی دبیر کرو گی تم؟ تمہیں نہیں لگتا یہ تمہاری مزید حماقت ہوگی اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے تو کہیں م صورتِ حال کو جیسی ہے جہاں ہے اسی طرح، اسی حالت میں چھوڑ دو۔ بعض اوقات اس طرح ی باتوں کا حل نکل آتا ہے۔’’

رلامعہ حق؟ اس کا کیا کروں میں؟ ـــــ میں اس کا سامنا نہیں کر پا رہی ہوں۔ اس کے متعلق کیا م؟’’

ں کے سوا کچھ نہیں انابیہ شاہ! کہ تم حماقتوں پر حماقتیں کر رہی ہو۔ جو شے تمہارے بس میں نہیں ہے نے کی کوششیں مت کرو۔ دریاؤں کو الٹے بہاؤ پر بہنے کے لئے کبھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔’’

ریہی بات انابیہ شاہ سمجھ نہیں رہی ہے۔’’ ان دو کے علاوہ ایک تیسری آواز ابھری تھی اور دونوں ے تھے۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا تو عفنان علی خان کو وہاں موجود پایا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا، پُرعزم سا آگے ھا۔

ریاؤں کو الٹے بہاؤ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ہواؤں کے رخ بدلے جا سکتے ہیں انابیہ شاہ! تمہیں مجھ لینی چاہئے۔’’

بیہ شاہ کو اس لمحے اس کی وہاں آمد کی توقع نہ تھی۔ شاید تبھی وہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ لی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

محبت ایسا دریا ہے
ہ بارش روٹھ بھی جائے
پانی کم نہیں ہوتا

بت موم ہے انابیہ شاہ! ـــــ دل میں بستی ہے تو دل کو بھی موم سا کر دیتی ہے۔ موم کو اپنی مرضی سے

موڑا توڑا تو جاسکتا ہے مگر فقط محبت کے منتر کے ساتھ۔ جسے یہ اسم آتا ہوگا اسی سے یہ دروا ہوگا۔ بھ دیگر کوئی بھی امید رکھنا عبث ہے۔ کئی اسرار و بھید ہیں محبت کے۔ کہاں تک سمجھاؤں تمہیں، کہاں تک تما کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ دل کو اپنے حاشیوں اور زاویوں پر چلانا ممکن نہیں ہے۔ محبت ایک شوریدہ ہے اور سمندر اپنے راستے خود آپ بناتا ہے۔ اپنی سمت خود آپ طے کرتا ہے۔ نہ تو تم کوئی سمت متعین ہو نہ ہی اسے کسی سمت بہنے سے روک سکتی ہو۔ تو پھر یہ بے وجہ کی حماقتیں کیوں؟" بہت کچھ باور کر والے لہجے میں کہتے ہوئے انابیہ شاہ کو دیکھا تھا۔

انابیہ شاہ یکدم ہی اٹھی اور چلتی ہوئی اندر کی سمت بڑھ گئی تھی۔ عفنان علی خان اسی عزم سے مسکرا تھا۔

دل کو اس راہ پر چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

* * *

ازہان حسن بخاری نے سگریٹ سلگا کر ڈھیر سا دھواں فضا میں منتقل کیا تھا اور اس دھوئیں میں کتنے چمکنے لگے تھے۔

"پاس ہوں نا۔ تمہارے ساتھ ہوں نا، اس لئے کوئی قدر نہیں ہے۔ تمہیں احساس تب ہوگا ازہان بخاری! جب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گی۔" وہ چہرہ کچھ خفا خفا سا دیکھ رہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیوں ـــــ کہاں جا رہی ہو تم؟" انداز کچھ شرارت سے پُر تھا مگر وہ خفا خفا سا چہرہ کچھ نہ بولا تھا

"دیکھو گی بھی نہیں میری طرف؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے ازہان حسن بخاری! لمحے تمہاری گرفت میں ہیں؟ جادو کی چھڑی ہے تمہارے میں؟ تم جب چاہو گے چھڑی گھماؤ گے اور سب کچھ تمہارے بس میں ہوگا؟" انداز ڈپٹنے والا تھا مگر د دیا تھا۔

"وقت ہی تو ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہاتھ میں چند لمحے بھی ہوں تو انہیں صدیوں پر محیط کر لوں گا۔ گھڑیاں نواز دو، پھر دیکھو ازہان حسن بخاری کیا کچھ کر سکتا ہے۔"

"تم چاہتے ہو میں تمہیں آزماؤں؟" وہ مسکرائی تھی۔

"چاہو تو آزما لو۔ حرج کیا ہے؟ نتائج تو حسب منشا اور تمہارے حق میں ہی نکلنا ہیں۔" وہ مسکر شانے اچکاتا ہوا بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی

"تم چاہتے ہو الزام بھی آئے تو میرے سر آئے۔"

"ایسا میں ہونے نہیں دوں گا۔ تبھی تو شرط ہے۔ آزما لو۔"

"سوچ لو ـــــ وقت پڑنے پر کہیں بدل تو نہیں جاؤ گے؟"

"جو بدل جائے وہ ازہان حسن بخاری نہیں ہوگا۔" وہ دعویٰ کر رہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں، میں آزمائش پر یقین نہیں رکھتی۔ محبت میں یہ شرط نہیں آنا چاہیئے۔ یہی کیا، محبت کو تو ہر شرط سے ہونا چاہیئے۔ محبت پابندیوں سے آزاد ہونی چاہیئے۔ ایسے ہی جیسے یہ ہوا، جیسے یہ پانی اور......" اور جیسے یہ تمہاری مسکراہٹ۔ تمہاری ہنسی تمہارے لبوں سے آزاد ہوتی ہے تو کتنے پھول چار سمت کھلا ہے۔" وہ مسکرایا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔"

"اور محبت کرنا؟"

وہ لمحہ بھر کو رکی تھی، پھر سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"ہاں، محبت کرنا بھی۔ صرف تم سے۔" مدھم لہجہ اعتراف سے پُر تھا اور وہ سرشار سا مسکرا دیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ گے؟"

"پوچھو۔"

"تم نے کبھی سوچا ہے، اگر ہم نہ ملے تو دنیا کیسی ہوگی؟"

"نہیں ـــــ میں یہ سوچنا نہیں چاہتا۔ اور تم بھی مت سوچو۔ ابھی تو یہ سب مسکراتے ہوئے کہہ رہی جب ہجر جھیلنا پڑے گا تو علم ہوگا، محبت آسان نہیں ہے۔"

وہ جتا رہا تھا اور وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"کیا پتہ، کہیں کوئی تم سے بھی زیادہ چاہنے والا میری راہ تک رہا ہو۔ کہیں کوئی ہو جسے صرف میرا انتظار ر......"

اور اس کی بات ختم ہونے سے قبل ہی ازہان حسن بخاری نے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔

"ایسی بات مذاق میں بھی نہیں، ہاں۔ اس دنیا میں بہت سے چہرے، بہت سے نام ہوں گے مگر اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک میں فقط ایک نام ہی پکاروں گا۔ میرے جہانوں میں یہاں سے ال تک صرف ایک نام کی بازگشت ہوگی اور وہ نام صرف اور صرف تمہارا ہوگا۔" ان نازک شانوں پر ہاتھ کے ہوئے وہ باور کرا رہا تھا۔

"راستوں کو علم ہے، ہمیں جس سمت جانا ہے۔ ہمارے قدموں سے لپٹے ہوئے تمام راستوں کو خبر ہے انہیں منزلوں پر ختم ہونا ہے۔ سو تم بھی اس دل کو فکروں سے آزاد کر لو۔ یہ آنکھیں اتنی شفاف آئینہ سی ہیں ان میں تیرتے خدشے کچھ اچھے نہیں لگتے۔" وہ بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"مجھے لگتا ہے ازہان حسن بخاری! تم پاگل ہو، جو سنتے کم ہو اور بولتے زیادہ ہو۔"

"ہاں، پاگل تو ہوں۔ مگر صرف تمہارے لئے۔" سر تسلیم خم کیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"ازہان!"

"ہاں؟"

"ازہان!" کسی نے اسے جیسے بیدار کر دیا تھا۔ یادوں کا سرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس نے ٹک کر دیکھا تھا۔ کمرے میں ایک سکوت تھا اور ساہمہ خان اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اذہان! کیا ہوا؟ ڈیئر آر یو؟" اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اذہان سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"تم اسموکنگ کر رہے تھے؟ —— کمرے میں اس قدر دھواں بھرا ہوا تھا۔ اس سے قبل تو تم نے اسموکنگ نہیں کی۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟ اور یہ تم مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس قدر حیران کیوں ہو؟" اور اذہا حسن بخاری نے جیسے اس گھڑی زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"تم کب آئیں؟"

"کیا مطلب کب آئیں —— کیا تم سو رہے تھے؟" وہ مسکرائی تھی۔ "ویسے کیا سمجھ رہے تھے تم؟ نے کہہ دیا تم مجھے چاہو گے، نہیں تو کیا میں تمہیں چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤں گی؟" وہ اپنے مزاج کے مطابق شے بہت لائٹ لے رہی تھی۔

"بائے دی وے، مسئلہ کیا ہے؟ آنٹی بتا رہی تھیں تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو ان دنوں۔ کہیں محبت تو نہیں ہو گئی تمہیں؟" وہ شگفتگی سے مسکراتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔ انداز شرارت سے پُر تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"ممی نے بلایا ہے تمہیں؟"

"ظاہری سی بات ہے۔ تمہیں تو یہ توفیق ہو نہیں سکتی تھی۔ دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور کوئی بات شیئر نہیں کرتے۔ روٹھ گئی تو پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ کہا ہو گا اچھا ہوا جان چھوٹ گئی۔ کتنا تنگ کرتی تھی" وہ بے تکان بول رہی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

ساہیہ خان نے پھولے ہوئے منہ کے ساتھ خفگی سے پُر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نازک سا ہا بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔

"بخار وخار تو نہیں ہے۔ دیکھنے میں بھی ٹھیک ٹھاک لگ رہے ہو۔ پھر پرابلم کہاں ہے؟ کہیں وا تمہارے دماغ میں خلل تو واقع نہیں ہو گیا؟" اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخا مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"خلل...... خلل کیسا؟"

"وہی جو چچا غالب نے فرمایا تھا۔ کیا تمہیں علم نہیں؟" یکدم وہ چونکی تھی۔ کسی قدر حیرت سے اُس سمت دیکھا تھا اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"میں پریشان ہوں۔ مجھے اور پریشان نہ کرو۔" عجب شاعرانہ انداز میں دہائی دی تھی۔ ساہیہ گھورنے لگی تھی۔

"تم مرد بہت گھنے ہوتے ہو۔ دل میں کچھ، زبان پر کچھ۔ معاملہ ایسا تھا تو دل میں دبانے کی ضرورت تھی؟ فارحہ آنٹی سے کہہ کیوں نہیں دیا؟" سیدھا سا حل بتایا تھا۔

"کیا نہیں کہہ دیا؟" وہ مسکرایا تھا۔

"ارے۔" وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ "اب کیا یہ بھی میں ہی بتاؤں؟ ایسے ہی تو چوز تم۔ اندر ہی اندر کھچڑی پکا رکھی ہے اور اب دیکھو کیسے معصوم بن رہے ہو۔ اچھا ہوا تم میرے پلے

ساری زندگی روتے ہوئے گزر جاتی میری تو۔ بالکل ناریل جیسے ہو۔ دھوکے باز۔ باہر سے کچھ، کچھ۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

تم نے دریافت کیا تھا۔" ساہیہ خان چونکتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔ بات اپنی بابت کر رہا تھا۔ وہ سمجھ

یا مجھے کبھی کوئی اختیار تھا؟" الٹا سوال کر دیا تھا۔

ان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

ختیار قائم کرنا چاہتی ہو؟" شرارت آنکھوں میں لئے بہ غور دیکھا تھا۔

ختیار اور تم پر؟ مجھے خبطی لوگوں کو بھگتنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ کھسکے ہوئے لوگ اپنا سکون، اپنی زندگی تو رتے ہی ہیں دوسروں کا جینا بھی دوبھر کر دیتے ہیں۔ اور میں ابھی زندگی سے اتنی عاجز نہیں آئی ندا کا شکر ہے، دماغ بھی بالکل درست ہے میرا۔ الٹا سیدھا کوئی اقدام کرنے کی نہیں ٹھان سکتی۔" ب بھی خفگی لئے ہوئے تھا۔

جنی تم میں پاگلوں والی کوئی بھی نشانیاں نہیں۔ پھر تو بہت مشکل ہو جائے گی۔" وہ بہ غور مسکراتے رارت سے گویا ہوا تھا۔

س معاملے میں؟" وہ چونکی تھی۔

تمہارے ساتھ بسر کرنے میں۔" وہ برملا بولا تھا۔ ساہیہ خان کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔

سنو اے شخص! مجھے نہ تو خطرات سے کھیل کر گینز بک میں اپنا نام لکھوانے کا کوئی شوق ہے نہ ہی میں دئی ایڈونچرس واقع ہوئی ہوں۔ تم اگر ماؤنٹ ایورسٹ بھی ہوتے تب بھی میں تمہیں سر کرنے کے گی نہ سوچتی۔" وہ باور کراتے ہوئے بولی تھی اور اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ محظوظ ہوئے ا رہ سکا تھا۔

بائے دی وے، میں باہر ہوں۔ فارحہ آنٹی کے پاس۔ تم تھوڑی دیر میں فریش ہو کر باہر آ جاؤ۔" وہ کہہ لگی تھی جب اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

اس کے باوجود بھی کہ میں دماغی خلل رکھتا ہوں اور ناریل کی طرح دھوکے باز ہوں، اندر سے کچھ، کچھ؟" براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ہاں —— اس کے باوجود۔" وہ مسکرا دی تھی۔ "اب جیسے بھی ہو، دوست ہو میرے۔ اور میں اپنے کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ چاہے تم مجھ سے کچھ کہو یا نہ کہو۔ کچھ شیئر کرو یا نہ کرو مگر میں جانتی ہوں دوست کو ان میں ایک دوست کی شدید ضرورت ہو سکتی ہے۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی باہر کی اور اذہان حسن بخاری اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

* * *

ور کچھ الجھی ضرور تھی مگر کسی کی توجہ نے اس ڈور کو پھر سے سلجھا دیا تھا۔ کسی قدر ہی سہی، زندگی پھر اس واپس آ گئی تھی۔

''جو پل تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، مجھے وہ سارے لمحے زندگی جیسے لگتے ہیں۔'' سردار سبکتگین لغاری کہہ رہا تھا اور میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''یو شڈ ٹیک ریسٹ۔ ابھی ڈاکٹر سے میری بات ہوئی ہے۔ میڈیسن لینے کی اور بیڈ ریسٹ لینے کی سے تاکید کی ہے۔'' انداز کسی قدر اپنائیت کا خاص آہنگ رکھتا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے میڈیسن کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' میرب سیال کسی قدر چونکی تھی۔

''تمہاری آنکھیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''آنکھیں؟'' میرب سیال حیران ہوئی تھی۔

''تم نے غالباً آج آنکھوں میں کچھ لگایا ہے۔'' بہ غور جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔ میرب سیال نے اُ سمت دیکھا تھا۔ پھر دھیان پھیر کر میڈیسن دراز میں رکھنے لگی تھی۔

''ہاں۔ غالباً کاجل کہتے ہیں اسے۔''

''کاجل۔'' وہ حیران ہوا تھا۔ ''تم نے آج سے قبل غالباً اس کا استعمال نہیں کیا۔ ہے نا؟''

''ہاں۔ آپ ڈنر یہیں لے لیں گے اپنے روم میں یا پھر......'' وہ روانی سے کہہ رہی تھی جب سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال کی زبان وہیں اسی نقطے پر تالو سے جا چپکی نگاہ یکدم ہی جھکتی چلی گئی تھی۔ انداز میں کچھ گریز در آیا تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' بہ غور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

''جی۔'' میرب سیال کے دل کی دھڑکنیں یکدم ہی ارتعاش میں گھرنے لگی تھیں۔

''تمہیں یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟''

''کیا؟'' ایک جھکی جھکی سی نظر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر ڈالی۔

''یہی، میرے ساتھ رہنا، وقت گزارنا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے پر آئی بالو ایک شریر سی لٹ کو مضبوط ہاتھ سے کسی قدر پیچھے سرکایا تھا۔ میرب سیال کے دل میں یکدم ہی زیر و بم اٹھا

''ہاں۔'' میرب سیال کی آواز کسی قدر دبی دبی سی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لمحہ بھر کو رک کر ا دیکھا تھا۔ پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''یہ ضروری ہے کہ ملیں تو ساری رسمی سی باتیں کریں، رسمی موضوعات پر بات کریں؟ کیا ہم دوسرے کی بات نہیں کر سکتے؟ ایک دوسرے کے دل کی بات نہیں کر سکتے؟ تمہیں کیا اچھا لگتا ہے، کیا نہیں لگتا، کون سی باتوں پر تمہیں خوشی ہوتی ہے، کون سی باتوں پر اُلجھن ہوتی ہے، غصہ آتا ہے۔ تم نے کچھ نہیں بتایا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

میرب سیال نے نگاہ اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''یہ باتیں کہی نہیں جاتیں۔ انہیں جاننے کی سعی بذاتِ خود کرنا ہوتی ہے۔'' اظہارِ مدعا کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

ں، شاید۔'' وہ جیسے ہم خیال ہوا تھا۔ ''تم نے نہیں بتایا تمہیں مجھ میں کیا اچھا لگتا ہے۔'' دریافت کیا وسرے ہی لمحے سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ مسکرا دیا تھا۔

ہیں مجھ میں کوئی شے اچھی لگ سکتی ہے۔ غالباً یہ اپنے متعلق سب سے بڑی غلط فہمی ہو گی۔ تمہیں وئی بات مجھ میں اچھی لگی ہو۔ یا...... شاید...... کوئی بھی نہیں۔'' بے تاثر انداز میں شانے اچکائے

ب سیال پُرخیال انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

لچھا اچھا نہیں لگا نا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ چہرے پر کسی قدر معصومیت تھی۔ میرب ا لمحے خود کو مسکرانے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی مسکرا دیا تھا۔

ں تمہارے چہرے پر اسی مسکراہٹ کو تلاش کر رہا تھا۔ ویسے مجھے لگتا ہے کہ تم جو خاموش رہتی ہو تو اس کے بھی کئی بھید ہیں۔ غالباً تم بہت مدبر ہو۔ ہر بات کو خاموشی سے سنتی ہو، سوچتی ہو، نتیجہ اخذ کرتی اے صیغہ راز میں رکھنا زیادہ اہم خیال کرتی ہو۔ سوچنے سمجھنے کا یہ انداز بھی اچھا ہے۔ مگر اس میں کا احتمال بھی ہے۔ تمہارے لئے تو نہیں، مگر ہم جیسے غیر مدبر لوگوں کے لئے۔ جو بات کو سوچے سمجھے غ سے منہ پر کہہ دیتے ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بہت اپنائیت لئے ہوئے تھا۔ لبوں پر ٹ تھی۔ میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

یا کچھ نہیں ہے۔''

ذ پھر کیسا ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں

یرب! کیا تم جانتی ہو، میں تمہارے لئے کیا سوچتا ہوں؟''

یرا خیال ہے آپ کو اب آرام کرنا چاہئے۔'' میرب سیال نے بات کو اپنی مرضی کا اختتام دیتے ٹھ جانا مناسب خیال کیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ان لمحوں کو جیسے ایک نیا رنگ دینا چاہ رہا ا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ وہ جو اٹھنے والی تھی، چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

یہ گریز، یہ انداز بیگانگی، یہ خاموشی، میرب سیال! اسے میں کیا سمجھوں؟ کیا نام دوں اسے؟ تمہارے جو چپ کی کہانیاں ہیں انہیں میں کیا نام دوں؟ یہ تمہاری نگاہ کی الجھنیں، یہ پلکوں پر لدی اجنبیت، کیا امل؟ یہ سب دانستہ ہے، کسی مصلحت کے پیش نظر ہے یا...... میرب سیال! تمہیں نہیں لگتا تم نے رد گرد خواہ مخواہ کی بہت سی دیواریں اٹھا رکھی ہیں۔ خود کو بے مقصد کے الجھاوؤں میں الجھا رکھا ہے۔ ب بھی تمہارے چہرے کو تکتا ہوں، مجھے تم ہزار ہا فکر میں گھری نظر آتی ہو۔ تمہاری یہ نگاہ مجھے کوئی شکوہ کھائی دیتی ہے۔ تمہارے یہ لب، ان پر میں نے کسی خاموشی میں لپٹے کئی سوال دیکھے ہیں۔ ان امں کئی مچلتے سوال سنے ہیں۔ کئی شکایتیں سنی ہیں۔ مجھے بارہا لگتا ہے میرب سیال! جیسے تم اپنے آپ خاموشیوں میں دفن کر رہی ہو۔ اور ایسا دانستہ ہے۔ کیا میرب سیال! کیا...... کیا بات ستاتی ہے ؟ کس بات کی اُلجھن تمہیں اس گریز پر مائل رکھتی ہے؟ کیا بات ہے کہ تمہیں مسکرانا بھول جاتا ہے؟

ہنستا یاد نہیں رہتا۔ کیا تم اس درجہ میرے خوف کے زیر ہو؟ اس قدر ڈرتی ہو تم مجھ سے؟ یا پھر میں یا میرا تو تمہارے لئے اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ تم......."

"نہیں...... نہیں...... ایسی بات نہیں ہے۔" وہ یکدم باور کرانے کو بولی تھی۔ لمحہ بھر کو خاموشیاں کے درمیان پھیلنے لگی تھیں۔

میرب سیال خاموش ہو کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے ــــ میں صرف زندگی کو برتنے کے انداز دیکھ رہی ہوں۔ آپ ــــ آپ رویے، آپ سے منسوب سبھی باتیں، میرے لئے یہ سب ایک نیا تجربہ ہے۔ اور کسی بھی لڑکی کے لئے معاملات کو لے کر ایڈجسٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔" وہ حقیقت حال کہتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے صبیح چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"یعنی تمہاری ساری الجھنیں میرے ہی باعث ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ "تم مج اعتبار کرنے سے اب بھی ڈر رہی ہو۔ مجھے آزمانے سے خوف زدہ ہو اور......." وہ بات ادھوری چھوڑ کر دیا تھا۔

"کیا لگتا ہے تمہیں میرب سیال! کوئی دھوکا دوں گا تمہیں؟" اس کی آنکھوں میں براہ راست جھا ہوئے دریافت کیا تھا اور میرب سیال کے پاس سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہ تھا۔ نگاہوں میں حیرت در آئی تھی۔ گویا وہ اس کے مزاج کے موسموں کو سمجھنے لگا تھا۔

"حیران کیوں ہو یہ جان کر کہ میں تمہارے مزاج کے تمام موسموں تک رسائی رکھتا ہوں ــــ تم جانتا ہوں یا جاننے لگا ہوں۔" وہ بہت سی اپنائیت اپنے لہجے میں سمیٹے کہہ رہا تھا۔ میرب سیال نے حیر مزید اظہار کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے نگاہ پھیر لی تھی۔

"تمہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری کیسا لگتا ہے میرب سیال؟" سوال بہت واضح اور اچانک تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری جیسے تمام اُلجھنوں کی وضاحتیں آج ہی ڈھونڈ لینے کے درپے تھا۔

"کیا لگتا ہے، سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا ہے؟ کیا سوچتی ہو تم، بہت دھوکے باز ہے، کوئی بہت بڑا ہے، کیا جھوٹا ہے، مکار ہے، ظالم ہے، کنگ ہے؟"

"نہیں ــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"ہاں یا نہیں ــــ میں تمہارا واضح جواب سننا چاہتا ہوں۔ کیا سوچتی ہو تم سردار سبکتگین حیدر لغاری متعلق؟ ــــ جتنا عرصہ ہم ساتھ رہے ہیں، جتنا وقت ساتھ گزارا ہے اس سے کچھ تو اخذ کیا ہو گا تم۔ کسی کو جاننے کے لئے، اپنا کچھ ماننے کے لئے اتنا ٹائم کافی ہے۔ پھر تم....... تم کیسے ایسے اجنبی رہ سکتی مجھے لگتا ہے میرب سیال! میں کوئی ظالم جادوگر ہوں جس نے تمہیں زبردستی اپنی قید میں بند کر رکھا تمہارے سپنوں کو باندھ رکھا ہے۔ تمہاری آنکھوں کو نئے خواب پرونے سے باز رکھا ہے۔ پابند کر رکھا تمہیں اپنا۔ جیسے یہ ربط، یہ تعلق، یہ رشتہ سب زبردستی کا ہو ــــ جیسے یہ تعلق نہ ہو، کوئی سمجھوتہ ہو۔ سمجھو وہ جو دل پر کسی بوجھ کی طرح لدا ہو۔ میں اکثر سوچتا ہوں رویوں میں ایک برف جمی ہے تو اس کا کوئی

ی ہزار ہا کوششوں کے باوجود اگر تم میری طرف نہیں دیکھتی ہو یا گریزاں ہو تو اس کے پس پردہ کوئی ی۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ اس سب کا اصل سبب کیا ہے؟ ــــ میں اچھا ہم سفر بننے کی کوشش ا چھا ہم سفر بن نہیں پا رہا یا پھر کہیں کوئی کوتاہی مجھ سے سرزد ہو رہی ہے؟ میں مانتا ہوں میں نے طیاں کی ہیں ــــ بہت سی غلطیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ بہت سی غلطیوں کو میں نے بار بار مگر کیا ــــ کیا کسی بات کا کوئی سدباب ممکن نہیں؟ باور کرا دیا تھا میں نے کہ میری طرف سے اتی وابستگی فی الحال نہیں ہے۔ مگر آگے جا کر بھی نہیں ہوگی۔ کیا ایسا کہا تھا میں نے؟ ــــ میں نبا ہنے کی، قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ ایسا نہیں کہا تھا میں نے؟ پھر کیا میرب سیال! کیا شش نہیں کی تمہیں خوش رکھنے کی، تمہیں پیار دینے کی، تمہیں جاننے کی، تمہیں سمجھنے کی، تمہیں اپنانے انے کی؟ ــــ بولو کیا سب کچھ نہیں کیا میں نے؟ کیا نہیں قدم بڑھایا ہمیشہ تمہاری طرف؟ کیا پذیرائی یا نہیں دیئے پُرلطف لمحے یا قربت.......؟"

ل رہا تھا۔ جب میرب سیال نے اس کی بات کو کاٹنا چاہا تھا۔

یقیناً ہوا ہے مگر......."

ر سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

پ رہو تم میرب سیال! فی الحال میری سنو۔ میں کیا کہہ رہا ہوں، کیا کہنا چاہتا ہوں۔ سنو یہ اور محسوس ے لگتا ہے تم جان بوجھ کر میری ہر کوشش کو ناکام بنانا چاہتی ہو۔ تم یہ کمپرومائز کرنا ہی نہیں چاہتیں۔"

الزام دم توڑ رہے تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر اور میرب سیال حیرت سے گنگ اس کی رہی تھی۔

"......یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" میرب سیال کی آواز جیسے کسی پاتال سے آئی تھی۔

ر سبکتگین مسکرا دیا تھا۔

ت اتنی مشکل تو نہیں کہ تمہاری سمجھ میں نہ آ سکے؟"

ھنے کی ہی تو کوشش کر رہی ہوں ــــ آپ اتنے سارے الزام یک طرفہ طور پر رائے اخذ کر کے ر کیسے دھر سکتے ہیں؟ ــــ آپ نے کیونکر سوچ لیا کہ میں اس تعلق کو قائم رکھنا نہیں چاہتی یا آگے با چاہتی؟" بہت سے سوالوں کی وضاحتیں مانگتے ہوئے وہ پُراعتماد نظر آ رہی تھی۔

ر سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

حسین ہی نہیں، پُراعتماد بھی ہو میرب! اب خود ہی بتاؤ، بندہ قائل ہو کہ نہیں؟"

پ بات کو مذاق میں ٹال رہے ہیں؟"

ہیں ایسا لگ رہا ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔

نا آسان ہے نا الزام عائد کر دینا۔ کسی کی سنے بغیر، جانے بغیر، سمجھے بغیر، بڑے مزے سے ایک حتمی ے دینا۔ کیا لگتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! کچھ بزدلی نہیں یہ؟" لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لئے وہ ر آ رہی تھی۔

"میرب!" وہ چیخ پڑا تھا۔ عجب ایک جنونی انداز میں اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا اور انہ
غصے سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے باور کرایا تھا۔

"آئندہ یہ بات پھر مت کہنا۔"

میرب سیال نے اس کے ہاتھ بہت آہستگی سے اپنے شانوں پر سے ہٹا دیئے تھے۔ اور بہت رسان
سے بولی تھی۔

"بے بنیاد اور بے سبب الزام پر غصہ اسی طرح آتا ہے نا؟ آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ ہر بات کا ا
صرف آپ کو ہی حاصل ہے۔ لبرل ہیں نا۔ کچھ براڈ مائنڈڈ بھی ہو جایئے۔ اگر آپ شوہر ہو کر الزام عا
سکتے ہیں تو میں بیوی ہو کر ان سوالوں کی بلکہ ان الزاموں کی وضاحت بھی مانگ سکتی ہوں۔ غصہ صرف
ہی نہیں آسکتا۔ ایک عورت کو بھی آسکتا ہے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت جارحانہ انداز میں اسے دبوچا تھا۔
آنکھوں میں حد درجہ اشتعال دکھائی دے رہا تھا۔ وہ واقعی اس لمحے شدید ترین غصے میں تھا۔ میرب
بہت اطمینان کے ساتھ اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ماسوائے اسے دیکھنے کے
کر سکا تھا۔ دانت بھینچ کر غصے کی انتہائی کیفیت کو ایک لمحے میں دباتے ہوئے اس کے بازو کو ایک جھٹکے
چھوڑا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔

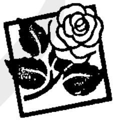

آج کل کہاں ہوتے ہو تم؟ ـــــــ کیا وہ بات واقعی سچ ہے؟" آئس کریم لیتے ہوئے ساہیہ
ائی تھی۔

ن سی بات؟" وہ چونکا تھا۔

ی دماغ کے خلل والی۔ کہیں واقعی تم......" ساہیہ خان نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جملہ
وڑ دیا تھا۔

ی کوئی بات نہیں ہے۔" اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

یا ہو بھی نہیں سکتی؟" ساہیہ متواتر شرارت کے موڈ میں تھی۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

وکا دینا زیادہ آسان ہوتا ہے ساہیہ خان! یا دھوکا کھانا؟"

نہیں ـــــــ کبھی اتفاق نہیں ہوا۔" شانے اچکا دیئے تھے۔ "مگر میں جو دیکھ رہی ہوں وہ کسی
کافی زیادہ باعث حیرت ہے۔"

یا؟" اذہان حسن بخاری چونکا تھا۔

"تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ی چوری، چپکے چپکے کسے سوچتے رہتے ہو اذہان حسن بخاری؟"

ساہیہ! ہوا میں تیر مت چلاؤ۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

یہ خان ہنس پڑی تھی۔

ہوا میں تیر نہ چلاؤں تو اور کیا کروں؟ تم نے مجھے بتایا بھی تو کچھ نہیں؟"

کر اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ یو میک گیسز لائیک اے فول۔" اذہان حسن بخاری نے دہائی

اور تم جو سب کو فول بنا رہے ہو، اس کا کیا؟"

میں کسی کو بے وقوف نہیں بنا رہا۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ مگر
ان مسکرا دی تھی۔

ل چاہ رہا ہے اذہان حسن بخاری! ایک پوری تحقیقاتی کمیٹی بنا کر تمہارے پیچھے لگا دوں۔ کتنے
ما ہو رہے ہو ان دنوں تم۔ احساس ہے تمہیں؟"

اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تمہیں اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے، اگر کچھ ہے بھی تو۔"

"کیا نہیں ہونی چاہئے؟ دوست ہو تم میرے۔ تمہاری فکر میں نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا؟"

"اور کون کرے گا؟" اسی کے انداز میں وہ کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"وہی کرے گی نا، جسے کرنا چاہئے۔ جسے تم اپنے خیالوں میں دیکھ رہی ہو۔" انداز کسی قدر شرا
سے پُر تھا۔ ساہیہ خان ہنس دی تھی۔

"تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟" حیران ہوا تھا۔

"کیوں ــــــ تم محبت نہیں کر سکتے؟" ساہیہ نے آنکھوں میں براہِ راست دیکھا تھا۔ اذہان بخاری کچھ سوچتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، محبت یونہی چلتے پھرتے ہو سکتی ہے؟" وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔

"میرا نہیں خیال محبت کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی پلاننگ کی یا فرصت کی ضرورت پیش آسکتی۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟ ــــــ تم نے تو کبھی محبت کی بھی نہیں۔" اس نے بات کو مذاق میں اڑا
تھا۔ ساہیہ خان ہنستی چلی گئی تھی۔

"سچ بتاؤ اذہان! مجھے جو رد کر رہے ہو تو اس کے پیچھے واقعی کوئی ایسا ہی ریزن تو نہیں؟"

"اگر ہو بھی تو کیا ہو سکتا ہے؟ تمہیں عادت ڈالنا ہو گی۔"

"برداشت کرنے کی؟"

"آف کورس۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہو گا نا تمہارے پاس۔" اذہان حسن بخاری ہنس د

"تم سیریس مت ہو جانا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لینے کی عادت ہے تمہاری۔"

"عادت نہیں، تم نے عادی بنا دیا ہے۔ تم ہمیشہ چونکا دینے والی باتیں کرتے ہو۔ بندے کا
ہوتے ہوتے رہ جائے۔ لکھ کے رکھ لو، وہ جو کوئی بھی ہے بہت بری گزرنے والی ہے اس بے چاری

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تمہارا بزنس پلان کہاں تک پہنچا؟ بہت دنوں سے کچھ ڈسکس نہیں کیا تم نے۔"

"بہت دنوں سے تم نے وقت ہی کب دیا ہے؟"

"ہاں، سوری۔ شاید میں ہی بہت بزی رہا۔ مجھے بھی دھیان ہی نہیں رہا۔"

"کس کا؟ ــــــ میرا یا میرے بزنس پلان کا؟" ایک لطیف سا طنز ہوا تھا۔ اذہان حسن بخار
تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"دونوں کا۔ اس اعتراف پر تم کوئی جرمانہ لگانا چاہو تو لگا سکتی ہو۔"

"تم اتنی بہادری سے سچ بولتے ہو کہ سننے والا حیران رہ جائے۔ مگر جب حیرت سے باہر نکلے
داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ تم واقعی ناریل جیسے دھوکے باز ہو۔ اندر سے کچھ باہر سے کچھ۔"

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

❄❄❄

ی آنکھوں سے میری آنکھوں تک
بنتے ہیں جو
نے دو
لے بنتے ہیں جو بننے دو
کے درمیان دیواریں اٹھنے سے
سے خواب رُوٹھ جاتے ہیں
سے ہاتھ چھوٹ جانے سے
ہے دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں
ب روٹھ جاتے ہیں
ب کی مسافت کو
سے دل تک لانے کو
و ایک لمحہ دو

ہیں نہیں لگتا، معاملہ بہت زیادہ الجھا دیا ہے تم نے؟" اوزی نے کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا

یا کروں اب جو الجھ گیا ہے سب۔ دلوں کے معاملات میں ایسا تو ہوتا ہی ہے میرے بھائی!"
ٹھیک نہیں ہوا عفنان! بہت قلیل لمحوں میں تم سب کچھ اپنے بس میں کرنے کے خواب دیکھ رہے

نان علی خان ڈرائیو کرتا ہوا رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔

ذ کیا یہ غلط ہے؟ ــــــ ہاں، دیکھ رہا ہوں میں خواب۔ مگر سب کے سب انابیہ شاہ کے حوالے
ہت قلیل لمحوں میں ملی تھی وہ مجھ سے۔ بہت قلیل لمحوں میں، میں نے اُسے جانا اور انہی قلیل لمحوں
ا ساری زندگی اس کے نام کر دی۔" عفنان علی خان کا لہجہ عزم سے پُر تھا۔

ی مسکرا دیا تھا۔

فنان! مجھے یقین نہیں ہو رہا، تم جیسا بندہ ایسا بھی سوچ سکتا ہے، ایسے اقدامات بھی کر سکتا ہے۔ تم
ا جس نے بزنس کے علاوہ کبھی کچھ سوچا ہی نہیں تھا آج تک۔ جسے اسٹاک ایکسچینج کے اکانومی
کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ معلوم ہی نہ تھا کچھ۔"

ہاں، نہیں معلوم تھا کچھ۔" عفنان علی خان نے ایک لمحے میں اوزی کی بات رد کی تھی۔ "ہاں، نہیں
ــــ کچھ بھی نہیں جانتا تھا میں کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ مگر اُس کی ایک نگاہِ بے خبر نے سب بتا دیا۔
یا سب کچھ۔ وہ بھی جو میں سمجھتا تھا اور وہ بھی جو میں نہیں سمجھتا تھا۔ تمہیں کیوں لگ رہا ہے اوزی!
نے کچھ غلط کیا، کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ میں نے انابیہ شاہ سے محبت کر کے کچھ غلط کیا ہے؟" عفنان

علی خان نے دریافت کیا تھا۔

”تمہارے تمام سوالوں کے جواب تمہارے انہی سوالوں میں چھپے ہیں عفنان!ـــــ تم ا پر غور کرو تو جان پاؤ گے کہ تمہارے لہجے میں کسی خدشے کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ کچھ واسطہ نکما کچھ نفع ہاتھ آئے گا یا صرف خسارہ۔ مگر عفنان! میں یہ سوچ رہا ہوں اگر تم واقعی ہار گئے تو کیا ہو سوچا ہے تم نے؟“

عفنان علی خان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

”انجام کی فکر کرتا تو شاید آج یہ سب نہیں کر پاتا۔ میں جانتا ہوں، اس وقت خالی ہاتھ ہوں کچھ پاس نہیں ہے میرے۔ مگر مجھے یقین ہے ایک دن یہ ہاتھ خالی نہیں رہے گا۔ ایک دوسرا ہاتھ اس میں آئے گا اور تمام تر سپردگی سونپتے ہوئے اس ہاتھ کو ہمیشہ کے لئے تھام لے گا۔“

اوزی کچھ نہیں بولا تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! کیا ہو گا؟“ عفنان علی خان نے اس کے چہرے کے تاثرات ہوئے کسی قدر محظوظ ہونے والے انداز میں مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

”پتہ نہیں۔ کوئی پری ڈکشن میں کر نہیں سکوں گا۔“

”مجھے ناامید نہیں کر سکو گے، اس لئے؟“ عفنان مسکرایا تھا۔

”نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ میں کیا، شاید کوئی بھی اس کے متعلق پری ڈکٹ نہ کر سکے۔“

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

”محبت کے لئے کبھی بھی کوئی پری ڈکشن نہیں کی جا سکتی اوزی! تم کیا، کوئی بھی پری ڈکٹ نہیں کہ محبت کا اگلا موڑ کیا ہو گا۔ محبت بہت حیران کن ہے۔ مگر اسی قدر نتائج سے بے پرواہ۔ کبھی تجر آپ جان جاؤ گے۔“

اوزی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

”افسوس عفنان! میں تمام تر قائل ہونے کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ ہی کسی طر کوئی ٹدی ایشن۔“

”کیا میں تم سے کوئی مدد مانگ رہا ہوں؟“ عفنان علی خان حیران ہوا تھا۔ تم نے یہ سوچا بھی میں کچھ توقع کر رہا ہوں تم سے۔ میں جو کرنا چاہوں گا خود کروں گا۔“ عفنان علی خان کے ارا کے لہجے میں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔

”تم مصلحت پسندی کی کوئی راہ نہیں دیکھ سکے۔“

”تم چاہتے ہو تمہارا دوست کاورڈ کہلائے؟“ عفنان نے مذاق میں ٹالا تھا۔

”نہیں۔ مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم کہیں سے جا کر خالی ہاتھ واپس آؤ۔“

”کیا اتنا ہی مشکل ہے یہ محاذ؟“

”شاید۔“

”اوزی! تم مجھے یہ مشورے دے رہے ہو اور تمہیں معلوم ہے لڑکیوں کو چوہے اچھے نہیں لگتے۔“

”آئی ایگری۔ شیر اچھے لگتے ہیں انہیں۔ مگر تم شاید بھول رہے ہو۔ شادی کے بعد سارے شیر خود بہ ہے ہو جاتے ہیں۔“ اوزی نے کہا تھا۔ عفنان علی خان کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

”مگر وہ ایک الگ معاملہ ہے اور ایک الگ بحث۔ فی الحال مجھے شیر رہنے دو۔ بعد کی کہانی بعد میں ں گے۔“

”ایک بات پوچھوں؟“ اوزی نے دریافت کیا تھا۔

”پوچھو۔“ عفنان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”تمہیں انابیہ میں کیا اچھا لگا تھا؟“

”کیا یہ ضروری ہے کہ کوئی بات اچھی لگے تبھی محبت ہو؟“ عفنان علی خان نے جواباً سوال کر دیا تھا۔

ں کچھ نہیں بولا تھا۔

”اوزی! محبت خوبیوں، خامیوں یا گڈ اینڈ بیڈ کو نہیں دیکھتی۔ نہ چہروں اور ناموں سے ہوتی ہے۔ میں چاہوں بھی تو تمہیں سمجھا نہ پاؤں۔ محبت بس ہو جاتی ہے۔ کیسے اور کیونکر ہوتی ہے یہ میں خود بھی سمجھ سکا۔ بس کوئی لمحہ ہوتا ہے جو سب کچھ لے کر بہت کچھ دے جاتا ہے۔ اور وہی لمحہ محبت ہے۔ تم رہے تھے، میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میں خالی ہاتھ ہوں۔ جب کہ میں ایسا سمجھتا ہی نہیں۔ میرے اس کی باتیں، اس کی سوچیں، اس کی یادیں، بہت کچھ ہیں۔ اس کا احساس مجھے کچھ اور سوچنے ہی ں دیتا۔ وہ بے خبر رہے، انجان رہے مگر میں اپنے دل کو اس کے لئے دھڑکنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ وہ دھیانی سے دیکھے بھی تو کئی جگنو میری مٹھیوں میں دے جاتی ہے۔ اس کے قدم میرے ساتھ نہ اٹھیں، میرے ساتھ چل رہی ہوتی ہے۔ وہ بات کرے نہ کرے مگر وہ میری گفتگو میں ہوتی ہے۔ اپنی تمام تر لاتوجہی کے باوجود وہ میرے ساتھ رہتی ہے۔ ہر لمحہ پاس پاس رہتی ہے۔ تم خود کہو میرے دوست! اگر خسارہ ہے تو پھر نفع کسے کہیں گےـــــ؟“ عفنان علی خان کے لبوں پر سوال تھا اور اوزی اس گھڑی بے لاجواب تھا۔

* * *

وہ خود حیران تھی۔ جانے کیسے اتنی ڈھیر ساری ہمت آ گئی تھی اس میں۔ کیسے وہ اس کے مدمقابل کھڑی ہو کر، اتنا کچھ کہہ سکی تھی۔ شاید بات یہ بھی تھی کہ ہدف اس کی ذات کو بنایا گیا تھا۔ براہِ راست کردار کشی کی گئی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جب وہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔ کچھ بھی تھا لیکن وہ سردار سبکتگین حیدر قاری کو اس بات کا حق نہیں دے سکتی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی اس نے اچھا کیا یا کہ برا۔ مگر وہ شرمندہ نہیں تھی۔ نہ ہی خوفزدہ۔ اُسے کسی بات کی فکر کی نہیں تھی، نہ پرواہ تھی اس شخص کا ردعمل کیا ہو گا یا وہ جواباً اس سے کیسا برتاؤ کرے گا۔ اس کے ساتھ رہتے رہتے ایک بات کی خبر ہو گئی تھی اسے۔ وہ جتنی لچک کا مظاہرہ کرے گی، وہ اسے اتنا ہی توڑنے کی کوشش کرے گا۔ مصلحت پسندی کے تقاضے اور سہی مگر وہ اپنے ہاتھوں خود کو اس مقام سے نیچے

نہیں لاسکتی تھی۔ اصولوں سے آگے کی دنیا یقیناً نا قابل قبول تھی۔

اگلا پورا دن وہ اسے دکھائی نہیں دیا تھا —— کہاں گیا تھا، یہ بھی بتا کر نہیں گیا تھا۔ وہ پریشان تھی۔ نہ ہی اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا تھا۔ تبھی معمول کے مطابق ڈنر کے لئے نیچے آگئی تھی۔

سوچوں سے الجھے ذہن کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی وہ اپنے آپ میں مگن اپنا میل لینے کے لیے تھی، جب اچانک ہی اُس کی نظر اٹھی تھی اور وہ تحیر سے بھر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ ہی فا کی ٹیبل پر تھا۔ موڈ خوشگوار تھا۔ چہرے پر ہو جانے والی کسی بات کا شائبہ تک نہیں تھا۔ کچھ بدلا بدلا سا رہا تھا جیسے وہ، وہ نہ تھا یا پھر میرب سیال کو ہی ایسا لگا تھا۔ کوئی ساتھ تھا اس کے۔ کوئی حسین پیکر، دلربا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مگن تھا۔ مسرور نظر آرہا تھا۔

”تو کیا —— یہ کوئی ردِعمل تھا؟

کیا وہ اپنے پہلے والے رنگ میں تھا؟

ایک لمحے میں بدل دیا گیا تھا پھر سب؟

سارے لمحے خواب ہوئے تھے۔

اور ساری باتیں خیال سی۔

کیا واقعی دھواں ہو گیا تھا سب کچھ؟

میرب سیال حیرتوں سے بھری نگاہ لئے اس جانب دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی اس پر پڑی تھی۔ مگر جیسے کوئی اتفاقیہ نظر کسی اجنبی پر پڑ جاتی ہے۔

تو........تو........کیا وہ پھر اجنبی ہو گئی تھی؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری پھر سے بیگانہ ہو چکا تھا اُس سے؟

اُس کی آنکھوں میں جیسے مرچیں سی چبھنے لگی تھیں۔ ایک لمحے میں سارا اندر دھواں دھواں لگا جانے کیوں نگاہ کے سامنے کے منظر دھندلانے لگے تھے۔ وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ تھی۔

وہ حوصلہ ہارنا نہیں چاہتی تھی مگر سارے بند جیسے ریت کی دیوار ثابت ہو رہے تھے۔ طغیانیاں اس تھیں، شوریدہ سری اتنی تھی کہ ہر باڑھ ٹوٹتی چلی گئی تھی۔

غبار ابھی پوری طرح ڈھلا بھی نہیں تھا، دُھند ابھی چھٹی بھی نہیں تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا دوسرے ہی پل کوئی اندر تھا۔ وہ چونک پڑی تھی۔ جان گئی تھی، کوئی آگیا ہے۔ قدموں کی چاپ اُس کان سن چکے تھے۔ گویا اس کا یہ انداز بھی اب فاش ہونے کو تھا۔

کوئی اگر محظوظ ہونا چاہتا تو یہ لمحہ بہت خاص تھا۔

بھاری قدموں کی چاپ اس کے قریب آکر تھمی تھی۔ وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ جھکا سر اٹھا نہ تھا۔ بھیگی نگاہوں نے کسی قدر چوری سے آنے والے کی خبر گیری کرنا چاہی تھی۔ مگر یہ عقدہ کھل چکا تھا پر۔ آنے والے نے مدمقابل کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے اس چہرے کو دیکھا تھا اور شاید اس سے

نہ ہوئی تھی کہ مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو کسی قدر اوپر اٹھا دیا تھا اور بہ غور تکتے ہوئے یا تھا۔

بس اتنا ہی تھا حوصلہ؟“ کوئی واقعی محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

رب سیال نے نظریں اٹھا کر اس لمحے چوری سے نہیں، دیدہ دلیری سے دیکھنا چاہا تھا۔ مگر کوئی مسکرا نگاہ کی چمک اور بھی سوا ہو گئی تھی۔

ضبط آزمانے کا اتنا شوق کیوں تھا میرب سیال! جب حوصلہ تھا ہی نہیں ——؟“ کوئی اس پر کر رہا تھا۔

میرب سیال خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا کر سکتی تھی وہ؟ کیا تھا اس کے اختیار

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے ان بھیگی آنکھوں پر اٹکے موتیوں کو بڑے آرام سے اپنی انگلیوں کی پر لیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے لبوں کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

”سچ کہو، حاسد ہو رہی ہو نا تم؟ جلن ہو رہی ہے نا بہت؟“ سوال کیا گیا تھا۔ مگر میرب سیال کے ں لمحے کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے چھوا تھا۔

”عشق، محبت، پیار، اُلفت سب فضول کی چیزیں ہیں۔ ایک دم بے کار۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری تو ہے۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ دل لگاؤ اور بے خبر ہو جاؤ، ہاں۔“ وہ جیسے اس لمحے سے بھرپور حظ اٹھا لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک صاف کہہ رہی تھی۔

یرب سیال جیسے منوں مٹی تلے جا پڑی تھی۔

کیسا وار تھا۔

”بھول گئی تھیں تم، سردار سبکتگین حیدر لغاری نئے موسموں کا عادی ہے —— ٹھہرے ہوئے، پرانے اسے زیادہ دیر نہیں بھاتے۔ کسی ایک جگہ پڑاؤ کرنا اس کی سرشت میں نہیں۔ ناممکن —— بالکل ہے اس کے لئے دنوں تک ایک ہی راہ پر چلتے رہنا۔ تمہیں کیا لگتا تھا، بدل جائے گا وہ؟ بدل دو گی ے اپنی دقیانوسی، رسمی سوچ سے؟ کیا لگتا تھا، رنگ لو گی اپنے رنگ میں اور دوبارہ وہ رنگ اتر ہی نہ ؟ اوہ، میرب! کتنی بھولی بھالی، معصوم یا پھر ڈفر بے وقوف ہو تم۔“ اظہارِ مدعا کرتے ہوئے وہ بہ غور دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال کی وہ کیفیت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

کتنا کندوار تھا یہ۔ کیسے میٹھی چھری سے کاٹی گئی تھی وہ۔

کیا وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا؟

اس کا وہ روپ، وہ نرمی، وہ دوستانہ مزاج، وہ اپنا پن، کیا واقعی....... کیا واقعی سب دھوکا تھا؟...... سب خواب تھا؟

”معاملہ یہ ہے میرب سیال! سردار سبکتگین حیدر لغاری کوئی آسان محاذ نہیں ہے —— اسے سر کرنے پاس آرائیاں عبث ہوں گی اور جیتنے کے سارے ارادے ریت کے ڈھیر۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری

مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلاتے ہوئے جیسے افسوس کر رہا تھا۔

”حیف، حیف میرب سیال! خرد مندی کا بڑا دعویٰ تھا تمہیں۔ تو پھر اس لمحے یہ نگاہ اتنی حیرتوں ڈوبی ہوئی کیوں ہے؟ ——— کیا اب بھی یقین نہیں آیا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری وہ ہے جسے تم دیکھ ہو یا پھر وہ جسے تم دیکھ رہی تھیں؟ ——— حیران کیوں ہو؟ اتفاقاً وہ لمحہ نہیں تھا جب تم میرے قریب تھیں۔ اتفاقاً یہ لمحہ ہے میرب! جس نے تم پر بہت کچھ کھول دیا ہے۔ کند عقل کی لڑکی کہوں تمہیں یا پا میرب سیال؟ کبھی سوچا ہے تم نے، کبھی کوشش کی ہے غور کرنے کی کہ کتنی گھٹن ہے تمہاری سوچوں م کتنا حبس ہے تمہارے اندر۔ ایسے میں اگر سمندر کو بھی دیکھو گی تو وہ بھی جوہڑ ہی لگے گا۔ کوششیں تھیں میں نے اپنے زاویۂ نظر سے تمہیں دنیا دکھانے کی، تمہاری سوچوں کو بدلنے کی۔ ایک چھو کوشش تمہاری بوسیدہ، گھٹی گھٹی سوچ کو بدلنے کی۔ مگر نہیں۔ رہیں تم وہی کی وہی، چھوٹے سے دماغ چھوٹی سی لڑکی۔ نہ میرے دکھائے منظروں کا کوئی اثر ہوا نہ دکھائی گئی دنیا کو دیکھ کر کوئی نظریہ بدلا۔ اور ایسا ہونا بھی ناممکن ہی ہے۔ شاید میں ہی غلط سمجھا تھا کہ تم یا تمہاری سوچ بدل سکتی ہے۔ دنیا دکھا کر تمہارے دماغ کو کھول سکتا ہوں یا منظر تمہاری سوچ پر کوئی اثر ڈال سکتے ہیں۔ کنوئیں کے مینڈک بارش ہو بھی جائے تو بھی کنوئیں سے باہر نہیں آسکتے۔ باہر کی دنیا، انہیں بہت نئی نئی اور ناقابل قبول ہے۔ اور نتیجتاً وہ دوبارہ کنوئیں کے اندر کی دنیا میں مٹرگشت کر رہے ہوتے ہیں۔“ پُرسکون انداز م ہوا مسکرا رہا تھا۔

مگر میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ سر اٹھائے وہ اُسے صرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہ غور دیکھا تھا۔

”میرب سیال! کیا لگتا ہے تمہیں، سردار سبکتگین حیدر لغاری تمہارا بیمار ہو سکتا ہے؟ اس سیاہ زلف گیر کا اسیر ہو سکتا ہے؟ کیا لگتا ہے، یہ چمکتی نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دل کے آر پار ہو سکتی۔ بیڑیاں ڈال سکتی ہے میرے قدموں میں؟ یہ زلف، یہ نظر، یہ گداز لب کیا بھلا سکتے ہیں ساری دنیا کو؟ لگا تھا تمہیں میرب سیال؟ قریب آؤ گی تو جادو کر دو گی؟ بس میں کر لو گی سب اپنے؟ دن کو رات کہو کوئی رات کہے گا۔ پاگل۔“ لب مسکرائے تھے۔

”پاگل ہو نا تم۔ سورج کو چھونے چلی تھیں۔ سوچا تھا چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے دوپٹے کے پلو سے باندھ کر رکھ لو گی۔ کیا لگا تھا میرب! کر لیا سب کچھ تم نے؟ باندھ لیا سورج کو دوپٹے کے پلو سے؟ سر کر لیا تم نے سب کچھ؟ پاگل ہونا۔ جو بھی جانا، غلط جانا۔ جو بھی سمجھا فضول۔ بدلو گی تم خود کو؟ کھلی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنا سیکھو میرب سیال! دنیا تمہارا دو چار انچ کا فینٹسی ورلڈ ہے۔ نگاہ اٹھا کر دیکھو گی تو نگاہ کھلی کی کھلی رہ جائے گی۔ اور جہاں تک رہی بات سردار سبکتگین حیدر لغا کی تو وہ وسعتوں کا عادی ہے۔ اور سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری تمہارا بیمار نہیں ہے۔ ہرگز بھی نہیں ہے۔ وہ سورج بھی نہیں ہے جسے تم چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے پلو سے باندھ کر رکھ سکو۔“

تنے پُرلطف انداز میں مسکرا رہا تھا وہ۔ کیسا تفاخر تھا۔ انداز کیسا فاتحانہ سا تھا۔

تح ہی تھا وہ۔ فاتح ہی تو رہا تھا۔

ردر تھا تو عجب کیا تھا۔

کست خوردہ تو وہ بھی تھی۔ تحیر بھری نگاہ کتنے پانیوں سے بھرتی چلی گئی تھی۔ مگر وہ اسی طرح مسرور سا رہا تھا۔

”معصوم، بھولا بھالا چہرہ، اس پر یہ بھیگتے سمندر سی آنکھیں۔ ایسے قاتلانہ عزائم۔ ارادے کیا ہیں؟ تو ترکش کا کوئی تیر بچا کر رکھنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے دام سے نکلنے نہیں دو گی۔“

کتنے سمندر ایک پل میں چھلکے تھے۔

کتنے بند ایک لمحے میں ٹوٹے تھے۔

وہ محظوظ ہوتے ہوئے بڑے پُرافسوس انداز میں سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔

”نہیں۔ آج نہیں۔ آج تو بالکل بھی نہیں۔ کوئی جادو آج نہیں چلے گا۔ کوئی تیر نہیں، سردار سبکتگین لغاری کا دل کوئی کاغذی گھوڑا نہیں جاناں! کہ ان نمکین سمندروں میں بہہ جائے۔ آج سارے منتر سود رہیں گے اور ساری تدبیریں رائیگاں۔“ اس کے چہرے کو بہت ہولے سے تھپتھپایا تھا۔

”کچھ بھی کر لو، آج نہیں دل ٹھہرنے کا۔ دل کے بہلاوؤں کو آج تسلیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔ بوں سے جاگ چکی ہیں آنکھیں۔ تم بھی اب سپنے دیکھنا بند کر دو۔ کھیل بند۔ کھیل ادھورے ہی اچھے تے ہیں کہ جیت کی خوشی نہ ہار کا غم۔ بھول جاؤ سب۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو خسارے پسند نہیں۔ ارے لئے یہ جان لینا بہت ضروری ہے۔ انڈر اسٹینڈ؟“ مسکراتے ہوئے اسے کسی بچے کی طرح پچکارا۔ اور پھر اسے اسی طرح حیرتوں میں ڈوبا چھوڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک یک ٹک اس سمت تکتی رہی تھی۔

* * *

ذہن بہت اُلجھا ہوا تھا۔ مگر اس صورتِ حال سے باہر تو آنا تھا۔ کب تک وہ ان جھمیلوں میں رہتی۔ لکہ براہِ راست اس کی ذات سے منسوب نہ ہوتے ہوئے بھی اب مکمل طور پر اسی کو گھیر چکا تھا۔

دوسرے فریقین کی کیفیت کیا ہو گی، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر اس کی خود کی جان بہت مشکل میں تھی۔ ل کے باوجود بھی کہ وہ براہِ راست اس معاملے کا حصہ نہ تھی اور اسے گھیر گھار کر انوالو کیا گیا تھا۔ مگر اب قیقت یہ تھی کہ تمام مسئلہ اسی کے باعث تھا۔ وہ تجزیاتی نگاہ سارے معاملے پر ڈالتی تھی تو خود کو ہی مجرم اتی تھی۔

خرد مندی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ بے سمت سوچ کر الجھنے سے بہتر کوئی پوزیٹو سائیڈ چنتی اور اس لگے سے خود کو باہر نکالتی۔ گویا کسی قدر مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔

بہت ریلیکس ہو کر، غیر جانبدار ہو کر اس نے رات بھر سوچا تھا اور پھر عفنان علی خان کا سیل نمبر ملا ڈالا تھا۔ دوسری طرف بے قراری کی حد تھی۔ پہلی رنگ پر ہی کال کنیکٹڈ تھی۔

''ہیلو۔'' عفنان علی خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ مگر ادھر یہ خاموش تو عفنان علی خان مزید گویا نہیں ہوا تھا۔ جیسے وہ منتظر تھا یا پھر کال کرنے والے کو موقع دے رہا تھا۔

انابیہ شاہ نے خشک لبوں پر زبان پھیری تھی۔

''ہیلو ـــــ انابیہ شاہ ہیئر۔''

''یس، میں جانتا ہوں۔'' دوسری طرف ایک لطیف سی شرارت ہوئی تھی۔ ادھر وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

''انابیہ! آئی ایم ویٹنگ۔''

ردعمل گرم جوشی لئے ہوئے تھا۔ مگر انابیہ شاہ کو جیسے ان پذیرائیوں سے کچھ شغف نہ تھا۔ وہ بولی تو لہجہ بہت سپاٹ تھا۔

''عفنان علی خان! ملنا چاہتی ہوں میں تم سے۔''

''انٹرسٹنگ ـــــ بٹ ناٹ ساؤنڈز گڈ۔'' وہ دوسری طرف مسکرایا تھا۔ ''تمہاری اس خواہش کسی مصلحت پسندی کی بُو آ رہی ہے۔ انابیہ شاہ! سچ کہو۔ میری ایک شرط ہوگی۔''

''شرط؟'' وہ چونکی تھی۔

''درخواست کروں گا ایک تم سے۔'' وہ سنجیدہ نہ تھا اور انابیہ شاہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

''عفنان علی خان کی شرائط بھی محبت سے متعلق ہیں۔ سارے نظریئے، سارے زاویئے، سبھی جا محبت اور صرف محبت۔ اب کہو، کہاں تک بھاگو گی؟ اور کہاں تک انکار کی سعی کرو گی؟'' عفنان علی خان دھیما لہجہ اُسے تپا گیا تھا۔

''عفنان علی خان! میں نے تمہاری خواہشوں کو تکمیل دینے کے لئے یہ میٹنگ نہیں رکھی۔''

''تو پھر کہو، مدعا کیا ہے؟ ـــــ مجھے تو محبت کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ کیا تمہارے اور ہمار مابین کوئی اور مسئلہ بھی ڈسکس ہو سکتا ہے؟'' سوال ہوا تھا مگر ادھر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ عفنان خان مسکرا دیا تھا۔

''اصول تو یہ ہے انابیہ شاہ! جب مذاکرات کی میز پر آئیں تو چیدہ چیدہ مسائل میں سے سب سے اور بڑے مسائل زیرِ بحث آئیں۔ اور میرے اور تمہارے بیچ تو صرف ایک ہی مسئلہ ہے۔ وہی مسئلہ سب سے بڑا بھی ہے اور سب سے اہم بھی۔ تمہارا کیا خیال ہے، کیا سوچ رہی ہو تم؟''

عفنان علی خان شاید ہارنا نہیں جانتا تھا۔ اور ادھر انابیہ شاہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

''مجھے تمہیں جھیلنے کا کوئی شوق نہیں ہے عفنان علی خان!''

''اوہ، رئیلی۔ تو پھر اس وقت اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟'' وہ بات کو قطعاً سنجیدہ نہ لیتا مسکرا رہا تھا۔

''عفنان علی خان! ملاقات کے جواز اپنی مرضی کے مطابق ڈھونڈو گے تو خود کو دنیا کا احمق ترین شخص پاؤ گے۔''

مگر دوسری طرف وہ بے فکری سے ہنس دیا تھا۔

ملہ کیا ہے انابیہ شاہ! تمہیں کس بات کی فکر ستا رہی ہے؟ ـــــ اگر میرا معاملہ یک طرفہ ہے تو ور الجھاؤوں میں تم کیوں گھر رہی ہو؟ تمام باتوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر چین کی نیند کیوں باتیں؟'' لطف اندوزی کی حد تھی۔

شاہ دانت بھینچ کر رہ گئی۔

و، میں فوراً تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ بتاؤ ہاں یا نہیں؟''

ن علی خان لحہ بھر کو خاموش ہوا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

ں۔ مل سکتی ہو۔ اینڈ یور ڈی زائرز؟''

ں میں صرف یہی سننا چاہتی تھی۔''

ر کچھ نہیں؟'' عفنان علی خان نے مدھم لہجے میں ایک آس سے دریافت کیا تھا۔

ر کیا عفنان علی خان؟ کس بات کی امید رکھتے ہو تم مجھ سے؟''

یرائی کرو اور دل سے کرو۔ اس سے آگے کی تمام اسٹریٹیجی بناؤ تو وہ بھی دل سے۔ چاہو، اپنا بناؤ ر صرف دل سے۔''

یوانے ہو عفنان علی خان! تم اب بھی ایسا سوچتے ہو؟''

لیا کروں ـــــ تمہارے بغیر کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ کچھ بھی کروں، کچھ بھی سوچوں، تمام راہیں پ تم سے جا ملتی ہیں۔ اسے تم محبت نہیں کہو گی تو اور کیا کہو گی، ہاں۔'' وہ سنجیدہ نہ تھا اور ادھر انابیہ پٹاخ سے فون بند کر دیا تھا۔

ری طرف عفنان علی خان مسکرایا تھا اور اس کا نمبر ملانے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کے سیل پر نمبر چمکا تھا اور ہوئے بھی وہ کال ریسیو کر گئی تھی۔

ں تم سے ملنے کو تیار ہوں ـــــ جگہ اور وقت تمہاری پسند کا ہوگا۔ ایک بات کہوں، تم نے مجھے خوشی دی ہے۔ بھر دیا ہے میرا دل مسرت سے۔ یہاں سے وہاں تک دل بلیوں اچھل رہا ہے۔ یا ہوگا؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ مگر اس افراتفری کے زمانے میں وقت سے کچھ لمحے چرا کر ہم ایک کے سامنے ہوں گے۔ یہ احساس بہت دل پذیر ہے۔ مجھے تو یہ سوچ بھی اتنی اچھی لگ رہی ہے روبرو ہوں گے۔ پھر اس کے بعد جو ہو سو ہو۔'' عفنان علی خان کے سارے زمانے ایک ہی مرکز گھومتے تھے۔ انابیہ شاہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

تمہارا پرابلم کیا ہے، جانتے ہو تم؟ تم لٹو بنے ایک ہی چکر میں گھومتے رہنا چاہتے ہو عفنان علی باور کرایا تھا۔

کیا کروں ـــــ میرا مرکز تم جو ہو۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔ ''تم سے تم تک فاصلے، رابطے مجھے اچھے ما۔ خواہ لٹو کی طرح گول گول گھوموں، چاہے مسافتوں کے ساتھ سفر کروں۔ مگر نقطہ ایک ہی ہے، تم تم۔ معاملہ بندش والا کوئی راستہ نہیں ہے یہاں۔ انابیہ شاہ! اقدامات کرو تو سوچ کر اور بہ غور دیکھ ے مجھے تم ندامتوں میں گھری بالکل اچھی نہیں لگو گی۔''

وہ شرارت پر مائل تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ کی برداشت جواب دے
تھی۔ ایک ہی لمحے میں وہ سلسلہ منقطع کر چکی تھی۔

عفنان علی خان مسکرا رہا تھا۔

”معاملہ کچھ بھی ہو انابیہ شاہ! تم راہ پر تو آئیں۔ اب قائل کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

* * *

تمہارے آخری خطوں کی
سطروں میں......
عجب کچھ اسرار پنہاں تھے
کچھ خواب جو تم نے
آدھے آدھے بانٹ کر
میری آنکھوں میں رکھ دیئے تھے
وہ خواب ابھی تک جاگ رہے ہیں
گلاب کی جس ٹہنی پر تم نے
اپنے پیار کا ہاتھ دھرا تھا
وہ لمس ابھی تک تازہ ہے
تیرے احساس کی خوشبو کی طرح
بارش کی بوچھاڑ میں
بھیگتی اس لڑکی کا چہرہ
اب تک میں دیکھ رہا ہوں
آدھے سُوکھے آدھے گیلے خوابوں والی
اس لڑکی کو
بے خود سا چپ چاپ سا تکتا
کہیں اپنے اندر ڈھونڈ رہا ہوں

اذہان حسن بخاری بھیگتے منظروں کو تکتا چپ چاپ کھڑا تھا۔ بارش بہت سی کثافتوں کو دھو گئی تھی کچھ بوجھل پن تھا جو اسی طرح برقرار تھا۔ کوئی جگہ، کہیں تھی جہاں گھٹن اب بھی باقی تھی اور......

”یہ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو اسٹوپڈ! میں تمہیں بھیگتا ہوا موسم دیکھنے کو کہہ رہی دیکھو سب کچھ کتنا صاف شفاف سا لگ رہا ہے۔ سارے منظر کیسے دُھل گئے ہیں۔ یہ بارش بھی کتنی ہوتی ہے نا۔“

”عجیب نہیں، خوبصورت۔“ اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے اس خوشبو کے لہجے کی نفی کی تھی۔

”اذہان! تم مجھے ڈنائے کر رہے ہو۔ میری مخالفت۔“ وہ دھمکی دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔ وہ مسکرادیا

ں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم خوب صورت ہو۔“ انکشاف کیا تھا۔ وہ چہرہ مسکرا دیا تھا۔

ان! میں بارش کی بات کر رہی ہوں اور تم......“

ے دی وے، میں بھی بارش کی بات ہی کر رہا ہوں۔ تم —— تم بھی تو بارش سی ہو۔ شفاف، ل پذیر۔ ان بوندوں کی طرح۔“

ان!“ وہ پُر افسوس انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی۔ ”تمہیں لڑکیوں میں صرف خوب صورتی دکھائی اگر میں خوب صورت نہ ہوتی تو تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟“

ں۔“ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ اس نگاہ میں حیرت واضح تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔ ”آئی کرتا۔ محبت نہیں کرتا، بہت زیادہ محبت کرتا۔ بالکل مجنوں والی۔ سچی، پکی محبت۔“ انداز میں ی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

آن یار! اچھی یا بری، تم جیسی بھی ہوتیں —— تم، تم ہی ہوتیں۔ یہ تم لڑکیوں کو شک کرنے کی ں ہوتی ہے؟ بندہ محبت میں ڈوبا، بے بس اور لاچار ہوگا اور تم پھر بھی شک کر رہی ہو گی۔“

ہرہ مسکرا دیا تھا۔

ں نہیں کر رہی —— تمہیں اپنے بس میں کر رہی ہوں۔ بالکل ناریل جیسے ہو تم۔ دھوکے باز۔ کچھ، اندر سے کچھ۔ کوئی اور حسین صورت دیکھ کر بدل گئے تو؟“

الزام آیا تھا۔ مگر وہ ہنس دیا تھا۔

نی عجیب ہوتی ہو تم لڑکیاں بھی۔ تعریف نہ کرو تب بھی گلہ ہوتا ہے اور اگر کرو تب بھی خوش نہیں
“

نڈ اِٹ اذہان بخاری! تعریف تم میری نہیں، اس بارش کی کر رہے تھے۔“

ں، کر رہا تھا۔ مگر یہ کہہ کر کہ یہ بارش تمہارے جیسی ہے۔ اور میں اس پر اب بھی قائم ہوں۔ کٹ کی طرح پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔“

ہرہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

ں مذاق کر رہی تھی اذہان حسن بخاری!“

ں، آئی نو ——“ وہ بولتا ہوا مسکرایا تھا۔

ذہان! وہاٹ یو نو؟“ ایک لہجہ اس کے گرد اُبھرا تھا اور وہ حیران رہ گیا تھا۔ ایک لمحے میں وہ اُس اس دنیا میں تھا۔

بیہ خان اس کے قریب کھڑی تھی۔ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی۔

کیا ہوا؟ —— بتایا نہیں تم نے۔ کیا جانتے ہو تم؟“

ان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ انداز کسی قدر خجل سا تھا۔ سابیہ خان ے بغور دیکھا تھا۔

اب خود کلامی کی بھی عادت پڑ گئی تمہیں اذہان حسن بخاری! بائے دی وے، مخاطب کس سے

تھے؟ کوئی قریب تھا کیا؟" انداز سرسری تھا اور لبوں پر مسکراہٹ۔ مگر اذہان حسن بخاری اس سوال کی گہ کو سمجھ سکتا تھا۔ بے دھیانی میں وہ جانے کیا کہہ گیا تھا۔ مگر اس لمحے وہ نہ تو کمزور پڑنا چاہتا تھا نہ ہی شرر ہونا۔ تبھی بھرپور اعتماد سے مسکرا دیا تھا۔

"تم...... تم ساہیہ خان! یہاں سے جانے کے بعد بھی تم اپنا خیال یہاں کیوں چھوڑ گئی تھیں؟۔ دیکھو، اب مجھے باتیں کرنے کی عادت ہو گئی ہے نا۔ بگاڑ دیا نا تم نے اذہان حسن بخاری کے مزاج کو اب شکوہ مت کرنا۔ ایسے اقدامات کے جواب میں یہ دیوانگی جنم نہیں لے گی تو اور کیا ہوگا ساہیہ خان! وہ بات کو مذاق کا رنگ دے کر نارمل نظر آنے کی سعی کر رہا تھا اور ساہیہ خان شاید نہیں چاہتی تھی کہ اس کوئی قلعی کھلے۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"تو میرا خیال یہاں تمہارے پاس رہ گیا تھا۔ اسٹرینج، ویری اسٹرینج—— مجھے خبر ہی نہیں ہوئی او نے میرا خیال مجھ سے چرا لیا۔ چور کہیں کے، کچھ لینا تھا تو پوچھ کر لیتے۔ اس طرح چرانے کی کیا ضرور تھی؟" انداز دوستانہ تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ رسمی ہی سہی۔ وہ اس لمحے پردہ داری کی خواہاں تم جانے کیوں نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس لمحے شرمندہ ہو۔ مگر اس لطیف سی شرارت پر بھی اذہان حسن بخا بہت بجھے بجھے سے انداز میں مسکرایا تھا۔

"ساہیہ! ایک بات کہوں؟"

"ہاں کہو۔"

"تم بہت اچھی ہو۔"

"یہ بات میں جانتی تھی۔" ساہیہ مسکرا دی تھی۔ "مگر اس بات کی صداقت پر یقین مزید پختہ ہو جا گا جب تم اس موسم میں مجھے آئس کریم کھلانے کی ہامی بھرو گے۔ تو لے کر جا رہے ہو نا تم اپنے سا مجھے؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہاں۔" اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

* * *

خواب جلتے ہیں میری آنکھوں میں
دلربائی کے موسم میں
وحشتوں کی عجب کہانی ہے
تیری آنکھوں نے جو کہی تھی کبھی
وہ کوئی کتھا، متروک وفا ہونے کو ہے
سوچوں بھی تو دل لرزتا ہے
عجب اِک حادثہ ہونے کو ہے

میرب سیال کے لئے کوئی قیامت تھی جیسے۔ کیسے کیسے انکشافات تھے۔ اس کی آنکھیں سمندر؟ تھیں۔ جتنا ملال کرتی، تھوڑا تھا۔

ں وہ اپنے کمرے میں پڑی رہی تھی۔ وجود سے جیسے ساری قوت کسی نے کھینچ لی تھی۔ ساری
ب دے چکی تھی۔
تھا تجربہ ہائے وفا۔
نسخہ کام نہ آیا تھا۔
تدبیر کارگر نہ ہوئی تھی اور وہ ڈھیر تھی۔
ی موڑ پر تھا دل اور اسی موڑ پر تھی وہ۔
جب رہا تھا کہ سفر جہاں سے شروع ہوا تھا پھر وہیں پر آ کر ختم گیا تھا۔ مگر اس قلیل ترین عرصے
ی تھکن کچھ بڑھ گئی تھی۔
ک گئی تھی۔
ایدہار بھی گئی تھی۔
آنسو بہے تھے۔ اور اب تو آنسو بھی باقی نہ بچے تھے۔
سبکتگین حیدر لغاری کا وہ روپ سچ تھا یا پھر وہ جو وہ اسے کچھ عرصہ پہلے تک دکھاتا رہا تھا۔
تیار، کامران، شادمان—— نہ پیشانی پر کوئی سلوٹ نہ چہرے پر کوئی شکن۔
ب یہ کیا تھا؟
ا وہ سورج نہیں ہوں جسے تم چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے اپنے پلو سے باندھ کر رکھ

تھا سچ؟
وہ کچھ دنوں تک دیکھتی رہی تھی یا پھر یہ جسے اس نے اب دیکھا اور سنا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر
نے ایک ہی لمحے میں کیسا پینترا بدلا تھا۔ کیسا روپ دکھایا تھا۔ وہ واقعی دنگ رہ گئی تھی۔ اتنی کہ
یں اندھیرا کیے دھواں دھار آنسو بہاتے ہوئے اس نے پہروں گزار دیئے تھے۔
کج ادا کے لئے، اس بے وفا کے لئے۔
اوندھی پڑی تھی۔ نقاہت اور کمزوری اتنی تھی کہ اٹھنے تک کی ہمت نہ تھی۔
زے پر دو چار بار شاید دستک ہوئی تھی۔ وہ سن نہ سکی تھی۔ آنے والے نے غالباً کسی دوسری کی کا
رتے ہوئے دروازہ وا کر لیا تھا اور قدم اندر رکھ دیئے تھے۔
زہ کھلنے کی آواز پر میرب سیال نے سوچ ہوئے پپوٹوں کو اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر سب
ل دائروں میں گھومتا دکھائی دیا تھا۔
سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ ہاتھ میں ٹرے تھی۔ شاید ایک کیئرنگ لونگ اور فیتھ فل ہزبینڈ
کی کیئر کرنے آیا تھا۔
ے ایک سمت رکھ کر، جھک کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہاتھ سے گیسوؤں کو ہٹایا تھا اور مسکرا

"ہائے، وہاٹس اپ ــــ کیسی گزر رہی ہے؟ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے نا؟ کتنا خیال ر
دیکھو کھانے کے لئے لایا ہوں تمہارے لئے۔ رو رو کر کتنا برا حال کر لیا ہے اپنا۔ ڈارلنگ! تم اپنا بالک
خیال نہیں رکھتی ہو۔ اپنا نہیں تو کم از کم اپنے اس وفادار شوہر کا ہی کچھ خیال کر لو۔ چلو اُٹھو شاباش!
لو۔ آئی نو، تم انرجی لیس ہو رہی ہو اور مجھ سے یہ دیکھا نہیں جا رہا۔ چلو اُٹھو، شاباش۔" مسکراتے ہو
اسے جیسے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔

میرب سیال نے بہت ہمت سے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ انداز میں ناگواری واضح تھ
سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ چہرے کی تروتازگی کے ساتھ ساتھ مزاج بھی
بشاش تھا اور لہجہ اس سے بھی توانا۔

"مسز میرب سبکتگین حیدر لغاری! اُٹھیے شاباش، ابھی بہت ہمت درکار ہو گی آپ کو۔ مقابلہ کر
جینا بہت ضروری ہے اور جینے کے لئے کھانا بہت ضروری ہے۔ بوڑھے کہتے ہیں کھانے
مدافعت خاصی بڑھ جاتی ہے اور دماغ چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔" اسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑ
مگر کاندھے پر دھرا ہاتھ میرب سیال نے جھٹک دیا تھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"گڈ۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

میرب سیال اٹھ کر بیٹھ گئی تھی مگر کسی شے کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے
توں پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مسز میرب سبکتگین حیدر لغاری! کیا ارادہ ہے؟ ــــ کیا آپ اپنے ہزبینڈ کے ہاتھوں کھا
خواہش رکھتی ہیں؟"

میرب سیال نے اس کی سمت ایک نگاہ ڈالی تھی۔ جس میں ناپسندیدگی بہت واضح تھی۔ سردار
حیدر لغاری نے اُسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور سُوپ کا پیالہ اٹھا لیا تھا۔

"مسز سبکتگین حیدر لغاری! شوہر مجازی خدا ہوتا ہے۔ خدمت کرتے ہیں، کرواتے نہیں۔ آپ
سے سمجھ دار ہیں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو سمجھانے کی ضرورت تو نہیں پڑنی چاہئے۔" سُوپ کا
اس کے منہ کی طرف بڑھایا تھا۔ میرب سیال نے منہ نہیں کھولا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری خا
ٹرمنٹ واقع ہوا تھا۔

"مسز لغاری! منہ کھولئے، پلیز۔" اور میرب سیال کے پاس دوسرا راستہ نہ بچا تھا۔

"گڈ ــــ دیٹس نائس۔ آپ کی یہ بات بہت اچھی ہے مسز لغاری! آپ خاصی انڈر
ہیں۔ جلد انڈر اسٹینڈ کر لیتی ہیں۔ اس خاصیت کے باعث بہت سی باتوں کی بچت ہو جاتی ہے
سے بڑی بات بندہ کسی اندھیرے میں نہیں رہتا۔" ایک مزید چمچ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ
آ رہا تھا۔

مگر میرب سیال نے بجائے منہ کھول کر اس کے ہاتھ سے سُوپ لینے کے لئے ہاتھ بڑھا
اس کے ہاتھ سے لینا چاہا تھا۔ ہاتھ سے ہاتھ ٹکرایا تھا۔

ب سیال نے اس اتفاق پر اس شخص کی جانب سے نظریں پھیر لی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری
تھا۔

پ میں ہمت نہیں ہے مسز لغاری! یو آر فیلنگ ناٹ ویل رائٹ ناؤ۔" اپنے طور پر وہ خود کو باور
ہوئے اس کے منہ میں سُوپ ڈالنے لگا تھا۔

لغاری کے لئے جیسے کسی بات کا احتجاج کرنا بے حد دشوار تھا۔ شاید اس گھڑی واقعی ہمت ناپید
اتنی بھی نہیں کہ وہ اپنے قاتل کی مدد لیتی۔

یز، میں لے لوں گی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری سپون اس کی طرف بڑھا رہا تھا جب اس نے
تھا۔

ہ، اچھا ــــ اتنی ہمت آ گئی ہے آپ میں۔ گڈ ــــ اچھی بات ہے۔" میرب نے پیالہ لینے
ہاتھ بڑھایا تھا جسے سردار صاحب نے بخوشی اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

ڈ چینج ــــ" وہ اُسے سُوپ اپنے ہاتھوں سے لیتا دیکھ کر سراہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میرب
نے اسے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔

کچھ کہنا چاہتی ہیں مسز لغاری؟"

ں ...... میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ آئی وانٹ ٹو بیک۔"

اوہ ــــ یو وانٹ ٹو بیک۔" پُرخیال انداز میں سوچا تھا۔ "مگر مسز لغاری! اٹس ناٹ پوسیبل۔
ٹ آل۔ فی الحال ارادہ پوسٹ پون کر دو۔ یہ ناممکن ہے۔"

مگر کیوں؟" وہ احتجاج کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

وقت مسز لغاری! ایک اچھا وقت ہے میرے ہاتھ میں۔ اکنامی کلی بھی اور ایموشنلی بھی۔"

کیا مطلب؟" وہ کچھ سمجھی نہیں تھی۔ لفظوں سے زیادہ استفسار آنکھوں میں تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر
بہت رسانیت سے مسکرایا تھا۔

اجنبی، مسز لغاری! غالباً اُس روز دیکھا تھا آپ نے اُسے میرے ساتھ۔ غالباً پرابلم یہ ہے مسز
کہ میں کچھ وقت اجنبی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ اچھا لگ رہا ہے۔ شی از اے انٹرسٹنگ گرل
انونڈر ہر۔"

ور میرب سیال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

اگر آپ نہیں جانا چاہتے تو مجھے پرواہ نہیں۔ مگر میں جاؤں گی۔" انداز اور لہجہ درشت تھا۔ مگر سردار
ن حیدر لغاری بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

ممکن نہیں ہے مسز لغاری! سوری، ایسا بالکل بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ کو میرے ساتھ ٹھہرنا ہو گا۔ ایک
دار ہزبینڈ کے فرائض میں نبھا رہا ہوں۔ ایک سعادت مند بیوی کے حقوق آپ پر نبھانا فرض ہیں۔
" لب مسکرا رہے تھے اور وہ ہنوز چپ تھی۔

اور مجھے جانا ہو گا۔ ایک اہم اپائنٹمنٹ ہے۔ آپ یہ سارا کھانا کھا لیجئے گا۔ رات میں ملاقات رہے

گی۔ آپ کا انرجیٹک ہونا بہت ضروری ہے۔" گھڑی دیکھتے ہوئے وہ یکدم اٹھا تھا اور ایک بھرپور نگا
پر ڈالتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا اور میرب سیال کیسی بت بنی بیٹھی تھی۔

❄❄❄

وہ چہرہ اُس کے سامنے تھا اور عفنان علی خان خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ انابیہ شاہ کے چہر
ناگواری کا تاثر بہت واضح تھا۔ جیسے وہ ان ناپسندیدہ لمحوں کو مجبوراً جھیل رہی تھی۔

"تم کچھ کہنا چاہ رہی تھیں؟" عفنان علی خان نے بہت نرمی سے کہتے ہوئے اس کی توجہ کا
درست سمت میں موڑا تھا۔

انابیہ شاہ بے حد اکتائے ہوئے انداز میں نظروں کا زاویہ پھیر گئی تھی۔

"عفنان علی خان! تم کوئی بچے نہیں ہو کہ میں انگلی پکڑ کر صحیح اور غلط کے متعلق بتاؤں۔ میرے ا
خود بھی لائف کا کوئی اتنا بڑا تجربہ نہیں ہے۔ مگر میں رائٹ اور رونگ کے متعلق ججمنٹ کر سکتی ہوں۔ میر
لئے یہ مشکل نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے یہ صلاحیت میرے پاس بھی ہے۔

"تو تم کیا چاہتی ہو؟" عفنان علی خان نے یکدم دریافت کیا تھا۔

"ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی ہے عفنان علی خان!" انابیہ شاہ نے ایک گہرا سانس خارج کر
ہوئے اپنے اندر کے تاثرات پر جیسے قابو پانا چاہا تھا۔

عفنان علی خان جیسے اس کی ٹینشن سے واقف تھا۔ تبھی کچھ بھی بولے بغیر خاموشی سے اسے دیکھ
تھا۔

"عفنان علی خان! تم جو کر رہے ہو وہ غلط ہے۔ سراسر بے وقوفی۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں
اسے جاری رکھو یا ترک کر دو۔ مگر پلیز اس بات کا احساس ضرور کر لو کہ اس حماقت کے باعث کسی ا
زندگی بری طرح ڈسٹرب ہو رہی ہے۔ ایک نہیں دو تین۔ تم پوری تین زندگیاں تباہ کرنے پر تلے ہ
مجھے مطلق فکر نہ ہوتی اگر ان میں سے ایک میری خود کی زندگی نہ ہوتی۔ تم مجھے نقصان پہنچا رہے ہو۔
کوئی حق نہیں پہنچتا عفنان علی خان! کہ تم اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی کو بھی ڈسٹرب کرو۔" بو
انداز درشت تھا۔ مگر وہ بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

"میں بہت فیئر بندہ ہوں انابیہ شاہ! معلوم نہیں تمہیں کس بات نے اتنا ہائپر کر دیا ہے۔ یا کون
بات تمہارے دل پر گراں گزری ہے۔ میں نے تمہارے ہاں پروپوزل بھجوایا، تمہیں چاہا، پسند کیا، چا
حق تمہیں دیا۔ تم نے ری جیکٹ کر دیا۔ میں نے ریزن نہیں مانگا۔" وہ باری باری انگلیوں پر گنوا رہا تھا

"تم نے فون کیا، ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ بلوایا، میں چلا آیا۔ کیا تلاشنا چاہتی ہو تم، اتنا کچھ
گنوایا۔ سبھی کچھ تو فیئر اینڈ پوزیٹو ہے۔ پھر تم مزید کیا چاہتی ہو مجھ سے انابیہ شاہ؟ —— اس سے زیاد
کیا امید ہے؟ کیا تم مجھے بتا سکو گی؟" عفنان علی خان بہت اطمینان سے مسکراتا ہوا اُسے لاجواب کر
تھا۔ انابیہ شاہ اس لمحے خاموشی سے اسے دیکھنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی تھی۔

"مزید کیا انابیہ شاہ؟ کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟" عفنان علی خان نے دوبارہ دریافت کیا تھا اور

ی برداشت کی حد جواب دے گئی تھی۔ مزید وہاں بیٹھ کر اس کی فضول بکواس سننے سے اس نے
اٹھ جانا مناسب جانا تھا۔ مگر یہ سعی بھی ناکام رہی تھی۔ اس نے ارادہ کیا تھا اور یہ اقدام ہونے
ی وہ نگاہ بھانپ چکی تھی۔ نتیجتاً اس کا مضبوط ہاتھ اس کے نازک ہاتھ پر تھا۔ انابیہ شاہ نے سلگتی
سے اسے دیکھنا چاہا تھا مگر اس شخص کے لبوں پر بہت پُرسکون مسکراہٹ تھی۔ بہت دھیمے لہجے میں
تھا۔

یوں چاہتی ہو تم ایسا انابیہ شاہ؟ کیوں —— کیوں مجھے خود سے دور کر دینا چاہتی ہو؟ اگر میں
اہ رہا ہوں تو یہ میرا پرابلم ہے۔ سراسر میرا ہیڈک۔ تم مجھے اس سے باز رکھنا چاہتی ہو؟ کیوں انابیہ

رے پاس تمہارے ان فضول سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے عفنان علی خان! تم ایسا کیسے کر رہے
ت پُرافسوس انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ مضبوط ہاتھ اب بھی میز کی سطح پر
ں کے نازک ہاتھ پر تھا۔

م کچھ بھی کرو، کچھ بھی کہو، کوئی بھی تلخ بات، تلخ اقدامات۔ میں جھیل سکتا ہوں انابیہ شاہ! کیونکہ
ے محبت کرتا ہوں۔ تم سے محبت ...... صرف محبت۔" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ٹھوس انداز
ہوئے اسے باور کرایا تھا۔

رف محبت انابیہ شاہ! اور تم اسے بدل نہیں سکتی ہو۔ نہ ہی سمت موڑ سکتی ہو۔ تمہیں اتنی چھوٹی سی
میں کیوں نہیں آتی؟ کتنی بار کہوں میں، کتنی بار سمجھاؤں؟ کیا لگتا ہے تمہیں، احمق ہوں میں؟ تو
ابیہ شاہ! یہ بھی قبول ہے مجھے۔ سب کچھ کر سکتا ہوں میں تمہارے لئے۔ سب کچھ سہہ سکتا ہوں مگر
" سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ "یہ نہیں ہوگا مجھ سے انابیہ شاہ! —— تم محبت کے یہ آپشنز بدل دو،
ہیں ہو سکے گا یہ۔ بالکل بھی نہیں۔" انداز مدھم مگر مدلل تھا اور انابیہ شاہ چپ تھی۔ پھر یکدم وہ اٹھی
چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

کرات ناکام رہے تھے۔

بیہ شاہ کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ نمکین پانی بہہ جانے کو بے تاب تھا۔

وازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔ اوزی نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

کیا ہوا؟" مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اوزی نے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا

پ ...... ٹپ ...... ٹپ ......"

تے آنسو آنکھوں سے باہر تھے۔ چہرہ بھیگتا چلا گیا تھا۔ اوزی نے اسے دیکھا تھا اور ٹشو اس کی سمت
تھا۔

❄❄❄

ر بدل گئے تھے۔ رویہ یکسر بدل گیا تھا اور جانے اب اور کیا ہونا باقی تھا۔ میرب سیال نہیں جانتی

تھی۔ مگر وہ اس شخص سے اب ہر شے کی امید کر سکتی تھی۔ جو ہو چکا تھا وہ کافی تھا۔ مزید بدمزگی وہ نہیں چاہتی تھی اور ایسے میں تو بالکل بھی نہیں جب کہ وہ دیارِ غیر میں تھی۔ اور اپنوں سے دور مصلحت کی انگلی تھام کر رہنا سود مند تھا۔ سو وہ انحراف نہیں کر سکتی تھی۔ حالات کو اپنے بس میں رکھنے کے لئے یہ بہت ضروری تھا۔

اُس کی بات مان کر وہ اس کے ساتھ شام کی تقریب کے لئے تیار کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری آیا تھا۔ اسے دیکھا تھا اور چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

”اِز اِٹ یو مسز لغاری؟“ مسکراتے ہوئے آنکھوں میں حیرت بہت واضح تھی یا پھر وہ کوئی طنز کر رہا تھا۔ میرب سیال سمجھ نہ سکی تھی۔ مگر کسی قدر بے توجہی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

”آں....... ں .... مصلحت پسندی .... تو مسز لغاری! سیانی ہو گئی ہیں آپ اب۔ دانش مندی سے قابو پانا چاہتی ہیں صورت حال پر۔ تدبیر اچھی ہے۔ مسٹر لغاری قائل ہو گئے آپ کی عقلمندی کے۔ رئیلی امپریسڈ۔“ وہ اس کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ ”طفل جان رہی ہیں نا آپ اپنے ہزبینڈ مسٹر سبکتگین حیدر لغاری کو۔ ایک ضدی خود سر بچے سے نبرد آزما ہونے اور نمٹنے کے اقدامات کر رہی ہیں نا آپ۔ بہلانے کے یہ اسلوب بہت بچگانہ نہیں مسز لغاری؟“ اس کے چہرے پر آئی ایک شریر لکیر چھوتے ہوئے وہ یقیناً اُسے زچ کرنا چاہتا تھا اور میرب سیال یہی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو۔ اسی لئے بغیر کوئی ردِعمل ظاہر کئے وہ اس کے سامنے خاموشی سے کھڑی رہی تھی۔ گو یہ مشکل تھا مگر میرب سیال کو یہ ممکن کرنا تھا۔

”چلیں۔“ وہ پُرسکون انداز میں بولی تھی اور مسٹر لغاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

”تو ٹھان لی آپ نے ——— ایک سعادت مند بیوی بن کر رہیں گی۔ گڈ ——— انٹرسٹنگ۔“ وہ متاثر ہوا تھا۔

میرب سیال کچھ کہے بغیر اس کی ہمراہی میں چل پڑی تھی۔ ایک ایک لمحہ دل پر بھاری تھا مگر مرتے نہ کرتے کے مصداق یہ بوجھ تو ڈھونا ہی تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے پارٹی میں کیوں لایا تھا۔ کیونکہ وہاں وہ اسے اکیلا کونے میں کسی فالتو شے کی طرح چھوڑ کر خود کسی اور کے ساتھ بزی ہو چکا تھا۔

کون تھی وہ؟

شاید جینی۔ اُسے تو اس کا چہرہ بھی یاد نہیں تھا۔ کتنا سرسری انداز تھا اس کا دیکھنے کا۔ توجہ تو اس شخص کی تھی ساری۔ بس یہ نظر آیا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی تھی۔ کون تھی؟ کیسی صورت تھی؟ کیا نام تھا؟ کچھ جانتی تھی وہ۔ کتنی دیر سبکتگین حیدر لغاری ان موصوفہ کے ساتھ بزی رہا تھا۔ میرب سیال کے لئے جھیلنا دشوار تھا۔ چہرے کا رخ پھیر لینے کے باوجود وہ بے تاثر نہ بن سکی تھی۔ اندھی بہری بنی وہ اسی طرح کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لڑکی کو لئے اس کے قریب آیا تھا۔

”شی از چارلی۔ دی موسٹ بیوٹی فل گرل آف دی ایوننگ۔“ انداز ستائش سے بھرپور تھا۔ مگر میرب

بھ خاص متاثر نہیں ہوئی تھی۔ سب دیکھتے ہوئے اندھی اور سنتے ہوئے بہری تو بنی ہی تھی، اب در پر گونگی بھی ہو گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ رہنا تھا تو ایسا کرنا ہی تھا۔

کیا ہوا تمہیں؟ چارلی پسند نہیں آئی؟“ وہ چھیڑ رہا تھا۔

رب سیال غصے سے دانت بھینچ کر رہ گئی تھی۔

جینی، شینی، چینی ہو یا چارلی شارلی مجھے اس سے قطعاً کوئی غرض نہیں ہے۔ اس چپٹی ناک والی کی جگہ اگر آپ چارلی تھیرون کو بھی لے آئیں تب بھی مجھے خاص فرق نہیں پڑے گا سردار سبکتگین نارِی! کیونکہ میں دیکھتے ہوئے بھی اندھی بن گئی ہوں اور سنتے ہوئے بہری۔ اگر آپ مجھے بولنے پر مائیں تو میں گونگی بن کر بھی رہ سکتی ہوں۔ کیونکہ میں سمجھ گئی ہوں کہ اگر مجھے آپ کے ساتھ کو جھیلنا یک ناپسندیدہ رفاقت کو برداشت کرنا ہے تو یہ سب کرنا بہت ضروری ہوگا۔ سو جینی ——— شینی چینی یا چارلی ——— شارلی یا چارلیز تھیرون ——— آئی ڈونٹ کیئر۔“

کسی قدر درشت انداز میں وہ گویا ہوئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بجائے ہائپر ہونے کے یا ل میں آنے کے مسکرا دیا تھا۔

”اب تم خالص مسز لغاری لگ رہی ہو۔“ انداز چڑانے والا تھا۔ مگر میرب سیال نے اس کی جانب ی سعی نہیں کی تھی۔ شاید یہی ایک طریقہ تھا خود کو محفوظ اور نارمل رکھنے کا۔ یقیناً اس کی کوشش یہی تھی، کو زیر کرنے کا نیا ڈھنگ سوچ رہا تھا۔ کوئی جال بُن رہا تھا اس کے لئے اور وہ بہتر یہی محسوس کر ی کہ انجان بن جائے۔

”مسٹر لغاری! شاید میں آپ کی وائف کو پسند نہیں آئی۔“ چارلی کسی قدر اظہارِ افسوس سے بولی تھی۔ انگریزی میں لہجہ متاثر کن تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی چوائس اور معیار کی وہ قائل نہ ہو جاتی تو نا نی ہوتی۔

”وائف؟ ——— ہُو اِز وائف؟ ——— شی اِز اونلی اے گرل فرینڈ آف مائن۔“ سردار سبکتگین حیدر ی کا جواب اُسے چونکا گیا تھا۔

”اوہ، سو سیڈ۔ میں نے سوچا شاید یہ آپ کی وائف ہیں۔“ چارلی نے ایک بار پھر شستہ انگریزی میں ار افسوس کیا تھا۔

”مجھے میرے معیار اور پیمانے سے گرا کر اس طرح لٹ ڈاؤن کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو ار سبکتگین حیدر لغاری؟ ——— یہی کہ تم کتنے کمزور ہو یا پھر یہ کہ مجھے قبول کرنا اور زیر کرنا تمہارے لئے نا دُشوار ہے۔“ اس نے پُراعتماد انداز میں ایک تیر اُچھالا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پُرسکون سمندر آنکھوں میں یکدم ہی ایک طغیانی آئی تھی۔ پیشانی پر کئی بن ایک ساتھ واضح ہوئی تھیں۔ بہت جارحانہ انداز میں اس کو شانوں سے تھاما تھا۔ سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر پھر کچھ کہے بغیر چھوڑ دیا تھا اور چارلی کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال کا دل اپنی تضحیک اور تذلیل پر رونے کو چاہ رہا تھا۔ کیا حیثیت تھی اس کی اس شخص کی

زندگی میں۔ ایک خود پسند شخص کی زندگی میں ـــــــ کج رو، کج ادا، بے وفا۔ ایک جگہ ٹھہرنا جس کی سرشت میں نہ تھا اور وہ اس میں وفا ڈھونڈ رہی تھی۔ تھی نا قابلِ افسوس بات۔

آنکھوں میں سمندر تیرنے لگے تھے۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر ان آنسوؤں کو اندر ہی اندر کہیں ادغم کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ مگر ہر جتن بے سُود لگ رہا تھا۔ بھربھری ریت کی دیوار کی مانند وہ بے بس تھی۔

❄ ❄ ❄

تیرے میرے رستوں میں
ایک بھی موڑ ایسا نہیں
جو کسی روز یونہی اتفاقاً
کر دے روبرو ہم کو
تیری میری آنکھوں میں
کوئی بھی رنگ ایسا نہیں
کر دے جو کوئی سرگوشی
یا کوئی مدھم سی آہٹ کہ جس سے
اس بھید بھری چپ کی قلعی کھل جائے
بہ ظاہر جو انجان بنے پھرتے ہیں
اس پُرلطف اتفاق پر چونکیں تو
جانیں ہم تم
گنوا دیا ہے جو ہم نے وہ پل
وہ ایک پل اپنا تھا
وہ ایک پل کتنا قیمتی تھا

''یہ کیا کر رہے ہو تم؟ کہیں جا رہے ہو کیا؟'' ساہیہ خان اندر داخل ہوئی تھی۔ جب اسے پیکنگ کرتے دیکھ کر چونک گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی جانب بغیر دیکھے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں، اپنی ڈریم گرل کو ڈھونڈنے۔'' لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں شرارت۔ اور ساہیہ خان حیران ہونے کے ساتھ مسکرائی تھی۔

''اوہ، رئیلی ـــــــ اس ڈریم گرل کو جس سے تم تنہائی میں باتیں کرتے ہو؟''

''آف کورس۔'' وہ تصدیق کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

ساہیہ خان نے اسے کسی قدر اچنبھے سے دیکھا تھا اور پھر یکدم کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی ہنس دیا تھا۔

''میں کچھ ہیلپ کروں تمہاری؟''

نہیں یار! میں خود کر لوں گا۔ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟''

کیا مطلب اس وقت یہاں کیا کر رہی ہوں۔ دوست ہو تم میرے۔ کوئی کام پڑے تو پوچھے بنا آ ہوں۔'' دھونس جمائی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری شرارت سے اسے دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

کسی لڑکی کو میں نے اتنی دیدہ دلیری سے اپنی ہونے والی سسرال میں گھومتے پھرتے نہیں دیکھا۔''

''تو اب دیکھ لو۔ تمہیں کس نے کہا ہے کہ یہ میری ہونے والی سسرال ہے؟ ـــــــ یہ میرے انکل کا ہے اور میں جب چاہے بے دھڑک آ جا سکتی ہوں۔''

یعنی تمہیں اپنے انکل کا یہ گھر بطور سسرال قبول نہیں؟'' انداز کسی قدر شرارت سے پُر تھا۔ مگر ساہیہ کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہوئی تھی۔

''اذہان! تم میرے لئے کیا لاؤ گے؟''

''تمہارے لئے؟ ـــــــ سوچنے دو۔ تمہارے لئے تو نہیں مگر میں اپنے لئے ایک میم ضرور لاؤں وہ ہنسا تھا۔ ''کم آن یار! میں تم جیسی دیسی لڑکی کو سنبھال لوں، یہی بہت ہے میرے لئے۔ تم ایک بہتیری ہو۔'' ایک دلچسپ سی بات بہت سرسری انداز میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ ساہیہ خان اس کی یں اٹھا کر چپ چاپ سوٹ کیس میں رکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــــ تمہیں اچھا نہیں لگا میرا تمہیں ترجیح دینا؟'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''اذہان! پلیز، میں اس معاملے کو ڈسکس کرنا نہیں چاہوں گی۔'' لہجے میں چھپی پس پردہ درخواست کی خاص سماعت نہیں ہوئی تھی۔

''تو پھر کیا چاہو گی تم ساہیہ خان؟ مجھے بس میں کرنا، قابو میں کرنا یا مٹھی میں بند کرنا؟'' انداز میں رت نمایاں تھی۔ مگر ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔

''کیا ہے یار! اس روز کی ایک چھوٹی سی بات دل سے لگا کر بیٹھ گئی ہو۔ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتی ہو رف مذاق تھا۔ تمہارے علاوہ کسے چاہوں گا یار! میری ویران زندگی میں پہلی اور آخری آنے والی لڑکی ی ہو۔''

جھوٹ کی انتہا تھی۔ ساہیہ خان مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''اوہ، اچھا۔ تو تم نے یقین کر لیا۔ مگر ایک مزے کی بات بتاؤں، یہ بھی ایک مذاق تھا۔'' وہ ہنسا تھا۔ یہ خان نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ کا گولہ سا بنا کر اسے دے مارا تھا۔

''ی چاہے تو اوتھ لے لو۔ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔ اس سے زیادہ یقین دلانے کا کوئی طریقہ تو بتا دو۔'' بطور خاص توجہ سے تکتے ہوئے سوال کیا تھا۔ مگر ساہیہ خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''تم لڑکیوں کی ایک خرابی ہے۔ یقین نہیں کرتی ہیں۔''

''تمہیں کیسے تجربہ ہوا، تمہاری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی تو میں ہوں نا۔'' مسکراتے ری مائنڈ کر وا یا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"کچھ بھی ہو۔ میں تم سے شادی قطعاً نہیں کروں گی۔" اس نے برملا کہتے ہوئے اذہان حسن بخاری ک دیکھا تھا۔

"میرے اوتھ لینے کے باوجود بھی نہیں؟"

"نہیں۔" سر نفی میں ہی ہلا تھا۔

"کیوں؟" لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اس لئے کہ تم مجھے سوٹ نہیں کرتے ہو۔ ایک جھوٹے بندے کو میں اپنے لئے نہیں چن سکتی۔" و شرارت سے مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تم سنجیدہ نہیں ہوتا؟"

"تم سے کس نے کہا؟"

"تمہاری آنکھوں نے۔"

"آنکھیں پڑھنے کا فن آگیا ہے آپ کو؟"

"سیکھنا پڑا۔ تمہیں عمر بھر جھیلنے کا قصد جو کر بیٹھا ہوں۔" انداز میں شرارت واضح تھی۔ مگر ساہیہ خاز نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا اذہان حسن بخاری! ـــــ اتنے بڑے فیصلوں کے لئے قلیل لمحے ناکاز ہوتے ہیں۔"

"تو تم کثیر لمحوں کی تلاش میں ہو؟" براہِ راست آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ساہیہ خان سر جھکا کر سوٹ کیس میں اس کی ضروری اشیاء رکھنے لگی تھی۔

"یہ اتنے سارے پرفیوم لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ غالباً تم تو کسی خوشبو کے تعاقب مل رہے ہونا؟" چھیڑا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری کی سُوئی وہیں اٹکی تھی۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔"

"کس بات کا؟" وہ یکسر انجان بنی تھی۔

"ساہیہ! میں تمہیں کثیر لمحے دینے کو تیار ہوں۔ تم بہ غور جانچ پڑتال کرسکتی ہو۔" ایک پیشکش خار ہوئی تھی۔ ساہیہ خان نے چونکتے ہوئے سر اٹھایا تھا اور مسکرا دی تھی۔

"جا کہاں رہے ہو؟"

"اس کو چھوڑو۔ کہاں جانا چاہتا ہوں یہ دریافت کرو۔"

"اور کہاں جانا چاہتے ہو؟" وہ اس کی سنجیدگی پر مسکرائی تھی۔

"تمہارے دل تک۔" جواب مختصر اور انداز مدلل تھا۔

ساہیہ خان ساکت رہ گئی تھی۔ اس لہجے، اس انداز کی اُمید نہیں تھی اور وہ بھی ان لمحوں میں۔ وہ اا کی توقعات کو زیر کر رہا تھا۔

"حیران ہونے سے زیادہ ضرورت تعاون کرنے کی ہے ساہیہ! کچھ زیادہ نہیں تو صرف تھوڑا سا

ہی کردو۔" وہ واقعی سنجیدہ تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا تھا مگر کچھ سمجھ نہ پائی اذہان حسن بخاری چلتے ہوئے اس کے قریب آگیا تھا۔

وہ مت دیکھو ساہیہ! جو دکھائی دے رہا ہے۔ وہ دیکھو جو دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ زیادہ خاص باور کرایا تھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ساہیہ خان اس نئے تجربے پر کسی قدر حیران رہ گئی تھی۔

ہیں چاہتا ہوں ساہیہ! میں واپس آؤں تو تم مجھے اپنے متعلق سوچتی ملو۔ ایٹ لیسٹ تم کسی فیصلے پر لی ہو۔ میں تمہارے متعلق سنجیدگی سے سوچ چکا ہوں۔ بہتر ہوگا تم بھی سنجیدگی سے میرے متعلق شروع کردو۔"

یک خاص بات۔

یک خاص انداز۔

یک خاص توجہ کے ساتھ۔

ساہیہ خان کے لئے بدستور اس کی سمت دیکھتے رہنا دشوار ہوگیا تھا۔ یکدم ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالا رچلتی ہوئی سرعت سے باہر نکل گئی تھی۔ فوری طور پر یہ اقدام غنیمت لگا تھا۔

❄❄❄

بھی کبھی جس معاملے کو سلجھانے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے وہ اتنا ہی اُلجھتا چلا جاتا ہے۔ انابیہ کے ساتھ صورت حال کچھ مختلف نہیں تھی۔ دل کچھ بوجھل سا تھا۔ مگر اب اس نے قصد کرلیا تھا کہ وہ ا کے کئے کی سزا خود کو اور اپنی فیملی کو نہیں دے گی۔ تبھی وہ فریش ہوکر باہر آگئی تھی۔ ممی کچن میں تھیں۔

"ممی! چائے ملے گی ـــــ؟" خوشگوار موڈ شاید ممی کے لئے بھی حیران کن تھا۔ وہ چونکے بغیر نہیں ا تھیں۔

"کیا ہوا ممی؟ آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔"

"چینج اچھا نہیں؟"

"نہیں، بہت اچھا ہے۔" ممی مسکرائی تھیں۔ "تم دادا جی کے پاس جا کر بیٹھو، میں تمہارے لئے ے اور کچھ اسنیکس لے کر آتی ہوں۔"

"اوزی کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں، کسی کام سے شاید باہر گیا ہے۔ تمہیں اس موڈ میں دیکھے گا تو اسے بھی خوشی ہوگی۔ بہت کرتی ہو تم ہم سب کو۔"

"مجھے اندازہ ہے ممی! مگر پرامس، اب اور نہیں۔" یقین دلایا تھا۔

"اچھی بات ہے، تمہیں احساس ہوگیا۔ اب کم از کم ہم اپنی بیٹی کو اچھے موڈ میں دیکھ سکیں گے۔ خوش لہ پہلی والی انابیہ شاہ۔"

"میں بھی یہی سوچتی ہوں ممی! سب کچھ فراموش کر کے پہلی والی انابیہ شاہ بن جاؤں۔ اینی ویز، آپ

جلدی سے چائے بھجوا دیں۔ میں دادا ابا کے پاس ہوں۔" انابیہ شاہ کہہ کر نکل آئی تھی۔

دادا ابا کمپیوٹر پر بزی تھے۔

"دادا ابا!" کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکتی ہوئی وہ مسکرائی تھی۔

"اوہ، مائے جینئس چائلڈ۔" دادا ابا اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ وہ آگے بڑھ آئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ کسی سے چیٹ ویٹ؟" بھرپور شرارت سے مسکرائی تھی۔ دادا ابا مسکرا دیے تھے۔

"نہیں، کچھ ضروری کام تھا۔ تم بتاؤ، یہ آج اتنا بدلاؤ کیسے آ گیا؟ ــــــ وہ روتی بسورتی انابیہ شا کہاں چلی گئی؟"

"وہیں، جہاں سے آئی تھی۔ آج آپ کا چیس کھیلنے کا موڈ نہیں جو یہاں بیٹھے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"چیس کھیلنے کے لئے ایک عدد انٹیلکچوئیل پارٹنر کی ضرورت پڑتی ہے اور میرے پاس وہ ناپید ہے کچھ دنوں سے۔" دادا ابا مسکرائے تھے۔

"تو سمجھئے آج وہ مل گیا۔ کم آن، اٹھئے۔ آج میرا آپ کو ہرانے کا موڈ ہو رہا ہے۔ بہت دنوں سے اس دماغ سے کام نہیں لیا میں نے۔ پڑے پڑے کہیں زنگ ہی نہ لگ جائے۔" مسکراتے ہوئے ان کی چیزیں سمیٹی تھیں۔ دادا ابا مسکرا دیے تھے۔

"تو تم نے واقعی پروگرام بنا لیا ہے مجھے ڈی فیٹ کرنے کا؟"

"آف کورس دادا ابا! آپ اسے مذاق سمجھ رہے ہیں؟" وہ مسکرائی تھی۔ دادا ابا اُٹھ کھڑے ہو تھے۔

"ایک بات صاف ظاہر کرتی ہے کہ تم میری پوتی ہو۔ تم میں اسپورٹس مین اسپرٹ ہے۔ کچھ د اندھیرے میں رہ کر بالآخر اس بات کا احساس کر لیتی ہو کہ اس سے باہر کیسے نکلا جا سکتا ہے؟"

"یہ تو گڈ اور ہلدی سائن ہوا نا دادا ابا! آخر ایک بریگیڈیئر کی پوتی ہوں۔ یہ سارے گٹس مجھ م نہیں ہوں گے تو اور کس میں ہوں گے؟" انابیہ شاہ عرصے بعد مسکراتی ہوئی خود کو تر و تازہ محسوس کر ر تھی۔

* * *

میرب سیال کونے میں چپ چاپ کھڑی تھی۔

چارسُو ہنگامہ تھا۔ ہجوم تھا۔ شور تھا۔ سب انجوائے کر رہے تھے۔ ایک وہی تھی جو پانی سے بھر آنکھوں سے دھندلے دھندلے منظر کو کسی قدر یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی جینی پینی شینی یا پھر چارلی شارلی کے ساتھ ڈانسنگ فلور پر بزی تھا۔ ک اور کی بانہوں میں، کسی اور کی سنگت میں، کسی اور کے اتنے قریب۔ اسے دیکھنا خاصا برا تجربہ تھا۔ میر سیال اس سمت دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر نظر تھی کہ بار بار اسی سمت اٹھ رہی تھی۔ وہ شخص مسرور دکھائی د رہا تھا۔ زندگی جینا جیسے جانتا تھا وہ۔ اور ایک وہ تھی، اپنی زندگی کی نہج پر حیران کھڑی تھی۔ جسے نہ تو آ بڑھ جانے کے متعلق کچھ پتہ تھا نہ پلٹ جانے کے متعلق کوئی ادراک۔ وہ خود نہیں جانتی تھی وہ کیا چا

ازسراسیمہ سا تھا۔ وہ شاید واقعی حیران تھی۔ زندگی پر، فوری طور پر بدلنے والے رنگوں پر اور شاید

وسویٹ! گڈ یو ڈانس ود می آن دی فلور؟" وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ کسی کے پاس آ کر رکنے اور
ہنے پر مطلق نہ چونکی تھی۔ چونکی تب تھی جب اس شخص نے شستہ انگریزی میں اپنا سوال دوبارہ

ا ہم اس حسین شام میں ایک دوسرے کی بانہوں میں جھول سکتے ہیں؟ اس رنگین شام کو مزید
سکتے ہیں ایک ساتھ وقت بتا کر؟" وہ ساکت رہ گئی تھی۔ سر نفی میں ہلاتے ہوئے دھیان سردار
یدر لغاری کی طرف گیا تھا جو بہت مصروف دکھائی دے رہا تھا۔

تھینکس۔"

ن دلکشی، اتنی رعنائی اور اس پر تنہائی؟ کیا معاملہ ہے؟" کوئی افسوس کرتا ہوا حیران تھا۔ "کوئی فکر
ہیں۔ ہم ہیں نا سراہنے والے اور تمہاری اس اُداسی کو مٹانے والے۔ کم آن ــــــ مائے آرمز آر
مقامی شخص نے شستہ انگریزی میں کہتے ہوئے شانوں سے تھام کر اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا۔
یال کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ بے بسی بھی بہت واضح تھی۔ وہ آواز دیتی تو کسے۔
کسے۔ اپنا کون تھا یہاں؟ وہ تو کھلے آسمان کے نیچے ننگے سر تن تنہا کھڑی تھی۔

ن...... نہیں، آئی سیڈ نو...... تھینکس...... مجھے نہیں جوائن کرنا آپ کو۔ گو اوے۔" میرب سیال
ج کرنا چاہا تھا۔ اس بڑھتے ہوئے ہاتھ کو جھٹکا تھا۔ آنکھیں پانیوں سے بھری تھیں اور پل بھر میں
لی گئی تھیں۔ تنہا تھی وہ ایک دم ــــــ اکیلی، وقت کے رحم و کرم پر۔

م آن بیب! مائے آرمز آر اوپن فور یو۔" سامنے کھڑا شخص بدستور پیشکش پر مائل تھا۔

ب سیال کے لئے صورت حال کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ اسے جھٹک رہی تھی مگر وہ شخص باز
ہا تھا۔ شاید وہ جان گیا تھا وہ کتنی کمزور تھی، تنہا تھی۔

ب سیال کی بھیگتی آنکھوں کے سامنے سارے منظر دھندلا رہے تھے۔

ے پکارتی؟ کون آتا اس کی مدد کو؟

ذ ابھی کچھ دیر قبل کہہ گیا تھا۔

ی اِز اونلی اے گرل فرینڈ آف مائن۔"

جو بے توقیر کر گیا تھا، اسے معیار سے گرا گیا تھا۔

س انجوائے بے بی! دِس لائف اِز سو مچ بیوٹی فل۔ ایز لائیک یو۔ کم آن۔"

ن پانیوں سے لبالب بھری آنکھوں سے اس نے ایک بار پھر وہ ہاتھ جھٹکا تھا۔

ب...... سبک...... سبکتگین......!" بے ارادہ پکارنا چاہا تھا۔ مگر ہمت اتنی ناپید تھی کہ نام گلے میں
گھٹ کر رہ گیا تھا۔ آنسوؤں کے گولے کے ساتھ۔

حد سے زیادہ بے یار و مددگار تھی۔

شاید اس شام وہ واقعی تنہا، وقت کے رحم و کرم پر تھی۔ جو چاہتا سو کرتا۔

اپنی بے بسی پر ٹوٹ کر رونا آ رہا تھا۔

چہرہ متواتر بھیگتا چلا جا رہا تھا۔

کسی بھی طرح کی امید اس شخص سے رکھنا عبث تھا۔ اپنوں سے دور ایک پرائے دیس میں وہ پرائے لوگوں کے رحم و کرم پر تھی۔

بھیگتی آنکھوں کے آگے جیسے ایک دھند سی تھی۔ منظر بھی واضح طور پر دکھائی نہ دے رہا تھا اور جو دکھا دے رہا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کوئی اس کی مدد کو پہنچ چکا تھا۔ کوئی آ گیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جو مقامی شخص اس کے قریب کھڑا اُسے زچ کر رہا تھا اس گھڑی وہ اسے کسی سے بری طرح زدوکوب ہوتے دیکھ رہی تھی۔

میرب سیال نے پانیوں سے بھری آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کسی قدر بے یقینی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ جس کا انداز بے حد جارحانہ اور مشتعل تھا۔ اس لمحے وہاں موجود سکیورٹی گارڈز اسے قابو کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے مگر بری طرح ناکام تھے۔

میرب سیال ساکت سی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ چند سکیورٹی گارڈز اس پٹنے والے مقامی شخص کو وہاں سے لے گئے تھے۔ مگر سردار سبکتگین حیدر کی نظروں میں اب بھی اتنی ہی خفگی تھی۔ سکیورٹی گارڈز کی حراست سے نکل کر اس کی سمت آتے ہوئے اس کے چہرے کی کیفیات بہت متضاد تھیں۔

میرب سیال بے دم سی سانس روکے کھڑی تھی جب وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔ میرب نے اسے ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر میرب سیال نے وہی ہاتھ اس کے چہرے پر دے مارا تھا۔ ایک لمحے کو ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ تھا۔ آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ جیسے وہ خود پر حتیٰ الامکان قابو پانا چاہتا تھا۔ مگر میرب سیال کو رتی بھر فکر نہ تھی۔ اسے بچانے آنے کی یہ قیمت بہت کڑی تھی۔

”بیوی...... بیوی نہیں ہوں میں تمہاری...... یہی...... یہی کہا تھا ناتم نے؟ گرل فرینڈ بنا کر لائے تھے ناتم مجھے یہاں؟ تو پھر اب کیوں آئے؟ کیوں نہیں چھوڑ دیا مجھے انہی درندوں کے رحم و کرم پر؟...... گرل فرینڈ کے ساتھ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ بیوی کیا ہوتی ہے...... اس کی عزت کیا ہوتی ہے۔ کبھی رشتے بنائے ہوں، نبھائے ہوں تو کچھ خبر بھی ہو...... نام کے رشتے بنا کر رشتے برتا نہیں جاتے۔ بیوی کی جگہ کیا ہوتی ہے اور گرل فرینڈ کی کیا؟ تم ابھی تک نہیں سمجھے ہو۔ اور سمجھو گے بھی نہیں۔ جب تم بیوی کو محفلوں میں لا سکتے ہو...... اس کے سامنے کسی کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر ناچ سکتے ہو تو کوئی تمہاری بیوی کی سمت بھی اسی خواہش سے بڑھ سکتا ہے۔ عجب تو کچھ نہیں ہوا۔ پھر کیوں اتنے برہم دکھائی دے رہے ہو مسٹر سردار سبکتگین حیدر لغاری......؟“ آنکھوں میں دیکھتی ہوئی درشت انداز میں وہ دریافت کر رہی تھی۔ مگر لب بھینچے کھڑے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط آہنی ہاتھ

ہی اس کا ہاتھ گرفت میں لیا تھا اور جارحانہ انداز میں کھینچتا ہوا اس ماحول سے نکل آیا تھا۔ کوئی بپھرا ہوا شیر لگ رہا تھا جو اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش میں تھا۔ میرب سیال کو اب یں تھا۔ اسے نتائج کی پرواہ نہیں تھی۔ اُسے اُس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ... ہر قسم کے خوف سے دامن چھڑا چکی تھی وہ...... جو ہوتا سو ہوتا...... اپنا ہاتھ آہنی گرفت رحانہ انداز میں اسے لے کر آگے بڑھتے شخص کو، اس کی پشت کو وہ دیکھ رہی تھی۔ مگر اب نہ آنسو تھے، نہ ہی کسی قسم کا کوئی خوف۔ جیسے اب وہ جینا سیکھ چکی تھی۔

دل اور دماغ جب دو مختلف سمتوں پر ہوں، انہیں ایک سمت میں لانا آسان نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس
میں کی جانے والی کوشش کامیاب......!

پتہ نہیں وہ اس ضمن میں واقعی کامیاب تھی بھی یا کہ نہیں ـــــ مگر یہ سب کرتے ہوئے دل
مشکل میں تھا۔

وہ اندھیرے میں کھڑی تھی۔ اگینے اسے دیکھ کر کسی قدر پریشانی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

"ساہیہ! کیا ہوا؟ ـــــ اس طرح اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو؟"

"پھپھو! آپ کو وہ طریقہ معلوم ہے جس میں سب کو خوش رکھنے کے ساتھ ساتھ خود کو مطمئن رکھنا
آتا ہو؟" ساہیہ مسکرائی تھی۔ مگر لبوں پر بڑی ہی بجھی بجھی مسکراہٹ تھی۔

"کیوں، کیا ہوا؟ ـــــ تم اس طرح کیوں سوچ رہی ہو؟"

"کیونکہ ـــــ کیونکہ پھپھو! ـــــ مجھے لگ رہا ہے میں باوجود کوشش کے ویسا نہیں کر پا رہی
جیسا کرنا چاہتی ہوں۔ دل و دماغ دو مختلف سمتوں پر چلنے کو مائل ہیں اور......" بات ادھوری چھوڑ۔
ہوئے وہ خاصی الجھن میں دکھائی دی تھی۔ اگینے نے اس کے شانوں پر ہاتھ دھر دیئے تھے۔

"یہ ہماری ساہیہ، جس کے پاس ہر مشکل کا حل موجود ہے، ہر تالے کی، کی موجود ہے آج اتنی
کیوں دکھائی دے رہی ہے؟ ـــــ تم تو اپنی ایک مسکراہٹ سے کسی دشمن کا بھی دل جیت سکتی ہو۔
دردمند، حساس دل رکھتی ہو۔ پھر اتنی مایوس کیوں ہو؟" اس کے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے اگینے
مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"پھپھو! دل جیتنا الگ بات ہے اور دل میں گھر کرنا دوسری بات۔ اور آپ کی ساہیہ اس بار
ناکام رہی ہے۔ شاید اس لئے بھی کہ خواہشوں کے الاؤ اسے جلانے لگے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی
جذبات سے دامن چھڑا نہیں پا رہی ہے۔ بھول نہیں پا رہی ہے کہ وہ بھی ایک لڑکی ہے اور ایک دل
ہے۔ اور اس دل میں لاتعداد خواہشیں جوکروں کی طرح، جوک مار کر اور مسکرا مسکرا کر وہ دوسروں کے
پر مسکراہٹ تو لا سکتی ہیں۔ انہیں مطمئن و پُرسکون تو کر سکتی ہے مگر اس سب میں وہ خود کہاں ہے؟ اس
ذات کہاں ہے؟" مدھم لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

اگینے کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"پھپھو! کوئی آپ کو نہیں چاہتا، محبت نہیں کرتا، یہ سننا جھیلنا آسان ہے۔ مگر کوئی کسی اور سے محبت

آپ سے محبت نہیں کرسکتا، یہ جھیلنا آسان نہیں ہے۔"
کت رہ گئی تھی۔
! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ اس کی خواہشوں میں کوئی اور ہے......اور......"
سے اذہان نے کہا؟" اگینے کا لہجہ دھیما تھا۔ کسی قدر حیرت سے بھرا۔
ـــــ میں بے وقوف نہیں۔ میں یہ بات جانتی ہوں۔"
ـــــ کیا طے کیا تم نے؟"
ـــــ یہی تو پرابلم ہے پھپھو! میں کسی نتیجے پر ہی پہنچ نہیں پا رہی ہوں۔" وہ مسکرائی تھی۔ "شاید
استے اسی قدر کٹھن اور مشکل ہوتے ہیں۔" لہجے میں ایک یاسیت تھی۔ مگر اگینے کچھ نہیں بولی
لمحے نظروں میں ایک گہرا کرب دکھائی دے رہا تھا۔

❄❄❄

شاہ! ـــــ زندگی کو جینے کی صورت اور ہوتی ہے اور بسر کرنے کی اور۔ جینے کے ڈھنگ
تے ہیں اور بسر کرنے کے طریقے خود سے وضع کرنے پڑتے ہیں۔ اور میں دوسری کیفیت کو
والوں میں سے ہوں۔ میرے خیال میں زندگی کا کوئی فریزنگ پوائنٹ نہیں ہوتا۔ ہو بھی نہیں
اتھ چلے نہ چلے ـــــ رہے نہ رہے۔"
سوفٹ ڈرنک کے سپ لیتی ہوئی بہت پُراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ انابیہ شاہ کے پاس
کچھ نہ تھا۔
ب بند، سو بند۔ میں کسی معاملے کو دوبارہ ہوا نہیں دینا چاہتی۔ اس لئے پلیز تم یہ مصالحت
کے طریقے سوچنا بند کر دو ـــــ میں جانتی ہوں، یہ ساری کوششیں ناکام ہونے والی ہیں۔"
! تم جانتی ہو وہ لڑکی کون ہے؟" جھکی نظروں میں کوئی ندامت سی تھی۔
مسکرادی تھی۔ انداز بجھا بجھا سا تھا۔
فرق پڑتا ہے؟ ـــــ کوئی بھی ہو۔ مسائل کم تو نہیں ہیں جو مزید بڑھائے جائیں۔ تم نے بتایا
بتا رہی تھیں تمہارے لئے کوئی پروپوزل آیا ہے ـــــ اور تم اسے مسلسل ریجیکٹ کر رہی ہو۔
ہے؟ ـــــ بہت گھنی ہو تم ـــــ مجھ سے بھی چھپانے لگی ہو؟" لامعہ حق کا لہجہ معمول کا سا تھا۔
نظریں چرا گئی تھی۔
تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں لامعہ!"
؟ ـــــ بتاؤ نا۔" وہ مسکرائی تھی۔ مگر تبھی اس کے پرسنل سیل پر ایس ایم ایس کی مخصوص ٹون بجی
کرین پر ساری توجہ صرف کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اور اس کی طرف معذرت طلب نظروں سے
۔

یار! ـــــ ہم پھر بات کریں گے۔ مگر آئی مسٹ سے ـــــ خواہ مخواہ کی فکریں پالنے کی
ہے۔ اگر لڑکا اچھا ہے تو فوراً اُسے ہاں کہہ دو ـــــ ریفوز کرنے کا آپشن پھر کسی وقت اور

موقع کے لئے اٹھا رکھو۔ اوکے ـــــ پھر ملیں گے تو بات کریں گے۔" لامعہ حق عجلت میں اسے چھو نکل گئی تھی۔ مگر وہ تا دیر وہیں بیٹھی اپنی اُلجھنوں کو لے کر اُلجھتی رہی تھی۔ جانے کب یہ سلسلہ تھمتا تھا کہاں جا کر تھمنا تھا۔ تھمنا بھی تھا یا کہ نہیں؟

وہ مکمل طور پر شکست خوردہ دکھائی دے رہی تھی ـــــ قصور اس کا کہیں بھی نہیں تھا۔ مگر وہ خود کو م مجرم سمجھ رہی تھی۔ حالات سبھی کے سبھی اس کے مخالف تھے اور وہ سد باب ڈھونڈتے ڈھونڈتے نڈھال تھی۔

* * *

کچھ پھول چننے
کچھ خواب بُننے.......
چلے تھے تو قدم مگر.......
راستوں نے پیروں میں بچھے تمام رستوں کو
اور دور کر ڈالا.......
خاک میں ملا ڈالا
کھو گئے سبھی رستے
رنگِ شہر بھی اُجڑ گیا
نگاہ سے نگاہ کا واسطہ.......
ہر رابطہ.......
فاصلوں سے اٹ گیا.......

سارا سفر ختم ہو گیا تھا ـــــ راستے ختم ہو گئے تھے اور قدم گرد سے اٹ گئے تھے۔ جہاں تھے قدم، پڑاؤ دوبارہ وہیں آن پڑا تھا۔

سیفی، سبھی دوسرے کزنز، بے جی اسے دیکھ کر حیران تھے۔

"تم اس طرح مجھے گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" سیفی کے دیکھنے پر وہ تمام صورت حال کنٹرول" ظاہر کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"میں تمہاری آنکھوں میں وہ رنگ تلاشنے کی کوشش کر رہا ہوں جو تم اپنے لہجے میں ظاہر کر کوشش کر رہی ہو۔" سیفی مسکرایا تھا۔ میرب سیال لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ پھر مسکراتی ہوئی شکو نظروں سے بے جی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"نانو! دیکھ لیں ـــــ کیسی فضول باتیں کر رہا ہے یہ سیفی کا بچہ۔"

"سیفی! ـــــ بری بات ہے بچے۔ بہن کو اس طرح نہیں ستاتے۔" ممانی نے سیفی کو گھر کا مسکرا دیا تھا۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ اتنے دنوں بعد یہاں واپس آئی ہوں میں۔ پاپا اور دیگر لوگ تو

ایسے میں، میں اپنے ننھیال نہیں آؤں گی تو اور کس کے پاس جاؤں گی؟" سیفی مسکرا دیا تھا۔ بے جی ے چپت لگائی تھی۔

کیوں خواہ مخواہ چھیڑ رہا ہے ـــــ میرو! تُو سنا، وہاں سب ٹھیک تو ہے نا؟" مظہر کی طبیعت پہلے تر ہوئی یا نہیں؟"

جی ـــــ بہت بہتر ہیں پہلے سے۔"

مظہر بھائی نے تو حد کر دی۔ سارے ربط ہی توڑ دیئے۔ اتنی دوری آن پڑی ہے درمیان کہ حال پوچھنے سے بھی گئے۔" منجھلی ممانی نے شکوہ کیا تھا۔ لہجے میں ایک افسوس تھا۔

کیا ہو سکتا ہے؟ ـــــ بندہ تو کوشش کر سکتا ہے، سو ہم نے کی تھی۔ مگر وہی مائل نہیں رہے کبھی۔" اموں اشتیاق کے لہجے میں بھی افسوس تھا۔

بے جی خاموشی سے جیسے کچھ سوچنے لگی تھیں۔ وہ جانتی تھی اس لمحے ان کے ذہن و دل میں کیا سوچیں ی ہوں گی۔ سو ان کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"نانو! میں نے وہاں ایک شے کو بہت زیادہ مس کیا۔ آپ جانتی ہیں کیا؟ ـــــ آپ کے ہاتھ سے ئی دیسی سویوں کو۔ سچ، بہت یاد آئیں۔" وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہی تھی۔ نانو مسکرا دی تھیں۔ پھر ے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"میں تو تیرا ہی چہرہ دیکھ کر جی رہی ہوں۔ تیرے نین نقش مجھے گمشدہ رشتوں کا احساس دیتے ہیں۔ تُو ہے تیری شکل ہُو بہو اپنی ماں جیسی ہے؟"

"ہاں ـــــ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ماما کی شکل آپ سے بھی بہت ملتی تھی۔" میرب سیال ائی تھی۔

"ہاں۔ مگر عادتیں اُس کی ساری کی ساری اپنے باپ جیسی تھیں۔ مجال ہے جو کسی بات کو برا مان کر دل لگا لے۔ ہر دم مسکراتا چہرہ۔ دشمن نے بھی دل دُکھا دیا تو جواباً اُسے سُکھ ہی دیا۔" بے جی پرانی یادوں وئی دکھائی دے رہی تھیں۔

"پھر تو اپنی میرب صاحبہ بھی بالکل انہی پر گئی ہیں۔ یہ بھی اپنے دشمنوں کو کشادہ دلی سے نہ صرف کرتی ہیں بلکہ دل سے برداشت کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔" سیفی مسکرا رہا تھا۔ مگر میرب سیال ں پر کسی طرح کی کوئی مروت سے بھری مسکراہٹ بھی نہ آ سکی تھی۔ وہ کسی طرح کی مروت کا مظاہرہ نے میں یکسر ناکام رہی تھی۔

"میری تو خواہش تھی اپنے سیفی کے لئے مظہر بھائی سے تمہیں مانگتی۔ مگر خیر جو خدا کو منظور، خدا نصیب کرے۔" بڑی زیب ممانی نے خواہش کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ بے جی نے انہیں کسی قدر خفگی سے تھا۔

"نصیبوں کے کھیل ہیں سارے ـــــ جو لکھا ہو، وہ ہو کر رہتا ہے۔ خدا نے جس کے ساتھ اس کا بنایا ہے، خدا جوڑی بنائے رکھے۔"

”آمین۔ یوں بھی مجھے ایسے انوکھے لوگوں کو جھیلنے کی عادت نہیں۔“ سیفی مسکرایا تھا۔

”ہاں ـــــ مگر تم جھیل تو اب بھی رہے ہو۔“ میرب نے بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا تھا۔

”ہاں۔ مگر اس طرح سے جھیلنے میں اور اُس طرح سے جھیلنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کا مطلب کم کم تم تو سمجھ ہی سکتی ہو۔“ سیفی مسکرایا تھا۔ بات اگرچہ مذاق میں تھی مگر میرب کے لبوں پر کوئی مسکان نہ کھیلی تھی۔

”بہو! کچن میں دیکھ لو ذرا۔ رات کے کھانے میں اہتمام رکھنا۔ داماد پہلی بار آ رہا ہے۔ میرو! کب کہا تھا سبکتگین نے آنے کا؟“

”وہ نانو!...... کہا تو رات کا ہی تھا مگر.......“

”اگر مگر کیا؟ ـــــ ٹھیک سے بتاؤ نا ـــــ موصوف آنے والے ہیں یا کہ نہیں؟ ہاتھ میں سیل فو ہے۔ کال کر کے کنفرم کر لو۔ اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہو؟“ سیفی نے کہا تھا۔

وہ ناچار نمبر ملانے لگی تھی۔ مگر دوسری جانب رسپانڈ نہیں کیا گیا تھا۔ نتیجتاً وہ سلسلہ منقطع کر کے ان س کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

”غالباً بزی ہیں۔“

”اور اگر وہ لینے بھی نہ آئے تو؟“ کزن حورعین نے چھیڑا تھا۔

”تو کیا ـــــ ہم نے اپنی بیٹی کو گھر سے تو نہیں نکالا ہوا۔ وہ تو مظہر بھائی ہی نے گڑبڑ کر دی۔ بیٹ نکاح کے دو بول پڑھوا کر رہنے کے لئے سسرال میں چھوڑ دیا۔ اتنی بڑی ننھیال کے ہوتے ہوئے، پرا گھر کا انتخاب کیا بیٹی کے رہنے کے لئے۔ بات اگر چند دن کی بھی تھی تو ننھیال کیا برا تھا؟ مظہر بھائی نے ایک طرح سے طمانچہ مارا ہے ہمارے منہ پر۔“ بڑی ممانی صاف گوئی سے بولی تھیں۔ بے جی جواباً خامو رہی تھیں۔

”بھابی ثمینہ ٹھیک کہہ رہی ہے بے جی! لوگ انگلیاں اٹھا رہے ہیں ہم پر۔ مظہر سیال نے ایسا کر ٹھیک نہیں کیا۔ سگی ننھیال پر اعتبار نہیں، غیر لوگوں پر بھرپور اعتماد ہے۔ اس سے زیادہ ذلت ہماری اور کیا گی؟“ سمیع ماموں نے بھی دبا دبا احتجاج کیا تھا۔ میرب سیال کے پاس سوائے خاموشی سے سر جھکا جا کے اور کوئی راہ نہ تھی۔

”آؤ، ہم ٹیرس میں چلتے ہیں۔ یہاں کچھ گھٹن سی ہو رہی ہے۔“ ہادیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہو تھی۔ اور اسے اس بوجھل بوجھل ماحول میں وہ لمحہ غنیمت لگا تھا۔

ڈھیر سارے کزنز کے جھرمٹ میں ـــــ خوشگوار ماحول میں بھی اسے کئی طرح کی کثافتوں کا سا تھا۔ شاید یہ موسم اس کے اندر کے تھے۔ سیف نے اُسے خاموشی سے دیکھا تھا مگر کچھ دریافت نہیں کیا

* * *

”کتنے دن ہو گئے نا ہمیں ڈھنگ سے کچھ انجوائے کئے ـــــ نہ کوئی آؤٹنگ نہ بلاوجہ کا آؤٹ، نہ شاپنگ، نہ کوئی اور مصروفیت۔ کوئی لطف نہیں۔“

لامعہ حق کا لہجہ اس کے اندر کی صاف چغلی کھا رہا تھا۔ حالانکہ اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ کرتی ہوئی وہ بہت پُر اعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ اس کے اندر کے تمام انتشار جیسے دیکھ ی۔

”لامعہ! ـــــ تمہاری اس کیفیت سے میں خوش نہیں ہوں۔ تمہاری یہ کیفیت مجھے اندر سے بہت رہی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے میرا اندر بھرپور تمازتوں میں گھر گیا ہے۔ سارا وجود جل رہا ہے۔“

”اور دور تک چھاؤں کہیں نہیں ہے۔“ لامعہ حق نے معمول کے انداز میں مسکراتے ہوئے اس کا جملہ کیا تھا اور ہنس دی تھی۔

”انابیہ! ـــــ تمہاری دوست اب اتنی کمزور بھی نہیں ہے۔ اور تم جانتی ہو مجھے بے کار کے روتے تے چہرے بہت برے لگتے ہیں۔“ انابیہ مسکرا دی تھی۔

”انابیہ! میں اپنی اس پرانی دوست کو بہت مس کر رہی ہوں جو تمام غموں سے، دُکھوں سے واقعی دوستی رکھتی تھی۔ جسے بلاوجہ کے واہموں اور خدشات سے کچھ واسطہ نہ تھا اور جو زندگی کو جینا جانتی تھی۔ مگر بہت اچھی سی انابیہ کے ساتھ۔“ لامعہ حق مسکرا دی تھی۔ مگر انابیہ شاہ ایسی کوئی کرٹسی نہیں دکھا سکی تھی۔ آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے اسٹیئرنگ پر دھرے نازک ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

”لامعہ! میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔“ انابیہ شاہ نے مضبوط لہجے میں کہا تھا

”کیا؟“ لامعہ حق سننے پر مائل نظر آ رہی تھی۔ مگر انابیہ لمحہ بھر کے لئے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ شاید بہت ت درکار تھی۔ مگر اُسے یہ سب کہنا تھا۔ کم از کم وہ اپنی بہترین دوست کو کسی قسم کے اندھیرے میں رکھنا ں چاہتی تھی۔ نقصان پہنچانا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لئے کہنا بے حد ضروری تھا۔

”لامعہ! میں تم سے چھپانا نہیں چاہتی۔ نہ ہی اب چھپاؤں گی۔ عفنان علی خان کی زندگی میں آنے لی دوسری لڑکی کوئی اور نہیں، میں ہوں۔“ انابیہ شاہ نے سچ کہا تھا۔ ایک لمحہ سکوت رہا تھا۔ لامعہ حق کی اڑی کو یکدم بریک لگے تھے اور وہ بے حد حیرت کے ساتھ اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

”لامعہ! پلیز ـــــ تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری خیر خواہ نہیں ہوں یا تمہاری مخلص نہیں ہوں۔ مجھے ی نہیں پتہ یہ سب کیونکر اور کیسے ہو گیا۔ کیسے عفنان علی خان میری محبت میں اس درجہ گرفتار ہوا۔ مگر میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ اور اسی لئے میں نے کبھی بھی اس کی کسی طرح سے کوئی پذیرائی ں کی۔ اگرچہ وہ تم سے تعلق توڑ چکا ہے مگر میں اب بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ تمہاری طرف لوٹ جائے، مجھے پروپوزل بھجوانے والا کوئی اور نہیں، عفنان علی خان ہی ہے۔ مگر میں نے اس کے پروپوزل کو رد کر دیا ہے۔ میں اس سے کسی طرح کا کوئی ریلیشن شپ نہیں چاہتی۔ اس کے برعکس میں اس کے اور تمہارے ریان پل کا کام کرنا چاہتی ہوں۔ میری کوشش ہے تم دونوں کے بیچ پھر سے وہی تعلق قائم ہو جائے۔“ بیہ شاہ مخلصانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ مگر لامعہ حق جیسے کسی عالم سکوت میں تھی۔

انابیہ شاہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی، اپنا کوئی قصور نہ پاتے ہوئے بھی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

”لامعہ! آئی ایم سوری، اگر تمہارا دل میری وجہ سے دُکھا ہے۔ مگر میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا۔“ ناکردہ

جرائم کی وضاحت دیتی ہوئی وہ بہت مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

”اسٹرینج ــــ ویری اسٹرینج۔“ وہ ابھی تک حیرت میں تھی۔ لہجہ متاسف تھا۔ ”مجھے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا ــــ اور وہ تم تھیں ــــ“

انابیہ شاہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔ عجب ایک پاگل پن کا سا انداز تھا۔ وہ ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

”نہیں انابیہ شاہ! تم وہ ہرگز نہیں ہو جس سے میں نفرت کر سکوں یا نفرت کروں۔ بالکل بھی نہیں، کوئی اور ہوتا تو بات بھی تھی۔ مگر تم .... تم سے میں چاہوں بھی تو نفرت نہیں کر پاؤں گی۔ سچ کہوں تو میں ابھی تک یقین بھی نہیں کر پا رہی ہوں کہ وہ تم ہی ہو ــــ میری اپنی دوست، میری انابیہ۔ ایک ساتھ، ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلتے بچپن گزرا ــــ کبھی تم میرے گھر اور کبھی میں تمہارے۔ کبھی کوئی تفریق درمیان رہی ہی نہیں۔ اور آج۔“ وہ مسکرا دی تھی۔ ”تمہیں یاد ہے انابیہ! ہم بچپن میں ایک جیسے کھلونوں اور چیزوں کی طرف ایک ساتھ مائل ہوا کرتے تھے۔ جو شے تمہیں اچھی لگتی تھی وہی مجھے بھی اچھی لگتی تھی۔ اور اس بات کو لے کر اکثر ہم میں جھگڑا بھی ہو جایا کرتا تھا۔ مگر ہم زیادہ دیر تک دور نہیں رہ پایا کرتے تھے اور نتیجتاً پھر ساتھ ہوتے تھے۔ اور آج ....“ وہ لیک تاسف سے شانے اچکاتی ہوئی ونڈ اسکرین سے پار دیکھنے لگی تھی۔

انابیہ شاہ خاموش نہیں رہ سکی تھی۔

”تم غلط سمجھ رہی ہو لامعہ! میرا اعفنان علی خان میں کبھی کوئی انٹرسٹ ڈی ویلپ نہیں ہوا ــــ اور نہ ہی ہوگا۔“

”ہاں ــــ میں جانتی ہوں۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے اور میں تم سے کتنے سنسیئر ہیں۔ میں جانتی ہوں تمہارا کبھی کوئی قصور اس میں رہا نہیں ہوگا۔ میرا یقین تم پر مجھ سے بہت زیادہ ہے۔“ لامعہ کے لبوں پر دھیما سا تبسم تھا اور انابیہ شاہ کی نظروں میں بے یقینی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولنا چاہے تھے مگر اس سے قبل ہی لامعہ حق اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولی تھی۔

”ڈونٹ تھنک اینی مور انابیہ! آئی سیڈ دیٹ آئی بلیو ــــ یقین ہے تو پھر کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ تو لیکھ نہیں نا، ساری بات ان کی ہے۔ یو مسٹ بی اے لکی گرل۔“ تبسم بجھا بجھا سا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

انابیہ شاہ گھر آنے تک خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ کہنے سننے لائق کچھ باقی نہ بچا تھا جیسے۔ ان کے گھر کے باہر گاڑی رکی تھی اور انابیہ شاہ نے لامعہ حق کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اسی دوستانہ انداز میں مسکرا دی تھی۔

”کل میرا شاپنگ کا موڈ ہو رہا ہے۔ اگر وقت ہو تو فون کر دینا۔ ہم پروگرام ڈن کر لیں گے۔“

انابیہ شاہ نے سر ہلا دیا تھا۔ لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے گاڑی بڑھا دی تھی۔

انابیہ شاہ تا دیر وہیں کھڑی رہی تھی۔

دراس کا کہیں نہیں تھا۔ مگر اس کے اندر ایک گلٹ پھر بھی تھا۔ وہ گلٹی فیل کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی ہ حق کی وہ مسکراہٹ، وہ تبسم جھوٹا تھا اور یہ بات اسے لامعہ سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

* * *

پتہ نہیں فارحہ بھابی! مجھے یہ بات کہنا بھی چاہئے یا نہیں۔ مگر مجھے جانے کیوں ساہیہ اور اذہان اس ے خوش دکھائی نہیں دیتے ــــ انہوں نے مجھ سے ایسا کچھ کہا تو نہیں، مگر بہت سی باتوں کے کہنے ے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔“

ایسا کچھ نہیں ہے اگینے! اذہان نے خود اس رشتے کے لئے مجھے اپنی رضامندی دی ہے۔ اور رہی ماہیہ کی، تو لڑکیاں عموماً اس معاملے کو لے کر کسی قدر اپری ہنسو ہوتی ہیں۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ نساس ہوتی ہیں۔ ساہیہ اور اذہان کو چھوڑو، تم اپنی بات کرو۔ واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟ کتنا زر گیا، روحیل نے پلٹ کر خبر کیوں نہیں لی؟ تم دونوں کے درمیان سب ٹھیک تو ہے نا؟“ مسکراتے بظاہر نارمل انداز میں دریافت کیا تھا۔ مگر اگینے کے چہرے کی کیفیت ایک پل میں متغیر ہوئی تھی اور یں چرا گئی تھی۔

”کیا ہوا؟ ــــ برا مان گئیں؟ میں تو صرف مذاق کر رہی تھی۔ میرا مقصد یہ نہیں تھا۔“ فارحہ نے ت چاہی تھی اور اگینے جیسے اس لمحے ایک کرٹسی سے مسکرائی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے بھابی! آئی ڈونٹ مائنڈ دیٹ۔“

”تو پھر اگینے! مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے ان آنکھوں میں کچھ ہے۔ کوئی ایسی بات جو تم سب سے اچاہ رہی ہو۔ حتیٰ کہ خود سے بھی۔“

فارحہ کا انکشاف اگینے کو حیران کر دینے کو کافی تھا۔ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

فارحہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا اور بہت ملائمت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی ا۔

”اگینے! کبھی کبھی بھید کو بھید بنائے رکھنے سے زیادہ مشکل بھید کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بات تمہیں ان کر رہی ہے تو تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو ــــ الجھاؤں کو زیادہ دیر تک نہ سلجھایا جائے تو پیچیدگیاں ے لگتی ہیں۔“ مشورہ مخلصانہ تھا مگر اگینے کچھ نہیں بولی تھی۔

* * *

خدشات کبھی کبھی درست بھی ہوتے ہیں۔

میرب سیال کو جو لگا تھا وہ درست ہی تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے نہیں لینے آیا تھا۔ غالباً مائی سانے ڈرائیور بھجوا دیا تھا۔

نانو، ماموں، ممانیوں نے کوئی وضاحت نہیں مانگی تھی مگر وہ اپنی جگہ جیسے چور سی بن کر رہ گئی تھی۔ لوٹی تھی تو وہ محل نما گھر اسی قدر ویرانیوں میں ڈوبا ملا تھا۔

دو دن پہلے جب وہ لوٹی تھی تو تب بھی اس نے اس گھر میں ایسا ہی سناٹا دیکھا تھا۔ یا پھر اس کے اندر

کا موسم ہی اتنا پُر وحشت تھا کہ سب کچھ اسی رنگ میں رنگا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اتنے عرصے کی کے باوجود مائی اماں کو بھی زیادہ وقت نہیں دے سکی تھی۔ اور آج صبح بھی جب وہ نکل رہا تھا وہ خاموشی گاڑی میں آن بیٹھی تھی۔

"نانو سے ملنے جانا ہے۔" مگر اس سے زیادہ کچھ کہنے کی زحمت گوارہ نہیں کرنا پڑی تھی اور کوئی اجنبی بن کر اس کی طرف سے توجہ کا ہاتھ کھینچ چکا تھا۔

بس لمحہ بھر کی بات تھی اور وہ نگاہ پھر سے اجنبی تھی۔ اور غالباً وہ لمحہ بھر کو جو نگاہ دانستہ اس پر ڈالی گئی وہ بھی بوجہ التفات نہیں بلکہ اس میں استفسار کا عنصر زیادہ غالب تھا۔ میرب سیال کوئی شکوہ کرنے کا محفوظ نہیں رکھتی تھی۔ سو چپ چاپ اس کی طرف سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"میرب!" وہ بے دھیانی میں زینہ طے کر رہی تھی جب مائی اماں کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکر تھی۔ وہ پلٹی تھی۔

"جی مائی اماں؟"

"بیٹا! اگر مناسب لگے تو کچھ وقت ہم ساتھ گزار لیں؟" وہ پوچھ رہی تھیں اور میرب سیال کو مناسب نہ لگا تھا۔ حالانکہ اس وقت وہ کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔ مگر وہ بے مروتی مظاہرہ نہیں کر سکی تھی اور چلتی ہوئی ان کی طرف آ گئی تھی۔

"کیا ہوا؟ ـــــ بہت تھک گئی ہو؟" مائی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے پوچھا تھا۔ وہ ایک مروت سے مسکرا دی تھی۔ کوئی جواب نہ تھا۔

"تم واپس کیا آئی ہو، میرے گھر کی تو جیسے روشنی لوٹ آئی ہے۔ زندگی تم ہی تو ہو۔ ٹھیک کہتے بیٹیوں کے دم سے ہی گھر میں رونق ہوتی ہے۔ بیٹوں کا کیا ہے، ٹکے ٹکے، نہ ٹکے گھر پر....... ہزار ہا وجہ کی مصروفیات پال رکھی ہوتی ہیں۔ مگر بیٹیاں....... بیٹیاں ماں باپ کا بے حد خیال رکھتی ہیں۔ ا وقت میں سے وقت نکال کر ماں باپ کو دیتی ہیں۔ ان میں بیٹوں کی بہ نسبت عقل مندی بھی زیادہ ہے اور مروت بھی۔" مائی اماں غالباً فقط اس خاموشی کو توڑنا چاہتی تھیں۔ تبھی بے معنی گفتگو بھی جاری چاہتی تھیں۔ اور میرب نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"سبکتگین حیدر تو یوں بھی زیادہ اس گھر میں نہیں رہتا۔ میرے دیور اور نندوں کی بچیاں بچے اکثر چھٹیوں میں آ جاتے ہیں اور تب اس گھر میں قدرے رونق ہو جاتی ہے۔ مگر اب مجھے ان کے آنے بالکل بھی کوئی انتظار نہیں۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ اب میری بیٹی جو میرے پاس آ گئی ہے۔ سچ، سارا سا میں ان بچوں کی چھٹیوں کا انتظار کرتی رہتی تھی کہ کب ان کی چھٹیاں ہوں اور کب وہ یہاں رہنے کے آئیں اور اس گھر کی خاموشی کچھ کم ہو۔" مائی اماں اپنی تنہائی اور اس گھر کی وحشت سے وابستہ کہانیاں کر رہی تھیں۔ مگر دوسری طرف میرب سیال خاموش تھی۔

"کیا ہوا؟ ـــــ بور ہو رہی ہے تُو؟ ـــــ میری باتیں لطف نہیں دے رہیں؟" مائی اماں نے نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔ میرب سیال نے فوری طور پر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ں ـــــ ایسی بات نہیں ہے۔"

پھر کیا بات ہے؟ جب سے تُو لوٹی ہے، خوش دکھائی نہیں دے رہی۔ جانے سے قبل بھی تیرے پریشانی والی کیفیت تھی۔ مگر یہ کیفیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ کوئی بات ہوئی بے حد ناگوار گزری ہے۔ مگر تُو اسے چپ چاپ جھیل رہی ہے۔ مجھے بتا، کیا ہوا؟ سبکتگین حیدر نے کچھ کہا تجھے؟" بات سچ تھی۔ وہ کوئی وضاحت نہیں کر سکتی تھی۔ مائی اماں کی نگاہ واقعی جہاندیدہ تھی پنے بیٹے سے بہت اچھی طرح واقف تھیں۔

برو! میرے بچے! یہ جو وقت تم دونوں کو ساتھ گزارنے کو دیا گیا تھا صرف اسی بات کے لئے تھا کہ ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ اور جان سکو۔ حالانکہ ایسا کچھ ضروری بھی نہیں تھا۔ ہمارے ہاں تو ہے کہ بس شادی ہو گئی تو نباہنا شروع ہو گیا۔ مگر میں نے ایسا اسی لئے چاہا تھا کہ میں سبکتگین حیدر ج سے اچھی طرح واقف تھی اور ہوں۔ میں جانتی ہوں اس میں کتنی خامیاں اور کتنی خوبیاں ہیں۔ ظر بچے کی ساری کمیوں کو دیکھ سکتی ہے اور میں بھی گین کے منفی پہلوؤں سے ناواقف نہیں ہوں یں جانتی ہوں کسی عام لڑکی کا گزارہ اس کے ساتھ ناممکن ہوتا۔ یکتا حُسن بھی کوئی خاص معنی نہ سے قائل کرنے اور زیر کرنے کے لئے حُسن اور عقل کی بیک وقت ضرورت تھی اور مجھے ایسے میں تخاب بہترین لگا۔ بیٹا! یہ مت سمجھنا کہ میں خود غرض ہوں اور گین کے مزاج کو جانتے بوجھتے میں لڑکی کو عذاب میں مبتلا کیا ـــــ تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہو۔ میں گین سے بڑھ کر تمہیں ہوں اور ہر معاملے میں میری فوقیت گین سے بڑھ کر تم ہو۔ اور تم ہی ہو گی۔ ایسا یقین دلا کر میں وئی سبز باغ نہیں دکھا رہی۔ اگر تم اسے خود غرضی بھی کہو تو یہ صرف اتنی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو راہِ پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم یہی کہو گی کہ کسی کا پیدا کیا گیا بگاڑ میں کیوں سدھاروں ـــــ میں کیوں ٹوں یا عذاب جھیلوں؟ تو بیٹا! میں صرف اتنا کہوں گی، مکمل کوئی شخص بھی نہیں ہوتا۔ گین کی پرسنالٹی خامیاں آ گئی ہیں وہ دور ہو سکتی ہیں اور ایسا صرف تم کر سکتی ہو۔ مجھے تم پر کامل یقین ہے۔"

ئی اماں پتہ نہیں واقعی سچ کہہ رہی تھیں یا کہ نہیں۔ میرب سیال کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسو بہت خاموشی ٹ ٹوٹ کر اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

ندر داخل ہوتے ہوئے سبکتگین حیدر لغاری نے اس منظر کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو قدم تھے۔ مائی اماں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ میرب بھی دیکھ چکی تھی مگر دانستہ نہ تو نگاہ اٹھائی تھی نہ اس ت توجہ کی تھی۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری بھی بے تاثر انداز لئے آگے بڑھ چکا تھا جیسے اسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ تو پھر ں آنسو بہا رہی تھی؟ میرب سیال نے سوچا تھا اور پھر یکدم آنکھیں رگڑتی ہوئی وہاں سے اٹھی تھی اور ھتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

* * *

ن بھر کی خواری کے بعد لامعہ حق نے اسے واقعی بہت تھکا دیا تھا۔ مگر انابیہ کو خوشی تھی کہ اس نے ایک

اچھا دن لامعہ حق کے ساتھ گزارا تھا۔ اور وہ بھی ایک عرصے کے بعد۔ لامعہ کی بہت سی خوشیوں م صرف اس کی خاطر، اس کے لئے شریک ہوتی تھی۔ اور ایسا کر کے اسے خوشی ہوتی تھی۔

”کیا ہوا؟ —— تھک گئی ہو؟“ ماما نے اسے دودھ کا گلاس تھماتے ہوئے پوچھا تھا۔

”نہیں ماما! بس ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔“

”اچھا لاؤ، میں سر میں تیل ڈال دوں۔“

”نہیں ماما! آپ پلیز زحمت نہ کریں۔“ اس نے تعرض برتا تھا۔

”زحمت کیسی؟ —— بچوں کے کام کر کے بھی کبھی ماں کو زحمت ہوئی ہے؟“ ماہ وش شاہ بیٹی ے میں تیل ڈالنے لگی تھیں۔

”ماما ——!“

”ہوں —— ؟“

”آپ کو کیا لگتا ہے، جو میں کر رہی ہوں یا جو میں نے کیا، وہ ٹھیک ہے؟“

ماہ وش شاہ کے ہاتھ لحہ بھر کو تھمے تھے اور پھر وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

”دیکھو بیٹا! ہم نے اپنے بچوں کی جیسی تربیت کی ہے، جیسی زندگی کے اصول سمجھائے ہیں، ان کی پر ہمیں مکمل یقین ہے کہ ہمارے بچے کبھی کوئی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ اسی یقین کو لے کر ہم نے تما فیصلے کا حق اپنے بچوں کے ہاتھ سونپ دیا ہے۔“ ماہ وش مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

”لیکن ماما ——!“ اُس نے گردن موڑ کر ماں کی طرف بے بسی سے دیکھا تھا۔

”تم مطمئن ہو نا —— ؟“ ماما نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

”ہوں ——“ عجب ایک الجھن میں انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”جب مطمئن ہو تو یقیناً تم نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ باقی کے وہموں اور خدشوں کو دل میں جگہ دے ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میرے لئے لامعہ اور تم برابر ہو —— میں لامعہ کو تمہاری طرح ہی عزیز ر ہوں۔ پھر میں ایک بیٹی کے لئے اچھا اور دوسری کے لئے برا کیسے چاہ سکتی ہوں؟ جب فاطمہ علی خا عفنان کا پروپوزل لے کر آئی تھیں، مجھے پتہ تھا تمہارا فیصلہ کیا ہوگا —— اس لئے میں نے یا ابا جی کوئی مداخلت نہیں کی اور فیصلے کا اختیار تمہارے ہاتھ دے دیا۔ مجھے اور ابا جی کو یقین تھا کہ تم کیا فیصلہ گی۔ اور تم نے کتنا ٹھیک کیا، اسے تم نے ثابت کر دیا۔“ ماہ وش بول رہی تھیں اور انابیہ رخ ان کی طر پھیرے خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”اتنا بھروسہ مجھ پر؟ —— اور اگر میں آپ کے بھروسے پر پوری نہیں اترتی تو؟“

”ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ اور ایسا ہوا بھی نہیں۔“ ماہ وش مسکرا دی تھیں۔ ”دیکھو بچے! عفنان کتنا ہونہار قابل لڑکا ہے یہ بات ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی۔ مگر یہ پروپوزل دنیا کا کوئی آخری پروپوزل نہیں ہو نہ ہی تھا۔ یہ بات تم بھی جانتی تھیں اور ہم بھی —— ہم اگر لامعہ کی بجائے اپنی بچی کی فیور کرتے تو یقیناً خود غرضی ہوتی —— عفنان علی خان کیا، اس جیسے لاکھوں لڑکوں کی پسند اور ترجیح تم جیسی لڑکی ہی

ے اور ہوگی بھی۔ مگر انابیہ شاہ کی ترجیح کیا ہوگی، یا کیا ہو سکتی ہے وہ اچھی طرح جانتی ہے۔“ ماہ وش ے پر مدھم سا تبسم تھا اور آنکھوں میں یقین۔ انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے ماں کے گلے میں بانہیں ں تھیں۔

اما! میں نے ساری حقیقت لامعہ سے کہہ دی ہے اور اس کے بعد میں بہت مطمئن ہوں۔ میں نے یا نا؟“

ہوں —— بالکل صحیح۔ ایسا کر کے تم نے بہت سے خدشوں اور واہموں کو اپنے ہاتھوں دفن کر دیا ساتھ ہی ان غلط فہمیوں کے انبار کو بھی جنہیں وقت کے ساتھ جنم لینا تھا اور سنگین ہونا تھا۔“ ماہ وش نے ے چہرے کو بہت پیار سے تھپتھپایا تھا۔ وہ بہت ہلکے پن کے ساتھ مسکرا دی تھی۔ یقیناً بہت سا بوجھ ل سے سرک گیا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے یہ؟ —— اکیلے اکیلے محبتیں سمیٹی جا رہی ہیں۔“ اوزی نے دروازے میں سے سر اندر ر دریافت کیا تھا۔ ماہ وش اور انابیہ مسکرا دی تھیں۔

”آجاؤ! —— میں ماما سے تمہاری شکایتیں کر رہی تھی۔“

”مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی —— ایک بری خبر ہے —— میں واپس جا رہا ہوں۔ اس لئے اب ں کوئی مزید تنگ نہیں کریگا۔“ اوزی مسکراتے ہوئے ایک بری خبر دے رہا تھا۔

”یہ کیا بات ہوئی بیٹا! اتنی جلدی؟“ ماہ وش شاہ نے شکوہ کیا تھا۔

”اور جلدی سے بھی زیادہ اچانک۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟“ انابیہ نے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

”زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی دو دن ہیں۔ ممی کا فون آیا تھا، وہاں نئے بزنس ئنٹ کے سلسلے میں میری ضرورت ہے۔ تم فکر مت کرو —— جلد فارغ ہو کر تمہاری شادی میں ت کے لئے دوبارہ واپس آؤں گا۔“ اوزی مسکرا دیا تھا۔

* * *

”ماہا کے لئے ایک لڑکا دیکھا ہے —— بہت اچھا نوجوان ہے —— اپنا بزنس اسٹارٹ کر رہا ہے۔ کے لئے بہت معقول رہے گا۔“ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ڈنر کرتے سعد حسن بخاری نے مطلع کیا تھا اور حہ حیران رہ گئی تھیں۔

”کون ہے؟ —— خاندان کیا ہے؟ —— فیملی بیک گراؤنڈ —— چال چلن؟“

”اس سب کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں تمہیں۔ سب چھان بین کر چکا ہوں میں۔ ہر طرف سے لئن ہو کر ہی میں نے بات کرنا مناسب خیال کیا ہے۔“ سعد حسن بخاری نے جتانے والے انداز میں للع کیا تھا۔

”پھر بھی —— کچھ تو پتہ چلنا چاہئے۔ اتنا بڑا فیصلہ ہم یونہی تو نہیں کر سکتے۔ بیٹی کا معاملہ ہے، ہم پرواہی تو نہیں کر سکتے۔ ایک نتیجہ ہم بھگت کر دیکھ چکے ہیں۔ مزید کی گنجائش نہیں نکلتی ہے۔“

”فارحہ! —— تم مجھے اپنے بچوں کا دشمن سمجھتی ہو۔ یہ کیا زہر کے بیج بو رہی ہو تم میرے خلاف

میرے بچوں کے دلوں میں؟ ـــــ میں کیا ان کے لئے برا سوچوں گا؟'' سعد حسن بخاری کا انداز الزا عائد کرتا ہوا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں کر رہی ہوں میں ـــــ میں صرف کچھ باتوں کی وضاحت چاہ رہی ہوں۔ جن ک ضرورت بھی ہے۔ آپ نے اذہان کے لئے فیصلہ کیا تو میں نے اسے تسلیم کیا۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہ بات کو تسلیم کرنے کے لئے میں پابند ہوں۔ اذہان کا اور ساہیہ کا معاملہ اور تھا۔ ساہیہ کے خاندان کو ہم جانتے ہیں۔ وہ اپنے ہیں۔ مگر اب جس لڑکے کے متعلق آپ بات کر رہے ہیں اس کا کوئی ایک بھی حوال آپ کے پاس نہیں ہے۔ اور میں اپنی بیٹی کو کسی بھی اندھے کنوئیں میں نہیں دھکیل سکتی۔ وہ اتنی ڈسٹرب ہے کہ ابھی تک پہلے ہی کی کیفیت سے باہر نہیں نکل پا رہی ہے۔ کسی لڑکی کی شادی ٹوٹ جانا معمولی بات نہیں ہوتی۔ آپ کی بیٹی پر کیا گزری، اس کا احساس آپ کو چاہے نہ ہو مگر مجھے بخوبی ہے۔'' فارحہ نے مدھم لہجے میں باور کرایا تھا۔

سعد حسن بخاری کی آنکھوں میں ناگواری واضح طور پر اتر آئی تھی۔

''مجھے احساس ہے فارحہ بخاری! ـــــ مجھے احساس ہے۔ تبھی تو یہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ عریبہ کا فرسٹ کزن ہے وہ۔ اور عریبہ نے ہی مجھے اس کے متعلق بتایا ہے۔ میں ملا ہوں اس سے ـــــ اور مجھے وہ ما کے لئے ہر لحاظ سے مناسب لگا ہے۔'' سعد حسن بخاری نے وضاحت دی تھی اور فارحہ اپنی جگہ ساکت ر گئی تھی۔

''وہ دوسری عورت ـــــ وہ اب فیصلے کرے گی میرے بچوں کی زندگی کے متعلق؟ اور آپ......''

فارحہ سے مارے صدمے کے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔ شدتِ جذبات سے ان کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گ تھی اور پورا وجود کانپنے لگا تھا۔ مگر سعد حسن بخاری کو اس کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔

''تم حماقتوں کے مظاہرے کر سکتی ہو، میں نہیں۔ ایک بار بیٹی کی شادی ختم ہو جانے کے بعد کون ہے جو اسے قبول لے گا؟ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہو؟'' سفاکی کی حد تھی۔

''آپ...... آپ یہ بات کہہ رہے ہیں...... کیا آپ نہیں جانتے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ غلطی آپ کی تھی۔ اس معصوم بیٹی کی نہیں، اس کے باپ کی تھی۔ جو باپ اپنے لطف کو دیکھتے ہیں ان کے بچوں کو اکی ہی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

''فارحہ!'' سعد حسن بخاری کا لہجہ پُرطیش تھا۔

''چلائیے مت ـــــ سچ سننے کی ہمت رکھئے اپنے اندر۔ آپ...... آپ اتنے سفاک ہو سکتے ہیں مجھے یقین نہیں ہو رہا۔ اپنی ہی بیٹی کے لئے، اپنی ماہا کے لئے آپ نے ایسی بات کی۔ وہ ماہا جو آپ کے لئے کبھی آپ کی ننھی پری تھی۔ وہ ننھی پری جسے آپ اتنا پیار کرتے تھے، آج آپ کے لئے......'' بھیگی آنکھوں کے ساتھ فارحہ مزید کچھ بول ہی نہ سکی تھیں۔

''تم جو بھی کہو ـــــ مگر میرا فیصلہ پھر بھی وہی رہے گا ـــــ مجھے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اپنے بچوں سے کتنا سنسیئر ہوں۔ میں جو کر رہا ہوں وہ ان کی بھلائی کے لئے ہی ہے۔'' سعد

خاری کا انداز حتمی تھا۔ وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور فارحہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔

روازے کے کنارے پر کھڑی ماہا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

* * *

ھان اور فاطمہ علی خان بچوں کے ساتھ ڈنر پر انوائٹ تھے۔ فاطمہ بطورِ خاص بھتیجے اور بہو سے ملنے ہیں۔ میرب ان کو بہت پسند آئی تھی۔

''ماشاء اللہ ـــــ میری بہو اتنی خوبصورت ہو گی ـــــ میں نے تو سوچا بھی نہ تھا۔'' فاطمہ نے سراہا

''گین یار! تمہارا تو واقعی جیک پوٹ لگ گیا ہے۔ اس لئے تم وہاں سے واپس آنے کو تیار نہ تھے۔'' ن علی خان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

میرب سیال کی نظر عین سامنے بیٹھے سردار سبکتگین حیدر لغاری پر پڑی تھی۔ کوئی خوشگوار تاثر چہرے پر نہ تھا۔ وہ مروتاً بھی مسکرا نہیں سکی تھی۔ وہ مروت نبھاتی بھی تو کس لئے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد اجنبی ہو چکا تھا اور عفنان علی خان اس سے قطع نظر دریافت کر رہا تھا۔

''بھابی! آپ کو پتہ نہیں ہے، آپ نے کمال کیا ہے ـــــ ایک اچھے خاصے بے راہ رو بندے کو راہ ال دیا ہے۔ اس کمال کے لئے آپ کا نام تو گینز بک میں آنا چاہئے۔ کیوں سردار صاحب! کیا تے ہیں آپ؟'' عفنان علی خان نے رائے چاہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نظر خاص ا میرب سیال پر ڈالی تھی۔

''درست فرماتے ہو ـــــ شک کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔'' جملہ خاص سہی، مگر تاثر خاص نہ تھا۔ ب سیال نے اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ انوشے نے اس کا ہاتھ بہت پیار سے تھاما تھا۔

''ہم بھی عفنان بھائی کے لئے لڑکی دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ اپنے ہی جیسی کسی خوبصورت لڑکی کو ئی ہیں تو پلیز ہمیں بتا دیجئے۔ ہماری جوتیاں گھسنے سے بچ جائیں گی۔ کیوں عفنان بھائی! ہم ٹھیک کہہ ہے ہیں نا؟'' انداز میں کچھ شرارت تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے ـــــ کیونکہ عفنان آل ریڈی اپنے لئے لڑکی دیکھ چکا ہے۔'' بڑی عریشہ نے اپنے پہلو سے بیٹے کو گود میں سنبھالتے ہوئے مسکراتے ہوئے عفنان کو دیکھا تھا۔

''عریشہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہم نے واقعی عفنان کے لئے ایک اچھی سی لڑکی دیکھ لی ہے۔ ماشاء اللہ، ب صورت بھی ہے اور خوب سیرت بھی۔'' فاطمہ نے وضاحت دی تھی۔

''کون ہے وہ؟ ـــــ کیا ہم جانتے ہیں؟'' مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں، غالباً۔ وہ بریگیڈیئر اعظم رحمان شاہ ـــــ جن کے بیٹے اور پوتے کی موت سمندر میں ڈوب ر واقع ہو گئی تھی۔ جن کی بہو انٹیریئر ڈیزائنر ہے۔''

''اوہ ہاں ـــــ یاد آیا ـــــ ان کی تو بہت پیاری سی بچی تھی۔ کیا نام تھا اس کا......'' مائی اماں ن پر زور دیتے ہوئے بولی تھیں۔

”انابیہ شاہ۔“

”ہاں ــــ انابیہ شاہ ــــ ہمارے گھر کی ڈیزائننگ میں بھی وہ مسز ظہیر شاہ کے ساتھ پیش تھی۔ بہت سعادت مند بچی ہے۔ اور مسز ظہیر شاہ بھی تو کتنی ہمتوالی ہیں۔ ایک پہاڑ سی عمر انہوں نے کے بغیر گزاری ہے۔ کیا نام تھا ان کے بیٹے کا، ہاں، غازی ــــ کتنا چھوٹا سا بچہ تھا، سمندر کی لہروں نے جسے نگل لیا۔ بیچارے ظہیر شاہ صاحب بچے کو بچانے گئے مگر ــــ خدا کو جو منظور ــــ کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ واقعہ سنا تھا تب بھی کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔ کیسا سانحہ تھا۔ بریگیڈیئر صاحب ہمارے بہت پرانے جاننے والوں میں سے ہیں۔ سردار کمال حیدر لغاری مرحوم جب زندہ تھے تو کی نشست رہتی تھی ان سے۔ مجھے تو اپنی بیٹی مانتے تھے وہ۔ سردار کمال حیدر لغاری کیا گزرے، نشستیں یاد بن کر رہ گئیں۔ بہت خوشی ہوئی آج تمہارے منہ سے ان کے متعلق سن کر۔“ مائی اماں تھیں اور عفنان علی خان کے ذہن میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب وہ سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ بظاہر تھا۔ اور اس کے بعد کتنے دنوں تک انابیہ شاہ ڈسٹرب رہی تھی۔ اور وہ......وہ سمجھ ہی نہ پایا تھا۔ کے اس نے یقیناً اسے وہی منظر دوبارہ یاد دلا دیا تھا۔ وہ کرب اسے دوبارہ دیا تھا ــــ کتنی مشکل میں گئی ہو گی اس کی جان۔ اور وہ سمجھ ہی نہ پایا تھا تب۔

”آپ آیئے بھابی جی! مجھے ایک ضروری بات کرنا ہے آپ سے۔ بچوں کو بیٹھ کر باتیں کر دیجئے۔“ فاطمہ نے مائی اماں کا ہاتھ تھاما تھا۔ میرب کے انٹرسٹ کی کوئی شے نہیں تھی۔ سو وہ خاموشی بیٹھی تھی۔

”یہ ناانصافی ہے بھئی۔ ہم مردوں کی نشست میں بھلا کیا چارم باقی رہے گا؟“ فیضان علی خان مسکراتے ہوئے جملہ اچھالا تھا۔

”پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں ممی! ــــ آپ کے بغیر واقعی بور ہو جائیں گے۔“ عریشہ نے مسکرا ہوئے جملہ اچھالا تھا۔ مگر فاطمہ، بھابی جی کا ہاتھ تھامے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھیں۔

”کیا ہوا بھابی! آپ بہت چپ چاپ سی ہیں ــــ گین بھائی سے کوئی ناراضگی چل رہی ہے کیا؟“ میرب سیال بہت دیر سے چپ، دم سادھے، سر جھکائے بیٹھی تھی۔ انوشے نے نوٹس لیتے ہوئے دریاف کیا تھا اور وہ بری طرح چونک پڑی تھی۔ نظریں بے ساختہ ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جا ملی تھیں۔ وہ قطعی بے تاثر بنا عفنان علی خان سے گفتگو میں مصروف رہا تھا۔ غالباً جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کی ادا تھی یہ۔ میرب سیال اس کی جانب سے نگاہ بدل گئی تھی۔ کیا تھا درمیاں جس کا وہ پاس کرتی اور مرد کے مظاہرے کرتی۔ جب کسی کو اس کی پرواہ نہیں تھی تو وہ بھی کیوں پرواہ کرتی؟ دل نے سوچا ضرور تھا جانے کیوں وہ اس پر عمل نہیں کر سکی تھی۔ شاید وہ اس شخص کی طرح بے حس اور خود غرض نہیں تھی۔

”نہیں ــــ ایسی بات نہیں ہے۔ ایکچوئیلی آئی ایم فیلنگ ناٹ ویل۔“ لبوں پر ایک دھیما سا تبسم سجائے وہ بول رہی تھی۔ گفتگو میں پوری طرح منہمک ہوتے ہوئے بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری بطور خاص ایک نظر اس پر ڈالنا ضروری خیال کیا تھا۔ مگر اب کے میرب پوری طرح بے تاثر تھی۔

”ارے بھابی! آپ کو تو اپنا خیال رکھنا چاہئے۔ سو سوری! آپ کو ہماری وجہ سے اتنی زحمت اٹھانا “ انوشے شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

”نہیں ــــ ایسی بات نہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ سب کو یہاں دیکھ کر......مل کر...... ......“ مروت لبوں پر تھی مگر بات کچھ بن نہ پڑی تھی۔

”میرا خیال ہے آپ ریسٹ کر لیجئے۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اس لمحے کا نوازا جانے والا مشورہ یران کن لگا تھا اُسے۔ غالباً اسی لئے وہ اس کی سمت بطور خاص دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔ مگر وہ ایک ے التفات کے بعد دوبارہ بے تاثر اور اجنبی تھا۔ نظر اس کی سمت سے ہٹ چکی تھی اور ساری کی ساری ں لمحے عفنان علی کی سمت تھی۔ جانے وہ کیا بات چیت کر رہے تھے۔

”گین بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں بھابی! ــــ ہمیں کمپنی دینے کو گین بھائی موجود ہیں۔“ عریشہ نے تے ہوئے کہا تھا۔ وہ اٹھی تھی۔ مگر اچانک دوپٹہ کہیں اُلجھا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے ں۔ اس کے دوپٹے کا کونا عریشہ کی گود میں بیٹھے گپلو سے حمزہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ے معصومیت سے مسکرا رہا تھا۔

”بری بات حمزہ! مامی ہیں۔ گین ماموں ناراض ہو جائیں گے۔“ عریشہ نے مسکراتے ہوئے جملہ لا تھا۔

”گین بھائی! حمزہ آپ کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ آپ بھی غالباً اندر سے یہی چاہ رہے گے کہ میرب یہاں......عین نظروں کے سامنے براجمان رہیں اور آپ گاہے بگاہے تکتے رہیں۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

”حمزہ میاں! سدھر جایئے۔ اپنا قبلہ و کعبہ درست فرما لیجئے۔ ٹھیک نہیں ہے یہ۔ پرائے مال پر نظر رکھنا بات نہیں ہے۔ کم از کم اتنا ہی خیال کر لو کہ یہ حق آپ کے ماما کا ہے۔“ لبوں پر خفیف سا تبسم تھا۔ رے سے حمزہ صاحب کو اپنی جانب بلایا تھا اور گود میں لے کر پیار کرنے لگا تھا۔ عفنان علی خان راتے ہوئے بغور گین کو دیکھنے لگا تھا۔

”یہ تبدیلیاں کچھ زیادہ خوش آئند نہیں؟“ شرارت سے بھرپور مسکراہٹ لبوں پر تھی۔ سردار سبکتگین حیدر ی مسکرا دیا تھا۔

”بچے کسے اچھے نہیں لگتے؟“

”ہاں ــــ لگتے ہیں ــــ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب کو ــــ کچھ انوکھی بات ہے۔“ ان کی نظروں میں شرارت تھی۔ میرب سیال جو بت بنی وہیں جمی کھڑی تھی، عفنان علی خان اس کی ت دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ ــــ ایک شادی شدہ بندے کی ترجیحات بچے ہی ہو سکتے ہیں۔“ یشہ بولی تھی اور عفنان علی خان کا قہقہہ بے حد برجستہ تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بھی خفیف سی راہٹ تھی۔ غالباً اس لمحے دانستہ نگاہ بت بنی کچھ ہی فاصلے پر کھڑی میرب سیال کی سمت ڈالی تھی۔ یہ

سمجھے بغیر کہ اس نگاہ میں کیا تاثر تھا۔ میرب سیال پلٹی تھی اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی۔

❋ ❋ ❋

''یہ کیا تک ہے اتنی اچانک جانے کی؟'' انابیہ بہت خفا خفا نظر آ رہی تھی۔ مگر اوزی مسکرا دیا تھا۔

''یار! کہا تو ہے، تمہاری شادی پر واپس آ جاؤں گا ـــــ مجھے پتہ ہے، ایک بھائی کے کیا فرائ ہوتے ہیں۔ تمہیں مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''شٹ اپ اوزی! ـــــ فضول کی بکواس نہیں۔''

''کم آن یار! ـــــ عزت کرو، تم سے بڑا ہوں میں۔'' اوزی نے تیزی سے پیکنگ کرتے ہو مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ انابیہ اسی خفگی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

''او کے اوزان سید صاحب! ـــــ کیا آپ رک نہیں سکتے؟'' انابیہ نے دوبارہ دیکھا تھا۔ اوز مسکرا دیا تھا۔

''یار! ہمیشہ کے لئے تھوڑی جا رہا ہوں؟ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ مجھے پتہ ہے یہاں میری کت ضرورت ہے۔ اچھا اب یہ اپنا پھولا ہوا چہرہ درست کرو۔ ورنہ میں گیا تو بالکل بھی واپس نہیں آؤں گا۔'' اوزی نے دھمکی دی تھی۔ انابیہ ناچار مسکرائی تھی۔

''میری پیاری گڑیا! تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔'' اوزی نے اسے شانوں سے تھام کر مسکراتے ہوئے دیکھ تھا۔ انابیہ کے لبوں کی مسکراہٹ معدوم ہو چکی تھی۔ اور وہی اُداسی آنکھوں میں تھی۔ اس نے اپنا سر اس ک شانے پر رکھ دیا تھا۔

''اوزی! آج مجھے غازی کی بہت یاد آ رہی ہے۔'' نمی اُس کی آنکھوں میں ہی نہیں، اس کے لہجے م بھی تھی۔

اوزی نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

''پاگل! ـــــ میرے ہوتے ہوئے؟'' اُس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھتے ہوئے اُ ڈپٹا تھا۔ ''میں نے آج تک تمہیں محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں غازی نہیں ہوں، یا غازی ہم سب ک درمیان نہیں ہے۔ مانتا ہوں میں تمہارا ماں جایا نہیں ہوں۔ مگر ایک بات تم شاید بھول رہی ہو۔ میں تمہا رضاعی بھائی ہوں اور میں تمہارے لئے غازی جیسا ہی ہوں۔ کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتی ہو کہ غازی نہیں رہا تمہارا دوسرا بھائی تمہارے ساتھ موجود ہے جس کے لئے تم اہم ہو۔ بے حد اہم۔ جو تمہاری آنکھوں م آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ جسے تمہارے چہرے کی اُداسی اچھی نہیں لگتی۔ جو صرف تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہے۔ جس کے شانے پر سر رکھ کر تم رو سکتی ہو۔ کیا میں وہ بھائی نہیں ہوں؟'' اوزی پُرشکوہ نظروں سے دیکھتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ ''کیا میں تمہارا غازی نہیں بن سکتا؟'' اک آس سے دریافت کیا تھا۔

''نہیں۔'' انابیہ نے سر ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

اوزان سید کی آنکھوں میں ایک بے چینی جھلکنے لگی تھی۔

''کیونکہ تم آل ریڈی میرے اوزی بھائی ہو! غازی پاسٹ ہے اور تم پریزنٹ۔ گزرا کل لوٹ کر نہیں

اور آج اہم ترین ہے۔'' انابیہ نے آنسو پونچھے تھے اور مسکرا دی تھی۔

زان سید نے اس کی ناک دبائی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

جاؤ، اب میرے لئے جا کر اسٹابری شیک بنا کر لاؤ۔ کتنی انرجی ویسٹ کر دی ہے تم نے۔'' اوزی اور وہ مسکراتے ہوئے سر ہلاتی ہوئی پلٹ کر کچن کی طرف آ گئی تھی۔

❋ ❋ ❋

ابیہ شاہ کمپیوٹر آف کرنے کے بعد اٹھی تھی اور بیڈ کی طرف آتے ہوئے کلائی سے رسٹ واچ نکال کر یبل پر ڈالی تھی۔ عین اسی لمحے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا پرسنل سیل بج اٹھا تھا ـــــ اُس نے اسکرین ن علی خان کا نام دیکھا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچتے کو کال ریسیو کر

ہیلو ـــــ!''

انابیہ! عفنان ہیئر۔'' دوسری طرف سے مطلع کیا گیا تھا۔

آل رائٹ ـــــ کہنے کے لئے کچھ نئی تازی ہے آپ کے پاس؟'' پُراعتماد لہجہ حیران کن تھا۔

نئی تازی؟ ـــــ ویل، نئی تازی تو کچھ نہیں ہے۔ مگر آج مجھے ایک بات پتہ چلی۔ جو کہ مجھے آج نہیں معلوم تھی۔'' عفنان علی خان سنجیدہ ہو چکا تھا۔

کیا؟'' انابیہ چونکی تھی۔

انابیہ! کچھ اور نہ سہی، مگر نہ چاہنے کے باوجود ایک خواہش دل میں جنم لیتی ہے۔ محبت نہ سہی، مگر کیا قابل بھی نہیں کہ کچھ چھوٹی چھوٹی باتوں کے ساتھ اپنے سُکھ دُکھ، اپنی کامیابیاں، ناکامیاں، یاں، مضبوطیاں، کمیاں بھی شیئر کر سکیں؟ ـــــ مانا ہم میں کوئی تعلق نہیں مگر کیا مروت کا وہ رشتہ بھی ن سکتا کہ ہم چند باتوں کو ہی شیئر کر سکیں؟ مل بیٹھیں تو چند لمحوں میں بے غرض باتیں کر سکیں؟''

تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ چونکی تھی۔

انابیہ! مجھے آج غازی کے متعلق پتہ چلا، تمہارے پاپا کے متعلق پتہ چلا اور مجھے بہت افسوس ہوا۔ بیلیو می، مجھے ان کے متعلق کچھ پتہ نہ تھا۔ تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔ اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اپنے ابانٹ سکو......'' وہ مدھم لہجے میں اظہارِ افسوس کر رہا تھا۔

پلیز عفنان!'' انابیہ نے اسے مزید بولنے سے باز رکھا تھا اور مدلل لہجے میں بولی تھی۔

کچھ کہنے سننے کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں کوئی ربط درمیان ہو، جہاں کوئی تعلق ہو۔ اور تی سے یا پھر بدقسمتی سے میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے جسے ہم ایک دوسرے سے کہہ سن سکیں۔ اور یوں بھی مجھے اپنے دُکھ سُکھ کہنے کے لئے تمہاری قطعی ت نہیں ہے۔ تمہاری کیا، شاید مجھے اپنی فیملی کے علاوہ کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے جن سے میں کچھ ا سکتی ہوں۔ وہ تمام رشتے خوش قسمتی سے میرے پاس ہیں اور مجھے مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نک رہی بات تمہاری، جب میں تمہارا پروپوزل رفیوز کر چکی ہوں تب مجھ سے بات کرنے کا تمہارا

کوئی ریزن باقی بچتا نہیں ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ ہم بے حاصل سفر کر رہے ہیں؟" بے تاثر لہجے م دریافت کیا تھا اور عفنان علی خان اس کی سفاکی پر مسکرا دیا تھا۔

"انابیہ! تم میں اور مجھ میں یہی تو فرق ہے—— جیسا تم سوچتی ہو ویسا میں نہیں سوچتا۔ اگر سوچتا ہو تو یہ ربط توڑ نہ دیتا؟" جذبات سے پُر لہجے میں جتایا گیا تھا۔ عفنان علی خان کے لہجے میں ہنوز اطمینا برقرار تھا اور آنکھوں میں ایک خاص طرح کا ٹھہراؤ۔

انابیہ شاہ کو بے حد ناگوار گزرا تھا۔

"تم یہ بات سمجھ کیوں نہیں لیتے عفنان علی خان! کہ انابیہ شاہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ تمہارا کوئی تعل اس کے ساتھ نہیں بن سکتا۔ جتنی بھی کوشش کرلو، خواہش کرلو، تم مجھ تک رسائی نہیں پا سکتے ہو۔"

"انابیہ! کہا تو ہے جس طرح تم سوچتی ہو، اگر میں سوچتا ہوتا تو آج تم سے بہت دوری پر نکل ہوتا۔" انداز جتانے والا اور اپنے اندر کسی قدر تاسف لئے ہوئے تھا۔ "کہا تو تھا تم سے، عفنان علی خا ہارنے والا نہیں ہے۔ شکست ماننے والے اور ہوتے ہوں گے۔ عفنان علی خان اپنے ارادوں میں کتنا ا ہے یہ تم تب جان جاؤ گی جب تم میری دنیا میں قدم رکھو گی۔ محبت تمہاری منتظر ہوگی ہر ہر گام پر اور تم خو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرو گی۔ ایسا ایک دن ہوگا اور ضرور ہوگا۔ میری محبت تمہیں تم سے جی لے گی۔" عفنان علی خان کا لہجہ پُر یقین تھا۔ مگر انابیہ بہت اطمینان سے مسکرائی تھی۔

"عفنان علی خان! میں نے تم سے زیادہ احمق شخص اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ کچھ بھی نہیں ہاتھ میں تمہارے اور پھر بھی اتنے پُر یقین دکھائی دے رہے ہو۔ ایسا پوز کر کے تم کسے دھوکا دے رہے خود کو یا پھر دوسروں کو؟—— بھول جاؤ سب کچھ۔ لوٹ جاؤ واپس اپنی دنیا میں۔ یہاں تمہیں کچھ ملنے والا۔ یہ راہیں یکطرفہ راستوں کی سمت بڑھ رہی ہیں جن کے اختتام پر کوئی منزل نہیں۔ اتنی دور آؤ کہ لوٹنا دشوار ہو جائے۔ احمقوں کی جنت میں رہنا بند کر دو۔ کچھ حاصل نہیں ہے اس کا—— فہمیاں کچھ نہیں دیں گی تمہیں۔ کیونکہ انابیہ شاہ تم سے محبت نہیں کرتی۔ نہ ہی تم اس کی ترجیح ہو سکتے انابیہ شاہ کا انداز باور کرانے والا تھا۔ مگر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ انداز رسانیت سے پُر تھا۔

"مجھے فائدہ پہنچتا ہے یا کہ نقصان، فکر نہ کرو، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں کیا کر رہا ہوں، کر رہا ہوں، یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے اور اس سے تمہیں کوئی فرق بھی نہیں پڑنا چاہئے۔"

"پاگل ہو تم—— کیا کر رہے ہو؟ کچھ خبر نہیں ہے تمہیں۔ کس احساس میں جی رہے ہو تم۔ ایک رد کر دیا ہے میں نے تمہیں۔ پھر اور کس بات کی خوش فہمی ہے تمہیں؟—— کیا سوچ رہے ہو تم؟ لو آؤں گی میں تمہاری سمت؟ تو کس لئے؟—— جب میں تمہیں چاہتی ہی نہیں ہوں تو پھر یہ یقین یہ احمق پن نہیں تو اور کیا ہے؟" انابیہ برہم دکھائی دے رہی تھی۔

"چاہتی نہیں ہو، مگر چاہو گی بھی نہیں، یہ ضروری تو نہیں۔ میں سب کچھ بدل دوں گا، سارے پراسس۔ ایسا بہت جلد ہوگا۔" عفنان علی خان کے لہجے کا عزم قابلِ رشک تھا۔

"شٹ اپ عفنان علی خان! فضول کی بکواس بند کرو۔ کیوں چاہوں گی میں تمہیں، ہاں——

کسی اور کو آل ریڈی چاہتی ہوں۔ کس خوش فہمی میں ہو تم؟—— میرے لئے یہ میٹر نہیں ہے کہ ھے کتنا چاہتا ہے۔ میرے لئے یہ اہم ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں اور کسے چاہتی ہوں—— میں تم نہیں کرتی ہوں کیونکہ میری ترجیح کوئی اور ہے۔ سن رہے ہو تم—— میں کسی اور سے محبت کرتی رتی تھی۔ اور کرتی رہوں گی۔ کیسے بدلو گے تم اسے؟" انابیہ شاہ ترش لہجے میں کہہ رہی تھی اور لی خان دوسری طرف ساکت کھڑا تھا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لبوں پر ساکت، جامد چپ ور انابیہ شاہ کہہ رہی تھی۔

یں نے تم سا بے وقوف شخص ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ میں تم سے اسے شیئر کرنا بھی نہیں چاہتی رتم...... تم سے چھٹکارہ پانے کا ایک یہی راستہ تھا میرے پاس۔ اب تو تم سمجھ گئے ہونا کہ انابیہ شاہ کیوں ٹھکرا رہی ہے؟"

کو...... کون ہے وہ......؟" عفنان علی خان کو اپنی آواز خود کسی کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی

جو بھی ہو...... مگر وہ تم نہیں ہو، نہ ہی ہو سکتے ہو۔ دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ لینڈ؟" انابیہ شاہ نے سخت گیر لہجے میں کہتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

ری طرف موجود عفنان علی خان کی کیفیت اشتعال انگیز تھی۔ آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔ گئی تھیں۔ کیسا سنگین انکشاف کیا تھا اُس نے—— یہ سچ جھیلنا بے حد دشوار لگا تھا۔ ایک لمحے میں زرائیگاں لگا تھا—— روح میں قیامت سی مچ گئی تھی۔ ساری جان اس عذاب میں گھر گئی تھی۔

* * *

بیہ شاہ تیزی سے سلائس کے بائٹ لیتی ہوئی دوسرے ہاتھ سے کپ میں چائے انڈیل رہی تھی۔

اتنی جلدی کیا ہے؟—— آرام سے ناشتہ کرو۔ ابھی تو کافی ٹائم ہے۔" مہ وش شاہ نے ڈپٹا تھا۔ مگر مچ ہلانے لگی تھی۔

ایکسٹرا کلاس کا ارینج منٹ ہے۔ دیر سے پہنچی تو سب سر پر سے گزر جائے گا۔ پچیس منٹ ہیں پاس۔ اور حسب عادت ہماری مرسڈیز آرام فرمانے کو ورکشاپ میں پڑی ہے۔ ماما! آپ اسے ل نہیں دیتیں؟ کتنے نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں ہمیں ان موصوفہ کے۔" انابیہ اس پرانی ے بے حد عاجز تھی۔

دا ابا مسکرا دیئے تھے۔

بیٹا! وہ گاڑی تمہارے پاپا کی نشانی ہے—— تمہاری ماما کو دیا جانے والا پہلا گفٹ۔ اور گفٹس نبھال کر رکھے جاتے ہیں۔"

ان محترمہ کو کہاں اندازہ ہوگا ان باتوں کا—— جب خود بھگتیں گی تو پھر پتہ چلے گا کہ یادیں کیا ں اور یادگاریں کیا۔" اوزی نے سلائس پر مارجرین لگاتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

اوزی!—— بیٹا! ایسا نہیں کہتے۔ خدانخواستہ، اللہ نہ کرے جیسی میری قسمت ہے ویسی انابیہ کی

ہو۔ خدا اس کے بخت روشن رکھے۔ اسے کبھی یادگاروں کو سنبھالنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔" ماما نے کی سائیڈ لی تھی اور وہ مسکرا دی تھی۔

"دیکھا ـــــ ماں، ماں ہوتی ہے اور بھائی......."

"کہہ دو اب، بھائی قصائی ہوتا ہے۔" اوزی بھرپور طور پر محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"ہاں۔ کوئی شک نہیں۔ بھائی قصائی ہی ہوتا ہے، بھابی کے آجانے کے بعد۔" انابیہ مسکرائی تھی۔

"اچھا، اب ترکی بہ ترکی لڑنا بند کرو۔ آج ویسے بھی مجھے چلے جانا ہے۔"

"اب یہ الزام مت عائد کر دینا کہ مجھے تمہارے جانے سے کوئی خوشی ہو رہی ہے۔" انابیہ مسکرائی تم

"ایسا کچھ میں نے نہیں کہا۔" اوزی مسکرایا تھا۔

"قصد تو کرنے والے تھے۔ میں نے ہی روک دیا۔" حملہ برابر کا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب اور ما شاہ بچوں کی محبت بھری لڑائی مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"جلدی سے اٹھ جاؤ۔ چھوڑ دوں تمہیں۔ ورنہ کلاس مس ہو جائے گی۔" چائے کے سپ لیتے ہ اوزی نے آفر کی تھی۔ "اور ہاں ـــــ جلدی آ جانا، ہم مل کر گھومنے چلیں گے۔ ممی نے فون کر کے لسٹ بنوائی ہے، کچھ شاپنگ بھی کر لیں گے۔" اوزی بولا تھا اور وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"سوری ـــــ مجھے آج چھٹی کرنا چاہئے تھی نا۔ مگر یہ کلاس ـــــ اچھا پرامس، میں جلدی آ گی۔" اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بیگ شولڈر پر ڈالا تھا۔ اوزی نے اس کی خاطر عجلت میں گھونٹ بھرا

"تم بیٹھو ـــــ میں چلی جاؤں گی۔"

"نہیں ـــــ میں زحمت قطعاً نہیں کر رہا۔ تم اتنا تکلف ہرگز مت کرو۔" اوزی نے گاڑی کی چا اٹھائی تھیں۔ مگر انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے اس چوڑے شخص کو بٹھانا چاہا تھا۔

"تم واقعی زحمت مت کرو ـــــ بیٹھ کر ماما کے ساتھ اس لسٹ کو ڈسکس کر لو۔ میں آ جاؤں گی فوراً شاپنگ کے لئے نکل جائیں گے۔ یوں بھی تمہیں آج چلے جانا ہے اور اس کے باعث تم مصروفیت بڑھ جائے گی۔ میری فکر مت کرو۔ نہ ہی میری عادتیں بگاڑو۔ تم کل نہیں ہو گے تو میں کیا گی؟" مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"دیکھا آنٹی! یہ لڑکی۔" اوزی نے شکوہ کرنا چاہا تھا۔ مگر انابیہ مسکراتی ہوئی ہاتھ ہلاتی ہوئی پلٹ گئ

"بائے ماما! ـــــ بائے دادا جی!" تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔

"گڈ بائے۔" ماما اور دادا جی بولے تھے اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"یہ لڑکی بھی نا ـــــ" وہ دوبارہ کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا۔

ماہ وش شاہ مسکرا دی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہی تھی وہ۔ تمہیں آج جانا ہے اور کئی ضروری کام نمٹانے ہیں ـــــ تم مجھے وہ لسٹ دکھا دو۔ تاکہ تمہیں سہولت ہو جائے۔" وہ نرم لہجے میں بولی تھیں۔

ں اس گھر میں پیدا کیوں نہیں ہوا؟"

کیا بات ہوئی؟ ـــــ تم کیا ہمارے بیٹے نہیں ہو؟ اور تمہارا تو اس گھر سے وہ رشتہ ہے جس کے کسی طرح کا شکوہ یا شکایت رہنی ہی نہیں چاہئے۔" ماہ وش نے محبت سے ڈپٹا تھا۔ اوزی مسکرا دیا

نٹی! مجھے انابیہ کی بہت فکر ہے۔ وہ بہت حساس ہے۔ اس کا خیال رکھئے گا۔"

بات بھلا کہنے والی ہے؟ ـــــ اور تم کون سا ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو۔ انابیہ کی شادی پر لوٹنے تو پرامس کیا ہے نا تم نے۔"

ظاہر سی بات ہے۔ میری بہن کی شادی میرے بغیر کس طرح ہو سکتی ہے؟ ویسے آپ نے کوئی لڑکا کے لئے؟"

ہیں ـــــ ابھی تو نہیں۔ مگر دو ایک سے کہہ رکھا ہے۔ آگے تو نصیب کی بات ہے۔ مگر جلد ہی کوئی ل جائے گا تو ہم بات آگے بڑھا دیں گے۔" ماہ وش شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

ور تو سب ٹھیک ہے ـــــ بس اس کٹ کھنی بلی کی مرضی معلوم کر لیجئے گا۔" اوزی نے مسکراتے ہا تھا اور ماہ وش مسکرا دی تھیں۔

اں، ضرور ـــــ اس کی مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہو سکتا۔"

❄❄❄

انابیہ! تم سوچ رہی ہو گی شاید میں نے وہ سب سن کر تمہاری طرف سے دل میں کوئی غلط بات بٹھا لی بالکل غلط ہے ـــــ مجھے حیرت ضرور ہوئی ہے۔"

موئٹین کا سپ لیتی انابیہ شاہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی تھی۔ جانے لامعہ حق کیا کہنے جا رہی تھی۔ مگر وہ ملائمت سے ی تھی۔

انابیہ شاہ! میں تم سے نفرت نہیں کر سکی۔ تم وہ لڑکی نہیں ہو جس سے میں نفرت کر سکوں۔ میں نے کہا یا تھا ـــــ اگر اس لڑکی کے متعلق مجھے علم ہو جائے تو شاید میں اسے زندہ نہ چھوڑوں، میں اس کے سے نفرت کرتی تھی جس نے عفنان علی خان کو مجھ سے چھینا، دُور کیا۔ مگر جب تم نے بتایا کہ وہ تم ہو تو ھے بہت سے لمحوں تک یقین ہی نہیں ہوا تھا ـــــ میری واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ مجھے تم سے کیسا نا چاہئے یا کیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔ مگر انابیہ! تم اتنی اچھی ہو، اتنی پیاری ہو کہ میں کوئی زک تمہیں وئے دیکھ ہی نہیں سکتی۔ تو پھر نفرت کیسے کرتی؟ ـــــ کتنا بڑا ہے تمہارا دل۔ میں بہت بری ہوتی رے متعلق کچھ غلط سوچتی بھی۔" لامعہ حق نرم دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی اور انابیہ شاہ اسے خاموشی ی دیکھ رہی تھی۔

سب سے بڑھ کر انابیہ! تمہاری یہ صاف گوئی۔ اگر تمہارے دل میں کوئی چور ہوتا تو بھلا تم مجھ سے کہہ پاتیں؟ تم یقیناً یہ راز چھپانا چاہتیں اور عفنان علی خان سے فوراً کوئی تعلق باندھ لیتیں۔ مگر علی خان کے اتنے التفات اور نظرِ عنایت کے باوجود تم نے ایسا نہیں کیا۔ تم ایک سنسیئر فرینڈ ہو اور تم

نے عفنان علی خان کے پرپوزل کو ریفوز کر کے ایسا ثابت بھی کر دیا ہے اور ایسا دیکھ کر تمہاری اہمیت نظروں میں، میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی ہے انابیہ! تم جانتی ہو، تم اب مجھے پہلے سے بھی کہیں عزیز ہو چکی ہو۔‘‘ لامعہ حق کا لہجہ جذباتیت سے پُر تھا اور انابیہ شاہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

‘‘تھینکس —— مجھے اسی بات کا خدشہ تھا کہ تم کہیں ان ساری باتوں کو غلط نہ سمجھو اور میں برسوں کی دوستی، یہ محبت، یہ تعلق کہیں کھو نہ دوں۔‘‘

لامعہ حق مسکرا دی تھی اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

‘‘پاگل! —— تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ لامعہ حق اور انابیہ شاہ کی دوستی اتنی کمزور نہیں کہ اس چھوٹی چھوٹی، معمولی باتیں کوئی دراڑ ڈال سکیں۔ میں نے کہا نا، میں یہ سب جان کر تم سے اور بھی قریب گئی ہوں۔ تم مجھے پہلے سے کہیں زیادہ عزیز ہو گئی ہو۔ مگر تم نے عفنان علی خان کو ریفوزڈ کر کے اچھا کیا۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور کس قدر کرتا ہے، مجھ پر یہ بات منکشف ہے۔ جب میں تمہارا نام بھی جانتی تھی اور صرف عفنان کے منہ سے اس کا ذکر سنا تھا میں تب بھی اس پر رشک کرتی تھی۔‘‘ لامعہ حق مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس لی تھی۔

‘‘انابیہ! ڈونٹ ریفوز ہم اینی مور۔ میں محبت کر چکی ہوں۔ جانتی ہوں، نارسائی کا کرب کیا ہوتا۔ ان خوابوں کا عذاب کیا ہوتا ہے جو محبت کی آنکھ میں تعبیر پائے بغیر ہی ٹوٹ جاتے ہیں۔ عفنان علی خا تم سے محبت یکطرفہ ہی سہی مگر اس میں شدت ہے۔ اگر تم اسے گنواؤ گی تو تم دنیا کی بہت بری لڑکی ہو گ

‘‘لامعہ! تم......‘‘ انابیہ نے بولنے کے لئے لب کھولے تھے مگر لامعہ حق نے اسے بولنے سے رکھا تھا۔

‘‘انابیہ! —— جو جس کے لئے ہوتا ہے اسے ہی ملتا ہے۔ اس کھیل میں زبردستی نہیں ہو سکتی۔ علی خان کو اگر میں زبردستی حاصل کر بھی لیتی تو وہ میرے لئے کس کام کا ہوتا؟ اس کے دل میں تو تم، اور میں شاید زبردستی کوشش کر کے بھی وہ جگہ نہ لے پاتی۔ یہ محبت ہے انابیہ شاہ! جو کسی سے زبردستی نہیں جا سکتی نہ ہی زبردستی کسی کے دل میں گھر کیا جا سکتا ہے۔ یہ وحی تو خاموشی سے اپنے آپ دلوں اتر کر تسخیر کرتی ہے۔‘‘ لامعہ حق مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور انابیہ شاہ ساکت تھی۔

‘‘پاگل لڑکی! —— کسی کے خوف سے خوابوں کا ناتا اپنی آنکھوں سے جڑنے سے مت روکو۔ جانے دو اس سلسلے کو۔ جو دل تمہارے لئے ہے اس میں تم ہی رہو گی۔ تمہارے جھٹلانے یا رد کرنے وہاں، میں یا کوئی اور جگہ نہیں لے سکتا۔ چاہ کر بھی نہیں۔‘‘ لامعہ کے لبوں کی مسکراہٹ بہت پھیکی تھی۔

‘‘عفنان علی خان باور کرا چکا ہے —— وہ جس سے محبت کرتا ہے وہ اسے ملے نہ ملے یہ بات کے لئے بہت سیکنڈری ہے۔ وہ ہر صورت میں اسے ہی چاہتا رہے گا۔ اس کے ساتھ —— یا اس بغیر —— مگر اس کے سوا کوئی نہیں ——

بیلیو می —— اور کسی کو اس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔ تم میری پرواہ مت کرو۔ میرا یقین ایک کے لئے کوئی کہیں نہ کہیں موجود ہے اور جس کے دل میں، میں رہوں گی وہ ایک دن میرے

ڑا ہو گا اور میرا ہاتھ تھام کر اپنی ساری محبت مجھے سونپ دے گا۔ آئی بیلیو، ایسا ہو گا۔ عفنان از اونلی تم ایک دوسرے کے لئے ہی بنے ہو۔‘‘ لامعہ حق کا لہجہ باور کراتا ہوا تھا۔ اور عین اسی لمحے انابیہ شاہ اپنی رسٹ واچ پر پڑی تھی اور وہ فوراً معذرت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

‘‘سوری لامعہ! —— اوزی کو آج جانا ہے۔ اور میرا جلدی گھر پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ او کے، ‘‘ کتابیں اور فائل سنبھالتی ہوئی، بیگ شولڈر پر ڈالتی وہ عجلت سے کہتے ہوئے اٹھی تھی۔

‘‘جاؤ گی کیسے؟ رُکو، میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔‘‘ لامعہ حق نے آفر دی تھی۔ وہ ملائمت سے مسکرا

‘‘نہیں، تھینکس۔ آئی وِل مینج۔‘‘ کہتے ہوئے وہ پلٹی تھی اور تیزی سے کیمپس سے باہر نکلنے لگی تھی۔

* * *

کتنی عجب بات تھی۔

انابیہ شاہ سمجھ رہی تھی، لامعہ حق سب کچھ سن کر اس سے بدظن ہو جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ کس کشادہ دلی سے وہ اسے عفنان علی خان کو اپنانے کا مشورہ دے رہی تھی۔

‘بے وقوف!’ انابیہ شاہ کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

‘لامعہ حق! —— بظاہر تم جو بھی کہو، مگر کیا میں نہیں جانتی کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔ تم مجھ سے کیسے سکتی ہو؟ —— تم تو اپنی معمولی معمولی چیزوں کے لئے اتنی جذباتی ہوا کرتی تھیں اور —— کہاں تم محبت دان کرنے چلی ہو۔ اور کیا سمجھتی ہو، میں سب قبول کر لوں گی؟ تم جب میرے متعلق اتنی کنسرن میں کیسے دھوکا دے سکتی ہوں تمہیں؟ —— تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ انابیہ شاہ بھی دوستی کو نباہنا ہے۔ اور اس دوستی کے لئے ہزاروں عفنان علی خان رد کر سکتی ہے۔’

دور تک سنسان، ویران سڑک پر چلتے ہوئے وہ کسی کیب کی تلاش میں تھی۔ سوچتے ہوئے آنکھیں شی تھیں۔ وہ لامعہ کے متعلق ہی سوچ رہی تھی جب اس کا پرس میں موجود سیل بجنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے طرح چلتے ہوئے سیل بیگ سے برآمد کیا تھا اور اسکرین پر اوزی کا نام دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

‘‘کیا ہے؟ —— انتظار نہیں ہو رہا؟ —— آ رہی ہوں بھئی۔‘‘

‘‘یار! لسٹ کو میں نے سمجھ لیا ہے۔ مگر ایک شے سمجھ میں نہیں آ رہی۔ یہ گلا بند کیا ہوتا ہے؟‘‘

‘‘گلا بند ——؟‘‘ انابیہ شاہ بے طرح چونکی تھی۔ ‘‘اوہ —— ڈفر —— گلا بند نہیں —— یہ ضرور بند ہو گا۔‘‘ مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ ‘‘اپنی اُردو درست کرو۔ رومن میں لکھو گے تو ایسا ہی ہو ایک طرح کا نیکلس ہوتا ہے جو عورتیں گلے میں پہنتی ہیں۔ اگر تم اسے گلا بند کہو گے تو قیامت ہو ئے گی۔‘‘

‘‘گلا بند یا گلو بند —— وہاٹ ایور —— بس تم جلدی سے آ جاؤ یار! —— میں لسٹ دیکھ دیکھ کر ثان ہو رہا ہوں۔ ممی نے جانے کیا کیا لکھوا دیا ہے۔‘‘ اوزی اپنی خجالت مٹانے کو بولا تھا۔

‘‘آنٹی کا بھی ضروری فون آ گیا تھا۔ ان کو بھی جانا پڑ گیا۔ اب فلائٹ میں چند گھنٹے رہ گئے ہیں اور

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ آنٹی نے جلد واپس آنے کا کہا ہے۔ مگر کیا پتہ وہ نہ آ سکیں۔ تم کہاں ہو؟"

انابیہ مسکرادی تھی۔

"میں اس وقت ٹھنڈی سڑک پر مٹر گشت کر رہی ہوں اور ایک عدد کیب کو تلاش کر رہی ہوں۔ بہرحا تم پریشان مت ہو، میں جلد پہنچ جاؤں گی۔ یہ بتاؤ، یہ گلوبند لینے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ ـــــ کہیں آنٹی تمہاری شادی کا پروگرام تو نہیں بنا رہیں؟" انابیہ چلتی ہوئی شرارت سے مسکرائی تھی۔

اوزی ہنس دیا تھا۔

"ایسی کوئی بات فی الحال نہیں ہے۔ اور سنو میری اچھی سی انابیہ! تم آنے میں زیادہ دیر کرو گی تو می اور میری پریشانیاں واقعی بڑھ جائیں گی۔ تم ایسا کرو جہاں ہو، وہیں رکو۔ میں تمہیں لینے پہنچ رہا ہوں۔"

انابیہ نے تبھی سامنے سے آنے والی کیب کو ہاتھ کا اشارہ دیتے ہوئے روکا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے ـــــ میں کیب میں بیٹھ رہی ہوں۔ تم بھی اب پریشان ہونا بند کر دو ا بیٹھ کر آرام سے میرا انتظار کرو۔ کچھ ہی دیر میں، میں پہنچ رہی ہوں۔ او کے۔"

"او کے۔" اوزی مسکرایا تھا اور انابیہ نے بھی کیب کا دروازہ بند کرتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

"پاگل۔ گلابند ـــــ" ایک نئی ایجاد پر وہ مسکرائے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

"بھائی! ذرا جلدی ـــــ فیروِن کی طرف چلنا ہے۔" ہدایت دیتے ہوئے وہ سیل دوبارہ بیگ م ڈالتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

* * *

"اوزی بیٹا! انابیہ کا سیل ٹرائے کرو ـــــ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ ابھی تک پہنچی کیوں نہیں وہ کتنے بجے اُس کی بات ہوئی تھی تم سے؟"

"یہی کوئی قریباً سوا بارہ بجے ـــــ آپ فکر مت کیجئے، میں دیکھتا ہوں۔" پریشان تو اوزان سید کا دا بھی تھا مگر وہ ماہ وش آنٹی کو پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے بہت رسانیت سے اس کا نمبر دو چار بار ٹرا کیا تھا۔ مگر سیل مسلسل آف مل رہا تھا۔

ماہ وش اور دادا ابا بے حد متفکر نظر آ رہے تھے۔

"ایسا آج تک نہیں ہوا ـــــ اُس کی تو کوئی دوست بھی نہیں۔ اور اگر کہیں جانا بھی ہو تو وہ پہلے گ میں انفارم کرتی ہے۔ اتنی غیر ذمے دار وہ ہے نہیں۔ پھر آج کیا ہو گیا۔ اوزی بیٹا! ذرا لامعہ کا نمبر لگانا۔"

"جی آنٹی۔" یہ مطلع کئے بغیر کہ انابیہ کا سیل رسپانڈ نہیں کر رہا، وہ لامعہ کا نمبر ملانے لگا تھا۔ غالباً وہ آ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

گلوکوز ڈی کے سپ لیتی ماہ وش واضح انداز میں کانپ رہی تھیں۔ اوزی مرد تھا، خود پر قابو تھا۔ اگرچہ بھی اسی قدر پریشان تھا۔

"ہیلو، لامعہ! ـــــ اوزی بات کر رہا ہوں۔ انابیہ تمہارے ساتھ ہے؟" عجلت بھرے انداز م دریافت کیا تھا۔

"انابیہ؟" لامعہ چونکی تھی۔ "نہیں، وہ تو قریباً بارہ بجے ہی میرے پاس سے اٹھ کر کیمپس سے چلی گئی کیا ہوا؟ ـــــ ابھی تک گھر نہیں پہنچی؟"

"ہاں۔" اوزی کی پریشانی دوچند ہونے کو تھی۔

"مگر وہ تو یہ کہہ کر نکلی تھی کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو اور وہ گھر ہی جا رہی ہے۔ ہو سکتا ہے، راستے میں رک گئی ہو۔ تم اس کے سیل پر ٹرائی کر کے دیکھو نا۔" لامعہ حق نے مشورہ دیا تھا۔

"اس کا سیل رسپانڈ نہیں کر رہا۔ اور یہاں سب بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ تم اس کے دیگر فرینڈز واقف ہو۔ پلیز کنفرم کرو، وہ کسی اور کی طرف تو نہیں نکل گئی؟"

"ڈونٹ وری۔ میں ابھی کنفرم کر کے تمہیں فون کرتی ہوں۔ تم پریشان نہیں ہو۔ اور آنٹی اور دادا ابا کو دلاسہ دو۔ انابیہ کہیں نہیں جا سکتی۔ وہ ایک سمجھ دار اور ذمہ دار لڑکی ہے۔ اور یوں بھی ابھی زیادہ وقت نہیں کہ اتنی پریشانی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ ٹریفک جام میں گھر گئی ہو۔ معاملہ معمولی بھی ہو سکتا ہے۔ خواہ ہ کی پریشانی کری ایٹ مت کرو۔ کراچی جیسے شہر میں سڑکوں پر اتنا وقت لگ جانا کوئی عجیب بات نہیں۔"

لامعہ اُسے مطمئن کرنے کو بولی تھی۔

"خدا کرے سب ٹھیک ہی ہو۔" وہ دانستہ کم آواز میں بات کر رہا تھا۔ آنٹی کا خدشہ تھا، کہیں وہ یہ سب ر مزید پریشان نہ ہو جائیں۔

"تم کنفرم کر کے مجھے فون کرو ـــــ آئی ایم ویٹنگ۔"

"آل رائٹ ـــــ مگر تم آنٹی اور دادا ابا کو مزید پریشان مت کرو۔ ہم کسی بھی حادثے کا خدشہ نہ ہی میں لائیں تو بہتر ہے۔ گو اتنی تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے۔ مگر یہ کال دے کر تم نے مجھے بھی پریشان کر ہے۔ خدا اُسے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اوزی نے کہتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور لامعہ کی کال کا انتظار نے لگا تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ انابیہ، لامعہ کے ساتھ بھی نہیں ہے؟" ماہ وش نے پوچھا تھا۔

"نہیں آنٹی! وہ اس کی طرف سے بارہ بجے نکل آئی تھی۔ غالباً وہ ٹریفک میں پھنس گئی ہے کہیں۔" ی نے انہیں مطمئن کرنے کو کہا تھا۔ مگر ایسا کہتے ہوئے اس کا اپنا دل بے حد پریشان تھا۔ انابیہ کو اب گھر پہنچ جانا چاہیے تھے۔ اس کے کیمپس سے یہاں تک کا فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا۔ بیس منٹ کی ائیو تھی۔ ٹریفک جام ہوتی تو زیادہ سے زیادہ چالیس منٹ لگ جاتے۔ مگر اب تو.......

اُس نے گھڑی دیکھی تھی اور اُس کی پریشانی دوچند ہو گئی تھی۔ دوسری طرف آنٹی کا برا حال تھا۔ اوزی ھ بھی سوچنے سے قبل لامعہ کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ اور لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

"ہیلو لامعہ! ـــــ کیا ہوا؟" اوزی نے عجلت سے دریافت کیا تھا۔

"اوزی! انابیہ کہیں نہیں ہے۔ شاید وہ کسی حادثے کی نذر......."

"لامعہ! پلیز ـــــ" اوزی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

''اوزی! پلیز، میں انابیہ کی دوست ہوں۔ اُس کی اس طرح گمشدگی میرے لئے بھی اتنی ہی پریشان کن ہے۔'' لامعہ حق نے وضاحت دی تھی

''لامعہ حق! ابھی تک انابیہ کی گمشدگی کنفرم نہیں ہوئی ہے۔ پھر تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ وہ گم شدہ ہو چکی ہے۔تم نے یہ کہا بھی کیسے؟'' اوزی کا لہجہ اشتعال انگیز تھا۔

''کول ڈاؤن ـــــــ میرا مطلب وہ نہیں تھا اوزی! میں بھی اتنی ہی پریشان ہوئی ہوں یہ خبر سن کر جتنا کہ تم۔ اینی ویز، میں وہاں آ رہی ہوں۔تم فوراً ہاسپٹلز اور دیگر مقامات میں فون کر کے پتہ کرو۔ ساتھ ہی پولیس کو خبر کرو۔'' لامعہ نے عجلت میں فون بند کر دیا تھا۔ مگر اوزی کی پریشانی مزید بڑھ چکی تھی کہ انابیہ کہیں کسی دوست کی طرف نہیں تھی۔ تو پھر وہ کہاں تھی؟ ـــــــ کہیں واقعی وہ کسی ایکسیڈنٹ کی نذر تو نہیں......

مگر اس سے آگے اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا تھا۔

صورتحال بہت مشکل تھی۔ آنٹی کا برا حال تھا اور وہ دلاسہ دینے کی کوشش میں مسلسل ناکام تھا۔

وہ دل میں مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا کہ انابیہ ساتھ خیریت کے ہو۔ ہاسپٹلو کے نمبرز ملاتے ہوئے اس کے ہاتھ واضح انداز میں کانپ رہے تھے۔

آنٹی مسلسل رو رہی تھیں۔

''انابیہ ـــــــ میری بچی ـــــــ''

اوزان سید کے چہرے سے پریشانی واضح طور پر چھلک رہی تھی۔ انابیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آنٹی کا برا حال تھا۔ دادا جی بھی پریشان تھے۔ مگر وہ مرد تھے۔ کڑے حالات میں بھی ضبط رکھنا جانتے تھے۔

اوزان سید تمام تر اندرونی کیفیات پر بھرپور انداز میں قابو پاتے ہوئے عفنان علی خان کا نمبر ملانے لگا تھا۔

''عفنان! ـــــــ کہاں ہو تم؟''

''آفس میں ہوں ـــــــ کیوں، کیا ہوا؟'' اس کے لہجے کی پریشانی بھانپتے ہوئے عفنان علی خان نے دریافت کیا تھا۔

''مجھے اس وقت تمہاری بہت ضرورت ہے۔'' اوزان سید کا انداز بے حد اُلجھا ہوا تھا۔ پریشانی سے پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔

''ہوا کیا ہے؟ ـــــــ تم اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟''

''انابیہ اِز مسنگ۔'' اوزان سید کا لہجہ عجب نیم جاں تھا۔

''وہاٹ ـــــــ؟'' عفنان علی خان کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا تھا۔ ''پاگل تو نہیں ہو گئے تم؟''

''عفنان! یہ وقت بحث کرنے کا نہیں ہے۔تم آ جاؤ ـــــــ مجھے تمہاری فوری ضرورت ہے۔ انابیہ کا واقعی کچھ پتہ نہیں ہے۔ میں ہر جگہ پتہ کر چکا ہوں ـــــــ یہاں پر صورتحال واقعی تشویش ناک ہے۔تم فوراً پہنچو۔ ہمیں فوری طور پر تھانے میں رپورٹ کرنا ہے۔

''میں...... میں آ رہا ہوں۔ پریشان نہ ہو۔ انشاء اللہ انابیہ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' بے حد عجلت میں کہتے

نان علی خان نے کال کا سلسلہ منقطع کیا تھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر انتہائی سرعت سے باہر نکلا ات پر قابو پانے کی ساری کوششیں رائیگاں ہو رہی تھیں۔ ذہنی انتشار بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ مگر ن خان کو خود پر بے حد اختیار رکھنا تھا۔ جب تک کہ وہ اسے تلاش نہ کر لیتا ـــــــ اُسے ایک کڑے رورت تھی۔ اور وہ یہ بات جانتا تھا۔

توجہ کے وصف کیا بدلے تھے، سارے منظر دھندلے سے ہو کر رہ گئے تھے۔ دل سوچتا بھی تھا تو سارا زمانہ خواب سا لگتا تھا۔

وہ زینہ اتر رہی تھی، جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو زینے کے آخر میں کھڑے پرسنل سیل پر کسی سے محو گفتگو پایا تھا۔ موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ دوسری طرف کوئی بھی ہوتا مگر جو بھی تھا، سردار صاحب کے دل کو مطلوب ترین تھا۔ خاصا بلند قہقہہ کانوں میں پڑا تھا۔ وہ آخری زینے پر قدم رکھتے ہوئے اپنی ساری توجہ اس شخص پر مبذول کئے ہوئے تھی۔ نتیجتاً پاؤں مڑا تھا اور قریب تھا کہ وہ گر جاتی ـــــــ سنبھلنے کے لئے اس کا مضبوط شانہ غنیمت لگا تھا۔ بے دھیانی میں ہاتھ اس کی پشت پر پڑا تھا۔ مگر سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کی پیشانی اس کی مضبوط پشت سے جا ٹکرائی تھی۔ فقط پیشانی ہی کیا وہ پوری کی پوری اس وقت سردار سبکتگین حیدر لغاری کی چوڑی پشت سے کسی بیل کی مانند لپٹی ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس آفتِ ناگہانی پر مڑ کر بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ لمحہ بڑی خجالت کا تھا۔ وہ نگاہ ملانا تو دوسری بات، سر تک نہ اٹھا سکی تھی۔ نگاہیں ایسی چور تھیں جیسے اس نے کوئی ڈاکہ ڈال دیا ہو۔ شرمندگی اس قدر تھی کہ دھڑکنوں کے اندر ایک انتشار برپا ہونے کے ساتھ سارا وجود بھی کانپ رہا تھا۔ قربتوں کی کہانی عجیب تھی۔ دھڑکنوں میں آہنگ تو تھا مگر امنگ نہیں۔ قربتوں کے اس لمحے میں حدت ضرور تھی مگر شدت ہرگز نہیں۔ ایک مخصوص خوشبو اس کے اطراف تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گردن کا رُخ موڑے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال نے لرزتی پلکوں کے ساتھ ایک چور سی نگاہ ڈالی تھی اور بہت آہستگی سے اپنا نازک ہاتھ جو اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مضبوط شانے پر دھرا تھا، اسی طرح جھکی جھکی پلکوں سے ہٹایا تھا اور دھڑکنوں کے زیر و بم پر قابو پاتی وہ پیچھے ہٹی تھی۔ معذرت کا کوئی لفظ رسماً بھی لبوں پر لانے کی ہمت اس میں ناپید تھی۔ الٹے دو قدم چلتی وہ سر جھکائے اسی طرح دور ہٹی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی طرح گردن کا رُخ موڑے اُسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کوئی بھی تاثر واضح نہ تھا۔

”آئی......ایم......سوری!......وہ اچانک...... پاؤں......“ وضاحت دینے کے لئے لفظ تلاشنے چاہے تھے مگر سب بے سود تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی تمام تر ہمت اور محنت پر پانی پھیرتا، سیل فون کان سے لگاتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پلٹا تھا اور زینہ طے کرنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لئے یہ اقدام خاصا چونکا دینے والا تھا۔

چند لمحوں تک اسی طرح ساکت سی کھڑی رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی مائی اماں کے کمرے کی طرف آ گئی
چہرہ یوں تپ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو ـــــــ وہ لمحہ جھیلنا آسان نہ تھا۔
یدترین تضحیک محسوس ہوئی تھی۔

کیا ہوا؟ ـــــــ ایسے چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے؟“ مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ سر نفی میں ہلا گئی

کیا ہوا؟ ـــــــ سبکتگین حیدر نے کچھ کہا؟“ مائی اماں نے بھرپور تشویش کے ساتھ اس کا چہرہ ہاتھوں لے کر دریافت کیا تھا۔

نہیں ـــــــ ایسی بات نہیں ہے۔“

پھر ـــــــ ؟“ مائی اماں نے توجہ سے سبب دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔ مگر مائی اماں ت محبت کے ساتھ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

میری جان! ـــــــ گھر والوں کی یاد آ رہی ہے۔ ہے نا؟“

میں کچھ دنوں کے لئے نانو کے گھر جانا چاہتی ہوں۔“ میرب سیال نے انکشاف کیا تھا اور مائی اماں روں میں واضح طور پر تشویش اُبھری تھی۔

خیریت؟ ـــــــ یہاں کوئی تکلیف ہے تو مجھے بتاؤ؟ ـــــــ کوئی بات بری لگ گئی کسی کی؟“

نہیں ـــــــ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل میری اسٹڈی کا بہت حرج ہوا ہے اور اسے کور کرنا نروری ہے۔ سیفی سے میری بات ہوئی تھی۔ میں اگر وہاں جا کر کچھ دن رہ لوں گی تو بہت مدد مل گی۔“ اس نے مدعا بیان کیا تھا۔

ائی اماں کے چہرے پر کسی قدر اطمینان کی لہر دوڑتی نظر آئی تھی۔

”اچھا ـــــــ میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ واقعی، تجھے اگر کوئی پرابلم ہے تو تُو چلی جا۔ اس تراض والی بھلا کون سی بات ہے؟“ مائی اماں نے بلاتردّد کہا تھا۔

”تو ٹھیک ہے ـــــــ میں آج ہی چلی جاتی ہوں۔ سیفی کو فون کر دیتی ہوں، وہ مجھے لے جائے گا۔“ اٹھی تھی۔

”ٹھیک ہے بیٹا! لیکن وہاں جا کر اپنی مائی اماں کو مت بھول جانا۔ رابطے میں رہنا۔ ورنہ مجھے فکر رہے “ مائی اماں نے ہدایت جاری کی تھی۔ ”اور اپنا بہت خیال رکھنا۔“

میرب مسکرا دی تھی۔

”آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں سات سمندر پار جا رہی ہوں۔“

مائی اماں نے اُٹھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتی ہوئی بولی تھیں۔

”میرے لئے تو تیرا جانا ایسا ہی ہے ـــــــ ماں ہوں نا ـــــــ فکر تو رہے گی۔ اگرچہ وہ گھر تیری ل کا ہے۔“

میرب مسکرا دی تھی۔

”میں چلوں گی۔ چھوٹی موٹی پیکنگ بھی کرنا ہے۔“

”ہاں ـــــ ٹھیک ہے۔“ مائی اماں نے اجازت دی تھی اور میرب ساتھ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی دو قدم بھی نہ چل پائی تھی جب اس کا ہاتھ یکدم ہی کسی آہنی گرفت میں آ گیا تھا۔ گرفت اس قدر مضبوط تھ کہ تکلیف کا ایک واضح احساس اس کے چہرے پر اُبھرا تھا۔ کسی نے اسی قدر سرعت سے جارحانہ اندا میں اُس کا رُخ اپنی سمت موڑا تھا۔ سنبھلنے کی کوشش یقیناً بیکار تھی۔ کوشش کرتی بھی تو توازن برقرار نہ پاتا۔ شاید اسی لئے نیتجتاً وہ اس لمحے اس شخص کے اتنے قریب تھی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے وجود کی خوشبو اور وہ قربت حواس باختہ کرنے کو کافی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی دھڑکنوں کی آواز بھی سن رہ تھی۔ اُس نے بہت آہستگی سے سر اُٹھایا تھا۔ کوئی اُس کی سمت بہت خشمگیں نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے متوجہ ہونے پر اُسے بہت جارحانہ انداز میں شانوں سے تھام کر پُرتپش نظروں سے دیکھا تھا۔

”نگاہ اگر اجنبی ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نظر مائل نہیں۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ تم اپنے طو پر فیصلے لینے کے لئے اتنی آزاد ہو؟ اور تمہیں کسی کی اجازت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی؟“ دریافت کرنے کا انداز درشت تھا اور آنکھوں سے جیسے الاؤ نکل رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ احتجاج اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کی آہنی گرفت سے اس کے شا بُری طرح دُکھ رہے تھے۔ انگلیاں جیسے گوشت میں کھب رہی تھیں۔ میرب سیال نے اُسے بہت ناگوا سے دیکھتے ہوئے ایک لمحے میں اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے جھٹکے تھے اور دو قدم چلتی ہوئی اس کے حصار سے پیچھے ہٹ گئی تھی اور اس کی سمت مکمل خود اعتمادی سے دیکھتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

”میں کیا کرتی ہوں، کس لئے کرتی ہوں، کیوں کرتی ہوں، اس سب کی خبر رکھنے کی ضرورت آپ قطعاً نہیں۔ نہ ہی فکر کرنے کی۔ انڈر اسٹینڈ؟“ لہجہ، انداز سب اعتماد سے پُر تھا۔ اور سبکتگین حیدر لغاری اس کی ہمت پر حیران تھا۔

وہ ایک نظر بھرپور ناگواری سے ڈالتی ہوئی پلٹی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے حد جارحا انداز میں اُسے سرعت سے تھام کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ میرب سیال کے لئے اس کا یہ جنونی پن کچھ نیا نہیں تھا۔ کوئی شے قیاس سے باہر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے سامنے اسے کھڑا دیکھ کر یونہی مشتعل ہو گا۔ وہ اُس کے پُراعتماد نظر آنے پر اسی طرح تلملائے گا۔ اور سب کچھ اس کے انداز کے مطابق ہوا تھا۔ اسی لئے شاید سردار سبکتگین حیدر کے اس اقدام پر بھی وہ حواس باختہ نہیں ہوئی تھی۔ اس کی اتنی قربت پر بھی بوکھلائی نہیں تھی۔ وہ جس طرح سیخ پا نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، جواباً اس کا اندا اسی قدر مطمئن اور تسلی بخش تھا۔ اور یہ اطمینان یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے تسلی بخش نہیں تھا۔

”تم ـــــ کہیں نہیں جاؤ گی ـــــ!“ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے باور کرایا گیا تھا۔ نگاہو کی تپش ایسی تھی کہ جیسے اُسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ یقیناً ایسا کوئی انداز اس سے قبل اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ یہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا کوئی نیا ہی روپ تھا۔ سرخ آنکھوں میں جانے کیا تھا ـــــ میرب سیال جو متواتر دیکھنے کا قصد کئے بیٹھی تھی، یکدم ہی نظریں پھیر گئی تھی۔

ڈر اسٹینڈ ـــــ؟“

ے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے وہ بھاری قدم زمین کے سینے پر رکھتا ہوا، مضبوط قدموں سے چلتا
، بڑھ گیا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اس زمین کے سینے کو روند دینا چاہتا ہو۔ کیسا انتہا پسند دکھائی دیا
ں لمحے۔

ں تو اس شخص سے اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں تو یہ حال تھا۔ کوئی جذباتی وابستگی بھی نہیں دی تھی ـــــ
ذجہ، ذرا سا التفات ـــــ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ اس حد تک جاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اگر کوئی دلی
ہوتی تو وہ شخص کس حد تک جاتا؟

رب سیال ساکت سی کھڑی سوچ رہی تھی۔

ڑکنوں کے زیروبم میں اس پُرتپش چہرے کے ساتھ وہ اب بھی اسی سمت دیکھ رہی تھی جس سمت وہ
۔ ایک جلتا ہوا لمس اس کی کلائی پر اب بھی موجود تھا۔ انگلیوں کے نشان جیسے پیوست ہو گئے تھے۔

یہ اندازِ بیگانگی تھا۔

نبیت تھی۔

جانا پن تھا۔

پسندیدگی تھی۔

ر سب کچھ اس کے برعکس ہوتا تو کیا ہوتا؟

* * *

شویش بڑھ چکی تھی۔

لمحے بھر بھری ریت کی طرح ہاتھ سے سرکتے جا رہے تھے۔ اور ہر گزرتا لمحہ اپنے ساتھ مزید وحشتیں لا

ہ گھر جہاں انابیہ شاہ کے وجود سے زندگی دوڑتی تھی، وہ گھر انابیہ شاہ کے بغیر ایک ویران کھنڈر لگ رہا

نی وحشت تھی کہ جیسے کوئی صفِ ماتم بچھی تھی۔ گھر کے مکینوں کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے اور
ں دہلیز پر لگی ہوئی تھیں۔

’اوزی! تم دروازہ بند کیوں کر رہے ہو؟ ـــــ انابیہ کو آنا ہے ابھی۔ اور یہ کمرے کی لائٹس جلا دو ـــــ
نتے ہو ـــــ وہ اندھیرے سے کس قدر خوفزدہ ہوتی ہے۔“ ماہ وش پر عجب پاگل پن سوار تھا۔ بیٹی کی
رگی نے گہرا صدمہ دیا تھا۔ حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔

اوزی نے انہیں تھام کر اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا ـــــ آنکھوں سے بہت خاموشی کے ساتھ نمکین پانی
طرے ٹوٹ کر ماہ وش کے شانوں پر جذب ہوئے تھے۔

”آپ ـــــ کیا سمجھتی ہیں مام! ـــــ کیا مجھے کوئی دُکھ نہیں؟ ـــــ کیا مجھے کوئی فکر نہیں کہ وہ کہاں
اور کس حال میں ہو گی۔ ہمیشہ اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھنے والا بھائی آج کتنا بے بس

ہے۔ کڑے ترین حالات میں۔ جب کہ اس کی بہن مشکل میں ہے اور اسے اس کی شدید ضرورت وہ اسے ڈھونڈ نہیں پا رہا ہے۔ جان نہیں پا رہا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے ـــــ میر پر کیا گزر رہی ہے، یہ میں کسے بتاؤں؟" ماہ وش کو تسلی دیتے ہوئے وہ خود بھی ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ عفنا خان جو قدرے فاصلے پر تھا، چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا اور اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔ تسل ایک خاموش سا اظہار تھا اور اوزان سید کے لئے ان کڑے لمحوں میں اس کا ساتھ غنیمت تھا۔ ایسے جب کہ وہ بے حد تنہا محسوس کر رہا تھا خود کو، عفنان علی خان نے اس کے ساتھ آ کر اس کی بھرپور بڑھائی تھی۔

"تم مام کو کھانا کھلا دو ـــــ دادا جی نے بھی کچھ نہیں کھایا ـــــ یہ ٹھیک نہیں ہے اوزی! ـــــ کوشش کر رہے ہیں ـــــ پولیس بھی سرگرم عمل ہے۔ امید ہے بہت جلد انابیہ کا پتہ چل جائے گا۔ مت کرو ـــــ میں نے اوپر بات کی ہے۔ نیچے کے افسران کو کڑی ہدایت جاری کی گئی ہے۔ اگلے گھنٹوں میں انابیہ ہمارے درمیان ہوگی۔ انابیہ کو کچھ نہیں ہوگا ـــــ بیلیو می ـــــ میں اُسے کچھ نہیں دوں گا ـــــ اُسے آنچ بھی آئی تو تہس نہس کر کے رکھ دوں گا سب کچھ۔ اطمینان رکھو ـــــ جلد ہم میں ہوگی ـــــ یہاں، ہمارے درمیان ـــــ فقط بارہ گھنٹے ـــــ میں نے پاپا اور گین بات کر لی ہے۔ وہ بھی اپنے اثر ورسوخ استعمال کر رہے ہیں۔ اگلے چند گھنٹوں میں انابیہ کی کچھ خبر نہ یہ ممکن نہیں۔"

عفنان علی خان کے لہجے میں عجب ایک یقین بول رہا تھا۔ اپنے مضبوط ہاتھوں کی پوروں سے ماہ کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے بہت پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

"آیئے مام! کھانا کھا لیجئے۔ آپ کو مجھ پر یقین ہے نا؟ ـــــ انابیہ کو میں کچھ ہونے نہیں دوں اب تو آپ کھانا کھا لیجئے۔"

ماہ وش ضبط کا یارا رکھنے کی کوشش میں پھر رونے لگی تھیں۔ دادا جی الگ چپ چاپ سے بیٹھے تھے۔

عفنان علی خان ماہ وش کو شانوں سے تھام کر کھانے کی ٹیبل تک لایا تھا۔

"اوزی! تم دادا جی کو لا کر ٹیبل پر بٹھاؤ۔ کم آن یار! ـــــ اگر تم بھی یوں حوصلہ ہار دو گے تو صورتحال سے کون نمٹے گا؟" کونے میں نڈھال کھڑے اوزان سید کو گھرکا تھا۔ اوزان سید آہستگی سے ہوئے دادا جی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ قدم بے حد نڈھال اور چال میں واضح تھکن تھی۔

عفنان علی خان نوالے بنا کر ماہ وش کے منہ میں رکھنے لگا تھا۔

ماہ وش اگرچہ کھانا نہیں چاہ رہی تھیں مگر وہ انہیں بچوں کی طرح بہلاتے ہوئے مسلسل کھلا رہا تھا۔

"آپ کھانا نہیں کھائیں گی تو انابیہ بہت ناراض ہوگی۔" مسکراتے ہوئے وہ غالباً اُن کا دھیان سمت کی طرف ڈالنا چاہ رہا تھا۔ حالانکہ اس کی اپنی آنکھیں اس لمحے جلتی ہوئی سی محسوس ہو رہی کناروں پر سرخی پھیلی ہوئی تھی جیسے وہ اپنے اندر کی طغیانیوں پر بہ مشکل قابو پائے ہوئے تھا۔ چہرہ انداز پُر وحشت اور نڈھال سا تھا۔ اُس کے وجود کو دیکھ کر برسوں کی تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر وہ ا

اد کے آنسو سمیٹ رہا تھا۔ خود دل کتنے طوفانوں کی زد پر تھا۔ مگر وہ دوسروں کو مسکراتے ہوئے بہلا اپنی جان مشکل میں تھی۔ روح پر کوئی عذاب اُترا ہوا تھا۔

انس تک لینا دُشوار تھی۔

ب ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔

کر وہ مسکرا رہا تھا۔

"آپ انابیہ کو تو جانتی ہیں نا مام! ـــــ وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہے گی لیکن میری اور اوزی کی خیر نہیں یہ جان کر کہ ہم دو دو ہٹے کٹے لڑکوں نے آپ کا خیال نہیں رکھا، وہ بہت برہم ہوگی ـــــ اوزی کو پھر بھی وہ کوئی رعایت دے کر بخش دے مگر میں؟ ـــــ مجھے اپنی خیریت کے متعلق کوئی اتنا یقین

" مام کے منہ میں نوالے رکھتے ہوئے وہ مسکرانے کی کوشش میں عجب بجھا بجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔

"دادا جی! آپ ہی بتایئے ـــــ میں غلط ہوں یا صحیح ـــــ؟" عین سامنے بیٹھے دادا جی کی رائے تھی۔ مگر وہ کچھ نہیں بول سکے تھے۔ ہاتھ میں تھاما ہوا نوالہ وہیں پلیٹ میں رکھ دیا تھا اور عفنان علی خان جیسے ساری محنت اکارت ہوگئی تھی۔ بہت خاموشی سے وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا شیشے کی دیوار کے پاس جا تھا۔ کمرے میں اس وقت چار نفوس موجود تھے ـــــ مگر خاموشی قبرستان جیسی تھی۔

عفنان علی خان نڈھال سا کھڑا تھا۔ جب فون بجا تھا۔ اوزی نے سرعت سے پیش قدمی کی تھی۔ مگر اس زیادہ جلدی کا مظاہرہ عفنان علی خان نے کیا تھا اور فون اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو ـــــ!" کسی بھی متوقع خبر کو سننے کے لئے وہ ہر طرح سے تیار تھا۔

"ہیلو عفنان! ـــــ میں لامعہ بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ ـــــ!" عفنان علی خان کا سارا تجسس دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ ایک سرد سانس خارج کرتے وہ جیسے صبر آزما لمحے سے گزرا تھا۔

"کہو۔"

"میں انابیہ کے متعلق پوچھنا چاہ رہی تھی۔ کچھ پتہ چلا اُس کا؟ ـــــ کوئی خبر؟" لامعہ حق کا لہجہ سے بھرپور تھا اور آواز میں نقاہت واضح تھی۔

نہیں ـــــ اب تک تو نہیں۔" عفنان علی خان کا لہجہ سرد تھا۔

خدا کرے وہ خیریت سے ہو جہاں بھی ہو ـــــ مجھے تو اس کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ ماما اور پاپا بھی پریشان ہیں اس کی گمشدگی کو لے کر۔ میں تو اس خبر کو لے کر اتنی اپ سیٹ ہوں کہ ہائپر ٹینشن کری ہوگئی ہے۔ ابھی ابھی ڈاکٹر دیکھ کر گیا ہے۔ میڈیسن کے زیر ہوں۔ مگر انابیہ کی فکر پھر بھی نہیں جا آنٹی سے میری طرف سے معذرت کر لینا ـــــ میں جانتی ہوں مجھے اس وقت وہاں ہونا چاہئے میری حالت ایسی نہیں۔ میرے لئے اس صورتِ حال کو فیس کرنا آسان نہیں۔"

س کی لمبی چوڑی وضاحت اور تردید عفنان علی خان بہت ہمت سے سن رہا تھا۔

دوسری طرف غالباً لامعہ واقعی رو رہی تھی۔ لہجہ بھرا رہا تھا۔

عفنان علی خان غالباً اس کے خاموش ہونے کا منتظر تھا۔

”میں لڑکی ہوں —— سمجھ سکتی ہوں ایک لڑکی کی عزت کیسی آبگینوں سی ہوتی ہے —— ایک را گھر سے باہر گزری نہیں اور........“

”لامعہ! پلیز۔“ عفنان علی خان کے لئے اُسے مزید سننا دُشوار ہو گیا تھا۔ لہٰذا تمام تر مروت اور لحا بالائے طاق رکھتے ہوئے ناگواری سے گویا ہوا تھا۔

”تم لڑکی ہو اور یہی نہیں سمجھ رہی ہو کہ اس صورت حال میں ایک لڑکی اور اس کی ساری فیملی کتنی مشک میں ہو سکتی ہے۔ انابیہ جہاں بھی ہے، یقیناً اپنی مرضی سے نہیں ہے۔ اور ایک لڑکی ہونے کے ناتے تم بات یقیناً بہت اچھی طرح سے سمجھ سکتی ہو۔“ انتہائی کھردرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ انابیہ شاہ اور اس فیملی کا سب سے بڑا خیر خواہ لگا تھا۔

لامعہ کے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے تھے۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو عفنان! اس کڑے وقت میں انابیہ کی فیملی کو اور انابیہ کو ہماری ہمدردی کی ب ضرورت ہے۔ تم انابیہ کی فیملی کے لئے اتنا کر رہے ہو۔“

”بس یا کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو تم؟“ عفنان علی خان کا لہجہ حد درجہ بیزار تھا۔

”جیسے ہی کوئی خبر ملے، پلیز مجھے ضرور انفارم کرنا۔“ لامعہ حق کے آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہ تھا۔ ”انابیہ —— میری دوست —— میری بہن —— جانے کس حال میں ہو گی؟ —— اب تک نہ جانے کیا کچھ ہو چکا ہو گا اس کے ساتھ —— بارہ گھنٹے گزر گئے —— اور اس کا کچھ پتہ نہیں۔ ایک اس شہر کی پولیس کو بھی جانے کیا ہو گیا ہے۔ کبھی وقت پر —— کام نہیں کرتی —— کسی لڑکی کی گمش اس کی فیملی کے لئے کتنی پریشان کن ہو سکتی ہے، انہیں کاش اندازہ ہو جائے اور وہ بروقت کوئی اقدا سکیں۔“ لامعہ حق کا بولنا اور عفنان علی خان کا سننا خاصا مشکل تھا۔ مگر عفنان علی خان کی طرف سے اُ کا بھرپور مظاہرہ تھا۔

”سمجھ میں نہیں آ رہا انابیہ کی گمشدگی ہوئی کیونکر —— اُس معصوم لڑکی کی تو کسی کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھی۔ وہ بہت اچھی تھی۔“

”عفنان! —— یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ وہ کہیں اپنی مرضی سے —— اپنی منشا سے —— کسی ساتھ ——!!“

”لامعہ! —— ہم یہاں ضروری فون کال کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم اپنی یہ ہمدردی اور خیر خوا کبھی دکھا لینا۔ خدا حافظ۔“ عفنان علی خان نے پٹاخ سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا اور جلتی ہوئی کن کو انگلیوں کی مدد سے دباتے ہوئے گلاس ڈور کے پاس جا رکا تھا۔ اضطراری کیفیت میں جیب میں ڈالتے ہوئے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر برآمد کیا تھا اور اس ٹینشن زدہ ماحول سے ریلیف کے لئے سگ سلگا کر دھوئیں کے مرغولے بنا کر فضا میں منتقل کرنے لگا تھا۔

اوزان سید چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا اور تسلی کے لئے اس کے چوڑے شانے پر ہاتھ

اٹے سے بھرے اس ماحول میں سُوئی بھی گرتی تو آواز دُور تک جاتی۔

ھڑی کی سُوئیوں کی آواز خاموشی میں دور تک پھیل رہی تھی۔ رات کے اس پہر جب بہت سی ں خوابوں کی دنیا میں سفر کر رہی تھیں، کچھ آنکھیں جاگ رہی تھیں —— اور مسلسل جل رہی تھیں۔ ین رستوں پر لگے تھے —— مگر آنے والے کے قدموں کی چاپ کہیں دور تک بھی سنائی نہیں دے ی۔

ھڑی کی سُوئیاں آہستہ آہستہ آگے سرکتی جا رہی تھیں۔

ریباً چار بجے کا وقت تھا جب عفنان علی خان کا سیل فون بجا تھا۔ اسکرین پر سبکتگین حیدر لغاری کا نام ہوئے عفنان علی خان نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

”ہیلو گین! —— وہاٹ ہینڈ —— اینی پروگریس؟“ عفنان علی خان کا لہجہ بے چینی سے پُر تھا۔

وسری طرف سے جانے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیا کہا تھا، عفنان علی خان تیزی کے ساتھ پیپر سیٹنے لگا تھا۔ غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کوئی اہم ترین انفارمیشن دینے کے ساتھ کوئی ایڈریس بھی ڈاؤن کروا رہا تھا۔ شاید مشکل کا حل نکلنے کے قریب تھا۔ جان پر بھاری لمحے ٹلنے کا وقت آن پہنچا وح پر قیامت برپا کرنے والے لمحے اپنے پیر سمیٹ رہے تھے۔

عفنان علی خان نے سرعت سے پیپر کھینچ کر جیب کے اندر رکھتے ہوئے سیل فون پر گفتگو کا سلسلہ منقطع ھا اور اوزی کی طرف دیکھا تھا۔

”سبکتگین حیدر لغاری کو کمشنر صاحب کی کال موصول ہوئی ہے —— انابیہ سے متعلق پولیس کو کچھ ملے ہیں۔ اور پولیس اس وقت اس علاقے میں موجود ہے۔ کسی بھی ممکنہ کارروائی کی غرض سے۔ مجھے جانا ہو گا۔“ عفنان علی خان کی آنکھوں کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔ ویرانیاں اور بھی سوا ہو گئی تھیں۔ اُس کے پَر ہوتے تو وہ ایک لمحے میں وہاں اُس جگہ پر پہنچ چکا ہوتا۔ اوزان سید کو اس کے انداز میں نظر آئی تھی۔ یہ خبر اتنے دل دہلا دینے والے ساکت لمحوں میں ایک ارتعاش بن کر آئی تھی۔ سناٹے ایک شور سنائی دیا تھا۔ خوش آئند تھا یا کہ نہیں، یہ وہ دونوں نہیں جانتے تھے۔ مگر دونوں کے لئے صرف ن لینا کافی تھا کہ انابیہ کے متعلق کوئی خبر ہاتھ لگ گئی تھی —— یہ اذیت اگر تھی بھی تو اس اذیت سے ں بہتر تھی جو وہ انابیہ کی گمشدگی سے لے کر اب تک جھیل رہے تھے۔

”رکو عفنان! میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔“ اوزان سید نے کہا تھا۔

عفنان علی خان نے مُڑ کر صوفے کی پشت سے سر لگائے سوئے دادا جی اور ماہ وش کی طرف دیکھا تھا۔

”مگر دادا جی اور ماہ وش ماما ——؟“ عفنان علی خان نے کسی خدشے کے پیش نظر اوزان سید کی ت دیکھا تھا۔ ”میرے ہوتے ہوئے انابیہ کو کچھ نہیں ہو گا —— بیلیو می —— انابیہ جتنی اس گھر کو ز ہے اس سے کہیں زیادہ مجھے عزیز ہے۔ انابیہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ اگر ہوا تو اس کی تمام تر ذمے داری تم بلا جھ پر عائد کر دینا۔ میں ہر الزام اپنے سر لینے کے لئے تیار ہوں گا۔“ عفنان علی خان کا لہجہ مضبوط اور دل سے بھرا ہوا تھا۔

اوزی نے اُسے بغور دیکھا تھا۔ وہ ابھی اُلجھن میں تھا۔ تبھی ماہ وش کی آنکھ کھلی تھی۔

"کیا ہوا؟ ـــــ تم لوگ اس طرح کیوں کھڑے ہو؟ ـــــ انابیہ کی کوئی خبر آئی؟" انہوں نے دریافت کیا تھا۔ اور اوزی اُن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"جی مام! ـــــ ہم آپ کو یہی بتانا چاہ رہے تھے۔ اچھا ہوا آپ جاگ گئیں ـــــ فون آیا ہے۔ اور ہم وہیں جا رہے ہیں۔ آپ پلیز، اپنا اور دادا جی کا خیال رکھئے گا۔ ہم بہت جلد آ جائیں گے۔ انابیہ واپس لے کر ـــــ ہماری اپنی انابیہ کو۔"

اوزی نے ان کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے انہیں دیکھا تھا اور پھر عفنان علی خان کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان کے بھاری قدم آگے ضرور بڑھ رہے تھے مگر ہر قدم من من بھر کا لگ رہا تھا۔ جانے کیوں، دل بہت بوجھل سا لگ رہا تھا۔

اضطراب ـــــ بے چینی ـــــ کچھ مزید بڑھ گئی تھی۔

جانے کس حال میں تھی انابیہ ـــــ؟

کیا گزر رہی تھی اُس پر ـــــ؟

جانے کس نے اُسے کڈنیپ کیا تھا؟ اور کس خاص مقصد سے ایسا سب کیا تھا ـــــ؟

کتنے جلتے ہوئے سے سوال تھے دماغ میں۔ مگر ان کا جواب فی الحال کسی کے پاس نہ تھا۔

اور پتہ نہیں انابیہ زندہ بھی تھی یا کہ.......

اس سے آگے کی سوچ دل کی دھڑکنوں کو روکنے کے لئے کافی تھی۔ وہ ایسا کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خیریت کی کتنی ہی دعائیں اس نے دل ہی دل میں مانگ لی تھیں۔ آنکھیں مسلسل جل رہی تھیں۔ دل سے مسلسل ایک ہی صدا آ رہی تھی۔

انابیہ جہاں کہیں بھی ہو، خیریت سے ہو ـــــ زندہ اور صحیح سلامت ہو۔

* * *

کمرے میں مکمل طور پر اندھیرا تھا۔

انابیہ شاہ کا نیم جاں وجود کمرے کے عین وسط میں ماربل کے فرش پر چت پڑا تھا ـــــ اُس دونوں طرف کی کلائیاں کٹی ہوئی تھیں اور ان سے خون بہت تیزی سے بہہ کر پورے کمرے کے فرش پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس وقت ہوش و حواس سے بیگانہ تھی نہ اس درد پر کوئی سسکی تھی نہ کوئی آہ۔

زندگی کے احساس کی کوئی رمق جیسے اُس میں ناپید تھی۔ اندھیرے کمرے میں سناٹا ہی سناٹا تھا۔

پولیس نے گھر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا اور ممکنہ افراد کی تلاش شروع کر دی تھی۔

اس کمرے میں ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ عفنان علی خان کی کیفیت وہاں پہنچ کر عجب نیم جاں سی تھی۔ سے ساری ہمت جیسے کسی نے ایک پل میں نچوڑ لی تھی۔ جانے کیوں اُس کا دل مسلسل کسی خطرے کا دے رہا تھا۔ دل کو جانے کیوں کچھ ہو رہا تھا۔ کیفیت ایسی تھی کہ وہ خود آپ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یوں لگ

جسم سے جان جانے کو تھی۔ جیسے جسم بے روح ہو رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے لڑکھڑایا تھا جب سبکتگین حیدر نے اُسے سہارا دیا تھا۔

گین! مجھے لگ رہا ہے ـــــ یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میرا دل میرے ساتھ نہیں ہے۔ عجب ہٹ سی ہو رہی ہے۔ جیسے روح جسم سے نکل رہی ہو۔"

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے خاموشی سے اُسے حوصلہ دیا تھا۔

فنان علی خان گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا مگر پھر یکدم ہی عجب اضطراری انداز میں یہاں سے ہلنے لگا تھا۔ اوزی قدرے فاصلے پر ایس پی سے کچھ ڈسکس کر رہا تھا۔

حوصلہ رکھو ـــــ سب ٹھیک ہو گا۔ پولیس کارروائی کر رہی ہے۔ چند لمحوں میں صورتحال بس میں ہو انا یقین رکھو ـــــ انابیہ یہیں کہیں ہے، اسی گھر کے اندر۔" گین کا لہجہ پُر یقین تھا۔ عفنان علی نے عجب بے چینی سے چل کر آتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

گین! میں اندر جانا چاہتا ہوں ـــــ پلیز، ایس پی سے بات کرو۔ میرا دل گین! ـــــ بیلیو می، کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو، سنو میرے دل کی آواز ـــــ یہ دھڑک نہیں رہا ہے۔ انابیہ ٹھیک نہیں گین! ـــــ پلیز ـــــ ان سے بات کرو ـــــ مجھے اندر جانا ہے۔" وہ عجب جنونی انداز میں چیخ

ا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر ہلاتے ہوئے ایس پی کی طرف دیکھا تھا۔

"میں بات کرتا ہوں ـــــ مگر اس میں تمہاری اپنی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سب تمہاری سیفٹی لئے ہی تھا۔ اندر جا کر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ جو کوئی اندر ہے، وہ یقیناً ہتھیاروں سے لیس بھی ہو گا۔ میں طور پر تمہارے لئے کوئی رِسک لینا نہیں چاہتا ـــــ یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو تم۔" سردار سبکتگین لغاری نے نرم لہجے میں سمجھانا چاہا تھا۔ مگر عفنان علی خان کا ضبط اس گھڑی جواب دے گیا تھا اور وہ ڑا تھا۔

"کیا...... کیا صبر کروں میں؟ کیا سمجھوں؟ ـــــ میری جان جا رہی ہے ـــــ روح نکل رہی ہے اسے ـــــ اور تم کہہ رہے ہو میں سمجھوں۔ گین! ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ! ـــــ جان چلی جائے گی ی کیا رہے گا ـــــ ہاں ـــــ؟ کیا رہے گا باقی؟ ـــــ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟ ـــــ مجھے نے دو ـــــ پولیس اپنی کارروائی کرے ـــــ مگر میں اُسے خود دیکھنا چاہتا ہوں ـــــ اگر وہ اس ر میں ہے تو میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔"

اس کا انداز عجب جنونی تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لمحے لمبے چوڑے، نڈھال، نیم جاں ل کو دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"گو ـــــ گو اِن سائیڈ دی ہاؤس ـــــ بٹ بی کیئر فل! ـــــ تمہاری جان ہمارے لئے بہت ا ہے۔" ہدایت خاص تھی۔ مگر سننے کی فرصت غالباً عفنان علی خان کے پاس نہیں تھی۔ وہ سرعت سے مڑا اور بھاگتا ہوا گھر کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اوزی نے عفنان علی خان کو گھر کے اندر جاتے ہوئے دیکھا

تھااور پھر سبکتگین حیدر لغاری کی طرف آ گیا تھا۔

''یہ عفنان کیوں اندر چلا گیا؟''

''ضد ـــــ اُس کا دل ضدی بچہ بن گیا ہے ـــــ اور میں اُسے روک کر اس ضدی بچے پر کو
قدغن لگانا نہیں چاہتا ـــــ اگر میرے ایسا کرنے سے اس کے جنونی پن کو کچھ سکون میسر آ سکتا ہے او
اس کی اضطرابیت میں کچھ افاقہ ہو سکتا ہے تو اس کا اندر چلے جانا ہی بہتر ہے۔ اگر تم بھی چاہو تو اندر جا سک
ہو۔ مجھے امید ہے تم عفنان کا خیال رکھو گے۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مشورہ اس لمحے دل کے لئے راحت کا باعث بنا تھا۔ اوزان سید نے پیش
قدمی کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کے قدم تیزی سے اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ چار سمت کمر
ہی کمرے تھے۔

اوزان سید بھاگتے ہوئے عفنان علی خان کا تعاقب کرنے لگا تھا۔ ہزار گز کے اس گھر کے راستے ا
کے لئے یقیناً اجنبی تھے۔ عفنان عجب دیوانے پن سے ایک ایک کمرہ کھول کر جھانک رہا تھا۔ جانے کب
سے بند پڑا تھا یہ گھر ـــــ ماحول میں عجب ایک گھٹن سی تھی۔

عفنان نے ایک کمرے کی بتی جلائی تھی اور ساکت رہ گیا تھا۔ اوزان سید ایک ایک کمرے م
جھانک رہا تھا جب یکدم ہی نظر عفنان علی خان پر پڑی تھی۔ اُسے ایک کمرے کے دروازے پر ساکت
کھڑا دیکھ کر وہ تیزی سے اسکی جانب بڑھا تھا۔ عفنان علی خان عجب بُت بنا کھڑا تھا۔

اوزان سید نے اس کے عقب سے اندر جھانکا تھا اور وہ بھی اسی طرح ساکت رہ گیا تھا۔ اندر دکھائی د
جانے والا منظر وحشت ناک تھا۔ انابیہ شاہ کمرے کے عین وسط میں ـــــ فرش پر نیم جاں پڑی تھی
کمرے کا فرش اس کے خون سے نہایا ہوا تھا۔ عفنان علی خان کے پتھر سے وجود میں بہت آہستگی س
حرکت ہوئی تھی اور نیم جاں قدموں سے چلتا ہوا انابیہ کی سمت بڑھا تھا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے
مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ انابیہ کا سرد پڑتا وجود زندگی کی رمق س
جیسے عاری تھا ـــــ اوزی کی کیفیت بھی عفنان علی خان سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ بہت تھکے تھکے قدم دہلی
کے اندر پڑے تھے اور چلتے ہوئے انابیہ کے پاس آن رکے تھے۔ جھک کر اس کی ناک کے آگے ہاتھ ر
کر یقین کرنا چاہا تھا۔

''عفنان! یہ زندہ ہے ـــــ سانس لے رہی ہے ـــــ ہری اپ ـــــ ڈونٹ ویسٹ دی ٹا
اینی مور۔''

اس کی مدھم پڑتی سانسوں کی رفتار پر اوزان سید چیخا تھا۔ اور وہ ایک ڈوبتا لمحہ جیسے عفنان علی خان کے
تھکے ماندے، ہارے ہوئے وجود میں ایک زندگی کی رمق ڈال گیا تھا۔ اس کے شکستہ حوصلہ یکدم ہی زند
سے بھر گئے تھے۔ اُس نے سرعت سے اس کے بے جان پڑتے، سرد وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا
تھا اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔

پولیس بھی ان کے گرد جمع ہو چکی تھی۔ پورے گھر میں انابیہ کے علاوہ کسی وجود کے شواہد نہیں ملے تھے

ئی تھا بھی تو وہاں سے جا چکا تھا ـــــ غالباً اُسے پولیس کے آنے کی خبر پہنچ گئی تھی۔ پولیس کے ہاتھ
بوت لگے تھے جنہیں انہوں نے محفوظ کر لیا تھا۔

عفنان علی خان نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ چلتے ہوئے انابیہ کا وجود گاڑی میں ڈالا تھا۔ اوزان
ی تیزی سے فرنٹ ڈور کھول کر اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور عفنان علی خان نے طوفانی انداز میں گاڑی
، بڑھادی تھی۔

اس لمحے اُسے کسی خدشے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

کوئی حادثہ ہو جاتا تو ہو جاتا ـــــ

اس کی بلا سے ـــــ دنیا فنا ہو جاتی ـــــ اُسے کچھ پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ تھی تو فقط اتنی کہ انابیہ کو کچھ
ں ہو۔ وہ بچ جائے۔

اُس کی ڈوبتی سانسیں بحال ہو جائیں۔

اور وہ زندگی سے بھر جائے۔

اوزان سید کی کیفیت بھی اسی جیسی تھی۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ انابیہ اس کے لئے کچھ اور حوالہ رکھتی تھی
عفنان علی خان کے لئے کچھ مختلف۔

مگر دونوں کا مقصد فقط انابیہ کی جان بچانا ہی تھا۔

کیونکہ دونوں کو ہی وہ زندگی اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔

گاڑی اس رات کے پہر میں سناٹوں کو چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اوزان سید بار بار
ٹ کر جھکتے ہوئے انابیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور جسم ٹھنڈا ـــــ

عفنان علی خان کے لئے وہ لمحے جیسے قیامت کے سے تھے۔

''ہاؤ ـــــ ہاؤ اِز شی ـــــ؟'' عفنان علی خان کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آئی تھی۔ عجب شکستہ سا
تھا۔

''ڈونٹ وری ـــــ شی وِل بی فائن ـــــ خدا جانتا ہے ـــــ یہ ہمیں کتنی عزیز ہے۔ اسے کچھ
ں ہوگا۔ اوپر والا ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کر سکتا ـــــ تم حوصلہ رکھو۔'' ایسے میں جب اپنے
صلے پست ہو رہے ہوں کسی اور کو حوصلہ دینا نہایت دشوار تھا۔ مگر وہ دونوں اس وقت باری باری ایسا کر
ہے تھے۔ کیونکہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑا نیم جاں ہوتا وجود دونوں کو ہی بے حد عزیز تھا۔ وہ ـــــ
ندگی کی ہلکی سی رمق اپنے اندر لئے لڑکی ـــــ اگر اس لمحے دیکھتی تو جان جاتی کہ کوئی اُسے زندگی سے
ی بڑھ کر عزیز جانتا ہے۔

کسی نظر خاص کے لئے وہ کتنی خاص اور کسی دل کے لئے وہ جاں کی مانند ہے۔

یہ انکشاف انابیہ شاہ کے لئے یقیناً حیران کن ہوتا!

* * *

ہاسپٹل پہنچنے پر جس پریشانی اور تاخیر کا سامنا ہو سکتا تھا وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اور اس کے ایس پی

دوست کے باعث نہیں ہوا تھا اور انابیہ کو بروقت ٹریٹمنٹ مل رہی تھی۔

دونوں طرف کی کٹی ہوئی کلائیوں کے باعث بلیڈنگ بہت تیزی سے اور بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ یہ بات بہت بڑی تشویش کا باعث تھی۔ انابیہ شاہ کو اس لمحے مصنوعی سانس دی جا رہی تھی۔ مگر اس کی ڈو سانسیں عفنان علی خان کا دل دہلائے جا رہی تھیں۔ گلاس ڈور کے اس پار سے اُسے اُکھڑے اُکھڑ سانس لیتے دیکھ کر جیسے اس کا دل خود بھی ڈوب رہا تھا۔ کتنی بہت سی دُعائیں اُس کے لئے دل نے خاموش میں خدا سے مانگی تھیں۔

ابھی تھوڑی دیر قبل وہ انابیہ کے لئے اپنا بلڈ ڈونیٹ کر کے آیا تھا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اس کا ب گروپ انابیہ سے میچ کر گیا تھا۔ ورنہ او نگیٹو گروپ کے بلڈ ملنے میں یقیناً رات کے اس پہر بہت دُشوار ہوتی۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس پر جھکی اسے زندگی کی طرف واپس لانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔ اوزار سید میں بہن کی یہ کیفیت دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ ضبط سے لب بھینچے، سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ پلٹا تھا او راہداری کے ایک کنارے پر جا رکا تھا۔ مرد تھا —— لیکن اس حالت میں ضبط رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ گر گرم سیال مادہ آنکھوں کے کناروں کو توڑ کر نکلا تھا اور چہرہ بھگوتا چلا گیا تھا۔ عفنان علی خان کی نظریں اس گھڑی جیسے پتھرا گئی تھیں۔ ذہن کچھ سوچ نہ رہا تھا۔ نظریں صرف اس منظر پر جمی تھیں جو وہ شیشے کے اس پار سے دیکھ رہا تھا۔

انابیہ غالباً سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ اس کی سانسیں غالباً ٹوٹ رہی تھیں۔ ڈاکٹرز اس پر جھکے ہو تھے۔ کوششیں جاری تھیں اسے زندگی کی طرف لانے کی۔ پتہ نہیں کیا لکھا تھا اس کے نصیب میں۔ عفنان علی خان کتنا درد سا اٹھتا محسوس کر رہا تھا سینے کے بائیں طرف۔ جیسے اُس کی جاں اس گھڑی سخت مشکل مہ گھر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کی سمت بڑھا تھا اور اس کی پشت پر کھڑے ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے شولڈر پر رکھ دیا تھا۔

’’شی وِل بی فائن —— ڈونٹ وری۔‘‘ دلاسہ دیا تھا۔ مگر عفنان علی خان کے بُت بنے وجود میں کوئ حرکت نہیں ہوئی تھی۔ عجب مجنونانہ سا انداز تھا۔ عجب جنوں خیزی تھی —— سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کسی کی فیلنگز دیکھنا بہت حیران کن تجربہ تھا۔ اُس نے غالباً کبھی اس سے قبل ایسی کوئی کیفیت نہ تو کس کے لئے محسوس کی تھی نہ کسی اور کی سمت سے اس کا عملی مظاہرہ دیکھا تھا۔

کیا واقعی کوئی اتنا اہم کسی کے لئے ہو سکتا ہے؟

کیا واقعی کوئی اس قدر رگ جاں کے قریب ہو سکتا ہے؟

اتنا عزیز —— اتنا قریب کہ اس کے بغیر سب ہیچ لگے۔ اس کے نہ ہونے سے کوئی فرق پڑے او دل کو کچھ ہونے لگے —— کوئی قیامت سی روح پر اترنے لگے۔

وہ کتنی حیرت سے عفنان علی خان کی پتھرائی آنکھوں کے سرخ رنگ کناروں کو طغیانی میں گھرا ہوا دیکھ رہا تھا۔ کتنی خاموشی سے نمکین سمندر بند توڑ کر بہے جا رہے تھے۔

کیا محبت واقعی کوئی ایسی شے ہے؟ —— اتنا زور آور جذبہ ہے؟

کیا محبت اب بھی باقی ہے؟ —— اب بھی لوگ دیوانے ہوتے ہیں؟ —— کیا خردمندی سر پر رکھ کر اب بھی رخصت ہو جاتی ہے جب عشق کا خلل دماغ میں واقع ہوتا ہے؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس درجہ حیران تھا۔ وہ تو کوئی حوصلہ دینا چاہتا تھا عفنان علی خان کو —— کے دو بول بولنا چاہتا تھا —— مگر وہ کیسا لاجواب سا اس لمحے کھڑا اسے صرف خاموشی سے دیکھ ا۔

کیا محبت جیسی چیز اب بھی دنیا میں وقوع پذیر ہو سکتی ہے؟

ہو رہی ہے؟

لوگ محبت کی انگلی تھامے، دل کے اشاروں پر اب بھی چلتے ہیں؟ —— کیا اب بھی ایک جاں دو ب والا کوئی قصہ پارینہ ہونے سے رہ گیا ہے؟

داستانِ عشق کیا اب تک متروک نہیں ہو سکی؟ کیا اہل دل اب بھی باقی ہیں، دل کے اشاروں پر قدم چلنے کے لئے؟؟

وہ یہ تو جانتا تھا عفنان علی خان کسی لڑکی کے لئے سنجیدہ تھا۔ اس قدر اور اس طرح اس نوعیت تک، یہ وہ جانتا تھا۔

عفنان علی خان کی نظریں شیشے کے اس طرف منظر پر ٹکی تھیں جہاں انابیہ شاہ زندگی اور موت سے لڑ تھی۔

عفنان علی خان کی آنکھوں کے کنارے بہت خاموشی سے بھیگ رہے تھے۔

’’اُسے کچھ نہیں ہوگا —— بیلیو می —— شی وِل سروائیو۔‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مدھم لہجے یقین ہی یقین بول رہا تھا۔

’’جس لڑکی کو کوئی اتنا چاہتا ہو، اس کے ساتھ کی اتنی تمنا رکھتا ہو، اسے کیسے کچھ ہو سکتا ہے؟ —— خدا ارے دل کی آواز سن رہا ہے —— بس —— تمہارا ایمان کامل ہوگا —— اُمید رکھو —— محبت ل رہے گی —— تمہارے آس پاس، تمہارے دل میں۔ ہمیشہ کے لئے —— ہمیشہ تک۔‘‘

اس لمحے کی کوئی کرشمہ سازی تھی —— یا کچھ اور —— سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید خود نہیں جانتا کہ وہ کیا بول رہا تھا۔ اُس کا وہ جذبہ جسے اس نے کبھی خود برتا ہی نہیں تھا وہ اس لمحے اس کے حق میں صدا کر رہا تھا۔

ایمان نہیں تھا اُسے محبت پر —— پھر یہ کیسی اُمید محبت کی آبیاری کر رہی تھی؟

’’یقین رکھو —— شی وِل بی فائن —— اینڈ وِل بی یور۔‘‘

عفنان علی خان جیسے اس گھڑی کچھ نہ بن رہا تھا۔ اس کی نظریں صرف انابیہ پر تھیں جہاں ڈاکٹرز کی سلسل کوششوں کے بعد اس کی حالت سنبھل چکی تھی —— اُسے اطمینان سے سانس لیتا دیکھ کر صد شکر کے ساتھ عفنان نے اپنی آنکھیں میچی تھیں اور ایک گہری سانس خارج کی تھی جیسے ایک پہاڑ دل پر سے

سرکا تھا۔

''تھینک گاڈ!'' ایک رُکی ہوئی سانس خارج ہوئی تھی۔ ڈاکٹرز کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر وہ سردا سبکتگین حیدر لغاری کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا ـــــ اسے کچھ نہیں ہوگا۔''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''میں اوزی کو بتا دوں ـــــ وہ گھر فون کر دے ـــــ مام اور دادا جی کو ہم نے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اور تم ـــــ تمہیں بھی اب گھر چلے جانا چاہئے۔ مائی اماں او بھابی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ تھینکس۔'' لب بھینچ کر وہ مشکور ہوا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''تم پریشانی میں تھے ـــــ کیسے تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا؟ اینی ویز ـــــ مجھے فون کر کے انابیہ کے متعلق بتاتے رہنا ـــــ تم ابھی رُکو۔ ڈاکٹرز باہر آ رہے ہیں۔ ان سے بات کر لینا ضروری ہے۔ پتہ چل جائے گا کہ انابیہ کی کنڈیشن اب کیسی ہے ـــــ کہیں اُس کی حالت اب بھی تشویش ناک تو نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

ڈاکٹرز کی ٹیم باہر نکلی تھی اور عفنان علی خان انابیہ کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔

''ہاؤ اِز شی ـــــ ڈاکٹرز ـــــ؟''

''ایوری تھنگ اِز فائن اینڈ انڈر کنٹرولڈ ـــــ مگر پھر بھی اگلے بارہ گھنٹوں تک انہیں انڈر اوبزرویشن رکھنا ضروری ہے۔ ہم بلڈ دے رہے ہیں۔ مگر بلیڈنگ بہت زیادہ ہو جانے کے باعث اب بھی بلڈ کی ضرورت مزید باقی ہے۔ فرسٹ آف آل، آپ بلڈ کا بندوبست کیجئے گا۔ فی الحال آپ کا ڈونیٹ کیا گیا بلڈ موجود ہے ہمارے پاس۔ مگر وہ پیشنٹ کے لئے ناکافی ہے۔ حیرت کی بات ہے، غالباً ہم اسے کوئی فرد کل ہی کہیں گے۔ اتنا بلڈ ضائع ہو جانے کے بعد کسی کا بچ جانا کوئی معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی ہی باتیں ہیں جو خدا پر بندے کا ایمان مضبوط کرتی ہیں۔'' ڈاکٹر مسکرا رہے تھے۔

''کوئی پریشانی کی بات تو نہیں نا ڈاکٹر؟'' عفنان علی خان مطمئن نظر نہ آ رہا تھا۔

''یس ـــــ شی اِز اوکے ـــــ دو چار دن میں آپ اسے گھر بھی لے جا سکیں گے۔ مگر فی الحال کچھ ٹریٹمنٹ ضروری ہے۔ آئی تھنک یو انڈر اسٹینڈ۔'' ڈاکٹر ملائمت سے مسکرائے تھے۔

''تھینکس ڈاکٹر!'' عفنان مشکور نظر آ رہا تھا۔

''نو نیڈ فور دِس مائے سن! ـــــ جسٹ تھینکس ٹو گاڈ۔'' اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے تھے۔ عفنان علی خان، سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میں چلتا ہوں اب ـــــ صبح پھوٹ چکی ہے۔ گھر میں داخل ہوں گا تو نا معلوم کتنی کہانیاں جنم لے رہی ہوں گی۔'' سبکتگین حیدر لغاری ملائمت سے مسکرا رہا تھا۔ ''پریشانی میں گھر فون کر کے بتا نہیں سکا۔ سیل بھی سوئچڈ آف تھا۔ تشویش خطرناک حد تک ہو گی۔ اینی وے ـــــ چلتا ہوں۔ مجھے فون کرتے رہنا۔'' اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری آگے بڑھ گیا تھا۔

فنان علی خان، اوزی کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھنے لگا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے سیل پر انابیہ کے گھر کا تے ہوئے مام کو خیریت کی اطلاع دینے لگا تھا۔

جی مام! ـــــ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمیں مل گئی ہے۔'' عفنان علی خان کے لہجے مینان چھلک رہا تھا۔ مگر دوسری طرف ماہ وش جہاں یہ خبر سن کر لمحہ بھر کو خوش ہوئی تھیں، وہیں دوسرے ہرے پر ایک متضاد کیفیت دوڑ گئی تھی۔

کہاں تھی وہ؟ ـــــ اور اب کہاں ہے؟'' لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ وہ بیٹی جس کے لئے وہ کئی گھنٹوں سلسل پریشان رہی تھیں، مسلسل ایک ذہنی انتشار میں رہی تھیں، اب مل گئی تھی تو جانے کیوں لہجہ بجھا ا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ کئی گھنٹے گھر کی دہلیز سے باہر گزار چکی تھی۔

عفنان علی خان تمام تفصیلات سے انہیں آگاہ کر رہا تھا۔ مگر دوسری طرف ماہ وش خاموش تھیں۔

❄❄❄

بہت تھکے ماندے قدموں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔

صبح کی مخصوص سرگرمیاں گھر میں جاری تھیں۔ مائی اماں ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھیں۔ غالباً میرب کے کیمپس جانے کی تیاری زوروں پر تھی۔ بطورِ خاص بہو کے لئے ناشتہ تیار ہو رہا تھا۔ اور جس کے ناشتہ تیار کیا جا رہا تھا اور خاص لگاوٹ کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا وہ اس لمحے فون اسٹینڈ کے قریب کھڑی ر کسی سے گفتگو میں مصروف تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ ڈالی تھی۔

''سبکتگین حیدر! آ گئے تم بیٹا؟ ـــــ کہاں رہے رات بھر؟ ـــــ کم از کم فون ہی کر دیا ہوتا۔'' مائی پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔ وہ بہت تھکے ہوئے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''بس مائی اماں! کچھ مشکل صورت حال پڑ گئی تھی۔ سو موقع ہی نہیں ملا۔ اور سچ کہیں تو دھیان بھی نہیں ۔ ماحول خاصا ٹنس تھا۔'' سرخ ڈوروں سے بھری آنکھوں سے وضاحت دینا چاہی تھی۔ جب میرب کی آواز کانوں میں پڑی تھی۔

''جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے ـــــ اگر ہوتے تو بیچارا صاف پکڑا جاتا۔ جب باز پرس ہی نہیں کی جا تو پھر ایسے جھوٹ کا سہارا لینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ غالباً کسی سے فون پر گفتگو کر رہی تھی۔ چوٹ یقیناً اس یں تھی۔ گفتگو کا لب لباب اس کے کسی اپنے موضوع سے متعلق تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے وں لگا تھا کہ کوئی اس پر صاف طنز کر رہا ہو ـــــ چہرے پر ایک ناگواری نظر آئی تھی اور آنکھوں میں کسی رغصہ۔

''آؤ بیٹھو! ـــــ چائے لو ـــــ ناشتے میں کیا لو گے تم؟'' مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ مگر پھر تگین حیدر لغاری کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''تم بیٹھو، میں تمہارے لئے ناشتہ بنواتی ہوں۔'' وہ چلتی ہوئی کچن کی سمت بڑھ گئی تھیں۔ سبکتگین حیدر

لغاری بجائے بیٹھنے کے اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ نظریں جانے کیوں کچھ تفاوت پر کھڑے وجود کے سراپے میں اُلجھتی رہی تھیں۔

"صبح صبح میں کوئی وضاحت سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ نہیں ——— بالکل بھی نہیں ——— تم اپ تمام باتیں سنبھال کر رکھو ——— جب میرا موڈ ہوگا، تمہیں بتا دوں گی ——— کہہ دینا ——— مگر ابھ نہیں۔" میرب بہت شگفتگی سے مسکرا رہی تھی۔ اُس کے شفاف چہرے پر بہت اُجلا پن تھا۔ جیسے صبح اُ کے چہرے پر کھل رہی تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی موجودگی سے یقیناً واقف تھی۔ مگر انداز بے نیا اور سرسری سا تھا۔ جیسے اسے کوئی پرواہ نہ ہو۔ کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ کوئی اجنبی سی نگاہ بھی اس جانب نہ اُٹھ تھی۔ غالباً وہ دانستہ اس شخص کو نظر انداز کر رہی تھی۔ اس لمحے مسکراتی ہوئی وہ جیسے اس ماحول کا حصہ بھی نہ تھی۔ یا جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے لئے وہاں موجود ہی نہیں تھا۔

"سیفی! پلیز ——— میں آ رہی ہوں نا کیمپس۔ جو بات کرنا ہے، وہیں کر لینا۔ اور وہ سب باتیں بھ جو تم......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیا ہوا تھا۔ جانے کب، کیوں اور کیسے قدم میرب سیال کی طرف اٹھے تھے۔ اس کے قریب رکے تھے۔ بغور توجہ سے دیکھا تھا اور ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا. میرب سیال اسے حیرت سے تکنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر ا سے مکمل طور پر اجنبی انداز برتا تھا۔

"یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ ——— آپ کا ایسا کرنے کا کیا حق بنتا ہے؟ کیا، کیا ہے آپ نے یہ؟" میرب سیال کی ہمت قابل دید تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے یہ لمحہ یقیناً حیران کن تھا۔ کتنی ناگوار نظر آئی تھی ان سرخ آنکھوں میں۔ سرخی مزید بڑھ گئی تھی۔ کس درجہ بے نیازی تھی دوسری طرف۔ لاتعلق اور کس درجہ زعم ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آہنی ہاتھ بڑھا کر اس نازک شانے پر دھرا تھا اور ا کے ایک سمت دانستہ مڑے ہوئے چہرے کے رخ کو ہاتھ بڑھا کر اپنی سمت موڑا تھا۔ میرب سیال کے لئے صبح صبح یہ افتاد یقیناً ناگہانی اور ناقابل قبول تھی۔ مگر افسوس، اس لمحے وہ وہاں سے فوری طور پر چا بھی تو ہٹ نہیں سکتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری آنکھوں میں بہت سی ناپسندیدگی اور ناگواری لئے ا دیکھ رہا تھا۔ میرب دانستہ نظریں پھیر گئی تھی۔

"باز پرس کرنا چاہتی ہو؟ نظر رکھنا چاہتی ہو؟ تو پھر اس طرح نظر پھیرے کیوں کھڑی ہو؟ ——— نظ اٹھاؤ ——— دیدہ و دل پر وار کرو ——— حوصلہ ہے سہنے کا ——— جتنے تیر ترکش میں ہیں سب آزما لو۔ کو قید و بند نہیں ہے۔ مگر اٹس شڈ بی اے فیئر گیم ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پیچھے سے چھپ کر وا کرنے والے لوگ انتہائی ناپسند ہیں اور انہیں ان موصوف کی ڈکشنری میں کاورڈ کہا جاتا ہے۔ اور بزدلو کے لئے میری زندگی میں دوستی یا دشمنی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔" اس کے آہنی ہاتھ کی گرفت اس کے شا پر خطرناک حد تک سخت تھی۔ آواز بھی مدھم تھی۔ مگر لہجہ کسی قدر درشت تھا۔

میرب سیال کے لئے وہ لمحے قیامت خیز تھے، وہ جتنا ان قربتوں سے بھاگتی تھی، وہ لمحے اتنے

ی سے اس کے تعاقب میں آتے تھے۔ اس لمحے بھی وہ نظر پھیر گئی تھی۔ اس کے باوجود کہ اسے بزدل نہ جانے کیسے کیسے خطابات سے نوازا گیا تھا۔

"توجہ اور کرم کے پہلو وہاں نکلتے ہیں جہاں نگاہ میں تمناؤں کا ڈھیر دکھائی دے۔ خواب لمحوں کے ب میں آگے کا شوق اس قدر ہو تو نگاہ کو روشن رکھنا اور قدموں کو صحیح سمت پر ڈالنا ازحد ضروری ہے۔ سمت یا غلط سمت چلنے والے قدم منزل پر یا تو پہنچتے ہی نہیں۔ یا بہت دیر سے پہنچتے ہیں۔" جانے وہ کیا ھانا چاہ رہا تھا۔ جانے کیا سمجھا تھا وہ۔ جانے کیا اخذ کیا تھا؟

میرب سیال حیران تھی۔ مگر وہ جانتی تھی یا تو وہ غلط سمجھ رہا تھا یا پھر تمام لفظوں، معنوں اور رنگوں کو ف اپنے رنگ میں دیکھنا چاہتا تھا اور اپنے رنگ میں ہی دیکھتا تھا۔ اس کی ایک غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ رب سیال کو اپنے تابع اور رعایا کا حصہ سمجھتا تھا۔ مگر وہ اس کے حاکمانہ مزاج سے بغاوت کرنے کو تیار ڑی تھی۔

اس کی سمت بھرپور اعتماد سے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹایا تھا اور اسی قدر اعتماد ے مڑی تھی اور چلتی ہوئی ناشتے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تبھی مائی اماں ملازم کے ساتھ سردار سبکتگین یدر لغاری کا پسندیدہ ناشتہ لئے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"فارغ ہو گئیں تم؟ ——— چلو جلدی سے ناشتہ کر لو۔ اور گین! تم وہاں کہاں کھڑے ہو؟ ——— چلو ُ یہاں، ناشتہ کر لو۔ پھر آرام کر لینا۔ اور آج بزنس کے بکھیڑوں کو کچھ سائیڈ پر رکھ دینا۔ چہرے سے ہی ھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر قبل فاطمہ سے بات ہوئی تھی۔ اُسی نے بتایا انابیہ کے متعلق۔ تم ات بھر وہاں تھے تو خبر کیوں نہیں کی؟ ——— اب کیسی ہے وہ؟ ——— تم لوگوں سے فارغ ہو جاؤں تو بھی نکلوں گی اس کی طرف۔ ہوا کیا تھا اُس کے ساتھ؟ ——— فاطمہ بتا رہی تھی کوئی کڈنیپنگ کا کیس تھا؟ مد شکر کہ وہ بازیاب ہو گئی۔ مگر ——— کیا پتہ، کیا کیا گزری اس بیچاری پر ——— بتا رہی تھی، عفنان بہت ذیت میں رہا اسے لے کر۔" مائی اماں سلائس پر جیم لگاتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ بھی کہے بغیر اندر کی سمت بڑھ گیا تھا۔ میرب سیال کو اس شخص کے معاملات سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اور کوئی سروکار وہ رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

وہ کیا سمجھ رہا تھا؟ ——— میرب سیال اُس کی فکر میں دُبلی ہوئی جا رہی ہے؟ اُس کے متعلق ——— اُس کے معاملات سے متعلق اتنی کنسرن ہے؟ ——— سوچ خاصی شرمندہ کر دینے والی تھی۔ جبکہ ایسا کچھ تھا ی نہیں تو پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری اتنا خوش فہم کیوں ہو رہا تھا؟ کیوں سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے متعلق پرواہ کرتی ہے اور فکرمند ہے۔ اور اسے اس کے معاملات سے انتہائی حد تک لگاوٹ ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ وہ اجنبی بننا چاہتی تھی اور لاتعلق نظر آنا چاہتی تھی۔ اس کی یہ سوچ میرب سیال کے لئے کسی قدر تشویش کا باعث تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کوئی کل ڈھیلی ضرور تھی۔ عجب کھسکا ہوا شخص تھا۔ اور وہ اس کے متعلق سوچ کر یقیناً اپنا وقت برباد کر رہی تھی۔ اسے جو سوچنا تھا، وہ سوچتا رہتا۔ میرب کی بلا سے۔

میرب سیال نے ہر طرف کی سوچوں کو ایک طرف ڈالتے ہوئے چائے کا کپ اٹھایا تھا اور نیوز پیپر بغور نظریں جماتے ہوئے چائے کے سپ لینے لگی تھی۔

* * *

میرا کچھ ساماں
تمہارے پاس پڑا ہے
وہ ساون کے کچھ بھیگے بھیگے دن
رکھے ہیں
اور میرے اِک خط میں لپٹی
رات پڑی ہے
وہ رات بجھا دو
میرا وہ سامان لوٹا دو!
بت جھڑ ہے کچھ...... ہے نا
پت جھڑ میں کچھ پتوں کے
گرنے کی آہٹ
کانوں میں اک بار
پہن کے لوٹائی تھی
پت جھڑ کی شاخ ابھی
تک کانپ رہی ہے......
وہ شاخ گرا دو......
میرا وہ سامان لوٹا دو......

بات مصروفیات کے لمحوں کی نہیں تھی—— زندگی کچھ اتنی فراغت سے بھری بھی نہ تھی۔

مگر عجب کہانی تھی کہ ہر لمحہ اُس کی یادوں سے بھرا تھا۔ وہ جیسے سارے لمحے اپنے نام کرنا جانتی تھی۔

پھر وہ خود ہی دامن بچانا نہیں چاہتا تھا۔ نہ ہی چھڑانا—— عجب اک ڈور تھی۔

ان دیکھی—— ان جانی——!

مگر دل سے ایسی بندھی تھی کہ رابطہ ٹوٹا ہی نہ تھا۔ رابطہ بظاہر نہ سہی—— کوئی سلسلہ بھی نہ سہی—— مگر کچھ تھا—— یکطرفہ سہی—— مگر اذہان حسن بخاری اس سلسلے کو توڑ نہیں سکا تھا۔ وہ کتنے لمحے ساکت سا بیٹھا اس کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر کوئی سوال نہ تھا۔

نہ کوئی شکوے—— نہ شکایت——!

نہ جھوٹ موٹ کی خفگی—— نہ ناراضگی۔

بس وہ چپ چاپ ان خدوخال کو دیکھ رہا تھا۔

ں میں کوئی آنچ سی سلگتی ہوئی اب بھی باقی تھی۔

ئی دبی دبی سے چنگاری اب بھی راکھ کے نیچے دبی تھی۔

ں اک ذرا ہوا لگنے کی دیر تھی اور چنگاری کو آتش بنتے دیر نہ لگتی۔

لر اُسے خود پر اختیار تھا——

بے حد—— بے حساب——!

ر وہ خود یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا۔

و تمام تر اضطراب، تمام بے چینی، روح کے اندر کی افراتفری، دل کے اندر کی طغیانیْ، بے کیف ا کی شوریدہ سری دل جھیلتا تھا—— اور اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ سننے کے لئے بھی لچھ باقی نہیں بچا تھا۔

گر سب کچھ عبث تھا تو وہ کیوں چل رہا تھا اس راہ پر۔

کیوں مسلسل اس بےکلی کے ساتھ جی رہا تھا۔

اندر سے کئی سوال اٹھتے تھے۔ مگر وہ کچھ بھی ترک نہیں کر سکتا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی نہیں۔

ایک ایک نقش کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے اس ماحول کے اندر تھا۔ ان لمحوں میں جی رہا تھا۔

”کیوں...... کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ ایسا؟—— کیوں—— کس لئے؟“ کسی لہجے میں رجہ بے چینی تھی۔ مگر وہ نگاہ اجنبی سی تھی۔

”اگر تم سوچ رہے ہو کہ میں تمہارے اس طرح اجنبی ہو جانے سے تم سے اجنبی ہو جاؤں گی تو تم غلطی اذہان حسن بخاری! تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔“ دھمکی آمیز لہجہ تھے۔

”کیا...... کیا کرو گی تم؟—— بولو، کیا؟“ اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا

”جان—— جان دے دوں گی میں اپنی—— انڈراسٹینڈ؟“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تی ہوئی وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

”یہ کرنا آسان نہیں ہے—— اور تم ایسا کچھ کرو گی بھی نہیں—— انڈراسٹینڈ؟“ مضبوط لہجے میں رکراتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اور چلتا ہوا قدرے دُور جا رکا تھا۔

”تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو؟—— کیوں نہیں—— کہ ہمارے راستوں کی کوئی منزل نہیں ہے۔“

”اور کیا تم مجھے بھول سکو گے؟“ وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے لبریز یں۔ ایک ہلچل سی تھی ان سمندروں پر۔

”تمہیں اندازہ ہے اذہان حسن بخاری!—— تم کیا کر رہے ہو؟“

مگر رخ پھیرے اذہان حسن بخاری کے لبوں پر کوئی جواب نہ تھا—— فقط ایک چپ تھی۔ ساکت، ہاد چپ۔

”اذہان! میرے بغیر تم کیا کرو گے؟—— یہ دن—— یہ رات—— یہ لمحے، تمہیں نہیں لگتا ان

سب کا پل پل قیامت ہوگا کاٹنا۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟ ـــــ یہ فصیلیں کیوں اُٹھا رہے ہو تم اپنے اور میرے درمیان؟ ـــــ کیوں رکھ رہے ہو یہ صدیوں کی تفاوتیں اپنے اور میرے بیچ؟ ـــــ فاصلے آئیں گے تو صدیاں بن جائیں گے اذہان! تمہاری یہ نظر، تمہاری یہ نگاہ دوبارہ کبھی مجھے دیکھ نہیں پائے گی۔"

"پھر کیوں ـــــ کیوں چاہ رہے ہو تم ایسا؟ ـــــ وہ بھی دانستہ؟" ان بے چین بھیگتی آنکھوں مد اضطراب ہی اضطراب تھا۔ مگر ان سوالوں کا کوئی جواب اذہان حسن بخاری کے پاس نہ تھا۔

حُسن سراپا احتجاج تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری اسی طرح پشت پھیرے کھڑا رہا تھا۔

"ہمارے درمیان یہ فاصلے دانستہ ہیں۔ بہتر یہی ہے تم سب کچھ بھلا دو۔ فراموش کر دو۔ زندگی مد بعض باتیں بھلا دینا ہی ضروری ہوتی ہیں۔ ورنہ ان کی کسک جینے نہیں دیتی۔" رخ پھیرے پھیرے و مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"تمہیں یقین ہے اذہان! تم سے الگ ہو کر میں جی رہی ہوں گی ـــــ یا تم جی رہے ہو گے۔ کیو ـــــ کیوں بانٹ رہے ہو تم خود کو اور مجھے ٹکروں میں؟ ـــــ یہ ٹکڑوں میں جینا آسان تو نہیں ہوگا۔ تمہارے لئے، نہ میرے لئے۔"

خیالوں کا تمام سلسلہ ایک لمحے میں منقطع ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری کا سیل فون بج رہا تھا۔ وہ چونکا تھا اور تمام چیزیں وہیں چھوڑ کر کال ریسیو کر ہوئے ٹیرس کی طرف نکل گیا تھا۔ کمرے کا ماحول عجب ہو رہا تھا۔ گھٹن ہی گھٹن تھی ہر طرف۔ اذہان حس بخاری کے لئے سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔ آفس سے ضروری کال تھی۔ بات کرنا ضروری تھا۔ ورنہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں اس وقت نہ تھا۔ ٹیرس پر کھڑے بات کرتے ہوئے اذہان حسن بخا کو اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت اس کے کمرے میں کوئی آ بھی سکتا ہے اور ان بکھری چیزوں کو، ان تما یادوں کو دیکھ بھی سکتا ہے۔ وہ وہیں ٹیرس پر مصروفِ گفتگو تھا جب ساہیہ وہاں، اس کے کمرے میں آئی تھی

"اذہان ـــــ!" دروازے میں رک کر پکارا تھا۔ مگر جواب نہ پا کر اندر بڑھ آئی تھی۔

"اذہان ـــــ!" دوسری آواز دیتے ہوئے بھی وہ غالباً یہی اخذ کر رہی تھی کہ وہ واش روم میں ہے کمرے کے اندر قدم رکھتے ہوئے وہ یکدم چونکی تھی۔ بیڈ پر یہاں سے وہاں کئی **Souvenir** بکھر۔ پڑے تھے۔ کئی یادیں ـــــ کئی تصویریں ـــــ کئی خدوخال ـــــ اور ساہیہ خان نے جھک کر ایک تصویر اٹھائی تھی۔ نظر ساکت رہ گئی تھی۔ دل جیسے لحہ بھر کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔

ساہیہ اسی طرح تصویر پر نظریں جمائے کھڑی تھی جب اذہان حسن بخاری اندر داخل ہوا تھا اور سا خان کو وہاں موجود پا کر ساکت رہ گیا تھا۔

ساہیہ خان نے بہت آہستگی سے نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اذہان! ـــــ یہ ـــــ"

مگر اذہان حسن بخاری کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ شاید کہنے کو اس کے پاس تھا بھی نہیں۔ ساہیہ خان تصویر کو وہیں ڈال کر بہت سرعت سے مڑی تھی اور چلتے ہوئے اس کے قریب سے نکل جانا چاہا تھا مگر

ان حسن بخاری کی گرفت میں آ گیا تھا۔

ہیہ خان رک گئی تھی۔ مگر پلٹ کر اس کی سمت دیکھ نہیں سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے بہ غور نا۔ اس کی سمت سے رخ پھیرے کھڑی یقیناً ان لمحوں میں بہت دل گرفتہ تھی۔

کچھ کہو سنو گی نہیں؟ ـــــ کوئی وضاحت نہیں مانگو گی؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ مگر ساہیہ ا اس کی سمت دیکھے بہت آہستگی سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی اور اذہان حسن بخاری کھڑا اپنے اس تھ کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

ماہیہ خان گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی تھی اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ آنکھیں تیزی سے بھیگ رہی اور اس کے ساتھ اردگرد کے تمام منظر بھی بھیگتے دکھائی دے رہے تھے۔

یک اکیلی چھتری میں
جب آدھے آدھے بھیگ رہے تھے
آدھے سوکھے آدھے گیلے......
سوکھا تو میں لے آئی تھی
گیلا من شاید بستر کے پاس
پڑا ہو......!
وہ بھجوا دو......!!
میرا وہ سامان لوٹا دو......
ایک سو سولہ تاک کی راتیں
ایک تمہارے کاندھے کا تِل
گیلی مہندی کی خوشبو
جھوٹ موٹ کے شکوے کچھ
جھوٹ موٹ کے وعدے بھی
یاد دلا دوں......
سب بھجوا دو......
میرا وہ سامان لوٹا دو......
میرا کچھ سامان
تمہارے پاس پڑا ہے
وہ ساون کے کچھ بھیگے بھیگے دن رکھے ہیں
وہ میرے اِک خط میں لپٹی رات پڑی ہے
وہ رات بجھا دو......
میرا وہ سامان لوٹا دو......!

کیسا تھا یہ ہم سفر —— کیسا تھا وہ ساتھ —— کیسا بندھن تھا جو بندھے جا رہا تھا۔ کچا —— کچے دھاگے سے بھی بہت کچا۔ کچے رنگوں والا —— ایک کچن بندھن —— کچھ بوندیں پڑی تھیں اور سارا منظر بھیگتا چلا گیا تھا۔ سارے کچے رنگ پھیلتے چلے گئے تھے۔

پھیکے رنگ کتنی جلد اترے تھے —— اور —— ایسا —— ایسا تو ہوتا ہے —— پھر —— نظر حیراں کیوں تھی؟

دل میں عجب درد سا کیوں تھا؟

یہ کیوں چین نہیں پڑ رہا تھا؟

کیوں سب کچھ ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا؟

ساہیہ خان کو خود اپنے دل کی دھڑکنیں حد درجہ مدھم سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے —— کہیں —— کچھ ڈوب رہا تھا۔

کیا؟ —— وہ نہیں جانتی تھی۔

* * *

ویرانی تو تھی مگر اس درجہ بھی نہیں۔

پہلے جب گھر میں داخل ہوتا تھا، شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ مگر آج گھر میں داخل ہوا تھا ت ویرانی کا واضح احساس ہوا تھا۔

"مائی اماں! —— میرب کہاں ہے؟" جانے کس خدشے کے پیشِ نظر دریافت کیا تھا۔

"میرب تو اپنی نانی کی طرف گئی ہے۔ تجھے بتایا تو تھا، اسے اسٹڈی میں ہیلپ درکار ہے —— تمہارے ساتھ جانے کے باعث اس کی اسٹڈی کا خاصا حرج ہوا ہے —— جسے مکمل کرنا ضروری تھا۔ خیریت، تُو کیوں پوچھ رہا ہے؟ —— کیا میرب نے تجھے بتایا نہیں تھا ——؟" مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں شاید، بتایا تو تھا —— غالباً مجھے ہی یاد نہیں رہا۔ پریشانی اس قدر رہی کہ —— خیر میں دیکھ ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری الٹے قدموں واپس پلٹا تھا۔ مائی اماں حیرت سے تکتی رہ گئیں۔

"کہاں جا رہے ہو گین؟ —— کچھ مجھے بتاؤ گے تم؟" وہ راہداری کے دوسرے کنارے پر تھا۔ ما کی آواز سن کر پلٹا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"پریشان نہ ہوں مائی اماں! ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں واپس لوٹتا ہوں آپ کھانا تیار رکھیے۔" اُس کا شگفتہ لہجہ بھی شاید ماں کی ہی بدولت تھا یا پھر انہیں مطمئن کرنے کا کو بہانہ۔ وہ تیزی سے پلٹا تھا اور گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

چہرے کی کوئی کیفیت پراسرار یا سمجھ میں نہ آنے والی نہیں تھی۔ غالباً اپنے چہرے سے وہ بہت مطمئ اور ریلیکس نظر آ رہا تھا۔ انداز میں کوئی جارحانہ پن نہیں تھا۔ ڈرائیو بھی اسموتھ اینڈ سیف تھی۔ مطلوبہ مقا آنے پر گاڑی بہت اطمینان کے ساتھ روکی تھی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ دستک دینے

بہت عزت و احترام سے اندر لے جایا گیا تھا اور دیکھنے والی ہر نگاہ اسے وارم ویلکم دے رہی تھی۔ دیتی یوں نہ۔ آخر کو وہ اس گھر کا داماد تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری سب سے بہت خندہ پیشانی سے مل رہا تھا۔ لبوں پر بڑی شگفتہ سی مسکراہٹ ی۔ غالباً آج کے دن میں اس سے زیادہ خوش اخلاق کوئی دوسرا بندہ تھا نہیں۔

اس کا ثبوت وہ سب سے باری باری مل کر دے رہا تھا۔

سب خوش تھے —— حیران تھی تو بس میرب سیال۔

حیرت تھی تو صرف اس کی نظر میں۔

"گین بھائی! اس روز آپ سے ملنے اور آپ کو دیکھنے کی اتنی چاہ تھی۔ مگر افسوس، آپ دو بار آئے بھی پ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔" ہادیہ مسکرا رہی تھی۔ "لیکن ایک بات کہوں گی، آپ واقعی لاجواب ہیں۔ میرب بہت لکی ہے۔" ان سب کے شگفتہ جملوں کا جواب دیتا ہوا وہ کہیں سے بھی سردار سبکتگین حیدر ں نہ لگ رہا تھا۔ وہ تو کوئی اور ہی لگ رہا تھا۔ بڑوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے ایک خاص حدِ ں اور احترام —— مؤدب سا اندازِ گفتگو —— یہ آج کیا ہو گیا تھا اس بندے کو۔

میرب سیال اسی طرح ایک کونے میں ساکت سی کھڑی تھی۔

"نانو! —— کیا آج میں میرب کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں؟ وہ دراصل ایک دوست نے ت دی ہے اور میرب کا میرے ساتھ جانا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو......"

وہ کتنے مؤدب انداز میں انتہائی تابعداری سے کہہ رہا تھا۔ میرب سیال کی نگاہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ ا چاہ رہی تھی غالباً —— تو کیا —— سردار سبکتگین حیدر لغاری پھر کوئی جال بُن رہا تھا۔

"بیٹا! کیوں نہیں —— تم میرب سے پوچھ لو —— اگر اسے اعتراض نہ ہو تو ضرور لے جاؤ۔" نانو ں اور وہ اس ہجوم میں گھری میرب سیال کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

نظروں میں ملائمت تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔

"میرب! کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟"

"چلے گی کیوں نہیں؟ —— اس میں بھلا انکار کرنے والی بات کون سی ہے؟ میرب کو تو بہت خوش چاہیے۔ کیوں میرب؟" کزن راویہ نے اُسے مسکراتے ہوئے ایک آنکھ بند کر کے ٹہوکا مارا تھا۔ انداز رت سے پُر تھا۔ مگر میرب مسکرائی نہیں تھی۔ اس شخص کی سمت دیکھا تھا، نظریں ملی تھیں۔ ایک بھرپور نظر ا گئی تھی دوسری سمت سے۔ میرب خاموشی سے سر ہلاتی ہوئی چینج کے لئے اندر بڑھ گئی تھی۔

بڑی مختصر سی تیاری کے ساتھ وہ کچھ لمحوں کے بعد سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے تھی۔ موصوف ج ماموں کے ساتھ بیٹھے بڑے خوش گوار موڈ میں خود گپیوں میں مصروف تھے۔

"چلیں۔" چلتے ہوئے قریب پہنچ کر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت متوجہ ہوا ۔ ایک نظر سر تا پا اسے تنقیدی زاویے سے دیکھا تھا۔ پھر لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ب سیال جانتی تھی اس تمام میں اس کا کوئی اپنا مقصد نکلتا ہو گا۔

کہیں نہ کہیں اس کا اپنا مطلب ضرور ہوگا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا مقصد اور مطلب کے کوئی کام کر گزرتا، امپاسبل۔ اپنے کنسرن کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ رہتے رہتے وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے میرب سیال نے اسے بغور دیکھا تھا۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس کی سمت سے کوئی فکر لاحق نہ تھی۔ نہ ہی وہ اس کے موڈ کے اس قدر تابع تھا کہ اس کی اس درجہ پرواہ کرتا۔ اسموتھ اینڈ سیف ڈرائیو کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنے خوشگوار اور بھرپور موڈ کا احساس دیا تھا۔ اور ہاتھ بڑھا کر پلیئر آن کر دیا تھا۔

بھیگی سی اک رات یہ
لے آئی کیا ساتھ یہ!
دھڑکنیں جو ہمیں
کہنے لگی تھیں
خاموشی کے درمیاں
کب چاہی تھی بات یہ
دھڑکنیں جو ہمیں
کہنے لگی ہیں
نہ کہو......نہ سنو......!
خامشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے!!!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اور یہ تیور —— یہ شغف کب تھے اُسے؟

کتنا مسرور دکھائی دے رہا تھا وہ اس لمحے —— ڈرائیو کے دوران ایک بار بھی اس کی سمت نہ دیکا تھا۔ مگر چہرے کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

نہ کہو
نہ سنو
خامشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے

مغنی کی آواز دلربا تھی۔ ایک سحر باندھتی ہوئی۔ مگر اس سب کی ضرورت یہاں کہاں تھی؟ ——ا کس لئے؟ میرب سیال اگر حیران نہ ہوتی تو یقیناً قیامت ہوئی۔ وہ اس شخص کو سمجھنے کا جتنا دعویٰ کرتی تم کھلا یہی تھا کہ وہ کچھ نہیں سمجھی —— کچھ بھی نہیں —— اُسے مکمل طور پر سمجھنا غالباً ناممکن تھا ——ا کر اب یہ صورتِ حال —— ایسا کر کے وہ میرب سیال کو یقیناً چڑانا چاہ رہا تھا۔ مگر کیوں؟ —— لئے؟

وہ تو مطلوب نہیں تھی نا اسے ——؟

سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اس کے لئے دل میں۔

تو پھر یہ سارے بہانے کس بات کے لئے تھے؟ —— کس لئے تھے؟

وہ کچھ نہ سمجھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا تھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' سوال براہِ راست پوچھا تھا۔ مگر دوسری سمت سے جواب دیئے بغیر دوبارہ آن کر دیا گیا تھا۔

تقدیریں لے آؤں میں
تم سپنے دے دو مجھے
ایسا کیا ہے
اتنے کیوں اچھے لگتے ہو مجھے
تم ہی جیون کی آرزو
نہ کہو
نہ سنو
خامشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے......!!

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ جیسے واقعی اسے اس کی ںی حالت پر شبہ ہو۔ ہاتھ بڑھا کر پھر پلیئر آف کر دیا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ —— ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' تیز لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر ناری اس کی طرف دیکھے بنا اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔ رسانیت سے پُر انداز تھا اور بولا تھا تو اتنا ہی رکیف لہجہ تھا۔

''کہاں؟ —— وہیں جہاں سب لوگ جاتے ہیں۔'' ایسے پچکارا تھا جیسے کسی بچے کو۔

''کہاں؟ —— سب کہاں جاتے ہیں؟'' میرب نے اسے تشویش سے دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''اپنے گھر —— ہوم سویٹ ہوم۔'' مسکراہٹ دل جلانے والی تھی۔ اور میرب حیران تھی۔

''اپنا گھر ہوتے ہوئے کہیں باہر قیام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہا تو تھا تم سے، کہیں مت جانا۔ پھر ں تم نے —— حالانکہ تمہیں سمجھ لینا چاہئے تھا کہ عادت پڑ چکی ہے تمہاری —— تم نہیں ملو گی تو تب کتنا برا لگے گا نا۔ مگر تم بھی نا۔'' وہ ایسے بول رہا تھا جیسے دنیا کا بہترین کیئرنگ ہزبینڈ ہو۔

''تو آپ نے ان سب کے سامنے وہ جھوٹ کیوں بولا؟ —— اور میرا وہ سامان ——'' میرب کا لہجہ نیم جاں تھا۔ وہ ایک بار پھر شکست خوردہ تھی اور وہ شخص پھر فاتح دکھائی دے رہا تھا۔

''کسی شے کی فکر کرنے کی ضرورت آپ کو قطعی نہیں ہے سویٹ ہارٹ! —— میں ہوں نا —— پ کا تابعدار، فرمانبردار ہزبینڈ۔ میں نے تو آپ کے لئے ہر سبجیکٹ کے لئے الگ الگ ٹیوٹرز کا ندوبست بھی کر دیا ہے۔ تمہیں پریشانی قطعاً نہیں ہوگی۔ ہو تو بندہ حاضر ہے۔''

یہ کیا انداز تھا؟ —— یہ کیا تیور تھے؟ —— میرب سیال اس کے انداز پر حیران تھی اور ابھی اس حیرت سے باہر بھی نہیں نکلی تھی جب اس کے کانوں میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز پڑی تھی۔

”مقابلے کے لئے نظروں کے سامنے رہنا بہت ضروری ہوا کرتا ہے مسز لغاری! —— آپ غالباً یہ بات بھول گئی تھیں۔ دشمن سامنے ہو تو لڑنے کا لطف دوبالا ہو جایا کرتا ہے۔ کہا تو تھا آپ سے، بھاگنے والے بزدل لوگ مجھے پسند نہیں۔ پھر بھی آپ سمجھی نہیں۔ صد حیف —— کتنا سمجھاؤں آپ کو؟

اوہ —— تو یہ تھا ڈرامہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے شکار کو نظروں سے دور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دشمن کو نظروں کے سامنے رکھنے کی عادت تھی اس کی اور وہ.......

میرب سیال بہت تھکے ماندے انداز میں چہرے کا رخ کھڑکی کی سمت پھیر گئی تھی۔

وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا کہ اس کے مقابل دشمن خاصا ڈرا سہا، نڈھال اور بے ہمت تھا۔ لڑتا تو کس پر؟ —— سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور انتہائی فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

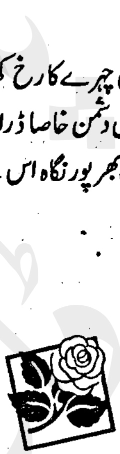

عفنان علی خان گہری نیند میں تھا۔ جب اس کے سیل فون کی مسلسل بجتی رِنگ ٹون نے اسے بری ڈسٹرب کر دیا تھا۔

وہ رات بھر سو نہیں سکا تھا۔ غالباً دو راتوں کی نیند تھی اور اتنی ہی تھکن —— سرخ آنکھیں کھل نہ رہی ں۔ اُس نے مُندی آنکھوں سے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا تھا اور کال ریسیو کر کے کان سے لگایا تھا۔

”ہیلو ——!“ لہجہ نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

”ہیلو عفنان! —— میں اوزی بول رہا ہوں۔“

”ہاں اوزی! بولو۔“

”عفنان! انابیہ........“

”انابیہ —— کیا ہوا انابیہ کو؟“ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا تھا۔ ساری نیند ایک لمحے میں اُڑ چکی تھی۔

”انابیہ کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ وہ ہوش میں آ گئی ہے۔“ دوسری طرف سے اوزی نے مطلع کیا تھا اور ان علی خان کی رُکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے بالوں ہاتھ پھیرا تھا۔

”تھینک گاڈ! —— تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔“

”ڈرا تو انابیہ نے مجھے بھی دیا تھا جب رات کے آخری پہر اچانک ہی اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ ....“

”تم ......تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ عفنان نے کمبل ہٹاتے ہوئے تیزی سے اس کی بات کاٹی ں۔

”تم تھکے ہوئے تھے عفنان! پھر تم نے ان دو دنوں میں جو کیا وہ کم نہیں ہے۔ میں نے تمہارے آرام غرض سے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں جانا۔ بہرحال، پہلے سے بہتر ہے وہ۔ رات میں ڈاکٹرز کی ری اٹینشن کے باعث اس کی کیفیت پر قابو پا لیا گیا تھا۔ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ جسم کا سارا خون ب نچڑ جائے تو پھر ویکنس تو ہوتی ہی ہے۔ دوسرے نیا بلڈ ایڈجسٹمنٹ میں کچھ وقت تو لیتا ہے۔ حالت ب سنبھلتے سنبھلتے ہی سنبھلے گی۔“ اوزان سید، انابیہ کی کیفیت کے متعلق مطلع کر رہا تھا۔ عفنان علی خان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”ٹھیک ہے —— میں آ رہا ہوں۔“

''عفنان! زیادہ جلدی نہیں ہے ـــــ تم آرام سے آنا۔ میں انابیہ کے پاس ہوں۔''

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''میں اپنی نیند پوری کر چکا ہوں۔ وہاں انابیہ کے پاس ہے کوئی تمہارے علاوہ؟''

''نہیں ـــــ ماما تھیں۔ مگر میں نے انہیں گھر بھجوا دیا ہے۔ اصل میں بہت پریشان تھیں۔ ان کی سمج میں تو یہ تک نہیں آ رہا کہ وہ کیا کریں۔ عفنان! انابیہ کا یوں گم شدہ ہونا معمولی بات نہیں ہے۔'' اوزان سیا نے کہا تھا۔ چند ثانیوں تک عفنان علی خان کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''تم آ رہے ہو پھر؟'' دوسری طرف سے اوزان سید نے جیسے اسے بیدار کیا تھا۔

''ہاں ـــــ آ رہا ہوں میں۔'' عفنان علی خان نے سلسلہ منقطع کیا تھا اور چند ثانیوں تک اسی طر چپ چاپ سا کھڑا رہا تھا۔ پھر سیل فون سائیڈ ٹیبل پر دھرا تھا اور پلٹ کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

* * *

نیویارک سے پاپا کا فون تھا۔ خیریت دریافت کر رہے تھے۔

وہ کیا کہتی؟ ـــــ کیا بتاتی؟ ـــــ کس حال میں ہے؟ ـــــ کیسی ہے؟ ـــــ لبوں پر جتنے بھ لفظ تھے سب جھوٹے تھے۔ رواداریوں میں رنگے ہوئے، مصلحتوں میں ڈوبے ہوئے۔ اور ایسا کر ہوئے وہ خود بھی تو ڈوب رہی تھی۔ دل اندر ہی اندر بیٹھ رہا تھا۔ زوبایہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ وہی مخصو سوال تھے ـــــ وہ خوش تو ہے ـــــ؟

وہ کیا کہتی؟ ـــــ خوشی کا مفہوم وہ بھول گئی تھی جب سے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے تعلق بنا تھا۔ اس کے اندر صرف ایک جال بنا تھا۔ پریشانیوں کا ـــــ فکروں کا۔ اُس نے صرف سمجھوتے کیے تھے۔ خود کو فقط مصلحتوں کا پابند کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ـــــ؟

کیا تھا وہ شخص؟ ـــــ کیسا تھا؟ ـــــ کیسے سوچتا تھا وہ؟ ـــــ کیسے جیتا تھا؟ ـــــ اپ قاعدے، اپنے اصول اور صرف اور صرف اپنی من مانی! ـــــ نہ کسی دوسرے کی کوئی فکر نہ پرواہ۔ جا ہے تو کوئی بھاڑ میں جائے، اس کی بلا سے۔

کیسا خود پسند شخص تھا۔ کیسی خود غرضی تھی اس میں۔ اور تیور، مزاج ساتویں آسمان پر رہتے تھے۔ شاید اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کیا کیوں کر رہا ہے؟ کس کے لئے کر رہا ہے؟ ـــــ میرب سیال نے کئ بار سمجھوتوں کی بنیاد پر اس شخص کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ کبھی نہیں جان سکی تھی کہ وہ درحقیقت کیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ساری کوشش ـــــ ساری ہمتیں ـــــ ساری محنت ـــــ ایک دم فضول تھے۔ سب بے کار گئے تھے۔ پتہ نہیں اس تعلق کو لے کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کیا اسٹریٹیجی تھی۔ کیا لائحہ عمل تھا؟ کیا سوچا تھا اس نے؟ ـــــ آخر کب تک اسی طرح چلتے رہنا تھا؟ اگر یہ رشتہ اتنا ہی ناپسندیدہ تھا، بوجھ تھا تو پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسا عقل مند بندہ اسے مسلسل ڈھوئے کیوں جا رہا تھا؟ ـــــ فون کریڈل پر ڈالتے ہوئے کتنا نمکین پانی آنکھوں سے باہر تھا۔ وہ پلٹی تھی جب اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ میرب نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کمزوری کسی پر عیاں ی مقصد سے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے آن کمزور لمحوں کو گرفت میں لینے کا خواہاں تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف موڑا تھا اور دلچسپی سے بغور تکنے لگا قت کمزوریوں کو ہوا دینے کے درپے تھا۔ میرب سیال تمام تر بند باندھنے میں ناکام رہی تھی۔ آنکھوں ناروں سے نمکین قطرے ٹوٹ کر گرے تھے اور سارے راز فاش کر گئے تھے۔ اُس کا رہا سہا بھرم بھی رہا تھا۔ چہرے کا رخ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تھا لیکن وہ بھیگتی پلکیں سخت اُلجھن میں گھری نے کھڑے شخص سے گریزاں سی تھیں۔ انداز سے صاف لگ رہا تھا وہ ایک لمحہ بھی وہاں مزید کھڑے رہنا چاہتی۔ اگر اسے موقع ملے تو وہ پہلی فرصت میں راہِ فرار اختیار کرے گی۔ نظریں پھیرے وہ طور پر اجنبی نظر آ رہی تھی۔ مگر وہ بھیگتی پلکیں تمام بھیدوں کی قلعی کھول رہی تھیں۔ سارے راز افشا ہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس کیفیت نے جیسے بلاشبہ محظوظ کیا تھا۔ ہاتھ بڑھایا تھا اور پلکوں پر ٹکے موتی کو اپنی پور پر لے لیا تھا اور بغور جائزہ لیتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''وقت، موسم، حالات کچھ بھی ہو، تمہارے حق میں نہیں ہے۔ اور دوسرے تم خود اپنے اوپر ظلم کرنے در پے ہو ـــــ یہ اذیت پسندی نہیں تو اور کیا ہے؟'' انداز بھرپور محظوظ ہونے والا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا کہ ایسا کر کے وہ شعلوں کو ہوا دے رہا ہے۔

میرب سیال کا سارا ضبط جواب دے گیا اور وہ پھٹ پڑی تھی۔

''تم ـــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری! ـــــ تم کب میری زندگی میں دخل دینا بند کرو گے؟ ـــــ ری ایک پرسنالٹی ہے۔ کب سمجھو گے تم کہ تمہیں میری زندگی میں کم از کم انٹرفیئر نہیں کرنا چاہیے۔ بڑے ل مینرڈ بنتے ہو ـــــ بہت توپ شے ـــــ مگر اتنی سی بھی تمیز نہیں ہے تمہیں ـــــ اتنے ادب و داب اور مینرز بھی سکھانے پڑیں گے تمہیں؟ ـــــ اور بائے دی وے، تمہارا پرابلم کیا ہے؟ ـــــ ہتے کیا ہو تم؟ ـــــ مجھے نہیں چاہتے ہو نا؟ ـــــ میں پسند نہیں ہوں نا تمہیں؟ ـــــ قصہ ختم۔ پھر ئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ ـــــ ناپسندیدہ چیزوں کی طرف تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا جاتا۔ پھر ہاری ناپسندیدگی کا پیمانہ کیا ہے؟ ـــــ کیوں میرے لمحے لمحے کی خبر گیری کرتے ہو؟ ـــــ جب ہارا میرا کوئی واسطہ ہی نہیں تو پھر تمہاری بلا سے ـــــ میں جیوں یا مروں، تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا ہئے۔ جب مزاج ساتویں آسمان پر ہے تو پھر سر جھکا کر بار بار زمین کی طرف کیوں دیکھتے ہو؟ ضرورت کیا ہے نیچے دیکھنے کی؟ ـــــ سچ بات تو یہ ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! عادت ہو چکی ہے تمہاری وسروں کی زندگی میں دخل اندازی کرنے کی۔ اپنی زندگی تو تم بہت سکون کے ساتھ، بڑے آرام کے ساتھ گزارنا چاہتے ہو اور گزار رہے ہو۔ مگر دوسرے اپنی زندگی کیسے جیتے ہیں ـــــ یا کیسے جینا چاہتے ہیں، اس بات کی پل پل خبر رکھتے ہو تم۔ اور مجھے تو آج تک یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ تم چاہتے کیا ہو خود سے اور ... سے؟ ـــــ اس رشتے کو نباہنا چاہتے بھی ہو یا کہ نہیں؟ ـــــ تم جیسا انٹیلکچوئل قسم کا بندہ اگر بیچ

میں لٹکے تو بڑا افسوس ہوتا ہے یہ جان کر۔ فیصلے کا اختیار جب ہاتھ میں ہو تو اس طرح وقت کو ٹالتے رہ بے وقوفی کے ہی زمرے میں آتا ہے۔“ اپنی تیزی سے بھیگتی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر پونچھ تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ساکت کھڑا اُس دیکھ رہا تھا۔

”کسی اور کا پیدا کیا گیا بگاڑ سدھارنا آسان نہیں ہوتا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری! اور تمہاری زندگی جتنی بے ترتیب ہے اسے لے کر تم تو کیا ہی کسی کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کرو گے کوئی اور بھی تمہارے ساتھ جینا نہیں چاہے گا ـــــ میرے لئے یہ انتہائی مشکل اقدام ہے جو میں سرانجام دے رہی ہوں۔ اس لئے نہیں کہ میری منشا اس میں شامل ہے۔ صرف اس لئے کہ میرے پیرنٹ نے ایسا چاہا ـــــ اس کا مطلب جانتے ہو ـــــ اس کا مطلب یہ ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! تم گ پڑا وہ ڈھول ہو جسے بجانا صرف میری مجبوری ہے۔ جانے کیا کچھ اخذ کئے بیٹھے ہو تم خود اپنے بارے میں جانے کن خوش فہمیوں میں ہو۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ تم قطعاً ایسے شخص نہیں ہو جس کی تمنا کوئی بھی لڑ کرے۔ نہ تو تم اچھے انسان ہو، نہ ہی اچھے جیون ساتھی بننے کے لائق ہو۔ جن جہانوں میں آباد ہیں نکل آیئے وہاں سے۔ خود کو دیکھئے، سامنا کیجئے اپنا اور دنیا کا۔ یہی بہتر ہو گا آپ کے لئے بھی اور دوسروں ک لئے بھی۔“ میرب سیال اسے بہت سی حقیقتوں کا ادراک دیتی، دوسرے معنوں میں آئینہ دکھاتی ہوئی پلٹی تھ اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ساکت سا کھڑا تھا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ جیسے ضبط انتہائی مشکل تھا۔

* * *

اوزان سید، انابیہ کے پاس تھا جب عفنان علی خان وہاں پہنچا تھا۔ اوزی بہن کو پوری توجہ سے سُوپ پلا رہا تھا۔

”آ گئے تم ـــــ؟“ اوزی اُسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

عفنان علی خان بھرپور توجہ سے انابیہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ مگر انابیہ شاہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی شاید ایسا دانستہ تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھی۔

”کیسی ہے اب انابیہ؟“ عفنان علی خان کو اس پر وہ پہلی توجہ ظاہر کرنا قدرے مشکل لگا تھا۔

”ٹھیک ہے ـــــ پہلے سے بہت بہتر۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ تم یہاں موجود رہو گے تو مجھے تسلی رہے گی۔“

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے سُوپ کا پیالہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ وہ نظر اب بھی اپنے اند اتنی ہی گریز پائی رکھتی تھی۔ اوزی اُسے ضروری ہدایات سونپ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ عفنان علی خا انابیہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

بعض اوقات بہت سی چیزیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہوتیں اور بہت سے لمحوں میں پتہ نہیں چلتا کہ بندہ کرے ـــــ بڑی گومگو کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ رکے یا آگے بڑھے یا پلٹ جائے۔

عفنان علی خان سُوپ کا پیالہ لے کر اس کی سمت آ گیا تھا۔ اسپون میں سُوپ بھرا تھا اور اسپون ا

ہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ مگر وہ یکدم ہی نظروں کے ساتھ چہرے کا رخ بھی پھیر کر مزید اجنبی ہو گئی عفنان علی خان کے لئے یہ رویہ کچھ اتنا غیر متوقع بھی نہ تھا۔ چند لمحوں تک پھر بھی نہ جانے کیوں وہ ح کھڑا رہا تھا۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ بڑھا کر انابیہ کے چہرے کا رخ اپنی طرف موڑا تھا اور سُوپ کا چمچ س کے منہ میں ڈال دیا تھا۔

ہ لمحے بڑے پُرسکوت تھے۔ گریزاں گریزاں ـــــ خاموش خاموش ـــــ اور بوجھل بوجھل۔ ت سے بھرے ماحول میں عفنان علی خان کے لئے سانس لینا آسان نہ تھا۔ مگر وہاں سے چلے جانا سان نہ تھا۔

دو تین اسپون مزید لینے کے بعد انابیہ شاہ نے نظر ملائے بغیر ہاتھ روک کر اُسے منع کر دیا تھا۔ عفنان ان نے سُوپ کا پیالہ ایک طرف رکھ کر سائیڈ پر دھرا تولیہ اٹھا کر اس کا منہ صاف کیا تھا۔ انابیہ شاہ کا اس کے ساتھ کبھی بھی لگاوٹ سے بھرپور نہ رہا تھا۔ مگر اس لمحے وہ اس سے مکمل طور پر اجنبی دکھائی رہی تھی۔ کوئی سرسری سی، بے خبری، بے دھیانی میں ڈالی جانے والی ایک نگاہ تک نہ تھی۔ بھولے بھٹکے بھی نظر اس کی سمت نہ اُٹھی تھی۔ لب ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ عفنان علی خان اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔ ایک لڑکی کے لئے اُس کی سیلف ریسپکٹ کیا معنی رکھتی ہے وہ سمجھ سکتا تھا۔ انابیہ کے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد یقیناً سب کو فیس کرنا آسان نہ تھا اور بالخصوص اُسے، جس کے سامنے وہ ہمیشہ سر اُٹھا کھڑی ہوتی تھی۔ کبھی جھکی نہ تھی۔ مگر اس لمحے اس کا وہ غرور، وہ تمکنت، وہ نسوانی وقار سب مٹی کا ڈھیر ائی دے رہے تھے۔ اور یہی بات تھی جو انابیہ شاہ کو نظر نہیں اٹھانے دے رہی تھی۔

عفنان علی خان نے کچھ کہے بغیر اُسے لٹا کر اس پر کمبل ڈال دیا تھا۔ انابیہ چند ثانیوں تک کھلی آنکھوں ے چھت کی سمت تکتی رہی تھی۔ جانے اب آنکھوں کے اندھیر ڈھیروں ڈھیر رکا ہوا نمکین پانی پلکوں کے نارے توڑ کر باہر نکلا تھا اور تکیے میں جذب ہو گیا تھا۔ انابیہ شاہ آنکھیں میچ گئی تھی۔

عفنان علی خان جو اس کی سمت سے رخ پھیرے کھڑا تھا، سست، نیم جاں قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل لیا تھا۔

عفنان علی خان کے قدموں سے تھکن واضح طور پر ظاہر تھی۔ آنکھوں میں عجیب دھواں سا بھرا تھا۔ جانے کیا شے ٹوٹی تھی اندر ـــــ آہٹ تک نہ ہوئی تھی۔ اسی انداز سے چلتا ہوا وہ باہر نکل آیا تھا۔

* * *

جانے کیوں ہمیشہ وہی ہوتا تھا جو وہ نہیں چاہتا تھا۔

صورت حال اس کے اختیار میں کبھی نہیں رہی تھی۔ حالات کبھی بس میں نہیں رہے تھے۔ مگر آج ایسا ہوا تھا تو ملال کسی قدر مزید دو چند تھا۔

ایک درد ایک بار کے لئے ہی کافی ہوتا ہے۔ بار بار ہو تو برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔ وہ ایک بار جو جھیل چکا تھا، دوبارہ نہیں چاہتا تھا۔ مگر ایسا جانے کیوں بار بار ہو رہا تھا۔

اذہان حسن بخاری دانستہ طور پر ایسا نہیں چاہتا تھا۔ ساہیہ خان جب سے زندگی میں آئی تھی وہ اس سے

کوئی ایک بات بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکا تھا۔ اور یہ بات بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جانے کیوں کبھی کہہ بھ نہ سکا تھا۔

بس اپنے دل ہی دل میں سوچ رکھا تھا۔ ایک دن ملے گا تو سب کچھ کہہ دے گا، سب کچھ بتا دے گا۔ ساری باتیں جو راکھ کے ڈھیر میں دبی تھیں۔ جو یاد بن کر دل میں انی کی طرح کھبی ہوئی تھیں۔ مگر ایک با پھر وقت اس کے حق میں نہ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

اسی وقت فارحہ چلتی ہوئی اس کے پیچھے آن رکی تھیں۔

’’کیا ہوا؟—— تُو اس طرح کیوں کھڑا ہے؟‘‘

اذہان نے فی الفور پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ فارحہ چلتی ہوئی بیٹے کے سامنے آن رکی تھیں۔ بغور چہر ے کو دیکھا تھا۔

’’کوئی پرابلم ہے اذہان؟‘‘

’’نہیں ممی!‘‘ اذہان حسن بخاری نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ماں کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔ ’’آپ سوئی نہیں اب تک؟‘‘

’’نہیں—— نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور تم...... تم بھی تو نہیں سوئے۔‘‘

’’ہاں—— مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔‘‘ اذہان کے لبوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

’’آپ...... آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔‘‘ ماں کو بغور تکتے ہوئے پوچھا تھا۔

فارحہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔

’’کبھی وہ وقت تھا اذہان! جب تمہاری ماں نے کسی پریشانی کا منہ تک نہ دیکھا تھا—— ازدواجی زندگی کے ہزار ہا مسائل ہوتے ہیں مگر میں بہت لکی رہی۔ میں نے اپنے گھر کی بنیادوں کو مضبوط تر کرنے کے لئے اپنی ساری قوت خرچ کر دی۔ مگر—— اچانک صرف ہوا کے ایک جھونکے کے آ جانے سے وہ ساری مضبوطی دھری کی دھری رہ گئی اور میرا سارا بھرم مٹی میں مل گیا—— خواب ٹوٹ جائیں تو آنکھوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے اذہان! پتہ نہیں مجھے تم سے اس بات کا شکوہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور تمہیں بھی یہ بات مجھ سے چھپانی چاہئے تھی یا کہ نہیں؟‘‘

’’کون سی بات ممی؟—— کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟‘‘ اذہان حسن بخاری چونکا تھا اور فارحہ نے ہاتھ اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا تھا۔

’’یہی...... یہی سب چھپا رہا تھا نا تُو مجھ سے اور خود سے؟—— یہی بات تھی نا جو تجھے سونے نہیں دے رہی تھی؟‘‘

اذہان حسن بخاری اپنے سامنے موجود تصویر کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ فارحہ پانیوں سے بھری آنکھوں کے ساتھ سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔ بولی تھیں تو لہجہ بہت شکست خوردہ تھا۔

’’اذہان—— بیٹا! تُو نے مجھ سے، اپنی ماں سے یہ سب کچھ چھپایا—— بتایا کیوں نہیں کہ تُو کیا چاہتا ہے اور یہ......‘‘ تصویر کا رخ اپنی طرف موڑ کر بھیگی آنکھوں سے تصویر کو دیکھا تھا اور پھر ہاتھ نیچے گرا

’’اذہان!—— بچے!—— تُو نے میرے لئے —— اس گھر کے لئے اپنی خوشیوں کی قربانی دی۔ اس وقت کیوں نہیں بتایا؟—— کیوں اتنا کمزور پڑ گیا تُو؟ کیوں جانے دیا خوابوں کو اپنی ں سے؟—— رنگوں سے کیوں ہاتھ کھینچ لیا؟—— جانتے بوجھتے تم نے ایس کیا—— حالات کڑے تو نہ تھے۔ ایک بار—— صرف ایک بار مجھ سے کہا ہوتا، میں کبھی ایسا نہ ہونے دیتی۔‘‘

’’ممی! پلیز—— جو ہو چکا ہے میں اس پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ جو ہونا چاہئے ہمیں بات صرف پر کرنی چاہئے۔‘‘ اذہان حسن بخاری رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا تھا۔

’’میں ساہیہ کے متعلق سوچنا چاہتا ہوں ممی! اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ اس وقت میرے سامنے ہے یرے لئے اس کی اہمیت باقی سب باتوں سے کہیں بڑھ کر ہے—— نگاہ کے سامنے کا کوئی منظر اہم ں۔ نہ گزشتہ نہ پیوستہ—— بس وہ اور صرف وہ—— میں ایمانداری سے اس سے تعلق باندھنا چاہتا ں۔‘‘ لہجہ مدھم تھا اور آواز بوجھل۔

فارحہ نے بیٹے کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔

’’اور تمہارے خواب؟—— تمہاری آنکھیں؟‘‘

’’سب فضول ہے ممی!—— کسی کی کچھ اہمیت نہیں۔ سب بے کار ہے۔ میں ان لوگوں میں سے یں ہوں ممی! جو سانپ گزرنے کے بعد لکیر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔ جو لکیر مٹ چکی، سو مٹ چکی—— ل کی کوئی حقیقت جب باقی ہی نہیں تو پھر اس کے متعلق سوچنے سے فائدہ؟‘‘

فارحہ کے دل کا بوجھل پن کچھ مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ پلٹی تھیں اور چلتی ہوئی زینہ اتر گئی تھیں۔

زندگی میں کیا ہوا تھا؟—— کیا ملا تھا؟—— ساری زندگی وفاداری کے نام کر کے کیا ہاتھ آیا تھا؟ گھر کا سُکھ، نہ بچوں کا سُکھ۔ دونوں بچے کیسا عجیب نصیب لئے بیٹھے تھے۔ بے رنگ خوابوں کا جیون، الی ہاتھ اور صرف پیاس۔ کیوں ہوا تھا ایسا؟—— کس لئے؟—— اس کا جواب شاید کسی کے پاس ہیں تھا۔

اذہان حسن بخاری پلٹ کر ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ شکست خوردہ سی چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی ھیں اور وہ خود، ارادے ہزار ہا مضبوط سہی، انداز اور لہجہ بھرپور توانا سہی مگر اندر کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی جگہ رکوئی شے بہت کمزور ضرور واقع ہوئی تھی۔ وجود کا وہ علاقہ بہت ویران سا تھا۔ مگر اس بات کی خبر اسے رف اپنے تک محدود رکھنا تھی!

❄❄❄

پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا اُسے؟

جانے کیوں وہ اتنا زیادہ بول گئی تھی۔

ہمیشہ ایک سبک ندی کی طرح، ایک سبک بہاؤ جیسا مزاج رکھنے والی لڑکی—— جانے کیسے اپنی داشت کھو گئی تھی۔ اب سوچ رہی تھی تو کسی قدر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ سردار سبکتگین حیدر

لغاری سے خوفزدہ تھی، اس کے کسی شدید ردِعمل سے ڈرتی تھی ــــ اُسے اس بات کا خوف نہ تھا کہ وہ بدلے کے طور پر کوئی سنگین ترین اسٹریٹجی اختیار کرے گا۔ اُسے ان باتوں کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔ اگر وہ کسی قدر شرمندہ تھی بھی تو اس باعث کہ اُس نے آج تک کسی کے ساتھ اس انداز سے بات نہ کی تھی۔ اتنے سخت لفظ استعمال نہ کئے تھے۔ افسوس تھا تو اس بات کا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو، اس کے مزاج کو ٹھکانے لگانے کے لئے اپنے معیار سے کس قدر نیچے آ گئی تھی۔ جو آج تک نہ کیا تھا وہ کر دیا تھا۔ شاید وہ جانتی تھی کہ زخموں کے گھاؤ بھر جانے والے ہوتے ہیں۔ مگر باتوں اور زبان کے گھاؤ کبھی نہ بھرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے باعث وہ جو سہہ رہی تھی، اس کے ساتھ کچھ ویسا ہی کر کے وہ اس کا کیا اسے لوٹانا نہیں چاہتی تھی۔ پھر کیا فرق رہ جاتا اس میں اور سردار سبکتگین حیدر لغاری میں۔

وہ ناشتے کے لئے ٹیبل پر آئی تھی تو نظر جھکی جھکی سی تھی۔

’’کیا ہوا؟ ــــ آج کیمپس جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟ ــــ بہت دیر سے جاگی ہو کیا؟ اور یہ تمہاری آنکھیں؟‘‘ مائی اماں نے اس کے لئے چائے انڈیلتے ہوئے چونکتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ میرب سیال اپنی جگہ چور سی ہو گئی تھی۔ بے ارادہ نگاہ اٹھی تھی اور عین اپنے سامنے بیٹھے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جا ملی تھی۔ دوسری طرف کوئی بے ارادہ سی نظر بھی نہیں تھی۔ بے تاثر چہرہ، سرد نگاہ۔ مگر توجہ کا کوئی پہلو جن سے نہیں نکلتا۔

’’جی ــــ وہ ــــ رات دیر تک اسٹڈی میں بزی رہی۔ اس لئے۔‘‘ میرب سیال نے بہانہ تراشا تھا۔

’’چلو ــــ جلدی سے ناشتہ کر لو۔ ورنہ پھر کیمپس کے لئے دیر ہو جائے گی۔‘‘ مائی اماں نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے محبت سے دیکھا تھا۔

’’نہیں مائی اماں! آج میں کیمپس نہیں جاؤں گی۔ مجھے نانو کے گھر جانا ہے۔‘‘ دھیمی آواز میں اطلاع دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر کوئی ری ایکشن نہ اُبھرا تھا۔ مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

’’ٹھیک ہے ــــ گین تمہیں ڈراپ کر دے گا۔ خیریت ہے نا سب؟ ــــ وہاں سب ٹھیک تو ہے؟‘‘ مائی اماں کے لہجے میں تشویش تھی۔

’’جی ــــ سب ٹھیک ہے۔ بس یونہی دل چاہ رہا تھا۔‘‘ میرب کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ مائی اماں نے اسے اور پھر گین کو بہ غور دیکھا تھا۔

’’شام تک لوٹ آؤ گی نا ــــ یا پھر ــــ؟‘‘ مائی اماں شاید اس سکوت کو کسی قدر توڑنا چاہ رہی تھیں جو اس وقت وہ اس ماحول میں محسوس کر رہی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت نیوز پیپر دیکھ رہا تھا۔ توجہ اس ماحول پر یا گفتگو پر بالکل بھی نہیں تھی۔

’’گین! مجھے زمینوں پر جانا ہوگا ــــ تمہارے چاچا کا فون آیا تھا ــــ زمینوں کے انتقال کو لے کر کچھ مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جنہیں بر وقت حل کرنا بہت ضروری ہے۔‘‘ مائی اماں نے اطلاع دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چونک پڑا تھا۔

’’آپ ــــ آپ کیوں؟ ــــ میں چلا جاتا ہوں نا۔‘‘

’’نہیں، تم نہیں۔ تمہیں یہاں پہلے ہی بہت مصروفیت ہے۔ اور یوں بھی میں نہیں چاہتی کہ تم ان سب یڑوں میں پڑو۔ یہ مسئلے بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ تمہیں ان باتوں کا کوئی تجربہ بھی نہیں۔ ہم برسوں سے ے مسئلے دیکھتے آئے ہیں اور حل بھی کرتے آئے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم اپنی ولایتی تعلیم کو لے کر کام کر رہے ہو وہی تمہارے لئے بہتر ہے ــــ اسی کو لے کر دن رات ایک کر دیئے ہیں۔ نہ ہمارے ے وقت ہے نہ ہی اپنے لئے ــــ ان بکھیڑوں میں اُلجھو گے تو اور بھی مشکل ہو جائے گی۔‘‘ مائی اماں نے اُسے قصداً روکا تھا۔

’’لیکن مائی اماں........‘‘ سبکتگین حیدر نے بولنا چاہا تھا مگر مائی اماں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ا۔ اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

’’گین! ــــ تم یہاں رہو۔ تمہاری ضرورت یہاں زیادہ ہے۔ کچھ نئے رشتے جو تمہاری زندگی میں ے ہیں انہیں اپنا حصہ بنانے کے لئے تمہیں خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے بچے! کیا یہ ایسی باتیں ں کہ بار بار انہیں دہرایا جائے؟‘‘ بیٹے کی طرف دیکھا تھا۔ گین کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر میرب کے لئے یہ خبر سی قدر پریشانی کا باعث ضرور تھی کہ اب وہ تنہا، یہاں صرف اور صرف اس شخص کے رحم و کرم پر ہو گی۔ ور اس سے کچھ اچھی امید اسے نہیں تھی۔

سینے میں دل ایک خوف سے دھڑکا تھا۔ ایک پریشانی کی لہر اُٹھی تھی اور بے چینی سارے وجود میں رایت کر گئی تھی۔

’’میرب! کیا ہوا؟ ــــ تم اس طرح سر جھکائے اپنے ناشتے کو کیوں گھورے جا رہی ہو؟‘‘ مائی اماں نے اسے جتایا تھا تو اسے اپنی حماقت کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

’’نہیں ــــ ایسی بات نہیں۔‘‘ میرب سیال نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے سامنے موجود شخص پر ایک نگاہ قصداً [illegible] الی تھی مگر دوسری طرف انداز بالکل سرد اور اجنبی تھا۔ جیسے کوئی تعلق مابین موجود ہی نہ ہو۔ میرب سیال اس [illegible] اٹھنے کی منتظر تھی کہ مائی اماں کی ہدایت کے مطابق جانا تو اسی کے ساتھ تھا۔

’’کب جانا ہے آپ کو مائی اماں؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری ماں سے مخاطب تھا۔

’’آج ہی ــــ تم جلد آ جانا۔‘‘ بیٹے کو ہدایت کی تھی۔

میرب کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

’’پھر تو میرا جانا بھی کچھ [illegible] ضروری نہیں مائی اماں! ــــ آپ جا رہی ہیں اور ــــ‘‘

’’نہیں، ایسی بات نہیں۔ تم چلی جاؤ، اگر تمہارا جی چاہ رہا ہے۔ میں نہیں چاہوں گی تم اس سے متعلق کوئی جبر کرو۔‘‘ مائی اماں مسکرائی تھیں۔

’’جبر؟ ــــ کیا جبر مائی اماں؟ ــــ کیا میں اس گھر کا حصہ........‘‘ وہ بولے جا رہی تھی مگر تبھی سردار سبکتگین حیدر چیئر کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جانے کیوں میرب سیال کو وہ لمحہ بھرپور احتجاج کا حصہ لگا تھا ... اسی طرح منہ کھولے بیٹھی تھی جب مائی اماں نے اٹھ کر محبت سے اس کے گرد اپنی بانہیں پھیلا دی

تھیں۔

”تم جاؤ ـــــ بچے اپنی ماں کے ساتھ اس قدر راہ ورسم نبھاتے اچھے نہیں لگتے۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ گین ہوگا نا یہاں ـــــ اور میرے لئے تم میں اور گین میں کوئی فرق نہیں۔“

مائی اماں کا انداز محبت سے لبریز تھا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ ملائمت سے مسکرائی تھیں، میرب سیال کے لئے اس لگاوٹ کے بعد جیسے کوئی راہ نہ بچی تھی۔ وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی سردار سبکتگی حیدر لغاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے اس کا منتظر تھا۔ گاڑی کے قریب رک کر وہ چند لمحے گومگو کی کیفیت می کھڑی رہی تھی پھر دروازہ کھول کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ سردار سبکتگی حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

درمیان کوئی لگاوٹ، کوئی جذباتی پن پہلے بھی نہ تھا۔ مگر اب کے خاموشی ہی خاموشی تھی۔ وہ اس رشت کو کبھی سمجھ نہ پائی تھی۔ اس کے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے درمیان جو ہوتا آیا تھا اور جو ہو رہا تھا و سب سمجھ سے باہر تھا۔

وہ شخص عجب مزاج رکھتا تھا۔ اس روز کی سختی کے بعد اچانک ہی نرمی در آئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ واپ لے آنا ـــــ شاید فضا کوئی نیا گیت سنانے کو تھی۔ مگر پھر یکدم ہی موسم بدلا تھا اور وہ تیز دھوپ میں ت کھڑی تھی۔

تمازت سے سارا وجود جھلس رہا تھا اور ہوا سانس لینے کو جیسے ناکافی تھی۔ دم گھٹ سا رہا تھا۔ کیسی زند ملی تھی اسے۔ کیسے ماحول میں جینا پڑ رہا تھا اسے۔

ابھی یہ حال تھا اور جب کبھی یہ رشتہ باضابطہ طور پر اسے بنانا پڑتا، تب کیا ہوتا؟ ـــــ کیسی صورتحال ہوتی؟ حالات اس سے تو کچھ بڑھ کر ہی پیچیدہ ہوتے۔ اب یہ بندھن ایسا بوجھ لگ رہا تھا تو تب..... ایک چور سی نظر غیر دانستہ طور پر اس شخص پر پڑی تھی۔

اس کے وجود سے بے خبر وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس شخص کو اور اس سے وابستہ تعلق کو لے کر کبھی نہیں لگا تھا کہ اس کا کوئی واسطہ اس شخص سے ہے بھی۔ عجب انداز تھے اس کے ـــــ پتہ نہیں کیا دل میں تھا اس کے۔ اول دن سے لے کر اب تک وہ اس کے لئے ایک سوالیہ نشان رہا تھا اور........

اس کی سوچوں کو بریک لگے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی روکے اس کے وہاں سے نکل جانے کا منتظر تھا ـــــ نگاہ پھیر کر دیکھا تھا تو سامنے نانو کے گھر کا گیٹ دکھائی دیا تھا۔ عجب بے خبری انجانے پن میں سارا سفر بسر ہوا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہ پائی تھی اور شاید ایسی ہی بے خبری میں ساری عمر اُسے دینی تھی۔

خدشات سنگین تھے۔ مگر سدِ باب کوئی نہیں تھا۔

میرب سیال اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور ابھی کوئی پیشگی ہدایت جاری کرنے کو پلٹی

کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی زن سے لے اُڑا تھا۔ دُھواں دُھواں سے منظر کو وہ زیادہ دیر نہیں سکی تھی۔ اور ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی گیٹ کی جانب بڑھ گئی تھی۔

* * *

فضا میں عجب تناؤ سا تھا۔ پتہ نہیں اتنی سوگواری کس بات کی تھی۔ حالانکہ جس شے کی اتنی تلاش کی ے وہ مل جائے تو خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ مگر اس معاملے کو دیکھتے ہوئے جانے کیوں صورتحال بہت جل سی لگ رہی تھی۔ ساری فضا دھواں دھواں سی تھی۔

انابیہ کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ ایک ہفتہ گزرا تھا۔ صرف سات دن ـــــ!

مگر سارے منظر پہلے سے حد درجہ مختلف لگے تھے۔ لامعہ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ بھرپور دلجوئی کر تھی۔ مگر انابیہ اسی طرح چپ تھی۔ ماہ وش نے بیٹی کا دھیان رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ مگر لبوں طویل خاموشی تھی۔ دادا جی الگ چپ چاپ سے تھے ـــــ اوزی الگ نظریں چرا رہا تھا۔ نظر تھی تو بڑی رسمی سی مسکراہٹ لبوں پر ہوتی تھی۔ بڑی مروت لئے ایک بھاری سا انداز جو جھیلنا آسان لگتا تھا۔

سب بظاہر انابیہ کا بھرپور خیال رکھ رہے تھے۔ بھرپور توجہ دے رہے تھے۔ مگر اس شام چائے کی ٹیبل ہ اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ اوزی چونک پڑا تھا۔

”کیا ہوا؟ ـــــ دیکھو! ـــــ میں نے یہ تمہارا بسکٹ واپس تمہاری پلیٹ میں رکھ دیا ہے۔ میں تو ق کر رہا تھا۔ کیا ہوا؟“ بھرپور لگاوٹ سے ہاتھ اس کے گرد پھیلاتے ہوئے جھک کر دریافت کیا تھا۔ مگر یکدم ہی اس کا ہاتھ جھٹک کر روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اوزی نے ماہ وش کی طرف دیکھا ۔ مگر وہ نظریں پھیر گئی تھیں۔

”ماما! یہ سب کیا؟ ـــــ آخر کب تک؟ ـــــ کب تک، ہاں؟ ـــــ وہ کب تک اسی طرح چپ پ گھٹتی رہے گی؟ ـــــ آپ کو نہیں لگتا ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔“ اوزی کا انداز بہن کی بت میں چور تھا مگر ماہ وش بخاری کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اوزی چیئر کھینچ کر اٹھا تھا جب دادا جی نے سے روک دیا تھا۔

”اوزی، بیٹا! اسے رو لینے دو ـــــ اگر تم اس کے آنسو پونچھ دو گے تو وہ بہت کمزور پڑ جائے گی۔ سے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس لوٹانے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔“ دادا جی اپنی دانست میں شاید رست کہہ رہے تھے۔ مگر اوزان سید کو نہیں لگتا تھا کہ یہی مسئلے کا حل تھا۔ شاید حالات کے پہلے جیسے ہونے ں بہت وقت درکار تھا اور وقت گزرنے کے بعد بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ صورتحال بہتر ہونا تھی یا مزید مخدوش ہو جانا تھی۔ اُس کے لئے انابیہ کو اس کیفیت میں دیکھنا قابل قبول نہیں تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک اسے کوئی زک نہیں پہنچنے دی تھی۔ وہ اس کا ٹھیک اسی طرح خیال رکھ رہا تھا جس طرح کہ غازی کو رکھنا چاہیے تھا۔ انابیہ کے ساتھ اس کا رشتہ اسے دنیا بھر سے زیادہ عزیز تھا۔ مگر چاہ کر بھی وہ اس کے لئے کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔ شاید یہی کیفیت باقی سب کی بھی تھی۔ وہ سب بھی انابیہ کو اسی قدر چاہتے تھے۔ مگر چاہ کر بھی اس

کے لئے کچھ کرنہیں پا رہے تھے۔

”صورتحال اب پہلے جیسی نہیں رہی اوزی! ـــــ تم شاید نہیں سمجھ پا رہے ہو کہ انابیہ کے ساتھ جو ہوا ہے وہ کسی بھی طرح سے معمولی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے یا نہیں ـــــ کسی کے لئے یہ بات جاننا ضروری نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، یہ بات سب کے لئے موضوع گفتگو ہے اور دلچسپی کا باعث ہے۔ جب ہم گھر والے ہو کر اس بات کو جھیل نہیں پا رہے، برداشت نہیں کر پا رہے تو باقی سب لوگوں کی کیفیت کیسی ہوگی؟ ـــــ وہ ہمارا حصہ ہے جب کہ ہمیں اس کی پاک دامنی پر کوئی شک نہیں ہے۔ مگر ہم پھر بھی اس سے گریزاں ہیں۔ روّیوں میں عجب تناؤ سا ہے ـــــ رشتے میں تناؤ در آیا ہے تو پھر باہر صورتحال کیا ہوگی؟ ـــــ میں اس کی ماں ہوں۔ مگر میں جانتی ہوں انابیہ اب پہلے کی طرح دنیا ک فیس کبھی نہیں کر پائے گی۔ وہ اس اعتماد سے سر اٹھا کر دوبارہ پھر کبھی نہیں چل سکے گی۔ کسی لڑکی کا کڈنیپ ہو جانا معمولی بات نہیں۔ سب کی نظروں کے ساتھ ساتھ وہ خود اپنی نظروں سے بھی گر جاتی ہے۔ عزت جانے کے لئے گھر کی دہلیز سے پار ایک رات بسر ہو جانا کافی ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں، انابیہ کے ساتھ کچھ برا نہیں ہوا۔ نہ ہی اب تک اس کے کڈنیپ ہونے کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں آئی ہے۔ مگر ـــــ پل جو اس نے اس گھر کی چھت سے باہر گزارے وہ معمولی نہیں ہیں۔ نہ ہی کسی طرح نظر انداز کئے جا کے قابل ہیں۔“ ماہ وش کا لہجہ بیٹی کے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔

اوزی کچھ بولے بنا مڑ کر باہر نکل گیا تھا۔ ماہ وش دادا ابا کی طرف مڑی تھی۔

”ابا جی! آپ دیکھ رہے ہیں ـــــ آپ کی لاڈلی ننھی پری کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اتنا کچھ ـــــ اتنا کچھ ہو گیا اور ہم کچھ کر نہیں پائے ـــــ کیا منہ دکھائیں ہم زمانے کو؟ ـــــ اور کیا چہرہ لے کر با جائے گی وہ؟ ـــــ زندگی کی جنگ وہ جیت کر تو لوٹ آئی ـــــ موت کو تو شکست دے دی۔ مگر زند سے ہار جائے گی ـــــ نہیں جینے دے گی اسے یہ زندگی ـــــ آپ جانتے ہیں، جب وہ ہاسپٹل م تھی تو میں نے ایک دعا مانگی تھی۔ وہ دعا جو شاید دنیا کی کوئی ماں اپنے بچے کے لئے نہیں مانگتی۔ میں مانگا تھا کہ وہ اپنی گم شدہ سانسوں میں ہی کہیں گم ہو جائے اور وہ مر جائے ـــــ ہاں، میں نے اس لئے یہ دعا مانگی تھی کہ میری بچی ـــــ میری بیٹی مر جائے ـــــ“ ساکت آنکھوں سے چپ چاپ لا بہہ رہا تھا۔

دادا ابا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ مگر ماہ وش کو اپنا غبار دھونے کی کوئی تو جگہ درکار تھی۔

”کتنی ظالم ماں ہوں نا میں ـــــ دنیا کی کتنی ظالم ماں ـــــ مجھ جیسی تو کوئی ڈائن بھی نہ ہوتی گی۔ کیسی دُعا مانگی تھی میں نے اس کے لئے ـــــ مگر آپ جانتے ہیں کیوں؟ ـــــ صرف اس لئے میں اپنی بیٹی کا دُکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کتنے ناز و نعم سے پالا تھا میں نے اسے۔ اور اب ـــــ اب زمانے کی ٹھوکروں میں ہوگی۔ اسی ـــــ اسی دن کے لئے میں نے اسے پلکوں پر بٹھایا تھا؟ ـــــ میری ننھی پری جسے کبھی زمانے کے سرد و گرم نہیں لگنے دیئے، وہ ـــــ وہ آج ننگے سر کھلے آسمان کے کھڑی ہے ـــــ تمازتوں میں جھلس رہی ہے۔ اور میں جانتی ہوں یہ تمازتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

نا کردہ گناہوں کی پاداش میں ہمیشہ جلتی رہے گی ـــــ اس کو ان سوالوں کا سامنا ہوگا جن کے ب اسے خود بھی معلوم نہیں ـــــ اسے وہ جتایا جائے گا جو جرم اس نے کبھی کیا ہی نہیں ـــــ ایسا ہو ـــــ اور میں، آپ یا اوزی ـــــ ہم کچھ کر نہیں پائیں گے ـــــ یونہی چپ چاپ کھڑے تماشہ تے رہیں گے ـــــ ایسا ہی ہوگا۔“ عجب دیوانوں جیسا انداز تھا۔ ماہ وش پلٹی تھیں اور کمرے سے نکل ئیں۔ دادا ابا سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔

* * *

موسم یکدم ہی بدلا تھا اور ہر طرف منظر تیزی سے بھیگ رہے تھے۔

میرب کے لئے بات باعث تشویش تھی۔ کتنی دیر ہو گئی تھی اور اسے گھر سے لینے کوئی نہیں آیا تھا۔ یہاں کوئی مرد حضرات ابھی تک نہ لوٹے تھے۔ اور تو اور فیضی تک ناپید تھا۔

میرب سیال نے گھڑی دیکھی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی مائی اماں کے جاتے ہی، منظر ے ہٹتے ہی وہ کچھ ایسا ہی رنگ دکھائے گا، ایسے ہی رویے کا مظاہرہ کرے گا۔ وہ اس سے کچھ اچھا سپکٹ بھی نہیں کرتی تھی۔ نانی، ممانیاں اور کزنز اسے روکتی رہ گئی تھیں مگر وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ ش بہت تیز تھی اور موسم واقعی اچھا نہیں تھا ـــــ اس کا اندازہ اسے باہر آ کر ہوا تھا۔ جو اس نے کیا وہ رف ایک جذباتی اقدام تھا اور صرف حماقت ـــــ اس کے سوا کچھ نہیں۔

تیز بارش میں ایک فٹ آگے کا منظر تک ٹھیک سے دکھائی نہ دے رہا تھا۔

سڑک دور تک ویران تھی اور وہ اس سڑک پر چلنے والی واحد فرد۔ دل میں خوف نہ بھرتا تو اور کیا ہوتا! جانے کیوں آج کل وہ سارے فیصلے غلط کر رہی تھی۔ حماقت پر حماقت سرزد ہو رہی تھی اس سے۔ ایک کے بعد ایک غلط کام ہو رہے تھے اس کے ہاتھ سے ـــــ کل گین سے وہ بدمزگی ـــــ بلکہ بدمزگی بھی کہاں؟ ـــــ وہ تو سرے سے کچھ بولا ہی نہ تھا۔ فقط ایک سوال ہوا تھا اس کی جانب سے اور وہ بے نقط ناتی چلی گئی تھی۔ جانے کیسے وہ آج کل اتنی جلد ٹمپر لوز کر رہی تھی۔ ٹمپرامنٹ تو نہ تھا اس کا ـــــ پھر کیوں ہو رہا تھا سب اُس سے؟ ـــــ وہ پہلے عمل کر رہی تھی اور پھر پچھتا رہی تھی ـــــ شاید سوچے سمجھے بغیر اٹھائے گئے اقدامات پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ اس وقت سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی تیز بارش میں بھیگتی ہوئی تن تنہا کھڑی تھی۔ انداز اس قدر کھویا کھویا سا تھا کہ وہ سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کا ہارن تک نہ سن سکی تھی۔ خیالوں میں اس قدر مگن اور سوچوں میں اس حد تک اُلجھی ہوئی تھی کہ گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس کا بھی اندازہ تک نہ ہوا تھا۔

گاڑی میں موجود شخص غالباً اُس کو دیکھ چکا تھا اس لئے فوراً ہی بریک لگائے تھے۔

میرب سیال گاڑی کے ٹائر چرچرانے پر چونکی تھی اور اپنے سامنے کھڑی گاڑی کو کسی قدر حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی کا دروازہ کھولتا اور چلتا ہوا میرب سیال کے مقابل جا رُکا ہے۔ نظریں اُسے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہی ہیں ـــــ وہ یقیناً اُسے اس موسم میں اس طرح تنہا اس ڑک پر کھڑا ایکسپکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ایسا حقیقتاً تھا ـــــ وہ اس خطرناک موسم میں وہاں تن تنہا موجود

تھی اور ایسا یقیناً صرف اس سے بدلہ لینے کے لئے تھا۔ وہ جانتی تھی، ایسا کر کے وہ اسے یعنی سردار سبکتگیہ حیدر لغاری کو نیچا دکھا سکتی تھی۔

میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس لمحے اپنے سامنے موجود اس کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی جو بارش کی مطلق پرواہ کئے بغیر اس وقت اس کے مقابل کھڑا اُسے بری طرح سے گھور رہا تھا۔ یقیناً یہ نتیجہ ا ناپسندیدہ فعل کا تھا کہ اس نے یکدم ہاتھ بڑھا کر میرب سیال کی نازک سی کلائی کو اپنی مضبوط آہنی گرفہ میں لیا تھا اور کھینچتے ہوئے گاڑی میں جا پٹخا تھا۔ میرب سیال اس لمحے اس سے کسی ایسے ہی اقدام کی تو کر رہی تھی اور ایسا ہی ہوا تھا —— اُس کے سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے اور جارحانہ انداز م گاڑی آگے بڑھا دینے سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ شدید غصے میں تھا۔ اگرچہ اس سے کچھ باز پر نہیں کی تھی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر چکا ہے۔ ڈرائیونگ ریش انداز اس کے اندر کی اضطرابیت کو صاف ظاہر کر رہا تھا۔ میرب سیال چپ چاپ دم سادھے بیٹھ تھی۔ کسی طرح کی وضاحت کی ہمت اس میں یکسر ناپید تھی۔ وہ مانتی تھی، اس نے تنہا باہر نکل کر غلط کیا تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اسے لینے ہی آیا تھا۔ جو بھی تھا وہ اس کی ذمے داری تھی۔ عزت تھی۔ اور ا معاملے میں اس نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ ہر ادا، ہر انداز چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ ”یو بی لونگ ٹو می! آر مائن ——!“ اپنا یہ استحقاق اس پر اپنی مہر ہونے کا تھا یا واقعی وہ اپنی عزت کا پاس رکھنا جانتا تھا، میر۔ نہیں جانتی تھی مگر وہ اس لمحے کسی قدر شرمندہ ضرور تھی۔

لغاری ہاؤس کے وسیع پورچ میں گاڑی رکی تھی تو وہ فوری طور پر اتر نہیں سکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند لمحوں تک اس کی سمت بنا دیکھے اس کے باہر نکلنے کا منتظر رہا تھا۔ غالباً ا۔ گھر چھوڑ کر واپس کہیں جانا تھا۔ مگر میرب سیال اس قدر سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی کہ اپنی سوچ کے تا۔ بانے بُننے میں احساس ہی نہ ہوا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس سے کیا چاہ رہا ہے —— غالباً وہ معذرت کے لفظ ڈھونڈنا چاہ رہی تھی مگر فوری طور پر یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا۔

عجب گومگو کی سی کیفیت تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر چا ہوئے اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا اور اسے کلائی سے پکڑ کر نیچے کھڑا کر دیا تھا۔

”کبھی بیچ سڑک پر کھڑے، کبھی گاڑی میں بیٹھے کھوئے کھوئے اور سوئے سوئے رہنے کی عادت ہو تمہاری۔ مگر میں اپنی اشیاء کے معاملے میں بالکل بھی کیئرلیس نہیں ہوں —— اس لئے بہتر ہوگا تم بیدا ہونا سیکھ لو۔ میری شے کو یا مجھ سے وابستہ کسی شے کو کوئی معمولی سی بھی زک پہنچے، یہ بات مجھے قطعی قابل قبول نہیں۔ اور تم میری بیوی ہو —— خود کو سنبھالنے کی ذمے داری اگر تم بہتر طور پر اٹھانے کے قابل نہیں ہو تو مجھے سدِ باب کے طریقے اچھی طرح سے ازبر ہیں —— اپنی شے کو کس طرح سے سنبھال ک رکھا جاتا ہے یہ بات میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ بہتر ہوگا تم بھی یہ بات گرہ سے باندھ لو —— انڈ اسٹینڈ؟“ انتہائی سخت گیر لہجے میں کہتے ہوئے اسے سرخ رنگ آنکھوں سے گھورا تھا۔

میرب سیال نے سر اٹھا کر اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تھا جو اس لمحے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ

طی سے جمائے بہت مدلل انداز میں اپنا حق اس پر جتا رہا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار ین حیدر لغاری چند ثانیے تک اسے انہی خشمگیں نظروں سے دیکھتا رہا تھا پھر یکدم اسے جھٹکے سے چھوڑا ور گاڑی میں دوبارہ بیٹھ کر گاڑی ریورس گیئر میں ڈال کر زن سے اُڑا لے گیا تھا۔ میرب سیال کسی قدر لت سی اس برستے موسم میں کھڑی اس کے اس اقدام پر دیکھتی رہ گئی تھی۔

ردعمل شدید ہوگا، وہ جانتی تھی۔ مگر اس قدر —— وہ یہ نہیں جانتی تھی۔

* * *

شب بھر کی بیداری کے بعد عفنان علی خان بہرحال ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا جس کا مدعا اس نے صبح شتے کی ٹیبل پر سب کے سامنے بیان کر دیا تھا۔

”ماما! —— پاپا! —— میں انابیہ سے فوری طور پر شادی کرنا چاہتا ہوں —— میں چاہتا ہوں آپ ۔ یہ پرپوزل لے کر ایک بار پھر ان کے گھر جائیں۔“

فاطمہ خان نے بیٹے کو بہ غور دیکھا تھا۔

”تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے؟ —— کہیں اس میں کوئی جذباتی پہلو تو غالب نہیں؟“ پاپا نے ا کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی فاطمہ خان بولی تھیں۔

”عفنان! تم انابیہ کے لئے کس درجہ سنجیدہ تھے، یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر پہلے کی ت اور تھی۔ اور تب بھی ان لوگوں نے ہمیں انکار کر دیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس صورتحال کے ساتھ اس ۔روپوزل کے لئے یہ حالات سازگار ہیں؟ —— اور اس بار ہمیں شرمندہ ہونا نہیں پڑے گا بیٹا! ہمیں ملال س بات کا بھی نہیں کہ ہمیں دوبارہ انکار کر دیا جائے گا۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ کیا اب بھی تم انابیہ کو وہ پہلا سا مقام دے سکو گے؟ —— کہیں تمہارا یہ فیصلہ تمہیں کل کسی پچھتاوے میں مبتلا نہ کر دے۔“

فاطمہ علی خان نے تمام پہلو بیٹے کے سامنے رکھے تھے۔

”ایسا کچھ نہیں ہوگا —— آپ فکرمند نہ ہوں —— میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ جانتی ہیں ماما! میں جذباتی واقع ہوا ہوں۔ مگر اس قدر نہیں۔ میں وہ فیصلے کرتا ہوں جنہیں میں نبھانے کی اہلیت اور سکت رکھتا ہوں۔ اگر مجھے خدشہ ہوتا کہ میں کل پچھتاؤں گا تو شاید میں یہ فیصلہ کرتا ہی نہیں۔ میں انابیہ کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں۔“ عفنان علی خان کا لہجہ اٹل تھا۔

”اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی؟“ فاطمہ خان نے بیٹے کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

”ہاں۔“ عفنان علی خان کا جواب بہت ٹھوس تھا۔

”بیٹا! ہم چاہیں گے تم ایک بار پھر بھی سوچ سمجھ لو —— اب وقت بدل چکا ہے اور انابیہ پہلے جیسی نہیں رہی ہے۔“

”ماما! انابیہ پہلے جیسی ہی ہے —— آپ پلیز اس پرپوزل کو لے کر جانے کی تیاری کریں۔ آپ لوگوں نے جب اس فیصلے کا حق میرے ہاتھ میں دیا ہے تو پھر اس درجہ متذبذب کیوں ہیں؟ اور جہاں تک

رہی بات انابیہ کی تو وہ میرے لئے اب بھی پہلے جیسی ہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ آپ پلیز، آج ان ہاں جانے کی تیاری کیجئے —— اس سے زیادہ میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا۔'' عفنان علی خان چیئر ہٹا کر تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ وہاں بیٹھے نفوس ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے تھے۔

* * *

لامعہ حق اپنا زیادہ تر وقت انابیہ کے ساتھ بسر کر رہی تھی۔ مگر اس کی کیفیت اب بھی پہلے جیسی ہی تھی وہی چپ چپ —— گم صم، گم صم سا انداز —— نہ بلانے پر متوجہ، نہ کوئی بات، نہ کسی سوال کا کو جواب۔ پتہ نہیں وہ بولنا چاہتی نہیں تھی یا واقعی اس کے پاس بولنے کو کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

''انابیہ! —— کچھ تو بولو —— تم کب تک یوں چپ سادھے بیٹھی رہو گی؟ —— کیا اپنی لام سے بھی بات نہیں کرو گی؟ —— دیکھو، میں کب سے تمہاری آواز سننے کی منتظر ہوں۔ تم پلیز! بات کرو سے —— آخر تم خود کو اور ہم سب کو کس بات کی سزا دے رہی ہو؟ —— ہم سب جانتے ہیں تمہار ساتھ جو ہوا وہ محض ایک حادثہ تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم جینا چھوڑ دیتی۔ انابیہ! تمہیں خدا ایک نئی زندگی دی ہے —— اس کا مقصد سمجھو —— جو ہوا اسے بھول جاؤ، خدا کا شکر ہے تم محف رہیں۔ ایسا کچھ غلط تمہارے ساتھ نہیں ہوا۔ پھر اس خاموشی کا سبب کیا ہے؟ —— تم اپنے ساتھ سا اپنے پیاروں کو بھی سزا دے رہی ہو اور یہ صحیح نہیں ہے۔ میں تمہیں قطعاً بھی اس بات کی اجازت نہیں د گی۔'' لامعہ حق متواتر بول رہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ ایزی چیئر پر بیٹھی سر اٹھائے چھت کی طرف چپ چا دیکھ رہی تھی۔ مگر آنکھوں کے کنارے بڑی خاموشی سے بھیگ رہے تھے۔

لامعہ حق تھک کر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ ماہ وش نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا —— لامعہ حق نفی میں سر ہلاتی ہوئی ان کے پاس جا رکی تھی۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے آنٹی! —— انابیہ شاہ کا فوری طور پر اس فیز سے باہر آنا قطعاً ناممکن ہے۔ ا وقت درکار ہے اور ہمیں اس کے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کرنی چاہئے —— اس کی جو کیفیت ہے سے صرف وہ خود باہر آسکتی ہے۔ صرف اپنی کوشش سے۔ ہماری جتنی بھی کوششیں ہوں گی، وہ بے کار ر گی۔ میں سوچ رہی ہوں کیوں نا ہم انابیہ کو کچھ دنوں کے لئے کسی پُر فضا مقام پر لے جائیں۔ شاید سے کچھ افاقہ ہو جائے۔ بعض اوقات اردگرد کے منظر بدلنے سے اندر کا موسم بھی بدل جاتا ہے۔'' لامع نے مشورہ دیا تھا مگر ماہ وش نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میرا نہیں خیال یہ کوئی بہترین حل ہے —— اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ انابیہ کو کسی بیرونی تبدیلی زیادہ اندرونی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے اس کا اپنوں کے درمیان رہنا بہت ضروری

''ہاں —— یہ بھی ہے۔'' لامعہ حق نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔ پھر آنٹی کی طرف دیکھتی بولی تھی۔ ''آنٹی! کیوں نہ ہم انابیہ کی شادی کروادیں؟''

''شادی ——؟'' ماہ وش بخاری چونکی تھیں۔

''ہوسکتا ہے اس سے کوئی اثر اس کی زندگی پر پڑ جائے۔ انابیہ اس وقت اپنے اندر کا وہ بھرپور

ں

و چکی ہے۔ وہ سمجھ رہی ہے کہ اس کی زندگی کے سارے رنگ رخصت ہو گئے ہیں اور اب اس کی زندگی ں کچھ باقی نہیں رہا —— ایک چھوٹے سے کڈنیپ کے بعد وہ خود کو دنیا کی نظر سے کہیں نیچے محسوس کر ی ہے۔ وہ صورتحال کو فیس نہیں کر پا رہی ہے۔ اور ہمیں اس کا کھویا ہوا اعتماد لوٹانے میں مدد کرنا ہو ں۔''

''مگر شادی اس کا حل کس طرح ہے؟ اور پھر اس صورتحال میں کون انابیہ کے لئے تیار ہوگا؟'' ماہ وش کا انداز متفکرانہ تھا۔

''میں —— میں تیار ہوں۔'' ایک بھرپور شناسا سا آواز اُبھری تھی۔ لامعہ حق اور ماہ وش نے بیک وقت چونک کر دیکھا تھا۔ دہلیز کے بیچوں بیچ عفنان علی خان کھڑا تھا۔

''تم ——؟'' لامعہ حق کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی اور ماہ وش بخاری بھی کچھ کم حیران نہیں تھیں۔ مگر عفنان علی خان بھرپور اعتماد سے چلتا ہوا ان کے قریب آن رکا تھا۔

''میں انابیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اظہارِ مدعا براہِ راست ہوا تھا۔

ماہ وش نے بے یقینی سے عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔

''عفنان بیٹا! تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''جی —— بہت اچھی طرح سے۔ میں نے ماما، پاپا کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا ہے اور وہ بطورِ خاص آج پروپوزل لے کر آپ کے پاس آئیں گے —— اور مجھے امید ہے آپ آج مجھے دوبارہ رد نہیں کریں گے۔''

''عفنان بیٹا! —— تم —— تم شاید نہیں جانتے ہو تم کیا کرنے جا رہے ہو —— شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اور انابیہ ——'' انہوں نے روانی سے کہتے ہوئے یکدم رک کر اسے دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی اور بہت اطمینان سے اسے دیکھا تھا۔

''بیٹا! عمر بھر کے فیصلے یوں اتنی جلد بازی میں نہیں ہوتے۔ اور میں نہیں چاہتی کل تک میری بیٹی جس شخص کے سامنے سر اٹھائے کھڑی بات کرتی تھی آج اس کے سامنے رکے تو اس کی نظریں زمین کی سمت جھکی ہوں —— تم پلیز اپنے پیرنٹس کو منع کر دو —— میں فی الحال انابیہ کی شادی کہیں بھی کرنا نہیں چاہتی، جب تک کہ وہ اس فیز سے باہر نہ آ جائے اور اپنا کھویا ہوا اعتماد خود دوبارہ بحال نہ کر لے —— تم وہ شخص ہو جو اس کے تب بھی طلب گار تھے۔ میں جانتی ہوں تم اس سے محبت میں مبتلا تھے۔ مگر اب اس زندگی میں، اس رفاقت میں وہ محبت کتنی باقی رہے گی؟ —— یا پھر رہے گی بھی یا کہ نہیں —— اس کے بارے میں مجھے کوئی خاص یقین نہیں ہے۔ اور میرا خیال ہے اس کے متعلق تم بھی کوئی یقین دہانی قبل از وقت کروا نہیں پاؤ گے۔'' ماہ وش بخاری کا لہجہ مضبوط تھا اور عفنان علی خان کی نظروں میں یکدم ہی بے چینی در آئی تھی۔

''آپ یہ سمجھ رہی ہیں —— میں ان حالات میں انابیہ پر ترس کھا رہا ہوں؟ —— مجھے اس اقدا پر ہی ہمدردی قائل کر رہی ہے؟''

''کیا ایسا نہیں ہے؟'' ماہ وش نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ پھر بہت اطمینان کے ساتھ گہر سانس خارج کرتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''دیکھو بیٹا! ــــــ ہمدردی تمام عمر نہیں نباہی جا سکتی ــــــ تم شاید سمجھ نہیں رہے ہو۔ مگر میں ا وقت اپنی بیٹی سے زیادہ تمہاری مخلص ہوں۔ میں نہیں چاہتی تم کل کو کسی پچھتاوے میں مبتلا ہو۔ کیونکہ محبت اور چیز ہے اور ہمدردی ایک الگ شے......''

''میں انابیہ سے ہمدردی نہیں کر رہا۔ اور کس نے کہا کہ اسے کسی ہمدردی کی ضرورت بھی ہے؟ ــــــ وہ اب بھی میرے لئے اسی قدر اہمیت رکھتی ہے اور میں اب بھی اسے اسی طرح دیکھتا ہوں۔ نہ اسے مجھے دیکھنے کے لئے سر اٹھانے کی ضرورت ہے نہ ہی مجھے اسے دیکھنے کے لئے سر جھکانے کی ضرورت۔ فضول کی تاویلوں میں آپ نہ ہی الجھیں تو بہتر ہوگا۔ میں انابیہ کو چاہتا ہوں اور اسے اپنی زندگی میں شامل دیکھ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر آپ کو کوئی شکایت ہوتی ہے تو آپ مجھے اس کے لئے بلیم کر سکتی ہیں۔ مگر قبل از وقت اس بات کو لے کر پریشان ہونا کوئی بہترین حل نہیں ــــــ شام میں ماما، پاپا آ رہے ہیں اور میر چاہوں گا، اب کے آپ سب کا جواب پوزیٹو رہے۔ انابیہ اور اس کی خوشیوں کی ضمانت میں آپ کو دی ہوں۔'' عفنان علی خان مضبوط لہجے میں اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے بولا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکلت چلا گیا تھا۔

لامعہ حق اور ماہ وش اُسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ مگر جہاں لامعہ کی نگاہ ساکت تھی اور حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی وہیں ماہ وش بخاری کی نظر گہری سوچوں میں دکھائی دے رہی تھی۔

* * *

''انابیہ کے لئے عفنان کا پروپوزل؟ ــــــ اگین؟ ــــــ آئی تھنک یہ ایک اچھا چینج ہے۔ ہمیں واقعی انابیہ کی شادی کے متعلق سوچنا چاہئے۔'' اوزی نے پُرخیال انداز میں کہا تھا۔

دادا ابا نے بھی پُرخیال انداز میں سر ہلایا تھا اور ماہ وش بخاری کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''عفنان علی خان اچھا لڑکا ہے بیٹا! ــــــ مجھے خوشی ہے وہ اس صورت حال کو سمجھ بھی رہا ہے اور انابیہ کو ان حالات میں قبول کرنے کو بھی تیار ہے۔ ہمیں اس بار اسے رد کرنا نہیں چاہئے ــــــ پہلے کی بات اور تھی۔ لامعہ اور عفنان کا رشتہ ٹوٹنا ایک اہم ترین پہلو تھا۔ مگر اب ہماری بچی کی کیفیت کو لے کر ہمارے پاس کوئی راہ نہیں ہے۔ اس بار عفنان علی خان کو ٹھکرانے کی غلطی یقیناً حماقت ہوگی۔''

''مگر ابا جی! انابیہ ــــــ انابیہ نہیں مانے گی ــــــ میں جانتی ہوں اسے ــــــ وہ کبھی بھی اس فیصلے کے لئے ہاں نہیں کرے گی۔ عفنان علی خان کو قبول کرنا اس کے لئے آسان نہیں ہوگا۔'' ماہ وش بخاری نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیا آسان ہوگا اور کیا نہیں ــــــ اس وقت یہ پہلو اہم نہیں۔ اہم انابیہ کی کیفیت اور یہ سارے حالات ہیں۔ اور اب عفنان علی خان کو رد کر دیا جاتا ہے تو کیا گارنٹی ہے، انابیہ کو کوئی اچھا جیون ساتھی مستقبل میں مل سکے گا؟ ــــــ ہم اس کے خیر خواہ ہیں، اس کی بہتری کا فیصلہ ہم سب کو مل جل کر اور تمام قائق کو سامنے رکھ کر کرنا ہوگا۔ یہاں لڑکیوں کے رشتوں کے لئے ہزار ہا مسائل پہلے سے ہی موجود ہیں۔ ور انابیہ تو پھر......'' اوزی کہتے کہتے رک گیا تھا۔

''دادا جی! ہم سب کو انابیہ عزیز ہے اور ہمیں اس کی خوشیوں کو پھر سے اس کی زندگی میں لانا ہوگا اور فنان سے بہتر جیون ساتھی اس کے لئے کوئی اور نہیں ہوگا ــــــ میں عفنان کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ وہ اپنے ارادوں میں اٹل ہے۔ جو کمٹمنٹ کرتا ہے اسے آخر تک نبھاتا ہے ــــــ انابیہ کا ہاتھ اگر وہ ھامتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی انابیہ کا ہاتھ بیچ راہ میں نہیں چھوڑے گا۔ ہمیں انابیہ کو ہر صورت میں اس پروپوزل کے لئے قائل کرنا ہوگا۔''

ماہ وش سر جھکا گئی تھیں۔

''سمجھتی تو میں بھی ہوں مگر......'' آنکھوں میں یکدم پانی آن رکا تھا۔

''شام میں عفنان کے پیرنٹس آ رہے ہیں اور میں اس بار خود بھی ان لوگوں کو انکار نہیں کرنا چاہتی۔ مگر انابیہ......''

''ماما! ــــــ آپ کو انابیہ سے بات کرنا ہوگی۔ آپ ہی ہیں جو انابیہ کو قائل کر سکتی ہیں۔'' اوزان سید نے زور دیا تھا۔ ماہ وش نے سر ہلایا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

* * *

اذہان حسن بخاری چلتا ہوا ساہیہ خان کے مقابل جا رکا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی جانب نگاہ کئے بغیر قریب سے نکل کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا، جب اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان رک گئی تھی مگر اس کی سمت نگاہ اب بھی نہ کی تھی۔ نظر جھکی سی تھی۔ عجب خائف سا انداز تھا۔

اذہان حسن بخاری اسے بغور تکنے لگا تھا۔

''اس درجہ خائف ہو کہ میری جانب دیکھو گی بھی نہیں؟'' مدھم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی جانب دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں اذہان! میں تم سے خائف نہیں ہوں ــــــ تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

''تو پھر اس قدر گریزاں کیوں ہو؟ ــــــ مجھے تمہارے تیور اجنبی کیوں لگ رہے ہیں؟ یہ فضا اتنی بوجھل سی کیوں ہے؟'' اذہان حسن بخاری نے دوستی کی اس فضا کو بھرپور طور پر مس کیا تھا۔ ساہیہ اس کی طرف متواتر نہیں دیکھ سکی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ــــــ ہم اب بھی اچھے دوست ہیں۔''

''اچھے دوست ہیں تو تم اس طرح مجھ سے نظریں چرائے کیوں کھڑی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے اس کے کہے پر اسے بروقت پکڑا تھا۔ ساہیہ خان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ چند ثانیوں تک خاموشیاں ان کے درمیان ڈیرہ ڈالے رہی تھیں اور بالآخر اذہان حسن بخاری نے اس خاموشی کے سکوت کو توڑا تھا۔

’’ساہیہ! تم نے جو بھی دیکھا وہ ـــــ وہ صرف میرا پاسٹ ہے۔ صرف ماضی۔ اور ماضی کبھی حال اور مستقبل کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ ایک ذی شعور شخص یہ بات بہت اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔ کیا مجھے ضرورت ہے کچھ باور کرانے کی؟‘‘ اس کے چہرے کا رخ اپنی جانب پھیر کر بہ غور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر ساہیہ کے لبوں پر صرف خاموشی تھی۔

’’ساہیہ! تم تو مجھے سمجھنے کی دعویدار تھیں نا! ـــــ مجھے میری خاموشیوں میں سمجھا تھا نا تم نے۔ تو پھ اب لفظ کیوں نہیں سمجھ رہی ہو؟ ـــــ مجھے تمہاری اور صرف تمہاری ضرورت ہے۔‘‘ ایک ایک لفظ پر زو دیتے ہوئے یقین دلانے کی کوشش موثر ترین تھی۔ ساہیہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

’’ساہیہ! ایسا نہیں ہے کہ پاسٹ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے ـــــ یقیناً ہوتی ہے۔ مگر اتن نہیں کہ وہ پریذنٹ یا فیوچر کو افیکٹ کر سکے ـــــ زخم پرانے ہو جائیں تو صرف داغ باقی رہ جاتے ہیں۔ ان میں درد باقی نہیں رہتا۔ مگر دیکھنے والے کو وہ داغ بغور دکھائی دیتا ہے۔ نظر پڑے تو پوچھتا ضرور ہے، کہ ہوا تھا؟ ـــــ یہ داغ کیسے پڑا؟ ـــــ کوئی چوٹ لگی تھی؟ ـــــ حالانکہ یہ بات بڑی انڈراسٹوڈ ہے کہ اگر داغ دکھائی دے رہا ہے تو یقیناً اس جگہ کبھی چوٹ بھی ضرور لگی ہوگی۔ مگر کریدنے کا یہ انداز صرف اس تجسس کو ظاہر کرتا ہے۔ لوگوں کو ایسا تجسس ہوتا ہے دوسروں کے متعلق۔ مگر کوئی یہ نہیں سوچتا کہ یہ صرف داغ ہے اور داغ میں کہیں کوئی درد اب باقی نہیں رہا ہے۔ یہ صرف میرا پرابلم نہیں ہے ساہیہ! ایسے بہت سے داغ ہر شخص کی زندگی میں ہوتے ہیں۔ میں تمہیں خود اس کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔ کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا تم سے۔ مگر ایک خاص وقت پر۔ لیکن اس سے قبل تم نے خود کسی قدر جان لیا۔ اگر تم مجھے موق دیتیں تو میں ایک ایک پہلو، گزشتہ زندگی میں گزرا ایک ایک گوشہ تمہیں ضرور دکھاتا ـــــ خود آپ مطل کرتا اور اب بھی کروں گا۔ تم جو سوال پوچھنا چاہتی ہو پوچھ سکتی ہو ـــــ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ میں اپنی زندگی کا ایک ایک گوشہ تم پر منکشف کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ کل تمہیں کسی بات کی باز پرس کسی او سے نہ کرنا پڑے۔ تم کچھ اور دیکھو، کچھ اور جانو تو کسی خدشے میں مبتلا نہ ہو جاؤ ـــــ اس لئے میں اپ زندگی کی گزری ہوئی کوئی بات تم سے مخفی نہیں رکھوں گا۔ گزرے ایک ایک پل کا گوشوارہ دینے کو تیار ہو میں۔ تمام حقیقتوں کا اندراج اس میں شمار ہوگا۔ مگر اس کے لئے تمہیں یقین کرنا ہوگا ـــــ ایک بھرپو اعتبار۔ مجھ پر ـــــ میری باتوں پر اور ساری حقیقتوں پر۔‘‘ عرض مدعا کیا تھا۔ ساہیہ نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

’’کیوں؟ ـــــ ایسا کیوں چاہتے ہو تم کہ میں وہ سب گوشوارے دیکھ لوں اور جان لوں؟ ـــــ جو گزرا، وہ سب تمہارا ہے۔ اس کی جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت مجھے کیوں ہو؟‘‘ ساہیہ کا لہجہ بے تاثر تھا۔ اذہان حسن بخاری نے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے تھے اور بھرپور توجہ سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

’’کیونکہ ساہیہ! تم ـــــ تم میری بہترین دوست ہو اور تمہیں مجھ سے وابستہ ہر بات کی خبر ہو، یہ بہت ضروری ہے۔‘‘ انداز ٹھوس اور لہجہ بھرپور اعتبار دیتا ہوا تھا۔

’’نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ہے اذہان! میں تمہیں جتنا جانتی ہوں وہی میرے لئے کافی ہے۔ ہر انسان کی زندگی کے کچھ مخفی گوشے ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ تم اسے میرے سامنے عیاں کرو۔ تم میرے دوست ہو اور یہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں صرف وہ جانیں جس کی ضرورت ہے ـــــ اس سے زیادہ کچھ نہیں ـــــ جس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں اس کے بارے میں بات کرنے سے بھی کیا حاصل۔‘‘ ساہیہ خان نے قصہ ختم کیا تھا۔

’’نہیں ـــــ اس کی ضرورت ہے ساہیہ!‘‘ اذہان حسن بخاری نے سر ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

’’ایسا نہیں ہے کہ یہ سب بہت فضول ہے۔‘‘

’’فضول نہیں اذہان! مگر اس کی اہمیت اتنی نہیں ہے ـــــ تم کیوں چاہتے ہو کہ میں وہ سب کچھ جان لوں جو تم کبھی بسر کر چکے ہو؟‘‘ ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

’’کیا تم اپنی آئندہ زندگی میرے ساتھ بسر کرنا نہیں چاہو گی؟‘‘ سوال اگرچہ اتنا دقیق نہیں تھا مگر ساہیہ خان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت متواتر دیکھ بھی نہیں سکی تھی۔ پہلے رخ موڑا تھا اور پھر پلٹ کر دو چار قدم دور جا رکی تھی۔

’’اذہان! ـــــ بہتر ہوگا کہ ابھی ہم اس موضوع کو لے کر کوئی بات نہ کریں۔ فی الحال میں بھی اپنے بزنس پر کونسنٹریٹ کرنا چاہتی ہوں اور تم بھی۔ تمہیں بھی کچھ وقت درکار ہوگا یقیناً تمام صورتحال پر قابو پانے کے لئے۔ ہمیں اس فیصلے کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھنا چاہئے۔ اور شاید فیصلہ وقت کے ہاتھ ہی چھوڑ دینا مناسب ہے ـــــ بعض اوقات جن فیصلوں میں ہمیں بہت مشکل درپیش ہوتی ہے، وقت انہیں کسی قدر آسان کر دیتا ہے۔‘‘ ساہیہ خان شاید وقت چاہتی تھی۔ اذہان حسن بخاری لب بھینچے اس کی پشت کو دیکھتا رہا تھا۔

’’ساہیہ! کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟‘‘ مدھم لہجے میں کسی قدر اضطرابیت تھی۔

ساہیہ خان فی الفور کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کے سامنے جا رکا تھا۔ کچھ کہے بنا بغور اس کے چہرے کو تکنے لگا تھا پھر اسے شانوں سے تھام کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف پھیرا تھا اور مدھم سرگوشی میں دریافت کیا تھا۔

’’کیا اعتبار نہیں مجھ پر؟ ـــــ بولو، کیا یقین نہیں رکھتی ہو مجھ پر؟‘‘

ساہیہ کی آنکھوں میں یکدم ہی سمندر آن رکے تھے۔

’’کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں کوئی دھوکا دوں گا؟ ـــــ کوئی فریب؟‘‘ ایک مزید سرگوشی بوجھل فضا میں تھی۔ ساہیہ خان کی ٹھہری نظروں سے بہت آہستگی سے قطرے ٹوٹ کر چہرے کو بھگو گئے تھے۔

’’ساہیہ! کیا تمہیں لگتا ہے کہ اذہان حسن بخاری تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں نہیں دے سکے گا؟‘‘ ایک سرگوشی پھر بازگشت ہوئی تھی۔ مگر اس کا جواب صرف ساہیہ خان کے گرم گرم بہتے ہوئے آنسو تھے۔ جنہیں وہ ضبط کئے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیا ساہیہ! بولو کیا؟—— کیا ہے تمہارے دل میں؟—— بتاؤ مجھے—— میں جاننا چاہتا ہوں تم کیا سوچتی ہو—— کیا چاہتی ہو؟—— میرے لئے تمہاری منشا، تمہاری مرضی جاننا بے حد ضروری ہے۔ تم کہو، میں سننا چاہتا ہوں—— سننا چاہتا ہوں وہ آواز—— وہ آواز جو تمہارے دل میں چھپی ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔ کوئی فیصلہ مسلط نہیں ہوگا تم پر۔ تم بتاؤ، کیا ہے تمہارے دل میں؟—— کیا اتنی ذرا سی بھی جگہ نہیں تمہارے دل میں میرے لئے؟—— اتنی سی بھی گنجائش نہیں ہے؟—— اگر نہیں ہے تو کیا تم اتنی سی جگہ اپنے دل میں میرے لئے بنا بھی نہیں سکتی ہو؟''

اذہان حسن بخاری کے مدھم لہجے میں عجب درخواست تھی یا اپنے اندر کا بوجھل پن ہی اتنا تھا کہ ساہیہ خان کے لئے اپنے آپ کو سنبھالنا دشوار ہوگیا تھا۔ تمام تر ضبط ہار کر اس نے اذہان حسن بخاری کے شانے پر سر دھرا تھا اور دھواں دھار رونے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اپنے شانے پر دھرے اس کے سر کو دیکھا تھا اور پھر اپنا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔

* * *

انابیہ شاہ سر جھکائے خاموش سی بیٹھی تھی۔ جب ماما اس کے سامنے بیٹھی مدعا بیان کر رہی تھیں۔

''انابیہ!—— ہمارے پاس انکار کے لئے اب کوئی راہ نہیں ہے۔ کوئی راستہ بچا ہی نہیں ہے۔ کبھی تمہارے فیصلے پر میں نے ہی تمہیں سراہا تھا اور کہا تھا کہ عفنان علی خان یقیناً تمہارے لئے دنیا میں آخری شخص نہیں ہے۔ تم کسی بھی شخص کی خواہش ہوسکتی ہو۔ مگر مجھے آج لگ رہا ہے بیٹا! عفنان علی خان ہی وہ شخص ہے جو آج مجھے دنیا میں تمہارے لئے آخری مگر بہترین انتخاب لگ رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے یا وہ تمہارے ساتھ بیتے ہوئے سانحے پر تم سے ہمدردی کر رہا ہے۔ بلکہ وہ آج بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ ویسی ہی محبت جیسی وہ تم سے پہلے کرتا تھا—— تم جانتی ہو، تم اپنی ختم ہوتی سانسوں سے لڑ کر اس دنیا میں واپس آئی ہو؟—— شاید اس لئے کہ عفنان علی خان نے تمہارے ساتھ کی تمنا بہت شدت سے کی تھی۔ آج اگر تم زندہ ہو، ہم سب کے سامنے ہو تو صرف اس کی کوشش کے ہی باعث۔ تمہیں بازیاب کرانے سے بروقت ہاسپٹل پہنچانے تک ہر فعل اسی نے سرانجام دیا۔ تمہاری زندگی بچانے میں خدا کے بعد اس کا ہاتھ ہے۔ ہوتا تو سب خدا کی مرضی سے ہی ہے۔ مگر کچھ وسیلے زمین پر بھی بنتے ہیں۔ اور یہ سچ ہے عفنان علی خان تمہاری زندگی بچانے کا سبب بنا ہے۔ کوئی اگر اتنی خواہش سے تمہارا ساتھ چاہ رہا ہے تو وہ یقیناً تمہاری قدر بھی کرے گا—— سب سے بڑی بات، اس کے لئے تمہارے ساتھ ہونے والے سانحے کی کوئی وقعت نہیں۔ شاید محبت کرنے والوں کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس میں گنجائش دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اپنی پوری مرضی کے ساتھ، اپنے پورے دل کے ساتھ اب بھی تمہارا طلب گار ہے۔''

انابیہ شاہ کی ٹھہری ہوئی آنکھوں سے بہت آہستگی سے چند قطرے نمکین پانی کے ٹوٹ کر گرے تھے۔ ماہ وش نے بیٹی کو تھام کر ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''بیٹا!—— کبھی کبھی زندگی میں ایسے موڑ پڑتے ہیں جب ایک راہ کے آگے کوئی دوسری راہ دکھائی ہیں دیتی۔ بس وہی موڑ آخری لگتا ہے اور اس کے آگے سارے راستے بند دکھائی دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت یسا ہوتا نہیں ہے۔ بات فقط چند قدم آگے بڑھا دینے کی ہوتی ہے اور پھر اس آخری موڑ سے آگے کے استے بھی واضح دکھائی دینے لگتے ہیں۔ یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جو صرف برت کر ہی سیکھی جا سکتی ہے در......'' ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

کتنی تیزی سے آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ انابیہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کا پورا وجود رز رہا تھا اور ماہ وش بیٹی کو ہولے ہولے تسلی دے رہی تھیں۔

شاید انابیہ شاہ اس زندگی کے موڑ سے آگے کی حقیقت جان گئی تھی یا پھر تمام بند راستوں کی کہانی اس ی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

* * *

عفنان علی خان کا پروپوزل قبول کرلیا گیا تھا۔ وہ خواہش جو کبھی ناممکن دکھائی دیتی تھی، آج پوری ہونے کو تھی—— وہ اُس کی ہونے کو تھی۔

وہ چہرہ——
وہ آنکھیں——
وہ لب ور خسار——

جنہیں دیکھنے کی اس نے کبھی صرف حسرت کی تھی—— خواہش کی تھی—— آج عمر بھر کے لئے ں کے سنگ ہونے کو تھے—— وہ اُس کی ہم قدم ہونے کو تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں کوئی خوشی کی رمق ھائی نہیں پڑ رہی تھی—— عجب سکوت سا تھا ان آنکھوں میں۔

چہرہ بہت بے تاثر سا تھا۔ اس واقعے کے بعد وہ بطورِ خاص کبھی بھی انابیہ سے نہیں ملا تھا۔ دو ایک بار یا بھی تھا تو صرف دور سے دیکھا تھا، بات نہیں ہوئی تھی۔ اور بات ہوتی بھی کیسے؟—— وہ اس سانحے کے بعد جیسے بولنا ہی بھول چکی تھی۔ اسے کسی نے بھی بولتے نہیں سنا تھا—— جیسے وہ لفظوں کے معنی بھول ئی تھی۔

عفنان علی خان، دادا ابا اور ماہ وش سے تھینکس کہنے آیا تھا۔ مل کر پلٹ رہا تھا جب اوزان سید نے پیچھے سے صدا بلند کر کے پکار لیا تھا۔

''عفنان——!''

عفنان علی خان نے مُڑ کر دیکھا تھا۔ اوزی اس کی سمت چلتا ہوا آ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟—— اتنی جلدی واپس جا رہے ہو؟—— اب تو اس گھر سے تمہارا تعلق اور بھی مضبوط وگیا ہے۔ اب بھی اتنی جلدی بھاگ رہے ہو؟'' شاید اس بوجھل فضا کو اوزی کسی قدر ہلکا کر دینے کا خواہاں تھا تبھی دھیمے پن سے مسکرایا تھا۔

عفنان علی خان اس پُرلطف جملے پر فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کر سکا تھا۔ اوزی نے اسے بہ غور

دیکھا تھا اور پھر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''تھینکس ـــــ!'' لہجہ مشکور تھا۔

''فور وہاٹ ـــــ؟'' عفنان علی خان چونکا تھا۔

''انابیہ کے لئے اتنا کچھ کرنے کے لئے اور اس کے لئے اتنا بڑا اسٹینڈ لینے کے لئے۔ تم نے ہمار لئے، انابیہ کے لئے بہت کچھ کیا۔ اور اس تاریکی میں ڈوبے فیز میں جب انابیہ بے حد برے دور سے گ رہی تھی، تم نے اس کا ہاتھ تھامنے کا فیصلہ لے کر ہم سب پر........''

''کوئی احسان نہیں کیا۔'' عفنان علی خان نے یکدم ہی اوزی کی بات کاٹ دی تھی۔ اوزی خام سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی بے جان سی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

''یہ کوئی احسان نہیں ہے اوزی! ـــــ اور یہاں کوئی بھی کسی پر احسان نہیں کرتا۔ انابیہ اِز ا پرفیکٹ گرل۔ وہ کل بھی مکمل تھی اور آج بھی مکمل ہے۔ میں نے صرف یہ ثابت کرنا چاہا۔ اس کا ہا تھامنے کا فیصلہ کر کے، اسے زندگی میں شامل کرنے کی ٹھان کر میں نے کسی پر کوئی نہ تو احسان کیا ہے نہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، تم سب ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟'' عفنا علی خان کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

''تم اسی لئے انابیہ سے بھی نہیں ملے؟'' اوزی نے ایک اہم پہلو کی طرف نشاندہی کرائی تھی ا عفنان علی خان چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''یہ سچ ہے، آج میں اس سے دانستہ ملنا نہیں چاہتا ـــــ اس لئے نہیں کہ میں اس کا سامنا کرنے سکت نہیں رکھتا یا وہ اس قابل نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم سب جیسا سوچ رہے ہو وہ بھی ویسا ہی سوچ ر ہے اور میں تم سب کو جب سمجھا نہیں پا رہا ہوں تو اس کی سوچ کو کیسے بدلوں گا؟ ـــــ جبکہ میں اسے تـ بھی قائل نہیں کر پایا تھا جب وہ مجھ سے اس درجہ بدظن نہیں تھی۔ اب تو معاملہ ہی اور ہے۔ خیر، ملنا تو ا سب سے ہی ہے اور یہ ملن عمر بھر کے لئے ہے۔ میں کہیں بھاگ نہیں رہا ہوں۔ اسے سامنے بٹھا کر تما احوال کہوں گا اور ساری غلط فہمیاں مٹا دوں گا۔ تب شاید یہ میرے لئے اتنا مشکل نہیں ہوگا جتنا کہ آج مج دکھائی دے رہا ہے۔ شاید تم سمجھ رہے ہو گے میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں یا کیا کہنا چاہتا ہوں۔'' عفنان ع خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا اور پھر یکدم ہی پلٹ کر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ اوز تادیر کھڑا اُسے دیکھتا رہا تھا۔ جانے کیوں اُسے عفنان علی خان کے انداز میں وہ پہلے سی بات دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا پھر اوزان سید کو ہی ایسا لگ رہا تھا۔

عجب تھکن بھرا سا لہجہ تھا اس کا اور عجب سرد سا انداز۔

جیسے وہ کسی کڑے دور سے چپ چاپ گزر رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کی خبر کسی اور کو بھی ہو۔

پتہ نہیں یہ سچ بھی تھا کہ صرف اوزی کو ایسا لگا تھا۔ اوزی پلٹا تھا اور پھر اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

انابیہ جتنی کمزور اور شکستہ آج تھی، شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔

آج شاید وہ تعلق عفنان کو ایک مجبوری لگ رہا تھا یا پھر اوزی ہی کچھ غلط سمجھ رہا تھا اور ویسا کچھ تھا نہیں۔

❄ ❄ ❄

میرب سیال کے قیاس کس قدر سچ تھے۔ وہ اب جان چکی تھی۔ مائی اماں کے گھر میں ہونے سے جو یک دکھاوے کی کیئر تھی وہ بھی اب باقی نہیں رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان سرے سے کوئی واسطہ ہی ہیں رہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جب دل چاہتا تھا، وہ آتا تھا ـــــ جب دل چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ اکثر قت گھر سے باہر گزرتا تھا موصوف کا۔ اور اگرچہ اسے اس سے کچھ سروکار نہیں تھا مگر اتنے بڑے خالی گھر یں اس کا وقت گزارنا انتہائی دشوار ہو چلا تھا۔ مگر اس کی شکایت وہ اس شخص سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا انداز بھی تو ایسا تھا جیسے کوئی واسطہ سرے سے ہی نہیں۔

کہاں تو حق جتایا جا رہا تھا ـــــ اپنے رشتے کی دلیلیں دے رہا تھا ـــــ اہمیت سمجھا رہا تھا اور کہاں اب خود یاد نہیں تھا کہ وہ اس سے وابستہ بھی تھی ـــــ جی رہی تھی تو کس حال میں؟ ـــــ کچھ کھا بھی رہی تھی یا نہیں؟ ـــــ ہمیشہ سے بھرے پرے گھر میں فیملی کے ساتھ رہنے کی عادی رہی تھی مگر اب یہاں، کتنے دن ہوئے تھے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بس اسی روز آخری بار اس قدر بولی تھی جب سردار سبکتگین کو کھری کھری سنائی تھیں اور اس کے بعد ایسی خاموش ہوئی تھی کہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔

اس نے گھڑی کی سمت دیکھا تھا۔

کتنا وقت ہو چلا تھا اور محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری کا کچھ اتہ پتہ نہ تھا ـــــ پتہ نہیں کب آنا تھا اسے؟ اور اس نے اب تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس کا انتظار کر رہی تھی یا دل میں اس کے ساتھ کھانے کی کوئی خواہش تھی۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ وہ تنہا کھانے کی عادی نہیں تھی۔ صبح بریک فاسٹ بھی نہیں لیا تھا ـــــ دوپہر کا کھانا وہ پھر گول کر گئی تھی۔ شام میں کافی کے کپ کے ساتھ صرف اسنیکس لئے تھے۔

اور اب رات کے اس پہر اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ ملازم کھانا بنانے کی ہدایات چاہ رہے تھے لیکن اس وقت وہ اتنے برے موڈ میں تھی کہ ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ پتہ نہیں انہوں نے کچھ بنایا بھی تھا کہ نہیں! وہ بیڈ سے اٹھی تھی جب گیٹ کھلنے اور گاڑی پورچ میں آ کر رکنے کی آواز آئی تھی۔ شاید سردار صاحب تشریف لے آئے تھے۔ وہ اٹھتے اٹھتے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ اس کے سامنے کچن کی طرف جانا کچھ مناسب نہیں لگا تھا۔ چند لمحوں تک اس کے اپنے کمرے میں جانے کی منتظر بیٹھی رہی تھی۔ پھر اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ مگر جب سیڑھیوں پر تھی تبھی عین اسی لمحے اچانک لائٹ چلی گئی تھی ـــــ میرب سیال کی فطری بزدلی ایک لمحے میں عود کر آئی تھی۔ وہ اس کے خیال سے چیخی نہیں تھی۔ خود پر کسی طرح سے قابو پا کر بس بچگانہ اقدام سرزد ہونے سے خود کو روک لیا تھا۔ مگر آنکھیں بند کر کے وہ اسے پکارنا

نہیں بھولی تھی۔

”گین!___ گین پلیز! اپنے کمرے میں سے باہر آؤ___ میں یہاں زینے پر پھنس گئی ہوں پلیز، مجھے خوف آرہا ہے___ یہاں اندھیرا بہت ہے۔ آپ یہاں باہر آ کھڑے ہوں گے؟“ آنکھی بند کر کے ایک ایسی درخواست کی تھی جو وہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کبھی کبھی دل پر پتھر رکھ کر بہت سے اقدا سرانجام دینے پڑتے ہیں اور بحالت مجبوری اسے پکارنا بھی اس کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔ قدموں چاپ سماعتوں میں اب تک نہیں اُبھری تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے منتظر کھڑی تھی___ دوبارہ پکارنے ہمت ناپید تھی۔ مگر خوف سے دھڑکنوں میں ایک زیر و بم سا تھا اور بحالت مجبوری وہ دوبارہ بول رہی تھی۔

”گین!___ آپ___ آپ یہاں آ کر کھڑے ہوں گے___ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہا بہت اندھیرا ہے۔ آپ___ آپ سن رہے ہیں نا؟___ کیا آپ میرا سیل مجھے پکڑا سکتے ہیں؟ می یہاں زینے پر تنہا کھڑی ہوں۔ اندھیرے میں آگے بڑھ جانا ممکن نہیں لگ......“

باقی کی درخواست زبان تلے دبا لینی پڑی تھی۔ عین اس کے سامنے سے بلکہ بے حد قریب سے لائ جلنے کی آواز آئی تھی اور روشنی کی ایک لکیر نے سارا منظر واضح کر دیا تھا___ جسے آنکھیں بند کئے وہ دیوا وار کہیں اندر سے پکار رہی تھی وہ اس لمحے اس کے سامنے تھا___ غالباً وہ اسی لمحے زینہ چڑھنے کی میں تھا جب لائٹ چلی گئی تھی۔ وہ بھی اسی جگہ رک گیا تھا۔ مگر میرب سیال کی طرح اس نے کوئی شور نہی مچایا تھا۔

میرب سیال کی نظر ساکت رہ گئی تھی۔

تو وہ اس کے اتنے پاس تھا۔

اس قدر قریب اور وہ اسے دیوانہ وار کہیں اندر سے پکار رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری لائٹر جلائے اس کے عین سامنے کھڑا اس کے چہرے کو بہ غور دیکھ تھا۔ میرب سیال جو کچھ لمحوں قبل اسے پکار رہی تھی اس لمحے اس کے اس درجہ قریب ہونے پر اس کی جان دیکھنے کی سعی نہیں کر سکی تھی۔ مگر ایک اطمینان سا رگ و پے میں دوڑتا محسوس ہوا تھا۔

”وہ......لائٹ......نہیں تھی......اور......“ سر جھکا کر وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر سرد سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سنے بغیر چہرے کا رخ پھیر کر بارعب انداز میں نوکر کو پکارا تھا۔

”فاضل!___ فاضل___!“

”جی سرکار___!“ مؤدب ملازم ایک لمحے میں بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔ سردار سبکتگی حیدر لغاری نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ابھی تک جنریٹر آن کیوں نہیں ہوا؟___ خودکار نظام ہے نا___ تو پھر پرابلم کیا ہوا ہے؟“

”جناب! کوئی ٹیکنیکل فالٹ ہے___ میں نے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور جلد قابو پانے کی ہدای کر دی ہے۔ چند لمحوں میں لائٹ بحال ہو جائے گی۔“ فاضل نے مؤدب انداز میں یقین دلایا تھا۔

”ٹھیک ہے___ تم جاؤ۔ اور ہاں، سنو___ بی بی کو جہاں جانا ہے ان کی رہنمائی کر دو

ایمرجنسی لائٹ یا کینڈل کا بندوبست بھی کر دو۔“ ہدایت خاص ہوئی تھی۔

”جی بہتر۔“ فاضل مؤدب انداز میں پلٹ گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف نظر کی تھی۔ زبان خاموش تھی مگر میرب کو صاف لگا تھا جیسے اس کی نظر پوچھ رہی ہو۔

”بس یا کچھ اور؟___ سب ٹھیک ہے نا؟“

”تھینکس!“ میرب نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ پکڑ کر اوپر تک لایا تھا۔ اپنے ہاتھ میں تھما لائٹر اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا اور قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال اس خوشبو کے احساس کو اپنے اردگرد محسوس کرتی بے ارادہ ہی پلٹ کر اس شخص کے عقب میں دیکھنے لگی تھی۔ فاضل چٹکیوں میں ہدایت پر عمل کرتا ہوا ایمرجنسی لائٹ لے آیا تھا۔

”جی بی بی جی!___ کہاں جانا ہے؟“ فاضل رہنمائی کرنے کو تیار تھا۔ مگر میرب سیال نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف سفر کرنے لگی تھی۔ مگر عین اسی لمحے اس کے کانوں میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز پڑی تھی۔

”فاضل!___ اپنی بی بی سے پوچھ لو، ڈنر وہ اپنے کمرے میں کریں گی یا باہر ڈائننگ ہال میں؟ جہاں یہ کہیں، کھانا لگوا دو___ گھر میں کچھ پکا بھی ہے آج یا نہیں؟“

میرب سیال نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ مگر قدم آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ سردار صاحب غالباً راہداری میں ہی تھے۔

”مائی نہیں تھیں صاحب!___ چھوٹی بی بی نے بھی کوئی خاص ہدایت نہیں دی۔ بہت عام سا مینیو ہے۔ آپ حکم کریں تو میں باہر سے آرڈر دے کر منگوا لوں؟“

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ فاصلے پر کھڑی میرب سیال کی پشت کو دیکھا تھا۔ ایمرجنسی لائٹ کی روشنی میں سارے منظر بہت واضح تھے۔

”اپنی چھوٹی بی بی سے پوچھ لو___ جو کہیں، وہی کرو___ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں___ مجھے ڈسٹرب مت کرنا___ رائٹ؟“

”جی بہتر۔“ فاضل نے مؤدب انداز میں سر ہلایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے میرب سیال کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ میرب نے دانستہ طور پر پلٹ کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ نگاہ ایک لمحے کو ملی تھی مگر دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری اجنبی بن کر واپس پلٹ گیا تھا۔

میرب سیال وہاں کھڑی چند ثانیوں تک اسی سمت تکتی رہی تھی۔

”بی بی جی!___ یہ لائٹ آپ کے کمرے میں رکھ دوں؟“ فاضل ایمرجنسی لائٹ ہاتھ میں پکڑے اس کی ہدایت کا منتظر تھا۔

میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔ فاضل

لائٹ رکھ کر پلٹ گیا تھا۔

میرب سیال تنہا کمرے میں چھت کو تکتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ اور اس لمحے آنکھیں جانے کی
بھیگنے لگی تھیں۔

* * *

انابیہ شاہ چپ چاپ سی اپنے کمرے میں بیٹھی ہاتھ پھیلائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی مہندی کی تہہ کے نیچے تیزی سے چھپ رہی تھیں۔

یہ مہندی کوئی عام مہندی نہ تھی۔

شگن کی مہندی تھی ـــــ کسی کے نام کی مہندی تھی ـــــ!

جس کے خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے۔

اور خالی خالی آنکھوں میں ہزار ہا نمکین سمندر آن رکے تھے۔

ماہ وش اس کی کیفیت دیکھ رہی تھیں۔ دانستہ اس کے قریب نہیں آئی تھیں۔ مگر لامعہ کو اس کی س
اشارہ کر کے اس کے پاس جانے کے لئے کہا تھا۔ لامعہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔ ہاتھ ب
کر اس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو سمیٹا تھا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھائے اسے دیکھتے ہوئے ملائم
سے مسکرائی تھی۔

’’کتنی بری بات ہے انابیہ! ـــــ آج کے دن تم رو رہی ہو ـــــ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ خوشیوں
پل جب زندگی میں آئیں تو انہیں مسکراتے ہوئے سمیٹنا چاہئے۔ اس طرح روتے ہوئے، اُداس ہ
نہیں۔‘‘ انابیہ نہ تو اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی ـــــ نہ ہی اس کی آنکھوں کے بہتے اشک رکے تھے۔

’’کیا ہو رہا ہے یار! تم کوئی واحد لڑکی تھوڑی ہو جس کی شادی ہو رہی ہے؟ ـــــ دنیا میں تمام لڑکی
کی شادیاں ہوتی ہیں۔ مگر تم.......‘‘ لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ قدرے اوپر اٹھایا تھا۔

’’تم واقعی ایک لکی گرل ہو ـــــ تم خود اپنے بارے میں غلط سلط سوچنا بند کر دو ـــــ تم دنیا
پرفیکٹ لڑکی ہو جس میں کوئی خامی ہے نہ برائی۔ عفنان علی خان جیسا بندہ تمہارا ہاتھ تھام رہا ہے۔ اس۔
بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟‘‘ اس کا مدھم لہجہ کسی قدر حسرت لئے ہوئے تھا۔

انابیہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ لامعہ حق کچھ دیر تک لب بھینچے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اٹھی اور ج
ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

شادی بہت سادگی سے سرانجام پا رہی تھی۔ زیادہ ہنگامہ نہیں تھا۔ فضا میں سہاگ کے گیتوں کا شور ت
بزرگ خواتین کچھ گنگنا رہی تھیں۔ مگر انابیہ شاہ اپنے اندر کے سناٹوں سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ صرف ا
اندر ہی نہیں اسے ساری فضا میں ایک سکوت سنائی دے رہا تھا۔ شاید یہ سکوت اس کے اندر کا تھا۔

کسی کام سے لامعہ اس کے پاس سے گزری تھی۔ جب وہ بولی تھی۔

’’لامعہ ـــــ!‘‘ یہ پہلا لفظ تھا جو اس روز کے بعد سے اس کی زبان سے ادا ہوا تھا۔

لامعہ رک گئی تھی۔ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

ہاں ـــــ؟‘‘

نابیہ چند ثانیوں تک اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر چہرہ پھیر گئی تھی۔

’میں عفنان علی خان سے ملنا چاہتی ہوں۔‘‘

’کیا؟ ـــــ اس وقت؟‘‘ لامعہ حق بے طرح چونکی تھی۔ ’’اس وقت کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ ـــــ
ب تم اس سے کیا کہنا چاہتی ہو؟‘‘

انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔

’’کیا ہوا؟‘‘ اوزی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

’’انابیہ، عفنان سے ملنا چاہتی ہے۔‘‘

’’تم نے کیا کہا؟‘‘ اوزی نے دریافت کیا تھا۔

’’کچھ نہیں ـــــ مگر اگر وہ چاہتی ہے تو ہمیں اسے عفنان سے ملنے دینا چاہئے۔ اسے روکنے سے حاصل ہوگا؟ ـــــ ہو سکتا ہے وہ عفنان سے واقعی کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہو۔‘‘ لامعہ نے اخذ
تھا۔

اوزی نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

’’فی الحال ایسا ممکن نہیں ـــــ میں خود سمجھاتا ہوں اسے۔‘‘ اوزی چلتا ہوا اس کی سمت بڑھ آیا تھا۔

انابیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اوزان سید کچھ دیر تک یونہی کھڑا بہن کو دیکھتا رہا تھا، پھر گھٹنوں کے بل
ل کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

’’کیا ہوا ـــــ؟‘‘

انابیہ نے سر اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور پھر یکدم ہی اس کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ
ر رونے لگی تھی۔

’’اوزی! ـــــ انابیہ بے وقعت ہو گئی ـــــ اتنی بے وقعت کہ خود اپنے آپ سے بھی نظریں نہیں ملا
لتی۔ بہت گر گئی ہوں نا میں بہت ارزاں ہو گئی ہوں نا اتنی بوجھ کہ تم سب بھی اسے اپنے
کاندھوں پر ڈھو نہیں سکتے؟ اتار پھینکنا چاہتے ہو مجھے ایک ناپسندیدہ بوجھ کی طرح۔ اتنی غیر اہم اور
بے وقعت ہو گئی ہوں میں؟ ـــــ پڑے کیوں نہیں رہنے دیا ایک کونے میں مجھے کسی غیر اہم شے کی
طرح؟ ـــــ کیا لے رہی تھی میں تم سب کا؟ ـــــ کیوں مجھے نکال رہے ہو اس گھر سے؟ ـــــ
کیوں بے دخل کر رہے ہو مجھے میرے اس گھر سے؟ ـــــ کیا واقعی اب میں تم سب کے لئے پہلے جیسی
نہیں رہی؟ ـــــ نہیں رہی نا؟ ـــــ تو گلا کیوں نہیں گھونٹ دیا میرا؟ ـــــ کیوں؟ ـــــ زندہ دفن
کیوں نہیں کر دیا؟ ـــــ تب جب مر رہی تھی تب مرنے کیوں نہیں دیا؟ ـــــ کیوں بچا لیا آج کے
دن کے لئے؟ ـــــ سب اپنی اپنی سوچ رہے ہیں ـــــ اپنی اپنی تھوپ رہے ہیں ـــــ کسی نے یہ
بھی سوچا کہ میں کیا چاہتی ہوں ـــــ میں کیا سوچ رہی ہوں؟ ـــــ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے؟
ان ـــــ ان کڑے حالات میں، میں کیا کرنا چاہتی ہوں، کسی نے یہ نہیں سوچا ـــــ کسی نے یہ نہیں

پوچھا۔ کیا اس واقعے نے مجھ سے میری زندگی پر اختیار بھی چھین لیا؟ ـــــ کیا اب میں اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی اہل نہیں رہی؟ ـــــ کیوں کیا تم سب نے میرے ساتھ ایسا؟ ـــــ ایک پل میں ـــــ صرف ایک پل میں پرایا کر دیا۔ نکال پھینکا مجھے اپنی زندگیوں سے باہر ـــــ یہی حق ت میرا اس گھر پر؟ ـــــ تم سب پر ـــــ؟'' آنسو کتنی تیزی سے آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ لبوں پر کتنے سوال تھے۔ مگر اوزی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اسے چند ثانیوں تک اسی طرح دیکھتا رہا تھا پھر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا اور اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

''انابیہ! ـــــ تم ہمارے لئے بوجھ نہیں ہو ـــــ ہم تمہاری خوشیوں کے خواہاں ہیں۔ خوشیوں کے لئے ہیں اس کا اندازہ تمہیں آج نہیں، لیکن کل ضرور ہو گا۔'' بھیگتی آنکھوں کے ساتھ اوزان سید کہہ رہا تھا۔ مگر انابیہ شاہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔

بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کیجئے

افسوں جان

دوم

عشنا کوثر سردار

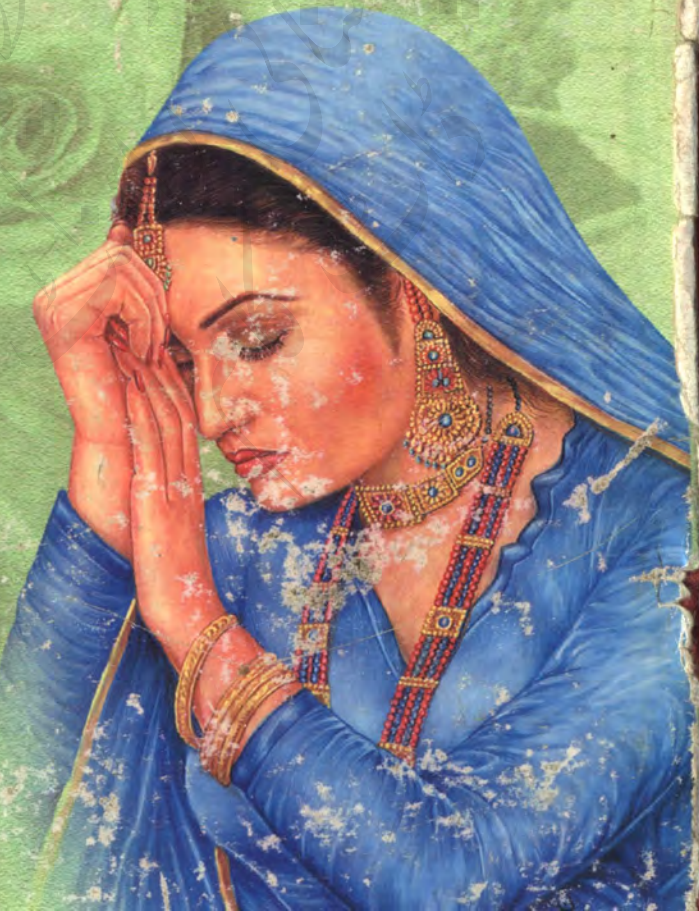

میرب سیال ناشتے کی ٹیبل پر تھی۔ جب اطلاع ملی تھی کہ جناب سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب فیلنگ ناٹ ویل۔

"کیا ہوا؟" اس نے ملازم سے دریافت کیا تھا۔

"فلو اور بخار ہے ــــ رات حالت کچھ زیادہ خراب تھی بخار بہت تیز تھا جس کے باعث ڈاکٹر کو کال کر کے گھر بلانا پڑا۔" ملازم نے اطلاع دی تھی۔ وہ چونک پڑی تھی۔

"رات کو؟ ــــ اور تم لوگوں نے مجھے نہیں بتایا" حیرت ہوئی تھی۔ یقیناً گین نے منع کیا ہوگا ــــ ذہن میں پہلا خیال آیا تھا۔

"صاحب نے منع کیا تھا؟" اس نے کریدا تھا۔

"نہیں جی ــــ وہ تو ہوش میں ہی نہ تھے ــــ میں آپ ساری رات ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہی ہوں۔" فاضل کی بیگم زلیخا نے اطلاع دی تھی۔

وہ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ چیئر کھینچ کر اٹھی تھی۔ مگر عین زینے کے درمیان ہی جانے کیوں قدم رک گئے تھے۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ وہ واپس پلٹی تھی۔ زلیخا کو گین کے ناشتے کے لئے خاص ہدایت دی تھی اور فون کی اطلاع آ گئی تھی۔ ریسیور کان سے لگا کر نمبر ملانا چاہا تھا مگر پھر ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ مائی اماں یقیناً اکلوتے بیٹے کی کیفیت پر پریشان ہو جاتیں اور یہ ٹھیک نہ ہوتا۔ یہی سوچ کر اس نے فون رکھ دیا اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ چار سُو سرخ گلاب کے پھولوں کی جیسے جھاڑ سی لگی تھی۔ مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ وہ بے ارادہ ہی چلتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔

"بی بی جی! آپ؟" مالی اسے دیکھ کر مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میرب سیال نے سرخ گلابوں کو بغور دیکھا تھا۔

"مجھے یہ پھول چاہئیں۔" مدعا بیان کیا تھا۔

"بہتر بی بی جی! ــــ میں آپ کے لئے توڑ دیتا ہوں۔" مالی نے عملی اقدام کرنے کو قدم اٹھایا تھا۔ مگر تبھی میرب نے اسے روک دیا تھا۔

"نہیں ــــ میں خود کر لوں گی ــــ تم جاؤ یہاں سے۔" حکم دیا تھا۔ مالی کسی قدر تشویش سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"بی بی جی! ــــ یہ بہتر نہیں ہے ــــ پھولوں کے ساتھ بہت نوک دار کانٹے بھی ہیں۔ اور اگر

آپ کو کوئی زخم لگا تو بڑی بی بی اور صاحب تو ہمیں نوکری سے چلتا کر دیں گے ـــــ میں آپ کو پھول نکال دیتا ہوں۔ آپ صرف اشارے سے بتا دیں، کون کون سے درکار ہیں۔"

"نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ـــــ تم ہٹو یہاں سے ـــــ جو جو چاہئے ہوگا، میں خود نکال لوں گی۔ اور ہاں ـــــ کسی کو اس کے متعلق مت بتانا ـــــ ورنہ نوکری سے نکال دوں گی۔" دھمکی دی تھی۔ مالی بے چارہ فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میرب آگے بڑھی تھی اور سرخ گلابوں کے کنج سے اپنی پسند کی ٹہنیاں نکالنے لگی تھی۔ مالی اُسے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

ایک ـــــ دو ـــــ تین ـــــ!

کتنے لاتعداد پھول ایک گلدستے کے لئے ـــــ اور کتنے زیادہ زخم ہاتھوں اور کلائیوں پر صرف ان پھولوں کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں، اس کو تب احساس نہ ہوا تھا۔ مگر جب تمام ٹہنیوں کا گلدستہ بنا کر پلٹی تو کلائیوں سے رِستا خون دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ وہائٹ دوپٹے کے پلو سے رگڑ کر ان خون رِستے زخموں کو صاف کیا تھا اور بکے ہاتھ میں لے کر اندر کی طرف چل پڑی تھی۔

"زلیخا! صاحب کو ناشتہ پہنچایا؟" زینے کے آغاز پر رک کر زلیخا کو آواز دے کر دریافت کیا تھا۔

"جی بی بی جی! ـــــ ناشتہ کرا دیا ہے ـــــ مگر وہ دوا نہیں لے رہے۔"

"اوکے ـــــ ٹھیک ہے ـــــ میں دیکھتی ہوں ـــــ مائی کا فون آئے تو ان کو صاحب کے متعلق کچھ مت بتانا۔ ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟" بھرپور مالکانہ انداز سے زلیخا کو دیکھا تھا۔

"جی بی بی جی!" زلیخا نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور اس کے ہاتھوں اور کلائیوں کو بغور دیکھا تھا۔

"بی بی جی! ـــــ آپ کے ہاتھوں اور کلائیوں پر سے خون رِس رہا ہے ـــــ لائیے، میں مرہم پٹی کر دوں ـــــ مائی کو خبر ہوئی تو بہت سخت سست کہیں گی۔"

"نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں جو کہا ہے تم صرف وہ کرو۔" وہ بولی تھی اور سرعت کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کمرے تک جانے تک اس کی سانس پھول چکی تھی۔ دروازے کے باہر رک کر اس نے چند لمحوں تک اپنی سانس بحال کی تھی پھر ہاتھ سے دروازہ ہلکے سے بجایا تھا۔ اندر سے کوئی آواز فوری طور پر نہیں آئی تھی۔ میرب نے دوبارہ دستک دی تھی۔ کوئی جواب تب بھی نہیں آیا تھا۔ اور تب اس لمحے اس نے بہت آہستگی سے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازہ کھول دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً سو رہا تھا ـــــ کمرے میں اندھیرا تھا۔ دبیز پردے گرے ہوئے تھے اور لائٹس آف تھیں۔ میرب نے اس کے آرام کی غرض سے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ ایک قدم اندر رکھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر بائیں جانب لگے بٹن میں سے ایک بٹن دبا کر زیرو وولٹ کا ننھا سا بلب روشن کر دیا تھا۔

کمرے میں ایک مدھم سی روشنی پھیل گئی تھی۔ اس روشنی سے ہوا یہ تھا کہ اب کمرے کے منظر کسی قدر غیر واضح ہی سہی مگر دکھائی ضرور دینے لگے تھے۔ میرب سیال بکے والا ہاتھ پشت پر کئے چند لمحوں تک یوں ہی دروازے کے قریب کھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ آنکھوں پر بازو دھرے وہ یقیناً اس لمحے سو رہا تھا۔

بقول ملازمین کے رات بھر وہ سو نہیں پایا تھا۔ وہ سوچ کر آئی تھی کہ اسے دوا کھلا دے گی۔ مگر اب اس کے آرام میں خلل نہ لانے کی غرض سے وہ اسے صرف دور سے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

میرب سیال کا دل بہت نرم تھا۔ دوست اور دشمن کے لئے یکساں، ایک سوفٹ کارنر رکھتا تھا۔ اس کے لئے کسی سے بھی بدظن رہنا ناممکن تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ یہی نرمی تھی کہ وہ اس روز اسے سخت سست سنانے کے بعد بہت گلٹی فیل کر رہی تھی اور کسی طرح اس کا ازالہ کرنا چاہتی تھی۔ سردار سبکتگین سے معذرت کر کے یا پھر کسی بھی طرح کا نرم رویہ یا سلوک روا رکھ کر۔ وہ یہ نہیں دیکھ رہی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے کس طرح کا بی ہیو کر رہا تھا ـــــ وہ اسے سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یہ اس کا ظرف تھا۔ اور جو اس سے ہو سکتا تھا اسے وہ کرنا تھا۔ شاید اسی کے باعث آج وہ زخمی کلائیوں اور ہاتھوں کے ساتھ پشت پر سرخ گلابوں کا بکے چھپائے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کمرے میں تھی۔ چند لمحوں تک یونہی کھڑے وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر ہمت کر کے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ قدم دانستہ طور پر دبے دبے سے تھے۔ وہ کوئی آہٹ اس لئے نہیں چاہتی تھی کہ کہیں وہ ڈسٹرب ہو کر اٹھ نہ جائے۔ دبیز کارپٹ پر دبے پاؤں چلتے ہوئے انداز عجب چوروں کا سا تھا ـــــ ہاتھ اسی طرح پشت پر باندھے وہ چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب جا رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو قریب سے دیکھ کر پشت پر باندھے دونوں ہاتھ آگے گئے تھے اور سرخ گلابوں کو بغور دیکھتے ہوئے ان پر اپنی چند گرم سانسوں کا لمس چھوڑا تھا اور پھر بہت آہستگی سے وہ بکے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سرہانے کے پاس رکھ دیا تھا۔ لب بھینچ کر چند لمحوں تک اس شخص کو دیکھا تھا۔ پھر جیسے ہی جانے کو پلٹی تھی ایک آواز نے اس کے بند اسی جگہ پر باندھ دیئے تھے۔

"آئی ہو ـــــ اور ملے بغیر جا رہی ہو؟ ـــــ حال احوال نہیں پوچھو گی؟" ایک بھاری آواز اُبھری تھی۔ میرب سیال نے ڈرتے ڈرتے چہرے کا رخ پھیر کر دیکھا تھا اور دل اُچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

کوئی اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ پوری کی پوری توجہ اسی کی طرف تھی۔

میرب سیال نے اپنی سانسوں میں اٹھتے زیر و بم کو واضح طور پر خود بھی محسوس کیا تھا۔ سینے میں دل واقعی بہت بری طرح دھڑک رہا تھا۔

آگے بڑھ جانے کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اور پیچھے مڑ کر دیکھنا اس کے لئے انتہائی دشوار تھا۔

"وہاں کھڑی رہو گی؟ ـــــ قریب نہیں آؤ گی؟" ملائم لہجہ اُبھرا تھا۔

میرب سیال نے ڈرتے ڈرتے رخ پھیرا تھا۔ نیم اندھیرے میں منظر مکمل طور پر واضح نہ تھے۔ مگر جس قدر واضح تھے ان سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی اس کی سمت مکمل توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال کے لئے وہاں سے بھاگ نکلنے کی جیسے کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ بہت آہستگی سے پلٹی تھی۔ نیم تاریکی میں نظر آتا چہرہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ بہت مرے مرے قدموں سے وہ آگے بڑھی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر دھرے پھول اٹھائے تھے اور کانپتے ہاتھوں سے اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔ سامنے موجود شخص کا چہرہ

کسی قدر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس لمحے وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز سا تھا۔

کیا تھا ــــــ پتہ نہیں، بیماری کا اثر تھا یا پھر کچھ اور ــــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مزاج بہت نرم ہوا تھا۔ تبدیلی حیران کن تھی۔

میرب سیال کے لئے یہ انداز خاصا انوکھا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ دھیان بوکھلاہٹ کے ساتھ پھولوں پر جا ٹھہرا تھا۔

”آپ ــــــ آپ لے لیجئے ــــــ یہ آپ کے لئے ہیں۔“ سانسوں کے زیر و بم پر قابو پانے کی ناکام کوشش ہوئی تھی۔

”میرے لئے؟ ــــــ میرے لئے ہیں تو اتنی دور کیوں کھڑی ہو؟ ــــــ کچھ اور قریب آ جاؤ۔“ دھیمے لہجے میں عجب سی درخواست تھی۔ میرب نے چار پانچ قدم کے فاصلے کو قدرے مختصر کرنے کو دو قدم مزید بڑھا دیئے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے گلدستہ آگے بڑھایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر بکے اس طرح تھاما تھا کہ میرب کے ہاتھ بھی اس کے ہاتھ میں آ گئے تھے۔ میرب سیال بھونچکی رہ گئی تھی۔ اقدام بہت غیر متوقع تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری داہنے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے، بائیں ہاتھ سے پھول ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی خون رِستی کلائیوں کو ہاتھوں میں لئے بغور جانچنے لگا تھا۔

میرب سیال یوں نگاہ چرا گئی تھی جیسے کوئی چور چوری پکڑے جانے پر کرتا ہے۔ عجیب مجرم سا انداز تھا۔ ہمیشہ کوشش کرتی تھی کہ وہ اس شخص پر منکشف نہ ہو ــــــ مگر ــــــ ہمیشہ کوششیں ناکام ہو جاتی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس گھڑی بھی کمرے کی مدھم روشنی میں میرب سیال کی کلائیوں کے زخموں کو بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

”اتنے زخم؟ ــــــ اور وہ بھی میری خاطر؟ ــــــ یہ ہوا اچانک الٹی سمت کس طرح چل پڑی؟“ لبوں پر خفیف سا تبسم تھا۔ پتہ نہیں طنز تھا یا ستائش یا پھر حیرت؟ ــــــ میرب سیال کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر وہ اپنی کلائیاں اس کے ہاتھ سے کھینچ لینا چاہتی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت بتا رہی تھی کہ ایسا ناممکن تھا۔

”ہمدردی میں اتنی دور جایا نہیں جا سکتا اور ــــــ مروت و اخلاص کا وہ زمانہ رہا نہیں ــــــ پھر بھید کیا ہے، اس بات کا پتہ کیسے چلے گا؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ انداز بھرپور محظوظ ہونے والا تھا۔ میرب نے کلائیاں کھینچنا چاہی تھیں مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید اسکے لئے ابھی فی الفور تیار نہ تھا۔ نظر جھکا کر بہ غور زخموں کو دیکھنے لگا تھا۔

”زخم خاصے گہرے لگے ہیں ــــــ مرہم پٹی ضروری ہے۔ کم از کم یہی سوچ لیا ہوتا کہ مجھے تو مرہم پٹی کا بھی کوئی تجربہ نہیں۔“ لبوں پر خفیف سا تبسم تھا۔ اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا تھا۔ میرب کے لئے یہ اقدام کسی قدر جبراً تھا۔ بیٹھ کر وہ نگاہ ملانے کا قصد نہیں کر سکی تھی۔ ایک بیڈ پر ــــــ قربت، خاصی جان لیوا تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ کے اشارے سے اسے ”ویٹ“ کا سائن دیتا مڑا تھا اور بیڈ پر لیٹے لیٹے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر ایک فرسٹ ایڈ باکس برآمد کیا تھا اور واپس اپنی پوزیشن پر آ گیا تھا۔ جس قدر وہ میرب سیال کے اقدام پر حیران تھا اسی قدر میرب سیال اس کے اقدام پر حیران تھی۔ گردن موڑے اسے تب تک بہ غور دیکھتی رہی تھی جب وہ فرسٹ ایڈ باکس برآمد کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ مڑا تھا، وہ واپس اپنی پہلی پوزیشن میں آ گئی تھی۔ غالباً بیماری میں یہ تبدیلی حیران کن تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا دل خاصا نرم ہو گیا تھا۔ جیسے کایا پلٹ گئی تھی۔

میرب سیال اس جیسے شخص سے یہ توقع نہیں کرتی تھی۔

اتنی ہمدردی!

اتنی توجہ!

اتنی اہمیت! ــــــ اس شخص سے اگر ملتی تو یقیناً صورتحال اتنی ہی غیر متوقع لگتی۔

”بتایا نہیں تم نے، اتنے زخم میرے لئے کیوں؟ ــــــ پھول ہی چننے تھے تو کسی سے کہہ دیا ہوتا۔ اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ــــــ دل میں کچھ جگہ چاہئے تھی تو کچھ اور کیا ہوتا۔“ الزام تھا یا کوئی طنز ــــــ یا پھر کوئی تنقید؟ ــــــ میرب سیال فوری طور پر سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ بیمار کا حال پوچھنے آئی تھی۔ مگر کچھ پوچھنے کی سکت ناپید تھی۔ الٹا بیمار اُس کی تیمارداری کرتے ہوئے ہوش ٹھکانے لگا رہا تھا۔

”میں ــــــ میں صرف آپ کا احوال پوچھنے آئی تھی۔“ مدھم آواز میں بالآخر وضاحت دے ڈالنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بینڈج کرتے ہوئے جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

”اچانک، اتنی فکر؟ ــــــ اتنی توجہ؟ ــــــ اتنا خیال؟“

ایک ساتھ پتہ نہیں سوال تھے یا پھر الزام۔ میرب سیال بینڈج ہوتے ہی یکدم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اگر بیماری میں اس شخص کا دماغ اتنا چلتا تھا تو پھر ہوش مندی یا تندرستی میں کیا عالم ہوتا ہوگا؟

”کیا ہوا؟ ــــــ اتنی جلد حال احوال معلوم ہو گئے؟ ــــــ میں نے ابھی تو کوئی جواب بھی نہیں دیا۔“ میرب سیال کو اندازہ ہوا تھا، اس کا ہاتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا۔ عجب ہونق انداز میں وہ پلٹی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دوسرے ہاتھ سے ان تازہ گلابوں کے بکے کو لیتے ہوئے چہرے کے قریب لے گیا تھا۔

”ہوں ــــــ کچھ خوشبو تو ہے۔ شاید تمہاری چند سانسیں اس پر رہ گئی ہیں۔ کچھ گرمی بھی ہے۔ شاید تمہارے ہاتھ کا لمس ان شاخوں پر اب بھی باقی ہے۔ مگر ان کی تر و تازگی مجھ سے ایک شکایت کر رہی ہے۔ جانتی ہو کیا؟ ــــــ تم نے کچھ شاید چرا لیا ہے ــــــ شاید نہیں، یقیناً تم نے کچھ چرا لیا ہے۔“ مدھم سرگوشی میں جیسے کوئی جادو تھا۔ بڑا انوکھا انداز تھا۔ ایک تو کمرے کی نیم تاریکی عجب اسرار پھونک رہی تھی اس پر یہ ایک خاص آہنگ ــــــ جانے کیا چاہتا تھا یہ شخص اب اس سے!

اس کی سنگت میں تو ہر لمحہ ہی قیامت تھا۔

میرب سیال نے کسی قدر اُلجھن سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

"آپ......خدارا، میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا اور پھر حکم کی ایسے تعمیل کی تھی جیسے وہ اس پر ہی مامور ہو۔

"جاتے ہوئے دروازہ بند کرتی جانا —— میں ان پھولوں سے اور بہت سی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ و بھی جو تم نے نہیں کہی ہیں۔"

وہ پلٹی تھی جب ایک مزید دھماکہ ہوا تھا۔ میرب سیال نے گردن کا رخ پھیر کر دیکھا تھا مگر وہ اس ک بجائے ان گلاب کے سرخ رنگ پھولوں پر اپنی ساری توجہ مرکوز کئے ہوئے تھا۔

میرب سیال پلٹی تھی اور دروازہ بند کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سانسوں کی رفتار معمول سے کچھ ہٹ ک ہو رہی تھی۔

❄❄❄

بہت سی باتوں کے ملال نہ سونے دیتے ہیں۔ نہ ہی چین سے جینے دیتے ہیں۔

انابیہ کی جان بے حد مشکل میں پھنسی تھی۔ وہ اس وقت ایسے مقام پر تھی جس کے آگے تمام راستے ب دکھائی دے رہے تھے۔ آگے بڑھ جانے کو کوئی راہ نہ تھی اور نہ واپس مڑ جانے کو کوئی راستہ۔ ایک ایسا م جس کے آگے صرف تاریکی تھی اور تاریکی میں سارے منظر تاریک تھے۔

"میں اس بند گلی میں رہنا نہیں چاہتی۔" انابیہ بہت ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

"میں اس بند گلی میں جینا نہیں چاہتی۔" وہ چیخی تھی۔ اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر دھواں دھ رونے لگی تھی۔ جانے کتنی دیر تک یونہی بیٹھی روتی رہی تھی۔ پھر اٹھی تھی اور عفنان کا نمبر ملا ڈالا تھا۔ مگر ہ کہہ نہیں سکی تھی۔ خاموش —— چپ چاپ —— بہت سا پانی آنکھوں کے کنارے سے بہتا رہا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان بھی چپ تھا۔ جانے کیوں۔

"مجھے ......مجھے آپ سے......بات کرنی ہے۔" انابیہ نے عرض مدعا کیا تھا۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

انابیہ فون پٹختے ہوئے چلائی تھی۔

"کیوں ......کیوں بات نہیں کر سکتے ہو تم مجھ سے؟ —— کیوں ہمت نہیں ہے تم میں؟ —— حوصلہ نہیں ہے نا، تو کیوں بن رہے ہو پھر مسیحا؟ —— کیوں نبھا رہے ہو یہ رواداریاں؟ —— کیوا کس لئے؟" آنسوؤں کے درمیان وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ "کیوں سمیٹ رہے ہو دنیا بھر کی داد؟ کیا کر رہے ہو یہ دکھاوے کی مہربانیاں؟ —— سچ تو یہ ہے کہ تم ایک دوغلے انسان ہو عفنان علی خان! اندر سے کچھ ہے، باہر سے کچھ۔ کیوں نہیں سن سکتے میری؟ جب مجھ میں حوصلہ ہے تو پھر تم میں کیا نہیں؟" وہ چیخ رہی تھی۔

کمرے کے دروازے پر کھڑے اوزان سید نے اسے دیکھا تھا۔ وہ گھٹنوں پر سر دھرے رو رہی تھ

اوزان چپ چاپ پلٹا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان خاصا مضطرب دکھائی دیا تھا۔

"کیا ہوا؟" فاطمہ نے بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان چونکا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تم نے انابیہ سے بات کیوں نہیں کی؟" فاطمہ نے بیٹے کو سخت الجھن میں محسوس کیا تھا۔ وہ اس لمحے اگرچہ ماں سے رخ پھیرے کھڑا تھا مگر وہ جان سکتی تھیں کہ اس کے اندر کس قدر انتشار ہو گا۔

"عفنان! بہت سے لمحوں کے سوال، اپنے جواب اپنے اندر ہی پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ان جوابوں کو جاننے کی سعی کرنا اس لمحے ضروری نہیں ہوتا۔ وقت کے ساتھ وہ آپ ہی کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اگرچہ انتظار دشوار ترین عمل ہے مگر بہت سی باتوں سے روشناسی کے لئے کبھی کبھار یہ ضروری ہو جایا کرتا ہے —— تم فی الفور خود سے الجھنے کی کوشش ترک کر دو —— ان باتوں سے زیادہ اور کوئی ضروری کام نہیں اس وقت۔"

عفنان علی خان پلٹا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے دھواں دھواں تھیں۔

"میں انابیہ سے اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں ماما! —— اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں میں اس سے۔ مجھے نہیں پتہ، یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟ —— میں صرف ایک بات جانتا ہوں، وہ اگر اس صورت حال کو برداشت کر رہی ہے تو میں خوش نہیں ہوں۔ میں نے اسے پانے کے خواب ضرور دیکھے ہیں مگر ان لمحوں میں مجھے لگ رہا ہے میں شاید کسی قدر خود غرض ہو رہا ہوں۔ پتہ نہیں ماما! میں ٹھیک کر رہا ہوں یا غلط؟ —— میں نہیں جانتا۔ محبت کوئی جبری عمل نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ انابیہ اس معاملے میں خود پر کوئی جبر کرے یا پھر کوئی سمجھوتہ کرے۔ مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ کچھ بھی نہیں۔ میں چاہتا ہوں اسے جبر نہ کرنا پڑے۔ آزاد کر دوں اسے ہر جبر سے۔ آزاد کر دوں ہر بندھن سے۔ ختم کر دوں یہ سارے جبری رشتے جنہیں ڈھونا نہ اس کے بس میں ہے نہ میرے بس میں —— میں جانتا ہوں کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکے گا مجھ سے۔" وہ سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ "یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ میرے اندر وہ ہے۔ ہر جگہ وہ ہے۔ اور اسے نظر انداز کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ نہ بھولنا، نہ راموش کرنا۔ شاید یہ خود غرضی ہے۔ مگر میں کیا کروں؟ —— میں اس سے محبت کرتا ہوں، بے انتہا حبت۔ اور یہ محبت نتیجے سے بے پرواہ ہے۔"

وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ فاطمہ خان بیٹے کی کیفیت پر کٹ کر رہ گئی تھیں۔

❄❄❄

"ساہیہ! —— میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے مدھم روشنی میں کھانا کھاتے وئے کہا۔

"کیا؟" اس خواب سے ماحول میں ساہیہ نے نگاہ اٹھا کر اذہان حسن بخاری کو دیکھا تھا۔

"شکریہ!" اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ "بعض اوقات جب کوئی آپ کو بنا کہے سمجھ لیتا ہے تو بہت

اچھا لگتا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے ساہیہ! تم نے مجھے میرے تمام رنگوں سمیت دیکھا، جانچا اور پھر قبول کیا۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن پر اپنا آپ منکشف کرنے کو دل چاہتا ہے۔ بہت کم لوگوں کے سامنے خود کو کھولنا غیر مناسب نہیں لگتا۔ مگر تم سے مجھے اپنے متعلق کچھ نہیں کہنا پڑا۔ کبھی بھی نہیں۔ ہمیشہ تم نے مجھے خاموش موسموں میں خود سے دریافت کیا۔ میں کب، کہاں تنہا ہوں، کب مجھے کسی بہت اپنے کے ساتھ کی، اس کی تسلی کی ضرورت ہے یہ تم نے ہمیشہ بنا کہے جانا۔'' بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''اذہان! مجھے تمہاری یہی بات اچھی لگتی ہے۔ تم خود سے زیادہ دوسروں کی فکر میں جیتے ہو۔ تم نے کبھی خود اپنی فکر نہیں کی۔ کبھی اپنی خوشی کے متعلق نہیں سوچا۔ مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کافی نقصان بھی ہو سکتا ہے ایسی حرکتوں سے ــــــ بہت محتاط رہو۔ دوسروں کی فکر میں جینا اچھی بات ہے مگر خود ہمارا بھی ہم پر کوئی حق ہوتا ہے۔ جو پورا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔''

''مگر تم ہو نا میرا خیال رکھنے کو۔'' اذہان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''اذہان! چلتے چلتے آگے بڑھ جانا اس زندگی کا حصہ ہے ــــــ مگر آگے بڑھتے بڑھتے خود کو بھول جانا بہت بری بات ہے۔ مرد کیئرلیس ہوتے ہیں، یہ بات میں جانتی ہوں ــــــ مگر اتنے، اس قدا ہوتے ہیں، یہ بات تم نے جتائی ہے۔'' لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ''اذہان! میں بے ترتیبی کی عادی نہیر ہوں۔ مجھے زندگی میں ہر شے اپنی جگہ پر اچھی لگتی ہے۔ میں ہنستی ہوں، مسکراتی ہوں، روتی بھی ہوں. وقت ملے تو خواب بھی دیکھتی ہوں۔'' ساہیہ خان کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ ''بڑا دلچسپ ام ہے یہ۔ کبھی بے دھیانی میں بہت سی افراتفری کے درمیان آنکھیں بند کر کے ذرا دیر کو بیٹھو۔ اور صرف د بات سوچو جو تمہیں اچھی لگتی ہے۔ جس کے بارے میں تمہیں سوچنا اچھا لگتا ہے۔ پھر دیکھنا تمہیں ایک لے میں زندگی کتنی بھلی لگے گی۔ کتنی تازگی بھر جائے گی تمہارے اندر ــــــ جینے کی ایک نئی اُمنگ.......''

''تم کس کے متعلق سوچتی ہو؟'' وہ روانی سے بول رہی تھی جب اذہان حسن بخاری نے بول کرا لمحہ بھر کو حیران کر دیا تھا۔ ساہیہ اس ایک پل میں بہت ہونق لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''تم نے بتایا تھا، تم کس کے متعلق سوچتی ہو؟''

''بہت سی باتیں ہیں۔'' ساہیہ نے گریز پائی برتی تھی۔ نظر چرا گئی تھی۔

''جیسے؟'' اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

''جیسے ــــــ جیسے رنگ، جیسے خواب، جیسے موسم، جیسے.......'' تاویل بہت غیر مناسب لگی تھی۔ اذہا حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ پوری توجہ سے دیکھتے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا اس کے نازک سے ہاتھ کو گرفت میں لیا تھا۔

''ساہیہ! کیا مجھے یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہمیں یہاں بات کس کی کرنا ہے؟'' مدھم سرگوشی میں رنگ تھے۔ کسی قدر حدت تھی نظروں میں ــــــ ساہیہ خان جیسی پُراعتماد لڑکی اس لمحے نظریں ملائے نہ ر

سکی تھی۔

''ساہیہ! رنگ، خواب، موسم، سب زندگی کا حصہ ہیں۔ مگر یہ سب بھی تبھی کوئی معنی رکھتے ہیں جب کوئی ہمارے ساتھ ہو۔ وہ ایک، جس کی ضرورت دل محسوس کرتا ہے ــــــ جس کے ہونے سے، نہ ہونے سے بہت فرق پڑتا ہے ساہیہ! اگر وہ ساتھ زندگی کا حصہ ہو تو ہر شے میں رنگ آپ ہی آپ بھر جاتے ہیں۔ ورنہ یہی موسم جان کو آ جاتے ہیں اور یہی خواب آنکھوں کے لئے عذاب بن جاتے ہیں۔'' اذہان حسن بخاری نے بہت کچھ جتانے کی کوشش کی تھی۔ ساہیہ خان کے لبوں پر بہت دھیما سا تبسم تھا۔

''تو سمجھنے لگے ہو تم بھی زندگی کو؟''

''سمجھوں گا کیسے نہیں؟ ــــــ زندگی ان دنوں میرے ساتھ جو ہے۔'' اذہان حسن بخاری نے جیسے اقرار کیا تھا۔

''اذہان! زندگی واقعی بہت خوب صورت ہے۔'' ساہیہ اپنی دانست میں بولی تھی۔

''ہاں ــــــ میں دیکھ رہا ہوں ــــــ تمہاری بات سے اتفاق کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ کیا کروں، اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔'' اذہان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ ساہیہ کسی قدر زچ ہوتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اذہان ــــــ!''

مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

❄❄❄

لامعہ حق مسلسل اسی گھر میں تھی۔ انابیہ کی شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھی۔

ماہ وش کو غالباً اس بات کا احساس تھا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے جو نہیں ہونا چاہئے۔ اسی خیال سے انہوں نے لامعہ کو پاس بلایا تھا۔

''لامعہ! ــــــ بچے! تم ــــــ'' کچھ کہنا چاہا تھا مگر لفظوں نے ساتھ ہی نہ دیا تھا۔ لامعہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''مجھے پتہ ہے، یہاں ہر کوئی گلٹی فیل کر رہا ہے ــــــ مگر ایسا اگر نہ ہو تو بہتر ہے۔ ہم سب کو حقیقت کو سمجھنے کا عادی ہونا چاہئے۔ جو گزر چکا ہے اسے بھول جانا ہی مناسب ہے۔ اور جو ہو رہا ہے وہی آج کی حقیقت ہے۔ سب سے بڑی حقیقت۔'' لامعہ کا لہجہ بہت دھیما تھا اور وہ دانستہ نظریں چرا رہی تھی۔ ''ویسے بھی میں بہت خوش ہوں ــــــ انابیہ میری سب سے اچھی دوست ہے۔ اس کی زندگی سنوارنے کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہی ہو گی۔ اس نے جس طرح کی صورت حال کا سامنا کیا، وہ معمولی بات نہیں ہے۔ اگر عفنان کی صورت اسے ایک کیئرنگ اینڈ لوِنگ ہزبینڈ مل جائے تو میں خوش کیوں نہیں ہوں گی؟ اور یوں بھی عفنان علی خان سے کسی حوالے سے میرا ابھی کوئی رشتہ تھا، ہے نہیں۔ جو شے ٹوٹ جائے اس کی وقعت نہیں رہتی۔''

لامعہ اس ہجوم کے اندر سر جھکائے کھڑی تھی۔

ماہ وش نے ہاتھ بڑھا کر بہت محبت سے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

''لامعہ! ــــــ بچے! میرے لئے انابیہ میں اور تم میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا ــــــ تم جانتی ہو۔ ماں کی نگاہ سے کچھ نہیں چھپ سکتا۔ ہر شے دیکھ سکتی ہے یہ نظر ــــــ تم کچھ بھی کہو، مگر میں سمجھتی ہوں اس کیفیت کو تم جس سے گزر رہی ہو، میں اسے دیکھ رہی ہوں۔''

لامعہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''نہیں ماما! ــــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں خوش ہوں۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''میں واقعی بہت خوش ہوں۔ اور خوش کیوں نہ ہوں ــــــ انابیہ کی ساری خوشیاں مجھے اتنی ہی عزیز ہیں جتنی کہ انابیہ خود ــــــ وہ ہنستی ہے، مسکراتی ہے تو میں کبھی خود کو اندر سے اتنا ہی خوش محسوس کرتی ہوں۔ وہ خوش نہیں ہے تو میں بھی خوش نہیں ہوں۔ اس کا یہ درد مجھے بھی اندر سے اتنا ہی کاٹ رہا ہے۔ میں اس کے لئے دعا کر رہی ہوں، آج کے بعد اسے پھر کبھی رونا نہ پڑے۔ اُداسی کی، پریشانی کی اُس کی یہ آخری رات ہو ــــــ کل سے وہ اپنا ایک نیا جیون، ایک نئے رنگ، نئے ڈھنگ سے شروع کرے۔ اور مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔ عفنان اسے بہت خوش رکھے گا۔'' آنکھوں کے کناروں سے نمکین پانی کے چند قطرے بہت خاموشی سے ٹوٹ کر پلکوں سے گرے تھے اور لامعہ حق تیزی سے پلٹ کر اس کمرے میں موجود ہجوم میں غائب ہو گئی تھی۔

کچھ دور فاصلے پر کھڑے ہوئے اوزان سید نے اسے بغور دیکھا تھا۔ ماہ وش اُس کی سمت پلٹی تھیں۔

''اوزان! ــــــ وہاں باہر لان میں لائٹنگ کروا دی تم نے؟''

''جی ــــــ'' اوزان نے بہت آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔ دھیان اب بھی اس طرف تھا جس طرف لامعہ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' مہ وش نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ مگر اوزان سید کچھ نہیں بولا تھا۔ ماہ وش بہت افسردگی سے نظر پھیر گئی تھیں۔

''سوچتی ہوں تو مجھے خود بھی عجیب لگتا ہے۔ کل وہ تعلق لامعہ کی زندگی کا حصہ تھا اور آج ــــــ آج انابیہ اس سے جڑنے جا رہی ہے۔ سوچو تو یہ بات معمولی نہیں۔ نہ ہی نظر انداز کئے جانے کے قابل۔ لامعہ اس صورتحال سے بہت آرام سے نہیں گزر رہی ــــــ یقیناً اس کے اندر کہیں بہت کچھ ہو رہا ہے۔ جس کا بھید وہ ہمیں نہیں دینا چاہتی۔ جب کہ یہ انابیہ کی عادت تھی۔ چپ چاپ اپنے اندر کی باتوں کو چھپانا، دبا لینا ــــــ وہ اپنی کوئی بات مجھ سے بھی کبھی ڈھنگ سے نہیں کہہ پائی۔ میں اسے خود سے سمجھتی تھی۔ مگر لامعہ ــــــ لامعہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر چیخ چیخ کر رونے لگتی تھی اور اٹینشن چاہتی تھی۔ جس صورتحال سے گزر رہی ہوتی تھی سب کو بتانا چاہتی تھی۔ مگر آج ــــــ آج مجھے اس کے اندر ایک سکوت تیرتا دکھائی دے رہا ہے۔ اور میں جانتی ہوں اس کی وجہ کیا ہے۔ وہ چپ چاپ اپنے اندر کہیں گم ہو رہی ہے۔ آج میں انابیہ کی چپ سے زیادہ اس کی چپ سمجھ رہی ہوں۔ اس خاموشی کے سارے اسباب معلوم ہیں مجھے۔ ماں ہوں نا، کسی ایک بچے کی تکلیف بھی نہیں جھیل سکتی میں۔ ایک وقت میں اپنے سارے بچوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔'' ماہ وش بہت جذباتی انداز میں کہہ رہی تھیں۔ مگر اوزی کا چہرہ سپاٹ تھا۔

وہ شاید اس وقت کچھ اور سوچ رہا تھا۔ نگاہ اب بھی اسی سمت تھی جہاں لامعہ حق گئی تھی۔

* * *

وہ کیمپس سے لوٹی تھی تو گھر میں غیر معمولی ہلچل تھی۔ تمام ملازم یہاں سے وہاں بھاگتے ہوئے خاصے مستعد دکھائی دے رہے تھے۔

'کہیں مائی اماں واپس تو نہیں آ گئیں؟' میرب سیال نے سوچا تھا اور آگے بڑھ آئی تھی۔ مگر مائی اماں کے آنے کے شواہد ناپید تھے۔

اس نے قریب سے گزرتی زلیخا کو روکا تھا۔

''زلیخا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ــــــ مائی اماں آ چکی ہیں کیا؟''

زلیخا مسکرا دی تھی۔

''نہیں جی ــــــ مائی اماں تو واپس نہیں آئیں۔ مگر ایک بہت خاص مہمان آ رہا ہے صاحب کا۔ خاص ہدایت کی جا رہی ہے۔ پورے گھر کو نئے سرے سے صاف ستھرا کرنے کا آرڈر دیا ہے۔ پورے گھر کے نوکروں کو تو جیسے پر لگ گئے ہیں۔'' زلیخا مسکراتی ہوئی کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

میرب سیال نے کسی قدر حیرت میں گھر کر سوچا تھا۔

'کون ــــــ؟' تجسس نہ ہونا عجب تھا۔ مہمان یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ تبھی تو مائی کے نہ ہونے کے باوجود وہ اتنا مستعد ہو رہا تھا۔

'مگر کون ــــــ؟' وہ سوچتی ہوئی اپنے ہی دھیان میں آگے بڑھی تھی جب کسی سے ٹکرا گئی تھی۔ سنبھل کر دیکھا تھا ــــــ نظروں کے عین سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

''کیا ہوا سویٹی؟ ــــــ کہاں گم ہو؟'' اس کے چہرے کو ہاتھ میں لے کر بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے یوں دریافت کیا تھا جیسے وہ دنیا کا سب سے اچھا شوہر ہو۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔

میرب سیال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنے کی ایک سعی کی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ابھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بہ غور توجہ سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''اتنا بے خبر اور انجان رہنا اچھی بات نہیں سویٹ! ــــــ خود کو بیدار رکھا کرو۔ اپنے خوابوں کی حفاظت کرتے رہنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے ــــــ بہت ضروری ہے کہ تم ان خوبصورت آنکھوں کو خدشوں سے، بے کار کے واہموں سے آزاد کر دو۔ ایک خوبصورت تجربے کے طور پر ہی سہی، کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟'' مدھم لہجے میں کوئی اسم پھونکنا چاہا تھا اُس پر۔ میرب سیال اس کی گرفت میں پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔ اس شخص کے تیور نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔

اس کے چہرے پر جھکا وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا پرابلم یہ ہے کہ تم اپنے اندر کی خبر کسی کو ہونے دینا نہیں چاہتی ہو۔ مگر کوئی نگاہ ان قیود کو بھی نہیں مانتی۔'' کتنی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر تھیں۔ حدت سے وہ جلنے کو تھی۔

”توڑ دو یہ فضول کی دیواریں —— یہ حد بندیاں۔ نکل کر دیکھو ان سے باہر۔ جان پاؤ گی کہ زندگی کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے اور جینے کا لطف کیا —— جو تمہاری طرح فکروں سے بندھے رہتے ہیں وہ دو دن بھی ڈھنگ سے جی نہیں پاتے۔ اپنے آپ کو جینے دو —— مائل کرو کہ جینا بہت ضروری ہے۔ کبھی ایک پل میں ہزاروں لمحے سمیٹ لینے کا ہنر سیکھو —— جان لو کہ ہزار لمحوں میں زندگی نہیں ہوتی کبھی۔ فقط ایک ایک لمحہ جینے کے لئے اپنے اندر کئی صدیاں رکھتا ہے۔ تجربہ کرو کبھی اور جان لو، ان شب و روز کی حقیقت کیا ہے —— ایک لمحے کے لئے نہیں، ایک پل کے لئے بھی نہیں، صدیوں کے لئے۔ صدیوں کی رازوں بھری بات جان لو۔ اور مان لو کہ تم غلط ہو۔ قبول کرو کہ تم نے کبھی وہ لطف آگہی اور رمز آشنائی چکھا ہی نہیں۔ جانا ہی نہیں۔ کبھی خود کو کھوجا ہی نہیں۔ کھوج لیتیں تو جان پاتیں کہ تم بے رنگ، پھیکے رنگوں میں جی رہی ہو اور اس زندگی کی حقیقت کچھ نہیں۔ تیار ہو جاؤ، فاطمہ پھپھو کے ہاں عفنان کی شادی کی تقریب ہے، وہاں جانا ہے۔ اس کے بعد نئے لمحوں کا سواگت ہمیں بھی اسی قدر جوش و خروش سے کرنا ہے۔ اگرچہ انتظار طویل ہے اور صبر آزما بھی۔“

مدھم سرگوشیوں میں کیسے کیسے اسرار تھے۔ کیسے کیسے بھید چھپے تھے۔ میرب سیال نے ایک جھٹکے سے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھا یا پھر وہی اب مزید حصار میں رکھنے پر مائل نہ تھا۔ گرفت ڈھیلی پڑی تھی اور ایک لمحے میں میرب اس حصار سے باہر تھی۔ اختیار ختم ہوا تھا۔

پل دو پل کی مہربانی نے اپنے پر سمیٹ لئے تھے اور وہ شخص اسی قدر گریز پائی سے پلٹا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر میرب سیال خود کو ان پُرتپش لمحوں کی گرفت میں اب تک جلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

* * *

انابیہ شاہ کو سجایا سنوارا جا رہا تھا —— دُلہن کا رُوپ دیا جا رہا تھا۔ مگر وہ عجب بُت بنی بیٹھی تھی۔ ساکت آنکھوں میں کوئی خواب نہ تھا۔ نہ کوئی خیال۔ عجب ویرانی سی تھی۔ جیسے وہ تمام خوابوں سے اپنا ناتا توڑ چکی تھی۔ زندگی جیسے اس وجود میں تھی ہی نہیں۔

لامعہ اُسے زیورات پہناتے ہوئے چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ جب انابیہ نے اچانک ہی اُس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”لامعہ ——!“ بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

مگر لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”لامعہ! —— مجھے تم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی تمہیں مجھ سے کچھ پوچھنے کی۔ میں جانتی ہوں تم کن کٹھن مراحل سے گزر رہی ہو۔ اگر —— اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو شاید —— شاید میں بھی ایسا ہی کرتی۔ مگر لامعہ! یہ ٹھیک نہیں کیا تم نے۔“ پُرسکوت لہجے میں انابیہ بولی تھی۔ جب لامعہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ لمحہ بھر کو اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

انابیہ چند ثانیوں کو اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

”لامعہ! اپنے خواب، اپنی ہی آنکھوں میں سنبھال کر رکھنے چاہئیں۔ دان کر دیں تو آنکھیں بانجھ ہو جاتی ہیں۔ کائی جم جاتی ہے پلکوں کی درزوں پر۔ آنکھوں کی زمین سیم زدہ ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی جگہ جس پر پھر کبھی خواب نہیں اُگ سکتے۔ لامعہ! تم نے اپنی آنکھیں کیوں بنجر کر لیں؟ —— کیوں ناتا توڑ لیا خوابوں سے؟“ انابیہ کا لہجہ دھیما تھا اور لامعہ کی ساکت آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے۔

”لامعہ! کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے کیا، کیا اور کتنا غلط کیا؟ —— میں کیسے جی پاؤں گی اتنے سارے بوجھ دل پر لے کر؟ —— تم نے ایک پل کے لئے بھی نہیں سوچا کہ کتنی مشکل ہو جائے گی میری زندگی —— پہلے ہی آسان تو نہیں —— تم نے روکا کیوں نہیں عفنان کو؟ —— ان سب کو؟ —— کیسے ہونے دے رہی ہو تم یہ سب چپ چاپ؟ —— لامعہ! کیوں کوشش کر رہی ہو تم اس درجہ عظیم بننے کی؟ —— میں تمہارے یہ احسان لے کر کیسے جیوں گی؟ —— تم نے کیوں کیا لامعہ! ایسا؟ —— کیوں چاہا کہ میں ایسی زندگی جیوں؟“ مدھم آواز کے ساتھ کتنی خاموشی کے ساتھ آنسو آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ لامعہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

”لامعہ! مجھے یہ احساس واقعی جینے نہیں دے گا۔ میں جب تک عفنان علی خان کے ساتھ جیوں گی، مجھے یہ بات مارتی رہے گی کہ میں نے تمہارا، اپنی دوست کا حق غصب کیا۔ میں نے تمہیں —— لامعہ! تم ....“ انابیہ شدت جذبات سے چپ ہو گئی تھی۔ لامعہ نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ مگر اپنے عین سامنے کھڑے اوزی کو دیکھ کر چونک گئی تھی۔

اوزی نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ لامعہ نظریں چرا گئی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے بنا کچھ کہے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ لامعہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اوزی کی نظریں بدستور اس کے چہرے کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔

”اوزی! —— تم ——“ لامعہ نے کسی قدر الجھن سے اسے دیکھا تھا۔

”شادی کرو گی مجھ سے؟“ اوزان سید نے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لامعہ حق اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

”میں کہہ رہا ہوں —— مجھ سے شادی کرو گی؟“ اوزان سید نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

لامعہ حق اب بھی اسی قدر حیران تھی۔ زبان گنگ تھی۔ جیسے اس کے پاس بولنے کو لفظ نہ تھے۔

”میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں —— اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں —— بولو، کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟“ اوزان سید نے اپنی بات کو آگے بڑھایا تھا۔

”یہ .... یہ کیا عجیب سوال ہے؟“ لامعہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ واضح انداز میں کنفیوژڈ دکھائی دے رہی تھی۔

”سوال عجیب نہیں ہے لامعہ! بہت بر وقت اور مناسب ہے —— تم یہ مت سمجھو کہ یہ کوئی بہت جلدی کا فیصلہ ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔“

”مگر —— میں —— اتنی جلدی —— اوزی! تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟ —— پاگل ہو گئے ہو تم —— یہاں انابیہ کو لے کر اتنی ٹینشن رہی اور اب جبکہ اس کی شادی ہو رہی ہے تو تم —— کہیں تم بھی

سب لوگوں کی طرح یہی تو محسوس نہیں کر رہے کہ میرے ساتھ.......؟'' لامعہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''دیکھو اوزان سید! ـــــ میرے ساتھ ایسا ویسا کچھ غلط نہیں ہو رہا یہاں۔ اور تم ـــــ تم نے یہ کہا بھی کیسے؟ ـــــ تم جانتے ہو نا، میں ایک بار پہلے بھی تمہیں انکار کر چکی ہوں۔ اور پرپوز کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ ـــــ اس طرح بیچ راہ کھڑے، اچانک افراتفری میں راستہ روک کر؟ ـــــ رشتے اتنی ہی آسانی سے بنتے ہیں کیا؟ ـــــ مذاق سمجھ رکھا ہے تم نے شادی کو؟'' لامعہ نے سختی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''نہیں ـــــ میرے نزدیک شادی مذاق نہیں ہے لامعہ! ـــــ تبھی تو تمہیں پرپوز کر رہا ہوں۔ وقت ہے تمہارے پاس ـــــ تم مجھے سوچ کر جواب دے سکتی ہو۔ مگر میرا نہیں خیال کہ تمہارے پاس انکار کا کوئی جواز ہوگا۔ پھر بھی میں تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گا۔''

اوزی پلٹا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ لامعہ حق کتنی دیر تک کھڑی اس سمت دیکھتی رہی تھی۔

❄❄❄

زندگی لمحہ لمحہ سفر کرتی ہے اور ہر قدم اپنے ساتھ ایک نیا تجربہ لے کر آتا ہے۔ وہ تجربہ جو اس سے قبل نہیں کیا ہوتا۔ نظر وہ رنگ دکھاتی ہے جو اس سے قبل نہیں دیکھا ہوتا۔

انابیہ رخصت ہو کر ایک نئی دنیا بسانے عفنان علی خان کے گھر آ گئی تھی ـــــ یہ الگ بات تھی کہ نہ دل میں کوئی اُمنگ تھی نہ ترنگ۔ حجلۂ عروسی میں وہ بُت بنی چپ چاپ بیٹھی تھی جب عفنان علی خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔

عفنان علی خان نے دروازہ بند کیا تھا اور چند لمحوں کے لئے عجب ایک تذبذب میں وہیں کھڑا رہا تھا۔ انابیہ شاہ بنا گھونگھٹ کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ عفنان علی خان کے اندر داخل ہونے پر وہ چونکی نہیں تھی۔ بس چپ چاپ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رُکی تھی۔ آہستہ آہستہ سارے زیوروں سے خود کو آزاد کیا تھا اور زرتار سرخ آنچل بیڈ پر اچھالتے ہوئے چلتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان ان اقدامات کو چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کہنے کو، بولنے کو کچھ نہ تھا۔ اور کہتا بھی کس سے؟ در و دیوار سے بات کرنے کا اُسے کوئی جنون نہ تھا۔ پاگل تھا کسی کے عشق میں ـــــ مگر اب اتنا بھی نہیں کہ ـــــ کیسے کیسے خواب نہ سجائے تھے۔ مگر آج تو سب دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

یہ وقت ـــــ

یہ لمحے ـــــ

جیسے کبھی خواب تھے۔

انابیہ کا ملنا ـــــ اپنی زندگی میں آنا اُسے ناممکن لگتا تھا ـــــ مگر آج ـــــ آج وہ اس کی زندگی میں تھی ـــــ ایک چھت ـــــ ایک کمرے میں ـــــ ایک در و دیوار کے ساتھ، اس کے ساتھ موجود تھی۔ قرب تھا، اختیار تھا۔

استحقاق جمانے کے سارے حق وہ محفوظ رکھتا تھا۔ مگر جیسے قدم بندھے ہوئے تھے اور دل.......

شاید.......اب وہ بھی مر چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک ویسے ہی کھڑا رہا تھا۔ پھر آگے بڑھ آیا تھا۔ تبھی ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر انابیہ باہر کلی تھی اور نظر اس پر پڑی تھی اور چونک کر رک گئی تھی۔ کچھ دیر تک خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔ غالباً وہ اس صورتِ حال پر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کا رویہ کیسا ہونا چاہئے۔ وہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا جب انابیہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔

''تو جیت گئے تم؟ ـــــ بالآخر فاتح رہے تم۔ جو چاہا، حاصل کر لیا۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر کسی کی انا مجروح ہو رہی ہو۔ کسی کو سفر کرنا پڑ رہا ہے، یا پھر کوئی بے موت مر رہا ہے یا مر مر کر جی رہا ہے۔ عفنان علی خان! تمہیں تو جیتنے کی عادت ہو چکی ہے۔ اور اپنی اس جیت کے لئے تم کچھ بھی کر سکتے ہو ـــــ کسی بھی حد تک جا سکتے ہو۔ اور ایسا میں دیکھ چکی ہوں۔'' انابیہ کا لہجہ ٹھوس مگر دھیما تھا۔ عفنان علی خان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ـــــ کیا دیکھ چکی ہو تم؟ ـــــ میں نہیں سمجھا ـــــ کیا دیکھا ہے تم نے؟''

''تم ـــــ تم نہیں سمجھتے ہو عفنان! کہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟ ـــــ تم نہیں سمجھتے ہو کہ میں کیا بات کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں؟'' انابیہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے چیخی تھی۔

''تم ـــــ کیا سمجھتے ہو عفنان! تم اتنا کچھ کر گزرو گے اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔ کوئی عقل نہیں رکھتا تمہارے علاوہ یہاں؟ ـــــ کیا سب اندھے ہیں یہاں؟ ـــــ نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ ہی سمجھ سکتا ہے؟''

عفنان علی خان کے چہرے کی کیفیت متغیر ہو گئی تھی۔ بہت غصے سے اس وقت انابیہ کو دیکھا تھا۔

''انابیہ! تم جو کہنا چاہتی ہو اس پر اچھی طرح سے غور کر لو ـــــ میں تمہاری کوئی بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ اور میرا خیال ہے ابھی تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں یہیں ہوں سننے کے لئے۔ تم کہتی رہنا، میں سنتا رہوں گا۔ فی الحال تم آرام کرو۔'' سپاٹ لہجے میں کہہ کر وہ پلٹا تھا جب انابیہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی۔

''کیا سمجھتے ہو تم ـــــ بہت اسمارٹ ہو، بہت بڑے کھلاڑی ہو؟ ـــــ جب، جس طرح چاہو گے کھیلتے رہو گے؟''

عفنان علی خان کا ضبط جواب دینے کو تھا۔ مگر وہ سختی سے لب بھینچ گیا تھا۔ پھر ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر بغور دیکھا تھا۔

''انابیہ! تمہیں آرام کی شدید ضرورت ہے۔''

''کیا ـــــ کیا سمجھتے ہو تم؟ ـــــ پاگل ہوں میں؟ ـــــ کیا سمجھتے ہو تم، اتنی بدھو اور بے وقوف ہوں کہ تم نے جو کیا وہ سمجھ ہی نہ پاؤں گی؟'' انابیہ چیخی تھی۔

''عفنان! ـــــ زندگی تاش کا کھیل نہیں ہے کہ تم اپنی مرضی کے پتے اٹھا اٹھا کر اپنے ہاتھ میں رکھتے

جاؤ اور جیت ہار بار تمہاری ہی ہو ـــــــ میں صرف تمہیں اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ کیونکہ اس بار تم جیت کر بھی نہیں جیت سکو گے۔"

"کیا ـــــــ کیا کہہ رہی ہو تم؟" عفنان علی خان نے اُسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔ "بولو، کیا سمجھ رہی ہو تم؟ اور کیا سمجھانا چاہ رہی ہو تم مجھے؟ ـــــــ کیا، کیا ہے میں نے؟ ـــــــ بولو، کیا کیا ہے میں نے؟ ـــــــ کون سی جیت کو تم میری جیت کہہ رہی ہو؟ ـــــــ کہاں فاتح رہا ہوں میں؟ ـــــــ تم یہاں اس کمرے میں میرے سامنے ہو تو کیا یہ میری جیت ہے؟ ـــــــ پاگل! ایسا تو میں بہت پہلے بھی کر سکتا تھا۔ کیا مشکل تھا میرے لئے۔ میری محبت کو میری کمزوری مت سمجھو۔ اگر آج تم یہاں اس کمرے میں موجود ہو تو صرف اس لئے کہ میں نے تم سے محبت کی ہے۔ کوئی احسان نہیں کیا میں نے تم پر۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میں خود تم سے دستبردار ہو جاتا، یہ سن کر بھی کہ تم کسی اور کے متعلق سوچتی ہو ـــــــ کسی اور کو چاہتی ہو، تمہیں اپنی زندگی میں داخل کر لینا آسان نہیں تھا میرے لئے۔ اور تم ہو کہ اب بھی۔" ایک جھٹکے سے اسے چھوڑتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ضبط کی، برداشت کی جیسے یہ حد تھی اُس کی۔

"پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہی ہو تم ـــــــ کیا کیا الزام لگا رہی ہو۔ لیکن میں ـــــــ میں شاید کبھی کسی شے کی وضاحت نہیں کر سکوں گا۔ کسی شے کی صفائی نہیں دے سکوں گا۔ کبھی کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکوں گا۔ بالکل ایسے ہی جیسے آج تک میں اپنی محبت کو تم پر ثابت نہیں کر سکا۔ ایک ایک پل، ایک ایک دن، ایک ایک رات، کس قدر، کس طرح سوچا تمہیں ـــــــ کس طرح چاہا ـــــــ مگر تم آج تک، اسی ایک بھید کو نہیں پا سکیں تو آج ـــــــ آج کیا سمجھ پاؤ گی؟" مدھم لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔ "تمہیں جو سوچنا ہے، سوچتی رہو ـــــــ جو الزام لگانا چاہتی ہو لگاتی رہو۔ میرے پاس کسی الزام کے لئے نہ تاویل ہے نہ کوئی وضاحت، نہ کوئی صفائی، نہ ثبوت ـــــــ جو کرنا چاہتی ہو تم کر لو۔ جرم ثابت کرنے کے لئے جو کر سکتی ہو کر لو۔ میرے پاس تب بھی یہی جواب ہوگا۔ ہر صفائی یہی ہو گی کہ میں نے تم سے پیار کرنے کا جرم کیا ہے۔ اور وہی جرم مسلسل کر رہا ہوں۔ نہ کبھی خود کو اس سے روک سکا ہوں نہ ٹوک سکا ہوں۔" اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا۔

"بارہا ـــــــ بارہا سوچا ـــــــ بارہا دیکھا تمہیں ـــــــ اور پھر سوچا، ایسا کیا ہے تم میں؟ ـــــــ ایسا کیا؟ ـــــــ کیوں اس قدر پاگل ہو رہا ہوں میں؟ ـــــــ مگر نہیں۔" سر نفی میں ہلاتے ہوئے نگاہ پھیر گیا تھا۔ "کبھی نہیں سمجھ سکا۔ کبھی کوئی جواز تمہارے خلاف نہیں رہا۔ کمبخت یہ دل بھی کبھی تمہارے خلاف نہیں رہا۔ اب کیا کروں، جب میرا دل ہی میرے ساتھ نہیں تو پھر کسی اور سے کیا شکوہ کروں؟ ـــــــ تم تو پھر کوئی اور ہو۔ مجھ سے الگ ہو۔ مجھ سے جدا۔ نہ رابطہ، نہ واسطہ، کچھ نہیں۔ صرف ایک سکوت۔ اور سکوت کو سمجھنے کی تم کبھی کوشش نہیں کر سکتیں۔" وہ جانے کو آگے بڑھا تھا۔

"تم اس طرح خود کو بچا کر نہیں جا سکتے ہو ـــــــ نہ ہی تم اتنے انجان ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ تم اس معاملے میں ملوث رہے ہو۔ جب کچھ اور نہ بن سکا تو یہ راہ اپنائی۔ مجھے اغواء کرایا، پھر بازیاب کرایا۔ جھوٹی ہمدردی جتائی اور موڑ توڑ کر راہ وہاں تک لا کر ختم کی کہ تمہارا سارا مطلب پورا ہو گیا۔ میرے لئے زندگی کے دروازے بند کر کے تم نے اپنے لئے زندگی کی نئی راہیں کھولی ہیں۔ تم ایک خود غرض شخص ہو۔ جو صرف اپنا مفاد دیکھتا ہے اور بس۔ اپنے فائدے کے لئے جو کچھ بھی کر سکتا ہے وہ سب تم نے کیا۔ سب کی نظروں میں ہمدردی بھی سمیٹی، مجھ پر احسان بھی کیا اور وہ سب پا بھی لیا جس کی کبھی تمنا کی تھی۔ کتنے فراڈ شخص ہو تم۔ کتنا بڑا دھوکا ہو ـــــــ یہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ صرف مجھے پانے کے لئے تم اس حد تک گر سکتے ہو، صرف ایک جسم کے لئے۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

عفنان علی خان نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھاما تھا۔ انداز انتہائی پُر اشتعال تھا۔ جیسے انابیہ نے اس کے اندر ایک الاؤ دہکا دیا تھا۔ آنکھوں میں سرخی سی اُتر آئی تھی۔ لب سختی سے بھینچے اُسے دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہزار ضبط کی راہ سے چپ چاپ گزر رہا تھا۔

"تم جو ثابت کرنا چاہتی ہو کرو، میں وہاں جا کر بھی یہی کہوں گا جو یہاں اس بند کمرے میں تم سے کہا۔ تم جو ثابت کرنا چاہتی ہو کر لو ـــــــ جہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ۔ جو بھی گناہ ثابت کرنا چاہتی ہو کر لو۔ میں تیار ہوں۔" مدھم لہجہ اپنے اندر جیسے ہزار ہا طوفان چھپائے ہوئے تھا۔

"تم جو کرنا چاہتی ہو، کر لو۔ شاید ایسا کر کے تم کچھ سمجھ لو جو اب تک نہیں سمجھی ہو۔ مگر میں تم سے اپنی وضاحت کے لئے کچھ نہیں کہوں گا۔ کوئی صفائی نہیں، ایک لفظ بھی نہیں۔ پچھتا رہا ہوں آج میں۔ بہت غلط جگہ ڈوبا ہوں میں۔ صرف جسم ......" جلتی ہوئی آنکھوں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اُس کے آہنی ہاتھوں کی گرفت خود بہ خود ہی اس کے نازک کندھوں پر سخت ہو گئی تھی۔ شعلہ برساتی نظریں اس لمحہ انابیہ کے چہرے پر گڑھی تھیں۔

"کیا ـــــــ کیا سمجھتی ہو تم؟ ـــــــ صرف جسم ـــــــ اور اس سے آگے کچھ نہیں۔ بہت چھوٹا سوچتی ہو تم۔ بہت چھوٹی عقل ہے تمہاری۔ تم یا تمہارا جسم میرے لئے پانا کبھی کوئی پرابلم تھا ہی نہیں۔ بولو، کب میں بے اختیار تھا؟ کب میں تمہیں نہیں پا سکتا تھا؟ ـــــــ ہزار ہا لمحے تھے میرے پاس۔ میں ایسا جب چاہتا کر سکتا تھا۔ میرے لئے تمہیں یا تمہارے جسم کو حاصل کرنا مشکل نہیں تھا۔ تم ہی کیا، کوئی بھی لڑکی، جب چاہتا، جہاں چاہتا حاصل کر سکتا تھا۔ مگر صرف محبت کی مالا جپتا رہا میں ـــــــ آنکھوں پر پٹی بندھ گئی تھی میری۔ اندھا ہو گیا تھا تمہاری محبت میں۔ بہت کمزور پڑ گیا تھا اپنی اس محبت کے ہاتھوں۔ تم، تمہارے خیال، تمہاری محبت سے باہر کبھی نکل ہی نہیں سکا۔ اس سے آگے کبھی کچھ سوچ ہی نہیں سکا۔ ورنہ کیا مشکل تھا میرے لئے۔ اور بقول تمہارے، تمہارا اغواء بھی میں نے ہی کیا ـــــــ تو پھر کیا مشکل تھا تمہیں وہاں بھی پا لینا۔ ایسا تو میں وہاں بھی کر سکتا تھا۔ آخر تمہیں اغواء کرنے میں کچھ تو فائدہ نکلتا میرا۔ یونہی کلائیاں کاٹ کر کیوں چھوڑ دیتا؟" انتہائی درشتی سے کہتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا۔

"کچھ نہیں سمجھتی ہو تم ـــــــ کچھ نہیں ـــــــ فضول ہے تم سے سر پھوڑنا۔ تم سدا اسی ڈگر پر چلتی رہو گی۔ اور اسی طرح سوچتی رہو گی۔" لب سختی سے بھینچ کر وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ پانیوں سے بھری آنکھوں سے اسی جگہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

کیا عذاب اُترا تھا اب کے آنکھوں پر ــــــ

نہ چین تھا، نہ قرار تھا۔

عجب مشکل میں تھی جان۔

❄❄❄

شادی کی تقریب میں شرکت کے بعد میرب سیال خاصی تھک گئی تھی۔ ایک خاص رشتے کے ساتھ، خاص حوالے کے ساتھ۔ یہ سب تجربے بڑے انوکھے اور نئے تھے۔ انوشے وغیرہ اسے کئی حوالوں سے چھیڑ رہی تھیں اور سوائے مسکرانے کے اس کے پاس کوئی آپشن نہ تھا۔ اتنا مسکرائی تھی کہ جبڑے تک دُکھنے لگے تھے۔

ہاتھوں سے چہرے کو دونوں طرف سے دباتی ہوئی، زینہ چڑھ رہی تھی تبھی کچھ آوازوں کے ساتھ اپنے پیچھے اُسے کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری تقریب میں اُسے تنہا چھوڑ کر کسی ضروری کام سے نکل گیا تھا۔ وہ واپس ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی۔ غالباً وہی لوٹا تھا۔ اُس نے کسی قدر اطمینان سے چہرے کا رخ پھیر کر اپنے پیچھے ہال میں دیکھا تھا۔ مگر نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

ہال کا منظر نامہ خاصا مختلف تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں کسی کے ساتھ موجود تھا۔ میرب سیال کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

دور کھڑی مسکراتی ہوئی 'گی' کو دیکھا تھا۔

گی نے اُسے دیکھ کر اپنا ہاتھ ہلایا تھا۔ وہ فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہ کر سکی تھی۔ مگر وہ اس لمحے اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ بغور توجہ سے گی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

تو یہ ہے وہ خاص مہمان۔

یہ تھی وہ شخصیت جس کا انتظار اتنے جوش و ولولے سے کیا جا رہا تھا۔

اور وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ولولہ ــــــ وہ بے قراری ــــــ وہ سب خاص تیاریاں صرف اس ایک فرد کے لئے تھیں؟

تو کیا گی اتنی اہم تھی اس شخص کے لئے؟

اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے لئے دن گن گن کر کاٹے تھے۔

وہ شوق، وہ لگن صرف اس چہرے کے لئے تھی؟ ــــــ تو پھر اس سے اس کی وہ لگاوٹ، وہ توجہ کس لئے تھی؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پھر کیا پینترا بدلا تھا ایک لمحے میں کہ اس کے لئے کہانی کو سمجھنا پہلے سے زیادہ دشوار ہو گیا تھا۔ اب کیا کھیل تھا، کس طرح کھیلا جا رہا تھا؟ ــــــ یہ سمجھنا اسے انتہائی دشوار لگا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھنا یقیناً آسان نہ تھا۔ وہ کوششیں کر کر کے ہار گئی تھی۔ اور یہ کھلا تھا کہ سب ناممکن ہے۔

کتنی پھٹی پھٹی ــــــ حیرت سے بھری آنکھوں سے وہ ساکت بُت بنی کھڑی ان دونوں کی سمت دیکھ رہی تھی۔

کیا ہو رہا تھا یہ؟

کیوں ہو رہا تھا؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا کر رہا تھا یہ؟

وہ اُس کی منکوحہ تھی، اس کی دسترس میں تھی اور وہ نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ یہی مزاج تھا اُس کا ــــــ پھر میرب کیوں نہیں سمجھی تھی؟ ــــــ کیوں نہیں اسے لگا تھا کہ سب اگر ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہنا ہے تو وہ کیوں خود کو اس درجہ ڈھال رہی ہے؟ اس کے ماحول میں، کیوں رنگ رہی ہے ایک نئے ڈھنگ، نئے رنگ میں؟ ــــــ کیوں سمجھوتوں کے پل باندھ رہی ہے؟ اس کے اور اپنے درمیان پڑنے والی دیواریں ڈھا رہی ہے۔

پاگل ــــــ بالکل پاگل تھی وہ۔

جو سمجھ رہی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کبھی بدل بھی سکتا ہے۔ وہ ایک نئے زاویے میں ــــــ نئے رنگ میں ڈھل سکتا ہے۔

بالکل غلط قیاس کیا تھا اس نے۔ وہ مُڑی تھی۔ پلٹنے لگی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

”میرب! سنو۔“ وہ رُکنا نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیا ہوا تھا کہ قدم آگے بڑھ ہی نہ سکے تھے۔ اسی جگہ پر جم گئے تھے۔ کسی میکانکی انداز میں وہ پلٹی تھی۔ لبوں سے بولی کچھ نہیں تھی۔ بس چپ دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دلکشی سے مسکرایا تھا۔

”زلیخا کو آرڈر کر کے بھجوا دو ــــــ کچھ اچھا سا ــــــ تم سمجھ رہی ہو نا، میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ مسکراتے ہوئے بدستور نگاہ اس کے چہرے پر تھی۔ میرب سیال کسی قدر دوری پر تھی مگر اس کے باوجود وہ اس شخص کی آنکھوں کے رنگ کو پڑھ سکتی تھی اور جان سکتی تھی کہ اس گھڑی وہ کس درجہ محظوظ ہو رہا تھا اور کس درجہ سرشار تھا۔ مائی کے جانے کے بعد اس کے یہ رنگ بہت انوکھے تھے۔ آج سے پہلے کچھ بھی تھا، سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی لڑکی کو کبھی اس طرح گھر کی دہلیز پار کرا کر اندر نہیں لایا تھا۔ مگر آج، مائی کے گھر پر نہ ہونے سے وہ ساری حد بندیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ جو اَن دیکھی ایک دیوار تھی وہ اب نہیں رہی تھی۔

”میرب!“ اُسے چپ چاپ بُت بنا کھڑا دیکھ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُسے پکارا تھا۔

وہ چونکی تھی۔

”جی ــــــ؟“ عجب سعادت مند انداز تھا۔ جیسے وہ واقعی اُس کی خادم تھی اور اس کی خدمت پر مامور تھی۔

”پھر جاؤ۔“ عجب حکم صادر ہوا تھا۔ صوفے پر گی کے کسی قدر قریب بیٹھا وہ بہت دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ وہ پلٹی تھی جب آواز ایک بار پھر تعاقب میں آئی تھی۔

”میرب ــــــ!“

اُس کی برداشت کی حد تھی مگر کسی کے سامنے وہ کسی طرح کی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ اپنا یا کسی اور کا تماشہ بنوانا مقصود نہ تھا۔ تبھی بہت سعادت مندی سے دوبارہ پلٹی تھی۔

''جی ـــــ کچھ اور؟'' بہت ضبط سے مسکراتے ہوئے وہ یوں بولی تھی جیسے وہ اس گھر کی ملازمہ ہو۔

گی نے اس کے کان کے قریب اپنے گداز لب کر کے کچھ کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ میرب سیال اب بھی منتظر سی، تابعدار کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً اُسے وہیں روک کر بھول چکا تھا۔ میرب سیال نے کچھ دیر ضبط کے بند باندھتے ہوئے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر بول پڑی تھی۔

گین اپنی منظورِ نظر گی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی مصروف نظر آ رہا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا میں جاؤں؟'' اجازت نامہ پیش ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چونکتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

میرب سیال پلٹی تھی اور آگے بڑھنے لگی تھی۔ اندر کہیں بہت سا دھواں بھر رہا تھا۔ بہت بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حد کر دی تھی۔ واقعی کسی ملازمہ کی طرح پیش آ رہا تھا اس سے۔ اپنی نظروں میں کتنی بے وقعت سی لگی تھی وہ ـــــ تذلیل کے احساس سے آنکھیں جلنے لگی تھیں اور جل تو جانے اور بھی کیا کچھ، کہاں کہاں رہا تھا۔ مگر یہ جاننے کی فرصت کسے تھی۔

''مائی! آپ کیوں گئیں؟ ـــــ خدارا واپس آ جائیں۔'' زلیخا کو محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری کی ہدایت خاص پہنچا کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی تو بے ساختہ دل سے نکلا تھا۔ اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔

کیسا جیون ساتھی ملا تھا؟

جس کے ساتھ ہر لمحہ ایک نیا امتحان تھا۔ ہر لمحہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اور ہر تجربہ پہلے سے زیادہ مختلف تھا۔ اس مختصر سے عرصے میں اتنے نئے رنگ دیکھ لئے تھے تو جانے عمر بھر کتنے تجربوں کے رنگ دیکھنا باقی تھے۔

وہ کس سے کہتی؟ ـــــ کس سے سنتی؟ ـــــ کوئی پرسانِ حال بھی تو نہ تھا۔

* * *

اذہان حسن بخاری نے فیصلہ کر لیا تھا، ایک نئی زندگی میں داخل ہونے کا۔ نئے رفیق، نئے ہم سفر کے ساتھ۔ سو گزشتہ عہد کی باتوں کو فراموش کر دینا بھی اتنا ہی ضروری تھا۔ اگرچہ فی الفور ایسا ممکن نہ تھا مگر وہ جانتا تھا، ساہیہ کی محبت ایسا کر دے گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی قدر مطمئن نظر آ رہا تھا۔

رات کے کھانے پر چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا اور مسکرا دی تھیں۔

''کچھ مختلف لگ رہے ہو آج۔ کوئی خاص بات؟''

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ممی! آپ وہ واحد نظر رکھتی ہیں جو میرے اندر جھانک لیتی ہے۔''

''ہاں۔ مگر اب مجھے لگ رہا ہے ان دنوں.......'' فارحہ نے بیٹے کو چھیڑا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''مجھے معلوم تھا آپ جان چکی ہیں۔''

فارحہ نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ـــــ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ تم بتاؤ نا، معاملہ کیا ہے؟ ـــــ کوئی نیا کاروباری معاہدہ کیا ہے یا کچھ اور؟''

اذہان ہنس دیا تھا۔

''ممی! آپ بھی نا ـــــ لڑکی دیکھ لی ہے میں نے آپ کی بہو بنانے کے لئے۔''

''اچھا ـــــ کون ہے وہ؟'' فارحہ مسکرائی تھیں۔

''آپ کی پسند، ساہیہ خان۔ اور کون۔'' اذہان نے مسکراتے ہوئے جیسے ہتھیار ڈالے تھے۔

فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''تو بالآخر کسی فیصلے پر پہنچ گئے تم۔''

''ہاں ـــــ میں نے سوچا، اور مجھے لگا، واقعی ساہیہ وہ لڑکی ہے جو مجھے جھیل سکتی ہے۔ جو مجھے ایک اچھی زندگی دے سکتی ہے۔'' وہ مسکرایا تھا۔ ''اس کی رفاقت مجھے ایک نیا احساس دلا سکتی ہے۔''

''یعنی اب میں تمہارا رشتہ باضابطہ لے کر ساہیہ کے گھر جا سکتی ہوں؟'' فارحہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں! ـــــ یہ باقی سب لوگ نظر نہیں آ رہے ـــــ ماہا، چاچو؟''

''فیض تو خیر تھکا ہوا ہے، اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ ماہا پڑھ رہی ہے۔'' ماہا کے نام پر فارحہ کا چہرہ کسی قدر بجھ کر رہ گیا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا؟ آپ اس طرح پریشان کیوں ہو گئیں؟ ـــــ کوئی پریشانی؟'' اذہان نے دریافت کیا تھا۔

فارحہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھیں۔ اور اذہان سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

''ممی! آپ پھر مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔'' جانچتی نظروں سے ماں کو دیکھا تھا۔

''نہیں ـــــ ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ دراصل ـــــ تمہارے پاپا ـــــ ایک رشتہ ماہا کے لئے لائے تھے۔ تم کچھ دنوں سے یوں بھی پریشان تھے کہ میں نے تمہیں پریشان کرنا ضروری خیال نہیں کیا۔''

''رشتہ ـــــ کیسا رشتہ؟ ـــــ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کون ہے؟ ـــــ کیا کرتا ہے؟'' اذہان نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''تمہارے پاپا کے کوئی جاننے والے ہیں۔'' فارحہ نے دانستہ چھپایا تھا۔

''جاننے والے؟ ـــــ پاپا کے ایسے کون سے جاننے والے ہیں جن کے متعلق میں نہیں جانتا؟ آپ بتائیے، مجھے ضرور علم ہو گا۔ آپ نے بتایا نہیں، لڑکا کیا کرتا ہے؟''

''سعد بتا رہے تھے، اپنا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنے والا ہے ـــــ اُن کی دوسری بیوی کا کوئی رشتہ دار ـــــ''

’’کیا ——؟‘‘ اذہان حسن بخاری کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔ ’’پاپا ایسا کر رہے ہیں؟ —— اتنا کچھ گھر میں ہو رہا ہے اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔ اور پاپا —— پاپا ایسا کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ —— ان کو ذرا بھی اپنی غلطی کا احساس نہیں کہ ایک بار ماہا کی زندگی ان کی وجہ سے خراب ہو چکی ہے۔ ان کی وجہ سے ان کی بیٹی کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی اور انہیں ذرا بھی احساس نہیں —— وہ اس حد تک جا سکتے ہیں، مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔ اور آپ —— ممی! آپ پھر خاموشی کے ساتھ سب ہونے دینے جا رہی ہیں۔ آپ کتنی کمزور واقع ہوئی ہیں۔ پاپا آخر چاہتے کیا ہیں؟ —— جب اپنی زندگی، اپنی دنیا الگ بسا لی ہے تو پھر دوسروں کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ —— ہماری زندگی میں مسلسل دخل اندازی کیوں کر رہے ہیں؟ —— پہلے میرے اور ساہیہ کے رشتے کو لے کر اور اب ماہا........‘‘ اذہان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ’’وہ کیوں چاہتے ہیں کہ اس گھر میں، اس گھر کے لوگ صرف انہی کے حکم پر چلیں؟‘‘

’’اذہان! وہ تمہارے پاپا ہیں۔ یہ مت بھولو تم۔‘‘ فارحہ نے ڈپٹا تھا۔

’’نہیں بھول رہا ہوں —— یہی بات تو نہیں بھول سکتا کہ وہ میرے پاپا ہیں۔ مگر وہ جو کر رہے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہے۔ کم از کم اس بار میں ماہا کو کوئی قربانی نہیں دینے دوں گا۔‘‘ وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ فارحہ چپ چاپ بیٹھی اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❄❄❄

عفنان علی خان کا ذہن اب تک سلگ رہا تھا۔

رات اُس نے دوسرے کمرے میں بسر کی تھی۔ صبح جب اٹھ کر وہاں سے نکل رہا تھا، ممی نے آ لیا تھا۔ دریافت کچھ نہیں کیا تھا مگر عفنان علی خان کسی مجرم کے سے انداز میں چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

’’انابیہ بہت مضطرب تھی —— اس لئے میں......‘‘

فاطمہ بیٹے کی ٹوٹی پھوٹی، شکستہ سی وضاحت پر مسکرا دی تھیں۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیکھا تھا۔

’’بیٹا! تم اب اس ڈگر پر ہو جہاں اپنی زندگی کو بہت بہتر طریقے سے خود آپ سنبھال سکتے ہو۔ شادی ایک ذمے داری ہوتی ہے جسے تم اٹھا چکے ہو۔ اور مجھے امید ہے تم اب کسی گام پر نہ تھکو گے۔‘‘ فاطمہ کے چہرے کو تھپتھپاتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔

’’اپنے کمرے میں جاؤ اور جا کر تیار ہو جاؤ۔ آج شام تم لوگوں کے ولیمہ کی دعوت رکھی گئی ہے۔ انا کو بھی بتا دینا۔ اسے سہ پہر میں ہی بیوٹی سیلون جانا ہوگا۔ وہیں سے گاڑی اسے لے کر ہوٹل لے جائے گی۔ جہاں ولیمہ ہے۔ میں عریشہ کو اس کے ساتھ بھجوا دوں گی۔‘‘ فاطمہ نے اطلاع دی تھی۔

عفنان علی خان سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چل پڑا تھا۔ کمرے کا دروازہ مقفل نہیں تھا مگر اسکے باوج وہ کھولتے ہوئے لمحہ بھر کو ہچکچایا ضرور تھا۔

اگرچہ یہ اس کا اپنا کمرہ تھا۔ کتنے شب و روز اُس نے اس کمرے میں پورے بھرپور استحقاق کے سات بسر کئے تھے۔ مگر آج اس پر کوئی اور قابض تھا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں دھیان، اس خواب بسر ہو۔

ہرے پر گیا تھا۔

سرنگ رنگ عروسی لباس میں وہ بے خبر سوئی ہوئی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ عفنان علی خان کے قدم بے رادہ اس کی سمت بڑھے تھے۔ پاس جا کر رک کر بغور اس چہرے کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اس کے چہرے کی مت بڑھایا تھا۔ مگر پھر یکدم ہی ارادہ ملتوی کرتے ہوئے بڑھا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔ لمحہ بھر کو اسی طرح لھڑا رہا تھا پھر کمبل بہت آہستگی سے اٹھا کر اس پر ڈال دیا تھا اور پلٹ کر واش روم کی سمت بڑھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ نے واش روم کے بند ہوتے دروازے کی آواز سنی تھی اور بہت آہستگی سے آنکھیں کھول دی یں۔ آنکھیں ایک لمحے میں جلنے لگی تھیں۔

’’میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عفنان! —— تم نے جو کیا ہے تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہی ہو ں۔ میں لامعہ حق کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اور مجھے اپنانے کے لئے نے جو راہ اختیار کی، اس پر میں تمہیں تب تک سزا دیتی رہوں گی جب تک میں اس گھر میں تمہارے اتھ رہوں گی۔ تم نہیں جانتے، تم نے مجھے اپنا کر اپنے لئے خود اپنی سزا تجویز کی ہے۔ میں تمہاری زندگی نم بنا دوں گی کہ تم خود مجھ سے چھٹکارا پانا چاہو گے۔ مگر تب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی —— بہت جلد ہیں اپنے کئے کا احساس ہو جائے گا۔ لامعہ حق کی قربانی، اس کے آنسو، مجھے تب تک چین سے جینے بں دیں گے جب تک میں تمہیں ایک عذاب میں مبتلا نہ کر دوں۔ اور تم دیکھنا، ایسا ہی ہوگا۔ تمہیں ساس ہوگا کہ کسی معصوم دل سے، کسی زندگی سے کھیلنا آسان نہیں۔ تمہارے ساتھ رہ کر میں تمہارا دل قدم م پر توڑوں گی —— تمہیں اتنے گھاؤ دوں گی کہ تم تڑپو گے۔ اور تم جتنا تڑپو گے مجھے اتنی ہی راحت لے گی۔ بہت بڑے کھلاڑی بننے چلے تھے نا تم۔ بہت بڑا جال بُنا تھا تم نے۔ مگر جلد ہی خود مان جاؤ گے ہ وہ جال نہیں تم نے اپنے لئے عذاب مول لیا ہے۔ انابیہ تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ جیت اور مندی کے کسی نشے میں اگر چور بھی ہو تو بہت جلد یہ نشہ ہرن ہو جائے گا۔ کیونکہ مجھے پا کر تم جیتے ہرگز ں ہو۔ ہار گئے ہو —— اور اب ہمیشہ ہارو گے ہی۔ اب میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی —— لامعہ کے سو —— اُس کی سسکیاں —— اُس کی آہیں —— سب میرے اندر پڑاؤ ڈالے بیٹھی ہیں۔ اور یہ ے تک بیٹھی رہیں گی جب تک کہ میں ان کا کوئی حساب چکا نہ دوں۔ تمہیں اپنے کئے کا خمیازہ بھگتنا ہوگا نان علی خان! ایسا ضرور ہوگا۔‘‘

وہ کمبل ہٹا کر اٹھی تھی، جب واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور عفنان علی خان باہر نکلا تھا۔ اُسے جاگتا دیکھ لمحہ بھر کو ٹھٹکا تھا، پھر تولیے سے بال رگڑتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آن رکا تھا۔ انابیہ اس کی سمت ، رخ پھیر کر بالکل اجنبی بن گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کے عکس کو آئینے میں دیکھا تھا پھر بنا کسی ید کے گویا ہوا تھا۔

’’ممی نے بتایا ہے شام میں ولیمہ کے سلسلے میں ہوٹل میں دعوت ہے۔ تمہیں سہ پہر میں ہی عریشہ کے ھ بیوٹی سیلون جانا ہوگا۔‘‘

’’اس سب کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم میں کوئی رشتہ ہی نہیں؟‘‘ انابیہ نے اسی طرح رخ پھیرے کہا

تھا۔ عفنان علی خان نے مُڑ کر اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

یہ تھی وہ لڑکی ـــــ جس سے اس کے خیال آباد تھے ـــــ دل آباد تھا۔ اور اس نے ایک غلطی مز کر دی تھی۔ اس کے ساتھ اپنا گھر بسانے کا خواب بھی دیکھ لیا تھا۔ مگر یہ خواب پورا ہو کر بھی جیسے پورا نہ تھا۔ وہ آج اس کے ساتھ تھی۔ ہمراہ تھی۔ مگر یہ سب ہو کر بھی جیسے کچھ نہ تھا۔ سارے خواب جل گئے اور سارا منظر دھواں دھواں تھا۔

”رشتہ ہوتا کبھی نہیں ہے ـــــ رشتہ بنانا پڑتا ہے۔ مگر تم شاید اس بات سے ناواقف ہو۔ بہت باتوں کی طرح تم کبھی یہ بات بھی سمجھ نہیں پاؤ گی۔“ عفنان علی خان کا لہجہ پُر افسوس تھا۔

”ایسی بات کہتا ہوا وہ شخص اچھا نہیں لگتا جو خود انجان نہ ہو۔ رشتے بہت خالص ہوتے ہیں اور خا چیزوں کے بارے میں ہی لوگ باتیں کرتے اچھے لگتے ہیں جو خود بھی اسی قدر خالص ہوں۔ بے ایمان اور دھوکے بازیوں پر رشتے قائم کرنے والے صرف جھوٹے ہوتے ہیں۔ اور جھوٹے لوگ حق اور سچ بات کرنے کا بھی کوئی حق نہیں رکھتے۔“

انابیہ شاہ کا لہجہ زہر خند تھا۔

عفنان علی خان جواباً اُسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”میرا آج کسی بھی طرح کی تقریب میں شرکت کرنے کا موڈ نہیں ہے ـــــ بہت تھک چکی ہو آرام کروں گی۔ ولیمہ ملتوی کر دو۔“ انابیہ کا لہجہ ہٹ دھرمی لئے ہوئے تھا۔

”کیا؟“ عفنان علی خان حیران رہ گیا تھا۔ ”تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟“

”ہاں ـــــ“ انابیہ کا لہجہ مطمئن اور پُر اعتماد تھا۔ ”جب کوئی رشتہ ہے ہی نہیں تو میں یہ دکھاو کیوں کروں؟“

”دکھاوے؟“ عفنان علی خان کا لہجہ بے یقینی لئے ہوئے تھا۔ جیسے اُسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔

”تم انہیں دکھاوے کہتی ہو؟ ـــــ یہ رشتوں کا احساس ہے۔ یہ رسمیں ہی تو ہیں جو دلوں کو دلور باندھتی ہیں۔ مگر میں یہ سب باتیں تمہیں کیوں بتا رہا ہوں جبکہ تمہیں اس سے کوئی فرق ہی نہیں

عفنان علی خان نے کسی قدر افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

انابیہ مسکرا دی تھی۔ جیسے وہ اس شخص کو چڑانا چاہتی تھی۔

”تمہارا ایک مسئلہ ہے عفنان! ـــــ تم بہت جذباتی واقع ہوئے ہو۔ مردوں کو اس درجہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں صرف لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ اگر دماغ سے کام لیتے تو آج شاید صورت تمہارے حق میں ہوتی۔“ انداز عجب تپانے والا تھا۔ اور عفنان علی خان جیسا ٹھنڈا مزاج شخص ا انتہائی جارحانہ انداز میں اس کی سمت بڑھا تھا اور اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

”عفنان علی خان کو اتنا کمزور مت جانو۔ اگر میں چپ ہوں، کچھ جھیل رہا ہوں تو اس کا مطلب نہیں کہ میں اتنا کمزور ہوں۔ یہ میری ناکامی، یہ میری کمزوری صرف جز وقتی ہے۔ مصلحتاً ہے۔“ ا

چہرے کو بغور گھورتے ہوئے وہ انتہائی سخت لہجے میں بولا تھا۔ مگر انابیہ مسکرا دی تھی۔

”اپنی کمزوریوں کو دبانے کی عادت ہو چکی ہے تمہاری۔ کبھی کسی خول تلے، کبھی کسی خول تلے۔ سچ تو یہ ہے عفنان علی خان! کہ تم مصلحتوں کے عادی ہوتے جا رہے ہو۔ کیونکہ تمہارے پاس اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ جو صورت حال کو اپنے بس میں نہ کر پائیں، وہ جھنجھلا کر یونہی تاویلیں تلاشتے ہیں۔ بودے اور غیر مؤثر جواز ڈھونڈتے ہیں تاکہ اپنی ذات کی قلعی نہ کھل جائے اور بات کسی قدر بنی رہے۔“ انابیہ شاہ درشت لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان علی خان کا ہاتھ اٹھا تھا مگر جانے کیوں ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا۔ اُس نے انتہائی جارحانہ انداز میں سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کی سمت دیکھتے ہوئے اٹھا ہوا ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا اور اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ خاموشی سے دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

”یہ پہلا دن ہے ـــــ آج کے دن کی ابتداء کے لئے یہ کافی ہے۔ شام ہو گی تو پھر سوچیں گے، کیا نفع رہا کیا نقصان ـــــ کیا سود رہا، کیا خسارہ۔ مگر آج کی شروعات اچھی رہی۔ بیسٹ آف لک مسٹر عفنان علی خان! اگرچہ آپ کا برا وقت شروع ہو چکا ہے۔“ ایک شدید ترین کیفیت کے ساتھ لب بھینچ کر وہ اٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔

❄❄❄

موسم اچانک ہی بدلا تھا۔

شدید ترین بارش ہو رہی تھی۔ جب اذہان حسن بخاری کا فون بجا تھا۔ وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

”جی ممی؟“

”اذہان! ـــــ وہ ماہا ـــــ ماہا گھر پر نہیں ہے۔“

”گھر پر نہیں ہے؟ ـــــ کہاں گئی؟“ اذہان کے لئے خبر جیسے دھماکا تھی۔

”مجھے نہیں پتہ۔ شام تک اپنے کمرے میں تھی۔ فیض اُس کے پاس تھا۔ دونوں کتنی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ میں مطمئن ہو کر کچن کی طرف آ گئی تھی مگر دوبارہ جھانک کر اس کے کمرے میں دیکھا تو ہ وہاں نہیں تھی۔“

”فیض چاچو کہاں ہیں؟ ـــــ ان کو ماہا کے متعلق کچھ پتہ ہے؟“ اذہان نے دریافت کیا تھا۔

”نہیں۔ وہ تو ہسپتال کے لئے نکل گیا تھا شام کی چائے کے بعد ہی۔ ابھی فون کیا ہے، وہ بھی واپس آ ہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا، آخر وہ جا کہاں سکتی ہے؟ ـــــ اذہان! ماہا کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ تم جانتے و، تم دونوں مجھے کس قدر عزیز ہو۔“ فارحہ دوسری طرف رونے لگی تھیں۔ اذہان کے لئے صورت حال کو نبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔

”ممی! آپ فکر نہ کریں۔ میں دیکھتا ہوں۔ وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ میری بہن ہے وہ ـــــ میں اُسے انتا ہوں۔ آپ خدارا حوصلہ رکھیں۔ اور فیض چاچو آ جائیں تو مجھے اطلاع دیں۔ میں راستے میں ہوں۔

جن جگہوں کے بارے میں مجھے معلوم ہے، وہاں دیکھتا ہوں۔ آپ بھی ماہا کی دوستوں کے گھر فون کریں۔ جیسی صورت حال چل رہی تھی، اسے لے کر ایسا تو ہونا ہی تھا۔ آخر عاجز آ گئی تھی نا وہ ـــــ پاپا کو بھی خبر کر دیجئے۔ شاید اب انہیں کچھ خیال آ جائے اور ان کی آنکھیں کھل جائیں۔" اذہان کو رہ رہ کر سعد حسن بخاری پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر سب کیا دھرا انہی کا تو تھا ـــــ ماہا گھر چھوڑ کر یونہی تو کہیں نہیں چلی گئی تھی۔

"بے وقوف لڑکی ـــــ مجھ سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ بھائی کے ہوتے ہوئے، ایسے بے وقوفانہ اقدام۔" اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ کسی قدر جھنجلایا تھا۔ ماہا نے یقیناً غلط کیا تھا۔ مگر وہ اب خاصا پریشان ہو چکا تھا۔

زندگی میں پے در پے پریشانیاں اور صرف مسائل تھے۔ چین کی کوئی گھڑی اب تک نہیں آئی تھی۔ ا
نے ڈرائیو کرتے ہوئے ساہیہ کا نمبر ملایا تھا۔

"ساہیہ! ماہا گھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے ـــــ تم اگینے کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔ ممی پریشان ہیں۔ تم
خدارا ان کی ہمت بندھاؤ۔ مجھے پتہ ہے ماہا کہاں گئی ہوگی۔"

"مگر ماہا نے گھر چھوڑا کیوں؟ ـــــ ہوا کیا ہے؟" ساہیہ نے کسی قدر تشویش سے دریافت کیا تھا۔

"بہت لمبی کہانی ہے یہ۔ اس وقت سنانا ممکن نہیں ہے۔ مگر بس یہ سمجھ لو، یہ اسی واقعے کی ایک کڑی ہے
جس کے تحت ماہا کو پہلے بھی نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ ہمارے والد صاحب ـــــ انہیں صرف اپنا مفاد عز
ہے ـــــ نہ اولاد عزیز ہے نہ گھر بار ـــــ عجیب شخص ہیں ـــــ پتہ نہیں کب سمجھیں گے۔" اذہان
انداز جھنجلایا ہوا تھا۔

"تم پریشان مت ہو ـــــ میں اگینے پھپھو کے ساتھ ابھی نکل جاتی ہوں۔ پریشان مت ہو، سب
ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ بہتر ہی کرے گا۔ بس تم پریشان مت ہو۔" ساہیہ نے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

"شکریہ۔"

"اپنا خیال رکھنا ـــــ موسم ٹھیک نہیں ہے۔ گھر کی فکر مت کرنا۔ میں سب سنبھال لوں گی۔" ساہ
نے فکرمندی سے کہا تھا۔ اذہان شدید ترین ذہنی دباؤ میں تھا۔

"بہتر۔" کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور پوری توجہ ڈرائیونگ پر مبذول کر دی تھی۔ ذہن مسلسل
الجھ رہا تھا۔ وہ پھر ایک گردان میں تھا۔

* * *

نیو یارک سے پاپا کا فون تھا۔ حسبِ معمول وہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ سب کب واپس آئیں گے؟ ـــــ میں بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔" میرب نے آنسوؤ
کے درمیان کہا تھا۔

"تم فکر مت کرو ـــــ ہم جلد آ جائیں گے۔ بس تمہارے پاپا کے کچھ ٹیسٹ مزید ہو جائیں۔ اُ
ڈاکٹرز مطمئن ہو جاتے ہیں تو ہم واپس آ جائیں گے۔ اگر تم زیادہ اُداس ہو تو کچھ دن کے لئے چلی آؤ
زوباریہ نے کہا تھا۔

وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں ـــــ پہلے ہی پڑھائی کا بہت حرج ہو چکا ہے۔ بس آپ پاپا کا خیال رکھیں۔"

"اور تم اپنا۔" زوباریہ نے اسے تاکید کی تھی۔

"ہاں، میں رکھوں گی ـــــ مگر سچ کہوں ـــــ آپ سب کے بغیر یہاں کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔"

وہ ضبط ہار رہی تھی۔ دل بھر بھر آ رہا تھا۔

"ارے گین کے ہوتے ہوئے بھی؟" زوباریہ نے چھیڑا تھا۔ مگر میرب اس کے باوجود نہیں مسکرائی تھی۔ فون رکھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے کو آگے بڑھی تھی جب اپنے پیچھے کچھ دبی دبی آوازیں سنائی دی تھیں۔

وہ چونک کر مُڑی تھی۔ اندھیرے میں کچھ فاصلے پر کوئی تھا۔ باتوں کے دبے دبے انداز بتا رہے تھے
کوئی اسرار ہے ـــــ میرب سیال دو قدم آگے بڑھی تھی۔ لاؤنج کی مدھم روشنی میں منظر کسی قدر واضح
لگے تھے۔

گی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بہت قریب کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگ رہی تھیں
اور وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ فاصلہ کچھ زیادہ تھا، لفظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ میرب دبے قدموں کچھ اور آگے
بڑھی تھی اور ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"گین! ـــــ میں کیسے اس پریشانی سے نکلوں؟ ـــــ میرے لئے تنہا ان مراحل سے گزرنا بہت دشوار ہے۔ ایک تنہا، اکیلی عورت یہ سب نہیں سہہ سکتی۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟ ـــــ بغیر شادی کے ماں بنا اور اس کے بعد کی پیچیدگیاں سہنا آسان نہیں ہے۔ میں اس وجود کو دنیا میں لانا چاہتی ہوں، مگر ایک مکمل تحفظ بھرے احساس کے ساتھ۔ کیا یہ اتنا ہی مشکل خواب ہے کہ جو پورا نہیں ہو سکتا؟ ـــــ کیا غلط چاہ رہی ہوں میں؟ ـــــ کیا غلط سوچ رہی ہوں؟ ـــــ ہر ماں یہی تو چاہتی ہے کہ اس کا بچہ ایک بھرپور اعتماد کے ساتھ سر اٹھا کر جئے، دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو اسے کوئی شرمندگی نہ ہو۔ یہ کیا غلط ہے کہ اگر میں اپنے بچے کے نام کے ساتھ ...... تاکہ وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ سر اٹھا کر جئے۔ دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو اُسے کوئی شرمندگی نہ ہو۔ میں اپنے بچے کے نام کے ساتھ ایک بھرپور تحفظ دیتا ہوا نام بھی جڑا دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیا یہ خواہش اتنی ہی عجیب ہے کہ پوری نہ ہو سکے؟"

آوازیں بے حد واضح تھیں اور میرب سیال کو لگا تھا اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ گی جو کہہ رہی تھی، وہ ایک کہانی تھی اور اس کہانی کا سرا صرف گی سے ہی نہیں ملتا تھا، اس کا دوسرا سرا یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جڑتا تھا۔ تبھی تو وہ اس وقت رات کی تاریکی میں اس کے اتنے قریب کھڑی مدعا بیان کر رہی تھی۔

میرب سیال کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ جو اس نے سنا وہ کسی طرح سے غلط تھا یا پھر اس کی سماعتوں کا دھوکا تھا، یا پھر جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں وہی کوئی سراب تھا۔

‘‘گین! —— بتاؤ مجھے، کیا کروں میں؟ —— میں اس بچے کا گلا دنیا میں آنے سے قبل ہرگز نہیں گھونٹ سکتی۔ میں اتنی ظالم نہیں ہوں۔ مگر میں اتنی بہادر بھی نہیں ہوں کہ تن تنہا اس کی ساری ذمے داریا اٹھالوں۔ جس طرح کی بے تحفظ زندگی میں نے بسر کی، میں نہیں چاہوں گی کہ میرا بچہ بھی ویسے ہی زند جیئے۔ میں اس کے لئے ایک الگ دنیا بنانا چاہتی ہوں۔ وہ دنیا جو میری زندگی اور میری دنیا سے مختلف ہ بولو گین! —— یہ کیسے ممکن ہو سکے گا؟ —— تم چپ کیوں کھڑے ہو؟ —— کچھ بولتے کیوں نہیں کیا میں سمجھوں کہ واقعی میں اس کھلے آسمان تلے تن تنہا کھڑی ہوں اور میرے ساتھ کوئی نہیں؟’’

‘‘جذباتی مت بنو —— سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بچے کی پیدائش تک یہیں میرے پاس رہو۔ کچھ کوشش کرتا ہوں۔ تب تک کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔ تم روؤ نہیں —— سب ٹھیک ہو جا گا۔’’ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی خواب ناک آنکھوں سے گرتے گرم گرم اشک چنتے ہوئے ا مضبوط لہجے میں تسلی دی تھی۔

میرب سیال کا دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔ وہ ساکت سی کھڑی تھی۔

‘‘گین! تم جتنا آسان لے رہے ہو معاملہ اتنا آسان نہیں ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟’’

‘‘ہاں جانو! فی الحال میرے لئے یہ تھوڑا مشکل ہے۔ مگر میں تمہیں اس بات کی تسلی دیتا ہوں کہ جلد صورت حال بس میں ہو جائے گی۔ تب تک تو تم یہاں میرے پاس رہ سکتی ہو نا۔ بغیر کسی ڈر اور کے۔’’ گین اس کی آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ غالباً وہ گی کا موڈ بحال کرنا چاہ رہا تھا۔

مگر گی نہیں مسکرائی تھی۔

‘‘اچھا بتاؤ —— بچے کا نام کیا رکھو گی؟’’ دھیان پھیرا تھا۔

‘‘پتہ نہیں۔ بچے کا نام تو باپ رکھتا ہے۔ اور تم........’’ گی نے اُلجھن سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا

‘‘ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اس بات کی فکر کرنے کی بھی فی الحال ضرورت نہیں۔ ابھی تو اس ہے۔ تم خواہ مخواہ کی فکریں مول مت لو جانو! تمہیں اپنا بہت زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔’’

‘‘ہاں —— مگر تم ——’’ گی کے آنسو پھر تواتر سے بہنے لگے تھے۔

‘‘اپنی دوا لی تم نے؟’’ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھرپور توجہ سے دریافت کیا تھا۔ گی نے س میں ہلایا تھا۔

‘‘میں نے اس ملک کی سب سے بہترین گائنی سے بات کر لی ہے۔ کل تمہارا چیک اپ ہے ہے، میرے پاس وقت نہ ہو۔ تم ڈرائیور کے ساتھ ضرور چلی جانا۔’’ انداز خیال رکھنے والا تھا۔ میر نے اس سے قبل سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ رویہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ گی کے لئے اور اس دنیا والے بچے کے لئے انتہائی پریشان ہو رہا تھا۔

میرب سیال کی دنیا ایک پل میں گھومی تھی۔ وہ اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی جب گی کی ز پڑی تھی۔ اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس نے رخ پھیر کر دیکھا تھا سیال کو کچھ فاصلے پر کھڑا پا کر چونک گیا تھا۔

میرب سیال نے اپنی سمندر بنتی آنکھوں سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مڑ کر اس کی سمت ابھی پیش قدمی کی ہی تھی کہ وہ سرعت سے مڑی تھی اور تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ بند دروازے سے لگ کر وہ کتنی دیر تک سر اٹھائے چپ چاپ چھت کو گھورتی رہی تھی۔ پھر وہیں بیٹھتی ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دروازہ بجایا تھا۔

‘‘میرب! —— میرب!’’ دو چار آوازیں بھی دی تھیں مگر میرب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شاید مایوس ہو کر سردار سبکتگین حیدر لغاری واپس پلٹ گیا تھا۔

میرب کی سسکیاں تا دیر کمرے میں گونجتی رہی تھیں۔ جانے کتنی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی روتی رہی تھی۔ پھر یکدم اٹھی تھی اور اپنا تمام ضروری سامان نکال کر ایک سوٹ کیس میں بھرا تھا اور تیزی سے بھیگتی ہوئی آنکھیں سختی سے ہاتھ کی پشت سے رگڑتی ہوئی وہ سوٹ کیس اٹھائے باہر نکل آئی تھی۔ مگر عین سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا منتظر تھا۔

‘‘کیا تماشہ ہے یہ؟ —— کیا ہوا ہے؟ —— یہ کیا کر رہی ہو تم؟ —— یہ سوٹ کیس —— یہ —— یہ سب کیا ہے؟’’

مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے چھین کر دور دھکیل دیا تھا۔ میرب نے تب اکیلے ہی آگے بڑھنے کی ٹھانی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال مڑی تھی اور اپنے نازک ہاتھوں کے کتنے ہی مکے اس کے سینے پر برسا دیئے تھے۔

کتنے ہی مکے برساتے ہوئے وہ چیخے جا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک سے ہاتھوں کو بجائے روکنے کے اس کے نازک سے وجود کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں کے حصار میں سمیٹ لیا تھا۔ میرب سیال دھواں دھار ہو رہی تھی۔

‘‘چھوڑ دو مجھے —— چھوڑ دو۔’’ میرب سیال نے اس کے آہنی حصار سے خود کو ایک جھٹکے سے آزاد کرایا تھا۔

‘‘تم یہاں سے نہیں جا سکتی ہو۔’’ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سختی سے حکم صادر کیا تھا۔

‘‘کون —— کون روکے گا مجھے، تم؟ کون لگتے ہو تم میرے؟ —— کیا رشتہ ہے میرا تم سے؟ صرف ایک کاغذی رشتہ۔ اس کے سوا کیا حیثیت ہے میری؟ —— یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔ بہت سفر کر لیا میں نے۔ اب میں اور مزید نہیں.......’’

‘‘میرب! تم میری بات سنو۔’’ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

‘‘کچھ نہیں سننا چاہتی میں۔ خدارا تم میری راہ چھوڑ دو۔ ورنہ —— ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔’’ میرب جیسے ہوش و حواس میں نہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کسی قدر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مائی کے آنے تک تمہیں یہیں رہنا ہو گا۔ کہیں نہیں جا سکتی تم۔'' سخت لہجے میں کہا تھا۔ میرب بھی جیسے آج کسی بپھری ہوئی شیرنی کی سی ہو رہی تھی۔ عجب طاقت کے ساتھ اسے دھکیلنا چاہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ ایک لمحہ میں اٹھا تھا اور اس کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔

لمحہ بھر کو چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ میرب سیال نے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''میں تم سے صرف ایک بات کہہ رہا ہوں۔ تم کہیں جا سکتی۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ سن لیا؟ ـــــ تم جانتی ہو، اصولوں کے معاملے میں، میں کس قدر پابند واقع ہوا ہوں۔ مجھے اپنی حکم عدولی قطعاً منظور نہیں ہے۔ کہہ دیا، سو کہہ دیا۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ نہ اب ـــــ نہ کل ـــــ نہ پرسوں۔ سمجھ گئیں؟ تمہیں یہیں رہنا ہے۔ اسی گھر میں، میرے ساتھ ـــــ اپنی چیزوں سے دستبردار ہونے کی عادت نہیں ہے میری۔ اب تک تم دیکھ بھی چکی ہو گی اور سمجھ بھی۔ مجھے نہ کوئی وضاحت دینا ہے نہ ہی کوئی تسلی۔ تم چیخ چیخ کر رونا چاہتی ہو تو ایسا بصد شوق کر سکتی ہو۔ میں تمہیں نہ رونے سے منع کروں گا نہ ہی چیخنے چلّانے سے۔ مگر تم اس دہلیز سے پار نہیں جا سکتیں۔ اس سے آگے نہیں۔ تم سے میرا کیا رشتہ ہے، یہ بات مجھے بار بار سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی جتانے کی۔ تم میری بیوی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ اسی طرح میں تمہارا شوہر ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ نہ تم اس حقیقت کو جھٹلا سکتی ہو نہ ہی فراموش کر سکتی ہو۔ حتیٰ کہ تبدیل بھی نہیں کر سکتیں۔ جو بخت میں درج ہونا تھا، ہو چکا۔ اور ہمارے ہاں بار بار بخت نہیں لکھے جاتے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بار بار باتیں دہرانے کا عادی نہیں ہے۔ جتنا عرصہ ساتھ رہی ہو اس میں اتنا تو سمجھ ہی گئی ہو گی۔ مجھے دوبارہ یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں پڑنی چاہئے۔ اس گھر کے کچھ قاعدے قانون ہیں۔ انہیں پورا کرو۔ جو صرف تمہارے لئے وضع کئے گئے ہیں۔''

''کیوں ـــــ کیوں کروں میں ایسا؟ ـــــ کس لئے؟ ـــــ تم جیسے شخص کے لئے؟ کتنا بڑا دھوکا ہو تم ـــــ کیوں پابند کر رہے ہو تم مجھے اپنا؟ ـــــ کس لئے؟'' میرب چیخی تھی۔

''میں نے کہا نا، کوئی وضاحت نہیں۔ تم اس چار دیواری کے اندر جو کرنا چاہتی ہو کر سکتی ہو۔ چیخو، چلّاؤ، روؤ، جو بھی تمہاری منشا ہے پوری کرو۔ مگر اس گھر سے باہر نکلنا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں؟ ـــــ باندی ہوں میں تمہاری؟ ـــــ غلام ہوں یا پھر خریدا ہے تم نے مجھے؟ ـــــ کیوں مانوں میں تمہاری؟ اور کس لئے؟'' وہ آنسوؤں کے درمیان چیخی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

اس کے چہرے پر اس کے ہاتھ کا نشان اب بھی ثبت تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحہ کو عجب مجرم سے انداز میں آگے بڑھا تھا اور اس کے چہرے کو تھام کر بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے ملائمت سے چھوا تھا۔

میرب سیال آنکھیں میچ گئی تھیں۔

''مجھے خود پر سختی پر مائل مت کیا کرو ہنی! تم ایک بات نہیں جانتی ہو، تم پر جبر کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا

پچھتاؤوں میں مبتلا کر دیتی ہو تم مجھے۔ جیسے اب، اس لمحے۔ سمجھتی کیوں نہیں ہو تم مجھے؟ ـــــ کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ......'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور کسی قدر افسوس سے سر نفی میں لانے لگا تھا۔

''نظروں کے سامنے رہتی ہو تو اِک آس بندھی رہتی ہے۔ دور چلی جاتی ہو تو اور بھی اجنبی سی لگتی ہو۔ کیوں نہیں سمجھتی ہو تم یہ ساری باتیں؟ ـــــ کیا کیا سمجھاؤں میں تمہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اُلجھن بھرے انداز میں بولا تھا اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

میرب سیال وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔ آنسو اب بھی متواتر پلکوں سے بہہ رہے تھے۔ بہت غلط جگہ پھنسی تھی وہ۔

فرار کی ساری راہیں مسدود تھیں۔

کوئی بہت بڑا دھوکا تھا یا پھر نظر ہی فریب کھا رہی تھی ـــــ!

مگر اب کسی شبے کی کوئی گنجائش ہی کہاں تھی؟ ـــــ سب کچھ تو صاف صاف تھا ـــــ اگر عقل یا نظر پر کوئی پردہ تھا بھی تو وہ اب ہٹ چکا تھا اور اس وقت نگاہ جو دیکھ رہی تھی اس میں کسی دھوکے یا فریب کا عنصر باقی ہی نہ تھا۔ جو تھا، سب کچھ سچ تھا۔ نہ کوئی غلط فہمی، نہ ہی کوئی اور تاویل۔

تو کیا اسے عقل کی مان لینی چاہئے تھی؟ ـــــ اعتبار کر لینا چاہئے تھا اس نگاہ پر؟ ـــــ شاید ہاں کہ اس کے علاوہ اب چارہ ہی کیا تھا۔ اور کس خوش فہمی میں رہتی وہ اور کتنے دھوکے کھاتی اور قیاس کرتی کہ سب ٹھیک ہے یا پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ بہت تھکے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھی اور دروازہ بند کر کے بیڈ پر آن گری تھی۔

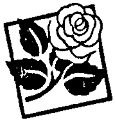

بعض اوقات کمرے کی باتیں صرف کمرے تک محدود نہیں رہتیں۔ رشتوں میں دراڑ ہو تو خبر سب کو ہو جاتی ہے۔

عفنان علی خان نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اپنے طور پر وہ بات کو سمیٹنا چاہتا تھا۔ صرف اپنے تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا اور بات کھل چکی تھی۔ اس کی زندگی کی شروعات کچھ خوشگوار نہ تھی ـــــ ایک بھرم تھا جسے وہ قائم رکھنا چاہتا تھا مگر ایسا شاید ناممکن تھا۔ اس کے لئے اس حقیقت پر پردہ رکھنا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ کیونکہ دوسرا فریق مخالفت پر مائل تھا۔ دوسری سمت سے کوئی تعاون نہ تھا اور شاید اسے اس کی امید رکھنا بھی نہیں چاہئے تھی۔ شاید تبھی اس رویے کی کوئی شکایت اس سے کی بھی نہ تھی۔ مگر انابیہ کو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں تھی کہ اس کے باعث کسی کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ درحقیقت وہ چاہتی بھی یہی تھی کہ کوئی ان حالات سے گزرے۔ وہ صرف سزا دینا چاہتی تھی۔ عفنان علی خان نے اس دن کے بعد اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ایک بے نام رفاقت تھی ـــــ ایک ان چاہا سفر تھا اور بے نام ونشان راستے تھے۔ اور ان راستوں پر کوئی ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں تھا۔

اس شام چائے پر پاپا نے اس کے ہاتھ دو سوئٹزرلینڈ کے ٹکٹ پکڑائے تھے اور وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”جاؤ ـــــ زندگی گزارو بھئی ـــــ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ ـــــ تمہارے ہنی مون ٹرپ کے ٹکٹس ہیں یہ۔“ پاپا نے وضاحت کی تھی اور فاطمہ، بیٹے کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ انابیہ سر جھکائے چائے کے کپ کو دیکھتی رہی تھی۔

”اگر بچے اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو ٹھیک ہے۔ ہمیں خواہ مخواہ اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ زندگی کی شروعات کیسے ہونی چاہئے، اس بات کا اندازہ ان کو بھی خوب ہو گا۔ اب یہ اس اسٹیج پر تو یقیناً نہیں ہیں کہ ہم انہیں زندگی کے مفہوم سمجھائیں اور غلط اور صحیح کی تمیز دیں۔“ فاطمہ نے بروقت بول کر جیسے صورتحال کو سنبھالا تھا۔ ”کیوں انابیہ بچے! ـــــ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟“ مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ نے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا اور چیئر گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”انابیہ!“ عفنان کو یہ لمحہ جھیلنا کسی قدر دشوار لگا تھا۔ کچھ بھی تھا، اپنی بے عزتی وہ سہہ سکتا تھا۔ مگر اپنے بزرگوں کے لئے انابیہ کا یہ رویہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

مگر انابیہ نہیں رُکی تھی ـــــ چلتی ہوئی وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان کی پیشانی پر کئی سلوٹیں ایک ساتھ واضح ہوئی تھیں۔ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا وہ مگر فاطمہ نے بیٹے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور مصلحت سے دیکھا تھا۔

”عفنان! ـــــ تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے۔ اسے زچ نہیں کرنا ہے۔ جو اس کی مرضی ہے اسے پورا کرو۔ اگر وہ جانا نہیں چاہتی تو کوئی زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے ـــــ عفنان! اُسے تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔ وہ جس فیز سے باہر آئی ہے اس کے متعلق ہم سب بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو۔ یہ حقیقت سب پر منکشف ہے اور تمہیں اس پر غصہ ہونے کی یا شرمندہ ہونے کی ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔ ہم انابیہ کی کیفیت سمجھ سکتے ہیں اور تم بھی اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اسے نارمل حالات میں، نارمل طریقے سے پرکھنے کی اور برتنے کی کوشش کر رہے ہو۔ جبکہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ انابیہ کو تمہاری نرمی اور توجہ کی خصوصی ضرورت ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔“ فاطمہ نے نرمی سے کہا تھا اور عفنان علی خان ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”میرا خیال ہے تمہاری ممی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تمہیں اس پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ انابیہ کو واقعی تمہاری بہت ضرورت ہے۔“

اور عفنان علی خان چیخ پڑا تھا۔

”نہیں ہے ـــــ نہیں ہے اُسے میری ضرورت ـــــ اُسے میری ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔ آپ سب کیوں نہیں سمجھ رہے؟“

ایک جذباتی لمحے کی رو میں بہہ کر وہ چیخا تھا مگر پھر یکدم لب بھینچ کر ملامت بھرے انداز میں پلٹ کر کمرے کی طرف آ گیا تھا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ انابیہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کہیں جانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ خود کو آئینے میں دیکھتی ہوئی بھرپور توجہ سے لپ اسٹک لبوں پر پھیر رہی تھی۔ آئینے میں عفنان علی خان کے عکس کو دیکھا بھی تھا تو نظر انداز کر دیا تھا۔ عفنان علی خان کے لئے اس کے رویے کو برداشت کرنا جیسے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھا تھا اور ایک جھٹکے سے اسے کھینچ کر کھڑا کیا تھا۔ انابیہ شاہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی اور نتیجتاً وہ اس کی بانہوں میں، اس کے حصار میں تھی۔ خوشبو کا ایک جھونکا، ایک بادِ صبا سا وجود اس لمحے عفنان کی دسترس میں تھا ـــــ یہ وہ قربت تھی جس کے متعلق اس نے کبھی سوچا تھا ـــــ یہ وہ خواہش تھی جو اس کے اندر مچلتی رہی تھی ـــــ یہ وہ خواب تھا جو ہمیشہ اس نے دیکھا تھا۔

مگر اس گھڑی، اس لمحے میں جیسے سب کچھ ہیچ تھا۔ وہ کچھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ کچھ نہیں دیکھ رہا تھا۔

نہ وہ کپکپاتا ہوا جسم ـــــ نہ وہ ایک لمحے میں اٹھ کر جھکتی ہوئی گریزاں سی نظر ـــــ نہ وہ لرزتے لب۔ عفنان علی خان کو اتنی قربت میں اپنے قریب کھڑے اس سراپے میں کچھ کشش محسوس نہ ہوئی تھی۔ نہ لب و رخسار میں، نہ آنکھوں میں، نہ گیسوؤں میں۔ وہ خوشبو سا بدن ـــــ وہ بھرپور سراپا جیسے اس گھڑی اس کے لئے بے معنی تھا۔

نہ ان گرم، دہکتی سانسوں کے زیروبم نے کوئی قیامت اٹھائی تھی، نہ ان زلفوں کی خوشبو نے کہیں کوئی ہلچل مچائی تھی۔ عفنان علی خان اتنی قربت میں اسے عجب خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا تھا اور پھر لب بھینچ کر ایک جھٹکے سے اس کے وجود کو اپنی گرفت، اپنے حصار سے آزاد کر دیا تھا۔

”انابیہ شاہ! ـــــ زندگی کو اپنے زاویے سے دیکھو گی تو بہت پچھتاؤ گی۔ میں تمہارے سامنے وضاحتوں کے انبار نہیں لگا سکتا۔ تمہیں سو سو تاویلیں نہیں دے سکتا ـــــ کوئی مشورہ بھی شاید نہیں کہ تم خود بہت سمجھ دار ہو۔ مگر برائے مہربانی، زندگی کو دوسروں کے زاویہ سے دیکھنا بھی سیکھ لو ـــــ زندگی صرف وہی نہیں جسے تم دیکھتی ہو۔ زندگی وہ بھی ہے جسے دوسرے دیکھتے ہیں ـــــ مجھے تم سے جب کوئی واسطہ نہیں تو تمہاری سمت سے بھی کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ یہی سوچ رہی ہو گی تم۔ مگر مجھے مطلب تم سے یا تمہاری سوچ سے نہیں ہے۔ مجھے اگر کچھ خیال ہے تو صرف اپنے بہت اپنوں کا۔ میں انہیں کوئی زک پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے تم چاہے جتنے بھی کچوکے لگاؤ، چاہے میرا کتنا بھی نقصان کرو ـــــ مجھے قبول ہے۔ مگر میرے والدین کو اگر ذرا سی بھی تکلیف تمہارے کسی غلط رویے کے باعث پہنچتی ہے تو مجھے اعتراض ہے اور اس صورتحال میں تم سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ تم آج جو بھی ہو، جیسی بھی ہو، اس گھر میں اگر ہو تو صرف میرے حوالے سے۔ اور مجھے اس حوالے کو استعمال کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ دوبارہ کبھی اس طرح کی صورت حال پیش آئے تو اس کے متعلق ضرور سوچ لینا۔“ ہاتھ اٹھا کر کسی قدر درشت لہجے میں اسے وارننگ دیتے ہوئے وہ پلٹا تھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ ساکت سی کھڑی اس سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

کوئی کتنی دیر سوگ منا سکتا ہے۔
کتنی دیر رو دھو سکتا ہے۔
کتنی دیر زندگی سے کٹ کر جی سکتا ہے۔

میرب سیال نے بھی دروازہ کھول دیا تھا اور اس بند کمرے سے نکل کر باہر آ گئی تھی۔ مگر زندگی سے اس کا انداز عجب گریز پائی لئے ہوئے تھا ـــــ وہ کیمپس جانے کے لئے تیار تھی۔ زینے کے آخری حصے پر قدم تھے جب نظر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر پڑی تھی۔ وہ نگاہ پھیر کر، اجنبی بن کر سوجے پپوٹوں کو جھکائے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی جب اچانک ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا۔

کتنی عجب بات تھی ـــــ نہ کوئی حق بچا تھا ـــــ نہ کوئی استحقاق تھا۔ مگر وہ شخص اب بھی اس پر حق جتانا حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ اب بھی اسی طور پر حق جتا رہا تھا۔

میرب سیال نے اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا اور اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

”کچھ کھا کر جاؤ۔“ حکم صادر ہوا تھا۔

مگر میرب نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ ہاتھ دوبارہ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا تھا مگر گرفت دوسری رف اب بھی اتنی ہی مضبوط تھی۔ وہ ایک بار پھر ناکام رہی تھی۔

”میں نے کہا، کچھ کھا کر جاؤ۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ نرم مگر انداز کسی قدر بارعب تھا۔ میرب یال کی آنکھوں میں یکدم ہی آنسوؤں کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔ سوجی سوجی سرخ آنکھوں سے اشک بہت اموشی سے ٹوٹ کر گرے تھے اور اس کے ساتھ ہی جیسے اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

”کیا ـــــ کیا چاہتے ہو اب تم؟ ـــــ کیا سبکتگین حیدر لغاری؟ ـــــ مجھے قید کر دینا؟ اس پاردیواری کے اندر دفن کر دینا یا پھر اپنی عزت کے لئے میری آواز دبا دینا ـــــ بولو کیا ـــــ؟ اب کیا پاہتے ہو تم مجھ سے؟ ـــــ اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری کوئی جاگیر یا ریاست ہوں تو مجھے ایک بار ہی بلا کر خاکستر کر دو۔ ایک بار ہی مجھے زندہ دفن کر دو ـــــ یہ بار بار کا مرنا، لمحے لمحے کی موت بہت تکلیف رہ ہے میرے لئے۔ ایک کام کرو تم، گلا گھونٹ دو میرا ـــــ تمہاری غیرت کا بھرم بھی رہ جائے گا اور تمہیں بھی کسی قدر تسلی ہو جائے گی۔ مار دو مجھے۔“ میرب چیخی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر جیسے اس کی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ بہت تسلی، بہت اطمینان کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے رکھا تھا اور اسے لے کر چلتا ہوا ٹیبل کی طرف آ گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے کرسی کھینچ کر اسے بٹھایا تھا اور پھر برابر والی کرسی کھینچ کر خود اس کے قریب بیٹھ گیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر توس پر جیم لگا کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ مگر میرب بھیگی آنکھوں کے ساتھ چہرے کا رخ بھی پھیر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت لمحہ بھر کو بہ غور دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر ہی اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف پھیرا تھا اور اپنے ہاتھ سے اسے زبردستی ناشتہ کروانے لگا تھا۔

میرب سیال کھانا نہیں چاہتی تھی۔ دو ایک بار اس کا ہاتھ بھی روکا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے کوئی بھی مزاحمت فضول تھی جیسے۔ مسلسل بھیگتی آنکھوں آنکھوں کے ساتھ وہ بنا اس کی طرف دیکھے، لقمے زہر مار کرتی چلی گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے اس کے آنسوؤں کی کوئی قدر نہ تھی۔ بنا توجہ دیئے، بنا تسلی دیئے، بنا ان آنسوؤں کو صاف کئے وہ اسے ناشتہ کروا رہا تھا ـــــ جیسے اُسے مطلق پرواہ نہیں تھی کہ وہ روئے یا جو بھی کرے۔

میرب سیال کو اپنی بے بسی پر مزید رونا آ رہا تھا۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری کی جانب سے کوئی دلاسہ نہیں تھا۔ ناشتہ کروا کر دودھ کا گلاس اس کے لبوں کی طرف بڑھایا تھا۔ جسے میرب نے ہاتھ بڑھا کر خود پکڑ لیا تھا۔ جینا تو تھا ـــــ سہنا بھی تھا ـــــ تو پھر اپنے آپ سے یہ دشمنی کیوں؟ ـــــ جب سارے حالات جھیلنے تھے تو پھر توانا رہنا بھی تو اتنا ہی ضروری تھا۔ وہ نہ تو چپ کر کے بیٹھ سکتی تھی نہ وہاں مزید پڑاؤ کر کے بیٹھے رہنا چاہتی تھی۔ یقیناً اسے سوچنا تھا کسی اگلے اقدام کے بارے میں، کسی راستے، کسی موڑ کے بارے میں۔

یہ زندگی نہیں تھی ـــــ قید تھی ـــــ جبر تھا اور وہ یہ جبر مزید نہیں سہہ سکتی تھی۔

سمجھوتہ بھی اصولوں کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یہاں تو کوئی اصول تھا ہی نہیں۔ ایک یک طرفہ کھیل بس۔ کوئی مسلسل کھیل رہا تھا اور وہ دیکھ رہی تھی۔

مسلسل ہار رہی تھی اور مسلسل رو رہی تھی۔

بالکل کسی بچے کی طرح ـــــ جو اپنے سے زیادہ شاطر شخص کے ساتھ کھیلتا ہے اور ہر بار ہارتا ہے سر پٹختا ہے ـــــ وہ بھی سر پٹخ رہی تھی ـــــ حالانکہ حل یہ نہیں تھا ـــــ حل یہ ہو بھی نہیں سکتا تھا اُسے کچھ اور کرنا چاہئے تھا ـــــ اُسے کچھ اور سوچنا تھا ـــــ وہ نہ تو مسلسل سر پٹخ سکتی تھی ـــــ نہ بار ہارنے کی سکت تھی اس میں ـــــ نہ ہی وہ روتے رہنا چاہتی تھی۔ اگر یہ سمجھوتہ بھی تھا تو بہت حالت میں تھا ـــــ اُسے کوئی توجیہہ قبول نہیں کرنا تھی۔ اسے جینا تھا اور زندگی سے اپنے حصے کا سکو آرام، چین لینا تھا ـــــ وہ سب کچھ جو وقت نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا، اسے وہ سب واپس تھا۔ وہ خود کو مزید سمجھوتوں کی نذر نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے بہت اپنوں نے اسے جس زندگی کے حوالے تھا وہ کسی طرح سے قابل قبول نہ تھی۔ جھیل وہ رہی تھی۔ بھگت وہ رہی تھی۔ مسلسل رو بھی وہی رہی تھی۔ جب کسی کو اس کی کیفیت کا اندازہ ہی نہیں تھا تو وہ کسی حل کے لئے بھی کسی اور کی طرف کیوں دیکھتی؟ ـــــ یا مزید سہتی بھی تو کیوں؟ ـــــ وہ کسی ڈر کے خوف سے اپنے آپ کو، اپنی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی جبکہ اس کے بہت اپنے اس کے ساتھ ایسا کر چکے تھے۔ اسے مصلحتوں کی نذر کیا گیا تھا ـــــ رشتوں م باندھ کر قربان گاہ پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا اور محبت کے نام پر اسے ذبح کر دیا گیا تھا۔ یہ تھے اپنے ـــــ بہت اپنے ـــــ وہ سوچ رہی تھی تو سبھی کچھ سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ پاپا کو اپنے فرائض کی جلدی تھی زوباریہ کو اسے نمٹا دینے کی پڑی تھی اور نتیجتاً وہ گہری کھائی میں تھی۔ اور اس بات کا اندازہ کسی کو نہیں تھ پھر اگر تھا بھی تو کوئی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ صرف وہ جانتی تھی۔

وہ کہاں تھی اور کن حالات میں تھی۔

رشتے یوں نہیں باندھے جاتے ـــــ عمر بھر کے فیصلے بھی نہیں لکھے جاتے۔ اُس نے سر جھکا دیا زندگی بھر کا عذاب اپنے نام لکھوالیا۔

اگر دنیا بھر کے والدین یونہی بیٹیوں کی شادیاں کرتے ہوتے تو شاید آج کوئی بیٹی بھی خوش نہیں ہوتی سچ تو یہ تھا کہ اسے ایک بوجھ کی طرح بہت جلدی میں بغیر چھان پھٹک کئے سر سے اتار دیا گیا تھا ـــــ نمٹا دیا گیا تھا۔

ان کی بلا سے ـــــ اس کے ساتھ پھر کچھ بھی ہوتا۔ وہ کوئی بھی حالات جھیلتی ـــــ کچھ بھی سہتی۔

ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ کوئی اس شخص کے متعلق پہلے سے واقف نہ ہوتا جبکہ یہ زوباریہ کے ر داروں میں سے تھا۔ اور یہ رشتہ بھی زوباریہ نے ہی کروایا تھا۔ جب زوباریہ ان لوگوں سے واقف تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طبیعت، اس کے مزاج سے کیسے نہ آشنا ہوگی؟ ـــــ یقیناً وہ سب جانتی اور پاپا کی بیماری ایک دلچسپ بہانہ تھا جو زوباریہ کے ہاتھ لگا تھا اور میرب سیال کی تقدیر بدل گئی تھی۔

کتنے آنسو چپ چاپ آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور وہ ساکت نظروں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری

دیکھ رہی تھی۔

تو یہ تھی اس کی سزا۔

ایک عمر بھر کی طویل جبری سزا جو اسے سہنا تھی اور صرف رونا تھا۔

کیا پاپا جانتے تھے کہ وہ جلدی میں ایک غلط جگہ اعتبار کر کے اپنی اکلوتی بیٹی کو کھائی میں خود اپنے ہاتھوں دھکیل چکے ہیں؟

یقیناً نہیں ـــــ!

مگر وہ جانتی تھی اب اسے کیا کرنا تھا۔

ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو سختی سے رگڑ کر وہ اٹھی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال کو اپنے جسم کے اس حصے پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ایک شدید ترین کراہت کا احساس ہوا تھا اور اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس سے چھڑا لیا تھا اور لب بھینچ کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”دوبارہ نہیں ـــــ کبھی بھی دوبارہ مجھے چھونے کی کوشش مت کرنا۔ بہت برا احساس ہوتا ہے مجھے۔ کراہت آتی ہے۔ گھن آتی ہے تم سے بھی اور ـــــ اپنے آپ سے بھی۔“ کتنا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر شدتِ جذبات سے وہ کسی کمزور پتے کی طرح کانپ رہی تھی اس گھڑی۔ اور لفظ تھے کہ ساتھ ہی نہ دے رہے تھے۔ آنسوؤں کا کوئی پھندا اس گھڑی گلے میں تھا ـــــ دوبارہ کئی آنسو روانی سے چہرے کو بھگو گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اٹھا تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے خود کے قریب کر لیا تھا۔ چند ثانیوں تک اس کے بھیگتے چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔ میرب سیال ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔

”تمہارے قریب آنا، تمہیں چھونا میرا حق ہے ـــــ اور تم مجھے اس حق کو استعمال کرنے سے نہیں روک سکتیں۔ تمہارے کتنے قریب آ سکتا ہوں یا آنا چاہتا ہوں یا پھر نہیں اس کا فیصلہ اور یقین صرف مجھے کرنا ہے، تمہیں نہیں۔ اس سے متعلق نہ تو کوئی قیود تم لگا سکتی ہو نہ ہی کوئی حدود تم مقرر کر سکتی ہو۔ جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس کے متعلق سوچ کر اپنی انرجی ضائع مت کرو۔ تم صرف وہ سوچو جو تمہیں کرنا ہے۔ ایک اچھی بیوی بننے کی کوشش۔ ایک بہترین شریک سفر بننے کی تگ و دو اور مجھے سمجھنے کی خواہش اپنے اندر پیدا کرو سویٹ! ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی۔ انڈر اسٹینڈ؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت فیصلہ کن انداز سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ میرب سیال کے لئے وہ لمحہ ناپسندیدہ ترین تھا۔ سانسوں سے ٹکرائی اس کی سانسیں بے حد ناگوار لگی تھیں اور وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”خواہشوں کو مارنے کی عادت ترک کر دو ہنی! ـــــ تم جانتی ہو ابھی زندگی شروع ہونے کو ہے اور ختم ہونے کو ابھی عمر پڑی ہے۔ لاتعداد لمحے ہیں ہمارے پاس جو ہمیں صرف ایک دوجے کے ساتھ، ایک دوجے کی سنگت میں، ایک دوجے کی محبت کا دم بھرتے ہوئے اور قرب کی خواہش کرتے ہوئے بسر کرنے

ہیں۔ سو ابھی سے ہاتھ مت کھینچو۔ ابھی تو سلسلہ شروع بھی نہیں ہوا اور تم اسے ختم کر رہی ہو۔" لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ تھی۔ جس کے بھید میرب سیال یقیناً نہیں سمجھ سکتی تھی۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا خواہشوں پر پہرے بٹھانا —— تم بھی یہ بیگانگی ترک کر دو۔ شرائط دلوں ب تعلقات میں اچھی نہیں لگتیں اور جبر رکھنا روا نہیں لگتا۔ سو یہ درمیان دیواریں اٹھانا بند کر دو اور صرف وہ کر جو مجھے اچھا لگتا ہے۔ جو ہم دونوں کو اچھا لگتا ہے۔ ایک شاندار کپل —— ہمیں ایک اچھا شادی شدہ جو بننا ہے اور ابھی اس کے لئے کافی وقت پڑا ہے۔ ابھی تک تو میں نے تمہیں ڈھنگ سے دیکھا بھی نہیں ا تم......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"بہت بری ہو تم —— بالکل بھی اچھی نہیں —— ایک اچھی بیوی بنو۔ اگر نہیں ہو تو کوشش کرو۔ بن سکتی ہو۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔ شاباش، اِدھر اُدھر کی فضول باتوں کو سوچنا ترک کر دو صرف اپنے اور میرے بارے میں سوچو۔" لہجہ مدھم تھا اور انداز لگاوٹ سے بھرپور۔

"زندگی ان اُلجھنوں کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ یقین کرو، بہت حسین اور دلفریب۔ سوچو، غور کرو۔ "کچھ نہیں" کے علاوہ "کچھ" ہے۔ شاید بہت کچھ۔ جو شاید تم نہیں جانتی ہو یا جسے جاننا نہیں چاہتی ہو۔ وہ رد کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔ نظر انداز مت کرو۔ نہ خود کو، نہ مجھے، نہ اس زندگی کو۔ سب کچھ ضرو ہے اور بہت ضروری ہے۔ اپنے دل کی انگلی تھامو اور صرف اس کے ساتھ چلو اور باقی سب بھول جا عقل و خرد ورغلانے والے جزو ہیں اور آنکھ و دل حقیقت منکشف کرنے والے عضو۔ سو نگاہ سے دیکھو دل سے فیصلہ کرو، تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں —— یہ تمہاری آنکھیں بھی جانتی ہیں اور تمہارا دل بھی۔" مدھم لہجہ کوئی بھرپور احساس رکھتا تھا۔ مگر میرب سیال ایک جھٹکے سے اس حصار سے نکلی تھی اور بیگ کر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ مگر گیٹ پر کھڑے چوکیدار نے تب تک دروازہ نہیں کھولا تھا جب تک سر سبکتگین حیدر لغاری بہ نفس نفیس خود باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دوسری طرف دروازہ اس کے لئے کھولا تھا اور میرب سیال کو مجبوراً پیش قدمی کرنا پڑی تھی۔

"یہ مت سمجھو کہ تم پر کوئی قیود لگائی جا رہی ہیں یا کوئی جبر کیا جا رہا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ الحال عقل سے کام نہیں لے رہی ہو —— اطمینان سے سوچ نہیں رہی ہو۔ اس جذباتیت میں تمہیں خیال نہیں ہے، مگر مجھے ہے۔ اور یہ سارے اقدامات تمہیں محفوظ رکھنے کو ہی ہیں۔ ورنہ تم کسی قید میں ہو، صرف ایک پناہ میں ہو۔" اس کے بیٹھنے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے واضح کیا تھا اور گاڑی ر یسر میں ڈال کر گیٹ سے نکالی تھی اور راستے پر ڈال دی تھی۔

میرب سیال کیمپس آنے تک کچھ نہیں بولی تھی۔

***

اذہان حسن بخاری بہن کے سامنے بیٹھا تھا جو خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

اذہان نے کچھ دیر تک یونہی اسے دیکھا تھا اور آہستگی سے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"ایسا کیوں کیا ماہا؟ —— کیا مجھ پر اعتبار نہ تھا؟ —— اپنے بھائی پر یقین نہیں تھا؟ —— بہت برا ں نا میں۔ بھائی ہی کیا، میں شاید اچھا بیٹا بھی نہیں ہوں —— اگر اچھا بیٹا ہوتا تو آج ممی اتنی بری گی بسر نہ کر رہی ہوتیں۔ اور تم ماہا! —— گڑیا! یہ کیا بچگانہ پن ہے؟ —— کوئی شکایت تھی، شکوہ تھا یا ئی بات بری لگی تھی تو مجھ سے کہا ہوتا —— یوں اچانک گھر چھوڑنے کی کیوں ٹھانی؟ —— کیا اعتبار ں تھا اپنے بھائی پر؟ —— تمہیں بھی لگا تھا میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکوں گا؟ —— جس طرح کہ ے کے لئے کچھ نہیں کر سکا؟" اذہان حسن بخاری کا مدھم لہجہ مجرمانہ سا تھا۔

ماہا نے سر اٹھا کر بھائی کی طرف دیکھا تھا اور نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں بھائی! —— مجھے آپ پر بھی اعتبار تھا اور ممی پر بھی۔ مگر میں مزید کوئی ایشو اٹھانا نہیں چاہتی ں۔ ہمارا گھر، اس کا سکون اب پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔ اور میں اس معاملے کو اٹھا کر گھر کی فضا کو مزید ل کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں آپ سے کہتی تو کیا ہوتا؟ آپ پھر پاپا کے مقابل تن جاتے اور پاپا کو پھر ں ایگو ہرٹ ہوتی لگتی اور وہ آپ کے مخالف اور بھی تن کر کھڑے ہو جاتے۔ وہ آپ کو اپنے بیٹے کی نظر ے کم اور کسی حریف کی نظر سے زیادہ دیکھتے اور یہی میں نہیں چاہتی تھی۔" ماہا نے اپنے خدشے کو بھائی کے منے رکھا تھا۔ اذہان نے بہن کو تھام کر ساتھ لگا لیا تھا اور سر پر پیار کیا تھا۔

"کبھی کبھی جس طرح ہم مسئلے کا حل سوچتے ہیں وہ غلط بھی ہو سکتا ہے —— جانتی ہو تمہاری اس انی کی وجہ سے ممی کتنی پریشان ہیں؟ —— چاچو کتنے پریشان ہیں؟ اور میں —— میری تو جان ہی ں گئی تھی۔ کم از کم مجھے ہی بتا دیا ہوتا کہ معاملہ یہ ہے اور مجھے اس سے اختلاف ہے۔ اور اختلاف کی بات ں جب ہوتی جب ہم اس کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ممی، چاچو، ہم تو خود اس کے مخالف تھے۔ تم کیا سمجھتی ، پاپا اگر تمہیں کسی کھائی میں دھکیلنا چاہتے تو ہم انہیں دھکیلنے دیتے؟" اذہان بھرپور طریقے سے اسے بھانا چاہتا تھا۔

مگر ماہا بھیگی آنکھوں کے ساتھ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"میں نے یہ قدم بہت سوچ کر اٹھایا ہے۔ شاید اس طرح پاپا کو اپنی کسی غلطی کا اندازہ ہو جائے۔ ائی! میں اجنبی جگہ پر نہیں ہوں —— اپنی ننھیال میں ہوں —— نانی کے گھر ہوں —— آپ فکر د نہ ہوں، ممی کو بھی سمجھائیے —— میں آپ سب سے بہت زیادہ دور نہیں ہوں —— نہ ہی میں نے ئی بغاوت کی ہے۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ پاپا کسی قدر جان سکیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کتنا غلط کر ہے ہیں۔ ہم سب کی زندگیوں سے کھیلنے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے —— پہلے میرے ساتھ، پھر ماما کے اتھ، پھر آپ کے ساتھ —— اور اب پھر۔ بھائی! یہ ضروری تو نہیں کہ پاپا ہمیشہ وہ ہی ہوتے دیکھیں وہ دیکھنا چاہتے ہیں —— پاپا کو وہ بھی تو دیکھنا چاہئے جو ہو رہا ہے اور وہ سمجھ نہیں پا رہے۔ بعض اوقات ا کتنا غلط کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں خود اندازہ نہیں ہوتا اور جب اس بات کا احساس ہمیں کوئی دوسرا اتا ہے یا کوئی مختلف صورتحال دیکھ کر ہمیں خود جو اندازہ ہوتا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تا ہے۔ ہر دفعہ بچے ہی غلط نہیں ہوتے —— کبھی کبھی والدین بھی غلط ہوتے ہیں۔ اسی بات کا احساس

میں پاپا کو کروانا چاہتی ہوں۔“

”لیکن انہیں پتہ چل جائے گا کہ تم یہاں ہو۔ پھر اس سے کیا فرق پڑے گا؟ ——— اس سے بہتر ہ تم گھر چلو۔ اپنے گھر میں ہم سب کے درمیان تم زیادہ محفوظ ہو۔“

”بھائی! میں جانتی ہوں میں اپنے گھر میں زیادہ محفوظ ہوں۔ آپ سب کے درمیان زیادہ سیکھ ہوں۔ مگر اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ پاپا کو جانتے ہیں ——— وہ ایسے نہیں تھے ——— مگر یہ اچانک بدلاؤ ان کے اندر آیا ہے، اس کو ختم کرنے کے لئے کسی ایسے ہی چونکا دینے والے واقعے کی ضرور ہے۔ آپ بے فکر رہیے، میں محفوظ ہوں یہاں۔ مجھ پر اعتبار نہیں تو نانو سے پوچھ لیجئے ——— کتنے لو ہیں یہاں میرا خیال رکھے کے لئے۔“ ماہا بھائی کو مطمئن رکھنے کو مسکرائی تھی اور اذہان کی پشت پر کھڑی نا کو دیکھا تھا۔ اذہان نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ نانی ملائمت سے مسکرائی تھیں اور اذہان کے شانے پر محب سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تمہیں یا فارحہ کو اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کا خیا رکھنے کو ہم سب ہیں ——— ماہا کسی غیر یا اجنبی جگہ پر نہیں ہے۔ تم یوں بھی تو سمجھ سکتے ہو کہ یہ اپنی چھٹیا گزارنے اپنی ماں کی ماں کے گھر آئی ہے ——— جس طرح کہ اور بہت سے بچے آتے ہیں۔“ نا مسکرائیں۔ اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”ٹھیک ہے نانو! ——— مگر ممی سے بات کر کے آپ انہیں سنبھال لیجئے گا۔ آپ کو پتہ ہے وہ کتنی پریشان ہو جاتی ہیں۔“

”ہاں، جانتی ہوں ——— اس کی ماں ہوں۔ کیا اس کو نہیں سمجھوں گی؟“ نانی مسکرائی تھیں اور اس سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا تھا۔ ”بچے! کبھی کبھی اُلجھی ڈور کو سلجھانے کے لئے بہت سے پاپڑ بیلنا پڑ ہیں۔ ماہا جو کر رہی ہے اگرچہ اس سے پریشانی ہو سکتی ہے فارحہ کو بھی اور سعد کو بھی۔ مگر اُلجھی ہوئی گتھی طریقے سے سلجھ سکتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔“

اذہان نے کچھ سوچتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔

”نہیں نانو! ——— مسئلے کا حل یہ نہیں ہے۔ ماہا شاید بہت خوفزدہ ہے اور ہم پر دوسری بار بھروسہ بھی نہیں چاہ رہی ——— شاید یہ ٹھیک ہے، حق پر ہے ——— اور میں واقعی نہیں چاہوں گا کہ یہ دوسری بھی اپنی زندگی کو ہمارے حوالے کرے۔ ایک تجربہ ہم بھگت چکے ہیں ——— تب نہ میں کچھ کر سکا نہ کوئی اور۔ کم از کم دوسری بار ہم کسی پچھتاوے میں مبتلا ہونا نہیں چاہیں گے ——— میں تو بالکل بھی نہیں اس لئے میں اس بار ماہا کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ جو اسے مناسب لگتا ہے اسے وہی چاہیے۔ لیکن جب اسے کوئی خطرہ ہوگا، تب میں دور نہیں رہوں گا۔ اس کے قریب پہنچنے والا میں پہلا ہوں گا ——— مجھے اپنی گڑیا بہت پیاری ہے۔“ ماہا کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔

”نانو! آپ خیال رکھئے گا اس کا ——— میں آتا جاتا رہوں گا۔“ اذہان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”بیٹھو نا ——— کھانا کھا کر جانا۔“ نانو نے کہا تھا مگر وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

زندگی ہر گھڑی ایک امتحان تھی اور کچھ نہیں تھا ———

ایک گہری سانس خارج کر کے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ تبھی اس کا سیل بجا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ں فون کان سے لگایا تھا۔

”ہاں ساہیہ! ——— ایوری تھنگ اِز او کے ——— سب کچھ ٹھیک ہے یہاں ——— پریشانی کی کوئی ت نہیں ہے۔“

”ماہا مل گئی؟ ——— کہاں ہے وہ؟“

”یہیں ——— اسی شہر میں ——— نانو کے پاس۔ تم ممی کو بتا دو، پریشان نہ ہوں۔ ماہا نے پریشانی کو پنے طور پر حل کرنے کا یہ راستہ نکالا ہے جو اس کے خیال میں مناسب ترین ہے۔“

گاڑی کو سڑک پر ڈالا تھا۔

”اور تم اذہان؟ ——— تم نے اسے اس کی مرضی کرنے دی ——— کیا یہ واقعی ٹھیک ہے؟“ ساہیہ ری طرف بہت فکر مند دکھائی دی تھی۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”سچ کہوں ——— مجھے خود پتہ نہیں۔ مگر اس بار کوئی پچھتاوا اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔ کم از کم میں اپنے ہ دھو لینا چاہتا ہوں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ماہا سے لاتعلق ہو گیا ——— میں اسے ہر ممکن طور پر رٹ کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”اذہان! ——— تم اپنا خیال رکھو ——— کسی طرح کی کوئی ٹینشن مت لو ——— خدا سب ٹھیک کر ے گا۔ یہ معاملہ اتنا پیچیدہ نہیں ہوگا۔ یہ کہنا غلط ہوگا ——— سعد انکل شاید بہت غصہ کریں مگر تمہیں بہت ں اور خوش مزاجی سے اس صورتِ حال کو سدھارنا ہے ——— ماہا کی زندگی کا معاملہ اس بار تمہارے ہ ہے اور میں تمہیں شرمندہ دیکھنا نہیں چاہوں گی۔“ ساہیہ بہت کیئرنگ انداز میں تشویش کے ساتھ بولی ں تو اذہان جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

”ساہیہ! شاید پاپا اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم انہیں جان رہے ہیں ——— میں نے ہمیشہ انہیں رول ل کے طور پر لیا ہے۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ایک بیٹے کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے ، وہ باپ کے نقشِ قدم پر چلے۔ اور میں نے یہ سارے مراحل طے کئے ——— مجھے پاپا سے بڑھ کر اور کو مجھ سے بڑھ کر کوئی عزیز نہ تھا۔ مگر اچانک رشتوں میں ایک دراڑ آ گئی اور سب کچھ پہلے جیسا نہیں ۔ مگر میں آج بھی پاپا کی اتنی ہی ریسپیکٹ کرتا ہوں ——— انہیں آج بھی اسی درجہ بلندی پر دیکھتا ہوں۔ ا اب بھی اپنے باپ سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں اور اب بھی انہی جیسا بننا چاہتا ہوں۔ مگر یقیناً سب ل میں نہیں ——— یہ لڑائی نظریاتی نہیں، یہ اختلاف رشتوں میں اٹھا ہے اور جہاں پاپا نے ہاتھ کھینچ لیا ا میں سب کچھ چھوڑ کر اجنبی نہیں بن سکتا۔ میں گھر پہنچ رہا ہوں، تم فکر مت کرو۔“ اذہان ملائمت سے رایا تھا۔

”ٹیک کیئر اذہان!“ ساہیہ نے دوسری طرف سے کہا تھا اور اذہان نے مسکراتے ہوئے سلسلہ منقطع کر تھا۔

کچھ بھی تھا، وہ پاپا کو اس حد تک غلط قرار نہیں دے سکتا تھا۔ ان کی غلطی ضرور تھی مگر پتہ نہیں کیا غلط اور کیا صحیح ——— کبھی کبھی وہ بالکل سمجھ نہیں پاتا تھا۔ سوچتا بھی تھا تو ذہن الجھنے لگتا تھا۔ شاید وہ سید حس بخاری سے اس درجہ نفرت کر نہیں سکتا تھا، کر نہیں پاتا تھا۔

چاہنے کے باوجود ———!

یا پھر رشتوں میں آئی دراڑ صرف دکھاوے کو تھی اور یہ لڑائی صرف نظریاتی اور وقتی تھی۔

اذہان حسن بخاری خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا مگر ایک سکوت اپنے اردگرد اسے محسوس ہو رہا تھا جانے کیا ہونے والا تھا۔

* * *

باہر شدید بارش ہو رہی تھی۔ مگر عفنان علی خان کو اپنے اندر سکوت اور بہت بوجھل پن لگ رہا تھا۔ حد حبس اور گھٹن۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دیر تک آفس میں مصروف رہنے کے بعد کچھ فائلیں گھر پر بھی اٹھا تھا اور اب جھکا انہی کو دیکھ رہا تھا۔

انابیہ باتھ لے کر فریش سی واش روم سے نکلی تھی۔ بالوں سے ٹاول ہٹا کر بالوں کو جھٹک کر پشت ڈالا تھا۔ ننھے منے پانی کے قطرے عفنان علی خان کے چہرے اور فائل پر آن پڑے تھے۔ عفنان نے اٹھا کر دیکھا تھا ——— نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی۔ ایک نئی نویلی دُلہن کے بالوں کی شبنم فضا میں بکھری ہوئی تھ اُس کا دُھلا دُھلا چہرہ بہت تر و تازہ لگ رہا تھا۔ عفنان علی خان کے وجود میں ایک لمحے میں کئی خواہش نے سر اٹھایا تھا۔ فائلز ایک طرف رکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور چلتا ہوا انابیہ شاہ کے پاس جا رکا تھا۔

انابیہ اُسے کسی قدر تذبذب سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھی تھی غالباً اس کی اس بے اختیاری حرکت. عفنان کو ڈسٹرب کیا ہے یا پھر اس کے کام میں خلل واقع ہوا ہے یا پھر وہ واقعی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ لئے ساکت سی، تکتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ عفنان نے دوقدم کے اس فاصلے کو بہت آہستگی اور بھی سمیٹ دیا تھا۔ انابیہ شاہ کے لئے اس کا انداز، اس کے تیور کسی قدر تشویش کا باعث تھے۔

"آئی ایم ——— سوری ——— مجھے اندازہ نہیں تھا ——— پانی کے قطرے آپ پر اور ——— پر ———" کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے اسے بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آ سے چھوا تھا۔

انابیہ ایسا کچھ تصور نہیں کر رہی تھی۔ شاید اسی لئے اس لمحے کسی قدر کنفیوژڈ دکھائی دی تھی۔ پلکو لرزش بہت واضح تھی۔ اُلجھن میں اس نے پردہ کھینچ دیا تھا۔ باہر بھیگتا ہوا منظر دلفریب لگ رہا تھا۔ اس نے جانے کیوں کھڑکی کے شیشے بھی کھول دیئے تھے ——— تیز ہوا اور تیز بوچھاڑ آنے لگی تھی۔

"باہر بارش ہو رہی ہے۔" جانے کون سا تاثر زائل کرنے کو وہ بولی تھی۔ عفنان علی خان جیسے لمحے میں بیدار ہو گیا تھا۔ ایک لمحے میں رخ موڑا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دونوں بالوں کی طرف لے گیا تھا۔

"کیسے کہوں تم سے کہ یہ خواب دکھانا بند کر دو مجھے ——— اب نہ ان کی ضرورت ہے نہ ہی خواہش۔"

م لہجہ خودکلامی کا سا تھا۔ انداز ایک اُلجھن بھرا تھا۔

انابیہ نے اس کی چوڑی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ غالباً وہ کچھ سُن نہیں پائی تھی، عفنان کیا بولا تھا۔ وہ اسی رح کھڑی تھی جب اچانک بجلی چمکی تھی اور لائٹ بھی چلی گئی تھی۔ انابیہ نے ایک لمحے میں بالکل غیر ادی طور پر اپنے سے دوقدم کے فاصلے پر کھڑے شخص کی جانب پیش قدمی کی تھی اور اس مضبوط وجود سے ٹ گئی تھی۔ بڑی ہی فطری حرکت تھی یہ۔ ایک طرف تو وہ عفنان علی خان سے بدظن تھی۔ اس کے خلاف ذ آرائیاں کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ اس کے وجود میں پناہ تلاش کر رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے میں یاں کر دیا تھا کہ وہ کتنی بہادر تھی اور کتنی مضبوط۔

عفنان علی خان پلٹا نہیں تھا۔ جس طرح کھڑا تھا اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ غالباً وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا اور اسے سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا، انابیہ زیادہ دیر تک اس کیفیت میں نہیں رہے گی اور د دوبارہ اپنے پہلے والے خول میں لوٹنا چاہے گی۔ جس میں وہ خود کو مضبوط بھی خیال کرتی ہے اور محفوظ ی۔ اور یہ بھی کہ یہ حرکت جتنی اچانک اور فطری طور پر سرزد ہوئی ہے انابیہ کے لئے وہ اسی قدر شرمندگی کا عث ہوگی اور شاید وہ انابیہ کو اس لمحے شرمندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ تبھی اسی طرح رخ پھیرے کھڑا رہا تھا ر انابیہ اس کی پشت سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

عفنان نے جیب سے لائٹر نکال کر جلایا تھا اور اسی طرح کھڑے کھڑے، ہاتھ قدرے بلند کر دیا تھا کہ شنی انابیہ تک پہنچ جائے اور اس کا خوف اس درجہ برقرار نہ رہے۔

انابیہ نے روشنی کی ایک لیر اندھیرے میں پھوٹتے دیکھ کر بہت آہستگی سے سر اٹھایا تھا اور تب نگاہ پنے سامنے کھڑے مضبوط شخص پر پڑی تھی جس کی چوڑی مضبوط پشت سے وہ اب تک سر ٹکائے کھڑی ی۔ یقیناً غلطی سرزد ہوئی تھی اور اس گھڑی وہ شرمندہ بھی دکھائی دی تھی۔ بہت آہستگی سے اس مضبوط انے پر اب تک رکھا ہوا اپنا نازک سا ہاتھ اٹھایا تھا اور دو قدم پیچھے سرک گئی تھی۔ مدھم لو میں چہرہ اور اس کے تاثرات چھپانا کسی قدر آسان تھا اور اس ضمن میں تو اور بھی جب کوئی آپ کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

انابیہ کو اس شخص کا اپنی طرف نہ دیکھنا اس لمحے غنیمت لگا تھا۔ یعنی بھرم رہ گیا تھا، اس کی انا کا، وقار کا ر خودداری کا۔

شاید وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کوئی دانستہ اسے ان لمحوں سے بچا رہا تھا۔

انابیہ اس مدھم سی لو میں اس شخص کی پشت کو تکتی ساکت سی کھڑی تھی جب عفنان نے آگے بڑھ کر بڑ ں کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے کینڈل برآمد کر کے جلا کر ایسے مقام پر رکھ دیا تھا کہ کمرے میں وشنی کی ترسیل برابر ہو سکے۔ لائٹر بجا کر جیب میں ڈالتے ہوئے وہ پلٹا تھا۔ غالباً باہر نکل جانا چاہ رہا تھا مگر بھی غیر ارادی طور پر انابیہ نے اسے پکار لیا تھا۔

"عفنان ———!"

عفنان علی خان رک گیا تھا۔ مگر مُڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

انابیہ پکارنے کے فوری بعد کچھ کہنے کی ہمت اپنے اندر محسوس نہیں کر رہی تھی۔ عفنان علی خان متم مڑا تھا جب بہت سی ہمت مجتمع کرتے ہوئے اظہارِ مدعا آخر کار کر دیا تھا۔

''عفنان!—— پلیز، مت جاؤ۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔'' انداز کسی درجہ خوفزدہ اور آواز بیٹھی ہوئی سی تھی۔ نان علی خان پلٹا تھا اور بنا اس کی سمت دیکھے چلتا ہوا واپس کاؤچ پر آن بیٹھا تھا۔ پھر جیب سے سیل فو آمد کیا تھا اور کوئی نمبر ملا کر ہدایت کرنے لگا تھا۔

''جنریٹر آن کروا دو۔'' صرف ایک جملہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ انابیہ اسی طرح وہیں کھڑ کے پاس کھڑی تھی۔

''یہاں آ کر بیٹھ جاؤ—— تھوڑی دیر میں جنریٹر آن ہو جائے گا۔'' اُسے کہہ کر دوبارہ فائل اٹھا ی اور مدھم کینڈل لائٹ میں فائل کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

انابیہ نے ہدایت پر عمل نہیں کیا تھا۔ چپ چاپ وہیں کھڑکی کے ساتھ لگی اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ عنان علی خان نے دوبارہ اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اس مدھم روشنی میں فائل پر جھکا ہوا ھا۔ انابیہ اُس کی سمت تکتی رہی پھر لب بھینچ کر نگاہ پھیری تھی اور کھڑکی سے باہر برستی بارش کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

* * *

کلاسز کے بعد وہ خواہ مخواہ لائبریری میں گھسی کتاب پر سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ گھر کا کوئی تصور ا کے پاس نہ تھا اور واپسی کے راستے بے حد دشوار تھے۔

گھر—— اپنا گھر—— ایک خیال اس کے اندر لپکا تھا۔ اور وہ فوراً بیگ لے کر اٹھی تھی اور تیز سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کتنے دن ہو گئے تھے وہ در و دیوار دیکھے۔

وہ گھر، وہ کمرہ، وہ دالان دیکھے۔

کیب اس کے اپنے گھر کے باہر رکی تھی اور وہ کتنی ہی دیر ساکت سی کھڑی گیٹ کو اور باہر کے د دیوار کو تکتی رہی تھی۔ پھر بیگ سے چابی ڈھونڈ کر برآمد کی تھی جو ہر وقت اس کے پاس رہتی تھی۔ گیٹ کھو کر اندر داخل ہوئی تھی تو ہر شے کو اسی طرح پایا تھا۔ گھر کی دیکھ بھال گارڈز اور نوکروں کے ذمے تھی اور یقیناً متواتر اس گھر کی دیکھ بھال بھی کر رہے تھے۔ لان میں سارے پودے ترو تازہ تھے—— گھا ہموار اور برابر تھی۔ پودوں کو صبح ہی پانی دیا گیا تھا۔ گلاس ڈور تک جاتی راہداری صاف و شفاف تھی۔ وہ قد قدم چلتی اندر بڑھ آئی تھی۔

ایک شہر—— ایک مقام اور اتنے دنوں کی دوری۔ وہ اپنے محور کے بغیر کتنے دن تک سرگرداں ر تھی—— اتنی دوری نہ تھی اور پھر بھی وہ دور رہی تھی۔

یہ قصداً کئے گئے فیصلے بعض اوقات کتنا دکھ دیتے ہیں۔ اس نے خود اپنے ساتھ کس درجہ ناانصافی تھی۔ ایک ایک شے کو چھوتے ہوئے کتنی یادیں اس کے اندر جاگ رہی تھیں اور آنکھیں کتنی دھندلا ر تھیں۔

یہ وہ گھر تھا جہاں اس نے آنکھ کھولی تھی، جہاں پاؤں پاؤں چلی تھی، جہاں ہنسی تھی—— کھیلی تھی—— روئی تھی۔ اور آج جب بہت شکستہ تھی تو اپنا غم ان در و دیوار سے بانٹنے چلی آئی تھی۔ اپنے گھر کی ہر ہر شے کتنا اپنا پن دے رہی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہارے لئے میں نے کیا کچھ تیاگ دیا—— کتنا کچھ گنوا دیا، چھوڑ دیا۔ تم نے اپنے نام کی مہر لگا کر میرے لئے میرے سارے حوالے پرائے اور غیر معتبر کر دیئے۔ سارے احساس مٹا دیئے اور پھر بالآخر مجھے بھی مٹا دیا۔

کیسے شخص ہو تم؟

اپنی ہی چیزوں کو توڑتے ہوئے تمہیں دکھ نہیں ہوتا—— کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا—— کوئی تکلیف نہیں ہوتی تمہیں——

کتنے بے درد شخص ہو تم—— اور اس سے زیادہ بے حس میں ہوں جو تمہارے ساتھ ہوں۔'' اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے ایک ایک شے کو چھو کر دیکھتے ہوئے وہ جیسے ضبط ہار رہی تھی۔

''کیوں—— کیوں ہوں میں تمہارے ساتھ، جب میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں ہوں۔ کیوں چنا میں نے تمہیں اپنے لئے اگر تم غلط ترین انتخاب تھے—— کیوں سر پھوڑ رہی ہوں متواتر اگر تم پتھر ہو اور تمہیں میری بات سمجھنا ہی نہیں—— کیوں؟—— کس لئے؟ کس لئے شب و روز کا یہ سفر ہے؟ جب رائیگانی ہے تو میں کیوں رک نہیں جاتی؟ کیوں ہوں تمہارے ساتھ اگر تم میرے ہو ہی نہیں اور کبھی ہو بھی نہیں سکتے۔ تو پھر یہ میرے یک طرفہ سمجھوتے بھی کیوں؟—— کیوں رہوں میں تمہارے ساتھ جب تمہیں قدم قدم میرے ساتھ چلنا ہی نہیں؟—— کس لئے یہ رشتہ بھی، جب ہمیں ایک ساتھ بسر ہونا ہی نہیں—— کیوں—— کس لئے——؟''

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی اسی طرح بیٹھے۔ روتے روتے—— سسکیاں مدھم پڑی تھیں تو اس نے تھک کر سر اٹھایا تھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی وہاں اس کے سامنے موجودگی یقیناً اس قدر حیرت کا باعث تھی۔ یقیناً یہ اس کا وہم تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری—— اُس کا خوف، اس پر اس درجہ سوار تھا کہ اسے ہر جا وہی دکھائی دے رہا تھا۔ حالانکہ وہ یہاں کہاں آ سکتا تھا؟—— اُسے تو خبر بھی نہیں تھی۔ جو وقت واپسی کے لئے اُسے دیا تھا، ابھی اس میں خاصی دیر تھی اور اسے تو کیمپس سے ہی پک کرنا تھا——!

ہاں، یقیناً یہ ہیولہ تھا۔ کوئی تصور تھا اُس کا۔ وہ با آواز بلند شکوے کر رہی تھی اس سے—— اور اب اُسے لگا تھا وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

میرب نے ہاتھ بڑھا کر اس ہیولے کو چھوا تھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی جب اس ہیولے میں حرکت ہوئی تھی اور اس کے نازک ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔ میرب سیال کی حیرت کی قعی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ کس درجہ پاگل ہو رہی تھی وہ—— کس درجہ ذہنی توازن بگڑ رہا تھا اُس کا۔ وہ

جو دیکھ رہی تھی اس پر یقین نہیں کر رہی تھی۔ اور جس پر یقین کر رہی تھی، اسے دیکھ نہیں رہی تھی۔ سردا سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی شخصیت کو کتنے انتشار سے دوچار کر دیا تھا۔ اور اب اس کے عین سامنے مگر یہ کس طرح ہوا تھا؟ —— باہر کا گیٹ تو وہ خود بند کر کے اندر آئی تھی۔ یا پھر یہاں بھی اس سے کوئی غلطی ہوئی تھی —— کس درجہ ذہنی توازن بگڑ رہا تھا اُس کا۔ مسلسل ٹینشن —— مسلسل جاگنا، رو دھونا اور سوچنا اور کوئی حل نہ پانا —— یہ ذہنی انتشار اسے کہاں لے جا رہا تھا۔ وہ آپ حیران تھی۔ سردا سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے بیٹھا اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری ک مضبوط گرفت میں تھے اور وہ ساکت بیٹھی تھی۔

”کیوں جینے نہیں دے رہے ہو مجھے؟ —— کس لئے؟ —— جب میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے پھر یہ سب کیوں؟ —— تم کیوں کر رہے ہو یہ سب؟ کوئی اچھی بات تو نہیں سارے ثواب اپنے حصے میں لکھ لینا اور عذاب کسی اور کے خانے میں ڈال دینا —— تم میرے نام وہ سزائیں کیوں لکھ رہے جن کے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہی نہیں؟ —— کیا خود غرضی نہیں یہ؟ ہزار بار سوچا، شکوہ نہ کروں سے —— کوئی شکایت نہ کروں۔ چپ چاپ سمجھوتے کی چادر اوڑھ لوں۔ تمہارے ساتھ قدم قد چلوں۔ تمہیں سوچوں، تمہیں چاہوں اور بس تمہیں دیکھوں۔ اور میں نے ایسا کیا بھی۔ ایسا ہی کیا م نے۔ نہیں چاہا تھا اگرچہ کبھی بھی، نہیں چاہا تھا تمہیں۔ مگر خود کو مار دیا —— تمہارے لئے فنا کر دیا —— ڈھال دیا تمہارے سانچے میں خود کو۔ رنگ دیا تمہارے رنگ میں۔ تمہیں جو شے اچھی لگتی صرف ا دیکھتی، اسے سوچتی، پہروں تنہا بیٹھ کر —— تمہاری اِک اِک شے کے متعلق غور کرتی۔ آٹھ مہینے چھبی دن سات گھنٹے تمہارے ساتھ رہی —— تمہارے نام کے ساتھ رہی۔ ایک ایک لمحہ لکھ دیا تمہارے نام ایک ایک پل۔ اور تم —— تم نے کیا صلہ دیا مجھے؟ —— جانتی تھی، ہرجائی ہو تم۔ وفا نہیں ہے تم میں کبھی میرے ہو کر رہ بھی نہ سکو گے۔ ہر رات تمہاری سنگت ایک نئے چہرے، نئے نام کے ساتھ بسر ہو ہے۔ مگر اس طرح تو نہیں۔“ سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم ایسا بھی کرو گے —— پتہ نہیں کیا میں تم پر اعتبار کرنے لگی تھی۔ حد درجہ اعتبار —— مجھے لگنے لگا تھا میں تمہیں بدل سکتی ہوں اور میں تمہ آج کے دن بدل دوں گی۔ تمہیں نہ نئے چہروں سے آشنائی کا شوق رہے گا نہ نئے ناموں سے کچھ رغب رہے گی —— تمہاری زندگی میں ایک دن ایسا سورج ضرور طلوع ہو گا جب تمہاری تلاش صرف مجھ شروع ہو گی اور صرف مجھ تک ختم ہو گی۔ میں کسی ایسے دن کی منتظر تھی، پُراُمید تھی میں۔ مگر تم —— تم میرے سارے ارادوں کو ایک پل میں ڈھیر کر دیا —— ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تم نے وا جس کے متعلق میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ جیسے تم ہو، جیسے کھیل تم کھیلتے ہو اور جس طرح کے افا سرانجام دیتے ہو اسے دیکھ کر تو مجھے تم سے ہر بات کی اُمید رکھنا چاہیے تھی۔ مگر جانے کیوں، میں نے کبھی نہیں سوچا۔ مجھے لگا تمہارے لئے زندگی کی حقیقی تلاش صرف میں ہوں —— صرف میں۔ تم نے بھی سلوک مجھ سے روا رکھا، جو بھی تم کرتے رہے، میں نے کبھی کسی بات کے لئے تمہیں موردِ الزام نہ

ٹھہرایا۔ کیونکہ میں جانتی تھی اگر یہ رشتہ میرے لئے سمجھوتہ ہے تو تمہارے لئے بھی یقیناً کسی خوشی کا باعث ہیں ہے۔ یہی جان کر میں نے تمہاری ہر غلطی معاف کی۔ ہر غلط سلوک درگزر کیا۔ ہر قصور کو بھلا دیا۔ مگر تم —— تمہیں ذرہ برابر شرمندگی نہیں کہ تم نے کیا، کیا۔ ایک دوسری عورت کو اٹھا کر گھر میں لے آئے ب کہ تمہاری منکوحہ میں تھی۔ جب مجھے تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنا تھی اور تمہیں میرے خواب دیکھنے تھے تو پھر یہ سب کیونکر ہوا؟ —— تم نے اتنی بڑی غلطی کیسے کر دی؟ —— کیسے؟“ مدھم تھکے ماندے لہجے میں پوچھتے ہوئے کتنے آنسو آنکھوں سے رواں تھے۔ کس درجہ شکستہ لگ رہی تھی وہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور پھر اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

میرب سیال اب بھی نہیں چونکی تھی۔ شاید اب بھی یہ کوئی خیال تھا اس کے لئے۔

”اگر یہ پناہ میری تھی —— تو تم نے اس میں کسی اور کو کیوں حصے دار بنایا؟ —— تم تو عادی تھے نا ئی فضاؤں کے —— نئی ہواؤں کے —— نئی جہت —— نئے خوابوں سے عشق تھا تمہیں۔ تمہاری زجیحات جب یہی تھیں تو پھر مجھے خواب دیکھنا کیوں سکھائے تم نے؟ مجھے اپنے ساتھ کیوں کیا؟ جب مارے راستے جدا تھے —— ہمیں ایک ساتھ چلنا ہی نہیں تھا تو پھر مجھے قدم قدم اپنے ساتھ چلنے کا عادی کیوں بنایا؟ —— کیوں سکھایا اپنے زاویے سے زندگی کو دیکھنا، پرکھنا اور برتنا؟ —— مجھے ہاتھ پکڑ کر پنے ساتھ ہم قدم کیوں کیا؟“ میرب کتنے مدھم لہجے میں شکوے کر رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے س کے سر پر اپنا چہرہ جھکا دیا تھا۔ مگر یہ کیا، وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

”میرب! —— میرب!“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑا تھا مگر اس کے وجود میں کوئی رکت نہیں ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک وجود کو ایک لمحے میں اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا تھا ور تیزی سے لے کر گاڑی کی سمت بڑھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر اسے ڈال کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور گاڑی ہواؤں سے باتیں کرنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ بے تاثر تھا۔

* * *

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں خبر نہ ہو؟ —— فارحہ! تم یقیناً جانتی ہو کہ ماہا کہاں ہے مگر تم اسے صرف ھ سے چھپانا چاہتی ہو۔ مگر تم نہیں جانتی ہو کہ تم ایسا کر کے کتنا غلط کر رہی ہو۔“ سعد حسن بخاری کس قدر رشت لہجے میں کہہ رہے تھے جب اذہان نے قدم اندر رکھا تھا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پاپا! —— ممی ہی نہیں، میں اور چاچو، ہم سب جانتے ہیں کہ ماہا کہاں ہے ور کیوں ہے۔ بہتر ہو گا آپ بھی جان لیجئے کہ اگر ماہا نے ایسا کیا تو کیوں کیا۔ صرف اور صرف آپ کے وف سے۔“

”مجھے یقین تھا۔“ سعد حسن بخاری نے سر ہلایا تھا۔ ”مجھے یقین تھا تم سب اس حقیقت سے واقف ہو گے۔ اور ماہا کو تم لوگوں نے جان بوجھ کر کہیں چھپا دیا ہے۔“

”چھپایا نہیں ہے پاپا! وہ نانو کے گھر ہے اور اپنی مرضی سے ہے۔ اسے وہاں سے ہم تو کیا شاید آپ بھی نہیں لا سکتے۔ عاقل و بالغ ہے وہ اور ایک بالغ بچہ اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ اسے قانون روک سکتا ہے نہ ہی ہم جیسے سوکالڈ رشتے۔ بجائے یہ جانچنے کے کہ ماہا کدھر ہے آپ یہ سوچے کہ وہ ادھر کیونکر ہے؟ ____ ایک باپ کے خوف سے جو دوسری بار اس کی زندگی کو اپنے ایک غلط فیصلے کی نذر کرنا چاہتا ہے۔ پاپا! آپ کب یہ سمجھیں گے کہ ماہا آپ کی وہی ننھی پری ہے جس کی ایک ذرا سی تکلیف پر آپ خود بھی رو دیا کرتے تھے۔ اور آج ____ آج آپ کس درجہ سنگدل ہو چکے ہیں۔ کیا آپ وہی ایک لبرل باپ ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کو ایک نئی سوچ کے ساتھ جینا سکھایا، سوچنا سکھایا اور جب وہ سوچنا اور جینا سیکھ گئے تو آپ ان کے پَر کاٹ دینا چاہتے ہیں اور ان کے ذہن مفلوج۔ پاپا! یہ کیا ہے؟ ____ کیا آپ نے ایمان داری سے خود ایک بھی بار سوچا ہے کہ آپ ماہا کے لئے یہ فیصلہ کیونکر لے رہے ہیں؟ ____ صرف اس لئے کہ کوئی اور ایسا چاہتا ہے ____ پاپا! آپ اپنے بچوں کی زندگیاں کسی اور کے فیصلے کی نذر کر دینا چاہتے ہیں؟“ اذہان بہت حد تک جذباتی نظر آیا تھا۔

فیض چاچو نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے جیسے روک دیا تھا۔ سعد حسن بخاری فارحہ کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

”تم سے صرف ایک مدعا بیان کیا تھا فارحہ! تم نے تو رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ میرے بچوں کو میرے خلاف کرنے میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ میں نے ماہا کا رشتہ طے نہیں کر دیا تھا، صرف ایک پروپوزل سامنے رکھا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ ہم ماہا کی شادی ہیں کرتے۔ مگر تمہاری عادت ہوگئی ہے واویلا کرنے کی۔“ سعد حسن بخاری کہہ کر رکے نہیں تھے ____ وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا اور پھر قریب جا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

”ڈونٹ وری ممی! ____ آپ فکر نہ کریں۔ ماہا کے ساتھ اب میں کچھ غلط ہونے نہیں دوں گا۔“

”بیٹا! تم نے ماہا کو سیف کرنے کے لئے جو بھی کیا ٹھیک کیا۔ مگر بھائی کو سمجھانا ذرا مشکل ہے۔ وہ نظریاتی اختلاف کو دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت انہیں صرف یہ لگ رہا ہے کہ وہ ٹھیک ہیں باقی سب غلط۔ جب وہ ذرا ٹھنڈے ہوں گے تو میں خود بات کروں گا ____ ماہا ہم سب کو عزیز ہے۔ مگر بہتر ہوگا ہم ماہا کو واپس اس گھر میں لے آئیں۔“ فیض چاچو نے صلاح دی تھی۔

”چاچو! آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ جبکہ آپ پاپا کو اچھی طرح جانتے ہیں ____ جانے کیسے ہو گئے ہیں وہ۔ کتنا بدل کر رکھ دیا ہے اس عورت نے انہیں۔ انہیں اپنے بچے، اپنا گھر کچھ دکھائی نہیں دے رہا ____ سب غلط لگ رہا ہے۔ اور رہی ماہا کی بات، تو ماہا اپنی مرضی سے وہاں گئی ہے اور اسے وہاں سے نہ تو میں واپس لا سکتا ہوں نہ ہی آپ۔ کیونکہ وہ خود یہاں آنا نہیں چاہتی۔ اور چاچو! وہ حق پر بھی ہے۔ جس گھر میں رہنے والوں کو تحفظ نہ ملے اور انہیں باہر بھاگنا پڑے وہ گھر نہیں ہوتا۔ پاپا نے اپنے منفی رویے سے اس گھر کو گھر نہیں، ایک اکھاڑا بنا دیا ہے ____ جہاں ہر روز ایک نئے اختلاف کو لے کر اپنے اپنے اصولوں۔ موقف پر سختی سے ڈٹا رہا جاتا ہے اور بے قصوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ پاپا کو عادت ہوگئی ہے دوسروں سے قربانی لینے کی۔ مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔“ اذہان حسن بخاری کا لہجہ اور انداز دونوں ہی اٹل تھے۔

❋❋❋

مسلسل پریشانی اور سوچوں نے اُسے اس نہج پر لا کھڑا کیا تھا جہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

اُس کا بی پی خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا جسے نارمل کرنے کے لئے ڈاکٹرز مسلسل کوشش کر رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچ رہا تھا۔

ایک بار پہلے بھی اس کی یہی حالت ہوئی تھی۔ جب وہ نیو یارک میں تھی اور اس کے پاپا کی سرجری ہوئی تھی۔ تب بھی سبکتگین حیدر لغاری نے ہی اسے سنبھالا تھا اور اب بھی۔

”آپ ان کے ہزبینڈ ہیں؟“ تب سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”کتنا عرصہ ہوگیا آپ کی شادی کو؟“

’آٹھ مہینے ____ چھبیس دن ____ اور ساٹھ گھنٹے۔‘ اندر کوئی مدھم آواز اُبھری تھی۔

”زیادہ عرصہ نہیں ہوا ____ مگر تشویش کی بات کیا ہے؟ ____ ہاؤ اِز شی ناؤ؟ ____ اب کیسی ہے وہ؟ کیا سب کنٹرول میں آ رہا ہے؟ ____ بی پی کیسا ہے؟ ____ نارمل ہے یا ____؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کئی سوال ایک ساتھ کر دیئے تھے۔

ڈاکٹر مسکرا دیا تھا۔

”جب اتنا لوِنگ اینڈ کیئرنگ ہزبینڈ ہو تو پھر پرابلم کیا ہو سکتی ہے کہ بی پی اس حد تک پہنچ جائے؟“ ڈاکٹر کو تشویش ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی کے ساتھ میرب سیال کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ ڈاکٹر اس کا بی پی دوبارہ لینے لگا تھا۔

”آپ انہیں بروقت لے آئے۔ ورنہ بات اختیار سے باہر بھی ہو سکتی تھی۔ برین ہیمبرج ____ پیرالائزڈ ____ یا پھر ہارٹ فیل ____ ایکچوئیلی اتنی سی عمر میں اتنا زیادہ بی پی ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ اتنی کم عمری میں عموماً اتنا ہائپر ٹینشن ہوتا نہیں۔ مگر جب ہوتا ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے۔ مگر اتنے ہائی پریشر سے دل، گردے، دماغ کچھ بھی متاثر ہو سکتا ہے۔ مجھے تو وجہ صرف وقتی ٹینشن اور اسٹریس ہی لگ رہی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے وجہ کوئی اور بھی ہو۔ میں کچھ ٹیسٹ لکھ دیتا ہوں۔ آپ وہ کروا لیجئے۔ عموماً کڈنیز کے باعث بھی یہ پرابلم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے کڈنیز میں کوئی خرابی ہو۔“

”نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے ____ یہ صرف وقتی اسٹریس ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے فوری طور پر جواب دیا تھا۔

”سمجھ دار ہیں آپ۔ مگر آپ کو اپنی وائف کی ایکسٹرا کیئر کی ضرورت ہے ____ بے حد خیال رکھنے کی۔ اگر انہیں کوئی پریشانی ہے بھی تو اسے فوری طور پر بانٹئے اور انہیں تنہا مت چھوڑیئے۔ تنہائی میں اِدھر اُدھر کے خیال اور سوچیں زیادہ پریشان کرتی ہیں۔“ ڈاکٹر نے مخلصانہ رائے دی تھی۔ ”آپ دونوں کا پیئر بہت اچھا ہے۔ دعا ہے جوڑی سلامت رہے ____ مجھے امید ہے کہ آپ کی وائف دوبارہ اگر ہاسپٹل

میں آئیں گی تو اس کا کاز یہ ہائپر ٹینشن نہیں ہوگی۔" ڈاکٹر مسکرایا تھا۔ "ویسے اب ان کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ بی پی اِز انڈر کنٹرولڈ ——— میں کچھ ٹانکس اور دوائیں لکھ دیتا ہوں۔ انہیں ضرور دیں۔ انشاءاللہ شی ول بی فائن۔" ڈاکٹر نے پرچہ لکھ کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔

میرب سیال نے بہت آہستگی سے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری فوری طور پر اس کی سمت بڑھا تھا۔

"میرب! اب کیسا محسوس کر رہی ہو تم؟ ——— آر یو آل رائٹ؟" کسی قدر تشویش سے دریافت کر تھا۔ مگر میرب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا ——— خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر اسی آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

❄❄❄

اس شام وہ لوگ ماہ وش بخاری کے گھر تھے۔ اوزی چائے کے ساتھ مسلسل چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

"کب تک بوریا بستر ڈال کر بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟ ——— اپنی راہ لو۔ ورنہ شادی کر کے گھر بر لو۔" انابیہ نے اسے چھیڑا تھا اور اوزی ہنس دیا تھا۔

"ہاں ——— میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ——— بلکہ سوچ چکا ہوں۔ بس تم سے بات کرنا باقی تھا۔ لڑکی کی رضامندی لے لینا۔ دراصل وہ مجھے بتانے سے گریزاں ہے شاید۔ مشرقی لڑکی ہے نا۔ شرما بہت ہے۔" اوزی مسکرایا تھا۔ عفنان علی خان چپ چاپ بیٹھا تھا۔

"کون ہے وہ؟ ——— کیا میں اُسے جانتی ہوں؟" انابیہ نے دریافت کیا تھا۔

"ہاں ——— بہت اچھی طرح۔" اوزی مسکرایا تھا۔

"ایکسکیوزمی! ———" عفنان علی خان اٹھا تھا اور چلتا ہوا دادا ابا کے پاس جا بیٹھا تھا۔ انابیہ نے او بطور خاص اوزی نے اسے دیکھا تھا۔

"انابیہ! ایک بات بتاؤ گی؟"

"ہوں۔"

"سچ سچ ——— ایک اچھا دوست سمجھ کر ———"

"ہوں۔"

"تم عفنان کو جان بوجھ کر اگنور کر رہی ہو نا؟" اوزی نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ دھرا تھا۔ انا چپ ہو کر ایک لمحے میں اجنبی ہو گئی تھی۔ جیسے وہ اس سوال کا کوئی جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔

"انابیہ! تم اب بھی عفنان کو قصوروار سمجھتی ہو۔ جبکہ اس نے تمہارے لئے اتنا کچھ کیا جتنا شاید ہم سب بھی نہیں کر سکے۔" اوزی نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر انابیہ جواباً ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔

"انابیہ! تمہیں لگتا ہے، عفنان جیسا شخص کچھ غلط کر سکتا ہے؟ ——— وہ جو صرف ایک حساس دل رکھ ہے اور صرف محبت کرنا جانتا ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ وہ کچھ ایسا بھی کر سکتا ہے جس کو نہ عقل تسلیم کرتی ہو اور نہ

ل؟" اوزان سید نے سنجیدگی سے بہن کی طرف دیکھا تھا اور انابیہ بے تاثر دکھائی دے رہی تھی۔

"انابیہ! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ عفنان کو اس بات کی سزا مت دو جو اس نے کیا ہی نہیں۔ تم لامعہ کو لے کر کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہو ——— یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمہیں کیا پتہ کہ میں لامعہ کو لے کر جذباتی ہو رہی ہوں۔ میں نے تو تم سے ایسا کچھ نہیں کہا۔" انابیہ نے اس کی سمت حیرت سے دیکھا تھا۔ اوزی نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بغور توجہ سے دیکھا تھا۔

"انابیہ! تم مجھ سے کچھ بھی نہیں کہو گی تب بھی میں وہ بات جان جاؤں گا جو تمہارے دل میں ہے۔ تمہیں مجھے کچھ کہنے کے لئے لفظوں کے سہارے لینے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بات میں اب سے نہیں جانتا ہوں، جب تمہاری شادی ہو رہی تھی تب بھی جانتا تھا تم عفنان کی طرف سے بدظن ہو۔ مگر میں سمجھا تھا وقت کے ساتھ تم اس حقیقت کو انڈر اسٹینڈ کر لوگی۔ مگر تم ——— انابیہ! اپنی زندگی کو کسی بے وقوفی کی نذر مت کرو۔ تم مانتی ہو نا یہ سب قسمت کے کھیل ہوتے ہیں۔ تم تو اتنی سمجھ دار تھیں۔ مجھے سمجھایا کرتی تھیں۔ پھر اب کیا ہوا؟ ——— یاد ہے جب لامعہ حق نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا تو تم نے مجھے سو سو دلاسے دیئے تھے اور آج ——— آج تم خود اس حقیقت سے منحرف ہو رہی ہو کہ تقدیر نامی کوئی شے اس دنیا میں کسی انسان کے پاس ہوتی بھی ہے ——— انابیہ! تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہی ہو کہ عفنان، لامعہ کے لئے نہیں تھا۔ اگر وہ لامعہ کے لئے ہوتا تو اسی کے ساتھ رہتا۔ مگر تم جانتی ہو وہ اس کے ساتھ رہ کر بھی اس کے ساتھ نہیں رہا۔ کیوں؟ ——— جانتی تھیں نا تم وہ تمہیں چاہتا تھا۔ بس یہی ایک غلطی ہوئی ہے اس شخص سے۔ اس نے ایمانداری سے تمہاری خواہش کی ہے........"

"اوزی! تم اسے فیور مت کرو ——— یہ ٹھیک ہے وہ تمہارا بہترین دوست ہے مگر تم یہ مت بھولو کہ تم میرے بھی بھائی ہو۔" انابیہ نے اسے جھٹلایا تھا۔

"ہاں ——— بھائی ہوں ——— تبھی تو چاہتا ہوں تم اپنے گھر خوش رہو، آباد رہو۔ سنو انابیہ! ماہ وش مام کو پتہ چلے گا تو انہیں بہت دکھ ہوگا۔ اور لکھ کر رکھ لو تم ——— تم اس حقیقت کو زیادہ دنوں تک چھپا نہیں سکو گی اور آہستہ آہستہ یہ بات سب کو پتہ چل جائے گی۔"

"کیا بات سب کو پتہ چل جائے گی بھئی؟" ماہ وش شاہ ملازم کے ساتھ ٹرالی لئے اندر داخل ہوئی تھیں۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔

"کچھ نہیں ماما! ——— یونہی انابیہ سے ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ بہت دنوں بعد فرصت سے بیٹھے ہیں نا۔" اوزی نے بات بنائی تھی۔

"ہاں ——— یہ تو ہے۔ مگر انابیہ! یہ کیا سن رہی ہوں میں؟ ——— تم ہنی مون پر نہیں جا رہی ہو؟ بری بات بیٹا! ——— فاطمہ سے بات ہوئی تھی۔ وہ بتا رہی تھیں کہ تم منع کر رہی ہو ——— جان! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں زندگی میں اور پھر یہی دن تو ہنسنے کھیلنے کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تو ذمہ داریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ بائے دی وے، یہ عفنان وہاں کیا کر رہا ہے؟ ——— تم لوگ کمپنی نہیں دے رہے ہو اسے؟" ماہ وش نے کہہ کر عفنان کو آواز دی تھی۔

''عفنان بیٹے! ـــــ یہاں آ جاؤ ـــــ اور ابا جی! آپ بھی آ جائیے ـــــ چائے تیار ہے۔''

عفنان علی خان اٹھ کر اس طرف چلا آیا تھا۔ ماہ وش جہاندیدہ تھیں۔ ایک عجب طرح کا کھنچاؤ دونوں کے بیچ محسوس کیے بنا نہیں رہ سکیں تھیں۔ مگر وہ جانتی تھیں قصور ان کی اپنی بیٹی کا ہوگا۔ تبھی ہدایت خاص کرتے ہوئے اندر بڑھ گئی تھیں۔

''انابیہ! چائے سے فارغ ہونے کے بعد مجھے ضرور ملنا۔ بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی۔'' انابیہ نے سر ہلایا تھا۔ وہ جانتی تھی کیا بات ہوگی۔ اوزی کی طرح ماما بھی اس کی کلاس لیں گی۔ اسے سمجھائیں گی۔ جانے کیوں سب کو قصور اسی کا دکھائی دے رہا تھا۔ غلطی اسی کی لگ رہی تھی۔ حالانکہ اگر کوئی اس کی سنتا اور پوچھتا تو صاف صاف بتا سکتی تھی کہ غلطی کس کی تھی۔ عفنان علی خان اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ وہ اس کے پیرنٹس کے سامنے جتنا ہارش بی ہیو کرتی تھی وہ اتنا ہی رکھ رکھاؤ قائم کیے ہوئے تھا۔ وہ جتنا بات کو بگاڑتی تھی وہ اتنی ہی بات کو بنائے رکھنے کی کوشش میں تھا۔ انابیہ نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا۔ اگر ان کے درمیان سب کچھ ٹھیک نہیں تھا تو اس کی خبر یقیناً سب کو ہونا نہیں چاہیے تھی۔ عفنان اس معاملے میں سبقت لے گیا تھا اور وہ اس گھڑی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔ مگر وہ اپنی غلطی ماننا نہیں چاہتی تھی۔ اوزان، عفنان سے بات چیت کر رہا تھا۔ انابیہ اٹھ کر ماما کے کمرے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

جب واپس لوٹی تھی تو عفنان اس کا منتظر تھا۔ انابیہ ناچار اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

دھیمی دھیمی پھوار پڑ رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے اچانک لان میں رک گئی تھی۔ عفنان علی خان جو اس سے ایک دو قدم کے فاصلے پر تھا، یکدم مڑا تھا۔ وہ سر آسمان کی طرف اٹھائے بارش سے محظوظ ہوتی ہوئی بڑی بھلی لگی تھی۔ مگر یہ استحقاق، یہ حقوق ـــــ شاید اس کے نام نہیں تھے۔ وہ دیکھتے رہنے کی خواہش کرتے ہوئے بھی مسلسل اس کی سمت نہیں دیکھ سکا تھا اور چلنے کے لئے مڑ کر قدم اٹھا دیا تھا۔

''عفنان!'' ایک صدا بازگشت بنی تھی۔ عفنان علی خان کسی قدر حیرت سے چونک کر مڑا تھا۔ انابیہ اس کی سمت متوجہ تھی۔

''کیا تھوڑی دیر رک نہیں سکتے ہو؟'' کیا تھا اس لہجے میں ـــــ کوئی درخواست، کوئی خواہش، یا پھر بس ایک رکھ رکھاؤ والی بات ـــــ صرف ایک جملہ ـــــ

''بارش تو تمہیں بھی اچھی لگتی تھی نا؟'' جانے کس زمانے کی بات یاد دلائی تھی۔ عفنان کو ایک بار پھر حیرت ہوئی تھی مگر وہ بے تاثر بن گیا تھا۔

''ہاں ـــــ مگر اب اچھی نہیں لگتی۔ تم ٹھہرنا چاہتی ہو تو ٹھہر جاؤ، میں انتظار نہیں کر سکتا۔ جانا ہے۔'' وہ مڑا تھا۔ انابیہ نے ایک لمحے کو دیکھا تھا ـــــ پھر چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ گئی تھی۔ عفنان گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب وہ چلتی ہوئی گاڑی کے پاس جا رکی تھی۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی تھی۔''

''کیا؟'' عفنان بے تاثر انداز میں گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا تھا۔ بارش تیز ہو رہی تھی۔ انابیہ ہی تیزی سے بھیگنے لگی تھی۔ تبھی دروازہ کھولا تھا اور فرنٹ سیٹ سنبھال لی تھی۔

''میں سوئٹزرلینڈ جانے کو تیار ہوں ـــــ مگر میری ایک شرط ہے۔''

عفنان نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''تم اپنی شرائط ماما کو بتا دینا ـــــ غالباً وہ پندرہ بیس دنوں میں سوئٹزرلینڈ جا رہی ہیں ـــــ اگر ان کو تمہاری شرائط منظور ہوں گی تو وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گی۔''

انابیہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

''کیوں ـــــ کیا ہم سوئٹزرلینڈ نہیں جا رہے؟''

''نہیں۔'' عفنان علی خان نے حتمی انداز میں کہا تھا۔ ''تمہیں گھر جانا ہے یا کہیں اور ڈراپ کر دوں؟ یکچوئیلی مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔'' عفنان کا رویہ عجب سرد مہر ہو رہا تھا۔

انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اگر تمہیں زیادہ جلدی ہے تو میں کیب لے لیتی ہوں۔'' ایک مشورہ دیا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے وراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''میرے خیال میں یہ زیادہ مناسب ہے۔'' گاڑی سائیڈ پر روک کر ایک کیب ہائر کی تھی اور پھر اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔ انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ عفنان اس حد تک غیر ذمے دار ہو سکتا ھا ـــــ رات کے اس لمحے وہ اسے ـــــ اپنی بیوی کو تنہا ـــــ اکیلے ایک کیب میں سفر پر مائل کر رہا ھا۔ مگر ـــــ یہ تجویز تو خود اس کی اپنی تھی۔ عفنان علی خان کو دیکھا تھا، وہ اس کا منتظر تھا۔ تب وہ چپ چاپ گاڑی سے اتر کر کیب میں بیٹھ گئی تھی۔ عفنان علی خان اس درجہ بے مروت ہوگا، وہ نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان کی گاڑی کو زن سے آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ اور پھر گاڑی سے باہر یکھنے لگی تھی۔ جانے کیوں اپنی تذلیل کا احساس بھرپور انداز میں ہوا تھا ـــــ عفنان کیا جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا؟

❄❄❄

اصولاً تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کوئی اقدام کرنے چاہئیں تھے۔ مگر میرب کو گھر لانے کے بعد اس میں کوئی پیش رفت دکھائی نہیں دی تھی۔ ہنوز اسی گھر میں موجود تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اُسے نہ تو گنور کر پا رہا تھا اور نہ ہی اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ پا رہا تھا ـــــ اُس کی فراغت کے کئی لمحے اب بھی اس کے ساتھ ہی بسر ہوتے تھے۔ میرب سیال کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا کچھ روا رکھتا تھا اور کیا کچھ نہیں۔ اُسے اس شخص سے بھی کوئی سروکار نہ تھا، وہ کجا اس کے ساتھ اپنی شامیں تاتا یا پھر اپنی پوری لائف۔

اُسے اس سے مطلق کوئی سروکار نہ تھا۔

اُسے جو کرنا تھا، وہ سوچ چکی تھی۔ شام میں پاپا سے بات ہوئی تھی پھر اس کے فوراً بعد مائی کا فون بھی آ گیا تھا۔ کتنے دنوں بعد ان سے بات ہوئی تھی۔ وہ اس کی طرف سے سخت تشویش میں تھیں۔ غالباً سردار

سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں اس کی گزشتہ روز کی کیفیت کے متعلق مفصل رپورٹ دے دی تھی۔ اس بات کر کے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ ان کے آنے میں ابھی کچھ دن تھے مگر وہ میرب کو بار بار اپنا خیال رکھ کی تلقین کر رہی تھیں۔ میرب جانتی تھی مائی اماں اس سے کس درجہ محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کے لئے ایک بیٹی جیسی تھی۔ وہ بھی مائی اماں کو اتنا ہی مس کر رہی تھی۔

شاور لے کر فریش ہونے کے بعد وہ الماری کھول کر اپنی تمام چیزوں کو نکال کر بیڈ پر ڈال رہی تھی، ساتھ ہی دو تین ملازم خواتین کو متواتر ہدایت کر رہی تھی کہ کون سا سامان کس سوٹ کیس میں رکھیں۔ پھر ریلیکسڈ موڈ میں اپنا سیل اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ''ٹیکسٹ'' کیا تھا اور اسی قدر اطمینان سے چل ہوئی دوبارہ الماری کے پاس آن رکی تھی۔

''ارے —— یہ کیا کر رہی ہو؟ —— یہ اوور کوٹ اس بلیک سوٹ کیس میں رکھو اور یہ جوتے وہاں کیا گرے بیگ میں ڈالنے ہیں۔'' ہدایت دے کر وہ مڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے پیچھے کھڑے پایا تھا۔ وہ اتنی جلد پہنچ جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ بہت اطمینان سے ایک سانس خارج کرتے ہوئے پُر اعتماد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں حد درجہ حیرت دکھا دے رہی تھی۔ وہ اسے اور اس کے کمرے کے ماحول کو کسی قدر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میرب کو بازو سے تھام کر کسی قدر غصے سے دریافت کیا تھا مگر میرب اپنا بازو ا کی گرفت سے چھڑاتی ہوئی اطمینان سے مسکرادی تھی۔

''پاپا کا فون آیا تھا —— مائی سے بھی بات ہو گئی ہے میری۔ تم جانتے ہو میری طبیعت ٹھیک نہ ہے۔ میں کچھ دنوں کے لئے ان تمام کاموں سے چھٹی لینا چاہتی ہوں۔ ایگزیمز بھی نمٹ چکے ہیں اور اگلا سمسٹر ہو سکتا ہے میں ڈراپ کر دوں اور نیکسٹ سمسٹر جوائن کروں۔ خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور تمہیں یقیناً اس میں کچھ خاص انٹرسٹ بھی نہیں ہو گا —— خاص بات یہ ہے کہ میں تمام کاموں سے فراغ لے کر چھٹیاں گزارنے پاپا کے پاس جا رہی ہوں۔ مائی نے بھی اس فیصلے کو خوشی خوشی قبول کیا ہے۔ آف کورس انہیں میرا بہت خیال ہے۔ بیٹی ہوں نا اُن کی........''

وہ ابھی کچھ اور بھی بول رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا تھا۔

''کیا........ یہ کیا ہو رہا ہے؟ —— کیا کہہ رہی ہو تم؟ —— ہوش میں تو ہو؟'' سردار سبکتگین حید لغاری کسی درجہ برہم دکھائی دیا تھا مگر میرب نے اس کا شانہ بجاتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''ریلیکسڈ —— بی ریلیکسڈ —— ٹینشن لینا تمہارے لئے اچھا نہیں۔ اور یہ تو یوں بھی ایک ٹینشن فری نیوز ہے تمہارے لئے۔ میرے جانے کے بعد غالباً تمہیں گی کے ساتھ اور بھی اچھا وقت گزارنے موقع مل جائے گا اور تم بھی اچھی طرح سے اس کا خیال رکھ پاؤ گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے غالباً کوئی طنز رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے اس لڑکی کا یہ روپ بہت نیا تھا۔ کل تک جو اس کی کیفیت اسے دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ اس فیز سے باہر بھی نکلے گی اور کہاں وہ آج اچانک اتنے چل (Chill) مو

''تم نہیں جاسکتی ہو —— میں نے کہا، تم نہیں جاؤ گی۔ مائی اماں تمہیں کیسے اجازت دے سکتی ہیں؟ ''میرب —— میں رد کرتا ہوں اسے۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' جنونی انداز میں اسے شانوں سے تھامتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تھا مگر میرب مسکرادی تھی۔

''لگتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہیں اپنی بیوی سے محبت نہیں۔ اس کی اس درجہ خراب کیفیت کے باوجود تم اسے یہاں دیکھنا چاہتے ہو۔ سنا نہیں تھا ڈاکٹر نے کیا ہدایت کی تھی —— تمہیں میرا خیال کھنا چاہئے۔ اور میں کون سا ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں۔ صرف چھٹیاں گزارنے جا رہی ہوں —— تمہیں لرگی کو چھوڑ کر نے میں کوئی پرابلم نہ ہو تو تم بھی میرے ساتھ چلو۔ دونوں مل کر انجوائے کریں گے۔ وہ کہتے ہیں —— ایک سے بھلے دو۔'' وہ اطمینان سے مسکرائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے حیرت سے دیکھا تھا پھر شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہو تم —— میں نے کہا نا، کہیں نہیں جاؤ گی تم۔ یہیں رہو گی میرے پاس۔'' حکم صادر ہوا تھا مگر میرب مسکرادی تھی۔

''تم نے وہ امریکی کہاوت نہیں سنی شاید، جس کے پاس کیک ہوتا ہے اسے چیریز بھی لازمی درکار ہوتے ہیں۔ تمہارا بھی یہی پرابلم ہے۔'' عجیب طنز تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ''میں واقعی جا رہی ہوں —— اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے —— مجھے جانا ہی ہے۔ اگر کسی اور کو میرا کوئی خیال نہیں ہے تو ضروری نہیں کہ میں خود بھی اپنا کوئی خیال نہ کروں۔ میں نے اپنے سوچنے کا انداز بدل دیا ہے۔ اب میں زندگی کو اس طرح سے دیکھنے لگی ہوں جس طرح سے بہت سے دوسرے لوگ دیکھتے ہیں۔ اب میرے لئے کوئی شے زندگی سے بڑی یا بڑھ کر قطعاً نہیں ہے۔ میری بات تمہاری سمجھ میں آرہی ہے نا!؟'' میرب نے کسی قدر توجہ سے سر اٹھا کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری عجیب تذبذب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظروں میں حیرت بے حد واضح تھی۔ وہ واقعی بے حد حیران تھا۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گی —— انڈر اسٹینڈ؟ —— تم میری بیوی ہو۔ اور تمہیں روکنے کے سارے حقوق میرے پاس ہیں۔ اس سے زیادہ نہ تم کچھ کہو گی نہ ہی میں سنوں گا۔ رائٹ؟''

دونوں شانوں سے اُسے تھام کر یکدم وہ سختی سے بولا تھا جب میرب سیال مسکرادی تھی۔

''اوہ مسٹر ہزبینڈ! —— شاید آپ بھول رہے ہیں ابھی ہمارا صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی نہیں۔ مشرق میں شادی کو صرف تبھی شادی کہا جاتا ہے جب لڑکی دُلہن بن کر اپنے ہزبینڈ کے گھر آ جائے۔ اور میں صرف آپ کی منکوحہ ہوں —— ہمارا صرف نکاح ہوا ہے، شادی نہیں۔'' اس کے خیال میں اس کی دلیل انتہائی ٹھوس تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بالکل ایسے تھپتھپایا تھا جیسے اس گھڑی وہ اس کے سامنے کوئی بچی ہو۔

''سوئٹی! —— یہ جو گز بھر کا فاصلہ ہے نا، اسے یونہی قائم رہنے دو۔ ورنہ یہ جو چھوٹی موٹی دیواریں

ہیں نا، ان کے گرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی۔ نہ تو ابھی حوصلہ ہارا ہے نہ ہی ہمت۔ معمو آ رہا ہے فقط دانستہ ہے۔ ورنہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ ناممکن ہوں ——" مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "ایسا کوئی لفظ اس شخص کی زندگی میں نہیں لہجہ بہت کچھ باور کراتا ہوا تھا۔ میرب سیال کو اپنے حوصلے ایک لمحے میں پست ہوتے محسوس ہ

"تم میری کیا ہو؟ یہ بتانا تمہیں ضروری نہیں ہے۔ آئی نوٹ دیٹ —— جانتا ہوں میں ہو، میرے اختیار میں ہو، بار بار یاد دہانی کرانے کی ضرورت باقی ہے کیا؟ —— پاگل سچ، بالکل پاگل —— کچھ بھی نہیں سمجھتی ہو۔ چھوٹی چھوٹی لکیروں کو مٹانا دشوار نہیں ہوتا ہے! باتوں پر جلنا کڑھنا چھوڑ دو۔ بہت فکر رہتی ہے تمہاری۔ بہت ستاتی ہو تم۔" مدھم سرگوشی میں تھی۔ میرب سیال متواتر اس کی طرف دیکھ نہ سکی تھی۔ نظریں خودبخود جھکتی چلی گئی تھیں۔ سردار لغاری نے اسے شانوں سے تھامتے ہوئے بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چہرے کو قدرے اوپ

"رشتوں کے نباہنے میں اور رشتوں کے بنانے میں بہت فرق ہوتا ہے میرب! —— ا اپنے استحقاق سے میں واقف ہوں۔ سو اپنی طرف سے تم بھی یہ یقین کر لو کہ تمہارے لئے تمہار آخری راہ میں ہی ہوں۔ نہ تم کو میرے علاوہ کہیں اور دیکھنا ہے نہ ہی سوچنا ہے۔ کیونکہ میرے او درمیان جو رشتہ بندھا ہوا ہے اسے میں نبھانا چاہتا ہوں۔ نہ کوئی اور راہ نہ کوئی تاویل۔ میرے کے علاوہ کوئی دلیل بھی نہیں ہے ہنی! —— سو تم بھی خواہ مخواہ کی یہ من مانیاں ترک کر دو۔ اچھ بار بار تم پر یہ جتانا کہ تم بے حد کمزور ہو اور میں کس قدر بااختیار۔" بچوں کی طرح اسے پچکارتے ہ نرمی سے مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال اپنے اندر بہت کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ بہت سی ہمتیں شاید چپ چاپ دے رہی تھیں۔

وہ چپ چاپ کھڑی تھی جب ارد گرد کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میرب نے نگا دیکھا تھا۔ قدرے فاصلے پر گی کھڑی تھی۔ جواب چلتی ہوئی قریب آ گئی تھی۔

"آئی ایم سوری! —— یہ سب میری وجہ سے ہے نا۔ دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم گین ناتے سے وابستہ ہو۔" گی شستہ انگریزی میں کہتے کہتے لمحہ بھر کو رکی تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر میرب پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے —— اگر کسی کو جانا ہے تو شاید وہ میں ہوں۔ م جانتی تھی کہ تمہیں میرے متعلق اس قدر دھچکا لگے گا۔ میں تو تم دونوں کے متعلق ٹھیک سے جانتی بھ تھی۔ گین سے کبھی پوچھا بھی نہیں اور اس نے کبھی بتایا بھی نہیں۔ میں ہمیشہ سمجھتی تھی، تم شاید اس دوست ہو یا پھر کوئی ریلیٹو۔ دراصل رشتے کی اس نہج کا مجھے کوئی اندازہ نہ تھا۔ مگر کل رات جب تو واقعی بہت افسوس ہوا۔ مسز گین! —— یو مسٹ بی اے لکی گرل۔ تمہارے اختیار میں وہ بندہ کے اختیار میں آنے کے لئے کئی دل خود سے خواہش کرتے ہیں۔ ان کئی دلوں کے ساتھ خاصا برا

نے۔" شاید بات کو کسی قدر ثقیل ہونے سے بچانے کے لئے وہ مسکرائی تھی۔ مگر میرب پر اس کی حس کا کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ کھڑی رہی تھی۔

"میرب! تم بہت خوبصورت ہو۔ یقیناً تمہارا دل بھی بہت خوبصورت ہوگا۔ مگر میں اس دل میں کی گنجائش ہرگز نہیں ڈھونڈوں گی۔ نہ ہی ایسی کوئی اجازت طلب کروں گی۔ کیونکہ اس دل میں اگر کو رہنا ہے تو وہ صرف گین ہی ہے —— میں نہ تو تم سے گین کو چھیننے آئی ہوں نہ ہی تمہیں خوفزدہ نے۔ اگر تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں اس کے لئے معذرت کروں گی۔ ساتھ ہی ات کا یقین بھی دوں گی کہ تمہیں مزید تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی۔ کیونکہ صبح میں یہاں سے چلی جاؤں ور......"

"گی! —— تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" وہ بول رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ انداز دو ٹوک تھا اور میرب جو اس لمحے سامنے کھڑی تھی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر نگاہ پھیر کر دوبارہ گی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"دوبارہ ایسی بات مت کہنا۔ آئی کانٹ ہیئر دیٹ۔ تم یہیں رہو گی —— یہیں، میرے پاس۔ ہے یہ کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔ آئی ڈونٹ کیئر۔" اس قدر حتمی انداز۔ اس قدر حتمی ٹھوس لہجہ۔

میرب سیال نے کسی قدر بے یقینی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ خالی خالی آنکھوں میں ہی نمی تیرنے لگی تھی۔ اس کے قدم یکدم ہی اٹھے تھے اور وہ چلتی ہوئی وہاں سے نکلنے لگی تھی۔

اندر باہر —— ہر طرف ایک سناٹا تھا۔

کتنی آوازیں اندر ہی اندر دم توڑ رہی تھیں۔ مگر وہ چپ چاپ چلتی جا رہی تھی۔ جانے کہاں جا کر یہ م ہونا تھا۔

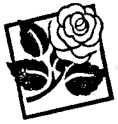

اُس روز لامعہ گھر میں آئی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان گھر میں داخل ہوا تو ماحول خاصا خوشگوار ملا تھا۔ انابیہ کی ہنسی کی آواز کتنے دا
میں گونجی تھی۔

وہ سن کر رک گیا تھا۔ حالانکہ ارادہ اندر بڑھ جانے کا تھا۔

''کیسے ہو تم؟'' لامعہ نے اس کی سمت خاص توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ جو
پر اب سے پہلے بہت کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اس وقت اس کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میر
تھے۔ انوشے مہمان کی خاطر مدارات میں پیش پیش تھی۔

''بھائی! آپ چائے لیں گے؟''

''نہیں۔'' عفنان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور بغور توجہ سے اس سامنے موجود چہرے کو دیکھا تھ

''میں ٹھیک ہوں۔ اور تم؟ ـــــ بہت دنوں بعد چکر لگایا۔ کہاں تھیں؟'' لامعہ سے بار
ہوئے انداز بہت عام تھا۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ شاید کسی فطری کرٹسی کے باعث تھی۔ انابیہ اس
کنی کترا رہی تھی۔ لامعہ حق کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

''تو تم مجھے مس کر رہے تھے؟''

عفنان نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ نظریں اس سامنے بیٹھے چہرے سے کہیں زیادہ اس چہر
رہی تھیں جو اس لمحے کسی قدر اجنبی بنا کنی کترا رہا تھا۔ عفنان علی خان اس لمحے کی گرفت سے باہر
تھا اور لبوں پر ایک دلفریب تبسم پھیلنے لگا تھا۔

''تیرے ایوانوں میں پُرزے ہوئے پیاں کتنے
کتنے وعدے جو نہ آسودۂ اقرار ہوئے
کتنی آنکھوں کو نظر کھا گئی بدخواہوں کی
خواب کتنے تری شہ راہوں میں سنگسار ہوئے
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا جو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
لہو کے داغ تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
ہم تو مجبور وفا ہیں مگر اے جانِ جہاں

اپنے عشاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے
تیری محفل کو خدا رکھے ابد تک قائم
ہم تو مہماں ہیں گھڑی بھر کے ہمارا کیا''

کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے نگاہوں میں اضطراب کی کوئی خاص کیفیت تھی اور لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔

ٹیبل کے اس طرف بیٹھی لامعہ نے فوراً ٹوکا تھا۔

''خدانخواستہ ـــــ یہ کیا بات ہوئی؟ ـــــ انابیہ! دیکھو ذرا ـــــ تمہارے مسٹر ہزبینڈ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اچھی اچھی باتیں کریں بھئی۔ ابھی تو آپ کی زندگی کی شروع ہوئی ہے۔ ابھی تو آپ نے دودھوں نہانا ہے اور پوتوں پھلنا ہے۔ میں نے مثال صحیح دی ہے نا انابیہ؟'' لامعہ نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔ مگر انابیہ پر اس لطیف سی شرارت کا مطلق کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔ نظر خاص اس چہرے پر تھی۔ خدوخال پر تھی۔

''لامعہ! تمہاری یہی بات مجھے بہت پسند ہے۔ تم زندگی کو بہت لائٹ لیتی ہو۔ کاش میں نے تمہارا ہی ہاتھ تھاما ہوتا تو زندگی آج کسی اور ڈگر پر ہوتی۔'' دل میں اچانک جانے کیا آن سمائی تھی کہ مسکراتے ہوئے اردگرد کے ماحول کو نظر انداز کرتے ہوئے لامعہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ لامعہ غالباً اس کے موڈ سے واقف تھی، تبھی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''انابیہ! سنبھالو اپنے شوہر کو بھئی۔ تمہاری نظروں کے سامنے یہ کیسی کیسی خواہشوں کا اظہار ہو رہا ہے۔ آئی تھنک یو شُڈ ٹیک نوٹس فرسٹ ـــــ یہ کوئی اچھا سائن نہیں ہے۔'' لامعہ نے چھیڑا تھا۔ انابیہ نے ایک نظر بطور خاص اپنے مسٹر ہزبینڈ کو دیکھا تھا۔ نظریں تیر، تلوار شاید سبھی کچھ تھیں۔ مگر عفنان جیسے ہر بات کو رد کرتا مسکرا دیا تھا۔

''اوں ہوں ـــــ مذاق نہیں کر رہا ہوں میں۔ ڈونٹ ٹیک می رونگ۔ مجھے واقعی اندازہ نہیں ہو رہا ہے کہ زندگی میں جذباتی فیصلوں کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔ آئی فیل گلٹی ـــــ شاید میں نے تمہارے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔ تمہارا دل ضرور دکھا ہوگا۔ تبھی تو۔'' چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ مگر عفنان کا لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔

لامعہ نے مسکراتے لب بھینچ کر انابیہ کی طرف دیکھا تھا اور پھر عفنان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال لیا تھا۔

''میں چلتی ہوں۔''

''لامعہ! کچھ دیر تو اور بیٹھو۔ آج تمہاری وجہ سے مجھے بہت سی ناپسندیدہ چیزیں بھی اچھی لگ رہی ہیں۔'' ایک نگاہ انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔

انابیہ اس لمحے ایسے بیٹھی تھی جیسے اس سارے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ بالکل اجنبی ہو یا پھر وہ واقعی بہت حیران تھی۔ عفنان جو کر رہا تھا وہ واقعی اس سے ایسا ایکسپکٹ نہیں کر رہی تھی۔

''عفنان! کم آن ـــــ بہت مذاق ہو گیا۔ تمہارا تو کچھ نہیں لیکن میں انابیہ کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ اس گھر میں میرا داخلہ سرے سے بند کر دے گی۔ ہے نا انابیہ؟'' لامعہ نے مسکراتے ہوئے

انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ کے چہرے پر بہت مروت بھری مسکراہٹ پل بھر کو ابھری تھی اور معدوم ہوگئی تھی۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

"کیسی بات کہہ دی تم نے ــــــ درد یاد آ گئے ــــــ پتہ نہیں کتنے پرانے زخم ادھیڑ دیئے تم نے۔

آگے جو بلا آتی تھی، سو دل پہ تلی تھی
اب کے تو میری جان ہی پہ آن بنی ہے
اے درد! کہوں کس سے بتا، رازِ محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے"

عفنان علی خان جانے کس جذبے کے زیرِ اثر تھا۔ آج تو رنگ ہی الگ تھا۔ انابیہ کی نظریں حیر سے بھری تھیں مگر وہ اس کی جانب دیکھنے سے مکمل طور پر گریزاں تھی جبکہ لامعہ ہنس دی تھی۔

"عفنان! بہت ہو گیا ــــــ آج آفس اور میٹنگ کی جگہ مشاعرہ اٹینڈ کر کے آئے ہو۔ کبھی فیض کبھی درد ــــــ اس سے قبل کبھی ایسے رنگ تو نہ تھے تمہارے۔"

عفنان مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ــــــ اس سے قبل ایسا درد بھی تو نہ ہوا تھا۔"

لامعہ سر نفی میں ہلاتی ہوئی مسکراتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"انابیہ! اسے باندھ کر رکھو۔ بیویوں والے سارے گر آزمانا شروع کر دو۔ موصوف خاصے مشکوک رہے ہیں۔" پرس شولڈر پر ڈالتے ہوئے لامعہ نے خاص ہدایت کی تھی۔

انابیہ تو کیا ہی کوئی ردِعمل دیتی اس سے قبل ہی موصوف بول اٹھے تھے۔

"کل کا کیا پروگرام ہے تمہارا ــــــ فارغ ہو یا......؟"

"عفنان! اب بس بھی کرو۔ دیکھو انابیہ کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" لا اپنی دوست کا مکمل خیال تھا۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"یہ چہرہ کتنے رنگ بدل سکتا ہے یہ شاید تم بھی نہیں جانتی ہو ابھی۔ فقط صورت پر مت جاؤ۔ بھالی ادائیں کبھی کبھی بڑے گہرے وار کرتی ہیں۔" لبوں پر بظاہر مسکراہٹ لئے، جانے وہ کون سی بیان کر رہا تھا۔ لامعہ، انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کم آن عفنان! ــــــ بہت ہو گیا۔ اب تم میری دوست کو زیادہ ٹیز مت کرو۔ جانتے ہو کتنے بیلے ہیں اسے حاصل کرنے کے لئے تم نے۔ کل تک تو تم ان لب و رخسار کی تعریف کرتے نہ تھکتے آج ...... میرے سامنے اسے اس قدر ستا رہے ہو۔" لامعہ نے مسکراتے ہوئے انابیہ کی بھرپور ط داری کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ ساتھ ہی ہاتھ اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

"اگر تم نے انابیہ کو دوبارہ ستایا تو دوست میں تمہاری بعد میں بنوں گی، پہلے میں انابیہ کی ہوں۔ انابیہ کی میں دوست کم بہن زیادہ ہوں۔ بہن سمجھتے ہو نا ــــــ میں آپ کی سالی۔ اور سالی بہت خطر

تی ہے۔" لامعہ نے مسکراتے ہوئے بھرپور احساس دلایا تھا۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"ہاں ــــــ خطرناک بھی ہوتی ہے اور آدھے گھر کے حقوق کی مالک بھی۔ تو پھر کیا حرج ہے کہ دھے حقوق اسے سونپ بھی دیئے جائیں۔"

"شٹ اپ عفنان!" لامعہ کا قہقہہ بہت فطری تھا۔ "تمہارے مذاق میری پیاری سی انابیہ کی جان یک دن ضرور لے لیں گے۔ میری بہن کا خیال رکھو، رائٹ؟ آئندہ شکایت نہیں سنوں گی۔"

انابیہ کے سر پر پیار کرتے ہوئے لامعہ ہاتھ ہلاتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

انابیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

کچھ کہنے ــــــ کچھ پوچھنے کی ہمت ناپید تھی۔

عفنان علی خان نے براؤنیز کا پیس اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا اور پھر اٹھ کر اندر لی جانب بڑھ گیا تھا۔

انابیہ کی جھکی آنکھوں سے کتنے گرم گرم قطرے ٹیبل کی سطح پر گر رہے تھے۔

❄❄❄

تنہا تنہا ــــــ
بے کل بے کل ــــــ
میری راتیں پاگل پاگل ــــــ
خالی دل ہے ــــــ
خالی نظریں ــــــ
موسم بھی چپ چاپ کھڑا ہے!

سیفی کا فون تھا۔ مگر اس میں بات کرنے کی ہمت بالکل ناپید تھی۔

"کیا ہوا؟ ــــــ تمہارے پرنس آف ویلز نے کیا تمہاری زبان بندی کروا دی ہے؟" سیفی مسکرایا تھا۔ مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔" لہجہ بہت نیم جاں تھا۔

"نہیں ــــــ یہ تمہاری آواز بکری جیسی اتنی منمناتی ہوئی سی کیوں ہو رہی ہے؟ ــــــ کیا معاملہ ہے؟ ــــــ اپنے احکامات سے ان موصوف پرنس نے تمہیں بکری تو نہیں بنا دیا؟ یار! اگر ایسا ہوا ہے تو بہت برا ہوا ہے۔ اب میں دیکھوں گا تو پہچانوں گا کیسے؟ ــــــ اور بالفرض تمہیں پہچان بھی گیا تو تم سے ات کیسے کروں گا؟ مجھے تو بکروں کی طرح میں، میں کرنے کا کوئی تجربہ نہیں۔" سیفی کی حسِ مزاح اس قت کمال عروج پر تھی۔

میرب سیال کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ اُتری تھی۔

"سیفی! تم بھی نا ــــــ اتنے دنوں بعد کیوں فون کیا؟ ــــــ کہاں غائب تھے؟ نانو سے بات ہوئی

تھی، بتا رہی تھیں تم بزنس اسائنمنٹ پر بزی ہو آج کل ماموں کے ساتھ۔ یہ اتنی جلد بزنس میں کیونکر ڈال دیا؟ فی الحال تو تمہیں اپنی اسٹڈی پر کونسنٹریٹ کرنے کی ضرورت ہے نا، اور تم......"

"ہاں ـــــ مگر کونسنٹریٹ کرنے کی ضرورت تو تمہیں بھی کہیں اور ہے۔ لیکن خیر چھوڑو، تم..... سیفی نے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اتنے روز سے ملنے کیوں نہیں آئیں؟ ـــــ سسرال میں بہت جی لگ گیا کیا؟" بھرپور شکو تھا۔ میرب کی آنکھوں سے خاموشی سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔

"سیفی! مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔" بے ہمت آواز اور لہجہ اس کی کمزوری کا بھرپور ترجمان تھا۔

"کیا؟" سیفی کو تشویش ہوئی تھی۔

"آئی ایم ناٹ ہیپی۔"

"کیا؟ ـــــ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ہاں ـــــ میں واقعی خوش نہیں ہوں۔"

"کس سے؟" سیفی سمجھ نہ سکا تھا۔

"اس زندگی سے ـــــ اپنے آپ سے ـــــ اور شاید کسی سے بھی نہیں۔" میرب نے تمام ہ کو مجتمع کیا تھا۔

"اور مسٹر لغاری سے ـــــ؟" سیفی نے دریافت کیا تھا اور میرب کے گلے میں آنسوؤں کا پھن اٹک گیا تھا۔

"بولو میرب! ـــــ بتاؤ تو سہی، ہوا کیا ہے؟ ـــــ تم رو کیوں رہی ہو؟ ـــــ کسی نے کچھ ک ہے کیا؟ ـــــ اوکے، میں تمہیں لینے آرہا ہوں۔ خود کو اتنا کمزور مت سمجھو۔ تم تنہا نہیں ہو۔" سیفی حوصلہ بندھایا تھا۔

میرب نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔

"سیفی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آئی ایم اسٹرونگ۔ میں خود کو ڈیفنڈ کرسکتی ہوں اور سیف بھ

"تو پھر ـــــ؟"

"کچھ نہیں۔" یکدم سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"میرب! تم خوش نہیں ہو، تمہیں یہ بات کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب سے تم اس شخص تعلق میں بندھی ہو تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں یہ کہانی صاف کہتے ہیں۔"

میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ سیفی اس کا وہ دوست تھا جس سے شاید وہ کچھ بھی چھپا نہیں سکتی تھی۔

"میرب! میں یہ سن کر خوش نہیں ہوں کہ تم خوش نہیں ہو۔ مگر یہ اختیار میرے ہاتھ نہیں ہے۔ کاش تمہیں خوش رہنے کی کوئی ترکیب دے سکتا۔" سیفی اس کے لئے افسردہ تھا۔ "تمہیں لینے آؤں میر کچھ دن یہاں رہو گی تو طبیعت بہل جائے گی۔"

"کیا فائدہ؟ ـــــ واپس تو یہیں آنا ہے۔" میرب کا لہجہ نیم جاں تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا تم نے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا؟ ـــــ مجھے چنا ہوتا تو آج ایسی نوبت نہ آتی۔" شاید اس کا موڈ بحال کرنے کو سیفی بولا تھا۔ مگر میرب مسکرائی نہیں تھی۔

"سیفی! میں رونا نہیں چاہتی۔ کمزور پڑنا بھی نہیں چاہتی۔ مگر میں کیا کروں، میں مضبوط نہیں ہوں۔" کوئی کوئی اپنا ایسا ہوتا ہے جس کے سامنے کوئی خول خود پر چڑھائے رکھنا اچھا نہیں لگتا۔ سیفی بھی شاید ایسا ہی کوئی اپنا تھا۔

"میں آجاتا ہوں میرب!" سیفی نے حتمی انداز میں کہا تھا۔

"نہیں ـــــ تم مت آنا۔" میرب کسی خوف کے زیر اثر بولی تھی۔

"کیوں ـــــ تمہارا وہ حاکم وقت مجھے جادو سے مکھی بنوا دے گا؟" سیفی مسکرایا تھا۔ "میرب! نہ تو تم اس کی قیدی ہو، نہ ہی میں کوئی رعایا ہوں۔ تم نے خواہ مخواہ اس شخص کو ہوا بنا رکھا ہے۔ خواہ مخواہ ڈرتی رہتی ہو۔ اسے صرف ایک انسان سمجھو، تمہاری پرابلمز خود بخود ختم ہو جائیں گی۔" سیفی نے سمجھایا تھا۔ میرب نے سر ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

پلٹی تھی تو چونک پڑی تھی۔ پیچھے وہی "حاکم وقت" کھڑا تھا۔

میرب کو پتہ تھا، جانتی تھی وہ اس کی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو کسی ردعمل کے لئے تیار کر رہی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو اب؟ ـــــ ایک اچھا فیصلہ لے کر یقیناً تمہیں بہت اطمینان محسوس ہو رہا ہوگا نا۔" کتنا ہمدرد بنا وہ دریافت کر رہا تھا۔ میرب خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

اس حقیقت کو سمجھنے میں لٹایا کیا کچھ
میرا دشمن، میرا غم خوار نہیں ہو سکتا
تیرگی چاہے ستاروں کی سفارش لائے
رات سے مجھ کو سروکار نہیں ہو سکتا

"کیا ہوا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر ملائمت سے دریافت کرتے ہوئے اسے بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔ میرب نے اس کے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

"آئی ہیٹ یو۔" نفرت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے سرنفی میں ہلایا تھا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی تھی اور دیوار سے جا لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ردعمل پر یوں مسکرایا تھا جیسے کوئی [illegible]ن ہوئی کے روٹھنے پر محظوظ ہوتا ہے۔ اس کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

"بہت ضدی ہو تم ـــــ اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی سویٹی! یو شڈ انڈر اسٹینڈ۔ سمجھ دار ضرورت ہے تمہیں صرف۔ یہ خدشے، وسوسے، اوہام سب فضول ہیں۔ ایک دم بے، میں قید تھی۔ وہ سارا حقیقت ہے نہ ہی کوئی منطق۔ اگر کبھی ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو ساری بات ے سانس لے کر خود کو میں آجائے گی۔ تم تیار ہو جاؤ۔ اب یہ مت پوچھنا کہ کہاں جانا ہے۔ آف کور ملائمت سے، مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

میرب کی آنکھوں میں بے بسی کی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا، میرب نے پکارا تھا۔ وہ رک گیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے پلٹ کر بھرپور توجہ سے اسے دیکھا تھا۔ میر مدعا بیان کرنا انتہائی دشوار لگا تھا۔ کسی قدر ہیزی ٹیٹ ہو کر وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغ پوری توجہ سے منتظر کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ میرب نے بالآخر ہمت کر کے سر اٹھایا تھا۔

"سبکتگین!"

"اوں، ہوں، گین ـــــ صرف گین تمہارے لبوں سے اچھا لگتا ہے۔" سرگوشی بہت دلربا تھی جادو ارد گرد پھیلا تھا۔ اس کے دھیمے لبوں کی مسکراہٹ ایک اسرار رکھتی تھی۔ میرب کی ساری ہمتیں ایک پھر ڈھیر تھیں۔

"تم کچھ کہہ رہی تھیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس جیسے فرصت ہی فرصت تھی۔ مگر میرب نہیں کہہ سکی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں اور وہ بے ہمت سی سر جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین لغاری کو جیسے اس پر رحم آ گیا تھا ـــــ آگے بڑھا تھا اور اس کے چہرے کو بھرپور وارفتگی سے ہاتھوں تھام لیا تھا۔

"معاملہ کیا ہے سوئٹی؟ ـــــ کس بات کی اُلجھن ستا رہی ہے تمہیں؟" مدھم لہجے میں جیسے کوئی تھا۔ میرب کو اپنا سارا وجود اس کے زیرِ اثر لگا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اس انتہائی مضبوط جسامت کے مالک شخص پانیوں سے بھری آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔ کتنا بھرپور سراپا تھا۔ کیسا گھنا سایہ تھا۔

اور وہ پھر بھی جلتی دھوپ میں کھڑی تھی۔

شدتِ کرب سے وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ پانی کے کئی قطرے ان بند پلکوں سے ٹوٹ کر رخسار دا بہہ نکلے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے یہ منظر انتہائی توجہ کا باعث تھا۔ نظر جیسے بندھ کر رہ گئی تھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی میں گرفت میں لینے والے لمحے بہت تھوڑے آئے تھے۔ بہ ایسا ہوا تھا کہ وہ اپنے جذبات کے زیرِ اثر ہوا ہو۔ اِک جادو سا جیسے فضا میں گھلا تھا یا پھر وہ چہرہ ہی گھڑی ایسی کشش لئے ہوئے تھا کہ سارا عالم عجب فسوں ساز ہو رہا تھا۔ ہر شے اسی رنگ میں رنگی لگی تھ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس پیکر کو تھاما تھا اور تمام تر استحقاق کر ہوئے اس کے رخساروں پر سے وہ موتی چن لئے تھے۔ میرب سیال کو جیسے شعلوں نے چھو لیا تھا۔ آنکھ دیکھا تھا، نظر تحیر میں گھر گئی تھی۔

تعلق میں کتنا مہربان، بے مہرماں، اس لمحے کس درجہ عنایت پر مائل تھا۔ آنکھوں میں وارفتگی تھی۔ میر
میرب کچھتا ہوا لگا تھا۔ وہ نظر جھکا گئی تھی۔ گین نے اس چہرے کو ہاتھ بڑھا کر قدرے اوپر اٹھا

"میرب! میں۔
تمہیں خوش رہنے کاش میں اس چہرے کو کل علم اور بھیدوں سے پڑھ پاتا۔ کاش اس نگاہ کو پڑھ پاتا
کچھ دن یہاں رہو گی اسم اعظم سے واقفیت ہوتی میری تو شاید اس چہرے پر سوچوں کا یہ پہرہ دکھا
"کیا فائدہ؟ ـــــ تے پانی مجھے صاف بتا دیتے کہ کہانی کیا ہے؟ ـــــ کیسی کیسی خواہشیں پلتی

ں میں۔ کیسے کیسے خواب!"
کیسی مدھم سرگوشیاں تھیں۔ ماحول ساکت تھا۔

"کاش میں جان پاتا تو شاید تمہاری فکریں اس قدر بڑھنے نہ پاتیں۔ کاش جان پاتا کہ تمہیں کیا شے ستاتی ہے تو شاید کبھی اس کی نوبت نہ آنے دیتا۔ کچھ اور نہیں تو ـــــ جگنو ہی دیتا۔ ان پانیوں کی جگہ کچھ اپنے سے وابستہ خواب! مجھے خبر تو کر دیتی کہ تم کیا سوچتی ہو، کیا چاہتی و، میں اس قدر انجان تو نہ رہتا۔"

سارے منظر میں عجب اک نغمگی سی تھی۔ جیسے سارے رنگ اسی ایک رنگ میں رنگ گئے ہیں۔ سردار بکتگین حیدر لغاری نے کیا اسم پھونکا تھا یکدم کہ سب کچھ اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔

"سچ کہوں، مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔" مدھم لہجے میں وہ اعتراف کر رہا تھا۔ "ٹرسٹ می ـــــ مجھے واقعی کوئی ہنر نہیں آتا۔ آج تک کبھی ایسا لمحہ گزرا ہی نہیں کہ سیکھ پاتا۔ مگر اب دل چاہتا ہے سیکھوں، وہ تمام گُر، وہ تمام اسلوب جو دل کو دل سے قریب کر سکیں۔ کچھ اور نہیں تو دستکوں کا ہُنر ہی سیکھ لوں۔" سرگوشی کرتے ہوئے اس چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔

"سچ بتاؤ ـــــ تمہیں آتا ہے وہ ہنر؟ ـــــ میں تو کورا ہوں ـــــ سچ، بالکل کورا۔ تمہیں تو آدابِ محبت آتے ہوں گے۔ کبھی سوچا نہیں، قرینے برتو اور اپنے بس میں کر لو۔ کوئی وار کرو اور ہوش اُڑا دو۔ کچھ تو ـــــ کچھ تو ایسا آتا ہوگا۔ سکھا نہیں سکتی ہو مجھے؟ ـــــ جانتی ہو تو پڑھا دو وہ سبق۔ سچ کہتا ہوں، ان آنکھوں کی تمام روشنی کی قسم کھا کر۔ جو چاہو گی تمہارا ہوگا۔ جیسا چاہو گی سب ویسا ـــــ ویسا ہوگا۔ مجھے اپنے جادو کے زیر کر لو۔ جیت لو۔ میں ہار جانا چاہتا ہوں۔" مدھم لہجے میں کیسی کہانیاں تھیں۔ میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

"بیلیو می! ـــــ شکست و ریخت کا لطف کبھی نہیں چکھا میں نے۔ مجھے سکھا دو یہ سارے اسلوب۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں اس خواب سے آگے کا سفر کیسا ہے۔ جو اک موڑ ہے، اس موڑ سے آگے کیا ہے؟ تمہاری آنکھوں کی تمام تر روشنی دلفریب ہے۔ اس روشنی سے آگے کا سفر کیا ہے؟ ـــــ اس کے آگے کے منظر کتنے دل پذیر ہیں۔ جاننا چاہتا ہوں میں۔ بتاؤ گی تم مجھے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت جنونی تھی اور انداز بےخودی کے زیر۔

میرب سیال کا سارا وجود کسی پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ یکدم وہ اس گرفت سے نکلی تھی اور چلتی ہوئی تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

دھڑکنوں میں ایک ارتعاش تھا۔

وہ اس خواب خواب موسم کی گرفت سے نکلنے کے بعد بھی جیسے انہی لمحوں کی گرفت میں قید تھی۔ وہ سارا جادو اب بھی اسے اپنے اندر باہر دوڑتا بھاگتا محسوس ہو رہا تھا۔ کتنی دیر وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کے جتن کرتی رہی تھی۔

* * *

کھڑکیاں بند ہیں، دیواروں کے سینے ٹھنڈے
پیٹھ پھیرے ہوئے دروازوں کے چہرے چپ ہیں
میز کرسی ہیں کہ خاموشی کے دھبے جیسے
فرش میں دفن آہٹیں سارے دن کی
سارے ماحول پہ تالے سے پڑے ہیں چپ کے
تیری آواز کی اک بوند جو مل جائے کہیں
آخری سانسوں پہ ہے رات
یہ بچ جائے گی!

عفنان علی خان ٹیرس پر تھا۔ موسم پُر لطف تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور تاریکی میں ایک خاموشی کے ساتھ یہ تسلسل کسی قدر بھلا لگ رہا تھا۔

شاید اس لئے بھی کہ یہ خاموشی اندر کی طویل خاموشی کے ساتھ ہم آہنگ تھی۔ باہر کے ماحول کا اند کے ماحول کے ساتھ ٹرانزیشن تھا۔ انوشے بہن ہونے کے سارے فرائض بہ خوبی نباہ رہی تھی۔ ابھی تھوڑ دیر قبل اسے کافی کا بھاپ اُڑاتا کپ دینے کے ساتھ وہ اچھی خاصی کمپنی بھی دے گئی تھی۔ مگر اس کے جانے کے بعد ماحول اسی سکوت میں گھر گیا تھا۔

اگر یہی تنہائی اس کی ذات کا حصہ بنی تھی تو اس نے وہ راستہ چنا ہی کیوں؟ اپنے فیصلے پر ازسرنوسو ہوئے کافی کا ایک سپ لیا تھا جب اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سے چونک گیا تھا۔ گردن کا رخ موڑ دیکھا تھا۔ انابیہ کچھ ہی فاصلے پر ہاتھوں میں دو کپ کافی کے لئے کھڑی تھی۔

عفنان کے مڑ کر دیکھنے پر قریب آ گئی تھی۔

”اوہ ___ تو تم پہلے ہی کافی لے چکے ہو۔“ اس کے ہاتھ میں بھاپ اُڑاتا کپ دیکھ کر انابیہ کو شا زیادہ اچھا نہیں لگا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

”ہاں ___ تم نے دیر کر دی۔“ انداز ذو معنی تھا۔

انابیہ کی نظروں میں ایک گہرا سکوت آن رکا تھا۔

”شاید ___“ لب بہت آہستہ سے وا ہوئے تھے اور پھر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھ

عفنان نے ایک نظر بھرپور انداز میں اس پر ڈالی تھی پھر دانستہ نگاہ پھیر گیا تھا۔

”تمہیں اچھا لگا شاید۔“ انابیہ نے گرم کافی کا سپ لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز تھا۔

”کیا ___؟“ عفنان چونکا تھا۔ وہ یقیناً نہیں سمجھ پایا تھا کہ انابیہ کس بابت اس سے وہ سوال کررہ ہے۔ انابیہ بجائے جواب دینے کے یا وضاحت دینے کے کافی کا سپ لے کر سر جھکا گئی تھی اور شاید غی دانستہ طور پر اپنی ہتھیلی پھیلا کر اس پر پانی کے برستے قطرے جمع کرنے لگی تھی۔

”تمہیں برا لگا؟“ عفنان علی خان بغور اسے پڑھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

انابیہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر اپنی بھیگتی ہتھیلی کو سمیٹ لیا تھا۔ عفنان علی خان نے بوندوں سے بھیگتے اس چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔ اگرچہ وہ نظریں خاموش تھیں اور اس سے گریزاں بھی تھیں مگر ان میں لکھی تحریر وہ واضح طور پر پڑھ سکتا تھا۔

”لامعہ بہت دنوں بعد آئی۔ کہیں گئی ہوئی تھی یا تم نے دانستہ اسے فراموش کر دیا تھا؟“ بالآخر وہ بات زبان زد ہوئی تھی جس کا چرچا اب تک ”پس پردہ“ چل رہا تھا۔ انابیہ اس ذکر پر چونکی ضرور تھی مگر کچھ بولی نہیں تھی۔

”اچھا لگا اس کا آنا۔“ عفنان نے برملا اظہار کیا۔ بہت مختلف لڑکی ہے وہ۔ بالکل اس کافی کے کپ جیسی۔“ عفنان اس کی تعریف کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ”ایک سپ تلخ ___ ایک سپ شیریں۔“

انابیہ کے لئے یہ تعریف یقیناً حیران کن تھی۔

”یعنی تمہیں لامعہ سے مل کر واقعی اچھا لگا؟“ وہ کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

”ہاں ___ مگر میں اس سے پہلی بار تو نہیں ملا۔ ہم ایک عرصہ تک اچھے دوست رہ چکے ہیں۔ اور فیانسی بھی۔ مگر میں یہ بات تمہیں کیوں بتا رہا ہوں۔ میرا نہیں خیال کسی طرح کی کوئی وضاحت دینے کی مجھے کوئی ضرورت ہے۔“

انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ چہرے کا رخ پھیرے وہ کھڑی رہی تھی۔ وہ بارش کی بوندوں کو اس کے چہرے پر کہانی لکھتے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔ پھر یکدم مسکرا دیا تھا۔

”تمہیں جیلسی فیل ہوئی؟“

انابیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر یکدم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”مجھے جیلسی کیوں فیل ہو گی؟“

عفنان اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”یہ تو مجھے نہیں پتہ ___ یو بیٹر نو ___ شاید تم نادانستہ طور پر اپنے اور میرے رشتے کو لے کر اور پوزیسیو ہو رہی ہو۔ تم سمجھ رہی ہو اگر تم بیوی ہو تو مجھ پر سارا کا سارا حق صرف تمہارا ہی ہے۔ ویری ٹپیکل اپروچ۔“ لہجے میں افسوس سے زیادہ طنز شامل تھا۔ انابیہ کو اس شخص کے سامنے اس لمحے بہت سبکی محسوس ہوئی تھی۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو کہ مجھے کوئی فرق پڑتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم چاہے لامعہ کو کوئی اہمیت دو یا پھر کسی اور کو ___ آئی ڈونٹ کیئر۔“ کسی قدر تلملا کر کہتی ہوئی وہ پلٹی تھی مگر دوسرے ہی لمحے وہ واپس مڑی تھی۔

”اور تم یہ بھی غلط سمجھ رہے ہو کہ میں تم پر کوئی غاصبانہ حقوق جتا رہی ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جو رشتہ تمہارے اور میرے مابین سرے سے ہے ہی نہیں اسے لے کر میں تم پر کیسا حق جتاؤں گی؟ جبکہ اس رشتے کو رد بھی میں ہی کر رہی ہوں۔“ انتہائی زہر خند لہجے میں جتاتی ہوئی وہ کہہ کر مڑنے لگی تھی جب عفنان نے اس کا ہاتھ ایک لمحے میں تھام لیا تھا۔ نظروں میں کسی قدر غصہ تھا۔ انابیہ کی بات نے یقیناً اسے

مشتعل کر دیا تھا۔ بوندا باندی تیز بارش کا روپ اختیار کرنے لگی تھی۔ دونوں بری طرح بھیگنے لگے جیسے عفنان علی خان کو سرے سے پرواہ نہ تھی۔

''ردتم نے مجھے نہیں کیا انابیہ! ردتم نے اپنی خواہشوں کو کیا ہے۔ نہ تو تم مجھے کبھی رد کر سکی ہو نہ ہی گی۔ تمہاری آنکھوں میں اس لمحے کیا ہے؟ —— کیا میں نہیں جان سکتا؟ تم مجھ سے کیا چھپانا چاہ رہی کیا مجھے معلوم نہیں؟ انابیہ! تم کیا چاہتی ہو؟ یہ بات تم خود اپنے آپ سے پوچھو، تاویلیں زمانے کو سے بہتر ہے۔ تم ایک بند کمرے میں خود اپنے آپ سے صرف ایک بات کی وضاحت مانگو۔ آسان سی ہے، تم یہاں ہو اور کس لئے ہو؟ —— اگر تم مجھے رد کر رہی ہو تو پھر کس ناتے سے یہاں ہو؟ ریزہ باقی بچتا ہے پھر؟ —— کچھ نہیں جانتی ہو تم۔'' عفنان نے اس کے وجود کو ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا تھا۔

''کچھ نہیں جانتی ہو اور جاننا بھی نہیں چاہتی ہو۔'' اسے اسی بارش میں بھیگتا چھوڑ کر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

انابیہ کتنی دیر تک اس بارش میں بھیگتی اس سمت خالی خالی نظروں سے تکتی رہی تھی۔

* * *

ایک پرواز دکھائی دی ہے
تیری آواز سنائی دی ہے
آگ میں رات جلا ہے کیا کیا
کتنی خوش رنگ دکھائی دی ہے

''تو کیا سوچا ہے پھر تم نے؟'' فیض چاچو نے اسے کافی کا کپ تھماتے ہوئے اس کے قریب پر جگہ سنبھالی تھی۔ اذہان چونکا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''کس کے متعلق؟''

فیض چاچو مسکرا دیئے تھے۔

''سوچنے کے لئے یہ بھی اچھا سوال ہے۔ مگر فی الحال جو ہے صرف اس کے متعلق سوچنا زیادہ گا۔'' فیض چاچو کی بات پر وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''چاچو! آپ نے خود کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا؟'' سوال میں کئی معنی پنہاں تھے۔ مگر فیض مسکرا دیئے تھے۔

''کیا؟ —— کیا سوچوں؟'' اذہان کے لئے یہ سوال اگرچہ غیر متوقع نہیں تھا مگر وہ چند لمحوں کے چپ ہو کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''چاچو! کیا آپ اسے بہت چاہتے تھے؟'' اذہان حسن بخاری بولا تھا تو فیض بخاری کو ساکت تھا۔ کچھ دیر وہ یونہی نظر پھیرے بیٹھے رہے تھے پھر مسکرا دیئے تھے۔

''کس کی بات کر رہے ہو تم؟'' ٹالنے کا انداز خوب تھا۔

''وہی جو آپ کے ساتھ ہے اور نہیں بھی ہے۔'' اذہان حسن بخاری نے ملائمت سے کہا تھا۔

فیض بخاری مسکرا دیئے تھے۔

''یہ جو زندگی ہے نا، بہت عجب شے ہے یہ۔ کسی سے بھی پوچھ کر دیکھ لو۔ کوئی بھی یہاں زندگی سے خوش نہیں ہے۔ ہزار ہا شکوے شکایات ہیں سب کو مگر کبھی کسی نے زندگی سے نہیں پوچھا، وہ ہم سے کیا چاہتی ہے؟'' بہت اُلجھا ہوا سا سوال تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''چاچو! زندگی نے کبھی تو، کسی موقع پر تو کچھ ایسا دیا ہوگا جس نے دل کو راحت بخشی ہوگی۔''

''ہاں —— مگر وہ جتنے حسین تھے، اسی قدر روح فرسا بھی ہیں۔ سوچنے بیٹھو تو کوئی ایک رنگ بھی ہاتھ نہیں لگتا۔ سب اس کے سنگ ہو گئے۔ جب موسم خواب ہو گئے تو پھر —— پھر باقی کیا بچتا ہے؟'' بہت کمزور سا انداز تھا۔ فیض بخاری نے مسکرا کر جیسے خود کو دھوکا دیا تھا۔

''چاچو! موسم کیا کبھی دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے؟''

اذہان حسن بخاری نے مدھم لہجے میں عجب سوال داغ دیا تھا۔ فیض بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں —— کبھی ایسا ہوتے دیکھا نہیں۔ صرف سنا ہے۔ جو موسم گزر گئے، جو اپنے ساتھ نلے گئے، سو لے گئے۔ واپس نہ لمحے آتے ہیں نہ ہی گزرے موسم۔''

''کوشش کریں تب بھی نہیں؟'' اذہان حسن بخاری کی سرگوشی سے عجب اضطراب جھلک رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' فیض بخاری نے اس کی طرف سے چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری کچھ لمحے خاموش رہا تھا پھر اسی مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''میں جانتا ہوں چاچو! ایسا کچھ ہونا ممکن نہیں۔ نہ تو موسم دوبارہ لوٹ کے آ سکتے ہیں نہ ہی دل دھڑکنا سیکھ سکتا ہے۔ مگر جانے کیوں سوچتا ہوں کبھی کبھی اگر ایسا ہو سکے تو کیسا ہو۔ شاید —— شاید ساری خلش مٹ جائے یا پھر کچھ اور بھی بڑھ جائے۔'' اذہان کا انداز کھویا کھویا تھا۔

''موسموں کا تسلسل شاید کل اور آج کی کہانی کو نہیں بدل سکتا۔ یہ المیہ سہی، مگر یہی سچائی ہے اور اسی سچائی کو میں قبول کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم ہی نہیں اذہان! شاید ہم سبھی اس سچائی کو قبول کرنا چاہتے ہیں، مگر کر نہیں پاتے۔'' فیض بخاری یکدم مسکرا دیئے تھے۔ ''خیر چھوڑو تم اس فلاسفی آف لائف کو۔ تم نے ساہیہ کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

''ساہیہ؟ —— اس کے متعلق کیا سوچنا ہے؟ جو سوچنا تھا سوچ لیا۔'' اذہان کافی کے کپ کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ ''شی از اے نائس گرل۔ ویری انڈر اسٹینڈنگ اینڈ کیئرنگ۔'' تسلیم کیا تھا۔ فیض بخاری مسکرا دیئے تھے۔

''ہاں —— وہ واقعی بہت اچھی ہے۔ اسے کبھی جانے مت دینا۔ زندگی میں رنگ بھرنے والے ہاتھ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔'' اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جتایا تھا۔ اذہان لب بھینچ کر مسکرا دیا تھا۔ تبھی مین گیٹ کھلا تھا اور پورچ میں گاڑی آ کر رکی تھی۔ ساہیہ اور اگینے ایک ساتھ برآمد ہوئے تھے۔

''لو —— تمہاری زندگی کی بہار تو آ گئی۔'' چاچو اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔ اذہان

بھی مسکرا دیا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے یہاں؟ —— آج کیا گھر والوں نے تم دونوں کو گھر سے باہر کر دیا ہے؟“ اگینے ا کی طرف آتی ہوئی مسکرائی تھی۔

”نہیں —— ہم تو زندگی کے نکالے ہوئے ہیں۔“ فیض چاچو نے سخن وری کی حد کر دی تھی۔ ا مسکرا دی تھیں۔

”زندگی کو الزام دینے والے ڈرپوک اور بزدل ہوتے ہیں۔ شاید سنا نہیں ہے آپ نے۔“

”مجھے اختلاف نہیں ہے۔“ فیض چاچو مسکرا دیئے تھے۔

”ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے ہوں گی یا ہمیں اندر بھی مدعو کریں گے؟“ اگینے نے شکوہ کیا تھا

”آپ کا اپنا گھر ہے۔ کیا اجازت کی ضرورت ہے آپ کو؟“ فیض چاچو نے نہ صرف اگینے کے راستہ چھوڑا تھا بلکہ بہ نفسِ نفیس خود انہیں لے کر اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

ساہیہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب دیکھنے لگی تھی پھر اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

”اگینے پھپھو کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زندگی میں کتنے بڑے کرائسس جھیل رہی ہیں میرے خیال میں اگر ہمیں جینے کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو ان سے رجوع کرنا چاہیے۔“

”کیوں، کیا ہوا؟ —— میرا تو خیال ہے شی اِز کمپلیٹلی اے ونڈرفل وومن۔ خاصی خوش باش وہ۔ اور ایک اچھی زندگی بھی بسر کر رہی ہیں۔“

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”ایسا نہیں ہے اذہان! —— شی اِز ناٹ اے ہیپی وومن۔ ان کو دیکھ کر مجھے زندگی سے کبھی کبھی لگنے لگتا ہے۔ یہاں کوئی بھی اپنی زندگی سے خوش نہیں ہے۔ مگر اگینے پھپھو کی زندگی میں کہیں کوئی رنگ نہ ہے۔ مگر وہ پھر بھی کوئی شکوہ نہیں رکھتیں۔ نہ اپنے آپ سے —— نہ زندگی سے نہ ہی لوگوں سے۔ اذہا ان کی زندگی سفر کر رہی ہے۔ ان کے ہزبینڈ انہیں چھوڑ چکے ہیں مگر وہ یہ بات صرف اپنے تک محدود ر ہوئے ہیں۔ انہوں نے کوئی اچھی میرج لائف نہیں گزاری۔ اس کے باوجود وہ نباہتے رہنا چاہتی تھیں۔ ایک دن یہ سلسلہ بھی ٹوٹ گیا۔ وہ واپس لوٹ آئیں اور کسی سے کچھ نہیں کہا۔ کسی سے کوئی شکوہ نہیں انہیں اور وہ خوش ہیں۔ اذہان! بعض اوقات سب کو خوش رکھنے کے چکر میں خود کا کتنا نقصان ہو جاتا ہے نا

ساہیہ نے افسردہ لہجے میں کہا تھا اور اذہان اس کی سمت مسلسل دیکھتا نہ رہ سکا تھا۔

”اذہان! مجھے ڈر لگتا ہے۔“

”کس بات سے؟“ اذہان نے اس کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

”تم سے، خود سے اور شاید سب سے۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ اذہان اس کا دل رکھنے کو مسکرایا تھا۔

ساہیہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”نہیں اذہان! میں غلط نہیں کہہ رہی۔ مجھے واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔ کہیں میں خالی ہاتھ نہ رہ جاؤں

اہیہ جیسی زندگی سے بھرپور لڑکی ایسا خدشہ ظاہر کرتی بہت عجیب لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور مسکرا دیا تھا۔

”لاؤ، دیکھوں تو ذرا، اس ہاتھ میں بھلا کتنے رنگ ہیں۔“ اس کی ہتھیلی کو پھیلاتے ہوئے بغور دیکھا ا۔

”فیض چاچو ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارا ذکر کرتے ہوئے بڑی مزیدار بات کہہ رہے تھے۔“ اذہان حسن اری نے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

”پوچھو گی نہیں کیا؟“ اذہان مسکرا رہا تھا۔ مگر ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی ہی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

”زندگی میں رنگ بھرنے والے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں۔ سچ کہا تھا انہوں نے۔“

”اذہان! اگر میں تنہا رہ گئی تو؟“ ساہیہ کے خدشات نہ ختم ہونے والے تھے۔ لمحہ بھر کو اذہان کچھ نہیں ہہ سکا تھا پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

”پاگل ہو تم —— یہ بھلا کیا سوچ ہوئی؟ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟“ براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ئے سوال کیا تھا۔ ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔

”ساہیہ! ٹرسٹ می۔ میں مانتا ہوں میرے پاس اتنے رنگ نہیں ہیں۔ نہ ہی اتنے خواب کہ تمہیں جواباً ٹا سکوں۔ مگر میں اس اعتبار کی بنیاد ضرور رکھ سکتا ہوں جسے لے کر ایک اچھی اور بھرپور زندگی گزاری جا تی ہے۔“ اذہان نے بھرپور انداز میں یقین دلایا تھا۔ ساہیہ اسے کچھ دیر یونہی دیکھتی رہی تھی پھر نظر یرتے ہوئے بولی تھی۔

”ماہا کا کیا ہوا؟ —— معاملہ کچھ سلجھا یا کہ نہیں؟“

”ہوں —— کسی قدر —— پاپا نے ضد وقتی طور پر چھوڑ دی ہے۔ مگر ماہا فی الحال نانو کے ہاں ہی ہے۔ شاید وہ کسی قدر خوفزدہ ہے —— ساہیہ! ممی کل انگیج منٹ کی بات کر رہی تھیں۔“

”کس کی انگیج منٹ کی بات؟“ ساہیہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

”تمہاری اور میری انگیج منٹ کی بات۔“

ساہیہ خان کی آنکھوں میں کچھ خاص رنگ اترے تھے اور پلکیں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں۔ اذہان نے ا کا ہاتھ تھام لیا تھا اور یقین دلاتے ہوئے بھرپور انداز میں بولا تھا۔

”مجھے یقین ہے تم میرے ساتھ خوش رہو گی۔ ٹرسٹ می۔ میں تمہیں کبھی دُکھی نہیں کروں گا۔“

* * *

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی سمندر کی گیلی ریت پر روک دی تھی اور اس کی طرف کا دروازہ ھول کر اسے ہاتھ تھام کر باہر نکال لیا تھا۔

میرب سیال ایک میکانکی انداز میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔ اس شخص کے تیور ہمیشہ اس کی سمجھ نہ آنے والے تھے۔ وہ کبھی بھی اسے سمجھ نہیں پائی تھی اور اب تو اور بھی سب کچھ الجھا الجھا ہوا نظر آ رہا

آسمان پر سیاہ کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ موسم کسی بھی وقت خط صورت حال اختیار کر سکتا تھا۔ مون سون کی ہواؤں کا زور تھا۔ میرب کا آنچل دور تک لہرا رہا تھا۔ مو واضح انداز میں خنکی تھی۔ وہ کپکپا رہی تھی۔ مگر اتنی ہمت ناپید تھی کہ اس شخص سے کچھ کہہ سکتی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لہروں کے بیچوں بیچ لے جا کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا تھا او بغور دیکھنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لئے اس کا یہ رویہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ قطعاً نہیں سمجھ پائی تھ ایسا ری ایکٹ کیوں کر رہا تھا۔ پیروں سے کئی لہریں آ کر ٹکرا رہی تھیں۔ ریت کئی بار پیروں کے سرکتی محسوس ہوئی تھی۔ تیز ہوائیں جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔ وہ واضح انداز میں کپکپا رہی تھی ہونٹ لرز رہے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے اس طرح دیکھتا رہا تھا۔ پھر ایک دم سے اسے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

”کیوں کرتی ہو تم ایسا؟—— کیوں کیا تم نے ایسا؟—— چاہتا ہوں، نہ کچھ کہوں تمہیر شکوہ نہیں، نہ شکایت۔ مگر تم—— میں تمہیں سزائیں دینا نہیں چاہتا سویٹ! پھر کیوں تم........“ ا بھیگے گیسوؤں پر اپنے لب رکھ کر وہ کتنے مدھم انداز میں کہہ رہا تھا اور میرب اس کے مقابل سا کھڑی تھی۔

ان سنسناتی ہواؤں میں تنہا کھڑے وجود کو، وہ حرارت سے پُر حصار کچھ عجب نہیں لگا تھا۔ ا میں ضم کر لینا نامعتبر نہ لگا تھا۔ اپنا بے حد کمزور ہونا برا نہ لگا تھا۔ اس کا خود پر جارحانہ انداز میں حق نہ لگا تھا۔

شاید کچھ اچھا لگا تھا۔

شاید وہ موسم!

شاید وہ بارش!

شاید وہ جادو جو اس لمحے وہ اپنے اردگرد پھیلتا محسوس کر رہی تھی۔ یا پھر وہ وسیع سمندر۔

وہ خاموش ماحول۔ جس میں نہ کوئی آہٹ تھی نہ کوئی دوجی آواز۔

دور تک خاموشی تھی اور اس خاموشی میں گونجتی ایک ایک آواز وہ اس گھڑی بغور سن رہی تھی۔

شوریدہ سر سمندر کی آواز۔

لہروں کا شور۔

بارش کی آواز۔

بوندوں کی ایک انوکھی نغمگی۔

موسم میں رچا ایک الوہی احساس

اس پُر تپش حصار میں سینے میں دھڑکتے دل کی آواز۔

ان دھڑکنوں کا شور۔ اور خود اس کے اپنے دل کا ارتعاش!

کتنا انوکھا تجربہ تھا۔ کس قدر نیا احساس۔ جو شاید اس سے قبل نہ تو اس نے محسوس کیا تھا نہ ہی

بلے اس کو برتا تھا۔ وہ چند لمحوں پر محیط پل اسے کئی خواب دیکھنے پر اُکسانے لگا تھا۔ وہ قربتوں کا پل دو پل کھیل اسے خود سے جدا کرنے کے جتن کرنے لگا تھا۔

وہ سارا شہر جیسے اس وقت ایک طلسم کدہ تھا اور وہ اس سحر سے جکڑے ماحول کا حصہ تھی۔ عجب فسوں ساز تھا وہ شخص—— عجب بھید بھری چپ تھی۔

کتنی دوری پر تھی وہ۔ اپنے ساز و آہنگ سے جینے کی قائل۔ نہ دل کا پتہ نہ درون جاں کا۔ اور کیسے ک پل میں اس شخص نے سارے کے سارے منظر بدل ڈالے تھے۔ عجب حاشیئے کھینچے تھے اس کے دگرد کہ سارے کے سارے زاویے بدل دیئے تھے۔

فسوں گری کی حد تھی۔

اسم گری کی انتہا تھی کوئی—— لمحہ دو لمحہ کو تو وہ بھی کھو گئی تھی۔ مگر نہیں۔

وہ یکدم جیسے اس خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ بہت آہستگی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

جان میں پھیلا فسوں اپنا اثر کھونے لگا تھا۔

وہ رگوں میں دوڑتا اضطراب سمٹنے لگا تھا۔ وہ ایک پل میں حقیقت کے کھلے آسمان تلے تھے۔ وہ ادونگری اپنے پیر سمیٹ چکی تھی۔

وہ سارا کا سارا پھونکا گیا جادو اُڑن چھو تھا۔

وہ کھینچا گیا حصار بہت آہستگی سے اپنے گرد سے ہٹا چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ طلسم بھی ٹوٹ چکا ا۔ مگر جان میں دم توڑتی ایک ہلکی سی ہلچل اب بھی باقی تھی۔

گریزاں سی نظر اٹھی تھی مگر قدم کچھ پرے سرک گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تیزی سے بوندوں سے بھیگتے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

”میرب! پلیز، ڈونٹ ڈو دِس ٹو می۔“ خاموش، ساکت فضا میں ایک مدھم سرگوشی ہوئی تھی۔ انداز ملتجی تھا۔

میرب سیال کا دل چاہا تھا وہ آنکھیں بہت زور سے میچے اور اس ماحول سے بھاگتی ہوئی کہیں دور جا لے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ نہ تو قدموں میں اتنی ہمت تھی، نہ جاں، نہ کوئی اقدامِ بغاوت۔ وہ اسی رح کھڑی رہی تھی۔ سر جھکائے، کسی حکم کے پابند، کسی منشا کے زیر۔

”تمہیں کہا تھا نا، مجھے اچھا نہیں لگتا تم پر رعب جماؤں، اپنا حق جتاؤں یا تمہیں مرعوب کروں۔ مجھے بار باتوں کو دہرانا بھی اچھا نہیں لگتا۔ پھر کیوں—— کیوں کیا تم نے ایسا؟—— مسٹر سیال کو یہاں نے کے لئے کیوں کہا؟—— فون پر بات ہوئی ہے میری۔ پتہ چلا وہ تمہیں لینے آ رہے ہیں۔ کہا تھا —— منع کیا تھا نا کہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ پھر کیوں؟—— وائے میرب؟—— وائے؟“

کس قدر سخت لہجے میں وہ دریافت کر رہا تھا۔

آسمان سے برستا ہوا پانی انہیں تیزی سے بھگونے لگا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس قدر نی ہو رہا تھا کہ اسے کسی

””میں خود نہیں جانتا میرب سیال! میں اتنا قدامت پرست بھی کبھی نہیں رہا۔ مگر تمہارے معاملے جانے کیوں دستبردار نہیں ہو سکتا۔ ڈونٹ گٹ می رونگ۔ اوں ہوں۔“ بہت آہستگی سے ہاتھ اٹھا کر میں ہلایا تھا۔

””میں تمہیں کسی قید کا پابند کرنا نہیں چاہتا۔ مگر تمہیں آزاد چھوڑ کر میں کوئی رسک بھی لیتا نہیں چا جانتا ہوں میں، میری پناہ تمہیں اچھی نہیں لگتی۔ مگر کیا کروں، میری عادت نہیں ہے دستبردار ہونے جانتا ہوں، مانتا ہوں، تم جیتا جاگتا وجود ہو۔ سانس لیتا ایک حساس وجود۔ جو سوچتا ہے، دیکھتا ہے، ہے۔ مگر شاید وہ نہیں جو چاہیے۔ کسی قدر نادان ہو۔ اور اسی بات کا ملال ستاتا ہے مجھے۔ کہیں بے د میں اپنا کوئی عظیم نقصان نہ کر بیٹھو۔ جانتا ہوں، تمہیں ناصح کی ضرورت نہیں۔ میں راہبر بھی بننا نہیں چا چاہتا ہوں تو صرف وہ، جو تم شاید سمجھ ہی نہیں رہی ہو۔“

انداز کسی قدر افسوس ناک تھا جیسے وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔

””میری مجبوری دیکھ رہی ہو تم۔ اپنے اصولوں کے خلاف جا رہا ہوں۔ نہ بات دہرانے کا عادی نہ حکم عدولی سننے کا۔ مگر تمہارا معاملہ عجب ہے۔ رعایت دینا ضروری ہو گیا ہے۔ مجھے میرے اصولوں بغاوت پر اکسا رہی ہو تم۔ مگر کیا کروں، تمہارا کچھ نہیں کر سکتا میں۔ مگر پلیز، مجھے اور آزمانا بند کر دو۔ پر تو تم مائل نہیں ہو، ستانا تو بند کر سکتی ہو نا؟“ اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اسے بہ غور دیکھا تھا۔

””مسٹر سیال آئیں تو انہیں منع کر دینا۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ اس سے زیادہ نہ میں کچھ کہنا چاہتا ہی سننا۔“ یکدم دوٹوک فیصلہ سناتا وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک زمین کے مضبوط سینے پر چلتے اس بے حد مضبوط جسامت والے مضبو شخص کو دیکھتی رہی تھی۔ دھند میں لپٹے منظر بہت پُرسکوت تھے۔

وہ بارش بھی بہت چپ چاپ سی تھی اور لہروں کی طغیانی۔ اور تو کچھ یاد نہ تھا——ہاں اندر د کسی علاقے میں کہیں، کسی قدر کچھ ارتعاش سا ضرور برپا محسوس ہوا تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص حتمی اند فیصلہ سنا کر اس گھڑی گاڑی کا دروازہ کھولے اس کی جانب متوجہ کھڑا اس کا منتظر تھا۔ کتنی آہستگ میرب نے اس کی سمت اپنے بے جان قدم اٹھائے تھے۔ کیسا میکانکی سا انداز تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتی قدم اٹھا رہی تھی یا قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔

❄❄❄

اذہان حسن بخاری گھر میں داخل ہوا تھا تو ماحول خاصا مختلف ملا تھا۔ لحہ بھر کو تو وہ ٹھٹک کر رک گیا

’گھر اپنا ہی ہے نا؟‘ یقین کرنے کو اس نے ایک بار درو دیوار کو بہ غور دیکھا تھا۔

””کیا کر رہے ہو میاں!——چلے آؤ۔ یہ محفل جو آباد ہوئی ہے آپ ہی کے سبب ہوئی ہے نے اسے دیکھتے ہی ہانک لگائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے کسی قدر حیرت سے اس غول کی طرف دیکھا تھا۔ ڈھولکی کی آواز——گانا بجانا، انتہائی بےسُرے راگ الاپنا——اور وہ بھی اس کے گھر کے اندر۔ ا

لوفانِ بدتمیزی، بھانت بھانت کی بولیاں۔

””کیا ہو رہا ہے یہ؟“ اذہان حسن بخاری نے کسی قدر حیرت سے پہلے ان سب کی طرف اور پھر فارحہ ی طرف دیکھا تھا۔ وہ ملائمت سے مسکرا دی تھیں۔ عزیر اس کا ہاتھ تھام کر بھنگڑے کے سے انداز میں ے گھمانے لگا تھا۔

””مہندی کی خوشبو سے
سانسوں پہ چھا جائے
آ جانِ من!
ہم آئے——تجھ کو لینے!
نذرانہ دل کا دینے
ہم تیرے ہو جائیں گے
یہی——!
ہے لیکن!“

اذہان حسن بخاری کی نظر ہجوم میں گھری بیٹھی ساہیہ پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتی مسکرا رہی تھی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ اذہان اب بھی نہ سمجھا تھا۔

””سو سمپل یار!——تیری آزادی ختم ہونے کا جشن منایا جا رہا ہے۔“ دوست فاران نے ہاتھ سے س کی گردن کے قریب چھری پھیرنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

””یعنی خدا تمہارا حامی و ناصر ٹھہرے۔ کشتی طوفان میں گھرنے کو ہے۔“ ایک اور کزن نے چٹکلا چھوڑا ا۔

””سیدھی سی بات ہے یار! ہم گرتی دیوار کو ایک دھکا اور دینے آئے ہیں۔“

””تجھے چپو چلانا تو آتا ہے نا؟——ویسے اس سمندر میں کشتی چلانے کا کوئی لائسنس ابھی تک جاری ں ہوا۔ صرف کچھ سنس استعمال کرنے چاہئیں۔“ عبید نے انکشاف کیا تھا۔ زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

”ہاں——جیسے کامن سانس، لائے سنس، سنس آف ہیومر اور اسی جیسے اور بہت سے سنس—— تجھے تھوڑا سا انڈر اسٹینڈنگ ہونا پڑے گا اور ساتھ ہی حاضر دماغ بھی۔“ عزیر نے ابھی سے وارننگ ے دی تھی۔

”ماجرا کیا ہے؟“ اذہان نے بہت سکون سے دریافت کیا تھا۔ کمرے میں قہقہوں کی بہار آ گئی تھی۔

”یار! یہ اب بھی نہیں سمجھا۔“ نعمان نے اس کی عقل پر بھرپور ماتم کیا تھا۔

””کیسے سمجھائیں اسے اب؟“ عزیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

””تُو نے تیسری جنگ عظیم کے متعلق کبھی سوچا ہے؟“ عبید نے اسے کریدا تھا۔

””چلو، یہ تو دور کی بات ہے۔ یہ بتا دو، دوسری عالمی جنگ کے متعلق ضرور سنا ہو گا۔ بس سمجھ لے، تیری ی میں بھی ویسا ہی انقلاب برپا ہونے والا ہے۔“ لبوں پر مسکراہٹ لئے نعمان شرارت سے بولا تھا۔

''اب تو سمجھ جا میرے یار!''

''میرے خیال میں اسے کچھ کچو کے مزید لگانے ہوں گے۔ شاید فوری طور پر مدعا بیان کرنے دماغ پر تھوڑا اثر پڑا ہے۔'' عبید نے فتویٰ جاری کیا تھا۔ اذہان کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''ہٹو، ہٹو۔ میرے پیارے سے بھائی کو تنگ مت کرو۔ ابھی تو رات گئے تک یہ غل غپاڑا چلنا ماہا ہجوم کو چیرتی ہوئی ایپل جوس لئے آگے بڑھی تھی۔

''بھائی! پلیز، آپ بیٹھ جاؤ۔'' ماہا نے محبت سے کہا تھا۔

''پکڑ میں مت آنا اذہان بابو! مرغے پر چھری پھیرنے سے پہلے کی تیاری ایسی ہی ہوتی ہے۔'' نے جملہ اچھالا تھا۔

''مرغا نہیں، بکرا کہو بے وقوف! ــــــ دیکھا نہیں ہمارے اذہان میاں ماشاء اللہ سے کیا غضب ڈیل ڈول رکھتے ہیں۔'' نعمان نے تصحیح کی تھی۔ قہقہوں کا طوفان آ گیا تھا۔

اذہان نے جوس کا گلاس تھام لیا تھا اور مسکراتے ہوئے ان سب کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ ــــــ یہ ساری ٹیم کیا آج ہی پاگل خانے سے باہر آئی ہے؟''

''ہاں ــــــ تجھے صرف یہ بتانے میرے بھائی! کہ بہت جلد تُو بھی وہاں جانے والا ہے۔'' عزیر ایک آنکھ دبا کر کہا تھا۔ زبردست قہقہے پڑے تھے۔

''ارے میرے یار! ــــــ تیرے ''حضرت میاں'' بننے کی پہلی قسط ادا ہونے جا رہی ہے۔ پہلی اسٹیج پر تُو نے بالآخر قدم رکھ دیا ہے۔ یار! خوش نصیب ہے۔ ہم تو نجومیوں کے پاس چکر ہی گئے۔ نہ محبوب قدموں میں آیا نہ کوئی چاند کھڑکی سے طلوع ہوا۔ سر کا چاند ضرور طلوع ہو گیا۔'' اپنے تیزی سے کم ہوتے بالوں کا قلق ہوا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے یار! ــــــ ہم سب کا دکھ مشترکہ ہے۔ مگر تُو وہ واحد خوش نصیب ہے نوجوانوں کی انجمن سے خارج ہونے جا رہا ہے۔'' عبید نے بھرپور رشک کیا تھا۔

''کم آن یار! ابھی صرف منگنی کی ڈیٹ فکس ہونے جا رہی ہے۔ ڈونٹ بی فنی۔'' اذہان نے مسکرا ہوئے جان چھڑائی تھی۔

''خوشیوں کے پل جتنے بھی ہاتھ لگیں انہیں مٹھی میں بند کر لینا چاہیۓ۔ اور یہ خوشی اتنی معمولی ہے۔ آخر کو میرے اکلوتے بھائی کی انگیج منٹ ڈیٹ فکس ہونے جا رہی ہے۔ اٹس اے گریٹ ٹائم بریٹ۔'' ماہا نے بھائی کے ساتھ لگتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے بہن کے گرد بازو اور اس کے سر پر پیار کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''تو تم نے اس سارے غول کو یہاں اکٹھا کیا ہے؟'' بہن سے دریافت کیا تھا۔

''کیا بات کرتا ہے یار؟ ــــــ ہم آ گئے ہیں، احسان مان۔ ورنہ تو ہم اس کی بھی فیس چارج ہیں۔'' عبید نے مطلع کیا تھا۔

''اگر اجازت ہو تو ممی سے مل لوں؟'' اس گھیرے ہوئے غول کی طرف دیکھا تھا اور اجازت

رحہ کی طرف چلا آیا تھا اور ساہیہ کے ماما پاپا، اگینے اور دیگر خاندان کی بڑی شخصیات کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

رحہ نے اٹھ کر بیٹے کو گلے لگایا تھا۔ اذہان نے انہیں بہ غور دیکھا تھا۔

''آپ خوش ہیں نا؟''

''ہوں ــــــ بہت۔ اور تم؟'' محبت سے بیٹے کے بال بکھیرے تھے۔

''میں بھی۔'' اذہان مسکرایا تھا۔ ''ممی! ــــــ پاپا؟'' بہت مدھم لہجے میں دریافت کرنا چاہا تھا۔ اس اہم ترین موقع پر یقیناً وہ اس اہم ہستی کو اپنی زندگی میں شامل دیکھنا چاہتا تھا۔ ممی نے چہرے کے شارے سے اسے مڑ کر دیکھنے کو کہا تھا۔ اذہان مڑا تھا اور اپنے پیچھے سعد حسن بخاری کو کھڑے دیکھ کر حیران ہ گیا تھا۔

''مبارک ہو مائی سن!'' پاپا نے کہتے ہوئے اسے ساتھ بھینچا تھا۔ اذہان حسن بخاری کو اپنی زندگی کا یہ بصورت ترین دن لگا تھا۔

''تھینکس، اینڈ.........'' اذہان لمحہ بھر کو ہیزی ٹیٹ ہو کر رکا تھا۔ ''اینڈ آئی لو یو پاپا! ــــــ آئی لو یو سو ہے۔'' مدھم لہجے میں کتنے عرصے بعد اظہار ہوا تھا۔

سعد حسن بخاری نے بیٹے کو دیکھا تھا اور پھر اسے دوبارہ اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''آئی لو یو ٹو مائی سن!'' مدھم لہجے میں کتنے دنوں کی تھکن تھی۔

فارحہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''سعد بھائی! پلیز، آیئے۔ وقت گزرا جا رہا ہے۔ بزرگوں کی مجلس تاریخ طے کرنے کو آپ کی منتظر ہے۔'' فیض بخاری نے آ کر ان کو مطلع کیا تھا۔ سعد بخاری، فارحہ اور فیض کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے۔

اذہان حسن بخاری کتنی دیر وہاں کھڑا رہا تھا۔ اس کمرے میں اب بھی اتنا ہی ہنگامہ تھا۔

اکھیاں ملا لے ساڈے نال گوریئے!
بھنگڑا تُو پا لے ساڈے نال گڑیئے!

عبید، نعمان، عزیر سبھی کزنز اور دوست پیش پیش تھے۔ لڑکیاں الگ ساہیہ کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ اذہان سن بخاری چلتا ہوا اس کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت متوجہ تھی۔

عبید، نعمان، عزیر سبھی بھنگڑا کرنے میں مصروف تھے۔ لڑکیاں بھی تالیاں بجاتے ہوئے اپنا حق ادا کر ہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے ساہیہ کے قریب رک کر مسکراتے ہوئے اس کی سمت ہاتھ بڑھایا تھا اور سے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

ساہیہ توازن بحال کرتی ہوئی اسے گھورنے لگی تھی۔

''مسٹر! ابھی رائٹس آپ کے نام ریزروڈ نہیں ہوئے۔ کچھ خیال کیجئے۔'' جتایا تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''خیال؟ ــــــ کس بات کا خیال؟'' یکسر انجان پن سے دریافت کیا تھا۔ ''ہم تو آپ کو صرف ھینکس کہنا چاہتے ہیں۔''

''بہانہ اچھا ہے۔'' ساہیہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ اُتری تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''یار اِٹس ناٹ اے جوک۔ یہ بات بھی تھی۔ مگر......'' بات مکمل ہونے سے قبل ہی ساہیہ مسکرا تھی۔ اذہان چوری پکڑے جانے پر بنا خجل ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''سو وہاٹ؟ــــــ یار! فیانسی ہونے جا رہا ہوں تمہارا۔ اب اتنا تو حق بنتا ہے میرا۔ میں واقعی تم تھینکس کہنا چاہتا ہوں۔'' اذہان نے مسکراتے ہوئے بہ غور اسے دیکھا تھا۔

''مگر کیوں؟'' ساہیہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''ساہیہ!ــــــ تم نے مجھے زندگی کا وہ سُکھ دیا ہے جس کے بارے میں، میں صرف سوچ سکتا یہ گھر، اس کی خوشیاں لوٹانے میں یقیناً سارا کا سارا ہاتھ تمہارا ہے۔ ممی کے چہرے کی راحت اور سکو میرے لئے زندگی کا سب سے بڑا چیلنج تھا، پاپا کا فیملی کی طرف لوٹ آنا، تمہارے باعث، سب کچھ وا لوٹ آیا ہے۔ آئی ایم ریئلی ہیپی ودِ یو۔ تم نے مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے۔'' اذہان اس کا ہاتھ تھا عقیدت سے لبوں تک لے جاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ ساہیہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ پھر مدھم میں گویا ہوئی تھی۔

''اذہان! تمہاری خوشیاں، میری خوشیوں سے الگ نہیں ہیں۔ نہ ہی میری خوشیاں تمہاری خوشی سے۔ اب ہمیں اک دوجے کے لئے ہی جینا ہے۔ اور رہی بات یہ کہ یہ سب میرے باعث ہے تو صرف تم سوچتے ہو۔ ورنہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں کوئی جادو نہیں ہے کہ گھماؤں اور سب اچھا ہو جائے۔'' ساہیہ مسکرائی تھی۔

اذہان کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی سمت سے نگاہ ہٹا گیا تھا۔ ساہیہ نے اسے دیکھا تھا۔

''اذہان!''

''ہوں؟'' وہ جیسے چونکا تھا۔

''تم خوش ہو؟'' بہت عجیب سوال تھا۔ اذہان چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''آف کورس یار!ــــــ بھور کے لڈو کھانے جا رہا ہوں۔ سنا ہے بہت لکی ہوتے ہیں جو لوگ لڈوؤں کو ٹیسٹ کرتے ہیں۔''

لبوں پر مسکراہٹ مطمئن کرنے کو کافی تھی۔ مگر ساہیہ اسے متواتر تشویش سے دیکھتی رہی تھی۔ ا سیل نکال کر کوئی نمبر ملانے لگا تھا۔

''پچھتاؤ گے تو نہیں؟'' خدشہ برملا تھا۔ ساہیہ کی تمام توجہ اس پر تھی۔

''کم آن یار! فضول کی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو تم۔''

''ایکسکیوز می۔'' اذہان کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

عزیر، فیض چاچو اور ماہا مٹھائی لے کر آن وارد ہوئے تھے۔

''مبارک ہوــــــ تاریخ طے ہو گئی منگنی کی۔ یعنی آدھی قید کا آغاز ہوا ہی چاہتا ہے۔ ٹھیک

بعد۔'' ماہا نے کہتے ہوئے گلاب جامن اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔

''بھائی کہاں ہیں؟''

''وہاں، ٹیرس پر۔ سیل پر کسی سے بات کر رہے ہیں۔'' ساہیہ کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔ اردگرد ہجوم نے اسے گھیر لیا تھا۔ کوئی اس کے اندر کا سکوت محسوس نہیں کر سکا تھا۔ ماہا بھی مٹھائی ہاتھ میں لئے بھائی کی طرف پیش قدمی کر گئی تھی۔

❄❄❄

انابیہ سیل پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ عفنان علی خان اندر داخل ہوا تھا۔ اور تبھی اس نے وہ سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

عفنان اس کی جانب مطلق کوئی توجہ دیئے بغیر جھک کر دراز میں سے کچھ تلاشنے لگا تھا۔

''عفنان!'' انابیہ نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا مگر اس کے تلاشتے ہاتھ تھم گئے تھے۔ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس کی بات سننے پر مائل تھا اور پوری توجہ اس لمحے اس کی جانب مبذول کئے ہوئے تھا۔

انابیہ کو فوری طور پر مدعا بیان کرنا مشکل لگا تھا۔ شاید اسی لئے وہ رخ پھیر کر چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رکی تھی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' دھیما لہجہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا۔ عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر پُر خیال انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

''مجھے بھی تم سے بات کرنی ہے۔''

انابیہ چونکی نہیں تھی۔ صرف مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

عفنان علی خان کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ غالباً وہ کسی اہم نقطے پر سوچ رہا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' حکم صادر کرتا ہوا وہ چلتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑی اس سمت تکتی رہی تھی پھر چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ گئی تھی۔

عفنان پورچ میں گاڑی کا لاک کھول رہا تھا۔ وہ بھی چلتی ہوئی گاڑی کے پاس جا رکی تھی۔ عفنان علی خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔

انابیہ نے بیٹھ کر اپنی طرف کا دروازہ بند کیا تھا اور عفنان علی خان نے گاڑی آگے بڑھانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ گاڑی میں کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی تھی۔ نہ انابیہ کچھ کہہ سکی تھی نہ ہی عفنان علی خان۔ شاید دونوں ایک دوسرے کی طرف سے بولنے کے منتظر تھے۔

''آپ کچھ کہنا چاہتی تھیں؟'' عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پہلا موقع اسے دیا تھا۔

انابیہ چونکی تھی مگر فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

''آپــــــ آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟'' انابیہ جانے کیوں اُلجھن کا شکار نظر آئی تھی۔ عفنان علی خان کسی قدر لاتعلقی سے ایک نگاہ اس پر ڈال کر دوبارہ ونڈ اسکرین کی سمت متوجہ ہو گیا تھا۔ تبھی اس کا سیل

بج اٹھا تھا۔ عفنان نے اسکرین پر چمکتا ہوا نام دیکھا تھا اور کال ریسیو کر لی تھی۔

''اوہ ـــــ آئی ایم سوری یار! میں بھول گیا۔ تمہارا ٹیکسٹ مورننگ میں ملا تو تھا۔ مگر پھر دن بھر اتنی مصروفیت رہی کہ یاد ہی نہیں رہا۔ تم بتاؤ، اس وقت کہاں ہو؟ کہیں ریسٹورنٹ میں بیٹھی میرا انتظار تو نہیں کر رہیں؟'' تخاطب توجہ کا باعث بنا تھا۔

جواباً پتہ نہیں دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا کہ عفنان علی خان کا قہقہہ گاڑی میں گونج گیا تھا۔

''کیا کروں ـــــ ایسا ہی ہوں۔ اگر انتظار نہیں کر سکتیں تو لوٹ جاؤ۔ میں یہ جھیل سکتا ہوں،'' مسکراتے ہوئے مدعا بیان کیا تھا۔

انابیہ چہرے کا رخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''عفنان علی خان کے دل کو ابھی جانا ہی کہاں ہے آپ نے ـــــ نہیں، رفوگری کا کوئی اتنا زیاد کام نہیں۔ معمولی مرمت اور ٹیوننگ کی ضرورت ہے۔ کوئی زیادہ ٹوٹ پھوٹ نہیں ہے۔'' مسکراتے ہوئے ایک دلچسپ وضاحت کی تھی۔ جانے کس سوال کے جواب میں۔

انابیہ رخ پھیرے مکمل لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

موصوف کی گفتگو طول پکڑتی جا رہی تھی۔

انابیہ نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا تھا۔ سر و ساز چار اطراف پھیلنے لگے تھے۔

بے بسی نہیں ہے یہ بے جواز!
خاموشی میرے دل کا ہے سوال!
بے رخی ہی سہی پر ہے تو سہی بہار
وہ نظر جو تھی اپنی مثال
دل میرا کرتا ہے تمہیں تلاش
تم صنم ہو میرا سوال
فاصلے ـــــ گر ہوں گے درمیاں
مل نہ سکیں گے ہم ـــــ
فاصلے ـــــ!
گر ہوں کے درمیان
مل نہ سکیں گے ہم ـــــ!

عفنان علی خان نے کسی قدر ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کر دیا تھا۔ انا اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ تبھی وہ اس کے چہرے کے ناپسندیدہ تاثرات نہیں جان پائی تھی۔ عفنان عل خان دوبارہ گفتگو میں مصروف ہو چکا تھا۔

''اوکے یار! ـــــ غصہ ٹھنڈا کرو ـــــ اور آج کی ملاقات کا وقت کچھ آگے بڑھا دو ـــــ یا ٹائم آگے بڑھانے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ میٹنگ پوسٹ پونڈ نہیں کر رہا۔''

''اوکے ـــــ رائٹ۔'' دوسری طرف سے شاید گرم جوشی کا اظہار ہوا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''اوکے ـــــ سیم ہیئر! ـــــ سی یو سون۔''

عفنان علی خان نے سلسلہ منقطع کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ انابیہ اس کی سمت قطعاً متوجہ نہیں تھی۔

''کہیے، کیا کہنا تھا آپ کو؟'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے خاطر خواہ توجہ اسے دی تھی۔ انابیہ نے اس کی طرف دیکھنے سے مکمل اجتناب برتا تھا۔

''لامعہ تھی؟'' پتہ نہیں کیا سوچ کر سوال داغا گیا تھا۔

عفنان علی خان لحہ بھر کو حیران ہوا تھا۔ پھر لاتعلقی سے ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''دیٹس ناٹ یور کنسرن۔ یہ آپ کا کنسرن نہیں ہے انابیہ شاہ! ـــــ میرا نہیں خیال کہ مجھے کسی کو جواب دہ ہونا ہے یا میں کسی طور پر کسی کا پابند ہوں۔'' بہت کھردرے انداز میں جواب سے نوازا گیا تھا۔

انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''کیوں؟ ـــــ اچھا نہیں لگا آپ کو؟ اس لئے، یہ میرا کنسرن نہیں؟'' جواباً کہا تھا۔ مگر عفنان نے جواب دینا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

''آخر کیا کر رہے ہیں آپ؟ ـــــ یہ کیا نیا چکر ہے؟ ـــــ اگر آپ سمجھ رہے ہیں کہ اس ٹپیکل انداز سے آپ میرے دل میں کوئی جگہ پا لیں گے تو یہ بالکل غلط ہے۔ خام خیالی ہے آپ کی۔ بالکل غلط سوچ رہے ہیں آپ۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بہت بوگس طریقہ ہے یہ کسی کی بھی توجہ پانے کا۔ آئی ایم رئیلی ناٹ امپرسڈ بائے دیٹ۔''

عفنان علی خان نے گاڑی سڑک کے ایک جانب روک دی تھی اور بے حد جارحانہ انداز سے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''کیا سمجھتی ہیں آپ؟ ـــــ میں صرف آپ کے لئے جیتا اور مرتا ہوں؟ ـــــ میری زندگی صرف آپ سے شروع ہو کر صرف آپ تک ختم ہوتی ہے؟ ـــــ صرف آپ ہی ایک اہم ترین ہستی ہیں اس دنیا میں؟ ـــــ اگر آپ ایسا سوچ رہی ہیں تو آپ خود کو بے حد اہمیت دینے کی عادی ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے آپ کی کوئی فکر نہیں ہے۔ آپ کچھ بھی سوچیں، کچھ بھی کریں، آئی رئیلی ڈونٹ کیئر۔ آپ عادی ہو چکی ہیں الزامات لگاتے رہنے کی۔ کبھی اپنے کڈنیپ کا الزام، کبھی کسی اور سے انوالومنٹ کا دعویٰ۔ مجھے تو سمجھ میں یہ نہیں آتا آپ میرے ساتھ بھی کیوں ہیں؟ جبکہ آپ پہلے ہی دن یہ باور کرا چکی ہیں کہ آپ سے زیادہ مجھ پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ لامعہ کا ہے۔ میں نے آپ کو اپنا کر غلطی کی ہے تو پھر مجھے اس غلطی کو سدھارنے کیوں نہیں دیتیں آپ؟ ـــــ میں واقعی کنسیڈر کرتا ہوں۔ رئیلائزڈ کیا ہے میں نے۔ یس، آئی میڈ مسٹیک ـــــ اے بگ مسٹیک۔ مگر اب میں اپنی غلطی کو واقعی سدھارنا چاہتا ہوں۔ یس، آئی وانٹ ٹو بیک مائے لائف فرام یو۔'' عفنان علی خان قطعی انداز میں بولا تھا اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھتی رہ گئی تھی۔

نہ مدعا یاد تھا اپنا ـــــــ نہ کوئی سوال۔
کس قدر ہتک محسوس ہو رہی تھی اس گھڑی۔
اپنی غلطی کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

اسے یقیناً عفنان علی خان سے ایسے سوال نہیں کرنے چاہئے تھے۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی۔

دل چاہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں جا سمائے۔ مگر افسوس، نہ اس وقت قدموں تلے زمین تھی سرکنے کو کوئی مہربان آسمان ـــــــ وہ خالی ہاتھ تھی اور ـــــــ گنوانے کو شاید اس کے پاس کچھ تھا بھی نہیں۔

نہ کوئی حق جتانے کو تھا۔
نہ کوئی حرف منانے کو اور ـــــــ

چہرہ پھیرتے ہوئے اس نے یکدم ہی ہاتھ دروازے پر رکھتے ہوئے کھولنے کی سعی کی تھی۔ مگر تبھ گاڑی کو تیزی سے بریک لگاتے ہوئے عفنان نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ ـــــــ پاگل پن دکھانے کی عادت ہو چکی ہے آپ کو۔" ایک الزام بروقت دھرا تھا۔

انابیہ شاہ کی جھکی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر ہاتھوں پر گرے تھے عفنان علی خان نے بغور اس چہرے کو دیکھا تھا اور پھر کسی قدر احساسِ جرم سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"آئی ایم سوری!" بہت آہستگی سے لبوں سے برآمد ہوا تھا۔ معذرت کے لفظوں میں کسی پچھتاوے ہلکی سی بازگشت تھی۔ جیسے وہ اپنے کئے پر کسی قدر پشیمان تھا۔

انابیہ بنا کچھ کہے، بنا اس کی طرف دیکھے چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی رہی تھی۔ پھر یکدم ہاتھ بڑھا دروازہ دوبارہ کھولنے کی سعی کی تھی مگر اب کے عفنان علی خان پہلے سے زیادہ مستعد تھا۔ ہاتھ بڑھا سرعت سے اس کے نازک ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے بھیگی آنکھوں سے کسی قدر برہمی سے ا دیکھا تھا۔

"ہاتھ چھوڑیئے میرا۔" حکم صادر ہوا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ اس بھاری ہاتھ جوں کا توں اس کے ہاتھ پر موجود رہا تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑیئے۔" برہمی کسی قدر بڑھی تھی مگر عفنان علی خان نے مطلق کوئی پرواہ کئے بغیر ا دیکھا تھا۔

"تمہیں جہاں جانا ہے، وہاں تمہیں میں چھوڑ دوں گا۔ بار بار بچوں والی حرکتیں مت کرو۔ تمہیں ہم اپنی پرواہ ہوتی ہے۔ ہمیشہ اپنے بارے میں سوچتی ہو تم۔ ہر بات میں صرف اپنا فائدہ چاہتی ہو اور ا فوری طور پر چاہتی ہو۔" بہت سارے الزامات ایک ساتھ لگاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اس کی نظریں غالباً کسی الزام کی وضاحت چاہ ر تھیں۔ مگر عفنان علی خان بنا کسی الزام کی تردید کئے ونڈ اسکرین کی سمت نگاہ جمائے ڈرائیو کرتا رہا گاڑی کا رخ گھر کی جانب تھا۔

"مجھے گھر نہیں جانا ہے۔" انابیہ نے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے سنی ان سنی لردی تھی۔ انابیہ شاہ کا غصہ بڑھ گیا تھا۔

"آئی سیڈ، مجھے گھر نہیں جانا ہے۔" وہ چیخی تھی۔ مگر عفنان علی خان پر اس کے غصے کا مطلق کوئی اثر ہیں ہوا تھا۔ بہت اطمینان اور رسانیت سے اسے دیکھا تھا اور بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد تم جہاں چاہے چلی جانا۔ میں تمہیں ہرگز نہیں روکوں گا۔" ندازحتمی تھا۔ انابیہ شاہ اس شخص کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر عجیب خفگی سے پُر انداز میں چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان کو غالباً اس خفگی کی پرواہ ہرگز نہیں تھی۔ تبھی وہ بنا اس کی طرف دیکھے پوری توجہ سے ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

"تم مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی تھیں؟" قدرے توقف سے گاڑی میں بھاری آواز اُبھری تھی۔ خاطب یقیناً وہی تھی۔ مگر وہ اس لمحے مکمل طور پر اجنبی دکھائی دے رہی تھی۔ نہ تو پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا نہ ہی کوئی جواب دیا تھا۔

"بات اگر فیصلہ کن یا نتیجہ کن ہے تو تمہیں مجھ سے ضرور شیئر کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان تمام الجھنوں کا اختتام ممکن ہو سکے جو میرے اور تمہارے درمیان بدستور بڑھتی چلی جا رہی ہے۔" عفنان علی خان نے ایک معقول مشورہ دیا تھا مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چہرے کا رخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔

عفنان علی خان نے اس کی جانب ایک نگاہ ڈالی تھی اور پھر کھڑکی پر کہنی ٹکا کر بھرپور توجہ کے ساتھ ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ چہرہ اگرچہ بے تاثر تھا مگر نگاہوں کی اُلجھن کسی قدر بڑھ رہی تھی جو اس بات کا پیش خیمہ تھی کہ اس کے اندر یقیناً بہت سے طوفانوں کی طغیانیوں کا ڈیرہ تھا۔ مگر اسے اپنے جذبات و احساسات کو بھرپور انداز میں مخفی رکھنے پر گویا دسترس حاصل تھی۔

کسی کے حکم نامے میں اتنی تاثیر تھی یا وہ واقعی مرعوب ہوگئی تھی ـــــ اندر کی خوف کی لہر تھی یا کوئی انجانا ڈر!

اُس شام وہ ریسیور کان سے لگائے پاپا سے بات کرتے ہوئے انہیں یقین دہانی کرا رہی تھی یہاں بہت خوش ہے اور انہیں اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ واضح طور پر تو انہیں منع نہیں کر تھی کہ یہاں مت آئیں مگر اپنی طبیعت کے متعلق کنسرن ہو کر فی الحال انہیں آنے سے روک دیا تھا۔ اس نے کیوں کیا تھا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ نہ تو وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی اطاعت کرنا چاہتی تھ اپنے کسی اقدام سے اسے خوش کرنا۔ مگر جانے کیوں، جیسے یہ عمل کسی میکانکی انداز میں خود بخود ہی انجا گیا تھا۔

فون رکھ کر وہ مڑی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے پیچھے کھڑا پایا تھا۔ وہ نہ تو چونکی تھی نہ ہی حیر کا کوئی اظہار کیا تھا۔ چپ چاپ چلتے ہوئے اس کے قریب سے نکل جانا چاہا تھا مگر سردار سبکتگین لغاری کو شاید اسے داد دینا مقصود تھا جس نے بہت چپکے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

میرب سیال نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ایسی لاتعلق سی کھڑی رہی تھی۔ نگاہ اس کی سمت مائل تھی نہ کسی تیور میں کرم کا کوئی گمان تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک قد درمیانی فاصلہ عبور کرتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف سے گریزاں چہرہ جانب مائل بہ کرم کرنے کی ٹھانی تھی۔ مگر میرب سیال نے نگاہ اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہوئی مسٹر سیال سے؟" بنا کسی تمہید کے وہ اصل مدعا پر آیا تھا۔ میرب سیال جانتی تھی سبکتگین حیدر لغاری کے یہاں روکنے کا مقصد فقط یہی جاننا تھا تبھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں، میں نے منع کر دیا ہے۔" مثبت جواب جان کر یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کی انا کو تسکین ملے گی، وہ جانتی تھی۔ اور یہی تاثر وہ اس لمحے اس شخص کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔

"تھینکس!" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں کی چمک میں کسی قدر اضافہ ہوتا دکھائی دیا تھا۔ طے کردہ نتائج کے مطابق نتیجہ دیکھ کر یقیناً اسے خوش ہی ہونا چاہئے تھا۔ نتیجہ میرب کی توقع کے بھی بر نہ تھا۔ دانستہ نادانستہ وہ اس شخص کو خوشی سے ہمکنار کر چکی تھی۔ یہی وہ چاہتا تھا کہ اس کا بول بالا ہو۔ کہے اس کو ٹھیک کہا جائے۔ جو حکم ہو، اس پر فوری طور پر عمل پیرا ہوا جائے۔

وہ دن کو دن کہے ـــــ تو کوئی دن کہے۔

اور اگر وہ رات کہے تو مقابل موجود اسے رات کہے۔ یہی کیفیت حالت امن قائم رکھنے کی تھی۔ بصورت دیگر نتیجہ اس کے برعکس ہو سکتا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت اگر خوش یا پُر اطمینان دکھائی دے رہا تھا تو صرف اس لئے کہ اس کے کہے پر بنا سوچے سمجھے مہر تصدیق ثبت کر دی گئی تھی۔ میرب سیال کو اس لمحے وہ اپنے مقابل کھڑا شخص کسی قدر خود غرض دکھائی دے رہا تھا جسے صرف اپنی فکر تھی اور صرف اور مرف اپنی غرض عزیز تھی۔

اس کی بلا سے کوئی جئے یا مرے، اسے قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی اور اس نے اس شخص کو خوشی دی تھی۔ اسے اطمینان بخشا تھا۔ اس کی محکوم ہوئی تھی۔ بنا سوچے سمجھے، آنکھیں بند کر کے اس کی تائید کی تھی۔ ور کیوں کیا تھا اس نے ایسا؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"غصہ تو نہیں ہوئے وہ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال نے سر نفی میں لا دیا تھا۔

"گڈ۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سراہا تھا۔ "دیٹس لائک اے گڈ گرل۔" بھرپور تعریف کی ھی۔ مگر میرب سیال کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ اُبھرا تھا اس ستائش پر۔ اس کرم پر وہ کچھ خاص خوش ھی دکھائی نہ دی تھی۔

"سو اب کیا کرنا ہے؟ ـــــ میرا خیال ہے سب سے پہلے وہ پیک سامان کھولنا شروع کر دو جو تم نے نی جانے کی تیاری میں باندھ کر اب تک رکھا ہوا ہے۔ وہ سامان کھل جائے گا تو ساتھ ہی اور بھی بہت سی رہیں کھل جائیں گی جو اب تک دکھائی بھی نہیں دے رہیں۔ بیلیو می!" سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے س بات کی یقین دہانی کرانا چاہتا تھا، میرب سیال نہیں جانتی تھی۔ شاید اسی لئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"پتہ نہیں، بعض گرہیں کھلیں گی یا اور بھی گہری پڑ جائیں گی۔" خدشہ بلا جواز نہ تھا۔ مگر سردار سبکتگین یدر لغاری مسکرا رہا تھا۔

"یہی بات تو سمجھانا چاہ رہا ہوں تمہیں۔ گرہیں کھولنا شروع کرو، باندھنا نہیں۔ باندھو گی تو ہر گرہ گہری وتی چلی جائے گی۔ اور پھر شاید تم سے وہ کبھی کھل ہی نہ سکے۔" ملائمت سے کہتے ہوئے اسے کسی قدر توجہ سے دیکھا تھا۔

"گرہیں کئی طرح کی ہیں سوئٹ! غور کرو تو ساری بات اپنے آپ سمجھ میں آ جائے گی۔ ابتداء اپنے باہر سے کرو۔ بہت سی گرہیں تمہارے اردگرد بھی ہیں۔ خود کو ان سے آزاد کرانے کی چھوٹی سی کوشش کرو۔ ہنی! ں اتنا جانتا ہوں ابتداء اگر جلد کرو گی تو دل تک کا سفر بہت جلد طے ہو جائے گا۔ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم یں دیکھ رہیں۔ جہاں تک میری نگاہ کی رسائی ہے شاید تمہاری نگاہ کا وہاں تک دیکھنا ممکن ہی نہیں۔" مدھم ہجے میں بہت کچھ باور کرانے کی کوشش میں تھا۔

"تمہارا دل کئی طرح کی گرہوں میں مقید ہے سوئٹ! اسے آزاد کرو۔ دل کھلا ہو تو عاقل، بندھا ہو تو لد تصور ہوتا ہے۔ آزاد ہو تو عاقل، قید ہو تو معمول کہلاتا ہے۔ تمہیں کس بات کی فکر ستاتی ہے؟ کیوں تے خدشوں میں گھری کھڑی ہو؟ دل ہی تو ہے، اُڑنے دو۔ آزاد پنچھی سا، جائے گا کہیں نہیں۔ لوٹے گا تو

واپس وہیں آئے گا جہاں آنا چاہیے مگر........" مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس ساکت سے چہ ہولے سے چھوا تھا۔

"مان لو سوئٹی! یہ عرصہ اس کے ادراک کا لمحہ ہوگا۔ اس چھوٹی سی اڑان میں یہ ننھا سا دل وہ بھید آئے گا جو اس نے صدیوں میں بھی نہ جانے ہوں گے۔ ایک بار آزاد کر کے تو دیکھو، گرہیں کھولنے تو کرو، تیاری تو پکڑو، پھر دیکھو کیسی کرشمہ سازیاں ہوتی ہیں۔ آزمالو، یقین کرنے کی یہ صورت بہ ثابت ہوگی۔ بہت سی الجھنیں اپنے آپ سلجھ جائیں گی۔ اُڑان بھر کے آنے والا دل وہ اسم اعظم ساتھ لائے گا جس کے پڑھنے کی بھی نوبت نہیں آئے گی اور ہر در خود بخود وا ہوگا۔ حقیقتیں منکشف کر اس سے زیادہ اچھا راز نہ کبھی ہاتھ لگا ہے نہ لگے گا۔ ٹرسٹ می۔" لہجہ یقین کی آخری حدوں کو چھو رہا

مگر میرب سیال اس شخص پر مزید اعتبار کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ بہت آہستگی سے میں ہلانے لگی تھی۔

"میں حقیقتوں اور سرابوں کے مابین فاصلوں کی لکیروں سے واقف ہوں سبکتگین حیدر لغاری! فضاؤں میں اُڑان بھرنے کے نقصانات بھی معلوم ہیں۔ مجھے چھپے ہوئے بھیدوں سے بھی کسی قدر ہے۔ مجھے درون جاں اور بیرون جاں کے معاملات سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ میں جانتی گرہیں کھلنے سے کیا کرشمہ سازی واقع ہوسکتی ہے۔ مجھے نفع اور نقصان کا مکمل ادراک ہے۔ سوال حقیقت ثانوی ہو کر رہ جاتی ہے۔" لہجہ دھیما مگر کسی قدر مدلل اور پُراعتماد تھا۔

"دل کی، جذبات کی، احساسات کی باتیں آپ مت کیا کریں۔ بہت جھوٹی لگتی ہیں۔ لگتا دونوں پاؤں جوڑ کر جھوٹ بول رہے ہیں۔" میرب سیال کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ بہت برجستہ تھا۔

"اچھا ___ اتنے غور سے سننے لگی ہو مجھے کہ سچ اور جھوٹ ایک پل میں علیحدہ علیحدہ پہانو بھرپور تاثر چھوڑ جاتے ہیں۔ بہت جینئس ہو تم تو۔ پل میں کیا سے کیا کرنے کے سارے گر تمہیں۔ جب نگاہ اتنی گہری ہے تو ڈر کس بات کا ہے؟" اپنے طور پر چیلنج دیا تھا۔ میرب سیال نے کر سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نہیں، ڈر نہیں ہے۔ اسے حفظ ماتقدم کہتے ہیں۔ ڈرنے سے ہاتھ کچھ نہیں آتا سوائے خوف حفظ ماتقدم کے تحت کئے جانے والے بہت سے اقدامات، ان خوف کے اثرات کو بہت حد تک کم ہیں۔" میرب سیال کا ٹھوس لہجہ اس کے اندر کی بھرپور ترجمانی کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"بہت سیانی ہو تم۔ ہار اور جیت کے سارے اسباب جانتی ہو، تم پھر بھی اتنی اری ہنسیو رہتی تو کھل کر کھیلنا چاہیے۔ یہ چھپ چھپ کر وار کرنا کچھ غیر مناسب نہیں لگتا؟" سردار سبکتگین حیدر سامنے کھڑی دھان پان سی لڑکی کی ذہانت سے یقیناً مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ لبوں کی بتا رہی تھی کہ وہ بہت محظوظ ہو رہا ہے اس لمحے۔

وریلا وار کا کوئی تجربہ نہیں رکھتی، نہ ہی مجھے چھپ چھپ کر وار کرنا پسند ہے۔ میں ایسے مخفی کھیلوں کی جن کی شہ اور مات کا اندازہ بھی نہ ہو سکے۔" میرب سیال کا جواب بہت دلیری کا ثبوت دے رہا ار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

پھر کس بات کی قائل ہو تم؟" پھر جواب کا انتظار کئے بغیر بولا تھا۔

یرب! تمہارے متعلق ایک بات ہمیشہ بہت دلچسپ اور چونکا دینے والی لگتی ہے مجھے۔ تم پرت در ہو اور پھر بھی نہیں کھلتیں۔ تمہاری یہی بات مجھے مزید جاننے پر اکساتی ہے۔ سچ بتاؤ اور کتنے تمہارے جن کے متعلق میں اب تک سرے سے جانتا ہی نہیں؟ ___ جن تک اب تک میری لن نہیں ہو سکی؟ ___ تمہارے اندر کی وہ دنیا کیسی ہو گی؟ ___ سچ، تم بہت سویٹ ہو ہنی!"

نے کے جتن کرتا ہوا وہ یکدم مسکرایا تھا۔

پلو، آج کی اس بحث کا انجام بغیر شہ اور مات پر کرتے ہیں۔ تم سے جیتنے کا دعویٰ یوں بھی بودا ہو گا۔ ے آج تک کوئی جیت پایا ہے؟" لبوں پر اُبھرنے والی مسکراہٹ دلفریب تھی۔

پور توجہ سے اس چہرے کو تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کا چہرہ تھپتھپایا اور چلتا ہوا آگے بڑھ گیا ب سیال کے لئے اپنے قدموں کی متزلزل عمارت پر مزید کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ وہیں میں بیٹھ گئی تھی۔ کتنا عجیب تھا یہ شخص۔

ید وہ اسے کبھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ عجیب ریاضی کے سوالوں کی طرح الجھا ہوا سا شخص تھا۔

ب کیا چاہتا تھا اسے خود بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔

، کیوں، کس لئے کرتا تھا شاید وہ خود بھی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گنجلک سا شخص اس کی ندگی گنجلک کر رہا تھا۔

* * *

یکھو، یہ سیٹ کیسا ہے؟" سامنے میز پر زیورات کے بہت سے ڈبے پھیلائے فارحہ نے ایک سیٹ اذہان حسن بخاری کی توجہ چاہی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ فیض چاچو اور ماہا ہنس پڑے تھے۔ اذہان ہو گیا تھا۔

لم آن ممی! مجھے ان باتوں کی تمیز کہاں ہے؟"

یکھو گے تو آئے گی نا۔" فارحہ نے مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

می ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی! بزنس کی تمام مصروفیات چھوڑ کر فوری طور پر ممی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ یہ سب سیکھنا بہت ضروری ہے آپ کے لئے۔ آخر کو شادی کے بعد بھی تو یہ تمام کام آپ کو ہی کرنا ماہا نے شرارت سے چھیڑا تھا۔

کیوں چاچو؟"

اں بھئی، ماہا کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔ واقعی اگر کامیاب زندگی گزارنا ہے تو بھابی کی بات مان کر یہ سیکھنا ہی پڑے گا۔" فیض چاچو نے بھی تائید کر دی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''اگر صرف انگیج منٹ ہونے پر یہ حال ہے تو شادی کی تیاریوں میں تو مجھے تمام مصروفیار ہمیشہ کے لئے گھر بیٹھنا پڑے گا۔''

''ان سب باتوں کو چھوڑو، یہ سیٹ دیکھ کر بتاؤ کیسا ہے؟'' ممی مدعا اسی جگہ پر واپس لائی تھ سیٹ دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''آئی تھنک، اچھا ہی ہے۔''

''صرف اچھا؟ ــــــ بہت اچھا کیوں نہیں؟'' ماہا نے چھیڑا تھا۔

''کیونکہ بہت اچھا یہ صرف تب ہو سکتا ہے جب اسے کوئی پہننے والا بھی موجود ہو۔'' اذہان ماہا مسکرا دی تھی۔

''تو یوں کہیے نا کہ معاملہ یہ ہے۔ اتنی دیر سے ممی کو تنگ کیوں کر رہے تھے آئیں بائیر کے؟'' ماہا بولی تھی تو فارحہ کو یاد آ گیا تھا۔

''ساہیہ کو فون کیا تو تھا کہ آئے اور پہن کر دیکھ لے۔ ابھی تک آئی نہیں۔ ماہا! ذرا فون تو اذہان، بچے! وقت نکال کر تم ساہیہ کو انگیج منٹ کی کچھ شاپنگ ہی کروا دو۔ ہم تو کر رہے ہیں گر کارِ خیر میں کچھ حصہ لو تا کہ تمہیں بھی پتہ چلے یہ کام کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔'' ممی نے کہا تھا۔ از بہت عجیب سا بنا تھا۔ فیض چاچو ہنس دیئے تھے۔

''بھور کے لڈو کھانے جا رہے ہو میاں! خوش نصیب ہو۔ تمہیں تو واقعی خوشی خوشی ان کا مو لینا چاہیے۔''

ماہا ابھی نمبر ملا ہی رہی تھی جب ساہیہ، اگینے اور عزیر کے ساتھ وہاں آ گئی تھی۔

''لیجیے، جس کا تھا انتظار، وہ شاہکار آ گیا۔'' ماہا نے ساہیہ کو دیکھ کر بھائی کی طرف آ کر شرار لگایا تھا۔ اذہان حسن بخاری، ساہیہ کی سمت بغور دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ارے بھابی! آپ تو پورا کا پورا بازار اٹھا لائیں ــــــ اتنے زیورات ایک ساتھ۔'' ا حیران رہ گئی تھی۔

''ارے یہ تو کچھ نہیں ــــــ میں تو ابھی پانچ سیٹ مزید رکھوا آئی ہوں۔ ساہیہ، اذہان کر خود منتخب کرے گی۔'' فارحہ نے کہا تھا۔ عزیر، اذہان کے پاس آن بیٹھا تھا۔

''کیوں اذہان میاں! تیاریاں ٹھیک چل رہی ہیں؟'' اذہان مسکرا دیا تھا۔

''یار! اب تم تو بخش دو۔ دوست ہو میرے۔ تم سے تو کم از کم ایسی کوئی امید نہیں تھی مجھے دیا تھا۔

''بھول جاؤ سب کچھ ــــــ اس وقت میں تمہارا سسرالی ہوں اور بس۔'' ساہیہ زیورات دیکھنے لگی تھی۔

''ماشاء اللہ، بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔'' فارحہ نے بھرپور تعریف کی تھی۔

اگینے نے بھی تائید کی تھی۔

ارے آپ ساری تعریف خود ہی کیے جائیں گے یا کوئی اذہان بھائی سے بھی پوچھے گا؟'' ماہا نے ہم ترین فرد کی طرف توجہ مبذول کروائی تھی۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اذہان کی طرف دیکھا تھا۔

میرا خیال ہے اب آپ بھی رائے دے ہی دیجیے۔ ساہیہ زبان سے پوچھ نہیں سکتیں۔ مگر ہم ان کی) تو کر سکتے ہیں نا۔'' ماہا نے بھائی پر زور دیا تھا۔

ابھی تم سب رائے دینے کی بات کر رہے ہو۔ تھوڑی دیر بعد کسی اور شے کی فرمائش کر دو گے۔ بھئی میاں دولہا ہیں ــــــ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ دولہا بھی انسان ہوتا ہے۔'' عزیر نے چھیڑا تھا۔ سب ہنس پڑے تھے۔ اذہان نے ایک مُکا کھینچ کر اسے رسید کیا تھا جس سے بچاؤ کے یر نے آگے کشن کر دیا تھا۔

چلیے بھائی! اب رائے دے ہی دیں۔ ساہیہ پر یہ سیٹ کیسا لگ رہا ہے؟''

آئی تھنک، پہلے والا زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔''

اوہ ــــــ!'' سب نے ایک مشترکہ آواز کسی تھی۔

ابھی تو کہہ رہے تھے جناب کہ ہمیں ان باتوں کی کوئی تمیز نہیں اور اب۔'' فارحہ نے خبر لی تھی۔

میرا خیال ہے میں چلتا ہوں۔'' اذہان اُٹھنے لگا تھا۔ عزیر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

کہاں یار! یہ محفل کی رونق آپ کے ہی تو دم سے بنی ہے۔ بلکہ یہ ساری کی ساری محفل آباد ہی آپ پر ہوئی ہے۔'' اذہان پھر بیٹھ گیا تھا۔

عزیر چاچو! آپ مجھے نانو کے گھر چھوڑ دیں گے؟'' ماہا نے بھائی کی خلاصی کرانے کا ایک حل یہ تھا۔

کیوں نہیں یار! مگر یہ تمہیں صرف اپنے بھیا جان پر ترس آ رہا ہے یا واقعی جانے کا موڈ ہو رہا ہے؟'' ، اذہان کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ہیں ــــــ ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے واقعی جانا ہے۔ نانو انتظار کر رہی ہوں گی۔'' ماہا بھائی کی ٹ کے باعث چکر ضرور لگا رہی تھی مگر قیام اب بھی نانو کے ہی گھر تھا۔

ں، ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے عزیر! تمہارے پاس وقت ہو تو ذرا چھوڑ دو اسے۔ تمہارے آنے تک میں پسند کا فروٹ ٹرائفل بناتی ہوں۔'' فارحہ نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

لویا رشوت۔ بھابی! آپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ آپ مجھے یہاں سے بھگانا چاہ رہی ہیں؟ بیٹا یز ہو گیا، دیور نہیں؟'' شرارت بھرے انداز میں شکوہ کیا تھا۔ فارحہ اسے ایک چپت لگاتی ہوئی مسکرا ۔

ہی بات مت کرو ــــــ مجھے تم دونوں ایک جتنے عزیز ہو۔ کوشش کر رہی ہوں کوئی لڑکی تمہارے ل جائے انہی دنوں تو دونوں دوستوں کے معاملات ایک ساتھ نمٹ جائیں۔''

بچے، آپ تو الٹا پھنسانے کی بات لے بیٹھیں ــــــ یہ دیکھیں۔'' دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ فی الحال معاف ہی رکھیں۔ اس سے بہتر ہے میں ماہا کو چھوڑ آؤں۔ چلو ماہا! ہم چلتے ہیں۔'' عزیر

اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”جا رہے ہو تو واپسی میں کھانے کو کچھ لیتے آنا۔ بھابی! گھر میں کیا پکا ہے؟“ اگینے نے دریا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”عزیر! دو لارج پیزا ٹھیک رہیں گے۔ ذرا جلدی آنا۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔“

”ارے، پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کھانا تو شاید بن رہا ہے۔ چلو میں پہلے تمہارے لئے کچھ فارحہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ فیض چاچو پہلے ہی اٹھ کر جا چکے تھے اور اب اگینے کے جانے دونوں وہاں کمرے میں اکیلے رہ گئے تھے۔ ساہیہ نے کلائی میں کنگن گھماتے ہوئے اذہان کی تھا جو اسے اس لمحے ایک خاص توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہوا؟ —— اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ —— کیا پہلی بار دیکھا ہے؟“ ساہیہ ہوئے ننھے منے سے ٹیکے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ ارادہ اتارنے کا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری ہاتھ یکدم ہی تھام لیا تھا۔

”اوہوں، ابھی نہیں۔ رہنے دو، اچھا لگ رہا ہے۔“

”کیا اچھا لگ رہا ہے؟“ ساہیہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

”سب کچھ اچھا لگ رہا ہے۔ تم اچھی لگ رہی ہو۔ یہ لمحے اچھے لگ رہے ہیں۔ آئی ری سیلف لکی۔ اس گھر میں بہت اچھا سا موسم محسوس کر رہا ہوں اور وہ موسم خوشی کا ہے۔ آئی و یونہی ٹھہر جائے اور اس کے بعد کوئی اور موسم نہ آئے۔“ بہت سے جملے تھے مگر ان جملوں میں کو بھی پرسنلی ساہیہ کے لئے نہ تھا۔ وہ کنسرن تھا، صرف اپنی فیملی کے لئے یا پھر اپنے گھر کے لئے شاید نہیں۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر کلائیوں میں موجود کنگن واپس اتارنے کو کلائی پر ہاتھ دھرا کسی دوسرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ ساہیہ نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس وقت اس کا ہاتھ اذہا کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

”ساہیہ! تم میرے لئے اہم ہو —— سب سے زیادہ اہم۔ کیونکہ تم نے مجھے رنگ خواب دیئے ہیں۔ مجھے زندگی کا حقیقی مفہوم دیا ہے، مجھے جینا سکھایا ہے۔ جب میں بہت اند تب مجھے تمہاری مسکراہٹ نے بتایا کہ زندگی روشنی بھی ہے۔ تمہاری آنکھوں نے بتایا کہ زن ہے۔ تمہارے ان ہاتھوں نے مجھے رنگ دیئے —— میری بے جان زندگی کو ایک نئی زندگ راہ پھونکی۔ مجھے تم اچھی لگتی ہو۔“ مدھم لہجے میں بولتے بولتے بہت آہستگی سے سر اٹھا کر ایک کی تھی۔

”ہاں —— مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو ساہیہ! اس لئے نہیں کہ تم مجھے کچھ دے رہی ہو کہ تم میرے ساتھ ہو اور میں یہ ساتھ ہمیشہ چاہتا ہوں۔ تمام عمر کے لئے۔“ انداز بھرپور تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

”مجھے تمہاری طرف سے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اذہان! —— ہم تب

ہمیں لفظوں کے مفہوم بھی معلوم نہ تھے۔ جب ہمیں خبر ہی نہ تھی کہ جذبات کیا ہوتے ہیں۔ ہم تب بھی دوسرے کی اتنی ہی کیئر کرتے تھے —— تمہیں یاد ہوگا جب تم بچپن میں کھیلتے کھیلتے گر جاتے تھے تو تب بھی تمہاری اس چوٹ کو اسی شدت سے محسوس کرتی ہوئی اس پر مرہم رکھتی تھی۔ حالانکہ تب ہمیں نہ ں کے معنی پتہ تھے نہ جذبوں سے کوئی روشناسی تھی۔ اور اب تو……“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر جانے ں مسکرا دی تھی۔

”اذہان! ہمارے درمیان جو ہے وہ کچھ اور ہے جسے جتانے کی یا بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے۔“ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ ”میں جانتی ہوں یہ بات اور تم بھی جانتے ہو۔ یہ واقعی نہیں ہے۔ مگر جو ہے وہ بہت خاص ہے۔ درحقیقت ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمیں ایک رے کا بھرپور احساس ہے اذہان! ہم ایک دوسرے کی ہر طرح سے کیئر کرتے ہیں، خیال رکھتے ہیں، پور توجہ دیتے ہیں، ایک دوجے کے کہے بنا ایک دوجے کی پرابلمز جان لیتے ہیں، ایک دوجے کا مورال ماتے ہیں۔ جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں ساتھ دیتے ہیں۔ جب اتنا کچھ ہے تو کسی اور شے کی ورت کہاں باقی رہتی ہے۔ جو ہمارے درمیان ہے اگر اسے نکال دیا جائے تو ہمارے رشتے میں باقی کیا ے گا؟ کبھی سوچا ہے تم نے؟“ گداز لب بہت ہولے سے مسکرائے تھے۔ اذہان حسن بخاری اسے بغور ار رہا تھا۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”شاید کچھ نہیں۔ محبت اگر نہیں ہے تو نہ سہی۔ مگر جو محبت نکال کر باقی بچ رہا ہے وہ زیادہ اہم ہے۔ ونکہ فقط محبت کے نکل جانے سے وہ فرق نمایاں نہیں ہو رہا جو فرق باقی سب نکال دینے سے پڑ رہا ہے۔ یات کی اہمیت کا اندازہ مجھے خوب ہے اذہان! اس لئے میں اصل میں ان کی قدر کرتی ہوں۔ جو نہیں ے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مگر جو ہے وہ اہم ترین ہے۔ یقین کرو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ جو رے درمیان نہیں ہے، میں تم سے وہ مانگ بھی نہیں رہی۔ ہم میں دوستی ہے، ایک انڈراسٹینڈنگ ہے۔ کہے جب ہم ایک دوسرے کے دل کی بات جانتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟“ ساہیہ ے لہجے کا ٹھہراؤ بتا رہا تھا، اس کے اندر کتنی طمانیت تھی —— اس کی آنکھوں میں وہی شفاف رنگ تھے سی کے بھی اندر کو ظاہر کر سکتے ہیں۔

اذہان حسن بخاری بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

”آئی ایم سو مچ لکی ساہیہ! اگر تم میری زندگی میں نہیں آتیں تو شاید بہت بڑی کمی رہ جاتی۔“

”میں تو تمہاری زندگی میں ہمیشہ سے تھی اذہان! میں کیسے تمہارے ساتھ نہ ہوتی؟“ ساہیہ کے گداز ل پر بہت دلکش مسکراہٹ اُتری تھی۔

”لوگ پل دو پل کو ملتے ہیں، بچھڑ جاتے ہیں۔ ہم تو بچپن سے ساتھ ساتھ ہیں۔ کچھ عرصے کو دور رور ہوئے تھے مگر اس عرصے میں بھی دل شاید دور نہ ہوئے تھے۔ ورنہ آج میں تمہیں اتنے اچھے انداز ے جان نہ رہی ہوتی۔ نہ تم مجھے سمجھ رہے ہوتے۔“ ساہیہ کی آنکھیں واقعی بہت شفاف تھیں۔ اس لمحے بھی نا میں جو چمک تھی وہ واضح سمجھ میں آ رہی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو ساہیہ!'' اذہان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو آہستگی سے چھوا تھا۔ ساہ
مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

''اذہان! اگر میں تم سے درمیانی عرصے میں دور نہیں جاتی تو مجھے یقین ہے تم صرف مجھ سے محب
گرفتار ہوتے۔'' شگفتہ سی بات اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ لے آئی تھی۔

''جب تم چھوٹی تھیں تو اتنی خوبصورت نہیں تھیں نا۔ ورنہ شاید میں تب بھی صرف تمہی سے محبت ک
ساہیہ نے اس کے شانے پر ایک مُکا مارا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہا
لے لیا تھا۔

''تب تم واقعی خوبصورت نہیں تھیں۔ ہر وقت ریں ریں، بہتی ناک، ہر وقت بے وجہ ضد، لڑ ک
آفت زیادہ تھیں۔ اور اس وقت تمہاری ناک بھی کتنی چپٹی تھی نا۔'' شرارت سے اسے دیکھا تھا۔ سا
مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''اذہان! میں تب بھی بہت اچھی تھی۔ ورنہ نہ تمہیں جھیلنا تب آسان تھا اور نہ اب۔ مگر یہ میر
آسان ہے۔ کیونکہ مجھے مشکل کام ہمیشہ اچھے لگتے ہیں۔''

''اور تمہیں میں بھی اچھا لگتا ہوں۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ا
بچوں جیسی بے فائدہ باتیں کرتے ہوئے شاید کسی قدر اچھا لگا تھا۔ ''بڑا ہونا شاید بہت نقصان دیتا
قدر۔''

ساہیہ مسکرا دی تھی اور پھر سر جھکا کر اقرار کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ہاں ـــــ مجھے تم بھی اچھے لگتے ہو۔ اپنی بہت سی باتوں کی طرح۔'' اذہان حسن بخاری
تک خاموشی سے اس کی سمت دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا تھا۔

***

بڑھتی ہوئی خاموشیاں
جاگتی راتیں، لمبے دن
آنکھوں میں کچھ خواب ادھورے ـــــ
ہونٹوں پر آدھی بات ـــــ
آدھی بات بھی اُلجھی سی ـــــ
اُلجھی باتوں کے بھید نرالے
سمجھے کون، بتائے کون
اُلجھاوؤں میں رستے گم ہوں
دل سے دل تک
آئے کون؟

انابیہ شاہ تیزی سے اپنا سامان الماری سے نکال کر پیک کر رہی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا بات کہ

نہیں پائی تھی۔ مگر اس لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ہونٹوں پر چپ تھی۔ عفنان علی
ن اندازہ لگانے میں ماہر نہیں تھا مگر جب وہ اندر داخل ہوا تھا تو پہلی فرصت میں اس کے متحرک وجود کو
تے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھما سامان پکڑا تھا اور بیڈ پر اچھال دیا تھا۔

''یہ کر کیا رہی ہو تم؟'' ڈپٹتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب دیئے بغیر خود کو اس
گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھا۔

''لیومی ـــــ!''

مگر عفنان علی خان نے جیسے سنی ان سنی کر دی تھی۔

''آئی سیڈ، لیومی!'' سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ انداز درشت تھا۔ مگر عفنان علی خان نے اس
حکم پر کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ اسی جارحانہ گرفت میں اسے تھام کر پہلے سے کچھ زیادہ قریب کر لیا تھا۔
ام ایسا تھا کہ انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ایک خاص چمک ہویدا تھی۔ اتنے دن
لاتعلقی کے بعد یہ استحقاق عجیب تھا۔ جبکہ انابیہ اس کی سمت سے ایسی کوئی توقع سرے سے کر ہی نہیں
تھی۔ قبل از وقت کوئی حکمت عملی مرتب نہیں کی تھی۔ اس لمحے کی حیرت قابل دید تھی۔ نظریں خود بخود
تی چلی گئی تھیں۔

''تم کیا سمجھتی ہو انابیہ! میرے تم سے لاتعلق رہنے میں تمہاری طرف سے کوئی قدغن ہے؟ یا میں صرف
تک آنے کی کوئی سعی اس لئے نہیں کر پا رہا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی خوف لاحق ہے؟'' اس کا جھکا چہرہ
ا کر بغور دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

''انابیہ! تم اندازے لگانے میں ماہر ہو۔ مگر ہر بار ہر اندازا ایکوریٹ رزلٹ دے، یہ ضروری نہیں۔ تم
ھ رہی تھیں اگر میں تم سے اس وقت بھی لاتعلق رہوں گا تو ایسا نہیں ہو گا۔ آئی ول ٹیک نوٹس۔ میں اس
رتحال کو بس میں ضرور کر لوں گا انابیہ! کیونکہ اگر اب بس میں نہ کیا تو شاید ہر شے پہلے سے زیادہ غیر
ظم ہو جائے گی۔'' انداز جتانے والا تھا۔ انابیہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی وہ کس بابت بات کر رہا تھا۔ شاید اسی
ئے وہ اس کی طرف اس قدر حیرت سے دیکھتے ہوئے صورتحال کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھی۔

''تم سمجھ رہی ہو نا۔ میں تمہیں جانے دوں گا اور تم اب تک جو من مانی کرتی آئی ہو اب بھی کر سکو گی تو
غلط ہے۔ جب تمہیں میری خوشیوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو مجھے بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میری
رف سے اب تم نہ تو کسی رعایت کی امید رکھنا نہ ہی کسی ستائش کی۔ اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں جانے
ں گا کہ تم جا کر اپنی زندگی اپنی پسند اور منتخب انداز میں گزار سکو تو ایسا بالکل نہیں ہو گا۔ جب میں اس
رگی کو ایک سمجھوتے کی طرح گزار رہا ہوں تو تمہیں بھی یہ سمجھوتہ اسی طور نبھانا ہو گا۔ اس سمجھوتے میں نفع
ر نقصان برابر کا ہو گا۔ اگر میرا نقصان تو تمہارا بھی اتنا ہی نقصان۔ رائٹ؟'' دوٹوک لہجے میں کہتا ہوا وہ
ا لمحے کسی قدر سفاک لگا تھا۔ کہیں سے بھی وہ پہلے والا محبت کرنے والا نہیں لگ رہا تھا یہ تیور ان تیوروں
ے کتنے مختلف تھے۔ انابیہ اسے سر اٹھائے کھڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی اور وہ جیسے اس کی سوچوں کو
ھتے ہوئے بولا تھا۔

”تم کیوں سمجھتی ہو کہ تمہارے ہر رویے کے جواب میں مجھے پہلے جیسا ہی رہنا چاہئے؟____ پتھر پھینکو تو مجھے تمہاری طرف پھول پھینکنا چاہئے؟ میری محبت اور رعایت کی عادی ہو چکی ہو تم گ تمہیں یہ جتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ وہ دور خواب ہوا جب عفنان علی خان پاگ طرح صرف تمہارے نام کی مالا جپا کرتا تھا اور دن رات خواب دیکھا کرتا تھا۔ میری نیند ٹوٹ چکی میں بیدار ہو چکا ہوں۔ مکمل طور پر۔ اب نہ تو نیند باقی ہے نہ ہی وہ پہلا سا خمار۔ میری آنکھیں مکم کھل چکی ہیں اور ہر شے مجھے صاف صاف دکھائی دے رہی ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں، یہی چاہ تم؟ تاکہ تم جا کر اس شخص کے ساتھ سہانے خواب دیکھ سکو جس سے تم محبت کرتی ہو۔ اوں ہوں، عفنا خان اب اتنا پاگل نہیں رہا انابیہ شاہ! اب یہ دل اس طور تمہارا بیمار نہیں رہا۔ اب نہ تو میں دیوانہ وار آ بند کر کے تمہارے لب و رخسار کی تعریف کر سکتا ہوں نہ گیسو اور پلکوں کی چلمن کے لئے زمین و آسما قلابے ملا سکتا ہوں۔ مگر میں ایک کام کر سکتا ہوں۔ تمہیں اس رشتے کی حقیقت سمجھا سکتا ہوں۔ میرا حق بنتا ہے، وہ بتا سکتا ہوں اور.......“ بات ادھوری چھوڑ کر بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا اور تھا۔ چہرہ اس کے چہرے کے قدرے قریب کیا تھا۔

”تم نے ایک بار ٹھیک کہا تھا کہ میں تمہیں صرف پانا چاہتا تھا____ صرف جسمانی طور پر حاص چاہتا تھا تو اب ذہنی طور پر اس کی تیاری کر لو۔ میں اپنا یہ حق وصولنا چاہتا ہوں۔ تمہیں پانا اب بہت ض ہو گیا ہے۔ از حد ضروری۔“ اس کے ساکت چہرے کو بغور تکتے ہوئے مسکرا کر بہت آہستگی سے تھپ اور پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ شاہ کے قدموں تلے سے جیسے زمین سرک گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا فقط گیا نہیں تھا، ساتھ ہ سکون بھی سنگ لے گیا تھا۔

دھک____ دھک____ دھک____!

دل کے دھڑکنے کی صدا شاید کہیں قریب سے ہی آ رہی تھی۔ یہ شور بہت دور نہیں تھا۔

یہ ہنگامہ کہیں آس پاس ہی ہوا تھا۔

یہ طوفان زیادہ فاصلے پر تو نہ تھا۔ شاید کہیں اندر ہی اٹھا تھا۔ وجود کے سارے علاقے میں جو ہلچ بلا جواز نہ تھی۔ یہ جو دائیں بائیں آگ سی جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی یہ سچ ہی تھا۔ الاؤ پورے علا چکا تھا۔ راستے اگر بند نظر آ رہے تھے تو یہ نظروں کا دھوکا نہ تھا۔ جاں واقعی مشکل میں گھر چکی تھی۔

وہ کسی بت کی طرح وہیں بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھی تھی۔ وجود اب بھی پتھر سا تھا اور آ کسی سکتے سے گویا پتھرائی ہوئی سی تھیں۔

دھڑکنوں کی رفتار کتنی تیز تھی۔ دل جیسے کان پھاڑ کر باہر آنے کو تھا۔ عفنان علی خان کہہ گیا تھا ت واقعی بے بس تھی؟____ دھڑکنوں کا ارتعاش اگر خوف کے پیش نظر تھا تو وہ اس خوف سے کیسے ب سکتی تھی؟

ذہن اس قدر مفلوج تھا کہ نہ تو کوئی سوچ ذہن میں تھی نہ ہی دوجی کوئی بات!

گویا عفنان علی خان ایک پل میں اس کے لئے کھلے ہوئے تمام راستے بند کر گیا تھا۔ وجود کے سارے علاقے کو جنگل بنا کر عجب ایک الاؤ دہکایا تھا اور پل میں تپش جھلسانے کو تھی۔ کتنا مختلف سمجھتی تھی وہ عفنان علی خان کو۔ شاید کسی قدر فائدہ بھی اٹھایا تھا اس کی رعایتوں سے۔ مگر اب وہ کیسا سفاک نظر آ رہا تھا۔ کیا کر سکتی تھی، سوچ سوچ کر تھک گئی تھی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ عفنان علی خان اسے واقعی مشکل سے دوچار کر گیا تھا۔ سارا سکون غارت کر گیا تھا اور خود وہ یقیناً اسی قدر اطمینان میں تھ۔ سکون میں تھا۔

* * *

کتنے دنوں بعد وہ سیفی سے ملی تھی۔ کتنی دیر تک بنا کچھ کہے اس کے شانے پر سر رکھ کر روتی رہی تھی۔ سیفی نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ شاید وہ اس کے کہے بغیر جانتا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اسے لفظوں میں کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سیفی واقعی اس کا ایک اچھا دوست تھا۔ تبھی تو وہ اس لمحے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے چھیڑتا ہوا مسکرایا تھا۔

”ساری شرٹ خراب کر دی۔ اماں دھوئیں گی تو پھر باتیں سنائیں گی۔ ایریل کا خرچ ڈبل کروا دو گی تم تو۔ سارے پیسے میری جیب سے کٹیں گے۔“ اپنے سفید بھیگے ہوئے شانے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر اپنا رومال اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

”لو____ اب ناک بھی پونچھ لو۔ یا وہ بھی اسی شرٹ کی آستین سے صاف کرو گی؟“ جملے میں شگفتگی تھی اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

”تم نے انکل کو کیوں آنے سے روک دیا؟____ تمہیں انہیں آنے دینا چاہئے تھا۔ مجھے لگتا ہے اس سب کچھ میں جو ہو رہا ہے، گین سے زیادہ غلطی ان لوگوں کی ہے۔ نہ وہ تمہیں اس طرح بے یار و مددگار اس کے حوالے کرتے نہ وہ اس طرح تمہیں ہرٹ کرنے کی کوشش کرتا۔ تم اگر آفینڈ ہو رہی ہو تو صرف اپنے پیرنٹس کی غلطی کے باعث۔“ سیفی نے کہا تھا اور وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

”سیفی! میں نہیں جانتی کہ قصوروار کون ہے۔ مگر میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ میرا بہت نقصان ہو رہا ہے اور اس نقصان کا کوئی ازالہ نہیں ہے۔“

”تم نے اس شخص کی بات مانی کیوں؟____ جب انکل نے کہا تھا کہ وہ آ رہے ہیں تو تم نے پھر فون کر کے انہیں منع کیوں کر دیا؟____ تم اس قدر ڈرتی ہو اس شخص سے؟ اس قدر سوار ہے وہ تمہارے حواسوں پر؟“ سیفی ڈپٹ رہا تھا۔

”میں خود نہیں جانتی سیفی! کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟____ میں اسے کوئی طمانیت یا خوشی دینا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ مگر اس شام پاپا سے بات ہوئی تو میں اس شخص کے حسب منشاء کر گزری۔ پتہ نہیں کیوں؟“ انداز میں ایک پچھتاوا تھا اور سیفی نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”کیوں؟____ کیوں کیا تم نے ایسا؟____ کہیں محبت تو نہیں ہو گئی تمہیں اس شخص سے؟“ میرب سیال نے چونکتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔ سیفی کے لبوں پر بہت شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔ میرب نے ہاتھ کا مُکا بنا کر اسے دے مارا تھا۔ سیفی ہنس دیا تھا۔

”بھئی اتنی تابعداری تو صرف محبت میں ہی ممکن ہے۔ تاریخ بھی گواہ ہے۔ ایک بار کا ذکر ہے، سوہنی نے حضرت مہینوال سے مچھلی کھانے کی فرمائش کر دی۔ بے چارے حضرت مہینوال سارا دن کوشنگ کے لئے کانٹا لگائے بیٹھے رہے مگر قسمت بری تھی جو ایک مچھلی بھی کانٹے میں نہ پھنسی۔ مگر م نہ کرتا۔ کچھ محبت تھی کچھ مجبوری۔ سو حضرت مہینوال نے تن وار دیا اور پنی ران کا گوشت نکال کر بھو بی بی سوہنی کو نوش کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ تو محبت تو ایسی ایسی کرشمہ سازیاں بھی دکھاتی ہے۔ آج دور میں کسی نے ایسا کیا ہوتا تو سرجیکلی بہت سی مشکلات درپیش آ سکتی تھیں۔ اینٹی سیپٹک ہو سکتا خدانخواستہ حضرت مہینوال اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتے تھے۔ مگر کیا سہانا دور تھا کہ محبت کے ساتھ ہر شے بھی خالص اور پیور تھی۔ بالکل ماں کے پیار کی طرح۔“

سیفی کی یہی بات اچھی تھی۔ وہ برے سے برے موڈ کو بھی لمحوں میں اچھا کرنا جانتا تھا۔ میرب جو چند لمحے قبل دھواں دھار رو رہی تھی اب کھل کر مسکرا رہی تھی۔

”ماں کا پیار تو اب بھی اتنا ہی خالص ہے ڈفر! ہاں، باقی محبتوں کی کوئی گارنٹی نہیں۔ جانے کون، کہاں نظر بدل جائے یا راہ بدل جائے۔ آج کے دور میں اجنبی ہوتے دیر نہیں لگتی۔ محبت کا لفظ متروک جا رہا ہے۔ بلکہ کسی قدر نایاب۔ مجھے یقین ہے اگلے کچھ دنوں میں یہ بالکل ناپید ہو جائے گا اور پھر کوئی کولمبس بھی دریافت نہیں کر سکے گا۔ گمشدہ چیزیں کبھی کبھی بالکل واپس نہیں ملتیں۔“ میرب سیال کا رنگ غالب آنے لگا تھا۔ سیفی ہنس دیا تھا۔

”دیٹس لائک اے گڈ گرل۔ لائک اے مائے فرینڈ۔ دنیا کو مارو گولی۔ ورنہ دنیا آپ کو جینے نہیں د گی۔ جس کو جتنی امپورٹنس ملتی ہے وہ آپ کے لئے اتنا ہی بڑا خطرہ بنتا ہے۔ دوسرے معنوں میں آپ اسے امپورٹنس نہیں خود کو زک پہنچانے کا سرٹیفکیٹ جاری کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل ایک انسٹیٹیو ہے سو اس کی ایڈامن اور ڈین کو اس بات کا تعین آنکھیں کھول کر کر لینا چاہئے کہ کسے یہ مراعات دی جا اور کسے نہیں۔ کوئی اس اہلیت کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ بعض اوقات بہت سے نامعقول اس رعایت فائدہ اٹھا جاتے ہیں۔ کیونکہ دل کی ایڈامن بہت نرم واقع ہوئی ہے۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ دل آنکھیں کھولے اور اپنے قاعدے قانون بدلے اور ایسے تمام دھوکے بازوں سے ہوشیار رہتے ہ ”نو انٹری“ کا بورڈ لگا دے۔ تم دل کی انتظامیہ کی اونر ہو میرب! اپنے دل کے قاعدے قانون بنانے کا رکھتی ہو تم۔ اپنا یہ حق استعمال کرو۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کو لاگو کر کے نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ بعد رونے دھونے اور واویلا کرنے سے بہتر نہیں کہ پہلے اپنا قبلہ کعبہ کو ہی دسترس میں رکھا جائے۔ دوسر سے شکایت کرنے کی بجائے دوسروں کو شکایت کا موقع فراہم ہی نہ کیا جائے۔“ مسکراتے ہوئے سی انداز ہلکا پھلکا تھا۔ مگر بظاہر ان مذاق کی کئی باتوں میں بہت سے سوچ کے پہلو نکلتے تھے۔ سیفی کی یہی بات تھی۔ وہ ایک ایسا دوست تھا جو نہ اسے اس کی غلطیوں پر ڈپٹتا تھا، نہ ناصح بن کر بھاری ثقیل لیکچر تھا۔ مگر وہ ہنستے ہنستے ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جو ”Key“ کا درجہ رکھتی تھیں۔ ایسی Keys جو بہت سے تالوں کو بڑے آرام سے کھول سکتی تھیں۔ میرب سیال کا دل جو چند لمحے پہلے تک بہت بوجھل تھا، اب قدر ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ کچھ نہ کہہ کر، کچھ نہ بتا کر بھی اسے بہت راحت ملی تھی۔

”سیفی! شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بعض اوقات اپنے ہاتھوں سے دی گئی رعایتیں بہت تکلیف دیتی ہیں۔ مگر وہ رعایتیں اس وقت کی ضرورت ہوتی ہیں سیفی! میرے پاس بھی کوئی اور راستہ نہیں تھا۔“ کسی قدر تاسف سے کہہ کر وہ سر جھکا گئی تھی۔

سیفی نے مسکراتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

”کم آن یار! انسان ہی ہے نا، اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟—— کم از کم جتنی دیر یہاں ہو اتنی دیر تو بے خوف محسوس کرو۔ ویسے تم اس سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟—— دیکھنے میں وہ اتنا خوفناک دکھائی تو نہیں دیتا۔“ اس کا موڈ تبدیل کرنے کو وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

”سیفی! کسی کے خوفزدہ کر دینے کے لئے صرف ظاہری طور پر خوفناک ہونا ضروری نہیں ہے۔“

”میں بتاتا ہوں تمہیں—— تمہارا یہ خوف ختم ہو سکتا ہے۔ تم ایک کام کرو۔“

”کیا؟“ میرب چونکی تھی۔

”تم اس شخص سے محبت کرنا شروع کر دو۔“ سیفی کا قہقہہ فطری تھا۔ میرب مسکرا دی تھی۔ پھر سر جھکاتی ہوئی آہستگی سے بولی تھی۔

”اس سے محبت ممکن نہیں ہے سیفی!—— جو شخص کسی سے محبت نہیں کرتا اس سے کوئی دوسرا محبت کیسے کر سکتا ہے؟ وہ محبت جیسے لفظ کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں۔ دل، جذبات، احساسات، اس کے نزدیک سب فضول کی چیزیں ہیں۔ وہ صرف اصولوں سے بنا ہے۔ بلا کا خود پرست ہے، خود پسند ہے۔ اسے صرف وہ اچھا لگتا ہے جو اسے پسند ہے۔ دوسروں کی پسند، ناپسند کیا ہے یہ جاننے کی کبھی اس نے کوشش ہی نہیں کی۔ اسے دوسروں کو جاننے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی پرواہ کریں۔ اسے خوش کرنے کے جتن کریں۔ وہ صرف دہکتا الاؤ ہے جو صرف جلانا جانتا ہے۔ جو اس کے قریب جاتا ہے، اسے چھونے کی کوشش کرتا ہے وہ خاک بن جاتا ہے۔ وہ نہ سمجھ میں آنے والا معمہ ہے۔ اسے سمجھنے والا سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے خود اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ وہ بہت عجیب ہے سیفی! اتنا عجیب کہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو خود آپ زک پہنچاتا ہے۔ حاسد ہے بلا کا۔ ہواؤں سے بھی بیر ہے اُسے۔ اپنی شے کے متعلق اتنا کنسرن ہے کہ پرایا سایہ بھی برداشت نہیں اور خود اپنے لئے اس کے قانون قاعدے سب بہت مختلف ہیں۔ وہ سمجھتا ہے جینے کے رائٹس صرف اس کے پاس ہیں۔ باقی سب فضول ہے۔ مجھے وہ اس دنیا کا شخص سا لگتا ہی نہیں۔“ میرب کا لہجہ دھیما تھا۔

سیفی مسکرا دیا تھا۔

”تم نے شیر کو دیکھا ہے؟“

”تم سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اقدامات کو سراہ رہے ہو؟—— اُسے داد دے رہے ہو؟“ میرب سیال کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

”نہیں۔“ سیفی مسکرا دیا تھا۔ ”ایک بہت پرانی روسی کہانی ہے۔ سن لو، شاید کچھ کام کی شے ہاتھ لگ

جائے۔ ایک خاتون تھی۔ بے حد خوبصورت، دلفریب، شائستہ، تہذیب یافتہ، بالکل تمہاری طرح۔
ہزبینڈ تھا بے تہذیب، اکھڑ، بالکل جنگلی، بالکل تمہارے میاں کی طرح۔ وائف اپنے اس ہزبینڈ سے
پریشان تھی۔ قریب ہی ایک جنگل میں ایک بہت پہنچا ہوا عظیم بزرگ رہتا تھا۔ اس کی شہرت دور دو
تھی وائف کو بھی خبر ملی۔ وہ اپنے ہزبینڈ کو سدھارنے کی کوشش میں اس کے پاس جا پہنچی۔ بابا نے
روداد سنی اور بہت سوچ بچار کے بعد حل تجویز کیا کہ اس کا علاج صرف ایک شیر کے بال سے ممکن
بال بھی مونچھوں کا۔ اب مونچھ کا بال حاصل کرنا آسان نہیں، وہ بھی حضرت شیر کا۔ خاتون کچھ پریشا
ہوئی مگر بابا کا حکم تھا کہ جب تک شیر کا بال نہیں آجاتا، علاج ممکن ہی نہیں۔ وہ خاتون جائے اور
مونچھ کا وہ بال لے آئے۔ ساتھ ہی بابا نے یہ بھی بتا دیا کہ قریب ہی جنگل میں خاتون کو ایسا کوئی شیر
سکتا ہے۔ خاتون پریشان تو ہوئی مگر اٹھ کر گھر چلی آئی۔ بہت سوچ بچار کے بعد بابا کی بات ما
ٹھانی۔ اپنے ہاتھوں سے شیر کے لئے طعام تیار کیا اور جنگل کی راہ لی۔ شیر کے قریب جانا بہت مشکل
دوسرے معنوں میں اپنی موت کو خود دعوت دینا تھا۔ مگر خاتون اپنے شوہر کو سدھارنے کے لئے کچھ
سکتی تھی۔ سو پہلے تو شیر کو دور بیٹھا دیکھ کر کسی قدر خوفزدہ ہوئی۔ قدم ٹھٹک کر رک گئے۔ مگر پھر جی کڑا کر
قدم آگے بڑھائے اور قدرے فاصلے پر طعام رکھ کر تیزی سے مڑی اور کسی قدر فاصلے پر محفوظ مقام
رکی جہاں سے وہ شیر کی حرکات وسکنات جانچ سکتی۔ حضرت شیر اٹھے اور اس طعام تک گئے جو خاتون
اپنے ہاتھوں سے ان کے لئے تیار کیا تھا۔ سونگھا اور پھر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہو گئے۔ خاتو
ڈھارس بندھ گئی۔ دوسرے روز پھر یہی ہوا۔ تیسرے روز بھی اور پھر اس سے اگلے روز بھی۔ خاتون
کھانا لا کر رکھتی رہی اور اس کے ساتھ ہی ہر قدم خود بھی آگے بڑھتی رہی۔ یعنی ہر نئے دن کے ساتھ
بھر ایک اور قدم آگے بڑھتا رہا۔ شیر اسے دیکھ کر نہ تو دھاڑتا، نہ اس کی طرف کوئی پیش قدمی کرتا۔ نگا
میں سختی کی جگہ نرمی ہوتی اور خاتون خوف کھانے کی بجائے نڈر ہو کر اس کے پاس بیٹھ کر اسے اپنے ہا
سے کھانا کھلانے لگی۔ ساتھ ہی اسے محبت سے سہلاتی اور باتیں بھی کرتی۔ اور ایک دن وہ اس قابل
کہ باتوں ہی باتوں میں محبت سے اسے سہلاتے ہوئے حضرت شیر کی مونچھ کا بال ان کی اجازت
حاصل کرلیا اور فوراً بابا کی طرف رخ کیا۔ بابا خاتون کی اس ہمت اور دلیری کے قائل ہو گئے۔ بال
میں لیا تو گویا یقین نہ ہوا۔ مسکراتے ہوئے خاتون کو بھرپور داد دی۔

خاتون نے دریافت کیا۔ بابا! کیا اب میرے شوہر راہِ راست پر آجائیں گے؟ تو بابا مسکراتے
بولے۔ کیوں نہیں۔ جب تم اتنا مشکل اور ناممکن کام کرسکتی ہو تو یہ کام کیسے ممکن نہیں ہو سکتا؟ تم نے
دنوں میں انتہائی خونخوار جانور کو اپنی توجہ اور محبت سے سنوار اور سدھار لیا اور اس کی مونچھ کا بال حا
لیا۔ وہ جانور جس سے لوگ کوسوں دور سے ہی خوف کھاتے ہیں، تم نے اسے بخوشی اس کام کے لئے
کرلیا تو پھر تم اپنے شوہر کو کیسے نہیں سوار سکتی ہو؟ اسے بھی اسی توجہ اور محبت کی ضرورت ہے۔ تم ا
محبت سے سنوار سکتی ہو۔ ایسا بابا نے کہا۔ میرب! میں بھی تمہیں یہ مشورہ دوں گا۔ تم ایسا کرسکتی ہو میر
تمہیں اسے وہ کیئر دینا ہوگی، وہ توجہ دینا ہوگی۔ محبت سے جانور بھی سدھر سکتا ہے تو پھر انسان کیوں

سبکتگین اس جنگلی شیر سے بھی بڑا جنگلی ہے؟'' اس نے میرب کا چہرہ اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے
افت کیا تھا مگر میرب مسکرا نہیں سکی تھی۔

تبھی شرجیل وہاں آگیا تھا۔

''میرب! کوئی تمہیں لینے آیا ہے۔''

''کون؟'' میرب چونکی تھی۔ مڑ کر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا تھا۔ قدرے فاصلے پر دروازے کے
ن بیچ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا تھا۔

''لو ــــــ تمہارے حضرت شیر آگئے۔'' سیفی نے مسکراتے ہوئے جھک کر مدھم سی سرگوشی کی تھی مگر
ئی مسکراہٹ میرب کے لبوں پر نہ آسکی تھی۔ وہ اٹھی تھی اور شرجیل کے پاس سے گزرتے ہوئے سردار
تگین حیدر لغاری کے قریب جارکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''چلیں؟'' توجہ قابل دید تھی۔ میرب کو جانے کیوں لگ رہا تھا کہ وہ شخص کافی دیر سے یہاں موجود تھا
انہیں بہت حد تک سن چکا تھا یا شاید بالکل بھی نہیں۔

میرب سیال نے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں نانو سے مل کر آتی ہوں۔'' میرب اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین
ر لغاری نے بہ غور اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

❄❄❄

تم اس درد سے گزرے ہو نا؟
وہ شب جس میں جل جاتی ہیں آنکھیں
تم پر بھی گزری ہے
وہ شب جو مہتاب سے ٹپکے
آنسو آنسو، شبنم شبنم وہ شب
مجھ پر بھی اتری ہے
وہ دن جب گھڑیاں سو جائیں
لمحے پتھر کے ہو جائیں
وہ دن تم نے بھی کاٹا ہے
دونوں کے جسموں، روحوں میں
یکساں دُکھ کا سناٹا ہے
پھر کیوں مجھ سے پوچھتے ہو تم؟

ساہیہ بہت خاموش سی بیٹھی تھی۔ آنکھوں سے بہت چپکے چپکے آنسو ٹوٹ کر بے وقعت ہو رہے تھے۔
کینے چلتی ہوئی اس کے پاس آن بیٹھی تھی۔ ساہیہ نہیں چاہتی تھی اس کے اندر کی خبر کسی کو ہو مگر یہ وہ لمحہ تھا
ب اکینے اس کے راز سے واقفیت حاصل کر چکی تھی۔ ساہیہ کسی قدر شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ نظریں اٹھائے

بغیر چہرے کا رخ پھیرا تھا اور ہاتھ اٹھا کر آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔ اگینے خاموشی سے اسے دیکھتی ر نہ فوری طور پر کچھ پوچھا تھا نہ کچھ کہا تھا۔ ساہیہ کمزوری کے ان لمحوں کا ادراک کسی کو دینا نہیں چاہتی اس لمحے وہ بے نقاب تھی اور پردہ سارے بھید چاک کر گیا تھا۔

"ساہیہ! تم خوش نہیں ہو نا؟" اگینے نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ ساہیہ کچھ نہیں ب چپ چاپ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔ اگینے نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو محبت سے اپ میں لیا تھا۔

"ساہیہ! ـــــ بچے! یہ کیوں؟ ـــــ کس لئے؟ ـــــ اگر تم خوش نہیں ہو تو......."

ساہیہ نے بنا ان کی طرف دیکھے انکار میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں ـــــ میں خوش ہوں۔ بہت خوش۔"

اگینے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"خوش ایسے ہوتے ہیں؟" انداز سوالیہ تھا۔

ساہیہ غالباً انہیں مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔

"پھپھو! آپ تو بس۔ آئی ایم ویری ہیپی۔ میری زندگی میں ایسا کوئی جواز نہیں ہے جو [illegible] نا سکے۔"

"تم یہ بات اب مجھ سے بھی چھپاؤ گی؟" اگینے جیسے اسے سطر سطر پڑھ رہی تھی۔ ساہیہ سر جھکا رہی تھی۔ اگینے نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"ساہیہ! جس کام کو کر کے آپ کا اندر مطمئن نہ ہو اسے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ رشتوں کی طرح بنانا اور نباہنا چاہئے۔ انہیں بوجھ نہیں بنانا چاہئے۔ جو تعلقات بوجھ بن جاتے انسان کو تھکا دیتے ہیں اور یہ تھکن بہت بری ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم بہت سمجھ دار ہو۔" اسے الگ کر کے اس کی آنکھوں کو پونچھا تھا۔

"تمہیں زندگی کا ادراک ہم سے زیادہ ہے۔ اسی لئے بھائی نے، بھابی نے اور ہم سب نے تمہارے سر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اب بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم نے کوئی غلط قدم غلط سمت میں اٹھا لیا ایسا کر کے خوش نہیں ہو تو تم اپنا وہ قدم واپس لے سکتی ہو۔ ابھی دیر نہیں ہوئی ہے۔" مدھم لہجے میں ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں واقعی بہت خوش ہوں۔ میں اس سے پہلے کبھی اتنی مطمئ تھی۔" جھکا ہوا سر بہت سے بھید بنا کہے بتا رہا تھا۔

اگینے گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

"ساہیہ! جب کوئی خوش اور مطمئن ہوتا ہے نا، اسے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مجھے لگتا ہے تم صرف اس لئے کر رہی ہو کہ اس سے اذہان حسن بخاری کو کچھ مثبت نتائج مل سکیں۔"

"نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے۔" ساہیہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"ایسا ہی ہے ـــــ ایسا ہی ہے ساہیہ! تم ایسا اس لئے کر رہی ہو کہ تم اذہان حسن بخاری کی بہترین ہو۔ تم جانتی ہو وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ تم اس سے کتنی شدید محبت کرتی ایک لمحے میں اگینے نے اسے جتایا تھا۔ ساہیہ ساکت سی تکتی رہ گئی تھی جب اگینے اس کا شانہ تھام کر

ی۔

"ساہیہ! محبت کی ایک عادت بہت بری ہوتی ہے۔ کسی قدر خود غرض ہوتی ہے۔ یہ جتنا دیتی ہے میں اتنا ری ٹرن بھی مانگتی ہے۔ اور جب ایسا جواباً نہیں ہوتا تو بہت دکھ ہوتا ہے۔"

"نہیں ـــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اذہان سے کچھ بھی ری ٹرن نہیں چاہتی۔ میری نظر میں محبت دینے والا ہاتھ ہے۔ پھیلا ہوا ہاتھ نہیں۔ محبت صرف نوازنا جانتی ہے۔ صرف دینا اور دینا جانتی ہے، ں۔ واپسی کی امید نہیں رکھتی محبت۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اذہان کی زندگی میں کون تھا۔ محبت کرتا تھا۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ میں اذہان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مجھے وہ اچھا لگتا اس کے دکھ سکھ، سب مجھے اپنے لگتے ہیں۔ میں اسے خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اگر اس لئے کوئی زبردستی کا بوجھ ہوتی تو شاید میں کبھی اس کی زندگی میں شامل نہ ہوتی۔ مگر اس کی زندگی میں اگر دں تو صرف اس لئے کہ وہ میرا ساتھ چاہتا ہے۔ اسے میری ضرورت ہے۔"

"اسے تمہاری ضرورت ہے تو کیا تمہیں اس کی ضرورت نہیں؟ ـــــ ساہیہ! کبھی سوچا ہے تم نے، تم ہت سے خانوں میں بٹے ہوئے شخص کے ساتھ کیسے جیو گی؟ تمہاری یہ حالت، یہ آنسو۔ ایمانداری بتاؤ ساہیہ! کیا تم نہیں چاہتی ہو کہ وہ بھی تمہیں اسی طرح چاہے، تمہاری خواہش اسی طرح محسوس ے؟ مان لو، یہ ٹھیک ہے، مان لو تم کچھ غلط نہیں کر رہی ہو اور مان لو یہ کوئی خود غرضی بھی نہیں ہے۔ تو کیا تم سوچتی ہو کہ تم جو کر رہی ہو وہ ٹھیک ہے۔" اگینے نہیں چاہتی تھی جو خلا اس کی زندگی میں آیا ویسا ہی خلا ساہیہ کی زندگی میں بھی آتا۔ وہ متفکر سی اسے دیکھتے ہوئے کسی سد باب کے متعلق سوچ رہی تھی ساہیہ بولی تھی۔

"میں نے محبت کو دیکھا ہے۔ میں جانتی ہوں محبت کیا ہے۔ بہت قریب سے دیکھا ہے میں نے ۔ یہ اپنے سارے سد باب خود کرتی ہے۔ اپنے تمام خدشوں کا تدارک آپ کرتی ہے۔ اس کے درد کا اسی کے پاس ہے۔ اپنے ازالے یہ آپ کرتی ہے۔ یہ خلاؤں کو بھرتی ہے پھپھو! خلا پیدا نہیں کرتی۔ امید ہے یہ، میرا ایمان بھی یہی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ میں جو کر رہی ہوں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ نتائج کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں محبت کا خسارہ بھی خسارہ نہیں ہے۔ اس خسارے میں کئی کل ہی آتے ہیں۔ اور میں تو اس معاملے میں بھی نفع میں ہوں کہ میں اس کے ساتھ ہوں گی ہر صورت ۔ چاہے وہ مجھے چاہے یا نہ چاہے، اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوگا۔ چاہے میں اس کی سوچوں میں انہ بھی ہوں۔ ہم ساتھ ہوں گے۔" ساہیہ کا یقین محکم تھا۔ اگینے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی جب یہ کی ممی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ ـــــ یہ تم [illegible] طرح سر جوڑے کیوں بیٹھی ہو؟ اور ساہیہ! تم ـــــ تمہاری

آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟ تم روئی ہو؟'' کسی قدر تشویش سے وہ آگے بڑھی تھیں جب اکینے ۔ز لیا تھا۔

''ساہیہ عام لڑکیوں کی طرح ہمیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہی بھابی! اگرچہ فی الحال انگیج مز ہے مگر بالکل پاگل ہو گئی ہے یہ۔ بھلا ہم کون سا بہت دور ہیں۔ یہی قریب ہی تو ہوں گے۔ شادی میں کافی عرصہ پڑا ہے۔'' مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔ ممی کو کچھ اطمینان

''وہ نیچے اذہان آیا ہوا ہے ـــــ تم دونوں کو شاپنگ کے لئے جانا تھا نا۔''

''جی ممی! ـــــ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ آپ پلیز اسے بٹھائیے۔ میں تیار ہو کر تھوڑی دیر ہوں۔'' ساہیہ کہہ کر اٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔ ممی پلٹ گئی تھیں۔ اکینے بھی ایک گہ خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❄❄❄

پتہ نہیں سیفی نے ٹھیک بھی کہا تھا یا کہ نہیں۔ پتہ نہیں اسے ایسا کہنا بھی چاہئے تھا کہ نہیں۔

اس شخص کے ساتھ متواتر رہنا اور اس کی تمام اچھی اور بری باتوں کو قبولنا آسان تو نہ تھا۔ و معاف کر سکتی تھی، دوسری بار بھی۔ مگر کیا بار بار۔

اتنی رعایت تو کوئی محبت میں بھی نہیں دیتا۔

اور اسے تو شاید اس شخص سے محبت تھی بھی نہیں۔ پھر کس بل بوتے پر وہ اسے اتنے مواقع فرا اور پھر کیا گارنٹی تھی کہ وہ واقعی سدھر جاتا اور دوبارہ ایسی غلطی نہ کرتا۔ اسے ہرٹ نہ کرتا۔ اور یہ اپنے طور پر اخذ کر رہی تھی۔ اپنے طور پر سوچ رہی تھی۔ گیسز لائک اے فول ـــــ اقدامات تو ہوتے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہوتا یا وہ معذرت طلب بھی کرتا۔ ا تھا ہی نہیں۔

نہ تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنی غلطی کا کوئی احساس تھا نہ ہی اس نے کبھی کوئی معذرت تھی۔ وہ تو صرف دھونس جمانے کا عادی تھا۔ یعنی ایک تو چوری اس پر سینہ زوری۔ نہ تو اپنی غلطی تھا، نہ پھر، دہرانے کی گارنٹی دیتا تھا۔ جب اسے کوئی احساس تھا ہی نہیں، کبھی کوئی ریگرٹ محسوس تھی تو پھر اس کو رعایت دینے کا مطلب صرف یہ تھا، آ بیل مجھے مار۔

پول کے کنارے چلتے چلتے وہ رکی تھی۔ پھر جھک کر بیٹھی تھی اور پاؤں پول کے پانی میں ۔ تبھی اس لمحے نگاہ اٹھی تھی۔ اوپر ٹیرس پر سردار سبکتگین حیدر لغاری، گی کے ساتھ موجود تھا۔ دونو رر ہے تھے۔ شاید اپنے آنے والے وقت کے لئے کوئی اسٹریٹجی پلان کر رہے تھے یا پھر وہ گی بڑھا رہا تھا۔ کچھ بھی تھا وہ دونوں قریب تھے۔

وہ دھیان ہٹا نہیں سکی تھی۔

کیا سوچ رہی تھی وہ؟

اور اصل صورتحال کیا تھی؟

بنے معاف کرتی اس شخص کو جو اس کی نگاہ کے سامنے اپنی دنیا آباد کئے ہوئے تھا۔ اپنے ایک ناجائز ے ساتھ دھڑلے سے جی رہا تھا اور شرمندہ تک نہ تھا۔ اسے کیسے معاف کرتی وہ۔

ے محبت کرنا سکھاتی؟

خص کو جو شاید رشتوں کے احساس سے بھی واقف نہ تھا۔ اُسے تو محبت کے ہجے بھی نہیں آتے تھے ا ں پر اپنی محنت صرف کرتی۔ اسے اپنے جذبات سونپتی تا کہ وہ اس کے دل کے ساتھ کھیل سکتا۔ لے تو وہ صرف اپنے احساسات کے ہرٹ ہونے پر روتی تھی۔ پھر شاید دل ٹوٹنے کا واویلا کرتی۔ اس ے کیا بعید تھا۔ اور سیفی کہہ رہا تھا اسے محبت کرنا سکھاؤ، اس سے محبت کرو۔ وہ یقین سے کہہ سکتی تھی۔ یقین تھا اسے۔ محبت سے کوئی جانور ضرور سدھر سکتا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ہرگز نہیں۔ وئی خدشہ نہیں تھا یہ۔ کوئی خوف نہیں تھا۔ صرف ایسا ہونے کے صد فیصد چانسز تھے کہ وہ قدم بڑھاتی اٹھاتی۔ کیونکہ وہ شخص صرف دکھ دینا جانتا تھا۔

ہ سر اٹھائے ساکت سی دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری، گی کے ساتھ بات کرتے کرتے طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔ گی بھی غالباً تبھی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہ ہاتھ ہلایا تھا۔ میرب کوئی ردعمل نہیں دے سکی تھی۔ نہ تو مسکرائی تھی نہ ہی ہاتھ ہلایا تھا۔ بس نگاہ ہٹا ں۔ اسے امید نہیں تھی دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے پاس ہو گا۔ وہ سوچوں کے یں اُلجھی ہوئی پول کے شفاف پانی پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا آیا تھا ل کے پانی میں پاؤں ڈبو کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''موسم اچھا ہے نا؟'' مسکراتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا باتیں کرنے کے وسم کا تذکرہ کامیاب ترین گُر ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر میرب نے کوئی ب نہیں دیا تھا۔ شاید وہ گفتگو کے اس سلسلے کو آگے بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

''ہوا اچھی چل رہی ہے لیکن آسمان پر جتنے بادل ہیں، لگتا ہے بارش ضرور ہو گی۔'' سردار سبکتگین حیدر ی کی گفتگو پہلے سے کہیں مختلف تھی۔ میرب اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''میرب! تمہارا کزن بہت سمجھ دار لڑکا ہے۔ اس کی باتوں میں دم ہے۔ سچ کہوں، میں اسے بہت دقوف لڑکا سمجھتا تھا۔ مگر وہ حیران کن ہے۔ تمہیں اس کی باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مصالحت راہ بہترین ہے۔ ماحول سازگار کرنے میں بھی بہت حد تک معاون ہو سکتا ہوں۔''

وہ حیران، ساکت سی دیکھ رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق اس کا قیاس درست تھا۔ وہ ان ، مابین ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ تو یہ مصالحت کی کوشش تھی۔ یعنی وہ چاہتا تھا کہ وہ اس پر اپنا وقت ف کرے۔ میرب خاموش تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر میرب کا ، تھام لیا تھا۔

''میرب! اگر سمت صاف نظر آ رہی ہو تو قدم اٹھانے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ دو چار قدم صحیح سمت ا اٹھ جائیں، یہ زیادہ بہتر ہے اس کے کہ بے سمت چلتے ہوئے عمر گزار دی جائے۔'' اپنی دانست میں

بہترین بات کی تھی۔ مگر میرب سیال نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

”سردار سبکتگین حیدر لغاری! آپ کی زبان سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ عجیب متضاد اندا آپ کا۔ آپ صرف دوسروں سے ہی کیوں امید رکھتے ہیں؟ خود تو آپ غلط کو بھی صحیح سمجھ کر کر عادی ہیں اور دوسروں سے مصالحت کی امید رکھتے ہیں۔“

”مصالحت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تم انڈر اسٹینڈ کر لو۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً آج خوش میں تھا۔ نہ صرف اس کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں مسکرا رہا تھا بلکہ مزید گفتگو کا سلسلہ بھی رکھے ہوئے تھا۔

”میرب! آپ کی ایک بات اچھی نہیں ہے۔ آپ سوچتی اور سمجھتی بہت کم ہیں۔ یہ جو دماغ ہے سمجھنے کی عادت ڈالیں۔ کچھ سوچنے کا کام سونپیں۔ فارغ مت چھوڑیں۔ فضول سوچنا شروع کر دیتا آپ کا پرابلم صرف یہ ہے کہ آپ ایک نقطے کے آگے سوچنا ہی نہیں چاہتی ہیں۔ نہ کچھ دیکھتی ہیں نہ ہیں۔ جو ذہن میں پہلی سوچ آتی ہے اسے لے کر آگے بڑھتی ہیں اور سوچ کے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ ان بے لگام گھوڑوں کو روکنے اور بس میں کرنے کی عادت ڈالئے۔ فائدے ہوں نہ ہوں مگر نقصان سے ضرور بچ جائیں گی۔ ضروری نہیں کہ کسی بات کی جانچ پڑتال کئے بغیر اسے حتمی مان لیا صرف اس لئے کہ صرف آپ کا دل یا صرف آپ کا دماغ ایسا کہہ رہا ہے۔ کبھی کبھی دوسروں کی با لینا بھی اچھا ہوتا ہے۔ ہمیشہ نقصان ہی ہو تو ضروری نہیں، دوسرے صرف آپ کے دشمن ہی ہوں۔ ی ہو سکتا ہے نا کہ دوسرے آپ سے کسی قدر مخلص ہوں۔ شاید آپ سے کچھ زیادہ مخلص۔ آپ یہ کیوں ہیں کہ سبھی کچھ آپ کے خلاف ہے اور کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں۔“ سردار سبکتگین حیدر لغار مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

میرب سیال کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

”آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ میں آپ کی مخالف سمت پر ہوں؟ میں آپ کے ساتھ بھی تو ہو سکتا خفیف انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

یہ تیور کچھ نئے تھے۔ پہلے سے کچھ مختلف!

کیا پھر کوئی نیا جال؟

پھر کوئی نئی چال؟

میرب سیالؔ اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ اس شخص کی عادت ہو چلی تھی دھوکا دینے کی۔ وہ ماہر تھا۔ او اس کے ہاتھ پھر سیفی کا انوکھا مشورہ بھی لگ چکا تھا۔ گویا ایک نیا طریقہ اسے اسکیپ گوٹ بنانے کا اپنا دوست اس کے ہاتھ سونپ چکا تھا۔ ایک بار پھر وہ اس کے احساسات سے کھیلنے چلا تھا۔ ایک ایک قاتل منصف بننے چلا تھا۔

بہت آہستگی سے وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”ٹرسٹ می!“ سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں باور کراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب سیال

ں میں اس کی سچائی جاننے کی کوشش میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”ٹرسٹ می!“ میرب سیال کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں گویا ا۔ انداز ایسا تھا کہ سننے والی سماعتیں ایک لمحے میں ہار جاتیں۔

آنکھوں میں وہ رنگ تھے، وہ چمک تھی کہ اعتبار کے سوا کوئی صورت نہ رہتی۔ وہ دل جیتنے کے فن سے تھا۔ اسے علم تھا تیر کب چلانا ہے اور کب وار کرنا ہے۔ کون سی گھڑی سودمند ہے اور کس لمحے حالات پنے بس میں کرنا ہے۔ اسے سب گُر آتے تھے۔ وہ تمام اسلوب سے واقف تھا۔ اسے توجہ سونپنی آتی اپنا اسیر کرنا آتا تھا۔ وہ جانتا تھا کب اسے لگاوٹ کا مظاہرہ کرنا تھا اور کب اجنبی بن جانا تھا۔

وہ جانتا تھا۔ اسے ازبر تھے سارے ڈھنگ۔

وہ جیتنے کے سارے پہلو جانتا تھا سو وہ کبھی ہارا نہیں تھا۔

وہ کھیلنا جانتا تھا۔ شاطر دماغ تھا۔ اسے معلوم تھا کہاں، کون سا ہنر آزمانا تھا۔ سو وہ اس گھڑی اس کے نے تھا۔

”ٹرسٹ می!“ ہزارہا اَن کہی باتوں کو جتاتے ہوئے وہ بھرپور زور دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ل رہا تھا اس وقت۔ وہ سدا کا ناقابل اعتبار شخص اس کا اعتبار چاہ رہا تھا۔

میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ فقط چپ چاپ اس کی آنکھوں میں تکتی رہی تھی۔ شاید وہ سچائی کے کچھ جانچنا چاہتی تھی ان آنکھوں میں۔ مگر وہ کچھ جان نہ پائی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

”تمہیں مجھ پر اتنا اعتبار تو ہونا چاہئے کہ اگر میں کہوں کہ یہ دن نہیں رات ہے تو تم کہو ہاں رات ہے۔ ا تو میری بات پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرنا چاہئے۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس سے اس کا اندھا اعتماد چاہ ا۔ بلائنڈ ٹرسٹ مانگ رہا تھا۔

واہ! —— کیا دیدہ دلیری تھی۔

میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور تکتا رہا تھا۔

”تم سردار سبکتگین حیدر لغاری پر اعتبار نہیں کر رہی ہو۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ دنیا کو دیکھنے کا میرا بہت زیادہ ہے۔ تمہاری نظر وہاں تک سوچ بھی نہیں سکتی جہاں تک میری نگاہ دیکھ سکتی ہے۔ تم اس جانتی ہی نہیں ہو جس سے میں زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ تمہارے ذہن کے شے وا ہی نہیں ہیں جہاں سے میں ایک جہاں کو کھوج سکتا ہوں اور تم مجھ پر ٹرسٹ نہیں کر رہی ہو۔“ سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر نرمی سے مسکرایا تھا۔ میرب سیال کی نظروں میں اعتبار کے رنگ پھر بھی نہ ے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

”اب یہ مت کہہ دینا کہ میں اعتبار کے قابل ہی نہیں ہوں۔ اگرچہ میں تمہاری طرف سے ایسی باتوں مید رکھتا ہوں۔ بہت سیانی ہو تم۔ اپنے فائدے کی باتوں کو خوب سمجھتی ہو۔ مگر کوئی رسک لینا نہیں ا ہو۔ مگر رسک تو لینا پڑے گا۔ رسک تو لینا ہی ہوتا ہے سوئٹی!“ انداز جتانے والا تھا۔ ”دنیا میں یہ بہت ی ہے۔ زندگی میں اس کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔ کوئی نہ کوئی، کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی پر تو اعتبار کرتا ہی

ہے۔ اسی سے زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی ہے۔ اعتبار نہ ہو تو ایک سکے کا بھی کاروبار ممکن نہیں۔ بات رشتوں کی کر رہے ہیں سوئٹ! سوچو، پرکھو، جانچو۔ زندگی یوں نہیں چلتی ہے۔ اس طرح نہیں اپنے دماغ کو کھولو۔ کام لینا سیکھو اس سے۔ تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہارا مخالف ہوں، ساتھ نہیں آزما کر تو دیکھو، تم جان جاؤ گی کہ حقیقت کیا ہے، سچ کیا ہے۔'' اس کی منجمد آنکھوں میں جھانکتے سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔ یکدم موسم نے کروٹ لی تھی اور بادلوں سے بوندوں کا ایک شروع ہو کر زمین کی طرف آنے لگا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا تجزیہ صد فیصد درست رہا تھا اندازہ درست تھا۔ پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی۔ بارش شروع ہو چکی تھی۔ میرب سیال نے بڑ خوف سے یکدم اٹھ جانا چاہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ وہ فرار کے اس لمحے کو پا نہیں سکی تھی۔ بے بسی سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ لبوں پر خفی تبسم لئے وہ جتانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مان لو، میرا تجزیہ تم سے بہتر ہے اور اندازہ تم سے کئی گنا درست۔ تمہاری نگاہ وہاں تک نہیں جہاں تک میں دیکھ سکتا ہوں۔'' لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی اور آنکھوں کی چمک دوگنی۔

''تبھی کہتا ہوں میرے تجربے سے کچھ سبق لو۔ کچھ سیکھو۔ میرا تجربہ تم سے کہیں زیادہ اور بھرپور نہ تو میرا مشاہدہ غلط ہو سکتا ہے نہ تجربہ۔ آزما کر دیکھ لو۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے برستی بارش میں اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''نہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتی۔ بھلے ہی زندگی کے لئے تمہارا سے زیادہ بھرپور سہی مگر میں نے تمہیں دیکھ کر زندگی کو جانچنا سیکھا ہے۔ میری کیلکولیشن کبھی غلط سکتی۔ تم پر اعتبار کا مطلب ہے خود اپنی شامت کو آواز دینا۔ اپنے نقصان کو خود آپ دعوت دینا۔ ایسا ہو چکا ہے اور اب ان سب باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔ میں ایسا بارہا کر کے دیکھ چکی ہوں اور اب نہیں کر سکتی۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو چٹ بھی اپنی چاہتے ہیں اور پٹ بھی۔ تمہیں جیتنے کا جنو ہے بلکہ خبط۔ مگر صرف تمہاری انا کو تسکین دینے کے لئے میں اپنا بھرپور نقصان نہیں کر سکتی۔ تم بات کر رہے ہو، گی کو اپنے ساتھ رکھتے ہوئے؟ —— مجھے بتاؤ یہ اعتبار کی کون سی صورت ہے؟ پول کھل چکی ہے۔ سارا معاملہ سامنے آ چکا ہے اور تم بنا شرمندہ ہوئے اپنی ٹھونسے جا رہے ہو۔ نہیں رہے کہ غلطی ہوئی ہے تم سے۔ قصور ہے تمہارا اور ایک بار بھی نہیں کئی بار۔ تم نے جو کیا، سے بتاؤ کیا وہ معاف کئے جانے کے قابل ہے؟'' بھرپور اعتماد سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی وہ

بارش کا زور بڑھ چکا تھا۔ دونوں تیزی سے بھیگ رہے تھے مگر دونوں کو ہی پرواہ نہیں تھی۔

''ہاں —— میں مانتا ہوں۔ سارا کا سارا قصور میرا ہی تھا۔ جو بھی غلط کیا میں نے ہی کیا۔ تم کہیں کوئی غلطی نہیں رہی۔ ساری کی ساری غلطیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ سارا قصور میرا ہی کے جارحانہ انداز میں اس کا لہجہ ملائم اور ٹھہرا ہوا تھا۔ مگر میرب سیال کے انداز میں اعتبار کے کوئی تھے۔ وہ اب بھی اتنی ہی خفگی لئے ہوئے، برہم دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر اپنا ہا

اٹھی تھی مگر عین اسی لمحے بارش کے پانی کی پھسلن کے باعث سنگ مرمر کے بنے اس فرش پر اس کے پاؤں کا توازن برقرار نہیں رہ سکا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ پول کے پانی میں تھی۔ سوئمنگ تو درکنار وہ کبھی پانی کے قریب بھی نہیں جاتی تھی۔ آج بھی پتہ نہیں کون سی دھن تھی کہ چلتی ہوئی پول کے پاس آ گئی اور پھر پاؤں ڈبو کر بیٹھ بھی گئی۔ اور اب وہ ڈوبتی ہوئی خود کو بچانے کی کوشش میں بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ وہ چیخ نہیں رہی تھی۔ غالباً وہ اس کی مدد لینے کو تیار نہیں تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے پیچھے کودنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ مگر پانی کے خوف کے باعث وہ ہاتھ پیر مارنا چھوڑ چکی تھی۔ اس کا وجود پول کی سطح کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اسے تیزی سے لے کر پول کی اوپری سطح پر آیا تھا اور اسے سائیڈ پر ڈالا تھا مگر اس کے باوجود اس میں کوئی حرکت نہ تھی۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

''میرب!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا مگر جواب ندارد تھا۔

''میرب!'' دیوانہ وار پکارتے ہوئے وہ اس پر جھکا تھا۔ نبض ٹٹولی تھی۔ اس سرد پڑتے وجود میں جیسے حرارت کا ایک قطرہ نہ تھا۔ وہ ساکت پڑی تھی۔

''میرب!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

* * *

''یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟ —— ہم تو غالباً شاپنگ کے لئے جانے والے تھے نا؟'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ گاڑی اذہان حسن بخاری کے پورچ میں رک چکی تھی۔ اذہان نے اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا تھا اور اسے لے کر اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

''ہاں —— ہم شاپنگ پر جانے والے تھے۔ مگر اس کام سے ضروری بھی کوئی کام ہے۔ سوچا پہلے اسے سرانجام دے لیا جائے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''کیا؟'' وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چونکی تھی۔

''ابھی بتاتا ہوں۔'' وہ بغور توجہ سے تکتا ہوا مڑا تھا۔ زینے کے اختتام پر فارحہ کھڑی تھیں۔

''تم لوگ شاپنگ کے لئے نہیں گئے؟'' آواز میں حیرت تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ممی! دراصل مجھے کچھ ضروری کام یاد آ گیا تھا۔ دوسرے ساہیہ سے کچھ ضروری بات بھی کرنا تھی۔ سو ارادہ بدل دیا۔ ہم کل چلے جائیں گے۔''

''خیریت؟ —— ایسی کیا ضروری بات آن پڑی اچانک جو شاپنگ ملتوی کر دی؟'' فارحہ متفکر ہوئی تھی۔

''ارے ممی! ہم فیانسی تو اب ہونے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل تو ہم اچھے دوست تھے اور اب بھی ہیں۔ ہزار باتیں ہیں، ہزار راز ہیں۔ اب سبھی کچھ تو نہیں بتایا جا سکتا نا۔ آپ چائے بھجوا دیجئے۔ ساہیہ! چائے لو گی یا کافی؟''

''کافی۔'' ساہیہ مسکرائی تھی۔ اذہان ماں کی طرف مڑا تھا۔

"ممی! دو کافی پلیز۔"

"ابھی تھوڑی دیر قبل تیری چوائس چائے تھی۔" ممی نے چھیڑا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"ساری زندگی اب تو جھیلنا ہی ہے۔ سوچا ابھی سے اثر پذیری قبول کرلوں۔" اذہان مسکرائے، مڑا تھا اور ساہیہ کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ ـــــ کوئی سیکرٹ ڈسکس کرنا ہے جو یہاں لے آئے ہو؟" ساہیہ نے ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا پھر آہستگی سے سراثبات ہلا دیا تھا۔

"ہاں۔ وہ سیکرٹ جو تم سے ڈسکس کرنا ہے، بے حد ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟ ـــــ تم واقعی کوئی سیکرٹ مجھ سے شیئر کرنا چاہ رہے ہو؟" ساہیہ بات میں ٹالتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان نے اس کی جانب تکتے ہوئے اقرار میں سر تسلیم خم کیا تھا۔

"مجھے واقعی تم سے ایک بہت ضروری بات شیئر کرنا ہے۔"

"کون سی بات؟ ـــــ کہیں تمہیں مجھ سے پیار تو نہیں ہو گیا؟" ساہیہ نے شرارت سے چھیڑا اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"ہاں، یہ بھی۔ مگر کوئی اور بات بھی ہے۔"

"ارے کیا واقعی؟ ـــــ قسم کھاؤ، کیا تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟" وہ شرارت سے ہنسی اذہان ہنس بخاری نے جواباً مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بغور دیکھنے لگا تھا۔

"یہ تم ایسا کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ چونکی تھی۔ انداز سنجیدہ نہ تھا۔ وہ جیسے اس کی سب باتوں کو مذاق ٹال رہی تھی۔ مگر اذہان مکمل سنجیدگی سے اسے اس گھڑی دیکھ رہا تھا۔ ساہیہ خان نے اس کے اس کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"اے اذہان! کیا ہوا؟ ـــــ کیا بات ہے؟" وہ کسی قدر سنجیدہ ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"بتاتا ہوں۔" بہت آہستگی سے اس نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھا تھا۔ "ہم زندگی کا اہم ترین سفر شروع کرنے جا رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اس سے قبل کہ ہم اس راہ دھریں سب باتیں پہلے ہی طے پا جائیں۔ جو اُلجھن دیتی ہے، وہ فقط بات نہیں پھانس ہوتی ہے۔ نہیں چاہتا کہ کل کو اس پھانس کو لے کر تمہارا دم گھٹے یا تم مجھ سے کوئی شکوہ کرو۔ میں تم سے اپنی ایک ایک مخفی گوشہ ڈسکس کر دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں ہر بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ میں نے کب کیا کیا، کس لئے کیا، سب کچھ۔ میری گزشتہ گزری ہوئی زندگی کا ایک ایک ورق، ایک ایک حرف سامنے ہو گا۔ آج تم مجھ سے جتنے چاہو سوال پوچھ سکتی ہو مگر آج کے بعد صرف اعتبار ہو گا۔ تمہارے میرے بیچ صرف پیار ہو گا۔" مدھم لہجے میں کی گئی بات کسی خاص سمت اشارہ کر رہی تھی۔ ساہیہ تھی۔

"اس کی ـــــ اس کی کیا ضرورت ہے؟" لہجہ مدھم اور کمزور تھا۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"ضرورت ہے ـــــ ضرورت ہے ساہیہ! کیا تمہیں میرے پیار کی ضرورت نہیں؟" براہِ راست اس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے پوچھا تھا۔ "تم نہیں جاننا چاہو گی وہ کون تھی، کیسا روپ تھا اس کا، میں کیسے اُسے چاہتا تھا، کیسے تکتا تھا، وہ کیسے رنگوں میں کھلتی تھی، کیسی دِکھتی تھی، جاننا نہیں چاہو گی تم، وہ خواب سی مسافت کیا ہوئی، وہ کیسے خواب سی ملی اور خواب سی جدا ہوئی، جاننا نہیں چاہو گی تم؟ میں اب اس کے بارے میں کیا سوچتا ہوں، میرا دل کیا چاہتا ہے، کیا کہتا ہے، کوئی راہ اب بھی تکتا ہے یا کہ نہیں۔ میرے دل میں ان دھڑکنوں کے لئے میرا پیار باقی ہے کہ نہیں۔ کیا جاننا نہیں چاہو گی تم؟ میں کیا چاہتا ہوں اب؟ کیا سوچتا ہوں؟" سرگوشی مدھم تھی۔ اس کے قریب رک کر اس کے جھکے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا۔ ساہیہ اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ ان آنکھوں کے رنگ بہت گہرے تھے۔

❄❄❄

ملگجی سی شام میں عفنان علی خان نے کمرے میں قدم رکھا تو انابیہ شاہ کی سانسیں اُلجھنے لگی تھیں۔ سینے میں دل نے ایسا شور مچایا تھا کہ وہ خود حیران رہ گئی تھی۔ ہر طرف ایک ارتعاش سا تھا۔ دھڑکنوں کا شور کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی مگر کان ان قدموں کی آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ بھاری قدم لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف بڑھے تھے اور انابیہ شاہ کے سینے میں موجود دل نے جیسے دھڑکنے کا مزید ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ دل جیسے بند ہونے کو تھا۔ عفنان علی خان نے قریب رک کر اسے بغور دیکھا تھا پھر شانوں سے تھام کر اسے مقابل کھڑا کیا تھا اور بغور اس چہرے کو تکنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کی وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ چہرہ اس کے قریب کر دیا تھا۔ نگاہ سے نگاہ کی دوری بہت مختصر سی تھی۔

اس کی نگاہوں کی تپش، اس کی گرم سانسوں کی حرارت، اس کی قربت ـــــ انابیہ شاہ کے لئے کچھ بھی سہنا آسان نہیں تھا۔ نہ تو ان نگاہوں میں دیکھنے کا یارا تھا نہ ان قیامتوں کو جھیلنے کا کوئی تجربہ۔

عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس چہرے کو چھوا تھا۔ انابیہ کی جان جیسے ہوا ہونے لگی تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے کو سرکی تھی مگر عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"کہا تھا نا، ذہنی طور پر خود کو تیار کرنا شروع کر دو۔ تم اپنے پاس میری امانت ہو اور امانت جتنی بھی دیر رکھی جائے اسے بہرحال سونپنا ہی ہوتا ہے۔ آج، کل یا پرسوں تمہیں اپنا آپ میرے سپرد کرنا ہی ہو گا۔ ہم ہزبینڈ وائف ہیں۔ شادی ہوئی ہے ہماری۔ جب خدا نے ہمیں ایک کر دیا ہے تو پھر یہ فرضی لکیریں بھی درمیان کیوں رہیں۔ دوریاں اچھی ہیں، پاس آنے کی خواہشوں کو ابھارتی ہیں مگر اب وقت آ گیا ہے کہ ان دوریوں کو سمیٹ دیا جائے۔" اس کے گرد اپنے حصار تنگ کرتے ہوئے عفنان علی خان کہہ رہا تھا اور انابیہ شاہ کی جان نکلنے کو تھی۔

"تمہاری دوری مجھے اچھی لگتی ہے۔ یہ گریز اچھا لگتا ہے۔ تمہارا مجھ سے یوں نظر چرانا اچھا لگتا ہے۔ تم اچھی لگتی ہو۔ مگر تم بالکل اچھی نہیں ہو۔" مدھم سرگوشی میں شکوہ کرتے ہوئے اپنا سر اس کے سر کے ساتھ ٹکایا تھا۔ گرم سانسوں کی تپش سے انابیہ شاہ کو اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ آنکھیں زور سے میچ گئی تھی اور

عفنان علی خان سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

''ہاں ــــــ تم بالکل بھی اچھی نہیں ہو ــــــ میرا بالکل بھی کوئی خیال نہیں ہے تمہیں۔ با
نہیں سوچتی ہو تم میرے بارے میں۔ یہ ادراک، یہ ڈھنگ، یہ رنگ، سب سیکھ لو اب۔''

''عفنان ــــــ!'' وہ کمزور سا احتجاج کرتی ہوئی تھی۔ آنکھیں میچی ہوئی تھیں جیسے کسی مکڑ
سے بچنا چاہتی ہو۔ عفنان اپنی دھن میں بول رہا تھا۔

''تم سیکھ لو ساری باتیں جو تمہیں مزید دلکشی دے سکیں۔ کئی ڈھنگ تو پہلے بھی ازبر ہیں تمہ
رنگ تو پہلے بھی نمایاں ہیں۔''

''عفنان! ــــــ عفنان! پلیز۔'' مدھم لہجے میں جیسے منت کی تھی۔

فنان نے سنی ان سنی کردی تھی۔ اس کی گرفت میں وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

''اپنی آنکھیں کھولو۔ دیکھو میری طرف۔ میں رنگ دیکھنا چاہتا ہوں آج ان کے۔ بغور پڑھ
ہوں۔ آج ان آنکھوں کی سطر سطر میرے لئے ہوگی۔ میرے ذکر سے آباد ہوگی۔ ان دھڑکنوں کا د
صرف میرے لئے ہوگا اور......'' وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''عفنان! ــــــ پلیز میری بات سنو۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ پلیز، پہلے میری با
لو۔'' انابیہ شاہ نے کپکپاتے لبوں سے کہتے ہوئے اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنا چاہا تھا۔

عفنان علی خان مسکرادیا تھا۔

''کہنے سننے کو اب عمر پڑی ہے جان! یہ سب باتیں تو ہوتی رہیں گی۔''

انابیہ شاہ کی جان پر بن آئی تھی۔

صورتِ حال بس سے باہر ہونے کو تھی۔ سب کچھ اختیار سے باہر ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ سد
ہوتا ہے، کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ فوری طور پر ذہن ماؤف تھا اور وہ شخص......

کیسی پریشان کن صورتحال اس کے لئے پیدا کر چکا تھا۔ اس کی کیفیت وہ تھی کاٹو تو بدن میں لہ
اس لمحے بہت خوفزدہ نظروں سے وہ عفنان علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر
تھیں۔ اس کی حالت دگرگوں تھی۔ مگر مقابل کو اس پر ترس آتا تھا یا نہیں، اس کا کوئی اندازہ نہ تھا۔

اسی خوف زدہ انداز میں چلتی ہوئی وہ دیوار سے جا لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب
قدمی کی تھی اور دیوار پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے فرار کے سبھی راستے مسدود کردیئے تھے۔

اس چہرے، ان آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چہرے پر آئے ہوئے ان گیسوؤں کو
کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

کبھی کبھی

میرے دل میں خیال آتا ہے

کہ زندگی

تیری نرم زلفوں کی نرم چھاؤں میں

گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی

مگر ــــــ

یہ ہو نہ سکا اور ــــــ

اور اب یہ عالم ہے

کہ تو نہیں ــــــ

تیری جستجو بھی نہیں ــــــ!

چہرے کو چھوتے ہوئے لبوں پر بہت دھیما سا تبسم تھا۔ مدھم سرگوشی میں کوئی کسک سی تھی۔ انابیہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ نگاہ جھکی ہوئی تھی مگر وہ پُرتپش نگاہ اس چہرے پر بدستور پہرہ دے رہی تھی۔ تاثر بھرپور تھا۔ قربت تھی، پسپائی تھی۔

عفنان علی خان کا اس کے نازک شانے پر دھرا ہوا ہاتھ ہٹا تھا۔ نگاہ ایک دم بے تاثر ہوئی تھی۔ پھر بےگانہ ہو کر اس چہرے پر سے ہٹ گئی تھی۔ وہ یکدم پلٹا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ انابیہ شاہ اس اقدام پر ساکت سی اس جانب تکتی رہ گئی تھی۔

یہ اچانک کایا پلٹ کیسے ہوئی تھی ــــــ؟

الاؤ سرد کیسے پڑا تھا ــــــ؟

آتش تھا تو بجھ کیسے گیا تھا ــــــ؟

وہ کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ شاید یہ فقط اسے زِچ کرنے کا انداز تھا یا پھر واقعی ــــــ

بعض اوقات جن سے محبت کی جاتی ہے وہ بہت گہرے دکھ سے دوچار کرتے ہیں۔ ساہیہ
اس وقت کوئی دوسری راہ نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ وہ وہاں رکے اور اذہان حسن بخاری کی ساری
کو سنے۔ حالانکہ نہ تو اس میں ہمت تھی نہ ہی حوصلہ۔ اس کے وجود کی عمارت گرنے کو تھی۔ مگر وہ کھ
اور اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھ رہی تھی، جیسے شاید اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی یا پھر بہت زیادہ تھی
تمام حقائق اس کے سامنے پیش کرنا چاہ رہا تھا۔ شاید وہ اس کی ضرورت بہت زیادہ محسوس کر رہا تھا
اسے کیسے سمجھاتی کہ وہ یہ سب سننا نہیں چاہتی ہے۔

وہ یہ سب نہیں سن سکتی ہے۔

اس میں حوصلہ نہیں ہے۔

اور شاید ہمت بھی نہیں۔

مگر یہ بات وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔

کیوں نہیں سمجھ رہا تھا کہ دکھ کی گہرائیاں اتھاہ ہوتی ہیں اور نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔

''ساہیہ! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ.......'' ساہیہ نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے ہونٹوں پر رکھ
اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

''نہیں اذہان! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے کل سے مجھے کچھ سروکار نہیں ہے۔ اگر تمہار
میں کوئی خلش ہے تو اس کا سدباب کرو۔ مجھے ان وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جو میرا نہیں وہ
لے سکتی۔ جو میرا ہے مجھے وہ چاہئے۔ مجھے تمہارا کل نہیں، آج چاہئے اذہان! میں تمہارے آج کے
بانٹنا چاہتی ہوں۔ جو کل تم نے بتا دیا وہ بتا دیا۔ میں نہیں جانتی تم ایسا کیوں چاہتے ہو۔ مگر مجھے اس
سننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مگر مجھے فرق ضرور پڑے گا اگر تم اپنے کل سے کبھی آزاد ہی نہ ہوسکو

''یہی تو ساہیہ! ـــــ یہی تو میں نہیں چاہتا ہوں ـــــ میں خود کو اپنے کل سے آزاد کر
ہوں۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ میرے کل کی پرچھائیاں کہیں تمہیں میرے آنے والے کل میں
بدگمان نہ کر دیں۔ کہیں وہ دل جو آج میری چارہ گری کر رہا ہے، میری دل جوئی کر رہا ہے وہ کل
سے دوچار نہ ہو جائے۔ اسی لئے ـــــ اسی لئے میں چاہتا ہوں ساہیہ کہ تم سب باتیں جان لو۔''

ساہیہ بہت کرب سے مسکرائی تھی۔

''تم مجھے ایک شکی لڑکی تصور کر رہے ہو؟''

مگر اذہان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''گزری باتیں صرف دُکھ دیتی ہیں اذہان! صرف دل دُکھاتی ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے
ث دکھی ہوں؟'' اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ملائمت سے مسکرائی تھی۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تو پھر اس معاملے کو یہیں ختم کر دو۔ دبی راکھ میں چنگاریاں اگر ہیں بھی تو وہ بجھ جائیں گی اذہان!
راس راکھ کو کریدنے سے شاید دبی ہوئی چنگاریاں بھی شعلہ بن جائیں۔''

''تم خوف زدہ ہو ساہیہ؟'' پتہ نہیں وہ کیا سوچ کر بولا تھا۔

ساہیہ کے پاس اس سوال کے لئے کوئی جواب نہیں تھا۔ جہاں وہ خاموش رہی تھی، وہیں اذہان بولا

''ساہیہ! میں یہی ڈر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اسی خوف کو مٹانا چاہتا ہوں۔''

''مگر میرے اندر کوئی ڈر نہیں ہے اذہان!'' ساہیہ کے لبوں پر بہت دم توڑتا تبسم تھا۔ جیسے وہ اپنے اندر
نے والے انتشار پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ایک بات پوچھوں اذہان؟''

''ہوں۔''

''کیا تم اب بھی اس سے محبت کرتے ہو؟'' ساہیہ نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
م لہجے میں دریافت کیا تھا اور اذہان حسن بخاری ایک لمحے میں ساکت رہ گیا تھا۔ کوئی جواب نہیں تھا اس
ے پاس اس سوال کا۔ اور ساہیہ کو شاید اسی کی توقع تھی۔ اسی لئے وہ مسکرا دی تھی۔

''ایک مشورہ دوں اذہان! اپنے آپ کو کچھ وقت دو۔ اس دل کو کچھ وقت دو اور شاید اس محبت کو بھی۔
ں لمحے کا انتظار کرو جب محبت اپنی جڑیں تمہارے اندر سے نکال کر باہر کرے یا پھر اور پھیلا لے۔ شاید
ہا مشورہ تمہیں کوئی اور نہ دے سکے۔ مگر میں دے رہی ہوں۔ کیونکہ میں سب سے پہلے تمہاری دوست
ں۔ اور اذہان! میں اس لمحے تمہاری آنکھوں کو پڑھ رہی ہوں۔ اس چہرے کو پڑھ رہی ہوں۔ مجھے کچھ
ر جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی صرف ایک بار جینے کے لئے ہے اذہان! اسے فضول کے سمجھوتوں
ل نذر مت کرو جن کو کر کے تم خوش نہ رہ سکو۔'' ساہیہ بہت کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ساہیہ! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اس راہ پر واپس جانے کے لئے کوئی لمحہ نہیں
ہے۔''

''تم ایسا اس لئے کر رہے ہو کہ تم اپنی فیملی کے لئے بہت زیادہ جذباتی ہو؟ ـــــ خود سے زیادہ ان
کے لئے سوچتے ہو؟'' وہ فوری طور پر بولی تھی اور اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''اذہان! سچ بتاؤ۔ کیا تمہارا دل اب بھی وہ خواب نہیں دیکھتا؟ نظریں اس چہرے کو دیکھنے کی ضد نہیں
کرتیں؟ ـــــ یا یہ سب جھوٹ ہے؟ تمہیں اب بھی کوئی جادوئی چھڑی ہاتھ لگے تو کیا تم اس زندگی کو
اپس موڑ کر وہیں سے شروع کرنا نہیں چاہو گے، پھر اسی موڑ سے ـــــ اسی مقام سے؟'' ساہیہ اسے
یران چھوڑ گئی تھی۔ اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

''ازہان! کچھ وقت اور دو محبت کو۔ خود کو ـــــــ اس حد تک کہ یا تو تم اسے بھول جاؤ یا دائرے سے باہر آ جاؤ یا پھر اس تک پہنچ جاؤ۔''

ازہان مسکرا دیا تھا پھر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تھا۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ! ـــــــ بالکل غلط۔ اگر میں نے کوئی فیصلہ لینا ہوتا تو لے چکا ہوتا۔ کرنا تھا میں کر چکا ہوں۔ تم اگر یہ سمجھ رہی ہو کہ میں اس رشتے کو نباہ نہیں پاؤں گا تو تمہارے یہ قیاس بے بنیاد ہیں۔ میں نے تم سے بندھن باندھنے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس کے۔ مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری انگیج منٹ اپنے وقت پر ہی ہو گی۔'' ازہان حسن نے ایک لمحے میں فیصلہ لیا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

ساہیہ اپنے خدشات کے ساتھ وہاں کھڑی اس خالی خالی منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ پتہ نہیں و ٹھیک طور پر سمجھا بھی پا رہی تھی کہ نہیں یا وہ سمجھتے ہوئے نہیں سمجھ رہا تھا۔

وہ اپنے لئے نہیں، صرف اور صرف اس کے لئے پریشان تھی۔ مگر یہ بات وہ اسے کیسے بتاتی ک نقصان سہہ کر بھی صرف اس کا فائدہ چاہتی ہے۔

* * *

ردائے زخم تازہ
اوڑھ کر میں بھی
سرِ شہرِ تمنا
طاقِ دل پر
اِک دیا اپنے لہو سے
اور روشن کر رہا ہوں
سنا ہے غم گساری کا کوئی موسم
میری دہلیز تک بھی
آنے والا ہے

اُسے نہیں امید تھی کہ وہ بچ جائے گی یا وہ اسے بچا لے گا ـــــــ مگر ایسا ہو چکا تھا۔ آنکھ کھلی تو د کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کو ہاتھ میں لئے، مکمل توجہ سے دیکھ ر

''میرب! ـــــــ آر یو آل رائٹ؟'' میرب کے دیکھنے پر اس نے یوں دریافت کیا تھا جیسے بہت پرواہ ہو۔ کتنا بڑا ڈرامہ تھا یہ شخص ـــــــ تاثرات بدلنا اس کے لئے مشکل نہ تھا۔ وہ کسی بھی میں ڈھل سکتا تھا، کوئی بھی روپ اختیار کر سکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ میرب سیال کے دل میں گھر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اسے سمجھ گئی تھی۔ بارہا اعتبار کر کے دیکھ چکی تھی۔ اور اب ـــــــ شاید مزید اعتبار صورت نہ تھی۔ وہ اس کے باعث کوئی اور نقصان نہیں اٹھا سکتی تھی، اس لئے اٹھنا چاہا تھا مگر سر بر چکرایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا تھا۔ بھیگے ہوئے اس مو

اے شعلوں نے چھو لیا تھا۔ وہ ایک لمحے میں واپس پیچھے ہٹی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے
ہنی حصار سے آزاد نہیں کیا تھا۔
وہ بدستور ان بازوؤں کے گھیرے میں تھی۔
دل کی دھڑکنوں کا ارتعاش کچھ بڑھا تھا۔
درونِ جان کوئی جادو سا پھیلا تھا۔
کوئی ان جانا احساس۔
پتہ نہیں یہ جادو موسم کا تھا یا اس کے اندر ہی کوئی لہر اٹھی تھی۔
کوئی فسوں سا اس کے اندر دوڑتا بھاگتا محسوس ہوا تھا۔
نگاہ ایک پل میں گریز پائی برتنے پر مجبور ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کمزور پتے کی سی مانند کانپتے وجود کو بغور دیکھا تھا۔ نگاہ گرمیٔ شوق ہوئے تھی۔ بارش انہیں تیزی سے بھگو رہی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے احساس تک نہ تھا۔ وہ انداز میں کانپ رہی تھی مگر وہ جیسے کسی بے خودی کے زیر اثر تھا۔

نہ کوئی دوسری بات سوچ رہا تھا نہ سمجھ رہا تھا ـــــــ شاید وہ کسی ایسے ہی احساس کے زیرِ خود کو محسوس کر تھا۔ شاید کوئی جادو سا دبے پاؤں اس کے اندر بھی پھیل رہا تھا۔

شاید کوئی ان چھوا احساس اس کے دل کو بھی اپنے حصار میں لے رہا تھا۔ میرب سیال کی نگاہ اٹھ نہ تھی کہ مقابل دیکھنے والی نگاہ میں تپش ہی اس قدر تھی۔ اس بھیگتے موسم کی خنکی بھی جیسے ایک لمحے میں چھو تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ شاید وہ ان رے لمحوں میں کوئی نئی کہانی لکھنا چاہ رہا تھا یا پھر کوئی نیا تجربہ کرنے کے درپے تھے۔ وہ اس بات سے نا بے خبر تھا کہ مقابل کھڑی اس نازک سی لڑکی کی جان کس درجہ قیامت میں گھری ہوئی تھی۔ وہ مکمل طور بے خبر تھا شاید ـــــــ یا پھر جانتے بوجھتے ان فسوں خیز لمحوں کی رفاقت کو بڑھانے کے درپے تھے۔ وہ ری تپش نگاہ جیسے کچھ کہہ رہی تھی۔ خاموشی ہی جیسے بول رہی تھی۔ فضا میں عجب ایک آہنگ سا تھا۔ ہوا کا بھی پُرفسوں تھا۔

وصال موسم
تمہارے ابرو کے اِک اِک اشارے کا منتظر ہے
نظر اٹھاؤ
اور اپنے رستوں پہ کھلنے والے
گلاب دیکھو
سماعتوں سے کہو، خموشی
نگاہ اور آئینے کے مابین

سخن کا آغاز کر رہی ہے
ہوا سے پوچھو
وہ کس بدن کی مہک سے پیہم الجھ رہی ہے
سنو یہ موسم وصال کا ہے
سو اس کو یوں رائیگاں نہ جانو——
کچھ تھا
اس فضا میں
ہوا میں——
کوئی الوہی احساس
شاید نغمگی
یا پھر کوئی اسم
یا شاید نشہ
کچھ تھا—— کہ سارا منظر خواب نگر کا سا تھا
نگاہ کو جو بھی—— جہاں تک بھی دکھائی دے رہا تھا
حد نگاہ تک—— صرف جادو ہی جادو تھا
اس لمحے کے زیر شاید دل بھی تھے
صرف وہی نہیں

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی غالباً اسی ماحول کے تابع تھا۔ اس کی خود کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ان نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ ان نگاہوں کی وارفتگی وہ دیکھ نہیں رہی تھی۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری نے بے خودی کے احساس سے چور اس کے چہرے پر اپنا چہرہ جھکایا تھا——ا وہ لمحہ اس خواب سے جاگنے کا تھا۔ اس سارے طلسمی ماحول سے باہر آنے کا تھا۔ وہ ایک لمحے میں ا- بنے اس حصار کو توڑ کر باہر نکلی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ جادوئی لمحہ اپنے رنگین پر سمیٹ کر خواب سمت واپس لوٹ گیا تھا۔ الٹے قدموں واپس چلتے ہوئے اپنے عین سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے دیکھا تھا جس کی گرم سانسوں کی تپش اب بھی وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

جس کا لمس اس کے اردگرد حصار بنا اب بھی لپٹا ہوا تھا۔

اور جو کھڑا اب بھی اس کی سمت اس ایک خاص تاثر سے متوجہ تھا۔

وہ یکدم پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی اس ماحول سے دور نکلنے لگی تھی۔

یہ دنیا اس کی نہیں تھی۔

خواب بھی اس کے نہیں تھے۔

یہ نگر اس کے لئے نہیں تھا۔

سب کچھ بے پناہ دلکش تھا۔

دلفریب تھا۔

مگر فقط دھوکا تھا۔ صرف فریب——

اور وہ بار بار یہ فریب کھانا نہیں چاہتی تھی۔

* * *

خواب کچھ بکھرے ہوئے سے خواب ہیں
کچھ ادھوری خواہش
تشنہ لب آوارگی کے روز و شب
ایک قدموں سے تھکن لپٹی ہوئی
ایک گہری بے یقینی کے نقوش
جانے کب سے دو دلوں پر ثبت ہیں
رات ہے اور وسوسوں کی یورشیں
یہ اچانک
طاق پہ جلتے دیے کو کیا ہوا
صبح ہونے میں تو خاصی دیر ہے
آئینے اور عکس میں دوری ہے، کیوں
روح پیاسی ہے ازل سے
درمیاں تاخیر کا اک دشت ہے
ناگہاں پھر ناگہاں——
یہ وہی دستک، وہی آہٹ تو ہے
ہاں! گلہ ان دوریوں، مجبوریوں کے درمیاں
کون آئے گا چلو پھر چلیں
شاید اس کو یاد آئے کوئی بھولی بسری بات
وہ دریچہ بند ہے تو کیا ہوا
چاند ہے اس بام پہ جاگا ہوا

عفنان علی خان سر جھکائے بہت چپ چاپ سا بیٹھا تھا جب لامعہ حق نے اس کے قریب آ کر رکتے ئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”کیا ہوا؟—— بہت ڈسٹرب لگ رہے ہو؟“

عفنان علی خان نے بنا اس کی سمت دیکھے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور لامعہ حق اس کی طرف دیکھتی ہوئی انے [illegible] مسکرا دی تھی۔

''یکطرفہ محبت بہت تکلیف دیتی ہے نا؟ــــــ درد نا قابل برداشت ہوتا ہے نا؟ــــــ تو ہم جاری کیوں رہتا ہے؟ــــــ ہم ایسا کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

اس کے قیاس پر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''محبت یکطرفہ ہو یا دوطرفہ ــــــ دونوں ہی طرح سے تکلیف دیتی ہے۔ اس کا ہونا بھی ہز اور نہ ہونا بھی کسک ــــــ یہ ہر طرح سے جلاتا، تڑپاتا احساس ہے۔ مگر ــــــ یہی راحت بھی ہے۔

''ایک بات پوچھوں؟'' لامعہ حق نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ پھر اس کے جواب کا کئے بغیر بولی تھی۔ ''اگر انابیہ کے ساتھ وہ صورت حال پیش نہ آتی تو کیا تب بھی تم اسے اپنی زند شامل کر لیتے؟ــــــ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتی؟''

لامعہ حق کا سوال بہت کڑوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود کڑوی کسیلی اس کافی سے بھی زیادہ ت اس میں حقائق موجود تھے۔ وہ حقائق جن سے شاید وہ خود بھی بھاگنا چاہتا تھا۔

انابیہ شاہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی ــــــ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کی زندگی میں کوئی اور تھا۔ کوئی دوسرا ــــــ جس کی جگہ اس کے دل میں پہلے سے موجود تھی۔ جسے وہ پتہ نہیں کب سے چاہتی وہ ــــــ جانے وہ کیوں دیوانہ ہو گیا تھا۔

کیوں اسے دیکھتے ہی بے خود ہو گیا تھا۔

کچھ یاد ہی نہ رہا تھا۔

اور جب جاگا تھا ــــــ تو وہ نہ رہا تھا۔

اور تب کیا ہو سکتا تھا۔

اب بھی جو اس نے کیا تھا، وہ خود نہیں جانتا تھا اس نے کیوں کیا تھا۔ اس فیصلے کو لینے کی تمام داری اس کے سر تھی۔ وہ اپنے خاندان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے کے لئے ا صرف اپنی من مانی کی تھی ماما، پاپا نے یہ جان کر نہ ٹوکا تھا کہ شاید اس میں اس کی خوشی ہے۔ اور اس کہاں تھی؟

کیا وہ خوشی حاصل کر پایا تھا؟ــــــ اس تعلق کو جوڑ کر ایک دن بھی سکون سے سو پایا تھا؟

اس نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''پتہ نہیں، شاید میں نے ایسا کبھی سوچا نہیں۔'' عفنان علی خان کا لہجہ ایسا مدھم تھا جیسے آواز کسی نے آتی ہو۔

''لامعہ! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں۔''

''کیا تم جانتی ہو وہ کون ہے؟'' نگاہوں میں عجیب ایک کرب سا تھا۔

''کون؟ــــــ کس کی بات کر رہے ہو؟'' لامعہ چونکی تھی۔

''وہی، جس سے انابیہ محبت کرتی ہے۔'' جملہ میں شاید پھانس تھی جو حلق میں کہیں اٹکا ہوا محس

نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ــــــ ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات ڈسکس نہیں ہوئی۔ انابیہ نے مجھے غالباً کبھی نہیں سے اس طور انوالو بھی ہے۔ حالانکہ میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ اس کی زندگی کا کوئی چھپا نہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ بات وہ مجھ سے ڈسکس کرنا مناسب نہ سمجھتی ہو ــــــ ہوتا ــــــ بعض اوقات بہت سی باتیں دوستوں میں بھی کھل نہیں پاتیں۔ اور محبت ــــــ شاید نجی معاملہ ہے۔''

ی اسے نہیں جانتی ہو۔''

ی خان سر نفی میں ہلاتا ہوا درمیان میں نظر پھیر گیا تھا۔ عجیب منتشر سا انداز تھا۔ لامعہ حق اس سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کیا چاہ رہا تھا ــــــ اگر اُسے اس شخص کے متعلق علم ہو بھی جاتا تو وہ کیا کا جاننا ضروری تھا کہ وہ کون تھا؟

یوں جاننا چاہتے ہو عفنان! کہ وہ کون ہے؟ ــــــ کیا اس کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے تمہارے

ــــــ ہوں ــــــ میرے لئے نہیں ــــــ انابیہ شاہ کے لئے۔'' سر انکار میں ہلاتے ہوئے رہی تھی۔ ''وہ جو کوئی بھی ہے، اس کا ہونا یا نہ ہونا انابیہ کے لئے ضروری ہے۔''

لو، تمہیں اس شخص کے متعلق پتہ چل جائے تو کیا تم انابیہ کا ہاتھ اسے سونپ دو گے؟'' لامعہ اتھا۔ عفنان علی خان ہنس دیا تھا۔

ار دوں گا اسے۔ ہماری زندگی کوئی فلمی کہانی نہیں ہے لامعہ! جس میں لوگوں کی ہمدردیاں اپنی بیوی کا ہاتھ اس کے عاشق کے ہاتھ میں سونپ دوں گا۔'' مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا ہنس دیا تھا۔

ں ہو سکتا ــــــ ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ زندگی کوئی فلم نہیں ہے۔ رئیل لائف میں رئیل پرابلم ے تو یہ احساس بھی سونے نہیں دیتا کہ اس کے دل میں کوئی اور ہے اور وہ جن حالات سے بھی طرح بھی مجھ تک پہنچی، میرے لئے وہ قابل قبول ہے۔ مگر وہ کسی اور کو چاہتی ہے ــــــ ہے ــــــ یہ قبول نہیں کر پا رہا ہوں میں۔'' مدھم لہجے میں کانچ ٹوٹنے کی صدا تھی۔ سر جھکائے وہ اس لمحے بہت کمزور، پسپا اور شکست خوردہ لگ رہا تھا۔

ار چکا ہوں ــــــ مکمل طور پر ہار چکا ہوں ــــــ میں تب بھی نہیں ہارا، جب وہ اچانک ئب ــــــ تب بھی نہیں ہارا جب وہ چوبیس گھنٹوں تک نہیں ملی ــــــ تب بھی نہیں ہارا جب ں سے خالی وجود کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر ہاسپٹل کی طرف بھاگا تھا۔ میں تب بھی نہیں ہارا زندگی ہار چکی تھی، اس کی سانسیں تھم چکی تھیں۔ جب میں دل ہی دل میں گڑگڑا کر اس کے ار زندگی کی دعا مانگ رہا تھا ــــــ میں تب بھی نہیں ہارا جب وہ مسلسل مجھے ریجیکٹ کرتی حبت کو نظر انداز کرتی رہی۔ میں تب بھی نہیں ہار۔ مگر میں ہار گیا جب اس نے کہا کہ اس کے

دل میں کوئی اور ہے —— اس کی ساری محبت کسی اور کے لئے ہے —— میں ہار گیا، ایک میرے اندر کی تمام توانائیاں ایک لمحے میں ختم ہو گئیں اور مجھے لگا میں اب کبھی نہیں لڑ سکو جانتی لیکن اس نے میرے جینے کا جواز ختم کر دیا ہے۔ مجھے ختم کر دیا ہے۔ میں دن رات سو ہے وہ شخص جسے وہ سوچتی ہے؟ —— جانتی ہے —— چاہتی ہے —— کیا وہ اسے مجھ ہے؟ —— کیا مجھ سے زیادہ اس کی فکر کرتا ہے؟ —— کیا مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے؟ سوچتا ہوں اور کوئی جواب نہیں پاتا۔ شاید اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے —— اس مگر وہ مجھے بتاتی نہیں ہے۔ اور میں اس سے سننے کا منتظر ہوں۔ کیونکہ یہ ہار بہت عجیب ہے پسپا کر دیا ہے مجھے اس نے۔ مگر اب بھی کہیں اندر سے اک آواز مجھے اُکساتی ہے اور میرا د میں چیخ کر کہوں کہ نہیں —— میں ہارا نہیں ہوں —— کیونکہ میں جی رہا ہوں ابھی۔ مگر یہ جھوٹ ہے۔ اُس نے مجھے مار دیا ہے۔ مگر وہ جانتی نہیں۔ تم اسے بتاؤ نا —— سمجھاؤ اسے کہ عفنان علی خان کا جینا اور اس کے بغیر جینا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے —— اور میں واقعی ہوں۔ شاید واقعی ہار چکا ہوں۔ مگر ماننا نہیں چاہتا۔

یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے
میں ہارا ہوں
پر مانوں کیوں؟
یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے
جیسے اندر ٹوٹے کچھ
میں ہارا ہوں پر مانوں کیوں؟
یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے

یہ ہار واقعی بہت عجیب ہے لامعہ حق!" لبوں پر ایک دم ٹوٹتا تبسم تھا۔

محبت کیا واقعی اتنی عجیب اور انقلابی نوعیت کی ہوتی ہے؟ سدا کے زندگی سے بھرپور عفنا دیکھتے ہوئے لامعہ حق سوچ رہی تھی۔ ایسا اور کیا تھا اس میں جس نے عفنان علی خان جیسے شخ دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی لیکن اپنے طور پر کوئی جواب نہیں پا رہی تھی۔ شاید محبت ایسے ہی کسی ساکت لمحے میں وقوع پذیر ہوتی تھی۔ اتنی خاموشی سے کہ خود کو بھی خبر نہ ہو سکے۔ وہ خود بھی تو زیر تھی۔ سامنے بیٹھا شخص اس لئے بھی حد درجہ اہم تھا —— کیوں تھا؟ کس لئے تھا؟ کب کچھ نہیں جانتی تھی۔ مگر اس کے بناء کچھ دشوار سا تھا۔ اور یہ بات وہ اسے بتانا نہیں چاہتی تھی۔ شکست پر خود کو بھی اسی قدر شکست خوردہ محسوس کر رہی تھی۔ غالباً وہ اس کی وہ پسپائی، وہ چاہتی تھی۔ تبھی ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟ —— کیا میری کہانی اتنی دردناک ہے؟" پھر یک دم ہنس دیا

ی کہانیاں اتنی دردناک کیوں ہوتی ہیں؟ سوہنی مہینوال —— ہیر رانجھا —— اور میں بھی —— تو نہیں ہونا۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

دیکھو، سب کام کرنا —— بس محبت مت کرنا —— اچھی دوست ہو میری، اس لئے بہت پتے کی دے رہا ہوں —— بہت اچھی ہو تم —— میں نہیں چاہتا کہ تم بھی ایسے ہی کسی درد سے دوچار درد جھیلنا آسان نہیں ہے —— میں بہت برا ہوں —— مجھے یاد ہے، ایک بار میں نے بھی تمہارا ھایا تھا، تم سے اپنی انگیج منٹ ختم کر کے —— مگر میں تمہیں تب بھی اس درد سے بچانا چاہتا تھا۔ س درد سے بھی اور اس کے بعد آنے والے درد سے بھی —— زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے لامعہ! بت نہ ملے۔ مگر تب زیادہ مشکل ہو جاتی ہے جب پتہ چلے کہ وہ آپ کا نہیں ہے جو آپ کے ساتھ جسے آپ اپنا سب کچھ جان رہے ہیں، آپ اس کے لئے کچھ نہیں ہیں —— نو باڈی۔" مدھم لہجے تا ہوا وہ اٹھا تھا اور پھر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

معہ کی آنکھیں اب بھی متواتر بھیگ رہی تھیں۔ وہ اس شخص کے دکھ میں رو رہی تھی جو کسی اور کی محبت لا تھا۔ وہ اس کے دکھ پر رو رہی تھی جو اس کے درد سے سرے سے واقف ہی نہ تھا۔

* * *

نہاری یادوں کے نرم جھونکے
داس شاموں کے زرد ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
غر سے لوٹے
ذ میں نے دیکھا شکستہ گھر کا اُجاڑ آنگن
ہک اٹھا ہے
ذاب جاں کے جو سلسلے تھے وہ ٹل گئے ہیں
وائے ہجراں سمٹ گئی ہے
رون دل پھر
نہارے قدموں کی دھیمی دھیمی سی چاپ اُبھری
ذ میں یہ سمجھا وصال کی شبھ گھڑی
ں آیا ہی چاہتی ہے
مگر یہ وہم و گماں کی رت ہے
جب نہیں کہ تمہارے لمس بدن کا نشہ
تو میری آنکھوں کی نیم خوابی سے کھیلتا ہے
راب نکلے
دراس سے گہرا عذاب نکلے
تو میں نے اب تک نہیں سہا ہے

میرب سیال نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل یک دم ہی نئے طور پر مرتب کر لیا تھا اور وہ مصروفیات ترک کر دی تھیں جو اسے اس گھر میں انوالو رکھنے پر مجبور کرتے ہوئے مزید زک تھیں۔ اس نے اپنے طور پر نئی مصروفیات ڈھونڈ کر خود کو کچھ اس طرح مصروف کرنا چاہا تھا کہ سے کوئی سامنا ہو، نہ واسطہ باقی رہے۔ کچھ اور اس کے بس میں نہیں تھا۔ مگر اس کے بس میں طور پر اقدامات کر سکتی تھی۔ سو کر لئے تھے۔ ابھی بھی وہ کیمپس سے ٹو لنے کے بعد ایک انفارمیشن کو لیکٹ کر رہی تھی جب وہ چلتا ہوا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ جو ایک مصروف تھی اس لمحے میں سارا کونفیڈنس سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ نظریں متوجہ ضرور ہوئی تھیں مگر وہ اس کی طرف زیادہ دیر دیکھ نہیں سکی تھی۔

جانے کیا تھا۔۔۔۔ کیا ہوا تھا اسے۔

کیا تھا اس شخص کی نظروں میں۔۔۔۔ کہ وہ پہلی سی رہی ہی نہیں تھی۔

کیا تھا اس لمحے میں کہ۔۔۔۔ اس کا سارا اعتماد اڑنچھو ہو گیا تھا۔

وہ اس شخص سے کنی کترانے لگی تھی۔

نظر چرانے لگی تھی۔

راہ بدل کر گزرنے لگی تھی۔

کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معمہ تھا۔

وہ نظریں جھکائے، عجیب کنفیوژڈ انداز میں ہونق سی بیٹھی تھی۔ ٹیبل پر رکھے اس کے سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا ہاتھ دھرا تھا اور اس کی جان ایک پل میں مشکلوں سے دوچار کر دی اٹھا کر اس شخص کی سمت دیکھ نہ سکی تھی۔ فرار کی متلاشی نگاہ اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی جب سردار لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو تھاما اور اس کے چہرے کو قدرے اوپر اٹھا کر اسے متوجہ کرتے ہوئے بھرپور دلچسپی سے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''یہ نگاہ اتنی گریزاں سی کیوں ہے؟۔۔۔۔ محبت ہو گئی ہے کیا؟'' وہ اس کی کیفیت سے بھرپور لطف لے رہا تھا۔

''یہ جھکی جھکی سی پلکیں۔۔۔۔ یہ اندازِ بے نیازی۔۔۔۔ یہ چہرے کا تغیر۔۔۔۔ نگاہ کا جانا۔۔۔۔ دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھنا اور نہ دیکھتے ہوئے بھی برابر خبر رکھنا۔۔۔۔ یہ سارے والے ہی ہیں۔ کہیں دل تو نہیں ہار گئیں؟'' کتنی دلچسپی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہیں کے چہرے کو سطر سطر پڑھ رہی تھیں اور وہ حیران رہ گئی تھی۔ نظر اٹھا کر اپنے بے حد قریب کھڑے دیکھا تھا جو شاید محبت جیسے لفظ کے ہجے بھی ٹھیک طرح سے نہ جانتا تھا۔ اور کیسے کیسے انکشافات

''محبت ہو گئی ہے نا؟۔۔۔۔ مجھ سے محبت۔ دریاؤں، سمندروں سے بھی گہری، بہت تمہارا دل وہ گہرے سبز سمندر کی تہہ میں چھپا ہوا سیپ تھا نا جو بارشوں سے واقف تھا نہ موسمو سے، نہ لطف بہار کا تجربہ رہا نہ خزاؤں سے واسطہ۔ تو پھر اس سیب میں گھر کیسے بنا سوئٹ؟

ب سے یہ راز دل میں دبائے بیٹھی ہو؟۔۔۔۔ کب سے بادلوں سے بوندیں سمیٹ رہی ہو اور ہواؤں بر تک نہیں ہونے دے رہیں۔ مگر ایک بات کہوں۔'' مدھم سرگوشی میں عجب جنوں خیزی تھی۔ نگاہ میں گی سی تھی۔

''تمہارے بنا کہے بھی میری نگاہ وہ بھید پا گئی ہے۔۔۔۔ تمہارے دل کی دھڑکنوں نے جو راز اپنے ردبار کھے تھے وہ گہرے راز میرے دل تک پہنچ گئے ہیں۔ تمہاری ان کہی کے بھید میں پا رہا ہوں۔ ان ہوں کو پڑھ رہا ہوں۔۔۔۔ تمہاری ان قربتوں کی مہک بھی بتا رہی ہے کہ تمہیں محبت ہو چکی ہے۔ بہت ک ہو تم۔۔۔۔ نظر بچا کے گزرنے لگی ہو، راہ بدلنے لگی ہو۔ مگر فضاؤں میں پھیلتے اس احساس کو چھپا ہیں روک سکیں۔ چھپاتیں بھی کیسے؟۔۔۔۔ خوشبو ہی تھی۔ پھیلنا تھی، ہر سُو پھیل گئی۔۔۔۔ میرے دل پہنچنا تھی، سو پہنچ گئی۔'' اس کا مدھم لہجہ فضاؤں میں بھی الاؤ دہکا سکتا تھا۔ توجہ قابل دید تھی۔ دعوے بلا تھے۔

مگر میرب سیال کی منزل یہ نہیں تھی، وہ جانتی تھی۔ تمام تر دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے وہ چیئر کھینچ کر م اٹھی تھی۔ ارادہ وہاں سے فرار کا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے زچ کرنے کا کوئی لمحہ ہاتھ سے نے نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ شاطر تھا۔ جانتا تھا کون سا لمحہ وار کا ہے، کون سا لمحہ پسپائی دے سکتا ہے اور ن سا لمحہ فاتح بنا سکتا ہے۔ میرب سیال کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور ایک مدھم سرگوشی اس کے گرد چپکے اپنا حصار باندھ رہی تھی۔

''شکست خوردہ ہو، پسپا ہو، دل اختیار سے باہر ہو رہا ہے، سننے کے لئے تیار ہوں۔'' اس لہجے میں پریقین تھا۔

''کہو کہ میرے بنا دل نہیں لگ رہا۔۔۔۔ دھڑکنوں میں ہلچل ہے۔ کوئی خاص بات ہے، تم کہہ دو، آنکھیں بند کر کے یقین کر لوں گا۔ کیا کروں، اعتبار کے سوا کوئی چارہ جو نہیں۔ تم نے عجب اک حصار چا ہے۔ فرار کی کوئی راہ چھوڑی ہی نہیں۔۔۔۔ آج اگر تم جو مشکلوں میں گھری قیامتوں کے زیر کھڑی قصور کس کا ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اس کا چہرہ نہ تھا اور وہ صد شکر کرتی ہوئی آنکھیں ئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اسے مشکلات میں گھیر ڈالنا اچھا لگتا تھا۔ تبھی وہ چلتا ہوا اس کے نے آن رکا تھا۔ نگاہ کی دیوانگی قابل دید تھی۔ وہ میرب سیال کو اس طرح پُرشوق انداز میں دیکھ رہا تھا آج سے قبل کبھی نہ دیکھا ہو۔

''اس دل کا نا۔۔۔۔؟'' بغور اسے دیکھتے ہوئے شہادت کی انگلی اس کے دل پر رکھی تھی۔ میرب سیال ت کی نگاہ اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''یہی دل ہے نا۔۔۔۔ جواب تمہارا نہیں رہا۔ پریشان ہو کہ پرایا ہو گیا۔'' مسکراتے ہوئے پتہ نہیں یا اس نے سر نفی میں ہلایا تھا اور پھر یکدم ہنس دیا تھا۔ میرب سیال اس شخص کی بدلتی کیفیات کی عادی مگر اس لمحے وہ اس سے اس قدر قطعاً ایکسپکٹ نہیں کر رہی تھی۔ تبھی بہت حیرت سے اسے دیکھنے لگی ۔ اوہ، تو وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔ اس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ اس کے جذبات و احساسات کو

ٹھوکروں میں رکھ رہا تھا۔ مٹی میں رول رہا تھا، تو ٹھیک سوچا اس نے۔ اگر وہ یا اس کا دل مبتلا ہوجا یقیناً اس کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کرتا۔ وہ اس کج ادا سے واقف تھی۔ بھرپور انداز میں جانتی تھی تبھی اس لمحے اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا۔

”تمہیں خوش فہمیوں میں جینے کی عادت ہو چلی ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! ـــــ اگر تم احمقوں کی جنت میں خوشی خوشی رہنا چاہتے ہو تو شوق سے رہو کیونکہ نہ تو میرا تمہیں بیدار کرنے کا کو ہے نہ ہی حقیقت حال سے آگاہ کرنے کی کوئی کوشش میں کرنے والی ہوں۔“ وہ کسی قدر کھردر میں بولی تھی۔

اندازہ تھا کہ وہ اس خواب سے بیدار ہو جائے گا اور اس کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ مگر یہ کیا۔ شخص تو ہنس پڑا تھا۔

”تو سو رہا ہوں میں، وہ بھی احمقوں کی جنت میں۔“ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ ”انتر ستائش کا انداز خوب تھا۔ ”تو خواب ہی دکھا دو کوئی۔“ ایک خاص پیشکش ہوئی تھی۔ ”دیوانہ ہو دیوانہ بنا دو ـــــ کچھ اور پاگل کر دو۔ کیا حرج ہے اگر کچھ لمحے اور عالم مدہوشی میں بسر ہو جائیں خیزی کی حدوں کو چھونے کی سعی تو کی جا سکتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ ساجد کے پہلی ہی بار کے سجد کو پا لیں۔ ریاضتوں کو عمریں بھی تو درکار ہوتی ہیں۔ اگر بے صبری کا یہی عالم ہے تو ریاضتوں کے جانے کا احتمال جینے نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ نقصان فقط دل کا ہی نہیں جاں کا بھی ہوگا۔ سو اتنا بے خبر نہ رائیگاں جانو ـــــ کہ سو رہا ہوں تو سونے دو۔ اسی طور جینے دو۔“ اس شخص کے لبوں پر گ مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں سے ہویدا چمک کوئی پیغام لئے ہوئی تھی۔ مگر میرب سیال نے ڈٹے ٹھان لی تھی۔

”سردار سبکتگین حیدر لغاری! بہت شاطر شخص ہو تم۔ تمہیں ڈور چھوڑ کر ڈھیل دینا بھی آتا ہے! ڈور کھینچنا بھی۔ تم ہزار ہا طریقوں سے واقف ہو ـــــ ہزار روپ ہیں تمہارے۔ کبھی سمجھ میں آ بالکل نہیں آتے۔ مگر ایک بات صاف میری سمجھ میں آتی ہے۔“

”کیا؟“ وہ مسکراتے ہوئے یک دم اس کی بات کاٹ کر براہِ راست اس کی آنکھوں میں اس کی جان مشکل میں ڈال گیا تھا۔

”یہ کہ تمہیں مجھ سے محبت ہوگئی ہے۔“ وہ پھر اسم گری آزما رہا تھا۔ اپنے ڈھنگ دکھا رہا تھا سیال اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

”تم صرف دھوکا ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری! اور یہ بات میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں کانٹے کی طرح چبھن دینا جانتے ہو۔ اور مجھے زخم زخم ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“

”اوں ہوں ـــــ“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا چہرہ ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف ہوئے سر انکار سے ہلایا تھا۔

”میں اتنا برا نہیں ہوں۔ تمہارے قیاس بہت منفی انداز کے ہیں۔ بالکل تمہاری طرح

لے۔ میں زخموں پر مرہم رکھنا بھی جانتا ہوں۔ کبھی آزمانا چاہو تو آزمالینا ـــــ مجھ سے بہتر مونس اور نہیں پاؤ گی۔“ وہ بدستور مسکراتے ہوئے اس کے حوصلے آزما رہا تھا۔ میرب سیال نے اس سے الجھنا نہیں جانا تھا۔ اس لئے اس چہرے پر سے اپنی مزید توجہ ہٹا کر پلٹی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئی سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ شاید اس کا پلڑا اس بار بھی بھاری رہا تھا اور اب اناکج پھر وہی تھا۔ کسی کو شکست خوردہ دیکھنے کا لطف حد سے سوا تھا۔ وہ واقعی مسرور دکھائی دے رہا تھا۔

* * *

نہاری یاد کے جگنو
بس شام خزاں
پھر جگمگا اٹھے
ردِ دل پر چراغ کے جلنے سے کچھ پہلے
گزشتہ عمر کے
کچھ بھولے بسرے وعدہ و پیماں
تمہارے لمس کی پرچھائیاں اوڑھے
طواف دل کو آ نکلے
خیال و خواب کے درپن میں جھلکیں
تمہاری خواب ناک آنکھیں
تمہاری حشر ساماں مسکراہٹ
اور تمہارے قرب کی خوشبو
وہ اس خوشبو میں لو دیتا ہوا
اک ادھورے وصل کا امکان
مگر میں تو بہت مدت سے
اپنی رنج ساماں اور لہو روتی ہوئی
تنہائی کی زد پر
کتابِ زیست کے سب منتشر اوراقِ جاں کو
اک نئی ترتیب دینے میں مگن تھا
کہ ایسے میں
تمہاری یاد کے جگنو
پس شام خزاں
پھر جگمگا اٹھے!

بعض چیزیں، بعض باتیں، بعض یادیں نہ کبھی زندگی سے خارج ہو پاتی ہیں نہ ہی دماغ چیزوں کے لئے کس کس خانے میں کوئی ''ٹریش'' بھی موجود ہیں جن میں دانستہ انہیں ڈال دیا جا باقی ماندہ جگہ نہ گھیریں۔

اذہان حسن بخاری نے تجزیہ کیا تھا تو ہر شے کو اسی مقام پر پایا تھا۔

ساہیہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ اب کہیں بھی اس کے اندر تھی۔

مگر وہ غلط تھی۔

کہیں نہیں ـــــ وہ ہر جگہ تھی۔ وہ وقت دے بھی لیتا خود کو تو شاید وہ اس کے اندر سے با اس کی یادوں کے، باتوں کے رنگ بہت گہرے تھے۔ اس کے سبھی نقش بہت گہرے تھے ـــــ بعد بار ہا بارشیں برسی تھیں۔ کئی لمحے دبے پاؤں سرکے تھے مگر وہ معدوم نہیں ہوئی تھی۔

اور شاید ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا ـــــ اپنے اندر جھانکنے کے بعد اسے ایک بار پھر سب دکھائی دیا تھا۔ غالباً اب تک وہ بہت بڑا ''پری ٹنڈر'' رہا تھا۔ اپنے طور پر اخذ کرتا رہا تھا کہ ''صور اختیار میں ہے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

وہ ساہیہ کی طرف بڑھ رہا تھا ـــــ اسے تھامنے کو ہاتھ بڑھا رہا تھا اور اس کے لئے اس کہیں جگہ ہی نہیں تھی۔ تو پھر کیوں تھی یہ جہت مسلسل۔

گر وہ بھول نہیں سکتا تھا تو پھر کیوں تھی یہ زندگی بھی؟ ـــــ جب وہ نہیں تھی، شب رائیگاں سب رائیگاں ہی تھا تو پھر یہ مسلسل ہاتھ پیر مارنا کیا معنی رکھتا تھا۔

وہ کیا چاہتا تھا؟ شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا ـــــ محبت نے اسے جس مقام پر چھوڑا تھا وہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ اب تک اسی تاریکی میں کھڑا تھا۔ نہ اس کے اندر روشنی تھی نہ کوئی رمق۔ اس نے خود کو غور سے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ مگر شاید وہ پتھر کا ہو چکا تھا۔ اس مقام سے آگ کیسے بڑھتا؟

سب بہلاوے تھے ـــــ دھوکا تھا ـــــ فریب تھا ـــــ جو وہ اب تک خود کو دیتا آیا اسے خود سے بھی زیادہ ضرورت دوسروں کو یہ بتانے کی تھی کہ وہ جی رہا ہے۔ شاید ضرورت دوسر جتانے کی تھی کہ وہ جی سکتا ہے اور اسی کوشش میں وہ مزید ٹکڑوں میں بٹ رہا تھا۔

وہ بہت دیر سے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا جب اس کے پیچھے آہٹ سی ہوئی تھی۔ پلٹ تھا۔ ساہیہ اس کے قریب کھڑی تھی۔ وہ چونکا نہیں تھا اور ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''مجھے لگا تمہیں میری ضرورت ہو گی ـــــ سو چلی آئی۔''

اذہان حسن بخاری ان تمام لمحوں سے واپس باہر آتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ایسا تمہارے دل نے کہا؟''

''اوں ـــــ ہاں۔'' ساہیہ ہنس پڑی تھی۔ ''ویسے مزے کی بات بتاؤں ـــــ میرا دل اکث سگنلز ہی دیتا ہے۔ اکثر پتہ نہیں چلتا کہ یہ چاہتا کیا ہے اور کیوں چاہتا ہے۔ خیر تم بتاؤ۔'' وہ کم

تانہ انداز میں چھیڑتی ہوئی مسکرا رہی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''شاید۔'' اذہان نے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔ ''اگر جھاڑ پر چڑھانے والی خوبصورت لڑکی ہوتیں۔'' جواب خلافِ توقع تھا ساہیہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''تم ہاکی اور باسکٹ بال ایک ساتھ کھیل رہے ہو۔'' اطلاع دی تھی۔

''اچھا، تبھی میں کہہ رہا تھا کہ گول ہونے میں اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے۔ وہ چونکتا ہوا حیرت سے رپورا ایکٹنگ کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ ساہیہ نے اس کے شانے پر اپنے نازک سے ہاتھ کا مُکا دے مارا تھا۔

''سدا کے ڈفر ہو تم ـــــ کھیلنا تمہیں بالکل بھی نہیں آتا۔''

''ہاں ـــــ شاید تبھی ہار رہا ہوں۔'' اذہان کے لبوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔ ساہیہ کرا دی تھی۔ پھر حوصلہ بندھاتی ہوئی بولی تھی۔

''تم جیت بھی سکتے ہو ـــــ اگر تم یہ تعین کر لو کہ تمہیں درحقیقت کھیلنا کیا ہے۔ ہاکی یا پھر باسکٹ ل؟'' لہجے میں شگفتگی ناپید تھی مگر وہ اس کے باوجود کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ ''تمہیں یاد ہے تم جب چھوٹے تھے تو سکٹ بال کے کتنے برے کھلاڑی تھے۔ تمہیں کھیلنا تب بھی بالکل نہیں آتا تھا۔ یاد ہے فیض چاچو اکثر تمہیں ل ہاتھ میں تھما کر بازوؤں میں اٹھا کر گول کروانے کے لئے اور دوسرے معنوں میں تمہارا دل خوش کرنے کے لئے بال باسکٹ میں ڈلوایا کرتے تھے۔'' ساہیہ نے یاد دلایا تھا اور اذہان نے ایک گہرا کش لیتے ہوئے سر جھکا کر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ساتھ ہی مسکرا دیا تھا۔

''ہاں ـــــ مجھے تب بھی کھیلنا نہیں آتا تھا۔'' کھلے دل سے تسلیم کیا تھا۔

''اور تمہیں اب بھی کھیلنا نہیں آتا۔'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے بھرپور تجزیہ کیا تھا۔

''ہاں ـــــ اب بھی نہیں آتا۔'' اذہان حسن بخاری نے ایک بار پھر کھلے دل سے تسلیم کیا تھا۔

''سو ہارنے کا یہ سلسلہ کب تک جاری رکھو گے؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان چند ثانیوں تک یوں ہی اس کی سمت خاموشی سے دیکھتا رہا ـــــ پھر مسکرا دیا تھا۔

''ہو اِز آسکنگ؟ مائی فرینڈ، اور فیانسی؟''

''فرینڈ ـــــ جسٹ فرینڈ۔'' ساہیہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تم پھر باسکٹ بال اور ہاکی ایک ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' ساہیہ جتاتی ہوئی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اذہان بھی ہنس دیا تھا۔

''ہاں شاید۔'' پھر قدرے توقف سے پوچھا تھا۔ ''تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ اس وقت میں تنہا ہوں اور مجھے کسی اچھے دوست کی ضرورت ہے؟''

''سچ کہوں؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ''میرے دل نے ـــــ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میرا دل کبھی غلط سگنلز نہیں دیتا۔'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس لمحے ساہیہ کے لبوں پر تھی اور اذہان حسن بخاری اس کی جانب سے نگاہ پھیر گیا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ نے اس ساکت ماحول میں بہت آہستگی سے پتھر پھینکا تھا۔

''ہوں۔''

''اگر تمہیں اختیار دیا جائے تو تم اپنی زندگی کو کس رخ پر موڑنا چاہو گے؟ —— آگے کی طرف پیچھے کی طرف؟'' پتہ نہیں کیا جاننے کی خواہش میں وہ بولی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''مجھے احمقوں کی جنت میں رہنے کا کوئی خاص تجربہ نہیں۔ ورنہ اس سوال کا جواب بہت بتاتا۔'' اس نے یکسر مذاق میں ٹالا تھا۔ وہ اس لمحے کوئی ثقیل بات افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اور ساہیہ عا کی ہر بات کہنے سے قبل جانتی تھی۔ تبھی مسکرا دی تھی۔

''ساہیہ! چلیں؟'' اذہان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''کہاں؟'' وہ چونکی تھی۔

''آئس کریم کھانے۔ کیوں، تمہارا موڈ نہیں ہے؟'' اس کی حیرت بھری آنکھوں میں جھانکا ت اگرچہ اس کا موڈ نہیں تھا مگر وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ ٹھیک کر رہ غلط —— نہیں جانتی تھی وہ۔ مگر اس کی دلجوئی کی ضرورت اس وقت ایک دوست کو تھی۔ اور وہ ہاتھ نہ سکتی تھی۔

ایسا اس کے لئے ممکن بھی نہیں تھا۔

* * *

مائی اماں کا فون تھا۔ مگر وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہی تھی۔ غالباً مائی اماں سردار سبکتگیز لغاری کے اس آنے والے ''مہمان'' سے آگاہ تھیں۔ اس نے اپنے طور پر کوئی تذکرہ نہیں چھیڑا تھا۔ کے انداز کی بات کی تھی۔ مائی اماں حسب معمول اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر رہی تھیں اور اس اثبات میں ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔ چلتی ہوئی لاؤنج میں آ بیٹھی تھی۔ انداز اتنا کھویا کھویا تھ کے وہاں آنے اور اپنے قریب بیٹھنے کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ جب دھیان پڑا تھا تو گی اس کی دوستانہ انداز میں دیکھتی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ میرب سیال کو اس کے ساتھ تعلقات کی نوعیت معلوم نہ اس بات کا اندازہ بھی نہیں کر سکی تھی کہ اس کے ساتھ اس کے تعلقات کی نہج کیا ہونا چاہئے۔ شاید ا وہ کسی مروت کا مظاہرہ تک نہ کر سکی تھی۔

''مائی اماں کا فون تھا؟'' گی نے شاید کوئی موضوع گفتگو ڈھونڈا تھا۔ مگر میرب کو اس کا انداز کیوں کسی بھرپور تفتیش کا سا لگا تھا۔

''ہاں —— تم مائی اماں کے متعلق جانتی ہو؟'' میرب نے شستہ انگریزی میں دریافت کرتے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

گی مسکرا دی تھی۔

''ہاں —— گین نے سب کے متعلق بتا رکھا ہے۔''

''سب کے متعلق؟'' حیرت قابل دید تھی۔

''ہوں۔'' گی نرمی سے مسکرائی تھی۔ میرب مکمل طور پر امپرسڈ دکھائی دی تھی۔ یعنی وہ سردار سبکتگین لغاری کے اس درجہ قریب تھی کہ ——

''مگر تم غالباً میرے متعلق نہیں جانتی تھیں۔ ایسا تم نے خود کہا تھا۔'' میرب نے کھردرے لہجے میں کر جیسے کوئی گہرا طنز کیا تھا۔ گی لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی۔

''ہاں۔ میں واقعی نہیں جانتی تھی۔ مگر اس میں بھی قصور میرا نہ تھا شاید۔ نہ میں کوئی قیاس کر پائی۔ کبھی اندازہ اور ......''

''رشتہ اپنے اصل خدوخال میں نہ تھا نا؟'' میرب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ گی نے اسے ا تھا۔ اس کے لبوں پر بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ شاید اس کی آنکھوں میں نمی بھی آن ٹھہری تھی۔ گی کو ورت حال'' کا کسی طور اندازہ ہوا تھا۔ گی بہت ملائمت سے مسکرائی تھی۔

''تم گین سے محبت کرتی ہو؟'' کیسا عجب سوال تھا۔ ایک دوسری لڑکی اس کے رشتے کی وضاحت چاہ تھی جو اس کے وابستہ رشتے سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی۔ مگر شاید بہت خاص تعلق رکھتی تھی۔

میرب نے سرد مہری سے گردن پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں —— میں گین سے محبت نہیں کرتی۔ میں صرف اس سے وابستہ ہوں۔ کب تک، کتنے دنوں ؟ —— یہ نہیں جانتی۔ مگر اس رشتے کی معیاد کا تعین نہ ہوتے ہوئے بھی اتنا یقین ہے کہ اس کی عمر چند روزہ ہے۔ کیونکہ ریت پر بنے گھر ناپائیدار ہوتے ہیں۔ اور ہمارے رشتے کی بنیاد بھی بہت گہری ں پڑی۔'' بہت سرسری انداز میں مطلع کرتے ہوئے میرب سیال یوں مسکرا رہی تھی جیسے کوئی معمول کی ت ہو رہی ہو۔ گی کو اس کے انداز پر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ یا تو اس کا حوصلہ بہت زیادہ تھا۔ یا پھر وہ ی ایک باہمت لڑکی تھی۔

''تم گین سے اس درجہ بدگمان ہو؟''

''بدگمان؟'' وہ حیرت سے چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ ''بدگمان نہیں ہوں میں۔ بدگمانی تو غالباً وہاں تی ہے نا جہاں کوئی تعلق اپنے اصل خدوخال کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا ہو۔ اور ہمارے درمیان رشتے ی تو کوئی ہیئت ہے نہ ہی کوئی وقعت۔ تمہیں پریشانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میرب سیال یقیناً تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' مسکراتے ہوئے یقین دہانی کروائی تھی۔ گی فوری طور پر کچھ بولی نہیں تھی۔ خاموشی سے دیکھتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔ شاید وہ کسی قدر شرمندہ ہو گئی تھی۔ مگر میرب اس درجہ لاتعلق تھی کہ وہ اس طرح کی کسی بات کا اندازہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خود جن حالات سے گزر رہی تھی اس کے ہوتے ہوئے وہ دوسروں کے احساسات کا خیال کرنا بھول رہی تھی۔ یا پھر اسے رشتوں کو برتنا اب آ رہا تھا۔ وہ ڈھنگ سیکھ رہی تھی، کس تعلق کو کس نہج پر رکھنا چاہئے، آ گیا تھا اسے۔ اور گی کے ساتھ غالباً اس کا رویہ اسی طرح ہونا چاہئے تھا۔

وہ اس سے حسد محسوس نہیں کر رہی تھی، نہ ہی کوئی خوف —— حالانکہ وہ اس شخص کے انتہائی قریب واقع ہوئی تھی۔

''میں یہاں قیام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر گین ــــــ وہ مانا ہی نہیں۔'' گی پتہ نہیں کیوں اپنے وضاحت دے رہی تھی۔ حالانکہ میرب نے تو ایسا کوئی سوال دریافت بھی نہیں کیا تھا۔ شاید اسی لئے لمحے مسکرا دی تھی۔

''اگر گین ایسا چاہتا ہے تو کچھ سوچ کر ہی چاہتا ہوگا۔ اس کے فیصلے اکثر بہت ا تھنک ہوتے وہ جانتا ہے اسے کیا کرنا ہے ــــــ شاید اسی لئے وہ نقصان نہیں اٹھاتا۔'' میرب نے اس کے کئی ایک ساتھ اس کے سامنے پیش کر دیئے تھے اور گی جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''تم گین سے بہت ناراض لگتی ہو۔''

''ناراض؟ ــــــ نہیں، تم پھر غلط سمجھ رہی ہو۔ ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں کہ ہم دوسرے سے ناراض ہو سکیں۔''

''مگر گین تو کہہ رہا تھا کہ تم دونوں قانونی طور پر ہزبینڈ وائف ہو۔ اگرچہ عملاً تمہاری آمد اس گھ نہیں ہوئی۔ مگر تم حق تو محفوظ رکھتی ہو نا۔'' گی جانے اسے کیا جتانا چاہتی تھی۔ یا پھر وہ اس سے اس کے باعث کسی قدر خوفزدہ تھی۔

میرب کسی نتیجے پر پہنچتی ہوئی اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''تو تم مجھ سے خوف زدہ ہو۔'' بہت اطمینان بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

مگر گی ہنس دی تھی۔

''نہیں ــــــ شاید نہیں ــــــ بالکل بھی نہیں۔'' ایک لمحے میں گی کی مسکراہٹ اس کا منہ چڑ تھی اور اس کا سارا بھرم ایک لمحے میں جاتا رہا تھا۔ بھلا اسے خوفزدہ ہونے کی ضرورت کیا تھی، سبکتگین حیدر لغاری جب اس کے ساتھ تھا۔ غالباً خوفزدہ ہونے کی ضرورت تو اسے تھی اور وہ.......

وہ ایک دم اٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی۔ غالباً ان نا مساعد حالات کا سامنا کر۔ ہمت اس میں نہیں تھی۔

گی سے ملنا ــــــ اس کے ساتھ بیٹھنا ــــــ بات کرنا۔

اسے تو یہ سوچ کر بھی گھن آتی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے اس طور وابستہ تھا۔ اس نہ جانے کس کس سے۔ یہ ایک نشانی عملاً اس کے سامنے تھی ــــــ جانے اور کتنی دعوے دار بن کر آ اور وہ کس کس سے لڑتی۔ جس انداز سے سردار سبکتگین حیدر لغاری راہ و رسم بڑھانے کا عادی تھا، ا کئی ایسے نا قابل برداشت رشتے سامنے آ سکتے تھے۔ فقط گی پر ہی کیا موقوف تھا۔ اور اگر گی یہاں سبب کون تھا؟

وہی شخص نا۔

اس کی اجازت تھے ــــــ اس کے باعث وہ یہاں تھی نا ــــــ اور یہی بات ثابت کرتی تم قصوروار وہ تنہا نہیں تھی۔ کوئی اور بھی اس کے ہمراہ تھا۔

وہ جو ہر بات پر قادر رہتا تھا ــــــ وقت کی رفتار جس کے ہاتھ میں تھی ــــــ اور جو خود کو حاکم

تا تھا۔

ائی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ــــــ نفرت ہے مجھے تم سے۔'' تمام تر غصہ کمرے کے ے پر نکالتی ہوئی وہ بیڈ پر گر گئی تھی۔

❄❄❄

آفس میں تھا۔ حالانکہ آفس ٹائم کب کا ختم ہو چکا تھا مگر وہ کچھ اور ٹائم وہاں قیام کرنا چاہتا تھا۔ مگر ماما آ گیا تھا، گھر میں کچھ مہمان آ گئے ہیں ــــــ وہ چلا آیا تھا کہ ماں کی بات ٹال نہیں سکتا تھا۔ مگر گھر آ چلا تھا کہ مہمان بھی اس سے وابستہ تھے جس سے وہ بھاگ رہا تھا ــــــ اوزی اور ممی ــــــ مگر وہ اہ کی بے حسی کا بدلہ ان لوگوں سے نہیں لے سکتا تھا۔ اس لئے وہ اسی طور ان سے ملا تھا۔ اوزی شکوہ کر رہا تھا۔

یار! تم تو دوست ہی زیادہ بھلے تھے ــــــ یہ رشتہ کچھ زیادہ راس نہیں آیا۔ ہر روز دور سے دور تر جا رہے ہو۔ کہیں یہ انابیہ تو تمہیں منع نہیں کرتی؟ خود تو ادھر کا رخ کرتی نہیں، تمہیں بھی آنے نہیں بزرگ صد فیصد درست فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد بندہ دوستوں سے تو جاتا ہی ہے، خود سے بھی ہتا ہے۔''

عفنان علی خان کے پاس مسکرانے کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ انابیہ شاہ کچھ فاصلے پر بیٹھی اپنی ے کچھ بات چیت کر رہی تھی۔ عفنان علی خان کے متوجہ ہونے پر نگاہ لمحہ بھر کو اس سے ملی تھی۔ اور ے ہی پل وہ اجنبی بن گئی تھی۔

اہ وش بخاری نے داماد کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور محبت سے بولی تھیں۔

'بیٹا! تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ پہلے تم فریش ہو جاؤ۔ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔'' انابیہ شاہ نے تھا۔ وہ واقعی اس لمحے کسی قدر تھکن سے چور نظر آ رہا تھا۔ گویا اس لمحے ان کے گرد قیام پذیر ہونا فقط امروت اور کرٹسی ہی تھی۔ عفنان علی خان نے وہ احسان مندی سے جھکا ہوا سر دیکھا تھا اور سر انکار ہلا دیا تھا۔

''نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو شرمندہ ہوں کہ اتنے روز تک آپ کی طرف آ نہیں سکا۔''

''بس یار! اب بہانے بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں تُو کتنا مصروف ہے۔ اسی لئے ہم گئے۔'' اوزی بولا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''تُو سنا ــــــ جا نہیں رہا واپس؟ ــــــ سنا ہے کوئی لڑکی وڑکی دیکھ لی ہے ــــــ شادی کا ارادہ ہ لیا ہے کیا؟'' اوزی ہنس دیا تھا۔

''ہاں ــــــ سوچا تو تھا۔ مگر تیرا حال دیکھ کر ہمت نہیں پڑ رہی۔ سوچ رہا تھا۔ مگر پھر کچھ مصروفیات ے آ گئیں۔''

''مصروفیات آڑے آ گئیں یا اس لڑکی نے ہری جھنڈی دکھا دی؟'' عفنان علی خان نے مسکراتے ئے چھیڑا تھا۔ اوزی ہنس دیا تھا۔

''ہاں ـــــ یہ وجہ بھی خاصی معقول ہے۔ مگر اس سے بھی بڑی وجہ پاپا نے یہاں بر
داری سونپ کر پیدا کر دی۔ اب کچھ ہنر آزما لوں تو پھر سوچتا ہوں۔ یوں بھی جب تک لڑکی را
گی، کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں اس کے سفید جھنڈی دکھانے کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''ایسی غلطی مت کرنا ـــــ یہ انتظار بہت مہنگا پڑے گا تجھے۔ کیونکہ اس قوم کا کچھ پتہ نہیں
چکر میں تُو نہ ہی پڑ تو بہتر ہے۔''عفنان علی نے نادر مشورے سے نوازا تھا اور اوزی ہنس پڑا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے تُو۔ مگر کیا کروں کمبخت اس دل کا ـــــ مانتا ہی نہیں۔''

انابیہ شاہ ان کی گفتگو سے انجان نہ تھی۔

''منا لو اُسے ـــــ اسی میں تمہارا فائدہ ہے اور تمہارے اس دل کا بھی۔'' مسکراتے ہو
سینے پر ایک محبت بھرا پنچ مارا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔ ایکسکیوز می!'' وہ اٹھا تھا۔

''انابیہ بیٹا! دیکھو عفنان کو کسی شے کی ضرورت ہوگی۔'' ماہ وش نے بیٹی کو جیسے گہری نیند
تھا اور انابیہ شاہ کے لئے اٹھنا جیسے ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ ناچار اٹھی تھی اور قدم اس شخص کے تعاقب
دیئے تھے۔ یہ مجبوریاں بھی کبھی کبھی کیا کرواتی ہیں۔ ممی اگر نہ کہتیں تو غالباً وہ اس شخص کا سا
پاتی کہ وہ اس کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتی تھی۔ آگے بڑھتے قدموں میں کچھ لرزش
کمرے میں پہنچی تو وہ کوٹ اتار کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ دروازے کے پاس رک
نگاہ اٹھی ہی نہ تھی۔ اس شخص سے ملی ہی نہ تھی۔

وہ جیسے اس کی سمت دیکھنے کی ہمت بھی اپنے اندر نہیں پاتی تھی۔

عفنان علی خان نے اسے بت بنے کھڑا دیکھا تھا۔ شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے ہاتھ لمحہ بھر کو
پھر جانے کیوں پیش قدمی کر دی تھی۔ وہ اس کی جان مشکل میں کرنا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس
اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر انابیہ شاہ کی جان ہوا ہو گئی تھی۔ سفید شرٹ کے کھلے بٹنوں کے باعث
واضح دکھائی دے رہا تھا۔ انابیہ شاہ لرزتی جان سمیٹ کر ایک قدم الٹا ہٹاتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی
جانب متوجہ نہیں تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ اینی پرابلم؟''عفنان علی خان اس کے خوف کے اسباب جانے بغیر اس
دیکھنے لگا۔ انداز سرسری تھا۔ لگاوٹ کا کوئی مظاہرہ نہ تھا۔ نہ توجہ قابل دید تھی۔ مگر انابیہ شاہ کو جا
پھر بھی دوسری جانب سے ''خطرہ'' محسوس ہو رہا تھا۔

''میں نے پوچھا کوئی مسئلہ ہے؟''عفنان علی خان نے اس کے جواب نہ دینے پر جھنجلا
دریافت کیا تھا۔ انداز میں کسی درجہ اکتاہٹ سی تھی۔

انابیہ نے فوری طور پر سر انکار میں ہلاتے ہوئے ایک نگاہ اسے دیکھا تھا۔

''تو؟''اس کے وہاں موجود ہونے پر جواز تلاشا تھا۔ انابیہ شاہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ کوئی جوا
پاس تھا نہیں۔ مگر وہ اپنی سبکی نہیں چاہتی تھی۔ تبھی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

''میں جانا چاہتی ہوں۔''

عفنان علی خان کچھ بولا نہیں تھا مگر آنکھوں میں تیرتی واضح حیرت یقیناً اس جملے کی وضاحت چاہتی

''کچھ ـــــ کچھ دنوں کے لئے ـــــ ممی کے گھر۔''انابیہ شاہ نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ عفنان علی
چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر شرٹ اتار کر بیڈ پر اچھال دی تھی۔ انابیہ شاہ کے
یہ اقدام قدرے تشویش کا باعث بنا تھا۔

ایک ـــــ دو ـــــ تین۔ درمیان کا گز بھر کا فاصلہ ایک لمحے میں سمیٹا تھا اُس شخص نے۔ اور انابیہ
کی جان قیامتوں کی نذر کر دی تھی۔ ایک خوف سے بھری نگاہ اٹھی تھی اور دوبارہ جھک گئی تھی۔ عفنان علی
نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور بہ غور تکتے ہوئے حتمی انداز میں کہا تھا۔

''نو۔''

انابیہ شاہ نے کسی درجہ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''لیکن.......'' کچھ بولنا چاہا تھا مگر عفنان علی خان نے ہاتھ اس کے گداز لبوں پر رکھ دیا تھا اور سر نفی
ہلاتا ہوا بولا تھا۔

''آئی سیڈ نو ـــــ نو مین جُسٹ نو۔'' انداز فیصلہ کن تھا اور وہ استفسار کرنے کی خواہش رکھتے
ے بھی استفسار نہ کر سکی تھی۔ کرتی بھی کیسے۔ اس لمحے کیفیت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو تک نہیں۔
وہ شخص اس قدر قریب تھا ـــــ بظاہر سرد مہر تھا مگر سرد مہری کے باوجود شعلوں کی ایک لپک جو آنکھوں
، ہویدا تھی وہ دھڑکنوں میں زیر و بم بپا کرنے کو کافی تھی۔ انابیہ شاہ کے لئے ان لمحوں کو جھیلنا مشکل
نا تھا۔

''اینی تھنگ ایلس ـــــ؟'' بہت ہی گرم، دہکتی، پُر تپش سانس اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے
افت کیا تھا۔ انابیہ شاہ کی جان پر بن آئی تھی۔

یہ لمحے جو گزر رہے تھے ـــــ ''عنایتوں سے بے نیاز'' گزر رہے تھے۔

اور جو ان لمحوں پر کوئی ''کرم'' کی ''مہر'' ثبت ہو جاتی تو کیفیت کیا ہوتی۔

یہ تپش ـــــ یہ الاؤ ـــــ ابھی اس طور تھا تو ''نیاز مندی'' کے موسموں کی کیفیت [illegible] تی؟

''کچھ مزید ـــــ؟'' مزید دریافت کیا گیا تھا۔ لہجہ اس قدر مدھم تھا مگر سرد مہری اسی طور غالب تھی۔
یہ شاہ نے نگاہ اٹھا کر اس ''بے نیاز'' شخص کو دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''شیور؟''عفنان علی خان کو جانے کیوں اس کی یقین دہانی مقصود تھی۔ شاید وہ اس چہرے کو، ان
موں کو بغور پڑھ رہا تھا۔ اور جانتا تھا کہ ایک الجھن متواتر اسے ستا رہی ہے۔ انابیہ شاہ نے سر اثبات
ہلا دیا تھا اور پلٹنا چاہا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے اس سے قبل ہی ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے
۔ دوسرے لفظوں میں اس کے فرار کے راستے ایک لمحے میں مسدود کر دیئے تھے۔ انابیہ کا دل اچھل کر
نامیں آ گیا تھا۔

کیا____

کیا چاہ رہا تھا یہ شخص____؟

ارادے کیا تھے اس کے____؟

ایک حشر برپا تھا جان میں____ ایک قیامت کے زیر تھی روح۔ مگر مقابل کھڑا وہ شخص پُرسکون تھا۔ ایک بار پھر اس کا جھکا چہرہ اٹھا کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

”تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟“ پتہ نہیں وہ اس کی الجھنوں کو بڑھانا چاہتا تھا یا کہ گھٹانا۔ وہ قطعاً رہی تھی۔ مگر وہ اس وقت نارمل کیفیات کے زیر قطعاً نہ تھی اور یہ بات وہ اسے سمجھا نہیں سکتی تھی۔ کے وہ اس لمحے اس کے مقابل تھا۔ اس کی اسکیچر باڈی نمایاں تھی۔ انابیہ دیکھنا تو کجا، سانس تک نہ رہی تھی۔

”میں نے پوچھا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟“ کسی قدر جھنجلا کر اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”نن...... نہیں۔“ اور اس کے انکار پر مقابل کھڑے شخص کو حیرت ہوئی تھی۔

”تو پھر مجھے کیوں لگ رہا ہے؟“ بغور تجزیہ کیا تھا۔

”کیا؟“ وہ جانتی تھی اس کی خاموشی سے اس کو وحشت ہو رہی ہے۔ غالباً انابیہ نے بول خیال کیا تھا مگر لہجہ کانپتا ہوا سا تھا۔ شاید آواز ہی نہیں، وہ خود بھی کسی شاخ کی مانند کانپ رہ نہیں عفنان علی خان کو ”صورتِ حال“ کا اندازہ تھا کہ نہیں۔ وہ اس لمحے بہ غور اس کی جانب بولا تھا۔

”کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتی کہ تم اس رشتے کو نباہتے نبا۔ چکی ہو اور مزید کوئی جبر نہیں سہہ سکتی؟“ اس کی گرم گرم سانسیں اسے اپنے چہرے سے ٹکراتی مح تھیں۔ وہ آنکھیں سختی سے میچ کر جیسے ان قیامتوں سے گزرنے کے جتن کر رہی تھی۔ مگر یہ جھیل لئے دشوار ترین تھا۔

”مگر ابھی تم نے کچھ جھیلا ہی کہاں ہے____ سہا ہی کہاں ہے کچھ؟____ ابھی تو سلس نہیں ہوا۔ پھر انجام کیسے ممکن ہے؟____ پہلے آغاز تو ہو لینے دو، پھر انجام کی بات بھی کر لینا۔ قبل از وقت ہے۔ سو ضد نہ کرو۔ کوئی ایسی ضد جو میں پوری نہ کر سکوں۔ تمہیں ملال ہو اور میں ہوں کہ تمہاری خوشی کو مقدم نہیں جان سکا۔“ مدھم لہجے میں نہ سمجھ میں آنے والے بھید تھے۔ نگاہ پر جمی ہوئی تھی اور انابیہ کا سارا وجود جیسے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ وہ اسی طرز پر اظہارِ مدعا کر رہا

”تمہاری خوشی بھی پوری ہو گی۔“ سرگوشی ایک نئی نوید سنا رہی تھی۔ ”مگر____ میری ہونے کے بعد۔“ مضبوط لہجہ اتنا ہی پُرعزم تھا۔

”نہیں چاہتا کہ کوئی گلہ رہے تمہیں____ تم بھی میرا پوری طرح خیال رکھو____ جب دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ رہنا شرط ہے بالکل جینے کی طرح۔

کی عادت ڈالو۔ شاید اچھا لگے۔ تمہیں بھی اور مجھے بھی۔“ بہت سی باتوں کو باور کراتے ہوئے وہ چہرے پر جھکا تھا اور بہت سی گرم گرم پُرتپش سانسوں کو اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے واپس تھا۔

بیہ شاہ کی کیفیت کسی بُت کی سی تھی۔ غالباً نہیں____ وہ اس لمحے حقیقتاً پتھر ہو چکی تھی۔

* * *

کیا ہوا؟____ ساہیہ بتا رہی تھی کہ تم انگیج منٹ پوسٹ پون کرنا چاہتے ہو؟“ فارحہ نے دریافت اور وہ کسی قدر حیران رہ گیا تھا۔ ساہیہ اس وقت وہیں تھی اور ماما کے ساتھ فیشن سے متعلق میگزین ے غالباً تقریب کے لئے بنائے جانے والے ڈریسز کے لئے ہیلپ آؤٹ کر رہی تھی۔

ہان حسن بخاری کی نگاہ اس پر ٹھہر گئی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ غالباً فارحہ کو یہ باور کرانے کے لئے کہ حال ”انڈر کنٹرول“ ہے۔

ایا آپ سے ساہیہ نے کہا؟“

ہاں۔“ فارحہ نے مہر ثبت کی تھی۔ ”کیوں، کیا واقعی اس میں صداقت ہے کوئی؟“ ساتھ ہی یقین بھی

ہان مسکرا دیا تھا۔

بڑی عجیب ہے یہ لڑکی بھی۔ مجھے بھی کچھ ایسے ہی کہہ رہی تھی کہ وہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں اور یہ ج منٹ کی ڈیٹ پوسٹ پون کر دی جائے۔“ نظروں میں شرارت چمک رہی تھی۔

رحہ چونکی تھیں۔

ساہیہ؟____ بھلا اُسے کیا پرابلم ہے؟____ ابھی پوچھتی ہوں۔“ پلٹ کر آواز دی تھی۔ ”ساہیہ!“

جی آنٹی____!“

ذرا ادھر آؤ۔“ فارحہ نے کہا تھا اور ساہیہ اٹھ کر چلتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔ اذہان مسکراتے بھرپور انداز میں ساہیہ خان کو دیکھ رہا تھا۔

یہ ماما کی بچی بھی عجیب ہے____ ایک طرف دیپک پروانی سے آؤٹ فٹ ڈیزائن کروا رہی ہے ری طرف قسم قسم کے فیشن میگزین میں سر کھپا رہی ہے۔ یہ لڑکیوں کو بھی فیشن کا عجیب بخار چڑھا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔“ وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے وہ خود نہ تو اس تقریب سے کوئی واسطہ رکھتی ہو نہ حصہ ہو۔ فارحہ ہی نہیں، اذہان بھی مسکرا دیا تھا۔

بیٹا!____ آج کل کی بچیوں میں آپ بھی شامل ہوتی ہیں۔ بول تو آپ ایسے رہی ہیں جیسے دادی آپ ہی ہوں۔ سر جھاڑ____ منہ پہاڑ____ آج تک کسی دلہن کو اس طرح پھرتے ہم نے بھی دیکھا۔“

ذہان ہنسے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اور ساہیہ اس ڈپٹ پر اسے گھورے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

ارحہ نے محبت سے اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔

''بیٹا! سب کچھ ماہا سے ہے اور اس کی دوست سے۔ کتنے تھوڑے دن رہ گئے ہیں انگیج
تم نے ابھی تک یہ ہی ڈیسائیڈ نہیں کیا کہ تم پہنو گی کیا؟ —— اذہان! میں نے اگینے کو بلوا
بہت سے اچھے ڈیزائنرز کے متعلق پتہ ہے۔ اسے ساتھ لے لو اور ساہیہ کو بھی۔ اور آج ہ
ڈریس ڈیزائن ہونے کے لئے دے دو —— آخر دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ اور ماہا! تم بھ
اپنے لئے اتنی مصروف ہو اور بھابی کے لئے نہیں۔ تمہاری دوست آن لائن مشورہ دے رہی
نہیں ہو سکا کچھ مشورے بھابی کے لئے بھی لے ڈالوں۔'' فارحہ کی ڈانٹ میں بھی محبت تھی
ہی نہیں، اذہان بھی مسکرا رہا تھا۔

''ممی! —— ایک بات کہوں؟ آپ کو ڈانٹنا بالکل نہیں آتا۔ ابھی سے ہاتھ کھینچ کر
شکایت مت کیجئے گا، بہو ہاتھ میں نہیں رہی۔'' وہ جلتی پر تیل چھڑک رہا تھا۔ فارحہ نے اس کا

''خبر تو مجھے تیری بھی لینی ہے۔ مجھے میری بیٹی کے خلاف اکسا کر تُو صاف بچ نکلنا چاہتہ
نے محبت سے ڈپٹا تھا۔ اذہان نے ہنستے ہوئے سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔

''سب چلے گا —— مگر کبھی اپنی بہو کو برتری مت دیجئے گا اس بیٹے پر۔ ابھی سے جلن
لگی ہے مجھے تو اس سے۔ کہیں یہ میری ماں نہ چھین لے مجھ سے۔'' مسکراتے ہوئے ایک آ
کو دیکھا تھا۔ ساہیہ نے جواباً خطرناک تیوروں سے گھورا تھا۔ اذہان سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''ممی! آپ بھول گئیں —— اس سے پوچھئے نا، یہ کیا کہہ رہی تھی —— وہ —— ا
بات۔'' یاد دلایا تھا۔

''میں پوچھ لوں گی اس سے —— تم فی الحال جاؤ یہاں سے۔ مجھے بہت سی ضروری
اپنی بیٹی سے۔'' فارحہ نے ساہیہ کو ساتھ بھینچا تھا۔ اذہان مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جاتے
دینا نہیں بھولا تھا۔

''میں باہر گاڑی میں ہوں —— ممی سے بات مکمل ہو جائے تو آ جانا۔ ورنہ پھر شکایا
کر بیٹھ جاؤ گی کہ کہیں لے کر نہیں جاتا۔'' کہہ کر فوراً پلٹ گیا تھا۔ فارحہ اور ساہیہ مسکرا دی تھیں

''تم خوش ہو نا ——؟'' فارحہ نے محبت سے ساہیہ کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا تھا۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں۔'' سر جھکا کر جواب دیا تھا۔

''مجھے علم تھا —— اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ یہ پوسٹ پون کرنے والی بات بھی صرف
اذہان ہی پھیلا رہا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایسا ہے نا؟'' فارحہ نے دریا
ساہیہ اس بار کوئی جواب نہیں دے سکی تھی اور فارحہ اس کے چہرے کو محبت سے تکتے ہوئے ک

''میں اذہان کی ماں ہوں —— اور میں کہتی ہوں کہ میں نے آج سے قبل کبھی ا
دیکھا۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن ہے اور قائم بھی۔ باقی سب تو ہنسی مذاق ہے —— جو چلتا
ایک بات کا یقین ہے اور وہ یہ کہ تم وہ لڑکی ہو جو اذہان کو بہت خوش رکھ سکتی ہے۔ جو اسے

ں کے اندر جھانک سکتی ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔ اور شاید اس سے زیادہ کی
بھی نہیں ہے۔ تم سمجھ دار ہو، میری توقع سے زیادہ۔ جاؤ —— وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ جانے
اس بات کا یقین کر لو، میرا یقین کامل ہے۔ تم بھی اپنا دل اس یقین سے بھر لو —— جاؤ

،

اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اس شخص کی جانب بڑھنے لگی تھی جو غالباً اس وقت اس کا منتظر تھا۔ فارحہ
ی کہ وہ اپنا دل یقین سے بھر لے —— مگر وہ جانتی تھی فی الفور یہ ممکن نہیں تھا۔
لن تو یہ بھی نہیں تھا کہ وہ یہ تعلق باندھ لیتی۔ کتنی مشکلوں سے نبرد آزما تھی وہ۔ مگر وہ ان سب کو کیسے
ب کو اس سے توقعات تھیں۔ مگر وہ اپنے اندر کا کیا کرتی —— خود کا کیا کرتی۔

دل اس کے پاس تھا۔

یا چاہتا تھا، وہ جانتی تھی۔

یہ ان خواہشات کا راستہ نہیں تھا۔

اس کے باوجود وہ ان راستوں پر چل پڑی تھی۔ کبھی کسی کی خاطر —— تو کبھی کسی کی……

یا ہوا؟ —— کیا کہا ممی نے؟'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اپنی طرف کا دروازہ بند کر کے
جب اذہان نے اسے کسی قدر تشویش سے دیکھا تھا۔ وہ چونکی تھی اور مسکرا دی تھی۔

یں —— کچھ نہیں۔ تم گاڑی چلاؤ۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے نا —— جیولر کی دکان بند ہو جائے
ں کی بے خبری اور بات بنانے کی ادا پر اذہان نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ کسی قدر
وئی سی دکھائی دے رہی تھی، یا شاید کسی گہری سوچ میں تھی۔

م جیولر کے پاس نہیں، ڈیزائنر کے پاس جا رہے ہیں —— تمہاری انگیج منٹ کی آؤٹ فٹ
روانے۔ ہیو یو اینی ڈاؤٹ؟'' بیدار کرتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

لیا —— ہاں —— یاد آیا —— غالباً ڈیزائنر کے پاس ہی —— بائے دی وے، اگینے بھی
لی تھیں نا۔ ممی بتا رہی تھیں تمام ڈیزائنرز کی انفارمیشن تو انہی کے پاس ہے۔'' بات بناتے ہوئے وہ
ھی اذہان نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اسے ایک نظر بغور دیکھا تھا اور ایک دھیما سا تبسم اس
ا پر کھیل گیا تھا۔

ساہیہ! —— تم جھوٹ بولنے کی صلاحیت سے واقف نہیں ہو۔ سو پلیز ٹرائی بھی مت کیا کرو۔
کڑی جاتی ہو۔ تم دوست ہو میری۔ اور یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو حد سے
نتے ہیں۔'' جتانے کا انداز لاجواب تھا۔ ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ یعنی وہ صاف پکڑی جا چکی
لک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

ذہان! ان لمحوں کو روک دو اذہان! —— مجھے ڈر لگ رہا ہے —— سارے لمحے خواب سے لگ
ہا۔ اور لگتا ہے جیسے ایک پل میں یہ سارا خواف ٹوٹ جائے گا۔ پلیز، ٹرائے ٹو اسٹاپ دیٹ آل
—— جو ہو رہا ہے اسے روکنے کی کوشش کرو۔'' ساہیہ کی آواز میں خدشے تھے مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

''پاگل مت بنو ـــــ ٹرسٹ می ڈیم اٹ ـــــ کسی اور پر نہیں تو ایک دوست پر تو اعۃ نا۔ ٹرسٹ می ـــــ آئی ول نیور لٹ یو ڈاؤن ـــــ اعتبار کرو میرا۔'' مدھم لہجہ اعتبار ۔ سا ہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

❄❄❄

اسے لگا تھا اس نے غلط کیا تھا۔

پاپا کو آنے سے اسے نہیں روکنا چاہیے تھا۔ تمام صورت حال ان کے گوش گزار کر دینا تھا۔ پھر وہ چاہے جو بھی فیصلہ کرتے ـــــ کم از کم اس کے دل پر جو ایک بوجھ سا منوں ک پڑا تھا، وہ تو باقی نہ رہتا۔

پاپا اس کے دشمن تو نہ تھے۔ کون باپ چاہے گا اس کی اولاد دوزخ کی آگ میں جلے۔ اس کا برا چاہ سکتے تھے؟ ـــــ اگر انہیں تمام صورت حال پتہ چل جاتی تو شاید وہ اسے یہار بے یار و مددگار بھی نہ چھوڑتے۔ اس تعلق سے چھٹکارا ملتا یا نہیں، مگر وہ اپنوں کی پناہ میں تو چلی یوں بے تحفظ تو نہ رہتی۔

تو کیا اسے واقعی پاپا کو سب بتا دینا چاہیے تھا؟

اس نے سوچا تھا۔

اب تک اگر وہ چپ تھی تو صرف ان کی بیماری کے خیال سے۔

وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور ان کے لئے یہ انکشافات یقیناً کسی دھچکے سے کم نہ تھے۔ او دھچکا کیا صورت حال دکھاتا۔

وہ سمجھی تھی کہ وہ حالات کو اپنی مرضی سے سدھار لے گی۔ مگر افسوس، اس کے ہاتھ جاد نہ تھی اور وقت بھی اس پر مہربان نہ تھا۔ سو وہ سوکھی شاخ کی مانند ٹوٹتی چلی گئی تھی۔

سوکھے ـــــ خزاں رسیدہ پتوں پر چلتے چلتے وہ سنگی بنچ پر بیٹھی تھی اور از سر نو حالات ہوئے سد باب کے متعلق غور کرنے لگی تھی۔ وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ کب سردار سبکتگین ہوا وہاں آیا، کب اس کے پاس بیٹھا وہ جان ہی نہ پائی تھی۔ بنچ کی سطح پر رکھے اس نازک آہستگی سے اس نے اپنا ہاتھ دھرا تھا اور وہ چونکتے ہوئے اسے یوں دیکھنے لگی تھی جیسے وہ رہی ہو۔

''کیا ہوا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ ہی نہیں، انداز بھی ملائم تھا۔ بھرپور خیر میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ خالی خالی نظروں سے اسے یوں ہی دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین بہت آہستگی سے اسے شانوں سے تھاما تھا اور نرم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' توجہ قابل دید تھی۔ کرم تھا تو انتہا تھی کوئی۔ سر لغاری نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ محبت جتانے کا کوئی خاص ا رنے کی کوئی ادا۔ میرب سیال کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ نہ ہی وہ دبے پاؤں گزرتا وقت

ت سا منظر ـــــ وقت بھی شاید حیراں تھا ـــــ لمحے مجسم تھے ـــــ مگر یہ کوئی طلسماتی کہانی نہیں ـــــ یہ منظر حقیقت تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک ہمدرد کی صورت اس کے سامنے تھا ـــــ ب تھا ـــــ اور اس کی بھرپور دلجوئی کے جتن کر رہا تھا۔

تو کیا اسے احساس ہو گیا تھا؟

اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے آ گیا تھا وہ؟

کیا اپنے کیے پر پشیمان تھا؟

لبوں پر لفظ نہ تھے۔

لمحوں کی طرح وہ بھی خاموش تھا۔

بس ایک لمس تھا ـــــ ایک بھرپور تحفظ تھا ـــــ ایک بھرپور حصار تھا ـــــ ایک اختیار میں لینے گرفت تھی۔ اور اندر تک سرشار کر دینے والی گرم جوشی۔

میرب سیال کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے شفاف پانی کے قطرے ٹوٹے تھے اور سردار سبکتگین حیدر ی کے کوٹ کے شانے میں کہیں جذب ہو گئے تھے۔ اس کے شانے پر اپنی مٹھی کی گرفت مضبوط کرتے ے وہ آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''جب جانتی ہو پناہ یہی حصار ہے تو خود کو اس قدر اذیت کیوں دیتی ہو؟ ـــــ جب علم ہے کہ کوئی راستہ ہی نہیں تو پھر یہ راستہ بدل بدل کر چلنا بھی کیوں؟ ـــــ جب اتنے سارے اسباب دل کے ھ ہیں تو پھر دل سے ہی دشمنی کیوں؟ ـــــ بغاوت ہی کرنا چاہتی ہو تو اپنے اندر کے اس منفی احساس ، کیوں نہیں کرتیں؟ ـــــ جانتی ہو، جب وقت، یہ لمحے، یہ سارے پل تمہارے اختیار میں ہیں تو انہیں ے بس میں کیوں نہیں کر لیتیں؟ ـــــ بھول کیوں نہیں جاتیں سب کچھ؟ ـــــ کیوں فراموش نہیں کر ں؟ ـــــ کڑوی باتیں جب دکھ دیتی ہیں تو تم ان میٹھی باتوں پر غور کیوں نہیں کرتیں جو تمہیں راحت ے سکتی ہیں؟ ـــــ ان میٹھے لمحوں کے متعلق کیوں نہیں سوچتیں جو تمہاری زندگی میں نئے ذائقے بھر سکتا ۔ تمہیں رنگوں سے بیر کیوں ہو چلا ہے میرب؟ ـــــ جب آس پاس اتنے پھول ہیں تو تم ان سب ، ہٹ کر صرف کانٹوں کے متعلق ہی کیوں سوچتی ہو؟ ـــــ تم شبنم سے تر نرم احساسات سے بھرپور وں کو کس طرح نظر انداز کر پاتی ہو جو تمہارے شب و روز کو معطر کر سکتے ہیں۔ تم ان لمحوں کو کیسے پیچھے ڑ دیتی ہو سویٹ! جن کی انگلی تھام کر تم وقت کی نبضوں کو بھی روک سکتی ہو۔ تم چاہو تو کیا کچھ نہیں کر سکتیں ! ـــــ تم خود کو بے اختیار کیسے کہتی ہو؟ ـــــ کیسے سمجھتی ہو خود کو بے بس؟ ـــــ چاہو تو تمہارے یار میں کیا نہیں۔

یہ وقت

یہ لمحے

یہ رنگ

یہ موسم

یہ خواب
سب تمہاری انگلی کے ایک اشارے کے منتظر ہیں ہنی! ——— انہیں فقط ایک اشارہ دو ——— منظر کو بدل دو ——— یہ تمہارے اختیار میں ہے ——— ٹرسٹ می ——— یہ سب تمہارے اختیا ہے۔"

اس کے شانے پر سر دھرے وہ چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی اور وہ بول رہا تھا۔

"ادراک کا کوئی لمحہ گرفت میں لو سویٹ! نئے رنگ، نئے خواب تمہارے منتظر ہوں گے۔ یہ تم تمہیں جلا رہی ہیں، فقط تمہارے اپنے سبب ہیں ——— تم ان تمازتوں سے نکل سکتی ہو تو نکلتی کی شبنموں، بارشوں سے تمہیں گلہ کیوں ہے؟ کچھ بھی تو تمہارے خلاف نہیں ——— جب سب تمہار ہیں تو تم اتنا تنہا محسوس کیسے کر سکتی ہو؟" مدھم سرگوشی میں کوئی بھرپور احساس تھا۔ "یو آر ناٹ الون ناٹ الون ———" بھرپور یقین دہانی تھی مگر میرب بہت آہستگی سے آنکھیں کھولتی ہوئی اس باہر نکلی تھی۔ چند ثانیوں تک اس شخص کے سامنے بیٹھی اسے تکتی رہی تھی پھر اٹھی تھی اور چلتی ہو قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

گویا وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

اٹھتے قدم اس کے مضبوط ارادوں کو ظاہر کر رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دو رنگی بینچ پر بیٹھا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس لمحے نہ سمجھ میں آنے والا معمہ تھی۔

اس کے انداز، تیور بھی پہلے سے بہت مختلف تھے۔

میرب سیال فیصلہ کر چکی تھی ——— حتمی فیصلہ۔

تمام سلسلے کو وہیں ختم کر دینے کا فیصلہ ——— ٹھان لی تھی اس نے، اب اور نہیں۔

تو پھر آنکھوں سے آنسو بھی کیوں بہہ رہے تھے؟

سوچ لیا تھا کہ نہیں جینا، نہیں رہنا اس شخص کے ساتھ تو دور جاتے قدم اتنے تھکن سے چور جب اقدامات صحیح تھے تو یہ بے کلی سی کیوں تھی؟

اس نے پاپا سے بات کرنے کو فون اٹھایا تھا۔ مگر ریسیور کان سے لگانے سے قبل ہی مضبوط ہاتھ میں آ چکا تھا۔

دھندلائی آنکھوں سے اس نے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے کھڑا تھ چپ کے تالے لگائے، خاموشیوں کے ساتھ وہ کون سے پیغام اس کی سمت فقط آنکھوں سے تھا اس کی نگاہوں میں جو اس سے قبل نہ تھا۔

میرب کی پانیوں سے بھری آنکھیں دھند میں لپٹا وہ چہرہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی تھیں۔ سردا لغاری کچھ کہے بغیر اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ریسیور لے کر اس کے ہاتھ سے ر

ہ کو بہ غور دیکھتے ہوئے اپنے لبوں تک لے گیا تھا۔

ڈ آئی سے دیٹ۔ آئی نیڈ یو؟" مدھم لہجہ فضاؤں کو اپنے ساتھ باندھ رہا تھا۔

ڈ آئی نیڈ ٹو ٹیل یو دیٹ ہاؤ مچ آئی کیئر اباؤٹ یو؟" وہ کوئی بازی گر تھا۔ بہت آرام سے موسموں بس میں لے رہا تھا۔ میرب سیال کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کی سمت نگاہ اٹھا کر دیکھ سکتی یا کوئی بات کہہ سکتی۔

ت آہستگی سے ان آنکھوں سے آنسو ٹوٹے تھے اور چہرے پر پھسلتے چلے گئے تھے۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا اجازت لئے ہاتھ مکمل استحقاق سے اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا تمام موتیوں کو اپنی پوروں پر لے لیا تھا۔

خوابوں سے ناتا توڑ لوگی تو جیو گی کیسے؟" اس کے چہرے کو بہ غور تکتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ مگر سر ے کھڑی میرب سیال کے پاس اس وقت کوئی جواب نہ تھا۔

"کیسے جیو گی میرے بغیر؟ ——— اتنی دوریاں بڑھا دو گی تو یہ فاصلے سمیٹو گی کیسے؟" مقابل کھڑے کے لبوں پر کئی سوال تھے۔ مگر وہ قطعاً اس کی سمت سے توجہ ہٹائے منہ پھیرے کھڑی تھی۔

"لک میرب! ——— لک ایٹ می! دیکھو میری طرف۔ کس چیز سے بھاگ رہی ہو تم؟ ——— کس ے؟ ——— کس خوف سے؟" اسے بغور دیکھتے ہوئے شانوں سے ہاتھ تھام کر اپنی جانب متوجہ کیا

"محبت کرنے لگی ہو مجھ سے، اس لئے؟" اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے وہ دھیمے لہجے میں ت کر رہا تھا۔

"ہار رہی ہو تم ——— ہار جاؤ گی اس لئے جی نہیں پا رہی ہو۔ جی نہیں سکو گی میرے بن، اس لئے؟ ں لئے؟ یہ محبت آسان نہیں لگ رہی اس لئے؟ مشکل میں گھر گئی ہے جان اس لئے؟ ——— بتاؤ لئے؟ ——— محبت ہو گئی تو کیا مر جاؤ اس خوف سے؟ ——— بتاؤ، کیا ہاں؟" سردار سبکتگین حیدر انے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ پھر عجب اک دیوانگی سے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا اور عجب ہارے ہوئے لں بولا تھا۔

"تو کیا میرب! محبت ہی تو ہے ——— اگر ہو گئی ہے تو کیا؟ کب تک خود پر یہ جبر کرتی رہو گی؟ ——— ب کام کرو، مار دو مجھے۔ تم مار دو۔ مگر یہ خوابوں سے بھاگنا ترک کر دو۔ محبت کوئی نا خوشگوار حادثہ ہے خوشگوار واقعہ۔ تجربہ کرو گی تو اتنا برا بھی نہ پاؤ گی۔ محبت یوں اچھی چیز نہیں ہے میرب! تم شراروں کو ہوا دے رہی ہو۔ دبانے سے یہ الاؤ مدھم نہیں پڑیں گے، الٹا تمہیں جلا دیں گے۔ اور میں ایسا نہیں نہیں چاہتا میں ایسا۔" اسے اپنے ساتھ بھینچے وہ عجب دیوانگی سے گویا ہوا تھا۔

یرب سیال کی آنکھوں سے بہت چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔

"محبت ہو گئی تو کیا میرب! کیا کرو گی تم؟ ——— اپنے آپ کو سزائیں دینا بند کر دو۔ اس طرح خود کو مت دو۔" کوئی خواب تھا، نہ کوئی خیال، نہ گمان، نہ کوئی وہم۔ وہ اس لمحے اسے باور کرانے کے

در پے تھا۔ وہ حقیقت جس سے وہ خوداب تک بچتا آیا تھا۔ وہ حقیقت جن کے لئے اس کی زندگی جگہ نہیں تھی۔

وہ سچ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سچ جسے وہ خود صرف بےوقوفی فرض کرتا تھا۔ بقول اس نے یہ بے وقوفی کبھی نہیں کی تھی۔ وہ خود ایسی بے وقوفی شاید کبھی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

میرب سیال نے اپنے گرد سے یکدم اس کے بازوؤں کا وہ گرم حصار ہٹا دیا تھا اور تقریباً بولی تھی۔

”نہیں ہے مجھے محبت —— میں تم سے محبت نہیں کرتی۔ میں تم سے محبت کبھی بھی نہیں پل کے لئے بھی نہیں —— ایک لمحے کے لئے بھی نہیں —— کبھی بھی نہیں۔“ بھیگی آنکھوں انکار میں ہلاتے ہوئے وہ بولی تھی۔ ”نہیں کرتی میں تم سے محبت —— بالکل بھی نہیں۔ کس میں ہو تم، ہاں؟ —— کس خوش گمانی میں گم ہو؟ —— کیا تم خود کو کسی محبت کا اہل سمجھتے ہو؟ کیا تم، محبت ایسے ہی ہو جاتی ہے؟ یونہی چلتے پھرتے؟ اور ہے کیا تم میں ایسا سردار سبکتگین حیدر لغاری سے محبت ہو سکے؟ —— بتاؤ مجھے، میں اگر محبت کروں تم سے تو تمہاری کس بات سے؟ —— کون سی عادت دل جیت سکتی ہے؟ اور سب سے بڑی بات کیا تم اس قابل ہو کہ تم سے محبت کی دھوکا ہو تم، صرف دھوکا۔ بہت کھوکھلے ہو تم۔ اور محبت کھوکھلے لوگوں کے اندر کبھی گھر نہیں کرتی۔ زمین درکار ہوتی ہے اور وہ تم نہیں ہو —— سردار سبکتگین حیدر لغاری! جو شخص خود محبت جیسے لفظ کا نہ جانتا ہو اسے دوسروں سے اس کے متعلق بات کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ جتنے دن میں نے ساتھ گزارے ہیں ان میں ایک پل بھی ایسا نہیں رہا جب میں نے تم میں کوئی خوش آئند تبدیلی د تم خود کو نہیں بدل سکتے، نہ بدلنا چاہتے ہو۔ مگر تم چاہتے ہو صرف ایک بات، تمہارے لئے سب پل میں بدل جائے۔ جیسا جیسا تم چاہتے ہو سب ویسا ویسا ہو جائے۔ سارے رنگ تمہارے، خواب تمہارے، سارے فیصلے تمہارے۔ اور دوسروں کا کیا سردار سبکتگین حیدر لغاری! صرف دوسروں کی ہار سے کس طرح کا لطف لینا چاہتے ہو؟ —— صرف اس بات کا اطمینان کرنے جیت گئے ہو، تم دوسروں کو خالی ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو۔ اپنی مرضی، اپنے نظریئے، اپنے فیصلے۔ اور د کیا، تمہارا دل اہم ہے۔ اس کی مرضی اہم ہے۔ اور دوسروں کے لئے تم کیا سوچتے ہیں، وہ بے جا سچ بات تو یہ ہے کہ تم کہانی کو ختم کرنا چاہتے ہو تو صرف اپنے ڈھنگ سے۔ تمہیں دوسروں کا انجام ناپسند ہے تو صرف اس لئے کہ تم اپنا آپ عزیز رکھتے ہو۔ اس حد تک کہ انجام بھی اپنی مرضی کردہ چاہتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے، تم نہیں نباہ سکتے یہ تعلق۔ تم نہیں نباہ سکو گے یہ قید و بند۔ نفرت ان بندھنوں سے۔ اُلجھن دیتی ہیں تمہیں یہ رشتوں کی بیڑیاں —— تم توڑنا چاہتے ہو، آزاد چاہتے ہو مگر اپنے طریقے سے۔ تمہیں کسی اور کا طریقہ ناپسند ہے۔ کسی اور کا فیصلہ قبول نہیں۔ دوں گی تمہیں، یہ ڈر تمہیں لاحق ہے۔ تم نہیں چاہتے میں جاؤں، تمہیں چھوڑوں۔ تمہاری اندر کی ہو گی نا۔ تو اسے تسکین دینے کے لئے کیا کرو گے؟ میرا گلا دبا دو گے، مری جان لے لو گے؟ —

لو۔ لے لو یہ جان بھی۔ مگر میں تمہاری مرضی کا کوئی انجام اپنی زندگی میں نہیں چاہتی۔“ سر انکار میں تے ہوئے وہ پُرعزم تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے ساکت کھڑا دیکھ رہا تھا۔

”تم ہارنا نہیں جانتے —— تم ہارنا چاہتے بھی نہیں۔ سو راہیں روکو گے میری، جانے نہیں دو گے۔ چھوڑ کر چلی بھی گئی تو حیلوں بہانوں سے واپس بلاؤ گے اور واپس بلا کر اپنی مرضی کا انجام لکھو گے۔ انتی ہوں میں، چھوڑ دو گے ایک دن تم مجھے۔ مگر توڑنے کے بعد —— چھوڑ دو گے مجھے۔ مگر انا کا پندار ڑنے کے بعد۔ میرا وقار، میرا غرور، میرا مان توڑنے کے بعد —— چھوڑ دو گے مجھے جب تمہاری انا کا تم تمہیں سربلند دکھائی دے گا۔ کوئی ملال نہیں ہوگا تب تمہیں کہ ہارے ہوئے نہیں ہو گے۔ اپنی ہار سے لگتا ہے تمہیں۔ اپنی ہار سے ڈرتے ہو تم۔ روک لو گے مجھے ہر ایک بار۔ روک لو گے ہر بار۔ میں رک بھی جاؤں گی مگر تمہیں جیتنے دینے کے لئے نہیں۔ کوئی چیلنج دے کر میں تمہیں جیت پر اکسانا نہیں چاہتی۔ تمہیں شاید جیتنا ہی ہے مگر اس طرح نہیں۔ پلیز، بند کرو ایسا کھیل۔“ میرب سیال کہہ کر پلٹی تھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مجھ میں یہ انتشار خواب و خیال
اس کی باتوں کے پیچ و خم سے ہے
جز تمہارے بیاں کریں کس سے
وہ شکایت جو ہم کو ہم سے ہے

اندر ایک عجب انتشار تھا۔ کچھ بھی اپنی جگہ نہ تھا۔ بہت دگرگوں سی حالت میں وہ شیشے کے سامنے کھ
تیار ہو رہی تھی۔

ابھی تھوڑی دیر قبل عفنان علی خان دروازے کے اندر سر ڈال کر اسے تیار ہونے کے لئے حکم دے
تھا۔ غالباً کہیں جانا تھا۔ وہ ٹھیک سے سن تک نہ پائی تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت سے شاید وہ واقف تھا
اس کی مدد کے لئے عریشہ کو اس کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ عریشہ نے اس کے لئے مناسب ترین آؤٹ ف
کے ساتھ میچنگ سینڈل اور دیگر چیزیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دی تھیں اور مسکراتی ہوئی اس کا
تھپتھپا کر وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اپنے لئے منتخب کردہ چیزوں کی طرف آئی تھی۔

ساڑھی۔ بڑی حیرت سے فان کلر کی اس شیفون کی ساڑھی کو دیکھا تھا۔ عفنان علی خان کی طرف
اسے مشکل میں ڈالنے کا صرف ایک بہانہ تھا۔ اس نے کبھی ساڑھی نہیں پہنی تھی۔ ہاں، ممی کو پہنتے ض
دیکھا تھا مگر خود پہننا اور کیری کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ جانتی تھی۔ آج ضرور وہ اسے کسی مشکل میں گھراد
چاہتا تھا۔

”بھابی! آپ کو کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہے؟“ عریشہ نے سر اندر ڈال کر جھانکا تھا۔ اس نے
نفی میں ہلا دیا تھا اور پلٹ کر ساڑھی باندھنے لگی تھی پوری ساڑھی زمین پر گرائے وہ چنٹ ڈال رہی
جب دروازہ پھر کھلا تھا۔

”کیا عریشہ! کہا نا، تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔“ کسی قدر ناگواری سے کہتے ہوئے وہ مڑی تھ
”میرے لئے یہ کام مشکل ہے نا.......“

باقی کا جملہ زبان پر ہی رہ گیا تھا۔ وہاں عریشہ نہیں، عفنان علی خان کھڑا تھا۔ جہاں وہ بت بنی تھ
وہیں نظر جھکتی چلی گئی تھی۔ فوری طور پر اتنی ہمت تک نہ تھی کہ زمین پر پڑی ساڑھی کا آنچل پکڑ کر خود پر ڈ
سکتی۔ ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے تھے۔ وہ جہاں تھی، وہی جم گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سم
پیش قدمی کی تھی۔ وہ بت سا وجود اس لمحے فوری طور پر کوئی حرکت نہیں کر سکا تھا۔ مگر ان نظروں میں اَ

لہجہ ایک خوف واضح دکھائی دیا تھا۔

ایک ــــــ

دو ــــــ

تین ــــــ

جتنا فاصلہ درمیان تھا، عفنان علی خان کے قدم وہ فاصلہ سمیٹ چکے تھے۔

انابیہ شاہ کے اندر ہمت ناپید تھی کہ اپنے اتنے قریب اس شخص کو نگاہ اٹھا کر دیکھ سکتی اس کے اندر کی
حالت پہلے سے بھی زیادہ دگرگوں تھی۔ عفنان علی خان اس کے بے حد قریب کھڑا اسے چند ثانیوں تک
وہیں مبہوت سا تکتا رہا تھا۔ نظارہ کسی قیامت کا سا تھا۔ نظر کیسے نہ جمتی۔ توجہ کے کئی پہلو نکلتے تھے اس منظر
سے۔ کوئی بے خبر رہتا بھی تو کس درجہ؟ ـــــ انابیہ اس لمحے جیسے دم سادھے کھڑی تھی۔ عفنان علی خان
نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ شہادت کی انگلی ایک صراط بناتی ہوئی اس کے
گداز لبوں پر آن ٹھہری تھی۔ وہ کسی پتے کی طرح کانپ گئی تھی۔ اندر ایک قیامت سی اٹھی تھی جیسے۔ جھکتی
نظر زمین میں گڑ جانے کو تھی۔ مگر مقابل جو نگاہ تھی اس قدر پُرشوق تھی۔ نہ توجہ کم ہوئی تھی، نہ دیکھنے میں کوئی
تعطل واقع تھا۔

”پرہیز گاری کے سارے اصولوں سے واقف ہوں۔ مگر توبہ ٹوٹ جانے پر کوئی جواز پیش نہیں کر سکوں
گا۔“ سامنے دیکھتی نگاہ جہاں مبہوت تھی وہیں لہجہ بھی کھویا کھویا سا تھا۔

”کوئی گلہ کرو گی تو عبث ہوگا اگر دیکھ پاؤ تو جان جاؤ کہ اختیار قائم رکھنا آسان نہیں۔ اپنے قدموں پر
کھڑا ہوں۔ خردمندی کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ عجب پاگل ہوں نا ـــــ حشر کا سا عالم ہے اور میں اب بھی
انکاری ہوں۔ کتنا بے ایمان ہوں میں۔“ لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔ انابیہ شاہ کی جھکی
نگاہ اٹھی نہ تھی۔ چہرے کی کیفیت وہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ عجب بت بنی وہ اس کے سامنے کھڑی
تھی۔ اس کی جلتی نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا۔

”حسین، تراشیدہ خدوخال، یہ ایمان گنوانے پر مائل کرتے تیور، میں خود میں قائم ہوں تو شاید بھرم
باقی رکھنے کی کوئی صورت ہی ہوگی۔ جو نام دینا چاہو دے لو۔“ مدھم سرگوشی۔ اس کے سارے وجود کو جیسے
کسی الاؤ کا سامنا تھا۔

شاید وہ نظر بہکی ہوئی تھی۔

وہ لہجہ بے راہ رو تھا۔

مقابل شاید اپنے آپ میں نہ تھا۔

شاید آج کچھ ہونے کو تھا۔

کوئی قیامت آنے کو تھی یا پھر آ چکی تھی۔

وہ چاہتی بھی تو شاید روک نہ پاتی۔

قدم بڑھتے تو تعرض کی کوئی وجہ اس کے پاس نہ ہوتی اور.......

انابیہ شاہ قیامتوں کے اندر گھری کھڑی سوچ رہی تھی جب وہ جھکا تھا۔ انابیہ شاہ کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ اس کی ساڑھی کا آنچل اٹھا رہا تھا۔

شاید وہ گھڑی آنے کو تھی جب قیامت اس کے مقابل ہوتی۔ وہ لمحہ سر پر تھا جب شاید وہ بے آخری حد پر کھڑی ہوتی۔ وہ پل اس کے سامنے کھڑا صاف دکھائی دے رہا تھا جو اس سے اس کا سکھ سب کچھ چھین لینے کو تھا۔

وہ اس قیامت سے بچنے کو آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی۔

شاید یہ لمحہ کبوتر بن جانے کا تھا۔ وہ خطرات سے نمٹنا نہیں جانتی تھی۔ نمٹ نہیں سکتی تھی سو ان کو وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ مگر ——

کسی ہاتھ نے اس کے شانے کو تھاما تھا۔ ایک ہاتھ کا لمس اس کے شانے پر تھا اور وہ زیادہ دیر ا لمحے کی گرفت میں نہ رہ سکی تھی۔ آنکھیں جھٹ سے کھولی تھیں۔ لرزتی پلکیں اٹھی تھیں۔ مقابل کھڑ کو دیکھا تھا اور نظریں ساکت رہ گئی تھیں۔ وہ ہاتھ اس کے شانے پر آنچل رکھ رہا تھا۔ اس کے ڈھانپ رہا تھا۔ وہ حیرت سے پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان اس کی آنکھو جھانکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"چیز اپنی ہو تو نہ چرانے کی نوبت آتی ہے نہ لوٹ کھسوٹ کی۔ مجھے جب حاصل کرنا ہو گا، سے مانگ کر، تمہاری اجازت سے حاصل کروں گا۔ تم خوفزدہ تھیں؟" وہ جیسے محظوظ ہوتا ہوا مسکرا

"مجھ سے خوفزدہ ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ بہت اصول پرست اور حق پرست انسان ہو ایمانداری کی آج چھوٹی سی مشق تو دیکھ لی تم نے۔ آئی تھنک، کچھ زیادہ باور کرانے کی ضرورت با رہی ہو گی۔" ان چمکتی نظروں میں کوئی خاص بات تھی۔ انابیہ شاہ کے اس طرح دیکھنے پر وہ جا مسکرا دیا تھا۔

"یہ سچ ہے —— میں فرشتہ نہیں ہوں۔ مگر انسان بننے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔ سچ کہوں لمحہ بھر کو ڈگمگایا ضرور تھا مگر قدم ثابت رہے۔ اس ثابت قدمی کی مثال بننے کو کتنی قیامتیں جان پر گز یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ آئندہ احتیاط برتنا۔ دوبارہ ثابت قدمی کا دعویٰ کر سکوں گا نہ ایمان کی مض آخر کو بندہ بشر ہوں۔ دل بھی رکھتا ہوں اور جذبات بھی۔" شاید اس کے تاثرات سے حظ اٹھانے صورت تھی۔ وہ اس کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہوا تھا۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اس سے قبل کہ اس نے اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر پلٹنے کی سعی کی تھی مگر وہ سعی مزید گلے آن پڑی تھی۔ وہ تھی۔ توازن برقرار نہ رہا تھا۔ بے ترتیب پڑا آنچل غالباً سب سے بڑی وجہ رہا تھا اور دوسرے عفنان علی خان کی بانہوں میں تھی۔ عفنان اس چہرے کو بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے میں نظ چمک کچھ بڑھی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ ایک لمحے میں توازن برقرار رکھ کر اپنے قدموں ہوئی تھی۔

عفنان علی خان مسکراتا ہوا اسے دیکھتا ہوا پلٹا تھا اور چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ وہ جو

ی کھڑی تھی، ایک عجب اثر دیتی ہوئی پلٹنے کو تھی جب وہ مڑا تھا۔

"جلدی تیار ہو جائیے —— ورنہ مجھے سب کچھ منسوخ کرنا پڑے گا۔ آپ تیار ہو رہی ہیں نا ——؟"

ی جان قیامت میں ڈالنے کا وہ کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

انابیہ شاہ نے تمام تر غصے کو اپنے اندر کہیں دباتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس کے پاس اس علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"میری مزید کوئی ضرورت تو باقی نہیں؟ آئی مین اگر آپ کہیں تو عریشہ کو بھجوا دوں، وہ آپ کی ہیلپ دے گی۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نظروں کی مزید تاب نہ لا کر ہیل کو وہیں اتار کر ساڑھی کے تمام ل کو ہاتھوں سے سمیٹ کر پلٹی تھی اور ڈریسنگ روم میں گھس گئی تھی۔

عفنان علی خان مسکراتا ہوا واپس پلٹ گیا تھا۔

* * *

"ایک بات پوچھوں اذہان؟" آئس کریم کھاتے ہوئے ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے پیشگی اطلاع دیتے ہوئے دیکھا تھا۔

"شیور! —— مگر بات ڈھنگ کی ہونا شرط ہے۔"

"کیا مطلب؟ —— ساری بے ڈھنگی باتیں ہی میں کرتی ہوں؟" ساہیہ خان نے اسے گھورتے ئے کہا تھا۔

"نہیں —— کچھ بے ڈھنگی باتیں میں بھی کرتا ہوں۔ کچھ ہم دونوں مل کر کرتے ہیں جیسا کہ ابھی گھڑی کر رہے ہیں۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"اتنے خوبصورت لمحوں کو ضائع کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے، ہاں؟"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"تم مرد کثرت سے ڈائیلاگ مارنے کے عادی کیوں ہوتے ہو؟ —— جانتے ہو نا عورت بے ری ٹھہری سدا کی بے وقوف۔ دو چار چکنی چپڑی باتیں کر کے اسے رام کیا جا سکتا ہے تو پھر یہ گُر آزمانے ا دیر کیوں کی جائے؟"

اذہان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"تم ایسا سوچتی ہو؟" اس کے آئس کریم فلیور میں سے آئس کریم لے کر منہ میں رکھی تھی۔

"میں ایسا سوچتی نہیں ہوں بلکہ سمجھتی ہوں۔" ساہیہ نے اپنی آئس کریم اس کے آگے سے ہٹاتے ئے اسے گھورا تھا۔

"خود کو پوز کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے تمہیں۔ ہر جگہ خود کو ہرکولیس ثابت کرنا چاہتے ہو۔ چھوٹی توں میں خود کو تیس مار خان ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ ایون آئس کریم فلیور لیتے وقت بھی۔ تمہیں اسٹرابری رکار نہیں تھی نا تو اب کیوں؟" ساہیہ خان تپ کر بولی تھی اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

”یہ آج کیا ہو گیا ہے تمہیں ساہیہ؟ ——— یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ ——— تمہیں ا
شکایتیں کیونکر ہو گئیں مجھ سے؟ ——— اذہان حسن بخاری سے؟“ لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ ”آ
ایم اے کمپلیٹ پیکج آف ہزبینڈ۔ شکر کرو اتنے آرام سے دستیاب ہوں۔ ورنہ آج کل کے دور م
ہے اتنا اوبیڈ ینٹ قسم کا ہزبینڈ۔“

ساہیہ خان نے کسی قدر شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ایکسکیوزمی! تم اور اوبیڈ ینٹ ہزبینڈ۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”آئی تھنک، یہ اس صدی کا سب سے بڑا جوک ہے ——— گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ
کیجئے۔ آپ نے واقعی اس صدی کا سب سے بڑا جوک مارا ہے۔“

اذہان ہنس دیا تھا۔

”یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیا سارا جھگڑا آج ہی کر لو گی؟ ———
پرفیکٹ وائف بننے کی پیشگی مشق تو نہیں کر رہیں؟“ اذہان بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

”ڈونٹ ٹرائی ٹو بی اوور اسمارٹ ہاں ——— اب تم میرا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے چکنی چپڑ
استعمال مت کرو۔ اچھی طرح سمجھتی ہوں میں تم آدمیوں کی سائیکالوجی۔“ بہت دنوں بعد وہ
ساہیہ لگ رہی تھی۔ ترکی بہ ترکی بولنے والی۔ نہ ڈرنے والی، نہ جھکنے والی۔ بے ساختہ ہر بات کہہ د

اذہان اُسے بغور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

”اچھا، تو میں چکنی چپڑی باتوں کا استعمال کر رہا ہوں۔ بائی دی وے، تم جانتی کیا ہو ہم م
سائیکالوجی کے بارے میں؟ ——— بتاؤ، کیا خرابی ہوتی ہے ہم میں؟ اچھے خاصے وفادار ہو
لوگ یار! تم لوگ دن کو دن کہنے کے لئے کہتے ہو تو ہم کہتے ہیں۔ جہاں کھڑا ہونے کے لئے ک
اچھے بچوں کی طرح گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں۔ اور کیا کریں، بتاؤ؟ اپنی پوری زندگی اتنی لمبی طو
زندگی جسے مزید رنگین کر کے گزارا جا سکتا ہے، ہم تم لوگوں کے لئے، فقط ایک چہرے، ایک دل،
سے وابستہ ہو کر دن رات تمہیں دیکھتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ اور کیا ہاں؟ اور کیا ایکسپکٹ ک
خواتین ہم سے، بتاؤ۔“ اذہان حسن بخاری نے صورت حال سے بھرپور لطف لیا تھا۔

”ایکسکیوزمی! کیا کہا آپ نے؟ ——— ایک چہرے کو، ایک دل کو، ایک نظر کو دیکھتے ہو۔
ساری زندگی گزار دیتے ہو۔ تم لوگ جو جنگل میں بھی منگل کرنا جانتے ہو، ان کونوں کھدروں م
چھوٹی درزوں میں بھی تم انجوائے منٹ کے بہانے خوب ڈھونڈ لیتے ہو۔ ایک نظر کو دیکھتے ہو۔
نظروں کو اور بہ غور دیکھ لیتے ہو۔ چور چوری سے جا سکتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں۔ تم اپنی زندگی کو
بخوبی جانتے ہو۔ ورنہ آپ کا دم نہ گھٹ جائے۔ آپ مر نہ جائیں؟“ ساہیہ کی طرف سے بھرپور ج
ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ کسی قدر خرا

نی مگر وہ پوری توجہ سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”ہاں ——— واقعی، ہم تو مر جائیں اگر کوئی آپ جیسا ہماری زندگی میں نہ ہو۔ واقعی مر تو جائیں اگر
پ سا ہاتھ، ہاتھ میں نہ ہو۔“ اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے اس نے بہت بڑا ڈائیلاگ
را تھا۔ ساہیہ نے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دی تھی۔

”اتر آئے نا اپنی اصلیت پر۔ یہ تم لوگوں کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ تیر اچھا ہے اور بروقت بھی۔ مگر میں
ین کیسے کروں اذہان حسن بخاری! جبکہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کی نظریں مجھے کم اور میرے پیچھے والی
بز پر بیٹھی لڑکی کو زیادہ دیکھ رہی ہوں۔ وہی کونوں کھدروں سے رنگ ڈھونڈنے والی بات ہو گئی نا۔“
اتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

”تمہارا جواب نہیں ساہیہ! ——— سیانے ٹھیک کہتے ہیں۔ بے وقوف محبوبہ زیادہ بہتر ہوتی ہے بجائے
یک عقل مند بیوی کے۔ بٹ ٹرسٹ می، آئی وِل بی آل ویز یور۔ پوری سچائی سے، ایمان داری سے۔ یقین
ر لو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہو گا۔ مجھ سمیت۔ ایمان، امید، محبت، سب کچھ ——— کبھی تبدیلی نہیں ہو گی۔
و چار سالوں بعد جب تم اتنی خوبصورت بھی نہیں رہو گی تب بھی نہیں۔ اور دس سالوں بعد جب کچھ موٹی ہو
اؤ گی تب بھی نہیں۔ اور کچھ سالوں بعد بھدی ہو جاؤ گی تب بھی نہیں۔“

ساہیہ نے اسے گھورا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

”کم آن یار! شہر میں اتنے سارے سلمنگ اور فٹنس کلب کس لئے ہیں؟ اور بیوٹی سیلون کس دن کام
ئیں گے؟“

”اذہان!“ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ”الٹس ٹو مچ ہاں۔“ ہاتھ اٹھا کر اسے وارننگ
ی تھی مگر اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو بہت گرم جوشی سے اپنے ہاتھ میں تھام لیا
تھا اور اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

”ساہیہ! مجھے واقعی تمہاری بہت ضروری ہے۔ ایک دو قدم کے لئے نہیں، تمام عمر ساتھ چلنے کے لئے۔
یک دو لمحوں کے لئے نہیں، تمام عمر ساتھ رہنے کے لئے۔ مجھے واقعی تمہاری ضرورت ہے۔“ لہجہ خالص اور
بھرپور تھا۔ یہ نہ تو کوئی مذاق تھا نہ کوئی روایتی جملے۔ وہ اس وقت واقعی دل سے یہ سب کہہ رہا تھا۔ ساہیہ
نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

”بہت ڈرنے لگی ہوں اذہان! ——— بہت زیادہ خوفزدہ رہنے لگی ہوں۔ سب خواب جیسا لگتا ہے۔
ڈرتی ہوں آنکھ کھلے تو خود کو کسی گمان میں نہ پاؤں۔ ابھی جو خود کو ہواؤں میں اُڑتا ہوا، رُوئی کی طرح تیرتا
محسوس کرتی ہوں، کل کہیں اپنے پیر تپتی ریت پر نہ پاؤں۔“ مدھم لہجے میں عجب خدشے سے تھے۔ جھکی نظر
جانے کس خوف کے تحت کانپ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”اوہ، کم آن یار! ——— ٹرسٹ می۔ ہماری زندگی میں کہیں دور تک بھی کوئی ولن نہیں ہے۔ بلیو می،
اس اے پی لو اسٹوری جو ایک اچھے اینڈ کے ساتھ ختم ہونے جا رہی ہے۔“ یقین دلانے کا اند [illegible] بہت
دلچسپ تھا مگر ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔

’’ختم ہونے نہیں، آغاز ہونے۔ ہماری پپی لائف شروع ہونے جا رہی ہے۔‘‘ اس نے جا
اذہان مسکرا دیا تھا۔

’’ہاں۔ آغاز ہونے جا رہی ہے اور یہ تم ٹپیکل وائف کیوں بننے لگی ہو ابھی سے؟ ــــــ بالکل
کی طرح ٹریٹ کرنے کا انداز ہوتا ہے تم عورتوں کا۔‘‘

ساہیہ نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ دبا نہیں سکی تھی۔ تبھی جب وارننگ دینے کے ا
اٹھایا تھا تو لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

’’اذہان! ناٹ اگین ہاں۔ ہم بہت فضول بحث کر چکے ــــــ اب اٹھو۔ بہت سے کام نمٹانے
ساہیہ نے تحکم بھرے انداز میں کہا تھا۔

’’کیا ہے یار! تم بھی نا۔ کتنے دنوں بعد ہم ٹینشن فری ماحول میں مل کر بیٹھے تھے۔ بات کرتا
رہا تھا اور تم.......‘‘ اذہان نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا
آیا۔ اس نے والٹ سے پیسے نکال کر ٹیبل پر رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ساہیہ کی طرف دیکھا تو مسکر

’’اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ ــــــ او کے یار! شادی کے بعد گھر کا بجٹ تم بنایا کرنا۔ جب
آزاد ہوں، اپنے ڈھنگ سے جی لینے دو۔‘‘

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

’’تم تو بعد میں آنے والی زندگی کا خاکہ اس طرح کھینچتے ہو جیسے تم بہت معصوم چوزے ہو اور
جلاد، ہاتھ میں خوفناک ہتھیار لئے میں تمہارے پیچھے ہوں گی اور تم میرے آگے آگے۔‘‘

’’بالکل ٹام اینڈ جیری کی طرح۔ ہے نا؟‘‘ اذہان حسن بخاری نے اس کے کھینچے گئے نقشے کو کم
اور ہنس دیا تھا۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

’’انٹرسٹنگ نا۔ ویسے مجھے ٹام اینڈ جیری واقعی بہت پسند ہیں۔ اچھا شوہر میں ہوں یا نہیں مگر ا
ضرور ہوں گا۔ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کارٹون دیکھا کروں گا۔ اگر تمہارا دل چاہے تو تم بھی
دے سکتی ہو۔‘‘

ساہیہ نے اسے گھورنا چاہا تھا مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ بہت فطری انداز میں کئی رنگ اس۔
پر پھیل چکے تھے اور وہ گھورنا تو در کنار اس گھڑی ڈھنگ سے اس کی سمت دیکھ تک نہ سکی تھی۔ اگرا
جان پاتی کہ اذہان حسن بخاری اسے کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ریسٹورنٹ سے نکلنے سے گاڑی میں بیٹھنے تک وہ اپنا دھیان پھیرے رہی تھی۔

’’کتنی مزیدار لائف ہو گی نا۔ مجھے تو ابھی سے سوچ کر ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے۔‘‘ چابی ا
لگاتے ہوئے اذہان حسن بخاری نے بدستور شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

’’ہم اپنے بچوں کے نام بھی ٹام اینڈ جیری رکھیں گے۔ لیکن اگر دو سے زیادہ ہوئے تو
خدشے کے پیش نظر اس نے ساہیہ کو دیکھا تھا۔

’’شٹ اپ اذہان! ــــــ گاڑی چلاؤ۔ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔‘‘ اس کی سمت بنا دیکھے ا

خاری اس لمحے کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

* * *

کب تک بام و در سے اُلجھیں
وحشت ہے تو گھر سے نکلیں
جاگی ہوئی ان گلیوں میں
رات گئے تک تنہا گھومیں
بھولے بسرے سے دو نیناں
آتے جاتے رستہ روکیں
پیار سے کوئی حال جو پوچھے
سر اس کے کاندھے پر رکھ دیں
ایسا نہ ہو جی بیٹھ ہی جائے
کب تک چڑھتے چاند کو دیکھیں

ن آیا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ کمزور پڑنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر آنکھوں سے خود بخود آنسو
ے۔

یشان ہو میرو!‘‘ پاپا جانے کیسے جان گئے تھے۔

پاپا! بس آپ سب کو بہت مس کر رہی ہوں۔‘‘ اس نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا تھا۔

نہیں ہمیں مزید مس نہیں کرنا پڑے گا۔ آئی ایم کمنگ۔‘‘ پاپا نے اطلاع دی تھی۔

لمحے خوش ہونے کی بجائے حیران ہوئی تھی۔

طلب؟‘‘ اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ کہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تو کوئی شکایت نہیں لگا دی؟
فون کر کے ساری باتیں گوش گزار تو نہیں کر دیں کہ سارا الزام اگر آئے تو اس کے سر آئے اور
بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔

سیال نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے خیالوں کے برعکس بہت
اسٹیئرز اتر رہا تھا۔ مگر میرب کی سوچ اور نگاہ اسی شخص سے بندھ گئی تھی اور پاپا کہہ رہے تھے۔

ہیں ابھی بزنس کے جھمیلوں میں الجھانا نہیں چاہتا تھا۔ سو سارا بزنس اور اس کی دیکھ بھال شمسی
ردی تھی۔ مگر اس نے بہت سی جگہوں پر اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور ہماری کاروباری
دھچکا لگایا ہے۔ اس کی لوٹ کھسوٹ کی ایک لمبی فہرست ہمیں وقتاً فوقتاً ملتی رہی ہے۔ مگر اب
ت سے باہر ہو چکی ہے۔ ہم نے اس پر اعتبار کر کے بہت بڑی غلطی کی۔‘‘ پاپا بڑے افسوس
میں کہہ رہے تھے۔

پاپا! شمسی انکل تو آپ کے بہت اعتماد کے بندے تھے ــــــ یوں وہ کئی بار مجھ سے بھی سائن
مجھے ان کے رویے میں کہیں کوئی تبدیلی دکھائی نہیں دی۔ پاور آف اٹارنی تو میرے نام تھا پھ

یہ سب کیسے ہوا؟'' وہ حیران تھی۔

پاپا مسکرا دیئے۔

''بیٹا! رشتوں کو ہمیشہ آنکھیں بند کر کے اور کاروبار کو ہمیشہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہئے
صورت تبھی نکل سکتی ہے۔ آپ ابھی بہت چھوٹی ہو۔ کاروباری الجھنیں اور داؤ پیچ نہیں سمجھ سکتیں
میں آ کر دیکھ لوں گا۔ جو نقصان ہوا وہ اتنا بڑا پھر بھی نہیں ہے۔ مگر بر وقت ہمیں اطلاع مل گ
آسان ہے۔ اینی ہاؤ، آپ اپنا خیال رکھو۔''

''جی پاپا!'' اس نے فون رکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا جواب ا
قریب پہنچ چکا تھا۔

''رشتوں کو ہمیشہ آنکھیں بند کر کے اور کاروبار کو ہمیشہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہئے۔ اعتبا
تبھی نکل سکتی ہے۔'' پاپا کی آواز اس کے اندر کہیں سے اُبھری تھی۔ مگر اس نے سر جھٹک کر
حیدر لغاری کی طرف دیکھا۔ وہ غالباً نہیں، یقیناً آفس جانے کے لئے تیار تھا۔

''پاپا سے آپ کی بات ہوئی تھی؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں۔''

''تو آپ نے ان سے کیا کہا؟''

''میں نے؟ ـــــــ مجھے ان سے کچھ کہنا تھا کیا؟'' اکھڑے لہجے میں سردار سبکتگین حیدر ل
اسی سے سوال کر دیا۔

''بنئے مت۔ آپ نے ان سے کچھ تو کہا ہو گا۔'' میرب سیال اپنی بات پر سختی سے جمی
اسے بہت اطمینان بھری نظروں سے دیکھا گیا۔

''کیا کہوں گا ہاں، کیا کہوں گا میں ان سے؟ ـــــــ تمہارے خلاف کان بھروں گا، کیا
ہی خلاف محاذ کھڑا کروں گا کیا؟ ہاں، بولو کیا؟ ـــــــ بقول تمہارے کوئی ایک گن بھی مجھ م
کس بل بوتے پر قائل کروں گا؟ تم سمجھ کیا رہی ہو، میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے، کوئی اور کا
تصورِ جاناں کئے ہوئے تمہیں سوچتا رہوں یا پھر تمہارے خلاف محاذ آرائیاں کرتے ہوئے
کرتا رہوں۔ تم سمجھ کیا رہی ہو ہاں؟ کیا سمجھ رہی ہو تم خود کو ـــــــ بہت اہم ہو تم؟ ـــــــ
تمہیں دیکھنے، تمہیں سوچنے، تمہارے آگے پیچھے بھاگتے رہنے کے علاوہ میرے پاس کوئی
ایکسپکٹ کر رہی ہو تم مجھ سے؟ میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے؟ چھوڑ د
تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جاؤں؟ بولو کیا کروں؟'' وہ جیسے ایسے ہی کسی لمحے کی تلاش میں
اندر کے غبار کو باہر نکال سکتا۔ وہ اس لمحے پھٹ پڑا تھا۔

میرب حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ات تمہارے باپ سے بات کیا کر لی تم نے الزام لگانے شروع کر دیئے۔ تم سو رہی

ہے؟ ان کا فون وہاں امریکہ سے آ گیا تو میری غلطی ہے؟ میرا گھر ہے، میرے گھر کا فون
نے اٹھا لیا تو کیا جرم کر دیا؟ تم اس وقت موجود نہیں تھیں۔ خواب خرگوش کے مزے لوٹ
را قصور ہے؟ میں نے اپنے گھر کا فون اٹھایا۔ ان سے تمیز سے بات کی۔ کہہ دیا کہ آپ سو
ط کیا؟ کیا مجھے آپ کو اس وقت اٹھانا چاہئے تھا، بازوؤں میں لا کر یہاں فون پر کھڑا کرنا
پ کے لئے کوئی اہم ترین میسج ڈائری میں نوٹ کر لینا چاہئے تھا؟ مجھے کیا کرنا چاہئے تھا
ل صاحبہ؟'' انتہائی غصے سے وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

ں جواباً کچھ نہیں بول سکی تھی اور وہ ہاتھ اٹھاتا اسی درشت انداز میں گویا ہوا تھا۔

کا ملازم نہیں ہوں۔ نہ ہی آپ کا پی اے ہوں۔ آپ کو حکم جمانے کا زیادہ شوق ہو تو آپ
یہ گھر اور اس کی ایک ایک اینٹ، ایک ایک چیز میری ہے۔ اس گھر میں جو بھی ہے وہ سب
چیزوں کو استعمال کرنے کا ڈھنگ میں بخوبی جانتا ہوں۔ نہ تو مجھے اس کے لئے کسی کی
ت ہے نہ کسی مشورے کی اور نہ ہی کسی حکم نامے کی۔ آئی ایم دی آنر بائے مائی سیلف۔
عادت ہے۔ سننے یا لینے کی نہیں۔ آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے احتیاط برتئے گا۔ اپنی
ی سمت جاتے تمام راستوں کو اپنی سمت موڑنے کا ڈھنگ سردار سبکتگین حیدر لغاری بخوبی
سبکتگین حیدر لغاری یقیناً وہ نہیں ہے جو تم اسے سمجھی ہو۔ کیپ دی لمٹ۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر
ے کر پلٹا اور چلتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ صبح صبح اس کا لہجہ کیسی آگ اُگل رہا تھا۔

ی، وہ نرمی، وہ لہجے کی گرمی!

ا۔ ایک لمحے میں دوبارہ وہی سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔ ایک لمحے میں وہی دوری تھی اور

ا کہ درمیان میں کوئی نرم موڑ آیا بھی تھا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ کوئی ایک نہیں، کئی خوشگوار لمحے
رسے بندھے ان کے درمیان فاصلے سمٹتے رہے تھے۔ لگتا ہی نہ تھا ـــــــ
ا۔

ا کے کل شام کے رویے کے بعد کا یہ نیا لائحہ عمل تھا۔

ا سر جھکائے کھڑی تھی۔ جانے کب گی چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔ اک عجب سا
ے پر تھا۔ شاید وہ جنت اپنے قدموں میں لینے جا رہی تھی۔ یہ اسی بات کا اعجاز تھا۔ میرب
ا دیکھا تھا مگر ان دنوں کی تازگی پہلے جیسی نہیں تھی، اس سے کچھ بڑھ کر تھی۔ مگر بات ایک
ونے سے بھی کچھ زیادہ کی تھی۔ شاید وہ گین کے قریب تھی۔ اس کے پاس تھی اور یہی خوشی
کانے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کا گھیراؤ بھی کر رہی تھی۔ میرب نے نگاہ اٹھا کر اپنے
، حد خوبصورت نظر آتی، دنیا کی سب سے زیادہ خوش نصیب عورت کو دیکھا تھا۔ وہ ایسا نہ
خاص احساس اس لمحے گی کو بہت خاص ثابت کر رہا تھا۔
ا تھی۔

ایک خاص ترین شخص کا دل۔

وہ اس کے بچے کو جنم دینے جا رہی تھی۔

وہ شخص جو عورت کو ایک کھلونے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا، وہ گی کو ایک اہم ترین مسند پر
کچھ تو خاص بات تھی اس میں۔ وہ اگر اس کے گھر میں تھی تو ضرور دل میں بھی تھی۔ اور وہ
اپنی طرف آیا تھا۔

اس کے لئے اس کا پیار، محبت، توجہ، نرمی، لچک پذیری سب دھوکا تھا۔ وہ ایک ساتھ دو
یاب ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں کامیاب بھی ہونا چاہتا تھا۔

میرب اس کیلئے ایک چیلنج سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ وہ کبھی نہیں ہارا تھا۔ شاید اسی لئے
جنون بڑھ چلا تھا۔

کئی آنسو چپ چاپ بے قدر سے پلکوں کی باڑ پھلانگ کر چہرہ بھگو گئے تھے۔ گی نے ا
دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ـــــ؟" پوچھنے کے ساتھ بہت دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ بھ
اس کا دل بہت بڑا تھا یا پھر وہ سمجھوتہ کرنا چاہتی تھی یا پھر یہ بھی تھا کہ وہ اس کی حیثیت گی
جانتی تھی۔

وہ جانتی تھی وہ گین کی زندگی میں کتنی جگہ رکھتی ہے اور کتنی وقعت!

گی یقیناً سمجھ دار تھی۔ اور وہ ـــــ؟ اپنی آنکھیں سختی سے رگڑتی ہوئی میرب نے گی کو

"میرا دل تمہاری طرح بڑا نہیں ہے گی! ـــــ آئی کانٹ ایکٹ لائک یو۔" نفی میں
عجیب گنجلک انداز میں بولی تھی۔ گی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا

"وہاٹ ڈز اِٹ مین؟ وہاٹ آر یو سیئنگ؟" وہ غالباً اس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہو

"گین نے کچھ کہا؟ ـــــ تم رو رہی ہو؟" شستہ انگریزی میں کہتے ہوئے گی نے
گرد پھیلایا تھا مگر میرب نے اس کھوکھلے سہارے کو دوسرے ہی لمحے جھٹک دیا تھا اور
طرف دیکھتی ہوئی درشت انداز میں بولی تھی۔

"مجھے تمہاری یا تمہارے اس گین کی کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ سنا تم ۔
ہوں۔ نہ ہی کبھی کمزور پڑوں گی۔ تم ابھی گین کو نہیں جانتی ہو۔ میں جانتی ہوں۔ عو
کھلونے سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ تم سے کھیل چکا ہے۔ کچھ دیر اور کھیلے گا اور بالآخر اپنی
دے گا۔ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ وہ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ وہ کبھی نہیں بدلے گا۔ بندھن اس
ہیں۔ رشتے اس کے لئے مذاق ہیں۔ تم جس حالت میں اس کے ساتھ رہ رہی ہو شاید
ہو۔ مگر جب تم رشتے کے متعلق کہو گی تو وہ تم سے کوئی بندھن نہیں باندھ سکے گا۔ کیونکہ
بندھنا بالکل پسند نہیں ہے۔ اس کی نفسیات یہی ہے۔ جو شے اس سے جتنی دوری پر
ہے۔ جتنی قریب ہے، اتنی ہی بے وقعت ہے۔ اگر تم اس کی زندگی میں کوئی جگہ باقی

ن کو قائم رکھو۔ اس سے دوری پر چلی جاؤ۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے آ جائے گا۔ شاید اپنا بھی لے۔ مگر
مدت کے لئے نہیں۔ ایسا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ وہ ایسا ہی ہے۔ وہ گلابوں سے عشق کرتا ہے۔
اس کی توجہ کا مرکز ہیں۔ مگر خود وہ ایک تھیرون ہے۔ یس، ہی اِز لائک اے تھیرون! ـــــ وہ ایک
ہے جو چبھتا ہے اور صرف درد دیتا ہے۔" آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ وہ کہتی ہوئی پلٹی تھی اور
یاں پھلانگ گئی تھی۔

گی حیرت سے کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ بہت کچھ اُردو میں اور ایک آدھ جملہ انگریزی میں۔ وہ مفہوم
تو نہیں جان پائی تھی مگر اس کا انداز اور کچھ جملے اسے سمجھا گئے تھے کہ وہ بہت ڈپریس ہے اور شاید گین
ی حد تک خفا بھی اور یہ برہمی بھی شاید اس لئے تھی کہ وہ یہاں تھی۔ اب جب اس نے اس سے بات
تو اسے لگا تھا کہ وہ ان دونوں ہزبینڈ وائف کے درمیان انٹرفیئر ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اسی
کھڑی تھی جب اس کا سیل بجا تھا۔ اسکرین پر "گین" روشن تھا۔

اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"کہو گین!"

"میں نے تمہیں یاد دہانی کے لئے فون کیا ہے۔ آج تمہارا ریگولر چیک اپ ہے۔ ڈاکٹر رابعہ قمر کے پاس۔"

"تھینکس! میں جانتی تھی۔" گی چونکتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"تم تیار رہنا۔ میں چار بجے تمہیں پک کر لوں گا۔" گین نے کہا مگر اس نے فوراً سر نفی میں ہلا دیا۔

"نہیں گین! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے تردد کیا۔ گین دوسری
متفکر دکھائی دیا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی مکمل توجہ گی کی سمت تھی۔

"آر یو شیور؟"

"یس! آئی ول مینج۔" گی نے اسے مطمئن کرنے کو کہا تھا۔

"پھر بھی اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے فون کر لینا۔ میں میٹنگ میں ہوں گا مگر تمہاری کال ریسیو ہو جائے
" اس کے تعرض کے باوجود سبکتگین حیدر لغاری اس کے لئے متفکر دکھائی دیا۔

گی مسکرا دی۔

"تم فکر مت کرو۔ بائی دی وے، تھینکس فور دی کیئر۔"

"میں نے ڈاکٹر رابعہ سے بات کر لی ہے۔ ان کے نزدیک کوئی کمپلی کیشنز فی الحال نہیں ہے۔ مگر پھر
چیک اپ کے بعد مجھے کال کر کے ضرور بتا دینا۔ ورنہ ڈاکٹر رابعہ سے مجھے خود بات کرنا پڑے گی۔" وہ
کے لئے مکمل طور پر کنسرن تھا۔ گی کے لئے اس کی فکر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"میں تمہیں بتا دوں گی۔" گی نے اطمینان دلایا۔

"میں دوبارہ فون کروں گا۔"

گی نے مسکراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

* * *

سمٹ جانے سے پہلے کچھ بکھر کے دیکھ لیتے ہیں
ہوا کی لے پہ رقص شام کر کے دیکھ لیتے ہیں
بہت دن آگہی کے نام پر دنیا نے بھٹکایا
سو کچھ دن کنج غفلت میں ٹھہر کے دیکھ لیتے ہیں
جہاں پر تھا غرور کج کلاہی کا بھرم ہم سے
اسی رہ سے شکستہ پا گزر کے دیکھ لیتے ہیں

بہت دن بعد وہ لامعہ کے ساتھ بیٹھی کسی بات پر بے ساختہ ہنس رہی تھی۔ لامعہ نے اس کے بغور دیکھا تھا اور مسکرا دی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' انابیہ شاہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا پھر ہات کی سمت بڑھا کر پانی کے وہ ننھے منے قطرے صاف کرنے لگی تھی جو کھلکھلا کر ہنسنے کے باع آنکھوں میں جمع ہو کر رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ وہ بہت کم کم ہنستی تھی۔ سو یہ مواقع بھی بہت کم میں میسر آتے تھے۔ اپنی طرف دیکھتے پا کر لامعہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس کے چہرے سے ہوئی مسکرا دی تھی۔

''بہت کم لوگ ہنستے ہوئے خوبصورت لگتے ہیں۔''

''جھوٹ۔'' انابیہ شاہ نے بلاتردد اسے دیکھا تھا۔ لامعہ نے چونک کر دیکھا تھا تبھی وہ م وضاحت دیتی بولی تھی۔

''ہنستے ہوئے سبھی لوگ اچھے لگتے ہیں۔ ہاں، روتے ہوئے بہت کم لوگ خوبصورت ل انابیہ کی بات میں لاجک تھی۔ لامعہ مسکرا دی تھی۔

''یو آر ریئلی اے لکی گرل۔ عفنان بہت محبت کرتا ہے تمہیں۔ شاید یہ بات تم نہیں جانتی ہو بات پر انابیہ کے چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ لامعہ پر سے نگاہ ہٹانے کے ساتھ کی سمت سے اپنا چہرہ بھی پھیر گئی تھی۔ انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر کوئی بحث نہیں کرنا لامعہ جانے کیوں بضد دکھائی دی تھی۔

''انابیہ! تمہیں برا لگے گا اور شاید لگنا بھی چاہیے۔ آئی ایم دی تھرڈ پرسن۔ اور مجھے کوئی رائ تم لوگوں کے تعلق کو لے کر کچھ ڈسکس کرنے کا یا انٹرفیئر کرنے کا۔ مگر انابیہ! میں تمہیں ایک بہ بات کہنا چاہتی ہوں۔ محبت جب دستکیں دے تو اپنے دل کے دروازے وا کرنے میں د چاہیئے۔ ورنہ دستکیں کھو جاتی ہیں اور دل کے دروازے کی سمت آتے قدم اور ان کی آہٹیں خواب جاتی ہیں۔''

لامعہ کا لہجہ اس کے لئے مخلص تھا مگر وہ بہت سرسری انداز میں اس کی طرف دیکھ کر نگاہ د تھی۔

''محبت ـــــ تم کیا جانتی ہو محبت کے بارے میں؟'' انابیہ کا لہجہ بہت سرسری سا تھا

کا واقعہ ڈسکس کر رہی ہو۔ لامعہ نے اس کی جانب دیکھا تھا اور بنا کوئی وضاحت یا جواب دیئے ہ پھیر گئی تھی۔ انابیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔ غالباً وہ کسی کی بھی محبت ڈیزرو نہیں کرتا۔ تمہیں اس سے ہمدردی ہو رہی ہے۔ تم اسے فیور کر رہی ونکہ تم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو یا پھر جان کر بھی نظر انداز کرنا چاہتی ہو۔ لامعہ! یہ جو محبت ہے بری شے ہے۔ یہ کبھی اپنی مخالف سمت سوچنے ہی نہیں دیتی۔ تم بھی عفنان علی خان کی مخالف سمت ہیں پا رہی ہو۔ شاید کبھی تم نے بھی تو محبت کی تھی نا اس سے۔ تمہیں عفنان علی خان غلط نظر نہیں آئے ونکہ تم اسے ٹھیک طریقے سے دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ دل کی نظر سے ہٹ کر اگر صرف باہر کی آنکھ انچ کر دیکھو تو وہ مجرم تو ہے۔''

''مجرم؟ ـــــ کیا، کیا ہے اس نے؟'' لامعہ چونکی تھی۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

''دل ـــــ دل توڑا ہے اُس نے۔ اور دل دُکھانا سب جرموں سے بڑا جرم ہے اور وہ اس جرم کا ب ہوا ہے۔''

''دل؟ ـــــ کس کا دل؟ ـــــ کیا اس نے تمہیں ہرٹ کیا؟'' لامعہ اس لمحے شدید ترین الجھن کا دکھائی دی تھی۔ شاید وہ تصویر کا ایسا رخ دیکھنے جا رہی تھی جو اس سے قبل اس نے نہیں دیکھا تھا یا پھر جانا تھا۔

انابیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''جانے دو لامعہ! بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میں جو کر رہی ہوں مجھے کرنے دو۔ جس دن کچھ صاف ہو جائے گا تمہاری سمجھ میں بھی آ جائے گا۔ فی الحال سب کچھ بہت الجھا ہوا بھی ہے اور یدہ بھی۔'' انابیہ شاہ کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔

لامعہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

''تم کر کیا رہی ہو؟ ـــــ پاگل ہو گئی ہو؟ اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے کمپلی کیٹڈ کر رہی ہو اور تمہیں حماقت کا اندازہ تک نہیں ہے۔ عفنان علی خان تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تم جانتی ہو یہ بات۔ میں جانتی ل۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ایک اُلجھی ہوئی زندگی گزارنے پر تلی ہوئی ہو؟''

''میں نے کہا نا، تم نہیں سمجھو گی۔'' لامعہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''انابیہ! تم نے کبھی محبت کی ہے؟'' لامعہ کا سوال شاید بہت غیر متوقع تھا۔ انابیہ کے چہرے کی کراہٹ ایک لمحے میں معدوم ہو گئی تھی۔ غالباً اب تک پوچھا جانے والا یہ ناپسندیدہ ترین سوال تھا جس کا واب انابیہ دینا ضروری نہیں سمجھتی تھی۔ اس کے چہرہ پھیر لینے پر غالباً لامعہ کو تو یہی لگا تھا۔

''لامعہ! تم مجھ سے کیا ایکسپکٹ کر رہی ہو؟ کیا لگتا ہے تمہیں، میں تمہیں کیا جواب دوں گی؟'' اس کی رف سے چہرہ پھیرے انابیہ مسکرائی تھی۔ لامعہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں انابیہ! بٹ آئی نو ون تھنگ۔''

''وہاٹ؟'' انابیہ مسکرائی تھی۔

''آئی جسٹ جیلس آف یو۔'' لامعہ بولی تھی اور انابیہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''اگر یہ مذاق ہے تو اچھا ہے۔ لیکن اگر تم سنجیدہ ہو تو پھر مجھے سیریس ہونا پڑے گا۔ نہ ص
ہونا پڑے گا بلکہ کوئی نوٹس لینے کے ساتھ کوئی اسٹریٹجی بھی تمہارے لئے بنانا پڑے گی۔ صاف
ہے اگر تم میرے شوہر پر نظر رکھو گی تو مجھے برا تو لگے گا نا۔ نہ صرف برا لگے گا بلکہ مجھے کچھ کچھ ہ
گا۔'' وہ متواتر مسکرا رہی تھی۔ غالباً اس موضوع کو سرے سے مذاق میں اُڑا دینا چاہتی تھی او
دیکھ کر رہ گئی تھی۔ انابیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور توجہ سے اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

''لامعہ! تم سب کے متعلق سوچ رہی ہو۔ کچھ اپنے متعلق بھی سوچا ہے؟''

''ہاں، سوچتی ہوں اپنے بارے میں بھی۔'' سر جھکا کر بجھے بجھے سے انداز میں جواب دیا تھ

''پھر؟'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''کچھ اچھا نہیں لگتا انابیہ! بعض اوقات۔ جو بات کوئی نہیں جانتا وہ دل جانتا ہے۔ اور دل جینے نہ
انابیہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''لامعہ! ایسے جیا نہیں جاتا۔''

''اور جو تم جی رہی ہو وہ جینے کا طریقہ ہے یا زندگی ہے؟'' لامعہ نے اس کی طرف جوا
انابیہ کے پاس اس وقت شاید کوئی جواب نہ تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چند
انابیہ گویا ہوئی تھی۔

''زندگی ایک مسئلہ ہے لامعہ! اور محبت ایک لایعنی مسئلہ ہے۔ محبت اور زندگی کے مابین اُ
کامن ہے تو وہ صرف مسئلہ ہے۔ میں اسے سلجھانا چاہتی ہوں۔ کوشش کر رہی ہوں۔ جانتی نہیں
اور.......'' بولتے بولتے سر اٹھا کر دیکھا تو عفنان علی خان نظروں کے عین سامنے کھڑا تھا۔ انا
گئی تھی جبکہ لامعہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''کہئے عفنان! کیسے ہو تم؟''

''پرفیکٹ۔ تم کیسی ہو؟ بہت دنوں بعد صورت دکھائی۔''

''ہاں ــــــ میں چاند پر تھی۔'' لامعہ مسکرائی تھی۔

''اچھا ــــــ بتایا ہوتا تو ہم بلوا لیتے یا خود چلے آتے۔'' عفنان نے مسکراتے ہوئے نظر او
بیٹھی انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک خوشگوار جملہ اچھالا تھا۔

لامعہ مسکرا دی تھی

''چاند پر لوکل ہزبینڈ کا داخلہ ممنوع ہے۔''

''اوہ ــــــ تب تو میں بڑے آرام سے داخل ہو سکتا ہوں۔ اچھا ہوا تم نے بتا دیا۔'' عفنا
کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں گہری شرارت۔ لامعہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''انابیہ! کیا کرتی ہو یار؟ تم اپنے ہزبینڈ پر قابو کیوں نہیں رکھتی ہاں؟ بی آ اسٹرونگ وومن یا

نکل گیا تو سر پیٹتی رہ جاؤ گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انابیہ کی طرف دیکھا تھا مگر انابیہ نے سوائے
ے اس شخص کی جانب دیکھنے کے کوئی اور عمل سرانجام نہیں دیا تھا۔
عفنان علی خان نے اس کی طرف ایک نگاہ خاص کی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

''تم اسے پٹیاں مت پڑھاؤ۔ وہ آل ریڈی جانتی ہے اسے کیا کرنا ہے۔ غالباً تم سے زیادہ سمجھ بوجھ
اس کے پاس اور تم سے زیادہ عقل ہے۔ لہجے میں ہی نہیں اس وقت اس کی نظروں میں بھی ایک کاٹ
۔ انابیہ نے اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی۔ لامعہ نے ان دونوں کے درمیان کشیدگی دیکھی تھی اور مسکراتی
اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں۔'' پھر انابیہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ ''انابیہ! تم ایک چکر لگا لینا۔ مام بہت
ں سے تمہیں پوچھ رہی تھیں۔''

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میری طرف سے بھی ان کو پوچھ لینا۔''

''اوکے۔'' لامعہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور باہر کی طرف قدم بڑھانے لگی تھی۔ انابیہ اٹھی تھی۔ ارادہ وہاں
ے نکل جانے کا تھا مگر عفنان علی خان اس کے سامنے آن رکا تھا۔ انابیہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی اور
درمیان پھیر لیا تھا۔ غالباً اب وہ مدعا سننے کی منتظر تھی۔ عفنان علی خان اسے اسی طرح دیکھتا رہا تھا۔

ایک ــــــ

دو ــــــ

تین ــــــ

کتنے ثانیے چپ چاپ دبے پاؤں گزرے تھے۔ عفنان علی خان کی سمت سے عرضِ مدعا نہ ہوا تھا۔
بیہ نے نگاہ دوبارہ ڈالی تھی۔ وہ اب بھی اس کی طرف اسی طرح بغور دیکھ رہا تھا۔ نگاہ میں کچھ تھا۔ وہ
یادہ دیر دیکھ نہیں سکی تھی اور نگاہ پھیر لی تھی۔ عفنان نے بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے شانوں پر دھرے
تھے اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''کیسا تھا وہ؟ ــــــ کیا وہ تمہیں مجھ سے بھی زیادہ چاہتا تھا؟''

مدھم سرگوشی میں ایک گہرا شکوہ تھا۔ انابیہ شاہ کی جان یکدم ہی قیامتوں سے گھری تھی۔ وہ نگاہ اٹھا کر
اس کی سمت دیکھ نہ سکی تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا جھکا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور بھرپور توجہ سے دیکھتا
وا بولا تھا۔

''کیا مجھ سے زیادہ توجہ؟ ــــــ مجھ سے زیادہ پیار؟ ــــــ مجھ سے زیادہ اعتبار؟ ــــــ کس معاملے
میں وہ مجھ سے زیادہ بہتر تھا کہ تم اسے بھول نہیں پا رہی ہو؟ کیا مجھ سے زیادہ دیوانہ تھا وہ؟ کیا مجھ سے بھی
کچھ زیادہ پاگل تھا؟'' عفنان علی خان کے مدھم لہجے میں کئی شکایتیں تھیں۔ مگر انابیہ کے پاس کسی سوال کا
کوئی جواب نہیں تھا نہ کوئی وضاحت۔

''میں نے تمہیں چاہا تو کوئی حد ہی نہیں چھوڑی۔ کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بے حد، بے حساب، دیوانہ

وار، حد سے سوا چاہا تمہیں۔ چاہا تو کچھ اور نہ دیکھا۔ ہر طرف سے نگاہ بند کر لی۔ کان بند کر لئے۔ دیکھ صرف تمہیں۔ سنا تو صرف تمہیں۔ کہاں کمی رہ گئی انابیہ! بتاؤ، کہاں کچھ کم رہا؟'' اس کا چہرہ ہاتھوں میں وہ اسے بغور تکتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ آنکھوں کی تپش انابیہ کے چہرے کو سرخ کر رہی تھی۔ مگر وہ اس طرف دیکھنے سے مکمل گریزاں تھی۔ عفنان اسے متواتر خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ اطمینان کے ساتھ، کے ساتھ۔ اور پھر یکدم مسکرا دیا تھا۔

''دیوانہ ہوں نا ـــــ دیوانگی کی باتیں کرتا ہوں۔ ہنسی تو آتی ہوگی تمہیں۔ ہنستی بھی ہوگی اکیلے م ارے یار، کیسا بے وقوف بندہ ہے۔ اس کی بیوی ہوں، کسی اور کی طلب گار ہوں اور یہ پھر بھی اسی پاگل سے مجھے چاہتا چلا جا رہا ہے۔ ہے نا بدھو۔'' وہ ہنس دیا تھا۔

''ہاں، بدھو ہوں میں ـــــ بے حد بدھو ـــــ پاگل، تمہارا پاگل ـــــ تمہاری اس نگاہ کا د جو تم نے مجھ پر کبھی ڈالی ہی نہیں۔ تمہاری اس بات کا دیوانہ جو میرے لئے تھی ہی نہیں۔'' سر نفی میں ہلا وہ مسکرایا تھا۔

''کچھ نہیں تھا میرے لئے ـــــ مگر کچھ ہے جو میرے لئے ہے اور وہ تم سے میرا رشتہ ہے۔ کبھی چھوڑوں گا تمہیں۔ اس رشتے سے کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ مجرم ہو تم میری۔ اس دل کو بہت دُکھایا نے۔ تمہیں میرا نقصان سود سمیت پورا کرنا ہوگا۔'' اس کے وجود کو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر وہ مُڑا تھا ا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ لب بھینچے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

''اذہان! ایک بات بتاؤ۔'' ڈرائیو کرتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو ساہیہ نے مسکراتے ہوئے تھا۔ وہ دونوں جیولر کے پاس انگیج منٹ رِنگ لینے جا رہے تھے۔ اذہان اس کے سوال کی نوعیت ک ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''تم مجھے کنجوس سمجھ رہی ہو۔ یار! تم جتنی مہنگی رِنگ چاہو اپنے لئے منتخب کر سکتی ہو۔ میرے کر کارڈ میں خاصی بڑی رقم ہے۔ ٹرسٹ می۔''

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''تھینکس۔ اب میں سب سے قیمتی رِنگ پر ہاتھ رکھوں گی۔ مگر اس وقت میری توجہ اس رِنگ پ کی پرائس پر نہیں تھی۔''

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''تھینک گاڈ! ورنہ مجھے یقین ہو چلا تھا میری ساہیہ کی سائیکالوجی عام خواتین سے الگ ہرگز نہ سکتی۔ زندگی میں پہلی بار تم نے مجھے غلط ثابت کیا ہے ساہیہ! اور اس کے لئے مجھے کوئی افسوس بھی نہیں

''اذہان! ہم پہلی بار منگنی کرنے جا رہے ہیں''

''اچھا ـــــ لوگ کیا دو تین بار منگنی کرتے ہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ساہیہ نے ا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ! تم دل کھول کر شاپنگ کر سکتی ہو۔ تمہارا ہونے والا ہزبینڈ کنجوس نہیں ہے۔ غالباً ٹوٹل فدا ور ہے تم پر۔'' ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''اذہان! تم بات بدلنا بہت اچھی طرح جانتے ہو۔''

''ہماری سوچ اتنی ملتی ہے کہ ہم ایک دوجے کے دل کی بات کہے بنا ہی جان جاتے ہیں۔ مجھے کامل ین ہے کہ شادی کے دس سال بعد ہماری شکلیں بھی اس خطرناک حد تک ملنے لگیں گی کہ لوگ ہمیں دیکھتے پہچان لیں گے اوہ، اچھا تو آپ دونوں ہزبینڈ وائف ہیں۔''

اذہان حسن بخاری نے دلچسپ بات کی تھی۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''ازنٹ سو فنی۔ تم تو ابھی سے اسٹریٹجی پلان کئے بیٹھے ہو۔ مگر یہ سب کچھ ایسا دلچسپ نہیں ہے۔ شادی کے دس سال بعد اگر ہماری شکلیں نہ ملیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔''

''ایسا میں نہیں کہتا ساہیہ! ایسا سبھی سمجھ دار لوگ کہتے ہیں۔ شادی کے دس سال بعد ہزبینڈ وائف کی شکلیں خطرناک حد تک ملنے لگتی ہیں۔'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''ہاں۔ ہوتا ہوگا۔ مگر ہمارے معاملے میں ایسا نہیں ہوگا۔ انڈر اسٹینڈ دیٹ۔''

''اچھا ـــــ تو کیا تمہارا ارادہ کاسمیٹکس سرجری کا بھی ہے۔'' اذہان نے اسے بھرپور شرارت سے دیکھا تھا۔ ''یار! تم تو بہت خرچہ کروا دو گی۔''

''اذہان!'' ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔

''کامن سنس کی بات ہے یار! شکلیں تو اسی صورت میں نہیں ملیں گی جب تم سرجری کروا لوگی۔ کیونکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے، خاصا ہینڈسم ہوں میں۔ ہاں، تمہاری ناک بس ذرا چپٹی ہے۔ اسے ٹھیک کروا لینا۔ میری ناک کے سامنے ....'' وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ ساہیہ نے اس کے بازو پر ایک مُکا مارا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''سچ کہوں، مجھے انجلینا جولی جیسی لڑکی درکار تھی۔ ممی سے بھی کہہ دیا تھا، ویسی کوئی ڈھونڈ لاؤ تو آنکھیں بند کر کے ہاں کر دوں گا۔ مگر ہائے یہ نصیب۔ آپ ہمارے نام لکھ دی گئی تھیں اور لکھا ہوا ہم جھٹلا نہیں سکتے۔''

''جھٹلا سکتے تو کیا اپنی زندگی سے خارج کر دیتے؟'' ساہیہ نے اسے آہستگی سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اذہان اس سوال کے اندر درپردہ سوال کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ تبھی لب بھینچ کر ونڈ اسکرین کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''کیسی تھی وہ؟ کیا تم اسے بہت چاہتے تھے؟'' سوال نہیں، باؤنسر تھا۔

''کڈنگ ساہیہ! آئی واز جسٹ کڈنگ۔'' اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھے بغیر مسکرا کر اس سوال کو ٹالا تھا۔ مگر ساہیہ نے اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹائی تھی نہ ہی نگاہ۔

''کوئی بات تو اچھی نہ ہوگی اس کی۔ شاید تمہیں ہر بات اچھی لگتی ہوگی اس کی۔ ہے نا؟'' بدستور اسی

لہجے میں کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ساہیہ!'' مسکراتے ہوئے وہ بنا اس کی طرف دیکھے اس سوال سے صاف بچتا نظر آیا تھا۔ اا
الجھن نہ تھی مگر وہ مطمئن بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

''ان بھاگتے دوڑتے دنوں میں اچانک ہی کسی روز یونہی اچانک وہ چلتی ہوئی تمہارے سا
کھڑی ہوئی تو تم کیا کرو گے؟''

''ساہیہ!'' وہ بھرپور اطمینان سے مسکرانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ نگاہ اس کی سمت نہ تھی۔ سا
دی تھی۔

''چلو فرض کرو وہ آجاتی ہے واپس تمہاری زندگی میں، یونہی چلتے چلتے ـــــ اچانک، کسی رو
کیا کرو گے؟''

گاڑی کے ٹائر یکدم چرچرائے تھے اور گاڑی رک گئی تھی۔ ساہیہ غالباً اس کے تاثرات جا
لئے اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ بہت اطمینان سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا

''میں وقت کو روک دوں گا ساہیہ!'' مدھم لہجہ جنون سے پُر تھا۔

ساہیہ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔ مگر اذہان کی آنکھوں کی چمک کچھ سوا ہوگئی تھی۔

''میں وقت کی نبضیں تھام لوں گا ساہیہ! مگر صرف تمہارے لئے۔'' مدھم سرگوشی میں جتا
سمجھانے کو بہت کچھ تھا۔ ساہیہ جواب تک دم سادھے خاموش بیٹھی تھی، مسکرا دی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو نا؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ـــــ بولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کم آن یار! شک مت کرو۔ تم اچھی طرح جانتی
سے میری زندگی میں تم ہو، صرف تم ہی ہو۔ کسی اور کے لئے جگہ ہی نہیں چھوڑی تم نے۔ تمہارا و
زیادہ تیزی سے نہیں بڑھ رہا؟''

ساہیہ نے اسے ایک پنچ رسید کیا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''آئی ایم کڈنگ ہاں۔ تمہارا وزن واقعی پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اب یہ مت کہنا ایسا خو
مارے ہے۔ مجھے غور سے دیکھو، کتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ ہوں نا۔ ایمانداری سے، خود بتاؤ میر
غبارے کی طرح پھولی ہوئی کوئی لڑکی اچھی لگے گی؟'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے گھورنا چاہا تھا اور خود بھی ہنس دی تھی۔ اذہان نے مس
ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''مجھے ایک ایسی ہی لڑکی چاہئے تھی۔ پیاری سی، اچھی سی۔ جس کا دل بھی اسی کی طرح صا
خوبصورت ہو۔ جو مجھے نظر سے نہیں دل سے دیکھے اور سمجھے۔ میری زندگی میں آئے تو یہاں سے دہا
روشنی سی بھر دے۔ تمہیں یاد ہے ساہیہ! جب تم مجھے پہلی بار ملی تھیں تو تم ٹیرس پر دیے جلا رہی تھیں۔
جانتی ہو مگر تب تمہارے ان خوبصورت ہاتھوں نے دیے اس تاریک ٹیرس پر ہی نہیں، بہت
میرے دل میں بھی روشن کر دیئے تھے۔ ڈومی اے فیور! تم جیسی ہو، ہمیشہ ویسی ہی رہنا۔ خود کو مت

اچھی ہو۔ میں آج سے دس سال بعد نہیں، بیس اور تیس سال بعد بھی تمہیں اسی طرح دیکھنا
ہو،" بہت
گا۔" وہ آنکھوں میں تپش لئے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

ساہیہ اس کی طرف سے دھیان پھیرتی ہوئی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"گاڑی چلاؤ اذہان! ـــــ غالباً ہم جیولر کے پاس اپنی انگیج منٹ رِنگ منتخب کرنے جا رہے تھے۔"

یاد دلایا تھا۔ اذہان مسکرایا ہوا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

کتنی مشکل سے موڈ بنایا تھا مگر تم نے رومانس کا سارا بیڑہ غرق کر دیا۔ میرے اندر سے پھوٹتی محبت کا
ایک لمحے میں قتل عام کیا ہے۔ کہیں تم کسی زمانے میں ٹیچر تو نہیں تھیں؟" اذہان نے مسکراتے
اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

نہیں ـــــ ہم لیلیٰ مجنوں تھے۔ تم شاید بھول رہے ہو ہم اپنی داستانِ محبت دوبارہ مکمل کرنے آئے
کوئی ڈھنگ کی بات کرو۔" ساہیہ اکتائے ہوئے انداز میں کہہ کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

دس، بیس، تیس سال کی چھوڑو، مجھے یقین ہے شادی کے دس روز بعد بھی میں مر گئی تو تم میری قبر پر
بتی سُلگانے والے پہلے شخص ہو گے۔ مردوں کی خصلت کو کون نہیں جانتا۔"

نہیں، میں اے سی لگوا دوں گا۔" اذہان ہنسا تھا۔ "کم آن یار! کیسی بری باتیں کر رہی ہو؟ ـــــ ہم
خوبصورت بندھن میں بندھنے جا رہے ہیں اور تم اچھا نہیں بول سکتی ہو تو برا بھی مت بولو۔ بتاؤ مجھے،
شکوے گلے کیوں ہیں تمہیں مجھ سے؟ ـــــ اتنا بے چارہ سا بندہ ہوں میں۔ تمہارا اتنا خیال رکھنے
کوشش بھی کر رہا ہوں۔ اور کیا کروں۔"

"محبت ـــــ اذہان!" اس کی طرف پلٹتی ہوئی ساہیہ مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ اذہان نے ایک
نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور دوبارہ ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس لمحے یکسر بے
دکھائی دیا تھا۔ شاید ساہیہ نے بہت اچانک وہ ذکر چھیڑا تھا اس لئے۔ ساہیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی
پھر گئی تھی۔

"دس، بیس یا شاید تیس برس ـــــ اور میں ان برسوں میں سے کسی ایک دن کے انتظار میں ہوں
نا! جو تمہیں دل سے میرا کر دے۔" ساہیہ کی طرف سے کی گئی خود کلامی تھی۔ جسے شاید اذہان نے نہیں
تھا۔ یا پھر اگر سنا بھی تھا تو اس کے پاس کوئی معقول جواب تھا نہ کوئی جواز۔

* * *

چاروں جانب بکھر رہی تھی
ایک ادھوری تنہائی
ہوا نے رُک کر ہم دونوں کو
مُڑتے دیکھا تو گھبرائی
ہستہ جھڑ کی دہلیز پہ اُس نے
پتّوں سے کچھ سرگوشی کی

اس کے بعد اس راہ گزر پر
دُور تلک خاموشی تھی

"کیا ہوا؟ —— تم ٹھیک تو ہو؟" مائی اماں نے دوسری طرف سے دریافت کیا تھا۔ میر بہت آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"جی مائی اماں! میں ٹھیک ہوں۔" آواز صاف چغلی کھا رہی تھی۔

"ٹھیک ہو تو آواز ٹھیک کیوں نہیں؟"

"مجھے فلو ہے مائی! موسم کا اثر ہے۔" میرب نے بہانہ گھڑا تھا۔

"یہ موا موسم بھی نا۔ خیال نہیں رکھ رہی ہو اپنا۔ اور یہ سبکتگین حیدر کہاں ہے؟ —— وہ خیا رہا تمہارا۔ کتنی سختی سے ہر بار فون پر تاکید کرتی ہوں مگر اس کے باوجود وہ بے احتیاطی برت رہا معاملے میں۔" مائی اماں اس کے لئے فکر مند تھیں۔

"نہیں مائی اماں! وہ خیال رکھ رہے ہیں میرا۔" نظر بھٹکتی ہوئی سامنے گئی تھی۔ کچھ فا صاحب جانے کون سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔

"بات کراؤ میری، ابھی کان کھینچتی ہوں۔"

"مائی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میرا خیال رکھ رہے ہیں۔ اس وقت وہ کچھ بزی ہیں۔ سکتے۔ میں انہیں کہہ دوں گی، وہ آپ سے بات کر لیں گے۔ آپ کیسی ہیں؟ —— واپس ہیں؟ میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں۔" نظر بھٹکتی ہوئی پھر اس منظر پر جا ٹھہری تھی۔

آسمان پر بادل تھا اور اس میں تارے سمٹے تھے
ہم دونوں کے قدموں سے کچھ سوکھے پتے لپٹے تھے

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔ مگر بہت جلد وہ نظر اجنبی ہو گئی تھی۔ نظ تھی اور قریب بیٹھی گی پر مرکز ہو گئی تھی۔

"مائی! آپ کی واقعی بہت یاد آ رہی ہے۔" اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ اس شخص کے رویے پر دل جانے کیوں اتنا کٹ رہا تھا۔ حالانکہ وہ تو اس کی واقف تھی۔ اس کا مزاج جانتی تھ

وہ آوارہ بادل تھا۔
کس دیس کا تھا۔ کس زمین کا۔
شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔
پھر وہ کیوں اس کے متعلق سوچ کر اتنا ان فیریئر فیل کر رہی تھی۔
ساتھ جب نام کا تھا تو وہ سمجھ کیوں نہیں پا رہی تھی۔
چند روزہ تھا تو وہ اندر تک اتنی کیوں بکھرتی جا رہی تھی۔

"میرب! تم میرے پاس آ جاؤ۔" دوسری طرف مائی اماں کہہ رہی تھیں۔ "میں کوشش کرا کام جلد نمٹ جائے تو لوٹ آؤں۔ مگر یہ بکھیڑے بہت وقت لیتے ہیں۔ مجھے تیری بھی بہت ف

ن کے متعلق جانتی ہوں۔ سدا کا کیئر لیس ہے۔ اس کی فکر تو خود مجھے کرنی پڑتی ہے۔ وہ کسی کا کیا خیال ے گا۔ میں گین سے کہتی ہوں، وہ تجھے میرے پاس بھجوا دے۔" مائی اماں نے اس کی فکر کی تھی۔ اس کی وں میں رکا پانی بہت خاموشی سے بند توڑ کر رخساروں پر بہہ نکلا تھا۔ نگاہ پھر اس منظر پر تھی مگر وہ منظر دش تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ میرب نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو ا تھا۔

"جی مائی اماں! میں سوچتی ہوں —— پاپا کا فون بھی آیا تھا۔ وہ بھی آ رہے ہیں۔" اطلاع دی تھی۔ ی توجہ جانے کیوں اب بھی وہیں تھی۔ جانے کیوں وہ اپنی نگاہ اس منظر سے ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

"ہاں، مظہر سیال صاحب کا ہماری طرف بھی فون آیا تھا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ صحت یاب ہو چکے اور کاروبارِ زندگی کو سنبھالنے واپس لوٹ رہے ہیں۔ انشاء اللہ اب ہماری مراد بھی پوری ہو سکے گی۔ ی صاحب کے آتے ہی تمہاری رخصتی کی بات سامنے رکھ دوں گی۔ اب میں اور دیر نہیں کروں گی۔ چاند اصل جگہ آسمان ہے۔ اور تمہاری جگہ گین کا دل ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم دونوں کو ایک کر دیا ے۔" مائی اماں دوسری طرف مسکرا رہی تھیں۔ یہ میرب کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ ڈالا تھا۔ منظر دیکھ رہی تھی۔ گی غالباً افسردہ تھی۔ غمزدہ ہو کر رو رہی تھی۔ گین نے پوری توجہ سے اس کے آنسو اپنے ہ سے پونچھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ میرب نے آنکھیں سختی سے میچی تھیں اور ساتھ ہی اپنا خ بھی اس طرف سے پھیر لیا تھا۔ مائی اماں پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھیں۔ انہوں نے جانے کیا کچھ ید سوچ رکھا تھا۔ وہ کتنا کچھ سہہ رہی تھیں اور وہ خود —— اپنی دگرگوں ہوتی کیفیت کو سنبھالنے کی اس نے ہر ممکن کوشش کی تھی اور غالباً وہ سننے کی بھی جو مائی اماں اس گھڑی کہہ رہی تھیں۔

"میری بہت تمنا ہے اپنے گین کا گھر بسا دیکھ لوں۔ اس کے بچوں کو گود کھلا لوں۔ پھر چاہے مر جاؤں، نہیں ہو گا۔ میری جان ہے گین۔ مجھے اس سے بہت پیار ہے۔ وہ بھی جانتا ہے۔ تبھی میری کوئی بات رد یں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے میں اس کے لئے سب سے بہتر سوچوں گی۔ تبھی آنکھیں بند کر کے اس نے ادی کا معاملہ بھی مجھ پر ڈال دیا اور میں نے اس کے لئے ایک ہیرا ڈھونڈ نکالا۔ ایک چمکتا تارہ۔ جو اس ی پوری زندگی کو روشن کر دے گا اور......."

"مائی! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ میرے سیل پر پاپا کی کال آ رہی ہے۔" اس کے لئے زید بات کرنا دشوار ہو رہا تھا اس لئے اس نے بروقت بہانہ کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ مگر فرار کی راہیں تب مسدود ہوتی دکھائی دی تھیں جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز نے اس کے اٹھتے قدم وہیں باندھ دیئے تھے۔

"مائی کا فون تھا؟" میرب پلٹ کر دیکھنا چاہتی تھی نہ اس سے بات کرنا۔ مگر اس وقت یہ دونوں ہی باتیں ناممکن ہوتی دکھائی دی تھیں۔

"ہاں۔" اس نے پلٹے بغیر جواب دیا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ انداز سرسری تھا۔

نگاہ میں بھی کوئی خاص تاثر نہ تھا۔ میرب سیال نے گردن موڑ کر ترچھی نظروں سے اس شخص کو دیکھا

''آپ ان سے بات کرلیں۔ وہ غالباً آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔'' مائی کا پیغام مکمل طو نہ کرسکی تھی۔ مگر اطلاع پہنچا دی تھی۔

''کس سلسلے میں؟ ——— کہیں تم نے کوئی الٹی سیدھی بات تو نہیں کہہ دی؟'' سردار سبکتگین حید نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے کسی قدر درشت لہجے میں کہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے مُڑی تم

''میں ——— میں کیا اُلٹی سیدھی کہوں گی اُن سے؟ آپ جو کر رہے ہیں میں جانتی ہوں۔ کیوں غلط سلط قیاس کر رہے ہیں؟''

''مائی سے رات کو میری بات ہوئی تھی۔ وہ تمہیں وہاں بلانا چاہ رہی ہیں۔ تم جانا چاہتی ہو تو ہو۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ ویسے بھی میں کل رات کی فلائٹ سے نیویارک جا رہا ہوں۔'' سردار حیدر لغاری کی طرف سے دو اطلاعات ایک ساتھ آئی تھیں۔ میرب سیال اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''آپ جا رہے ہیں ——— کیوں؟'' وہ اس کے اتنے اجنبی انداز کے باوجود پوچھے بغیر نہ رہ سکی

''ہوں ——— کچھ کام ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں ہی نہیں لب و لہجہ بھی سرد تر

''تم مائی کے پاس جانا چاہتی ہو؟'' غالباً جانے سے قبل وہ اسے ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ میرب فوری کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔

''ایسے کیا کھڑی ہو؟ تمہیں جانا ہے یا نہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس کی خاموشی درجہ اُلجھن ہوئی تھی۔ میرب سیال نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''ابھی فی الحال میں نے کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا۔ میرے پاپا آ رہے ہیں اور ان سے میرا ملنا ضروری ہے۔ وہ آجائیں تو اس کے بعد سوچوں گی۔'' اس کی جانب سے نظریں ہٹاتی ہوئی وہ بولی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے تاثر انداز میں شانے اچکا دیئے تھے۔

''تمہاری مرضی۔'' وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرب لب بھینچے کھڑی اس کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ مضبوطی سے قدم اٹھاتا وہ شخص قدم قدم چلتا ہوا اس سے دور جا رہا تھا۔

❄❄❄

سرسراتی ہواؤں کے بیچ کھلے آسمان کے نیچے اس تاریکی میں عفنان علی خان تنہا کھڑا تھا۔

خنک موسم کے کئی رنگ اس کی آنکھوں سے جھانک رہے تھے۔ ٹیرس پر اس لمحے کھڑا وہ مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔

اس کا بے تاثر چہرہ، سرد نگاہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خزاں کے اس موسم میں اسے اپنا و کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح لگا تھا۔

اپنی مسافت اسے اتنی ہی بے وقعت اور اپنے خواب اتنے ہی دھواں دھواں دکھائی دیئے تھے۔

سارا قصور اس کا تھا شاید۔ اس نے ہی زندگی کو غلط رنگ اور غلط زاویئے سے دیکھا تھا۔

انابیہ کے ساتھ اس کا ملنا، ایک تعلق کا بندھنا۔

ایک لمحے میں سوچا تھا تو سب ایک بودا مذاق لگا تھا۔

ایک یکطرفہ راہ ——— یکطرفہ سفر اور صرف خسارہ ———

آج اتنے سفر کے بعد اگر آج اپنے ہاتھ وہ پھیلا کر دیکھتا تو انہیں خالی پا رہا تھا۔ خسارہ ——— صرف

وہ خود کو ہارا ہوا پا رہا تھا اور یہی ہار اسے جینے نہیں دے رہی تھی۔ اس کا سانس گھٹ سا رہا تھا۔

کتنی دیر سر آسمان کی طرف اٹھائے بالوں کو مٹھیوں سے بھینچے وہ گہرے گہرے سانس لیتا رہا تھا مگر کچھ بنہ ہوا تھا۔ اور تب وہ چلتا ہوا اندر آ گیا تھا۔ فریج کھول کر سوفٹ ڈرنک کا کین نکالا تھا۔ کھول کر لبوں لگایا تھا۔ تبھی دھیان اس کی طرف گیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے رخ پھیرے لیٹی تھی۔

عفنان علی خان چلتا ہوا انابیہ کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

ایک ——— دو ——— تین ———

درمیان کے جتنے قدم تھے وہ بالآخر لمحے ہو گئے تھے۔ فاصلہ مٹا تھا اور وہ اس کے قریب کھڑا نظر آیا چند لمحوں تک اس کے قریب کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا پھر جھک کر اس کا شانہ بہت آہستگی سے ہلایا تھا۔ لائنیند میں جانے کو تھی، ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''تم ——— کیا ہوا ———؟'' اس کی بے تاثر نظر سے وہ کچھ اخذ نہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان علی خان اسی بے تاثر انداز میں اس کی طرف دیکھتا چلا گیا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے ے کو بہت ملائمت سے چھوا تھا۔

''ڈراپ سین!'' لہجہ مدھم تھا۔

انابیہ کچھ اخذ نہ کرسکی تھی اسی لئے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کیا ——— کیا مطلب؟''

''ڈراپ سین ——— میں اپنے اور تمہارے رشتے کو ایک حتمی موڑ دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں اس روز بتا نا جس روز حاصل کرنا ہوگا تمہیں تمہاری اجازت سے حاصل کرلوں گا۔ ٹوڈے آئی وانٹ میک لوٹو یو۔''

''کیا ———؟'' وہ حیرت سے اپنی جگہ بُت بن گئی تھی۔ شاید یہ کوئی خواب تھا۔ شاید وہ بدستور نیند میں

شاید وہ کسی بھولے بھٹکے خواب میں تھی اور ———

ہاتھ بڑھا کر عفنان علی خان کے چہرے کو چھوا تھا۔ ارادہ یقین کر لینے کا تھا۔ مگر عفنان شاید اس کی ے اس کو ''اجازت نامہ'' سمجھا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بغور توجہ سے کے چہرے کو دیکھا تھا۔

آج اس کی نگاہ میں کوئی جنوں خیزی نہ تھی۔

اس کے سارے خواب جیسے سرد خانوں میں مقید سرد جامد پڑے تھے۔

کوئی گرم جوشی اس کے رویے میں نہ تھی۔

انابیہ شاہ حیرتوں سے بھری نظروں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا کرے؟

کیا ہونا چاہئے تھا؟

سدباب کے طور پر کچھ ازبر نہ تھا۔

یہ کوئی حقیقت تھی یا وہ واقعی خواب میں تھی؟ ساکت نگاہ سمجھ نہ پائی تھی۔

◆

ہان حسن بخاری نے گاڑی چلاتے ہوئے گھر سے آئی ہوئی کال ریسیو کی تھی۔

جی ممی! کہئے۔"

ازہان! اماں کے ہاں سے ماہا کو لیتے آنا۔ کچھ شاپنگ کے لئے جانا ہے۔" امی نے حکم دیا تھا۔ اُس

ز ذ دسر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

بہتر ممی! کچھ اور؟"

ی الحال یہی۔ تم گھر آؤ پھر باقی بات کرتے ہیں۔" ممی نے مسکراتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

نے گاڑی نانی کے گھر جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ

ا۔ معمول کے مطابق ہارن دیا تھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا۔ اس نے گاڑی پورچ میں روکی تھی۔

ساہیہ کا فون آیا تھا۔ وہ بات کرتا گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

ساہیہ! میں آرہا ہوں۔ بس یہاں سے ماہا کو لینا ہے اور......." وہ اپنے دھیان میں بات کرتا ہوا

بڑھا تھا تبھی کسی سے ٹکرا گیا تھا۔ سنبھل کر دیکھا تو نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

ان بھاگتے دوڑتے دنوں میں اچانک ہی کسی روز یونہی اچانک وہ چلتی ہوئی تمہارے سامنے آن

ا ہوئی تو تم کیا کرو گے؟" ساہیہ کا لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا تھا۔ وہ ساکت سا اپنے سامنے موجود

کو دیکھ رہا تھا۔

چلو فرض کرو وہ آجاتی ہے واپس تمہاری زندگی میں، یونہی چلتے چلتے اچانک کسی روز، تب تم کیا کرو

"

ساہیہ بضد تھی۔

"ساہیہ! میں وقت کو روک دوں گا۔ میں وقت کی نبض تھام لوں گا۔" اپنی آواز بھی اس کے کہیں آس

ی۔

ا چہرہ خواب نہ تھا۔

خیال نہ تھا۔

جیتا جاگتا احساس تھا۔

زندہ لمحے کے سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکنیں اس وقت بھی سن رہا تھا۔

لمحے اگرچہ ٹھہر چکے تھے۔ نظریں جم گئی تھیں۔

مگر سینے میں موجود دل اب بھی دھڑک رہے تھے۔

دھک۔۔۔۔۔۔۔ دھک۔۔۔۔۔۔ دھک۔۔۔۔۔۔

ازہان حسن بخاری کی نگاہ یوں ساکت تھی جیسے کوئی خواب کا سا عالم ہو۔ جیسے سارے ہوں اور دکھائی دینے والا ہر منظر خواب خواب۔

اس کے سامنے کھڑے وجود میں بھی کوئی حرکت نہ تھی۔ اس کی طرف دیکھتی وہ نگاہ بھی ا تھی۔ جیسے یقین اس طرف بھی نہ تھا۔

ازہان حسن بخاری نے اپنے قدم اس کی طرف بڑھائے تھے اور اس کے مقابل آن رکا اس کی جانب تکتی نگاہ پانیوں سے بھر گئی تھی۔

''میرب!'' ازہان حسن بخاری نے جیسے یقین کرنے کو اسے آہستگی سے چھو کر دیکھا تھ کے پتھر سے وجود میں حرکت ہوئی تھی اور وہ بے اختیاری میں اس کے شانے پر سر رکھ کر رو۔

اگر کوئی اور وقت ہوتا، کوئی اور لمحہ ہوتا تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔ مگر یہ وہ لمحے۔ سیال بے حد شکستگی کے عالم میں تھی۔ دل جس دور سے گزر رہا تھا اس میں اختیار رہ ہی نہ پا بھیگتی چلی گئی تھیں۔

ازہان حسن بخاری اپنے شانے پر دھرے اس کے سر کو دیکھتا ہوا اب بھی اسی قدر حیرا نے بڑھ کر اسے گرفت میں لیا تھا، نہ کوئی حصار باندھا تھا۔ وہ ایک عالم حیرت میں تھا اور س وقت چپ چاپ دبے پاؤں گزر رہا تھا۔ لمحوں میں کوئی آہٹ نہ تھی۔ کوئی ہلچل نہ تھی۔ وہ وقت کی نبض کو نہیں تھام سکا تھا۔

میرب سیال اپنے اندر کا بہت سا غبار اس کے شانے پر بہا کر دور ہوئی تھی۔ چند جھکائے چپ چاپ شرمندہ سی کھڑی رہی تھی۔ انداز میں ایک واضح جھجک مانع تھی۔ ایک۔ گرفت کے بعد کا عالم تھا یہ۔

ازہان چپ چاپ کھڑا عجب بے بسی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ زیادہ دیر نہ گزر بھی نہ ہوئی تھی۔

ابھی کل کی بات لگتی تھی۔

دل کا بے وجہ قیامت کرنا۔ ہلچل مچانا۔ شور کرنا۔

وہ ساری آوازیں آج اتنی دبی دبی سی کیوں تھیں؟ یا پھر سماعتوں کا ہی کوئی قصور تھا۔

دل دھڑک رہا تھا تو آواز کیوں نہ آ رہی تھی؟ یہ لمحے اتنے چپ چاپ، اجنبی بے تھے؟ وہ جو آشنا تھا، آج اجنبیوں کی طرح ایک دوجے سے نگاہ پھیرے چپ چاپ سے

میرب سیال بنا اس کی طرف دیکھے مڑی تھی غالباً وہ اس منظر سے چپ چاپ جدا ہو ازہان حسن بخاری نے اسے پکار لیا تھا۔

''میرب!'' پڑھنے والے نے جیسے کوئی اسم اعظم پھونکا تھا۔ میرب سیال کے قدم

وہ پلٹی نہیں تھی مگر وہیں اس جگہ جیسے جم گئی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے چلتے ہوئے ی جانب پیش قدمی کی تھی اور چلتے چلتے اس کے مقابل جا رکا تھا۔

چپ چاپ اس کے چہرے کو تکتا رہا تھا۔ بہت کچھ کہنے کی خواہش کی تھی مگر کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ ایک ی نہیں۔ چپ چاپ وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ انداز میں بے بسی سی تھی۔

''کیسی ہو تم؟'' ازہان حسن بخاری کو اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔ میرب سیال نے اس کی طرف چہرہ تے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور مسکرا دی تھی۔ مگر بہت مصنوعی مسکراہٹ تھی۔

''اور تم۔۔۔۔۔۔ تم کیسے ہو؟'' نگاہ ملانے کی ہمت دونوں میں ناپید تھی۔ ازہان حسن بخاری کو اپنا آپ حد شکستہ لگا تھا۔ مگر اس نے میرب کی تقلید کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔'' مدھم لہجے میں کچھ ٹوٹنے کی صدا تھی۔ میرب اس کی طرف دیکھے ہیں رہ سکی تھی وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرب کے انداز میں ہی نہیں، نگاہ میں بھی گریز تھی۔

''خوش۔۔۔۔۔۔ خوش ہو تم؟'' ازہان کی نگاہوں نے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ میرب اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اور تم؟'' جواباً پوچھنا جیسے اس کے لئے فرض ہو گیا تھا۔

ازہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

''تم سے بچھڑ کر جیتا ہوں!
تیری طرح میں بھی جھوٹا ہوں''

میرب اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔ توجہ پھر بٹ گئی تھی۔

''مظہر انکل کیسے ہیں؟۔۔۔۔۔۔ زوباریہ آنٹی، فانی۔۔۔۔۔۔؟''

''سب ٹھیک ہیں۔'' میرب نے مدھم لہجے میں جواب دیا تھا۔

''نانو سے پتہ چلا تھا انکل مظہر کے بارے میں۔ پوچھنا بھی چاہتا تھا مگر......'' اس کے آگے وہ نہیں سکا تھا۔

''فارحہ آنٹی کیسی ہیں؟'' میرب نے خاموشی کے اس تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا تھا۔ شاید خاموشی میں رتے جو سوال تھے ان کا سامنا کرنے کی ہمت دونوں میں ناپید تھی۔

''ٹھیک ہیں وہ بھی۔ ماہا نے تو یہیں ڈیرا جمایا ہوا ہے اِن فیکٹ، حالانکہ گھر میں کئی کام ہیں مگر وہ ضدی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر روٹھ جائے تو منانا مشکل ہو جاتا ہے۔ پاپا سے اس کی کچھ ناچاقی تھی۔ سو وہ......''

''انگیج منٹ ہو رہی ہے تمہاری؟'' وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا جب میرب نے بول کر اس کا سارا توڑ دیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ لب بھینچ لئے تھے اور بہت آہستگی سے اس نے سر ثبت میں ہلا دیا تھا۔ عجب مجرمانہ سا انداز تھا۔

"جینے کی رسمیں نبھانا پڑتی ہیں میرب! سو رسم نبھا رہا ہوں۔" وہ بہت آہستگی سے مسکرایا تھا۔" رہی تھیں تمہاری رخصتی بھی عمل میں آنے والی ہے۔ مظہر انکل واپس آرہے ہیں اور......"

"ہاں، ٹھیک سنا تم نے۔ پاپا واپس آرہے ہیں —— اینڈ آئی ایم سو ہپی۔" لبوں پر مسکراہ "پری ٹنڈ" کرنے کا انداز بہت خوب تھا۔

"ہپی؟ —— انکل کے آنے کے لئے یا اپنی رئیل میرج کے لئے؟" اذہان حسن بخار مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب نے مسکراہٹ کا سہارا لیا تھا۔

"دونوں کے لئے۔ اپنی انگیج منٹ میں بلاؤ گے نہیں؟" پتہ نہیں امتحان لینا مقصود تھا اس پُراعتماد نظر آنے کی حتیٰ الامکان کوشش کررہی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"کیسے بلاتا؟ تم خفا تھیں نا مجھ سے۔" اذہان کی جان کئی قیامتوں کے زیر تھی۔

"سبھی تعلق توڑ لئے۔ کیا اچھا کیا تم نے؟" میرب سیال نے دوستانہ انداز میں شکوہ کیا تھا صورتحال کو یوں بس میں ظاہر کرنا چاہ رہے تھے جیسے سب کچھ اپنے اختیار میں ہو۔ مگر بکھرنے کا یہ واضح تھا۔

"اوں، ہوں —— اچھا نہیں کیا شاید۔" مدھم سرگوشی میں افسوس نمایاں تھا۔ نگاہ بغور اس ک کو جو دیکھ رہی تھی۔ "بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ مگر کیا کروں، تم تو جانتی ہو مجھے۔ سدا کا بھلکڑ ہوں حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"مجھے بھول گئے؟" میرب سیال کی آواز ہی نہیں، نگاہ بھی شکوہ کررہی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جیسے اس لمحے اس کے پاس کوئی لفظ تھے نہ چپ چاپ نگاہ پھیر گیا تھا اور میرب سیال مسکرا دی تھی

"کیسے دوست ہو؟ کبھی یاد نہیں آئی تمہیں میری؟ مجھے تو لگا تم مجھے بھولے ہی نہیں ہوگے۔ تھی نا میں تمہیں؟"

"ہاں، بہت۔" عجب اک رکھ رکھاؤ میں وہ بھی مسکرایا تھا۔ "مگر تم نے جاتے ہوئے منع ک تمہیں کبھی اپنی صورت نہ دکھاؤں۔"

"میں نے کہا اور تم نے مان لیا؟" میرب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہاری کوئی بات ٹالی ہے کبھی؟" اذہان نے مسکرا کر خود کو معمول پر ظاہر کرنا چاہا تھا۔ نمایاں تھی اس کی آنکھوں میں۔ میرب مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔

"اور تم ——؟" اذہان نے اس کے خاموشی سے نگاہ پھیر لینے پر اسے بغور دیکھا تھا۔

"ہاں —— بہت خوش ہوں۔" مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ غالباً خود کو ک مقصود نہ تھا۔ مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

"کس لئے؟ —— شادی کررہی ہو اس لئے؟"

"ہاں —— اس کے لئے بھی۔ مگر پاپا واپس آرہے ہیں اس لئے بھی۔ بہت تنہا پڑ گئ

نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں پوچھا۔ کتنے بے مروت رشتے دار ہو میرے۔ کتنے تعلق تھے ہمارے مگر تم کوئی ایک بھی نہ نبھا سکے۔" مسکراتے ہوئے ایک مزید شکوہ ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا رہا تھا۔

"ڈر تھا۔"

"کس بات کا؟" چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہارا ہزبینڈ بہت برا پیٹتا نا مجھے؟" اذہان مسکرایا تھا۔ "سیفی بتا رہا تھا، موصوف خاصے خوفناک تم نے ہزبینڈ ہی ڈھونڈنا تھا تو ڈھنگ کا ڈھونڈا ہوتا۔ یہ جلاد ڈھونڈنے کی کیا ٹھانی؟" معمول پر ظاہر نے کے لئے کیسے کیسے ضبط درکار تھے، اس کا اندازہ اذہان کو ہو رہا تھا۔ نہ مسکرانا آسان تھا نہ اس کے نے کھڑے ہو کر ایسی معمول کی بات چیت کرنا۔ مگر اسے ایسا کرنا تھا۔ کیونکہ یہ منشا تھی اس وقت کی۔ کو وہ پہلے بھی نہیں ٹال سکا تھا اور اب بھی نہیں۔

میرب اس کے مذاق پر مسکرا دی تھی۔

"سیفی نے اتنا کچھ بتا دیا تمہیں؟"

"نہیں۔ بہت کچھ اس نے نہیں بھی بتایا۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا؟" میرب نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

"یہی کہ تم بہت خوش ہو۔" اذہان اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ میرب زیادہ دیر مسکرا نہیں سکی تھی نگاہ پھیر گئی تھی۔ اذہان اسے دیکھتا ہوا دھیان پھیر گیا تھا۔

"تم کبھی آئی ہی نہیں۔ ممی کو بھی اپنی بھانجی سے ملنے کا بہت اشتیاق رہا۔ کئی بار پوچھا بھی انہوں نے ر......"

"تم ٹال گئے ہوگے۔" میرب نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں، بتایا تھا میں نے انہیں۔" اذہان نے اقرار کیا تھا۔

"کیا؟" اپنی آواز بہت مدھم اور نیم جاں لگی تھی میرب کو۔

"یہی کہ سارا قصور میرا تھا۔" اذہان نے فراخ دلی سے سارا الزام اپنے سر لیا تھا۔ میرب کچھ کہہ نہیں لی تھی۔ وہ دونوں ایک دوجے سے نگاہ پھیرے چپ چاپ سے کھڑے تھے جب ماہا نے وہاں آ کر دنوں کو متوجہ کیا تھا۔

"اذہان بھائی! کب آئے آپ؟ —— میرب آپی سے مل لئے۔ چلو اچھا ہوا۔ ورنہ مجھے یقین تھا اگر ن کے جانے کے بعد میں آپ کو بتاتی کہ میں نانو کے یہاں میرب آپی سے ملی تھی تو یقیناً آپ بہت گلہ کرتے کہ مجھے کیوں نہیں ملوایا۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ ان دونوں کی کیفیات سے قطع نظر۔ اس کی بات پر دونوں مسکرا دیئے تھے۔

"کتنی عجیب بات ہے نا —— ہم کزن ہیں مگر اس کے باوجود اک دوجے کی حال احوال کی خبر تو دور کی بات، شکلیں بھی حادثتاً اور اتفاقاً دیکھتے ہیں۔ جب کبھی وقت اچانک ہمیں ملا دیتا ہے۔ ہے نا میرب

آپی؟" ماہا نے مسکراتے ہوئے کسی قدر حقیقت بیان کی تھی۔ میرب نے سرِ اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"دلوں کی دوریاں ایسی ہی ہوتی ہیں ماہا! بعض اوقات دور ہو کر بھی کوئی متواتر یاد رہتا ہے۔ اوقات ایک شہر میں، ایک علاقے میں رہتے ہوئے کبھی یاد بھی نہیں آتا۔"

"ارے، یہ کیسی بات کردی آپ نے۔ ممی نے سنا تو انہیں بہت برا لگے گا۔ آخر کو سگی ماسی ہیں کی۔ ماسی مین ماں ـــــ سی۔ ہم سے زیادہ آپ سے پیار کرتی ہیں وہ۔ مگر آپ بھی نا۔ آخری شادی کی رسم تک میں شرکت نہ کی۔ مایوں والی شام آئیں بھی تو کھڑے کھڑے واپس لوٹ آئیں اور ہمیں اپنے نکاح تک میں نہ بلایا۔ انکل بیمار پڑے، باہر چلے گئے، آپ نے بتایا تک نہیں۔ میر ٹوٹ گئی مگر آپ نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔ ایسے ہی اجنبی ہو گئے تھے ہم آپ کے لئے؟ جانتے آپ کے پاپا کو اپنی سسرال یعنی ہماری ساری فیملی سے پرابلم ہے۔ نانو سے، ماموں سے، ہم سے آنٹی کے گزر جانے کے بعد تو انہوں نے بالکل ہی دور کر دیا ہم سے۔ اور اب تو حد ہو گئی۔ آپ ہونے والی ہے یعنی شادی۔ اور ادھر اذہان بھائی کی انگیج منٹ۔ مگر نہ آپ کی ہمیں کوئی خبر ہے ہماری۔" ماہا متواتر شکوہ کر رہی تھی۔ میرب بہت سی باتوں کے اسباب جانتی تھی اور بہت سی با نہیں۔ خاموشی ہی بہتر تھی۔ اس لمحے بہت سی باتوں کے بھید شاید تبھی پردے کے پیچھے چھپے رہ وہ آگے بڑھی تھی اور ماہا کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر ماتھے پر پیار کیا تھا۔

"فارحہ آنٹی کو میری طرف سے ضرور پوچھنا۔" اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔ جب ہاتھ تھام کر مسکرا دی تھی۔

"پھر کب ملیں گے ہم؟ کہیں پھر اتفاقاً یا......" اس کی شرارت پر وہ مسکرا دی تھی۔

"لٹ سی ماہا! آئی ریئلی ڈونٹ نو۔" اسے محبت سے دیکھ کر اذہان کی طرف دیکھا تھا اور مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"چلتی ہوں میں۔"

اذہان نے بھی رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ کیا تھا۔ میرب سیال مڑی تھی اور اپنی گاڑی کی طرف تھی۔ اذہان حسن بخاری کی نگاہیں بہت سے اضطرابوں سے بھر گئی تھیں۔ تا دیر اس منظر پر جمی جب تک گاڑی گیٹ سے باہر نہیں نکل گئی تھی۔ ماہا نے بھائی کی جانب بہ غور دیکھا تھا اور بہت مسکرا دی تھی۔

"بھائی! آپ نے وقت گنوا دیا نا۔" اس ایک جملے میں جتانے کو بہت کچھ تھا۔ اذہان حسن بخا نہیں بولا تھا۔ بہت ہارے ہوئے انداز میں مسکراتے ہوئے سرِ اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ماہا کا دل گیا تھا۔

"بھائی! اگر آپ اس وقت کوئی اسٹینڈ لیتے تو آج میری آپی آپ کے ساتھ ہوتیں نا۔ آپ کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لیا ـــــ؟" ماہا نے بھائی کی کیفیات کے پیشِ نظر کہا تھا اور وہ کچھ بھی کہے پھیر گیا تھا۔

"آپ فیملی کرائسس میں الجھے رہے۔ ممی کا گھر بچانے کے جتن میں آپ نے اپنا دل نہیں دیکھا۔ اگر ہاتے تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔ کیا پایا بھائی! کیا پایا ہم دونوں بہن بھائیوں نے؟ وہ وقت ہم ں سے بہت کچھ چھین کر لے گیا نا۔ آپ سے چپ چاپ اور مجھ سے واضح طور پر۔ آپ نے ہماری ے خود اپنی فکر کیوں نہیں کی بھائی؟ ـــــ میری مایوں کے روز جب میرب آپی گھر آئی تھیں تو وہ آپ چھ رہی تھیں۔ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھیں وہ۔ آنکھوں میں الجھن تھی۔ وہ آپ کے متعلق پوچھ تھیں۔ میں تب نہیں جانتی تھی، صورت حال ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ وقت انہیں لئے آپ سے اتنا دور بھی جا سکتا ہے۔ میں اس روز نہیں جانتی تھی، آپ ان سے ملے یا نہیں۔ اگلے دو چار دنوں میں جو قیامت ے گھر پر ٹوٹی تھی اسے لے کر نہ ہم کچھ سوچ سکے نہ دیکھ سکے۔ مگر کچھ عرصے بعد جب مجھے سیفی سے ب آپی کے نکاح کے متعلق پتہ چلا تو خوشی نہیں ہوئی مجھے۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ انہیں اپنی بھابی کے پ میں دیکھا تھا۔ مگر...... بھائی! آپ کو پتہ نہیں احساس ہے یا نہیں مگر ہم دونوں کے مجرم پاپا ہیں۔ ں نے ممی کو ہی نہیں، اپنے بچوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ مجھے آج پتہ چلا ہے کہ میرب ہا اپنے اچانک طے کردہ رشتے کو لے کر اس وقت پریشان تھیں جب ہمارے گھر آئیں۔ وہ یقیناً کوئی ا چاہتی تھیں اور حل نکل بھی آتا اگر آپ نے اس وقت کو اپنی گرفت میں لیا ہوتا۔ پاپا کے گھر کو بچانے کی ائے اپنے دل کو دیکھا ہوتا۔ میرب آپی آپ کا ساتھ چاہتی تھیں نا۔ اس وقت اگر آپ نے ان کا ساتھ ہوتا تو آج آپ اتنے شکستہ اور ادھورے دکھائی تو نہ دے رہے ہوتے۔ آپ نے کیوں اسٹینڈ نہیں لیا ا وقت؟ کیوں الجھے رہے ہمارے الجھاوؤں میں؟ کیوں اپنے دل کو نہیں دیکھا؟ کیوں گنوا دیا اتنی اچھی ی کو؟ کیوں توڑ دیا اس کا دل جو آپ کا دل آباد کئے ہوئے تھی؟ آپ کو نہیں لگتا، خود کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کے ساتھ بھی برا کیا ہے۔ خود کو تو نقصان پہنچایا ہی ہے، اسے بھی تکلیف دی ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے وہ خوش ہے؟"

ماہا کا مدھم لہجہ بہت سے سوالوں سے پُر تھا۔ اس کی آنکھیں بہت آہستگی سے بھیگ رہی تھیں۔ اذہان ن بخاری نے سر بہت آہستگی سے ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں کو پونچھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"ہم ایک دوسرے کے لئے نہیں تھے گڑیا! ـــــ ہم ایک دوسرے کے لئے نہیں تھے۔ تبھی وقت نے اری مخالفت کی۔ میں نے کوئی قربانی نہیں دی۔ میں نے اس وقت جو بھی اپنی فیملی کے لئے کیا وہ اس ت کی ضرورت تھا۔ میری فیملی کو میری زیادہ ضرورت تھی ماہا! آج وہ بھی اپنی زندگی میں نئی خوشیاں سمیٹنے جا ہا ہے اور میں بھی نئے راستوں کی سمت گامزن ہوں۔ جو ہو چکا ہے اس کا ملال کرنے کی ہم دونوں کو نہ رت ہے نہ ضرورت۔ پھر تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو؟ اور کیا ہم ساری باتیں آج یہیں کھڑے ریں گے؟ بھول گئیں تم، تمہارے اس ہینڈسم سے، ڈیشنگ سے بھائی کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے ل۔ تم یوں اِدھر اُدھر کی سوچ کر وقت برباد کر رہی ہو۔ تیاری نہیں کرنی ہے؟ ویئر اِز یور ایکسائٹمنٹ ہاں؟ ای ایم مسنگ دیٹ آن یور فیس۔" مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔ "ممی نے مجھے تمہیں لانے کے لئے کہا تھا۔ تم اپنا سامان لے آؤ۔ میں یہیں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔"

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟ ـــــ نانو کو خبر ہوئی کہ آپ یہاں پورچ میں ہی کھڑے ہو لوٹ گئے ہیں تو بہت خفا ہوں گی۔'' ماہا نے خدشہ بیان کیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم فکر مت کرو۔ میں سمجھا دوں گا انہیں۔ ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔ جلدی سے سامان لے مدھم لہجے میں کہہ کر اس کا گال تھپتھپا کر وہ پلٹا اور گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔

ماہا نے بھائی کو بغور دیکھا تھا۔ دُھند میں لپٹی اس خنک سی شام کے سارے منظر اسے بہت خ اور جامد لگے تھے۔ وہ پلٹی تھی اور اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

ازہان حسن بخاری بے تاثر چہرے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا بہن کا انتظار کرنے لگا تھا۔

* * *

اپنے کانپتے وجود کو سنبھالنا انابیہ کو بے حد دشوار لگا تھا۔ عفنان علی خان کی پیش قدمی پر وہ بہ سے قدم قدم پیچھے ہٹی تھی۔ سردی کے موسم میں اس کا چہرہ پسینے سے تر بہ تر تھا۔ آنکھوں میں خو تھا۔ مگر عفنان علی خان کے اس کی جانب بڑھتے قدم نہیں رُکے تھے۔

''نہیں ـــــ'' بہت آہستگی سے اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ مگر عفنان علی خان نہیں رکا تھا۔

''نہیں ـــــ'' وہ چیخنے کی خواہش میں چیخ نہیں سکی تھی۔ آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔

اس کی آنکھ ایک دم کھلی تھی اور وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

گہرے گہرے سانس خارج کرتی ہوئی وہ چند لمحوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ پھر حواس ہوئے تھے تو ہاتھ بڑھا کر لیمپ جلایا تھا۔ کمرے کا منظر بے حد واضح ہو کر اس کے سامنے تھا۔ سا گئی تھی جہاں عفنان علی خان صوفے پر سویا ہوا تھا۔ اتنی بے خبر نیند تھی کہ اپنے اوپر سے کمبل سرک بھی احساس اسے نہ ہوا تھا۔ سردی کی شدت کا اسے کوئی احساس نہ تھا۔ انابیہ کا ہاتھ اپنی پیشانی ک گیا تھا۔ پیشانی ہی نہیں، سارا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ ہاتھ پر کئی قطرے لے کر اس نے اپنے ہا پھر عفنان علی خان کو دیکھا تھا اور ساری حقیقت خود بہ خود واضح ہو گئی تھی۔ یقیناً خواب تھا وہ۔

مگر کس قدر دل دہلا دینے والا تھا۔

''تھینک گاڈ۔'' ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے اپنے چہرے کو صاف کیا تھا۔

عفنان علی خان اور اس کے درمیان تفاوت اسی طور قائم تھی۔ اور یہ بات دل کی تسلی کو کافی تھی۔ ہٹا کر اٹھی تھی۔ بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ چلتی ہوئی بے ساختہ ہی عفنان علی خان کی سمت آئی تھی۔ گرے ہوئے کمبل کو اٹھا کر بہت آہستگی سے اس پر ڈالا تھا اور اسی قدر آہستگی سے مڑ کر واش روم گئی تھی۔ بہت سے چھپاکے منہ پر مارنے کے بعد وہ ٹاول سے چہرہ پونچھتی ہوئی باہر آئی تھی۔ کلاک کی سمت گیا تھا۔ صرف دو بجے تھے ابھی۔ بستر میں جانے کی بجائے بیڈ کی طرف آ کر ڈائری رائٹنگ ٹیبل پر آ گئی تھی۔ مگر اس سے قبل وہ کمرے کی لائٹ بند کرنا نہیں بھولی تھی۔ ٹیبل لیمپ کی ر اس نے ڈائری کو کھولا تھا اور پچھلے لکھے صفحات کو الٹ کر سرسری انداز میں دیکھا تھا اور پھر صفحے ا آگے بڑھی تھی اور قلم کھول کر تیزی سے کچھ لکھنے لگی تھی۔ تنہائی تھی۔ سکون تھا۔ آس پاس کے ہ

اور ادہ بہت روانی سے لکھ رہی تھی۔

* * *

اے افسونِ جاں، افسونِ انتظار
کیا کہیں کہ بسر ہوتے ہیں روز و شب کیسے
کیسے اٹھتی ہے روح میں قیامت کوئی ـــــ!
کیسے کٹتی ہے بار گراں سانس کوئی
کیسے آتا ہے کسی بیمار کو بے وجہ قرار
اے افسونِ جاں، افسونِ انتظار

ازہان حسن بخاری نے گھر میں قدم رکھا تھا۔ ایک چہل پہل تھی۔ تیاریاں عروج پر تھیں۔ وہ تھکے ے قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کہ ''مجھے رب نہ کیا جائے۔'' فارحہ سے اس کا سامنا ابھی تک نہیں ہوا تھا اور فی الحال وہ ان سے سامنا کرنا بھی ں چاہتا تھا۔ کچھ وقت تنہائی میں خود اپنے ساتھ خاموشی میں گزارنا چاہتا تھا۔ سو وہ آنکھیں بند کر کے پ چاپ لیٹ گیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو تم؟'' اس کی آواز اس کے اندر گونجی تھی۔

''ایک بات۔'' میرب سیال جواباً بہت دلکشی سے مسکرائی تھی۔

''کیا؟'' وہ چونکا تھا۔

''یہی کہ تمہیں اگر زندگی میں سے اور مجھ میں سے انتخاب کرنا پڑے تو تم کسے چنو گے؟'' وہ شرارت ے موڈ میں تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''یہ بھی کوئی سوچنے والی بات ہے؟ ـــــ میرے لئے تم زندگی سے زیادہ اہم ہو۔ ہر ایک شے سے یادہ اہم ہو۔''

''اوں، ہوں ـــــ بناؤ مت۔''

''تو پھر کیا کروں؟ ـــــ کود جاؤں اس چیئر لفٹ سے؟'' وہ ہنسا تھا۔

''ڈونٹ بی اوور اسمارٹ۔ یہاں سے کودنا تم جیسے بندے کے لئے مشکل بھی نہیں ہے۔ کوئی بھی ٹنٹ آرام سے کر جاؤ گے تم۔ پھر میں تم سے ایسی کوئی فرمائش ہی کیوں کروں؟''

''تو پھر؟'' وہ مسکرایا تھا۔

میرب کچھ دیر تک اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''کچھ نہیں۔''

''کچھ نہیں؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''ہوں۔''

''شیور؟'' اس کی اپنی تسلی نہ ہوئی تھی۔

''سنٹ پرسنٹ۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''میرے لئے تمہاری محبت سب سے اہم ہے۔''

''اور میرے لئے تم۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''جانتی ہوں میں۔''

''تو پھر پوچھ کیوں رہی تھیں؟'' مصنوعی غصے سے گھورا تھا۔

''تسلی کر رہی تھی۔'' وہ ہنس دی تھی۔

''یقین کر لو۔ ہماری لو اسٹوری میں کہیں دور دور تک بھی کوئی ولن نہیں ہے جو ہمیں ملنے سکے۔ آج ممی کو انفارم کروں گا تو کل تم دُلہن بنی میرے گھر پر ہو گی۔'' اذہان کا لہجہ پُر یقین تھا۔

''اچھا ـــــ اتنا آسان ہے کیا سب کچھ؟'' میرب نے مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔ باہر پڑی ہوں کیا، یا پھر بوجھ ہوں اپنے گھر والوں کے لئے؟''

وہ ہنس دیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ جانتا ہوں میں۔ مگر مجھے اپنی محبت کی سچائی کا یقین دلانے کے لئے ک تو مارنا تھی۔ سو......'' مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ میرب مسکرا دی تھی۔ پھر ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''اذہان! کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟''

''کیوں، تمہیں نہیں لگتا؟'' وہ اس کے خدشے کو کوئی نام نہ دے سکا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' اس نے شانے اچکا دیئے تھے۔ ''جب سے بڑے ماموں کی ڈرائیونگ سے سے گئی ہیں پاپا کا رویہ ممی سے وابستہ ہر رشتے کے لئے سرد ہو گیا ہے۔ وہ بڑے ماموں کو اس ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ یہ بات صاف نظر آتی ہے۔ مگر کہیں کوئی اور بات بھی ہے اذہان! مجھے اس۔ پاپا کا رویہ اپنی ننھیال کے لئے پُر جوش اور گرم جوش نہیں لگا۔ فارحہ آنٹی کے لئے تو کبھی بھی نہیں پاپا کو میں کچھ نہیں سمجھ سکی۔ کبھی ان سے پوچھ بھی نہیں سکی۔ مگر ان کو کہیں نہ کہیں میری ننھیال سے ضرور ہے۔ ممی سے وہ بہت محبت کرتے تھے۔ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مگر......''

''کہیں کچھ نہیں ہے میرب ـــــ!'' اذہان نے اسے جھٹلایا تھا۔ ''سب کچھ ٹھیک ہے۔ ا انکل کی بات تو آئی ایم شیور، انہیں اپنی بیٹی کے لئے مجھ سے اچھا لڑکا کہیں نہیں ملے گا۔ وہ ہرگز نہیں چاہیں گے۔'' اسے تسلی دینے کو وہ مسکرایا تھا۔ انداز مذاق میں اُڑانے والا تھا۔ اور مسکرا دی تھی۔

''تم صرف میرے لئے ہو میرو؟ تمہیں نہ کوئی چرا سکتا ہے نہ چاہ سکتا ہے۔ اگر کوئی ہو مسکراتے ہوئے یقین دلانا چاہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''کچھ زیادہ ہی بڑے ڈائیلاگ نہیں مار رہے آپ اذہان صاحب؟''

''ہاں، تو پھر؟'' وہ خجل سا ہو کر مسکرایا تھا۔

میرب سیال ہنستی چلی گئی تھی۔

ہان!'' وہ اسی طرح لیٹا ہوا تھا جب فارحہ نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

ہان! کیا ہوا؟ ـــــ اس طرح کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' فکرمندی
کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا اور اسی لمحے وہ آنکھیں کھولتا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

ہان بیٹا! کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس طرح اپنے کمرے میں کیوں آ گئے؟''

نہیں ممی! ٹھیک ہوں میں۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکرا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ پھیکی
ٹ فارحہ کو زیادہ مطمئن نہیں کر سکی تھی۔

یا بات ہے؟'' اذہان رشتوں میں اتنی ایمانداری کا قائل تھا کہ کچھ بھی چھپا نہیں سکا تھا۔ فارحہ کی
ھا تھا اور بہت آہستگی سے بولا تھا۔

میرب سے ملا آج۔''

حیران رہ گئی تھیں۔

ہاں؟''

کے گھر۔ وہ بھی غالباً ان سے ملنے آئی تھی۔ میں آپ کے کہنے پر ماہا کو لینے گیا تھا تبھی اچانک وہ
امنے آ گئی۔'' کہہ کر وہ لب بھینچ کر سر جھکا گیا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کی کیفیت
لئے فارحہ کے لئے اسے آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے بھی اسے
جان سکتی تھیں اس کے دل میں کیا تھا ـــــ اس لمحے وہ کس کیفیت کے زیر تھا۔ وہ جانتی تھیں
رہ کچھ نہیں بولی تھیں اور وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

ری زندگی کا بہت کڑا لمحہ تھا وہ ـــــ میں جی نہیں پایا۔ مر گیا، لمحہ بھر کو۔ میرا اندر میری روح سے
یا اور میں خالی خالی آنکھوں سے چپ چاپ تکتا رہا ان آنکھوں کو، اس چہرے کو جو کبھی میرے لئے
خاص تھا۔ اور آج شاید کچھ بھی نہیں۔'' اذہان حسن بخاری ماں کے سامنے وہ سب بول رہا تھا جو
نیا میں کسی کے سامنے نہیں بول سکتا تھا۔ سر جھکائے اس لمحے وہ بے حد شکست خوردہ دکھائی دے
ں کی آنکھوں سے آنسو چپ چاپ بہہ رہے تھے۔ وہ دنیا میں اگر کسی کے سامنے کمزور پڑ سکتا تھا
اس کی ماں تھی۔ فارحہ چپ چاپ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

اجنبیوں کی طرح ملے۔ رسمی بات چیت کی اور بالکل اجنبی لوگوں کی طرح کنی کتراتے ہوئے
رے سے جدا ہو گئے۔ کہانی ختم ہو گئی۔ اس لمحے مجھے وہ سارے لمحے خواب لگے جب ہم ملے تھے
لے تھے۔ تب اس لمحے کی پہچان مجھے لمحہ بھر کی لگی۔ شاید ہم کسی غلط وقت کے غلط لمحے میں ملے۔
اب بھی نہیں ملنا چاہئے تھا۔ میں نہیں بتا سکتا آپ کو، اسے بھی نہیں اور شاید خود کو بھی نہیں۔ میں
اسے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ کبھی بھی دوبارہ نہیں۔ میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ ہم دوبارہ کبھی
گے بھی۔ مگر وقت نے ہمیں ایک بار پھر ایک دوسرے کے مقابل کر دیا۔ ہم ایک دوسرے سے
ہارہے تھے۔ بول رہے تھے تو صرف جھوٹ بول رہے تھے۔ رسمِ دنیا نبھا رہے تھے۔ مگر میری
اسے پڑھ لیا اور اس نے مجھے۔ میں جان گیا کہ وہ خوش نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں درج

تھا۔ کتنی بے سکونی ہے اس کے اندر۔ مجھے گمان ہے میری آنکھوں نے بھی اسے وہ سب نہ بتادیا اس سے چھپانا چاہتا تھا۔“ مدھم لہجہ بے حد کمزور تھا۔

فارحہ بیٹے کی کیفیت چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔ آنسو صرف اذہان کی آنکھوں سے ہی روا ان کی اپنی آنکھیں بھی چپ چاپ بھیگ رہی تھیں۔

”میں اپنا ہر رشتہ پوری ایمان داری سے نباہنا چاہتا ہوں۔ پھر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں وقت مجرم کیوں بنا رہا ہے؟ اب جبکہ میں ایک نئی زندگی میں قدم رکھنے جا رہا ہوں اور وہ بھی ایک کی سمت گامزن ہے۔ ہم ایک دوجے کے مقابل کیونکر آن رکے؟ کچھ دن اور چپ چاپ کیا گئے؟ ہم دنیا کے کسی کونے میں یونہی ایک دوسرے سے بے خبر ہو کر، انجان بن کر گزار لیتے تو آ تو نہ کھلتا جو کھلا۔ وہ سب تو نہ ہوتا جو ہوا۔ ایسا کیوں ہوا ممی؟“ اذہان بچوں کی طرح ان سے در تھا۔ فارحہ نے اسے تھام کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

”جھوٹ ہیں ـــــ بہلاوے ہیں سب ممی! جھوٹے دعوے ہیں۔ کچھ نہیں بھول سکا۔ چاہتا ہوں اُسے۔ اُس سے وابستہ ہر بات کو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں یہ ضروری ہے اس کے میرے لئے بھی۔“

اذہان حسن بخاری کا لہجہ شکستہ اور نیم جاں تھا۔ فارحہ بھیگتی آنکھوں سے بیٹے کے چہرے کو تکتی رہی تھیں۔

ساہیہ نے جو کسی کام سے وہاں آئی تھی، سب سنا تھا اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے د واپس لوٹ گئی تھی۔

❄❄❄

جاں مژگاں میں جو جلتا ہے الاؤ کوئی ـــــ!
دن نکلنے کی نکلتی نہیں صورت کوئی ـــــ!
نگاہِ پُرشوق کا عالم ہے چاند ہاتھ میں ہو
اور سرِ طاقِ جاں نہیں جینے کا لمحہ کوئی
پھر اے میرے چارہ ساز بتا ـــــ!
کوئی رات بسر کیسے ہو
نہ ہو آنکھ میں کوئی خواب تو بات کیسے ہو

”کیا ہوا؟ ـــــ وائے آر یو لکنگ سو اَپ سیٹ؟“ سردار سبکتگین حیدر نے ڈرنک کا سپ کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ گی متفکر سی اسے دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”یہ ٹھیک نہیں ہے گین!“

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”کیا؟ ـــــ کیا ٹھیک نہیں ہے؟“ استفسار عجب تھا۔

”ہی جو سب ہو رہا ہے۔ گین! پلیز، تم یہ سب مت کرو۔ مجھے گلٹی فیل ہو رہا ہے ـــــ مجرم لگ ہوں میں خود کو۔ میں تمہاری زندگی قطعاً بھی ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی گین! تم اگر میرے خیر خواہ ہو تو ہاری زندگی سے کیسے کھیل سکتی ہوں؟“ گی اپنی جگہ عجیب مجرم سی دکھائی دے رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ویٹر کو بلا کر ایک نیا آرڈر کرتا ہوا بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

”ہاں ـــــ تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟“

”چھوڑ دو سب گین! ـــــ یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ گی کو سخت رنج تھا۔

”اور؟“ گین مکمل اطمینان سے مسکرایا تھا۔

”میں تم دونوں کی زندگی سے جا رہی ہوں۔ جو کچھ ہو رہا ہے اسے روکنا ضروری ہے گین! دیر ہو گئی تو باقی نہیں بچے گا۔“

”تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ دیٹس مائی آرڈر۔ یہیں رہو گی، جب تک کہ تمہارا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ تمہیں ٹ میں کر رہا ہوں۔ جب مجھے ایسا کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے تو کسی اور کو کیونکر ہو گا؟“

”مگر ایسا ہونے سے جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو گین؟“ وہ زچ ہو گئی سمجھانے کی ساری کوشش رائیگاں تھی۔ وہ اسی اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

”آئی ڈونٹ کیئر۔ جو ہوتا ہے ہو جانے دو۔ مگر تمہارے لئے جو ذمہ داری میں نے اٹھائی ہے وہ ں کر کے رہوں گا۔ پرامس کیا ہے تم سے، پورا کروں گا۔“ وہ ارادوں میں اٹل دکھائی دیا تھا۔ گی کی ن بڑھ گئی تھی۔

”کیوں گین؟ ـــــ کیوں کر رہے ہو ایسا؟ سزا دے رہے ہو خود کو؟ محبت کرتے ہو نا اس سے؟“

”محبت؟“ وہ چونکا تھا۔ پھر ہنس دیا تھا۔ ”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا گی؟“ اس کا انداز مذاق انے والا تھا۔ گی اسے دیکھنے لگی تھی۔

”کچھ غلط نہیں کہہ رہی میں۔ تمہاری آنکھوں میں صاف پڑھا جا رہا ہے، تمہارے لئے وہ کتنی خاص ہے۔ یہ بات کیا تم خود سے بھی چھپانا چاہتے ہو؟ جھوٹ بولنا چاہتے ہو خود سے بھی؟“ گی بضد تھی۔

”ایکسکیوزمی! ایسا کچھ نہیں ہے۔ گین ایسے ڈرامائی قصوں پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ محبت کے کاغذی رزے گین کی دنیا میں نہیں چلتے۔ خوابوں کے دیس کی باتیں کرنے والوں میں سے میں نہیں ہوں۔“ وہ ی میں ہلاتا ہوا مسکرایا تھا۔ گی اس کی کیفیت پر مسکرا دی تھی۔

”ہاں ـــــ صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تم کس درجہ بے وقوفی کر سکتے ہو؟ تم محبت کو حماقت سے ادو تصور نہیں کرتے نا۔“

”محبت حماقت کے سوا کچھ ہے؟“ وہ محظوظ ہو کر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ ہارے یہاں ایک بہت عظیم شاعر چچا غالب ہوتے ہیں۔ ان کا فرمان ہے۔ ”کہتے ہیں جس کو عشق، لل ہے دماغ کا۔“ تم سمجھتی ہو کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دماغ میں ایسا کوئی خلل واقع ہو چکا ہے تو ڑی حماقت کر رہی ہو۔ بہت پریکٹیکل بندہ ہوں میں ـــــ یہ پیار، محبت میرے لئے نہیں ہے۔“ ایک

بھرپور انداز میں جھٹلایا تھا۔

”ایسا ہے تو اسے خود سے دور جانے کیوں نہیں دیتے؟ —— تمہاری آنکھوں میں اتنی بے چ بھر جاتی ہے جب وہ تمہارے سامنے نہیں ہوتی۔ اب اس لمحے تم خود کو کس بات کی سزا دے رہے اس سے دور ہو، اسے مدعا سنا نہیں پا رہے ہو، بتا نہیں پا رہے ہو تو کیا کیفیت ہے تمہاری؟ —— کچھ غلط دیکھ رہی ہوں یا غلط سمجھ رہی ہوں؟“

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنستا چلا گیا تھا۔

”یہ سب باتیں اس کے سامنے بھولے سے بھی مت کہنا —— سچ مان جائے گی۔“ وہ بات میں اُڑا دینا چاہتا تھا۔

”مان جائے گی تو کچھ غلط تو نہیں کرے گی۔ بیوی ہے وہ تمہاری —— تم کیوں کر رہے ہو ساتھ ایسا؟ —— یقین دلانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اسے؟“ گی نے اسے سمجھانے کی ٹھان

”کہتا ہوں، سب جھوٹ ہی لگتا ہے۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”یقین کہاں کرتی ہے وہ؟“ لہجے میں ایک افسوس سا تھا۔ گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس لمحے کی آنکھوں میں عجب ایک ویرانی سی تھی۔ گی کے لئے اس کی یہ کیفیت ناقابل برداشت تھی۔

”اس بات کا یقین دلا دو اسے کہ اس کے بنا تمہاری آنکھوں میں کس درجہ ویرانی ہے۔“

”اور وہ یقین کر لے گی؟“ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے وہ اس کے مشورے درجہ محظوظ ہوا تھا۔

”ہاں۔“ گی نے یقین کو پختہ کیا تھا۔

”ٹھیک ہے —— کہہ دوں گا۔“ سعادت مندی کی حد تھی۔ گی جانتی تھی وہ سیریس نہ تھا۔ بات کو سنجیدہ نہیں لے رہا تھا۔

”گین! اسے سب کچھ صاف صاف بتا دو۔ تم اگر ایسا نہیں کر سکتے تو میں کر دوں گی۔“ دھمکی مگر وہ اسی اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

”کوئی فائدہ نہیں ہے گی! وہ یقین نہیں کرے گی۔ اسے کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ کچھ بھی کہہ لو، وہ اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد سے باہر نکلنے والی نہیں۔ جہاں تک میری بات ہے، وہ بہت بدظن ہے۔ میری کہی کسی بات کا یقیناً کرنا ناممکن ہے اور تمہیں بھی میں اس حماقت کی اجازت نہیں دوں گا

”تم میری خاطر خطرہ کیوں مول لے رہے ہو گین؟ اتنے سارے الزامات کیوں لے رہے سر؟ وہ اگر کچھ غلط بھی سمجھ رہی ہے تو غلط فہمی دور کیوں نہیں کر دیتے اس کی؟ کیا یہ اتنا مشکل ہے؟ غیر عورت ہو کر تم پر یقین کرتی ہوں تو پھر وہ کیوں نہیں؟ تم اس سے کہہ کر تو دیکھو۔“

”تم کیوں یقین کرتی ہو، اور وہ کیوں نہیں؟ یہ میں بالکل نہیں جانتا گی! ٹرسٹ می۔ بٹ آ تھنگ۔ یقین بہت اندر کی چیز ہوتی ہے اور یہ خود بخود جنم لیتا ہے۔ کوئی زبردستی اسے آپ کے اندر ہے نہ آپ کو گھول کر تعویذ کی طرح پلا سکتا ہے۔ یقین کے لئے کہیں کوئی جادو منتر نہیں ہے۔

اور مجھ پر یقین نہیں کرتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔“

”تو پھر ٹھیک ہے —— میں اسے صاف صاف بتا دیتی ہوں۔ شاید وہ کام میرا سچ کر دے جو دنیا کوئی اور نہیں کرسکتا۔“ وہ پُرعزم تھی۔ گین مسکرا دیا تھا۔

”پاگل ہوئی ہو تم۔ سب بے کار رہے گا۔ مجھے پتہ ہے اس کا وہ یقین نہیں کرے گی۔ سوائے کچھ بتا وقت ضائع کرنے والی بات انتہائی فضول ہے۔“ گی کو سمجھانا بے کار گیا تھا۔ وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

”کل میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔ میں یہ سب نہیں دیکھ سکتی۔ خود کو مزید مجرم تصور نہیں کرسکتی میں۔ تمہاری زندگی کو مزید ڈسٹرب کرسکتی ہوں۔ کس بات کی سزا جھیلو تم جبکہ تمہارا مجھ سے نہ کوئی واسطہ ہے نہ تم اسے نہیں بتا سکتے تو میں تو بتا سکتی ہوں۔ آئی ایم پریگنٹ وِد یور کِڈ —— یہی سمجھتی ہے نا وہ؟ میں بتاؤں گی وہ کتنی غلط ہے۔ ضرورت پڑی تو میں اسے ڈی این اے ٹیسٹ سے بھی ثابت کر کے دکھا دوں گی۔ یو آر ناٹ دی فادر آف مائی چائلڈ۔ ہاں، جو ہے اسے ڈھونڈنے میں تم میری مدد ضرور کر رہے ہو۔“ گی روانی سے بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

”کوشش کر کے دیکھ لو —— کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بائے دی وے، ہم کچھ زیادہ امپورٹنس نہیں دے رہے ان محترمہ کو؟ ذکر کچھ حد سے سوا ہو چلا ہے۔ بہت بور کر رہی ہو تم مجھے۔“ مسکراتے ہوئے اشارہ کر کے ویٹر کو بلایا تھا۔ گی نے اس کی کیفیت کو دیکھا تھا اور ہاتھ اٹھا کر ویٹر کو منع کرتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا تھا اور زبردستی لے کر ریسٹورنٹ سے باہر نکلنے لگی تھی۔

”تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ تم نے سارا موڈ خراب کر دیا۔“ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اکتائی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ گی کچھ نہیں بولی تھی۔

”تم اسے کچھ نہیں کہو گی۔ کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اسے یقین کرنا ہو گا تو وہ خود کرے گی۔ اور جہاں تک رہی بات محبت کی تو مجھے اس سے کوئی محبت نہیں ہے۔ ہاں وہ میری بیوی ضرور ہے اور یہ ایک سانحہ صرف، یا پھر تم اسے حادثہ بھی کہہ سکتی ہو اور اتفاق بھی۔“ اسے باور کراتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

”میں سچا ہوں یا نہیں مجھے یہ باور کرانے کی نہ کسی کو ضرورت ہے نہ ثابت کرنے کی۔ سردار سبکتگین لغاری کو کسی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی اچھائی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔ میں اچھا ہوں یا برا ہوں خود اپنے لئے ہوں۔“ وہ بولا تھا اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

گی کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اسے صرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”بہت محدود سوچ ہے اس کی۔ بہت محدود سوچتی ہے وہ۔ اس کے لئے ساری باتوں کے مفہوم ایک ہیں۔ تم سے میرا تعلق نہ وہ کبھی سمجھی تھی، نہ سمجھے گی۔ سو چپ رہنے میں ہی عافیت ہے۔ میری فکر مت کرو، اپنی فکر کرو میں آپ ہی کافی ہوں۔ تمہاری وجہ سے میری زندگی ڈسٹرب نہیں ہو رہی۔ نہ تمہارے جانے سے کوئی انقلاب آئے گا۔ سو تم یہیں رہو۔ جب تک جانے کو میں نہ کہوں۔“ اس کی جانب دیکھے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ بولا تھا اور گی خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

وہ لکھتے لکھتے وہیں ٹیبل پر سو گئی تھی۔

عفنان علی خان صبح اٹھا تھا تو اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ کچھ کہنے کا ارادہ تو نہ تھا تو قدم خود بخود اس کی جانب اٹھ گئے تھے۔ بہت آہستگی سے اس کا زمین پر جھولتا شال اٹھایا تھا شانوں پر دھرا تھا۔ جب اچانک وہ نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔ بے حد چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی درست کیا تھا اور ڈائری فوراً اٹھا کر ساتھ بھینچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان نے پہلے اسے اور پھر اس کی ڈائری کو دیکھا تھا۔

''وہ........ میں لکھتے لکھتے یہیں پر........'' انابیہ شاہ جانے کیوں وضاحت دینے لگی تھی۔ و چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا جب فاطمہ خان نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

''جاگ گئے تم دونوں؟'' مسکراتے ہوئے دونوں بچوں کو دیکھا تھا۔

''جی ماما!'' عفنان مسکرایا تھا۔ ''کوئی کام تھا تو مجھے بلوا بھیجا ہوتا۔'' ان کے زحمت کرنے فاطمہ مسکرا دی تھیں۔

''ہاں ــــــ کام تھا۔ گین کا فون آیا تھا۔ شام میں انوائٹ کیا ہے اس نے۔ نیو یارک وہ۔'' مطلع کیا تھا۔

''خیریت؟'' عفنان چونکا تھا۔ ''بھابی کے ساتھ یا ــــــ اور یہ پارٹی کس خوشی میں؟ ہنی مون کی تیاری تو نہیں؟'' وہ مسکرایا تھا۔ فاطمہ بھی مسکرا دی تھیں۔

''نہیں ــــــ غالباً ایسا نہیں ہے۔ کوئی آفیشل پارٹی ہے۔ تمہارا اسیل ٹرائے کر رہا تھا وہ۔ نہیں کر رہا تھا۔ تم نے سوئچ آف کر دیا ہوگا۔ میں نے سوچا بتا دوں۔ کہیں تم کسی اور اپائنٹمنٹ جاؤ۔ آج کا وقت فارغ رکھنا۔ ورنہ گین کو تم جانتے ہو، وہ تمہیں آ کر اٹھا لے جانے سے کرے گا۔'' فاطمہ نے مسکراتے ہوئے تنبیہہ کی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں ــــــ جانتا ہوں میں اسے۔ آپ فکر نہ کریں۔'' یقین دلایا تھا۔ مگر فاطمہ خان ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے چپ کھڑی ہوئی انابیہ کو دیکھا تھا۔

''ہاں، مگر تمہیں تنہا نہیں جانا ہے۔ انابیہ کو بھی تمہارے ساتھ جانا ہے۔'' فاطمہ خان۔ سے اپنی اکلوتی بہو کا چہرہ ہاتھ میں لیا تھا۔ انابیہ مسکرا دی تھی۔ عفنان علی خان اس کی طرف اک ڈالتا ہوا مڑا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔ فاطمہ بیٹے کو دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ ''عفنا لے کر اپ سیٹ مت ہوا کرو۔ اسے جانتی ہوں میں۔ بہت چاہتا ہے وہ تمہیں۔ اس سے اسے نہ کسی لڑکی میں انوالو دیکھا نہ کسی کے لئے اتنا سنجیدہ دیکھا۔'' فاطمہ نے محبت سے اسے کہا تھا۔ انابیہ ایک بار پھر مسرت سے مسکرا دی تھی۔

''ارے میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ نیچے تمہارے پاپا ناشتے کے لئے کہہ رہے تھے اور بالکل ہی بھول گئی انہیں ــــــ پہلے ہی شکوہ رہتا ہے، میں ان سے زیادہ عفنان کا خیال ر شکوہ تم سے کچھ سال بعد عفنان بھی کرے گا۔ باپ بیٹے میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔'' فاط

ہیں۔ وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔ فاطمہ نے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔

''تم فریش ہو کر آ جاؤ ــــــ میں ٹیبل لگاتی ہوں۔''

فاطمہ واپس پلٹ گئی تھیں۔ انابیہ کچھ دیر یوں ہی کھڑی دیکھتی رہی تھی۔ پھر چلتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ کی طرف آئی تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور ڈائری اس میں ڈال کر دراز بند کر دی تھی۔ جب عفنان علی واش روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ نگاہ اسے دیکھ کر کچھ چونکی ضرور تھی مگر وہ کچھ جتائے بغیر ٹاول بال رگڑتا ہوا شیشے کے سامنے آن رکا تھا۔

''رات ماما کا فون آیا تھا ــــــ دادا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے آنے کے لئے کہا اس نے پلٹ کر مطلع کیا تھا۔ عفنان نے اسے آئینے میں ایک نگاہ سرسری انداز میں دیکھا تھا اور جیل بالوں کو اسپائکس لک دینے لگا تھا۔

''یعنی تم پارٹی میں جانا نہیں چاہتی ہو۔'' لبوں پر خفیف سے تبسم میں ایک طنز تھا۔ انابیہ کچھ نہیں بولی اپنی صفائی میں اسے کچھ کہنا مقصود نہ تھا۔

''پچھلی بار بھی جب گین نے انوائٹ کیا تھا تب بھی تمہارے ساتھ کچھ ایسا ہی پرابلم تھا۔'' عفنان ے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ صبح صبح کی یہ بدمزگی وہ نہیں چاہتی تھی۔ تبھی بہت رسانیت سے اس کی طرف تے ہوئے بولی تھی۔

''آپ سمجھ رہے ہیں میں بہانے گھڑ رہی ہوں۔ جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ فون کر کے ماما سے بات سکتے ہیں۔'' اس کے شک کے پیش نظر کہا تھا۔

''مجھے کسی انویسٹی گیشن کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بے تاثر انداز میں کہہ کر اٹھ کر چلتا ہوا الماری کی ـ بڑھا تھا۔

''ٹھیک ہے ــــــ میں تیار ہو جاؤں گی۔ آپ پارٹی سے واپسی پر مجھے وہاں چھوڑ دیجئے گا۔'' انابیہ ، بغیر پلٹی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔ عفنان علی خان اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❄ ❄ ❄

میرب پارٹی کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ ابھی ابھی وہ دروازہ کھول کر اسے آرڈر دے گیا تھا۔ جب تک یہاں تھی، اس کے ''احکامات'' کی تعمیل کرنا فرض تھا اس پر۔ وہ کوئی بات ٹال کر کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں تی تھی۔ تیار ہونے کے بعد وہ کانوں میں ایئر رنگز پہن رہی تھی جب اس کا پرسنل سیل بجا تھا۔ میرب اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔ کوئی انجان مس نمبر وہ اٹھاتی نہیں تھی۔ مگر اس لمحے جانے کیوں کال ریسیو کے فون کان سے لگا لیا تھا۔

''ہیلو ــــــ!''

''ہیلو میرب!'' دوسری طرف اذہان حسن بخاری تھا۔ وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''ممی کو تمہارے متعلق بتایا۔ بات کرنا چاہتی تھیں وہ ــــــ ماما نے تمہارا ڈیجٹ دیا۔ کیسی ہو تم؟'' ماحت پیش کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں —— بات کراؤ آنٹی سے —— بائے دا وے، ایسا کیا بتا دیا تم میرے متعلق؟ کچھ اچھا ہی بتایا ہے نا؟" وہ عام تاثر سے بات کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"تم بات کرو ممی سے۔" اذہان حسن بخاری نے فون فارحہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"ہیلو میرب! —— میری جان! کیسے ہو آپ؟" فارحہ آنٹی نے بالکل ممی والے انداز میں کیا تھا۔ میرب کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"ٹھیک ہوں میں۔ آپ کیسی ہیں آنٹی؟" آواز کوشش کے باوجود بھرا گئی تھی۔ فارحہ دوسری ط کی کیفیت بھانپ گئی تھیں۔ ان کی خود کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"ایسے غیر ہو گئے تھے ہم —— پلٹ کر پوچھا تک نہیں —— مظہر بھائی نے تو خیر کبھی بھی نہیں سمجھا، تم نے بھی پرایا کر دیا پل میں؟" ان کا شکوہ بجا تھا۔ میرب کی آنکھوں سے چپ چاپ لگے تھے۔

"وقت اجنبی ہو گیا آنٹی! —— پاپا کی بیماری، پھر علاج کے لئے نیو یارک جانا، میرا انکار سب اس قدر اچانک ہوا کہ وقت ہی نہیں ملا۔"

"اور اس کے بعد؟ —— اس کے بعد بھی ہماری یاد نہیں آئی؟ —— آپا کے بعد تم نے لیا کہ ہم سے تمہارا ہر رشتہ ختم ہو گیا؟" فارحہ کی بات کا اس کے پاس کوئی جواب تھا نہ وضاحت۔ آنٹی کہہ رہی تھیں۔

"میرب بیٹا! تم نے مجھ سے کچھ کیوں نہیں کہا؟ —— ماہا کی مایوں والے دن اگر تم مجھ شیئر کر دیتیں کہ مظہر بھائی تمہارا رشتہ کہیں اور طے کر رہے ہیں تو میں کچھ بھی کر کے ان سے لیتی۔ آج میرا بیٹا ایک ادھوری زندگی نہیں جی رہا ہوتا۔ پاگل ہے وہ تو —— فیملی کے سوا اسے نہیں دیتا۔ اگر اس نے اپنی زندگی کو اہم جانا ہوتا تو آج مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا۔" فارحہ آنٹی دوسر رہی تھیں۔

"ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں ہے آنٹی!" میرب کی آواز مدھم تھی۔ کہتے ہوئے ا آنکھوں کو پونچھا۔

"ہاں، شاید —— ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں —— وقت گزرتا رہے تو اپنے پچھتاوے چھوڑ جاتا ہے۔ مگر ان پچھتاوؤں کے ساتھ جینا آسان نہیں ہوتا۔"

میرب جواباً کچھ نہیں بول سکی تھی۔

"کچھ فاصلے پر دوسرے لینڈ لائن پر مسلسل کوئی کال آ رہی تھی۔ بیل ہو رہی تھی۔ مگر میر —— اتنی اُلجھی ہوئی تھی کہ اٹھ کر دیکھ تک نہ سکی تھی۔ شاید اسے احساس تک بھی نہ تھا۔

"تم آؤ گی نہیں مجھے ملنے؟" فارحہ نے پوچھا تھا۔

"آپ بلائیں گی تو ضرور آؤں گی آنٹی!" اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"تو آجاؤ پھر۔" فارحہ آنٹی نے فوری فرمائش کی تھی۔

"آج؟" وہ چونکی تھی۔ "آج تو ممکن نہیں ہے —— گھر میں یہاں ایک پارٹی رکھی گئی ہے۔ میں ت نکال کر کسی روز آؤں گی۔ پاپا اور زوباریہ بھی آنے والے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ساتھ آئیں۔ ہان کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے۔ انوائٹ نہیں کریں گی آپ مجھے؟" مسکراتے ہوئے وہ تمام لات معمول پر ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

فارحہ دوسری طرف بہت دل گرفتہ دکھائی دی تھی۔ لبریز آنکھوں سے اذہان کی طرف دیکھا تھا جو کچھ ملے پر ماہا سے کوئی بات کر رہا تھا۔

"تمہاری آنٹی کے گھر کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے ہیں بیٹا! جب چاہو آجاؤ۔"

"تو ٹھیک ہے —— پھر میں بنا بتائے کسی بھی دن آجاؤں گی مگر آپ کو ممی کی طرح مجھے آلو کے ٹھے بنا کر اپنے ہاتھوں سے کھلانا ہوں گے۔"

"کھلاؤں گی۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولی تھیں۔ "تمہارا دُلہا کیسا ہے؟ —— ماہا بتا رہی تھی کہ اری بھی رخصتی ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔" وہ بجھے بجھے سے انداز میں بولی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اندر قدم دھرا تھا اور چلتا ہوا اس کے مقابل آن تھا۔ میرب نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

"آنٹی! —— میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" سلسلہ منقطع کر کے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ی قدر خشمگیں نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بہت ضروری کال تھی؟" نظریں اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں۔" میرب نے آہستگی سے جواب دے کر سیل ڈریسنگ ٹیبل پر دھرا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا اور بولا تھا۔

"کوئی اس سے ضروری فون کال اس لینڈ لائن پر بھی تھی —— مائی تم سے بات کرنا چاہتی تھیں۔" ہاس دلایا تھا۔ وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا کر کلائی میں قیمتی بریسلٹ پہننے لگی تھی۔

"سوری! —— مجھے دھیان نہیں رہا۔" وہ دانستہ اپنی بھیگی پلکیں چھپا رہی تھی۔

"دھیان نہیں رہا —— یا تم نے دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا؟" وہ وضاحت چاہ رہا تھا۔ مگر میرب ل نے اسے کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں وہ؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شدید ترین حیرت نے آن گھیرا تھا۔ میرب نے اس سے الجھنا مناسب نہیں ھا۔

"پارٹی کے لئے مہمان آگئے؟" بات یکسر بدل دی تھی اور یہ بات سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بہت دار گزری تھی۔

''تمہارے لئے مائی کی بھی اب کوئی اہمیت نہیں ہے؟''

''پوچھ تو رہی تھی۔ آپ نے بتایا نہیں تو کیا کروں؟ ـــــ زبردستی تو آپ سے اُگلوانہیر ایسا کوئی علم مجھے نہیں آتا کہ آپ کا دماغ پڑھ سکوں۔'' بے تاثر انداز میں کہہ کر پرفیوم خود پرا تھا۔

''تم میں ایسی کوئی صلاحیت اگر ہوتی تو صورت حال یقیناً اس سے بہت مختلف ہوتی میرب تو پرابلم ہے۔ دماغ کا استعمال تمہیں کرنا بالکل بھی نہیں آتا۔'' وہ اس کی عقل پر افسوس کرتے ہو اور پلٹ کر چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ مگر دروازے کے پاس جا کر جانے کیوں گیا تھا۔ پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

''مائی کا خیال تھا تم ان کے پاس کچھ دن گزار لو۔ مگر شاید اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد میں نیویارک فلائی کر جاؤں گا۔ تم یہاں رہنا چاہتی ہو یا کہیں اور، اس کا فیصلہ تم کرسکتی ہو۔ تاثر انداز میں کہتا ہوا وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال کچھ لمحوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی پھر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ عفنان اور انابیہ اسے رستے میں ہی مل گئے تھے۔

''واہ بھابی! یو آر لکنگ سو فیبلس۔ میں تو گین سے واقعی جیلسی فیل کرنے لگا ہوں۔ آج میرج کے کتنے فائدے ہوتے ہیں۔'' کن انکھیوں سے انابیہ کو دیکھا تھا۔ جلے دل کے پھپھو انداز بہت خوب تھا۔ میرب سیال مسکرائی تھی۔

''لو، میرج ہو یا ارینج میرج ـــــ شادی دونوں صورتوں میں ایک جوا ہے عفنان! تمہیں ابھی نہیں، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہوگا۔ ابھی تو نئی نئی رتوں کا خمار دلفریب ہوگا۔'' مسکراتے ہوئے کچھ فاصلے پر سیل فون پر بات کرتے ہوئے گین کو دیکھ کر طنز کا تیر اچھالا تھا۔ دیا تھا۔

''کاش ایسا کچھ ہوتا بھابی! بٹ آئی ایم ناٹ لکی۔ اِن فیکٹ سب گین صاحب کی طرح نہیں رکھتے نا۔''

انابیہ کو سخت اُلجھن ہونے لگی تھی۔ مگر وہاں ٹھہرنا اس کی مجبوری تھی۔

''شادی ایک جوا ہو نہ ہو، ایک بلا ضرور ہے جو گلے پڑتے ہی گلا دبا دیتی ہے ـــــ مرض سے بچ سکتا ہے ـــــ کسی بہت بڑے خطرے سے بھی صحیح سلامت گزر سکتا ہے۔ مگر امپاسبل۔'' عفنان نے تہیہ کرلیا تھا ساری کسر آج ہی پوری کر دے گا۔

میرب، انابیہ کو اپنے ساتھ لگاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''اتنی تو خوب صورت وائف ہے تمہاری۔ تمہیں کس بات کا قلق ہے؟''

''کوئی ایک ہو تو بتاؤں بھی۔ یہاں تو ہزاروں شکوے ہیں۔ کیا کیا سناؤں؟'' عفنان میرب بھی مسکرائی تھی۔ تبھی گین چلتا ہوا ان کے قریب آن رکا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ کس کو کس سے شکوہ ہے یہاں؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''یہ پوچھو کس کو کس سے شکوہ نہیں ہے۔ مجھے تو تم سے بھی ہزاروں شکوے ہیں بھائی میرے کہ ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی مہینوں نہ شکل دکھاتے ہو نہ دیکھتے ہو۔ بائے داوے کل شام تم اس ریسٹورنٹ میں کیا کر رہے تھے ان خاتون کے ساتھ؟''

میرب نے چونکتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا مگر وہ بہت بے تاثر انداز میں اس کی طرف سے نگاہ پھیرتا ہوا پُرسکون لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''کون خاتون؟ ـــــ گی ہے وہ ـــــ شی از مائے فرینڈ ـــــ آج کل وہ یہیں میرے پاس رہ رہی ہے۔'' مطلع کرتے ہوئے میرب کو یکسر نظر انداز کیا تھا اور مسکراتے ہوئے اس جوڑے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''بائے داوے، تم ابھی تھوڑی دیر قبل ایک دوسرے سے کیا شکوے شکایات کرتے دکھائی دے رہے تھے؟ ابیہ! جانتی ہو تم، یہ بندہ پاگل ہے تمہارے لئے۔ تم نے اسے نہیں دیکھا ـــــ میں نے دیکھا ہے۔ جب لڈنیپ کے بعد تم ہاسپٹل میں تھیں اس وقت اس کی حالت دیکھنے والی تھی۔ مجھ جیسے شخص کو جسے پیار محبت برے سے کوئی یقین ہی نہیں، ماننا پڑا کہ محبت شاید کہیں نہ کہیں ہے ـــــ اور بہت ٹھوس شواہد کے ساتھ موجود ہے۔ وہ جب چاہے اپنا آپ منوا سکتی ہے۔ میں اس لمحے کو کیچر (Capture) کرسکتا تو تمہیں ضرور دکھاتا۔ یو آر رئیلی اے لکی گرل۔ تم نے اس کے اندر محبت جگائی۔ کوئی تو خاص بات ہو گی تم میں۔ اس لمحے میں نے شدت سے تمہیں اس سے ملنے کی دعا مانگی تھی اور دیکھو وہ پوری بھی ہو گئی۔ آج تم دونوں ساتھ ہو۔ اینوی ایبل کپل۔ آئی مسٹ سے۔'' وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انابیہ زبردستی مسکرائی تھی بلکہ عفنان ہنس دیا تھا۔ گین نے اس کے ہنسنے سے قطع نظر انابیہ کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے صلاح دی تھی۔

''سب لوگ عورت کو کمزور کہتے ہیں ـــــ سمجھتے ہیں۔ مگر میں تو اس مقولے کو سرے سے رد کرتا ہوں۔ عورت چاہے تو کچھ بھی کرسکتی ہے۔ جو مرد جیسی چیز کو ''کمپلیٹ'' کرتی ہے، وہ خود کمزور کیسے ہوسکتی ہے؟ عفنان کی قدر کرنا ـــــ یہ صرف تمہارے خدوخال سے محبت نہیں کرتا۔ کوئی بھی مرد صرف ایک عورت سے محبت نہیں کرتا۔ اس کے لئے اس کے خواص زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ بہت راز کی بات بتا رہا ہوں میں۔ ہاں یہ البتہ ہم مرد نہیں جانتے کہ ایک عورت مرد کی کس بات سے محبت کرتی ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا اور انابیہ مسکرا دی تھی۔

''ایک عورت مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے۔ یہ بھی ایک گہرا راز ہے جو میں آج کھول رہی ہوں۔''

''اوہ، رئیلی۔ ایک عورت مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے؟ ـــــ ویری انٹرسٹنگ ـــــ یعنی اگر میں کسی عورت سے محبت کرتا ہوں تو میری بیوی اس عورت سے محبت کرے گی ـــــ ہے نا؟ ـــــ یہی مطلب ہے نا تمہارا؟'' گین نے شرارت سے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔

انابیہ نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔ میرب چپ چاپ کھڑی تھی۔

”اچھا —— میں تو یہی سمجھا تھا —— ہے نا عفنان! —— تم بھی یہی سمجھے تھے نا؟“ عفنان ہم خیال کرنا چاہا تھا۔ عفنان نے شانے اچکا دیئے تھے۔

”پتہ نہیں بھائی! وہاں امریکہ میں تو لڑکیاں جس مرد سے محبت کرتی ہیں اس کے کتے سے بھی کرتی ہیں۔ انہیں ان کا کتا بھی اتنا ہی عزیز ہوتا ہے۔ مگر پاکستانی عورتوں کا کوئی پتہ نہیں۔“ عفنان بو اور وہ دونوں بھائی ہنس دیئے تھے۔

میرب کو اپنا وجود وہاں بہت مس فٹ لگ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ جانے کو تھی جب گین نے اس کا تھام کر اسے روک لیا تھا اور عفنان سے بات جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

”پاکستانی لڑکیوں کا واقعی کچھ پتہ نہیں —— بہت گہرے راز جیسی گہری ہوتی ہیں یہ۔ نہ کھلتی کھلنے دیتی ہیں —— اینی ہاؤ —— لٹس انجوائے دی پارٹی۔ آئی ول جوائن یو لیٹر۔“ عفنان اور سے کہا تھا۔ وہ دونوں مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکراتے ہوئے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ میرب سیال کا ہاتھ اب بھی ہاتھ میں تھا۔ میرب سوالیہ نظروں سے اس کی سمت ہوئی منتظر تھی اس کی جب وہ ان دونوں کو سراہتا ہوا بولا تھا۔

”گڈ کپل نا؟ انہیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے، محبت کرنے والے بے وقوفوں کی دنیا میں کچھ کی اب بھی کثرت سے مل جاتے ہیں۔“ پتہ نہیں وہ کیا کہنے جا رہا تھا جو اس طرح کا انداز اختیار کر میرب اس کی طرف دیکھتی ہوئی چپ چاپ منتظر تھی۔

”تم نے ڈیسائیڈ کر لیا؟ —— مائی تمہیں لے کر بہت پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔ ان کا ب تو اُڑ کر یہاں پہنچ جائیں۔ زیادہ دنوں کے لئے نہیں جا رہا۔ مگر ان کی فکر سمجھ میں آنے والی ہے۔ ا انہوں نے کبھی میری بھی نہیں کی۔ تم تو میرے رشتوں کو بھی میرا نہیں چھوڑ رہی ہو۔“ شکوہ نہیں، غا کوئی۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے آزاد کرتے ہوئے وہ مزے سے بولا تھا۔

”مظہر سیال صاحب سے بات ہوئی تھی میری۔ غالباً وہ آج کل میں آ رہے ہیں۔ اگر وہ آ جا تو اچھی بات ہے۔ ورنہ تم مائی کے پاس چلی جانا۔ مسٹر چاولہ یہیں ہوں گے۔ وہ آپ کو مائی۔ بحفاظت پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ مزید کچھ کہنے جب گی نے اسے پکارا تھا۔

”گین ——!“

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا اور بہت رکھ رکھاؤ سے ”ایکسکیوزمی“ کہہ کی جانب بڑھ گیا تھا۔ میرب کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

عفنان علی خان انابیہ کی خواہش کے پیش نظر اس کے میکے میں چھوڑ کر گھر آ گیا تھا۔

زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے اس کی سنگت کو مگر اس کے بنا اپنا یہ کمرہ بہت حد تک خالی سا باتھ لے کر کتنی دیر تک کھڑا کمرے کے سناٹے میں اسے ”مس“ کرتا رہا تھا۔ پھر قدم بہت آہستہ

طرف بڑھائے تھے۔ آج بہت دنوں بعد وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر تھا۔ ورنہ ”حفظ ماتقدم“ کے طور پر یہ لاقۂ ممنوعہ“ ہو چکا تھا اس کے لئے۔ جب سے انابیہ اس گھر میں تھی، وہ صوفہ ہی اس کا بیڈ تھا۔ نرم نرم ز پر لیٹا تھا تو دن بھر کی تھکن کا احساس ہوا تھا۔ غالباً سر میں بھی درد تھا۔ اس نے سائیڈ دراز کھولا تھا لٹ ڈھونڈنے کے خیال سے۔ تبھی ہاتھ انابیہ کی ڈائری سے ٹکرایا تھا۔ جانے کیوں اس کی ڈائری کو ہاتھ ا لے لیا تھا۔

تھا تو ”خلافِ قانون“ مگر وہ اس لمحے رہ نہیں سکا تھا۔ آج تک کوئی ”بے ایمانی“ نہیں کی تھی مگر اس ے جانے کیوں کچھ بغاوت کرنا بھلا لگا تھا۔ فطری تجسس عود کر آیا تھا اور عفنان علی خان اس ڈائری کے حے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

18 جنوری

آج بہت افسوس ہوا۔ لیکن سب کچھ لامعہ کی بچی کی وجہ سے ہوا۔ ایک تو رات دیر تک اس کا اور پھر اسائنمنٹ تیار کرنے میں لگی رہی۔ اور صبح جب کیمپس میں پہنچی تو لامعہ نے راہداری میں روک کر ہی بتا کہ آج کلاس نہیں ہو رہی —— لٹس موو ٹو کیفے —— ہم دیر تک بیٹھے ٹیبل بجا کر گاتے رہے۔ اور ب باہر نکلے تو پتہ چلا کہ سر ہاشمی کلاس لے کر جا چکے ہیں —— میں نے وضاحتی نظروں سے لامعہ کو ھا مگر وہ شانے اچکا کر بے نیاز بن گئی۔ مگر اس کی مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ شرارت کر چکی ہے۔ ٹوپڈ، آج اس کی وجہ سے کلاس بھی مس کرنا پڑ گئی۔ لان میں وہ آگے آگے تھی اور میں پیچھے پیچھے۔ مگر ری خجالت دور نہیں ہو رہی تھی اور وہ ہنس رہی تھی۔ یہ پہلی شرارت نہیں ہے اس کی۔ ایسی شرارتیں وہ روز رتی ہے۔ مگر —— ایک بات ہے۔ اس کے باوجود وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ میں بہت اچھی طرح سے ے جانتی ہوں۔ وہ بچپن سے ہی ایسی ہے۔

20 جنوری

آج دادا جی کا ریگولر چیک اپ تھا۔ مگر میں غازی کی وجہ سے اتنی اپ سیٹ تھی کہ انہیں ہسپتال لے کر نا تو دور کی بات اپنے کمرے تک سے نہ نکل سکی تھی۔

کتنے برس ہو گئے غازی کو گئے —— مگر میں آج بھی، جب اس کی برسی ہوتی ہے —— اسے اپنے ل پاس محسوس کرتی ہوں —— اپنے بھائی کی صورت میرے سامنے ہوتی ہے —— اور مجھے وہ ایک بس لمحہ یاد آتا ہے جب ہم دونوں ساتھ تھے۔ پتہ نہیں کیوں؟ —— میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جو شے میری مطلوب ہوتی ہے تو مجھے اس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ وہ شے میری دسترس سے ر ہو جاتی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی —— اور مجھے اسے بھولنا شرط لگتا ہے۔ آج بھی حسب معمول ممی لا کو ہاسپٹل لے کر گئیں اور ہمیشہ کی طرح اوزی کا فون بھی آیا۔ اوزی میرے لئے غازی جیسا ہے۔ روتی ہوں تو وہ مجھے رونے نہیں دیتا۔ کہتا ہے میں تمہارا غازی ہوں —— تمہارے دو بھائی تھے —— بس چلا گیا —— ایک تمہارے پاس ہے۔ جو تمہارے پاس ہے تم اس کے بارے میں سوچا کرو —— چپ ہو جاتی ہوں۔ مگر میں اسے نہیں بتا سکتی —— میں غازی کو نہیں بھول سکتی۔

21 جنوری

لامعہ بہت عجیب ہے اور بدتمیز بھی۔ سمجھتی ہی نہیں ——— اوزی بہت چاہتا ہے اسے۔ اور یہ ب جانتی ہے۔ مگر مانتی نہیں۔ پتہ نہیں لامعہ کے دل میں کیا ہے مگر اوزی کے دل میں صرف لامعہ ہے اپنے بھائی کے لئے وہ "پرفیکٹ میچ" لگتی ہے مگر بات ایسے تو نہیں بنتی۔ ایک نہیں ——— دو نہیں۔ کئی بار اوزی اپنی توجہ کا اظہار لامعہ سے کر چکا ہے۔ مگر لامعہ سنجیدہ نہیں۔ آج شاید دلبرداشتہ ہو ک واپس لوٹ گیا ——— اور سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا۔ میرا دوسرا بھائی بھی مجھ سے دور ہو گیا۔ لامعہ کو اس کا قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی۔ دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں۔ زبردستی نہیں جڑتے۔ میں جانتی ہوں۔"

25 جنوری

لامعہ سوچتی ہے میں بے وقوف ہوں اور مجھ جیسی ایڈیٹ، اسٹوپڈ لڑکی اس ساری دنیا میں نہی اس کے خیال میں مجھ میں لڑکیوں والی کوئی بات نہیں ہے ——— نہ سجنا ——— نہ سنورنا ——— ن طرح ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کرنا ——— نہ یہ، نہ وہ ——— مجھے اختلاف نہیں ——— مگر میں چاہ کر جیسی نہیں ہو سکتی۔ وہ بہت پیاری ہے۔ ہم دونوں میں تضاد سہی مگر ہم دونوں ایک دوسرے نہیں۔ آج خلاف معمول یہ ہوا کہ لامعہ نے مجھے بہت سی شاپنگ کروائی ——— میری مہینے بھر ک منی ایک دن میں اُڑا دی۔ مجھے بہت سے شوخ رنگوں کے ڈریسز دلوائے اور پتہ نہیں کیا کچھ۔ پتہ ہوا یا برا ——— مگر مجھے ایک مہینے کی پاکٹ منی جانے کا واقعی افسوس ہے۔ مگر لامعہ کا کچھ نہیں کیا جا

28 جنوری

آج لامعہ نے اچھی خبر سنائی ہے۔ اس کی انگیج منٹ ہو رہی ہے۔ اس کی خوشی ہمیشہ مجھے ب کرتی ہے۔ مگر دل میں جانے کیوں ایک خیال یہ بھی آیا ——— کیا ہوتا اگر لامعہ نے میرے بھائ لئے چنا ہوتا۔ خیر اتنی خوشی کے موقع پر مجھے کچھ عجیب نہیں سوچنا چاہئے۔ شاید اوزی کے لئے کہیں بہت خوب صورت لڑکی رکھی ہو گی۔ شاید ہم سب کے لئے کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی ہے۔ جیسے لا من پسند جیون ساتھی ملنے پر خوشی ہے، ایک دن اوزی بھی خوش ہو گا۔ اور میں کس لئے ہوں — بھائی کے لئے بہت خوب صورت سی لڑکی ڈھونڈوں گی ایک دن ———!

عفنان علی خان نے دو چار صفحے ایک ساتھ الٹ دیئے تھے۔

7 فروری

لامعہ نے اپنا ہم سفر چن لیا ہے۔ آج اس کی انگیج منٹ تھی۔ لامعہ کا خیال ہے اب مجھے بھ لگ جانا چاہئے۔ مجھے بھی کسی کو ڈھونڈ لینا چاہئے۔ مگر میرا خیال ہے کہ جسے مجھے ڈھونڈنا ہو گا وہ میں خود آئے گا۔ میں ایسے تردّد کرنے والی نہیں۔ لامعہ اگر انابیہ جیسی لڑکی سے ایسا کچھ ایکسپک ہے تو یقیناً وہ حماقت کے دہانے پر ہے۔ مجھے پتہ ہے اگر وہ یہ لائنز پڑھے گی تو مجھے بے وقوف کی۔ مگر کیا کروں ——— میں ایسی ہی ہوں۔

لامعہ کی انگیج منٹ سیریمنی اچھی رہی۔ اس کا ہونے والا ہزبینڈ اچھا ہے۔ مجھے جوڑی اچھی لگی ہے۔ رے لامعہ ہمیشہ خوش رہے۔

14 فروری

محبت کرنے والوں کا دل بھی عجیب ہے۔ کوئی یادگار بناتے ہیں، کوئی یادگاریں مناتے ہیں۔ کوئی عہد و وفا کرتے ہیں۔ کوئی محبت سونپتے ہیں۔ حالانکہ محبت کرنے کے لئے نہ دن کی قید ہونا چاہئے نہ کی۔ مجھے محبت کے متعلق کچھ خاص پتہ نہیں۔ مگر آج اوزی سے بات ہوئی۔ وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا ے اس کیفیت میں دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگا۔ وہ لامعہ کو مس کر رہا تھا اپنی زندگی میں ——— ایسا اس کہا نہیں۔ مگر میں اپنے بھائی کی آواز سے جان سکتی ہوں۔ میرا یقین ہے دنیا کی کوئی بھی سب سے اچھی جہاں کہیں بھی ہے وہ صرف میرے بھائی کے لئے ہے۔ خدا میرے بھائی کو بہت سی خوشیاں دے۔

آج لامعہ کے فیانسی سے بھی ملاقات رہی۔ میں باہر لان میں تھی جب وہ آیا۔ بہت دلچسپ گفتگو نے کا عادی ہے۔ اس کا سنس آف ہیومر کمال کا ہے۔ بالکل لامعہ کی طرح۔ خدا لامعہ کو بھی خوش کھے۔ لامعہ میرے لئے بضد تھی اور میں نے اسے لڑکا دیکھنے کے لئے کہہ دیا ہے۔ اسے مطمئن کرنے لئے یہ ضروری تھا۔ ورنہ وہ جان کہاں چھوڑتی ہے ———!

عفنان علی خان نے کچھ صفحے تیزی سے پلٹے تھے۔ جتنا بڑا معمہ وہ اسے ہمیشہ لگی تھی غالباً اتنی ہی تھی۔ کی پرسنل ڈائری میں کچھ بھی اس کا پرسنل نہ تھا۔ خود سے زیادہ لوگوں کی باتیں تھیں ——— دوسروں کے لے تھے ——— یعنی وہ زندگی میں خود کو اہمیت دینے کی کبھی قائل نہیں رہی تھی یا پھر اسے پتہ ہی نہیں خبر ہی نہیں تھی کہ وہ کس قدر اہم ہے۔ عفنان علی خان کو اب تک ایسا کچھ نہیں ملا تھا جو اسے حیران کر یہ تمام باتیں وہ تھیں جنہیں وہ جانتا تھا۔ جن کی اسے خبر تھی۔ کیا تھی انابیہ شاہ؟ کیا وہ واقعی اس کی ج میں تھا؟

25 مارچ

رابطوں میں ——— واسطوں میں ایک لاجیکل پوائنٹ ہوتا ہے۔ میں ٹھیک طور پر کچھ اخذ نہیں کر سکی ایک رابطہ مجھے اچھا لگ رہا ہے اور وہ ہے عفنان علی خان کا مجھ تک آنا ——— مختلف حیلوں سے، وں سے ——— اور زاویوں سے مجھے تکنا ——— میری طرف بڑھنا!

شاید وہ جانتا ہو جو وہ کر رہا ہے۔ میں صرف ایک بات جانتی ہوں ——— میں ایک لڑکی ہوں اور لڑکی حسیات مرد سے بھی کہیں زیادہ شارپ ہوتی ہیں ——— بہت سی مخفی باتوں کا ادراک مجھے بھی اس طور ہو جاتا ہے جس طرح کہ عام لڑکیوں یا خواتین کو ہوتا ہے۔

عفنان علی خان کا مسلسل مجھ سے ٹکرانا ——— حیلوں بہانوں سے مجھ سے ملنا ——— میرے گھر دادا جی سے دوستی گانٹھنا ——— بے معنی کچھ بھی نہیں۔ شاید وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ مگر جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے ——— لامعہ میری بہترین دوست ہے اور مجھے اسے کسی بھی طرح ہرٹ نے سے بچانا ہے۔

5 اپریل

اوزی واپس آ گیا ہے۔ مجھے خوشی ہے، وہ کسی طور سنبھل گیا ہے اور زندگی کی طرف واپس ہے۔ لامعہ کو بھولنا یقیناً اس کے لئے آسان نہیں رہا ہو گا۔ مجھے محبت سے کبھی واسطہ نہیں رہا۔ لئے شاید میں اس کی کیفیت اس طور نہیں سمجھ سکتی۔ مگر میں جانتی ہوں، سب کچھ بھول کر وہ اپنی ز معمول کی طرف لائے۔

15 اپریل

آج جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ عفنان علی خان کی حوصلہ افزائی میں نے کبھی نہیں کی۔ مگر بڑھتے ہوئے قدم کبھی نہ روک سکا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا میں اسے کیسے سمجھاؤں اور باز رکھو کئی بار سختی سے بات کر کے دیکھی ——— مگر وہ عجب دیوانگی کے بخار میں مبتلا ہے ——— سمجھتا اور آج تو حد ہو گئی ——— اس نے اپنی محبت کا برملا اظہار کر دیا اور میں ساکت رہ گئی۔ جانے کیو کہہ سکی۔ کیا کروں اس شخص کا ——— کچھ سمجھ میں نہیں آتا ——— میں اس کی فارم ہاؤس کی اس سرے سے جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مگر ممی اور دادا ابا اور پھر اوزی کے ان سسٹ کرنے پر چلی سانحہ ہو گیا۔

کیا کر رہا ہے وہ؟ ——— کیا وہ نہیں جانتا؟ ——— لامعہ سے اس کا رشتہ اور مجھ سے اس حرکتیں اسے زیب نہیں دیتی ہیں۔ مجھے پریشان کر کے، اس طرح ڈسٹرب کر کے اسے کیا مل رہا۔ میری سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آ رہا۔ کیا کروں اس کا ——— اگر لامعہ کو ایسا کچھ پتہ چل گیا میری کوئی غلطی کہیں نہیں۔ مگر کہاں میں گواہیاں دیتی پھروں گی ——— اس شخص کو اپنے امیج ک نہیں مگر اسے میرا تو کچھ خیال کرنا چاہئے ——— مجھے اس شخص سے واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔ زندگی میں کبھی میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا ——— کوئی میرے قریب نہیں آیا ——— کبھی ک ہی نہیں ہوئی۔ پھر اب کیسے؟ میری سختی، سرد مہری اور ہارش بی ہیویئر کے باوجود وہ کیوں دیوانہ بنا

30 مئی

”یہ کیا ہوا ہے؟ ——— میری سمجھ میں نہیں آ رہا ——— لامعہ کی انگیج منٹ ٹوٹ گئی ہے۔ آ تھی اور میرے شانے پر سر رکھ کر تا دیر روتی رہی۔

عفنان علی خان نے اسے کہا ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اس لئے وہ اس کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ رشتہ توڑ دیا ہے اس نے کہ رشتے کی کوئی وقعت نہ تھی۔ یہ کیا ہوا؟ ——— ایسا تو چاہئے تھا۔ وہ لامعہ ——— میری عزیز دوست ——— میرے کاندھے پر سر رکھے تا دیر روتی ر کے آنسو قطرہ قطرہ میرے دل پر گرتے رہے۔ میں جو کسی غیر، کسی اجنبی کو تکلیف میں نہیں دیکھ چیونٹی تک کو نہیں مار سکتی، اپنی دوست کا درد چپ چاپ سہہ رہی ہوں ——— اور درد بھی وہ جو ذات کا دیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی عفنان علی خان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ پھر میری سمجھ می میری محبت کی جڑیں اس کے اندر اتنی گہری کیسے ہو گئیں کہ اس نے اتنا انتہائی قدم لے لیا۔ کیا

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ——— میں اپنی دوست کی مجرم کیسے بن گئی؟

9 جون

پاگل ہے وہ شخص۔ ادھر لامعہ سے انگیج منٹ توڑی ادھر مجھے پرپوز کر دیا۔ رشتے کیا ہیں اس کے لئے؟ تعلق کیا معنی رکھتے ہیں؟ ——— محبت کرنے کا دعویدار ہے وہ۔ محبت ایسی نہیں ہوتی۔ اتنی خود غرض، اتنی بے درد ——— اس نے لامعہ کا دل توڑ دیا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا ——— لامعہ نے اوزان سید کا دل توڑ دیا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی اور میں ——— میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے ہمیشہ سب کی خیر خواہی چاہی ——— بھلا چاہا ——— پھر ایسی مشکل صورت حال سے میرا واسطہ کبھی نہیں پڑا۔ شاید اس وقت میں ہی وہ واحد ہستی ہوں جو کوئی حتمی فیصلہ لے کر سب کچھ بدل سکتی ہوں۔ میں نے انکار کر دیا ہے اور دادا ابا اور ممی نے بھی میرے فیصلے کو سراہا ہے۔ میں عفنان علی خان سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتی نہ ہی کوئی رشتہ استوار کرنا ——— اس کا کہنا ہے کہ وہ شدید ترین محبت میں مبتلا ہے مجھ سے ——— اس کا کہنا ہے محبت دیوانگی ہے اور وہ میرے لئے دیوانہ ہے۔ مگر میں جانتی ہوں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ عشق دماغ کا صرف خلل ہے۔ اور بہت جلد وہ مجھے بھول جائے گا۔ محبت کسی بھی دیوانگی سے پُر کیوں نہ ہو، کتنی بھی بے بس کر دینے والی اور شدید کیوں نہ ہو، کسی کو دُکھ نہیں پہنچا سکتی۔ جو دوسروں کو تکلیف دے کر خود راحتیں ڈھونڈے وہ محبت نہیں ہو سکتی ——— یہ بات مجھے عفنان علی خان کو باور کرانا ہے۔

23 اگست

سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں۔ کیا کروں، فیصلہ نہیں ہوتا۔

لامعہ کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ شاید مجھے اسے سب کچھ بتا دینا چاہئے۔ وہ نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کون ہے جس کے لئے عفنان علی خان نے اسے چھوڑا۔ مگر میں جانتی ہوں اور میں کوئی بوجھ دل پر لے کر جینا نہیں چاہتی۔

29 اگست

آج جب لامعہ مجھے گھر چھوڑنے آئی تھی، میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو شاید اس گلٹ کے ساتھ ہی مر جاتی۔ میرا دل بند ہو جاتا۔ مجھے عفنان علی خان سے نفرت ہونے لگی ہے۔ اپنے آپ کو ایک تعلق کے بوجھ سے آزاد کرنے کے بعد وہ خود کو کس قدر آزاد محسوس کرنے لگا ہے۔ اب وہ اور بھی دیدہ دلیری سے مجھ سے اپنی محبت کا دم بھرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ میرا دل جیت لے گا اور میں جانتی ہوں، وہ صرف اور صرف خوش فہمی میں جی رہا ہے۔ دل ایسے نہیں جیتے جاتے، یہ بات اس کی سمجھ میں بھی جلد آ جائے گی۔

1 ستمبر

ابھی تھوڑی دیر پہلے عفنان علی خان کا فون آیا تھا ——— پتہ نہیں کیوں، یہ شخص سمجھتا ہی نہیں کہ میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ کر بھی نہیں سکتی۔ لامعہ کے خوابوں کو مسمار کر کے میں ان پر اپنا محل کھڑا نہیں کر سکتی۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں دنیا میں کسی کے ساتھ بھی کوئی تعلق باندھوں گی تو اور کوئی بھی ہو،

عفنان علی خان ہرگز نہیں ہوگا۔ لامعہ مجھے بے حد عزیز ہے اور میں اسے کوئی تکلیف نہیں دے سکتی۔
علی خان اپنی محبت میں اندھا ہو سکتا ہے، میں نہیں۔ مجھے اس کی محبت کسی صورت قبول نہیں۔ وہ کہتا
وہ اپنی محبت میں سچا ہے۔ رشتے کو اوسٹی سے نباہ نہیں پایا سو توڑ دیا۔ لامعہ کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا
توڑ لیا۔ اس نے ایمانداری سے کام لیا—— اچھا کیا—— ایسا وہ سمجھتا ہے۔ جتنا وہ مجھے چاہتا
ساری دنیا میں، کائنات میں کوئی نہیں چاہ سکتا۔ ایسا وہ سمجھتا ہے۔ مگر میں کیا کروں؟ میں ایسا نہ سمجھتی ہو
خیال کرتی ہوں۔ میری زندگی میں میرا ہم سفر کوئی بھی ہو سکتا ہے، عفنان علی خان نہیں۔

سو میں نے اسے کہہ دیا ہے، میں اس سے محبت نہیں کرتی—— کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔
زندگی میں کوئی اور ہے جسے میں چاہتی ہوں۔ محبت کرتی ہوں۔ کون؟ یہ بات نہ اس کے لئے اہم
چاہئے نہ ضروری۔ میں جانتی ہوں اس بات نے اسے برہم کیا ہوگا—— بہت زیادہ طیش دلایا ہو
یہ ضروری تھا اس کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے لئے—— مجھ سے دور جانے کے لئے۔

بہت تھک چکی ہوں میں—— صبح کیمپس جانے کا موڈ بالکل بھی نہیں۔ مگر لامعہ کا فون آیا
بضد ہے کہ میں ضرور آؤں۔ ادھر اوزی جا رہا ہے۔ وہ بھی منع کر رہا ہے کہ میں کیمپس نہ جاؤں۔ مگر لا
میں نہیں ٹال سکتی—— سو صبح ضرور جانا ہے—— ہاں جلد لوٹ آؤں گی—— اوزی کو بھی تو نا
نہیں کر سکتی نا!—— بھائی کی حیثیت اپنی جگہ ہے۔

21 ستمبر

زندگی میرے لئے اپنا مفہوم بدل چکی ہے—— سب کچھ بدل چکا ہے—— میں نے ایسا
میں کبھی نہیں سوچا تھا جو میرے ساتھ ہوا—— اپنی انا، اپنا وقار، اپنا پندار سدا عزیز رہا مجھے۔ کبھی وہ
نہیں کیا جس سے کوئی حرف آئے۔ پھر میرے ساتھ ایسا کیونکر ہوا؟—— میں، میں نہ رہی——
انا نہ رہی—— میرا غرور نہ رہا—— میرا سدا اٹھا ہوا سر جھک گیا۔

سوچتی ہوں تو یقین نہیں ہوتا۔ میں اغواء کر لی گئی—— اس شہر میں، ان گلیوں سے——
میں ساری زندگی چلی—— اچانک کیسے ہو گیا یہ؟—— سوچتی ہوں اگر لامعہ کے اصرار پر
کیمپس نہ گئی ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوا ہوتا—— پھر سوچتی ہوں—— ایسا ہونا ہوتا تو گھر پر بیٹھ کر
ہو جاتا۔ پتہ نہیں کون لوگ تھے۔ کس نے کیا یہ؟ میں سمجھ نہیں پائی—— آنکھ کھلی تو میں ایک
میں تھی۔ اور وہاں کوئی نہ تھا۔ میں چیختی رہی—— روتی رہی—— رات گئے کوئی آیا۔ میں کر
ساتھ بندھی ہوئی تھی—— سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا—— صرف قدموں کی آہٹ تھی
صورت تک نہ دیکھ سکی۔ میرے ناک پر ایک بار پھر کلورو فارم والا رومال رکھ دیا گیا—— اور میں
خرد سے ماورا ہو گئی—— پھر کیا ہوا؟—— مجھے خبر نہیں۔ جب میں ہوش میں آئی تو میں ہاسپٹل
پر تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ میں موت کو شکست دے کر لوٹی ہوں—— اپنے کڈنیپ کے صرف چوبیس
میں، میں بازیاب کروالی گئی تھی۔ اور ایسا عفنان علی خان نے کیا تھا۔ میری زندگی کو بچانے میں اس
کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ کیونکہ وہ مجھ سے شدید محبت کرتا تھا۔ شدید ترین محبت!—— سو اس نے

ں جینا نہیں چاہتی تھی۔ اگر میں مر گئی ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔ نظریں نہیں ملا پا رہی تھی میں سب
پنے آپ سے—— میری غلطی کہیں نہیں تھی—— مگر میں اپنا سر بہت جھکا ہوا محسوس کر رہی
عفنان میرے آس پاس ہے۔ اس نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، مجھے بچایا ہے، میری
ائی ہے۔ مگر میرے دل میں اس کے لئے کچھ نہیں—— کہیں بھی نہیں!—— اگر اس نے
ل میں جگہ حاصل کرنا چاہی تھی تو وہ نا کام رہا ہے۔ وہ ایسا کر کے بھی میرے دل میں جگہ نہیں بنا
کچھ ٹھیک ہے۔ دنیا کو دیکھتی ہوں تو سب کچھ اپنے مقام پر لگتا ہے۔ سب مجھے جینے پر اکساتے
گی کے مفہوم بتاتے ہیں، سمجھاتے ہیں۔ مگر کوئی میری نظر سے مجھے نہیں دیکھتا۔ میں پہلے جیسی
رہی—— کوئی یہ بات کیوں نہیں سمجھتا——!
ان علی خان کی آنکھیں مجھے اب بھی ویسے ہی دیکھتی ہیں۔ ان میں اب بھی ویسی ہی دیوانگی ہے۔
اس کی دیوانگی سے وحشت ہوتی ہے۔
ے چاہ سکتا ہے وہ مجھے اس قدر—— اس طرح!
ے اس کا دل اتنا وسیع ہو سکتا ہے—— ایک لڑکی جو کڈنیپ ہو چکی ہے اس کے لئے وہ اب بھی
سوچتا ہے۔
و وہ بہت عظیم بننے کی کوشش کر رہا ہے—— یا——!

2 ستمبر

رے پاس سے لفظ کھو چکے ہیں—— کچھ بولنا نہیں چاہتی—— کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ کسی کو
ہیں چاہتی۔
گر وہ شخص—— میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس نے ایک بار پھر میری زندگی میں ہلچل مچا دی ہے مجھے
ر پھر پرپوز کر کے۔
فنان علی خان اتنا وسیع القلب کیسے ہو سکتا ہے؟—— کہیں یہ سب اس نے تو نہیں کروایا؟——
اصل کرنے کے لئے؟
ب ہر طرف سے میرا حصول ناممکن ہو گیا تو میرے لئے ایسی صورت حال کری ایٹ کر دی کہ انکار
ی صورت ہی نہ رہے۔ نہ میرے لئے، نہ میرے گھر والوں کے لئے——!
ب جس طرح مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں، مجھے عفنان علی خان کا خواب سچ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔
ہیں ہوتا، کیا کوئی اس قدر، اس طرح گر سکتا ہے؟ ایسا کچھ کر سکتا ہے؟—— اس لڑکی کے لئے،
بے حساب چاہتا ہو——؟

29 ستمبر

مما نے ہاں کہہ دی ہے۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ دانستہ نادانستہ یا مجبوری
۔ عفنان علی خان کی خواہش پوری کر دی ہے۔ میں اس کی ہونے جا رہی ہوں۔ مگر میں خوش نہیں
ا مر رہی ہوں۔ مر چکی ہوں۔ شاید اس روز ہی مر گئی تھی جب میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا تھا۔ میں مر

گئی تھی۔ عفنان علی خان اگر مجھے حاصل کرنے پر خوش ہو رہا ہے یا جشن منا رہا ہے تو میں اے
ہوں۔ صرف ایک لاش سے تعلق باندھ رہا ہے وہ۔ ایک سرد مُردہ جسم سے جس کے اندر حرارت
کوئی رمق باقی نہیں ——— اس کی جنوں خیزی اسے کچھ نہیں دے گی سوائے پچھتاوے کے۔
جو کچھ بھی ہوا، اسے اس کی قیمت چکانی ہوگی۔ میرے ساتھ اس کا ہر ہر لمحہ عذاب ہوگا ———
میری عزت، میرے وقار کی قیمت اتنی کم نہیں ——— یہ احساس اسے میں دلا کر رہوں گی۔
پوزیسوا باؤٹ می۔ میرے لئے جنوں خیز ہے وہ اور میں اس کی اسی جنوں خیزی کو اس کے خلا
کروں گی۔

27 اکتوبر

عفنان علی خان کا میرے ساتھ زندگی جینے کا خواب پورا ہو رہا ہے مگر وہ ان لمحوں میں نہ
خوش ہے۔ میں نے اسے باور کرا دیا ہے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ اس کی نہیں ہوں۔
چاہتی ہوں۔ یہ بات وہ برداشت نہیں کر پا رہا۔ میں دن بہ دن نفسیاتی طور پر اسے کمزور کر ر
کمزور کر دوں گی ——— جینے نہیں دوں گی اسے۔ اس نے مجھ سے میرا غرور چھینا تھا۔ مجھے
نظر ملانے کے لائق نہیں رکھا تھا۔ میں بھی اسے خوشی کے نام سے اور زندگی سے بیزار کر دوں گی
کہیں کوئی نہیں میری زندگی میں ——— کہیں کوئی بھی نہیں ——— نہ میرے خوابوں
میں ——— آج تک میری زندگی میں کیا خوابوں تک میں کسی کا گزر نہیں ہوا ——— نہ میں۔
نہ کوئی اور مجھے میری نظروں میں اس طرح بچا۔ مگر کوئی ہے جواب میری زندگی میں ہے۔ ”
عفنان علی خان کی جنوں خیزی کو بڑھاوا دینے اور اسے کمزور کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اسے
پر کمزور کرنے اور شکست خوردہ کرنے کے لئے یہ ”کوئی“ میرا خود کا تراشیدہ ہے۔

12 نومبر

میں صرف چاہتی ہوں ——— عفنان علی خان اپنی غلطی تسلیم کر لے۔ اس نے جو بھی کیا غل
میرے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہئے تھا۔ نہ میرے ساتھ نہ لامعہ کے ساتھ۔ وہ جس روز
اعتراف کر لے گا میں اسے چھوڑ دوں گی۔ میں دل سے چاہتی ہوں وہ لامعہ کو اپنا لے۔ لا
بہت محبت کرتی ہے اور میں عفنان کے ساتھ رہ کر خود کو لامعہ کا مجرم تصور کرتی ہوں۔ یہی عفنا
گا۔ میں صرف اس قیمت پر اسے معاف کر سکتی ہوں۔

17 نومبر

عفنان علی خان سے میں اپنی نفرت برقرار نہیں رکھ پا رہی۔ اس سے ہی کیا، میں کسی
نہیں کر سکتی۔ یہ میرا مزاج نہیں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے عفنان بھی مجرم نہیں ہے ——— مگر
ہٹ کر سوچ نہیں سکتی۔ اگر میرے کڈنیپ سے کسی کا فائدہ ہو سکا تھا تو صرف عفنان تھا۔
گیم تھا جو اس نے میرے ساتھ کھیلا۔ صرف مجھے حاصل کرنے کے لئے۔ کوئی کسی سے اتنی دیوا
بھی کر سکتا ہے، اتنی جنوں خیزی کے ساتھ؟ یقین نہیں ہوتا۔ مگر اب مجھے یقین کرنا پڑ رہا ہے۔

کے ساتھ ہوں اور اسے دیکھ رہی ہوں۔ وہ واقعی میرے لئے پاگل ہے۔ مگر میں اسے اب پاگل کرنا
چاہتی۔ مجھے ترس آتا ہے اس پر۔ میں ایسا نہیں کر سکتی عفنان صرف مجھ سے وابستہ فرد نہیں ہے، وہ
گھر کا، اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اہم ترین ہے وہ ——— اس گھر کے لئے، اپنوں کے لئے۔ مجھے
ہے میں اس کے ساتھ ایسا سب کر کے غلط کر رہی ہوں۔ صرف اپنے کڈنیپ کا ری وینج (Revenge)
میں اسے پاگل نہیں کر سکتی۔ میرے لئے یہ بہت مشکل ہو رہا ہے۔ ہم ایک کمرے میں ——— ایک
رہے ہیں۔ اس نے کبھی کسی موقع پر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔
اگر وہ چاہتا تو ساری ”دیواریں“ گرا سکتا تھا مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

کیا چاہتا ہے وہ۔
کیا واقعی اس کے لئے میرا دل اہم ہے؟ ——— میری محبت اہم ہے؟

29 نومبر

میں کمزور نہیں پڑ رہی۔ پڑنا بھی نہیں چاہتی۔ مگر وہ شخص مجھے زچ کر رہا ہے۔ مسلسل کمزور۔ بے بس
نے کی کوشش کر رہا ہے اور میں ہارنا نہیں چاہتی۔ میں اسے چھوڑ دینا چاہتی ہوں۔ چاہتی ہوں وہ لامعہ
اپنا لے۔ اب تک جو بھی کیا میں نہیں جانتی وہ ٹھیک تھا یا غلط۔
مجھے اگر پچھتاوا ہے تو اس لئے نہیں کہ مجھے عفنان غلط نظر نہیں آتا یا میں اسے غلطی پر نہیں سمجھتی یا میں
اسے معاف کر دیا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگر ایسا کوئی پچھتاوا میں محسوس کر رہی ہوں تو صرف اس
کہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا۔ میں کسی کے ساتھ کچھ برا روا نہیں رکھ سکتی۔

5 دسمبر

عفنان نے کتنا غلط کیا اس کا اندازہ ہر بار مجھے لامعہ سے مل کر ہوتا ہے۔ وہ روتی ہے تو اس کے آنسو
رے دل پر گرتے ہیں۔ عفنان کو اپنے کئے کا ازالہ کرنا ہوگا۔ اسے لامعہ کی طرف واپس لوٹنا ہوگا۔ ہر
رت میں۔

11 دسمبر

اول روز سے اب تک وہ اپنی محبت مجھ پر منکشف کر دینے کا متمنی ہے۔ چاہتا ہے میں یقین کر لوں۔
مرے لئے یہ ناممکن ہے۔ کل بھی تھا اور آج بھی ——— اور کل بھی یقیناً ایسا ہی رہے گا۔
میں اس قدر سنگ دل نہیں ——— کسی کا دل نہیں دُکھا سکتی ——— ترس آتا ہے کبھی کبھی اس بندے
کوئی اس طرح بھی کسی کو چاہ سکتا ہے؟ ——— اس قدر ——— اتنا زیادہ ——— اتنا بے حساب ———
دیوانگی کے ساتھ ——— پاگل ہے یہ بندہ ——— کیا کہوں اسے ——— میرے پاس نہ اس کو دینے کو
کوئی سزا ہے نہ جزا۔ شاید اس کی دیوانگی کا میرے پاس کوئی حل بھی نہیں ہے کیونکہ میرے کہنے سے نہ وہ
چاہنے سے خود کو روک سکا ہے نہ روک سکے گا۔ نہ ہی کبھی بدل سکے گا خود کو۔ مگر میں چاہتی ہوں، دل
سے بدل دے وہ خود کو ——— سوچے تو صرف لامعہ حق کے لئے۔ کیونکہ لامعہ اس کے لئے ضروری ہے۔
بہت ضروری۔

کیونکہ وہ لامعہ کے لئے ضروری ہے۔ مگر یہ بات مجھے اسے باور کرانے کو وقت لگے گا شاید

18 دسمبر

بہت برا خواب دیکھا ابھی کچھ دیر قبل۔ پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ عفنان علی خا پانے کی خواہش کی تھی۔ اس کی اس بات نے مجھے جانے کیوں حد سے سوا خوفزدہ کر دیا۔ مجھے لا پر یہ تسلیم کرنا پڑا ہے یا شاید میں کر چکی ہوں یہ تسلیم کہ وہ صرف لامعہ کا ہے اور مجھے ہر قیمت پر کو لوٹانا ہے ——— میں اسے اپنے پاس صرف امانت کی طرح رکھنا چاہتی ہوں اور اس سے زیا کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتی۔ اچھا ہوا وہ صرف خواب تھا۔ اس خواب میں عفنان کی خواہشو ڈیرہ تھا اور شکر ہوا کہ آنکھ بروقت کھل گئی اور سب خواب رہا۔ میں اٹھی تو وہ صوفے پر ہمیشہ کی ط برقرار رکھے سو رہا تھا۔ مگر اس خواب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد دیر تک میں سو نہیں سکی۔

خوف زدہ نہیں تھی میں اس سے ——— کبھی بھی خوفزدہ نہیں ہوئی۔ جانے کیوں اس سے خوف محسوس نہیں ہوا۔ اگر وہ برا ہے ——— اس نے کچھ برا کیا ہے تو مجھے اس سے خوف تو ضرو چاہئے تھا۔ مگر جانے کیوں، ایسا کچھ نہیں۔

اس نے اس روز کہا تھا۔ ''وہ مجھے جب بھی حاصل کرے گا، مجھے میری اجازت سے حاصل اگر اس کے لئے میری ''اجازت'' اہم ہے تو یقیناً اس کی خواہش اس پر غالب نہیں۔ اگر وہ ا سے اس درجہ مغلوب نہیں تو وہ یہ سب کیسے کر سکتا ہے؟

میں اس کے سامنے ہوں۔ روبرو ہوں۔ بے حد قریب ہوں۔ ہاتھ بڑھا کر وہ جب ''حاصل'' کر سکتا ہے۔ زور آور ہے وہ ——— پھر اس کے لئے میری اجازت ہی کیوں اہم

کیا واقعی میں اس کی خواہشوں سے زیادہ زور آور ہوں؟

زیادہ اہم ہوں؟

اس سوال سے آگے کے کئی صفحات خالی تھے۔ یعنی یہ کل رات کی آخری روداد تھی جو انابیہ اور عفنان نے پڑھی۔ بہت آہستگی سے اس نے ڈائری بند کر دی تھی۔ کچھ دیر یوں ہی خاموش پھر ڈائری واپس اس جگہ پر رکھ دی تھی۔ اِک جرم اس سے سرزد ہوا تھا۔ مگر بہت سے راز دا ضرور ہٹ گیا تھا۔

اگر آج اس نے یہ چھوٹا سا جرم نہیں کیا ہوتا تو وہ انابیہ کو کبھی اتنے اچھے طریقے سے جان وہ اتنا کچھ جان کر انابیہ سے محبت کرنا بند نہیں کر سکتا تھا۔ شاید وہ محبت کہیں اندر اور بھی بڑھ گ سے بھی کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔

سب سے بڑا اطمینان یہ کافی تھا کہ انابیہ کی زندگی میں کہیں ''کوئی اور'' نہ تھا۔ جو سوالیہ اسے پریشان کرتا رہا تھا اب وہ باقی نہیں رہا تھا۔ انابیہ کی زندگی میں اب بھی کئی سوالیہ نشان باقی انہیں ختم کرنے کی کوشش بھی کرتا تو شاید ختم نہیں کر سکتا تھا۔

* * *

سبکتگین حیدر لغاری چلا گیا تھا اور جانے سے قبل اس سے مل کر بھی نہیں گیا تھا۔ مگر اس کے سیل پر ٹیکسٹ کر کے تاکید ضرور کر گیا تھا کہ اسے مائی اماں کے پاس جانا ہے۔ مگر اس سوچ سے قبل کے حکم کی تعمیل کرے یا نہ کرے، پاپا کا فون آ گیا تھا۔ وہ لوگ پاکستان پہنچ چکے تھے۔

پاپا! ——— آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں، آپ لوگ آ رہے ہیں؟ میں آپ کو ایئرپورٹ پر لینے آ

اس نے شکوہ کیا تھا۔

سرپرائز بیٹا! ——— سوچا تمہیں خوشی کے ساتھ کچھ حیران بھی کر دیا جائے۔ سبکتگین کا فون آیا تھا۔ وہ چلا گیا ہے۔ میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔''

نہیں پاپا! میں خود آ جاتی ہوں۔ زوباریہ اور فانی بھی آئے ہیں ساتھ؟''

ہاں ——— گھر آباد ہو گیا ہے پھر سے ——— آ کر دیکھو ——— تمہیں سب کچھ پہلے جیسا لگے گا۔ بچے کے بغیر فیملی کچھ نامکمل لگ رہی ہے۔'' پاپا بولے تھے۔

کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ سب کچھ یقیناً پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ وہ ویسی نہیں رہی تھی۔ بڑی تبدیلی وقت نے یہی کی تھی۔

''میں آ رہی ہوں پاپا! اپنی کمپلیٹ فیملی کے ساتھ، اپنے کمپلیٹ گھر کو دیکھنے۔'' اس نے فون رکھ کر اپنا سامان پیک کیا تھا اور ایک اختتامی نگاہ اس گھر پر ڈال کر چلتی ہوئی باہر نکلی تھی۔

لاؤنج میں لگی اس کی تصویر نے لمحہ بھر کو قدم روکے تھے۔ وہ رک گئی تھی۔ مگر ڈبڈبائی نگاہ زیادہ دیر اس پر ٹھہر نہ سکی تھی۔ آنکھیں رگڑتی ہوئی وہ پلٹی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔

گھر میں واقعی سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ پاپا کے شانے پر سر دھرے وہ بہت روتی رہی تھی۔

''خوشی کے موقع پر روتے نہیں میرب! ہم سب اکٹھے ہیں ——— ہمیں اس کے لئے خدا کا شکر ادا چاہئے۔'' زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

آنکھیں پونچھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''ہاں ——— ہم سب اکٹھے ہیں اور اب بہت جلد ہم دوبارہ میرب کو چلتا کر دیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ لئے۔'' پاپا مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے تھے۔ مگر وہ مسکرا نہیں سکی تھی۔ جھک فانی کو گلے لگا کر پیار کرنے لگی تھی۔

''آپ کی آپا نے آپ کو بہت مس کیا فانی! ——— بہت زیادہ یاد آئی آپ کی۔ کیا آپ کو ہماری یاد آئی؟'' بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ پوچھ رہی تھی۔ فانی چھوٹا تھا مگر اس کی آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرا

''اب میں آ گیا ہوں واپس۔ آپ کو نہ مجھے یاد کرنے کی ضرورت ہے نہ رونے کی۔ آپ کو پتہ ہے آپ کے لئے کیا لایا ہوں۔ ڈھیر سارے چاکلیٹ۔'' ہاتھ کے اشارے سے فانی نے بتایا تھا۔ وہ مسکرا

''میں بھی آپ کے لئے بہت سے چاکلیٹ لائی ہوں۔'' میرب نے بیگ سے چاکلیٹ
کے ہاتھ پر رکھے تھے۔ تبھی زوباریہ بولی تھی۔

''تم فریش ہو جاؤ میرو! میں ٹیبل لگاتی ہوں۔ اور یہ آپ فون پر شروع بھی ہو گئے۔ کچھ
لیجئے، پھر کام ہی کام کرنا ہے۔ میرو گھر آئی ہے۔ کتنے عرصے بعد ہم سب مل کر بیٹھے ہیں۔
کیجئے۔'' زوباریہ پاپا سے بولی تھی۔ وہ اپنے سیل پر کوئی نمبر ملاتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

''میرو بچے! ــــ میرا خیال ہے ایک کلاس مزید ہونے سے پہلے آپ فریش ہو کر آ جا
ساتھ کھائیں گے۔ اس کے بعد باہر جائیں گے۔'' پاپا نے خیال ظاہر کیا تھا۔ مگر زوباریہ کچن کی
رک کر بولی تھی۔

''کوئی کہیں نہیں جائے گا ــــ پہلے کھانا، پھر آرام ــــ کل دیکھیں گے کیسے کیا کرنا
بعد گھر کا ماحول دیکھا ہے۔ کچھ محسوس تو کرنے دیں۔ ہم سب تو خیر ساتھ تھے۔ مگر میرب ــــ
بارے میں بھی تو سوچئے ــــ وہ تو وقت گزارنا چاہتی ہو گی نا ہمارے ساتھ۔ اور میرب! تم
کیوں کھڑی ہو؟ کیا اپنے ہی گھر میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہی ہو؟ ــــ بھئی وہی گھر
سب ہیں۔'' زوباریہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

'ہاں ــــ مگر میں وہ نہیں ہوں۔' اس کے اندر سے آواز ابھری تھی مگر وہ بولی نہیں تھی
ہوئے اس سارے ماحول کو دیکھا تھا۔ ایک کمپلیٹ ماحول تھا، کمپلیٹ گھر کا ــــ ایک کمپلیٹ
کتنے عرصہ بعد وہ یہ سب دیکھ رہی تھی ــــ یہ مسکراتے چہرے ــــ بہت اپنے نظر آتے
سب کچھ کیسا خواب خواب سا لگ رہا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ایک ایک شے وہیں تھی جہاں آ
نو ماہ پہلے تھی۔ سب کچھ ویسے کا ویسا تھا۔ ہر شے اپنے ٹھکانے پر ملی تھی اسے۔ مگر اسے جانے
کچھ بہت اجنبی محسوس ہو رہا تھا ــــ ایک ایک شے کو چھو کر وہ جیسے یقین کر رہی تھی۔ کم
بستر ــــ الماری ــــ آئینہ ــــ سب اسے حیرت سے تکتے ملے تھے۔ اسے لگا جیسے
رہے ہوں۔

''میرو! تم پہلے جیسی کیوں نہیں لگ رہیں؟''

کتنا بدل دیا تھا اسے وقت نے۔ کتنی آزمائشیں لی تھیں وقت نے۔ اور وہ سردار سبکتگین حیدر
ایک عجیب سا رشتہ ــــ ایک عجیب سا نام۔ نہ تعلق اسے سمجھ پایا نہ وہ اس تعلق کو۔ ایک
آنکھیں نم کر گئی تھی۔ مگر اس نے ہاتھ کی پشت سے سختی سے آنکھوں کو رگڑ دیا تھا جیسے وہ اب مز
چاہتی تھی۔

ارادہ کر لیا تھا اس نے اب اور نہیں روئے گی۔ پُر عزم تھی وہ۔ پاپا اس کے ساتھ تھے۔ اس
کے ساتھ تھی۔ اب تنہا نہیں تھی وہ۔
کسی کے رحم و کرم پر نہ تھی۔

گھر میں تھی۔ اپنوں کے درمیان۔
سے وہ گزری تھی اسے مزید سب کو اس سے غافل نہیں رکھنا تھا۔ جو کچھ اس کے
صورت حال سے وہ گزری تھی اسے مزید سب کو اس سے غافل نہیں رکھنا تھا۔ جو کچھ اس کے
تھا، جو کچھ زندگی نے اس کے ساتھ برتا تھا اسے سب کو بتانا تھا۔ اپنے ان اپنوں کو جو اس کے
کے لئے وہ اہم تھی۔
ن پریشان کن تکلیفوں سے گزری ــــ کیسے حالات سے نبرد آزما رہی ــــ اگر پاپا کو پتہ چل
کوئی بھی اقدام کرنے میں دیر تو نہ لگاتے۔ اس نے خود انہیں مطلع نہیں کیا تھا۔ وقت مناسب نہ تھا
ب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا۔
صورت حال بھی اختیار سے باہر کیوں رہتی۔
گہری سانس خارج کرتی ہوئی وہ اطمینان سے پلٹی تھی۔ تبھی اس کا سیل بجا تھا۔
نے کال ریسیو کی تھی۔
ہیلو ــــ جی، میرب ہی بات کر رہی ہوں ــــ کیا ــــ؟''

میرب سیال کے لئے خبر پریشان کن تھی۔ مائی کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ مسٹر چاولہ نے نو انہیں ہاسپٹلائز کروا کر اسے خبر دینا ضروری خیال کیا تھا۔

''مائی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ آپ کہیں تو آنے کے انتظامات کر دوں؟'' مسٹر چاولہ تھے۔ اسے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ ابھی ابھی وہ اپنے گھر میں اپنوں کے بیچ آ کیسے ممکن تھا کہ وہ اب فوراً ہی واپس بھی........

''مائی کو بتا دوں کہ آپ نہیں آنا چاہ رہیں؟'' مسٹر چاولہ نے اس کی خاموشی پر دریافت کیا وہ فوری طور پر بولی تھی۔

''نہیں ــــــ میں آ رہی ہوں۔'' وہ پلٹی تھی۔ پتہ نہیں اس نے درست فیصلہ کیا تھا یا کہ نہیں اب اتنی الجھن میں نہیں تھی۔

''کیا ہوا؟ ــــــ کس کا فون تھا؟'' پاپا جو اس کے پیچھے کھڑے تھے اسے سوچ میں ا دریافت کیا تھا۔

''مسٹر چاولہ کا ــــــ مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''سو، وہاٹ ہیپنڈ؟ تمہیں فوراً جانا چاہئے۔ جبکہ سبکتگین بھی یہاں نہیں ہے، انہیں تم ضرورت ہے۔'' پاپا نے بلا تردد کہا تھا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی ــــــ مجھے پتہ ہے۔ اس لئے میں نے اپنے آنے کے متعلق انہیں انفارم کر دیا ہے۔ ہوئے اس کا انداز اُلجھن سے پُر تھا۔

مظہر سیال نے مسکراتے ہوئے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے دیکھا تھا۔

''بعض موقعوں پر کچھ ضروری کاموں کو کرنا زیادہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ ہم یہاں ہیں، تم ہیں۔ مگر سبکتگین کی مائی کو اس وقت تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔'' پاپا نے نرمی سے اسے سمجھایا دی تھی۔

''جانتی ہوں پاپا! لیکن طویل وقت کے بعد آپ سب کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع آپ سب کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہی تھی۔'' دل کی بات کہی تھی۔ پاپا جانتے تھے۔ مسکرا دیئے۔

''میں جانتا ہوں۔ مگر اب ہم سے زیاد حق ان کا ہے تم پر۔ اب تم ان کی بیٹی زیادہ ہو۔ ا رکھتی ہیں وہ تمہارا۔ ہم سے تو زیادہ پیار کرتی ہیں تمہیں۔ ہم یہاں نہیں تھے تو انہوں نے جس

ن رکھا، وہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی تم اپنا ضروری سامان پیک کر لو۔ ہو سکے تو سبکتگین سے کونٹیکٹ کے اسے بھی بتاؤ۔ بیٹا! یہ چھوٹے چھوٹے لمحے ہوتے ہیں جو زندگی کو زندگی سے جوڑ کر رکھتے ہیں۔ پتہ چلتا ہے کہ ہم تنہا اور کمزور نہیں ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟''

''جی پاپا!'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔ وہ سب اب بھی نہیں کہہ سکتی تھی جو کہنا چاہتی تھی۔ جو دل کی تھی، میں ہی تھی اب تک۔ نہ وقت ملا تھا نہ موقع اور نہ شاید ہمت تھی اس میں۔ پاپا کہنے کے بعد اس کی نی پر پیار کرتے ہوئے ''سویٹ ڈریم'' کہہ کر کمرے سے چلے گئے تھے اور میرب سیال اپنی سوچوں الجھنے کو اکیلی رہ گئی تھی۔

سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ اپنا گھر، اپنا آپ، سب بہت عجیب، جیسے کسی اور بات کی عادت سی لی تھی۔

دن بھر میں پہلی بار اس شخص کا خیال آیا تھا۔

وہ کج روش، کج ادا، جس سے اس کا تعلق بہت گہرا جڑا تھا۔

پاپا نے کہا تھا۔ ''اس سے بات کر لو۔'' کیا بات کرتی وہ اس سے؟ کہنے سننے کو باقی کیا تھا بھلا؟ اس کی سوچ سے بھی زیادہ ان پری ڈکٹیبل شخص تھا وہ۔ جب بھی، جو بھی اس کے بارے میں سوچا تھا درست ثابت نہ ہوا تھا۔ کوئی غلط فہمی نہیں تھی اسے۔ مکمل یقین تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسا تھا ے ویسا ہی رہنا تھا۔ نہ بدلا تھا نہ اسے کبھی بدلنا تھا۔ وہ سوچتی تھی تو وہ اسے مکمل طور پر اپنے مخالف سائیڈ کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ اس میں اور خود میں اسے کوئی ایک بات بھی مشترک دکھائی نہ دیتی تھی۔ پھر ''ایک'' نے کا کوئی اور سبب کیا ہو سکتا تھا۔ اور قدرِ مشترک ڈھونڈنا تو پھر بھی دور کی بات تھی۔ وہ جو سرے سے ے سمجھانہ تھا۔

وہ کیا سوچتی ہے؟

کیا چاہتی ہے؟

کیوں چاہتی ہے؟

اس سے یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کوئی سروکار نہ تھا۔ اپنی دنیا تھی اس کی۔ اپنا دیس تھا اور اپنا بس۔ تصور اُس کا تھا۔ وہ اس کی دنیا میں نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اپنی دنیا جیسا دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے خوابوں جیسا ــــــ اپنے خیالوں جیسا۔ اور وہ شخص تو سرے سے خوابوں کی حقیقت پر بھی یقین نہ رکھتا تھا۔ پھر بھی جانے کیوں سوچ رہی تھی وہ اسے۔

یکدم وہ چونکی تھی۔ سیل فون جانے کب سے بج رہا تھا۔ وہ اتنی محو تھی کہ اندازہ ہی نہ ہوا۔ اب ہوا تو ذرا کال ریسیو کر کے سیل کان کے قریب کیا تھا۔ دوسری طرف وہی تھا جس کا گزر اس کی سوچوں میں تھا۔

''مسٹر چاولہ کا فون آیا تھا ــــــ مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ انہوں نے کہا تم جانا نہیں چاہتیں؟'' انہی لہجے میں لگایا گیا ایک الزام اسے حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

''کچھ غلط سنا ہے آپ نے ــــــ میں جا رہی ہوں۔'' اس نے باور کرانے کو زور دیا تھا۔

''کہاں؟'' وہ چونکا تھا۔

''مائی کے پاس۔'' میرب نے جتایا تھا۔

''مجھے تم پر زور زبردستی یقیناً روا نہیں لگتی۔ تمہیں اپنے معاملات میں الجھانا نہیں چاہتا۔ ما داری کرنا یقیناً تمہارا دردِ سر نہیں ہے ـــــ اس لئے اگر تم نہ چاہو تو تمہیں اجازت ہے۔'' طرف اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

میرب سیال کو غصہ آئے بغیر نہیں رہا تھا۔ سو درشت لہجے میں بولی تھی۔

''اگر آپ سے اجازت طلب کرنا ہوتی تو مسٹر چاولہ کے فون کے بعد فوراً آپ کو فون کرلیا اور میرے اختلافات کے بیچ آپ مائی کو لانے کی کوشش مت کریں۔ میں جانتی ہوں اس وق کرنا ہے۔''

''بہت اچھی بات ہے، اگر آپ جانتی ہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ میرا مقصد صرف یہ باور ک اپنے رشتوں کا کوئی بوجھ میں آپ پر ڈالنا نہیں چاہتا جسے آپ سہار نہ سکیں۔ میں اچھی طرح جا مائی میری ذمے داری ہیں۔'' دوسری طرف وہ جتاتے ہوئے اجنبی لہجے میں گویا تھا۔ میرب واقف تھی اس کے مزاج سے۔ سو باور کراتے ہوئے بولی تھی۔

''آپ پر یقیناً کوئی احسان نہیں کر رہی ـــــ مائی میرے لئے بہت معتبر ہیں اور انہیں مم حوالے سے ہٹ کر سوچتی اور دیکھتی ہوں۔ یوں بھی مائی میرے اور آپ کے درمیان حائل مسئلے ہیں۔ وہ میرے لئے بھی ماں جیسی ہیں۔'' میرب نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف موجود سردار سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ میں موجود فون کو چند ثانیوں تک دیکھتا پُرخیال نظروں سے سیل فون کو دیکھتے ہوئے بہت اُلجھن سے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر دو نمبر ملا دیا تھا۔ مگر پھر جانے کیا ہوا تھا کہ ایک دو بیل جانے کے بعد اچانک ہی سلسلہ منقطع کر اس ایک لمحے میں گی کی آواز اس کے گرد گونجی تھی۔

''محبت کرتے ہو نا اس سے؟''

وہ چونکا تھا۔ بلکہ حد سے سوا حیران ہوا تھا۔ پھر ہاتھ میں پکڑا فون پٹخنے والے انداز میں سا رکھا تھا۔

''حماقت ـــــ'' با آواز بلند ڈپٹا تھا۔

''محبت حماقت کے سوا کچھ ہے؟'' اس کے احتجاج پر گی کی ایک اور سرگوشی اُبھری تھی۔

''ربش۔'' با آواز جھٹلانے کا انداز بہت خوب تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے دوبارہ فون اٹھالیا مسٹر چاولہ سے بات کرنے کا تھا مگر اس سے قبل ہی فون بج اٹھا تھا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف گی تھی۔

''بولو، گی!'' تمام سوچوں کو جھٹکتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ـــــ مسٹر چاولہ کا فون آیا تھا۔''

جانتا ہوں میں۔ مسٹر چاولہ نے مجھے اطلاع دے دی تھی۔ میں واپس آرہا ہوں۔''

چلی جاتی ہوں مائی کے پاس ـــــ تم اپنا کام چھوڑ کر مت آؤ۔ مسٹر چاولہ بتا رہے تھے کہ اب بہتر ہیں۔''

از مائے مدر گی! ـــــ ان کے لئے میں کسی قسم کی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ اور تم میں رہ کر آرام کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ ضروری ہے۔ میرب سے بات ہوئی تھی میری۔ وہ جا ن کے پاس۔'' اطلاع دی تھی۔

''یقین ہے تمہیں اس پر؟'' دوسری طرف گی نے مسکرا کر جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہیں تھا۔

''گھر بہت سُونا ہوگیا ہے گین! ـــــ میرب کے یہاں سے چلے جانے کے بعد جو ویرانی یہاں آئی شاید تم یہاں آؤ تو تم بھی اسے محسوس کرو۔'' گی مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے خوابوں کی دنیا میں نے والی کوئی مخلوق لگی تھی۔

گی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''سارا گھر جیسے اسے تلاش کر رہا ہے گین! ـــــ تم یہاں نہیں ہو، مجھے جانے کیوں یقین ہے تمہارا ساس، یہاں وہاں اُسے کہیں ڈھونڈ رہا ہے۔'' گی کی باتیں جیسے واقعی خیالی ہوائی تذکروں سے بھری ئی تھیں۔ اتنی ٹینشن میں ہونے کے باوجود وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہارا جواب نہیں گی ژیا ننگ! باتیں واقعی دلچسپ کرتی ہو مگر تھوڑی بہت بے وقوفی سے بھری۔ سچ اؤں، تمہیں اس بندے نے اگر دھوکا دیا تو اس کا سبب صرف یہی تھا۔ تم حد سے سوا رعایت دینے کی ائل ہو۔''

''گی ژیا ننگ کو کسی نے کیوں دھوکا دیا، یہ ایک الگ معاملہ ہے گین! مگر اس وقت جو گی ژیا ننگ کہہ ہی ہے وہ اگنور کئے جانے کے لائق نہیں ہے۔ تم جو کہہ رہے ہو وہ میں سمجھ رہی ہوں گین! جو تمہارے اندر ہے لم او وہ بھی جانتی ہوں۔'' اسے جھٹلاتے ہوئے گی کہہ رہی تھی۔

''اسے جانے مت دینا گین! ـــــ جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔''

''اور تمہیں میرے نقصان کی اتنی پرواہ ہے کہ تم اپنے نقصان کو بھی نہیں دیکھ رہی ہو؟'' مسکراتے ہوئے جتایا گیا۔ ''گی! ـــــ اگر تم اپنی زندگی کی فکر کرو تو یہ زیادہ ضروری ہوگا۔ مجھے، میری زندگی کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میرا ایمان ہے، جو ہونا ہے سو ہونا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں کہنا۔ مائی کے متعلق جاننا اور باخبر رہنا۔ فی الحال یہ زیادہ ضروری ہے میرے لئے۔ میں واپس آنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

''اسے جانے مت دینا گین!'' گی ژیا ننگ کی سرگوشی اس کے آس پاس گونجی تھی۔

''یوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔''

گی کے خدشے اس کے اردگرد گونجتے رہے تھے۔ مگر وہ جیسے کان بند کر کے اٹھا تھا اور گاڑی کی باہر آ گیا تھا۔ کرنے کو کئی ضروری کام اور بھی تھے۔

❄❄❄

میرب سیال نے پیکنگ مکمل کی تھی اور مسٹر چاولہ کو فون کر کے پلٹی تھی جب پاپا کو اپنے قر دیکھا تھا۔

''میں جا رہی ہوں پاپا!''

پاپا نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ مظہر سیال نے بیٹی سراہا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''آپ مجھ پر ٹرسٹ کرتے ہیں پاپا؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟'' پاپا کچھ حیران ہوئے۔ ''آف کورس، آئی ٹرسٹ یو۔'' پاپا نے اس ہاتھ رکھا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''کچھ کہنا چاہتی ہو تم —— مجھے لگتا ہے بیٹا! کوئی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ اگ تو کہہ دو۔ ہو سکتا ہے اس بات کا کوئی حل ہاتھ لگ جائے۔ کبھی کبھی بہت الجھی ہوئی ڈور کو جب کر سلجھاتے ہیں تو وہ بڑے آرام سے سلجھ جاتی ہے۔''

''مگر کبھی کبھی وہ ڈور اور بھی الجھ جاتی ہے پاپا!'' اس کے جواب نے پاپا کو سوچنے پر مجبور کر دیا

''کیا مطلب؟ —— کیا ہوا؟'' پریشانی سے پوچھا تھا۔ مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔

''کچھ نہیں پاپا! —— آپ سے دور رہی نہیں کبھی۔ بہت زیادہ مس کیا آپ کو —— اور کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔ پاپا نے تھام کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''میرا بچہ!'' محبت سے سر پر پیار کیا تھا۔ ''پاپا آپ سے دور تھوڑی ہیں۔ آپ جب چاہیں سے فون پر بات کر سکتی ہیں۔ فی الحال تو آپ اپنی مدر اِن لاء سے ملنے جا رہی ہیں۔ جب سچ مچ ہو گئی تو پھر کیا کریں گی آپ؟'' پاپا نے مسکراتے ہوئے کسی قدر شرارت سے دیکھا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔

''گڈ گرل۔'' پاپا نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ ''پاپا کے شیر بچے ہو —— ایک دم اتنا کمز سکتے ہو؟'' پاپا بولے تھے مگر اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتی، باہر گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ جو با چاہتی تھی وہ دل میں ہی رہ گئی تھی۔

''مسٹر چاولہ آ گئے ہیں شاید۔'' وہ بولی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا!''

''جی پاپا!'' اپنا سفری بیگ اٹھا کر وہ چل پڑی تھی۔ پھر ان ہی راستوں پر —— اسی سمت جانے ایسا کیوں تھا جب بھی وہ ان راستوں سے اپنے قدم اٹھاتی تھی —— بھاگتی تھی ——

ے اس کے سامنے آ رکتے تھے۔ قسمت کیسا کھیل کھیل رہی تھی اس کے ساتھ، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

❄❄❄

اہیہ خان چپ چاپ کھڑی تھی۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رکا تھا۔ ساہیہ آہٹ یا کی چاپ پر پلٹی نہیں تھی۔ نہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا۔ اذہان حسن بخاری فوری طور پر کچھ سکا تھا۔

اموش نظروں سے اس کی پشت کو بس چپ چاپ دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے ے شانے پر رکھ دیا تھا۔ ساہیہ نے گردن موڑ کر اس مضبوط ہاتھ کو اپنے شانے پر دھرا صرف دیکھا تھا۔ ب بھی کچھ نہیں تھی۔

'ساہیہ!'' اذہان حسن بخاری نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔ مگر ساہیہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

حسن بخاری نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر رکھا تھا اور اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

''اس طرح چپ مت رہو ساہیہ! —— مجھے اپنے اور تمہارے بیچ یہ چپ بالکل اچھی نہیں لگتی۔ جب پ ہوتی ہو تو فاصلے بہت بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ تم سے دور جانا نہیں چاہتا ساہیہ!'' اس کی آنکھوں ر پور اعتماد سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ مگر ساہیہ تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

''ساہیہ! رشتوں میں ایک شے بہت ضروری ہوتی ہے، اعتبار —— اعتبار بہت ضروری ہوتا ہے ہ! —— ایک بات پوچھوں؟ مجھ پر اعتبار کرتی ہو تم؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ ساہیہ کی وں میں یکدم بہت سا پانی ٹھہرا تھا اور ایک لمحے میں پلکوں کی باڑ پھلانگ کر باہر بہہ نکلا تھا۔

''اعتبار کرتی ہو مجھ پر ساہیہ؟'' اذہان حسن بخاری نے ٹھوڑی سے اس کے چہرے کو تھام کر دیکھتے ے سرگوشی میں دریافت کیا تھا۔ ساہیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں۔'' پانیوں سے بھری آنکھوں سے اس شخص کی جانب دیکھا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر ان آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھ پر لے لیا تھا۔

''اگر اعتبار ہے تو پھر یہ آنسو کیوں ہیں ساہیہ؟ —— جہاں اعتبار ہوتا ہے وہاں آنسو نہیں ہوتے یہ!'' مدھم لہجے میں باور کرایا تھا۔

''ضروری تو نہیں ہے کہ جہاں اعتبار ہو وہاں کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔'' ساہیہ خان جواباً شکوہ کیا تھا۔

''مگر یہ بھی تو نہیں ساہیہ! کہ بنا کچھ پوچھے الزام عائد کر دیئے جائیں۔ کیا ٹھیک ہے یہ؟'' اذہان حسن رکی نے کچھ زیادہ نہ کہہ کر بھی بات واضح کر دی تھی۔

''میں نے کوئی الزام عائد نہیں کیا اذہان!''

''تو پھر کیا، کیا ہے ساہیہ؟ —— اعتبار کیا —— الزام نہیں لگایا تو پھر یہ آنسو بھی کیوں ہیں؟ تم اپنی یری آزمائش کرنا چاہتی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے وضاحت چاہی تھی۔ ساہیہ نے سر انکار میں ہلا دیا

''ایسی بات نہیں ہے اذہان! مجھے تم پر اعتبار ہے۔ بس مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' سر جھکا کر کی کی طرح وضاحت دی تھی۔

''ڈر؟ —— جہاں اعتبار ہوتا ہے وہاں ڈر ہوتا ہے ساہیہ؟'' اذہان نے کسی قدر چونکتے ہو نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال داغا تھا۔ مگر ساہیہ اس کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھ سکی تھی۔

''تم شاید نہ مانو اذہان! مگر کبھی کبھی کوئی خوف کہیں نہ کہیں سے نکل کر سامنے آ جاتا ہے تو ہے —— مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اعتبار ختم ہو گیا۔ اس ڈر کا کوئی جواز ہو، یہ ضروری میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ مگر میں واقعی ڈر گئی تھی۔''

''بتا نہیں سکتیں مگر جتا تو سکتی ہو نا کہ تم کیا محسوس کرتی ہو۔'' اذہان حسن بخاری جتانے والے بولا تھا۔ ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی اور وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بھر پور توجہ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

''میرے لئے یہ جاننا، سمجھنا بہت ضروری ہے ساہیہ! کہ تم کیا سوچتی ہو، کیوں سوچتی ہو۔ بات سے خوشی ملتی ہے؟ کس بات سے تکلیف؟ میرے لئے یہ جاننا اہم ہے ساہیہ! بہت ضرور میرے لئے۔ کیونکہ میرے لئے تم ضروری ہو ساہیہ!'' لہجہ بھر پور اعتماد دلاتا ہوا تھا۔ نظریں بہت سونپتی ہوئی تھیں۔ اس کی قربت، احساسِ تحفظ دیتی ہوئی تھیں۔ تو پھر وہ کیوں ڈر رہی تھی؟ —— خان نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا تو اپنے اندر کے سارے خدشات بے وجہ اور بے بنیاد اور وہ کہہ رہا تھا۔

''اعتبار رشتوں کے لئے ضروری ہے ساہیہ! کیونکہ اعتبار رشتے بناتا ہے۔ جوڑتا ہے۔ مگر سے بھی زیادہ ضروری ہے ساہیہ! کیونکہ یقین اس رشتے کی مضبوطی کو اور بھی بڑھاتا ہے۔ یقین اور وسوسے مٹا دیتا ہے۔ ایک کام کرو ساہیہ! تم یقین کو دل میں جگہ دو۔ کوئی حکم نامہ نہیں ہے درخواست ہے۔ یقین کر کے دیکھو ساہیہ! —— یہ آنسو جو آج تمہاری آنکھوں میں دکھائی د ہیں، دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے۔ مجھ پر یقین کرو۔'' اذہان حسن نے بھر پور یقین دلاتے ہوئے کہا

''میرا تم پر یہ یقین کمزور نہیں ہے اذہان! اور یہ یقین کبھی کمزور پڑے گا بھی نہیں۔'' ساہیہ آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہا تھا۔ ''جانتی ہوں —— تمہیں اپنی چیزوں کو بہت سنبھال کر رکھنے ہے۔ تم بچپن میں اپنے کھلونوں کے لئے بھی بہت کنسرن تھے۔ کوئی ایک کھلونا بھی میں نے تمہی ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ تبھی تو سب آج بھی اس چھوٹے سے کمرے میں موجود ہیں جسے تم بچپن میں کرتے تھے۔ جب تمہارے لئے چھوٹی چھوٹی، بے جان چیزوں کی اتنی وقعت ہے تو پھر میرا دل سکتے ہو؟ تم یقیناً ایسا نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ میرا دل ان کھلونوں سے تو پھر بھی بہت قیمتی ہے۔''

''جب اتنا سب کچھ جانتی ہو تو پھر وہ پاگل پن کس لئے تھا؟ کیا تم ان باتوں پر اعتبار کرنے آنسوؤں سے مردوں کا دل جیتا جا سکتا ہے؟'' اذہان حسن بخاری نے اس کی چھوٹی سی ناک دبا مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''تم ٹھیک سمجھیں ساہیہ! میں تمہارا دل واقعی نہیں توڑ سکتا۔ کیا کروں، میرا اپنا دل ٹوٹا ہوا ہے نا۔'' وہ ا تھا۔ انداز میں کسی قدر تازگی تھی۔ یقیناً یہ مذاق کا کوئی انداز تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''کیا میں تمہارا دل جوڑ سکتی ہوں؟'' بہت دھیمے لہجے میں اجازت چاہی تھی۔

''ہوں۔'' اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بائیں طرف ین دل کے اوپر رکھا تھا۔

''جوڑ دو۔'' اجازت ہی چاہی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے میں ایسا کر سکتی ہوں؟'' ساہیہ نے کسی قدر حیرت سے گھورا تھا۔ اذہان حسن بخاری بھر پور یقین ظاہر کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''کیسے؟'' اس طرف سے جواز طلب ہوا تھا۔ نازک ہاتھ بدستور اس کے فراخ سینے پر تھا۔ اس کے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا —— اذہان حسن بخاری نے اس کے ہاتھ کو تھاما تھا اور اپنے ہاتھوں کو حرکت ہوا چہرے کے قریب لے گیا تھا اور بہت آہستگی سے سر جھکا کر لب اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے تھے۔

''ایسے، بھر پور محبت سے، اپنے ہونے کے بھر پور احساس سے —— اپنی حدت سے۔'' اذہان حسن ی جیسے ارادہ کر کے آیا تھا کہ آج یقین کی صورت بنا کر ہی لوٹے گا۔ ساہیہ خان اس کی سمت تکتی رہ گئی نگاہوں میں حیرت حد سے سوا تھی —— اور وہ کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں ساہیہ!'' انداز سرسری تھا۔ ساہیہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس سے کیا نے جا رہا ہے۔

''کل میرب سے ملا تھا میں۔'' اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے اس نے اقرار کیا تھا۔ اور اس اطلاع ہ مزید حیران رہ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کی طرف سے ازخود ''اطلاع'' دیئے نے کی امید نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے مزید اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ہاں —— ملا میں اس سے۔ مگر بہت عام سے موقع میں۔ بہت عام سے انداز میں۔ بہت سے لوگوں کی طرح۔ ایسے ہی جیسے کوئی اچانک سرراہ چلتے چلتے کسی دوسرے سے ملتا ہے۔ اس کی بھی رخصتی رہی ہے۔ خوش تھی وہ بھی۔ اور میں بھی نئی راہوں پر قدم رکھنے جا رہا ہوں، سو میں بھی خوش ہوں۔ جب دونوں ناخوش نہیں ہیں تو پھر باقی کیا بچتا ہے۔ ہم ملے، حال احوال پوچھا، دو چار باتیں کیں اِدھر اُدھر ں۔ اور اپنی اپنی راہ پر چل دیئے۔ نہ گزرے وقت کی کوئی پرچھائیں ہمارے درمیان آئی نہ ہم نے اس لے وقت کو سوچا نہ اک دوسرے سے کوئی گلہ کیا۔ ہم نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ساہیہ!'' اس نے بہت دلے سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا —— شاید ہم دونوں جانتے ہیں کہ گزرے وقت کا پلٹ آنا ممکن نہیں۔ ہم پنی اپنی زندگیوں میں اپنے اپنے نئے خوابوں کے ساتھ خوش ہیں ساہیہ! اور ہمیں وقت سے واقعی کوئی گلہ ں ہے۔''

''یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو اذہان؟'' ساہیہ نے سوال کیا تھا۔

”اس لئے کہ میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔“

”کیوں؟ —— اعتبار دلانے کی یہ بھی کوئی شرط ہے؟“

”نہیں —— یہ اعتبار دلانے کی ایک رسم ہے۔ میں رسم نباہ رہا ہوں۔ ساہیہ! میں تمام رشتے ایمانداری سے نباہنے کا قائل ہوں۔ میں نہیں چاہتا ہمارے درمیان کبھی کچھ بھی غیر واضح اور چھپا رہے۔“

”میں جانتی ہوں اذہان! اس شام جب تم فارحہ آنٹی کو سب بتا رہے تھے تو اتفاق سے میں سب سن لیا تھا۔“ اس نے اقرار کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

”اور تم نے قیاس کیا تھا کہ میں یہ سب تمہیں نہیں بتاؤں گا۔“

”نہیں —— ایسا میں نے کچھ نہیں سوچا تھا۔“

”تو پھر وہ آنسو کس لئے تھے؟“

”صرف اس لئے کہ میں ڈر گئی تھی۔“ بات بنائی تھی۔

”اور وہ ڈر یہ تھا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔“

”نہیں۔“ بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا اور بھرپور اعتماد سے بولی تھی۔ ”مجھے صرف یہ ڈر اب میں تم سے قریب نہیں رہ سکوں گی۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکا تھا۔ ساہیہ کچھ لمحوں کو چپ رہی تھی۔ پھر بھرپور اعتماد سے بولی تھی۔

”اذہان! زندگی کے راستے گم نہیں ہوتے۔ ہم ان لوگوں سے دوبارہ بھی مل سکتے ہیں جن کہیں بچھڑ گئے تھے۔ حادثہ یوں ہی رونما نہیں ہوا اذہان! وقت کا ایک اشارہ ہے یہ۔ سمجھنے کی کوشش وہ یوں ہی تمہارے سامنے دوبارہ نہیں آئی۔ یہ بات سرسری نہیں ہے کہ تم ایک موڑ پر اچانک دوبارہ ملنا معمولی بات نہیں ہے اذہان! مت پرواہ کرو۔ نہ میری، نہ دنیا کی، نہ کسی اور کی۔ اس موقع گنواؤ اذہان!“

اذہان حسن بخاری نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ پھر کسی قدر برہمی سے اسے شانوں سے دبو ناگوار نظروں سے دیکھا تھا۔ مگر فوری طور پر کچھ کہہ نہ سکا تھا۔ اس کی گرفت میں کھڑی وہ کہہ رہی تھی۔

”کوئی دوبارہ نہیں ملتا اذہان! یہاں کوئی بھی دوبارہ نہیں ملتا۔ زندگی تمہیں موقع دے رہی ہے تو خواہ مخواہ کی رسموں کا پابند مت کرو —— تم نے اسے کہا کہ تم خوش ہو —— اس نے تم سے کہ خوش ہے۔ تم دونوں نے اک بار بھی نہیں سوچا کہ جو خوش ہوتے ہیں انہیں یہ بتانے کی نوبت کبھی نہ کہ وہ خوش ہیں۔ وہ خوش دکھائی دیتے ہیں اذہان! —— کیا وہ تمہیں خوش دکھائی دی تھی؟“ ساہ پوچھا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے اس ضمن میں کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اسے خشمگیں نظروں سے ہوئے ڈپٹا ضرور تھا۔

”شٹ اپ ساہیہ!“

”شٹ اپ واٹ؟ —— اذہان! تم کب تم دوسروں کے لئے جیو گے؟ کم از کم یہ میں نہیں

لئے کوئی قربانی دو۔“

اس بار تم میرے

پاگل ہو گئی ہو تم؟“ اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔

پاگل میں تب ہوئی ہوتی جب میں اپنے انٹرسٹ کی، اپنے فائدے کی بات کرتی۔ یہی ٹھیک ہے جو میں کہہ رہی ہوں۔“ وہ رسانیت سے بولی تھی۔

شٹ اپ ساہیہ! تمہاری ہی کیا، مجھے کسی کی بھی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں ے کیا کرنا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میری زندگی میں کب کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری ہے؟ فیصلہ مجھے کرنا ہوگا۔“

ساہیہ کی بات ہی ایسی تھی کہ اسے کسی قدر کھردرا لہجہ اختیار کرنا پڑا تھا۔ اپنے بہت سارے غصے کو ہوئے اس نے ساہیہ کو اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

ساہیہ بھیگی آنکھوں سے اسے خود سے دور جاتا دیکھتی رہی تھی۔

یہ ضروری ہے اذہان! —— دوسری بار اتفاقاً ملی ہے وہ تمہیں۔ تیسری بار یقیناً نہیں ملے گی۔ اتنی ت تم سمجھ کیوں نہیں پا رہے؟ —— اپنی دوست پر اعتبار نہیں کر رہے ہو تم۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں برا چاہ رہی ہوں؟“ با آواز بلند وہ اس سے شکوہ کر رہی تھی۔ مگر اسے جواب دینے کو وہ پاس نہ تھا۔ دور جا چکا تھا۔ اور وہ اسے خود سے اور بھی پرے دھکیل دینا چاہتی تھی۔

* * *

”یہ کیا سن رہی ہوں میں؟ —— تم دونوں نے شادی اور رشتوں کو مذاق بنا لیا ہے؟ —— کبھی تم رتے ہو تو کبھی وہ۔ شادی نہ ہوئی گڈے گڑیا کا کھیل ہو گیا۔“ فارحہ نے اس کی طرف آتے ہوئے قدر سختی سے اسے ڈپٹا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کچھ سمجھ میں نہ آتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

”آئی ایم سوری۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ معذرت کرتے ہوئے جاننے کی ش ظاہر کی تھی۔ ”کیا ہوا؟“

فارحہ نے فون صوفے پر پٹختے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”تم نے کچھ کہا ہے ساہیہ سے؟“

”ساہیہ سے؟ —— ساہیہ سے میں کیا کہوں گا؟“ وہ چونکا تھا۔

”یعنی تم اس سے نہیں ملے اب تک؟“

”نہیں —— میں ملا ہوں آج شام اس سے۔“ کسی مجرم کی طرح وہ نظر پھیر گیا تھا۔

”اور کیا کہا تم نے اس سے ایسا کہ اس نے انگیج منٹ سے انکار کر دیا ہے؟“

”ساہیہ نے انگیج منٹ سے انکار کر دیا؟“ وہ اگرچہ اس کی طرف سے ایسی ہی کسی حماقت کی توقع کر تھا مگر ایسا پھر بھی اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلدی ایسی بے وقوفی کا مظاہرہ کرے گی۔

”اس نے فون کیا تھا؟“ اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا۔

”نہیں —— میں نے فون کیا تھا۔ جیولری کے کچھ سیٹ دکھانے تھے اسے کہ وہ کل کیا پہننا چاہتی

ہے۔ مگر وہاں سے سننے کو کچھ اور ہی ملا۔ اذہان! کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے اسے کیا کہا نے غصے سے دریافت کیا تھا۔

”کیا کہا میں نے؟ ـــــ آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر رہی ہیں؟“

”میں تم پر اعتبار کرتی ہوں یا نہیں، یہ بعد کی بات ہے اذہان! اہم بات فی الحال یہ تیاریاں ہو چکی ہیں۔ کارڈ تک بٹ چکے ہیں۔ کل گیسٹ آئیں گے تو ہم کیا کہیں گے، کچھ سوچا کیا مذاق ہے اذہان؟ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، تم جیسا سمجھ دار لڑکا ایسا بھی کر سکتا ہے۔ رسپیکٹ کا کچھ خیال ہے تم کو؟“

فارحہ نے بنا سوچے سمجھے سارا کا سارا الزام اس کے سر پر رکھا تھا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”واقعی ممی! مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کوئی وضاحت میرے پاس نہیں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں وہاں شام ساہیہ سے ملنے گیا تھا۔ او کسی بھی طرح اس انگیج منٹ کو ملتوی کرنے کا نہ تھا۔“ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ گاڑی میں باہر نکالتے ہوئے گاڑی اس کے گھر کے راستوں پر ڈال دی تھی۔

کچھ ہی لمحوں میں وہ اس کے سامنے تھا۔ ساہیہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا؟“

مگر اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

”اذہان! کیا ہوا ہے؟ ـــــ کیا تم مجھے بتاؤ گے؟“

”تم گاڑی میں بیٹھو۔ بتاتا ہوں تمہیں۔“ فرنٹ ڈور کھول کر اسے بٹھایا تھا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔

”ہوا کیا ہے؟“

”تم چپ ہو کر بیٹھ سکتی ہو؟“ ہمیشہ سے پُرسکون نظر آنے والا بندہ اس لمحے بہت مختلف لگا نے غالباً اس سے پہلے اسے کبھی اس کیفیت میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لمحے اس کے ذہن میں با کہ یہ کسی طرح کا کوئی ری ایکشن ہے۔ شام میں جب وہ گیا تھا اس کے ذہن میں صرف د محفوظ تھی اور اس سے آگے کچھ نہیں تھا۔

”ہوا کیا ہے اذہان؟ ـــــ کیا تم مجھے بتاؤ گے؟ فارحہ آنٹی تو ٹھیک ہیں نا؟ انہیں تو کچھ نہیں اس نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے ونڈ اسکرین سے نگاہ نہیں ہٹائی

”اِذہان! کیا ہو رہا ہے یہ؟ کچھ بتاؤ گے تم مجھے؟“ وہ چیخی تھی۔

”کچھ نہیں ہوا ہے ـــــ کل ہماری انگیج منٹ ہے اور میں تمہیں بھگا کر لے جا رہا ہوں سے اطلاع دی تھی۔ وہ چونک پڑی تھی۔

”وہاٹ؟ ـــــ وہاٹ آر یو سیئنگ؟ کیا کہا تم نے؟“

”اور کیا کروں؟ ـــــ اس کے سوا تم نے کوئی راہ چھوڑی نہیں۔“ اذہان حسن بخاری کا

تھا۔

”اذہان ـــــ!“ اُسے متوجہ کرنا چاہا تھا۔ مگر اس نے تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

”اذہان! کیا تم میری طرف دیکھو گے ایک بار؟“ توجہ چاہی تھی۔

”کیا اپنا گرویدہ بنا لینا چاہتی ہو؟ ـــــ ارادہ کیا ہے؟“ جواب اس کے قیاس کے بالکل برعکس تھا۔

ی نہ تو اور کیا کرتی۔

”یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے اذہان! کہ ارادہ کیا ہے؟ ـــــ آخر یہ سب کر کے تم کیا ثابت چاہتے ہو؟ ـــــ کیا مذاق ہے یہ؟“ وہ درشت لہجے میں بولی تھی۔

”مذاق نہیں ہے کوئی ـــــ میں واقعی تمہیں گھر لے جا رہا ہوں۔ اور کل کی تقریب تک تم وہیں اپنی ل میں رہو گی ـــــ ہاں، انگیج منٹ کے بعد تم واپس آ سکتی ہو۔ اگر تمہارا دل چاہے تو۔“ وہ پہلی بار یا تھا۔

”تم دھونس جما رہے ہو مجھ پر؟“

”اور کیا کروں؟ ـــــ تم نے دوسری کوئی راہ چھوڑی نہیں۔ ممی کو انکار کر کے تم نے توپ کا جو رخ طرف موڑا ہے اس کے جواب میں اپنا دفاع مجھے ضروری لگا ہے۔ اگر تم زیادہ من مانی کرو گی تو مجھے لہ بدلنا ہو گا۔“ ایک نئی دھمکی دی تھی۔

”کیا فیصلہ؟ ـــــ یہ کیا دھمکیاں دے رہے ہو تم مجھے؟“ وضاحت چاہی تھی۔

”دھمکیاں نہیں ہیں ـــــ اتنا سب کچھ کیا ـــــ عین موقع پر یہ سب ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ تو ٹھان لی اگر تم انگیج منٹ سے دوبارہ انکار کرو گی تو نکاح پکا۔ رخصتی ہم دو چار مہینوں بعد بھی کروا لیں گے۔ کیا خیال ہے، ڈائریکٹ شادی ہی نہ کر لیں؟ دو چار اچھے نکاح رجسٹرار لنک میں ہیں میرے۔ گھر نہ مانے تو کورٹ میرج بھی ہو سکتی ہے۔“

اگر یہ مذاق تھا تو سنگین ترین تھا۔ ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”تم ایک سمجھ دار آدمی ہو........“ وہ کہنے جا رہی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے اس کی بات درمیان ی کاٹ دی تھی۔

”کیوں، سمجھ دار آدمی کا دل نہیں ہوتا؟“ وہ اطمینان سے مسکرایا تھا۔

”میں تم سے پوچھتی ہوں اذہان! کیا بچپنا ہے یہ؟“

”کم آن ساہیہ! شادی کا ڈی سی ژن لینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ میں کتنا سمجھ دار ہوں۔“ پتہ نہیں وہ ی ظاہر کیوں نہیں کر رہا تھا۔ ساہیہ کو اس کے انداز سے بہت الجھن ہوئی تھی۔

”اذہان! گاڑی روکو۔ میں واپس جا رہی ہوں۔“ اس نے ایک لمحے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ مگر اذہان بخاری نے ایک لمحے میں بنا سوچے سمجھے اس کا فیصلہ رد کر دیا تھا۔

”میں واقعی مذاق نہیں کر رہا ہوں ساہیہ! ـــــ میں نے بچپن میں بچکانہ فیصلہ کبھی نہیں کیا تھا تو پھر ل مندی کی اسٹیج پر کوئی امچور ڈی سی ژن کیسے لے سکتا ہوں؟ ـــــ تم سے تعلق بنانے کا فیصلہ میرا

اپنا تھا اور ایسا میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔“

”مگر تم ایسا کیسے کر سکتے ہو اذہان؟ ـــــ میں تم سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتی۔ مگر کم از ک وقت تو دو۔ اس لڑکی کے متعلق سوچو تو سہی۔ تم خود سے بھاگ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو اذہان؟“

”تمہیں لگتا ہے میں خود سے بھاگ رہا ہوں؟“ اذہان نے سنجیدگی سے وضاحت چاہی تھی۔

”مجھے لگتا ہے ایسا ہی ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہ تم ہار جاؤ گے۔“

”مجھے ایسا نہیں لگتا۔“ مضبوط لہجے میں کہتا ہوا وہ اس کی جانب بالکل بھی متوجہ نہ تھا۔

”مگر ایسا ہے اذہان! اور اب تم چپ چاپ گاڑی واپس موڑ دو اور مجھے میرے گھر چھوڑ ک مذاق نہیں ہے یہ اذہان! میں تنہا نہیں ہوں ـــــ گھر ہے میرا ـــــ گھر سے وابستہ افراد ہیں میر تمہیں میری فیملی پرسٹیج کا خیال کرنا چاہیے۔“

”مجھے اس کا بھرپور خیال ہے ـــــ احساس ہے ـــــ بے فکر رہو، میں نے اکینے اور سے بات کر لی تھی۔ تبھی تو تمہیں جب بازو سے پکڑ کر لا رہا تھا، کسی نے روکا نہیں۔“ وہ تمام من پہلے سے کیے بیٹھا تھا۔ ساہیہ حیران رہ گئی تھی۔ پھر اسے سمجھاتے ہوئے نرمی سے بولی تھی۔

”اذہان! ـــــ ایسا مت خیال کرو کہ میں تمہاری دشمن ہوں۔ اگر تم سوچو گے تو تمہیں م اپنی سب سے بڑی خیر خواہ لگوں گی۔ میں کہیں بھاگ نہیں رہی ہوں۔ میں ہوں تمہارے پا رشتے مذاق نہیں ہیں اذہان! ـــــ میں نہیں چاہتی ہوں کہ کل تم کوئی ریگرٹ فیل کرو۔ اس د نہج پر نہیں سوچ رہے ہو۔ تمہیں گھر والوں کا خیال ہے، معاشرے کا خیال ہے، اپنی فیملی پرسٹیج کا ان سب باتوں کے بیچ تم خود کہاں ہو؟“

اذہان نے بہت اطمینان سے گاڑی گھر کے وسیع پورچ میں روکی تھی اور اُتر کر دروازہ کھو ہاتھ سے تھام کر باہر نکالا تھا۔

”میں یہاں ہوں ـــــ تمہارے ساتھ۔“ جواب بہت دلکش تھا۔ مگر وہ محظوظ نہیں ہو سکی الجھن کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی۔

”تم یہ ٹھیک نہیں کر رہے ہو اذہان! ـــــ ابھی بھی وقت ہے۔ کچھ دنوں کے لئے ـــــ دنوں کے لئے یہ سب ملتوی کر دو ـــــ اپنے بارے میں سوچو اذہان!“ درخواست کی تھی۔

”سوچ لیا ہے۔“ تسلی سے کہہ کر اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر وہ اندر کی طرف بڑ ساہیہ خان کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ سوائے خاموشی کے ساتھ قدم اس کے ساتھ ا بڑھانے کے۔

فارحہ انہیں دیکھ کر چونکی تھیں۔

”لیجیے، حاضر ہے آپ کی بہو ـــــ سنبھال لیجیے ـــــ اب کہیں مت بھاگنے دیجیے گا یہاں سے جاتی ہیں تو یقیناً ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔“ رسانیت سے کہتے ہوئے باقاعدہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

فارحہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔ مگر وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

”بہت تھک گیا ہوں ـــــ کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں ـــــ آپ اپنی بہو کے ساتھ ضرور پلاننگ کر ہیں۔“ اطمینان سے کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ فارحہ نے ساہیہ کی طرف دیکھا تھا اور ساہیہ کچھ کہے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

* * *

دادا ابا کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی۔ انابیہ شاہ شام کی چائے انہیں اپنے ہاتھوں سے پلا رہی تھی۔ ن سید قریب ہی بیٹھا مسلسل بول رہا تھا۔

”شادی سے پہلے کتنا واویلا مچا رہی تھیں نا تم ـــــ اور شادی کے بعد یکسر ہم سب کو بھول ہی گئی ہو۔ ون کیے ـــــ کتنی بار کہا ـــــ تب کہیں جا کر آئی ہیں یہ محترمہ۔ مام! دیکھ رہی ہیں آپ، کتنا بدل ہے یہ؟“

ماہ وش مسکرا دی تھیں۔ انابیہ کان بند کیے اپنی ساری توجہ دادا ابا کی طرف مبذول کیے ہوئے تھی۔

”سرال میں جب زیادہ محبت ملتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔“ ماہ وش نے مسکراتے ہوئے بیٹی کے سر پر رکھا تھا۔

”تم یہ کباب لو نا ـــــ چکن کے بنائے ہیں ـــــ تمہیں میٹ، بیف پسند نہیں ہے نا۔“

”جی ممی! لے رہی ہوں میں۔“ انابیہ نے جواب دیا تھا۔

”واہ ـــــ ان کے لئے اتنا خیال کیا جا رہا ہے اور ہماری کچھ پرواہ ہی نہیں ہے۔ مام! آپ بھی لگتا رف بیٹی کی ہی ماں ہیں ـــــ بیٹے کا کچھ خیال نہیں۔ حالانکہ عموماً مائیں بیٹوں سے زیادہ محبت کرتی ۔“ اوزان سید نے شکوہ کیا تھا اور ماہ وش مسکرا دی تھیں۔

”میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں ـــــ میرے لئے بیٹے بیٹیاں ایک جیسے ہیں۔ تمہارا بھی تو اتنا بال رکھتی ہوں۔ اب ماں سے شکوے گلے ہو گئے تمہیں؟“

اوزان سید نے اٹھ کر بازو ان کے گرد حائل کر دیئے تھے۔

”ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔

”ہاں، مذاق کر رہا تھا ـــــ جانتا ہے نا، لڑکی تو آخر ماں، بہن کو ہی دیکھنی ہے۔“ انابیہ نے جواباً یا تھا۔ اوزان ہنس دیا تھا۔

”ارے یار! ـــــ کیا رِستے زخم پر ہاتھ دھرا ہے۔ درد تازہ ہو گیا ہے۔ کبھی کچھ سنجیدگی سے سوچو نا ـــــ کیسی بہن ہو؟ لڑکی بتا دی، دکھا دی، نام تک بتا دیا اور اس پر بھی اتنی دیر؟ ـــــ کیسی بہن ہو سکراتے ہوئے تیر داغا تھا۔ انابیہ مسکرا دی تھی۔

”لکی ہی بہن ہوں میں ـــــ تم نے بھی تو توپ پسند کی۔ کوئی لڑکی پسند کی ہوتی تو کوئی بات بھی سے راضی کرنا آسان کہاں ہے؟“

”کیوں ـــــ تمہارے لئے بھی مشکل ہے یہ؟ بیسٹ فرینڈ ہے وہ تمہاری۔“

"کس کی بات کر رہا ہے یہ؟" ماہ وش نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اسی کی جس کے سحر سے یہ موصوف آج تک نکل نہیں پائے۔ لامعہ حق۔"

"لامعہ؟ ــــ تو کیا برا ہے اس میں؟ ــــ اچھی خاصی لڑکی ہے وہ تو۔ سب سے بڑی بار دراز کا تعلق ہے۔ یہ کون سی مشکل بات ہے........؟" ماہ وش مسکرائی تھیں۔ مگر انابیہ نے درمیان ٹوک دیا تھا۔

"مشکل ہے ممی! ــــ اوزی تو ریڈی ہے مگر لامعہ ریڈی نہیں ہے۔" فوری طور پر وہ انہیں سکتی تھی۔ نہ سمجھا سکتی تھی۔ اس لئے مختصراً کہہ کر بات سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔

"اگر اوزان کو پسند ہے تو کیا حرج ہے؟ ــــ ہم لامعہ کی فیملی سے بات کر کے دیکھ لی کیوں ابا؟ ــــ ٹھیک کہا نا میں نے؟ ــــ آپ کو کیا لگتا ہے، اوزی نے ٹھیک سوچا ہے؟" نے دادا ابا کی رائے چاہی تھی۔

"ہاں ــــ سوچا تو بہتر ہوگا۔ یہ نہ ہو کل کو عامرہ ہم پر کوئی کلیم کر دے۔ آخر بیٹا تو اسی کا اپنی بیٹی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"آپ اس کی فکر مت کیجئے ابا جی! ــــ عامرہ اور نوید بھائی سے بات میں کر لوں گی۔ بات کی داد دینا پڑے گی۔ ہمارے اوزان سید کی پسند ہے اچھی ــــ لامعہ بھی مان جائے تو جوڑی بن جائے گی۔ شاید یہی ہے خدا کا پوشیدہ فیصلہ۔ انابیہ کی شادی کے بعد میں خود بہت گھ رہی تھی لامعہ کو لے کر۔ لیکن اگر میرے بیٹے سے اس کی شادی ہو جاتی ہے تو یہ ایک پرفیکٹ میچ ہ کہتے ہیں ــــ خدا نے کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کو، کسی نہ کسی کے لئے ضرور رکھا ہے۔" ماہ وش خو دی تھیں۔

"ہاں ــــ مگر لامعہ کے معاملے میں فی الحال یہ قبل از وقت ہے۔ فی الحال وہ اس کے نہیں ہے۔" انابیہ شاہ مسلسل انکاری تھی۔

"یہ تم بہن ہو کر کس قسم کی باتیں کر رہی ہو یار؟ ــــ کہیں تم اس کے لئے خود تو جگہ چھو نہیں؟" اوزان سید مسکرا دیا تھا۔

"شٹ اپ اوزی!" انابیہ شاہ نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اسے گھورا تھا۔ چہرے کی کیفیت متغیر ضرور ہو گئی تھی۔ اس کے دل کی بات اوزان سید نے کیسے جان لی تھی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو تم اوزان! ــــ موڈ خراب کر دیا تم نے بہن کا۔ وہ روٹھ گئی تو آئے گی۔" دادا ابا نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

انابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں دادا ابا! ــــ آپ دیکھئے گا، میں اوزی کی جان کتنی مشکل میں ابھی بدلہ لینے کے کئی موقعے میرے ہاتھ بھی آنے والے ہیں۔ بہن ہونے کے ناطے اس کی ذمے داریاں مجھ پر ہی ہوں گی نا۔ پھر پوچھوں گی۔"

"یعنی تم لامعہ کے لئے جگہ چھوڑنے والی واقعی نہیں ہو؟" اوزان سید اس کی آنکھوں میں اعتماد سے ہوا مسکرایا تھا۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ چائے کا کپ لے کر اٹھی تھی۔ مگر پلٹتے ہی عفنان علی سامنے کھڑا دکھائی دیا تھا۔

"یہاں کون، کس کے لئے جگہ چھوڑنے والا ہے؟" عفنان علی خان وہاں ہونے والی بات کی ت کے ضمن میں گویا ہوا تھا اور وہاں موجود تمام افراد ماسوائے انابیہ کے چونکتے ہوئے مسکرا دیئے

"ارے عفنان! تُو؟ ــــ میرے یار! کیا لمبی عمر ہے تیری ــــ ادھر نام لیا اور ادھر تُو حاضر۔ نہیں تیرا میرے دوست!" اوزان سید نے اٹھ کر باقاعدہ اسے گلے لگا کر بھینچ کر پیار کیا تھا۔ عفنان ان مسکرا دیا تھا۔

"گویا مجھ سے زیادہ بہتر میرا ذکر ہے۔ میں غیر موجود ہوں مگر ذکر موجود ہے۔" مسکراتے ہوئے شاہ کو بغور دیکھا تھا۔ اوزی مسکرایا تھا۔

"ہاں ــــ غائب دماغ لوگوں کی بستی میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔"

"میری بیگم کو غائب دماغ کہہ رہے ہو تم؟" عفنان نے اسے گھورا تھا اور آگے بڑھ کر دادا ابا اور ماہ ے سر جھکا کر پیار لیا تھا۔

"جیتے رہو بیٹا!" ماہ وش اور دادا نے دعا دی تھی۔ اوزان ہنس دیا تھا۔

"غائب دماغ تو غالباً آپ کہہ رہے ہیں ــــ میری اطلاع میں ایسے لوگوں کو بدھو زیادہ کہا جاتا جو لوگ آنکھیں بند کر کے اندھا دھند کسی پر اعتبار کرتے ہیں، انہیں غالباً بدھو کہنا بھی کچھ کم لگتا ہے تمہارا خیال ہے؟" اس نے عفنان سے رائے چاہی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ عفنان علی خان کوئی جواب دیتا، ہ نے اسے ڈپٹ دیا تھا۔

"شٹ اپ اوزی!"

"آئی تھنک شی اِز رائٹ۔ میں بھی پروٹیسٹ کروں گا اس کے خلاف۔ ایک ہزبینڈ کے سامنے تمہیں لی وائف کی کمزوریاں گنوانے کا کوئی حق نہیں۔" عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے سر جھکائے کھڑی ہ کو دیکھا تھا جو اس کی طرف دانستہ دیکھنے سے گریزاں تھی۔ عفنان علی خان بات جاری رکھتے ہوئے تھا۔

"ایک ہزبینڈ کی گنتی بھی خاصی اچھی ہوتی ہے۔ ٹھیک ٹھاک گن سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بے ہزاروں کے سامنے اسے گنوا نہیں سکتا۔" مسکراتے ہوئے رائے زنی کی تھی۔ اوزان سید کا قہقہہ تا دیر مل گونجتا رہا تھا۔

"کیا مردوں والی بات کہی ہے۔ ہمت ہے میرے بھائی! ــــ ایک شادی شدہ بندے کو اس ہمت دینا یقیناً ناانصافی ہوگی۔ ہے نا دادا ابا؟" اوزی بولا تھا۔ دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

"بہن کو تنگ مت کرو اوزان سید! ــــ مردوں کی لاج رکھنے کے کئی موقعے اور بھی آئیں گے۔ فی

الحال بھائی ہونے کا فرض نبھانا زیادہ ضروری ہے۔" ماہ وش نے بھی تائید کی تھی۔

"میرا خیال ہے ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم لوگ بیٹھو، باتیں کرو۔ میں عفنان کے لئے چا کر آتی ہوں۔"

"آپ بیٹھئے ممی! ـــــ میں جاتی ہوں۔" انابیہ نے انہیں منع کرنا چاہا تھا۔ درحقیقت وہ چاہتی تھی۔

مگر ماہ وش نے اسے روک دیا تھا اور اس کا چہرہ پیار سے تھپتھپاتے ہوئے بولی تھیں۔

"تم عفنان کے پاس بیٹھو۔ وہ تمہارے لئے آیا ہے۔ یہ زیادہ ضروری ہے۔" انداز کم از کم زیادہ بات سمجھانے والا تھا۔ انابیہ وہاں سے ہٹنے کا ارادہ کر رہی تھی، مجبوراً دوبارہ وہاں بیٹھ گئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی دادا جی؟ ـــــ آئی ایم سو سوری ـــــ میں کل رات آ دراصل دن بھر کی مصروفیات کے بعد اتنا تھک گیا تھا کہ......."

"کوئی بات نہیں بیٹا! ـــــ مجھے اندازہ ہے۔" دادا ابا نے کوئی تعرض کیے بغیر کہا تھا۔

"دادا ابا تو اب ٹھیک ہیں ـــــ تمہیں کیا ہوا ہے؟ یہ آنکھیں اس درجہ سرخ کیوں ہو رہ نہیں سکے کیا؟" اوزان سید نے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان، انابیہ کی طرف ایک نگاہِ خاص ڈالتا ہوا بولا تھا۔

"ہاں ـــــ کچھ ضروری کام آن پڑے تھے۔"

انابیہ مکمل بے نیاز نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ایسے کون سے ضروری کام تھے کہ نیند تک قربان کر دی؟" اوزان نے وضاحت چاہی تھی۔

"تھے کچھ ایسے ضروری کام بھی۔ جو اس سے پہلے صرف التوا میں پڑے ہوئے تھے رات ا اور موقع بھی ـــــ سو انجام دینے میں دقت نہیں آئی۔" عفنان علی خان مخفی اشاروں میں بات

"نہیں بیٹا! ـــــ یہ ٹھیک نہیں ہے ـــــ سب سے پہلے اپنی صحت ہے۔ اپنا خیال ر ہوتے رہتے ہیں۔" دادا ابا نے مسکراتے ہوئے تاکید کی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"جی دادا جی! ـــــ اب ایسا ہی کروں گا۔" سعادت مندی کی حد تھی۔ نگاہ پورے استحقا چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"رات وہ موڑ نہ آنے دیتا تو آج زندگی کے مفہوم کو سمجھ نہ پاتا۔ بہت کچھ راز بن کر رہ ہمیشہ کے لئے۔" وہ سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کر رہا تھا۔

اوزی مسکرا دیا تھا۔

"ایسا کیا تیر مار دیا؟ ـــــ کہیں ڈی ٹیکٹیو تو نہیں بن گئے تم؟" عفنان علی خان مسکرا دیا ابا بولے تھے۔

"اوزان! مجھے میرے کمرے تک چھوڑ دو۔ کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔" پھر عفنان کے رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے تھے۔ "معذرت چاہتا ہوں برخوردار! تمہیں کمپنی نہیں دے سکوں

ب آؤ گے تو انشاء اللہ نہ صرف نشست جمے گی بلکہ چیس کا وہ ادھورا کھیل بھی کھیلیں گے جو ادھورا ا تھا۔"

نان علی خان مسکرا دیا تھا۔

جی دادا جی! ضرور۔ آپ ٹھیک ہو جائیے۔ میں ہارنے کو تیار ہوں۔ اپنوں کے ہاتھوں لی جانے والی ایک عجب لطف ہوتا ہے۔ جس کا اندازہ صرف ہارنے والا ہی کر سکتا ہے۔" ایک نگاہ انابیہ کی طرف ہوئے، مسکراتے ہوئے ذو معنی انداز میں کہا تھا۔ اوزان سید آگے بڑھ کر انہیں سہارا دے کر کمرے ف لے گیا تھا۔

ں وقت صرف اور صرف وہ دونوں مقابل تھے۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بھرپور نظروں سے ہوئے گرفت میں لیا تھا۔

ماما کہہ رہی تھیں تمہیں لیتا آؤں۔ تیار ہو......." جملہ قصداً ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ ہلی بار ایک دانستہ نگاہ اس شخص پر ڈالی تھی۔ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ عفنان علی خان نے ں سے چند ثانیوں تک اسے دیکھا تھا اور بولا تھا۔

رہنا چاہتی ہیں آپ؟" پھر بنا اس کے جواب کا انتظار کیے بولا تھا۔

اگر آپ آج چلیں تو کل صبح میں آپ کو دوبارہ چھوڑ دوں گا اور شام کو پک کر لوں گا۔ اسطرح ماما بھی رہیں گی اور شاید آپ بھی۔"

انابیہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"یہاں رہنے میں میری خوشی سے زیادہ میری ضرورت ہے۔ شادی کے بعد ایک لڑکی کی ذمہ داری ملی کے لئے ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ میرے اپنے ہیں۔" جانے اس نے کیا جتانا چاہا تھا۔ عفنان علی خان زی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور گویا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے ـــــ اگر آپ کی ذمہ داری یہاں رہنے سے کسی طرح پوری ہوتی ہے تو آپ شوق سے ہیے۔ میں ماما کو بتا دوں گا۔" وہ اٹھا تھا جب وہ فوراً بولی تھی۔

"ٹھہریئے ـــــ ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں۔"

عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے میں تیار ہوں۔" انابیہ زور دے کر کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

مہ وش چائے لے کر آئی تھیں تو اسے اپنے کمرے کی طرف حیرت سے بڑھتا دیکھ کر بولی تھیں۔

"اسے کیا ہوا؟"

"انابیہ ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ حالانکہ میں نے تو منع بھی کیا ہے کہ......." مہ وش مسکرا دی تھیں۔

"تو اس میں اس قدر پریشان ہونے والی بات کیا ہے؟ اسے اپنے گھر تو واپس جانا ہی ہے۔ میکہ تو رف چند لمحوں کے پڑاؤ کی جگہ بن جاتا ہے شادی کے بعد۔ میری بیٹی سمجھ دار ہے۔"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"تم بیٹھو۔ تب تک چائے تو پیو۔" ماہ وش نے لوازمات اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"جی ——" وہ سعادت مندی سے کہتا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے خیال میں انابیہ فرار چاہتی تھی سے وہ مل لیا تھا۔ ان کی طبیعت اتنی خراب نہ تھی کہ انابیہ ڈیرہ جما کر وہاں بیٹھ جاتی۔ مگر وہ اسے موقع نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے مطابق انابیہ کو وہاں ہونا چاہئے تھا —— اُس کے گھر میں۔ کے آس پاس —— اُس کی عقل کے بند دروازے کھولنے کے لئے یہ ضروری تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی، وہ بہت مطمئن دکھائی تھا۔ شاید اسی لئے ہاتھ بڑھا کر پلیئر آن کر دیا تھا۔

کہو اِک دن ——
تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے
وہ ہمارا ہے
اگر یہ سب کچھ ہمارا ہے تو
ہمیں سونپ دو اک دن
تم اپنا ہاتھ —— ہاتھ پر رکھ کے
روح کھینچ لو اک دن
کہو اِک دن ——

مغنی کی آواز میں دبی وہ خواہش انابیہ شاہ کو بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔ تبھی تو ہاتھ بڑھا دوسرے ہی پل اس آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ عفنان علی خان نے اس "اقدام" پر کوئی "احتجاج" تھا۔ وہ بہت مطمئن اور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ ہاں، اس اقدام پر ایک نگاہ اس چہرے پر تھی۔ مگر فوری طور پر ردِعمل دینا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

* * *

میرب سیال نے وہاں پہنچ کر فوری طور پر مائی اماں سے ملاقات کی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس آ کر ٹھیک ہی کیا تھا۔ کیونکہ اسے دیکھتے ہی اماں کی کیفیت سنبھلنے لگی تھی۔

"کیا ہو گیا؟ —— کیا کر لیا مائی؟ —— ایک دم اتنا تیز بخار اور اس پر اتنا ہائی بی پی؟ کر لے لی؟" مائی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے اسی لگاوٹ سے دریافت کیا تھا جس کا مظا مائی اماں نے اس کے لئے کیا تھا۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

"اپنی بچی کے لئے اداس ہو گئی تھی۔ بہت دنوں سے تجھے دیکھا نہیں تھا نا۔" مائی اماں نے ا محبت سے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ اور میرب سیال مسکرا دی تھی۔ لب بھینچ گئی تھی۔ پھر قدر۔ سے چہرہ دوسری طرف پھیر کر دوائیاں دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"آپ دوائیاں تو وقت پر لے رہی ہیں نا؟"

"ان دوائیوں کو چھوڑو تم اب ان کی ضرورت مجھے نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ جب میں وہاں نہیں تھی، سبکتگین نے خیال تو رکھا تھا نا تمہارا؟ تنگ تو نہیں کیا؟" شاید وہ ماں ہونے کے ناطے واقف تھیں بیٹے کے ج ہے۔ تبھی تو کہہ رہی تھیں۔

"سبکتگین کے بارے میں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مزاج نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔ مگر وہ اس کی ہیں جانتے۔ میں جانتی ہوں۔ وہ اپنے دل کی بات کبھی کہنے کا قائل نہیں ہے۔ چاہتا ہے جو بھی ہے آپ سمجھ جائیں۔ اب سب تو ایسا کرنے سے رہے۔ غیب کا علم ہر ایک کے پاس تو نہیں ہوتا نا۔ مگر یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ شروع سے ایسا ہی ہے۔" مائی نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو ایسے تھام اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا جیسے وہ چھوڑیں گی تو وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے گی۔ میرب کو کسی شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔ کتنے دن سے وہ بلا رہی تھیں اسے۔ پیغامات پر پیغامات بھجوا رہی تھیں۔ مگر ن نہیں رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ شاید خود غرض اور اپنے آپ کو دیکھنے والی بن گئی تھی۔ مائی غالباً واقعی ے بہت اٹیچڈ ہو گئی تھیں اور اتنا پیار کرنے لگی تھیں کہ وہ نظر نہیں آئی تو بیمار پڑ گئیں۔ کسی حد تک وہ ی اس کیفیت کی ذمہ دار خود آپ لگی تھی۔

"جانتی ہو، جب وہ چھوٹا تھا تو تب بھی اپنے دل کی بات نہیں بتاتا تھا۔ اپنی پسند، ناپسند —— سب میں رکھتا تھا۔ کوئی کھلونا اچھا لگتا یا کچھ چاہئے ہوتا تو چپ چاپ جا کر اپنے کمرے میں بیٹھ جاتا۔ اور میں سمجھ جاتی کہ اسے کیا درکار ہے۔" مائی اماں، سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بچپن کی یادیں تازہ کرتی مسکرائی تھیں۔ "ماں ہوں نا —— ماں کا دل سب سمجھ جاتا ہے۔ وہ بھی جو کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔"

"آپ نے ٹھان لی ہے کہ ساری باتیں آج ہی کر لیں گی؟" میرب نے محبت سے انہیں دیکھا تھا۔ کچھ تو حالت سنبھلی ہے۔ پھر بگڑ گئی تو؟"

"کہا نا، اب کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ تُو ساتھ ہے نا میرے۔ تیری موجودگی میں بھلا کچھ ہو سکتا ہے مجھے؟" کہتے ہوئے وہ مسکرائی تھیں۔ پھر خود ہی بولی تھیں۔

"سبکتگین دیکھ لے تو بہت جیلسی فیل کرے۔ اس سے زیادہ عزیز ہو گئی ہو مجھے۔ بچپن میں جب اس کے اور کزن میری گود میں گھس کر بیٹھ جایا کرتے تھے تو وہ برا مان جایا کرتا تھا۔" مائی نے ایک یاد اور تازہ کی تھی۔ میرب مسکرا دی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ اس بار انہوں نے خود مجھے آپ کے پاس بھجوایا ہے۔ اصولاً انہیں بالکل بھی برا نہیں ماننا چاہئے کہ اب وہ اکیلے آپ کی محبت کے حق دار نہیں رہے، کوئی اور بھی آ گیا ہے۔" محبت سے بتایا تھا میرب نے۔ مائی مسکرا دی تھیں۔

"سمجھتا ہے وہ۔ تبھی تو تجھے میرے پاس فوراً بھجوا دیا جب تم نہیں تھیں تو دنیا کے کسی بھی کونے سے دوڑا چلا آتا تھا۔ اور اب دیکھو، کتنے اطمینان سے وہاں بیٹھا ہے۔ جانتا ہے نا، کوئی ہے اس کے علاوہ جو اس کی ماں کو اتنا ہی عزیز رکھتا ہے۔ اور حق بھی رکھتا ہے۔" مائی نے محبت بھرے لہجے میں جتایا تھا۔ میرب نگاہ چرا گئی تھی۔ ایسا یقیناً نہیں تھا۔ مائی کی غلط فہمی تھی یہ فقط۔ مگر وہ انہیں جتانا نہیں چاہتی تھی تبھی

خاموشی سے سامنے موجود ونڈو کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ مائی کا دل بہت بولنے کو چاہ ر سو وہ بول رہی تھیں۔

"کیسا لگا تجھے اپنے گھر جا کر؟ ـــــ مظہر میاں آ گئے نا؟ کیسی طبیعت ہے اب ان کی؟"

"سب ٹھیک ہے مائی! پاپا آپ کو پوچھ رہے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر قبل بھی فون آیا تھا۔ مگر تب آ رہی تھیں اور میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں خیال کیا۔"

"چلو پھر بات ہو جائے گی۔ چاہتی تو میں یہی تھی کہ کچھ دن جی بھر کے رہ لے تُو وہاں۔ پھر ہمیشہ کے لئے میرے پاس آ جانا ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں تو وہاں واپس جا کر مظہر میاں سے رخصتی کی کروں گی۔ ویسے بات تو ان کے کان میں تب ہی ڈال دی تھی جب وہ امریکہ میں تھے۔ اب باضابطہ تجھے یہاں لانے کی اجازت مانگنی ہے۔" مائی اماں آنے والے دنوں کی منصوبہ بندی بیان تھیں اور وہ جو زبردستی مسکرا رہی تھی، یکدم بجھ کر رہ گئی تھی۔ شاید وہ مائی اماں کو انڈراسٹینڈ کرنا چاہ پھر جان کر نظر انداز کرنا چاہتی تھی۔

غالباً گی کے متعلق سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یا پھر اگر وہ جانتی بھی اس قصے کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دے رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہی ہے تُو؟" مائی نے اسے گم صم دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ میر چونکتے ہوئے سر آہستگی سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ کچھ نہیں۔"

"اب سو جایئے آپ۔ میں یہیں ہوں، آپ کے پاس۔" یقین دلایا تھا۔

"اس طرح بیٹھی رہے گی تو تھک جائے گی تُو۔ چاولہ سے کہہ کر میں نے تیرے لئے کمرہ ترتیب دیا تھا۔ جا، تُو بھی جا کر آرام کر لے۔ تھک گئی ہو گی نا۔ کتنی بری ماں ہوں، مجھے دھیان ہی نہیں رہا دور سے سفر کر کے آئی ہے تُو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ سو جایئے۔ میں موجود ہوں۔" مائی اماں دواؤں کے زیر اثر آنکھیں بند کی تھیں تو نیند میں جانے میں دیر نہیں لگی تھی۔ بہت جدت کا قائل تھا یہ گھرانہ۔ اتنے علاقے میں گھر ہونے کے باوجود جدید آرائش سے مزین تھا۔ گھر اگرچہ کچھ پرانا اور قدیم ضرور تھا مضبوط حالت میں تھا۔ غالباً گین یا پھر مائی اماں یہاں آتے جاتے رہتے تھے، اکثر قیام کرتے جدید ضروریاتِ زندگی کی ہر شے یہاں موجود تھی۔ آرائش و زیبائش سب کسی ماہر انٹیریئر ڈیزائنر کمال لگتا تھا۔

مائی کے سونے کے بعد وہ اٹھی تھی اور یونہی چلتی ہوئی وسیع و عریض گھر کا جائزہ لینے لگی تھی۔ سے گزر رہی تھی تبھی کسی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ مگر یہ آواز باتوں یا گفتگو کی نہ تھی۔ درد سے سسک رہا تھا۔ اسے گمان گزرا تھا، شاید مائی اماں۔ وہ الٹے قدموں سرعت سے مڑی تھ کے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ مگر دروازے پر رک کر دیکھنے پر اطمینان ہوا تھا۔ مائی اماں بہت

ہری نیند سو رہی تھیں۔ تو پھر وہ آواز کس کی تھی؟ ـــــ وہ یکدم چونکی تھی اور مڑ کر قدم واپس راہ داری میں ڈال دیئے تھے۔ کچھ ہی قدم چل کر وہ آواز دوبارہ اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس نے کان لگاتے ہوئے ایک کمرے کے سامنے رک کر ہاتھ ہینڈل پر رکھ دیا تھا۔ دروازہ غالباً لاکڈ نہ تھا تبھی کھلتا چلا گیا تھا اور اس کی نگاہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

کوئی خاتون زمین پر اوندھے منہ پڑی شدید ترین درد سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بری طرح کراہ رہی تھی۔ میرب سیال نے ایک لمحے میں آگے بڑھ کر اسے سہارا دیتے ہوئے اٹھا کر سیدھا کیا تھا۔ اُس کے منہ سے غالباً بلیڈنگ ہوئی تھی۔ لبوں سے نیچے ٹھوڑی اور نیچے گرنے کے باعث آدھا چہرہ اسی خون سے بھرا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟ ـــــ یہ خون ـــــ؟"

مگر وہ نحیف و لاغر جسم والی خاتون کچھ نہیں بول سکی تھیں۔ اک نگاہ سے اسے دیکھا تھا اور شدید ترین کھانسنے لگی تھیں۔ میرب سیال کے لئے انہیں اس طرح سنبھالنا دشوار ہوا تھا۔ بہت مشکل سے اٹھا کر اس نے انہیں بیڈ پر ڈالا تھا۔ ایسا کرنے میں اس کی سانس بری طرح پھول گئی تھی۔ مگر اس نے اپنی بے ترتیب ہوتی سانسوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرعت سے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے کھینچ دیئے تھے۔ غالباً کمرے کی گھٹن بھی اس خاتون کی کھانسی کا سبب تھی۔ مگر ان کی کھانسی میں تب بھی کوئی خاطر خواہ فرق نہ پڑا تھا۔

میرب نے ساتھ والے ٹیبل سے ٹشو نکال کر ان کا چہرہ صاف کیا تھا پھر اسی سرعت سے پانی گلاس میں انڈیلا تھا اور گلاس ان کے لبوں سے لگایا تھا۔ پانی سے ان کی کھانسی میں کچھ فرق پڑا تھا۔ مگر اب وہ بہت گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟ ـــــ ٹھیک ہیں آپ؟ ـــــ کہیں پین ہو رہا ہے آپ کو؟ ـــــ ٹھہریئے، میں ڈاکٹر کو فون کر کے بلاتی ہوں۔" وہ اٹھی تھی مگر اس کے کانپتے ہاتھ نے ایک لمحے میں اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میرب نے مڑ کر دیکھا تھا۔ نحیف، کمزور جسم والی خاتون سر نفی میں ہلا رہی تھیں۔

"نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں ضرورت نہیں ہے؟ اپنی حالت دیکھ رہی ہیں آپ؟" یہ جانے بغیر کہ وہ کون ہے، کیوں ہے، کس لئے ہے وہ اس کی فکر کرتی ہوئی بولی تھی اور پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ ڈاکٹر ابھی ابھی اپنا نمبر اس کے پاس چھوڑ کر گیا تھا۔ اس خیال سے اس نے وہ نمبر اپنے سیل میں محفوظ کیا تھا کہ مائی کے سلسلے میں خدانخواستہ ایمرجنسی میں ضرورت پڑے تو وہ فوری طور پر رابطہ کر سکے۔ مگر مائی کے سلسلے میں تو نہیں، البتہ کسی اور کے سلسلے میں اس کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اپنا سیل اٹھا کر اس نے تیزی سے نمبر ملایا تھا اور بولی تھی۔

"ہیلو ڈاکٹر! ـــــ یہاں آپ کی فوری ضرورت ہے۔" کہہ کر وہ چلتی ہوئی دوبارہ اس کمرے میں آئی تھی۔ وہ خاتون اب بھی اسی طرح گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ میرب آگے بڑھی تھی۔

"میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں آ جائیں گے وہ۔ آپ پلیز آرام سے ل جائیے۔" اپنا سیل فون وہاں اس کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس نے دوبارہ گلاس اٹھایا تھا۔

"پانی اور دوں آپ کو؟" وہ جھک کر اتنی اپنائیت سے دریافت کر رہی تھی جیسے وہ اس چہرے کو برسوں سے جانتی ہو۔ اس خاتون نے منہ پر ٹشو پیپر رکھ کر کھانستے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں —— اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شکریہ، میں پہلے سے بہتر ہوں۔" اس خاتون نے ایک نظر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا اور کہتے ہوئے آہستگی سے لیٹ کر آنکھیں موند لی تھیں۔ مگر اس کا چہرہ ایک تکلیف اور کرب کے احساس کو نمایاں کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ٹھیک نہیں تھیں۔

میرب نے جھک کر دوسرا کشن اٹھا کر گردن کے نیچے رکھ دیا تھا اور سر قدرے اوپر کر دیا تھا۔

"اس طرح آپ کو سانس لینے میں آسانی رہے گی۔ لیکن آپ نے اس طرح دروازے کھڑکیاں بند کیوں کئے تھے؟" میرب نے دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ڈاکٹر آ گیا تھا۔ میرب نے اپنی نگرانی میں ان کا چیک اپ کروایا تھا اور ضروری ہدایات لی تھیں۔

"انہیں ہاسپٹلائز ہونے کی ضرورت ہے۔ یونو، شی نیڈ اے سینی ٹوریم۔ ایک دو بار پہلے بھی میں ان کا چیک اپ کرنے آ چکا ہوں اور میں نے ان کے ورثاء کو تب بھی تلقین کی تھی مگر انہوں نے غالباً یہ ضروری خیال نہیں کیا۔ اینی ہاؤ، میں نے انہیں انجکشن دے دیا ہے۔ اب یہ کچھ دیر آرام سے سو سکیں گی۔" ڈاکٹر نے اس کے ساتھ چل کر باہر آتے ہوئے کہا تھا۔ وہ چونکی تھی۔

"سینی ٹوریم مین ——؟"

"بالکل ٹھیک سمجھی ہیں آپ۔ ایسی بیماری اور کنڈیشن میں پیشنٹ کو جس طرح کا علاج اور کیئر درکار ہوتی ہے وہ صرف سینی ٹوریم میں ہی پرووائیڈ ہو سکتی ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں کچھ عرصہ وہاں رکھوایا بھی تھا میرے کہنے پر۔ مگر جیسے ہی ان کی حالت سنبھلی یہ دوبارہ یہاں پائی گئیں۔ غالباً انہیں واپس لے آیا گیا۔ دیکھئے، اس بیماری میں بار بار علاج اور ٹریٹ منٹ ادھورا چھوڑ دینے سے مرض اور بھی شدت اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر اس کا علاج اور بھی کمپلی کیٹڈ ہو جاتا ہے اور ان کے معاملے میں ایسا دو چار بار ہو چکا ہے۔ میں کائنڈلی ریکوسٹ کروں گا کہ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں پیشنٹ کا خیال کروں اور اس کے متعلق اس کے ورثاء کو قائل کروں۔ فار گاڈ سیک، آپ انہیں ہاسپٹلائز کروائیں جتنی جلدی ہو سکے۔ ورنہ ان کی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ خدانخواستہ وہ جان سے بھی ہاتھ دھو سکتی ہیں۔" ڈاکٹر نے مکمل صورتحال اور اس کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا اور اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں چلتا ہوں اب۔ لیکن دوبارہ اگر میری ضرورت پڑے تو بلانے سے مت چوکئے گا۔" ڈاکٹر خندہ پیشانی سے کہہ رہا تھا۔ میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

"جی ضرور۔"

ڈاکٹر چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر وہاں سے مو نہیں کر سکی تھی۔ قدم انجانی

نے باندھ لئے تھے۔ اب تک جو نہیں سوچا تھا، ان سوچوں کی یلغار ہو گئی تھی۔

ون تھی وہ؟

یا مائی کی رشتہ دار؟—— کوئی بہن یا پھر——

ین ڈاکٹر تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کا حوالہ دے رہا تھا؟

ر وہ اس کے ورثاء کی بات بھی تو کر رہا تھا۔ کون تھے اس کے ورثاء جنہوں نے اسے اس طرح میں یہاں لا ڈالا تھا۔

ون تھی وہ؟

ر کس بات کی سزا دی جا رہی تھی اسے؟

ین وہ جو کوئی بھی تھی، اس کا تعلق اس فیملی سے ضرور تھا۔ مائی اور گین سے ضرور تھا۔ کیا وہی اس کے تھے؟—— اگر تھے تو وہ اس کے دشمن کیوں تھے؟ اس کی اس حالت کے ذمہ دار کیوں تھے؟ وہ آج ال میں کیوں تھی؟—— آخر کیا لگتی تھی وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی؟—— وہ اتنا لبرل بندہ جو رج میں آزاد ترین تھا، اس سے وابستہ کون سا رشتہ تھا جو اس طرح بند کمرے میں درد کی شدت سے خون تھوک رہا تھا؟—— کتنی ساری سوچوں سے الجھتی وہ چلتی ہوئی اس کمرے میں دوبارہ آئی ۔ غالباً ڈاکٹر کی فوری دی جانے والی ٹریٹمنٹ کا اثر تھا جو اب وہ خاتون پُرسکون انداز میں سو رہی ۔ میرب نے آہستگی سے چلتے ہوئے آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل سے اپنا فون اٹھایا تھا اور دبے پاؤں پلٹ کر دروازہ بند کرتے ہوئے باہر آ گئی تھی۔

رات لمحہ لمحہ بیت رہی تھی۔ مگر اب نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سوچ کے کئی زاویے اسے ؤں میں ڈال رہے تھے۔ سونے نہیں دے رہے تھے۔

آخر کون تھی وہ؟—— اور اس کے متعلق اسے کیوں آگاہ نہیں کیا گیا تھا؟—— وہ مسلسل ایک ہی پر سوچ رہی تھی۔

* * *

مصروفیت کے اہم ترین لمحوں میں سے وقت نکال کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا سیل نمبر ملایا

"ہیلو۔" وہ دوسری طرف جاگ رہی تھی غالباً اس وقت۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سوچ کر حیرت ہوئی تھی۔ وہاں پاکستان میں یقیناً یہ رات کا پہر تھا اور اب اس کا جاگنا؟—— کیا وہ اس کے معاملات اور تعلقات کے لئے واقعی اتنی کنسرن تھی؟

"ہیلو!" میرب سیال نے اس کے نہ بولنے پر دوبارہ کہا تھا۔

"مائی کیسی ہیں اب؟" اس نے بنا کسی تمہید کے دریافت کیا تھا۔

"ٹھیک ہیں۔" دوسری طرف میرب سیال کا لہجہ پُرسکوت تھا۔ دوری کے باوجود وہ اس کا چہرہ نہ دیکھتے ہوئے بھی اس کی کیفیت پہچان گیا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ؟ —— ٹھیک تو ہوتم؟'' اس فکر کرنے کا جواز میرب سیال نہیں جانتی تھ
جیسے اس وقت جواب دینا فرض تھا۔

''ٹھیک ہوں میں۔''

''ٹھیک ہو تو جاگ کیوں رہی ہو اس وقت؟'' اس کے لئے یہ کوئی فکر تھی، کوئی کیئر تھی، کوئ
پھر محض ایک ڈانٹ ڈپٹ تھی۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''نیند نہیں آ رہی تو کیا کروں؟'' اس نے شانے اچکا کر ضدی بچوں کی طرح جواب دیا تھا
وقت اس کے مدمقابل بیٹھا ہو۔

''نیند نہیں آ رہی تو سونے کی کوشش کرو۔'' جیسا سوال تھا ویسا ہی جواب آیا تھا۔ اس شخ
پہلے بھی کبھی زمین پر نہیں رہا تھا۔ پھر آج وہ اس سے کیا رعایت اخذ کرتی۔

''ٹھیک ہے —— کرتی ہوں کوشش۔'' اس نے بحث میں الجھنا ضروری خیال نہ کر
سعادت مندی سے کہا تھا۔ تبھی اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

''مائی سو رہی ہیں کیا؟''

''ہاں۔'' میرب نے بھی مختصر جواب دیا تھا۔

''ڈاکٹر نے کیا کہا؟ —— کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟'' دونوں فریقین کے لہجے ایک
کے لئے سرد تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ دونوں کے دلوں میں کچھ نہیں اور فاصلے بدستور قا
مزید بڑھ رہے ہیں۔

''نہیں —— کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ مائی اب پہلے سے بہتر ہیں۔'' اس نے مط
کی اپنی کوشش کی تھی۔

''ڈاکٹر بتا رہا تھا بخار تیز تھا اور بی پی بھی ہائی تھا۔ اب کیا کنڈیشن ہے؟'' وہ تمام باتوں کی
سے یوں چاہ رہا تھا جیسے وہ اس وقت ڈیوٹی پر مامور کوئی نرس ہو۔

''بخار کم ہو گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بی پی لیا تھا میں نے۔ 130 تھا۔ اِٹس کوائٹ نار
جواب وہ چاہ رہا تھا اس نے ویسا ہی جواب دیا تھا۔ مگر وہ اب بھی مطمئن نظر نہ آیا تھا۔

''ہاں۔ مگر ہائی بی پی ان کی صحت اور جان کے لئے سخت خطرہ ہے۔ ایک دو بار پہلے بھی انہ
ہو چکی ہیں۔'' وہ فکرمند دکھائی دیا تھا۔ اپنے کسی پرسنل افیئر کو لے کر اس کی پہلی بات چیت تھ
کے ساتھ انجام پا رہی تھی۔ پہلی بار وہ اسے بہت مختلف لگا تھا۔ اس کا الجھا ہوا لہجہ وہ صاف مح
تھی۔ شاید اسی لئے اتنی مخالفت ہونے کے باوجود پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''کیسی اسٹرائیس؟''

''پیرالائسز اسٹرائیس۔ ان اسٹرائیس کے باعث پیرالائز ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ مائی کو
ہونا تب شروع ہوئے تھے جب پاپا کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ حالانکہ اس وقت مائی کی عمر بھی کچھ زیاد
وہ سوچتی بہت زیادہ ہیں۔'' وہ اسے اس طرح اپنائیت سے بتا رہا تھا جیسے وہ اس کی بہت اپنی ہو

بار —— پہلی بار میرب کو سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت مختلف لگا تھا اس خاکے سے، اس
ے بہت مختلف جو اس نے خود آپ اس کے متعلق اخذ کرتے ہوئے مرتب کیا تھا۔ کیا وہ واقعی کچھ
ا صرف اسے اس وقت لگا تھا؟ سوچ رہی تھی۔ وہ بالکل نہیں سمجھ پائی تھی کہ سوچ یکدم اس کی انگلی
ا نہج پر کیوں لے گئی تھی جہاں اس نے پہلی بار اس کے متعلق کچھ پازیٹو انداز میں سوچا تھا۔
ن یو ڈو می اے لٹل فیور؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سوچوں سے بیدار کرتے ہوئے
یا تھا۔

ٹ؟'' اس نے سوالیہ انداز اختیار کیا تھا۔ ''وِچ کائنڈ آف فیور؟'' دریافت کیا تھا سردار سبکتگین
ی سے۔ چند ثانیوں تک جانے کیوں چپ سادھ گیا تھا۔ میرب سمجھی تھی کہ رابطہ منقطع ہو گیا تبھی

لو —— !''

ں، آئی ایم دیئر۔'' وہ جیسے اپنی موجودگی ظاہر کرنے کو بولا تھا۔

ئی کا خیال رکھنا میرب! شی اِز ویری امپورٹنٹ فور می۔ میری سب سے قیمتی شے ہیں جن کا خیال
کھنے کو کہہ رہا ہوں۔ میں آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایکچوئیلی یہاں اتنا کام ہے کہ وقت نکالنا مشکل
ہے۔ اور ادھورا کام چھوڑ کر میں آ نہیں سکتا۔ مسٹر چاولہ بھی یہاں نہیں ہیں۔ اور اگر میں وہاں جا کر
ں بھیجتا ہوں تو بہت نقصان ہوتا ہے۔'' کوئی خاص بات کہتے کہتے وہ یقیناً بات بدل گیا تھا۔ مگر یہ
یقیناً اہم تھی۔ وہ اسے ماں کا خیال رکھنے کی تاکید کر رہا تھا۔ وہ ماں جو اس کے لئے بہت زیادہ اہم
ی وہ اپنی اہم ترین ذمہ داری اسے سونپ رہا تھا۔ وہ بھی درخواست کے ساتھ۔ کیا اتنا اعتبار کرتا تھا
، اتنی دوری کے باوجود، اتنی مخالفت ہونے کے باوجود، سب سے بڑی اور اہم بات، دل اتنے دور
کے باوجود؟ میرب سیال واقعی اس لمحے حیران تھی۔ یہ رات کیسی تھی؟ —— اسے حیران سے سوا
رہی تھی۔ وہ سوچوں میں اُلجھی تھی اور وہ پوچھ رہا تھا۔

م رکھو گی نا مائی اماں کا خیال؟''

اں۔'' اس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

ینکس میرب!'' وہ جیسے مشکور ہوا تھا۔ وہ کچھ شرمندہ دکھائی دی تھی۔

جھے مائی کی کیفیت کے متعلق اتنا پتہ نہیں تھا۔ اگر معلوم ہوتا تو میں پہلے ہی یہاں آ جاتی جب وہ مجھے
پا رہی تھیں۔'' اس نے برملا اعتراف کیا تھا اور پوچھا تھا۔ ''آپ نے مائی کے متعلق مجھے پہلے کیوں
یا؟''

کیا بتاتا؟ —— اس سے پہلے یہ ضروری بھی نہیں لگا تھا۔ شاید اس سے پہلے اس کی اتنی ضرورت
ا تھی۔ میں جانتا ہوں وہ میرے لئے کتنی اہم ہیں اس لئے کبھی اپنی ذمہ داری کسی اور کو سونپنے کی
ی نہیں آنے دی۔''

تو اب مجھے کیوں سونپ رہے ہو؟' وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر پوچھ نہیں سکی تھی۔

وہ مزید ہدایات جاری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مائی کے لئے میں بہت پوزیسو ہوں میرب! اور اس وقت بہت پریشان بھی ہوں۔ تم وقفے سے ان کے متعلق مجھے آگاہ کرتی رہنا۔"

'آپ پریشان نہ ہوں۔ میں کردوں گی۔' وہ ایسا کہنا چاہتی تھی مگر رک گئی تھی۔ بولی تھی تو تھے۔

"ٹھیک ہے ـــــ کچھ اور؟"

"نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک گہری تھکی ماندی سانس خارج کی تھی اور سلسلہ تھا۔ مگر فون بند کر کے بھی وہ اسی دائرے میں الجھا رہا تھا۔ اسے خود سمجھ نہیں آیا تھا، اس نے اس کر کے میرب کو ہی کیوں یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ کرنے کو یہ تاکید وہ مسٹر چاولہ کو بھی کر سکتا تھا ہی کیوں؟

'اتنا یقین ہے تمہیں اس پر؟' گی کا کہا گیا ایک جملہ اس کے گرد گونجا تھا۔ لیکن جیسے وہ کان ہوئے ایک اہم ترین فائل نکال کر دیکھنے لگا تھا۔ پھر سیل پر ماتحت کا نمبر ملایا تھا۔

"میٹنگ کا وقت کتنے بجے کا تھا ہارون؟"

"سر! شام سات بجے کا۔"

"اور تم نے مجھے ری مائنڈ تک نہیں کروایا۔ ایجنڈا ریڈی ہے نا؟"

"جی سر!"

"رائٹ۔ کل کی پوسٹ پون ہوئی میٹنگ کا ٹائم بھی ری شیڈول کرو اور ایسا آج ہی ہو جا میں کام جلد سے جلد ختم کر کے واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"ڈونٹ وری سر! آئی وِل ہینڈل دیٹ۔" مطلوبہ جواب ملنے پر اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا۔

"گھر بہت سُونا ہے گین! ـــــ میرب کے یہاں سے چلے جانے سے جو ویرانی یہاں آ جب تم یہاں آؤ تو تم بھی اسے محسوس کرو۔" گی ژیا نگ کے کہے گئے جملے بازگشت بن ر بہت الجھے ہوئے انداز میں اٹھا تھا اور دوبارہ نمبر ملا کر فون کان سے لگایا تھا۔

"ظفر! فنانس کی فائل دیکھ لی تم نے؟ ـــــ کل میٹنگ ہے اور میں نہیں چاہوں گا کہ فیگرز کسی بھی طرح سے رونگ ہوں۔" سوچوں کو جھٹلانے کا انداز خوب تھا۔ شاید وہ ان لمحوں کو جھٹ تھا اور فرار کے راستے اختیار کر رہا تھا مسلسل۔ مگر آوازیں تعاقب بن کر اس کے اردگرد تھیں۔

"سارا گھر جیسے اسے تلاش کر رہا ہے گین! ـــــ تم یہاں نہیں ہو لیکن مجھے جانے کیوں تمہارا احساس یہاں وہاں اسے کہیں ڈھونڈ رہا ہے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تنگ آ کر باہر کا رخ کیا تھا اور چلتے ہوئے ہارون سے رابطہ کیا

"ہارون! گاڑی تیار ہے؟"

"جی سر!"

تم اپنے روم سے نکلو، میں آرہا ہوں۔"

ہانا ہے سر؟ ـــــ میٹنگ تو سات بجے ہے۔" ہارون حیران ہوا تھا۔

ں، میٹنگ کا ٹائم سات بجے ہے۔ مجھے اسٹاک ایکسچینج جانا ہے۔"

ے فون بند کر دیا تھا۔

لین حیدر لغاری گاڑی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا جب گی ژیا نگ کی آواز اس کے ئی تھی۔

انے مت دینا گین! ـــــ جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو نقصان ہو جائے گا۔ اسے جانے مت دینا گین!" وہ صدا پھر بازگشت بن جانے کو تھی۔ مگر یدر تمام آوازوں سے جیسے کان بند کرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

انے مت دینا گین!" گی ژیا نگ کی آواز بہت تھکی ماندی صدا میں بدل گئی تھی اور بالآخر وہ دموں واپس مڑ گئی تھی۔

❄❄❄

اس نے کہا تھا کہ وہ اگلی صبح اسے وہاں چھوڑ دے گا۔ انابیہ شاہ اس کے آفس جانے سے قبل ری تھی۔

فون آیا تھا ـــــ وہ بھی آرہی ہے وہاں۔ آپ مجھے چھوڑ دیجئے گا۔ ممی کو فون کر دیا ہے میں کرتی ہوں گی۔" باقاعدہ آگاہ کیا تھا۔

خان نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

ہوں؟" وہ یوں اجازت چاہ رہا تھا جیسے اب تک سارے کام اسی کی اجازت سے کرتا طور پر اس طنز کو سمجھی نہیں تھی۔ اس لئے بنا کوئی جواب دیئے پلٹ کر اپنے ہینڈ بیگ میں کچھ

آج جانا ضروری ہے؟" عفنان علی خان نے کوٹ پہنتے ہوئے آئینے میں اسے بغور دیکھا ا جیسے ترتیب پا چکا تھا۔

تمایا تو تھا اور آپ خود بھی تو مل کر آئے ہیں دادا ابا سے۔ آپ کو نہیں لگتا کہ میری کچھ ضرورت " انابیہ نے جتاتے ہوئے کہا تھا۔ عفنان علی خان نے کوئی ردعمل فوری طور پر ظاہر نہیں کیا ان سے خود پر پرفیوم اسپرے کیا تھا، بال سیٹ کئے تھے اور پلٹ کر پُرسکون انداز سے اسے

رمایا آپ نے۔ غالباً آپ آزاد ہیں یہ فیصلہ کرنے میں کہ آپ کی زیادہ ضرورت کہاں ہے۔ لبرٹی میں بھی تو چاہتا ہوں۔" جانے کس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ سمجھی نہیں تھی۔

لبرٹی کی بات کر رہے ہیں آپ؟ ـــــ اب اس وقت بحث کا کون سا وقت ہے؟ کل شام کر آپ مجھے ممی کے ہاں دوبارہ چھوڑ دیں گے۔" خالصتاً بیویوں والا انداز تھا۔

وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گ
اندازہ تو نہیں ہوا تھا مگر وہ خجل سی ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا قریب آ گیا تھا۔

”دانستہ نادانستہ آپ خود کو اس جگہ کا، اس پوزیشن، اس اسٹیٹس کا حصہ سمجھنے لگ گئی ہیں
جیسا حق جتا رہی ہیں آپ۔ کیا سمجھوں میں اسے؟ کوئی کرم یا ستم؟“ بغور اس کی طرف
بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف پھیرا تھا۔ انابیہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ اسے اس
چاہئے تھا اور وہ تھی بھی۔

”میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی تعلق کی کوئی وضاحت نہیں مانگ رہا۔ صرف ج
آپ نے ایسا کرنا گوارہ کیسے کر لیا؟ انکاری تھیں نا آپ؟ تو اتنی جلدی تسلیم کیسے کر لیا
ہوئے صرف اپنی حیرت بیان کر رہا تھا۔ انابیہ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کیا کہتی؟
لمحے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ شخص یقیناً عجب بات کر رہا تھا۔ یا پھر اسے شرمندہ کرنا چا
معاملے کو وہ طول دینا نہیں چاہتی تھی۔

”عجیب لگ رہی ہے میری بات؟“ وہ جیسے اس کے دل کو سطر سطر پڑھتے ہوئے گویا
چونک کر دیکھا تھا اسے۔ تبھی دروازہ بجا تھا۔ ساتھ ہی انوشے نے باآواز بلند پکارا تھا۔

”بھائی! بھابی! ـــــ بریک فاسٹ ریڈی ہے۔ ماما آپ کو بلا رہی ہیں۔“

انابیہ نے فرار کی راہ پا کر پہلی فرصت میں سرعت کے ساتھ قدم دروازے کی طر
تھے۔ مگر عین اسی لمحے عفنان نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ انابیہ شاہ حیرا

”میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی انابیہ!“

”اور مجھے آپ کی بات قطعی ضروری نہیں لگ رہی۔“

”سنے بغیر آپ کو کیسے اندازہ ہو گیا کہ میری بات ضروری تھی بھی کہ نہیں؟“ اس ک
کر دیئے تھے ایک لمحے میں۔ انابیہ شاہ نے لاجواب ہو کر اسے دیکھا تھا۔ وہ زیر لب مسکر

”انابیہ! اہم بات کرنا ہے تم سے۔ بہت ضروری بات۔“ دو قدم آگے بڑھ کر مدعا ب

”تو کہئے ـــــ سن رہی ہوں میں۔“ انابیہ کو مزید فرار مناسب نہ لگا تھا۔ سوالیہ

”ایسے ہی کہہ دوں؟ ـــــ آئی مین اس طرح کھڑے کھڑے؟ بات واقعی معمو
دو گھڑی بیٹھ کر بات کر لیں تو مناسب ہو گا۔“ عفنان علی خان کا اطمینان برقرار تھا۔

”کیا وہ بات اتنی اہم اور ضروری ہے کہ ہم شام تک کا انتظار نہیں کر سکتے؟“ انابـ
اسے دیکھا تھا۔

”ہاں، یہی سمجھ لو۔“

”تو پھر آپ بول کیوں نہیں رہے؟ ـــــ وقت کیوں گنوا رہے ہیں؟ ـــــ
بیٹھ کر سنوں یا کھڑے ہو کر۔ آپ کے لئے۔“ وہ دو ٹوک انداز میں بولی تھی۔ عفنان
تھا۔ بلکہ اس کی طرف سے دھیان بھی پھیر گیا تھا۔ پھر آہستگی سے بولا تھا۔

ں شادی کرنا چاہتا ہوں انابیہ!“

کی حیرت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ اسی حیرت کو توڑنے کی کوشش میں وہ گویا ہوئی تھی یا پھر
یقین کرنا چاہا تھا کہ جو اس نے سنا ہے وہ ٹھیک ہے بھی کہ نہیں۔

کسکیوز می! وہاٹ یو سے؟ ـــــ کیا کہا آپ نے؟“

نان نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے شانوں سے تھاما تھا اور سنجیدگی سے بولا تھا۔

ہی جو تم نے سنا۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں انابیہ! تمہارے ساتھ شادی کے فیصلے کو میں غلط نہیں
لر میرے بھی کچھ ارمان ہیں۔ کچھ خواب ہیں۔ ایک اچھی، خوبصورت زندگی گزارنا چاہتا ہوں میں
ا کم از کم ذہنی سکون ہو۔ تھک چکا ہوں میں انابیہ! یہ چوہے بلی کا کھیل کھیلتے کھیلتے۔ شادی بچوں کا
یں ہے۔ ایک رسپانسبل لائف کا نام ہے شادی۔ اور ہم دونوں اس ذمہ دار زندگی کو نہ نباہنے کو تیار
ں رشتے کو آگے بڑھانے کو۔“

یہ ساکت کھڑی تھی۔ مگر اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ عفنان کے ہاتھ اس کے شانوں
ور اسے اس کی کیفیت کا بھرپور اندازہ ہو رہا تھا۔ ان ساکت آنکھوں میں نمی سی تھی۔

لامعہ بھی تیار ہے اس کے لئے۔ اور ہم دونوں کو تم سے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ لامعہ نے تو یہاں تک
ہے کہ اس گھر میں تم ہی رہو گی۔ اس کمرے پر بھی تمہارا حق ہو گا۔ جو ہم رشتہ جوڑنے جا رہے ہیں،
رشتے پر یا تم پر براہِ راست کوئی اثر نہیں کرے گا۔ میری جگہ خود کو تم رکھ کر سوچو گی تو تمہیں یہ فیصلہ حق
لگے گا۔ آئی ہوپ، تم میری بات سمجھ رہی ہو۔ ہے نا؟“

دانستہ اس سے نظریں چرا گئی تھی۔ آنسو بہہ جانے کو تھے۔ مگر وہ اس شخص کے سامنے ایسا قطعاً نہیں
نی۔

فنان علی خان نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہے نا میرے اس فیصلے سے؟“ اس کا چہرہ تھام کر اپنی طرف موڑتے ہوئے
ت کیا تھا۔ انابیہ نے پُراعتماد انداز میں سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اور پلٹ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

فنان نے آگے بڑھ کر اسے روکا نہیں تھا۔ پکارا نہیں تھا۔ وہیں کھڑا دیکھتا رہا تھا۔ انابیہ تیزی سے
ہوئی سیڑھیاں اتری تھی اور ناشتے کی ٹیبل کے قریب سے گزرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ فاطمہ اسے پکارتی
ہی تھیں۔

”انابیہ! ـــــ انابیہ ـــــ!“ وہ پیچھے تک آئی تھیں مگر وہ رکی نہیں تھی۔

وہ پلٹ کر عفنان کے پاس آئی تھیں۔

”اسے کیا ہوا؟ ـــــ کیا کہا تم نے؟“

”آئی ڈونٹ نو۔“ اس نے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور چلتا ہوا آفس کے لئے نکل گیا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں؟“ فاطمہ نے الجھ کر کہا تھا۔

❊❊❊

ساہیہ آئینے کے سامنے بیٹھی تیار ہو رہی تھی۔ تیار کیا ہو رہی تھی، زبردستی کی دھونس کے سا
سنوارا جا رہا تھا۔ اس کے اردگرد ماہرین آرائش کا گھیراؤ تھا۔ جیسے ہی اسے موقع ملا تھا اس نے
سے ایک ایمرجنسی ٹیکسٹ گھسیٹ کر سینڈ کا بٹن دبا دیا تھا۔

''نیڈ ٹو ٹاک ٹو یو۔'' ایک لائن کا یہ ٹیکسٹ دوسرے ہی لمحے اذہان حسن بخاری کے سیل فون
پر اُبھرا تھا۔ مگر اس ٹیکسٹ کو خاطر خواہ اہمیت نہ دیتے ہوئے اس نے سیل کو دوبارہ کوٹ کی جی
تھا اور اس موقع کی مصروفیت کا حصہ بن گیا تھا۔

ساہیہ جانتی تھی کہ وہ اس لمحے فرار چاہ رہا ہوگا۔ تبھی اگلے چند لمحوں میں کوئی جواب نہ پاکر
رہ گئی تھی۔ ماہا اندر سے آئی تھی جب اس نے دریافت کیا تھا۔

''ماہا، سویٹ! بھائی صاحب کہاں ہیں تمہارے؟'' حلق تک کڑواہٹ گھلی تھی مگر یہ شہد آگی
لمحے ضروری تھا۔ ماہا مسکرا دی تھی۔

''بھائی ـــــ وہ تو غالباً گیسٹ کے ساتھ بزی ہیں۔''

''گیسٹ؟ ـــــ گیسٹ آنا شروع ہو بھی گئے؟''

''ہاں ـــــ وقت بھی تو ہو چلا ہے۔ ممی نے یہی وقت دیا تھا تقریب کے آغاز کا۔'' ماہا
سے دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔ ''کیوں، کیا ہوا؟ کوئی پرابلم ہے کیا؟''

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''نہیں ـــــ کوئی پرابلم نہیں ہے۔ میں تو بس یونہی۔ تم ایک کام کرو گی؟''

''ہاں کروں گی۔ مگر ایک بات کہنے کے بعد۔''

''کیا؟'' ساہیہ چونکی تھی۔

''آج آپ بہت بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔ بھائی دیکھیں گے نا تو حیران رہ جائیں
پاگل ہو جائیں گے۔'' ماہا مسکرائی تھی۔ اور مسکرانا ساہیہ پر بھی جیسے فرض ہو گیا تھا۔

''کاش میں اس شخص کا کچھ کر سکتی۔'' مدھم لہجے میں وہ دانت پیس کر ہولے سے بولی تھی۔
آل ریڈی ہے۔ کاش! میں ان موصوف کا دماغ کچھ ٹھکانے لگا پاتی۔''

''کچھ کہا آپ نے؟'' ماہا کلیئرلی سن نہیں پائی تھی، سو پوچھا تھا۔ مگر ساہیہ نے مسکراتے ہو
ہلا دیا تھا۔

''میرے گھر سے آگئے سب؟''

''نہیں ـــــ ابھی ممی کی بات ہوئی ہے ان سے۔ غالباً نکل رہے ہیں سب۔''

''اچھا، پھر تم ایک کام کرو۔ چھوٹا سا کام۔ اپنے بھائی صاحب کو بلا کر لاؤ۔'' درخواست
باقاعدہ کھلے منہ پر ہاتھ رکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''ہا ـــــ اس وقت ملیں گی آپ بھائی سے؟''

''کیوں، اس وقت کیا ہے؟'' وہ چونکی تھی۔

ل گئیں آپ؟ ـــــ آپ کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے۔'' ماہا نے یاد دلایا تھا۔
پھر؟'' وہ چڑ جانے کو تھی مگر اپنا غصہ دباتے ہوئے مسکرا کر بولی تھی۔ ''ماہا سویٹ! سمجھنے کی کوشش
ے ایک ضروری بات کرنی ہے ان سے۔''
اس طرح ـــــ اس وقت کیسے؟ آئی مین یہ کس طرح پاسیبل ہو سکتا ہے؟''
بل ـــــ امپاسبل کس طرح ہے یہ؟'' ساہیہ نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر نرمی سے
''دیکھو ماہا! ایک پرابلم ہے جو کسی اور سے نہیں کہہ سکتی۔ ایکچوئیلی یہ پرابلم صرف تمہارے بھائی
سمجھ میں آئے گی۔ سو پلیز، میرا میسج انہیں کنوے کر دو۔''
ک ہے۔'' ماہا فطری نرمی سے مسکراتے ہوئے باہر نکلتی ہوئی اپنے پیچھے دروازہ بند کر گئی تھی۔ ساہیہ
ا الجھن محسوس کرتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔
گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ پورا گلاس پانی کا پی گئی تھی مگر حلق پھر بھی سوکھا ہوا لگا تھا۔ جھنجلا کر اس
ی طرف دیکھا تھا۔ ماہا کو گئے بھی کافی لمحے گزر چکے تھے مگر ماہا کے بھائی صاحب کا بدستور اب
پتہ نہ تھا۔ موصوف بدستور اب تک گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھے۔ ساہیہ کو الجھن
۔ جانے وہ شخص کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔
اٹھا کر اس نے روانی سے ٹیکسٹ گھسیٹا تھا۔
ن آئی سی یو؟'' مختصر جملہ لکھ کر روانہ کیا تھا۔ اب پتہ نہیں ماہا کے پیغام دینے کا اثر تھا یا اس
ہی اتنا موثر تھا کہ اس کے اگلے ہی پل وہ اس کے سامنے تھا۔
ہوا؟ ـــــ ارادہ بدل لیا کیا تم نے؟ ـــــ کیا براہِ راست شادی کا پروگرام طے ہے؟ میں
ے بات کر لوں؟'' وہ سنجیدہ نہ تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا اور سر تا پا دوبارہ دیکھا تھا۔
ے کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ چونکی تھی۔
ی خاصی لگ رہی ہو ـــــ سچ کہوں، پہچانی نہیں جا رہی ہو۔ میں پہلی نظر میں تو یہی سمجھا کہ
بلہ آ گیا ہوں۔ مگر مجھے یقین کرنا پڑا، میری ساہیہ جیسی بے وقوف لڑکی اس دنیا میں یقیناً دوسری
ہے۔'' وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا تھا۔ ساہیہ نے اٹھ کر اپنے بھاری لہنگے کو سنبھالتے ہوئے
نظر کیا تھا۔
مذاق کا وقت نہیں ہے۔ اپنی اور کسی اور کی زندگی سے مت کھیلو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔''
ٹھیک نہیں ہے؟ ـــــ انگیج منٹ تو بہت سے لوگ کرتے ہیں۔'' وہ قطعی سنجیدہ ہونے کو تیار نہ
مزاج ہو کر رہ گئی تھی۔ برہمی سے اسے دیکھا تھا۔
ن کی زبان سمجھو گے تم؟ ـــــ کس طرح سمجھاؤں تمہیں؟ ـــــ ابھی بھی وقت ہے، تم سمجھ
ا لیتے؟''
سمجھوں؟ ـــــ مجھے تو اس وقت کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے نہ سنائی۔ سدھ بدھ گنوا رہی ہو
ی اچھی کیوں لگ رہی ہو؟'' اس کے ہاتھوں کو تھام کر اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔

"اوہ گاڈ ــــ!" وہ بری طرح پریشان تھی۔ اُلجھی دکھائی دے رہی تھی۔

"اذہان! یہ وقت مذاق کا نہیں ہے۔"

"یہی تو میں بتانا چاہتا ہوں۔ ابھی کسی نے اس طرح اس بند کمرے میں دیکھ لیا تو فسانے بنـ لگے گی۔ لیکن اچھا ہی ہوگا۔ سب جان جائیں گے کہ ہم کتنے پیار کرنے والے ہیں۔" وہ اب بھی مائل نہ تھا۔

ساہیہ نے تھک کر اسے دیکھا تھا۔

"دیکھو اذہان! سمجھو میری بات کو۔ میں غلط نہیں کہہ رہی۔ مجھ سے بڑا خیر خواہ تمہارا یقیناً کوئی اور......" وہ بات مکمل نہیں کر پائی تھی۔ یکدم چکر سا آیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھ دوسرے ہی پل وہ چکرا کر اس کے بازوؤں میں تھی۔

"ساہیہ! ــــ ساہیہ!" اذہان نے پریشانی سے پکارا تھا۔

ساہیہ خان کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی تھی۔

"ساہیہ ــــ!" اذہان نے اس کے چہرے کو تھپتھپا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش ساہیہ اسی طرح بے حس و حرکت اس کے بازوؤں میں پڑی رہی تھی۔ تبھی فارحہ نے دروازہ کھ جھانکا تھا اور چونک پڑی تھیں۔

"کیا ہوا اسے؟"

"پتہ نہیں۔ شاید وِیکنس ہو جانے کے باعث......" اذہان کوئی مناسب جواز تلاش نہ کر

"تم اسے صوفے پر ڈالو۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔" فارحہ بھی پریشان دکھائی دی تھ نے اپنے بازوؤں میں ساہیہ کے نرم و نازک وجود کو اٹھا کر صوفے پر ڈالا تھا۔ فارحہ ڈاکٹر کو تیزی سے اس کی طرف آئی تھیں۔

"ساہیہ! ــــ آنکھیں کھولو۔" اس کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔ "کیا ہوا تھا؟ ت نہیں کہا؟" فارحہ نے بیٹے کو الزام دیتی نظروں سے دیکھا تھا۔

اذہان نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے دفاعی انداز میں ماں کی طرف

"آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟"

مگر فوری طور پر اس الزام کے ضمن میں کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ فارحہ فکرمندی سے جھکی میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

رات بھر وہ سو نہیں سکی تھی۔ مگر صبح وہ مائی اماں کے خیال سے جلدی اٹھ گئی تھی۔ کسی "تلقین" کا اثر نہیں تھا۔ نہ وہ کوئی اچھا "امپکٹ" بنانا چاہتی تھی کسی کی نظر میں۔ وہ بس اپنا فرض نبھا رہی تھی۔ میان میں جو رشتہ تھا، اسے جھٹلا بھی دیتی تو اک احساس کا رشتہ تو درمیان تھا نا۔

"اتنی صبح کیوں جاگ گئی تُو؟ ــــ سوتی رہتی نا۔ یہ کام دیکھنے کو نوکروں کی ایک فوج موجود ہے۔ ے کام کرنے کو یہاں نہیں بلوایا تیری مائی اماں نے۔" وہ ناشتے کی ٹرے کے ساتھ ان کے کمرے میں خل ہوئی تھی جب وہ بولی تھیں۔

میرب مسکرا دی تھی۔

"نوکروں کے ہاتھ میں وہ ٹیسٹ تو نہیں ہوگا نا، جو آپ کی بیٹی کے ہاتھ میں ہے؟ ــــ اب کیسا وس کر رہی ہیں آپ؟" ہاتھ پیشانی پر رکھ کر چھو کر دیکھا تھا اور تسلی بخش انداز میں مسکرا دی تھی۔ "ارے ا ــــ بخار تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ لگتا ہے راتوں رات کایا پلٹ گئی۔"

مائی مسکرا دی تھیں۔

"ایک ماں کے لئے سب سے زیادہ قیمتی احساس اس کے بچوں کا ہوتا ہے۔ تُو میرے پاس ہے اور آج صبح سبکتگین سے بھی بات ہو گئی۔ اور کیا چاہیے۔"

وہ چائے میں چینی ملاتی ہوئی چونکی تھی۔

"ان کا فون آیا تھا؟"

"ہاں ــــ صبح پہلی بات اسی سے ہوئی۔ بتا رہا تھا ساری رات جاگتی رہی ہو تم ــــ سو نوکروں سے کہہ کر سخت تاکید کروا دوں کہ تمہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اگر میرا خیال رکھتی ہوئی کہیں خود بیمار پڑ گئیں تو؟"

میرب زبردستی مسکرائی تھی۔

"رات جب فون آیا تھا تو میں جاگ رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے کہہ دیا ہوگا۔" اسے کچھ خاص حیرت نہیں ہوئی تھی۔ شاید ماں کو بہلانے کو وہ اسے ایسی توجہ دے رہا تھا۔ یا پھر اس کا "احسان مند" ہو رہا تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ اس پر کوئی "احسان" نہیں کر رہی تھی۔ نہ ہی کوئی ایسا تاثر وہ اس پر باقی چھوڑنا چاہتی تھی۔ اپنی ہی سوچوں سے الجھتے ہوئے اس نے چائے کا کپ مائی اماں کو تھمایا تھا۔ جب انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”بہت کیئرنگ ہو گیا ہے میرا بچہ۔ سچ پوچھو تو مجھے بھی حیرت ہوئی۔ ایسا نہیں ہے کہ اسے اپ وابستہ لوگوں کی فکر نہیں۔ دراصل وہ اس طرح ظاہری طور پر جتانے کا قائل نہیں ـــــ تم نے ا دار بنا دیا ہے میرب! تمہارے اس کی زندگی میں آنے سے اسے ایک احساس نے بیدار کر دیا ہے۔ ا اپنے آپ کو اور اردگرد کے حالات کو نئے زاویے اور نئے ڈھنگ سے سوچنے لگا ہے۔ تمہارا خیال ایک نئی ذمہ داری کو نباہنے کی طرف پہلا باضابطہ قدم ہے۔“

مائی اسے جانے کیا جتانا چاہتی تھیں۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر اس لمحے انہیں اس بات کا احساس بالکل بھی کروانا نہیں چاہتی تھی کہ جو آپ سوچ رہی ہیں وہ با قیاس ہے۔ وہ انہیں جھٹلانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اگر وہ یہی سوچ کر خوش تھیں تو وہ انہیں اس ”بہلا میں رہنے دینا چاہتی تھی۔ بعد کا اسے نہیں پتہ تھا۔ مگر ”فی الحال“ کے لئے یہ ضروری تھا۔

”کتنی سست لگ رہی ہے تُو ـــــ ناشتہ کرنے کے بعد آرام کر لے۔ میری فکر اب مت کر ٹھیک ہوں۔“ مائی اس کے لئے فکرمند تھیں۔

”آرام کی ضرورت مجھے نہیں، آپ کو ہے مائی اماں! ذرا طبیعت سنبھل گئی تو اس کا یہ مطلب ہ کہ اب آرام نہیں کریں گی۔ ابھی ان کا فون آ گیا تو کان کھینچیں گے میرے۔ آپ کو تو کچھ کہنے ک نہیں ہوگی موصوف کی۔ لیکن توپ کا جو رخ میری طرف ہوگا اس سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔“

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

”اس کی طرف سے تُو فکر مت کر ـــــ میرے ہوتے ہوئے مجال نہیں اس کی جو تجھے کچھ ک میرب ان کی تسلی پر مسکرائی تھی۔ تبھی اس کا سیل فون بجا تھا۔ میرب نے سیل اٹھا کر اسکرین نمبر کو دیکھا تھا۔

”کون ہے؟“

”شاہ جنات۔“ وہ مسکرائی تھی اور فون کان سے لگا لیا تھا۔

”ہیلو؟“ یہ سب کرنا دشوار تھا۔ مگر مائی اماں کے لئے اسے یہ کرنا تھا۔

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

”مائی اماں کی طبیعت کیسی ہے اب؟“

”ٹھیک ہیں۔ اس وقت ناشتہ کر رہی ہیں ـــــ بات کرا دوں؟“

”نہیں، بعد میں کر لوں گا۔ ٹمپریچر تو نہیں ہے اب انہیں؟“ یہ وہ معمولی باتیں تھیں جنہیں وہ اماں سے بھی پوچھ سکتا تھا۔ پھر اس سے دریافت کرنے کا کیا مطلب تھا؟ ـــــ سوال میرب کے اٹھا ضرور تھا مگر کچھ بھی مزید سوچے بغیر وہ بولی تھی۔

”نہیں ـــــ اب ان کی طبیعت پہلے سے بہتر لگ رہی ہے۔ ابھی ڈاکٹر نہیں آیا۔ مگر میں آ فون کے بعد انہیں کال کر کے بلواتی ہوں۔ آپ فکر مت کریں۔“

”نہیں ـــــ اب مجھے اتنی فکر نہیں ہے۔ تم ان کے پاس ہو نا۔ مگر تمہیں بھی آرام کی اتنی ہی

اگر تم خود ٹھیک ہوگی تو تبھی کسی اور کا خیال بھی رکھو گی نا۔“

ہوں۔“ میرب کے لئے اس کا انداز چونکا دینے والا قطعاً نہیں تھا۔ اگر ایسا کوئی کیئرنگ انداز اپنا رہا یا کچھ کہہ رہا تھا تو صرف اپنے مفاد کے ضمن میں۔

”کیئرنگ“ وہ ضرور تھا مگر صرف اپنی مائی اماں کے لئے ـــــ وہ اس وقت جو بھی کہہ رہا تھا، جو اں رہا تھا، وہ صرف انہی کے لئے تھا۔ اس سے زیادہ نہ اس کی کوئی حقیقت تھی نہ کوئی وقعت۔ سو وہ تھی۔ نہ کوئی ”خوش فہمی“ پالی تھی نہ ”خوش گمانی“ ـــــ دل ہمیشہ کی طرح خالی تھا اور اب وہ ی جھوٹے ”فریب“ سے بھرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی سوچوں کے برعکس وہ کہہ رہا تھا۔

”تھینک یو سو مچ میرب! ـــــ مائی کا اس طرح خیال رکھ کر تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہر ے لئے اس کی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر میں اپنی مائی اماں کے لئے کچھ زیادہ ہی ی اور بچی ہوں۔“

”میں نے کوئی احسان نہیں کیا آپ پر۔ مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہی کیا۔ اور اس کے لئے آپ کو س کہنے کی ضرورت بھی بالکل نہیں ہے۔“ میرب ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے یکسر اجنبی اور کھردرے انداز پر لمحہ بھر کو چپ سادھ گیا تھا۔ پھر جیسے اثر کو زائل کرنے کی کوشش میں فوری طور پر گویا ہوا تھا۔

”ائی ہاؤ، اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو کچھ دن مزید مائی اماں کے پاس گزار لو۔ میں جانتا ہوں یہ تمہارے شکل ہوگا۔ مگر ......“ پہلے سے والی لگاوٹ دم توڑ رہی تھی۔ بجھا بجھا سا لہجہ ـــــ اپنائیت کی جگہ یت کا رنگ اوڑھنے کو تھا۔ یقیناً یہ اختیاری ردعمل تھا جو میرب کے رویے پر اختیار کیا گیا تھا۔

”آپ فکر مت کریں۔ میں یہیں ہوں۔ جب تک مائی کی حالت سنبھل نہیں جاتی، میں نہیں جاؤں ا۔“ میرب سیال کا لہجہ سرد تھا۔ کسی بھی جذبات سے عاری۔ وہ اس کے ساتھ تعاون شاید نہیں کر رہی ا احسان بھی جتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ غالباً وہ مکمل طور پر ”لاتعلق“ رہنا چاہتی تھی۔

”رائٹ!“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ ”کسی طرح کی کوئی مشکل پیش ئے یا دشواری ہو، مجھے کال کرنا۔ آئی ایم دیئر۔“ جملہ بہت ”معمولی“ نہیں تھا۔ غالباً خاصی حد تک یر معمولی“ تھا۔ مگر اس لمحے اس کا رنگ بہت پھیکا تھا۔ نہ میرب اس کی حقیقت سمجھنے کو تیار تھی نہ وہ جتانے ائل نظر آ رہا تھا۔

”او کے۔“ میرب نے بلاتردد کہا تھا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ میرب خاموشی سے وبائل فون لئے کچھ لمحوں تک اسی طرح اس جگہ پر کھڑی رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی دوبارہ مائی اماں کے س آ گئی تھی۔ انداز واضح طور پر بجھا بجھا سا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ وہ فوری طور پر اپنے اندر سے اٹھنے لے اس تاثر پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ مگر اس لمحے جو ایک سناٹا سا اس کے اندر پھیل رہا تھا وہ اسے محسوس ور کر رہی تھی۔

”کیا ہوا؟“ مائی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"نہیں ـــــ کچھ نہیں۔" وہ ان کی طرف دیکھے بغیر سرنفی میں ہلاتی ہوئی ان کی میڈیس دیکھنے لگی تھی۔

"میڈیسن لے لیجئے آپ۔" پانی کا گلاس اٹھا کر ان کی طرف بڑھایا تھا۔ مائی نے اسے خا صرف دیکھا تھا۔ دریافت کچھ نہیں کیا تھا۔ میرب انہیں میڈیسن دینے لگی تھی۔

❄❄❄

اسے حیرت زدہ ہونا نہیں چاہئے تھا۔ مگر وہ حیران تھی ـــــ حیران سے بھی سوا ساکت تھی۔ جو اس نے سوچا تھا ـــــ جو چاہا تھا ـــــ وہ ایسا ہی چاہتی تھی۔ مگر اب جب ایسا ہوا تھا تو کیوں لگا تھا؟ اتنا برا کیوں لگا تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان نے جو فیصلہ سنایا تھا، وہ ایسا ہی تو چاہتی تھی۔ یہی تو خواہش رکھی تھی اس کے وہ لامعہ کو قبول کر لے۔ اسے اپنی زندگی سے نکال باہر کرے۔

یہی تو سوچا تھا اول دن سے ـــــ جب سے اس گھر میں ـــــ اس شخص کی زندگی میں تھا، وہ قطعاً اسے اپنا نہیں لگا تھا۔ ہر شے بہت غیر، بہت پرائی لگی تھی۔ تو پھر اب کس شے کے کو ذرا سے سانس بھی نہیں لینے دے رہا تھا۔

کیا بات ایسی تھی جو اندر ایک شدید تکلیف پہنچا رہی تھی۔

یہ کیسا درد تھا جو اندر پھیل رہا تھا۔

یہ کیسا احساس تھا جو وہ اتنی بے چینی، اتنی اضطرابیت اپنے خون کے اندر دوڑتی بھاگتی محسوس کر ان "قربتوں" میں رہ کر بھی کبھی انہیں اپنایا نہیں تھا۔ اپنا جانا نہیں تھا تو پھر اب کس بات کا اس کے اندر بے چینی کو بڑھاوا دے رہا تھا۔

کیا بات تھی کہ کوئی بے خودی سر اٹھا رہی تھی۔

محبت نہیں تھی اسے ـــــ

کرنے کا قصد بھی جب نہیں کیا تھا۔

ارادہ بھی کوئی نہیں تھا۔

تو پھر ـــــ اس شخص کو کیوں اتنا سوچ رہی تھی وہ۔

کیوں ایک ہی خیال سے ڈور بندھ گئی تھی اس کی سوچ کی۔

کئی اہم کام کرتے ہوئے، سب کے درمیان، سب کے ساتھ، مگر وہ خود اپنے ساتھ نہیں تھی۔

"انابیہ ـــــ!" اوزان نے اسے گم صم سا کام کرتے دیکھ کر پکارا تھا۔

دادا ابا کے لئے سُوپ نکالتے اس کے ہاتھ واضح انداز میں کانپے تھے اور سُوپ چھلک گیا تھا۔ بے بسی سے بنا اس کی جانب دیکھے چہرہ پھیر گئی تھی۔

"انابیہ! ـــــ کیا ہوا؟" اوزی نے اسے شانوں سے تھام کر فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے نگاہ اس پر سے ہٹاتے ہوئے آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

نہیں ـــــ کچھ نہیں۔"

ٹھیک تو ہو تم؟ ـــــ یہ کس طرح روبوٹ کی طرح بی ہیو کر رہی ہو؟" اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اوزی اس کا ہاتھ تھام کر اسے کاؤچ کی طرف لے گیا تھا۔ دونوں شانوں پر ہاتھ ر اسے بٹھا دیا تھا۔

"انابیہ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟ ـــــ چہرہ دیکھ رہی ہو؟ ہوا کیا ہے؟ کیا تم ہمیں کچھ ں گی؟"

"کچھ نہیں ہوا ہے ـــــ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ اور اب پلیز ایسا ویسا کچھ ممی کو بتا کر انہیں ان کرنے کی کوشش مت کرنا۔ وہاں دادا ابا سُوپ کے لئے انتظار کر رہے ہوں گے اور یہاں تم نے بٹھا رکھا ہے۔" انابیہ جانے کو اٹھی تھی جب وہ بولا تھا۔

"انابیہ! تمہارا جھگڑا ہو گیا ہے عفنان سے؟"

"جھگڑا؟" وہ چونکی تھی۔ پھر غالباً اسے مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔ "ہم دونوں میں کوئی جھگڑا کیوں گا اوزی؟ ـــــ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ عجیب عجیب باتیں کر رہے ہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ن تم مجھے بیمار ضرور کر دو گے۔ میں دادا ابا کو سُوپ دے کر آتی ہوں۔"

"عفنان آئے گا تمہیں لینے؟" اوزان نے اس کی پشت دیکھ کر کہا تھا۔

"پتہ نہیں۔" وہ پلٹی تھی۔ شاید بھرم کھونا نہیں چاہتی تھی سو قدم آگے بڑھا گئی تھی۔ اوزی اس رویے کو ظرانداز نہیں کر سکا تھا۔

❄❄❄

عفنان علی خان خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ لامعہ حق کی نگاہیں اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ الباً وہ اسے پڑھنا چاہتی تھی مگر ایسا اس کے لئے ناممکن رہا تھا۔ عفنان علی خان اس کے چہرے کے تاثرات کو جیسے پڑھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"تم بہت مضبوط اور مشکل انسان ہو عفنان!" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا تھا۔

"مجھے پڑھنا چاہتی تھیں؟" عفنان محظوظ ہوا تھا۔

"ہاں ـــــ مگر پڑھ نہیں پائی۔ اب بتا دو، تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا؟ کوئی کام تھا؟"

"کام؟ ـــــ ہاں، کام ہی تھا۔ تمہاری ضرورت تھی مجھے۔ آئی مین ـــــ ایک اچھی دوست کی ضرورت تھی اس وقت مجھے سو تمہیں بلا لیا۔ کیا غلط کیا؟"

"نہیں، غلط تو نہیں کیا۔ لیکن انابیہ سے بڑھ کر تمہیں کون سمجھ سکتا ہے؟"

"وہی تو نہیں سمجھ رہی۔" وہ روانی سے بولا تھا۔

"کیا نہیں سمجھ رہی؟" وہ چونکی تھی۔

عفنان نے سر افسوس سے ہلایا تھا۔

”وہی جو اسے سمجھنا چاہئے۔ بہت بے وقوف ہے تمہاری دوست۔“

”ایکسکیوزمی! ___ میرے سامنے آپ میری دوست کو برا ہرگز نہیں کہہ سکتے۔“ لامعہ نے ہوئے باور کرایا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔ پھر چند ثانیوں تک چپ سادھنے کے بعد گویا ہوا تھا۔

”لامعہ! وہ واقعی بہت بے وقوف ہے۔ وہ ایسی غلطی کرنے جا رہی ہے جس کے متعلق تم سوچ سکتیں۔“

”کیا کرنے جا رہی ہے وہ؟“ لامعہ حق نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”مجھے خود سے جدا کرنے جا رہی ہے وہ۔ بے وقوف ہے۔ مجھ پر اب تک اپنا کوئی حق نہ مجھے اپنا نہیں سمجھتی ___ اسے لگتا ہے لامعہ! میں اس کے پاس کسی اور کی امانت ہوں۔“

”کس کی؟“ لامعہ کی آواز اسے خود اجنبی لگی تھی۔

”تمہاری ___“ عفنان علی خان نے پرافسوس انداز میں خالی کین دور اچھالتے ہوئے اس دیکھا تھا۔ ”لامعہ! یور فرینڈ اِز اے اسٹوپڈ گرل۔ شی گون میڈ۔ کوئی بات اس کی عقل میں نہیں آ اسے تم۔ شادی کے پہلے دن سے باور کرایا ہے اس نے مجھے کہ میں اس کا نہیں ہوں۔ میں اس با کا ایک جذباتی فیصلہ سمجھا تھا۔ مگر وہ لڑکی ___ جانتی ہو تم لامعہ! وہ اس سب کا ذمہ دار بھی مجھے جو اس کے ساتھ ہوا۔ وہ سمجھتی ہے وہ سب میں نے اس لئے کروایا کہ اسے حاصل کر سکوں۔ پا نا ___ اور اب وہ مجھے اس لئے چھوڑنا چاہتی ہے تاکہ میں تمہیں اپنی زندگی میں جگہ دے ایڈیٹ ___ نہیں جانتی، زندگی ایسے احمقانہ فیصلوں پر نہیں گزاری جا سکتی۔“ وہ بول رہا تھا او ساکت اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے رک کر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور نرم لہجے میں بولا تھا۔

”وہ سمجھتی ہے لامعہ! تم اب تک اپنی زندگی میں مجھے ڈھونڈتی ہو۔ وہ ایسا سمجھتی ہے لامعہ! کہ رائٹ پرسن۔ اس کے لئے نہ اپنی ذات اہم ہے نہ میری ___ بے وقوف ایک ہی ڈگر پر سوچ رہ تم سے دوستی میں اتنی اندھی ہو گئی ہے کہ اسے نہ اپنی زندگی دکھائی دے رہی ہے نہ میری۔ وہ خو امپورٹنس دینے کی قائل نہیں۔ مگر وہ یہ بھی بھول گئی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں کیا سوچتا ہوں۔ لئے کیا اہم ہے ___ کیا ضروری ہے ___ اگر میرے لئے تم ضروری ہوتیں لامعہ! تو میں تم اپنی زندگی سے باہر نہیں کرتا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ یہ بات آج تک سمجھ نہیں پائی۔ ہے اگر میں یہ بات اسے چیخ چیخ کر بھی کہوں گا تو وہ تب بھی نہیں مانے گی۔ کیونکہ وہ اتنی ہٹ ضدی ہے کہ اپنی دوستی سے آگے اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ وہ صرف تمہاری آنکھوں میں چاہتی ہے۔ کیونکہ وہ خود کو تمہارا مجرم سمجھتی ہے۔ اسے لگتا ہے لامعہ! اس نے تمہارے ساتھ اچھا مگر وہ نہیں جانتی، وہ خود اپنے ساتھ بھی اچھا نہیں کر رہی۔ اپنے ساتھ کیا، وہ میرے ساتھ بھی کچھ کر رہی ___ وہ مجھے ایک انسان سے زیادہ ایک شے سمجھ رہی ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ کہا لا کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ مجھے سزا دینا چاہتی تھی۔ تمہیں چھوڑنے کی بھی اپنانے کی بھی۔ تمہیں یہ سب اس لئے بتا رہا ہوں کہ اس معاملے میں تم بھی شریک ہو، مکمل طور پر۔“

”میں ___ میں کہاں ___؟“ لامعہ نے حیرت سے ساکت چہرے سے اسے دیکھتے ہوئے مدھم ں دریافت کیا تھا۔

”تم ہو لامعہ! ___ تم ہمارے قصے کا حصہ ہو ___ ہماری زندگی کا حصہ ہو۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ے درمیان ہو۔“

”اور کیا چاہتے ہو تم؟“ اس کی طرف دیکھے بغیر، نظریں چرائے وہ اتنے مدھم لہجے میں بولی تھی کہ خود واز اسے بہت دور سے آتی ہوئی لگی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

”تھینک گاڈ، تمہیں تو یہ یاد رہا کہ میں بھی کچھ چاہ سکتا ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ تم یہ ی بات اپنی اس مہان دوست کو بھی سمجھانا۔ اسے بتاؤ یہ جو بے چارہ سا بندہ عفنان علی خان ہے نا، ے محبت کرنے کی گستاخی کر چکا ہے۔ مگر یہ قصور اتنا بڑا نہیں کہ تم اس سے فیصلہ کرنے کا حق بھی چھین وچنے کا حق تھوڑا سا اسے بھی دے دو۔ آخر اتنی رعایت کا حق دار تو ہوں میں۔“ عفنان علی خان کا لہجہ را تھا۔ وہ اپنا غصہ کسی سمت تو نکالنا چاہتا تھا۔ اس کے سامنے ضبط لازم سہی، مگر لامعہ کے سامنے تو کوئی ن نہ تھی۔

لامعہ اس کے جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔ نظریں پھیرے لاتعلق سی بیٹھی رہی تھی۔

”تم چاہتے ہو میں اسے سمجھاؤں؟“ عفنان کی سمت دیکھے بغیر کہا تھا۔

”تم ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دے سکتی ہو؟“ وہ مسکراتے ہوئے بدستور طنز بھرے جلے کٹے انداز میں ا تھا۔ لامعہ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ عفنان علی خان نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ر پر رکھ دیا تھا۔

”اگر تم یہ معجزہ کر سکتی ہو تو کر دو لامعہ! کوئی ایسا کرشمہ اس زمین پر دیکھنا چاہتا ہوں میں جب وقت ے حق میں ہو جائے اور وہ مجھ پر مہربان ہو جائے۔ کچھ اور نہیں تو اعتبار ہی کر لے۔ اک ذرا سا بار۔ مگر وہ تو وہ بھی کرنے کو تیار نہیں۔ کتنا خالی شخص ہوں میں ___ کس قدر ہارا ہوا ___ آج تک ے اس سے بھی نہیں جیت سکا۔ ہونا تو نہیں چاہئے، مگر جانے کیوں مجھے تم سے بہت حسد محسوس ہوتا ہے۔ تم پر بہت اعتبار کرتی ہے وہ۔ اس کی عظمت کی حد دیکھ لو، تمہیں اپنا شوہر انعام میں سونپ دینا چاہتی ہے۔ دوستی کی کتنی اعلیٰ مثال قائم کرنا چاہتی ہے نا۔ کیا تم بھی اس کی اتنی ہی اچھی دوست ہو جتنی کہ وہ ہاری؟“ عفنان علی خان بظاہر مسکراتے ہوئے مذاق سے گویا تھا۔ مگر لامعہ حق کے چہرے کی کیفیت متغیر ئی تھی۔

”ایکسکیوزمی!“ غالباً برا مانتے ہوئے وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

”آئی ایم سوری! ___ غالباً مجھے تم دونوں کی دوستی پر شک کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مگر......“

”اٹس او کے۔“ لامعہ کہتی ہوئی اٹھی تھی۔ ”چلتی ہوں اب۔“

”میری مدد نہیں کرو گی؟“ عفنان نے اسے دیکھا تھا۔ نظروں میں جانے کیوں حیرت نہیں تھی۔ لامعہ نے لبوں پر زبان پھیر کر جیسے انہیں تر کیا تھا پھر جیسے بمشکل بولی تھی۔

”تمہیں جس طرح کی بھی مدد درکار ہوگی، مجھے بتا دینا ـــــ میں ہر طرح سے تم دونوا ہوں۔ رک کر تم سے مزید بات کرتی، مگر میری ایک ضروری اپائنٹمنٹ ہے۔ آئی ایم سوری زیادہ وقت نہیں دے پائی۔ لیکن میں نے تمہیں بے توجہی سے نہیں سنا ـــــ دوبارہ جب ضرورت ہو، بلا لینا۔“

وہ پلٹی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ عفنان علی خان گاڑی میں آن بیٹھا تھا۔

❄❄❄

ساہیہ خان جلد ہوش میں آ گئی تھی اور اس نے تقریب جاری رکھنے کا عندیہ بھی دے دیا تھا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد فارحہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”نہیں بیٹا! ـــــ اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تو ہم ملتوی کر دیتے ہیں۔ کچھ بھی تم سے ز نہیں۔“ فارحہ نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے کہا تھا۔ ساہیہ نے جواباً اذہان کی طرف اور اپنا سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”نہیں آنٹی! ـــــ آئی ایم او کے ناؤ ـــــ کچھ ایسی بھی طبیعت خراب نہیں ہے میری پلیز، میری ماما کو اس کے بارے میں کچھ مت بتائیے گا۔ وہ خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گی۔“ تھی۔

”میں دیکھ کر آتی ہوں، وہ لوگ آئے یا نہیں۔ اذہان! تم یہیں رہو اس کے پاس۔ خیال آتی ہوں۔“

”ممی! میرا خیال ہے کہ آپ اس منگنی کو ملتوی کر دیجئے۔“ اذہان نے ایک لمحے میں فیصلہ کر کہا تھا۔ ساہیہ نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

”ڈونٹ بی اسٹوپڈ اذہان! ـــــ میں ٹھیک ہوں اب۔ ذرا سی بے ہوش کیا ہو گئی تم نے تو آنٹی! آپ جائیے، آئی ایم فیلنگ گڈ ناؤ۔“

فارحہ کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی تھیں۔ اذہان کچھ کہے بغیر چلتا ہوا فریج کے پاس جا رکا تھا۔ لئے جوس گلاس میں نکالا تھا اور پلٹ کر دوبارہ چلتا ہوا اس کے پاس آن رکا تھا۔

ساہیہ نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف بنا کچھ کہے، مخاطب کئے گلاس بڑھائے ساہیہ نے گلاس اس کے ہاتھ سے تھام لیا تھا۔

”تھینکس۔“

”یو آر ویلکم۔“ اذہان سعادت مندی سے کہہ کر اس کے پاس کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا اور بنا اس متوجہ ہوئے جیسے کسی فیصلے پر پہنچنے کی سعی کرنے لگا تھا۔

”کتنا عجیب ہو رہا ہے نا سب کچھ۔“ بہت آہستگی سے وہ مسکرایا تھا۔ ”شاید زبردستی کا انجا ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا تم پر اس طرح دھونس جمانے کا۔ آئی ایم سوری ساہیہ!“

ساہیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

ئم

”تم مجھے خود سے پرایا کر رہے ہو اذہان!“

”نہیں، تمہیں خود سے الگ رکھ کر سوچ رہا ہوں۔ اب درست زاویے سے دیکھ بھی رہا ہوں اور سمجھ

اذہان کا انداز بجھا بجھا سا تھا۔

ی۔ ”اوں ہوں ـــــ مت کہو ایسے اذہان!“ ساہیہ نے اپنا سرد سا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

ہان نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

”میں تمہارے ساتھ ہوں اذہان! ـــــ ہر قدم پر ـــــ ہر موڑ پر ـــــ جہاں تمہیں میری رورت پڑے ـــــ میں ساتھ ہوں۔ مگر میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی ـــــ تمہیں وہ موقع نا چاہتی تھی جو زندگی نے تمہیں دیا اور پھر چھین لیا۔ میں وہ ناانصافی تمہارے ساتھ دوبارہ دہرانے دینا ہیں چاہتی تھی اذہان! جو تم نے پہلے ایک بار اپنے ساتھ کی۔“

اذہان اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ انداز بہت بجھا بجھا سا

تا۔

”مجھے نہیں پتہ ساہیہ! قسمت کیا ہوتی ہے۔ بنی ہوتی ہے، لکھی ہوتی ہے یا ہم خود لکھتے اور بناتے ہیں۔ میں واقعی کچھ نہیں جانتا۔ پتہ نہیں ان لکیروں کی کوئی حقیقت ہے بھی کہ نہیں۔ مگر میں ایک بات جانتا ہوں، زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے، یونہی نہیں ہوتا۔ ہر بات کا سبب ہوتا ہے ساہیہ! یہ الگ بات ہے کہ ہم وہ بات مجھ پائیں یا نہیں۔ بعض اوقات نہیں سمجھ پاتے تو خود کو الزام دیتے ہیں۔ روتے ہیں، پیٹتے ہیں۔ مگر اس سے صورتحال بدل نہیں جاتی۔ بعض دفع سمجھ لیتے ہیں تو صبر کر لیتے ہیں۔ مگر ایک بات طے ہے، ہمیں کسی بات پر اختیار نہیں ہے۔ بہت سی چیزوں کو ہم ہونے سے نہیں روک پاتے۔ چاہتے ہوئے بھی نہیں۔ اور بہت سی چیزوں کے ہونے کی خواہشوں میں آسیں باندھتے پھرتے ہیں اور کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے ساہیہ؟“ اذہان حسن بخاری کا لہجہ بے بسی سے چور تھا۔

”میں جانتی ہوں اذہان! ایسا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم تنہا نہیں ہو، نہ میں تنہا ہوں۔ ہم میں سے ہر کوئی خواب دیکھتا ہے، ہر کوئی پانا بھی چاہتا ہے۔ مگر سب کے لئے سب کچھ حاصل کر لینا ممکن نہیں ہوتا۔ تم نے ٹھیک کہا۔ بہت کچھ ایسا زندگی میں ہوتا ہے جو ہم نہیں چاہتے۔ اور بہت کچھ وہ نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں۔ جب بہت سی تبدیلیاں ہماری مرضی کے بغیر ہماری زندگی میں آ سکتی ہیں تو پر کچھ تبدیلیاں ہماری اپنی مرضی سے کیوں نہیں، جب قسمت کے اچھے یا برے کو ہم تبدیل کر سکتے ہیں، قبول کرتے ہیں تو پھر اپنے اچھے یا برے فیصلوں کو کیوں نہیں؟“ ساہیہ رکی تھی۔ مگر اذہان کچھ نہیں بولا تھا۔

”ایک بات کہوں اذہان! ـــــ میں اس لمحے شاید لکی ہوں۔ میرے ساتھ وہ ہونے جا رہا ہے جس کی میں نے خواہش کی تھی۔“ وہ سر جھکائے جوس کی گلاس پر نظریں جمائے، مجرمانہ انداز میں اس گھڑی بول گویا تھی جیسے اس نے کوئی عظیم گناہ کر دیا ہو۔ اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ چونکا قطعاً نہیں تھا۔ وہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولی تھی۔

”تم سوچ رہے ہو گے میں یہ سب تمہیں کیسے بتا رہی ہوں؟ اذہان! تم میرے سب سے اچھے دوست

ہو اور دوست سے کبھی کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ جیسے تم مجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپاتے۔"

"تو تم اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہو؟" ازہان نے اس کے موڈ کے خیال سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ غالباً وہ اس لمحے کی کثافت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ ساہیہ مسکرا اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تمہیں آزاد چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ مگر اب سوچتی ہوں، یہ مناسب نہیں ہو گا۔ وقت اگر دے رہا ہے تو مجھے فائدہ لینا چاہیے۔ سو وقتی طور پر تمہیں اپنے پلو سے باندھ رہی ہوں۔ مگر تمہیں ہے، جب دل چاہے خود کو میرے اس پلو سے کھول کر آزاد کر لینا۔" وہ مسکرائی تھی۔

ازہان بھی مسکرا دیا تھا۔

"یہ بھی صرف اس لئے کر رہی ہوں کہ تم کسی اور ہاتھ میں نہ پہنچ جاؤ جو تمہیں بعد میں آزاد سکے۔ اب ہر کوئی ساہیہ جیسا تو نہیں ہو سکتا نا۔"

"ہاں واقعی۔" وہ مسکرایا تھا۔ "ٹھیک کہا تم نے ——— اب ہر کوئی ساہیہ جیسا تو نہیں ہو سکتا ساہیہ جیسی بے وقوف تو دنیا میں ایک ہی آئی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرایا تھا، اسے گھورا تھا۔ وہ بنا نوٹس لئے اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"تو تم نے طے کر لیا ہے، بعد میں جو بھی ہو گا، تم اسے قبول کرو گی۔ یعنی میں زندگی کی کوئی آرام سے اختیار کر سکتا ہوں، ٹھیک؟"

"ٹھیک۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"اور تم برا نہیں مانو گی؟" سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"کوئی واویلا بھی نہیں کرو گی؟"

"اوں ہوں۔" ساہیہ نے یقین دلانے کو مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔

"ہاؤ سویٹ ——— تم ایک مرد کو اتنی نرمی دینے والی دنیا کی پہلی لڑکی ہو گی ساہیہ! ——— ا دنیا میں کوئی اور لڑکی واقعی ایسا نہیں کر سکے گی۔ آئی ایم امپریسڈ۔ آئی ایم رئیلی ویری امپریسڈ۔ تمہیں میں کس میوزیم میں اٹھا کر رکھ آؤں؟"

"میوزیم کیوں؟" ساہیہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ جیسی چیزیں جو بہت نایاب ہوتی ہیں نا، انہیں ہمارے یہاں میوزیم نامی ایک جگہ بنا رکھا جاتا ہے۔ اس لئے پوچھنا ضروری خیال کیا، آپ کو کس میوزیم میں رکھواؤں؟" مسکراتے ہوا تھا۔

"تم مجھے عجوبہ کہہ رہے ہو؟" ساہیہ مسکرائی تھی۔ بنا برا مانے۔

"کہہ رہا ہوں؟ میں واقعی سمجھ رہا ہوں۔ ایک ونڈر کو اگر میں ونڈر نہیں کہوں گا تو مجھے خود اپنی دماغی کیفیت پر حیرت کرنا پڑے گی۔"

ہان! اِٹس ٹو مچ ہاں؟" وہ اپنے دفاع میں مسکراتے ہوئے اسے گھورنے لگی تھی۔ "ویسے مادام تساؤ
م اچھا ہے ——— وہاں موم سے بنے مجسمے رکھے جاتے ہیں۔ اور میں آل ریڈی موم سے بنی
سے مسکراتے ہوئے وہ کہیں سے بھی کچھ دیر قبل والی ساہیہ نہیں لگ رہی تھی جو نقاہت اور
کے باعث بے ہوش ہو گئی تھی۔ شاید وہ لڑکی بہت بہادر تھی۔ یا پھر اس موم کی لڑکی کا دل واقعی
تھا۔ ازہان اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا اور وہ اپنے ازلی شگفتہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

رحہ آنٹی بتا رہی تھیں تم نے انگیج منٹ رِنگ بدلوا دی۔ کنجوس، ایک ہی بار تو انگیج منٹ ہونا تھی، روز
ں۔ کتنا ننھا سا دل ہے تمہارا۔ تم مردوں پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

ان مسکرا دیا تھا۔

ں ——— میں نے رِنگ چینج ضرور کی ہے۔ مگر اس رِنگ سے زیادہ مہنگی منتخب کی ہے۔ وہ رِنگ
ں ساہیہ! تم ویٹ پٹ آن کرنا بند کرو گی تو اور بھی مشکلات ہوں گی۔" شرارت سے چھیڑا تھا۔

ا ——— کیا جواز تلاشا ہے۔ یعنی آج رِنگ بدلی، کل مجھے ہی بدل دو گے۔ میں نے کہا تھا نا، تم
کا کچھ اعتبار نہیں۔" اس کے الزام کے باوجود ازہان مسکرا دیا تھا۔

ہ دیر بعد جب وہ اس کے ہاتھ کی انگلی میں انگیج منٹ رِنگ پہنا رہا تھا تو وہ مسکرا دی تھی۔

م نے اچھا کیا ——— وہ رِنگ میری انگلی میں فکس نہیں تھی۔ اِٹس مور کمفرٹیبل اینڈ بیوٹی فل۔" پتہ
ں وہ اتنا مسکرا رہی تھی۔ اتنا بول رہی تھی جیسے وہ کسی سناٹے کا گلا گھونٹنا چاہتی تھی یا پھر وہ خوش تھی۔

ان نے سب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

تم میرے لئے دنیا میں سب سے زیادہ اہم ہو ساہیہ!"

مر سا جملہ اس کی سماعتوں کو سونپ کر وہ رسمی طور پر تقریب میں مدعو مہمانوں کے ساتھ مصروف ہو گیا
ہیہ کئی لمحوں تک اس جملے کے حصار سے باہر نہیں آ سکی تھی۔

* * *

ا اماں نے اسے سونے کی تاکید کی تھی مگر وہ ان کی ہدایت پر عمل نہ کرتے ہوئے باہر آ گئی تھی۔ کچھ
یڑھیوں پر خالی دماغ کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ پھر یک دم رات کا خیال آیا تھا۔ تمام واقعات یاد
تھے۔ وہ نحیف تھکا ماندہ چہرہ نظر آیا تھا اور وہ فوراً اٹھ کر اندر کی طرف چل دی تھی۔ دروازے کے باہر
اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ میرب نے اندر جھانکا تھا۔

ا خاتون بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ دستک دیئے بغیر اس کمرے میں داخل ہرگز
وتی۔ مگر وہ رات جس طرح کی حالت میں انہیں دیکھ چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت بھی یقیناً
الت میں نہیں ہوں گی۔

راب کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے دیکھ بھی لیا تھا۔ وہ بنا تخاطب کے، بنا پکارے ان کی
ہڑھی تھی اور ہاتھ سے ان کے چہرے پر سے بال ہٹاتے ہوئے انہیں سیدھا کیا تھا۔ خاتون غا
ا تھیں۔ اس کی اس حرکت پر بہت آہستگی سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہیں آپ؟'' بنا کسی تخاطب کے میرب نے پوچھا تھا۔ خاتون نے سر آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''رات دوبارہ تکلیف تو نہیں ہوئی آپ کو؟'' میرب مسکراتے ہوئے نرمی سے یوں گویا تھی، چہرے کو برسوں سے جانتی ہو۔ اس خاتون نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تھی مگر نقاہت اور کمزوری باعث ایسا آسان نہیں لگا تھا۔ میرب نے بروقت ان کی مدد کی تھی اور انہیں بٹھا کر ان کے پیچھے دیئے تھے۔ پہلے سوال کا جواب نہیں آیا تھا اور وہ دوبارہ پوچھ رہی تھی۔

''ناشتہ تو یقیناً نہیں کیا ہوگا آپ نے۔ میں کسی سے کہتی ہوں۔'' وہ پلٹنے کو تھی جب خاتون کی آواز نے اسے روک دیا تھا۔

''نہیں ــــــ فی الحال کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں۔ جب ضرورت ہوگی میں کہہ دوں گی۔''

میرب نے پلٹ کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اور چلتی ہوئی ان کے قریب آن رکی تھی۔

''موڈ کبھی بھی بنتا نہیں ہے، بنانا پڑتا ہے۔ اور کھانے کے لئے تو یوں بھی موڈ سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔'' وہ اپنائیت سے مسکرائی تھی۔

وہ خاتون بھی مسکرا دی تھیں۔

''وہی تو کہہ رہی ہوں ــــــ مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔'' خاتون نے اسے نرمی سے دیکھا تھا۔

''بھوک نہیں بھی ہے تو آپ کو کچھ کھانا ضرور چاہئے۔'' میرب نے پلٹ کر دروازہ کھولا تھا، آواز دے کر بلا کر ان خاتون کے لئے ناشتے کا کہا تھا اور پلٹ کر دوبارہ ان کی طرف آئی تھی۔

''آپ فریش ہو سکتی ہیں یا میں آپ کی مدد کروں؟''

اس کی پیشکش پر خاتون نے بنا چونکے اس کی طرف دیکھا تھا۔ نظر بھرپور جائزہ لیتی تھی۔

''تم گین کی دلہن ہو؟'' خاتون نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''ہاں۔'' میرب نے یوں اقرار کیا تھا جیسے کوئی جرم قبول کیا ہو۔

خاتون نے اس کو بغور دیکھا تھا اور نرمی سے مسکرائی تھیں۔

''مجھے اندازہ تھا۔''

''کس بات کا؟'' میرب چونکی تھی۔

''گین کی دلہن اتنی ہی خوبصورت ہو سکتی تھی۔'' وہ اپنے قیاس کے سچ ہونے پر جیسے مطمئن

میرب فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

''گین کی زندگی کا حصہ بنی ہو۔ بہت لکی ہو تم۔ بہت نفیس چیزوں کو جگہ دیتا ہے وہ زندگی میں ناپسندیدہ چیزوں کو اپنے ساتھ جوڑے رکھنے کی اس کی عادت نہیں۔ بہت شفاف قسم کا بندہ ہے بہت صاف ستھری نیچر ہے اس کی۔ وہ پیدائشی بلند نظر ہے۔ وہ دنیا میں آیا ہی صرف اس لئے ہے سمتوں کو ڈس کور کرے۔ نئے نئے تجربات حاصل کرنا اس کا خاصا ہے۔ اگر کبھی کہیں کسی جدت کا تو سمجھ لینا، وہ گین کی دماغی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہو گی۔ وہ نئی جہتوں کا بندہ ہے

اس کا خاصا ہیں۔ جیسے اس نے تمہیں ڈس کور کیا ہے۔ تم نے شاید کچھ غور سے اب تک نہیں اس کا پرفیکٹ میچ ہو۔ لگتا ہے ساری دنیا ڈھونڈ کر نکالا ہے اس نے تمہیں اپنے لئے۔'' وہ خاتون ہوئے یوں کہہ رہی تھیں جیسے وہ میرب کو بہت اچھی طرح سے اور ایک عرصے سے جانتی ہوں۔ تو وہ غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی تھیں۔ کتنی وضاحت سے اس شخص کا ذکر کر رہی تھیں۔

میرب سیال چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

گین کو بہت اچھی طرح جانتی ہیں آپ؟'' اس کا انداز سوال سے زیادہ حیرت لئے ہوئے تھا۔ ان نے بلاتردد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

تم نہیں جانتی اسے؟'' ان خاتون نے الٹا اس پر سوال داغ دیا تھا جس میں حیرت ہی حیرت تھی۔ اس طرح کے سوال کی امید نہیں تھی۔ سو جہاں وہ اس سوال پر بھونچکی رہ گئی تھی، وہیں اک احساس تھا کہ وہ درحقیقت اس کے (اس شخص) کے کتنے قریب ہے۔ ایک ''تیسری سمت'' سے آنے سوال کی وضاحت وہ برملا نہیں دے پائی تھی۔ سو کیا ''حقیقت'' تھی اس کے ''تعلق'' کی۔ اور کوئی ت'' تھی بھی یا کہ نہیں۔

لگتا ہے تم ابھی گین کو اتنی اچھی طرح سے نہیں سمجھ پائی ہو۔'' خاتون نے اپنی بلوریں آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اخذ کیا تھا۔ انداز میں حیرت سے زیادہ غالباً افسوس تھا۔ غالباً میرب کی بے وقوفی کا نہیں ہوا تھا تبھی ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

گین بہت اچھا ہے۔ بہت ہی نرم اور اچھے دل کا مالک۔ وہ میری دانست میں اس دنیا کا خوبصورت دل رکھنے والا شخص ہے۔ اسے سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بس ایک اچھا دل ہونا شرط ہے۔ لگتا نے زیادہ وقت نہیں گزارا اس کے ساتھ۔ پھر تم دونوں کے بیچ محبت کیسے ہوئی؟''

محبت؟'' میرب سیال چونکی تھی۔ حیرت کا مقام تھا اس کے لئے۔ محبت ان دونوں کے بیچ کہاں تھی؟ ان خاتون کا قیاس اس معاملے میں غلط تھا۔ یہ کوئی بھی گین کی لگتی تھیں، اسے بہت زیادہ تو جانتی ہی اسے حد سے زیادہ رعایت دینے کی بھی قائل نظر آ رہی تھیں۔ مگر شاید گین کو اس طور جان نہیں پائی جس طور اس نے جانا اور سمجھا تھا۔ غالباً وہ اسے کسی اور رشتے کے رخ سے دیکھ رہی تھیں۔ تعلق اور ہلنا کے اس زاویے سے جہاں سردار سبکتگین حیدر لغاری صرف اچھا اور صرف اچھا ہی لگ رہا تھا۔ رشتے سے اس نے اسے دیکھا تھا، برتا تھا، اس تعلق کی کسوٹی پر وہ یقیناً اس طور پورا نہیں اترا تھا۔ مگر وہ خاتون کو بروقت جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ جس طرح حیرت سے اب تک انہیں دیکھ رہی تھی اس بات ان نحیف چہرے کو ایک بار پھر مسکرانے پر مجبور ضرور کر دیا تھا۔ اپنی بجھی بجھی آنکھوں کو اس کے روشن پر ٹکاتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

کیوں ــــــ محبت نہیں کرتی ہو تم اس سے؟ ــــــ اگر تم نہیں کرتی ہو تو وہ تو ضرور کرتا ہو گا تم بھی تو تمہیں اس ساری دنیا میں سے چن لیا۔ محبت اور نفرت کے معاملے میں بہت کھرا ہے وہ۔ اس زندگی میں صرف وہی چیزیں ہیں جن سے وہ محبت کرتا ہے ــــــ جو اسے پسند نہیں اس کے لئے اس

کی زندگی میں بھی کوئی جگہ نہیں۔ ایسی فضول چیزوں کو ''ٹریش'' کرنے میں دیر نہیں کرتا وہ۔ تمہیں تو نہیں کہ تم اس کی زندگی میں اہم نہیں ہو۔ کیا اس نے تمہیں کبھی بتایا نہیں کہ وہ تم سے کتنی محبت ک سوال دلچسپ ضرور تھا مگر میرب کا چہرہ اس گھڑی اتنا ہونق تھا کہ اس سوال سے محظوظ بھی نہیں ہو

''تم اس قدر حیران کیوں ہو؟ ـــــ کیا کبھی پوچھا نہیں تم نے اس سے؟'' زیادہ نہیں مگر مح ہو گی اسے تم سے۔ کیا تم اس بات سے ناواقف ہو؟ ـــــ عورت تو محبت کے حوالوں کو بناتا ہے۔ کیا اس کی آنکھوں میں تمہیں کبھی رنگ دکھائی نہیں دیئے؟ مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے۔ گیر اپروچ والا بندہ دل کی دل میں دبانے کا قائل ہرگز نہیں ہے۔ نفرت ہو یا محبت، وہ برملا اس کا ہے۔ پھر اس نے تمہیں اب تک کچھ کیوں نہیں بتایا؟ اس کے تو رویے بھی اس کے جذبات کرتے ہیں۔ وہ کب خوش ہے، کب ناخوش، کون سی بات اسے اچھی لگ رہی ہے، کون سی بہت چھوٹے چھوٹے زاویوں سے بھی دیکھو تو وہ کھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حیرت ہے، تم نے اب غور سے نہیں دیکھا؟''

''ہماری لو میرج نہیں ہے۔'' میرب سیال نے بول کر ان کے سارے تاثر کو اور اب تک زائل کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ خاتون اس کا چہرہ ہاتھ میں لیتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

''محبت کیا صرف شادی سے پہلے ہی ہوتی ہے؟'' ان خاتون کا سوال اسے چاروں شانے تھا۔ وہ جو بہت پُراعتماد انداز میں دور کی کوڑی لائی تھی، اب حیرت سے سوا انداز میں ان کی طر تھی۔ اور وہ خاتون جیسے اس کی بے وقوفی کو جانتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

''محبت دکھائی دینے والی شے نہیں ہے ـــــ پوشیدہ رازوں میں دبی بہت راز کی محبت ـــــ کان، کان سے نہ کہے ـــــ زبان بولے یا نہ بولے، اسے فرق نہیں پڑتا۔ م چپ میں بولتی ہے۔ کبھی سننا ہو تو چاروں طرف سے اپنی آنکھیں بھی بند کر لو اور کان بھی اور دھڑکنوں کو غور سے سنو۔ یہ تمہیں سنائی بھی دے گی اور دکھائی بھی ـــــ تب تم اسے ہاتھ بڑ سکو گی اور محسوس بھی کر سکو گی۔ محبت ایسی ہی انوکھی، عجیب کتھا ہے ـــــ کبھی سمجھ میں آ جا بالکل نہیں آتی۔ مگر تم اس معاملے میں پھر بھی لکی ہو۔ تم اس کے ساتھ ہو جو تمہارے ساتھ ہے اے لکی گرل۔'' پتہ نہیں وہ اس سے ایسی باتیں کیوں کر رہی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تھ سیال جو ساکت سی کھڑی تھی اس کے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا، نو کے لئے ناشتہ لے آیا تھا۔

''آپ کا ناشتہ آ گیا ـــــ آپ اب تک فریش نہیں ہوئیں۔'' کھوئے کھوئے سے لہج تھی اور خاتون مسکرا دی تھیں۔

''شاید کچھ غلط کہا میں نے۔ سبکتگین حیدر لغاری مسٹ بی اے لکی پرسن۔ تم اس کے سا اس کی زندگی میں ہو۔ یوں تو کوئی خلا اس کی زندگی میں نہیں تھا۔ لیکن اگر ایسا کچھ تھا بھی تو تم کر چکی ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ تھپتھپا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

ب نے اپنے پتھر سے وجود کو بہ مشکل حرکت دے کر ملازم کی طرف دیکھا تھا۔

ان بریک فاسٹ کو وہاں ٹیبل پر لگا دو۔ اور بی بی سے پوچھ لینا، انہیں کسی اور شے کی ضرورت تو میرب سیال کے لئے وہاں مزید ٹھہرنا محال ہو رہا تھا۔ وہ کہہ کر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ وہ سینے رات کا بوجھ ہٹانے گئی تھی۔ اک اسرار، ایک بھید کو جاننے گئی تھی۔ مگر اک مزید بھید میں الجھ کر رہ اے یہ تو ہرگز پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ کون تھی۔ مگر اس گفتگو نے اسے پتھر ضرور کر دیا تھا۔ دل پہلے ''عذاب'' میں مبتلا نہ تھا۔ اب حالت حد سے سوا ہو گئی تھی اور اس تشویش ناک کیفیت میں وہ تنہا کے ساتھ اس کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری؟

یفت کیا تھا وہ؟ ـــــ کیوں سب اسے صرف اس زاویے سے دیکھتے تھے جہاں سے وہ صرف ''مہان'' دکھائی دیتا تھا۔ اس زاویے سے سب اسے کیوں نہیں دیکھتے تھے جہاں کھڑی وہ اسے می؟

ں ''سمت'' میں کھڑی ''واحد فرد'' کیوں تھی؟'

ب رائٹ سمت پر تھے یا وہ ہی غلط سمت پر کھڑی تھی؟ وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے مزید الجھتی ا۔

ے دہی کو کھٹا کوئی نہیں کہتا۔'' مثل مشہور تھی تو کچھ سچائی بھی تو ضرور تھی۔ مائی اس کی اپنی تھیں، وہ ی کوئی قریبی رشتے دار تھیں۔ پھر انہیں اس میں کوئی عیب کیسے دکھائی دے سکتا تھا؟

غلط سمت پر نہیں، درست سمت پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اور یہاں سے جو اسے دکھائی دے رہا تھا ا ''منظر نامہ'' تھا۔ یہی اصل سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

نا خاصی دیر سے بج رہا تھا۔ میرب نے سیل اٹھا کر اسکرین پر نمبر دیکھا تھا اور پھر سیل سوئچ آف کر

* * *

اٹھ بج گئے ـــــ عفنان تمہیں لینے نہیں آیا؟'' ماہ وش نے فکر مندی سے دریافت کیا تھا۔ مگر با کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

کیا ہوا؟ ـــــ خیریت؟ کہیں تم دونوں میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟'' ماہ وش بخاری نے فکر سے دریافت کیا تھا۔

نہیں ـــــ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' انابیہ نے فوری طور پر صحیح جواب دینا ضروری خیال کیا تھا۔

پھر فون کرو اسے، بلاؤ۔ اتنا وقت ہو گیا ہے، آیا کیوں نہیں وہ اب تک؟''

وش کی تشویش عروج پر تھی۔ انابیہ حالات معمول پر ظاہر کرنے کو بامشکل مسکرائی تھی۔

ی! کیا اب میں بوجھ بن گئی ہوں آپ پر؟ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ صبح وہ مجھے خود چھوڑ کر گئے ی فکرمندی کی بات کیا ہے؟'' اس نے اپنی دانست میں انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا مگر ماہ وش بخاری

پہلے سے زیادہ تشویش سے بیٹی کو دیکھنے لگی تھیں۔

"انابیہ! بیٹا زندگی کے لئے اتنا کیئرلیس رویہ اچھا نہیں ہوتا۔ تمہیں سمجھنا چاہئے۔ رشتوں سے لاتعلقی اچھی نہیں ہوتی۔" ممی نے دباؤ ڈالا تھا۔ انابیہ مجبوراً اٹھ کر فون کی طرف آئی تھی۔ تبھی چونکی تھی۔ سامنے وہ اوزان سید کے ساتھ آتا دکھائی دیا تھا۔ انابیہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ خود بھی امید نہیں تھی کہ آج وہ آئے گا۔ صبح جو کچھ اس نے کہا تھا، اس کے بعد کیا جواز باقی بچتا تھا یہاں آمد کا؟ کیا وہ بھی رکھ رکھاؤ کا اتنا قائل تھا کہ "رسم" نبھانے آ گیا تھا؟ —— انابیہ بدستور ہاتھ میں لئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب وہ قریب آتا اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"کیا ہوا؟ —— اتنی پریشانی کس لئے؟ —— کیا میری فکر ستا رہی تھی؟" وہ اپنائیت سے طرح گویا ہوا تھا جیسے ان کے درمیان کچھ عجب ہوا ہی نہ ہو۔ انابیہ کی آنکھوں میں واضح حیرت دکھا تھی۔

"تم نے اپنا سیل سوئچ آف کیوں کر رکھا تھا؟ —— میں کب سے ٹرائی کر رہا تھا۔ لینڈ لائن غالباً؟" اسے کہہ کر وہ ماہ وش کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"السلام علیکم ممی! کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ ابھی میں یہی کہہ رہی تھی انابیہ سے کہ تمہیں فون کرے۔"

"جی بس، وہ ایک میٹنگ میں پھنس گیا تھا۔ انابیہ! آر یو ریڈی، چلیں؟" عفنان نے اس کی دیکھا تھا۔ انابیہ اب اتنی بچی بھی نہیں تھی کہ اس کے حفظ ماتقدم کے تحت کیے گئے اقدام کو سمجھ نہ پا یقیناً سمجھ چکی تھی۔ اس کی یہ توجہ، یہ لگاوٹ اسکے لئے ضروری تھے۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جگہ پر لا کھڑا کیا تھا وقت نے اسے؟

ہر شے اختیار سے باہر اور اپنا آپ ایک بے بسی میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد عفنان علی خان کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ تھی تو وہ گویا ہوا تھا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا انابیہ! جب سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے تو پھر تمہیں کیوں نہیں لگ رہا؟ یہی سب تو چاہتی تھیں تم۔ پھر اب کیا ہوا ہے؟"

"کیوں —— کیا ہوا ہے؟" وہ جواباً سوالیہ انداز میں پوچھتی ہوئی دریافت کرنے لگی تھی۔

"کیا کروں میں ایسا آپ کے لئے کہ آپ کو لگے کہ بہت خوش ہوں۔ آپ کو درحقیقت کیا اشتیاق ہے؟" انابیہ شاہ نے اپنے اندر کا غبار اپنے اندر دبائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت عفنان علی خان نے ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے اک نگاہِ خاص سے دیکھا

"یعنی تم خوش نہیں ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے گویا اس کے غصے کو ہوا دینا چاہتا تھا۔ غالباً وہ اس شدید ترین "ری ایکشن" دیکھنے کا متمنی تھا جو اب تک سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ خود کو بہت سے خول کر رکھنے کی قائل تھی اور اب تک کے "اقدامات" سے کوئی ایک خول بھی نہیں چٹخا تھا۔ بدستور

قید دکھائی دے رہی تھی۔

خوش نظر آنے کی تشریح آپ کے یہاں کیا ہے؟ کیا مجھے ڈنٹونک کا اشتہار بن جانا چاہئے؟" بہت انداز میں اس نے وضاحت چاہی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا اس جواب نے اسے کسی حد تک محظوظ ضرور کیا تھا۔

خوشی کا بہترین اظہار خوش نظر آنا ہی ہے۔ اور خوش نظر آنے کے لئے مسکرانا ضروری ہے۔"

میں صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے مسکرا نہیں سکتی کہ میں آپ کو خوش نظر آؤں۔" انابیہ نے اس کی کھلے عام کی تھی۔

یعنی تم واقعی خوش ہو؟"

آپ مجھے خوش دیکھنے پر اتنا بضد کیوں ہیں؟ —— آپ جو کرنا چاہتے ہیں وہ کر کیوں نہیں لیتے؟ بدستور اپنی ہر بات کا سرا مجھ سے جوڑے کیوں بیٹھے ہیں؟" وہ جل کر بولی تھی۔ عفنان علی خان اسکے لہجے کے باوجود مسکرا دیا تھا۔

کیا کروں؟ —— یو آر مائی وائف۔ تم ایک سرے کی بات کرتی ہو، یہاں تو پوری کی پوری زندگی تم ی ہوئی ہے۔" اس کی طرف دیکھے بغیر باور کرایا تھا۔ پتہ نہیں وہ افسوس کر رہا تھا یا کوئی طنز اس کے ں تھا۔ گھر کے پورچ میں گاڑی رکی تھی اور انابیہ کچھ بھی کہے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فاطمہ اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

"انابیہ بیٹا! آ گئیں تم؟" اسے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے دیکھا تھا۔

انابیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تبھی عفنان چلتا ہوا پیچھے آن رکا تھا۔

"بہت بھوک لگی ہے ماما! کھانا لگوا دیجئے۔"

"تم دونوں فریش ہو کر آ جاؤ، میں ٹیبل لگواتی ہوں۔" فاطمہ نے بیٹے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا

"نہیں —— مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ صرف ان کے لئے کھانا لگوا دیجئے۔" انابیہ کا لہجہ بہت سرد فاطمہ صبح کی کیفیت دیکھ چکی تھیں تبھی مصالحت سے مسکرا رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا! مگر تم سونے سے پہلے دودھ ضرور لے لینا۔ اب کیسی طبیعت ہے دادا ابا کی؟" نرم میں دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہیں۔"

"ماہ وش سے فون پر بات ہوئی تھی میری —— دادا ابا سے بھی۔ مجھے آج جانا بھی تھا مگر پھر عروشہ کی سے فون آ گیا اس لئے جا نہیں پائی۔ لیکن کل ضرور جاؤں گی۔" فاطمہ معذرت دیتے ہوئے بولی انابیہ کے لئے وہاں ٹھہرنا محال تھا۔ اس لئے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اب اپنے کمرے میں جاؤں میں؟" انداز بے حد سرد تھا۔ فاطمہ بچی تو نہیں تھیں کہ اصل بات نہ

سمجھتیں۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھیں کہ ان دونوں کے درمیان کچھ عجب چل رہا ہے۔ کیا؟ یہ
جانتی تھیں۔ مگر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو نرمی سے تھپتھپایا تھا۔

”شیور بیٹا! ـــــ تم تھک گئی ہو گی۔ آرام کرو۔“

انابیہ بنا کوئی دوسری بات کئے تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فاطمہ نے قدر۔ رکے انابیہ کی پشت کی طرف بغور تکتے عفنان کی طرف دیکھتے ہوئے پیش قدمی کی تھی۔

”کیا چل رہا ہے یہ سب؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں؟ یا تم لوگ بڑوں کو اپنے معاملات م ضروری خیال نہیں کرتے؟“ فاطمہ کے دریافت کرنے پر وہ کچھ کھسیا سا گیا تھا۔

”کیسی باتیں کرتی ہیں آپ ماما؟ ـــــ آپ کو حق ہے، آپ کچھ بھی پوچھ سکتی ہیں۔“

”پوچھ تو رہی ہوں۔ پھر بتا کیوں نہیں رہے، یہ کیا ہو رہا ہے؟ صبح جس طرح وہ گھر سے رو نکلی، اور اب........ عفنان! میں ماں ہوں، چہرے دیکھ کر اندر کے احوال پڑھ سکتی ہوں۔ اپنے معاملات خود بہتر طور پر نمٹا سکتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مگر بات کو تماشا تو مت بناؤ۔ اس کا چہرہ تم۔ یہ کیسی محبت ہے تمہاری اس سے؟ اسے تکلیف دے کر تم کون سا سکھ ڈھونڈتے ہو؟ لئے لائے تھے تم اسے اپنی زندگی میں؟ اس گھر میں؟“ فاطمہ کا لہجہ سخت تھا۔

”آئی ایم سوری ماما!“

”یہ سوری تمہیں مجھ سے نہیں، انابیہ سے کرنا چاہئے۔“

”اس سے نہیں کر سکتا۔“ وہ چہرہ پھیرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

فاطمہ اس کے جواب پر حیران رہ گئی تھیں۔

”اگر تم نے غلطی کی ہے عفنان! تو تمہیں سوری بھی کرنا ہو گی۔ مجھے شرمندہ مت کرو۔ م زندگی کے لئے کبھی غلط سبق نہیں پڑھایا۔ اپنی غلطی کو سدھارنے کی کوشش کرنا سکھایا ہے م اپنی غلطی کو قبول کرنا سکھایا ہے ہمیشہ۔“

”میں قبول کرتا ہوں ماما! تبھی تو اسے سدھار بھی رہا ہوں۔“ عفنان کا جواب نہ سمجھ میں آ۔ ان کے حیرت سے دیکھنے پر وہ دباؤ دیتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

”سدھارنے کی ہی تو کوشش کر رہا ہوں۔ غلطی ہوئی مجھ سے۔ مگر اب کوئی مزید غلطی نہیں دوٹوک لہجے میں کہہ کر وہ زینہ چڑھ گیا تھا۔ فاطمہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

عفنان علی خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ انابیہ چونکی نہیں تھی۔ جس طرح ڈریسنگ سامنے کھڑی چوڑیاں اتار رہی تھی، اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے دروازہ بند بغور دیکھا تھا اور پھر اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ اس کے پیچھے رک کر اس کے شانوں اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ انداز کچھ مختلف تھا۔

انابیہ نے اس کی طرف چونکتے ہوئے کچھ حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر عفنان نے بنا کچھ کہے کر بیڈ پر اچھالا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر دھری تھیں اور اس کا

ے بیڈ کی طرف لے آیا تھا۔

انابیہ شاہ کے لئے اس کی یہ کیفیت، یہ حرکت عجب تھی۔ وہ حیرت میں مبتلا ہوئی تھی۔ دماغ میں خطرے کی کوئی گھنٹی بجی تھی ـــــ اس سے قبل کہ وہ کچھ سوچتی، عفنان نے اسے بیڈ پر گرا کر ہاتھ بڑھا کر ی بجھا دی تھی۔

❊❊❊

سردار سبکتگین حیدر لغاری دن بھر خاصا مصروف رہا تھا۔ مگر جیسے ہی فراغت کے چند لمحے ہاتھ آئے تھے، ہاتھوں نے بے اختیار جانے کیوں اس کا نمبر گھما ڈالا تھا۔

”مائی کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔“ اس کی طرف سے کچھ بھی پوچھے جانے سے قبل وہ مستعدی سے بولی تھی۔

”گڈ ـــــ ڈاکٹر نے کیا کہا اب؟“ انداز تسلی بخش تھا۔

”شام کو دیکھ کر گئے تھے۔ انہوں نے بھی کچھ ایسی پریشانی والی بات نہیں بتائی۔“ میرب سیال اس کے تمام سوال غالباً پہلے ہی سے جانتی تھی۔ سو بنا اس کے دریافت کئے مزید گویا ہوئی تھی۔

”ابھی تھوڑی دیر قبل میں نے بی پی چیک کیا تھا۔ نارمل تھا۔ بخار بھی اب نہیں ہے ـــــ بس تھوڑی نقاہت باقی ہے۔ اگلے چند دنوں میں وہ بھی نہیں رہے گی۔“

”گڈ ـــــ یعنی تم مائی اماں کا بہت اچھا خیال رکھ رہی ہو۔“ وہ متاثر ہوتا ہوا گویا ہوا تھا۔ ”دن بھر بہت مصروف رہا، دھیان تک نہ رہا۔ مائی اماں سے بھی بات نہیں ہو سکی۔ مجھے اندازہ تھا وہ اس وقت سو رہی ہوں گی۔ تبھی انہیں ڈسٹرب کئے بغیر تمہارا نمبر ملا ڈالا۔ تم اب تک سوئی نہیں؟“ جانے کیوں وہ پوچھ رہا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کے لہجے اور انداز پر غور کئے سر انکار میں یوں ہلایا تھا جیسے وہ اس کے مقابل بیٹھا ہو۔ پھر خود ہی اپنی حماقت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً بولی تھی۔

”نہیں ـــــ مائی کی ہدایت پر دوپہر میں سو گئی تھی۔ سو اب نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ کب آ رہے ہیں؟“ مائی کے خیال سے اس نے مروتاً دریافت کیا تھا۔ لہجہ اور انداز دونوں سرسری تھے۔ مگر دوسری طرف سے جو جواب آیا تھا وہ سرسری نہیں تھا۔

”کیوں؟ ـــــ آر یو مِسنگ می؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اس لمحے کوئی لطیف سا مذاق ہی کر رہا تھا۔ انداز سے تو یہی ظاہر تھا۔ میرب سیال نے لحہ بھر کو غور کرتے ہوئے اخذ کیا تھا۔ مگر حیرت پھر بھی اتنی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ دوسری طرف سبکتگین حیدر لغاری دوبارہ گویا ہوا تھا۔

”سو یو ڈونٹ مِس می؟“ شکوہ کرتا لہجہ تھا۔ غالباً وہ مسکرا رہا تھا۔

”نہیں۔“ میرب نے فوراً سے پیشتر اسے رد کیا تھا۔

”بٹ آئی ایم مِسنگ یو۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب سیال ششدر سی رہ گئی تھی۔ غالباً وہ دوبارہ مذاق کر رہا تھا۔ سنجیدہ نہیں تھا۔

”جسٹ کڈنگ ـــــ رادر آئی جسٹ وانٹ ٹو ٹرائی چینج یور موڈ۔“ دوسرے ہی لمحے وضاحت آئی

تھی اور وہ سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "تم مائی کا خیال رکھ رہی ہو۔ میں نے شاید تم سے ایسا ایکسپکٹ نہ کیا تھا۔" وہ اس کا معترف ہوتا ہوا صاف گوئی سے بولا تھا۔

"اپنے طور پر قیاس کرنے سے یہی ہوتا ہے۔ کیونکہ قیاس ہمیشہ سچ نہیں ہوتے۔" میرب نے ا باور کرایا تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ میرب سیا کو حیرت ہوئی تھی۔ خلاف معمول اس کا انداز بھی نرم تھا۔ گویا وہ واقعی اس کا معترف ہو رہا تھا۔ احسان م تھا۔ یہ رعایت تو اسی بات کو ظاہر کر رہی تھی۔

"کسی کے بارے میں قیاس واقعی نہیں کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے جیسا آپ سوچیں ویسا بالکل بھی نہ ہ اور جیسا آپ نہ سوچیں سب ویسا ویسا ہو۔"

کم لفظوں میں دوسری طرف سے ایک بڑی بات کہی گئی تھی۔ میرب جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔

"اینی ہاؤ، میں پھر فون کروں گا۔ تم مائی کی طرف سے غافل مت ہو جانا۔ ان کا بی پی بدلتے دیر نہ لگتی۔ سو بی کیئرفل۔ ان کی میڈیسن کا مکمل دھیان رکھنا ہوگا۔" وہ پھر ہدایت کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے —— میں دیکھ لوں گی۔"

"رائٹ۔ بٹ ناؤ یو شڈ ٹیک ریسٹ —— شڈ سلیپ —— سویٹ ڈریمز ——" ایک "ہدایہ خاص" کرتے ہوئے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا اور میرب حیرت سے فون ہاتھ م پکڑے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"تم صرف اپنے کام کو لے کر اتنے کنسرن کیوں ہو سبکتگین حیدر لغاری؟ —— جب میں نے کہا۔ خیال رکھوں گی تو رکھوں گی نا۔" اس کے انداز پر الجھ کر وہ بولی تھی۔ پھر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر آ تھی۔ اور ایسا کر کے وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کسی ہدایت خاص پر عمل پیرا ہرگز نہیں ہو رہی تھی۔ ا اب واقعی نیند آ رہی تھی۔

ادھر سبکتگین حیدر لغاری نے فون رکھا تھا تبھی گی ژیانگ نے اسے یاد کر لیا تھا۔

"ہیلو گی! —— کیسی ہو تم؟"

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟ دن بھر تمہارے سیل پر ٹرائی کرتی رہی۔ کال پک نہیں کی۔ کیا بہ مصروف رہے؟" گی نے شکوہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں —— بہت مصروف رہا۔" گاڑی ہوٹل کے سامنے رکی تھی اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

"اس وقت یہاں دن کے چار بج رہے ہیں اور میں نے ابھی تک اپنا لنچ نہیں لیا ہے۔"

"اوہ —— اٹس ناٹ اے گڈ سائن۔ بھوک کا نہ لگنا ایک سنگین بات کی طرف اشارہ کرتا ہے گین!" گی نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا تھا۔

"کون سی بات؟" وہ چونکا تھا۔

"کتنے ڈفر ہو تم گین! —— تمہیں اتنا پتہ نہیں، بھوک کا احساس کب جاتا رہتا ہے۔ ویسے نیند کہ

آتی ہے تمہیں؟ —— ڈھنگ سے سو پاتے ہو یا رات بھر جاگتے رہتے ہو؟" گی ژیانگ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"اوہ شٹ اپ گی!" وہ اسے یکسر رد کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

"تمہاری بات ہوئی اس سے؟"

"اس سے کس سے؟ —— آئی ایم ٹائرڈ گی! —— تم مجھے اس طرح پہیلیاں بجھواؤ گی تو میں تمہیں کوئی بھی جواب ڈھنگ سے نہیں دے پاؤں گا۔" لفٹ میں داخل ہو کر مطلوبہ فلور کا نمبر دبایا تھا۔

"وہ تو اب بھی ڈھنگ سے قطعی نہیں دے رہے۔ میں میرب کی بات کر رہی تھی۔ اس سے بات ہوئی تمہاری؟"

"ہاں —— ابھی ابھی کچھ دیر پہلے ہوئی تھی۔ کیوں کیا ہوا؟ کیا تم اس پر بھی کوئی قیاس کرنے جا رہی ہو؟" لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور وہ چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ انداز کسی قدر کاٹ کھانے والا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

"تم لنچ ضرور لو گین! یہ تمہارے لئے اچھا ہوگا۔" گی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم میری فکر مت کرو گی! —— میں اپنی فکر کرنے کو خود آپ کافی ہوں۔" کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ شوز اتار کر ایک طرف ڈالے تھے، ساکس ایک طرف۔ اوور کوٹ اتار کر صوفے پر ڈالتے ہوئے وہ چلتا ہوا فریج کی طرف آ گیا تھا۔ دروازہ کھول کر جوس کا کین نکالا تھا اور دوسرے ہاتھ سے کھول کر سپ لیتا ہوا کاؤچ کی طرف آ گیا تھا۔

"کاش تم اپنی فکر کچھ آپ کر سکتے۔ مگر ایسا نہیں ہے گین! تم مرد اتنے ایڈیٹ کیوں ہوتے ہو؟" وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

"ایکسکیوز می۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھرپور احتجاج سے کہا تھا۔

"کیونکہ ایسا ہے۔ تم مرد بہت حد تک ڈفر ہوتے ہو۔ دوسروں کی فیلنگز سمجھنا تو دور کی بات تم خود اپنی فیلنگز بھی ڈھنگ سے سمجھ نہیں پاتے ہو۔ بات تم لوگوں کی سمجھ میں تب تک نہیں آتی جب تک صاف کھول کر واضح طور پر بتا نہ دی جائے۔" گی نے بھرپور تجزیہ پیش کیا تھا۔

وہ جانے کیوں برا مانے بغیر مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں یہ جان کر کتنا عجیب لگے گا گی ژیانگ! کہ ہم مرد بھی تم خواتین کے بارے میں کچھ ایسا ہی قیاس کرتے ہیں۔"

"ہاں، جانتی ہوں میں۔ مگر تم پھر بھی یہ بات مان لو کہ تم لوگ عجیب پہاڑی بکرے جیسی خصوصیات اپنے اندر رکھتے ہو۔ جدھر سینگ سمائے اس طرف چلنا تو ایک طرف تم لوگ سینگ مارنے میں بھی بالکل اکی پر گئے ہو۔ بنا کسی کی سمجھے، بنا جانے، منواتے اپنی ہی ہو۔ چاہے کوئی کتنا بھی سچ کیوں نہ کہہ رہا ہو۔" گی کا مشاہدہ کمال کا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔

"تم ہنس رہے ہو گین؟ —— آئی ایم ناٹ کڈنگ۔" وہ باور کرا رہی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے ٹی وی اسکر دیکھا تھا۔

"تم ہم مردوں کے بارے میں کیا کیا اول فول سوچتی ہو گی ژیانگ! مجھے یہ جان کر حیرت، ہے۔"

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہو رہی ہے اور مجھے تمہیں جان کر کوئی حیرت نہیں ہو رہی۔ تم بہت دقت رہے ہو گین!"

"کس بات کے لئے؟" وہ چونکا تھا۔

"بہت کچھ ماننے کے لئے گین! ـــــ تمہیں یقیناً یہ سب بہت مشکل لگ رہا ہے۔"

"کیا؟" وہ غالباً اب بھی نہ سمجھا تھا۔

"محبت اتنا دقیق اور پیچیدہ معاملہ تو نہیں گین! بڑی چھوٹی سی، مختصر سی بات ہے ـــــ محبت. ہے، نہیں ہے تو نہیں ہے۔" گی ژیانگ نے بہت بڑی بات بہت چھوٹے سے پیرائے میں سمیٹ کر کے سامنے رکھ دی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جوس لبوں تک لے جاتے ہاتھ رکا تھا۔

"محبت کو تسلیم کرو گین! ـــــ جب تک تم خود تسلیم نہیں کرو گے، تم اور کسی کو بھی باور نہیں کرا سکو محبت ایسا ہی دقیق معاملہ ہے۔" گی ژیانگ پھر وہی داستان چھیڑے ہوئے تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے چونک کر دیکھا تھا۔

"لیں۔"

ویٹر کھانا لے کر اندر داخل ہوا تھا اور ٹیبل پر کھانا لگانے لگا تھا۔

"میرا لنچ آ گیا ہے گی! ـــــ پھر بات کریں گے۔" سبکتگین حیدر لغاری نے کہہ کر بنا اس. جواب کا انتظار کئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

❄❄❄

عفنان علی خان کے انداز سے قطعاً کوئی ملامت یا پچھتاوا ظاہر نہ تھا۔ وہ یکسر مطمئن دکھائی دے تھا۔ گویا جو بھی اقدام اس سے سرزد ہوا تھا اس کا اسے کوئی ملال نہ تھا۔ وہ خود کو حق پر خیال کر رہا تھا۔

جبکہ انابیہ کی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ اس کی آنکھوں کی نمی سوکھنے میں نہ آ رہی تھی۔ جانے کس بات احساسِ جرم اسے سانس تک لینے نہ دے رہا تھا۔ وہ متواتر آنسو بہا رہی تھی۔

عفنان علی خان کوئی ردعمل ظاہر کئے بنا واش روم گیا تھا۔ فریش ہوا تھا۔ نیچے گیا تھا اور خلاف تو ناشتے کی ٹرے لے کر واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی گھٹنوں پر سر دھرے آنسو بہاتی رہی تھی۔ احتجاج پُرزور تھا اور اسی قدر عجیب بھی۔ عفنان علی خان دروازے کے قریب کھڑے اسے بغور دیکھا تھا۔ مگر اس کیفیت پر کوئی ردعمل دیئے بغیر وہ پُرسکون اند میں چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ چند ثانیوں تک کھڑے ہو کر اس کے گٹھڑی سے بنے وجود کو دیکھا تھا۔

ہیں اس کے سامنے رکھتے ہوئے خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔
وئی گناہ اس سے سرزد نہیں ہوا تھا۔ مگر اس گھڑی انابیہ شاہ کا احتجاج دیکھ کر اسے لمحہ بھر کو اُلجھن
ئی تھی۔ مگر اس اُلجھن کو اس نے ظاہر کرنا ضروری نہیں خیال کیا تھا۔ بولا تھا تو انداز بہت پُرسکون

شتہ کر لو انابیہ!" اس کے خیال میں انابیہ کا احتجاج بہت فضول اور بچگانہ تھا۔ مگر فوری طور پر وہ اس
ل اسے نہیں کروانا چاہتا تھا۔
ے کہنے کا انابیہ کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں آیا تھا ـــــ وہ جس طرح بیٹھی تھی، اسی طرح بیٹھی

نان علی خان کو اس طرح کا اب تک کوئی تجربہ نہیں تھا۔ سو یہ ناز نخرے اٹھانا کچھ عجیب سا لگا تھا۔ مگر
ا، اس کے ردعمل کے طور پر اسے یہ سب تو اب فیس کرنا ہی تھا۔ اس کا اندازہ اسے ہو گیا تھا اس
ے اس کے گھٹنوں کے گرد سے اس کے بازو ہٹاتے ہوئے اس کا چہرہ بھرپور توجہ سے اٹھا کر
ا اور ملائمت سے گویا ہوا تھا۔
اشتہ کر لو شاباش! ـــــ تم نے رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔" ازالہ کرنے کو یہ اقدام اگرچہ کافی
ا۔ مگر اس سے زیادہ رعایت وہ اسے دے نہیں سکتا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایسی ہی رعایت دے کر

ا تھا۔
ابیہ بھیگی آنکھوں سے قاتلانہ انداز میں اسے گھور رہی تھی۔ انداز جارحانہ اور غصے سے بھرپور تھا۔ مگر
ا جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔
مجھے نہیں، اس بریک فاسٹ کو کھانا ہے تمہیں۔ سو اس کی طرف توجہ دو انابیہ!" ناشتے کی طرف
و اشارہ کیا تھا۔ انابیہ کے انداز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ غالباً وہ اس سے بات کرنے کے موڈ
ا نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی کرم کرنا تو دور کی بات تھی۔
جو ہوا، اس کا افسوس بعد میں کریں گے۔ سوگ بھی منا لیں گے۔ پہلے یہ بریک فاسٹ کر لیتے ہیں۔
ے چکر میں، میں نے بھی رات کا ڈنر نہیں لیا تھا۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ اور ناشتہ بھی ٹھنڈا ہو رہا
چلو شاباش۔" اسے بچوں کی طرح پچکارا تھا۔ انابیہ نے بنا اس کی طرف دیکھے چہرہ پھیر لیا تھا۔
بں سوجی ہوئی تھیں۔ ناک، چہرہ سرخ ہو رہا تھا مگر وہ اب بھی اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر
بنانے لگا تھا۔
"ناراض ہو نا مجھ سے؟ ـــــ میری طرف دیکھو گی بھی نہیں؟" پتہ نہیں وہ واقعی توجہ پر مائل تھا یا پھر
اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کا مسکرانا مقابل کو یقیناً اس لمحے زہر ہی لگا تھا۔ عفنان علی
کو اس بات کا اندازہ تھا غالباً تبھی وہ لب بھینچ کر اسے دیکھتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔
"سوچنے، غور و خوض کرنے کو عمر پڑی ہے انابیہ! ـــــ بعد میں کریں گے۔ پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔ یہ
ضروری ہے۔" نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ مگر انابیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا اور پھٹ

پڑی تھی۔

''بات بھی مت کرو تم مجھ سے۔'' کہہ کر چہرہ پھیر لیا تھا۔ عفنان علی خان نے لحہ بھر کو ا سے دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

''میں قطعاً بھی شرمندہ نہیں ہوں۔ میں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا ہے۔ ٹیل می، وائے وائے آر یو اِن دِس روم؟ ——— بی کوز یو آر مائے وائف ——— اپنی بیوی کے ساتھ اپنا رشتہ کو میں کوئی جرم خیال نہیں کرتا۔ اگر تم کرتی ہو تو اس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔ بڑ سے ——— ڈیٹس ناٹ اے نارمل بی ہیویئر۔ وہاٹ یو آر ڈوئنگ۔ بی آ میچور۔ یہی تمہارے ہو گا اور میرے لئے بھی۔'' وہ دوٹوک انداز میں کہہ رہا تھا اور انابیہ حیرت سے اسے دیکھ رہی توقع کب تھی اسے۔ ایک تو چوری، اس پر سینہ زوری۔ اس کی ہمت ہی تو تھی۔

''تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟ ——— کیا خیال کرتی ہو؟ اس سے مجھے قطعاً کو پڑتا۔ کوئی وضاحت میں تمہیں دینا بھی نہیں چاہتا۔ تم مجھے ایک کمزور مرد خیال کرو، ہوس پر ڈونٹ کیئر۔ ہوس ایک ہی رات میں ابھر کر سامنے نہیں آتی، یہ بات تم جانتی ہو۔ میں نے تمہیں دیا ہے۔ میرا تمہیں پانا دشوار کبھی بھی نہیں تھا۔ یہ ہوس پرستی پہلے بھی سامنے آ سکتی تھی۔ مگر نہیں آ اس کی وجہ تم خود سوچو تو جان سکتی ہو۔ سو مجھ پر کوئی بھی الزام عائد کرنے سے پہلے خود اپنے انابیہ! وہاٹ یو ڈِڈ؟''

کتنا بے ایمان شخص تھا۔ کتنے آرام سے سارا کا سارا الزام اس کے سر پر رکھ رہا تھا۔ سار تھا وہ۔ جو الزام اس کے متعلق انابیہ کے دل میں تھے وہ ان سے بھی واقف تھا۔ پھر ایسا کیوں نے؟ ——— اور ہمت یہ تھی کہ اس کے مقابل بیٹھا ان الزامات کی تردید بھی کر رہا تھا۔ انہیں ڈ رہا تھا۔ کیا وہ واقعی حق پر تھا؟ ——— شاید نہیں۔

انابیہ کی ساکت آنکھوں سے بہت خاموشی سے بہہ کر رخساروں پر پھیلتے آنسو اس بات کا د تھے۔ عفنان علی خان نے ان بھیگتی آنکھوں کو الجھن سے دیکھا تھا۔ پھر ردعمل کے طور پر نوالہ دوبارہ رکھ دیا تھا اور بہت ضبط سے اسے دیکھتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''تمہیں یہاں سے بڑے ہونے کی ضرورت ہے انابیہ شاہ!'' دماغ پر انگلی رکھ کر کچھ سخت تھا۔ ''گروم اپ فرسٹ۔ دین ٹاک ٹو می۔'' اسے تلقین کرتے ہوئے وہ اٹھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ اس کے جانے کے بعد بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھی۔ چپ چاپ اسے کوئی سکون نہیں دے رہے تھے۔ مزید بے سکونی دے رہے تھے۔ اندر تک سناٹا پھیل رہا تھا

ایک خوبصورت رات نوازی گئی تھی اسے۔

وہ باور کرا رہا تھا کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔

اس پر الزام رکھ رہا تھا کہ قصور کہیں نہ کہیں اس کا رہا ہے۔

وہ شرمندہ نہیں تھا۔

ہت سے اس کے سامنے بیٹھا بات کر رہا تھا۔

اپنے سر الزام بھی لے رہا تھا۔

مگر ان باتوں میں وہ ایک بات نہیں تھی۔

''رشتے'' کی ایک سمت کو واضح کرتی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی۔ ایک بار بھی نہیں کہا تھا اس نے، رشتے کی اب سمت کیا ہو گی؟

اس کے خیال میں وہ بہکا نہیں تھا۔ کوئی ہوس پرستی بھی نہیں تھی۔ اگر کوئی لسٹ نہیں تھی تو ایک بے سکونی اپنے اندر کیوں محسوس کر رہی تھی؟ ——— بہت کچھ نوازے جانے کے بعد بھی ایک خالی پن کا احساس رکیوں اٹھ رہا تھا؟

اس کی مرضی کے خلاف اسے حاصل کر کے اس نے ایسا کیا جرم کیا تھا اس پر؟

کل صبح وہ لامعہ حق سے ایک نئے تعلق کے آغاز ہونے کی خبر اسے سنا رہا تھا تو پھر آج اس سے تعلق کی رباندھنا کیا معنی رکھتا تھا؟

❄❄❄

ازہان حسن بخاری کچھ اہم فائل دیکھ رہا تھا جب فارحہ کافی کا کپ ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوئی یں۔

''یور کافی۔'' کپ ٹیبل پر رکھا تھا۔

''تھینک یو ممی!'' ازہان مسکرایا تھا۔

''یہ آفس کی فائلز گھر کیوں اٹھا لائے؟ ——— وہاں ٹائم کم تھا کیا؟'' ڈپٹا تھا۔

ازہان مسکرا دیا تھا۔

''کچھ اہم فائلز تھیں جن کا دیکھنا ضروری تھا۔ آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھیں نا۔'' فائل پر سے سر اٹھا رماں کو دیکھا تھا۔ فارحہ اسے بغور تکتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

''آپ ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ ——— میرے کسی اقدام سے خوش ہیں آپ؟'' ازہان نے اندازہ رتے ہوئے کہا تھا۔ فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''ہاں ——— میں تم سے خوش ہوں ——— بہت خوش ——— ایسے بیٹے سے کون خوش نہیں ہو گا۔ یکن میں ایک بات جاننا چاہتی ہوں۔'' فارحہ نے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''وہ کیا؟'' ازہان نے مسکراتے ہوئے کافی کا ایک سِپ لیا تھا۔

''کیا تم خوش ہو؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟ ——— کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں خوش نہیں ہوں؟ ——— میں خوش ہوں۔'' ازہان نے ماں کے ہاتھ تھامے تھے۔ ''بہت خوش۔ آپ نے اتنی اچھی سی فیانسی دی مجھے۔ اتنی اچھی زندگی دی۔ اور کیا چاہئے؟'' وہ مسکرایا تھا۔

فارحہ اس کے چہرے کو ہاتھ میں لے کر محبت سے دیکھنے لگی تھیں۔

”تم خوش ہوتے ہو تو مجھے زندگی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔“

”اور آپ خوش ہوتی ہیں تو مجھے سب کچھ بہت اچھا لگنے لگتا ہے۔ میرب سے بات ہو
کی؟“

”نہیں۔“ فارحہ اس اچانک ذکر پر کچھ حیران ہوئی تھیں۔ ”تمہاری بات ہوئی؟“

”نہیں —— آپ نے انوائٹ نہیں کیا تھا انہیں؟ —— ساہیہ بھی پوچھ رہی تھی۔“
میں کہا تھا۔

فارحہ مسکرا دی تھیں۔

”نہیں —— فون کیا تھا میں نے۔ مظہر بھائی صاحب سے تو بات نہیں ہوئی، ان کی بیگ
سے بات ہوئی تھی۔ میں نے انہیں اطلاع دے دی تھی —— میرب کے بارے میں پتہ چلا ک
نہیں ہے۔“

”پھر کہاں ہے؟“ اذہان نے سرعت سے دریافت کیا تھا۔

”غالباً شہر سے باہر کہیں گئی ہوئی ہے۔“

”تو آپ نے اس کے سیل پر ٹرائی نہیں کیا؟ —— کہیں شادی کر کے رخصت تو نہیں ہو گئی
انداز کو معمول پر رکھتے ہوئے بہت سرسری انداز میں وہ مسکراتے ہوئے یوں گویا تھا جیسے کوئی بہ
ذکر کر رہا ہو۔ فارحہ بیٹے کی کیفیات کو بغور جانچ رہی تھیں۔

”نہیں —— وقت نہیں ملا۔ یہاں تمہاری انگیج منٹ کی تیاریاں اتنی زیادہ تھیں کہ بالکل بھ
نہیں رہا۔“

”ارے، آپ کو اپنی نیس یاد نہیں رہی؟ اسے خبر ہوگی تو شکوہ کرے گی۔ اس نے سختی سے تاکی
انوائٹ کرنا چاہئے تھا نا۔ آپ مجھ سے الگ تو نہیں۔ اور یوں بھی یہ ڈیپارٹمنٹ تو آپ کے ہاتھ تو

”ہاں۔ مگر غلطی ہو گئی۔“ فارحہ نے پُر افسوس انداز میں کہا تھا۔ پھر مسکرا دی تھیں۔ ”میں با
گی۔ اس کا سیل نمبر تھا نا تمہارے پاس؟“

”ہاں، غالباً سیل میں تو تھا۔“ وہ یوں سرسری انداز میں ذکر کر رہا تھا جیسے بہت ہی معمولی سا
ہو۔ پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا وہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا، خود کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ فارحہ کچھ
تھیں۔

اذہان نے کافی کا سپ لے کر کپ ایک طرف رکھتے ہوئے سیل اٹھا کر ڈائریکٹری میں سے ا
نکالا تھا اور کالنگ کا بٹن پش کر دیا تھا۔ بیل گئی تھی اور کال کنکٹ ہو گئی تھی۔

”ہیلو ——!“ ایک جانا پہچانا لہجہ سماعتوں میں گونجا تھا۔

”میرب! —— اذہان ہیئر۔“

میرب فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔ پھر جیسے مروتاً گویا ہوئی تھی۔

”اذہان! کیسے ہو تم؟“

ٹھیک ہوں —— تم کیسی ہو؟“
کیسے فون کیا؟“ اس کا لہجہ بہت تھکا سا تھا۔ نیند پوری نہ ہونے کے باعث وہ اس وقت
ک۔
ریش نہیں تھی۔

ہوا؟ —— تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آر یو آل رائٹ؟“ اذہان نے اس کی آواز کی
ں کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چونکی تھی، پھر معمول کے مطابق جواب دیتی ہوئی

ں —— ایسی بات نہیں ہے۔ آئی ایم رائٹ۔ تم سناؤ، انگیج منٹ کر لی، مجھے انوائٹ نہیں کیا
ن کو معلوم تھا وہ اس بابت بات کرے گی۔ مگر اس طرح چھوٹتے ہی؟ اس کا اندازہ نہیں تھا۔
ر فون کیا تھا —— مظہر انکل گھر نہیں تھے۔ مگر زوباریہ آنٹی نے بتایا کہ تم گھر نہیں ہو۔ پھر کیسے
رتے؟“ وضاحت دی تھی۔ مگر بہت ہی کمزور وضاحت تھی۔ میرب جانے کیوں مسکرا دی تھی۔
ہان! جو نمبر تم نے اس وقت ملایا ہے اس روز بھی ملا سکتے تھے۔ ایزی ویز —— آنٹی کیسی ہیں؟“
ن لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ دونوں سمجھ رہے تھے کہ دونوں ایک دوسرے سے قصداً بھاگ رہے تھے۔
ں جانتے تھے تو پھر کسی وضاحت کی ضرورت بھی باقی کب بچتی تھی۔
ا یہیں ہیں۔ انہی نے تمہارا نمبر بھی ملوایا تھا۔ لو بات کرو۔“
ن نے ماں کو فون تھما دیا تھا اور خود سر جھکا کر فائلز دیکھنے کے ساتھ کسیلی کافی کے سپ لینے لگا تھا۔
ا میرب! بیٹا کیسی ہو؟“ فارحہ نے ایک نگاہ بیٹے کو بغور دیکھا تھا پھر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھیں۔
ے بات کرتے ہوئے انہیں جو اندازہ ہوا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ دل بوجھل سا تھا۔ وہ لان میں نکل
۔ یقیناً یہ آسان بھی نہیں تھا۔ وہ اذہان کی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔ مگر وہ اس کے لئے کچھ کر بھی نہیں
ا۔ وقت گزر چکا تھا۔ اور جو موجودہ دور میں ہو رہا تھا، وہی ٹھیک تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں اور میرب
ی۔

ٹی! آئی ایم سو مچ مسنگ یو —— بہت دل چاہ رہا ہے آپ سے ملنے کو۔“
ہ مسکرا دی تھیں۔
را دل بھی اپنی بیٹی کو دیکھنے کو بہت چاہ رہا ہے۔ جانتی ہو کتنے وقت سے تم نے صورت نہیں دکھائی۔“
ب بہت بے بسی سے مسکرا دی تھی۔
ں، جانتی ہوں۔“ آنکھیں نمی سے جانے کیوں بھرنے لگی تھیں۔
پ نے تو انگلیوں پر گن رکھے ہوں گے۔ مگر بھولی تو میں بھی نہیں ہوں۔ جانتی ہوں بہت سے دن
ے ہیں۔“ مسکراتے ہوئے آنکھوں کی نمی انگلی کے پوروں پر لی تھی۔
ابھی آ جاؤ نا۔“ فارحہ نے محبت سے کہا تھا۔ آخر کو عزیز ترین بھانجی تھی۔
ں —— جلد آ جاؤں گی۔“ میرب اپنی کیفیت کو دبانے کے لئے مسکرائی تھی۔ تبھی مائی اماں نے
میرب پلٹی تھی۔

''میں آپ سے بعد میں بات کروں گی آنٹی!''

''ٹھیک ہے بیٹا! مگر اپنا خیال رکھنا۔''

''جی، آپ بھی۔'' میرب نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ فارحہ کی نگا
اٹھی تھی۔ کھلی کھڑکی میں اذہان مضطرب سا کھڑا تھا۔ انداز بہت کھویا کھویا سا تھا۔

وہ جیسے اس ماحول کا حصہ نہیں تھا شاید اسی لئے اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ فارحہ ا
ہیں۔ فارحہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ مگر بیٹے کی کیفیت کا کوئی تدارک ان کے ہاتھ نہ تھا
انداز میں وہ اندر کی جانب چل پڑی تھیں۔

* * *

اب وقت وہ تھا کہ جہاں انابیہ شاہ صورت حال سے بھی فرار چاہتی تھی اور ماحول
آسان نہیں تھا۔ عفنان علی خان نے ایک ہی پل میں اس کے سارے کے سارے را
تھے اور ایسا کر کے اس کی صورت حال اتنی مشکل کر دی تھی کہ وہ اپنا دم گھٹتا ہوا سا محسوس کر

سارا دن وہ ماما اور انوشے کے ساتھ بزی رہی تھی۔ عریشہ آئی ہوئی تھی۔ بلا وجہ ان
اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھی۔ بولنے کی وہ زیادہ عادی تو نہیں تھی مگر عریشے اور انو
بولتی تھیں کہ اسے زیادہ مشقت کرنا نہیں پڑتی تھی۔ اس وقت بھی وہ عریشے کے گول مٹو
میں بٹھائے انوشے کی بات سن رہی تھی جب فاطمہ نے اسے احساس دلایا تھا۔

''انابیہ! بیٹا خاصا وقت ہو گیا ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''جی۔'' وہ سعادت مندی سے گویا ہوئی تھی۔

''ماما! رہنے دیں نا بھابی کو یہیں، اگر ان کا موڈ نہیں ہو رہا تو۔'' انوشے نے مسکرا

''یوں بھی بھابی اکثر تو اپنے کمرے میں ہی رہتی ہیں۔ کتنا مزہ آ رہا ہے نا ــــ آپ
کہہ دیجئے، اگر وہ بھابی کو زیادہ مس کر رہے ہیں تو خود بھی یہاں آ جائیں۔'' انداز میں بھو
ہنس دی تھی۔ انابیہ جھینپ گئی تھی۔

''آئیڈیا برا نہیں ہے۔ ویسے عفنان بھائی کو بھی ہمیں جوائن کر لینا چاہئے۔''

''کوئی کسی کو جوائن نہیں کر رہا۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ اٹھو تم دونوں بھی۔ انوشے
بھی جانا ہے۔ آنکھ نہیں کھلے گی۔''

''آنکھ نہیں کھلے گی تو چھٹی کر لوں گی۔ کتنے دنوں بعد تو عریشے آئی ہیں۔ اور ٹیپو
نہیں چاہ رہا جانے کا کیمپس۔'' انوشے منمنائی تھی۔

''کچھ عرصہ انتظار کرو۔ انشاءاللہ بہت جلد ایسا گپلو سا ٹیپو انابیہ بھابی کی اپنی گود میں
شوق پورے کر لینا۔'' عریشہ مسکراتی ہوئی شرارت سے بولی تھی مگر انابیہ کان کی لووں تک
اچھا ہوا تھا، وہ یہاں نہیں تھا۔ سوچتے ہوئے سر اٹھایا تھا، تبھی دل اچھل کر حلق میں آ
ساتھ لگا وہ کھڑا تھا۔ جانے کب وہ یہاں آیا تھا۔ انابیہ شاہ کو اپنی نظروں کو واپس موڑنا پڑ

فنان بھائی خود ہی چلے آئے۔'' انوشے بولی تھی۔ فاطمہ اور عریشہ نے پلٹ کر دیکھا تھا۔
راتے ہوئے ان کی طرف پیش قدمی کر دی تھی۔
ہا نہیں گیا نا کمرے میں۔ ہمیں معلوم تھا، اسی لئے ہم انابیہ بھابی کو اٹھنے نہیں دے رہے
نے سہی۔ آپ باہر تو آئے۔ کچھ وقت تو گزاریں گے ہمارے بیچ؟'' عریشہ نے مسکراتے
وہ انابیہ کے عین سامنے بیٹھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔
ع رکھو ــــ ابھی وقت نہیں آیا کہ کسی کے بہانے تم لوگوں کو کوئی مراعات نہ ملے۔ مجھے
مقام پر رکھنا آتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں۔ جانتا ہوں، کس رشتے کو کیسے
بہنوں کے لئے میرے پاس وقت ہمیشہ ہوتا ہے۔'' ہاتھ بڑھا کر عریشہ کے گپلو سے بیٹے کو
لیا تھا۔ ہاتھ سے ہاتھ ٹکرائے تھے۔ انابیہ اس لمس سے جیسے سلگ اٹھی تھی۔

ال۔

اس!

!

لے اس جگہ سے اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ جس لمحے سے بچنے کو تھی۔ جس کی قربت سے
دہی اس لمحے اس کے سامنے تھا۔ وہ بے تاثر نظر آنے کی کوشش کرتی اس وقت بہت مضحکہ

ا۔

آپ کو کیا ہوا؟ ــــ برا مان گئیں کیا؟ ہم تو مذاق کر رہے تھے۔'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے

یسے مسکرائی تھی۔
سی کوئی بات نہیں۔'' مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔
بیٹا کچھ بڑا نہیں ہو گیا؟'' بچے کو پیار کرتے ہوئے عفنان نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا
ل پڑی تھی۔
لب بڑا ہو گیا؟''
کرا دیا تھا۔

ــــ تم اس کی ڈائٹ پر دھیان دے رہی ہو۔ آئی مین تمہارے ہاں موٹاپا کچھ زیادہ ہے
ز بینڈ، ان کے پیرنٹس ــــ اور شاید یہ ٹیپو بھی اسی لئے اچھا خاصا صحت مند ہے۔'' عفنان
تھا کر انوشے ہنستی چلی گئی تھی۔ فاطمہ بھی مسکرا دی تھیں۔ عریشہ نے بھرپور احتجاج کیا تھا۔
ــ کیا مطلب ہے آپ کا؟ ــــ ماشاءاللہ ــــ ہاں ہے صحت مند میرا بچہ۔ اب کیا نظر
پ؟'' اس کے دہائی دینے کا انداز خوب تھا۔ انوشے پیٹ پکڑ کر ہنس رہی تھی۔ انابیہ جیسے اس
نہیں تھی۔
تھا۔
کے بچے ہوں گے نا ــــ پھر پوچھوں گی۔'' عریشہ نے بھائی کی گود سے اپنے صحت مند

بچے کو لے کر بھرپور پیار کیا تھا۔ عفنان ہنس دیا تھا۔

"کیا پوچھو گی؟ ـــــ میرے بچے تمہارے ٹیپو کی طرح ہو سکتا ہے "بہت زیادہ" صحت مگر "صحت مند" ضرور ہوں گے اور خوبصورت بھی۔ اسپیشلی میرے بچوں کی آنکھیں بہت خوبصو گی۔" انابیہ کی طرف اک نگاہِ خاص ڈالتے ہوئے وہ گویا تھا۔ انابیہ زمین میں گڑھ جانے کو باکی" کی حد تھی۔

عریشہ مسکرا دی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں ہوں گی۔ ان بچوں کی ماں کی آنکھیں جھیل سیف الملوک جیسی جو ہیں۔"

"ماں کیوں؟ تمہیں باپ کی آنکھیں کچھ کم خوبصورت لگتی ہیں؟" اپنی شان میں قصیدہ گ تھی۔ حد تھی خوش فہمی کی بھی۔

انابیہ متواتر اجنبی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ماحول اسے پھر بھی گھیر رہا تھا۔ مقابل ٹکی تھیں۔ وہ مکمل استحقاق سے اسے دیکھ رہا تھا اور اب تو گواہی کے طور پر اس کا ہاتھ بھی تھا گواہی طلب کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"انابیہ! بتاؤ انہیں ـــــ کیا میری آنکھیں کم خوبصورت ہیں۔ تم بتاؤ، تم کیا سوچتی ہو؟ کی آنکھیں تم جیسی ہونی چاہئیں، سرمئی، ہری، نیلی شربتی، یا پھر مجھ جیسی بھوری؟" ڈھٹائی ک بھرپور انداز میں مسکراتا ہوا اس سے جواب چاہ رہا تھا۔ انوشے، عریشہ مسکرا رہی تھیں اور وہ لمحے اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ ہی سکتی۔ یہ گزرتے لمحے، دن اسے دا رہے تھے جن کی وہ پہلے عادی نہیں رہی تھی۔ شاید اسی لئے سب کچھ جھیلنا بھی بہت دشوار ہو لمحے وہ اس شخص کو جواب دینا تو درکنار، اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

"بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرے بھائی کی آئیز زیادہ خوبصورت ہیں۔ شفاف، چمکا انوشے نے بھائی کی بھرپور طرف داری کی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔ انداز بھرپور فاتحانہ تھا۔

"دیکھا ـــــ آئی نیو اِٹ ـــــ جانتا تھا میں ـــــ دیکھو انابیہ! تم ہار گئیں۔" زو مسکراتے ہوئے گویا اس نے تیر اچھالا تھا۔ انابیہ ایک لمحے میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ایکسکیوز می، مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ کہہ کر بنا کسی کا ردعمل دیکھے وہاں سے نکل گئی بغور بہو کو دیکھا تھا۔ ان دونوں کے بیچ کا تناؤ ان کی نگاہ سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ عریشہ سے دیکھا تھا۔

"ناراض کر دیا نا بھابی کو؟"

"نہیں ـــــ وہ ناراض نہیں ہوتی۔ شی اِز ویری انڈر اسٹینڈنگ۔ وہ غالباً واقعی تھک کی غیر موجودگی میں بھرپور حمایت کی تھی اس کی۔ اور خود بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم لوگ سو جاؤ اب۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ گڈ نائٹ۔" عفنان چلتا ہوا کمرے ک تھا۔ اس کا اطمینان اس کی چال تک سے واضح تھا۔

* * *

رب دن بھر مائی کے ساتھ مصروف رہی تھی مگر جیسے ہی اسے وقت ملا تھا وہ مائی کے سونے کے بعد ف آ گئی تھی۔ فطری طور پر وہ متجسس نہیں تھی۔ مگر پھر بھی جو تھا، وہ اپنے اندر اسرار ضرور لئے ہوئے خاتون کچھ خاص تھی۔ سب سے بڑی بات، اب تک جو اس نے اس کے بارے میں قیاس کیا تھا وہ غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ سمجھی تھی وہ "وکٹم" ہے۔ جس کو یہاں اس حالت میں رکھ کر "وکٹمائز" بنایا جا رہا ر جس طرح وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قصیدہ گوئی کرتے ہوئے تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی ے قطعاً نہیں لگتا تھا کہ اسے یہاں پر کسی سے کوئی شکایت بھی ہے۔

ت تو حیرت کی تھی۔ جیسا اس نے سوچا تھا، ویسا نہیں تھا۔ دوسرا وہ اب تک نہیں جان پائی تھی کہ وہ ی اور یہاں اس حالت میں کیوں تھی؟ دو ملاقاتیں ہوئی تھیں اس کی، اس چہرے سے اور وہ اس کا نہیں جان پائی تھی۔ کچھ تو تھا۔ مائی اماں نے کبھی سرسری انداز میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کئی ان کے مابین ہوتی تھیں مگر کبھی اس بند کمرے کا ذکر نہیں آیا تھا۔ کبھی اس بند کمرے میں چھپے چہرے نہیں آیا تھا۔

کون تھی وہ؟

یرب سیال نے دروازہ کھول کر مسکراتے ہوئے اندر جھانکا تھا۔ وہ چہرہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ میرب پاس ان کے لئے تازہ پھول لائی تھی جو اسے تھمائے تھے۔

"تھینکس۔" وہ ایزی چیئر پر بیٹھی پھول تھامتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ میرب آگے بڑھ کر کھڑکی سے ے سرکانے لگی تھی۔ جب وہ بولی تھی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" پھولوں کو عجیب سے انداز میں دیکھتے ہوئے وہ بہت پھیکے سے انداز میں ئی تھی۔ اور پھر ان پھولوں کو ایک طرف رکھ دیا تھا۔ میرب نے کھڑکیاں کھولتے ہوئے اس کے اس کو چونکے بغیر دیکھا تھا۔

"آپ کو پھولوں سے لگاؤ نہیں؟" اس کے لہجے میں حیرت نہیں تھی۔

"نہیں۔" اس خاتون کا جواب قطعی تھا۔

"حیرت ہے۔" میرب نے چونکتے ہوئے مسکرا کر انہیں دیکھا تھا۔

"کس بات پر؟" وہ خاتون اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ غالباً ان دنوں وہ اپنا خیال رکھ رہی اس کی حالت پہلے سے بہت بہتر لگ رہی تھی۔ بہت فریش تو نہیں مگر وہ کچھ بہتر لگ رہی تھی۔

"محبت کی باتیں کرنے والا لہجہ پھولوں کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ ـــــ محبت کی گفتگو کرتی یہ میں پھولوں کو دیکھنا کیوں نہیں چاہتیں؟" وہ لوجیکلی اس نقطے پر پہنچتے ہوئے بولی تھی۔

خاتون مسکرا دی تھی۔ انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔ وہ جیسے اس کے سوال کا مفہوم بہت واضح انداز میں ا تھا۔

لفظ بولنا آسان ہے۔ مگر لفظ بھی ایک دن بجھ جاتے ہیں جیسے یہ آنکھیں بجھ جاتی ہیں۔ خوشبو کسی

شے میں باقی نہیں رہتی۔ یہ پھول بہت خوبصورت ہیں، جانتی ہوں میں ___ مانتی ہوں۔ مگر یہ ہمیش نہیں رہیں گے۔''

''مگر آپ تو کہہ رہی تھیں محبت ہمیشہ آباد رہتی ہیں۔'' میرب نے انہیں گھیرا تھا۔

''ہاں ___ رہتی ہے۔ مگر ان کھنڈروں میں کوئی صدا سننے نہیں آتا۔ تم نے کسی کو مرجھائے پھول اٹھاتے دیکھا ہے؟'' خاتون نے اپنی دانست میں اسے لاجواب کرنا چاہا تھا۔

میرب مسکرادی تھی۔

''مگر ایسا نہ ہونے سے پھولوں کی وقعت تو کم نہیں ہو جاتی۔ پھول تو پھر بھی پھول ہی رہتے پھول ہی کہلاتے ہیں۔'' میرب سیال جیسے اسے قائل کرنے پر مائل تھی۔ وہ خاتون خاموش ہو کر چ گئی تھی۔ میرب نے اسے مزید نہیں اکسایا تھا۔ قدرے توقف سے وہ خود ہی بولی تھی۔

''پھولوں کی تازگی اور خوشبو محبت کے اوائل کے موسموں جیسی ہے۔ مگر دونوں قائم رہنے والی نہیں ہیں۔'' اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا جیسے بہت سے زمانے بول رہے تھے۔

''یعنی آپ خیال کرتی ہیں، محبت مرجاتی ہے؟'' میرب رسانیت سے مسکرائی تھی۔

''نہیں ___ محبت نہیں مرتی، یہ لحہ لحہ مارتی ہے۔ مگر اس کے باوجود جینے پر اُکساتی ہے۔'' سر ہلاتے ہوئے وہ حتمی لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''آپ محبت کے متعلق اتنے وثوق سے کیسے بول سکتی ہیں؟'' میرب کے ہاتھ ایک ایسا پہلو آیا سے بہت سے دروازے کھل سکتے تھے۔ سو اس نے موقع جانے نہیں دیا تھا۔

وہ خاتون مسکرادی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے بجھی راکھ میں کئی چنگاریاں ہولے ہولے دہک رہی ہ

''میں نے محبت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ قدم قدم چلی ہوں میں اس کے ساتھ۔ کیسے وثو بات نہ کروں؟'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔ میرب نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ ایک ان آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ میرب نے اس چہرے کے درد کو جانے کیوں اپنے بہت اندر مح تھا۔ بہت آہستگی سے چلتی ہوئی وہ آگے بڑھی تھی اور اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنا نازک سا ہاتھ ہاتھ پر رکھ تھا۔ انداز بہت ہمدردانہ تھا۔

''کون ہیں آپ؟ ___ اس طرح یہاں کیوں ہیں؟''

وہ خاتون مسکرادی تھی۔ جیسے اس کی طرف سے اس سوال کی توقع پہلے سے کر رہی ہو۔

''تم نے یہ ایک سوال بہت دیر میں پوچھا۔'' اپنی حیرت واضح کی تھی۔ ''تمہیں یہ سوال غالباً پہلے پوچھ لینا چاہیئے تھا۔''

''کیا میں نے کچھ غلط پوچھا؟'' میرب نے نرمی سے دریافت کرتے ہوئے ان بجھی آنکھوں جھانکا تھا۔ اس خاتون نے کچھ ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا پھر بہت نرمی سے مسکراتے نفی میں ہلا دیا تھا۔

میرب نے مزید کچھ نہیں پوچھا تھا۔ غالباً وہ اسے خود کو کمپوز کرنے کا وقت دے رہی تھی۔

یہاں میرے پاس کیوں آئی ہو؟'' خاتون نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ں جاتی۔ مگر میں آپ کو اس کیفیت میں بھی نہیں دیکھ سکتی۔ یونیڈ ٹو سی آ ڈاکٹر ___ یونیڈ آ آپ چلیں یہاں سے۔ میں آپ کو اس قید سے نکالنا چاہتی ہوں۔''

اتون مسکرادی تھی۔

ر میں قید میں نہیں ہوں۔''

پھر؟'' میرب نے استفسار کرتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

پنی مرضی سے یہاں ہوں۔'' خاتون کے لہجے میں اطمینان تھا۔

یوں؟'' میرب کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔

ر سوال کا جواب نہیں ہوتا۔'' ایزی چیئر کی پشت سے سر ٹکا کر وہ اطمینان سے گویا تھی۔ میرب اس سی سے پُر لہجے پر حیران رہ گئی تھی۔

اس طرح ___ خود اپنے ساتھ آپ کیسے کر سکتی ہیں؟ ___ کون ہیں آپ؟ ___ گین کی خالہ، ___'' میرب کا سوال ادھورا رہ گیا تھا۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری کی بیوی ہوں میں۔'' وہ خاتون اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی تھی۔ میرب جیسے پتھر ہو گئی تھی۔

کیا؟'' اسے لگا تھا جیسے اس نے سننے میں کچھ غلطی کر دی تھی۔

گین کی بیوی ہوں میں۔'' وہ خاتون باور کراتی ہوئی کہہ رہی تھی اور میرب کو لگا تھا جیسے اس کی ں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو!

رب کے اندر نہ بولنے کی سکت باقی تھی، نہ ہی اسے جھٹلانے کی یا کوئی سوال کرنے کی۔ وہ صرف ئے پھٹی آنکھوں کے ساتھ اس چہرے کو دیکھ رہی تھی جو اس لمحے پُر اعتمادی سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں ___ گین کی بیوی ہوں میں۔ میں جانتی ہوں تمہارے لئے یہ شاک کا باعث ہو گا۔ لیکن ___ شاید گین نے تمہیں اس بارے میں کچھ نہ بتایا ہو۔ یوں بھی جو رشتہ اپنے اصل خواص کے ئم نہ ہو، اس کی حیثیت یوں بھی کالعدم ہو جاتی ہے۔ رشتے صرف بنانے کے لئے نہیں ہوتے، نے کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ ہم نے یہ رشتہ ایک دوسرے سے کبھی نہیں نبھایا۔ ہم میں رف نام کا تھا۔ اس کے سوا اس کی کچھ حقیقت باقی نہیں۔''

فولاد کی طرح میرب سیال کے سینے میں کھب رہے تھے۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ وہ سننا ہتی تھی مزید ایک لفظ بھی ___

ں میں سکت نہیں تھی۔ حوصلہ بھی باقی نہیں تھا۔ مگر وہ اتنی بے بس تھی کہ وہاں سے ہل بھی نہ سکی تھی۔ جیسے پتھر کا ہو چکا تھا۔ خاتون نے اپنے نحیف چہرے سے اسے کسی قدر پُر افسوس انداز سے ہوئے اس کا ہاتھ آہستگی سے تھاما تھا جو یخ سرد ہو رہا تھا۔

اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کی اندرونی حالت کا اندازہ بخوبی تھا۔ مگر وہ کوئی چارہ گری کرنے

کے لئے جیسے خود کو مکمل طور پر بے بس پا رہی تھی۔

"میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آئی ایم سوری، اگر میری وجہ سے تم دا ہوئی ہو تو۔" کمزور آواز دب گئی تھی۔ پژمردہ لہجہ کھو گیا تھا۔ میرب کی ساکت آنکھوں سے نمکین چند قطرے بڑی خاموشی سے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

وہ رو رہی تھی، اس شخص کے لئے جس نے سوائے دکھ کے، تکلیف کے اسے کچھ نہیں دیا تو کے لئے افسوس کر رہی تھی جو اس کا سرے سے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ اس کے لئے سوگ منا رہی باوفا تھا ہی نہیں۔

"میں تمہارے بارے میں جانتی تھی۔ میں خوش تھی، تم گین کی زندگی میں ہو۔ مجھے تم نہیں، مجھے گین سے بھی کوئی شکوہ نہیں۔ ہم ایک دوسرے سے کوئی شکوہ کر ہی نہیں سکتے۔ قصور ہے۔" وہ خاتون اس کی سمت دیکھتی ہوئی مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ کمرے میں اِک ہو کا صرف وہ کمزور آواز اس ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ صرف اس ماحول میں ہی نہیں، یہ کے اندر بھی۔

"قصور ہم دونوں کا نہیں ہے، ہماری روایتوں کا ہے ـــــ ہم روایتوں کے ڈسے ہوئے ہے روایتیں برتنے کے لئے ہوتی ہیں۔ مگر یہاں ہمیں ہماری روایتوں نے برتا ہے۔" وہ مجرمانہ انداز میں یوں گویا تھی جیسے میرب کے تمام دکھ کا بھرپور ازالہ کرنا چاہتی ہو مگر کر نہ پا رہی ہو میرب اب بھی اسی طرح پتھر بنی، ساکت وہ جامد کھڑی تھی۔

◆

عفنان کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اور رخ پھیرے کھڑی انابیہ کی ساری حسین لمحے کے ہزارویں میں بیدار ہوئی تھیں۔ مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔ دھڑکنوں میں اچانک اٹھ آنے والا ارتعاش اتنا سنگین تھا کہ وہ پانے کی کوشش میں خود کو بالکل بے بس پا رہی تھی۔

عفنان قدم آگے بڑھاتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ وہ تب بھی نہیں پلٹی تھی۔ شاید وہ اس وقت اس میں تھی جہاں وہ "کبوتر" بن کر آنکھیں سختی سے میچ لینا چاہتی تھی۔ مگر ایسا ہونے سے یقیناً خطرہ ٹل نہیں تھا۔ سو اس نے کوئی بے وقوفی بھی تاحال نہیں کی تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے شولڈر پر رکھا تھا اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

انابیہ کے اندر جیسے کئی قیامتوں نے ایک ساتھ سر اٹھایا تھا۔

"کوئی نہیں ہے۔" بہت خوفزدہ سے لہجے میں اس نے وضاحت دی تھی جسے عفنان علی خان یکسر نہیں جھا تھا۔

"کہاں؟" استفہامیہ انداز انابیہ کو اور بھی مشکل میں ڈال گیا تھا۔ انابیہ نے پانیوں سے بھری آنکھوں ساتھ بہت بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ عفنان کو اس لمحے اس پر جیسے ترس سا آ گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر لی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ انداز بھرپور ہمدردی لئے ہوئے تھا۔ مگر وہ ان نوازشوں کے زیر خود کو ت ناتواں سا محسوس کر رہی تھی جھکے ہوئے انداز میں آنکھیں میچی تھیں تو ساری نمی رخساروں پر آ گئی تھی۔

"کہیں کوئی نہیں ہے۔" مدھم لہجے میں ایک بار پھر وضاحت دی تھی۔ عفنان علی خان کے دل پر کئی اِتوں نے ایک ساتھ پڑاؤ ڈالا تھا۔ وہ اپنی دانست میں اس سے بچنے کی سعی کر رہی تھی۔ مگر دوسری رف صورت حال اتنی ہی مشکل ہو رہی تھی کہ کوئی بچنا چاہتا بھی تو نہ بچ سکتا تھا۔ عفنان علی خان نے اسے نازوں سے تھام کر بھرپور استحقاق جتاتے ہوئے اسے خود سے کچھ قریب کیا تھا۔

"میں ضبط باندھنے کے سارے جتن کر کے تھک جاتا ہوں انابیہ! ـــــ تم ایک پل میں سب کچھ یزہ ریزہ کیسے کر دیتی ہو؟" اپنے سامنے موجود چہرے کو دیکھتے ہوئے بھرپور شکوہ کیا تھا۔ انابیہ جیسے اس لمحے ے بھرپور طور بچنا چاہتی تھی۔ وہ واقعی "کبوتر" بن گئی تھی۔ اور آنکھیں نہیں کھول رہی تھی۔

"کہیں کوئی نہیں ہے۔" ایک ہی جملہ دہراتے ہوئے وہ اس لمحے بہت بے بس لگی تھی۔ وہ اس لمحے اضح انداز میں کانپ رہی تھی۔

"تمہارے قریب آنے کی سعی کرنا نہیں چاہتا۔ مگر تم بے بس کر دیتی ہو۔ یہ تمہارا کمزور کانپتا وجود، مجھے

لگتا ہے جیسے یہ کہہ رہا ہو، تھام لو مجھے، پناہ میں لے لو اپنی، میری نظریں دیکھنا بھی نہیں چاہتی تمہیں تم ـــــ تم اپنی گرفت سے نکلنے ہی نہیں دیتیں۔" بے بسی سے چور مدھم لہجے میں وہ اپنی کیفیت بیا رہا تھا۔

"کہیں کوئی نہیں ہے ـــــ سچ کہہ رہی ہوں میں۔" وہ جیسے ان پناہوں سے دور بھاگ جانا چا تھی۔ سارے حصار توڑ دینا چاہتی تھی۔

"جب کوئی نہیں ہے تو پھر کیوں دور بھاگتی ہو تم مجھ سے؟ ـــــ کیوں ان فاصلوں کو ختم نہیں ہو دیتیں؟ ـــــ دن رات کیوں بڑھاتی جا رہی ہو ان دائروں کو اپنے اور میرے بیچ؟" آنکھیں سختی میچے، اس بھیگتے چہرے کو اوپر اٹھا کر دیکھا تھا۔ مگر وہ سر نفی میں ہلنے لگا تھا۔

"کوئی نہیں ہے ـــــ کوئی نہیں ہے۔" وہ یکدم چیخی تھی اور اپنے گرد کا وہ حصار توڑ کر باہر نکل تھی۔

"جب کوئی نہیں ہے تو کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟ ـــــ کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟" وہ بھی چیخا مگر انابیہ بھیگی آنکھوں سے خاموشی سے اسے دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ عفنان کو جیسے اپنی غلطی احساس ہوا تھا۔ بہت الجھے ہوئے انداز میں اس کی طرف پیش قدمی کی تھی اور اسے شانوں سے تھام بغور دیکھا تھا۔

"محبت دل، نظر سب کچھ پڑھ سکتی ہے انابیہ! ـــــ مجھے غیب کے ان رازوں کو جاننے سے کچھ شغ نہیں ہے۔ سو کچھ باور کرانے کی کوشش مت کرو تم۔"

انابیہ نے اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے ایک لمحے میں ہٹائے تھے۔

"تم اتنا کمزور کیوں سمجھ رہے ہو مجھے؟"

"میں تمہیں کمزور سمجھ رہا ہوں نہ ہی تمہاری کسی کمزوری سے کوئی فائدہ اٹھانے کا میرا ارادہ ہے۔ بات تم سمجھنا نہیں چاہتی ہو صرف وہ سمجھانے کی کوشش [illegible] ہوں۔ مگر میں جانتا ہوں، یہ سود مند نہیں گی۔ کوشش رائیگاں جانے کا افسوس مجھے پھر رہے گا۔" [illegible] لہجے میں جتایا تھا۔

"تو کس نے کہا ہے اپنا وقت ضائع کرو مجھ پر ـــــ جب اپنا آپ مجھ سے الگ کرنے کی ٹھان ہے تو پھر الگ کر بھی کیوں نہیں لیتے؟ ـــــ شادی کرنا چاہتے ہو، یہی کہا تھا نا تم نے ـــــ پھر کیا تمہارا وہ فیصلہ؟ ہمت نہیں ہے نا تم میں؟" وہ اس لمحے سخت لہجے میں بولتی ہوئی ہمیشہ سے مختلف انابیہ تھی۔ مگر عفنان علی خان کو اس کے اس انداز پر غصہ نہیں آیا تھا، نہ ہی کسی قسم کا کوئی طیش۔ بہت اطمینا سے وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ اور قریب آن رکا تھا۔

انابیہ اس کی جانب نہیں تھی۔ چہرہ موڑے کھڑی تھی۔ عفنان علی خان نے بنا اس کے غصے کی پروا اس کا چہرہ اپنی سمت موڑا تھا اور بغور دیکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولا تھا۔

"بس یہی ـــــ بس یہی انداز میں تمہارا دیکھنا چاہتا تھا۔"

انابیہ شاہ نے اسے بے طرح چونک کر استعجابیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"مجھے حیرت نہیں ہوئی ـــــ حیرت تب ہوتی جب تم ایسا ری ایکٹ نہیں کرتیں۔" اس کی آنکھوں دیکھا ہوا وہ کہہ رہا تھا اور انابیہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں اس کی کوئی بات نہیں آ ھی۔

* * *

"تمہارے لئے شاید یہ واقعی بہت بڑا راز ہے جس سے آج پردہ ہٹا تھا۔ مگر میں اسے راز نہیں کہوں راز تو یہ تب ہوتا جب تمہیں اس کے بارے میں اس گھر کے باہر کے کسی فرد سے بھنک پڑتی۔ یہ ایک غیر اہم قصہ یا غیر ضروری بات تھی جسے تمہیں بتانا ضروری اس لئے خیال نہیں کیا گیا کہ ایسا ری نہیں تھا۔"

میرب سیال سر جھکائے کھڑی تھی۔ جب اس خاتون کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس بت وجود میں ایک لمحے کو حرکت ہوئی تھی اور اس نحیف و کمزور نظر آنے والے چہرے کو اس نے کچھ حیرت دیکھا تھا۔

"غیر اہم؟ ـــــ غیر ضروری؟"

وہ خاتون اس قصے کو غیر ضروری کہہ رہی تھی۔ وہ بات جس نے اس کی ذات میں ایک بھونچال اٹھا دیا وہ بات اتنی غیر اہم تھی؟

"میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔" خاتون اس کی حالت کا اندازہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت ہے؟" وہ اس لمحے چیخنا چاہتی تھی مگر آواز حلق اندر ہی کہیں دم توڑ گئی تھی۔ خاتون کچھ ثانیوں تک کچھ نہیں بولی تھی۔ میرب سیال نے اس کا بھرپور زہ لیا تھا۔

وہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھی۔ اس کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا، عمر میں وہ گین سے بڑی ضرور تھی صاف لگ رہا تھا اس کی تربیت میں کہیں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ ایک آزاد سوچ کی جھلک واضح وس ہو رہی تھی۔ وہ چہرہ اب بھی روشن تھا۔ اس بیماری کے باوجود آنکھوں میں چمک اب بھی باقی تھی۔

ے وقوع پذیر ہوا ہو گا یہ رشتہ؟ ـــــ گین نے کیا اسے بھی رد کر دیا ہو گا؟

"سچ پوچھو ـــــ میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے ہی ماں کو منع کیا تھا ہ وہ تمہیں میرے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔"

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟ ـــــ آپ تو مجھے جانتی بھی نہیں تھیں۔ پھر یہ مہربانی کیسے ہو گئی؟" سرد دل میں یہ پہلا سوال تھا جو اس نے دریافت کیا تھا۔ وہ خاتون مسکرا دی تھی۔

"تم مجھے نہیں جانتی تھیں۔ مگر میں جانتی ہوں۔ مجھے تمہارے بارے میں پتہ تھا۔ مجھے اندازہ تھا تم کی ہی ہو گی۔" میرب سیال کے لئے اپنا ذکر اس کے منہ سے سننا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا ـــــ سب کچھ بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ کیا کہتی کہ کیا خواب دیکھے تھے اس نے۔ اور یہ کہ وہ کیسے چکنا چور ہو گئے!

کیا کہتی کہ ایک لمحے میں اسے سب بے معنی لگا تھا۔ سب کچھ۔

وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رکی تھی۔ گھٹن اس کمرے میں ہی نہیں، اس کے ا تھی۔ اس نے شیشے ہٹا دیئے تھے۔ باہر کا موسم یکسر مختلف تھا۔ یا پھر اس کے اندر جیسا ـــــ وہ پائی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے نے اسے سانس لینے میں مدد دی تھی۔ اس کے سینے کی گھٹن کو کچھ راس باہر بارش ہو رہی تھی۔

کتنی چپ چاپ تھی یہ بارش!

اسے خبر تک نہیں ہوئی تھی۔

’’تمہیں بہت دکھ ہو رہا ہے نا؟‘‘ میرب سیال چپ چاپ کھڑی باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ خاتون اس کی پشت کو دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

’’پتہ نہیں۔‘‘ میرب سیال کا انداز، لہجہ سرد تھا۔

خاتون کو کچھ افسوس ہوا تھا۔ مگر فوری طور پر وہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

’’بارش اتنی چپ چاپ ہو رہی تھی کہ اندازہ نہیں ہوا ـــــ سب کچھ خاموشی میں کتنا چپ چا بھیگ رہا تھا۔‘‘ میرب سیال باہر کے منظر کو دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ انداز، لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

’’مگر مجھے اندازہ ہے۔‘‘ خاتون نے مدھم لہجے میں جیسے قبول کیا تھا اور مجرمانہ انداز میں ا ہوئی بولی تھی۔

’’مجھے افسوس ہے، میرے باعث تمہیں تکلیف پہنچی۔ مگر میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں۔‘‘

’’میرا دکھ؟‘‘ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی تھی۔ ’’میرا نہیں خیال کہ میرا دکھ اتنا بڑا ہے جتنا کہ آ گلٹی تو مجھے ہونا چاہئے۔ دکھ تو میں نے آپ کو دیا ہے۔ گین کی دوسری بیوی ہوں نا میں۔ آپ کا تو حق چھینا ہے میں نے۔‘‘ طنز عجیب نہیں تھا۔ مگر وہ خاتون بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔

’’میرا نام نہیں پوچھو گی؟‘‘

’’کیا کروں گی جان کر؟‘‘ بے تاثر انداز میں وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔

’’تمہارے لئے اتنی غیر اہم ہوں میں؟‘‘ وہ خاتون دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

میرب سیال نے پلٹ کر اسے بغور دیکھا تھا۔

ایزی چیئر پر بیٹھا وہ نحیف وجود ـــــ وجود نہ تھا ـــــ ایک کہانی تھا۔ یہ بند کمرہ، اس کی گھٹن معنی تو نہ تھی۔ اس کا یوں قیدِ تنہائی میں عمر کاٹنا ـــــ خون تھوکنا ـــــ بے معنی تو نہ تھا۔

تو کیا وہ میرب سیال سے بھی زیادہ بے بس تھی؟

’’ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟‘‘ وہ چہرہ اس کے دیکھنے پر مسکرایا تھا۔

’’کچھ نہیں۔‘‘ میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔ ’’آپ یہاں کیوں ہیں؟‘‘

’’تمہیں عجب تو نہیں لگے گا اگر کہوں کہ سزا کاٹ رہی ہوں؟‘‘

’’کیا اس سزا کا تعلق گین سے ہے؟‘‘ دل پر پتھر رکھ کر وہ نام لیا تھا۔

’’میرا تعلق تو گین سے بھی نہیں ہے۔‘‘ وہ اس کے سوالوں کے جواب جانے کیوں اتنی غیر سنجیدگی سے رہی تھی۔

’’آپ......‘‘ میرب کچھ بولنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں بول سکی تھی۔

’’رومیصا ـــــ رومیصا لغاری کہہ کر پکارنا چاہو تو پکار سکتی ہو۔‘‘ وہ مسکرائی تھی۔ ’’کتنی عجیب بات ہے ـــ جو رشتہ ہم دونوں میں ہے اسے لے کر ہمیں ایک دوسرے سے نفرت کرنی چاہئے۔ مگر ہم ایک کے نیچے کتنے ضبط سے پُرسکون کیفیت میں ایک دوسرے کو جھیل رہے ہیں۔ چپ چاپ بارش شاید ی ہوتی ہے۔‘‘

میرب سیال نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

’’خاتون کھانسنے لگی تھی۔ تبھی وہ اس کی سمت پلٹی تھی۔ ٹیبل سے جگ اٹھایا تھا اور پانی گلاس میں ل کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ رومیصا لغاری نے دو چار سپ لئے تھے اور گہرے گہرے سانس لیتی اسے دیکھنے لگی تھی۔

’’ڈاکٹر کو فون کروں؟‘‘ کہنے کے ساتھ ہی اس نے سیل پر نمبر ملانا چاہا تھا مگر رومیصا لغاری نے اس کا تھام لیا تھا۔

’’اس رات کی سرگوشیاں کہہ رہی ہیں میرب سیال! اسے یونہی گزر جانے دو۔ کوئی تردد مت کرو۔‘‘

’’آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ ـــــ خود اپنے ساتھ؟‘‘

’’کہا تو تھا ـــــ سزا کاٹ رہی ہوں۔‘‘

’’محبت کرتی تھیں آپ گین سے؟‘‘ ایک الجھن کے ساتھ دریافت کیا تھا۔

’’خاتون مسکرا دی تھی۔ جیسے اس کا سوال بہت ہی غیر اہم اور بچگانہ ہو۔

’’تمہیں کیا لگتا ہے؟‘‘

’’مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے ـــــ میں یہاں پہیلیاں بوجھنے یوں بھی نہیں آئی تھی۔ گین آپ سے بت کرے یا آپ گین سے ـــــ کیا فرق پڑتا ہے۔‘‘ اس کا بجھا بجھا سا لاتعلق لہجہ رومیصا لغاری کو کرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

’’ون تھنگ دی موسٹ ہرٹ ـــــ یو نو وہاٹ؟‘‘ رومیصا نے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال نے صرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

’’اونلی لو ـــــ‘‘ رومیصا لغاری کا جواب بہت مختصر مگر بامعنی تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر رومیصا لغاری کہہ رہی تھی۔

’’دنیا میں صرف محبت ہی ایسا کر سکتی ہے۔ یہ سچ ہے، محبت دل جوڑتی ہے۔ مگر یہ اس سے بھی بڑا سچ ہے کہ محبت دل توڑتی بھی ہے۔ نفرت سے لوگ بلاوجہ خائف نظر آتے ہیں۔ نفرت کبھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ تی۔ کمزور صرف محبت کرتی ہے۔‘‘ اس کے الجھے الجھے جملے سمجھنے کی سکت میرب سیال کے اندر نہ تھی۔ مگر شاید وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔ اندر ایک دھواں سا جو پھیلا تھا وہ بے معنی تو نہ تھا۔ یہ گھٹن کس شے کا

باعث تھی۔

''تو آپ کو گین سے محبت تھی۔ اور گین نے آپ کو چھوڑ دیا۔''

''گین مجھے چھوڑتا تو تب جب وہ مجھے اپناتا ——— اس نے مجھے کبھی اپنایا ہی نہیں تو پھر چھوڑ بات درمیان میں کیسے آسکتی ہے؟'' وہ خاتون جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہی تھی۔ میرب سیال بجھے بجھے سے چہرے کو دیکھا تھا۔ اگر آج وہ اس حالت میں نہ ہوتی تو پُرکشش ترین عورت کہی جا عمر میں وہ گین سے بڑی ضرور تھی مگر......!

''میں گین سے عمر میں بڑی ہوں ——— قریباً پندرہ برس ——— ہماری شادی بے جوڑ تھی۔ سے ہمارا کوئی جوڑ تھا ہی نہیں ——— میرے بابا گین کے بابا کے بڑے بھائی تھے۔ اصولاً دستار بڑے بھائی کی نسل کو منتقل ہوتی ہے۔ مگر لڑکی ہونے کے باعث ایسا ممکن نہیں تھا۔ گین بہت منتوں م کے بعد اس گھر میں آیا تھا۔ خاندان بھر میں مہینوں جشن منائے گئے ——— وہ مجھے بھی بہت عزیز اس کی پیدائش پر میں نے قطعاً نہیں سوچا تھا کہ میرا اس سے کوئی ایسا رشتہ بندھ جائے گا۔ میں نے اپنی ان بازوؤں میں کھلایا تھا۔ چاچی کی گود میں اسے رہنے ہی نہیں دیتی تھی۔ وہ میرے کمرے جاتا تھا۔ میرے ساتھ۔ میں اس کا جھولا بھی اپنے کمرے میں اٹھا لائی تھی۔ میں اس سے بہت محبت تھی۔'' رومیصا لغاری ان دنوں کو اپنے اندر بھاگتا دوڑتا محسوس کر رہی تھی۔

میرب سیال کی سانسوں کی رفتار بہت مدھم ہو رہی تھی۔ کیسا اسرار تھا اس رات میں ——— ج رات کوئی راز، راز نہیں رہنا تھا۔

''تم نے ٹھیک کہا ——— میں گین سے محبت کرتی ہوں۔'' رومیصا لغاری اس سچائی کو بہت دلیر ساتھ قبول کر رہی تھی۔ اور میرب سیال چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

کیسا رشتہ تھا یہ؟

کیسا احساس تھا؟

''تیسری سمت'' سے چل کر آنے والی ہوائیں تک اس کج رو کے احساس سے لبریز دکھائی دیتی ایک استحقاق لہجے میں بولتا دکھائی دیتا تھا۔ پہلے گی اور اب رومیصا لغاری ———

کس کس کا تھا وہ؟ ——— کس کس کے ساتھ اسے مزید بانٹنا باقی تھا ابھی؟ ——— اگر وہ اس کا اتنا یقین، اتنا اعتماد اس کے لہجے میں کیوں نہ تھا؟ ——— وہ اتنی چپ چاپ کیوں کھڑی تھی؟

''ہاں، گین سے کرتی ہوں میں محبت۔'' رومیصا لغاری کی آواز اس کو جھنجھوڑنے لگی تھی۔

''ہزار حصوں میں بٹا ہوا وہ شخص میرا ابھی نہیں ہو سکتا۔'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بڑبڑائی تھی۔ رومیصا لغاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ غالباً وہ اسے بغور سن نہیں پائی تھی۔

''کچھ کہا تم نے؟''

میرب سیال نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

* * *

''لگتا ہے وقت بالکل بھی نہیں ہوتا تمہارے پاس۔ کل سارا دن تمہارا سیل بجتا رہا۔ مگر تم نے کال پک کی۔'' گی نے فون پر شکوہ کیا تھا اور وہ کرٹسی والا بندہ اس لمحے شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سو سوری گی! بینگ بزی وِد ورک ——— سیل بھی سائلنٹ پر تھا ——— دھیان نہیں رہا۔ تم یسی ہو؟ ——— اینی پرابلم؟''

''مجھے جب کوئی پرابلم ہو، کیا تبھی تمہیں فون کر سکتی ہوں؟ ایک تو تم مجھے اپنے اتنے بڑے کیسل میں ھوڑ گئے ہو۔ آئی ریئلی ڈونٹ نو کہ تمہاری وائف یہاں اپنا وقت کیسے گزارتی تھی۔ مگر مجھے دیواروں باتیں کرنا بالکل بھی نہیں آتا۔'' گی مسکراتے ہوئے بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری گی! ——— ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں یا مائی اماں میں سے کوئی وہاں ہوتا اور تمہارا رخیال رکھتا۔''

''میرا ارادہ ایسا نہیں تھا۔ تمہارا گھر اب اتنا بھی برا نہیں ہے۔ ہاں، بہت بڑا ضرور ہے۔ بندہ اگر گم ئے تو کوئی دنوں تک اسے ڈھونڈ نہیں سکے گا۔''

''ایسا ہی کچھ میرب بھی کہتی تھی۔'' وہ غیر دانستہ روانی سے بولا تھا۔ پھر جیسے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تھا تو بات بدلتے ہوئے بولا تھا۔

''تم اپنا ریگولر چیک اپ لے رہی ہو نا گی؟''

''تمہیں مشکل کیا لگتا ہے گین؟'' گی نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری کو اندازہ تھا وہ کس ضمن میں کہہ رہی ہے۔ شاید اسی لئے وہ مسکرا دیا تھا۔

''تھنگ ——— تھنگ اِز امپاسبل اِن دِس ورلڈ ——— سب کچھ ممکن ہے یہاں۔'' انداز بے فکری تھا۔

''ممکن ہے تو پھر خود ہی ناممکن کیوں بنا رہے ہو؟''

''کیا ناممکن بنا رہا ہوں میں؟ ——— اب تک تو سب کچھ میرے اختیار میں ہے۔ ہر ایک شے۔''

''میں ہر ایک شے کی بات نہیں کر رہی گین!'' تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

''تو پھر؟'' گین قصداً چونکا تھا۔

''میں اس قصے کو دہرا رہی ہوں گین! جس سے تم دانستہ بھاگ رہے ہو۔''

وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں بھاگ رہا ہوں؟''

''ہاں ——— مگر تم یہ نہیں دیکھ رہے کہ محبت تمہارے پیچھے بھاگ رہی ہے۔'' جانے وہ کیوں جتانا ہی اسے۔ بظاہر اس بات میں کہیں کوئی مزاح کا پہلو نہیں نکلتا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری دل کر ہنسا تھا۔

''میرا مذاق بنا لو گین! ——— جتنا تمہارا دل چاہے۔ مگر تم مجھے جھٹلا نہیں پاؤ گے۔ تمہیں یہی لگتا ہے نا، ہت بے وقوفی کی باتیں کرتی ہوں؟''

''نہیں ـــــ تم اس دنیا میں غالباً محبت کی سب سے بڑی پیروکار ہو۔ مگر افسوس ہماری زم رسم کے لئے کچھ خاص جگہ نہیں ہے۔ تم وینس پر واپس کیوں نہیں چلی جاتیں؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''وینس پر؟'' وہ چونکی تھی۔

''محبت کا پلیٹ تو وینس ہی ہے۔'' محظوظ ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''گین! ـــــ تم سامنے ہوتے تو بتاتی۔'' وہ جل کر بولی تھی۔

''کیا؟ ـــــ یہی کہ محبت مجھ سے کتنے فٹ کے فاصلے سے دوڑتی ہوئی پیچھا کر رہی ہے؟' سنجیدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''گین!'' وہ تنبیہہ کرتی ہوئی بولی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم ناٹ کڈنگ ـــــ تم نے میرا دن بنا دیا ہے گی! ـــــ ساری تھکن اڑنچھو ہوگ اب خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں میں۔''

''تمہیں میری باتیں فضول لگتی ہیں، ہاں؟'' گی برا مانتی ہوئی افسردہ لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں ـــــ تم دنیا میں واحد ایسی دوست ہو جس کی باتوں سے میں سب سے زیادہ مح ہوں۔ ویسے تمہاری باتیں سن کر مجھے ایک شعر یاد آ گیا ہے۔ پتہ نہیں تمہاری سمجھ میں آئے گا یا نہیں

''جب تم جیسے مشکل بندے کو میں سمجھ سکتی ہوں تو تمہاری ہر بات بھی سمجھ سکتی ہوں۔ تم بتاؤ، ک بات؟''

''بات نہیں ہے، چھوٹا سا شعر ہے۔ میرے تایا سنایا کرتے تھے۔ بات کچھ یوں ہے۔

کوئی تعویذ ہو ردِ بلا کا
محبت میرے پیچھے پڑ گئی ہے

اس کا مطلب ہے گی! ـــــ کوئی جادو ٹونا ایسا نہیں جو محبت کے پیچھے پڑنے کا علاج کر سکے۔ انگریزی میں اسے سمجھاتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''تو تم نے مان لیا گین! ـــــ اس بات کا کوئی حل نہیں۔''

''ہاں ـــــ مانتا ہوں ـــــ مگر میں اب بھی محبت سے کئی فٹ کے فاصلے پر دوڑ رہا ہوں۔ تھا۔ انداز اب بھی غیر سنجیدہ تھا۔

''تم مانو گے گین! ایک دن ضرور مانو گے۔ اور میں دعا کرتی ہوں تب تک وقت، حالات تمہاری گرفت میں ہوں۔'' گی ژیانگ نے اسے دعا دی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ گیا تھا۔

''تمہارے معاملے کا کیا ہوا گی؟ ـــــ بات بنی یا نہیں؟'' اس کی بابت دریافت کیا تھا۔

''نہیں ـــــ اب تک تو نہیں۔ محبت تلاشنا آسان تو نہیں گین!'' وہ عجب یاسیت سے مسکرا پہلے پیچھے پیچھے سرپٹ دوڑتی ہے۔ اور پھر جب پکڑ لیتی ہے تو اچانک ہی ہاتھ چھڑا کر آگے آ شروع کر دیتی ہے۔ مگر اسکا اپنے پیچھے دوڑانے کا عمل بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔''

''اسے ڈھونڈو گی ژیانگ! اس شخص کا ملنا ضروری ہے۔'' گین سنجیدگی سے بولا تھا۔

،جانتی ہوں ـــــ تم کب آ رہے ہو؟''

جلد ـــــ کوشش کر رہا ہوں سارا کام جلد نمٹا لوں۔ پتہ نہیں کیوں ـــــ مگر اب کے دل

ا۔'' مدھم لہجے میں برملا کہا تھا۔

کوس کر رہے ہو؟'' گی چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔

ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔ وہ جیسے کسی ان کے درپے تھا۔

دے، سی یو ـــــ جلد ملتے ہیں۔'' بروقت اس نے خود کو سنبھالا تھا اور سلسلہ منقطع کر دینا چاہا فوری طور پر بولی تھی۔

ے لئے کیا لاؤ گے گین؟''

رے لئے؟ ـــــ کیا لاؤں؟ تم بتا دو۔'' صورت حال کو جیسے آسان کرنا چاہا تھا۔

چھوڑو ـــــ جس کے لئے لانا ہے، لے آؤ۔ شاید اسے بھی کسی ایسی ہی بات کا انتظار ہو۔'' وہ ی پر تھی۔ گین مسکرا دیا تھا۔

ے گی ژیانگ!'' ایک غیر اہم قصہ جانتے ہوئے اس نے سننا گوارا نہیں کیا تھا۔ گی ژیانگ فون لئے اس شخص کے متعلق سوچنے لگی تھی۔

ں ایسا کر رہے ہو تم گین؟ ـــــ کیسے بتاؤں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنی جیسی کبھی صورت دیکھنا نہیں چاہوں گی۔ مگر میں تمہیں سمجھا بھی تو نہیں پا رہی۔' ایک تھکن سے وہ چلتی ہوئی اپنے ں آ گئی تھی۔

* * *

ت کچھ ایسا دقیق معاملہ بھی نہیں ہے کہ سمجھ نہ آ سکے۔ بہت آسان ہے یہ ـــــ بڑے آرام سے جاتی ہے اس کی زبان۔ مشکل ہے نا اس کے اسرار و بھید ـــــ مگر بات صرف ماننے کی ہے۔'' ری مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ میرب سیال نے کھڑکی سے باہر خاموشی سے دیکھا تھا۔

ں رک گئی ہے۔ شاید وقتی طور پر۔ موسم کی گھٹن بتا رہی ہے، یہ غبار دبا نہیں رہے گا۔'' وہ محض موسم لما کر رہی تھی۔

مالغاری مسکرا دی تھی۔

ں برس جائے، یہی اچھا ہوتا ہے۔ ورنہ بادلوں کے وجود بھی سرد پڑ جاتے ہیں۔ اولے جب تو اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔'' وہ غالباً اس کمرے کی کثافت کو کم کرنا چاہتی رب چہرے کا رخ پھیرے چپ چاپ کھڑی رہی تھی۔

ب سیال نے نگاہ اٹھا کر سیاہ بادلوں کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر آنکھیں یک دم ہی پانیوں سے اٹی ر رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔ وہ اپنی کیفیت پر خود آپ حیران تھی۔ اتنا بے بس، اتنا کمزور و ناتواں خود کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

’’محبت کرنے لگی ہونا مجھ سے؟‘‘ ایک مانوس لہجہ اس کے اردگرد گونجا تھا۔ اطراف کا شور بڑھ

’’محبت ہوگئی ہے نا تمہیں؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اس لمحے بھی اتنا ہی تروتازہ تھا

بے خبر یل کی کتھا اس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ اسے زچ کررہی تھی۔

’’جھوٹا ہے وہ شخص ـــــ ایک دم جھوٹا ـــــ ‘‘ وہ عجب بے بسی سے بڑبڑائی تھی۔

رومیصا لغاری نے اس کی کیفیت کو بغور جانچا تھا۔

’’مجھے خاموشی سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ خاموشی ہوتی ہے تو میرے اندر کی یخ بستگی اور بھی بڑھ

میں نے گین کو بھی بتایا تھا، وہی یہ میوزک سسٹم میرے کمرے میں چھوڑ گیا۔ کہہ رہا تھا دل بہل

بے وقوف ہے، نہیں جانتا، دل سنبھلے تو بہلے نا ـــــ اتنا ناسمجھ ہے کہ سمجھتا ہی نہیں۔‘‘ رومیصا لغا

عجب اک بے خودی کے زیر تھا۔ مگر اس کی آنکھیں ویرانیوں کے باوجود بے رنگ نہ تھیں۔ کیسی تم

کیا محبت ایسی ہی ہوتی ہے؟ ـــــ اپنے رنگ میں رنگنے والی!

سارے زمانے اپنے کرنے والی؟

میرب سیال بنا اپنی آنکھوں کو پونچھے، بنا بھیگتے رخساروں کو صاف کیے رومیصا لغاری کی

رہی تھی۔ وہ یہاں کیوں تھی، کس لئے تھی ـــــ شاید وہ خود نہیں جانتی تھی۔ اتنا کچھ جان لینے

اور کیا جاننا باقی تھا۔ سوچا تھا۔ مگر اپنا سارا وجود پتھر کا پایا تھا۔

’’سنگ دل ہے وہ ـــــ بے رحم ـــــ صرف دل توڑنا جانتا ہے یا پھر دلوں سے کھیل

آپ کا دل بھی توڑ دیا ہوگا۔‘‘ اپنے دکھ کو بھول کر وہ اس لمحے خیر خواہی پر مائل تھی۔ رومیصا لغار

پہلے چونک کر دیکھا تھا، پھر بات سمجھتے ہوئے جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

’’مجھے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے کوئی گلہ نہیں ہے ـــــ میں اس کے بارے م

سوچتی۔‘‘ رومیصا لغاری اسے حد درجہ رعایت دینے کی قائل دکھائی دے رہی تھی۔ میرب حیران

’’آپ اسے رعایت دینا چاہتی ہیں؟‘‘

’’رعایت نہیں، مراعات۔‘‘ رومیصا لغاری کا جواب اسے پاگل کردینے والا تھا۔ اس کا

کی دھیمی مسکراہٹ۔ میرب سیال کا دل چاہا تھا اسے شانوں سے پکڑے اور اس کے کمزور

جھنجھوڑ کر رکھ دے۔ مگر وہ ایسا کچھ نہیں کرسکی تھی۔

’’محبت اتنی اندھی نہیں ہوتی۔‘‘ وہیں کھڑے اسے جھٹلایا تھا۔

’’سردار سبکتگین حیدر لغاری سے میری انسیت تم نہیں سمجھ سکو گی۔‘‘ رومیصا لغاری بہت

مسکرا رہی تھی۔ ’’محبت اس سے بھی زیادہ رعایت دے سکتی ہے۔ دینے کے لئے اس۔

مراعات محبت کے پاس ہیں۔‘‘

’’سردار سبکتگین حیدر لغاری جانتا ہے آپ ان سے اس قدر محبت کرتی ہیں؟‘‘ میرب سیال

کو خود آپ کھرچنے پر مائل دکھائی دے رہی تھی۔

’’ہاں ـــــ اپنے ان ہاتھوں سے میں نے اُسے کھلایا ہے۔ جیسے میں اس سے واقف

بم جانتا ہے۔‘‘

رشتہ آگے کیوں نہیں بڑھ سکا؟ ـــــ آپ نے نہیں چاہا یا......‘‘ بات ادھوری چھوڑ کر وہ

رخ پھیر گئی تھی۔ اپنی ضبط ٹوٹتی آواز کا بھرم قائم رکھنے کو ایسا ازحد ضروری لگا تھا۔ ’’وہ آوارہ مزاج

ہی کرسکتا ہے۔ اس کے لئے دل اور دل سے وابستہ رشتے کوئی امپورٹنس نہیں رکھتے۔ بیڑیوں

رہنے والا بندہ وہ نہیں ہے۔ اسے صرف آزاد فضاؤں میں رہنا اور سانس لینا اچھا لگتا ہے۔ رشتوں

ں میں بندھ کر اس کا دم یوں ہی گھٹتا ہے۔‘‘ میرب سیال کو کبھی بھی اس سے اچھی امید نہیں رہی

ں کا کڑوا لہجہ اس کی بھرپور غمازی کررہا تھا۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ رومیصا لغاری واضح طور پر سن نہیں

مگر اس کے تاثرات سے وہ جان گئی تھی۔

نہیں بھی گین سے محبت ہے نا؟ ـــــ تم کتنی رعایت دے سکتی ہو اسے؟‘‘

رب سیال نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

بت کرنے لگی ہونا مجھ سے ـــــ؟‘ ایک بے خبر لمحے کا پُرفسوں لہجہ اس کے گرد اپنا حصار باندھ گیا

ب وہ کج رُوش، کج ادا اس کے قریب تھا۔

نہیں ـــــ‘‘ میرب سیال نے اپنا سر نفی میں ہلایا تھا۔ ’’مجھے اس شخص سے محبت نہیں ہے۔ وہ اس

ل ہے کہ اس سے محبت کی جاسکے۔ اس سے محبت کرنے کا مطلب ہے خود آپ اپنی شامت کو بلاوا

سوائے دکھ کے کچھ نہیں دے سکتا۔‘‘

رب سیال کی ساکت آنکھوں سے غبار ایک بار پھر ڈھلنے کو تھا۔ رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔

صرف محبت دل توڑ سکتی ہے۔ دنیا میں اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو آپ کا دل توڑ سکے اور آپ کو دکھ

کے۔ صرف محبت ہی دل توڑ سکتی ہے۔‘‘ رومیصا لغاری اسے جیسے جتا رہی تھی۔ میرب سیال چپ

بت بنی کھڑی تھی۔ اندر باہر بہت گھٹن تھی۔ اس نے گردن کا رخ موڑ کر دیکھا تھا۔ باہر ایک بار پھر

ہو رہی تھی۔

❄❄❄

محبت آبادکاری کرتی ہے ـــــ خالی جگہوں کو بھرتی ہے۔ مگر کبھی کبھی یہی محبت بہت سی جگہوں کو بنجر

بنا دیتی ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے اذہان! ـــــ کبھی کبھی بہت ڈر لگتا ہے۔‘‘ ساہیہ خان نے اپنے خدشے کو

زبان دی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

ڈرنے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں محبت ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان کمزور کردینے والا ایسا

ایلیمنٹ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے درمیان جو کچھ بھی ہے اس سے بڑھ کر ہے۔‘‘ وہ غیر سنجیدہ دکھائی

رہا تھا۔ غالباً دانستہ ایسا کررہا تھا۔ ساہیہ خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟‘‘

کچھ نہیں۔‘‘ وہ کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔

کی آواز کڈ نگ ساہیہ!‘‘ اذہان نے جانے کیا اخذ کرتے ہوئے کہا تھا۔

ساہیہ نے فوری طور پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

""تم کیا سوچ رہی ہو ساہیہ؟""

""کچھ نہیں۔ حیران ہو رہی ہوں۔""

""کس بات پر؟""

""محبت حیران کن شے ہے۔"" اس کی سمت دیکھے بغیر بولی تھی۔

""تمہیں یہ ادراک کیسے ہوا؟"" وہ بغور ساہیہ کو دیکھ رہا تھا۔

""اگینے کو دیکھ کر۔"" ساہیہ کا لہجہ مدھم تھا۔

""اگینے؟ ___ اگینے کو کیا ہوا؟ ان کی ڈائیورس تو ہو گئی نا۔ کیا انہوں نے اب تک ا
ڈس کور نہیں کیا؟""

""اگینے کو اس بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر وہ بہت محتاط ہیں۔ وہ کسی کو اپنی ذا
دینا نہیں چاہتیں۔""

""بالکل تمہاری طرح۔"" ازہان حیران ہوئے بغیر بولا تھا۔ مگر ساہیہ سوائے اسے خاموشی کے کچھ نہیں بولی تھی۔

""تم بھی تو اتنی محتاط ہو کہ اپنی ذات سے کسی کو کوئی دکھ دینا نہیں چاہتی۔ مگر یہ ٹھیک تو نہیں
طرح خود کو تو تکلیف پہنچتی ہے نا۔ اس تکلیف کا کیا؟"" لہجہ ہمدردانہ تھا۔ ساہیہ مسکرا دیا تھی۔

""محبت حیران کن شے ہے ازہان! ___ تم تو جانتے ہو گے ___ اس میں ___ نہیں رہتا ___ سب کچھ ""تُو"" ہی ""تُو"" بن جاتا ہے۔""

ازہان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس لڑکی کا لہجہ اس کے اندر کی بھرپور غمازی کر رہا
کسی قدر احساسِ جرم نے گھیرا تھا۔

""ساہیہ ___!"" اس کے ہاتھ پر آہستگی سے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ مگر وہ اس لمحے اتنا خالی تھا
نہیں سکا تھا۔

ساہیہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

""تم بہت اچھی ہو ساہیہ! میں تمہارا دل کبھی دُکھانا نہیں چاہوں گا۔""

""اور اگر دُکھایا تو؟"" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی مسکرائی تھی۔

""معاف کر دو گی؟"" ازہان کا لہجہ دھیما تھا۔

""ہاں۔"" قدرے توقف کے بعد وہ سوچ کر بولی تھی اور مسکرا دی تھی۔

""محبت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے نا؟"" ازہان نے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

""ہاں۔"" ساہیہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

""آئی نیو دیٹ۔"" ازہان نے اعتراف کیا تھا۔

ساہیہ چند لمحوں کو چپ رہی تھی۔ پھر بولی تھی۔

"ازہان! میں اگینے کو لے کر پریشان ہوں۔ ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں ان
بورن ہو گیا مگر کس وجہ سے ہوا، یہ ہم نہیں جانتے۔ انہوں نے اپنی میرڈ لائف میں بہت سفر کیا ہے
اور اس میں کچھ حد تک قصور کسی اور کا بھی ہے۔""

"کس کا؟""

"فیض چاچو کا۔""

"فیض چاچو؟ ___ فیض چاچو کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟""

"تم نے کبھی ان سے پوچھا نہیں ازہان! انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟"" ساہیہ نے اس
لموں میں بھرپور انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ غالباً وہ معاملے کی تہہ تک
یا تھا۔

"اگینے ___ تمہارا مطلب ہے؟""

"تم ٹھیک سمجھے ہو ___ اگینے فیض چاچو سے محبت کرتی تھیں۔""

"اور فیض چاچو؟""

"شاید نہیں ___ اگر کرتے ہوتے تو شاید صورت حال آج کچھ مختلف ہوتی۔""

"لیکن ساہیہ......!"" ازہان نے کچھ بولنا چاہا تھا مگر جیسے سارے لفظ کھو گئے تھے۔

"کیا ہوا؟ ___ یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ مگر مجھے لگتا ہے اگینے کی محبت ون سائیڈڈ رہی ہوگی۔ تمہیں
لگتا ہے ازہان! فیض چاچو نے اب تک......"" باقی کا جملہ ساہیہ کی زبان پر ہی رہ گیا تھا۔ اس نے سر
کر دیکھا تھا۔ فیض بخاری بہت قریب کھڑے تھے۔ ساہیہ فوری طور پر کوئی ری ایکشن نہیں دے سکی
۔ ازہان مسکراتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"چاچو! آپ ___؟""

"کیا چل رہا ہے؟"" غالباً انہوں نے کوئی بات نہیں سنی تھی۔ ساہیہ تو کچھ نہیں بولی تھی البتہ وہ بات
ٹالتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"وی ور پلاننگ فور لائف۔""

"ناٹ بیڈ۔"" فیض چاچو مسکرائے تھے۔ ""یہی دن پلاننگ کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تو سوچنے کا
وقت نہیں ملتا۔""

"چاچو! ایک بات بتائیں گے؟ ___ آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟"" ساہیہ کی سوئی وہی اٹکی ہوئی
۔ ازہان کو اندازہ ہو گیا تھا، اس نے فوراً اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے کچھ مزید کہنے سے باز رکھا
فیض چاچو حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"چاچو! آپ مانچسٹر جانے والے تھے نا؟"" ازہان نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہاں ___ مگر سم ہاؤ، وہ ٹرپ پوسٹ پون ہو گیا۔ بھابی دکھائی نہیں دے رہیں۔"" فیض چاچو نے
سے رہا تھا۔

”ممی مارکیٹ گئی ہیں۔ کوئی کام تھا؟“

”نہیں —— یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ اینی ہاؤ، تم لوگ انجوائے کرو۔ ڈریمنگ فور فیوچر۔ میں ک گیا ہوں۔ آرام کروں گا۔“ فیض چاچو کہہ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ ساہیہ اب بھی ان کی پشت کو ب رہی تھی۔

”فیض چاچو ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں نا؟ —— اس کے باوجود یہ کسی کا دل نہیں سمجھ سکے۔ ع بات ہے نا۔ اور میں حیرت کیوں کر رہی ہوں۔ دل توڑنے کے لئے ہارٹ اسپیشلسٹ ہونا ض نہیں۔ دل تو کوئی بھی توڑ سکتا ہے۔“ ساہیہ بہت دل گرفتہ لگ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس نہیں سمجھ سکا تھا۔ کوئی جملہ ہمدردی نہیں، کوئی دلاسہ بھی نہیں۔

”اذہان! یک طرفہ محبت یوں ہی دُکھ دیتی ہے؟“ وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں دریافت کر ر اذہان حسن بخاری کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا اور وہ بول رہی تھی۔

”مجھے ہمیشہ لگتا ہے اذہان! محبت دونوں طرف سے ہونی چاہئے۔ یہ ون سائیڈڈ لو بالکل نہیں ہے۔ دکھ کے سوا کچھ نہیں دیتا۔“ شاید پہلے وہ اس نہج پر سوچتی بھی نہیں تھی۔ مگر اب اس پہلو سے سوچ رہی تھی۔

”اذہان! کیا ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے؟“ ساہیہ خان کی آنکھوں میں نمی واضح انداز میں تیر ر اذہان حسن بخاری نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

”ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔“ بہت مدھم لہجے میں وہ اسے باور کراتے ہوئے بولا تھا۔ مگر انداز ب سا تھا۔

* * *

”ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے —— میں نے تمہارا، تمہاری ذات کا ہمیشہ احترام کیا ہے۔ مگر عفنان علی خان کا انداز دھیما مگر شکوہ برملا تھا۔

انابیہ شاہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ ایک بار بھی اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

”مجھے تو کبھی یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ تم چاہتی کیا ہو آخر؟ —— کیا کچھ کروں میں تمہارے عفنان علی خان نے جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ آج سارے حساب بے باک کر دے گا۔ اس کا ضبط ج دے چکا تھا۔

”کیا کروں؟ —— تمہارے قریب آنا چھوڑ دوں؟ —— تمہیں دیکھنا چھوڑ دوں؟ —— محبت کرنا چھوڑ دوں؟ —— کیا چاہتی ہو تم؟ —— تمہاری خواہشوں کی لسٹ تو بے حساب کیا کچھ کروں میں تمہارے لئے؟ تمہیں خوش کرنے کے لئے اپنا آپ اٹھا کر تمہاری اس دو دوں؟ کتنی بچگانہ باتیں ہیں تمہاری۔ اس پر بھی کہتی ہو کہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔“ ا لفظ اور اتنا سخت لہجہ عفنان علی خان کی طرف سے کبھی استعمال نہیں ہوا تھا۔ غالباً وہ ٹھانے بیٹھا انابیہ شاہ کے چودہ طبق روشن کر دے گا تھا۔ مگر انابیہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ نہ سر اٹھا کر اس

نانہ ہی کوئی جواب دیا تھا۔

کوئی تاثر ظاہر کئے وہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ اس کی اس کیفیت پر عفنان علی خان کو جیسے حد درجہ گیا تھا۔ بہت ہی جارحانہ انداز میں وہ آگے بڑھا تھا اور اسے بازو سے کھینچ کر اپنے مقابل کھڑا کر

اہتی کیا ہو تم؟ —— کیا سمجھتی ہو تم ہاں؟ —— کیا اہم ہے میرے لئے؟“ یہ گوشت پوست کی میر شدہ عمارت؟ اس سے آگے کچھ نہیں دیکھتی میری نظر؟ مجھے ان حدتوں کو پانے کا شوق ہے بس؟ ہتوں کی جستجو ہے، یہی رفاقت جنون ہے میرا؟ وہاٹ انابیہ؟ —— وہاٹ یو تھنک؟ —— کیا ہو تم؟ زبردستی کی میں نے تمہارے ساتھ؟ —— تمہارا وقار مجروح کر دیا؟ —— تمہارا انسوانی نہس نہس کر دیا؟ تو پوچھو مجھ سے کیوں کیا میں نے ایسا؟ —— کس لئے؟ میرے اغراض کو بھی تو کی کوشش کیا کرو۔ خواہشوں سے تو تمہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میرے خوابوں سے تو کچھ لینا دینا ہے۔ جو کہتا ہوں، کرتا ہوں، کبھی اس کو سمجھنے کی کوشش کر لیا کرو۔ مجھے سمجھنے کی کوشش تو تم عمر بھر نہیں ی۔ مجھے کبھی کبھی پتہ ہے کیا لگتا ہے انابیہ؟ شاید ایک دوسرے کے لئے نہیں بنے ہیں ہم۔“ اس کی یکھتے ہوئے وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔ انابیہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اندازہ ہو رہا ہے مجھے اپنی بے وقوفی کا۔ بہت غلط کیا میں نے۔ بہت غلط کیا تم سے محبت کر کے —— اس سے اچھا تھا میں کسی دیوار سے سر دے مارتا۔ تم نے مجھے سوائے پریشانی کے کچھ نہیں دیا “ وہ شانوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا۔ انابیہ کی ساکت آنکھوں سے نمکین پانی کے ے بہت خاموشی سے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

”جاننا چاہتی ہو میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ —— جاننا چاہتی ہو؟ —— پریشان تھا میں ے لئے۔ فکر تھی مجھے اس رشتے کی۔ بچا کے رکھنا چاہتا تھا میں یہ تعلق۔ مجھے لگا پاگل ہوتی جا رہی ہو یک بہت اچھے سائیکاٹرسٹ سے کنسلٹ کیا تھا میں نے۔ ہمارے اس رشتے کو بچائے رکھنے کے ہیں یہ تاثر دینا ضروری تھا کہ تم تمام سیاہ و سفید کی مالک ہو —— سب کچھ تمہارا ہے —— تمہیں دگی کا احساس سونپنا ضروری تھا۔ کوئی لسٹ نہیں تھی وہ۔ جانور نہیں ہوں میں، شکار پھانسنے اور جھپٹ ے کا کوئی تجربہ نہیں ہے مجھے۔ میں صرف تمہیں راہِ راست پر لانا چاہتا تھا۔ بتانا چاہتا تھا یہ کہ یہاں جو ی ہے تمہارا ہے۔ کچھ بھی کسی اور کا نہیں ہے۔ تمہارے اندر اپنی چیز پر حق جتانے کا ایلی منٹ سرے موجود نہیں ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے یہ تم مجھے نہیں سکھاؤ گی انڈر اسٹینڈ؟ جو ہو چکا ہے میں اس کو واپس لا سکتا ہوں۔ مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہے کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی تھا بھی کہ نہیں۔ تمہیں کی طرح بے بس انداز میں صرف مجھے اپنے پاس آنے سے روکنے کے لئے یہ بودی وضاحتیں دینے ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ چاہتی ہو نا کہ میں تم پر توجہ نہ دوں؟ تو ٹھیک ہے —— آج کے بعد میں دیکھوں گا بھی نہیں۔“ لہجے میں بہت اشتعال تھا۔

”تمہیں لگتا ہے ہمارے اس رشتے کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو میں آج کے بعد تم پر اپنا کبھی کوئی حق

نہیں جتاؤں گا۔ تمہیں لگتا ہے اس کمرے میں میرے آنے سے تمہیں ان سکیورٹی فیل ہوتی ہے، آج کے بعد ہمارے کمرے الگ ہوں گے ـــــ تمہیں اور جو جو لگتا ہے، مجھے بتا دو۔ مگر فوز مجھے یوں فالتو چیز سمجھ کر لوگوں میں بانٹنا ترک کر دو۔ میں تمہارے پاس تمہاری کوئی بے فائدہ یا نہیں ہوں۔ میں کس سے کیا تعلق بناتا ہوں اور کیا توڑتا ہوں، دیٹس ناٹ یور کنسرن، رائٹ۔ مگر سے کسی طرح کی رعایت کی تمنا رکھنا ترک کر دو۔ تھک چکا ہوں میں تم سے ـــــ اور اپنے ا گئے زبردستی کے رشتے سے ـــــ سوائے ریگرٹ کے کچھ نہیں ملا ہے مجھے۔ مگر میں اور مزید کچھ چاہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے ڈرنے کی یا خوفزدہ ہو کر دیواروں میں کونوں کھدروں میں چھپنے کی ضرور ہے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں میچنے کی عادت ترک کر دو اب۔ کیونکہ عفنان علی خان نے آج سے اپ کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ آئندہ یہ نہ کوئی مشکل اپنے لئے کری ایٹ کرے گا نہ ہی تمہارے لئے۔ ڈر کہو تو یہ بات میں تمہیں لکھ کر بھی دے سکتا ہوں۔ میرا ڈر اپنے اندر سے ختم کر دو۔ میرا ارادہ ت احساس کو جگانے کا تھا۔ تمہیں خوفزدہ کرنا کبھی میرا مشن نہیں رہا۔ اگر میری محبت تمہیں خوفزدہ کر ٹھیک ہے، آج سے میں اپنی محبت کا ہاتھ کھینچ لیتا ہوں۔ میری طرف سے اب تمہیں مزید کوئی ٹینش رہے گی۔ جینا بہت ضروری ہے۔ سو جینے کے قاعدے پڑھنا آج ہی سے شروع کر دو۔ دوسروں خواہش کا جنوں تمہارے سر پر سوار ہے۔ مگر خود پہلے آپ کو بھی تو دیکھو۔ مگر مجھے تمہاری پرواہ کیوں ہے؟ تمہاری زندگی ہے یہ۔ فیصلے بھی تمہارے ہونے چاہئیں۔ میں احترام کرتا ہو تمہارے فیصلوں ک میں کر رہا ہوں اس سے بہتر تدارک اور سد باب شاید کوئی نہیں ہے۔“

انابیہ شاہ ساکت بُت سی بنی اب بھی ویسے ہی چاپ چاپ کھڑی اسے بھیگتی آنکھوں سے تھی۔ عفنان علی خان نے اس کے شانے پر سے اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے ہٹایا تھا۔ مڑا تھا اور چلا نکل گیا تھا۔

انابیہ شاہ کے پتھر وجود میں تب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح چپ چاپ کھڑی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ آنکھوں کی تمام نمی رخساروں پر آ گئی تھی۔ گرم گرم کھولتے پانی جیسے آنسو رخ جیسے جلاتے چلے گئے تھے۔

* * *

میرب سیال کی ساکت نگاہیں کھڑکی سے باہر کی برستی ہوئی بارش کو متواتر دیکھ رہی تھیں۔ کچھ رومیصا لغاری ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

دونوں خاموش تھیں ـــــ اور کمرے کی فضا بہت بوجھل تھی۔ مگر کوئی بھی اس بوجھل پن کو توڑ ارادے میں دکھائی نہ دے رہا تھا۔ میرب سیال کو اس بوجھل، گھٹے گھٹے ماحول میں مزید رہنا بے لگا تھا۔ وہ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ ارادہ اس کمرے سے نکل جانے کا تھا۔ مگر رومیصا لغاری۔ ہاتھ تھام لیا تھا۔

”بات ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے میرب سیال! ـــــ سننے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔“ رومیہ

کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

مرب کے انداز میں بہت ٹھہراؤ تھا۔

”کیا فائدہ ہے جان لینے سے؟ ـــــ ان سب کے جان لینے سے کیا بدلے گا؟ ـــــ میرے تعلق میں ہر لمحہ حیرت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ آپ تو پھر بھی ایک جائز تعلق ہیں اور مجھ سے اس رشتے سے وابستہ ہیں۔ میں تو ان لمحوں کی حیرتوں سے بھی گزری ہوں جو نا قابل قبول تھے۔ اور لائق بھی نہ تھے۔“ اس کا انداز عجب اک یاسیت اپنے اندر رکھتا تھا۔

رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔

”اگر تم نہیں چاہتی ہو تو میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ مگر جو بات میں کہنا چاہتی ہوں اس میں اگر ہمارا کوئی فائدہ نہیں ہے تو وہ غلط فہمی ضرور مٹ سکتی ہے جو تمہیں اس رشتے کو لے کر ہو گئی ہے۔“

”کیا وضاحت دیں گی آپ؟ میرے معاملات کو سلجھانے کے لئے ایسی کوئی وضاحتیں کام نہیں آنے لی۔ آپ اگر کوئی ریگرٹ فیل کر رہی ہیں تو پلیز اس سے باہر آ جائیے۔ میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ میرا دل دُکھانے کا سبب خود کو جاننے لگیں یا سارا الزام اپنے سر لینے لگیں۔ میری ناؤ پہلے بھی نہیں تھی۔ یہ تغیر نیا نہیں ہے۔ میں ایسے مدوجزر کی عادی ہوں۔ سو آپ خود کو کوئی الزام مت دیجئے۔“

رب سیال مسکرائی تھی۔ رومیصا لغاری اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”ہمارا نکاح اس وقت ہوا تھا جب گین صرف ایک برس کا تھا۔ اس وقت وہ اس رشتے کی حقیقت کو لکل بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر میں اس وقت سولہ برس کی تھی۔ میری سمجھ اتنی چھوٹی نہیں رہی تھی کہ تعلقات کے لئے وضاحتیں دینا پڑتیں۔ میں نے اپنے طور پر اس رشتے کو رد کرنا چاہا تھا۔ مگر ہمارے یہاں اصول تلف ہیں۔ روایات زیادہ مضبوط ہیں۔ سو میرا کوئی واویلا کام نہیں آیا اور وہ نکاح ہو گیا۔ میں نے بہت ان احتجاج کیا، کچھ کھایا پیا نہیں ـــــ مگر اس سے اب اور کچھ ہونے والا نہیں تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ ہمارے ہاں ایسے بے جوڑ رشتے عام روایت رکھتے ہیں۔ یہاں اسی طرح نصیب لکھ دیئے جاتے ہیں۔ میں اب اس تعلق سے رہا نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اس چھوٹے سے گین کی طرف دیکھتی تھی جو اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے میرا آنچل پکڑ کر کھینچتا تھا، اپنی طرف بلاتا تھا۔ اس کا بھی کہیں قصور نہیں تھا۔ اسے تو خود پتہ نہیں تھا وہ اس وقت کس رشتے میں بندھ چکا ہے۔ میں ان روایات کے خلاف جانے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی ایسا کچھ نہیں کر پائی تھی۔ اپنے بابا کی اکلوتی بیٹی تھی میں ـــــ انہیں بہت عزیز بھی تھی اور آج تک ہوں۔ مگر وہ میرے حق میں اسی فیصلے کو ٹھیک جانتے تھے۔ سو میں نے رونے دھونے اور احتجاج کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس رشتے کو قبول کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اس رشتے کے پلو سے بندھ چکی تھی اور اب اس کی گرہ کبھی نہیں کھلنی تھی۔ ہمارے ہاں رشتے صرف بنتے ہیں۔ ٹوٹتے نہیں۔ ہمارے یہاں توڑنے کے لئے کوئی اصول نہیں ہے۔ صرف دل ہیں، مگر میں اپنا دکھ کسی سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس تقدیر کو ماننا شرط تھا میرے لئے۔ مگر میں اس ماحول سے نکلنا چاہتی تھی۔ سو بابا نے میری خواہش پر مجھے ابراڈ بھجوا دیا۔“ وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی جب اچانک ہی کھانسی کا اٹیک ہوا تھا

اور وہ کھانستی چلی گئی تھی۔

میرب نے ایک بار پھر گلاس میں پانی انڈیل کر گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

رومیصا لغاری نے چند سِپ لئے تھے اور گلاس واپس اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

’’آپ نے میڈیسن نہیں لی تھی نا؟‘‘ میرب سیال اب بھی خیر خواہی پر مائل دکھائی دے رہی

رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

’’تم مجھے جینے پر کیوں اُکسا رہی ہو؟‘‘

’’اُکسا نہیں رہی۔ میں نہیں چاہتی......‘‘ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

’’کیا نہیں چاہتی؟‘‘ رومیصا لغاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔

’’تمہیں زندگی خوبصورت لگتی ہے؟‘‘ رومیصا لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

’’زندگی اچھی ہو یا بری، جینا شرط ہے۔ کوئی نا انصافی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جینا چھ جائے۔‘‘

رومیصا لغاری جیسے محظوظ ہوئی تھی۔

’’زندگی سے بھاگنا اور کیا کہلاتا ہے؟‘‘ میرب نے الٹا سوال کر دیا تھا۔ مگر رومیصا لغاری جواب کی بجائے کھانسنے لگی تھی اور کھانستی چلی گئی تھی۔ میرب کے لئے اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس دروازہ کھول کر ملازم کو آواز دی تھی۔

’’ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔‘‘ کہہ کر وہ دوبارہ اس کی طرف آئی تھی اور اس کی پیٹھ سہلا تھی۔ ایک ہاتھ سے سیل پر ڈاکٹر کا نمبر ملاتے ہوئے، دوسرے ہاتھ سے پانی کا گلاس آگے بڑھایا تھا کھانستے ہوئے اتنی بے ترتیب ہو رہی تھی کہ پانی کا گلاس فرش پر جا پڑا تھا۔ رومیصا لغاری کی حالت طرح بگڑ چکی تھی۔ جانے اس رات میں اور کیا کیا ہونا باقی لکھا تھا۔

* * *

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک اسٹور میں گی ژیانگ کے لئے کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب اس کا خیا تھا۔ اُس نے بہت خوبصورت سا نیکلس اٹھا کر دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو وہ چہرہ نگاہ کے سامنے جھلملا گ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس نیکلس کو پیک کروانے کا آرڈر دیا تھا اور ماتحت کو ہدایت دے کر باہر نکل آیا تھا۔ بے اختیاری میں ہی سیل فون پر ایک نمبر ملایا تھا اور سیل فون کان سے لگا لیا تھا۔ مگر د طرف غالباً موبائل سائلنٹ تھا۔ مسلسل بیپ جا جا کر سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کسی قدر تشویش ہوئی تھی۔ بے اختیار ہی نمبر ڈائل کیا تھا۔ بیل پھر گئی اب کے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

’’ہیلو! —— گین بات کر رہا ہوں۔ وہاٹ ہیپنڈ؟ —— کال کیوں نہیں پک کی؟ وہاں سب تو ہے؟ مائی کیسی ہیں؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال ہاسپٹل کے لاؤنج میں کھڑی تھی، اس وقت اس شخص کی کال ریسیو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر کر ہی لی تھی تو بات کرنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

’’مائی بالکل ٹھیک ہیں —— گھر پر سو رہی ہیں۔ آپ کو بات کرنا ہے تو وہاں کا نمبر ملا لیجئے۔‘‘ اس کا رم جوش تو کبھی نہیں رہا تھا۔ مگر اس لمحے تو سرد مہری کی حد ہو گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی امید نہیں تھی۔

’’کیوں، کیا ہوا؟ تم کہاں ہو؟ ہیو یو بیک؟‘‘

’’نہیں، میں یہیں ہوں۔ مگر اس وقت میں گھر پر نہیں ہوں۔‘‘

’’گھر پر نہیں ہو تو پھر کہاں ہو؟‘‘ رات کے اس وقت وہ کہاں ہو سکتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ین نہ ہوتی تو حیرت ہوتی۔ اس لمحے اس کا انداز بہت پُر استحقاق تھا۔ حالانکہ فاصلے درمیان صدیاں چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت دھڑلے سے اس پر اپنا حق جتا چکا تھا۔

’’میں اس وقت بات نہیں کر سکتی۔ کڈ یُو کال می لیٹر؟‘‘ میرب سیال کا انداز اور لہجہ بہت مختلف تھا۔ لیے وہ دبی دبی سی میرب کی جگہ بہت مضبوط میرب دکھائی دے رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چونکنے کا لمحہ تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ فون کا سلسلہ منقطع کر چکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی امید نہیں تھی۔ برہم انداز میں دوبارہ کال کیا تھا۔

’’کہاں ہو تم اس وقت؟ کیا چل رہا ہے یہ سب کچھ؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز سخت گیر تھا۔

رب جس معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی وہ اسے اسی پر بولنے پر اُکسا رہا تھا۔

’’میں اس وقت ہاسپٹل میں ہوں۔‘‘

’’یہی تو پوچھ رہا ہوں، ہاسپٹل میں کیوں ہو؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا لہجہ سخت گیر ہونے روکا تھا۔ ’’دیکھو —— تم مجھے نہیں بتاؤ گی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا۔ آر یو او کے؟‘‘

اس لہجے کو پڑھا جاتا تو اس میں کچھ آہنگ تھا، کچھ خاص تھا۔

ا لہجہ وہ انداز اس کے بارے میں کنسرن تھا۔ مگر میرب سیال ایسا کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ نہ تو وہ اس ہجے کو نوٹ کر رہی تھی نہ ہی اس انداز کو۔

’’مجھے کیا ہونا ہے؟ —— میں ٹھیک ہوں۔ کوئی اور ٹھیک نہیں ہے۔‘‘ ترکی بہ ترکی جواب دیا گیا تھا۔

ا انداز، اس دلیری پر مقابل حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

’’تم مجھے پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟ —— بتا کیوں نہیں رہی ہو کون ہے اس وقت ہاسپٹل میں؟‘‘

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حتیٰ الامکان ضبط کرتے ہوئے اپنے غصے پر اور لہجے کی سختی پر قابو پایا تھا۔

’’رومیصا لغاری۔‘‘ میرب سیال نے کہہ کر ایک بار پھر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ سردار سبکتگین یدر لغاری اس طرف ساکت کھڑا تھا۔ اس لہجے کی سرد مہری کی وجہ اب پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ گاڑی میں آنکھیں واضح طور پر کسی گہری سوچ سے اَٹی تھیں۔ مگر اس سب میں ایک غصے کا عنصر اور ضبط بہت ایاں تھا۔

میرب سیال سے اسے کبھی کوئی سمجھ داری کی امید نہیں رہی تھی اور اس لمحے وہ کیا سوچ رہی تھ سوچنا چاہتی تھی اور کرنا چاہتی تھی وہ یہ بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

دھیان سیٹ پر دھرے اس کے گفٹ پر گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اٹھایا تھا، لمحہ بھر کو دیکھا تھا اور پھر بنا کچھ سوچے کھڑکی کھول کر اسے باہر اچھال دیا تھا۔

"ڈیم اِٹ——" لہجے میں غصے کا واضح عنصر موجود تھا۔

"نیاز مندی" کا دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔

"نوازش" پھر اپنے پَر سمیٹ چکی تھی۔

سرد مہری پہلے سے زیادہ گہری ہو چکی تھی۔

* * *

میرب سیال ہاسپٹل کے لاؤنج میں چپ چاپ کھڑی تھی مگر آنکھوں سے سیال مادہ بہت روانی بہہ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی سب کچھ۔

اس شخص کی رگ رگ سے واقف تھی۔

تو پھر ہر بار نئے سرے سے اعتبار کیسے کر لیتی تھی؟

وہ خود سمجھ نہیں پائی تھی۔

ہر بار رعایت کیسے دے دیتی تھی جبکہ وہ جانتی تھی وہ "وفا" کے لئے بنا ہی نہیں۔ اور وہ رو رہی تھی کج ادا کے لئے؟

اپنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی تھی اس "بے وفا" کے لئے، جس کی سرشت صرف دھوکا دہی اور فر تھا۔ صرف فریب تھا وہ شخص —— صرف یہی سچائی تھی اس کی۔

پہلے کئی چہرے، کئی نام —— قطار در قطار —— کئی رابطے، کئی واسطے بنا شرمندہ ہوئے، بنا کئے وہ اپنی رواداریاں نبھاتا رہا تھا۔ بلا خوف —— بلا خطر۔

کتنا نڈر تھا وہ —— کس قدر دلیر ——

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تو دیدہ دلیری کی حد کر دی تھی۔ اپنا کوئی بھی ناجائز رشتہ وہ بہت دا سے نبھاتا تھا۔ نکاح کے پہلے دنوں سے لے کر اب تک —— وہ کبھی بھی اس ایک "رشتے" کے "کمٹ" نہیں ہوا تھا۔ اور وہ پھر بھی اس سے امیدیں لگائے بیٹھی تھی۔

ہر بار نیا سلسلہ —— امید بنانا —— بڑھانا ——

اور پھر ہر بار —— چکنا چور ہوتے دیکھنا۔

وہ خود سوچ رہی تھی تو حیرت ہو رہی تھی اپنی بے وقوفی پر —— اُسے غالباً سردار سبکتگین حیدر لغار پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔ گی کے ساتھ اس کے "ریلیشن شپ" کی حد تھی۔ وہ ناجائز طور پر باپ بنا رہا تھا اور حد تھی کہ شرمندہ تک نہ تھا۔

وہ حیران تھی، اس سے زیادہ دلیر شخص اس نے زندگی بھر نہیں دیکھا تھا۔

آنکھوں کے ساتھ وہ کھڑی دھندلے منظر دیکھ رہی تھی۔ اندر ڈاکٹر، رومیسا کو طبی امداد دے

وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ تبھی فون دوبارہ بجا تھا۔

سیال نے بنا سوچے سمجھے، دیکھے کال ریسیو کی تھی اور زہر خند لہجے میں بولی۔

اور کیا باقی ہے؟ —— کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ عجب ہذیانی انداز میں تھی۔

رب! کیا ہوا؟" دوسری طرف اذہان حسن بخاری تھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی

رف اس لمحے کوئی دوسرا ہو گا۔

لو میرب! —— آر یو دیئر؟" اس کے خاموش ہونے پر اذہان حسن بخاری دوبارہ بولا تھا۔

یال کی آنکھوں سے نمکین سمندر نکلنے کا سلسلہ تھما نہیں تھا۔ مگر اب کے اس نے بہت سختی سے آنکھوں

یا تھا۔

ں —— آئی ہیئر۔" آنسو کے کئی پھندے حلق میں تھے۔ آواز اپنی صحیح سطح پر نہیں تھی اور بوجھل

طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت کسی سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اذہان کا اس لمحے کال

کا مقصد کچھ خاص رہا ہو گا۔ تبھی وہ کرٹسی سے بولی تھی۔

ہ —— اس وقت کیسے فون کیا؟" اپنی حالت کو سنبھالنا آسان تھا، نہ اس کیفیت سے باہر آنا۔ مگر

آپ کو ممکنہ حد تک رد کر دینا چاہتی تھی۔

کیا ہوا ہے تمہیں؟ —— وہاٹ ہیپنڈ؟ —— ٹھیک تو ہو تم؟" اذہان حسن بخاری دوسری طرف

یفیت پر حیران تھا۔

رب سیال کے لئے بولنا دشوار تھا۔

اذہان! ہم بعد میں بات کریں گے۔ آئی ایم سوری مگر میں ابھی بات نہیں کر سکتی۔" وہ سلسلہ منقطع

کے ارادے سے بولی تھی۔ مگر تبھی اذہان روانی سے بولا تھا۔

کچھ تو پوچھ رہا ہوں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟ —— تم رو رہی ہو؟" دوسری طرف وہ اس کے اندر کے

وں کو پڑھ رہا تھا۔ مگر اس طرف میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ تیزی سے بہتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت

بار پھر سختی سے رگڑ دیا تھا۔

نہیں۔" کمزور لہجے کو مضبوط بنانے کی حتی المقدور کوشش کی تھی۔ مگر وہ پھر بھی چھپ نہیں سکی تھی۔

تم رو رہی ہو؟" اذہان حسن بخاری جتاتے ہوئے بولا تھا۔

آئی سیڈ —— آئی ایم سوری! —— آئی کانٹ ٹاک ٹو یو رائٹ ناؤ۔ کائنڈلی کال میر لیٹر۔"

موم، خیال، احساسات وہ سب رد کر رہی تھی۔

ب کچھ تیاگ رہی تھی۔ صرف اس کج ادا کے لئے۔ اس بے وفا کے لئے۔

ل کا سلسلہ منقطع کر کے وہ چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

ری طرف اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت پر پریشان سا بیٹھا تھا۔ مگر اس تشویش کا کوئی بر وقت

ل تھا۔

میرب چلتی ہوئی رومیصا لغاری کے پاس آئی تھی۔ اس کے چہرے پر آکسیجن ماسک لگا تھا او وقت وہ آنکھیں بند کیے پُرسکون انداز میں غالباً سو رہی تھی۔

تکلیف کا احساس اس کے چہرے سے قدرے کم ہوا تھا۔ مگر اس کے اندر ایک نہ تھمنے والی کر بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا لگتی ہیں یہ آپ کی؟ــــــ بہت کنسرن ہو رہی ہیں آپ ان کے لئے۔ اتنی پریشانی خو کے لئے بھی اچھی نہیں۔ آپ پلیز، وہاں لاؤنج میں جا کر بیٹھ جائیے۔ یا ڈرائیور کے ساتھ واپس گ جائیے۔ انہیں ابھی مزید آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ بائے دی وے، بتایا نہیں آپ نے کیا رشتہ ہے آپ کا ان سے؟'' ڈاکٹر اس سے دریافت کر رہا تھا۔ مگر وہ کوئی جواب دینے کے قابل نہیں پا رہی تھی۔ کیا کہتی؟ــــــ کیا تھی وہ اس کی ــــــ؟

کیا رشتہ تھا!

وہ اپنی سوتن کے لئے اتنی پریشان تھی ــــــ؟

اس کے لئے اتنا کنسرن دکھا رہی تھی ــــــ؟

اتنے آنسو بہا رہی تھی۔

زمانہ کیا کیا دیکھتا ہے اور کیا کیا سمجھتا ہے۔ مگر اصل کیفیت تو وہی جانتا ہے جو ان حالات سے گ ہوتا ہے۔ میرب سیال نے سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ یہ بتائیے، یہ کب ہوش میں آئیں گی؟ــــــ بائے دی وے، وی آر ریلیٹو۔''

''کچھ دیر لگے گی ــــــ فی الحال تو یہ دواؤں کے زیرِ اثر ہیں ــــــ سوئیں گی۔ اور یہی ان کے بہتر بھی ہے۔ آپ شہر سے آئی ہیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کچھ لگتی ہیں؟ پہلے آپ کو کبھی یہاں دیکھا؟'' ڈاکٹر اس فیملی کو جانتا تھا شاید تبھی دریافت کر رہا تھا۔ مگر میرب سیال نے اب کے اس سوالوں کو مکمل نظر انداز کر دیا تھا اور بولی تھی۔

''میں یہیں لاؤنج میں ہوں۔ کسی شے کی ضرورت ہو تو پلیز مجھے بتا دیجئے گا۔ اپنی میڈیسن......

ڈاکٹر اس کی بات کاٹتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ــــــ اس کی فی الحال ضرورت نہیں۔ اور میں تو یہ بھی کہوں گا کہ آپ گھر چلی جائیں۔ اس وقت آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ لغاری خاندان کی روایتوں کو اچھی طرح سے جانتا میں۔'' وہ ڈاکٹر بہت کچھ جانتا تھا جیسے۔ مگر شاید وہ سب کچھ پھر بھی نہیں جانتا تھا جو وہ جانتی تھی۔

وہ سر ہلاتی ہوئی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی باہر آگئی تھی۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔

اور ایک بارش تو متواتر اس کے اندر بھی ہو رہی تھی۔

وہ چلتی ہوئی گاڑی کی طرف آئی تھی۔ ڈرائیور نے مؤدب انداز میں دروازہ کھولا تھا۔ وہ بیٹھی تو گاڑی اس حویلی کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ کیا تھیں یہ روایتیں؟ــــــ روایتوں کے نام پر استحصال کا کب تک باقی رہنا تھا؟ــــــ دنیا بھر میں ہیومن رائٹس وائلیشن پر کئی سیمینار ہوتے ہیں۔ تقریریں

ران کا بلاواسطہ کوئی اثر اس سسٹم پر کیوں نہیں پڑتا جس پر پڑنا چاہئے ــــــ؟

لتے ہوئے دماغ کے ساتھ وہ کچھ بھی سوچ رہی تھی جو سوچنا ضروری بھی نہیں تھا۔

❄ ❄ ❄

املے بڑھے تھے۔

کچھ اور پھیلے تھے ــــــ اور پھیلتے چلے گئے تھے۔

ردمہری کی دبیز تہہ موسم پر ہی نہیں آنکھوں اور لہجے پر بھی جمی تھی۔ نظر سے نظر کو کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔

تھ کو ہاتھ سے کچھ رابطہ باقی نہیں رہا تھا۔

کمرے کا سکوت بتا رہا تھا کہ تنہائی کتنی بڑھ چکی ہے اس کمرے کی۔

کتنے دنوں کے لئے ــــــ مہمان بننے آگئی ہے۔

نابیہ شاہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جب دروازہ کھلا تھا اور فاطمہ خان چائے اور دیگر لوازمات لے کر ے میں داخل ہوئی تھیں۔

ہو چل رہا تھا، پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ مگر وہ اس میں غلط کسی ایک کو نہیں ٹھہرا سکتی تھی۔ غلطی شاید فریقین کی گر یہ لمحہ جتانے کا نہیں تھا۔ فاطمہ خان جانتی تھیں سو نری سے مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کے سامنے یں اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے محبت سے دیکھا تھا۔

''چائے لے لو ــــــ ساتھ میں، میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے لئے چکن کے کباب بنائے تم بیف، مٹن نہیں لیتی ہو نا۔'' وہ مسکراتی ہوئی بالکل اسی طرح بات کر رہی تھیں جس طرح اس کی اپنی ا کرتی تھیں۔ وہ بھی ممی کی طرح جانتی تھیں کہ اسے مٹن، بیف پسند نہیں ہے۔ اس گھر کے افراد اسے نتے تھے؟ اس حد تک سمجھتے تھے؟

اسے واضح طور پر حیرت ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟ــــــ تم اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ــــــ میری بچی ہو، کیا مجھے تمہاری پسند ناپسند کا پتہ ہوگا؟ــــــ عریشہ، انوشے، عفنان ــــــ اس گھر میں میرے بچوں کو کیا پسند ہے، کیا ناپسند میری ے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ ماں ہوں نا۔ جانتی ہوں کس وقت میرے بچے کیا چاہتے ہیں، کیا تے ہیں۔ تم یہ چائے لے لو۔ صبح کا بریک فاسٹ تم نے منع کر دیا تھا۔ دوپہر کا لنچ بھی گول کر گئیں۔ یرا کہا مت ٹالو۔ ورنہ بہت پٹائی لگاؤں گی۔'' فاطمہ شاہ مسکراتی ہوئی بھرپور محبت سے بولی تھیں اور ب اٹھا کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا تھا۔

کیا تھے یہ لوگ ــــــ؟

کیسے تھے؟

وہ شخص اسے جانتا تھا ــــــ

یہاں تک ٹھیک تھا ــــــ لاجک بنتی تھی ــــــ وہ محبت کا دعویدار بنتا تھا ــــــ اسے جاننا بھی ہے تھا۔ مگر یہاں تو پورے گھر کو اس کے اندر کے موسموں کی خبر تھی۔ کیسے تھے یہ لوگ ــــــ؟

اتنی محبت، اتنی کیئر کرنا کیسے جانتے تھے؟
وہ بھی اس کی اتنی سرد مہری کے جواب میں؟
اس کی مسلسل یخ بستگی کے جواب میں؟

انابیہ نے منہ کھول دینے میں کوئی عار نہیں جانی تھی۔

”گڈ ـــــ تم یہ سارے کباب ختم کر لو۔ اور فریش ہو کر نیچے آ جاؤ۔ ہم ماں بیٹی آج باہر چلیں گے۔ بہت سی شاپنگ کریں گے۔ آخر اس گھر کے مردوں کو کچھ تو پتہ چلے کہ ہم بھی خاص ہیں۔ ہر وقت دبکے رہنا ہماری ڈیوٹی میں نہیں ہے۔“ فاطمہ شاہ مسکراتے ہوئے مسلسل بھرپور اپنائیت اختیار کر رہی تھی۔ انابیہ شاہ کی آنکھوں کی اداسی عود کر آئی تھی۔

”کیا ہوا؟ ـــــ تم رو رہی ہو؟ ـــــ نہیں جانا، تو ٹھیک ہے ہم نہیں جاتے ـــــ مگر تم فریش تو ہو جاؤ۔ کہو تو میں تمہارے سر میں تیل ڈال دوں؟ ـــــ ٹھہرو، میں تیل لے کر آتی ہوں“ جانے کو اٹھی تھیں جب انابیہ نے سرعت سے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا اور شرمندہ ہوتی ہوئی بولی تھی۔

”نہیں، آپ رہنے دیں ـــــ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”ضرورت نہیں ہے؟ ـــــ اس کا اندازہ تمہیں کیسے ہو گیا؟ ـــــ بیٹا! کیا تم ہمیں اپنا نہیں سمجھتی ہو؟ کیا میں تمہاری ممی جیسی نہیں ہوں؟“

”ایسی بات نہیں ہے۔“

”تو پھر؟“ فاطمہ نے اپنے عزیز ترین بیٹے کی عزیز ترین ہستی کا چہرہ محبت سے تھاما تھا۔

”میں صرف اپنے بیٹے سے محبت نہیں کرتی بیٹا! ـــــ مجھے اس سے وابستہ ہر شے سے محبت ہے۔ مجھے تم بہت عزیز ہو۔ کیونکہ تم اسے عزیز ہو۔“ سارے حوالے کتنے معتبر کر دیئے تھے۔ انابیہ کی آنکھوں میں بہت سی نمی ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔

”آپ کو بھی یہی لگتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟“ ان کی جانب دیکھے بغیر شکوہ کیا تھا۔

فاطمہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”نہیں ـــــ مجھے ایسا نہیں لگتا۔ اور کسی اور کو بھی ایسا نہیں لگتا۔“ محبت سے اس چہرے کو دیکھا۔ لہجہ ممتا سے بھرپور اور نرم تھا۔

انابیہ کی آنکھوں کے سمندر چھلک گئے تھے۔

”اگر ایسا نہیں سمجھا گیا ہوتا تو کسی سائیکاٹرسٹ سے بو در نہیں کیا گیا ہوتا۔“ اس کے مدھم لہجے میں ایک کرب کا احساس تھا۔

فاطمہ نے کچھ دیر خاموشی سے اس چہرے کو دیکھا تھا، پھر ملائمت سے بولی تھیں۔

”دیکھو بیٹا! ـــــ یہ شادی کے بعد کی زندگی آسان نہیں ہے۔ شاید ہی کوئی ایک ہو جس کو شادی کے بعد پرابلمز فیس کرنی نہ پڑتی ہوں۔ ورنہ سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی پرابلم ہوتا ہی ہے۔ بات ساری سمجھ داری کی ہے۔ سمجھ داری سے ہینڈل کرنے کی۔ ہے۔ تم اسے الزام دیتی رہو گی اور وہ تمہیں غلط ٹھہراتا رہے گا تو زندگی بھی تلخ ہو جائے گی۔ اس زندگی میں محبت سے زیادہ ایک دوسرے کو انڈر اسٹینڈ کرنا ضروری ہے۔ تم فریش ہو جاؤ۔ پھر کہیں باہر چلتے ہیں۔ میں تمہاری بھی اتنی ہی ماں ہوں جتنی کہ عفنان کی۔ تم کسی مقام پر مجھے ایک ماں سے کم نہ پاؤ گی۔ ایک بات میں چاہوں گی۔ تم ماہ وش سے یا اس بارے میں کوئی بات نہ کرو تو بہتر ہے۔ ایسا میں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ میں اپنے بیٹے کے ڈالنا چاہتی ہوں۔ میں تمہاری خیر خواہ ہوں بیٹا! ـــــ تمہارے لئے ایک ماں کی طرح سوچ دادا کی طبیعت ابھی ابھی سنبھلی ہے۔ اور ماہ وش بخاری کے لئے پہلے بھی پیچیدہ صورت حال چکی ہے۔ تم فریش ہو جاؤ، ہم ماں بیٹی کہیں باہر چل کر ڈنر بھی کریں گے اور بہت سی اچھی اچھی عفنان علی خان کے کان کیسے کھینچنے ہیں یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“ دھیمے سے مسکراتے اس کا چہرہ تھپتھپا کر باہر نکل گئی تھیں۔

انابیہ شاہ بھیگتی ہوئی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

❄ ❄ ❄

ایک الجھن میں کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹتی رہی تھی۔ پھر رکی تھی اور کمرے کی ساری اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی تھی۔

”آئی ہیٹ یو انابیہ! ـــــ آئی ہیٹ یو ـــــ نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔“ عجب ہذیانی انداز تھی۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں انتہائی شدت کی کیفیت تھی۔

”نفرت ہے مجھے تم سے، نفرت ـــــ نہیں ہو تم میری دوست۔“ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں جیسے ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔ انداز میں ایک پاگل پن صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ایک ایک کر کے اس نے کمرے کی کتنی ہی چیزیں توڑ ڈالی تھیں اور پھر تھک کر زمین پر بیٹھ کر پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

”کیسے کر سکتی ہو تم میرے ساتھ ایسا؟ ـــــ کیسے؟ ـــــ نفرت ہے مجھے تم سے ـــــ بالکل بھی لگتی ہو تم مجھے ـــــ بہت عظیم بننے کا شوق ہے تمہیں ـــــ ہمیشہ اپنا ہاتھ اوپر ہی کیوں رکھنا ہو تم؟ ـــــ کیوں؟“ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی وہ چیختی ہوئی کہہ رہی تھی۔ انداز عجب جنونی تھا۔ ہمت ہار چکی تھی۔

شام میں عفنان کی آنے والی کال کے الفاظ اب بھی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔

”شادی کرو گی تم مجھ سے؟“ جملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ عفنان علی خان بنا کسی تمہید یوں دریافت کر رہا تھا جیسے روزمرہ کی کوئی معمول کی بات کر رہا ہو۔ نہ انداز خاص تھا نہ لہجہ۔

”واٹ یو مین؟“ وہ بھونچکا رہ گئی تھی۔

”ول یو میری می؟“ عفنان علی خان کا لہجہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا۔ مگر وہ لفظ ـــــ غیر متوقع تھی ایسی کسی بات کی؟ ـــــ اس نے تو تب بھی اس لہجے کو سننے کے بارے میں نہیں سوچا تھا اس سے وابستہ تھے

لفظ کتنے خاص تھے ــــــ مگر وہ لہجہ!

عام سے بھی عام تھا۔

سرسری ــــــ یخ بستہ ــــــ سرد!

"یو گون میڈ عفنان! تم انابیہ کے ساتھ ایک رشتہ آل ریڈی رکھتے ہو۔ پھر اس سوال کی کیا،
اس لمحے یہ لہجہ، یہ انداز ضروری تھا سو وہ بولی تھی۔

دوسری طرف عفنان علی خان نے بری طرح رد کر دیا تھا۔

"کہاں لکھا ہے کہ ایک رشتے کے ساتھ دوسرا رشتہ نہیں بن سکتا؟ وفاداری کو مختلف حصوں میر
تو جا سکتا ہے۔" لہجے میں رسانیت تھی۔

"یہ وفاداری کی کون سی قسم ہے عفنان؟ ــــــ وہ دوست ہے میری۔ تم نے مجھ سے ہیا
تھی۔ میں نے اس لئے ہاں کر دی، بی کوز میں تم دونوں کی خیر خواہی چاہتی تھی۔ مگر یہ سب، و
ہوئی عفنان علی خان؟ ــــــ وہ تمہارے اسے چاہنے کے دعوے کیا ہوئے؟" لامعہ حق نے ا
کرنا چاہا تھا۔ حالانکہ دل میں یہاں سے وہاں تک ایک اتھل پتھل سی مچی تھی۔

"اس کی خواہشوں کو پورا کرنے جا رہا ہوں۔" عفنان علی خان کا لہجہ مدھم تھا۔

"کیا مطلب؟" لامعہ حق حقیقتاً کچھ نہیں سمجھی تھی۔ "وہ پاگل ہو گئی ہے؟"

"اس کا خیال ہے یہی میرے لئے بہتر ہے۔"

"اور تم اس کی بات مان رہے ہو؟"

"ہاں۔" عفنان علی خان کا لہجہ عجب پُرسکوت تھا اور اس طرح وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"تم نے اس روز بھی جب ایسا کہا تو تم ــــــ عفنان! مجھے لگا تھا تم دونوں کو میری ضرورت
اس طرح؟ ــــــ یہ کون سی صورت ہے مدد مانگنے کی؟" اسے اپنی آواز جیسے کسی کنوئیں سے
محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں ــــــ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ایسا خیال کرتی ہے۔ تم نے جواب نہیں د
ٹھہرا ہوا لہجہ تھا عفنان علی خان کا۔

"عفنان! تم پاگل ہو گئے ہو؟ ــــــ تم لوگوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟ وہاٹ یو مین،"
میری کوئی مرضی نہیں؟ آئی ایم لائک اے ڈمی؟ ــــــ جو کچھ بھی ہے تم دونوں کا ہے؟ اس ۔
اور تمہارا پورا کرنا شرط ہو گیا۔ دوست ہوں میں اس کی۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے؟"

"دوست ہو، تبھی تو تم سے رجوع کیا ہے۔" عفنان کا لہجہ رسانیت بھرا تھا۔

"عفنان! گو ٹو ہیل ــــــ یو اینڈ ہر بوتھ۔" لامعہ حق غصے سے بولی تھی۔ تبھی وہ مدھم لہج
طرف بولا تھا۔

"میرے لئے کچھ بھی اہم نہیں ہے لامعہ! ــــــ میں کچھ سمجھ نہیں پاتا ہوں، کچھ سوچ نہیں
میرے لئے زندگی کا مفہوم صرف وہ ہے جو وہ چاہتی ہے۔ میں اسے وہ دینا چاہتا ہوں۔"

ہپ عفنان!" لامعہ حق اسے بولنے سے جیسے روکنا چاہتی تھی۔ "تم دونوں ایک دوسرے کے
کرتے ہو، ایک دوسرے کو خوش رکھنے کے لئے تم جو چاہو کرو مگر مجھے بیچ میں مت لاؤ۔"

نہیں بیچ میں، میں نہیں لا رہا۔"

ــــــ؟" لامعہ کا ماتھا کچھ ٹھنکا تھا۔ لہجہ کچھ کمزور پڑا تھا۔ چہرے کی رنگت کچھ پھیکی پڑی تھی۔
نغیر ہوئی تھی۔

تم بیچ میں موجود ہو لامعہ! ــــــ" عفنان علی خان کا لہجہ مضبوط تھا۔ "اور تمہیں اب اس معاملے کو
دگا۔"

کیا مطلب ہے تمہارا؟" لامعہ کا لہجہ کمزور ترین تھا۔ دوسری طرف عفنان چند لمحوں کے لئے چپ ہو

"کہنا کیا چاہتے ہو تم؟ ــــــ تم لوگوں کی زندگی میں خراب کر رہی ہوں؟"

میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ میں تمہیں کوئی الزام دے بھی نہیں سکتا۔ ساری بات تو یہ ہے لامعہ حق!
سمجھنا چاہئے وہی کچھ نہیں سمجھ رہی ہے۔"

وہ نہیں سمجھ رہی تو تم مجھے سمجھانے آ گئے ہو؟" لامعہ کا لہجہ سخت تھا۔

میں سمجھانے نہیں آیا، تمہیں بتانے آیا ہوں کہ اپنی دوست کو اس گلٹ سے آزاد کر دو۔"

کیسے گلٹ سے؟"

کیا کیا سمجھتی ہے، تم نہیں جانتیں؟"

عفنان! وہ تمہاری بیوی ہے۔ اسے سمجھانے کا فرض تمہارا ہے، نہ کہ میرا۔"

لامعہ حق! میں نے ایک بات کہی ہے۔ وہ اگر عظیم انسان بننے کے جتن کر رہی ہے تو اس کی وجہ تم
مانے کچھ نہیں کیا۔ مگر وہ ایک گلٹ میں ہے کہ اس نے مجھے تم سے چھینا ہے۔ وہ تمہارے لئے اتنا
رہی ہے تو کیا تمہارا فرض نہیں بنتا کہ تم اس کے لئے کچھ کرو؟"

نان علی خان اس کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گیا تھا۔ مگر وہ اب تک فائنڈ آؤٹ نہیں کر پائی تھی
ہونا تھا اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔

* * *

ردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں درج تھیں۔ پیشانی کی رگیں واضح انداز
ری دکھائی دے رہی تھیں۔

مانے فون اٹھا کر ماتحت کو اطلاع دی تھی۔

ہیلو، ہارون! ــــــ کل کے لئے جتنی بھی میٹنگز شیڈول ہیں انہیں آج میں منتقل کرنے کی کوشش
میں ان دو دنوں میں تمام کام نمٹا کر واپس جانا چاہتا ہوں۔" فون بند کر کے اس نے میرب سیال کا
تھا۔

یل ــــــ دو ــــــ تین ــــــ کتنی بیل گئی تھیں ــــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کی
اضح انداز میں تنی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ اگر دوسری طرف کال ریسیو کرنے والی میرب اس کے

سامنے ہوتی تو یقیناً وہ اسے تہس نہس کر چکا ہوتا۔ مگر اس کی خیریت تھی تو صرف اس لئے کہ در سمندروں کے فاصلے حائل تھے۔ یہیں میرب سیال کی بچت ہو گئی تھی۔ پہلی بار پر کال پک نہیں بیلز جا کر کال ختم ہو گئی تھی۔ تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دوبارہ وہی نمبر ملایا تھا۔ اگر ایسے ہوتا تو وہ اس وقت فون اٹھا کر میرب کے کان پر لگا دیتا۔

ایک ــــ دو ــــ تین ــــ

“ہیلو!” میرب کی آواز اچانک دوسری طرف سے ابھری تھی۔

“کہاں تھیں تم؟” سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تشویشی انداز اختیار کیا تھا۔ مگر دوسری ط سیال کی ہٹ دھرمی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

“ہواؤں میں ہرگز نہیں ہوں ــــ کہیے، آپ کو کیا کہنا ہے؟”

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ضبط کی حد جیسے ختم ہونے پر آن پہنچی تھی۔

“ٹھیک کہا آپ نے ــــ ہواؤں میں نہیں ہیں آپ ــــ آسمانوں میں ہیں ــــ آپ کو صرف یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ میں واپس آ رہا ہوں۔”

“تو ــــ؟” میرب کی طرف سے سرد مہری کی حد تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ضبط کر رہ گیا تھا۔

“رائٹ ــــ آپ کو پرواہ ہونی بھی نہیں چاہئے۔ لیکن اگر آپ کے اختیار میں ہو یا آ یہ آسان ہو تو یہ خبر مائی اماں تک پہنچا دیجئے ــــ میں نے ان کا نمبر ٹرائی کیا تھا، مگر غالباً وہ م بتانے کے ساتھ ہی سلگتے ہوئے لہجے میں وضاحت بھی دی تھی۔

“ٹھیک ہے ــــ میں بتا دوں گی۔”

“اس وقت کہاں ہیں آپ؟”

“ہاسپٹل میں۔”

“حویلی کے باقی لوگ کہاں ہیں جو تیمارداری کا کام آپ نے سنبھال لیا ہے؟”

“میں نہیں جانتی۔”

“نہیں جانتیں تو پھر یہاں کیوں ہیں؟”

“ٹھیک ہے، میں واپس گھر چلی جاتی ہوں۔”

“کہیں نہیں جائیں گی آپ ــــ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، وہیں رہیں گی آپ۔ تھا۔

“یہ آپ کا حکم ہے؟”

“تم جو بھی سمجھ لو۔”

“میں کسی ایسی حاکمیت کی پابند نہیں ہوں۔” وہ منمنائی تھی۔

“آپ کس حاکمیت کی پابند ہیں اور کس کی نہیں، یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ فی الحال آپ

ی کیجئے اور حویلی واپس جایئے۔” رشتے کا استحقاق لہجے میں بول رہا تھا مگر دوسری طرف میرب یہ بات نے کو قطعاً تیار نہیں تھی۔

“آپ رعب نہیں جما سکتے مجھ پر۔”

“میں کیا کر سکتا ہوں، یہ آپ بہت جلد جان جائیں گی۔ ڈونٹ چیلنج می ــــ رائٹ۔ جو آپ سے ہا جا رہا ہے آپ وہ کیجئے۔” وہ حق جتانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھ رہا تھا۔

“کس کے حوالے چھوڑ کر جاؤں رومیصا لغاری کو؟ ــــ یہاں کوئی اور نہیں ہے۔”

“تم کس کے ساتھ یہاں آئی ہو؟”

“ڈرائیور کے سوا کسی اور کو بھی آپ نے ڈیوٹی سونپ رکھی تھی؟” وہ اسے طیش دلانے میں کسر نہیں ڑ رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ضبط سے دوسری طرف لب بھینچے تھے پھر مضبوط لہجے میں یا ہوا تھا۔

“لیکن میرب! تم سے جو کہہ رہا ہوں، صرف وہ کرو۔ تم ڈرائیور سے کہو وہ تمہیں گھر چھوڑ دے ــــ ویلی سے کسی ملازمہ کو پیشنٹ کے ساتھ چھوڑ دو۔”

“دیٹ پیشنٹ اِز ری لیٹ ٹو یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ــــ ہاؤ کڈ یو نگلکٹ دیٹ؟” طنز کا تیر تھا۔

“آئی ڈِ ناٹ نگلکٹ اینی تھنگ ــــ اچھی طرح سمجھتا ہوں، کون سا رشتہ کتنا اہم اور ضروری ہے۔ وری طور پر نکلو یہاں سے۔ اور مزید مجھے تم رومیصا لغاری کے قریب نہیں چاہئے ہو۔”

“کیوں ــــ ڈرتے ہیں آپ، آپ کے دبے راز کھل جائیں گے؟ ــــ کوئی بات دبی نہیں رہے ؟” طنز کی حد تھی۔ دوسری طرف لہجہ زہرخند تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ غالباً وہ سوال کو ایکسپکٹ کر رہا تھا تبھی بہت ٹھوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

“مجھے کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔ آئی ڈونٹ کیئر ــــ اگر تمہیں کچھ جاننے کا شوق ہے تو شوق سے جان گر تم میں یہ صلاحیت نہیں ہے میرب سیال! تم رازوں سے پردہ ہٹانا نہیں جانتی ہو۔” لہجہ بہت کچھ جتاتا تھا۔ “اس وقت کوئی بحث نہیں چاہتا میں۔ گھر واپس جاؤ اور مائی سے میری بات کراؤ۔”

حکمانہ انداز میں کہہ کر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ میرب حیرت زدہ سی کھڑی رہ گئی تھی۔ ی۔ ایک تو چوری، اس پر سینہ زوری۔ شرمندہ ہونے کی بجائے وہ مزید اکڑ رہا تھا۔ کیا کہتی وہ اس بت پر۔ آہستگی سے چلتی ہوئی لاؤنج میں نکلی تھی۔ تبھی ڈاکٹر نے بتایا تھا۔

“آپ کے ساتھ جو پیشنٹ ہیں ان کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے۔ انہیں آئی سی یو میں منتقل کیا جا رہا پلیز آپ آیئے۔”

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا حکم نامہ ایک طرف دھرا رہ گیا تھا اور وہ اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر رد کرتی ما رومیصا لغاری کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

رومیصا لغاری کی حالت واقعی بہت بگڑ چکی تھی۔

اسے سانس لینے میں انتہائی دقت ہو رہی تھی۔

''رومیصا! ——— رومیصا! آر یو اوکے؟'' اس کے قریب آ کر وہ بہت اپنائیت سے اس کا ہا
ہوئی بولی تھی۔ مگر دوسری طرف سے رومیصا لغاری کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''رومیصا! ——— رومیصا!'' اس کی بگڑتی سانسوں پر ہراساں سی ہو کر میرب نے اسے پکارا

''آپ پلیز باہر جائیے۔'' ڈاکٹر نے اسے باہر کر دیا تھا۔

''میرب ———!'' رومیصا لغاری نے اپنی اُلجھی سانسوں کے بیچ اسے پکارا تھا۔ وہ سرعت
تھی۔ ایسا کیا خاص بتانے لائق باقی بچا تھا۔ میرب سیال واقعی نہیں سمجھ سکی تھی۔ مگر اس نے اپنا ہا
کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

میرب سیال کچھ سننے کی منتظر تھی۔ اس کی آنکھیں بغور اس نحیف و کمزور چہرے کو دیکھ رہی
رومیصا لغاری بولنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں سکی تھی۔ اس کی سانسوں کے اتار چ
جیسے اسے بے بس کر دیا تھا۔

ڈاکٹر نے نرس کو اشارہ کیا تھا۔ نرس نے اسے بازو سے پکڑ کر رومیصا لغاری سے دور ہٹا دیا
کمزور و نحیف ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹتا چلا گیا تھا۔

ڈاکٹر مستعدی سے اسے ٹریٹمنٹ دینے لگے تھے۔

* * *

''کیسے ہو ———؟''

سبکتگین حیدر لغاری پہلی فرصت میں پاکستان میں تھا اور گھر پہنچتے ہی بنا ریسٹ کیے میرب کی
ں جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔ صورت حال گی کو بتائی تھی۔ گی کی تشویش بڑھ گئی تھی۔ مگر سردار
گین حیدر لغاری نے جواباً کوئی جملہ نہیں کہا تھا۔ شرٹ کے بٹن تیزی سے بند کرتے ہوئے گی کی
ں ایک نگاہ بھی نہیں کی تھی۔ گی کا دل اس کی کیفیت کو جیسے گہرائی سے سمجھ رہا تھا۔

''بہت عجیب کیفیت ہے نا یہ ——— بہت مشکل لگ رہی ہوگی نا محبت؟''

''گی ———!'' وہ اپنی کیفیت سے نکلتے ہوئے ایک پل میں مسکرایا تھا۔ مگر اس مسکراہٹ میں
ب پھیکا پن تھا۔

''کچھ غلط کہا میں نے؟'' گی نے نرمی سے دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر اس کی طرف دیکھے بغیر بیڈ کے کنارے پر
ر کر شوز پہنتے ہوئے بولا تھا۔

''یہ جو تمہاری محبت ہے نا، بہت بے وقوفی والی چیز ہے۔ بہت ہی عجیب شے۔'' لہجے میں نہ چاہتے
ے بھی ایک طنز سا اُتر آیا تھا۔ اس کے اندر کی جلن اس کے لہجے کا حصہ بن گئی تھی۔ گی کو یقیناً بہت
دکھ ہوا تھا۔

''بہت مشکل ضرور ہے گین! مگر اس میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔'' اس نے باور کرایا تھا۔

''ہاں ——— احمقوں کی جنت میں کبھی کچھ ناممکن نہیں ہوتا۔'' وہ اٹھ کر بالوں میں برش کرنے لگا
۔ گی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''گین! ایک بات کہوں؟'' اجازت چاہی تھی۔

گین نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم ایک سمجھ دار اور مصلحت پسند شخص ہو۔ جلد باز ہرگز نہیں ہو۔ مگر پھر بھی اتنا کہنا
ہوں گی کہ کسی بھی مقام پر کوئی فیصلہ بہت جلدی مت کرنا۔ محبت وقت چاہتی ہے گین! اور توجہ
کا۔''

''کچھ نہیں چاہتی محبت۔ بہت فضول ہے یہ تمہاری منطق گی! بہت اسٹوپڈ ہے یہ تمہاری محبت۔''
لین نے اس کی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ ''اس میں کچھ بھی ویسا نہیں ہے جیسا تم بتاتی

ہو۔ جیسا تم سوچتی ہو۔ اپنے پاگل پن سے باہر آ جاؤ۔ یہ محبت انتہائی فضول شے ہے۔ بہ فضول۔“

گی اس کے لب و لہجے پر حیران رہ گئی تھی۔ اسے بھی اپنے لہجے کی تیزی پر غالباً افسوس ہوا تھا ہی اگلے چند لمحوں تک اس نے کچھ بولنا گوارا نہیں کیا تھا۔ پھر چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

”محبت ویسی بالکل بھی نہیں ہے گی! جیسا تم بتاتی ہو۔“ مدھم لہجہ ایک گہرا ملال اپنے اندر رکھ گی کچھ بھی نہیں بول سکی تھی۔

”مان لو، محبت ویسی بالکل بھی نہیں ہے۔ تمہاری نظر کا دھوکا ہے یہ —— صرف اور صرف فر ایک خوب صورت فریب۔ ایسا کوئی جہاں دنیا میں نہیں ہے گی! جہاں اپنے سے زیادہ کسی اور کی فک جہاں سب کچھ اچھا ہو۔ روح کو تسکین دینے والا ہو۔ اپنے آپ کو دیکھا ہے کبھی گی ژیانگ؟ —— دیا تمہیں اس تمہاری محبت نے؟ اگر یہ خوب صورت تھی تو تمہیں اتنا بے رنگ کیسے کر گئی؟ —— نئے جہاں آباد کر سکتی تھی تو اس نے تمہیں اتنا تنہا کیسے کر دیا؟ —— اگر یہ اتنی نوازنے والی ہے تم اتنی خالی ہاتھ کیوں کھڑی ہو؟ —— ایسا کیوں ہے گی؟ —— اگر محبت اتنی پُرکشش ہے دلفریب ہے تو تمہاری آنکھوں میں یہ ویرانی کیسی ہے؟“ اس نرم و مدھم لہجے میں بہت کچھ ٹو تھا۔ گی چپ چاپ کھڑی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

”مان لو گی! تمہاری محبت کچھ نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ بہت فضول شے ہے یہ۔ ایک دم نف کچھ بھی نہیں دیتی یہ۔ سارے رنگ لے کر بھی کچھ نہیں۔ مان لو یہ بات —— کیونکہ یہ میں ہوں۔“ وہ مسکرایا تھا۔ بہت دھیما اور پھیکا سا انداز تھا۔ گی تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ پلٹا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ گی اسی طرح کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

❄❄❄

وہ لاؤنج میں کھڑی تھی جب سامنے ڈرائیور کے ساتھ کوئی بہت بارعب سی پرسنالٹی کے مالک چلتے اور اس کی طرف بڑھتے دکھائی دیئے تھے۔ میرب کو کوئی خاص تعجب نہیں ہوا تھا۔ بڑے بڑ انداز میں وہ ان کی طرف متوجہ رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ قریب آئے اور اس کے پاس رک گئے تھے۔

”یہ جی بڑے آ کا جان ہیں —— رومیصا بی بی کے والد صاحب۔ اور سبکتگین صاحب کے...“ ڈرائیور بہت مؤدب انداز میں تعارف کرانے جا رہا تھا جب کہ آ کا جان نے ہاتھ اٹھا کر اے بولنے سے باز کر دیا تھا اور جانے کا اشارہ کرتے ہوئے میرب کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

میرب کی سمجھ میں اس لمحے بالکل نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

”ہم آپ کے مشکور ہیں —— آپ نے رومیصا کو بروقت ہاسپٹل پہنچا کر ہم پر احسان کیا۔

”میں نے آپ پر کوئی احسان......“ میرب نے بولنا چاہا تھا تب ہی انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بولنے سے باز رکھا تھا۔

”بھی ہماری بات مکمل نہیں ہوئی بچی! ہم یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ...... خیر، ہم تمہارا شکریہ ادا کرتا ہیں۔ رومیصا ہمیں کتنی عزیز ہے، یہ شاید تم یا کوئی اور نہ جان سکے۔“

”ایک بات کہوں —— اگر آپ کی اجازت ہو تو؟“ میرب نے مؤدب انداز میں انہیں پکارا

”کہو۔“ انہوں نے گویا اجازت دی تھی۔

”رومیصا لغاری جب آپ کو اتنی عزیز ہے تو آپ نے اسے اس قید میں کیوں ڈال رکھا جس طرح کا سلوک اس کے ساتھ یہاں کیا جا رہا ہے ویسا تو کوئی —— معاف کیجئے گا، سلوک تو کوئی اپنے کسی پالتو جانور کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ پھر آپ نے اسے اس طرح کیسے؟“

اس کی بات سن کر آ کا جان اطمینان سے اسے دیکھتے رہے تھے۔ پھر بولے تھے۔

”ہم جانتے تھے، کوئی ایسا ہی سلگتا ہوا سوال آپ کے ذہن میں ہو گا۔ مگر پھر بھی ہم نے آپ کو کا نہیں۔ کہنے دیا۔ کیا ہمارا لبرٹی دینے کا انداز یہ بات پروف نہیں کرتا کہ ہم کتنے لبرل ہیں۔ اور رہی ت رومیصا کی تو اسے آپ جانے دیجئے، یہ ہمارا نجی معاملہ ہے۔ آپ کا احسان ہم مانتے ہیں۔ آپ نے رومیصا کے لئے یہ سب کر کے ہم پر واقعی احسان کیا ہے۔ اس کے بدلے آپ ہم سے جو چاہیں گ سکتی ہیں۔“ آ کا جان کا انداز وہی ازلی تمکنت رکھتا تھا۔

میرب نے سر نفی میں ہلا دیا۔

”نہیں، شکریہ۔ مجھے آپ کی کسی قسم کی مراعات کی ضرورت فی الحال نہیں ہے۔ یوں بھی میں نے ب کسی صلے کے لالچ میں نہیں کیا۔ آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں ہم سے؟“ اس نے سوالیہ نظروں ے آ کا جان کی طرف دیکھا تھا۔

”نہیں۔“ آ کا جان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”معاف کیجئے گا۔“ وہ اسی مؤدب انداز میں بولی اور چلتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئی تھی۔

آ کا جان اس لڑکی کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

❄❄❄

گاڑی رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور چلتا ہوا کیسل کے اندر اخل ہو گیا تھا۔ مائی سے ملنے کے بعد وہ پہلی فرصت میں اس کے سامنے تھا۔

میرب سیال نے اسے دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ خوشی تو اسے یوں بھی کوئی نہیں تھی۔ انداز کی سردمہری حد سے سوا تھی۔ کسی ”لچک“ کے نہ نظر آنے کے باوجود اس کی سمت پیش قدمی کی تھی اور اس کے قریب جا رکا تھا۔

میرب سیال ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ انداز میں واضح طور پر ایک ٹھہراؤ تھا۔ اسی خاموشی سے دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور اس چہرے کو آہستگی سے اپنی جانب پھیر کر بھرپور توجہ چاہی تھی۔

”تو بہت سے رازوں کے بھید پا گئی ہیں آپ؟“ سوال غیر متوقع تھا نہ غیر واضح۔ اس کے میرب سیال اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز اس لمحے سپاٹ اس کی سرد مہری سے بیزار قطعاً نہیں ہوا تھا۔

”کیسا لگ رہا ہے آپ کو؟ —— ٹھیک ٹھاک ہیں آپ؟“ انداز میں نرمی کے باوجود ایک سی تھی۔ میرب خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پر ایک طنزیہ دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”بہت اطمینان بخش لگ رہا ہوگا سب آپ کو، ہے نا؟ —— کچھ نیا یا انوکھا جان کر جیسے حیرت ہوتی ہے۔ حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی؟“

وہ مسلسل طنز فرما رہا تھا۔ میرب کے لئے چپ رہنا دشوار ہو گیا تھا۔

”مجھے ایسا کچھ نہیں لگا۔“ وہ تنک کر بولی۔ ”میں یہاں آپ کی جاسوسی کرنے نہیں آئی تھی نے خود ہی اجازت دی تھی۔“

”آں......ں......اچھا، واقعی......اجازت تو میں نے ہی دی تھی۔“ وہ معمول کے اند بات چیت کر رہا تھا جیسے کوئی اہم واقعہ وقوع پذیر ہوا ہی نہ ہو۔

”شاید پھر میں نے خود ہی چاہا ہوگا کہ آپ کو یہ سب پتہ چل جائے۔ کیا ایسا بھی نہیں۔ طنز کے تیر چلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جتنا غصہ اس کے اندر تھا وہ اسے بہت اطمینان رہا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ آپ نے کیا چاہا تھا اور کیا نہیں۔ مجھے نہ آپ سے کوئی غرض ہے نہ ہی آ زندگی کی کسی دلی سچائی سے۔ اور نہ ہی کسی انوکھے راز سے۔“ وہ سرعت سے بولی تھی۔ جب سبکتگین حیدر لغاری نے ایک لمحے میں اسے جارحانہ انداز میں تھام کر خود سے قریب کیا تھا۔ اتنا اچانک تھا کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ ساکت نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سردار سبکتگیں لغاری اس کی سمت بغور دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک نہ سمجھ میں آنے والا اسرار تھا۔

وہ اسی طرح ساکت کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کے چہرے کو ہولے سے چھوا تھا۔

”تمہاری سمجھ بہت چھوٹی ہے۔ اور اس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔ اگر تم میں صلاحیت ہوتی تو تم......“ انداز تلملایا ہوا تھا۔ لہجہ بلند نہیں مگر سخت ضرور تھا۔

”کسی راز کو جاننے کی صلاحیت تم میں نہیں ہے میرب سیال!“ ایک جھٹکے سے اس کے وجو حصار سے آزاد کر دیا تھا۔ میرب سیال دم بخود تھی اور وہ اسی سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔

”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے کیا جان لیا ہے اور کیا جاننا باقی ہے۔ میں چھپ کر نہ وار کرنے کا قائل ہوں نہ پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا عادی۔ مجھے جو کرنا ہوتا ہے وہ دیدہ دلیر کرتا ہوں۔ تمہیں جاننے کا جنون ہو تو کچھ ہمت تم بھی دکھاؤ۔ مگر اس طرح رومیصا لغاری

ئم پھرنا بند کر دو۔ اس کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔ جتنی ہے اسے سکون سے جینے دو۔ تمہیں جب کسی ے کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر یہ سب جاننے سے فائدہ؟ —— جو ہے، جیسا ہے اسے اس کے ال پر چھوڑ دو۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری مڑا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال ساکت کھڑی اسے ہتی رہ گئی تھی۔

* * *

سائے پھیلنے میں اتنی دیر نہیں لیتے جتنی تیزی سے فاصلے بڑھتے ہیں۔ سایوں سے زیادہ تیزی سے ملے پھیلتے ہیں۔

فاصلے یہاں بھی بڑھ چکے تھے۔ مگر اس کا اندازہ فی الحال انابیہ کو نہیں تھا یا پھر وہ کرنا نہیں چاہتی ی۔ یا پھر دونوں اس سے منہ پھیرے کھڑے تھے۔ سچ جیسے ایک سورج تھا، جس کی طرف وہ دونوں یکھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی جب عفنان علی خان کمرے میں داخل ہوا تھا اور بنا ں کی طرف دیکھے الماری کے سامنے جا رکا تھا اور اپنا ضروری سامان نکالنے لگا تھا۔ انابیہ نے اسے ور دیکھا تھا پھر آہستگی سے بولی تھی۔

”آپ کو اپنا سامان کہیں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے —— آپ چاہیں تو میں...... میں ہاں سے چلی جاتی ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ الماری کی طرف بڑھ گئی تھی اپنا سامان لینے کے لئے۔ مگر تب ی وہ پلٹا تھا اور وہ بری طرح سے اس شخص سے ٹکرا گئی۔ ایک پُر تپش لمس نے وجود کو چھوا تھا۔

عفنان علی خان نے غالباً اس کے گرنے کے خیال سے اسے تھام لیا تھا۔ قربت کا یہ لمحہ کہنے کو بہت رفسوں تھا۔ مگر جس طرح انابیہ شاہ اپنی آنکھیں شدت کے احساس کے ساتھ بھینچ کر رہ گئی تھی، اس پر عفنان علی خان نے اسے دوسرے ہی پل بہت آہستگی سے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور نگاہ پھیر گیا تھا۔

”سوری۔“ وہ یوں شرمندہ دکھائی دے رہا تھا جیسے کوئی بہت سنگین جرم سرزد ہو گیا ہو۔ انابیہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ نہ اس کی طرف دیکھ سکی تھی، نہ ہی کچھ کہہ سکی تھی۔

عفنان علی خان مڑا اور پھر تیزی سے اپنی چیزیں نکالنے لگا۔

”آپ پلیز......“ انابیہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ تب ہی آہستگی سے بولی تھی۔

”کیا چاہتی ہو تم؟ —— اب اور کیا؟“ عفنان علی خان نے یک دم مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ لے صرف خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

”انابیہ شاہ! تم چیزوں کو صرف اپنے رنگ میں کیوں دیکھنا چاہتی ہو؟ —— پرابلم کیا ہے تمہارا؟ م نے جو چاہا ہے میں نے کیا ہے۔ میری بھی کوئی زندگی ہے۔ میں بھی کچھ چاہ سکتا ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ مگر تم یہ سب کیوں سمجھو گی؟“ سلگتے ہوئے لہجے میں کہتا ہوا وہ پلٹا تھا اور دوبارہ اپنی چیزیں الماری کے اندر سے نکالنے لگا تھا۔

”میں چلی جاتی ہوں یہاں سے۔“ وہ بہت اطمینان سے بولی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے دیکھا

تھا۔ انداز میں کسی قدر برہمی تھی مگر کچھ بھی بولے بغیر ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے بیڈ پر اچھالے او
کچھ بھی کہے بغیر پلٹ کر نکل گیا۔

انابیہ شاہ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❄ ❄ ❄

میرب سیال نے اپنے ذہن سے اس شخص کے خیال کو جھٹکا تھا اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

وہ ہسپتال جانے کے لئے قدم بڑھا رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز نے ا
کے قدم روک لئے تھے۔

’’کہاں جا رہی ہو تم؟‘‘

’’کیوں؟ ـــــ اب مجھے ہر بات کی اجازت آپ سے لینا ہو گی؟‘‘ اس کا انداز غیر لچک دار
تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پیشانی پر سلوٹیں واضح طور پر دکھائی دی تھیں مگر وہ بولا تھا تو انداز بہت
مطمئن تھا۔

’’ساری دیواریں گرانا چاہتی ہو تم ـــــ حدوں سے نفرت ہے تمہیں؟‘‘

’’میں کوئی دیوار پھلانگ کر کہیں نہیں جا رہی۔ نہ ہی کہیں بھاگ رہی ہوں۔ میں آپ کی......
میں ہسپتال جا رہی ہوں۔‘‘

’’رُک کیوں گئیں؟ ـــــ کہو نا، کس کی تیمارداری کرنے جا رہی ہو؟ ـــــ زبان روک لینے سے
کیا سچائی چھپ جائے گی؟ ـــــ سچ اگر جان ہی گئی ہو تو اسے قبول کیوں نہیں کر رہیں؟‘‘ لہجے میں
عجیب سی چبھن تھی۔

میرب سیال الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی نرم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

’’مجھے کسی سچائی کو قبولنے سے کوئی تعرض نہیں ہے۔ کیونکہ سچ کو نہ ماننے والے سچ سے بھاگنے کے
عادی ہوتے ہیں۔ اور میں ایسی نہیں ہوں۔ میرے نظریں پھیر لینے سے یا کسی کے کہہ دینے سے
چھپ نہیں جائے گا۔ نہ ہی بدل جائے گا۔ میں آپ کی وائف کی خیریت معلوم کرنے ہسپتال جا رہی
ہوں۔‘‘ وہ بہت پُر اعتماد انداز میں بولی تھی۔ گمان تھا کہ مقابل چاروں شانے چت ہو جائے گا مگر ایسا
نہیں ہوا تھا۔ وہ بہت پُرسکون انداز سے مسکرا رہا تھا۔ انداز حد درجہ محظوظ ہونے والا تھا۔ یہ بڑی غیر
متوقع کیفیت تھی۔ میرب کو واقعی حیرت ہوئی تھی۔ مگر اس نے یہ حیرت اس شخص پر قطعاً ظاہر نہیں ہونے
دی۔

’’میری وائف؟ ـــــ آئی سی۔‘‘ وہ جیسے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انداز میں ایک پُرسکون
کیفیت تھی۔ وہ چلتا ہوا کچھ قریب آ گیا تھا۔

’’میری وائف ـــــ آپ کی کیا ہوئیں؟‘‘ پُر اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
دریافت کیا تھا۔

ب سیال کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ جو پُر اعتماد انداز سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی، نگاہ پھیر گئی
شخص اسے کبھی سکون سے نہیں رہنے دے گا۔ شاید یہ طے کر لیا تھا اس نے۔ ایک پل میں اس
وہ
بنان کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔
ہوں ـــــ کیا ہوئیں وہ آپ کی؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمی سی مسکراہٹ لبوں میں
اس کے جواب کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے ایک کڑوا گھونٹ لیا تھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر

ا۔
ردمیصا لغاری کا آپ سے کچھ بھی رشتہ سہی۔ مجھے ان سے ہمدردی ہے......‘‘
کیوں؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ ’’کیوں؟
پوچھ رہا ہوں۔ کیوں ہے تمہیں یہ ہمدردی؟ کس لئے؟ ـــــ رشتہ میرا ہے اور فکر میں آپ دبلی
جا رہی ہیں۔ ایک ان جانے رشتے سے اتنی ہمدردی؟ ـــــ آپ کو تو اس سے دور کا بھی واسطہ
ہونا چاہئے۔ غرض تو پھر دور کی بات ہے۔‘‘ انداز جتانے والا تھا۔ غالباً وہ اسے طیش دلانے کے
ں تھا۔ میرب سیال کے دل پر جیسے ایک بوجھ سا آن گرا تھا۔ ایک لمحے میں خود کو سنبھالنا محال لگا

یہ تصور جان لیوا تھا کہ وہ اس کا نہیں۔ یہ خیال تو اور بھی قتل کر دینے والا تھا کہ وہ اس کا نہیں۔
’’میں جانتی ہوں، ایک سے زیادہ حصوں میں بٹا ہوا رشتہ میرا ہرگز نہیں۔ آپ مجھے سمجھانے کی
ں کیوں کر رہے ہیں؟ جبکہ یہ بات میں پہلے سے جانتی ہوں۔‘‘ نظریں بوجھل تھیں۔ ڈر تھا بھرم
نہ جائے۔ وہ ساری نمی اپنے اندر کہیں اتار لینا چاہتی تھی۔ تب ہی اس کی طرف متوجہ بھی نہیں

’’جانتی ہوں میں یہ بات ـــــ آپ پلیز۔‘‘ باور کرانا چاہتی تھی مگر اتنا حوصلہ کس میں تھا۔ آواز
ی ہوئی تھی اور حلق میں ہی کہیں دم توڑ گئی تھی۔ وہ جو پُر اعتماد انداز میں اس کے سامنے کھڑے رہنا
تی تھی، بہت کمزور پڑنے پر نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔ انداز
نچے والا تھا۔
’’جانتی ہو تو مانتی کیوں نہیں؟‘‘ اس بار انداز خلافِ معمول حد درجہ نرم واقع ہوا تھا۔ لہجہ مدھم تھا۔
بغور اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کیا باور کرانا مقصود تھا اس شخص کو؟ ـــــ کیا ثابت کرنا چاہتا تھا
اور وہ باور کرا بھی پایا تھا کہ نہیں۔ اس کا اندازہ اگلے ہی پل ہو گیا تھا جب وہ کہہ رہی تھی۔
’’مان چکی ہوں ـــــ مان ہی تو چکی ہوں۔ اور آپ کو بھی اس کا اندازہ بہت جلد ہو جائے گا۔‘‘
از فیصلہ کن تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اطمینان کم نہیں ہوا تھا۔
’’اوہ۔‘‘ وہ جیسے قطعاً متاثر نہ تھا۔ ’’جلن ہو رہی ہے؟‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے پُرسکون انداز میں
پوچھا تھا۔ میرب سیال نے سلگتے ہوئے انداز میں قاتل نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
’’کیا؟‘‘ وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی۔

”جلن، جیلسی، حسد محسوس کرنا۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت پُرسکون انداز میں معن واضح کیئے تھے جیسے وہ قطعاً نابلد ہو۔ میرب سیال کا سارا ضبط جواب دے گیا تھا۔ آنسو آنکھوں پر اب تک جو ایک اختیار تھا ایک لمحے میں وہ بند ٹوٹا تھا اور سارا نمکین پانی رخساروں پر تھا۔ مگر وہ بنا شرمندہ ہوئے، خجل ہوئے پُراعتماد نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”جلن؟ —— مجھے جلن کیوں محسوس ہو گی؟ کس لئے؟“ اگر نگاہوں سے کوئی قتل کر سکتا تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو آج قتل کر چکی ہوتی۔

”کیا رشتہ ہے میرا آپ سے؟ —— کیا لگتے ہیں آپ میرے؟“ تنک کر پوچھا تھا۔ انداز ایک جلن بہت واضح تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس رخساروں پر سے نمکین پانی کا ایک قطرہ اپنی انگلی کی پور پر لیا تھا۔ اسے بغور دیکھتا دھیمے انداز میں دیا تھا۔

”نہیں جانتی ہو——؟“ مدھم لہجے میں جیسے کوئی ایک شکوہ سر پٹخ رہا تھا۔ میرب سیال سلگ کر پھیر گئی تھی۔

”نفرت ہے مجھے آپ سے۔“

”محبت کب ہوئی تھی۔ بتایا نہیں تم نے۔“ شکوہ در شکوہ۔ انداز دلچسپ تھا۔ وہ جیسے اپنے سکون اسے زچ کر رہا تھا۔ میرب سیال کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے شخ تہس نہس کر کے رکھ دے۔

”محبت —— محبت کے معنی جانتے ہیں آپ؟“ وہ پھنکاری تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری چہرے کو بغور دیکھتا رہا تھا۔

”تم سمجھا دو۔“ مدھم لہجے میں کوئی درخواست تھی۔ کوئی دھیما دھیما الاؤ تھا۔ مگر میرب سیال کچ دیکھ رہی تھی۔ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

”محبت کے ہجے بھی نہیں آتے آپ کو۔ محبت کی ”میم“ کی بھی خبر نہیں ہے۔ اور......“ وہ ا طرف دیکھے بغیر زہر خند لہجے میں بولی تھی۔

”اور؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ لہجہ نرم بھی تھا اور لچک دار نکلنے کو بہت سی گنجائش نکل سکتی تھی۔ مگر یہاں کوئی مائل نہیں تھا۔

میرب چہرے کا رخ پھیرے کھڑی تھی۔ تب ہی اس ساکت ماحول میں سردار سبکتگین حیدر کی مدھم آواز دوبارہ ابھری تھی۔

”اور......؟“ وہ اس ادھوری بات کو مکمل کر دینے کے درپے تھا۔ مگر میرب سیال یک دم ع تھی اور وہاں سے نکل جانا چاہا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بھرپور استحقاق سے نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔

”ادھوری باتیں، ادھورا پن دیتی ہیں میرب سیال! ادھورا پن اچھا نہیں ہوتا۔ مکمل کر دو۔“

بات کا حوالہ دیئے بغیر یہ تذکرہ خاص، ایک خاص مفہوم رکھتا تھا۔

مکمل کرو۔“ درخواست گزار انداز کسی قدر ملتجی بھی تھا اور دھیما بھی۔ مگر میرب سیال نے مڑ کر نہیں تھا۔ وہ جیسے اپنی ذات کی بات کر رہا تھا۔

بہت جلد ختم ہو جائے گا یہ سب —— بہت جلد آپ کو پتہ چل جائے گا۔“ وہ کچھ سمجھے بغیر اس دیکھے بنا ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

* * *

”کیسی ہیں اب آپ؟“

پچھلے روز سے رومیصا لغاری آئی سی یو میں تھی۔ ابھی کچھ حالت سنبھلی تھی تو اسے پرائیویٹ روم فٹ کیا گیا تھا۔ میرب نے جیسے ہی قدم رکھا تھا، رومیصا لغاری اسے اپنائیت سے دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھی۔ چہرے پر نقاہت اب بھی تھی۔

”کیا محسوس کر رہی ہیں اب آپ؟“ تازہ پھولوں کا بکے اس کے قریب رکھتے ہوئے میرب نے اپنائیت سے دریافت کیا تھا۔ رومیصا لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”تم —— تم کہاں چلی گئی تھیں؟“ رومیصا لغاری نے شکوہ کیا تھا۔ میرب سیال جیسے اس لمحے مسکرائی تھی۔

”آپ نے مجھے مس کیا؟“ انداز بہت پھیکا سا تھا۔ رومیصا لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بابا سے بھی پوچھا تھا۔ بتا رہے تھے کہ تم گھر پر ہو۔ گین آیا ہوا“ نقاہت سے پُر آواز میں پوچھا تھا۔

میرب سیال نظریں چرا گئی تھی۔

”ہاں۔“ مختصر جواب دے کر اس کی دواؤں کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

”کیسا لگ رہا ہے اب آپ کو؟ —— پہلے سے بہتر محسوس کر رہی ہیں نا؟ دوائیں تو وقت پر لے ہیں نا آپ؟“ وہ جیسے اس موضوع پر آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

رومیصا لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

میرب سیال چند ثانیوں تک کھڑی اس خالی ہاتھ کو دیکھتی رہی پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر کے خالی ہاتھ پر رکھ دیا۔

”میرب! ایک خالی ہاتھ کو جانتی ہو کیا شے بھر سکتی ہے؟“ رومیصا لغاری نے جیسے اسے سمجھانا چاہا۔ میرب سیال نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”کیا؟“ انداز میں کوئی لگاوٹ نہ تھی۔

”صرف ایک محبت بھرا ہاتھ میرب!“ رومیصا لغاری نے مدھم لہجے میں جیسے بہت کچھ جتایا تھا۔ ”ف محبت بھرا ہاتھ ایک خالی ہاتھ کو بھر سکتا ہے میرب! اور کچھ نہیں۔ پتہ نہیں مجھے یہ بات تمہیں نی چاہئے کہ نہیں۔ مگر جب ایسا کوئی لہجہ یا ہاتھ، ہاتھ میں آئے تو اسے جھٹکنا نہیں چاہئے۔“

رومیصا لغاری اسے پتہ نہیں کیا سمجھانا چاہتی تھی۔ مگر وہ اسی طرح خاموش سی کھڑی رہی تھی۔ بولی تھی۔ رومیصا لغاری دوبارہ بولی تھی۔

”وہ ہاتھ تمہارا ہے میرب! اُسے اس طرح اگنور مت کرو۔“ رومیصا لغاری اُسے جتا رہی تھ شے کے بارے میں جو اس کی تھی ہی نہیں۔ وہ ایک عجیب طنز سے مسکرا دی تھی۔

”رومیصا! آپ........“ وہ کچھ بولتے بولتے رہ گئی تھی۔

”میں جانتی ہوں میرب! —— میں جانتی ہوں۔ بے خبر لمحوں کی خبر تمہیں دینا چاہتی ہوں سے تم واقف نہیں ہو۔“ رومیصا لغاری کو اس کی بے وقوفی پر جیسے افسوس ہوا تھا۔

میرب سیال مسکرا دی تھی۔

”رومیصا! مجھے ایک بات بہت عجیب لگتی ہے۔“

”کیا؟“

”شاید آپ بھی جانتی ہیں، ہم دونوں جس رشتے میں ہیں اس میں ایسی دل جوئی کہیں نہیں مگر ہم ایک دوسرے کی دل جوئی بھی کرتے ہیں اور خیر خواہی بھی۔“ میرب سیال نے پھیکے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ رومیصا لغاری بھی مسکرا دی تھی۔

”ایسا کیا ہے میرب؟ —— کیا ہم میں واقعی کوئی دشمنی ہونی چاہئے؟“

”پتہ نہیں۔ میں نے آج تک کسی سے نفرت نہیں کی۔ کسی سے عداوت نہیں رکھی۔ مجھے نہیں کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں۔ مگر میں کسی سے بھی نفرت نہیں کر سکتی۔“ اس کا انداز بے بس تھا۔

”تمہارا دل بھی کوئی دُکھا دے تب بھی نہیں؟“

”نہیں —— میں خود کو ہرٹ کرنے والے سے بھی نفرت نہیں کر سکتی۔“ وہ بالکل مجرمانہ میں سر جھکا کر بول رہی تھی۔ اسے جیسے اپنی بے وقوفی پر غصہ آ رہا تھا۔ رومیصا لغاری نے ا دیکھا تھا۔

”تم دنیا کی بہت انوکھی لڑکی ہو میرب! اور تب ہی شاید بہت اچھی بھی لگی ہو۔ تم جیسی لڑکی کوئی ہرٹ کرنا نہیں چاہے گا۔“

”پتہ ہے، آپ کے بابا سے ملاقات ہوئی تھی اس روز۔“ میرب سیال نے بات یک دم دی تھی —— رومیصا لغاری کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ اس موقع سے، اس موضو فرار کیوں چاہتی ہے۔ مگر وہ بہت قلیل لمحوں میں اسے قائل کرنا چاہتی تھی۔ جیسے یہ سب اس بہت ضروری تھا۔

”میرب!“ اسے دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”پلیز رومیصا! مجھے یہ سننا بہت محال لگتا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ یقین کرنا۔ میں کسی کے دیکھے پر یقین نہیں رکھتی۔ جو میری نگاہ دیکھتی ہے میں اس پر اعتماد کرتی ہوں اور میری نگاہ نے ا

نہیں دیکھا رومیصا!“

اعتبار کرو میرب! تم جس لمحے میں زندہ ہو، وہ لمحہ تمہارا ہے۔ اپنے اس لمحے کو جی لو۔“

کیسے جی لوں؟ —— کیا یہ اتنا آسان ہے؟ آپ......آپ کیسے کہہ سکتی ہیں یہ سب؟ جبکہ

“

میں کیا میرب؟ —— تم رک کیوں گئیں؟ بولو نا۔“

کچھ نہیں۔“ میرب سیال چہرہ پھیر گئی تھی۔

میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں میرب!“ رومیصا لغاری نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

رومیصا! پلیز۔ میں آپ کے پاس کسی راز کی انفارمیشن گیٹ کرنے نہیں آئی۔ مجھے کچھ جاننے دکار نہیں ہے۔ آپ پلیز خود پر برڈن مت ڈالئے۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ آپ آرام

نہیں گین نے کچھ کہا ہے میرب؟“

نہیں —— “ وہ اس کی طرف دیکھنے سے مکمل گریز کر رہی تھی۔ ”انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔“ جیسے بے فکر کر دینا چاہتی تھی۔ رومیصا لغاری اس کے منع کرنے کے باوجود اس موضوع سے یار نہیں تھی۔

گین اتنا مشکل نہیں کہ سمجھ میں نہ آ سکے۔“

رب سیال اس ذکر سے، اس نام سے جتنا بچنا چاہتی تھی وہ نام، وہ ذکر اسے اتنا ہی زیادہ گھیرتا وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ نہ اسے رد کیا تھا، نہ چپ کرایا تھا۔ غالباً اس کا احترام کر رہی تھی۔ شاید کی کہ اس کے پاس جینے کے لئے لمحے تھوڑے ہیں اور وہ اسے اس کی خواہش سے جینے دینا ی۔

اس کا دل بہت خوبصورت ہے میرب! —— اس کے دل میں جھانکو، اتر کر دیکھو۔ وہ جتنا ا، جتنا اسٹرونگ دکھائی دیتا ہے، اندر سے وہ اتنا ہی نرم اور سوفٹ ہے۔ وہ اندر سے ادھورا ہے اُسے مکمل کر دو۔“

مکمل کر دو —— “ ایک بازگشت جیسے اس کے اندر ہوئی تھی۔ ابھی کچھ لمحوں پہلے کہا گیا ایک دھیما لہجہ اس کے اندر گونجا تھا۔ میرب نے چونک کر رومیصا لغاری کو دیکھا تھا۔

اس کا دل جو کہتا ہے اسے وہ کہنے کا فن نہیں آتا میرب! وہ جو محسوس کرتا ہے اسے بیان نہیں کر وہ تمہیں کبھی بھی اس طرح نہیں بتا پائے گا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اسے تمہاری کتنی ضرورت ہے۔“

سب باتیں اس کے لئے جیسے بے معنی تھیں۔ وہ رومیصا لغاری کو صرف اس لئے سن رہی تھی کہ بولنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔ ورنہ اسے نہ ان باتوں کی وقعت کا کوئی اعتبار تھا نہ ہی کوئی یقین کے اندر سر اٹھا رہا تھا۔ وہ خالی دل، خالی نظروں کے ساتھ اس لمحے چپ چاپ اس کے سامنے ئی تھی۔

""اسے مکمل کر دو میرب سیال!"" رومیصا لغاری اسے کہہ رہی تھی اور وہ چپ چاپ دیکھ رہی تھی

* * *

""کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہے ہو تم؟"" ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔

ازہان حسن بخاری جو کسی سوچ سے چونکا تھا، سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

""تم کچھ ڈسٹرب ہو؟""

""نہیں ـــــ وہ، میرب کو فون کیا تھا ـــــ کچھ عجیب سا لی ہیو کر رہی تھی۔""

""اس نے تمہیں نہیں بتایا؟"" ساہیہ حیران ہوئے بغیر پوچھنے لگی تھی۔ ازہان نے اس کی طرف تھا جیسے اس کو ساہیہ کے انداز پر حیرانی ہوئی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میرب کے نام پر وہ کچھ الگ ری ایکٹ کرے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

""کیا ہوا؟ ـــــ ایسے کیا دیکھ رہے ہو تم؟""

""کچھ نہیں۔"" ازہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

""میں جانتی ہوں ـــــ مگر میں نہیں پوچھوں گی۔"" ساہیہ مسکرا دی تھی۔ وہ لڑکی اپنی جگہ حیرا تھی۔ ازہان حسن بخاری کو اس بات کو ماننا پڑا تھا۔ اس کا دل واقعی بہت گنجائش رکھتا تھا۔

""تم میرب کے بارے میں بتا رہے تھے؟"" اس کے خاموشی سے دیکھنے پر ساہیہ نے اسے یا تھا۔ ازہان نے سر ہلا دیا تھا۔

""بات نہیں ہوئی اس سے۔""

""تو کیا پرابلم ہے؟ ـــــ بات کر لو اس سے۔ کیا وہ تم سے بات کرنا نہیں چاہتی۔"" وہ ا انداز میں یوں بات کر رہی تھی جیسے وہ میرب سیال کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہو۔ ازہان حسن نے اسے بغور دیکھا تھا۔

""تم کیا سوچ رہی ہو ساہیہ؟""

""میں کیا سوچ رہی ہوں؟"" وہ پُر خیال انداز میں سوچتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ""میں سوچ رہ کہ دنیا آخر گول ہی کیوں ہے۔"" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی تھی۔ عجیب غیر سنجیدہ انداز تھا جیسے وہ اس مذاق میں اُڑانا چاہتی تھی۔

""ساہیہ!"" ازہان نے اسے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

""تمہیں ڈر لگتا ہے نا؟"" بہت عجیب سوال نہیں تھا۔ مگر وہ چونکی تھی اور مسکرائی تھی۔

""ڈر؟ ـــــ مجھے ڈر کیوں لگے گا؟ ہاں لگتا تھا کبھی ـــــ مگر اس وقت میں بہت چھوٹی تم نہیں لگتا۔ کیونکہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔"" وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی جیسے اس راز کو نہ جانتا ہو۔ ازہان مسکرا دیا تھا۔

""ڈر صرف بچوں کو ہی نہیں لگتا ساہیہ! بعض اوقات بڑوں کو بھی لگتا ہے ـــــ اور ڈر آ کمزوری والی بات نہیں ہے۔ وہ ہٹلر تھا نا، وہ بھی ڈرتا تھا۔ اور وہ جو نپولین تھا نا، وہ بھی ڈرتا تھا

ے مقام پر اسے شکست ہوئی تھی تو وہ رویا بھی تھا۔ کیونکہ وہ اس ہار کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ اور وہ ی ہار تھی۔ ہار جانے کا ڈر صرف بچوں کو ہی نہیں ہوتا ساہیہ! یہ ڈر بڑوں کو بھی لگتا ہے۔"" وہ نرمی ا رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

ے اس کی آنکھوں میں پانی کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے تھے جو بالآخر آنکھوں سے باہر آ ۔ ساہیہ نے کناروں پر سے آنکھوں کی اس نمی کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور مسکرا دی تھی۔

یہ واٹر لو والی کیا داستان ہے؟ اس روز اگینے بھی بتا رہی تھیں۔ کیا بہت بڑی ہار تھی وہ؟ ـــــ یا ہار چھوٹی بڑی ہوتی ہے؟"" وہ مسکراتے ہوئے معمول کی ساہیہ لگی تھی۔ ازہان اسے دیکھتے رمی سے مسکرایا تھا۔

ہار، ہار ہوتی ہے ساہیہ! چھوٹی یا بڑی نہیں ہوتی۔ ہار کو جھیلنا آسان نہیں ہوتا۔""

اور ہم پھر بھی اس ہار کو جھیلتے اور سہتے ہیں۔"" ازہان کی بات کو اس نے بہت نرمی سے مسکراتے مکمل کیا تھا۔ ازہان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے جیسے کسی فرار کی تلاش میں تھی۔ اس ں متوجہ نہیں تھی۔ شاید ایسا وہ جان بوجھ کر کر رہی تھی۔ مسلسل اپنی پوروں پر اس نمی کو دیکھ رہی ازہان کچھ بول نہیں سکا تھا۔ تبھی وہ مسکرا دی تھی۔

دل کی ہار بہت بری ہوتی ہے نا ازہان! اس واٹر لو سے بھی بہت بڑی۔ یا پھر اس واٹر لو کی جیسی ہی۔""

تمہیں کیا لگتا ہے ساہیہ؟""

مجھے؟"" وہ مسکرائی تھی۔ انداز بالکل سرسری اور غیر سنجیدہ تھا۔ ""مجھے دل کی ہار اس واٹر لو کے مقام ں بڑی ہار لگتی ہے ازہان! نپولین اس کا اندازہ کبھی نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ نپولین کا دماغ صرف اس میں لگا تھا۔ صرف دماغ انوالو تھا، دل نہیں۔ وہ اس جنگ کی ہار کو صرف دماغی طور پر جھیل سکا۔ ے بھی وہ اس ہار کو محسوس نہیں کر سکتا۔ اگر وہ دل سے ہارا ہوتا تو شاید اسی لمحے میں مر گیا ہوتا۔ دل اندر سے اندر جینے کا حوصلہ ختم کرتی ہے ازہان! ڈائریکٹ دل کو مارتی ہے۔ نپولین کبھی اس بات ازہ نہیں لگا سکا ہو گا۔ دل کی ہار شاید واٹر لو کی اس ہار سے بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ اسے جھیلنے زیادہ انعام کے حق دار ہونے چاہئیں۔ حیرت ہے، انہیں کوئی خراجِ تحسین تک پیش نہیں کرتا۔"" نجیدہ بات کہنے کے بعد غیر سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔ ازہان اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

تم خود کو اتنا بے فکر ظاہر کیوں کرتی ہو ساہیہ؟""

کیوں، میرا فکر مند ظاہر کرنا میرے لئے کون کون سے فائدے لا سکتا ہے؟"" وہ بدستور اسی طرح رہی تھی۔ ازہان کو وہ لمحہ بہت مشکل لگا تھا۔

تمہیں ڈر ہے نا؟""

ڈر کے نہیں ہوتا ازہان! ـــــ میں بھی انسان ہوں۔ میرے سینے میں بھی ایک دل ہے۔ اور وہ زور بھی ہے۔ تو ڈر تو مجھے لگے گا نا۔ ویسے ابھی سے بتا دوں، مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا

ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔ "یاد ہے تمہیں، اس روز جب اچانک لائٹ چلی گئی تھی تو ـــــ اور وہا میں کتنی موٹی کالی بلی تھی نا۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں۔ تم لڑکیوں کو اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔"

"اور تم مردوں کو یہ بات پتہ ہے، اس کے باوجود میرے آواز دینے کے پانچ منٹ بعد پہنچے تھے۔ کتنے افسوس کی بات ہے نا۔" اس نے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا اور ازہان مسکرا دیا تھ

"وہ تو میں کینڈل ڈھونڈ رہا تھا۔" وضاحت پیش کی گئی تھی اور ساہیہ ہنس دی تھی۔

"تم مردوں کے پاس ہر بات کا جواز موجود ہوتا ہے۔"

"اور تمہیں ڈر نہیں لگتا۔" وہ اسی نقطے پر واپس آیا تھا۔

"لگتا ہے ـــــ بہت لگتا ہے۔" وہ ایک پل میں سنجیدہ ہوئی تھی۔ "مجھے ڈر لگتا ہے ازہان کبھی کبھی واقعی بہت لگتا ہے۔ مگر میں خوفزدہ ہونا نہیں چاہتی۔ نہ ہی میں ڈرنا چاہتی ہوں۔"

"تم خیال کرتی ہو کہ ڈرنا منع ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

"نہیں ـــــ میں نہیں سمجھتی ہوں کہ ڈرنا ضروری ہے۔"

"ساہیہ!" ازہان نے اسے سنجیدگی سے پکارتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ "ساہیہ! بھروسہ رکھو۔ وہ کبھی تم سے غافل نہیں ہوگا۔" اس نے نرم، دھیمے لہجے میں اسے یقین دلایا تھا۔

ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ صرف خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

* * *

میرب سیال چلتی ہوئی مائی کے پاس آئی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر قدم دروازے میں ہی رک گ وہ موصوف بھی وہاں براجمان تھے۔

"کیا ہوا بچے! ـــــ اندر آؤ نا ـــــ اس طرح رک کیوں گئیں؟" مائی نے اسے لگا پکارا تھا۔ مگر اس کی نگاہ اس شخص کی جانب گئی تھی جو اس گھڑی خاموشی سے سپاٹ چہرے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال نے ایک پل کو دیکھا تھا۔ پھر قدم آگے بڑھا دیئے تھے اور سامنے جا رکی تھی۔

"مائی اماں! مجھے واپس جانا ہے۔" اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔ جیسے وہ ہر بات کا فیصلہ کر تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے اس اقدام پر چونکا نہیں تھا۔ وہ بہت اطمینان سے ا تھا۔

"اچھا، ٹھیک ہے ـــــ واپس تو مجھے بھی جانا تھا اور گین کو بھی۔ اگر تم ہمارے ساتھ ہو ہمیں اطمینان بھی رہتا اور خوشی بھی ہوتی۔" مائی اماں نے مروت سے کہا تھا۔ تبھی وہ جواباً بولی

"میں ایسا ضرور کرتی مائی! مگر ـــــ بابا کا فون آیا تھا۔ وہ بھی مجھے مس کر رہے ہیں۔ اسٹڈی......"

"ہاں، وہ بھی ہے ـــــ اور زیادہ ضروری بھی ہے ـــــ ٹھیک ہے۔ میں کسی سے کہہ کر ت کروا دیتی ہوں۔ تم اپنا سامان پیک کر لو۔ مگر......" مائی اماں کسی الجھن میں دکھائی دی سردار سبکتگین حیدر لغاری لاتعلق سا بیٹھا تھا۔

"مگر کیا مائی؟ ـــــ کوئی پرابلم ہے؟ ـــــ اگر ایسا ہے تو مجھ سے کہیے ـــــ ہو سکتا ہے کہ پ کے لئے کچھ کر سکوں۔" میرب کا انداز مائی کے ساتھ بہت الگ تھا۔

"وہ تو ہے بیٹا! لیکن تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ ـــــ تمہیں جانا ہے۔"

"تو آپ چاہتی ہیں کہ میں رک جاؤں؟" سوالیہ نظروں سے مائی اماں کو دیکھتے ہوئے وہ اس لمحے بکتگین حیدر لغاری کو مکمل طور پر اگنور کر رہی تھی۔ اور شاید وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھی۔

"نہیں بیٹا! رومیصا لغاری۔ صبح میں ہسپتال گئی تھی۔ اس کے ڈاکٹر سے بھی بات ہوئی تھی۔ اس ں زیادہ وقت نہیں ہے۔ اگر ممکن ہوتا تو میں اس کے لئے کچھ کرتی۔" مائی کی آنکھیں آبدیدہ ہو ں۔ میرب خاموشی سے کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ مائی کیا کہنا چاہ رہی تھیں! وہ یماروں کی تیارداری کرنے نہیں آئی تھی۔ نہ ہی وہ کوئی مسیحا تھی۔ پھر یہ لوگ کیا چاہ رہے تھے اس ـــــ اور کیا کیا کچھ۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میرے یہاں رہنے سے رومیصا لغاری کی حالت سنبھل سکتی ہے؟"

"مجھے نہیں، خود رومیصا نے ایسا کہا ہے کہ تم اس کے قریب رہو۔ بیٹا! مرنے والی کی آخری خواہش تی رکھتی ہے۔ مگر میں تم پر کوئی قدغن پھر بھی نہیں لگاؤں گی۔ اگر تم جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔ میں جانتی کیوں اور کیسے مگر رومیصا لغاری کو تم سے کچھ انسیت ہو گئی ہے۔ وہ کیا چاہتی ہے اس سے ہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ میں تمہیں پابند بھی نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو کسی قدر شرمندہ ہوں کہ نے تمہیں اس رشتے سے لاعلم رکھا اور تمہیں اس کے بارے میں خود سے پتہ چلا۔" مائی شرمندہ دے رہی تھیں۔

میرب میں اب اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ انہیں اس شرمندگی سے کچھ کہہ کر نکال پاتی۔ ہاں اسے اتھا ـــــ بہت دکھ ہوا تھا اور اس کا ازالہ صرف یہ کہہ دینے سے ممکن نہیں تھا۔

"میرب بیٹا! تم تیاری کر لو۔ میں تمہارے جانے کا بندوبست کروا دیتی ہوں۔" مائی بولی تھیں اور وہ ی سے چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ یہ دیکھے بغیر کہ کوئی اور بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

"میرب!" باقاعدہ آواز دے کر پیچھے سے پکارا گیا۔ یہ وہ صدا نہیں تھی کہ اس کے قدموں کو منجمد نا یا وہ پتھر ہو جاتی۔ مگر اس کے باوجود اس میں اتنی کرتسی تھی کہ وہ رک گئی تھی۔ اگرچہ پلٹ کر پھر س نے نہیں دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے سامنے آن رکا تھا۔

وہ اس کے بولنے کی منتظر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ مگر وہ فوری طور پر نہیں بول سکا تھا۔ میرب خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

"تو جا رہی ہو تم۔ واپس جانا چاہتی ہو؟"

''ہاں۔'' اس نے بلا تردد جواب دیا تھا۔ انداز سرد تھا۔

''میں نہیں جانتا تھا تم اتنی بے حس ہو۔ اتنی پتھر ہو۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُرافسو میں کہتے ہوئے ایک الزام اس کے سر کیا تھا۔ اسے اس الزام پر واضح حیرت ہوئی تھی۔

''کیا کہا آپ نے؟ ___ بے حس ہوں میں؟ ___ میں بے حس ہوں؟ ___ اگر م حس ہوتی تو یہاں پر نہ ہوتی۔ مجھ پر الزام لگا کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' وہ پُراعتماد اند دریافت کر رہی تھی۔

''ثابت کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہیں رومیصا کی خواہش کا کچھ تو اح چاہئے۔''

''کیوں ___ کیوں کروں میں احترام؟ ___ کیا لگتی ہیں وہ میری؟ اور آپ ___ الزام لگانا باقی ہو تو وہ بھی لگا دیجئے۔ پہلے راز جاننے کا، کچھ کھوج داری کا الزام لگایا اور اب یہ اور کس لئے رکوں میں تا کہ آپ کو یقین ہو سکے کہ میں واقعی کسی راز کی کھوج میں یہاں آئی ہو ہے اس روز آپ نے ہی مجھے رومیصا لغاری سے ملنے سے باز رکھنا چاہا تھا نا۔ اس کے قریب سے بھی منع کیا تھا۔ صرف اسی وجہ سے نا کہ آپ کو لگتا ہے میں ان کے قریب جا کر ان سے رہی ہوں۔ تو پھر اب کیوں روک رہے ہیں آپ مجھے؟'' وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی پُراعتماد دریافت کر رہی تھی۔ سردار سبکتگین کو اس کی ہمت نے ایک بار پھر دونوں شانے چت کر دیا بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مگر اس لمحے وہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ تبھی بہت جارح میں اسے شانوں سے تھاما تھا اور بولا تھا۔

''مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ تم کیا سوچتی ہو۔ کس لئے سوچتی ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ سمجھ تمہاری عقل میں بات کیوں نہیں آتی؟ ___ اتنی بند عقل کی لڑکی کیوں ہو تم؟ ___ دماغ کب لو گی تم؟ عقل کو استعمال بھی کرنا ضروری ہے۔ کس روز پتہ چلے گا تمہیں؟ ___ وہ عور ذرا سی ہمدردی چاہتی ہے۔ تمہاری ذرا سی توجہ اور تم۔''

''تو کیوں دوں میں اسے توجہ؟ ___ کیوں دوں ذرا سی ہمدردی؟'' متوازن انداز ہوئے اس نے اپنے شانوں پر سے سردار سبکتگین کے ہاتھ ایک لمحے میں جھٹک دیئے تھے۔

''کوئی نرس نہیں ہوں میں ___ نہ ہی کواٹینڈنٹ ___ آپ کی سمجھ یہ بات نہیں آتی ہیں آپ مجھے ___ بیوی ہوں آپ کی تو سب کی غلام بھی ہو گئی؟'' اس کا لہجہ معمول تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ جانے کیسے اس لمحے میں اٹھا تھا اور اس کے چہرے پر نشا گیا تھا۔ وہ ساکت سی، بھرپور حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک مڑا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال بت بنی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

* * *

وہ کمرے میں چپ چاپ دبکی بیٹھی تھی۔ جب فاطمہ شاہ اندر آئی تھیں۔

اہوا؟ ___ تم اس طرح اندھیرا کئے کیوں بیٹھی ہو؟''

شاہ سیدھی ہو بیٹھی اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ں ___ ایسی بات نہیں ہے۔''

نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔

تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ کل گھر میں ایک تقریب ہے۔ بہت سے گیسٹ آ رہے ہیں۔ سب اہو سے ملنے کا بھی شوق ہے۔ اس لئے تم اٹھو اور سیلون جا کر کچھ فریش ہو جاؤ۔''

کا موڈ بحال کرنے کو وہ مسکرائی تھیں۔ وہ بھی مسکرا دی تھی اب اتنی تو کرٹسی باقی تھی اس میں۔

ی باتیں کرتی ہیں آپ ممی؟ ___ آپ کا زمانہ اب اتنا پرانا بھی نہیں ہے۔ میں نے شادی کی دیکھی ہیں آپ کی۔ اچھی خاص ماڈرن خاتون تھیں آپ۔'' انابیہ بولی تھی۔

تھا ___ تو کیا اب نہیں ہوں؟'' وہ اس کا چہرہ ہاتھ میں لے کر ہنس دیں۔ ''چلو اچھا ہوا، ری کسی بات نے ہی سہی، خوش تو کیا۔ ہمارے بچے کے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر آئی۔''

نے اسے کہا تو وہ جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔ تبھی فاطمہ شاہ محبت سے بولی تھیں۔

با! زندگی کے دروازے اس طرح بند نہیں کرتے۔ یہ عمر جینے کی ہے۔ اسے زندہ دلی سے بسر ہاری عمر کے جب ہم تھے نا، ہم اس طرح کمرہ بند کر کے بیٹھنا تو درکنار، ہم گھر پر بھی مشکل ائی دیتے تھے۔ ہماری اماں ہماری خبر گیری کو پیچھے پیچھے ہوتی تھیں اور ہم آگے آگے۔ مگر بیٹا! ہے، کھل کر جینا۔ لڑکیاں بڑی نرم دل ہوتی ہیں۔ بہت دلکش۔ انہیں رنگوں سے، موسموں سے رہنا چاہئے۔ تمہیں پتہ ہے اس وقت باہر کتنا خوبصورت موسم ہے۔ انوشے اور عریشہ ٹیرس پر نانٹ اٹھو۔ ٹیرس پر چلو۔ میں گرم گرم چائے کے ساتھ گرم گرم پکوڑے بنا کر بھیجتی ہوں۔ اور وں صبح تم عفنان کے ساتھ اٹلی جا رہی ہو۔'' جاتے جاتے انہوں نے دھماکا کیا تھا۔

کیا؟'' وہ بھرپور حیرت سے انہیں دیکھنے لگی تھی مگر وہ سرسری انداز میں مڑ کر اس کی طرف دیکھتی رادی تھیں۔

ہ جا رہا تھا۔ میں نے سوچا تم اس طرح کمرے میں بند کیوں رہو۔ اس لئے کہہ دیا کہ ایک کی ٹکٹ لے آئے۔ تم جلدی سے اٹھو۔ باہر چلو۔ چائے کے بعد عریشہ تمہیں پارلر لے جائے گی۔ پارٹی میں سب کو نظر آنا چاہئے کہ میری بہو کتنی خوبصورت ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی یہ کہہ کر باہر نکی۔ وہ کچھ دیر تک یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔ پھر اٹھی اور چلتی ہوئی ٹیرس پر آ گئی تھی۔ موسم خوب تھا۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بوندوں نے اس کے تن کو چھوا تھا۔ کچھ تر و تازہ سا احساس ہوا تھا۔

ارے واہ بھابی! ___ آ گئیں؟'' انوشے اسے دیکھ کر خوشی سے چلائی تھی۔

اور بھائی بھی آ گئے۔'' عریشہ اس کے پیچھے آتے عفنان کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ انابیہ کے قدم ایک ہیں رک گئے تھے۔ عفنان علی خان چلتا ہوا بہنوں کے پاس پہنچ گیا تھا۔

کیا ہو رہا ہے بھئی؟'' آتے ہی ٹیپو کو پیار کیا تھا۔

”بھائی! آپ اس وقت کیسے؟ ـــــ اتنی جلدی؟“ عریشہ مسکرائی تھی۔ ”کہیں ایسا تو نہیں موسم میں بھابی کی یاد اس شدت سے ستائی ہو کہ آپ رہ ہی نہیں سکے۔“ انداز میں ایک خاص تھی۔

عفنان علی غالباً مروتاً مسکرایا تھا۔ پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑے وجود پر ایک نگاہِ غلط انداز تک تھی۔

”ارے بھابی! آپ وہاں کیوں رک گئیں؟ ـــــ آگے آیئے نا۔“ انوشے خود آگے بڑھ کر ہاتھ تھام کر اسے گھسیٹ لائی تھی۔ وہ اس ماحول میں خود کو بہت اجنبی محسوس کر رہی تھی۔ اگرچہ ا اردگرد کے لوگ متواتر لگاوٹ دکھا رہے تھے۔

”کل کی پارٹی کی کچھ خاص تیاریاں باقی تھیں۔ یہ تم لوگوں کو بارش میں بھیگنے کا کیا شوق بارش بھی کوئی انجوائے کرنے والی شے ہے؟ تم لڑکیاں بھی عجیب بدھو ہوتی ہے۔“

”اچھا ـــــ صرف ہم لڑکیاں۔ اور آپ جو اس موسم میں رہ ہی نہیں سکے اور بہانے سے دوڑے چلے آئے۔“ عریشہ نے بھائی کی خبر لی تھی۔

وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔ مگر ہنسنے کا یہ انداز بڑا کھوکھلا تھا۔

رسم دنیا نبھانا آسان نہ تھا۔ مگر کرنا پڑ رہا تھا۔

انابیہ شاہ سر جھکائے اس سے کچھ انچ کے فاصلے پر کھڑی بوندا باندی میں متواتر بھیگ رہ

عریشہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”یہ آپ کو کیا ہوا بھابی؟ ـــــ کہیں آپ دونوں میں کوئی ان بن تو نہیں ہو گئی؟ ـــــ رومانٹک موسم میں اس طرح خاموشی سے کھڑے رہیں، ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ بھابی! بتایئے، کیا ہوا بھلا؟“

انابیہ کے لئے یہ لمحہ اتنا مشکل ہو گا، اگر اسے یہ پتہ ہوتا تو وہ باہر اس طرح اٹھ کر کبھی نہیں تبھی انوشے بولی تھی۔

”کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟ کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہیں کہ ہم دونوں کباب اچھی خاصی ہڈیاں ہیں اور ہمیں یہاں سے پہلی فرصت میں آؤٹ ہو جانا چاہئے۔ تاکہ اس رومانٹک سے موسم کو مل کر انجوائے کر سکیں۔“ اس کا انداز شرارت سے بھرپور تھا۔ مگر انابیہ نے مسکرائے بغیر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”میں پکوڑے لے کر آتی ہوں۔“ انوشے نے شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے وہاں سے کھ تھا۔ مگر عفنان نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور سرد انداز میں بولا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کس کی ضرورت نہیں؟“ عریشہ نے مسکراتے ہوئے ہنوز شرارت سے بھائی کو دیکھا تھا۔

”ہمیں کسی پرائیویسی کی ضرورت نہیں۔“

ہاں ـــــ تو کیا آپ لوگ ہماری موجودگی میں ـــــ“ عریشہ نے شرارت سے ہنستے ہوئے کو چھیڑا تھا۔ عفنان نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگا دی تھی۔

تمہارا بیٹا پہلے سے بھی کچھ زیادہ صحت مند ہو گیا ہے۔ کچھ خیال کرو۔ یہی حال رہا تو تمہیں اسے سینٹر میں ڈلوانا پڑے گا۔“ ٹیپو کو پیار کرتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ جہاں عریشہ نے ورا تھا وہیں انوشے کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

ارے واہ ـــــ آپ کو میرا بچہ ہی نظر آتا ہے۔ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں آپ۔ نظر لگا کر ہی ں گے۔“ ایک جھٹکے میں ٹیپو کو اس کی گرفت سے کھینچ کر اپنے سینے سے بھینچا تھا۔ ٹیپو معصومیت ا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔ عفنان ہنس دیا تھا۔

”اا ہوں ـــــ پیار کرتا ہوں بھئی ـــــ اتنا تو میرا حق ہے۔“ اس نے ٹیپو کے گال کو چھوا تھا۔

شاہ لاتعلق سی کھڑی ان بوندوں میں چپ چاپ بھیگ رہی تھی۔

”یہ آپ دونوں کو ہوا کیا ہے؟“ عریشہ نے پھر انہیں بغور دیکھا تھا۔ ”اس طرح دو ڈیفرنٹ پول الگ سمتوں میں انجان بنے کیوں کھڑے ہیں؟“

”ہم غور و خوض کر رہے ہیں۔“ عفنان بات سنبھالتے ہوئے مسکرایا تھا۔

”کس بات کے متعلق؟“

”فیملی پلاننگ کے متعلق۔“

ایک زبردست قہقہہ فضا میں بکھرا تھا اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ انابیہ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری دیکھنے لگی تھی۔ عفنان نے ایک نگاہ دانستہ اس پر بڑے بے خبر انداز میں ڈالی تھی اور بولا تھا۔

”ہم سوچ رہے ہیں کہ ہمیں اور کتنا کچھ جھیلنا باقی ہے۔ کتنا ہم اپنے حوصلوں کو آزما سکتے ہیں۔“

بات اگرچہ سچ تھی اور بہت کڑوی کسیلی اور گہری تھی۔ مگر انداز ایسا تھا کہ مذاق لگے۔ مگر عریشہ پھر چونکے بغیر ہنس رہی تھی۔

”خدانخواستہ، کیسی بری باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ابھی ابھی تو شادی ہوئی ہے آپ لوگوں کی۔ ہنسنے لنے کے دن ہیں اور آپ ـــــ ابھی تو ماشاءاللہ آپ کو پوری زندگی ساتھ گزارنی ہے۔ دودھوں نہانا ، پوتوں کھیلنا ہے۔ ایسی بری باتیں تو نہ کریں آپ۔“ عریشہ نے تنبیہہ کی تھی۔ باقاعدہ ڈانٹا تھا۔ وہ را دیا تھا۔ انابیہ کی طرف دیکھنے کی گستاخی اب بھی نہیں کی تھی۔ وہ اپنے کہے کو نبھانے کا عادی تھا۔

با انابیہ کا دل چاہا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی کہیں نکل جائے۔ سانس لینا محال ہو رہا تھا اس ل میں۔ اس کی ہمت تھی کہ وہ وہاں کھڑی تھی۔ عجب مجرمانہ سا انداز تھا۔ جیسے اس نے کوئی بہت جرم کر دیا ہو۔ آخر کب تک اسے اس طرح دنیا دکھاوے کی زندگی جینا تھی۔ جب یہ تعلق کوئی نام نہ رکھتا تھا۔ کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا تھا۔

وہ سر جھکائے بوندوں میں بھیگتی ہوئی چپ چاپ کھڑی تھی۔ اسی وقت انوشے آگے بڑھی تھی اور کا ہاتھ تھام کر ایک پل میں بھائی کے قریب لے جا کر اس کا تھاما ہوا ہاتھ عفنان کے ہاتھ میں دے

دیا تھا۔ پھر عفنان کا دایاں بازو پکڑا اور انابیہ کے گرد شولڈر پر رکھ دیا۔ یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا کہ دونوں حیران رہ گئے تھے۔ اور ایک دوسرے کو ساکت نظروں سے دیکھنے لگے۔

انوشے نے دونوں کی حیرتوں پر ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بھرپور انداز میں سراہا تھا۔ پھر دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا تھا اور وہاں سے نکلنے کی ٹھانی تھی۔ کباب میں مزید ہڈی بنے بغیر۔

”آپی! میں دیکھ کر آتی ہوں، یہ ابھی تک پکوڑے بنے یا نہیں۔“ انوشے کہہ کر ایک پل میں سیڑھیاں پھلانگ گئی تھی۔

”میں بھی دیکھتی ہوں کہ چائے بنی کہ نہیں۔“ عریشہ بھی دوسرے ہی لمحے وہاں سے غائب تھی۔ اور اب وہاں اس ساکت جامد ماحول میں دو وجود کھڑے رہ گئے تھے۔

بالکل ساکت جامد انداز میں۔ برف کی مانند سرد ——— گلیشیر کی طرح ٹھنڈے، یخ بستہ وجود ایک دوسرے کے ساتھ ——— ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔

قربتیں تھیں مگر حدتوں کی رمق دور دور تک نہ تھی۔

جذبوں میں کمی واقع ہوئی تھی یا دل ہی محسوس کرنے کا ہنر کھو چکا تھا۔ دونوں ایک دوجے ے گریزاں، نگاہ پھیرے کھڑے تھے۔

انابیہ شاہ ایک قدم دور ہٹی تھی۔ عفنان علی خان بھی گریز پائیوں کے زیر تھا۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ہٹا کر وہ کب کا نکال چکا تھا۔ شاید اجنبی بن کر آگے بھی بڑھ جانا چاہا تھا۔ مگر انابیہ نے پکار لیا تھا۔

”وہ……“ بات کرنے کو لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔ نہ حرف باقی رہے تھے اور نہ کوئی ری موضوع۔ تعلقات کی نہج پر یہ یخ بستگی نئی تو نہیں تھی۔ مگر پہلے سے کچھ قوی ضرور تھی کہ جان تو جان، روح تک میں ایک قیامت کی سی ہلچل تھی۔

”کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ؟“ عفنان علی خان نے دوریوں کو کچھ اور سوا کیا تھا۔ بوندوں کا تسلسل بڑھ رہا تھا۔ دونوں تیزی سے بھیگ رہے تھے۔ مگر دل اتنے ہی بنجر تھے دونوں کے۔

”ہاں، وہ……“ انابیہ کے حلق میں جیسے آنسوؤں کا پھندا آن پڑا تھا۔ دل یک دم ہی بے وجہ بہت رونے کو چاہا تھا۔ عفنان علی خان نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اسے خود کو کمپوز کرنے کا تمام وقت اور موقع فراہم کیا تھا اور اطمینان سے اس کے سامنے کھڑا رہا تھا۔

”ممی بتا رہی تھیں ——— کل ——— کل پارٹی ہے گھر میں؟“ انابیہ نے بات بامشکل مکمل کی تھی۔ انداز میں ایک گہرا سکوت تھا۔

”ہاں ——— آپ چاہیں تو شرکت نہ کریں۔ ایسا ضروری نہیں ہے کچھ۔“ کتنا برف سا لہجہ تھا اس شخص کا۔ جیسے حدتوں سے کبھی کوئی واسطہ رہا ہی نہ ہو۔ انابیہ شاہ کے دل پر ایک برچھی سی چلی تھی۔ کب تھا اندازہ ایسے رویوں کا؟ ——— کب تھا تجربہ جھیلنے کا؟ ——— ایسی یخ بستیوں کو سہنے کا۔

اب تو سارا منظر ہی تبدیل تھا۔

”ایک بات پوچھوں؟“ انابیہ نے سر جھکا کر دریافت کیا تھا۔

”کیا؟“

”کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟“ لہجے کی سردی نے فضاؤں کو بھی منجمد کر دیا ما۔

”تمہاری مرضی ہے۔“ کچھ سوچے سمجھے بغیر دوسرے ہی لمحے دوسری طرف سے جواب آیا تھا۔

نابیہ شاہ نے سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا تھا۔ آنکھوں کے اندر نمی یک دم ہی بڑھنے لگی تھی۔ خ بستگیوں کے موسم میں الاؤ دہکا بھی تھا تو اس موسم میں جب برف بہت زیادہ جم چکی تھی۔ بھیگنے کی حد گزر چکی تھی۔ اس ننھے منے الاؤ سے اب کیا ہونا تھا۔

عفنان نے اس کی جانب چونکے بغیر دیکھا تھا۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ انابیہ جیسے کسی ایک لمحے کی منتظر تھی۔ جیسے اسی ایک اجازت کی طلب گار تھی۔ بنا کوئی دوجی بات سوچے وہ آگے بڑھی تھی اور اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

قطرہ ——— قطرہ ———

کتنے آنسو چپ چاپ اس شانے میں جذب ہونے لگے تھے۔

عفنان اس کے سامنے ایک برف کی سِل کی مانند کھڑا تھا۔ نہ ہاتھ پھیلا کر اسے کوئی حصار دیا تھا نہ ہی اس کا حوصلہ بڑھانے کو اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سر کو سہلایا تھا۔

کتنے سارے حق محفوظ رکھتا تھا وہ ———

لیکن اس نے ایک حق بھی استعمال نہیں کیا تھا ———

کوئی ایک حق بھی نہیں جتایا تھا ———

انابیہ شاہ کتنی دیر اس کے شانے پر سر رکھے اپنے اندر کا لاوا بہاتی رہی تھی۔

قربتوں کے موسم کیسے تھے۔

حدتوں کے ساتھ ———

حدتوں سے پرے ———

قربتوں کے ساتھ۔ قربتون کے موسموں سے بے خبر!!!۔

انابیہ شاہ نے اپنے اندر کا سارا درد اس کے شانے پر بہانے کے بعد اپنا سر اس کے شانے پر سے ہٹایا تھا اور بنا شرمندہ ہوئے دو قدم دور ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

”تھینک یو۔“ ایک لمحے میں کہا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ پلٹی تھی اور چلتی ہوئی اس منظر سے نکلتی چلی گئی تھی۔ عفنان کتنی دیر اس بارش میں تنہا بھیگتا رہا تھا۔

کتنے لمس جل رہے تھے اس وجود پر ———

شانے پر وہ سر جیسے اب بھی دھرا تھا ———

کتنی قربت تھی وہ۔ سپردگی کے بھرپور احساس کے ساتھ ———

لمحہ دو لمحہ —— پل دو پل!
نہ اقرار —— نہ اظہار ——
نہ وہ لمس۔ نہ وہ شانے پر دھرا اس کا سر —— نہ اس کی آستین میں جذب ہوئے اس کے آنس
بے معنی تو شاید کچھ بھی نہیں تھا ——

وہ بنا کچھ کہے اپنے اندر کا سارا درد اس کے شانے پر بہا گئی تھی۔ دوسرے معنوں میں اپنا سارا اسے سونپ گئی تھی۔

کیسی تھی یہ محبت ——
کیسا تھا یہ تعلق ——
ادھورا ادھورا —— آدھا آدھا تھا سب کچھ۔

❄ ❄ ❄

وہ اپنے کمرے میں تھی جب نوکر نے آ کر اطلاع دی تھی۔

"بی بی! مائی فرما رہی ہیں آپ کے جانے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ باہر گاڑی تیار کھڑی ہے۔ آ تیار ہو کر آ جائیے۔"

"جا کر کہہ دو مائی سے، نہیں جانا مجھے۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا تھا۔ نوکر نے مؤ انداز سے سر ہلایا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

وہ رومیصا کے پاس ہاسپٹل جانے کی غرض سے کپڑے نکالنے کے لئے الماری کی طرف آئی جب آناً فاناً کمرے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری داخل ہوا۔

"جب کہا تھا جانا ہے تو اب کیا ڈرامہ ہے یہ؟" وہ اپنی گزشتہ غلطی پر شرمندہ ہونا تو دور کی با رتی بھر پُر ملال تک نہ تھا۔

میرب سیال نے مڑ کر دیکھا تھا تو اسے اس شخص کے ظرف پر حیرت ہوئی تھی۔

"یہ ڈرامہ نہیں ہے۔ ڈرامہ وہ ہے جو آپ کرتے ہیں۔ اور آپ مجھ سے اس لہجے میں بات نہیں سکتے۔ آپ کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں ہے۔" وہ بجائے مصلحت پسندی اختیار کرنے کے اس کے ا کے الاؤ کو اور دہکا رہی تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے حد درجہ اطمینان سے دیکھا تھا۔

"میرا آپ پر کتنا حق باقی ہے، اس کا فیصلہ میں ایک پل میں کر سکتا ہوں۔ چاہوں تو پروف کر بھی دکھا سکتا ہوں۔ مگر چھوڑیئے، آپ کی سمجھ میں یہ ساری باتیں نہیں آئیں گی۔"

"کیسے انسان ہیں آپ؟ —— آپ کو افسوس تک نہیں کہ کس طرح کے جنگلی پن کا مظاہ چکے ہیں آپ۔ ہاتھ تک اٹھا لیا تھا آپ نے مجھ پر۔ عورت کو کتنا کمزور جانتے ہیں آپ۔ ایک لم زیر کرنے کا بس ایک ہی فن ازبر ہے آپ کو؟ —— ایک کو وہاں قید خانے میں ڈال کر تڑپ تڑ مرنے کو باقی چھوڑ دیا اور دوسری کو......." وہ اپنے اندر کا سارا زہر جیسے نکال دینا چاہتی تھی۔

"دوسری کی عقل بالکل کام نہیں کرتی۔ دماغ ٹھکانے لگانے کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔"

"آپ آپ اس طرح دماغ ٹھکانے لگائیں گے میرا؟ —— اس طرح ٹارچر کر کے؟ —— پتہ ہے ایک دن آپ مجھے بھی اٹھا کر کسی اندھیرے کمرے میں بند کر دیں گے۔ آپ کے یہاں غ ٹھکانے لگانے کا یہی ایک بہترین طریقہ ہے۔ محکوم قوم سمجھتے ہیں نا آپ اس عورت کو۔ آواز ی نہیں اور آپ کی تضحیک ہوئی نہیں۔ ویسے تو لبرل ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور دوسری ف۔" آنسوؤں نے سارا اعتماد پل میں ڈھیر کر دیا تھا۔ وہ تھپڑ اب تک بھولا نہ تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے وجود کو بغور دیکھا تھا۔

"جب اتنی نالاں ہیں تو دور جا نکلنے میں اتنی دیر کیوں لگا رہی ہیں آپ؟ —— بھاگنے کا موقع ہم تو ہو رہا ہے آپ کو۔ اگر آپ کو کسی اندھیری کال کوٹھڑی میں بند نہیں ہونا تو آپ چلی کیوں نہیں ئیں؟ اتنی انسیت کس خوشی میں ہو گئی ہے آپ کو اس گھر اور اس کے مکینوں سے؟" وہ سلگتے ہوئے راز میں گویا تھا۔

"میں یہاں پر آپ کے لئے نہیں ہوں۔ پہلے والی میرب سیال میں اور اس میرب سیال میں بے د تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔" یہ جو سامنے تھی، کوئی لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں لگ رہی تھی۔ بے حد پُر عتماد ہو چکی تھی وہ۔ اس کی حقیقت جان لینے سے جیسے اس میں کوئی عجیب سی طاقت آ گئی تھی کہ اب وہ ے بڑے آرام سے زیر کر سکتی تھی۔

"لگتا ہے کہ میری کمزوری تمہارے ہاتھ آ گئی ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس انداز میں دریافت کیا تھا جیسے وہ اس گھڑی سطر سطر پڑھ رہا تھا۔ میرب چونکی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"میں کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے والی ہرگز نہیں ہوں۔ بہت بزدل ہوتے ہیں وہ لوگ جو کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"اور وہ کون ہوتے ہیں جو کسی کو اپنی کمزوری بنا لیتے ہیں؟" بات کچھ خاص تھی مگر لہجے میں ایک عجب سی چبھن تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اتنا سخت نہیں تھا جتنا کہ ہونا چاہیئے تھا۔ غالباً وہ دانستہ میرب سیال کو رعایت دے رہا تھا۔

"میں نہیں جانتی، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ اس کی آنکھوں کے تاثر کو سمجھے بغیر اسی کڑے تیور سے بولی۔

"تم نہیں جانتی ہو۔ مگر تم کسی کی کمزوری کو اپنی طاقت بنانا ضرور جانتی ہو۔" لہجہ ہی نہیں انداز بھی ذومعنی تھا۔ مگر وہ قطعاً نہیں سمجھ پائی تھی کہ اس کا مفہوم کیا تھا اور اس شخص کی کمزوری درحقیقت کیا تھی۔ وہ اس نہج پر سوچ ہی نہیں رہی تھی۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری کی جاسوسی کرنا مقصود ہو تو آئندہ اسٹریٹجی کچھ مختلف پلان کرنا۔" وہ کسی قدر تسلی بخش لہجے میں بولا تھا۔ میرب سیال نے اسے چونک کر کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر مفہوم اب بھی جاننے سے قاصر رہی تھی۔

"بڑے ناقص رہے ہیں آپ کے ہتھیار اور بہت ناقص العمل رہا ہے آپ کا پلان۔ آ سبکتگین حیدر لغاری کی کمزوری کے متعلق رتی بھر بھی جان نہیں پائیں۔ جان پاتیں تو اس طرح حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے میرے سامنے نہ کھڑی ہوتیں۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا اور وتاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"مجھے آپ سے یا آپ کی کسی کمزوری کو جاننے سے قطعاً کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ سمجھے؟" با تھا۔

"اوہ ریئلی؟" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز آگ پر تیل چھڑکنے والا تھا۔ میرب سلگتی نظر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اگر آپ کو نہیں جانا یا جانے کا دل نہیں چاہ رہا تو اتنا واویلا کرنے یا حیلے بہانے کر ضرورت ہے؟" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ "اینی ہاؤ ـــــ اگر آپ واقعی نہیں جا رہیں اور میر یہاں قیام کرنا چاہتی ہیں تو اپنا سامان واپس کھول سکتی ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ سکون کیفیت میں کہہ کر پلٹا تھا جب کہ وہ سلگتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"میں یہاں آپ کے لئے نہیں رہ رہی۔ سنا آپ نے؟" وہ چیخی تھی۔

"سامان کھول کر واپس اس کی جگہ پر لگا دیجئے۔" وہ پلٹے بغیر ہدایت جاری کرتا ہوا واپس گیا تھا۔ انداز اطمینان بھرا تھا۔ میرب سیال پاؤں پٹخ کر رہ گئی تھی۔

* * *

لامعہ حق خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی جب اس کی دوست فضا اس کے پاس آئی تھی۔

"تم کب تک اسی طرح بیٹھی رہو گی؟ کم آن ـــــ چلو باہر چلتے ہیں کہیں۔"

"فضا! پلیز، تم جاؤ یہاں سے۔"

"تم نے ایسا کیا کر دیا ہے کہ تم چین سے سانس تک نہیں لے پا رہی ہو؟ آنٹی تک پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔ اگر تمہیں کچھ چاہئے تو اپنی بات منوانے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ کی ساری چیزیں توڑ دینا، بھوک ہڑتال کر دینا......" فضا بول رہی تھی۔ جب اس نے فور بات کاٹی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے فضا! پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ تمہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔"

"تم چاہتی کیا ہو آخر؟"

"میں ...... میں اس وقت کچھ نہیں چاہتی ہوں۔ میں نے کسی کو ہرٹ کیا ہے، اسے نقصا ہے۔" لامعہ کا انداز پُر افسوس تھا۔

فضا چونکی تھی۔

"کسے؟ ـــــ کسے ہرٹ کیا ہے تم نے؟"

لامعہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"ہرٹ کرنا یا کسی کو نقصان پہنچانا تو بہت چھوٹی بات ہے فضا! میں نے کسی کے اعتماد کو قتل کیا ہے۔ بری ہوں میں۔ بہت برا کیا ہے میں نے۔" وہ اپنا سر ہاتھوں پر گرا کر بے آواز رونے لگی تھی۔ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

"مجھے تنہا چھوڑ دو فضا! ـــــ اس وقت میں کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ اس کی دیکھے بغیر بولی تھی۔ فضا چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

* * *

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اندر قدم رکھا تھا اور رومیصا لغاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا اور پھر ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

"گین! تم ـــــ"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے اور چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا تھا۔ یصا لغاری اسے چمکتی نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی آنے میں؟"

"میں یہاں کافی دیر سے آ چکا تھا۔" وہ باور کراتا ہوا بولا تھا۔

"پھر اتنی دیر مجھ تک آنے میں کیوں لگا دی؟" رومیصا لغاری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ رومیصا اری نے اسے بغور دیکھا تھا مگر کچھ بھی دریافت کئے بغیر مسکرا دی۔

پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور پھیلا کر اس کے سامنے کر دیا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نا ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

"مجھے پتہ تھا، تم ضرور آؤ گے۔"

"کیسے نہیں آتا؟ ـــــ آپ نے یاد ہی اتنا کیا تھا۔"

"جھوٹے!" رومیصا لغاری مسکرائی تھی۔ "میں نے تو تمہیں پہلے بھی کئی بار یاد کیا تھا۔ تب تو تم ہیں آئے۔ میں جانتی ہوں تم یہاں کس کے لئے آئے ہو ـــــ اسے بھی بتایا کہ نہیں؟" رومیصا غاری بہت دوستانہ انداز میں اسے چھیڑ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولا۔

"آپ نے اپنا خیال نہیں رکھا نا ـــــ ایک نہیں مانی ـــــ بہت ضدی ہیں آپ۔" شکوہ کیا تھا مگر وہ ہنس دی تھی۔

"گین! ـــــ اب تم تو ایسے مت کہو ـــــ میں نے تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تم نے جو بھی، جب بھی کہا ہے میں نے کیا ہے۔" ان دونوں کی باتوں میں ایک عجب سی آشنائی جھلک رہی تھی۔

"ہمیشہ نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

"ہاں ـــــ ہمیشہ نہیں ـــــ مگر مانا تو ہے نا ـــــ تمہارا کہا کبھی ٹالا تو نہیں۔" رومیصا لغاری

نے مانتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں ـــــ لیکن اگر ہمیشہ مانی ہوتیں تو آج آپ ٹھیک ہوتیں اس طرح یہاں تو نہ ہوتیں، مند لہجے میں کہا تھا۔

”اب کیا کروں اگر یہاں ہوں تو ـــــ چلو کہیں بھاگ چلتے ہیں۔ زمانے سے دور، لوگوں سے پرے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

سردار سبکتگین بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”میں یہی مسکراہٹ تمہارے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی۔“

”اور میں آپ کو کس طرح اور کیا دیکھنا چاہتا تھا، کبھی سوچا آپ نے؟ ـــــ ہمیشہ اپنی من ہے۔ ہمیشہ اپنی ضد منوائی ہے۔ ہمیشہ، ہر بار صرف اپنی بات پوری کی ہے۔“ سردار سبکتگین حیدر کا لہجہ پُر افسوس تھا۔

”آپ کو بالکل بھی احساس نہیں کہ آپ نے اپنا کتنا بڑا اور کتنا بھاری نقصان کیا ہے۔ میں کس طرح دیکھنا چاہتا تھا اور آپ......“

”گین ـــــ!“ وہ مسکراتے ہوئے کسی قدر اُکتا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ ”کم آن، کوئی اور کرو نا ـــــ مجھے چھوڑو، اپنی بات کرو ـــــ میری کہانی تو ختم ہو گئی ـــــ دی اینڈ ـــــ سوچنے سمجھنے، کہنے سننے کو باقی کچھ نہیں بچا ـــــ نہ افسوس کرنے کو، نہ ہی ہاتھ ملنے کو ـــــ کرنا چاہتی تھی وہ میں نے کر دیا ہے۔ میں ایک Lesson اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ ہوپ کہ اب ہماری روایتوں کو دہرانے سے پہلے کوئی ایک بار ضرور سوچے گا۔ میں اسی بات کا دلانا چاہتی تھی۔ جو غلط ہے سو غلط ہے ـــــ اس غلطی کو سدھارنے کا اس سے بہتر طریقہ میرے نہیں تھا۔ کسی کو غلط ثابت کرنے کے لئے مجھے یہ طریقہ ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا پڑا۔ لغاری بہت اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شدید ترین اختلاف ہوا تھا۔

”میں نہیں مانتا ـــــ آپ نے دوسروں کو سمجھانے کے لئے خود اپنے آپ کو داؤ ـــــ خود اپنی قربانی دی ہے۔ بے وقوفی کی ہے سراسر آپ نے۔ دیکھئے گا آپ، کچھ بھی نہ گا۔ سب ویسے کا ویسا رہے گا۔ صرف آپ اپنے آپ کو اس طرح برباد کر کے جا چکی ہوں گی

اس کے جارحانہ انداز پر وہ بہت پُرسکون انداز میں مسکرا دی تھی۔

”گین! تم جانتے ہو بحث میں تم مجھ سے جیت نہیں پاؤ گے۔ نہ ہی ضد میں۔ میں نے کیا۔ اسے بھول جاؤ ـــــ اب نہ پچھتاوے کا کوئی وقت باقی ہے نہ افسوس کا۔“

”آ کا جان ملنا چاہتے ہیں آپ سے ـــــ ایک بار تو مل لیجئے۔“

”نہیں ـــــ“ اس کا انداز اور لہجہ یک دم ہی قطعی ہو گیا تھا۔ وہ نرمی، وہ شگفتگی اچانک غائب ہو گئی تھی۔

ئی اس طرح بھی کرتا ہے رومیصا؟ ـــــ اس طرح؟“

پ ـــــ مجھے آپ سے اس طرح کی امید قطعاً نہیں تھی۔ وہ باپ ہیں آپ کے۔ اور کتنی سزا آپ انہیں؟“

ین! پلیز، کوئی اور بات کرو۔ میں یہ سب سننا نہیں چاہتی۔“

رومیصا ـــــ!“ قطعی انداز میں پکارا تھا۔ مگر وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

ار سبکتگین حیدر لغاری نے آگے بڑھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ لیا اور اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

اپ بات نہیں مانتی ہیں نا ـــــ سب سے بری بات یہی ہے آپ کی۔“ انداز لچک دار تھا۔ یصا نے تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے رلب اس کی پیشانی پر رکھ دیئے تھے۔

یرب سیال جو وہاں آئی تھی وہ کافی حد تک ان کی گفتگو بھی سن چکی تھی۔ اپنی جگہ ساکت رہ گئی

ی کیئر اباؤٹ یو رومیصا! ـــــ آل ویز ـــــ آپ جانتی ہیں۔“ وہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط لئے کہہ رہا تھا اور رومیصا لغاری اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

بس آزما چکے آخری ہتھیار بھی ـــــ بہت کلیور ہو تم۔“ رومیصا لغاری کے انداز میں ایک خاص تھی۔

ین مسکرا دیا تھا۔

رب سیال کے لئے وہ منظر مزید دیکھنا محال ہو گیا تھا۔

ایک دم ہی پلٹی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ پلکیں نمی سے یک دم ہی بھاری ہونے لگی تھیں۔

یسی عجیب تھی یہ کیفیت۔

کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔

کر اسے یقین تھا، جو دیکھا تھا وہ دھوکا نہ تھا۔ نہ نظر کا فریب۔ سب سچ تھا۔ سردار سبکتگین حیدر اس رشتے سے انسیت رکھتا تھا۔ یہ بات جانے کیوں اندر کا سارا سکون ایک پل میں ڈھا رہی

ر ادھر سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔

رومیصا! ٹھیک نہیں ہے یہ ـــــ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کسی چھوٹی سی غلطی کی سزا اتنی بڑی ہو سکتی۔“

تم اسے چھوٹی سی غلطی کہتے ہو گین؟ ـــــ یہ آ کا جان کی چھوٹی سی غلطی تھی؟ ـــــ چلو مان لیا کی چھوٹی سی غلطی ہی تھی، میں روایتوں یا رسموں، رواجوں کو بھی کوئی الزام نہیں دیتی۔ مگر میں یہ چاہتی کہ ایسا کسی اور کے ساتھ بھی ہو۔ کسی اور کی بیٹی کو یہ خمیازہ بھگتنا نہ پڑے اس لئے میں نے

ایسا کیا۔ میری خود کو دی گئی سزا اگر کسی کے کام آسکتی ہے تو میں سمجھوں گی کہ میں کامیاب ر
تمہاری بیٹی اگر ان روایات سے کٹ کر ایک اچھی زندگی بسر کرتی ہے تو مجھے خوشی ہوگی گین!
بات سننے پر مائل نہ تھی۔ گین چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''مجھے کوئی نئی راہ اختیار کرنی ہوتی تو تب بھی کر سکتی تھی گین! جب میرے سامنے محبت کا
اور کئی راستے میرے سامنے تھے۔ مگر میں نے اس وقت میں بھی کوئی دوسری بات نہیں سو
چاہتی تو بغاوت بھی کر سکتی تھی۔''

''میں تو آپ کو کہہ رہا تھا رومیصا! آپ کو میری کسی بھی طرح کی مدد کی ضرورت ہو تو
ہوں۔ مگر آپ ہی نے........''

''ہاں، یاد ہے مجھے ـــــ میں نے ہی تمہیں منع کر دیا تھا۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں
ـــــ تم میرے سب سے بڑے خیر خواہ ہو اور ہم ہی وہ دو ہیں جو ان روایتوں کا گلا گھ
ہیں۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔''

''تو پھر تب آپ نے طلاق کے ان پیپرز پر سائن کرنے سے منع کیوں کر دیا تھا؟ ـ
اپنی زندگی کا رخ نہیں موڑ دیا تھا؟ یہ آج کا اتنا بڑا سبق دینا ضروری تھا کیا؟ ـــــ جب کہ
تھیں کہ میں اور آپ وہ ہیں جو تمام روایتوں کا گلا گھونٹ سکتے ہیں ـــــ تو پھر کیوں رومیص
پھر کیوں؟'' وہ اسے اس حالت میں دیکھ کر جیسے خوش نہیں تھا۔

مگر رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

''تمہارے اور میرے بیچ رشتے کی نوعیت دنیا کے سامنے کچھ اور ہے۔ اسے دنیا کس ا
سے دیکھتی ہے گین! مگر تم اور میں جانتے ہیں کہ درحقیقت ہم ایک دوسرے کے کیا ہیں۔
رشتہ نبھانا تھا اسے ہم ایمان داری سے نبھا چکے ہیں ـــــ اور وہ رشتہ خیر خواہی اور ایک ا
کیئرنگ اور شیئرنگ کا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی سالمیت کو بنا نقصان پہنچائے بہت سچائی ۔
خواہی کے اس تعلق کو نبھا چکے ہیں۔ ہمارے درمیان کی فصیلیں کچھ بھی رہی ہوں مگر زمانے
ایک خاص ڈھنگ سے ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے کبھی نہیں روکا۔ تم میر
ـــــ اور میرا تم سے کیا رشتہ ہے؟ ـــــ یہ ہر کوئی نہیں جان سکتا۔''

ان کے تھکن زدہ لہجے میں جیسے بہت سے زمانے بول رہے تھے۔ گین اس کا ہاتھ گر
اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سر ہلانے لگا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔''

''تم نے میرب کو بتایا؟''

''کیا؟'' وہ چونکا تھا۔

رومیصا لغاری نے خاموشی سے اسے دیکھا، پھر مسکرا دی تھی۔

''گین! چپ رہنے سے بھید کبھی نہیں کھلتے۔ اس کے لئے بولنا پڑتا ہے۔ ورنہ غلط فہمیاں

سمجھ داری سے اسے سمجھانا چاہ رہی تھی۔
فکر آپ نہ کریں۔ اس لڑکی کے دماغ کی کل یوں بھی ڈھیلی ہے ـــــ بات بہت دیر
ھ میں آتی ہے۔''
اتنی دیر کیوں کر رہے ہو؟''
ـــــ دیر ـــــ؟ نہیں، میں دیر نہیں کر رہا۔ میں زندگی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں

چل رہے ہو تو کچھ بول کر اپنی موجودگی کا احساس بھی دلا دو۔ خاموشی میں کیا پتہ چلے گا
ہو بھی کہ نہیں۔'' وہ بہت کچھ جتا رہی تھی۔ گین یقیناً سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ اس نے سنجیدگی
ت میں ہلا دیا تھا۔ بنا کوئی آرگیومنٹ کیئے۔ مگر اس کی آنکھوں میں سوچوں کی واضح لہریں
رہی تھیں۔ وہ اس لمحے ایک گہری سوچ میں تھا۔

میرب نے واپس آ کر بنا کچھ کہے سنے اپنا سامان پیک کیا تھا اور مائی اماں کو اطلاع دی

"مائی اماں! مجھے واپس جانا ہے —— آج ہی۔"

مائی نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر بلا تردد سر ہلاتے ہوئے بولی تھیں۔

"ٹھیک ہے —— تم تیاری کر لو۔ میں ڈرائیور سے کہہ دیتی ہوں۔"

"بہتر، شکریہ۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی

گین کا سامنا وہ دانستہ دوبارہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جب جانے کے لئے باہر نکلی تھی تو سبکتگین حیدر لغاری سے سامنا ہو گیا تھا۔

پورچ میں کچھ فاصلے پر کھڑا وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے لئے تیار کھڑی گاڑی کی بڑھنے کے لئے اس کے پاس سے گزرنا تھا۔ ایک لمحے میں وہ اسے دیکھ کر رکی تھی۔ وہ بھی اس کی بغور دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال نے نگاہ اس پر سے ہٹائی تھی اور اس کے قریب سے ہو کر نکلتی ہوئی آگے بڑھ گئی سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا اس کی طرف پلٹ کر دیکھے، توجہ دیئے چلتا ہوا اندر کی طرف تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر واضح نہ تھا۔ جیسے اسے اپنے مزاج کے موسموں پر مکمل کنٹرول تھا۔

میرب سیال نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس شخص کی پشت کو دیکھا تھا اور پھر چہرہ پھیرتے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کا حکم دیا تھا۔

زمانے پیچھے چھوٹنے لگے تھے۔

وقت پیچھے چھوٹنے لگا تھا۔

اور جانے اس کے ساتھ اور کیا کچھ ——!

مگر میرب سیال جیسے اس کے متعلق نہ سوچنا چاہتی تھی نہ کوئی مزید فکر کرنا —— سر سیٹ سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔ آنکھیں —— دماغ —— سب جل رہا تھا۔

مگر وہ مزید کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

* * *

"میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا آکا جان! کہ آپ غلط تھے یا غلط ہیں۔ مگر جو ہوا شاید وہ نہ چاہئے تھا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری آکا جان کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

کا جان کو زندگی کے اس موڑ پر اپنی غلطی کا بھرپور احساس تھا۔ تب ہی وہ فوری طور پر سردار سبکتگین
ری کی نفی نہیں کر سکے تھے۔ بولے بھی تھے تو ان کا انداز پہلے سے کمزور تھا۔
ہاں —— مانتے ہیں ہم —— غلطی ہوئی ہم سے۔ مگر اب اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ اس غلطی
سزا ہم نے بھگتی ہے شاید کسی نے نہیں بھگتی۔ ہم نے ساری زندگی اپنی بچی کا چہرہ نہیں دیکھا۔
ہمیں خود سے محروم کر دیا۔ خود اپنے آپ کو وہ سزا دی کہ ہم —— ہمیں افسوس اس بات کا ہے
نے ہمیں اتنا پیچھے چھوڑ دیا کہ ہم تدارک تک نہ کر سکے۔" وہ کہہ کر چپ ہوئے تھے۔ سردار
حیدر لغاری خاموشی سے کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔
کوئی وضاحت دی تھی نہ انہیں موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔
گین! تم کہو اُس سے —— وہ ایک بار مل لے ہم سے۔ ایک بار ہمیں اپنا چہرہ دیکھ لینے دے۔
عمر اس نے ہمیں سزا دی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ہم نے لمحہ لمحہ کتنی اذیت میں کاٹا ہے۔ وہ
بند کمرے میں سانسیں لے رہی ہوتی تھی تو ہم سے اس کھلی فضا میں سانس لینا محال ہو جاتا تھا۔
نے اسے جو قفس دیا تھا وہ دکھائی نہ دینے والا تھا۔ مگر اس نے جو اپنے لئے قفس چنا —— اسے دیکھ
م لمحہ لمحہ اندر ہی اندر مرتے رہے۔ ہم مانتے ہیں ہم سے غلطی ہوئی مگر —— وقت اگر ہماری مٹھی
دوبارہ آ جائے تو ہم کبھی اس غلطی کو دہرانا نہیں چاہیں گے۔ روایات انسانوں کے لئے بنی ہیں، ہم
ت کے لئے نہیں بنے۔ ہمیں خود کو ان کا پابند نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں اب اس کا اندازہ ہو گیا ہے۔"
جان شرمندہ تھے۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔
"تم کہو اُس سے گین! وہ تمہاری بات مانتی ہے۔ دوست ہو نا تم اس کے۔ کہو اس سے ایک بار
اس باپ کا چہرہ دیکھ لے۔ معاف نہیں کرنا چاہتی تو مت کرے —— لیکن مجھے ایک بار خود کو دیکھ
دے۔ میں اپنی بچی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کے ہونے کا احساس کرنا چاہتا ہوں۔ وقت
ت کی طرح ہماری مٹھی سے سرکتا جا رہا ہے۔ بہت سا وقت ہم گنوا چکے ہیں۔ مزید گنوانا نہیں
ہے —— جو بچے کھچے لمحے ہاتھ میں ہیں، ان میں ہم کوئی تدارک تو خیر نہیں کر پائیں گے۔ مگر اس
کو کسی قدر راحت تو نصیب ہو گی نا۔"
"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آکا جان!" اس نے ان سے اختلاف کرنے کی جرأت کبھی نہیں کی تھی۔
زاد ماحول کا پروردہ سہی مگر اپنے بڑوں کا احترام کرنا اس نے اب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اب بھی انہیں
ٹلا نہیں سکتا تھا، اگرچہ وہ جانتا تھا کہ وہ کتنے غلط ہیں۔
"مما رومیصا سے بات کرتا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ چہرے پر عجب سوچوں کے جال بُنے
تھ

* * *

ہاں سے آنے کے بعد میرب کسی سے کچھ نہیں بولی تھی۔ پاپا نے مائی اماں کا احوال دریافت کیا
تھا اس نے مطلع کر دیا تھا اور وہ مطمئن بھی ہو گئے تھے۔ حالات کے ساتھ چلتے چلتے اب اسے اتنا ہنر تو

آ ہی گیا تھا کہ وہ اپنے احساسات پر کچھ قابو پانے کے قابل ہوگئی تھی۔ مگر خاموشی میں اندر ہی اندر کچھ جل رہا تھا وہ سہنا بھی کسی قدر دشوار سا تھا۔ اتنا غبار سا بھرا تھا کہ سارے مناظر دھواں دھواں ہو رہے تھے۔

اسے وہ وقت جیسے کسی خواب کا قصہ لگ رہا تھا ـــــ اُس کا اس شخص سے رشتہ، اسے لگ رہا جیسے وہ ایک خواب سے ہو کر گزری ہو ـــــ اور حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا۔

وہ سب حقیقت تھا ـــــ اور ایک کڑوی کسیلی حقیقت۔

وہ کسی سے کہہ سن نہیں سکتی تھی مگر اندر ہی اندر بہت کچھ جل رہا تھا۔

اس شام زوباریہ اور پاپا، فانی کے ساتھ باہر جا رہے تھے۔ اسے بھی بہت فورس کیا تھا مگر اس منع کر دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھی جب اطلاع ملی کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے۔ اس نے بے انداز میں ملازم کو اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہا تھا۔ ملازم نیا تھا۔ سو رشتے داروں سے واق نہیں تھا۔

وہ اٹھی تھی اور شانوں پر دوپٹہ پھیلا کر باہر نکل آئی تھی۔

مگر جس شخص کو سامنے دیکھا تھا، اسے دیکھ کر وہ لحہ بھر کو وہیں جم سی گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری ا کے سامنے موجود تھا۔ اسے اس کی موجودگی کا احتمال نہیں تھا مگر فوری طور پر وہ اپنے آپ پر قابو پا ہوئے آگے بڑھی تھی۔ راہ و رسم نبھانے کو ایک مجلسی تبسم زبردستی لبوں پر سجایا تھا اور مسکراتے ہو اسے دیکھا تھا۔

”کیسے ہو تم؟“

اذہان حسن بخاری نے اسے بغور دیکھا اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”ٹھیک ہوں۔ تم ـــــ تم کیسی ہو؟“

میرب سیال نے اس کی طرف خاموشی سے دیکھا تھا۔ جانے کیوں ایک لمحے میں آنکھوں میں سی نمی آن ٹھہری تھی۔ وہ اندر سے اتنی کمزور پڑ چکی تھی یا اندر کا غبار ہی اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ خود پر لمحے میں قابو نہ رکھ سکی تھی۔ اور دوسرے ہی پل اس شخص کے شانے پر سر رکھتے ہوئے بے آواز رونے تھی۔

اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت پر حیران نہیں ہوا تھا۔ اسے جیسے اندازہ تھا، ایک لمحے کو دل چاہا اس وجود کے گرد اپنا حصار باندھ دے ـــــ مگر دوسرے ہی پل ہاتھ رک گئے تھے۔ وہ جس طرح تھا، اسی طرح کھڑا رہا۔ میرب سیال نے اپنے اندر کا سارا غبار اس کے شانے پر سر رکھ کر دھو دیا تھا اس سے الگ ہو گئی تھی۔ کچھ شرمندہ سی ـــــ کچھ بے بس سی۔ وہ اس سے نگاہ نہیں ملا پائی تھی۔ زندگی کی ملمع کاری ایک لمحے میں اترتی دکھائی دی تھی۔ وہ اپنی زندگی کے اس پہلو کی سچائی کو اس سے چھپا کر نہیں رکھ سکتی تھی۔ اگرچہ وہ کسی پر کبھی کچھ واضح کرنا یا کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ اذہان

ی نے اسے شانوں سے تھام کر بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ کر اسے بغور دیکھنے لگا۔

”مجھے معلوم تھا تم خوش نہیں ہو۔“ وہ اس لمحے کچھ جتانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر دل ایک لمحے میں اس کے ے نکل رہا تھا۔ ان آنسوؤں کی نمی اس کے شانوں پر اب بھی جلتے انگاروں کی مانند تھی۔ وہ جیسے کے درد سے کٹ کر نہیں جی سکتا تھا۔

”میں خوش ہوں۔“ میرب سیال نے ہمت کر کے اسے اس پل میں جھٹلایا تھا مگر آواز رندھ گئی تھی۔ نکھوں میں پھر آن رکی تھی اور وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری خاموشی سے اس کی طرف نے لگا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کی طرف دیکھے اپنی آنکھوں کے ان بھید کھولتے آنسوؤں کو اپنی ں پر لیا تھا اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بنا اس کی طرف دیکھے بولی۔

”بہت خوش ہوں میں ـــــ آئی ایم ہپی۔“ اس نے اپنے اردگرد ایک حصار کھینچنا چاہا تھا۔ مگر تب اس شخص سے نگاہ ملی تھی اور وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

”تم جانتی ہو میرب! ـــــ تم میرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ کیونکہ مجھے سننے کے لئے ہیں درکار۔ میں تمہیں تمہارے اندر سے پڑھ سکتا ہوں۔“

”پڑھ سکتے تھے تو پھر پڑھ کیوں نہیں لیا؟ ـــــ کیوں چھوڑ دیا مجھے ان حالات کے سر پر؟ کیوں کر دیا مجھے تم نے؟ ـــــ جھوٹے ہو ـــــ تم بھی اوروں جیسے ہو۔“ میرب سیال آنسوؤں کے ھاے رد کرتی ہوئی بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا مگر اس کی بے بسی اس کی آنکھوں اضح دکھائی دے رہی تھی۔

کتنے لمحے اسی چپ میں گزر گئے تھے۔ بالآخر اذہان ہمت کر کے بولا تھا۔

”میں جانتا ہوں مرد کو کبھی کمزور نہیں پڑنا چاہئے۔ مگر کبھی کبھی حالات کے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا حالات انسان کے بس میں ہی نہیں ہوتے۔“ مدھم لہجے میں کئی لمحوں کا سکوت بول رہا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو ـــــ ایسا ہوتا ہے۔ اپنی عادت سی ہو چکی ہے وقت کے سر سب کچھ ڈال کر ی الذمہ ہو جانے کی۔ مگر میں تمہیں کوئی الزام نہیں دینا چاہوں گی۔ نہ تمہیں، نہ خود کو۔ میں بھی قت کے لکھے کو اسی طرح الزام دیتی ہوں جس طرح اور بہت سے لوگ دیتے ہیں۔“

اذہان حسن بخاری خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

”بہت مشکل ہے یہ میرب! ـــــ بہت اذیت ناک۔ تمہیں اس کیفیت سے گزرتے دیکھنا مشکل ہے میرے لئے۔ سچ کہوں، جھیل نہیں پا رہا ہوں میں۔ کیا تم مجھے بتاؤ گی، اصل واقعہ کیا ہوا؟ جب تمہاری روتی آواز فون پر سنی ہے، دل بس میں نہیں ہے۔ یہ کیفیت نہ سمجھ میں آنے والی ہے میرب! تمہیں تکلیف میں کبھی نہیں دیکھ سکتا۔“

”کیا ملے گا تمہیں جان کر؟ ـــــ کیا کر لو گے تم؟ ـــــ میرے لئے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔“ میرب سیال کے لئے وہ ہمدردانہ لہجہ کمزوری کا باعث بن رہا تھا۔ وہ آپ کو ٹوٹتا پھوٹتا اور شکستہ محسوس کر رہی تھی۔ اندر ایک انتشار سا تھا۔ اور پھر اس نے اذہان سے

سب کچھ کہہ دیا تھا۔ اس عرصے میں جو جھیلا وہ سب کچھ بتا دیا تھا۔

وہ سن کر خاموشی سے اسے تکتا چلا گیا تھا۔

وقت نے عجب دوراہے پر اسے لا کھڑا کیا تھا۔

* * *

رومیصا لغاری کی حالت رات کے پچھلے پہر کچھ بگڑنا شروع ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر نے گین کو فون کر کے مطلع کیا تھا اور وہ پہلی فرصت میں اس کے پاس تھا۔ آکا جا ساتھ گئے تھے۔ مگر باہر ہی رک گئے تھے۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟ —— کل شام تک تو ٹھیک تھیں آپ۔ یہ اچانک کیا کر لیا ہے خود کو؟۔ بالکل بھی خیال نہیں ہے آپ کو اپنا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر پُرتشویش لہجے میں بولا تھا اور وہ مسکر تھی۔ اس کیفیت میں اس کے لئے مسکرانا یقیناً دشوار تھا۔ مگر وہ جیسے حالات کو قابو میں ظاہر کر قائل تھی۔

"میرب کہاں ہے؟ —— اسے نہیں لائے تم؟" رومیصا لغاری نے دریافت کیا تھا۔ سردار حیدر لغاری نے اسے دانستہ نہیں بتایا تھا کہ وہ واپس جا چکی ہے۔ وہ جانتا تھا اسے دکھ ہوگا اس لمحے بھی کوئی واضح جواب دیئے بغیر بولا تھا۔

"عجب خاتون ہیں آپ —— میرب کی پڑی ہے آپ کو، اپنی نہیں۔ میں آپ کے سامنے کوئی اچھی سی بات مجھ سے کیجئے۔" وہ جیسے اس کا ہر تاثر زائل کر دینا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی اس کی کیفیت کے متعلق بتا دیا تھا۔ رومیصا کے پاس یقیناً زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں کی بجھ رہی تھی۔

"منع کیا تھا میں نے اسے۔ وہ پھر بھی چلی گئی۔" رومیصا لغاری کو جیسے اس کے چلے جانے کا ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس موضوع پر کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا، تب ہی لب خاموشی سے تھے۔ رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

"بہت اچھی لڑکی ہے وہ گین! —— اسے خوش رکھو۔ وہ تمہاری زندگی کے سارے خلاء بھ والی ہے۔ بس ذرا بھولی ہے۔ اسے یقین دلانے کی کوشش درکار ہے۔ سمجھ دار ہے، سمجھ سکتی ہے۔ دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں ہمیشہ۔" شاید یہ اس کی آخری خواہشیں تھیں۔ سردار سبکتگین لغاری لب سختی سے بھینچے بنا کوئی تاثر دیئے رومیصا لغاری کے سامنے تھا۔

میرب سیال نے جو کیا تھا اسے وہ یقیناً نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مرنے والے کی آخری خواہش احترام ہر کوئی کرتا ہے اور اس نے میرب سیال کو کئی بار رکنے کے لئے کہا تھا مگر وہ لڑکی بے جیسے اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ پہلے کبھی سمجھی تھی جو اب سمجھتی۔

"گین! —— بابا کو بلا دو۔ مجھے ان سے ملنا ہے۔" رومیصا کی آنکھوں میں ویرانی کچھ تھی۔ سانسوں کی رفتار بتا رہی تھی اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔

لڑ!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر آواز دینا چاہی تھی مگر رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ ے روکا تھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

مجھے بابا سے ملنے دو گین!" اس کا انداز ملتجی تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر چلتے ہوئے جا کر آکا جان کو بلایا تھا اور خود دانستہ وہاں سے

تھا۔

جان نے سرعت سے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

ری بچی!"

!" رومیصا لغاری ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ آکا جان نے آگے بڑھ کر اسے اپنے لیا تھا۔ کتنے عرصے بعد بیٹی کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اب تک اس نے صرف ضد میں دن ے۔ ایک عمر کاٹ دی تھی۔ ایک غلطی کی سزا دینے میں حد کر دی تھی۔ مگر اب ——!

ری بچی! —— ہم آپ کی صورت دیکھنے کو ترس گئے۔ کوئی یوں بھی کرتا ہے۔ کتنی بڑی سزا دی اپنے بابا کو۔ ہمیں آس رہی کہ ہماری بچی اب ہمیں معاف کرے گی اور ایک لاچار باپ کی ہو گی مگر......"

! —— مجھے یہاں پیار کرو بابا! —— جیسے آپ ہمیشہ کرتے تھے۔" رومیصا لغاری نے اپنی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا تھا۔ آکا جان کتنا کچھ کہنا چاہتے تھے۔ ایک عرصے کے ترسے ہوئے یفیت جیسی ہو سکتی تھی، اس لمحے ان کی کیفیت ویسی تھی۔ وہ بے بس باپ لگ رہے تھے۔ بوڑھی نکھوں سے آنسو رواں تھے۔ انہوں نے چہرہ آگے بڑھا کر لب اس کی جلتی ہوئی پیشانی پر رکھے ہی رومیصا لغاری کا وجود اپنی گرفت میں انہیں کچھ ڈھیلا پڑتا محسوس ہوا تھا۔

میصا! میری بچی!" انہوں نے اسے دیکھا تھا مگر وہ ساکت آنکھوں سے انہیں اپنی طرف دیکھتی

ین! —— ڈاکٹر —— گین! ڈاکٹر کو بلاؤ —— رومیصا! میری بچی! —— رومیصا!" وہ پکار رہے تھے مگر ان کی اس آہ و زاری کو سننے کے لئے رومیصا لغاری اب وہاں نہیں تھی۔

ن تیزی سے چلتا ہوا اندر آیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی ڈاکٹر بھی تھے۔ گین نے ان ساکت آنکھوں ڑھا کر بند کیا تھا۔ کسی طرح کی تصدیق کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی مگر غالباً آکا جان کی تسلی اس نے ڈاکٹر کو رومیصا کو چیک کرنے کے لئے کہا تھا۔

ٹر نے چیک کیا اور رومیصا لغاری کی موت کی تصدیق کر دی تھی۔

کا جان جیسے شخص دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اتنے مضبوط شخص کو ٹوٹتے دیکھنے کا عمل یقیناً برداشت تھا اور کئی الزامات بھی تو باقی تھے۔ شاید تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا باہر نکل

* * *

ازہان حسن بخاری، میرب سے مل کر تو آ گیا تھا مگر اس کے بعد اسے ہر شے اپنی جگہ
محسوس ہوئی تھی۔ اپنے اردگرد بہت کچھ بدلا ہوا سا لگا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا، اس کی اس
کیفیت کا ذمے دار وہ تھا۔ اس نے اس لڑکی سے محبت کی تھی اور اسے تنہا کر دیا تھا۔

بے بس اور ویران کر دیا تھا۔۔۔۔۔

اگر تب اس نے اپنا ہاتھ درمیان میں ہی چھڑا نہ لیا ہوتا تو آج صورت حال مختلف
صورت حال نے اسے نہ صرف پل میں مجرم کر دیا تھا بلکہ وہ کسی قدر شرمندہ بھی تھا۔

”کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ڈھنگ سے؟“ وہ بے دھیانی میں پلی
گھمائے جا رہا تھا، جب فارحہ نے اسے ٹوکا تھا۔

”کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟“ ازہان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا اور
ہلا دیا تھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ کچھ نہیں ہے۔“ اس نے چمچ پلیٹ میں چھوڑ دیا تھا۔

”کھانا اچھا نہیں بنا؟“ فارحہ نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔

ازہان نے ایک بار پھر سر انکار میں ہلایا تھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ دل نہیں چاہ رہا۔ فیض چاچو دکھائی نہیں دے رہے؟

”یاد نہیں تمہیں؟۔۔۔۔۔ وہ تو آج شام ہی شکاگو کے لئے نکل گئے ہیں۔“

”ہاں، یاد آیا۔۔۔۔۔ انہیں غالباً سیمینار کے سلسلے میں جانا تھا۔“ وہ بے دھیانی میں بولا
نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا مگر کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ غالباً وہ چاہ رہی تھیں اگر اسے کوئی مس
ہے تو وہ خود اس کا اظہار کر دے۔

”آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟“ ازہان نے دریافت کیا تھا۔

”نہیں، شام میں تمہاری نانو اور ماموں لوگ آئے تھے۔“

”خیریت؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ وہ ہماری ماہا کے لئے سیفی کا رشتہ لائے ہیں۔“

”ارے، یہ تو اچھی خبر ہے۔ آپ اس طرح برے انداز میں کیوں سنا رہی ہیں؟“ وہ مسکر
کہاں ہے؟۔۔۔۔۔ ٹھہریئے، میں ابھی اس کی خبر لیتا ہوں۔“

”وہ سو چکی ہے۔۔۔۔۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے غالباً۔ تم خاصا لیٹ آئے ہو۔“ فارحہ
بھی الزام دیئے بغیر جتایا تھا۔ وہ شرمندہ ہو گیا تھا۔

”آئی ایم سوری۔۔۔۔۔ وہ دراصل........“ وضاحت دینے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے چا
فارحہ نے اسے روک دیا تھا۔

”ازہان!۔۔۔۔۔ بیٹا! تمہیں کسی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”جی۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں۔ پاپا کو پتہ ہے کہ ماہا کے لئے سیف کا پرپوزل آیا ہے؟“

وہ شام میں یہیں تھے۔“

تو پھر انہوں نے کیا کہا؟“

زل تو اچھا ہے۔ لیکن تم اپنے پاپا کو جانتے ہو۔ سوچنے کے لئے ہمیں یوں بھی کچھ وقت تو

ں۔“

یہ تو ہے۔ آپ خوش ہیں؟“

کون ماں خوش نہیں ہو گی۔ میرے بچوں کی خوشی سے زیادہ مجھے اور کیا شے عزیز ہو

آپ نے کبھی اپنی خوشی کے بارے میں نہیں سوچا؟“

خوشی؟“ وہ چونکتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

خوشی ہی تو ہے یہ میری۔ تم لوگ کیا مجھ سے الگ ہو؟“

مگر۔۔۔۔۔ دوسروں کے لئے خوش ہونے میں کبھی کبھی اپنا نقصان بھی تو ہو جاتا ہے نا۔“ وہ
ہوئے سرسری انداز میں گویا ہوا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھیں۔

شاید۔۔۔۔۔ تمہارے پاپا اپنی وائف کو چھوڑ رہے ہیں۔“ ایک اور بہت بڑی خبر انہوں نے
انداز میں دی تھی۔ ازہان حسن بخاری حیران رہ گیا تھا۔

واقعی؟۔۔۔۔۔ مگر یہ تو اچھی خبر ہے۔“

خبر ہے کہ نہیں، یہ تو مجھے نہیں پتہ۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔“

کیا ممی؟۔۔۔۔۔ کیا آپ خوش نہیں ہیں؟ پاپا کو آخر کار اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔“ اسے یہ
خوشی ہوئی تھی۔

میں خوش ہوں۔ مجھے ہونا بھی چاہئے۔ میری فیملی پھر سے مکمل ہونے جا رہی ہے۔
درمیان میں جب کچھ ٹوٹ جاتا ہے تو باقی سب کچھ بہت عجیب سا لگتا ہے۔“
کی بات میں شاید واقعی سچائی تھی۔ ازہان نے سوچتے ہوئے پُرخیال انداز میں اثبات میں سر

ٹھیک کہہ رہی ہیں ممی!۔۔۔۔۔ شاید کبھی کبھی بہت کچھ ٹوٹ جانے سے بہت زیادہ فرق پڑتا
ہو، یہ خبر پھر بھی اچھی ہے کہ پاپا آخر کار اپنی غلطی کو مان چکے ہی۔ اب باقی کے حالات
پر آ جائیں گے۔“

فارحہ کے لبوں کی مسکراہٹ بہت پھیکی سی تھی۔

کمرے میں جاؤ۔۔۔۔۔ میں دودھ بھجواتی ہوں۔ تھک گئے ہو گے تم۔ آرام کرو۔۔۔۔۔
ہو گئی ہے۔“ فارحہ کہتے ہوئے اٹھ کر ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگی تھیں۔ ازہان حسن بخاری چلتا ہوا
کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

❄❄❄

پتہ نہیں ــــــ

محبت اب رہی بھی تھی کہیں ــــــ یا پھر نہیں ــــــ

محبت کے اتنے بھرپور احساس کے بعد اچانک اتنے گریز کی سرد چادر کے تن جانے سے باتوں کا مفہوم یک دم ہی بدل گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس ساکت و جامد ماحول میں خود کو بہت تنہا اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

گھر کے باقی لوگ جانے کہاں تھے۔

اس کے حلق میں جیسے کانٹے سے اُگ آئے تھے اور سارا وجود جلتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اوزان کو فون کرنے والی تھی کہ آ کر اسے کچھ دنوں کے لئے لے جائے، فوری طور پر اس سے فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ جگہ، یہ مقام ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہئے پھر۔

وہ ابھی نمبر ملا ہی رہی تھی جب لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

”ہیلو لامعہ! ــــــ کیسی ہو تم؟ ــــــ کتنے دن سے غائب ہو؟ ــــــ عجب دوست ہو پلٹ کر خبر تک نہیں لیتی ہو۔“ وہ شکوہ کرتی ہوئی بولی تھی۔ مگر دوسری طرف لامعہ حق خلاف تو کھلکھلا کر ہنسی تھی نہ ہی مسکرائی تھی۔

”بس وقت ہی نہیں ملا۔ تم کیسی ہو؟“ لامعہ حق کا انداز سرد تھا۔ جسے وہ محسوس کئے بغیر نہیں تھی۔ تب ہی چونکتے ہوئے بولی تھی۔

”کیا ہوا؟ ــــــ تم ٹھیک تو ہو؟“ اگرچہ وہ خود ٹھیک نہیں تھی مگر اس کے باوجود اس نے سے دریافت کیا تھا۔ مگر دوسری طرف لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔

”لامعہ ــــــ!“

”میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں انابیہ! ــــــ تم برا مت ماننا ــــــ فی الحال میں ہوں۔“ یہ کہنے کے ساتھ ہی لامعہ نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

لامعہ کا اس طرح خود فون کرنا اور پھر خود ہی بات نہ کر کے سلسلہ منقطع کر دینا ــــــ اسرار رکھتا تھا؟

اوہ ــــــ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ لامعہ اس وقت کسی اور سے بات کرنا چاہتی تھی۔ غالباً عفنان علی خان سے ــــــ اور اسے نہ پا کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ اسی شش و پنج میں فون ہاتھ میں لئے کھڑی تھی جب عفنان اندر داخل ہوا تھا۔

وہ لاتعلق انداز میں نگاہ چرا گئی تھی۔ عفنان نے بھی اسے دیکھا تھا مگر انداز سرسری سا تھا۔ ہوا آگے بڑھ گیا تھا جب اچانک انابیہ نے اسے پکار لیا تھا۔

”عفنان!“

ل گیا تھا۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔

یا بات ہے؟“ عفنان علی خان نے سرد انداز میں دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے لمحہ بھر کو سوچا
لی تھی۔

معہ کا فون تھا۔“

ــــ؟“ وہ بلاتردد بولا تھا۔ انداز انتہائی لاتعلق تھا جیسے اسے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

ــــ؟“ انابیہ کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔ مگر دوسرے ہی پل اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے
ہئے کہ لامعہ کا فون اس کے لئے تھا تب ہی وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

معہ کا فون آپ کے لئے تھا۔“ وہ پُراعتماد انداز سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ عفنان
اس کے الزام پر کسی قدر حیران ہوا تھا اور اس حیرت کا اس نے بھرپور طور پر اظہار بھی کیا تھا۔

ہ، واقعی ــــــ؟ میری فون کالز میرے سیل کی جگہ اس لینڈ لائن پر کیسے آنے لگیں؟“ اس کے
ز کسی طرح بھی چھپا ہوا نہ تھا۔ انابیہ شاہ کو بہت سبکی محسوس ہوئی تھی۔ خجل سی ہو کر وہ چہرہ پھیر گئی
ر ایک الاؤ دہکتا ہوا تو پہلے بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اس لمحے تو یوں لگا تھا جیسے سارا شہر کا شہر جل رہا
، سے فون پٹختے ہوئے وہ مڑی تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ دم گھٹ سا رہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی
ا میں نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر عین اسی وقت وہ چکرائی اور وہیں گر گئی تھی۔ عفنان علی خان نے
ت اطمینان سے دیکھا تھا۔

ر میں کوئی اور نہ تھا۔ سو مدد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا آگے بڑھا۔ اپنا بیگ صوفے پر ڈالا
کے قریب آن رکا تھا۔

از میں کوئی بے قراری تھی نہ کوئی فکرمندی۔ جیسے وہ ہر طرح کے جذبے سے عاری ہو چکا تھا۔
ینان سے جھک کر اسے سیدھا کیا تھا۔ بظاہر کہیں کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ کوئی اندرونی چوٹ
ا تو اس کا اندازہ وہ فی الحال نہیں کر سکا تھا۔ اس کا جسم جل رہا تھا۔ غالباً اسے بخار تھا۔ ہمدردی
ر، یا پھر انسانیت کے طور پر اسے بازوؤں میں اٹھایا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے کمرے
یا تھا۔

ا کمرے میں جو کبھی ان دونوں کا مشترکہ کمرہ تھا۔

ا کے نرم وجود کو اپنے بازوؤں میں بھرے کوئی احساس اسے چھو نہ رہا تھا۔ اتنی قربت اس پر رتی
اثرانداز نہیں ہو رہی تھی۔ اسے جھک کر بیڈ پر لٹایا تھا ــــــ اور پھر جیب سے سیل فون نکال کر
ون کرنے لگا تھا۔

ت اب شاید کہیں نہیں تھی۔

یں بھی نہیں ــــــ

وئی چاپ باقی تھی، نہ کوئی آہٹ ــــــ

ر عفنان علی خان اسے باہر لاؤنج سے یہاں اٹھا کر اپنے کمرے تک لایا بھی تھا تو صرف اس لئے

کہ اس کے اندر ''ہمدردی'' کا عنصر اب بھی باقی تھا۔

انابیہ ہر بات سے بے خبر بیڈ پر پڑی تھی۔

نہ اسے یہ پتہ تھا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر قبل اس کے کتنے قریب رہ چکی تھی ـــــ نہ اسے اس قربت کا کوئی اندازہ تھا نہ اس حدت کا ـــــ آج شام ماما کے مطابق انابیہ شاہ کو اس کے ساتھ اٹلی جانا تھا جو کہ اب ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ غالباً اس حالت پر اسے کوئی خاص افسوس نہ تھا۔ انداز خاصا تسلی بخش دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے تک وہ وہیں کمرے میں موجود رہا۔ ڈاکٹر کے آنے پر بھی وہ وہیں رہا۔ چیک اپ کے بعد کچھ خاص نہیں، ڈاکٹر نے فقط معمولی بخار اور نقاہت ہی وجہ بتائی تھی اس کے اس طرح بے ہوش ہو جانے کی۔ کچھ دوائیں اور ٹانک لکھ کر دیئے اور پھر اپنی راہ لی تھی۔ جب تک وہ ہوش میں نہ آ جاتی، عفنان کا وہاں رکنا محال تھا۔ سو ماما کا نمبر ڈائل کرتا ہوا وہ باہر نکل آیا تھا۔

''ماما! ـــــ آپ واپس آسکتی ہیں؟''

''کیوں بیٹا! کیا ہوا؟''

''مجھے کچھ نہیں ہوا ـــــ آپ کی بہو کی طبیعت خراب ہے۔ تیز بخار ہے اور غالباً کچھ کمزوری بھی۔ گر کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اٹھا کر ان کے کمرے تک پہنچایا ہے انہیں ـــــ ڈاکٹر کو بلا کر بھی دکھایا ہے۔ آپ آجائیں تو ان کے پاس ٹھہریں ـــــ مجھے اٹلی جانے کی تیاری کرنی ہے۔''

''تو تم اس کے بغیر جاؤ گے؟'' ماما کو تشویش ہوئی تھی۔

''ماما! ـــــ اس کے ساتھ جانے کا کوئی پروگرام یوں بھی میرا نہیں تھا۔'' اس نے بیزاری سے یوں کہا تھا جیسے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

''عفنان! ـــــ وہ تمہاری بیوی ہے۔ وہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم اس طرح لاتعلق کیسے ہو سکتے ہو؟ بھول گئے تم کہ اس گھر میں اسے بیاہ کر لانے والے تم ہی ہو۔'' ماما نے اس کے فون پر ہی کان کھینچے تھے۔

''سو واٹ ـــــ آپ بتائیں، میں کیا کروں؟ ـــــ اپنا یہ وزٹ کیسے ملتوی کر دوں؟'' صورت حال کے سامنے وہ ایک لمحے میں بے بس نظر آیا تھا۔

''میں واقعی نہیں جانتی بیٹا! ـــــ مجھے اندازہ ہے یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم اسے کس طرح نباہتے ہو اس کا فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ اس وقت میرا آنا تو مشکل ہے۔ میں انوشے کو فون کرتی ہوں۔ غالباً وہ اپنی کسی دوست کے ہاں ہے۔''

''نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سنبھال لوں گا۔''

فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ یہ ماما کو کیا ہو گیا تھا ـــــ اس سے پہلے تو انہوں نے کبھی اس طرح کی لاتعلقی کا اظہار نہیں کیا تھا ـــــ پھر اب اچانک ـــــ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ مگر غالباً ماما ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ وہ اب اس کی ذمہ داری تھی۔ خواہ وہ اسے

ہوڑ دیتا ـــــ یا پھر ـــــ

'' اس کے ذہن میں انابیہ کی کیفیت آئی تھی تو وہ دوسرے ہی پل خاصے تھکے تھکے سے
رہ ـــــ
یا اس کے کمرے کی طرف قدم بڑھانے لگا تھا۔

یا تھا ـــــ؟ تو اب اسے ان محترمہ کی تیمارداری کے لئے اپنے اہم ترین امور بھی چھوڑنا تھے؟
پروف کرنے کے لئے کہ وہ اس کی ذمے داری تھی اور وہ اس کا خیال رکھ سکتا تھا؟ ـــــ غیر
تو خبر وہ نہیں تھا۔ مگر ان حالات میں یہ خاصا بڑا ''سانحہ'' لگ رہا تھا۔ اور اسے سرانجام دینا اور
رہ مشکل۔ مگر جب کوئی راہ نہیں تھی تو اپنی ذمہ داری تو نباہنا ہی تھی۔ فون کر کے اس نے اپنی ٹکٹ
کروائی تھی اور پھر چلتا ہوا اس کے کمرے کی طرف آگیا تھا۔

اب بھی بدستور اسی طرح لیٹی تھی۔ اس نے چلتے ہوئے پاس آکر اسے بغور دیکھا تھا۔ غالباً وہ
لے بھی رہی ہے یا کہ نہیں ـــــ وہ یہی دیکھنے کے لئے اس پر جھکا تھا۔ مگر عین اسی لمحے انابیہ
آنکھ کھل گئی تھی۔ عفنان علی خان کو اس لمحے اپنے اس قدر قریب دیکھ کر وہ کچھ ساکت سی رہ گئی

فنان علی خان کچھ خجل سا ہوا تھا اور پھر سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' بے تاثر لہجے میں دریافت کیا تھا۔

ابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

گڈ ـــــ'' وہ اطمینان ظاہر کر کے باہر نکل گیا تھا۔ نوکر کو جا کر اسے کچھ کھلانے کی ہدایت کی
ساتھ ہی اس کی میڈیسن کے متعلق بھی کہہ دیا تھا کہ یاد سے لے لے۔ اپنی ''ذمہ داری'' کسی
اکر وہ فریش ہونے کے لئے اپنے کمرے میں آگیا تھا۔

❄ ❄ ❄

رومیصا لغاری کے آخری امور انجام دے کر وہ واپس آگیا تھا۔

گی کو معلوم ہوا تو اسے بہت افسوس ہوا تھا۔

''میرب تمہارے ساتھ نہیں آئی؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پیشانی پر کئی سلوٹیں ایک ساتھ نمودار ہوئی تھیں اور وہ کوئی جواب دیئے
بغیر اچھیر گیا تھا۔ گی کو تشویش ہوئی تھی۔ اپنے سامنے بیٹھے شخص کے چہرے کو بغور پڑھنا چاہا تھا مگر یہ
ال تھا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں ـــــ تم بتاؤ، تم ٹھیک ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس موضوع پر کوئی بات کرنا
یا چاہتا تھا۔ اس نے یکسر بات ہی بدل دی تھی اور اسی پر گی کو اندازہ ہوا تھا کہ بات یقیناً معمولی
ما گی۔ اس نے بھی تب اس موضوع پر اسے مزید کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور رومیصا لغاری کے
سامل افسوس کرتی ہوئی بولی تھی۔

''مجھے رومیصا لغاری کے بارے میں سن کر واقعی بہت افسوس ہوا۔ تمہاری انسیت تو پھر اس سے کہیں زیادہ تھی۔''

''ہاں —— زندگی میں عجب ایک خلا کا سا احساس ہو رہا ہے —— جانے یہ خلا کبھی بھر بھی گا کہ نہیں۔ میں نے اپنی ایک بہت اچھی دوست اور خیر خواہ کو کھو دیا ہے۔ میرا نقصان بہت بڑا وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس لمحے اس کا چہرہ کسی بھی جذبات سے قطعاً عاری تھا۔ یا تو وہ محسوسات پر قابو رکھنا اچھی طرح جانتا تھا یا پھر وہ ہر ایک پر انہیں ظاہر ہی نہ کرنا چاہتا تھا۔

''گین! —— میرب، رومیصا کو لے کر ہی تم سے کچھ بدظن ہوئی ہے نا؟'' اس نے بہت سے اندازہ کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

وہ چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا تھا۔ غالباً وہ فی الحال اس موضوع پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا

''جو شے میری زندگی میں اہم ہے، مجھے اسے امپورٹنس دینا ہوگی۔ اور اس کے لئے مجھے کسی پرواہ نہیں ہے کہ کوئی کیا سوچتا ہے اور کیا نہیں۔ زمانہ تمہیں لے کر بھی کچھ کم بدظن نہیں ہے۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری زمانے سے زیادہ اپنے دل کی ماننے اور سننے کا قائل ہے۔'' وہ بڑے آرام اسے عام لوگوں میں شمار کر گیا تھا۔ گی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بات کچھ زیادہ ہی سنگین نوعیت کی ہے۔

''تم ٹھیک ہو نا گی؟ —— آر یو او کے؟'' وہ اس موضوع سے ایک بار پھر ہٹتا ہوا بولا تھا۔ گ سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم میرب کو وہ سب کیوں نہیں بتاتے گین! جو سچ ہے، جو وہ جاننا چاہتی ہے؟'' گی نے کوشش پھر کی تھی۔ وہ اس کی بے وقوفی پر غالباً مسکرایا تھا۔

''مجھے وضاحتیں دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی ضرورت۔ مجھے وضاحتیں دینا آ نہیں۔ اور جہاں تک ان محترمہ کی بات ہے، وہ کھوج لگانا اچھی طرح جانتی ہیں۔ تمہیں اس طرح کی ہمدردی کرنے کی ضرورت قطعاً نہیں ہے۔ وہ اتنی مظلوم نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہی ہو۔

''تم بتا رہے تھے، رومیصا کسی سے ملنا چاہتی تھی مگر نہیں مل سکی۔ کون ہے وہ؟'' اچانک یاد آ گی نے دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر ہلا دیا تھا۔

''ہاں —— ڈاکٹر بخاری تھے کوئی۔ ان دنوں آؤٹ آف ٹاؤن تھے۔ مجھے بہت افسوس رومیصا کی آخری خواہش پوری نہیں کر سکا۔ انہوں نے جتنی کٹھن زندگی گزاری اس کا اندازہ کوئی نہ سکتا۔''

''ہاں شاید ——'' گی نے پُر خیال انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ''اور رومیصا محبت تھیں اُن سے؟''

''ہاں ——'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مختصر جواب دیا تھا۔ ''انہوں نے اپنی زندگی سارے دروازے اپنے ہاتھ سے بند کئے تھے۔ ڈاکٹر بخاری شادی کرنا چاہتے تھے رومیصا سے۔ رو بھی ان سے محبت کرتی تھیں۔''

''پھر؟ —— پھر کیا ہوا تھا؟''

''فی الحال چھوڑو —— میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اٹھ کھڑا ہوا تھا اور سے نکل گیا تھا۔

* * *

''تم نے انکل کو بتایا ہے کہ تمہارے ساتھ یہ سب کچھ پیش آتا رہا ہے یا آ رہا ہے؟'' ازہان نے کاسپ لیتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ان کی طبیعت خراب تھی ازہان! —— تم تو جانتے ہو، میں نے کبھی ان سے کوئی بات نہیں کی۔ نکاح بھی صرف ان ہی کی ایما پر کیا کہ وہ اپنی زندگی میں مجھے پروٹیکٹو دیکھنا چاہتے تھے۔''

''اوہ، آئی سی۔'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''کبھی کبھی ہم نے اپنی زندگی کے لئے جو سوچا ہوتا ہے وہ نہیں ہوتا ازہان! —— سب ویسا ویسا ہے جیسا ہم نے سوچا نہیں ہوتا۔'' میرب ٹیبل کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے میرب!''

''ہاں، شاید۔'' وہ عجب پھیکے انداز میں مسکرائی تھی۔ ''زندگی دوسرا موقع نہیں دیتی —— موسم دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے —— ورنہ شاید کوئی شکوہ باقی نہ رہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''ہم میں سے کوئی خوش نصیب نہیں ہے میرب! —— میں بھی اکثر یہ سوچتا ہوں اگر زمانے واپس آ جائیں تو میں کیسے جینا چاہوں گا اس زندگی کو۔ اس طرح جس طرح کہ میں چاہتا ہوں؟ —— یا کہ اس طرح، جس طرح کہ دوسرے چاہتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب مسکرا دی تھی۔ تنہائی کے موسموں کی کہانی بہت مدھم لہجے میں اپنی بولیاں بول رہی تھی۔

دونوں کو کسی قدر افسوس تھا۔ دونوں ہی خود کو معمول پر ظاہر کرنا چاہ رہے تھے اور دونوں ہی خوش نہیں تھے۔ دونوں کے انداز میں ایک خاص گریز تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے مگر بات کرنے کو جیسے لفظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

کل کے زمانوں کے قصے اس لمحے خواب سے لگ رہے تھے۔ کتنی دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی تھی۔ پھر وہ اس کی طرف اور میرب اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

''کتنا عجب لگ رہا ہے اتنے عرصے بعد —— اس طرح ——!''

''ہاں —— عجیب ہی لگ رہا ہے۔ ہم نے زمانوں کو صدیوں پر محیط کر دیا —— ایک شہر میں رہے مگر.......'' ازہان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''ازہان! —— وقت مٹھی سے ریت کی طرح پھسل جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''ایک بات پوچھوں میرب؟'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''تمہیں افسوس ہوتا ہے؟'' عجب سوال تھا۔

وہ لمحہ بھر کو اس کی طرف دیکھتی ہوئی کچھ بول نہیں سکی، پھر مسکرا دی تھی۔

''تمہیں نہیں ہوتا؟''

اذہان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب ہی وہ عجب پھیکے انداز سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''شاید نہیں ــــــ شاید ہاں ــــــ پتہ نہیں ــــــ''

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم ــــــ زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب اندازہ نہیں ہو پاتا کہ جو ہوا وہ بہتر تھا ــــــ ٹھیک تھا ــــــ یا جو ہو رہا ہے وہ بہتر ہے اور ٹھیک ہے۔ ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے۔'' اذہان نے اس کی بات کی وضاحت کے طور پر کہا تھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے چونکی تھی۔

''تم نے اپنی فیانسی کے متعلق نہیں بتایا ــــــ کیسی ہے وہ؟ ــــــ ٹھیک ہے؟''

''ہاں ــــــ شی از ویری پریٹی گرل۔'' وہ ساہیہ کے متعلق بتاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ''بہت سمجھدار لڑکی ہے۔''

''اور تم اس کے ساتھ خوش ہو۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''تم بہت لکی ہو۔'' وہ بظاہر مسکراتے ہوء بول رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

''ایک بات کہوں میرب!'' اس کا مدھم لہجہ اسے چونکا گیا تھا۔

''ہاں ــــــ'' عجب نیم جاں انداز میں وہ بولی تھی۔

''ہم سب جینے کے لئے سمجھوتے کرتے ہیں ــــــ ایک سمجھوتہ تم نے کیا۔ ایسے ہی ایک سمجھوتہ میں نے بھی کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت اچھی ہے ــــــ مگر ــــــ مجھے اس سے محبت نہیں۔ شاید کبھی مجھے اس سے محبت ہو جائے۔ مگر میں اب نہیں مانتا کہ جینے کے لئے محبت کے ساتھ رہنا ہی ضروری ہے۔ اور محبت ایک بار ہی ہوتی ہے۔''

''کیا محبت دوبارہ بھی ہو سکتی ہے؟'' وہ وضاحت چاہتی ہوئی بولی تھی۔

''پتہ نہیں ــــــ ابھی تک نہیں ہوئی۔ ایک بار کی تھی ــــــ وہی عجب جاں گسل واقعہ رہا۔'' وہ مسکرایا تھا۔ مگر میرب سیال مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ ذہن میں ایک لمحے کو سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ آیا تھا۔

''اور تم ــــــ؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''تم کیا سوچتی ہو؟''

''پتہ نہیں۔ کسی بات کی کچھ خبر رہی نہ احساس۔ عجب خلاؤں میں معلق ہے وجود ــــــ اپنے ہونے کا گمان نہیں رہا۔ کبھی خود کو دیکھوں بھی تو سب بکھرا بکھرا سا اور اپنی جگہ سے ہٹا ہٹا سا لگتا ہے۔''

''ہم میں سے کوئی بھی اپنے مقام پر نہیں ہے میرب!'' اذہان حسن بخاری نے ایک پل میں اس کی نفی کی تھی۔

''ہاں، شاید۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔''

''ہاں ــــــ مگر شاید تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔''

''تم پلٹ کر دیکھتے ہو؟''

''ہاں ــــــ بارہا ــــــ پھر آگے دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ سوچتا ہوں اور ان لمحوں سے نکل نہیں کوئی راہ محبت چھوڑتی ہی نہیں۔'' سنجیدہ انداز میں کہتے کہتے یک دم وہ مسکرایا تھا اور میرب نگاہ پھیر

''اور تم ــــــ؟''

''میں ــــــ؟'' میرب چونکی تھی۔ ''میں ــــــ میرے پاس پیچھے مڑ کر دیکھنے کا وقت ہی نہیں ''عجب طنز خود پر کرتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

''سردار سبکتگین سے محبت ہو گئی ہے تمہیں؟'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا مگر وہ رائی نہیں تھی۔ ہاں، ان لمحوں میں یک دم ہی کوئی بازگشت سی چاروں اطراف ہونے لگی تھی۔

''محبت کرنے لگی ہو مجھ سے؟''

''مکمل کر دو ــــــ!!''

ادھورے، آدھے جملے اس کی سماعتوں میں گونجے تھے ــــــ پتہ نہیں ان لفظوں کا کوئی مفہوم تھا ا کہ نہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''میرب!'' وہ عجب کھوئے کھوئے سے انداز میں ایک جانب دیکھ رہی تھی جب اذہان نے اسے را تو اس نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے بیگ شولڈر پر ڈالنے لگی تھی۔

''گو ناؤ۔''

اذہان حسن بخاری کی جان ایک لمحے میں مٹھی میں آئی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''رائٹ ــــــ چلو میں چھوڑ دیتا ہوں تمہیں۔''

''نہیں ــــــ میں انتظام کر لوں گی۔'' اس نے تعرض سے کام لیا تھا۔ مگر اذہان مسکرا دیا۔

''اجنبی ہو گیا ہوں تمہارے لئے ــــــ مگر اس قدر بھی نہیں۔ چلو ــــــ!''

میرب سیال مزید تردد کئے بغیر اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

جب وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ لنچ کی ن سے آیا تھا۔ گاڑی پارک کر رہا تھا۔ مگر ــــــ نگاہوں میں یک دم ہی الاؤ سے دہکنے لگے تھے۔ ہان حسن بخاری گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

دہ لمحہ سرک گیا تھا۔ آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر آگ لگا گیا تھا۔

کون تھا وہ ــــــ؟

کس کے ساتھ تھی وہ ــــــ؟

تو کیا اس کے سامنے کوئی نئی راہ تھی ــــــ؟

تب ہی وہ اس کے ساتھ کبھی چل ہی نہیں سکی تھی ــــــ؟

جلتے جلتے کئی انگاروں پر وہ لوٹنے لگا تھا۔ لنچ کا ارادہ منسوخ ہوا اور وہ گاڑی واپس موڑتا ہوا وہاں

سے نکل گیا تھا۔

* * *

لامعہ حق عجب صورت حال سے گزر رہی تھی۔

اضطرابیت حد سے سوا تھی۔

وجود جیسے قیامتوں کے زیرِ اثر تھا۔

مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

وہ انابیہ سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر ہزار ہا کوشش کے باوجود خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی۔ کل
بھی فون کیا تھا ـــــ خود کو تیار کیا تھا۔ مگر ایک لمحے میں ہمت جواب دے گئی تھی۔ شاید سچ کہنے
لئے واقعی بہت ہمت درکار ہوتی ہے۔ کچھ دیر وہ مضطرب سی کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی تھی۔
فون اٹھا کر اس کا نمبر ملایا۔ بیل خاصی دیر جاتی رہی تھی۔ وہ دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھی اور اس کا
فون عفنان نے سائیلنٹ پر کر دیا تھا۔ وہ فون بند کرنے والی تھی جب دوسری طرف عفنان نے فون
لیا تھا۔

”ہیلو!“ بھاری آواز ابھری تھی۔

دوسری طرف لامعہ میں بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

”ہیلو ـــــ لامعہ! میں جانتا ہوں دوسری طرف تم ہو ـــــ تم بول کیوں نہیں رہی ہو؟ ـــــ
تم ٹھیک تو ہو؟“

”آں ـــــ ہاں ـــــ ٹھیک ہوں میں۔“ لامعہ نے جس ہمت سے کہا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

”انابیہ کہاں ہے؟“

”انابیہ تو سو رہی ہے ـــــ تم نہیں جانتی شاید ـــــ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ماما
اسلام آباد میں ہیں۔ سو تیمارداری کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہی آن پڑی ہے۔ تم کیسی
ہو؟ ـــــ آ جاؤ نا۔“ وہ دانستہ مدھم آواز میں بول رہا تھا کہ کہیں وہ ڈسٹرب نہ ہو اور بیدار نہ
جائے۔

لامعہ دوسری طرف کچھ بول نہیں پائی تھی۔ اسی لئے وہ بولا۔

”لامعہ! انتظار کرو ـــــ میں تمہیں کال بیک کرتا ہوں۔ یا تم میرے سیل پر فون کر لو۔ ادھر
کی کوئی کال ہے۔“

انابیہ نے تب ہی آنکھ کھول کر دیکھا تھا، کچھ اور تو سمجھ میں نہیں آیا تھا، صرف لامعہ کا نام سنائی
تھا۔ عفنان علی خان کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ اسی طرح چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

’لامعہ ـــــ یہ لامعہ کیا بات کرنا چاہتی ہے عفنان سے ـــــ؟‘ اس نے الجھ کر سوچا تھا۔

* * *

میرب نے بہت سوچا تھا اور اسے لگا تھا کہ اسے کم از کم پاپا سے کچھ نہیں چھپانا چاہئے۔ اب

حال مختلف تھی۔ پاپا اب تندرست تھے۔ بات اتنی اثر پذیر نہیں ہوئی تھی۔ اور اگر ہو بھی جاتی
وہ اپنی زندگی کے اتنے بڑے سچ سے انہیں لاعلم کیسے رکھ سکتی تھی۔

کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہی ہو؟“ زوباریہ نے اسے خاموش دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر
سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

پاپا جاگ رہے ہیں؟“

ہاں ـــــ کیوں، کوئی کام ہے؟“

ہاں ـــــ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔“ وہ چلتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ پاپا لیٹ کر
پڑھ رہے تھے۔

آؤ ـــــ میرب بچے!“ اسے دیکھ کر پاپا نے کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

مجھے آپ سے بات کرنا ہے پاپا!“

ہاں، تو کرو بچے! سن رہا ہوں میں۔“ پاپا مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

گومگو کی کیفیت میں کچھ دیر یوں ہی کھڑی رہی۔ پھر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”پاپا! ـــــ میں آپ سے وہ شیئر کرنا چاہتی ہوں جو میں نے اب تک آپ سے پوشیدہ رکھا۔“

”ہاں بچے! کہو ـــــ میں سن رہا ہوں۔“

”پاپا ـــــ!“ اسے قصہ بیان کرنا دشوار ترین لگ رہا تھا۔ ہمت ناپید تھی۔ مگر بیان تو کرنا ہی تھا۔

”اینی پرابلم؟“ پاپا اس نہج پر یقیناً نہیں سوچ رہے تھے جس نہج پر وہ سوچ رہی تھی۔ اس نے سر نفی
ہلا دیا تھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

”پاپا! ـــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری ویسے قطعاً نہیں ہیں جیسا آپ سوچتے ہیں۔“

”کیا؟ ـــــ کیا مطلب؟ ـــــ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟“

کچھ لمحے وہ یوں ہی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے بہت خاموشی سے آنسو
کر بہنے لگے اور پھر بالآخر اس نے ہمت کر کے ساری داستان پاپا کے گوش گزار کر دی تھی۔

پاپا نے سنا تو گنگ رہ گئے تھے۔

ان کی اکلوتی بیٹی کا نصیب ایسا ہوگا۔ ایسا تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ، جسے انہوں نے
کی طرح پالا تھا، وہ اس قدر اذیت میں تھی۔ وہ بھی اس شخص کے باعث جس کے ساتھ اسے اپنی
عمر بتانی تھی۔

”میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی تھی پاپا! ـــــ مگر ـــــ“ وہ عجب مجرم سے انداز میں بولی تھی۔ پاپا
اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

”مجھے لاعلم رکھو گی تو پھر تمہاری خوشیوں کا خیال اور کون رکھے گا میری بچی؟ ـــــ مگر تم نے مجھے
کیوں بتایا؟“

میرب سیال کچھ نہیں بول سکی تھی۔ مظہر سیال بھی اس لمحے کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دیئے

تھے۔

❄ ❄ ❄

’’کیا ہوا؟ ——— ناشتہ نہیں کرو گے تم؟‘‘ مائی اماں نے اسے آفس کے لئے نکلتے ہوئے
دریافت کیا تھا۔ گی بھی اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔ چہرہ کسی بھی قسم کے جذبا
عاری تھا۔ رومیصا کی ڈیتھ کے بعد وہ بہت گم صم سا ہو گیا تھا۔

’’بیٹا! ——— تم نے رات کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ ملازم بتا رہا تھا مجھے۔ آ کر اپنے کمرے
کر سو گئے تھے تم ——— اور اب بھی ———‘‘

’’مائی! بھوک بالکل نہیں ہے۔ رات کو بھی میں باہر سے کھا کر آیا تھا۔‘‘ انہیں مطمئن کر
بولا۔ مائی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ ماں تھیں، اس کے دل کی کیفیت کیسے نہ جان پاتیں۔

’’شام میں تم جلدی آ جاؤ تو ہم مظہر میاں کی طرف جائیں گے۔ میرب کو دیکھے کئی دن گز
ہیں۔ بچی خیریت سے بھی ہے کہ نہیں۔ گئی ہے تو پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔‘‘

’’شام میں میرے پاس وقت نہیں ہو گا مائی! آپ جانا چاہیں تو ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیے

’’کیوں ——— تم کیوں نہیں جاؤ گے وہاں؟‘‘

وہ صبح صبح کوئی تکرار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر مائی کی بے ادبی اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ سو نہ
ہوئے بھی اس موضوع پر بول رہا تھا۔

’’مائی! بتایا ہے نا، مصروف ہوں گا۔‘‘

’’گین! ——— بچے! کسی کو یوں موردِ الزام ٹھہرانا ٹھیک نہیں ہوتا۔ وہ وہاں رہتی تو تھی۔ ہ
رومیصا سے کوئی رشتہ بھی تو نہیں تھا۔ تم اسے بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ بچی جس طرح اتنے
وہاں رہی، میری تیمارداری کی، رومیصا کی دیکھ بھال کی وہ بہت زیادہ ہے۔ ہمیں اسے جواب
سرد مہری سے نہیں نوازنا چاہئے۔ وہ وہاں اگر نہیں رک سکی تو اس کی کوئی مجبوری........‘‘

’’میں نے ایسا کچھ نہیں کہا مائی!‘‘ وہ ان کی بات تیزی سے کاٹتا ہوا بولا تھا۔ مائی اسے دیکھ
تھیں۔ آج سے پہلے نہ وہ اس قدر ڈسٹرب دکھائی دیا تھا نہ اس طرح بات کی تھی۔

سردار سبکتگین کچھ دیر تک خاموش رہا تھا۔ پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نرمی سے گویا ہوا۔

’’آپ جانا چاہیں تو ہو آئیں۔‘‘ انداز میں ایک خاص طرح کی لاتعلقی تھی۔ یہ کہتے ہی وہ
لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ مائی اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

گی بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر وہ اتنا جان گئی تھی کہ کوئی بات اسے بہت زیادہ ڈسٹرب کر رہی

❄ ❄ ❄

’’کل شام میں تمہارا سیل ٹرائی کر رہی تھی ——— مسلسل آن سوئچڈ تھا۔ تم بزی تھے کہیں؟
نے دریافت کیا تھا۔

ن نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

یں ——— میں اپنا سیل غالباً گھر بھول گیا تھا۔‘‘

——— ’’اس نے ہونٹ سکوڑے تھے اور پھر یک دم شرارت سے مسکرا دی تھی۔ ’’میں سمجھی تم
کے ساتھ تھے۔‘‘

ن حسن بخاری اس کی شرارت پر اتنا محظوظ نہیں ہوا تھا مگر غالباً مروتاً مسکرا دیا تھا۔

سوچ رہے ہو گے ——— شک کرنے لگی ہوں تم پر۔ ہے نا؟‘‘ وہ مسکرائی تھی۔

یں ——— میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا اب تک۔ تم شک کرنا چاہو تو خوشی سے کر سکتی ہو۔‘‘ وہ
لہجے میں کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

’’ریلی؟‘‘ ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

ں۔‘‘ وہ نگاہ اس پر سے ایک لمحے میں دانستہ ہٹا کر فائل دیکھنے لگا تھا۔

ھا، تو کس پر شک کروں؟ ——— تمہاری اس موٹی بھدی کالی اسسٹنٹ پر یا تمہاری اس پر کٹی،
والی سیکرٹری پر؟ ——— تمہارے آفس میں تو کوئی ایک بھی ڈھنگ کی لڑکی نہیں ہے۔ کتنا
بٹ ہے تمہارا اذہان!‘‘ وہ مسکراتے ہوئے کچھ اس انداز سے افسوس کرتی ہوئی بولی تھی کہ وہ
بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

ئی ایم ناٹ کڈنگ اذہان! ——— تمہارے آفس میں کوئی ایک بھی ڈھنگ کا چہرہ نہیں ہے۔
ئنٹ کرنا ہو تو مجھے بتا کر کرنا۔‘‘

ہوں ——— سلیکشن تم کرو گی؟‘‘ وہ اسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

یہ نے بلاتردد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

یا کروں؟ ——— جب تمہارا ٹیسٹ اتنا خراب ہے تو........‘‘

رتم ایسا اس لئے کرو گی تا کہ تم شک کر سکو؟‘‘ مسکراتے ہوئے وضاحت چاہی گئی تو ساہیہ نے
میں ہلایا۔ پھر ہنس دی تھی۔

اپر شک کرنے کے لئے تمہارے اردگرد مجھ سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں ہونی چاہئیں مسٹر
ن بخاری! اور وہ یہاں نہیں ہیں۔ اس لئے مجھے اس طرف سے فی الحال مکمل اطمینان ہے۔‘‘

رکسی نے مجھے چرانا ہو گا تو وہ اس آفس سے باہر کی بھی تو ہو سکتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ وہ اس
ہی ہو؟‘‘ وہ مسکراتے ہوئے فائل سے نگاہ ہٹا کر لمحے بھر کو اسے دیکھتا ہوا بولا تھا۔ ’’بائے دی
وگی کیا؟ ——— کافی لو گی؟‘‘

انی؟ اس وقت؟ ——— بالکل نہیں۔ بھوک لگ رہی ہے۔ میں تو تمہارا کام ختم ہونے کی منتظر
ں کے بعد ہم ساتھ لنچ پر چلیں۔ ویسے تم نے ٹھیک کہا ——— وہ کوئی آفس سے باہر کی بھی تو ہو
‘‘ اس کی بات کے جواب میں سوچتے ہوئے وہ بولی اور اذہان مسکرا دیا۔

تم واقعی عام خواتین کی طرح اب شک کرنے لگی ہو؟‘‘

''نہیں ـــــ ابھی تک نہیں ـــــ لیکن تمہاری سوچ اگر ایسی ہی رہی تو ایک دن ضرور۔'' وہ ہنس دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شفاف پانی کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ ازہان نے اس شفاف دل کی مالک لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟ ـــــ اچھی لگ رہی ہوں؟'' اس نے ابرو چڑھائے ہوئے دریافت کیا۔ انداز میں کچھ شرارت تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہاں ـــــ بہت اچھی ـــــ اِن فیکٹ تم بہت اچھی ہو بھی۔''

''ہاں، وہ تو میں ہوں۔ لیکن اس وقت تمہیں اچانک احساس کیسے ہو گیا؟ ـــــ کہیں تم مجھے بٹرنگ تو نہیں کر رہے؟''

''ساہیہ! ـــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ مگر میں تمہیں کچھ بتانا ضرور چاہتا تھا۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟'' وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ ''یہ کہ میں اتنی اچھی ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟''

بات خوشگوار تھی ـــــ اگر کوئی اور ہوتا تو یقیناً اس بات کے جواب میں کچھ کہتا۔ مگر ازہان حسن بخاری جو مسکرا رہا تھا، یک دم ہی اپنے لب بھینچ گیا تھا۔ پھر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''میں میرب سے ملا تھا ساہیہ!''

''اچھا، کب؟'' وہ حیران جتنی ہوئی تھی اتنا خود کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ غالباً وہ خود پر، اپنے احساسات پر بروقت قابو پانا جانتی تھی۔ وہ درحقیقت جس قدر لاابالی دکھائی دیتی تھی، اتنی تھی نہیں۔ یہ بات ازہان جانتا تھا۔

وہ اس گھڑی بھی مسکرائی ضرور تھی مگر وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔ گردن گھما کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تمہارے آفس کا یہ فرنیچر بہت پرانا ہو گیا ہے ازہان! اسے چینج کر دو اب۔ اور یہ وال پیپرز بدلوا دو۔ اچھے نہیں لگ رہے۔''

''ہاں بدلوا دوں گا۔ تم جاننا چاہو گی ہم میں کیا بات ہوئی؟''

''نہیں ـــــ اگر تم نہیں بتانا چاہو گے تو کبھی بھی نہیں۔'' وہ ملائمت سے مسکرائی تھی پھر نگاہ جھکا لی تھی۔ ازہان حسن بخاری اس کی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا تب ہی اس کے ہاتھ پر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا اور بغور دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار ہے؟''

ساہیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر قدرے توقف سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''آف کورس ـــــ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ مگر تم یہ اس وقت کیوں پوچھ رہے ہو؟ تمہارے آفس

بھی خاتون ایسی نہیں ہے جس کے باعث میں تم پر شک کرسکوں؟'' وہ دوسرے ہی پل کھلکھلا
وہ مسکرا دیا تھا۔
ا۔
''
ز رائٹ۔

ے لئے چلیں اگر تم فارغ ہو گئے ہو تو؟'' ساہیہ نے اس کی ٹیبل پر موجود پیپر ویٹ کو گھماتے
ے دیکھا تھا۔ ''باقی کی باتیں ہم وہیں کرلیں گے۔ رائٹ؟''

ا سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ایک ڈیفرنٹ لڑکی ہو ساہیہ!'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

یاں ساری ایک جیسی ہی ہوتی ہیں ازہان! مگر یہ بات تم مردوں کی سمجھ میں بہت دیر سے آتی
ا کا انداز بظاہر سرسری تھا مگر در پردہ وہ اسے بہت کچھ جتا رہی تھی۔ ازہان حسن بخاری اتنا
تھا کہ اس کی کہی بات کے مفہوم کو سمجھ نہ پاتا یا جان نہ پاتا۔

* * *

نے دن کہاں رہیں تم؟ کیسی دوست ہو، پلٹ کر پوچھا تک نہیں؟'' لامعہ کو سامنے دیکھ کر اس
ت کی تھی۔ لامعہ مسکرائی مگر انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

نان سے بات ہوئی تھی ـــــ اس نے بتایا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

ر میں ٹھیک ہوتی تو تم آج بھی نہ آتیں؟'' انابیہ نے دوبارہ شکایت کی تو لامعہ کچھ نہیں بول سکی

ب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ ـــــ کیسی ہو تم؟'' لامعہ قدرے توقف سے بولی تھی۔

ہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

یک ہوں اب میں ـــــ اس روز بارش میں بھیگ گئی تھی نا۔ اور تم جانتی ہو میں کتنی حساس
لانکہ بارش……''

بیہ!'' وہ روانی سے بول رہی تھی جب لامعہ نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا تھا۔ ''میں تم
کرنا چاہتی ہوں انابیہ!'' اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔

ہ نے اسے بغور دیکھا تھا اور اس کی کیفیت سمجھے بغیر ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

ات کرو نا ـــــ میں سن رہی ہوں تمہیں۔ رکو، میں تمہارے لئے چائے کا کہہ دوں۔'' اس
چاہا مگر لامعہ نے اسے روک دیا تھا۔

ں ـــــ اس کی ضرورت نہیں۔'' اس کا لہجہ اسے چونکا گیا تھا۔ لامعہ کے تاثرات پہلے سے
ے تھے۔ انابیہ کو اب اس کا نوٹس لینا پڑا تھا۔

یا ہوا ہے؟ ـــــ اینی پرابلم؟''

لامعہ نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

بلم ہے۔''

"تو پھر؟"

"انابیہ! تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں میں ـــــ کوئی بہت ضروری بات۔"

"تو کرو نا ـــــ سن رہی ہوں میں۔ لیکن وہ کون سی بات ہے جو تمہیں اتنا پریشان کر رہی میں بھی جاننا چاہتی ہوں۔ فرینڈ شپ شیئرنگ اور کیئرنگ کا نام ہے اور......"

"مگر میں اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ہوں۔" لامعہ نے اس کی بات کو کاٹا تھا۔

"غلطی؟" انابیہ چونکی تھی۔ "کیسی غلطی؟"

لامعہ کے لئے اس لمحے کچھ کہنا دشوار ترین ہو گیا تھا۔ وہ اس سے نگاہ پھیر گئی تھی۔ انابیہ شاہ ا بولنے کی منتظر اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی تب وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بہت آہستگی سے بولی تم

"میں تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہوں۔"

"وہاٹ ـــــ؟" انابیہ شاہ چونکی تھی۔ مگر لامعہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں تھا۔

"مجھے کہہ لینے دو انابیہ! ـــــ نہیں کہوں گی تو شاید میرا دم گھٹ جائے گا۔ بہت سا بوجھ م دل پر محسوس کر رہی ہوں۔ سانس تک لینا محال ہو رہا ہے۔ میں اب اس بوجھ کے ساتھ مزید سکتی۔"

"کہنا کیا چاہتی ہو تم؟" انابیہ شاہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی۔ بہت مدھم لہجے میں کہتے ہو دیکھا تھا۔ لامعہ حق جیسے خاموش رہ کر خود کو تیار کر رہی تھی۔

"انابیہ! میں تمہاری اچھی دوست نہیں ہوں ـــــ نہیں ہوں میں تمہاری بالکل بھی اچھی د" لامعہ کی آنکھوں سے جھر جھر نمکین پانی بہنے لگا تھا۔

اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" کچھ دیر کے بعد وہ ہمت کر کے صرف یہی کہہ سکی تھی۔ "کیسے کہہ سکتی ہو ک اچھی دوست نہیں ہو؟ ـــــ اچھی دوست ہو تم میری۔ ہم بچپن سے ساتھ ساتھ ہیں۔ ہم نے اچھا وقت ساتھ گزارا ہے۔ ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلے ہیں ہم اور......"

"اور میں وہ سب بھول گئی انابیہ! ـــــ سب کچھ بھول گئی۔" وہ آنسوؤں کے ساتھ ہلانے لگی تھی۔ انابیہ کی سمجھ میں اب بھی اس کی کوئی بات نہیں آئی تھی۔ مگر وہ اس کے بتانے کا چاہتی تھی۔ تب ہی اسے کریدے بغیر اس کے سامنے بیٹھی رہی۔

"انابیہ! بچپن میں ہم ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلتے تھے اور اب ـــــ اب م کے احساسات و جذبات سے کھیلا ہے۔ میں کتنی بری ہوں، تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔ بہت تھی نا تم مجھ پر۔ مگر میں نے تمہارے اس اندھے اعتماد کے پرخچے اُڑا دیئے۔ توڑ دیا میں یقین۔ میں تو دوست کہلانے کے لائق بھی نہیں ہوں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ـــــ ایسا کیا، کیا ہے میں نے؟" دھیان عفنان علی خان کی طرف

ں غالباً اسی سے بات کرنا چاہتی تھی اور پرسوں جب اس نے خود کال ریسیو کی تھی، یہ سب
لے کی کڑی تو نہیں تھے۔ کہیں عفنان واقعی ـــــ؟؟
ام ـــــ" اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر لامعہ کو دیکھا تھا۔
؟" لامعہ چونکی تھی۔ "کیا کہنا چاہتی ہو تم؟ ـــــ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیا، کیا

ـــــ میں نہیں جانتی۔ تم بتاؤ۔" انابیہ نے سانس روک کر دریافت کیا تھا۔
جھ سے نفرت کرنے لگو گی انابیہ! بہت بری لڑکی ہوں میں ـــــ میں نے تمہیں دھوکا دیا

ا دھوکا؟ ـــــ پلیز لامعہ! اب یہ پہیلیاں بجھوانا بند کرو۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر
دم گھٹ رہا ہے۔" انابیہ بولی تھی۔ جب ہی وہ چیخ پڑی تھی۔
ز میرا گھٹ رہا ہے ـــــ ایک گلٹ کے ساتھ تو میں جی رہی ہوں۔"
ا گلٹ؟ ـــــ کیا، کیا ہے تم نے؟"
جانتی ہو انابیہ! ـــــ تم ظاہر کرنا نہیں چاہتی ہو ـــــ بہت بڑے دل کی بننا چاہتی ہو تم۔
ے ظرف کی مگر......"
ا کچھ نہیں ہے ـــــ میں ایسا کچھ چاہتی بھی نہیں ہوں۔ اب تم مجھے بتا دو کہ تم کیا کہنا چاہتی
ری دوست ہو اور میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی بہترین دوست جانا ہے۔ میں نے تمہارے لئے یا
کے لئے کبھی برا نہیں چاہا۔"
ہاری یہی خوبی مجھے لمحہ لمحہ مارتی ہے انابیہ! ـــــ تمہارا یہی بڑا پن مجھے تم سے دور لے گیا۔"
بہ بتا بھی دو لامعہ!" وہ زچ ہو کر بولی تھی۔
نا چاہتی ہو تو سنو انابیہ! ـــــ تمہارے ساتھ جو بھی ہوا وہ میں نے کیا ـــــ وہ میں نے
لامعہ حق نے کہا تھا اور وہ ساکت سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اب بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ غالباً
ا حیرت صاف بتا رہی تھی۔
اب بھی نہیں سمجھی ہو انابیہ! یا جان بوجھ کر عظیم بننے کی کوشش کر رہی ہو؟ ـــــ ہمیشہ اپنا ہاتھ
کیوں اچھا لگتا ہے تمہیں؟"
ا یو شٹ اپ لامعہ؟ ـــــ میں ایسی کچھ بھی نہیں ہوں۔ نہ میں ایسا کچھ ثابت کرنے کی کوشش
ہوں۔ اگر تم نے ایسا کچھ کیا ہے کہ تمہیں اپنا آپ چھوٹا محسوس ہو رہا ہے تو میں تمہارے لئے
ا رسکتی۔ میں تمہیں اب بھی اپنی دوست سمجھتی ہوں۔" انابیہ نے جواباً سختی سے کہتے ہوئے اسے
دا خاموشی سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی تھی، پھر بولی تھی۔
ابیہ! تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ـــــ وہ میں نے کروایا۔ تمہارا کڈنیپ، تمہاری کلائیوں کا
ب کچھ۔" وہ واضح انداز میں بولی تھی اور انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

”کیا؟“ اسے اپنی آواز کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

”ہاں ــــ وہ سب میں نے کیا ــــ بہت بری ہوں میں۔ میں نے کہا تھا نا، تم مجھ کرنے لگو گی۔ دوست کہلانے کے لائق نہیں ہوں میں۔ تمہیں اتنا بڑا دھوکا دیا۔ تمہیں اتنا زک صرف اس لئے کہ میں عفنان سے محبت کرتی تھی اور وہ تم سے ــــ نہیں برداشت کر سکی تم بہت جلن ہوتی تھی مجھے۔ بہت حسد محسوس ہوتا تھا۔ اور جب تم نے بتایا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس اس نے مجھ سے اپنی انگیج منٹ ختم کر دی تو میں پاگل ہو گئی۔ نفرت ہونے لگی مجھے تم سے۔ تب بھی میرے ساتھ مخلص تھیں۔ مجھ سے اتنی ہی محبت رکھتی تھیں، اتنی ہی خیر خواہی سے ملتی تم میں ــــ میں تمہارے حق میں اچھا نہیں سوچ رہی تھی۔ بہت خود غرض ہو گئی تھی میں انابیہ! میں نے تمہیں ایک طرح جان سے ہی مار دیا تھا۔ وہ تو عفنان نے تمہیں موقع پر پہنچ کر بچا لیا وہاں وقت پر نہیں پہنچتا تو تم آج میری کوئی غلطی سننے کے لئے میرے سامنے نہیں ہوتیں۔“ آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔

اس کی نظروں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

وہ جس کام کے لئے عفنان علی خان کو الزامات دیتی رہی، اسے برا بھلا کہتی رہی تھی اس سرے سے اس کا کبھی تھا ہی نہیں۔

اس نے ایسا کچھ کبھی کیا ہی نہیں تھا۔

کتنا برا سلوک روا رکھا تھا اس نے اس سے۔

کتنا برا بھلا کہا تھا اسے۔

مگر وہ کبھی اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں بولا تھا۔ اور اس کی یہی خاموشی اسے مجرم ثابت تھی۔ وہ بدستور اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتی رہی تھی۔ اسے ہی قصوروار مانتی رہی تھی۔

اور حتیٰ کہ خود کو بھی ــــ!

اس نے آج تک اپنا گھر آباد ہونے نہیں دیا تھا۔

اپنا دل آباد ہونے نہیں دیا تھا۔

صرف اپنی دوست کے لئے۔

عفنان علی خان جو اس کا شوہر تھا۔ جس کے تمام حقوق صرف وہ محفوظ رکھتی تھی، اسے اس لئے کبھی اپنا نہیں جانا تھا کہ وہ اس پر اپنی دوست کا حق تصور کرتی تھی ــــ اور وہ دوست

”تم مجھے برا بھلا کہنا چاہتی ہو تو کہو انابیہ! ــــ میں سننا چاہتی ہوں۔ پلیز تم لڑو، جھگڑو! مجھے مارو ــــ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ میں دوست کہلانے کے لائق نہیں ہوں۔ تمہاری ایک اچھی دوست نہیں رہی۔“ لامعہ حق کہہ رہی تھی اور وہ اسے دھندلائی آنکھوں سے تھی۔

❄ ❄ ❄

”کیا ہوا؟ ــــ کچھ پریشان لگ رہے ہیں آپ؟“ زوباریہ نے مظہر سیال سے دریافت کیا تھا۔

”پریشانی کی بات بھی ہے زوباریہ! ــــ میرب کے ساتھ کچھ بھی اچھا نہیں ہوا ہے۔“

”کیا؟ ــــ کیا ہوا ہے میرب کے ساتھ؟“ وہ چونکی تھی۔

”وہ خوش نہیں ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی، وہ خوش نہیں ہے ــــ اس سے پہلے تو ایسا اس نے کبھی نہیں کہا۔ اور سبکتگین رلغاری ــــ وہ تو بہت کیئرنگ، لونگ پرسن ہے۔ میرا نہیں خیال وہ میرب کو بھی......“

”ایسا کچھ نہیں ہے زوباریہ! وہ تصویر کا ایک دوسرا رخ تھا جو ہم دیکھتے رہے۔ سیدھی بات تو یہ ہے ردار سبکتگین حیدر لغاری ویسا بالکل بھی نہیں ہے۔ میں نے یہ رشتہ صرف تمہارے کہنے پر کیا تھا باریہ! مجھے تم پر اعتبار تھا۔“

”کیا مطلب اعتبار تھا؟ ــــ تو میں نے کیا غلط کیا؟ کیا اب آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں رہا؟ ــــ سمجھتے ہیں میں میرب کی خیر خواہ نہیں تھی؟ اگر سبکتگین میں کچھ عیب ہے یا اس نے کچھ برا کیا ہے تو میں میرا کیا قصور؟ ہم کسی کے باطن کے بارے میں کتنا قیاس کر سکتے ہیں؟“ زوباریہ صاف گوئی وضاحت دیتی ہوئی بولی تھی۔ تب ہی مظہر سیال کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ معذرت کرتے ئے گویا ہوئے۔

”آئی ایم سوری زوباریہ! ــــ مگر میں اپنی بیٹی کے لئے بہت پریشان ہوں۔“

”تو کیا میں اس کے لئے پریشان نہیں ہوں گی اگر مجھے پتہ چلے کہ اس کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے؟ رمجھے پتہ بھی تو چلے۔“

”زوباریہ! سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہماری میرب کو بہت دکھ دیا ہے۔ لیکن اب مزید میں اپنی ا کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئے ے۔

”کیسا فیصلہ؟“ زوباریہ چونکی تھی۔ ”دیکھیں مظہر! کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ یہ شتے بچوں کا کھیل نہیں ہیں۔ اتنی جلد بازی کا مظاہرہ ہمیں قطعاً نہیں کرنا چاہئے۔ چھوٹی موٹی پرابلم تو ت چیت سے بھی حل ہو سکتی ہے۔ آپ جانتے ہیں، نکاح ہوا ہے اس کا ــــ اور اگر انخواستہ ــــ آپ جانتے ہیں، ایک نکاح کا ٹوٹ جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ ایک شادی کا ٹوٹ انا ــــ!“

”تو کیا کروں میں؟ جھونک دوں اسے اس جہنم میں جہاں وہ نہ خوش ہے نہ ہی مطمئن؟ ــــ ہاں لحہ لحہ اسے اذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے؟“ مظہر سیال برہمی سے بولے تھے۔

”ایسا میں نے نہیں کہا۔ لیکن کیا میرب ایسا ہی چاہتی ہے جیسا کہ آپ؟ ــــ آپ نے پوچھا ہے اس سے، کیا وہ علیحدگی چاہتی ہے سبکتگین حیدر لغاری سے؟“

”وہ بے چاری کیا کہے گی؟ ــــ وہ تو بچی ہے۔ ہمارے یہاں کی بچیاں اپنے منہ سے کبھی کچھ

کہتی ہیں؟ —— ہم بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں جس کھونٹے سے چاہیں باندھ دیتے ہیں —— ج لاٹھی سے چاہیں ہانک دیتے ہیں بنا ان کی رضا پوچھے، بنا ان کی مرضی جانے۔ وہ بھی بھلا کبھی ا اعتراض کرتی ہیں؟ —— اور میرب کے بارے میں کیا میں نہیں جانتا کہ اس نے یہ شادی کس کی؟ —— اگر میں اپنی بچی کو فورس نہیں کرتا تو وہ کبھی بھی اس نکاح کے لئے ہاں نہیں کرتی۔ سراسر ق میرا بھی ہے۔ میں نے ہی کوئی چھان بین نہیں کی —— اس وقت جیسے وہ میرے لئے بھی بوجھ بن تھی۔ میں بھی ایک خودغرض باپ بن گیا تھا۔ مگر اس وقت مجھے خود پتہ نہیں تھا کہ صورت حال کیا کر لے گی۔ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں کچھ یقین نہ تھا۔ میں اپنی زندگی میں اسے سکھی اور اپنے گ دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے کیا پتہ تھا کہ......" ان کے لہجے میں پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا۔ زوباریہ انہیں دیکھ رہ گئی۔

"ایک بات کہوں —— جتنے خیر خواہ آپ ہیں میرب کے، اگر آپ سمجھیں تو میں بھی اتنی ہوں۔ میں آپ سے اب بھی یہی کہوں گی کہ اتنی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ ایک بار جلدی پہلے نے کی تھی اس رشتے کو بنانے میں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری جلدی اب آپ کریں اور پچھتائ زوباریہ نے مشورہ دیا تھا۔ مگر مظہر سیال کچھ نہیں بولے تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی د تھے۔

* * *

"تم —— لیکن تم ایسا کیوں چاہتی تھیں؟ —— کیوں چاہا تم نے ایسا لامعہ؟ میرے ساتھ ای کے تمہیں کیا ملنا تھا؟" انابیہ شاہ ایک گہرے کرب سے گویا ہوئی تھی۔ اسے اب بھی یقین نہ تھا کہ کے ساتھ لامعہ اس قدر برا کر چکی تھی۔

"تم کیا اب بھی نہیں سمجھی انابیہ؟ —— کیا تم اتنی ہی بھولی ہو؟" لامعہ کے لہجے میں ایک عجب سا تھا۔ انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"میں تمہیں عفنان علی خان کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی۔ اس دنیا کی نظروں میں چھوٹا ثابت چاہتی تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ عفنان اس کے باوجود بھی نہ تم سے نفرت کر سکا نہ تمہیں چھوڑ سکا۔ الٹا نے تم سے شادی کر لی۔ اور میں —— انابیہ! تم مجھ سے نفرت کرو —— میں بہت بری ہوں —— بہت بری ہوں میں —— کبھی تم سے مخلص نہیں رہی۔ کبھی تمہارا بھلا نہیں چاہا —— ایک دوست تم سے سب سے بڑا دھوکا کیا۔" لامعہ حق صاف گوئی سے اسے بتا رہی تھی۔

"اتنا کچھ تھا تو تم نے مجھ سے چھپایا کیوں لامعہ؟ —— پہلے کیوں نہیں بتایا؟ یہ پچھتاوا تمہیں کیوں ہوا؟ —— یہ گلٹ تمہیں آج ہی کیوں ستانے لگا؟" انابیہ نے اس سے جواز مانگا تھا۔

"اس لئے کہ تم اپنے بڑے پن کا یہ ہنر چھوڑنے کو قطعاً تیار ہی نہ تھیں۔ تمہیں عادت ہو چکی انابیہ! خوامخواہ اپنی برتری ثابت کرتے رہنے کی۔ اپنا ہاتھ ہمیشہ اوپر رکھنے کی۔ تمہیں ہمیشہ دینے ہاتھ بننا پسند ہے اور دنیا تمہارے لئے بہت چھوٹی اور ادنیٰ ہے۔ تم صرف خود کو نوازنے والا ثابت

ہی ہو اور ایسا ہی تم نے اب بھی کیا۔ تم نے عفنان علی خان کو پا کر مجھے لوٹانا چاہا۔ اسے پاہا۔ یہ عظمت کا بہت بڑا ثبوت تھا تمہارا۔ مگر میں تم سے نفرت کرتی ہوں انابیہ! نفرت نفرت ہے مجھے تمہاری اس نوازنے کی عادت سے اور خوامخواہ بڑا بننے کی عادت سے۔ ابیہ! انسان بن کر جینا شروع کر دو۔ خدا نہیں ہو تم۔ اتنے بڑے مرتبے پر بیٹھنے کی کوشش رو۔ ورنہ تمہارے پاس کچھ نہیں رہے گا —— خالی ہاتھ رہ جاؤ گی تم۔" لامعہ حق آنسوؤں ، کہہ رہی تھی اور وہ ساکت، دھندلائی سی آنکھوں کے ساتھ اپنی اس دوست کو دیکھ رہی ے رہی تھی وہ اسے؟ کیا کرنا چاہتی تھی وہ اس کے لئے اور ——

ں صرف یہ سمجھانا چاہتی ہوں، میں نے ایسا کیا کیوں کہ میں خودغرض تھی۔ میری طرح اور ل خودغرض ہوتے ہیں۔ تم خودغرض نہیں ہو، یہ غلط ہے۔ آئی ایم سوری انابیہ! اس کے ھتاوا ہے —— تمہارے ساتھ میں نے جو بھی کیا اس نے کبھی مجھے چین سے رہنے نہیں اتنی بری بھی نہیں ہوں۔ مجھے صرف تمہاری اچھائی کے اس ڈھنڈورے نے برائی کرنے ن اس کے باوجود مجھے افسوس ہے۔" لامعہ حق ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی اٹھ ی۔

مجھ پر نیکی کرنے چلی تھیں، مجھے اپنا شوہر نواز کر —— آج میں ایک احسان تم پر کرتی تمہارا وہی شوہر تمہیں واپس لوٹا کر —— رشتے کھیل یا کھلونے نہیں ہیں انابیہ! ان سے و۔ عظیم بننے کا یہ شوق بہت برا ہے۔ اگر میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید وہ تمہارا دان کیا ہیں کرتی۔ دوسروں سے شکوے شکایات کرنے سے بہتر یہ ہے انابیہ! کہ تم اپنی غلطیاں ضروری نہیں کہ ہر بار دوسرے ہی غلط ہوں۔ کبھی کبھی آپ بھی غلط ہو سکتی ہیں۔" وہ مڑی اور ی طرح ساکت چھوڑ کر باہر نکلتی چلی گئی۔

ندلائی آنکھوں سے اس خالی خالی منظر کو دیکھ رہی تھی۔

ا آیا تھا اس کے —— ؟؟

—— ؟؟؟

* * *

کا دل مائی سے بات کرنے کو بہت چاہ رہا تھا۔ اس نے نمبر ملایا تھا، بات کی تھی تب ہی بارے میں پتہ چلا تھا۔ وہ شرمندہ ہو کر ان کی طرف چلی آئی تھی

آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔" اگرچہ شکوہ کرنے کا کوئی حق وہ نہیں رکھتی تھی مگر اتنے تھوڑے ں جو انسیت اسے رومیصا لغاری سے ہوئی تھی اس پر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

بچے! —— خدا کو جو منظور —— اور پھر اس کی موت کچھ اتنی غیر متوقع بھی نہیں تھی۔ ہم ے تھے کہ وہ زیادہ دنوں کی مہمان نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے تو تمہارے ہوتے ہی جواب دے ی اماں نے وضاحت سے بتایا تھا۔ وہ جیسے زمین میں گڑھ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری مائی! ــــ میں وہاں سے اچانک چلی آئی۔'' شرمندگی سے بولتے ہ نے مائی کو دیکھا تھا تب ہی عین سامنے سے سردار سبکتگین حیدر لغاری آتا دکھائی دیا تھا۔ وہ دان گئی تھی۔

''خیر ہے بچے! ــــ جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ کسی کے رکنے سے یا جانے سے رومیصا کو ک تھا۔ وہ بے چاری تو تھی ہی بد نصیب۔ ساری زندگی اس نے ایک عذاب میں مبتلا رہ کر گزار د صلہ ملا، نہ سکون ــــ وہ خالی ہاتھ آئی تھی اور خالی ہاتھ ہی چلی گئی۔'' مائی اماں پھر آبدیدہ ہو اور آنکھوں سے آنسو تو اس کے بھی رواں تھے۔

''تم ذرا بیٹھو بچے! میں نماز پڑھ کے آتی ہوں۔'' مائی کہتے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔ میرب ہ بیٹھی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔

میرب نے سر اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغار اگرچہ سپاٹ تھا مگر اس کی نظروں میں اسے اپنے لئے آج پہلی بار ناگواری کا تاثر صاف اُبھرا تھا جس کی وجہ وہ جانتی تھی۔ مائی نے خفگی کا اگرچہ اظہار نہیں کیا تھا مگر گین کی طبیعت سے وہ واق

''آئی ایم سوری ــــ رومیصا کے بارے میں سن کر ــــ''

''وائے؟'' اس سے قبل کہ اس کی بات مکمل ہوتی، سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا جملہ کہتے ہوئے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

اتنی خفگی ــــ؟

اتنی بے اعتنائی ــــ؟

اتنا غصہ ــــ؟

اس کا درشت انداز ــــ اگرچہ وہ یہاں جھیلنے نہیں آئی تھی۔ مگر کسی قدر قصور اس کا تھا۔ اس کا قصوروار سمجھتی بھی تھی۔

رومیصا نے اسے رکنے کے لئے خود کہا تھا۔ خود درخواست کی تھی مگر وہ اس کے باوجود وہاں۔ آئی تھی۔

''میں مانتی ہوں غلطی میری تھی ــــ مجھے وہاں سے اس طرح نہیں آنا چاہئے تھا مگر...... وضاحت دے رہی تھی۔

''آپ یہ وضاحتیں کس لئے دے رہی ہیں؟ ــــ کون تھی وہ آپ کی؟ ــــ کچھ نہیں رشتہ نہیں تھا اس کا آپ سے۔ اور آپ کو تو اس کی موت کا کوئی افسوس ہونا بھی نہیں چاہئے۔''

انتہائی سفاکی سے کہتا ہوا وہ پہلے سے بہت مختلف سردار سبکتگین حیدر لغاری لگا تھا

میرب سیال کے لئے حیرت کا باعث نہیں ہونا چاہئے تھا۔ رشتے جس نہج پر چل رہے تھے سب کچھ ممکن تھا۔ کچھ بھی عجب نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ساکت سی اسے بنا کچھ بولے بھیگی آ سے تکنے لگی تھی۔ اگر یہ لحہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس لمحے کی تقدیر کچھ مختلف ہوتی۔

ر یہ ایک لحہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دل پر کئی بجلیاں لمحے کے ہزارویں حصے میں گرا چکا اس لمحے کی کہانی بہت مختلف تھی۔

ان بھیگی پلکوں کا کوئی اثر اس دل پر ہوا تھا نہ اس کی سمت سے کسی ''عنایت'' کی پیش قدمی ہوئی

اپ کے یہ آنسو بہت بے کار ہیں میرب سیال! انہیں کسی اور وقت کے لئے سنبھال کر رکھئے۔ ں کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سلگتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

سختی ــــ اتنی بے اعتنائی ــــ اس شخص کے لہجے میں تو کبھی نہیں تھی۔

آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ ــــ کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی اعتماد انداز سے اسے تکنے لگی تھی۔

یرا خیال ہے کہ آپ بہتر طریقے سے سمجھ سکتی ہیں مس میرب سیال! بچی نہیں ہیں آپ کہ آپ کو ب شے انگلی پکڑ کر سمجھائی جائے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس تیروں کی جیسے کمی نہیں تھی۔

کیا سمجھانا چاہتے ہیں آپ مجھے؟'' میرب سیال نے پُر اعتماد انداز میں کہتے ہوئے سر اٹھا کر بکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ ''کھل کر کہئے ــــ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ وضاحت ہوئی بولی تھی۔ مگر جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں نے اسے جس طرح دیکھا تھا وہ انداز سے کہیں زیادہ سلگتا ہوا تھا۔

برب اس شخص کے انداز پر حیران تھی۔ کچھ بھی رہا ہو، اس کا انداز ایسا کبھی نہیں رہا تھا۔

تنا درشت۔

تنا سرد۔

انکھیں آگ برساتی ہوئی تھیں جیسے وہ اسے ایک پل میں جلا کر خاکستر کر دینا چاہتی ہوں۔ میرب اسمت سے کچھ بولے جانے کی منتظر تھی۔ کوئی الزام تھا تو وہ سننا چاہتی تھی۔ کوئی طعنہ بھی تھا تو وہ چاہتی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموش تھا۔ کچھ نہیں بولا تھا اسے بس دیکھا تھا اور چلتا ہوا سے نکل گیا تھا۔

یرب سیال وہاں بیٹھی، ساکت سی اس جانب تکتی رہی تھی۔

صبح آفس جانے سے پہلے وہ اس کے کمرے میں آیا تھا۔

انابیہ جاگ رہی تھی۔ نگاہ اس پر پڑی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ نہ ہمت تھی حوصلہ۔ کیا کیا نہ سوچ لیا تھا اس نے۔ کیا کچھ نہ کہہ دیا تھا۔ اور اب۔

''میں صرف یہ پوچھنے آیا تھا آپ نے ناشتہ کرلیا ہو تو دوا لے لیجئے۔'' عفنان علی خان نے کہا تھا اس کے لئے اس سے نظریں بچائے رکھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

مگر اس بار انداز میں کچھ مختلف نہ سہی، مگر آنکھوں میں موجود تاثر کچھ الگ ضرور تھا جو شاید پہلے کبھی نہیں تھا۔ وہ شرمندہ تھی۔ رنج زدہ تھی۔ رنجور تھی۔ کوئی بھید نہ کھل پایا تھا۔ بس وہ نگاہ اٹھی تھی اور اس ساکت ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ ——— اینی پرابلم؟'' اس کے اس طرح یک ٹک دیکھنے پر عفنان علی خان نے دریافت تھا۔ لہجے میں کوئی ہمدردی تھی نہ انسیت۔

مگر وہ جانے کیوں پھر بھی اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

عفنان اس کی کیفیت سے یقیناً واقف نہیں تھا۔ تب ہی اسے کسی قدر تشویش سے دیکھا تھا۔

''یو او کے؟''

انابیہ کی آنکھوں میں ایک لمحے میں پانی جمع ہوا تھا اور جانے کیوں فوراً ہی آنکھوں سے باہر بھی چھلک پڑا تھا۔ ضبط ہار گیا تھا یا وہ واقعی کمزور لمحہ تھا۔ یا پھر وہ اب اپنے آنسو اس سے چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔

عفنان نے اسے صرف خاموشی سے دیکھا تھا۔ کوئی سبب دریافت نہیں کیا تھا۔

''میں رشیدہ کو بھجوا دیتا ہوں ——— وہ آپ کو ناشتہ بھی کرا دے گی اور دوا بھی یاد سے دے دے گی۔''

دوسری طرف اس کے لئے جیسے سب کچھ بہت سرسری تھا۔ وہ ڈھنگ سے نوٹس تک نہ لے رہا تھا۔ جیسے اس رشتے کی وقعت اس کے لئے واقعی ختم ہو گئی تھی۔ جیسے وہ تعلق اس کے لئے اب کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ جیسے وہ اب اس کی کچھ نہیں رہی تھی۔

وہ عجلت سے کہہ کر پلٹنے لگا تھا جب وہ بول پڑی تھی۔

''نہیں ———'' گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹک گیا تھا۔ بولنا چاہا تھا مگر وہ بے بسی کے انداز میں

پھیر گئی تھی۔ عفنان نے اس کی کیفیت کو چپ چاپ دیکھا تھا۔

ور نجیدہ تھی۔

مگر اسے پرواہ تک نہ تھی۔ انابیہ نے خود اپنا حوصلہ آپ بندھاتے ہوئے ایک لمحے کو خود کو بولنے کے

بنایا تھا۔

''اس ——— اس کی ضرورت نہیں ہے ——— میں ٹھیک ہوں۔''

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ نہ کوئی تفصیل طلب کی تھی نہ ہی کوئی ت چاہی تھی۔ جیسے اسے ان آنسوؤں کے اسباب جاننے کی سرے سے کوئی فکر ہی نہ تھی۔ وہ مڑا تھا چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ شاہ چہرہ پھیرے بھیگے چہرے کے ساتھ، خالی خالی آنکھوں سے خالی منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

''کیا ہوا؟ ——— کیا سوچ رہے ہو تم؟'' ازہان کو کسی قدر خاموش دیکھ کر ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔

ونکا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ——— کچھ نہیں۔''

''رئیلی؟'' ساہیہ نے بہت سرسری انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''ہوں ———'' ازہان نے کافی کا سپ لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ساہیہ کچھ کہے بغیر اس کی ب سے نگاہ ہٹا گئی اور ازہان مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں کیا لگا، میں کیا سوچ رہا ہوں؟'' انداز میں کسی قدر شگفتگی تھی۔ ساہیہ نے اسے بھرپور اعتماد دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے ———!'' انداز اعتماد سے بھرپور تھا۔ ازہان مسکرا دیا تھا۔

''ٹھہرو ——— میں آنے والی زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں اپنا ہنی مون پلان کر رہا تھا۔'' لگا وہ اسے مطمئن کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ لانا چاہ رہا تھا۔ مگر جانے کیوں وہ مسکرا نہیں ا تھی۔

''اچھا ———؟'' وہ جیسے یقین کرنا چاہ رہی تھی۔

''بائے دی وے، ہم شادی کب کر رہے ہیں؟'' اس کے خاموش رہنے پر ایک عجیب طنز سے وہ کرائی۔ مگر وہ دوسرے ہی پل مسکرا دیا تھا۔

''تم جب کہو ——— ابھی ———؟'' وہ شرارت کے موڈ میں دکھائی دیا تھا۔

''کم آن ازہان!'' وہ مسکراتے ہوئے کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں چہرہ پھیر گئی جیسے اس کے ہے پر ایک فیصد بھی اعتبار نہ ہو۔

''کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟'' اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے ازہان نے دریافت کیا تھا۔ وہ ت بجھے ہوئے سے انداز میں جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

"ہے——!" اس نے بلا تامل کہا تھا۔

"پھر——؟" ازہان نے استفسار کیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ ٹالتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ "کچھ نہیں—— تم کچھ بتا رہے تھے۔" وہ جیسے موضوع سے ہٹنا چاہتی تھی۔

ازہان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو تم؟"

"کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ اعتبار کرنا شاید اتنا آسان نہیں۔"

"اعتبار کرنا آسان ہے۔ مگر اس کے بعد کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ آسان نہیں۔ ڈر لگتا ہے۔ لہ خوف میں بسر ہونے لگتا ہے۔"

"کیوں——؟" ازہان نے دھیمے لہجے میں دریافت کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ "جب اعتبا تو پھر ڈر کیسا؟"

"پتہ نہیں۔"

"کیا لمحہ لمحہ تجدید وفا کرنا ضروری ہے؟" ازہان نے مدھم لہجے میں وضاحت چاہی تھی۔

"ہاں۔" ساہیہ نے بلا تامل کہا تھا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا ضروری نہیں؟"

"نہیں—— میرے خیال میں یہ سب بہت ضروری ہے۔ سو میں بھی یہی چاہوں گا—— بار ہر بار یہی کہنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں—— قریب ہوں—— سو ٹرسٹ می۔" ازہان نے مدھم میں اسے یقین دلایا تو وہ مسکرا دی۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ مسکرائی تھی مگر انداز بہت پھیکا تھا۔ "تم میرب کی طرف گئے—— کیا ہ اس نے یک دم ہی موضوع بدل دیا تھا۔

"کیا مطلب، کیا ہوا؟" وہ چونکا تھا۔

"وہ ٹھیک ہے نا؟" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ "تم ہی تو بتا رہے تھے وہ پریشان تھی۔"

"ہاں—— نہیں، میں اس کی طرف نہیں گیا۔ فون پر بھی بات نہیں ہوئی۔ کچھ مصروفیت زیادہ ر دھیان ہی نہیں رہا—— چلو میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے—— میں چلی جاؤں گی۔" وہ مروت سے مسکرائی تھی۔ اٹھ کوشش کی تھی جب ازہان نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

ایک انوکھے سے احساس نے جیسے اسے چھوا تھا۔ نگاہ اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا تھا۔ اس چہرے یا آنکھوں میں کوئی خاص آہنگ نہ تھا۔

"میں تمہیں چھوڑ دوں گا—— اعتبار کرنا سیکھ لو ساہیہ! میں دل توڑنے کا عادی نہیں۔" کہتا ہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

* * *

کے ساکت ماحول میں سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ گی اس کے بیٹھی تھی۔ مگر اس میں اس سے پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ اپ سیٹ تھا۔ یہ وہ جانتی تھی۔ کیوں تھا، نتی تھی۔ کس کے باعث تھا، یہ بات بھی اس کے علم میں نہیں تھی۔

ین——!" وہ اسے پکارنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن باز نہیں رہ سکی تھی۔

اں——!" وہ ایک لمحے میں چونکا تھا۔

مجھے میرب سے ملنا ہے۔ تم اس کی طرف گاڑی لے جا سکتے ہو؟"

کیا؟" وہ اس کے سوال پر چونکا تھا۔

اں—— مجھے میرب سے ملنا ہے۔" وہ اسی قدر اطمینان سے گویا ہوئی تھی۔

کیوں؟—— کس لئے؟" استفسار کیا تھا۔ لہجہ بے تاثر تھا۔ گی نے اسے تشویش سے دیکھا تھا۔

کیا مطلب؟ ملنا ہے مجھے اس سے۔ کیا میں اس سے نہیں مل سکتی؟" الٹا سوال کر دیا تھا۔ گین کوئی ئے بغیر ونڈ اسکرین سے اس پار دیکھنے لگا تھا۔

"گی!—— مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔ بہت پرواہ کرتا ہوں میں تمہاری۔ پلیز مجھے ایسا کرنے کو و جو میں تمہارے لئے نہ کرنا چاہوں یا نہ کر سکوں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر سردار سبکتگین حیدر لغاری ا تھا۔ لہجہ اتنا قطعی تھا کہ گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اتنے قنوطی مت بنو گین! وہ تمہاری اپنی ہے۔ وہ تمہاری بیوی ہے۔" گی نے اسے اس کی لاپرواہی کا س دلانا چاہا تھا۔

"ہاں، جانتا ہوں میں گی!—— مجھے ری مائنڈ کروانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اچھی طرح پتہ ہے ن رشتوں میں بندھا ہوں اور کس کس بات کا پابند ہوں۔"

"اگر تم پابند ہو گین! تو پھر اس طرح کیوں کر رہے ہو؟" گی نے بے یقینی سے کہا تھا۔

"کیا کر رہا ہوں میں؟" ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

ی جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ اس کی کیفیت کو کس قدر سمجھ رہی تھی۔ فوری طور پر وہ کچھ بھی بول کر ید اپ سیٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ اس کی دوست تھی۔

یرخواہ تھی۔

وہ چہرہ کھڑکی کی طرف کئے چپ چاپ بیٹھی تھی جب گین اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"گی! مجھے رشتوں کو بنانا بھی آتا ہے اور انہیں نباہنا بھی۔ میں اپنے رشتوں کے لئے بے خبر رہ سکتا نہ بے پرواہ۔"

"میں جانتی ہوں گین!—— تم ایسے نہیں ہو۔ مگر پلیز رشتوں کو سمجھنا بھی سیکھو۔ یہ ایسی ڈور ہے جو

کھینچو تو ٹوٹ جاتی ہے۔ خود کو نہیں، اپنے دل کے معاملات سنوارنے کا موقع دو۔ تمہارا دل کبھی نہیں کہے گا۔ دل کے معاملات دل پر چھوڑ دو۔ عقل کو اپنے کام کرنے دو اور دل کو اپنے۔"

"گین! دل کو اپنا پابند بنانا چھوڑ دو۔"

"نہیں چھوڑ سکتا گی! ــــ بہت من مانی کرتا ہے یہ۔ مانے گا نہیں۔" وہ اس کی طرف د بہت الجھے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

گی اس کے چہرے کو پڑھنے کے جتن میں چہرہ پھیر گئی تھی۔ اس کی پیشانی کی رگیں تنی ہوئی آنکھیں بالکل بے تاثر تھیں۔ مگر وہ جانتی تھی اس وقت اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔

گاڑی ایک نامعلوم جگہ پر رکی تھی۔ گی نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ تب ہی وہ اس کی طرف بغیر دھیمے لہجے میں بولا۔

"تم میرب سے مل لو ــــ میں کچھ دیر بعد واپس آ کر تمہیں یہاں سے پک کرلوں گا۔"

تو اس نے گاڑی کو میرب کے گھر کے سامنے روکا تھا؟ ــــ وہ خود اتنا سپاٹ اور بے تاثر دے رہا تھا کہ جیسے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ جیسے اس سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ وہ اتنا بے تاثر کی رہا تھا؟

جہاں تک وہ جانتی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری محبت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ تو پھر اب یہ اتنی اچانک کہاں سے آ گئی تھی؟ ــــ گی بالکل بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔ مگر اس نے بنا کوئی آرگومنٹ کے لئے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔

"تم اندر نہیں آؤ گے؟"

"نہیں ــــ مگر تمہیں واپس لینے ضرور آؤں گا۔" بے تاثر لہجہ سرد ترین تھا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی سے نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی زن سے آگے بڑھا لے گیا تھا۔

ایسا اچانک کیا ہوا تھا؟

گی بالکل سمجھ نہ پائی تھی۔

***

"اذہان! ساہیہ بتا رہی تھی تم ہنی مون کے لئے جگہ کا انتخاب کر رہے ہو۔ تو کیا تم شادی کر ر فارحہ کے ساتھ بیٹھی اگینے نے دریافت کیا تو اس نے نیوز پیپر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"آف کورس ــــ شادی تو ہمیں کرنا ہی ہے۔"

"کب؟ ــــ تم نے مجھے بھی نہیں بتایا؟" فارحہ نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ پاس سے کہنے لگا۔

"ماہا! مجھے چائے مل سکتی ہے؟"

"جی بھائی۔" وہ فوراً اٹھی تھی۔

"ذرا جلدی ــــ سر میں تھوڑا درد ہے۔"

ر میں درد ہے تو ڈاکٹر کو فون کرو۔ یہ تم آج کل کے بچے بھی نا ــــ چھٹی کا ایک دن ہے، ی آرام کرتے ہوئے نہیں گزار سکتے۔ کیا ضرورت تھی رات گئے تک باہر رہنے کی۔" فارحہ نے

بھابی! کرنے دیں انجوائے۔ شادی کے بعد تو ساری کسر نکل جاتی ہے۔ بندہ کسی اور طرف لائق بھی نہیں رہتا۔ کیوں اذہان! ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟" اگینے نے مسکراتے ہوئے اسے

نا۔

جی اگینے! ــــ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ ــــ میں واقعی آنے والے خطرات سے پہلے ہی اقدامات کر رہا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے کچھ بھاری سے تھے۔ وہ ی طرف رکھ کر ہاتھ سے کنپٹی کو دبانے لگا تھا۔ ماہا چائے لے کر آ گئی تھی۔

شاباش گڑیا! ــــ جب تم بیاہ کر اپنی سسرال چلی جاؤ گی تو میں سب سے زیادہ تمہاری اس کو ٹیک وس کروں گا۔ بہنیں دنیا کی وہ واحد مخلوق ہوتی ہیں جو بھائی کی آواز پر سب سے پہلے اور بہت جلد ی ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔

مسکرائی تھی۔ چہرے پر کچھ رنگ بکھر گئے تھے۔

کہیں نہیں چھوڑ کر جا رہی میں آپ کو۔" محبت سے کہتے ہوئے بھائی کے سر کو دبانا شروع کر دیا تھا۔

ارے نہیں ــــ اس کی ضرورت نہیں۔ تم رہنے دو۔ تمہارے ہاتھ کی چائے میں ہی اتنا جادو ہے پل میں سارا درد رفع کر دے گی۔" بہت محبت سے بہن کو منع کیا تھا۔ ماہا اس کے کہنے کے باوجود ا رہی تھی۔

بہنیں کتنی اچھی ہوتی ہیں، اس کا احساس تمہیں ماہا کے چلے جانے کے بعد ہو گا۔" اگینے نے تے ہوئے کہا تھا۔

ہاں ــــ مگر یہ جائے گی تو میں اس کی بھابی لے آؤں گا۔ بس یہ جلدی سے اپنے گھر کی ہو ۔" مسکراتے ہوئے بہن کو چھیڑا تھا۔

ارے، آپ مجھے نکال کر بھابی کو لائیں گے؟"

ہاں ــــ ورنہ تم اپنی بھابی سے جھگڑا جو کرو گی۔"

ارے واہ ــــ ابھی سے اپنی دلہن کا اتنا خیال ہے اور میری معصوم بچی۔" فارحہ نے محبت سے ا تو وہ مسکرا دیا۔

بُری بات ہے اذہان! ــــ بہن کتنی اچھی ہوتی ہے، اس کا احساس تمہیں اس کی شادی کے بعد ہو اگینے نے بھی مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

ارے واہ۔ کوئی ساہیہ کی سائیڈ لینے کو تیار ہی نہیں۔ اگر میں اسے ڈی فنڈ نہیں کروں گا تو کون کرے اس کے انداز میں شرارت تھی جسے محسوس کرتے ہوئے سب ہی مسکرا دیئے تھے۔

یہ تو بتاؤ، شادی کب کر رہے ہو؟ ــــ کیا واقعی تم تیار ہو؟" اگینے نے پوچھا تھا۔

''ہاں۔۔۔۔ تیار ہوں۔ مگر کچھ کام نمٹانے کے بعد۔''

''ارے، میں تو خوش ہو رہی تھی۔ ایک اچھی خبر ہاتھ لگی تھی اور تم انکاری بھی ہو گئے۔'' فارحہ تشویش سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''میں مکر نہیں رہا ممی!۔۔۔۔ یہیں ہوں۔ اگر میں نے منگنی کی ہے تو شادی بھی کروں گا۔ ان ر میں نے خود بنایا ہے۔ کیسے توڑ سکتا ہوں؟''

''ہم جانتے ہیں اذہان! تم کبھی کوئی کام غلط کر ہی نہیں سکتے۔ ساہیہ خوش قسمت ہے کہ اسے تم سمجھ دار لڑکا ملا ہے۔'' اگینے بولی تھی۔ اور وہ ایک کرٹسی سے مسکرا دیا تھا۔ تب ہی اس کا سیل فون بج ایک جانے پہچانے نمبر کو دیکھ کر وہ قصداً وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

کوئی گناہ نہیں کر رہا تھا وہ۔ مگر جانے کیوں اندر ایک عجیب سا احساس اُبھرا تھا۔

''ہیلو میرب!۔۔۔۔ کیسی ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔'' میرب نے شکوہ کیا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ کہہ سکا تھا۔ دل عجیب سا کھنچ رہا تھا۔ اضطرابیت کچھ بڑھ رہی تھی۔

آ قریب آ
تجھے دیکھ لوں
تجھے جان لوں۔۔۔۔ تجھے باندھ لوں
اِک ان دیکھی کچی ڈور سے
آ قریب آ
میرے دل کا خالی کمرہ
ہے ایک دیے کا منتظر
تُو قریب آ
تجھے چھو لوں میں
میری تمازتوں کو سکون ملے
آ قریب آ
اِک دیا جلا
میرے ویرانے ہیں منتظر
میرے دل کے کونے یہاں وہاں
ہیں تیرے قدموں کے منتظر
میرے زاویے، میرے حاشیے
ہیں تیری ایک نگاہ کے منتظر

میرے راستوں کو باندھ لے
مجھے اپنے سنگ لے کر چل
میں تیرا ٹھہرا وقت ہوں
میں تیرا گیا وقت ہوں
آ قریب آ
مجھے اپنی مٹھی میں تھام لے
تُو نظر ملا
میری روح کو تن سے کھینچ لے
میری نگاہ کو خود سے باندھ لے
میری اضطرابیوں کو قرار دے
مجھے اک نئی بہار دے
میری جلتی بجھتی خواہشوں کو
اپنے لمس سے زندہ کر
آ چھو لے مجھے
پھر اک بار مجھے زندہ کر
میں تیرا ٹھہرا وقت ہوں
میرے ساتھ رہ
میرے ساتھ چل
آ قریب آ

''اذہان۔۔۔۔!'' وہ کھویا کھویا سا کھڑا تھا جب میرب نے اسے پکارا تھا۔ اس کی ساکت نظروں میں حرکت ہوئی تھی۔ جامد لبوں میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ ایک لمحے میں خود سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی دنیا میں آیا تھا۔

''ہاں۔۔۔۔ میں یہاں ہوں۔ کیا کہہ رہی تھیں تم؟''

''میں کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔۔۔۔ تم ہی چپ تھے۔'' وہ دوسری طرف مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''ہاں۔۔۔۔ شاید ہم دونوں ہی چپ تھے۔'' اذہان کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

''ہاں شاید۔۔۔۔!'' میرب نے بھی اسی کا کہا دہرایا تھا۔

''باہر بارش ہو رہی ہے۔'' میرب نے قدرے توقف سے اطلاع دی تھی۔

''ہاں۔۔۔۔ یہاں بھی۔'' اذہان نے تائید کی۔

''فارحہ آنٹی کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔۔۔۔ سب مس کر رہے ہیں تمہیں۔ ایک عرصے سے چکر نہیں لگایا تم نے۔'' دونوں کے بات کرنے کو جیسے کوئی موضوع نہ تھا۔

"ہاں، ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" وہ بھی مروت سے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"آج آجاؤ ــــ ممی بھی تمہیں پوچھ رہی تھیں۔"

"تم نے بتایا تھا انہیں؟" وہ چونکی تھی۔

"نہیں، سب کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ تم ملی ہو۔"

"رائٹ ــــ پلیز، انہیں کچھ مت بتانا اذہان! ــــ میں جانتی ہوں انہیں دکھ ہوگا۔ وہ مجھ بہت پیار کرتی ہیں۔"

"ایک بات پوچھوں؟" اذہان نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"کیا؟" وہ دوسری جانب چونکی تھی۔

"تمہیں لگا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا؟" ایک مدھم سرگوشی ہوئی تھی۔

"کیا ــــ؟" وہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

"کچھ نہیں ــــ تھمنگ ــــ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم اپنا درد اسی سے بانٹتے ہیں جس ہم سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔" اذہان نے بات کو بہت آہستگی سے سنبھالا تھا۔

وہ دوسری جانب کچھ نہیں بولی تھی۔

وقت ان کے درمیان بہت خاموشی سے ایک کہانی لکھ رہا تھا۔

پہر ساکت تھے۔

"اذہان! میں چکر لگاؤں گی وقت نکال کر۔ تم فارحہ آنٹی کو میرا سلام کہنا۔ اور ساہیہ کیسی ہے؟" ایک لمحے میں اسے جتاتے ہوئے اس کو موجودہ وقت میں کھینچ لائی تھی۔

"شی اِز آل رائٹ۔ میں تمہیں پھر کال کروں گا۔"

"بائے اذہان!" دوسری طرف آواز کا سلسلہ منقطع ہوا تھا اور اس طرف الجھنیں کچھ اور بڑھ گئیں۔

آ قریب آ
تجھے دیکھ لوں
تجھے اپنے دل میں رکھ لوں
آ قریب آ

کیسی کیسی خواہشیں اندر سر اُبھار رہی تھیں۔

وہ متواتر خود کو جھٹک رہا تھا۔ باور کرا رہا تھا۔

مگر دل جیسے ضدی بچہ بن گیا تھا۔

* * *

"کل وہ جو لڑکی آئی تھی، وہ کیا لگتی ہے سبکتگین کی؟" کھانے کی ٹیبل پر مظہر سیال نے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال چونک پڑی تھی۔

"وہ ــــ پاپا! ــــ وہ گی ژیانگ ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی دوست۔"

ہی دوست ہے جو اس کے ساتھ رہ رہی ہے؟"

ی پاپا!" وہ سر جھکا کر مجرم انداز میں ایسے کہہ رہی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو۔

یہاں کیوں آئی تھی؟"

رے آپ بھی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر وہ یہاں آ گئی۔" زوباریہ مداخلت کرتی ولی تھی۔

"زوباریہ ٹھیک کہہ رہی ہیں پاپا! آپ کو خود کو ریلیکس رکھنا ہے۔ یوں بھی وہ یہاں صرف مجھ سے ملنے ی۔ اور میری خیریت دریافت کرنے۔" میرب نے مدھم انداز میں کہا تھا اور کھانے کا چمچ پلیٹ میں یا تھا۔

یکسکیوز می۔" وہ بولی تھی اور اٹھ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

زوباریہ اور مظہر سیال ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے۔

* * *

ارش کی بوندوں کو اس نے چپ چاپ ہاتھ پر لیا تھا۔ سارا اندر جیسے جل رہا تھا۔ مگر ان بوندوں کے نے اس احساس کو کچھ اور بھی سوا کر دیا تھا۔

کھڑکی میں چند منٹوں تک یوں ہی ساکت سی کھڑی رہی تھی۔ پھر زوباریہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی

"زوباریہ! میں ذرا باہر جا رہی ہوں۔ پاپا سے کہنا پریشان نہ ہوں۔"

"ہاں، ٹھیک ہے ــــ مگر ذرا جلدی واپس آ جانا ــــ موسم اچھا نہیں ہے۔ جانے کب یہ بوندا ی تیز بارش کی صورت اختیار کر لے۔" زوباریہ نے نصیحت کی تھی۔ وہ سر ہلاتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

جب اضطراب اس کے اندر سر اٹھا رہے تھے۔ مگر وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی ہے۔

رکو جھٹک کر جیسے تمام سوچوں سے نکلتی ہوئی وہ چل پڑی تھی۔

طرح بوندوں میں بھیگتے ہوئے چلنا اچھا لگ رہا تھا۔

"مکمل کر دو ــــ"

ایک مدھم سرگوشی ــــ اچانک اس کے اندر کے سناٹوں میں ابھری تھی۔ میرب سیال کی دھڑکنوں ایک پل میں انتشار برپا ہوا تھا۔ اردگرد لوگ تھے ــــ راستہ ویران نہ تھا۔ کئی اور لوگ بھی واک کر تھے ــــ موسم سے حظ اٹھا رہے تھے۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ بوندیں تیزی سے برسنے لگی تھیں مگر وہ آپ میں گم صم سی تیز تیز قدموں سے چلتی چلی گئی تھی۔ جیسے وہ اپنے آپ سے بھاگ رہی ہو۔

"محبت کرنے لگی ہو مجھ سے؟"

اس کے اندر کے سناٹے میں ایک اور سرگوشی ابھری تھی۔ اس نے تیزی سے قدم اٹھائے۔ تب ہی طرح کسی سے ٹکرا گئی تھی۔

"مکمل کر دو ــــ" ایک بازگشت بنی تھی اس کے اندر۔

ایک مانوس جانی پہچانی خوشبو نے اسے چھوا تھا۔
ایک مانوس لمس کی تپش اسے ایک پل میں بیدار کر گئی تھی۔
اس نے معاً سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"مکمل کر دو۔" ایک سرگوشی اندر ہی اندر کہیں من مانی کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا اور اسے ا
آنکھوں پر حیرت کا گمان گزرا تھا۔

وہ جن آہٹوں کو سننا نہیں چاہتی تھی ـــــ جن آوازوں سے بھاگ رہی تھی ـــــ جن سرگوشیو
سے بچنے کے لئے سرپٹ دوڑ رہی تھی ـــــ اس گھڑی وہی اس کے سامنے تھا۔

برستی تیز بارش میں سر اٹھا کر اس نے دھندلے منظر میں اس چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے اس
گرفت میں تھی۔ اس کا حصار اس کے گرد تنا تھا۔ وہ اس لمحے جیسے ایک مضبوط آہنی پناہ میں تھی۔

اس عجیب سے احساس نے اس کے اندر سر اُبھارا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں کوئی خاص تاثر نہ تھا۔ بہت آہ
سے اس کے گرد سے اپنا حصار ہٹا کر آزاد کر دیا تھا۔

"صاحب! گاڑی میں کوئی بڑا فالٹ لگتا ہے۔ آپ کہیں تو ورکشاپ پہنچا کر آپ کے لئے کیب
بندوبست کر دوں؟" ڈرائیور نے بونٹ پر سے سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ڈرائیور کو ہدایت دے کر ایک لمحے میں اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے
کر چلتا ہوا املتاس کے گھنے پیڑ تلے آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ ایک میکانکی انداز میں اس کے ساتھ چلتی ہ
یہاں تک آئی تھی۔

گھنے پیڑ کی چھتری تلے کھڑی وہ اسے عجب گم صم سی دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چپکے سے اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر کچھ دیکھے بغیر دھیان پھیر گیا تھ

کیسی قربت تھی۔
کیسی دوری تھی۔
اُلجھی اُلجھی سی۔
تھوڑی ان کہی۔

میں محبت ہوں
ایک میٹھی سرگوشی ہوں
سنو مجھے
دل کی لے پر گنگنا دو مجھے
گیت کوئی سمجھ کر گا لو مجھے
میں محبت ہوں

سارا منظر دُھند میں لپٹا ہوا تھا۔ بارش کی بوچھاڑ انہیں بھگو رہی تھی۔ سارا منظر بارش میں لپٹا ہوا تھ

ر بھیگ رہا تھا۔ مگر وہ ایک دوجے کے قریب کھڑے ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔
میان میں کچھ تھا کہ نہیں۔
ردں میں اتنی دُھند تھی کہ کچھ ڈھنگ سے دکھائی تک نہ دے رہا تھا۔
ے دل کچھ کہہ رہا تھا تو سنائی نہیں دے رہا تھا۔
ت درمیان تو ہے مگر اس کے کچھ بولنے میں، چپ کے بھید کھولنے میں، ابھی کچھ دن لگیں گے۔
ائی ـــــ مائی کیسی ہیں؟" میرب سیال نے اس خاموشی کو بالآخر توڑا تھا۔
ردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس پر نگاہ ڈالے بغیر۔ جیسے وہ خوفزدہ تھا۔ اس
الے گا تو ہار جائیگا۔
ان کی بہت یاد آ رہی تھی۔" وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں
نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے وہ کسی طرح کی مروت نبھانے پر بھی مائل نہ تھا۔
ں کے سرد رویے پر جانے کیوں میرب سیال کے اندر ایک عجیب سے احساس نے سر اُبھارا تھا۔
ں نمی سے بھر گئی تھیں۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے یک دم پلٹی تھی۔ ارادہ وہاں سے نکل جانے

ب وہ قریب تھا ـــــ اور اس کے باوجود صدیوں کے فاصلے پر رکا تھا۔ تو پھر کیا جواز باقی بچتا تھا
لتاس کی گھنی چھتری تلے، اس کے ساتھ کھڑے رہنے کا؟ ـــــ وہ اس سے دور نکل جانے کے
ے پلٹی تھی مگر تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔
ا بے خبر دکھائی دے رہا تھا، غالباً اتنا تھا نہیں۔
اس بے دھیانی میں بھی اس کے سارے دھیان از بر کیوں تھے۔
ہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اُلجھن سے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ نظر سے نظر ملی تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔
ں کی نگاہ میں اس گھڑی کیا تھا؟ ـــــ کچھ تھا بھی کہ نہیں۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت بدستور
تھی۔

"میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔
یرب سیال نے اس کی گرفت میں موجود اپنی کلائی کو دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی اس
ردں کا تعاقب کیا تھا۔ اور پھر یک دم ہی اس کی کلائی کو اپنے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔
ال ایک لمحے میں باقی کچھ نہیں رہا تھا۔ صرف ایک جلتا بجھتا احساس باقی رہ گیا تھا۔ صرف ایک جلتا
کا۔ جسے وہ دیکھ بھی سکتی تھی اور محسوس بھی کر سکتی تھی۔
"ڈرائیور کیب لے کر آ رہا ہے۔ موسم اچھا نہیں ہے۔ آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں۔" وہ اس کی جانب
ہوا بہت سرسری سے لہجے میں وضاحت دے رہا تھا۔ میرب سیال جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔
"آپ ـــــ آپ زحمت نہ کریں۔ گھر یہاں سے کچھ زیادہ دور......." اس نے سردار سبکتگین
لغاری کے اقدام پر جواباً وضاحت کی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہت سرد نظروں سے

دیکھا تھا۔

''مجھے زحمت نہیں ہوگی۔'' انداز اتنا قطعی تھا کہ وہ اس کے بعد مزید کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

دُھند میں لپٹے وہ لمحے دلکش ترین تھے۔

وہ ان مناظر میں اس کی ذات کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اس کی کچھ نہیں تھی۔ ایک احساس اندر ہی اند کچوکے لگانے لگا تھا۔

''مکمل کر دو ــــــ'' ایک مدھم سرگوشی اندر کہیں سر پٹخنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جانے کیوں جھر جھر پانی بہنے لگا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیان پھیرے اس سے بالکل بے خبر کھڑا تھا۔ چند ہی لمحوں میں کیب ان کے قریب آن رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بارش سے بچنے کے لئے اپنی جیکٹ اتار کر اگلے پل اس کے شانوں پر ڈال دی تھی۔

کیا تھا یہ؟

کیسا احساس تھا؟

ایسا کرنے کے بعد وہ بنا اس کی طرف دیکھے، بنا اس کو پکارے یا بلائے چلتا ہوا کیب کی جانب بڑھ گ تھا۔ گھنے املتاس کی چھتری تلے اس کی جیکٹ کے حصار میں کھڑی وہ چپ چاپ اونچے لمبے، چوڑ شانوں والے اس بندے کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیب کا دروازہ کھول کر اسے خاموشی سے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کی درخواست ماننا ضروری تھا اور تقلید کرنا بھی۔ فاصلہ زیادہ تو نہیں تھا۔ مگر قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

بارش نے بھرم رکھ لیا تھا۔ چہرہ آنسوؤں سے کتنا بھیگا ہوا تھا مگر دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ چپ چاپ کیب میں بیٹھ گئی اور رخ کھڑکی کی طرف موڑ کر باہر کا منظر دیکھنے لگی تھی۔ آنکھوں کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ بھر بھرا رہی تھیں اور وہ خود کو روک بھی نہیں پا رہی تھی۔

اچانک سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا تو وہ چونکی۔ وہ بنا اس کی جانب دیکھے اپنا رومال اسے پیش کر رہا تھا۔

کیسا چارہ گر تھا یہ۔

کیسا ہمدرد تھا یہ۔

اس عنایت کا وہ کیا مطلب لیتی؟

ہاتھ جھٹک دیتی یا تھام لیتی؟

وہ اس کے آنسوؤں سے بے خبر نہیں تھا۔ جب ہی تو؟

وہ اس کے آنسو پونچھ لینے کا خواہاں تھا تو؟

جب بے خبر بھی نہیں تھا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک نہیں سکی تھی۔ ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کے ہاتھ سے رومال چپ چاپ لے لیا تھا۔ اگر وہ خیر خواہی پر بضد تھا تو وہ کیونکر ہاتھ جھٹکتی؟ اور اس سے فائدہ بھی کیا تھا؟

❄ ❄ ❄

لیا محسوس کر رہی ہیں آپ؟'' عفنان نے کھانے کی ٹیبل پر اس سے دریافت کیا تھا۔ اس نے

 اِس شخص کی جانب دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

ما کا فون آیا تھا ــــــ پوچھ رہی تھیں۔'' سرسری لہجے میں مطلع کیا تھا۔

آپ نے کیا کہا؟'' انابیہ نے آہستگی سے سر اٹھایا تھا۔

تا دیا، آپ ٹھیک ہیں۔''

ور ــــــ؟''

ور کیا؟'' وہ چونکا تھا۔

وہ کیسی ہیں؟ ــــــ پاپا کیسے ہیں؟''

سب ٹھیک ہیں۔'' عفنان کا لہجہ بہت سرسری سا تھا۔

ما کہہ رہی تھیں اگر تمہیں کہیں باہر جانا ہو تو......''

ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔''

از یو وش۔'' عفنان نے شانے اچکا دیئے تھے۔ وہ قدرے توقف سے بولی تھی۔ ''لامعہ سے بات پ کی؟''

نہیں۔ کیوں؟'' وہ چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

نہیں ــــــ'' انابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور آہستگی سے بولی تھی۔ ''کچھ نہیں۔''

اوکے۔'' عفنان نے دوسرے ہی پل لاتعلق دکھائی دیتے ہوئے اسے کریدنا ضروری نہیں سمجھا تھا ے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

کسی شے کی ضرورت ہو تو؟'' عفنان علی خان نے ایک رسمی پیش کش کی تھی۔ اس نے پھر سر نفی میں ا۔ وہ اٹھنے لگا تھا جب اس نے ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عفنان علی خان چونکا ے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر وہ سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کی کیفیت سمجھ نہیں پایا تھا۔ دوسری طرف بھی اپنی حماقت کا پورا احساس ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا۔

''آئی ایم سوری ــــــ مگر میں۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر وہ ایک انجان سی وضاحت دیتی ہوئی اس ما ایک لمحے میں بکھرتی دکھائی دی تھی۔ عفنان نے اسے بنا کچھ کہے صرف خاموشی سے دیکھا تھا۔

''میں گھر جانا چاہ رہی تھی۔ بہت دنوں سے اس طرف نہیں گئی۔'' وہ سر جھکائے بولی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ تیار ہو جائیں۔'' وہ سرد سے لہجے میں کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ انابیہ سر جھکائے کی سطح کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

ایک لمحے میں زندگی کی ڈور اس کے ہاتھ سے باہر تھی۔

ایسا تو نہیں سوچا تھا اس نے ــــــ!!

اس کا کوئی رشتہ بھی اپنا نہیں رہا تھا۔

نہ عمر بھر کی رفاقت
نہ دوستی
نہ محبت

پتہ نہیں قصور اس کا تھا یا قسمت ہی اس کے ساتھ ایسی چال چل رہی تھی۔

لامعہ نے کہا تھا، وہ غلط ہے۔ ایک طرح سے لامعہ نے تمام کا تمام ذمہ دار اسے ٹھہرایا تھا۔ اور تر سے وہ اپنا محاسبہ کرنے میں لگی ہوئی تھی کہ سارے رشتے اس سے بدظن ہو گئے تھے۔

سارے دل کے تعلق دور ہو گئے تھے۔
وہ محبت کی جنوں خیزی نہ رہی تھی۔
وہ پہلی سی محبت نہ رہی تھی۔
وہ دوستی بھی باقی نہ رہی تھی۔

لامعہ کے الفاظ اب بھی اسے برچھیوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔

غلطی اس سے ہوئی تھی۔ وہ فقط اتنا یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دل بہت بوجھل سا ہو رہا تھا۔

عفنان کے کہنے پر وہ تیار ہو کر باہر آئی تو بارش ہو رہی تھی۔ وہ کسی قدر حیران تھی۔ جانے اردگرد سے اتنی بے خبر کیسے ہوئی کہ کچھ خبر ہی نہ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں، وہ وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ کر بارش کو دیکھنے لگی تھی۔ سارا لان بھیگ رہا تھا۔

عفنان باہر آیا تو اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ سر جھکائے کچھ بکھری بکھری سی دکھا دے رہی تھی۔

کیا ہوا تھا؟ یہ تو وہ نہیں جانتا تھا مگر اس گھڑی اس کی سرد مہری ایک لمحے میں ٹوٹی اور اس کے قر وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا ـــــ؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا گیا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی طرح خاموشی سے بارش میں بھیگتے منظر کو دیکھتی رہی۔

''آپ پریشان ہیں؟'' عفنان نے دوبارہ دریافت کیا۔

''نہیں۔''

''تو پھر؟'' اس نے استفسار کیا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ عجب بکھرے بکھرے سے لہجے میں اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تو عفنان نے ب اس کی طرف دیکھا۔

''کہیں اس پریشانی کا سبب یہ رشتہ یا میں تو نہیں ہوں؟'' سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ اچانک چو پڑی تھی۔ اس کی الجھنوں میں کچھ اور اضافہ تھا اس گھڑی وہ شخص۔ وہ ابھی سنبھلی بھی نہیں تھی جب وہ ہوا تھا۔

''اگر میری طرف سے کوئی پرابلم ہے تو......''

''اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی وہ بول پڑی تھی۔ جیسے اسے خدشہ تھا کہ وہ شخص جو ے نہ سن پائے گی نہ جھیل پائے گی۔ اس کے مضمحل سے انداز پر عفنان نے اسے خاموشی ایک عرصے بعد وہ دونوں ساتھ بیٹھے تھے۔ بہت دنوں بعد وہ دانستہ اس کے قریب ہوا تھا۔ ھا کر دیکھا جاتا تو یہ فاصلہ ایک لمحے میں سمٹ سکتا تھا۔ مگر دونوں جانب ایک سرد مہری ھی۔

''اس کی خاموشی دیکھ کر عفنان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ''میرا مقصد آپ کی پریشانیاں کم کرنا ہے۔ آپ جب بھی، جو بھی چاہیں میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا۔ جہاں، آپ کو یہ رشتہ نبھانا یا ساتھ لے کر چلنا بوجھ لگے، بتا دیجئے گا۔ میں آپ کی پریشانی کم کرنے ھانے کی پوری کوشش کروں گا اور ضروری اقدامات بھی۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا، وہ بچی نہیں تھی کہ وہ اس رشتے کو کتنی آسانی سے ختم کرنے کی بات کر رہا تھا۔

کی طرف بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ بنا اس کی طرف دیکھے، بنا اس کی پرواہ کیے اٹھ کھڑا

صبح آفس بھی جانا ہے۔'' یہ اس نے رات کے پہر زیادہ وقت ہونے کے خیال سے کہا تھا۔

آپ کو صبح جلدی اٹھنا ہو تو رہنے دیتے ہیں۔ میرا جانا اتنا ضروری بھی نہیں کہ آپ کی نیند دی جائے۔ میں صبح ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' انابیہ نے کہا۔ مگر وہ چلتا ہوا گاڑی گیا۔

صرف انابیہ کے چہرے پر ہی نہ تھیں، عفنان کے چہرے پر بھی ان الجھنوں کی لکیریں صاف رہی تھیں۔ انابیہ کے لئے اٹھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ اٹھی اور چلتی ہوئی گاڑی کی طرف آ گئی۔ نے اس کے لئے فرنٹ ڈور پہلے سے کھول دیا تھا۔ وہ بیٹھی تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

کے ماحول میں سکوت سا تھا۔ مگر دونوں ہی اس سکوت کو توڑنے کو تیار نہ تھے۔

* * *

تنے دنوں تک تم ہم سے دور رہیں۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟'' فارحہ آنٹی نے اسے اپنے ساتھ ئے کہا۔ ایسا کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نمی سے اٹ گئیں۔ اور بھیگ تو میرب سیال کی آنکھیں تھیں۔ صرف ایک رشتہ اسے کتنے رشتوں سے دور لے گیا تھا۔

''آن ممی! ـــــ اتنے خوشی کے لمحوں میں بھلا کوئی روتے ہیں؟ میرب آپی اتنے دنوں بعد آئی کو تو خوش ہونا چاہئے۔'' ماما نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

ٹھیک کہہ رہی ہے ممی!'' اذہان نے میرب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ہاں ـــــ یہ تو ہے۔ اتنے عرصے بعد میری بیٹی نے اس گھر میں قدم رکھا ہے۔ میرا تو دل خوشی گیا ہے۔ تمہیں دیکھ کر، تمہارا چہرہ دیکھ کر آپا کی یاد آتی ہے۔'' انہوں نے اپنی آنکھوں کو رگڑا اور کرا دی۔

"پاپا بھی یہی کہتے ہیں کہ میں اپنی ماما کی مشابہت رکھتی ہوں۔"

"ہاں، مظہر بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ تم واقعی آپا سے ملتی ہو۔ اماں بتا رہی تھیں تم ان کی طرف بھ
گئیں۔ پاپا سے مل کر سب رشتے بھول گئے۔" فارحہ نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تو وہ شرمندہ سی ہو

"آئی ایم سوری۔ مگر مصروفیت ہی اتنی رہی۔ میں نانو کو فون کروں گی۔ لیکن آپ کی بات کر
ان سے؟ آپ گئی تھیں ان کی طرف؟"

"ہاں، گئی بھی تھی۔ اور وہ سب بھی آئے تھے۔ اپنی ماہا کے رشتے کی بات چل رہی ہے نا۔" فار
مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چونک پڑی۔

"رشتے کی بات؟ —— کس کے ساتھ؟"

"سیف کا پروپوزل آیا ہے نا ماہا کے لئے۔ کیا سیف نے تمہیں نہیں بتایا؟"

"نہیں۔ بڑا بدتمیز قسم کا بندہ ہے وہ۔ حالانکہ دوست ہے میرا۔ مگر اپنی زندگی کی اتنی بڑی بات ا
مجھے نہیں بتائی۔ فون کروں گی تو خوب کان کھینچوں گی۔" میرب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کتنا کچھ ہو
اس کے اردگرد اور وہ کتنی بے خبر تھی۔ اپنے اندر سے، اپنے آپ سے نکل ہی نہ پا رہی تھی کہ کسی او
بھی دھیان دے پاتی۔ وہ جیسے واقعی کسی خلا میں معلق ہو۔

"ضرور کان کھینچنا۔ مگر ان دنوں وہ غالباً بزنس ٹور پر ہے۔ تمہیں شاید پتہ ہو، اس نے بھائی صا
کمپنی جوائن کر لی ہے۔" فارحہ آنٹی نے بتایا تھا۔

"ہاں —— یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں۔ مگر یہ شادی کے پروپوزل والی بات میں نہیں جان
خبر اچھی ہے اور خوشی کی بھی۔ مبارک ہو ماہا! اب تو آپ ہمیں اور بھی عزیز ہونے جا رہی ہیں۔ کیونک
آپ کے ہونے والے حضرت ہیں نا، وہ ہمیں بہت عزیز ہیں۔" میرب بہت دنوں بعد ریلیکس اندا
بولتی ہوئی دل سے مسکرائی تھی۔ اذہان اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔

"تمہارا کیا ہوا؟ —— کب ہو رہی ہے تمہاری رخصتی؟" فارحہ نے دریافت کیا۔
میرب سیال کے چہرے کی کیفیت ایک پل میں متغیر ہوئی مگر اس سے اگلے ہی لمحے وہ مسکرا دی ت
"جی —— بس ——" اس نے بولنے کے لئے لب کھولے تھے مگر اس سے قبل ہی اذہان ب
تھا۔

"ممی! آپ ساری باتیں آج ہی پوچھ لیں گی؟ —— میرب بھی ہماری مہمان ہے۔ کوئی مدارات نہیں ہوگی؟"

"ارے ہاں، میں تو بھول ہی گئی۔ ایک تو تم آئی بھی اچانک ہو۔ بنا مطلع کیے۔ ورنہ میں
ساری فیورٹ ڈشز بنا کر رکھتی۔ ماہا! چلو، ذرا میری ہیلپ کر دو۔" فارحہ کہتے ہوئے اٹھیں۔

"جی ممی!" ماہا نے بھی ماں کی تقلید کی تھی۔

"سعد انکل کیسے ہیں؟ —— دکھائی نہیں دے رہے۔ اور ڈاکٹر انکل، چاچو ٹھیک ہیں؟ شادی ہو گئی ان کی؟" وہ مسکراتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

سکرا دیا۔
ک ہیں۔ اور چاچو بھی آؤٹ آف ٹاؤن ہیں۔ جلد لوٹ آئیں گے۔ شادی انہوں نے نہیں
اپنے دل کی انگلی اب تک تھام کر چل رہے ہیں۔ کچھ مشکل ہوتا ہے یہ۔ مگر فیض چاچو محبت کی
ے نبھا رہے ہیں۔"
ہوئی تھی انہیں بھی؟" میرب نے یوں ہی بات کی تھی۔
بھی مطلب؟" اذہان ہنس دیا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر سر جھکا گئی تھی۔ تب ہی وہ خیال کرتے
"شاید۔ کبھی بتایا نہیں انہوں نے۔" اذہان کا لہجہ مدھم تھا۔
انکل تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے اب؟"
آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کا گھر ہے یہ۔ ممی بتا رہی تھیں، وہ اپنی دوسری وائف کو ڈائیورس
ہیں۔ اس کے بعد شاید وہ دوبارہ ہم سب کے ساتھ رہنے لگیں۔"
—— اٹس اے گڈ نیوز۔ فارحہ آنٹی کس قدر مطمئن ہو گئی ہوں گی۔ میں نے سنا تو مجھے اچھا
ہت نائس وومن ہیں آنٹی۔ میں نے آج تک انہیں ماتھے پر تیوری ڈالے نہیں دیکھا۔ سب سے
والی خاتون کی زندگی میں اچانک ہی کوئی موڑ ایسا آئے گا، کون جانتا تھا۔ جانے کیوں خوب
ں کے نصیب اچھے نہیں ہوتے۔" بہت بجھے سے لہجے میں کہہ کر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی
نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔
ہوں —— ایسے نہیں کہتے۔" وہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کو بولا تھا۔ پھر ہنس دیا۔
لئے مسکرانا جیسے شرط ہو گیا تھا۔
آئی رائٹ؟" اس کی جانب مکمل توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ پھر اس کے جواب کا
غیر بولا۔ "یس، آئی نو —— اذہان اِز رائٹ۔"
انداز پر وہ ہنس دی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
کوشش ہے —— کرتی رہا کرو —— ہنستی رہا کرو۔" مدھم لہجے میں ایک خواہش کا اظہار کیا

کچھ بولے بغیر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر مسکرا دی۔
نے اپنی منگنی کی تصویریں مجھے نہیں دکھائیں۔"
نے بھی تو اپنے نکاح کی اسنیپس مجھے نہیں دکھائیں۔" اذہان نے جواباً شکوہ کیا تھا۔ وہ چپ
ا گئی تھی۔
ے پاس اس موقع کی کوئی یادگار نہیں ہے۔"
بول رہی ہو۔" اذہان مسکرا دیا۔
ے؟" وہ چونکی۔
ے پاس اس واقعے کی یادگار ہے۔"

"کیا؟"

"سردار سبکتگین حیدر لغاری۔" اذہان نے برملا کہا تھا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ م جھکائے ایک الجھن سے ٹیبل کی سطح پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچتی رہی تھی۔

"اتنی الجھن میں کیوں ہو میرب؟ ______ کہیں تمہیں محبت تو نہیں ہو گئی؟" اذہان نے اس جائزہ لیتے ہوئے کہا اور وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔

"محبت ہو گئی ہے تمہیں مجھ سے؟" ایک سرگوشی کہیں اندر اُبھری اور وجود کے سارے علاقے چلی گئی۔

"مکمل کر دو ______"

ایک درخواست۔ ایک خواہش۔ ایک مدعا۔

کہنے کو دو لفظ تھے۔ مگر اپنے اندر کیا کیا آہنگ نہ رکھتے تھے۔ کیا کیا مفہوم خاص نہ رکھتے تھے۔ اندر کی آوازوں میں کھونے لگی تھی۔ وہ آوازیں اسے اپنی گرفت میں باندھنے لگی تھیں اور گمان بندھ بھی جاتی اور گم بھی ہو جاتی کہ اذہان نے اسے پکار لیا۔

"میرب!"

اور وہ جیسے ایک لمحے میں اس بازگشت سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی دنیا میں پلٹی تھی۔

"ہاں۔" سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا۔

"نہیں ______ کچھ نہیں۔ میں نے تو یوں ہی مذاق کیا تھا۔ تم تو سیریس ہو گئیں۔"

"نہیں ______ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں سوچ رہی تھی، ہر شے کتنی جلد بدل جاتی ہے۔ اچانک کیسے بدل جاتا ہے۔ اچانک لمحوں میں دنیا بدل جاتی ہے۔"

"ہاں، شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر یہ بھی زندگی کا حصہ ہے۔ اگر ایک جگہ زندگی تھم جائے تو یہ بھی اچھا نہ لگے۔" اذہان نے کہا تھا اور اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں تمہارے لئے منگنی کا البم لے کر آرہا ہوں۔"

"شیور۔" میرب مسکرا دی۔

اذہان چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

میرب سیال نے تنہائی پاتے ہی صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

* * *

بات دل میں رکھی جائے تو بوجھ بن جاتی ہے۔

اس کے سینے پر بھی بہت بوجھ تھا۔ ماما سے وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ دادو سے بھی نہیں۔ م جب اس سے اس کی اس اُلجھی ہوئی کیفیت کا سبب پوچھا تو اس کی آنکھیں خود بخود ہی پانی تھیں۔

"کیا ہوا؟ ______ عفنان نے کچھ کہہ دیا؟" اوزان سید کو تشویش ہوئی تھی۔

ہیں۔" آنکھوں سے پانی باہر چھلک آیا تھا۔ اس نے ایک لمحے میں ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو

م چھپا رہی ہو کچھ مجھ سے؟ ______ اپنے بھائی سے بھی چھپاؤ گی؟ ______ مجھے بتاؤ، کیا ہوا؟ عفنان ہا ہے کیا؟" اوزان نے دریافت کیا تھا۔

ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بنا اس کی طرف دیکھے کہا تھا۔ آنکھیں پھر بھر گئی تھیں۔

پھر ______؟"

لامعہ ______" انابیہ نے سر جھکا کر مدھم لہجے میں کہا تھا۔

لامعہ؟ ______ لامعہ کو کیا ہوا؟"

ہیں ______ اُسے کچھ نہیں ہوا۔" اس نے خود کو یکسر بے بس پایا تھا۔

پھر؟ ______ انابیہ! تم مجھے کچھ بتاؤ گی؟" اوزان نے الجھن سے بہن کو دیکھا۔

لامعہ ______ لامعہ سمجھتی ہے میں نے اس کے ساتھ ہمیشہ ناانصافی کی ہے۔ تم جانتے ہو اوزی! ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کے پیچھے ہاتھ کس کا تھا؟ ______ لامعہ کا۔"

تمہیں یہ بات کیسے پتہ چلی؟" اوزان نے اسے بغور دیکھا۔

اس گھڑی بہت بکھری بکھری سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے پاس ہمت تک ناپید تھی یہ سب کچھ ے کی اور کسی اور کو بتانے کی۔

اس نے خود۔" بہت دیر کے بعد وہ ہمت کر کے بولی۔ مگر اوزان سید اس کے بتانے پر قطعاً بھی ہیں ہوا۔

تم یہ بات نہیں جانتی تھیں؟" رسانیت سے پُر لہجے میں وہ قدرے توقف سے بولا۔

تم جانتے تھے؟" انابیہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اوزی کی طرف دیکھا۔

زی نے سر بہت آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

ہاں ______ مجھے معلوم تھا۔"

کیسے؟ ______ تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟ کیوں نہیں بتایا مجھے سب کچھ؟"

تمہیں بتانے سے کیا فرق پڑتا؟ ______ اور یوں بھی جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ جب تمہارے کیس کی ا گیشن ہو رہی تھی تب ہی یہ بات سامنے آ گئی تھی۔ لامعہ نے تمہیں کڈنیپ کے بعد جس گھر میں کر رکھا تھا، وہ عرصہ دراز سے بند اور کسی کے استعمال میں نہ تھا۔ وہ گھر لامعہ کے کزن کا تھا۔ لامعہ بھ رہی تھی کہ وہ اس سے صاف بچ نکلے گی اور اس کا نام تک نہیں آئے گا۔ مگر سچ سامنے آ جاتا اور انویسٹی گیشن سے یہ بات بھی سامنے آ گئی۔ اس کے کزن سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ لامعہ کی فیملی اس گھر کو استعمال کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کی غیر موجودگی میں اس پراپرٹی کی ال کی ذمہ داری ان ہی کے پاس ہے۔"

مگر تم نے بھی ______ اوزان! تم نے بھی اتنا کچھ چھپایا مجھ سے؟" انابیہ نے بے یقینی سے بھائی کو

دیکھا۔

”کیا کرلیتیں تم انابیہ؟ ـــــ کیا کرلیتیں تم؟ ـــــ لامعہ کو سزا دلواتیں؟ تم ایسا تو اب بھی کر ہو۔ مگر خود سے پوچھو، کیا تم ایسا کر پاؤ گی؟ ـــــ نہیں انابیہ! تم ایسا کچھ نہیں کرسکتیں۔ وہ تمہارے سا کچھ بھی کرلے تم اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرسکتیں انابیہ! یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔“

انابیہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

”اور کون کون جانتا ہے یہ بات؟“

”کیا فرق پڑتا ہے انابیہ! اس بات سے کہ اسے کتنے لوگ جانتے ہیں۔ تم خوش نصیب ہو جب ایک اچھی زندگی گزار رہی ہو، مطمئن ہو تو پھر یہ سب بے معنی ہو جاتا ہے۔ لامعہ نے جو بھی کیا وہ اس کا اپنا ظ تھا۔ تم کیا کرو گی، تمہارا ظرف ہوگا۔“ اوزان اپنی بہن کو اچھی طرح جانتا تھا۔

”ہاں ـــــ ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ میں جب خوش بھی ہوں اور مطمئن بھی۔“ کیسے درد اندر سرا رہے تھے۔ کیسی کسک تھی جو سانس تک نہ لینے دے رہی تھی اور لوگ سمجھ رہے تھے وہ خوش تھی۔ مطمئن تھی۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو تم ـــــ جب میں خوش ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔“ اس نے آنکھیں رگڑ ہوئے جیسے خود کو بہلایا تھا اور دوسری طرف اوزان کو باور کرایا تو اوزان نے اسے خاموشی سے دیکھا، کچ مزید نہیں کہا۔

”تم نے ٹھیک کہا ـــــ میں لامعہ کو چاہوں بھی تو سزا نہیں دے سکتی۔ مگر میں اسے کوئی سزا دینا چا بھی نہیں۔ اس نے جو کیا وہ اس کا ظرف ہے۔ اور جو میں نے کیا یا جو میں کروں گی وہ میرا ظرف ہوگا۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے اور میں کبھی کوئی شکایت اس سے کروں گی بھی نہیں۔ وہ میری دوست ت اور ہمیشہ دوست ہی رہے گی۔ مجھ سے دوستی نبھائی نہیں گئی، میں دشمنی کیسے نبھاؤں گی؟ ـــــ مجھے صر محبت کرنا آتی ہے اوزان! مجھے نہیں پتہ نفرت کیسے کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔ اور کام نہ کیا ہو اسے کرنے کی نہ عادت ہوتی ہے نہ خواہش۔ مجھے لامعہ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“ وہ بولی تھی اور پھر اٹھ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اوزان چپ چاپ بیٹھا اسے دیکھتا رہ گیا۔

❄❄❄

”مائی اماں! آپ؟“ انہیں اپنے مقابل دیکھ کر وہ کچھ حیران رہ گئی تھی۔

مائی نے آگے بڑھ کر اسے اسی لگاوٹ سے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا۔

”کیسی ہے میری بچی؟ ـــــ میں نے سوچا اگر تجھے ماں بھول گئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھ بھی اپنی بیٹی بھول جائے گی۔“

”آپ تنہا آئی ہیں یا........“ میرب نے جانے کیوں پوچھ لیا تھا۔ وہ مسکرا دی تھیں۔

”گین چھوڑ کر گیا ہے۔ میں نے کہا اندر آ جاؤ مگر وہ مانا نہیں۔ کہہ رہا تھا، ضروری کام ہے۔“ مائی اما نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر محبت سے دریافت کیا تھا۔

باتوں کو چھوڑ، یہ بتا تُو ٹھیک ہے؟“
ائی اماں! ـــــ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ نے کیوں زحمت کی؟ مجھے بلوا بھیجا ہوتا۔ ایک
ر دیتیں، میں آن حاضر ہوتی۔“ میرب نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔
کرادی تھیں۔
فرق پڑتا ہے، ماں بچے کے پاس جائے یا بچہ ماں کے پاس آئے۔ بہت اُداس تھی۔ رہا نہیں
ن سے گین سے کہہ رہی تھی، اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ ایک دم ہی بزی ہو گیا ہے وہ۔
یں رہا اس کے پاس۔ کچھ بجھا بجھا سا بھی ہے۔ رومیصا کی موت نے اسے بہت چپ سا کر دیا
کا انداز سرسری تھا۔ مگر وہ سارے مفہوم خاص پا گئی تھی۔
ردار سبکتگین حیدر لغاری کو اتنی انسیت تھی اپنی مسز سے کہ وہ........‘
ٹھیک تو ہو بیٹا؟ ـــــ کیسی شکل نکل آئی ہے۔“ محبت سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے کہا۔ وہ
ی مسکرائی تھی۔
ٹھیک ہوں مائی!“
صحت مند رکھے۔ میرے بچوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔ زوباریہ اور مظہر میاں کہاں ہیں؟“
وہ کام سے گئے ہیں۔“
ے تو مظہر میاں سے ضروری بات کرنا تھی۔“
پ کہیں تو فون کر دوں، وہ جلد لوٹ آئیں۔ کوئی اہم اور ضروری بات تھی؟“
اماں مسکرا دی تھیں۔
ا ـــــ بہت اہم اور ضروری بات۔ تجھے ہمیشہ کے لئے اپنے گھر لے جانے کی بات کرنا تھی
اسے۔ اپنی بچی کو مانگنے کی بات کرنا تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ رخصتی ہو جائے۔ یہی اس وقت کا
قدام ہوگا۔ گین کی حالت بھی کچھ سنبھل جائے گی اور گھر میں خوشی آ جائے گی۔“ مائی اس کی
کیفیت سے بے پرواہ کہہ رہی تھیں اور وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ

نا گہرا رشتہ ہے میرا تم سے ـــــ پھر اتنی گہرائی دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ تمہاری آنکھوں میں
ں تو گہرائی کی جگہ ایک سرد مہری کیوں دکھائی دیتی ہے؟‘
یا سوچ رہی ہو تم؟“ مائی نے اسے خاموش دیکھ کر پکارا۔
ں ـــــ کچھ نہیں۔ آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لئے کچھ لاتی ہوں۔“
ں ـــــ اس کی ضرورت نہیں۔ بس تم میرے پاس بیٹھو۔ میں صرف اپنی بچی سے ملنے آئی
ی تھوڑی دیر میں گین آ جائے گا تو جلدی مچا دے گا۔“
ی بولی ہی تھیں کہ نوکر نے آ کر اطلاع دی۔
ائی ـــــ باہر کوئی سبکتگین صاحب آپ کو لینے آئے ہیں۔“

"لو، وہ آ گیا۔" مائی اماں مسکرا دیں۔

میرب کے اندر ایک خاص آہنگ ہوا تھا۔ ایک ایسی کیفیت جسے وہ کوئی نام نہ دے پائی تھی۔

"آپ انہیں اندر بلا لیں مائی! ـــــ آپ کو بنا خاطر جانے نہیں دوں گی۔" اس نے مدھم لہج کہا تو مائی مسکرا کر رہ گئیں۔

"جاؤ، صاحب سے کہہ دو اندر آ جائیں۔"

"جی بہتر۔" مائی کے حکم پر ملازم واپس پلٹا۔ میرب سر جھکائے اپنے دل کی منتشر کیفیتوں کو سنبھا میں لگی ہوئی تھی۔ جب ملازم نے آ کر اطلاع دی۔

"صاحب کہہ رہے ہیں آپ جلد آ جائیں۔ وہ اندر نہیں آ سکتے۔ انہیں کہیں اور بھی جانا ہے۔" میرب کی دھڑکنوں میں ایک لمحے میں سکوت آیا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے ـــــ میں چلتی ہوں۔ پھر چکر لگاؤں گی۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ مظہر میاں سے مل پر بات کروں گی۔" مائی اماں نے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا اور اس نے سر ہلا دیا۔

❄ ❄ ❄

"میں نے ایک وکیل سے بات کر لی ہے۔" مظہر سیال نے کہا اور زوباریہ نے کسی قدر حیرت انہیں دیکھا تھا۔

"کس لئے؟ ـــــ آئی مین کس کام کے لئے؟"

"میرب کی ڈائیورس کے لئے۔"

"وہاٹ ـــــ؟" زوباریہ بھونچکی رہ گئی تھی۔ "آپ نے فیصلہ کر بھی لیا کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟۔ میرب سے پوچھے بغیر؟ ـــــ اس کی مرضی جانے بغیر؟" زوباریہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"میرب کی مرضی کیا ہو گی زوباریہ! کیا تم یہ چھوٹی سی بات سمجھ نہیں پا رہی ہو؟ ـــــ اگر وہ خوش تو کیا مجھے یہ سب بتاتی؟ وہ خوش نہیں ہے زوباریہ! یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔ میری بچی معصوم اور سعادت مند ہے کہ اگر اب بھی میں اسے وہاں جا کر زندگی گزارنے کے لئے کہوں تو وہ دے گی۔ مگر اس میں اس کی خوشی شامل نہیں ہو گی۔ یہ بات میں جانتا ہوں۔ سو میں اسے اس جہنم جانے کے لئے نہیں کہوں گا۔"

"مظہر! ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں۔ مگر ایک بار میرب سے اس کی مرضی بھی تو جان لی اتنی جلد بازی کس لئے؟ وہ ہم سے زبردستی میرب کو لے جا تو نہیں رہے۔ پھر آپ انتہائی اقدام اتی کیوں کر رہے ہیں؟ ـــــ زندگی بھر کا معاملہ ہے یہ۔ پلیز کچھ سوچ کر فیصلہ کریں۔"

"زوباریہ! تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں ـــــ میں جانتی ہوں۔ آج اگر میری جگہ میرب کی اپنی ماں بھی ہوتی تو وہ بھی یہی کہتی۔ آ میرب کو کیوں ضروری نہیں سمجھ رہے؟ ـــــ اس نے صرف آپ کو یہ بتایا کہ اس کے ساتھ کیا صور حال پیش آ رہی ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اب کیا چاہتی ہے۔ آپ اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں!

ہوں آپ کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی؟ اس بے چاری لڑکی کی ساری زندگی بدل جائے گی، کیا آپ جانتے؟ دنیا کو اسے فیس کرنا پڑے گا، نہ کہ آپ کو۔" زوباریہ مسلسل انہیں قائل کرنے کی کوشش کر تھی۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ، کیا کروں میں؟ ـــــ انتظار کروں؟ ادھر سے آ کر کوئی مجھ سے رخصتی کی بات اور میں اپنی بیٹی کو رخصت کر دوں؟" مظہر سیال نے جل کر پوچھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔ مگر کچھ سکون اور تسلی سے بھی تو سوچ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اتنی جلد بازی ہیں؟"

"میرب بتا رہی تھی، آج سبکتگین کی والدہ آئی تھیں۔" مظہر سیال نے کہا۔ زوباریہ نے چہرے کی بزنگ کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں، سنا تو میں نے بھی تھا۔ غالباً وہ میرب سے ملنے آئی تھیں۔ آف کورس، اس رشتے سے ان کی انسیت میرب سے ہو گئی ہے تو اس میں اتنی تشویش کی بات کیا ہے؟"

"میں اپنی بیٹی کے ساتھ اب کچھ غلط ہونے نہیں دوں گا۔ اب میں اس کی خوشی کے لئے وہ سب روں گا جو مجھے بہتر لگے گا۔" مظہر سیال حتمی لہجے میں بولے تھے اور زوباریہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

❄ ❄ ❄

"اذہان! اکینے بتا رہی تھی تم شادی کے لئے فی الحال تیار نہیں ہو؟"

"ہاں، اکینے ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ ماما کی شادی سے پہلے نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے رسانیت سے جواب دیا۔ وہ کینڈل لائٹ ڈنر اس لمحے کچھ پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔ ساہیہ اس کی خاموشی صاف محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر یہ وہ اسٹیج نہیں تھی جہاں کچھ کہنے سننے کی ضرورت رہتی۔ وہ اس کی آنکھوں سے پڑھ سکتی تھی۔

"یو اوکے؟" تشویش سے اذہان کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں ـــــ ٹھیک ہوں میں۔" مسکراتے ہوئے سارا الزام اس کے سر تھوپ دیا تھا۔ وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

"میں ـــــ شاید میں ہی چپ تھی۔ اذہان! اگر تم بہتر محسوس نہیں کر رہے تو آج کا یہ ڈنر کینسل کر دیتے ہیں۔ کیا ضروری ہے یہ سب؟ ہم کبھی بھی دوبارہ پروگرام بنا سکتے ہیں۔" اس کے خیال سے وہ مسکراتے ہوئے بولی تو اذہان مسکرا دیا۔

"نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ آج میرے پاس وقت بھی تھا اور اچھا موڈ بھی۔ تمہیں دینے کے لئے اچھا دن بھی۔ غالباً وہ اسے مطمئن کرنے کے خیال سے ایک "خاص" جملہ اچھال گیا تو وہ ہنس دی۔

"تھینکس۔"

"شکریے کی ضرورت نہیں۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ ساہیہ نے اس کی

آنکھوں میں جھانکا مگر اسے وہ تپش وہاں دکھائی نہیں دی جو وہ اپنے چہرے پر محسوس کرنا چاہتی تھی۔

”کیا ہوا؟ —— اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟“ اذہان نے اس کے دیکھنے پر دریافت کیا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی مزید کہے بغیر اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتی ہوئی بولی۔

”رئیلی؟“ اس کی آنکھیں ایک یقین چاہ رہی تھیں۔ اذہان بچہ نہیں تھا کہ اس کا مطلب نہ جانتا۔ وہ مسکرایا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔ مگر اس انداز میں بہت کرٹسی تھی۔ ساہیہ جانتی تھی مگر کچھ بولی نہیں۔ صرف مسکرا دی۔

”کیا ضرورت تھی یہ سہانے خواب دکھانے کی؟“ وہ اس کی طرف سے نظر ہٹا کر موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ جب وہ چونک پڑا۔

”کیا مطلب؟“

ساہیہ مسکرا دی۔

”مطلب یہ کہ ہنی مون کے پلان بنا کر خواب دکھانے کی کیا ضرورت تھی جب کہیں جانا ہی نہیں تھا تو؟“ وہ ماحول کے پُرسکون تاثر کو بدلنا چاہتی تھی تب ہی اپنی فطری خوش گفتاری سے بول رہی تھی۔

وہ مسکرا دیا۔

”وہ خواب بے کار نہیں ہیں ساہیہ! سب سچ ہیں اور سچ ہوں گے۔ ہم ہنی مون کے لئے جائیں گے۔ مگر ماہا کی شادی کے بعد۔“

”آئی نو —— یوں ہی مذاق کر رہی تھی۔ ماہا کی منگنی کی بات چلی؟“ اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ہنس دیا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

”اپنی اور میری بات کرو ساہیہ! یہاں وہاں کے قصے چھوڑ دو۔ فی الحال میں کچھ اور سننا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ ان لمحوں کی حقیقت کو سمجھو۔“ وہ جانے اسے کیا جتا گیا تھا۔ وہ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔

”کیا بات کروں اذہان؟“ مدھم کھوئے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی وہ اس کی طرف سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

اذہان نے ٹیبل پر گلدان میں لگی ایک سرخ گلاب کی ٹہنی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

”ساہیہ! اردگرد کے ماحول کو دیکھو۔ اس آرکسٹرا کی دھن کو سنو۔ کیا یہ رومانٹک سا ماحول اب بھی تمہیں کوئی اچھی سی بات کہنے پر نہیں اُکسا رہا؟“ اذہان نے اس کے ہونق چہرے کو دیکھتے ہوئے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے وہ سرخ گلاب لے لیا۔

”تھینکس۔ اذہان! مجھے تمہاری ایک بات بہت اچھی لگتی ہے۔ ہمیشہ۔ تم بہت انڈر اسٹینڈنگ ہو۔“ ساہیہ نے مدھم لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”اور تمہاری سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم بہت اچھی ہو ساہیہ!“ اذہان نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ”تم واقعی بہت اچھی ہو ساہیہ! تمہیں اپنی زندگی میں پا کر میں خوش ہوں۔ تم وہ لڑکی ہو جو میرے کچن میں ایک بہترین شیف ہوگی۔ میرے بچوں کے لئے ایک بہترین ماں ہوگی اور میرے لئے

ہترین وائف —— این آئی نیڈ دیٹ آل۔ مجھے اپنے کچن کے لئے ایک بہترین قسم کا شیف بھی ے۔ اپنے بچوں کے لئے ایک اچھی لک آفٹر کرنے والی ماں بھی اور ایک اچھی، بہت خیال کرنے والی سز بھی۔“ وہ مسکرایا۔ انداز میں کسی قدر شرارت تھی۔

ساہیہ بھی مسکرا دی۔

”اور تم میں یہ ساری خوبیاں ہیں ساہیہ!“

”بہت کنجوس ہو تم۔ اپنا اتنا خرچ بچا رہے ہو۔“ مصنوعی خفگی سے گھورا گیا۔ ”اور یہ شیف والی بات بھی سوچ کر تو نہیں کر رہے کہ میں اپنا ریسٹورنٹ ہینڈل کر رہی ہوں؟“

اذہان ہنس دیا تھا، پھر شانے اچکا دیئے تھے۔

”شاید۔ لیکن میں جانتا ہوں تم مجھے ایک مکمل گھر دو گی۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔ ساہیہ اسے ڈی سے دیکھ رہی تھی۔ مگر اندر کئی سوال مچل رہے تھے۔ کئی تمنائیں سر اٹھا رہی تھیں۔

”مگر میں تمہیں مکمل کرنا چاہتی ہوں اذہان!“ وہ بولنا چاہتی تھی مگر کچھ نہیں بول سکی تھی۔ اسے دیکھا اور ں مسکرا دی۔

❄ ❄ ❄

”کتنے چھپے رستم ہو تم —— چپ چاپ میدان مار لیا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔“ میرب نے سیف کا ن کھینچتے ہوئے کہا اور وہ مسکرا دیا۔

”کیا برا کیا؟ —— سوچا جب سب ٹھکانے لگ گئے ہیں، ہم بھی کوشش کر دیکھیں۔ ہاتھ پیر ہلائے، ت کی، کوشش کی۔ جذبوں میں کچھ صداقت تھی۔ خدا نے ہاتھ تھاما اور کامیاب کر دیا۔ اور کیا؟“ سیفی کا ایک انداز تھا۔ وہ ہنس دی۔

”کتنے بدتمیز قسم کے دوست ہو تم۔ کم از کم بتا تو دیتے۔“

”کیا بتا دیتا؟ —— میں سمجھا تھا، تم کچھ کوشش کرو گی۔ مگر تم نے تو بے مروتی کی حد کر دی۔ خود انے لگ گئیں تو سب پرانے دوست بھول بھال گئے اور میں ان پتوں پر تکیہ کیا کرتا؟ کرتا تو یقیناً ہارتا۔ میں نے خود کوشش کر لی۔“ وہ اس کے ایک مُکا رسید کرنے پر اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولا تھا۔ پھر ہنس تھا۔

”خوشی نہیں ہوئی تمہیں؟ —— اب ہم دونوں دوست خیر سے اپنے اپنے گھروں کے ہو جائیں گے۔“ ا کی اپنی ایک تک تھی۔ میرب بے اختیار ہنسی۔ تب ہی وہاں نانو آ گئیں۔

”کیا ہوا؟ —— کس بات پر خوش ہیں میرے بچے؟“

”نانو! میں اس نالائق کی خبر لے رہی تھی کہ اس نے مجھے بے خبر رکھا اور یہ الٹا مجھے لتاڑ رہا ہے۔“ رب نے اسے گھورا تو سیف مسکرا دیا۔

”لتاڑ کیا رہا ہوں، ٹھیک تو کہہ رہا ہوں۔ خیر سے اب ہم دونوں دوست اپنے اپنے گھروں کے ہو ئیں گے۔ دادی! آپ بتائیں، میں نے کچھ غلط کہا؟“ سیف نے مسکراتے ہوئے نانی کی طرف دیکھا۔

""نہیں۔ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا۔ میرے سارے بچے آہستہ آہستہ کر کے ماشاءاللہ اپنے اپنے گھروں کے ہو رہے ہیں۔ میرب بیٹا! تمہاری رخصتی کب ہو رہی ہے؟ ــــــ مظہر تو نہ ہمیں کچھ بتاتا ہے نہ کسی مشورے کے قابل سمجھتا ہے۔ جانے کب اس کی غلط فہمی دور ہو گی؟ ــــــ کب اس کا دل صاف ہو گا اور وہ ہم سے بدظن نہیں رہے گا؟""

میرب چلتی ہوئی نانی کے پاس آ بیٹھی۔ پھر بہت آہستگی سے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

""پتہ نہیں نانو! پاپا آپ سب کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ ماما کی موت کا کسی قدر ذمہ دار بڑے ماموں کو سمجھتے ہیں کیونکہ اس وقت گاڑی وہ ڈرائیو کر رہے تھے۔ مگر یہ حادثہ تو کسی سے بھی ہو سکتا تھا۔ پاپا یہ بات کیوں نہیں سمجھتے؟ اتنی چھوٹی سی تو بات ہے۔ نانو! مجھے جانے کیوں لگتا ہے کہ کوئی اور بات بھی ہے۔ پاپا کی سرد مہری اس سے قبل بھی رہی ہے۔ کیا میں غلط ہوں؟" اس نے سر اٹھا کر نانو کی طرف دیکھا تھا۔ فوری طور پر وہ کچھ نہیں بول پائیں۔ خاموشی سے میرب کو دیکھا تھا پھر اپنے ہاتھوں سے میرب کے بالوں کو سہلانے لگی تھیں۔

""پھر کبھی بتاؤں گی۔ خوشی کے لمحوں میں صرف خوشی کی بات ہونی چاہئے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنے دوست کی خوشیاں بانٹنے یہاں آئی ہو۔" نانو نے اسے بہلا دیا اور وہ مسکرا دی۔

""تم بتاؤ، تمہاری رخصتی کی بات چلی؟" نانو نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔ تب ہی سیف مسکراتا ہوا آگے آ گیا تھا۔

""اس کی رخصتی کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ موصوف توپ باز ہیں۔ ایف سکسٹین پر سوار ہو کر آئیں گے اور اسے اُڑا کر لے جائیں گے۔""

""چپ رہ۔ میں اپنی بچی سے پوچھ رہی ہوں۔""

""تو غلط پوچھ رہی ہیں نا۔ وہ بے چاری آپ کو کیا جواب دے گی؟ ٹھہری مشرقی لڑکی۔ سیدھی سادی بھولی بھالی مشرقی لڑکیاں کبھی اپنے منہ سے اپنی شادی کی بات کرتی ہیں؟" وہ بدستور شرارت سے مسکرار تھا۔ میرب نے اسے گھورا مگر وہ بنا پرواہ کئے ہنس دیا۔

""دادی! آپ کو کچھ پوچھنا ہو تو انتظار کریں۔ میرب پہلے مجھے بتائے گی پھر میں وہ جواب آپ تک منتقل کر دوں گا۔ ہوں تو میں بھی مشرقی لڑکا تب ہی تو میں بھی اپنی شادی کی بات خود نہیں کر رہا۔" سیف نے ثابت کر دیا تھا اس جیسا کوئی اور نہیں۔ میرب کے لبوں پر مسکراہٹ تو آئی ہی تھی۔ نانو بھی مسکرا دیں۔

""تُو چپ رہ سیفی!" دادی نے محبت سے گھر کا۔

""چپ کیا رہوں دادی؟ ــــــ مجھے پوچھنے تو دیں۔ ہاں، تو کب ہو رہی ہے تمہاری رخصتی میرو؟ او وہ تمہارے محترم توپ پر سوار ہو کر آئیں گے یا بی باون پر؟" اس کی آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی۔

""سیفی!" میرب نے گھورتے ہوئے کہا۔

""گھور کیا رہی ہو؟ ــــــ کیا ارادہ بدل لیا ہے؟ ــــــ شادی کا ارادہ نہیں ہے کیا؟""

""تم چپ نہیں ہو گے؟""

"اچھا ــــــ شرم آ رہی ہے۔ چلو، بعد میں پوچھ لوں گا۔ دادی! آپ ان سے بات چیت کریں۔ را کپڑے چینج کر کے آتا ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ تب ہی نانو نے اس کی طرف تھا۔

"باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے؟ ــــــ اتنے دنوں میں کیوں چکر لگایا؟ مظہر تجھے آنے سے منع کرتا ہے" نانو کو خدشہ ہوا تھا۔ میرب نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

"نہیں نانو! پاپا نے مجھے کبھی کچھ کرنے سے منع نہیں کیا۔ ان کی اگر کوئی مخالفت ہے تو صرف آپ تک محدود ہے۔ انہوں نے مجھے کسی کام سے کبھی نہیں روکا۔" میرب نے انہیں مطمئن کرنے کی غرض ہا تھا۔ پھر ان کی گود سے سر اٹھا کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"سب ٹھیک ہے نانو! ــــــ آپ فکر مت کیا کریں۔"

"سب ٹھیک نہیں لگ رہا مجھے ــــــ یہ جو بوڑھی آنکھیں ہیں نا، یہ دھندلا ضرور گئی ہیں مگر یہ اپنے کو اب بھی پہلے سے زیادہ بہتر انداز میں دیکھ پاتی ہے۔ تُو مجھے نہ بتا مگر میری نظریں اس گھڑی تجھے رہی ہیں اور جان رہی ہیں۔ میری بچی! تُو پریشان ہے نا؟ کوئی بات ہے جو تجھے ستا رہی ہے۔ کیا اپنی بھی نہیں بتائے گی؟" نانو نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر کچھ اتنے یقین سے کہا کہ وہ اپنی ساکت رہ گئی۔ چند لمحوں تک تو کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔ پھر سنبھلی تھی اور مسکرا دی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں نانو! بس ذرا........" کوئی بہانہ تلاشنا چاہا تھا۔ مگر اس سے قبل ہی نانو اس کی بات ٹے ہوئے گویا ہوئیں۔

"تجھے اگر نہیں بتانا تو نہ بتا۔ مگر مزید پریشان مت ہو۔ میرا ارادہ تیری پریشانی بڑھانے کا نہیں، کم نے کا ہے۔ میں تو بس یہی دعا کرتی ہوں کہ خدا تجھے خوش رکھے۔ تجھے آباد رکھے۔" نانو نے اسے دعا کر وہ جواباً کچھ نہیں بول پائی۔

"ایسے موقعوں پر لڑکیاں آمین کہتی ہیں۔ کیا یہ بات بھی مجھے ہی بتانا پڑے گی؟" نانو کے عقب سے ف کی آواز اُبھری تھی۔ وہ اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"میرے حصے کا آمین تم کہہ چکے ہو۔"

"سب ہی بچے باہر لان میں ہیں۔ تم بھی وہیں چلو۔ میں تمہاری بڑی ممانی سے کہہ کر کھانا لگواتی ں۔" نانو بول رہی تھیں۔

"نانو! کھانا پھر کبھی کھاؤں گی میں۔ اس وقت میں چلوں گی۔ اور سیفی! حشر کر دوں گی اب کے کوئی ھ سے چھپائی تو۔" مسکراتے ہوئے شانے پر گھونسا مارتے ہوئے دھمکی دی گئی۔

"میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔" سیفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مگر اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

"نہیں ــــــ میں چلی جاؤں گی۔ تم فی الحال آرام کرو۔ تھکے ہوئے ہو۔ خواب دیکھو، اچھے اچھے شکل کے۔" میرب کہہ کر باہر نکل آئی۔ باہر آ کر کیب گھر جانے کے لئے کروائی تھی۔ گاڑی راستوں پر

گامزن تھی جب اچانک ہی اس نے ڈرائیور کو گاڑی مخالف سمت موڑنے کو کہا۔ وہ خود نہیں سمجھ سکی اس ایسا کیوں کیا تھا۔

اپنے ایک پل کے فیصلے پر وہ خود حیران رہ گئی تھی۔

کیب جانے پہچانے راستوں پر چل نکلی تھی۔

وہ ساکت نظروں سے ان منظروں کو، راستوں کو دیکھتی جا رہی تھی۔

گاڑی اس کے اشارے پر رکی۔ وہ اتری، گیٹ کھلا تھا۔ مگر اُس کے قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔

کیا کہے گی؟

کیا جواز دے گی؟

وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

ایک لمحے میں دماغ ماؤف لگا۔

کوئی پوچھے گا تو وہ کیا کہے گی؟ وہ سمجھ پائی نہ جان پائی تھی۔ شاید اسی بات نے اس کے قدم لئے تھے۔ شاید اسے اس طرح یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔

اس نے ایک پل میں فیصلہ کیا اور الٹے قدموں واپس مڑی جب اچانک پیچھے آنے والی گاڑ بونٹ سے ٹکرا کر نیچے گر گئی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے دوسرے ہی پل گاڑی سے نکل کر اسے اٹھا لیا تھا۔ غالباً اپنے سا گھڑی اسے دیکھ کر وہ بھی کچھ حیران ضرور ہوا تھا۔

"تم یہاں؟"

نیچے گرنے کے باعث خراشیں اس قدر آ گئی تھیں کہ وہ درد سے کچھ بول ہی نہ سکی۔ ساری کلائیا گئی تھیں۔ سردار سبکتگین نے اس کے خون رستے بازوؤں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"چوٹ آ گئی تمہیں تو ــــــ چلو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔"

ایک نوازش ہوئی تھی۔ جانے کیونکر۔ مگر وہ سرنفی میں ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھٹنے میں شد محسوس ہوا تھا۔ سبکتگین نے اسے اپنے مضبوط بازو کا سہارا دیا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا۔

"لیکن تم یہاں آئی کیوں تھیں؟" وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ شخص اس سے جواز چاہ رہا تھا۔ لہجہ تھا اور سپاٹ بھی۔ میرب اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے ہار گئی۔

آنکھیں پانیوں سے لبالب پھر بھر گئی تھیں۔ احتمال تھا کہ چھلک جاتیں، وہ نگاہ پھیر گئی۔ چوٹ کچھ بھرم رکھ لیا تھا۔ وہ اگر اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ بھی رہا تھا تو یہی سمجھ رہا ہوگا یہ نمی اس اچانک لگنے چوٹ کے باعث ہے۔ مگر جواز ــــــ بروقت کوئی جواز دینا تو ضروری تھا۔

"میرا ــــــ میرا کچھ سامان یہاں رہ گیا تھا۔ کچھ ــــــ کچھ بکس اور ــــــ" سردار سبکتگین لغاری نے اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی سرد مہری سے چہرہ پھیرتے ہوئے واچ مین کو گیٹ بند کر

دیا تھا۔ پھر اسے سہارا دے کر اس کے منع کرنے کے باوجود گاڑی میں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ
لتے ہوئے گاڑی راستوں پر ڈال دی تھی۔

رب سیال بھیگی آنکھوں سے اسے چپ چاپ دیکھتی رہ گئی تھی۔

وئی جواز دے سکی، نہ کوئی وضاحت۔

یسی چپ سی لگی تھی لبوں پر۔

رخاموش تھا وہ شخص بھی۔

وقت کے ہاتھوں میں جیسے اس وقت، اس گھڑی سب کچھ تھا۔ جو چاہتا کہانی لکھ دیتا۔ عجب موجی سی گھڑیاں تھیں وہ۔ کچھ عجب اسم پھونکنے والی۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ اپنی اپنی جگہ چپ تھے۔ مگر شاید دونوں ہی اس کیفیت کے زیر اثر تھے، دونوں ہی نگاہ چرا رہے تھے۔ وقت سے آنکھیں پھیر رہے تھے۔

میرب نے دانستہ اس پر نگاہ کی تھی۔ اس شخص کو دیکھا تھا۔ دل چاہا تھا، کوئی بات ہو۔

دل میں کئی خواہشوں کا پہرہ تھا مگر وہ لمحے چپ چاپ گزر رہے تھے۔

بنا کوئی کہانی لکھے۔

”آپ نے خوامخواہ زحمت کی ـــــ میں ٹھیک تھی۔“ اس نے ٹریٹمنٹ کے بعد ہسپتال سے نکلتے، کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً اسے خاموشی سے ایک نگاہ دیکھا تھا۔ پھر گردن دوبارہ موڑ لی تھی، قدرے توقف سے بولا تھا۔

”ڈاکٹر نے دو ہفتے کے بیڈ ریسٹ کے لئے کہا ہے۔ ہلنے جلنے سے بالکل منع کیا ہے۔ کسی نئی مہم مت نکل جائیے گا۔“ انداز عجب ڈپٹنے والا تھا۔ میرب سیال کے لئے یہ نیا پن تھا۔ مگر اس وقت اس کچھ غنیمت لگا تھا۔

”ہاں، ماؤنٹ ایورسٹ تو مجھے ہی سر کرنا ہے نا۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ ”آپ بھی ماؤنٹ ایورسٹ سے کم تو نہیں۔“ آواز بہت کم تھی۔ وہ غصہ نکالنے کو منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں تک کچھ آواز پھر بھی جیسے پہنچ گئی تھی۔

”کچھ کہا آپ نے؟“ ایک نگاہ سرسری انداز میں اس پر ڈال کر دریافت کیا تھا۔

”نہیں۔“ میرب نے بڑے ہی لاتعلق انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ سردار سبکتگین لغاری نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک نگاہ بھرپور انداز میں اس پر ڈالی تھی۔

”کچھ کھانا ہے آپ کو؟“

میرب سیال اس سے قطع نظر ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے میوزک کلیکشن کو چیک کر رہی تھی، اچانک مہربانی نے کچھ چونکایا ضرور تھا مگر وہ زیادہ حیرت ظاہر کئے بغیر صرف ایک نظر اس شخص کو

ں متوجہ ہو گئی تھی۔

زک بھی اپنے جیسا رکھا ہوا ہے۔ کوئی ایک ڈھنگ کا نہیں۔“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ اس

دیکھے بغیر۔

ں نے پوچھا، کچھ کھانا ہے آپ کو؟“

یا تو اس نے صبح سے کچھ نہیں تھا۔ اس شخص کی مہربانی پر کچھ حیرت بھی تھی۔ درمیانی دیوار اتنی بڑی

ں کا جواب یقیناً نہیں ہی ہوتا۔ مگر جانے کیسے اس نے نگاہ اس شخص کی جانب کی تھی اور سر خود بخود

ں ہل گیا تھا۔ پھر نگاہ پھیر کر اس نے ساری توجہ اس میوزک سسٹم پر مرکوز کر دی تھی۔

شام وسحر یہاں وہاں
ڈھونڈا کئے تیرے نشاں

ے پیا!
ے بنا

جائے نہ

شام وسحر یہاں وہاں
ڈھونڈا کئے تیرے نشاں

ں کی آواز ماحول کی ترجمانی کرنے لگی تھی۔ میرب نے دوسرے ہی پل ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کر

ردار سبکتگین حیدر نے اس کے اس اقدام کو بہت سرسری انداز میں دیکھا تھا اور بنا کوئی ردِعمل ظاہر

ی ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی تھی اور اس کے اترنے کا منتظر ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

نے یوں تاثر دیا تھا جیسے وہ قطعاً نابلد ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

ازیں گی آپ؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے یاد دلایا تھا کہ یہاں گاڑی روکنے کا مقصد کیا

آپ نے ہی تو کہا تھا، ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کے لئے کہا ہے۔“ میرب نے ری مائنڈ کروایا تھا۔ وہ

ہ کر رہ گیا تھا۔

ھ سوچ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے شانے اچکائے تھے۔ میرب سیال نے سوالیہ نظروں سے

یکھا تھا۔ جواباً وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور گھوم کر اس کی طرف آیا۔ دروازہ کھولا اور میرب

ے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر جھک کر اسے بازوؤں میں لیا اور اٹھا کر چلتے ہوئے ریسٹورنٹ میں داخل

ا۔ ایسا کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کیسا لگا تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ اتنی ہلکی محسوس کر

ا کر اس کی آنکھیں خود بخود مِیچ گئی تھیں۔

دام اتنا اچانک تھا کہ وہ سنبھل تک نہ سکی۔

ی دوریوں کے بعد قربتیں، اتنی بڑھیں گی وہ سوچ تک نہیں سکتی تھی۔ اور وہ بھی اس پُرہجوم مقام پر۔

ں کی پناہوں میں خود کو پانا ایک دلفریب احساس تھا۔ دل ساتویں آسمان پر اُڑنے کو تھا۔ کتنا محفوظ

محسوس کر رہی تھی وہ خود کو۔ کتنا متغیر۔

اچانک اسے اپنا آپ بہت بلندیوں پر لگا تھا۔

اس کے کان سبکتگین حیدر لغاری کی دھڑکنوں کے کتنے قریب تھے۔ کاش وہ دل اس کے لئے سکتا۔ دھک، دھک کی اس آواز میں کوئی صدا اس کے نام کی بھی ہوتی۔

حسرتوں نے اپنے پاؤں ایک دم سمیٹے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نرم و نازک چیئر پر بٹھایا۔ اس کی پناہوں میں بدستور موجود میرب نے آنکھیں کھول دیں۔ کتنے لوگ دیکھ رہے اس نے آنکھیں ایک لمحے میں دوبارہ میچ لیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گردن میں اس کی ناز اب تک موجود تھی جیسے وہ اس کی پناہ سے نکلنا نہیں چاہتی ہو۔ اس خواب کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

’’مکمل کر دو ــــــ‘‘

اس کا جملہ اس کے اندر اُبھرا تھا اور بازگشت دور تک گئی تھی۔

’’مکمل کر دو ــــــ‘‘

اس کے لب بہت بے خودی میں، بہت آہستگی سے ہلے تھے۔ اسے احساس تک نہ ہوا تھا کرشمے کے ہونے کا اس لمحے یقین نہیں کر رہی تھی۔ اسے گمان بھی نہ تھا۔ نہ کوئی خوش فہمی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس سے یک دم دور ہو جانے پر اس نے آنکھیں کھول کر اُ دیکھا جیسے کسی خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز معمول پر تھا۔ جیسے کوئی وا ہو، کوئی انوکھی بات نہیں ہوئی ہو۔

اس ایک بات کی ہلچل سردار سبکتگین حیدر لغاری کی دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ تو کیا سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں تک نہ پہنچی تھی؟

اس کی دھڑکنوں کا ارتعاش ایک لمحے کو تھما۔

تو وہ آواز صرف اس کے اندر گھٹ کر رہ گئی تھی۔

وہ فسوں ساز لمحے گزر چکے تھے۔

جان کا افسوں تھم چکا تھا۔

وہ ایک لمحے کا طلسم جامد ہو چکا تھا۔

کیا ہوتا جو وہ آواز لبوں تک آ پاتی۔

اس کی سماعتوں تک جا پاتی۔

تو کیا پھر کوئی کرشمے ہو جاتے۔

وہ فسوں کچھ کام کر جاتا۔

وہ سوچنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی زیادہ سوچ نہیں پائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری سامنے پھیلائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ کچھ دریافت بھی کر رہا تھا۔ میرب نے کچھ بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خاموش ہو کر اس کا جائزہ لیا تھا۔ پھر د

دیا تھا۔ میرب اس کی سمت اپنی پوری جاں سے متوجہ تھی۔ دل جانے کیوں ٹھہر جانے کو تھا۔

سا ہو رہا تھا۔ ان لمحوں کو روک لینے کا خواہاں تھا۔

ایم سوری۔‘‘ سردار سبکتگین اچانک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چونکی۔ اچانک ایک

ں اندر اُبھری تھی۔

ہاٹ؟‘‘

ایکسیڈنٹ کے لئے۔ آپ کو یہ درد میری وجہ سے ملا۔ کوئی پوچھے گا تو آپ کیا کہیں گی؟‘‘ وہ

یا لہجہ کچھ اجنبی لگا تھا۔ میرب کو ایک لمحے میں سارے منظر انہی سرد خانوں میں سمٹے لپٹے نظر

صرف آپ کی ہی نہیں ہے۔‘‘ نگاہ اس پر سے ہٹا کر وہ آہستگی سے تسلیم کرتے ہوئے بولی تھی۔

ا بھی تھی۔‘‘ پتہ نہیں کس ضمن میں وہ بول رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر

ئے دیکھا تھا۔ مگر وہ نگاہ دوسرے ہی لمحے سرسری انداز میں تبدیل ہو چکی تھی۔

وں بعد کچھ لمحے ساتھ گزارنے کو ملے تھے۔

لمحے بھی بہت غنیمت لگے تھے۔ وہ ان لمحوں کے تاثر کو زائل کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بھرپور طور پر

چاہتی تھی۔ مگر دوسری طرف کی خاموشی کا وہ کیا کرتی۔

ہوا؟ــــ آپ کچھ کھا نہیں رہیں؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے

ی سبکتگین کی نگاہ اس کی بینڈج والی کلائی پر گئی تھی۔

۔‘‘ وہ انڈراسٹینڈ کرتے ہوئے اپنا چمچ اپنی پلیٹ میں رکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اس کا چمچ

کھلانے لگا۔

سیال حیرت بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ یہ لمحے کیا کر رہے تھے اس کے

۔ کیا اسم پھونک رہے تھے؟

انمد کر رہا تھا۔

خواہشوں نے اس کے گرد اپنے پَر پھیلائے تھے۔

حیرت کدے میں کھڑی تھی۔ وہ اس کے روبرو تھا، ساتھ تھا۔

رگی اس قدر دور دکھائی کیوں دے رہا تھا؟

ت سے پُر آنکھوں سے چپ چاپ اسے بھرپور توجہ سے کھانا کھلاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

* * *

الن جیا نہیں لاگے
ے مورے ساجنا
الن جیا نہیں لاگے
ے مورے پیارے ساجنا

رات اندھیری
گنوں میں تارے
کیسے آؤں پیا تورے دوارے
لاگے نہ موراجیا

میوزک گاڑی میں بج رہا تھا۔ وہ چپ تھا۔ مکمل چپ ساہیہ نے اسے صرف خاموشی سے دیکھا تھا
فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔

”کیا ہوا؟ ــــــ تم اس طرح چپ کیوں ہو؟“ اذہان نے اسے چپ دیکھ کر خود ہی دریافت کیا
مسکرادی۔

”میں چپ نہیں ہوں۔ تمہاری گاڑی میں سی ڈی پلیئر اتنا اچھا بج رہا تھا کہ میں تو کھو ہی گئی۔“
انداز انتہائی غیر سنجیدہ تھا۔ اذہان ایک ٹرانس میں ہونے کے باوجود مسکرادیا تھا۔ جس طرح اس نے
نام تک گنوادیا تھا، وہ اس لہجے کے طنز کو سمجھ سکتا تھا۔

”نہیں، رئیلی ساؤنڈ اچھا ہے۔ میں بھی اپنی گاڑی میں یہی میوزک سسٹم لگواؤں گی۔“

”ہا ــــــ ہا ــــــ ہا ــــــ اوکے، میں تمہاری مدد کروں گا۔ نو پرابلم، اینی ٹائم۔ مگر اس لیے
موڈ زیادہ اہم ہے۔“

”اوہ رئیلی؟ ــــــ آپ کو اس بات کا اندازہ ہے؟“ وہ اتنے پُرسکون انداز میں بات کرنے کی
تھی کہ وہ کسی قدر شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔

”آئی ایم سوری۔“ وہ اسی نرمی سے مسکرائی تھی۔

”تم جانتی ہو، ہم میں بہت سی باتیں ایسی ہیں ساہیہ! جو ہمیں ایک دوسرے سے کہنے کی ضرو
نہیں ہے۔“ وہ بولا تو ساہیہ مسکرادی تھی۔

”ضرورت ہوتی ہے اذہان! اور میں سوچتی ہوں ضرورت باقی رہنی چاہئے۔ اگر ان چھو
باتوں کی ضرورت باقی نہ رہی تو شاید ــــــ اینی ہاؤ، تمہیں میں نے اپنے نئے ریسٹورنٹ کے
دیکھنے کو کہا تھا۔“

”ہاں۔ تمہیں اگر دیر نہیں ہو رہی تو ہم میرب کی طرف ہو لیں؟ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ بات
غالباً کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔“

”وہاٹ؟ ــــــ کیسے؟ ــــــ اب ٹھیک ہے وہ؟“ ساہیہ کو تشویش ہوئی تھی۔

”ویل ــــــ آئی ہوپ۔ مگر زیادہ بڑا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔ بتا رہی تھی معمولی چوٹیں آئی ہی
لڑکی کی معمولی چوٹوں کو بھی جانتا ہوں میں۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے بالکل بھی کنسرن نہیں
اس کا سب سے بڑا پرابلم ہے۔“

وہ یوں بول رہا تھا، بنا اس کے احساسات کی پرواہ کئے۔ ساہیہ اسے سنتے ہوئے بہت ملا
مسکرادی تھی۔

ہت اچھی طرح سے جانتے ہو اسے؟“ پتہ نہیں سوال تھا یا حیرت کا بھرپور اظہار۔ وہ بنا توجہ دیئے
ور پر بولا تھا۔

جانوں گا کیسے نہیں۔ ہم ایک مدت تک ساتھ رہے ہیں اور........“ ایک دم ہی اسے اپنی بات کا
ہوا تو بات وہیں پر ادھوری چھوڑ دی تھی۔

اہیہ بنا اسے کسی بات کا احساس دلائے یا جتائے چہرہ پھیر گئی تھی۔

بھی کچھ نہیں بولا تھا۔

یہ کہاں جارہے ہیں ہم؟“ ساہیہ کی نگاہ راستوں پر پڑی تو بولی تھی۔ ”تم تو وہی گھر کی طرف آرہے
رب کی طرف نہیں جانا؟“

نہیں۔“ انداز پُرسکون تھا۔

کیوں؟“

بس نہیں ــــــ آج نہیں ــــــ میں پھر کسی وقت چلا جاؤں گا۔ تم بتاؤ، کہاں جانا ہے؟“ وہ اپنی
توجہ اس پر مرکوز کرتا ہوا بولا تھا۔

کہاں جانا ہے، کیا مطلب؟ ــــــ ہم میرب کی طرف جارہے ہیں۔ پلیز ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔ مجھے
ں سے ملنا ہے۔ اتنی ساری اچھی باتیں سنی ہیں میں نے اس اچھی سی لڑکی کی۔ اب میں بھی اس سے
وں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

شیور؟“ وہ جیسے اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جانے کیوں مسکرادی تھی۔

آف کورس۔ کیوں، تم مجھے اس سے ملوانا نہیں چاہتے؟“

تم جانتی ہو، ایسی بات نہیں ہے ساہیہ!“ وہ اپنے آپ کا مکمل دفاع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے
ا۔

ہاں ــــــ میں جانتی ہوں۔“

کیا جانتی ہو تم؟“ وہ چونکا تھا۔

تم مجھ سے محبت کرنے لگے ہو۔“ وہ محظوظ ہو کر مسکرائی تھی۔ اذہان ایک گہری سانس خارج کرتے
مسکرادیا تھا۔

ساہیہ! تم بھی نا۔“

تم بھی نا وہاٹ؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟“

یقیناً کرتا ہوں ــــــ میں ایک مشرقی قسم کا بندہ ہوں ساہیہ! اب تم سے محبت نہیں کروں گا تو اور
کروں گا۔“ وہ جس انداز سے بولا تھا اس پر وہ ہنس دی تھی۔

یعنی مجھ سے محبت کرنا اب تمہاری مجبوری ہے؟“

نہیں، خواہش۔“ وہ جواباً پُرسکون انداز میں مسکرایا تھا۔

”یہ خواہش حسرت ہی نہ بن جائے کہیں۔“ وہ بے تاثر لہجے میں کہتی ہوئی راستوں پر نگاہ ڈالتی ر تھی۔ پھر اس کی طرف دیکھا تھا

”اور یہ تم پھر میرب کی طرف نہیں چل رہے۔ اگر تم مجھے اس سے ملوانا نہیں چاہتے تو ٹھیک ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے کہ میں تمہیں اس سے ملوانا نہیں چاہتا۔“

”پھر کیا وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی؟“

”نہیں ـــــ ایسا بھی نہیں ہے۔“

”یوں بھی ہے۔ تم خود ضرور اس سے مل لینا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکا تھا مگر وہ کچھ کہے بغیر چہرہ پھیر گئی تھی۔

”تم مجھ پر شک کرنا چاہتی ہو؟“

”نہیں۔“

”پھر؟“

”محبت کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ اس کی تمام تر ٹینشن ایک پل میں رفع کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

”ساہیہ! تم ـــــ“ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

”اذہان! تم جتنے سیدھے نظر آتے ہو، ہو نہیں۔“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ آپ اچھا خاصا بے وقوف بنا سکتے ہیں۔“

”ریئلی؟“ وہ ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

”ہاں۔“ ساہیہ مسکراتے ہوئے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ اذہان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ ساہیہ نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

ساہیہ اس لمحے اس کی طرف نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی طرف سے رخ پھیرے پھیرے سر نفی میں تھا۔ اذہان کو زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

* * *

باہر بارش ہو رہی تھی۔

انابیہ ویران گھر میں تنہا کھڑی تھی۔ کھڑکی سے باہر کا منظر کچھ خاص اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اچھا ان دنوں کچھ بھی نہیں لگ رہا تھا۔

عمر کیسے کٹے گی ساری
جی نہیں لگ رہا محبت میں

اس نے سیل اٹھا کر یوں ہی اس کا نمبر ڈائریکٹری سے نکالا تھا۔ انگلی پش کے بٹن پر تھی۔ دل مگر اس نے ہاتھ کو کوئی حرکت دیئے بغیر ـــــ صرف اس نمبر کو بغور دیکھا تھا اور پھر اینڈ کا بٹن پڑ

لہ منقطع کر دیا تھا۔

ہ تنہا گھر میں ڈر نہیں رہی تھی مگر وہ اپنے اردگرد کسی کو چاہ ضرور رہی تھی۔

ل پتہ نہیں کیوں چاہ رہا تھا کہ اسے آس پاس ہونا چاہئے۔

کیسی خواہش تھی یہ؟

کیسی لگن تھی؟

ہ جان نہیں پائی تھی۔

ہ ہمیشہ اس سے دور جانے کے اقدامات کرتی رہی تھی۔ پھر اب یہ خواہش کیوں سر اُبھار رہی تھی۔ اس طرف سے دھیان ہٹا کر پھر سیل فون ہاتھ میں لیا اور اس کا نمبر اب کے ملا دیا۔

یک ـــــ دو ـــــ تین ـــــ

”ہیلو!“

نیسری بیل پر کال ریسیو ہو گئی تھی۔ اور عفنان علی خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں میں تھی۔ انابیہ رف فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

”ہیلو!“ عفنان اس کے چپ رہنے پر اُلجھن سے دوبارہ بولا تھا۔

”ہیلو ـــــ میں بات کر رہی ہوں۔“ انابیہ نے ہمت کر کے بمشکل کہا۔ وہ لحہ بھر کو چپ ہو گیا پھر یت سے بولا تھا۔

”ہاں، بولو۔“

”وہ........ میں........“ سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، کیا بولے۔

”ڈر لگ رہا ہے؟“ عفنان نے دریافت کیا تھا۔

”نہیں......وہ......“ انابیہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ ”وہ میں چاہ رہی تھی میں لامعہ کی طرف ہو آؤں۔“

”اس موسم میں؟“ عفنان کو حیرت ہوئی تھی۔

”ہاں ـــــ اکیلی گھر پر اور کیا کروں؟“

”کس کے ساتھ جائیں گی؟“

”پتہ نہیں۔“ بے خبری سی بے خبری تھی۔

”اگر جانا اتنا ضروری نہیں اور آپ میرا انتظار کر سکتی ہیں تو کر لیجئے۔ میں تھوڑی دیر میں کام ختم کر کے رہا ہوں۔“ کوئی بھی دوسری بات سنے بغیر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔ انابیہ ہاتھ میں سیل لئے کھڑی رہ گئی تھی۔

* * *

”کیسے چوٹ لگوائی یہ تم نے؟“ فارحہ کو پتہ چلا تو رہ نہیں سکیں۔ بہت عرصے بعد وہ اسی بہانے ہی اس گھر میں آئی تھیں۔ آخری بار وہ تب آئی تھیں جب ماما کی موت کا سانحہ گزرا تھا۔ میرب، فارحہ نے پر خوش تھی۔

''بس آنٹی! لگ گئی۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔ زیادہ بڑی چوٹ نہیں ہے۔ معمولی سی ہے۔ جلد ٹھیک ہوں جاؤں گی۔ اذہان نہیں آیا؟''

''ہاں ـــــ وہ کہہ رہا تھا آنے کو۔ مگر پھر شاید کوئی ضروری کام آن پڑا۔ آئے گا وہ۔ تمہاری سرا والوں کو پتہ چلا کہ کیا ہوا ہے؟''

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''اس ایکسیڈنٹ کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔'' فارحہ آنٹی نے اس کے حیران ہونے پر وضاحت د تھی۔

''اوہ ـــــ اچھا ـــــ'' میرب کو قدرے اطمینان ہوا تھا۔ ''شاید کسی نے بتا دیا ہو۔'' اس نے سرسر انداز میں بات سمیٹی تھی۔

''کیا مطلب؟ ـــــ تم نے انہیں نہیں بتایا؟''

''نہیں۔ مگر زوباریہ نے شاید بتا دیا ہو۔'' اس نے چائے کی ٹرالی لئے اندر آتی زوباریہ کو مسکرا ہوئے دیکھا۔

''کیا ـــــ؟'' زوباریہ نے دریافت کیا۔

''فارحہ آنٹی پوچھ رہی ہیں، آپ نے لغاری کے گھر والوں کو اس ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا نہیں؟''

''ہاں، بات ہوئی تھی میری لغاری کی مائی سے۔ بتا دیا تھا میں نے انہیں۔ آپ کیسی ہیں؟ ـــــ میرب کی آنٹی ہیں آپ، پھر بھی اتنا کم آتی ہیں۔'' زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اپنائیت کا بھرپور احسا دیا تھا۔

''بس، وقت ہی نہیں ملتا۔'' فارحہ نرمی سے مسکرا دیں۔

''اپنوں سے ملنے کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''ہاں ـــــ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' فارحہ نے مکمل اتفاق کیا۔

''اب آتے رہنے کی کوشش کرتی رہوں گی۔ مظہر بھائی کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔'' زوباریہ نے جواب دیا اور چائے کا کپ انہیں تھما دیا۔

''کافی عرصہ گزر گیا ان کو دیکھے، ان سے ملے۔ میرب کی رخصتی کب کرا رہے ہیں آپ؟'' فارحہ۔ دریافت کیا تھا۔

''بس دیکھیں ـــــ مظہر کیا کرتے ہیں۔ اس کی سسرال نے تو جلدی مچائی ہوئی ہے۔''

''ہاں، اتنی پیاری بہو کون نہیں چاہے گا۔'' فارحہ نے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

''آپ نے بھی تو بیٹے کی منگنی کی ہے نا۔'' زوباریہ نے دریافت کیا تھا۔

میرب کو اس وقت وہ ذکر کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ دھیان اس طرف سے زیادہ اس طرف تھا۔ کل۔ بعد اس کا کوئی پیام نہیں آیا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہی ہو تم؟ ـــــ کوئی پریشانی ہے؟'' زوباریہ کے جانے کے بعد فارحہ اں سے دریافت کیا تو میرب نے سر انکار میں ہلا دیا۔

''نہیں ـــــ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔''

''شیور؟'' فارحہ نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

میرب نے نگاہ پھیرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''تم اس شادی سے خوش ہو نا؟'' فارحہ کو جانے کیوں تشویش ہوئی تھی۔

''جی آنٹی! ـــــ سب ٹھیک ہے۔''

''سب ٹھیک ہے تو پھر تم خوش دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟''

''میں خوش ہوں۔'' وہ ایک لمحے میں جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں، یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟''

''وہ بس اچانک ـــــ نانو کے گھر سے واپسی پر۔'' وہ کوئی واضح جواب نہیں دے سکی تھی۔ ''ماہا کی ی کی بات کہاں تک پہنچی؟'' میرب نے بات بدل دی تھی۔

''ہاں، بس چل رہی ہے۔ دعا کرو سب اچھا اچھا ہو جائے۔ بچوں کی خوشیوں کی فکر ان سے زیادہ اہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں ہم کچھ سمجھتے نہیں۔ انہیں یہ نہیں خبر ہم ان کے دل کی جان رہے ہوتے ہیں۔'' ہ نے پتہ نہیں کیا جتانا چاہا تھا۔ وہ بس پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

''آنٹی! مجھے امید ہے سب اچھا ہو جائے گا۔ ماہا کی شادی دھوم دھام سے ہو گی۔''

''ہاں ـــــ خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ تمہاری بھی اتنی ہی دھوم دھام سے ہو۔ ہم والدین اپنے بچوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''ہم بھی۔''

''یہ مظہر بھائی کب تک آتے ہیں؟ ـــــ سوچا آج آئی ہوں تو ان سے بھی ملتی چلوں۔''

''پتہ نہیں ـــــ شاید دیر لگے۔ آپ آتی جاتی رہئے گا نا اب۔ آپ کا ناتا مجھ سے جڑا ہوا ہے نا۔ یا کا ختم ہو گیا؟'' میرب بولی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھ میں لیا۔ پھر پیشانی پر پیار تے ہوئے بولیں۔

''یہ رشتہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو اس رشتے کے اور بھی گہرا ہونے کا خواب دیکھا تھا مگر...... ما خوش ہوں اور اپنی پیاری سی بیٹی کے خوش رہنے کی دعا کرتی ہوں۔ خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔'' ہ آنٹی کی دعاؤں کو جانے قبول ہونا تھا یا کہ نہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ بس وہ اتنا جانتی تھی کہ اس وقت ا کے اندر ایک اضطرابیت کے سوا کچھ نہ تھا۔

❄❄❄

''آپ تیار نہیں ہوئیں؟'' وہ سیڑھیوں پر بیٹھی تھی جب وہ چلتا ہوا اس کے پاس آن بیٹھا تھا۔ انابیہ اں کی طرف دیکھا تھا۔

''میں نے سوچا آپ آجائیں تو ——''

''آپ کو لگا، نہیں آؤں گا میں؟'' عفنان نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا جیسے وہ اس سے ہر طرح کی توقع رکھتا تھا۔

''نہیں —— ایسی کوئی بات نہیں تھی۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مدھم لہجے میں بولی۔

''تو پھر؟'' عفنان علی خان نے استفسار کیا۔

''دل نہیں چاہ رہا۔'' بہت کمزور سی وضاحت آئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' عفنان چونکا۔

''مطلب یہ کہ اب موڈ نہیں۔'' اس نے ایک نگاہ اسے دیکھ کر کہا۔ عفنان علی خان کو کچھ حیرت اب بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بس خاموشی سے اسے دیکھا۔

''پھر ——؟'' قدرے توقف سے وضاحت طلب کی گئی۔

''مطلب؟'' انابیہ سمجھی نہیں تھی۔

''پھر کیا کرنا ہے؟''

''پتہ نہیں۔''

''کہیں جانا ہے؟''

''پتہ نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں۔''

''بات کا پتہ ہے آپ کو؟''

''نہیں۔''

''تو پھر پتہ کیجئے۔''

''رائٹ۔''

''آپ بہت........''

''کیا؟''

''کچھ نہیں۔'' عفنان نے مزید کچھ بولنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا تھا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے وہ بولی۔

''گاڑی کی چابی مل سکتی ہے مجھے؟''

وہ چونکا تھا۔

''کس لئے؟''

''کیا میں اپنی مرضی سے کہیں جا بھی نہیں سکتی؟''

''موسم دیکھ رہی ہیں آپ؟ —— اس موسم میں اکیلی کہاں جائیں گی؟''

ہیں بھی۔'' وہ سر جھکا کر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

لیا کہا آپ نے؟'' عفنان نے وضاحت چاہی تھی۔

ھٹن ہوتی ہے مجھے۔ گھٹن ہو رہی ہے۔ دم گھٹ رہا ہے میرا اندر، آپ کے اس قید خانے میں۔ یواروں کو دیکھتے دیکھتے تھک چکی ہوں میں۔'' انابیہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ عفنان نے کچھ دیر موشی سے دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا اور لے کر چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھنے

پُراطمینان دکھائی دے رہا تھا۔

بیہ اُس کے اقدام پر حیران تھی لیکن فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

کہاں جانا ہے؟'' عفنان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے پوچھا مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

نان علی خان نے ایک لمحے کو انتظار کیا پھر بنا کچھ مزید دریافت کئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

آپ مجھے نہیں بتائیں گی تو میں بھی یوں ہی چپ چاپ گاڑی چلاتا رہوں گا۔''

کیوں کریں گے آپ ایسا؟ —— اتنا فالتو وقت ہے آپ کے پاس؟'' انابیہ نے جیسے جل کر ن کیا تھا۔

فنان نے کچھ کہے بغیر صرف ایک نگاہ خاموشی سے اس پر ڈالی۔

ہمیشہ وہ مت سوچا کریں جو آپ کے دماغ میں آتا ہے۔ کبھی وہ بھی سوچ لیا کریں جو آپ سوچنا چاہتی ہیں۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر بھرپور انداز میں شکوہ کیا گیا تھا۔

ہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ کیسا شکوہ تھا؟ —— کیسا طنز تھا؟

لیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا؟

'آپ کو لگتا ہے کہ غلطیاں صرف ایک ہی فرد کر سکتا ہے؟'' اس نے کسی قدر جل کر پوچھا۔ وہ جانے اطمینان سے منہ پھیر کر مسکرا دیا۔

'اب آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ پر الزام لگا رہا ہوں۔'' اس نے اپنے طور پر نتیجہ اخذ کیا۔

'نہیں —— میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔''

'تو پھر آپ نے کیا کہا؟''

''آپ لڑنے کے موڈ میں ہیں؟'' وہ اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

'صرف میں؟'' الٹا وہ پوچھنے لگی تھی۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے، میں بھی؟''

''آپ کا نہیں لانے کا موڈ تھا تو سیدھے سے منع کر دیتے —— اس طرح سب کرنے کی کیا ت تھی؟'' وہ جل کر بولی۔ بڑے دنوں بعد درمیان کی خاموشی ٹوٹی تھی۔ جھگڑ رہی تھی مگر وہ اس سے و کر رہی تھی۔ جھگڑے کا یہ انداز خالصتاً گھریلو تھا۔ رشتے کی پہچان لمحے میں ہو رہی تھی۔

''اگر میرا موڈ نہیں ہوتا تو میں آپ کو کبھی نہیں لاتا۔''

’’مجھے ساتھ لا کر مجھ پر احسان کیا کیا؟‘‘

’’اب آپ بیویوں کی طرح لڑیں گی؟‘‘ وہ بولا تو وہ ایک لمحے میں چپ ہو گئی۔ نظریں صرف اس شخص کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔ ایک لمحے میں پتہ چلا تھا ان کے درمیان رشتہ کیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے کیا لگتے تھے۔ اس رشتے میں کتنا کچھ سہا جا سکتا ہے۔

وہ جانے کیوں چپ ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ گاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی۔ عفنان علی خان نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر معمول کے انداز میں دریافت کیا تھا۔

’’آپ نے سوچ لیا ہمیں کہاں جانا ہے؟‘‘

’’نہیں ـــــ مجھے نہیں پتہ۔‘‘ وہ چہرہ پھیر کر بارش کو دیکھنے لگی تھی۔

’’سی ویو ـــــ؟‘‘ اس کے چہرے کو تکتے ہوئے دریافت کیا گیا۔

’’پتہ نہیں۔‘‘ وہ لاتعلق ہو گئی تھی۔

عفنان نے گاڑی سمندر کے کنارے روک دی تھی۔ وہ پہلی فرصت میں دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ عفنان نے چپ چاپ اس اقدام کو دیکھا پھر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ اس سے بے خبر چلتی ہوئی لہروں کے پاس جا رکی تھی۔ پھر اچانک سر اٹھا کر آسمان کی طرف تکتی ہوئی ان بارش کی بوندوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ دور گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے چپ چاپ کھڑا اسے تکتا رہا۔

ایک عالم اپنی جگہ ٹھہر گیا۔

دونوں بارش میں بھیگ رہے تھے۔ وہ سوچ نہیں پایا تھا، اسے کیا سوچنا چاہئے۔ وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

جو لمحے اس کی گرفت میں تھے وہ صرف ان کو دیکھ رہا تھا، ان کو سوچ رہا تھا۔

ایک لمحے میں کئی خواہشوں نے اسے تھاما تھا۔

کئی خواب اس کے اندر جاگے تھے۔ وہ اس ہاتھ کو تھامے اور چلتا ہوا دور تک نکل جائے یا پھر اس بھیگے آنچل کا ایک کونا چپکے سے چھو لے اور اسے خبر تک نہ ہو۔

وہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔

مگر اچانک جانے کیا ہوا کہ قدم اٹھے اور وہ چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا۔ وہ چونک کر یکدم مڑی اور اس کے ساتھ آن ٹکرائی۔ فاصلے صدیوں کے تھے اور لمحوں میں سمٹ گئے۔ محبت کی گرفت میں جیسے سارا زمانہ آ گیا ہو۔

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عفنان نے جانے کیوں بہت آہستگی سے اس کے گرد اپنا مضبوط بازو پھیلا دیا تھا۔ نگاہوں میں ایک تپش تھی۔ انابیہ اس اتفاق پر کچھ حیران تھی۔ یہ بے وقت کا ’’کرم‘‘ کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ نوازش کچھ پلے نہیں پڑی تھی۔ مگر ایک پل میں اس کے اندر سب زیر و زبر ہوا تھا۔ ایک لمحے میں سارے وجود میں ایک قیامت سی مچی تھی۔ ساری جان جیسے مٹھی میں آ گئی تھی۔

یں یہ کیا ہوا؟ ـــــ وہ جان نہیں پائی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں کچھ تھا۔

کو اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہوا۔

ان نے اسی توجہ سے اسے دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر سے بارش کی ان ٹھہری وں کو چنا تھا۔ تب ہی انابیہ نے چہرہ پھیر لیا۔

ایک پل میں ایک طلسم سے جاگے تھے۔

ان علی خان نے ایک لمحے میں اس کے گرد سے اپنا حصار ختم کیا تھا اور اسے جیسے ہر تاثر سے آزاد ا۔

ور ہی تھی اور پھر دوسرے ہی پل رخ پھیر کر سمندر کی وسعتوں کو دیکھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان ے نگاہ اس منظر سے پھیر گیا۔

❄❄❄

ائک بیٹھے بٹھائے کیا کر لیا؟‘‘ فون کے اس طرف اذہان حسن بخاری نے ڈپٹتے ہوئے دریافت سکرا کر رہ گئی۔

مت کی چوٹ کو کوئی روک نہیں پاتا۔ مگر پریشانی کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ چوٹ کچھ اتنی بڑی نہیں ولی سا ایکسیڈنٹ تھا۔ تم سب کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہو؟‘‘ میرب نے دھیمے سے مسکراتے ریافت کیا۔ ’’جو اہم ہوتے ہیں ان کے لئے پریشان ہونا پڑتا ہے۔ جو اہم ہو اس کی فکر بھی رہتی ذہان جتا رہا تھا۔ وہ بہت پھیکے سے انداز سے مسکرائی۔

ئی؟‘‘ آنکھوں میں ایک چہرہ آ کر ٹھہر گیا۔

ں۔‘‘ اذہان نے باور کرایا۔ ’’ایسا ہوتا ہے ـــــ اگر محبت درمیان ہو تو۔‘‘

اید۔‘‘ وہ بے یقین سی دکھائی دی تھی۔ اس کا بات کرنے کا اپنا دائرہ تھا اور اذہان کا اپنا زاویہ۔

نی اپنی سمتوں میں کھڑے اپنے اپنے دائروں میں قید تھے۔

اید نہیں، یقیناً ـــــ رشتہ کوئی بھی ہو اگر محبت ہے تو وہ اہم ہے۔‘‘

و سکتا ہے۔‘‘ میرب کا لہجہ اب بھی یقین سے کچھ خالی تھا۔

کیا ہوا؟‘‘ اذہان نے اس طرف اس کی آواز کے موسموں کو جانچا تھا۔

ں ـــــ کچھ نہیں۔‘‘ میرب نے سر انکار میں یوں ہلایا جیسے اس گھڑی وہ اس کے سامنے بیٹھا

یرب! تمہارے لہجے میں ایک تبدیلی آئی ہے۔ تم جیسی لڑکی کو اتنا بے یقین دیکھ کر مجھے حیرت ہو ‘‘

س بات کی حیرت؟‘‘ وہ بہت کھلے انداز میں مسکرائی تھی۔ ’’وقت کے ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے یں اس بات پر تو حیرت نہیں ہوتی ـــــ پھر میرے بدلنے پر کیوں؟‘‘ وہ بہت پھیکے انداز میں گی۔

’’نہیں ــــــ میں حیران نہیں ہو رہا۔ صرف یہ چاہتا ہوں تم اپنا خیال کرو۔‘‘

’’تم بھی اذہان! ــــــ تم ٹھیک ہو؟‘‘

’’ہاں ــــــ‘‘

’’کیا ہوا؟ ــــــ کچھ تھکے لگ رہے ہو؟‘‘

’’ہاں ــــــ کچھ مصروف تھا۔‘‘

’’کچھ وقت خود کو بھی دیا کرو اذہان!‘‘

’’ہاں۔‘‘ وہ مسکرا دیا تھا۔

’’ایسے کیوں مسکرا رہے ہو؟ ــــــ آئی ایم سیریس۔‘‘

’’ہاں، جانتا ہوں۔ آئی ول ڈو۔‘‘

’’ساحیہ ٹھیک ہے؟‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’تم آئے نہیں؟‘‘

’’ہاں، آؤں گا۔ مجھے آنا تھا۔ مگر بزی اتنا تھا کہ......‘‘

’’اب تمہارے پاس میرے لئے بھی وقت نہیں رہا؟‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔ وہ مسکرا

’’ایسی بات نہیں ہے ــــــ میں آؤں گا۔ اور......‘‘ وہ بول رہا تھا اور ملازمہ دروازہ کھول کر داخل ہوئی تھی۔

’’بی بی جی! گین صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔‘‘

’’اچھا۔‘‘ ملازمہ کو جواب دے کر اس نے فوراً اذہان کو دوبارہ مخاطب کیا تھا۔ ’’اذہان! میں کچھ د تمہیں کال کروں گی۔ ٹیک کیئر۔ تھینکس فار کالنگ۔‘‘ سلسلہ منقطع کیا تھا۔ دل جانے کیوں بہت سے دھڑکنے لگا تھا۔

شاید یہی وہ ایک پیغام تھا جسے سننے کو اس کے کان منتظر تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اندر داخل میرب دیکھنے کی خواہش کے باوجود اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔

’’کیسی ہیں آپ؟‘‘

نہ ہاتھ میں کوئی بکے، نہ لبوں پر کوئی دھیمی سی اپنائیت بھری مسکراہٹ۔

میرب نے سر اٹھا کر دیکھا تو کچھ دل بجھ سا گیا۔

’’ٹھیک ہوں۔‘‘ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ ’’آپ بیٹھئے نا۔‘‘

سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے نہ چاہتے ہوئے مجبوراً بیٹھ گیا۔

’’اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟‘‘ سردار سبکتگین پوچھ رہا تھا۔

’’ٹھیک ہوں۔‘‘

’’زخموں میں کوئی درد وغیرہ تو نہیں؟‘‘

زخموں کی بات کر رہا تھا وہ؟ ــــــ زخم تو کئی تھے۔ وہ کن زخموں کا مداوا کرنے آیا تھا؟

ــــــ ٹھیک ہوں۔ درد ہے۔ مگر زخموں میں درد تو ہوتا ہی ہے۔‘‘ وہ کہنے سے باز نہیں رہ سکی

ز میں ایک شکوہ سا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پرواہ تھی؟

وہ چارہ گر بن کر آیا تھا؟

زیادہ درد ہے تو آئی کین کال ٹو ڈاکٹر۔ اگر وہ کہیں تو ہاسپٹلائز کروا دیتے ہیں۔‘‘ وہ بنا سمجھے، غور

رہی کہہ رہا تھا۔

ــــــ کیسا تھا یہ چارہ گر ــــــ کیسا تھا بے خبر؟

ی نگاہ صرف بیرونی زخموں پر تھی جو صرف اس نے بیرونی طور پر دیئے تھے۔

ں ــــــ ٹھیک ہوں میں۔ اس کی ضرورت نہیں۔‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سیل فون اٹھایا

ں نے منع کر دیا۔

ٹ۔‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے کہنے پر موبائل دوبارہ رکھ دیا تھا۔ جیسے وہ بہت

سند ہو۔

روا اب؟‘‘

ٹ مچ ــــــ آپ ٹھیک ہیں؟‘‘

ں ــــــ کل جرمنی جا رہا ہوں ایک ہفتے کے لئے۔ پھر نیویارک، پھر پیرس، اس سے اگلے آٹھ

، لئے کینیڈا۔‘‘

تاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

ی پوچھ رہی تھیں ــــــ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس لئے وہ آ نہیں سکیں۔‘‘

یا ہوا انہیں؟‘‘

کچھ زیادہ نہیں ــــــ کچھ بی پی ہائی تھا۔‘‘

ہ ــــــ میری طرف سے انہیں پوچھ لیجئے گا۔‘‘

ائٹ ــــــ سب ٹھیک ہے نا؟‘‘ وہ غالباً مروتاً پوچھ رہا تھا۔

ں۔‘‘ (سب کچھ ٹھیک نہیں بھی ہو تو کیا؟) میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

یک ہے ــــــ چلتا ہوں میں۔ کچھ چاہتے ہو تو......‘‘ وہ کوئی نوازش کرنے کے موڈ میں تھا کیا؟

نکس۔‘‘ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

دکے ــــــ چلتا ہوں۔‘‘ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

لیا گڈ بائے بھی نہیں کہیں گے؟‘‘ وہ مڑا تو وہ بولی تھی۔ کہنا تو نہیں چاہا تھا مگر زبان سے لفظ پھسل

دار سبکتگین حیدر لغاری مڑا۔ اسے دیکھا۔ نگاہ بھرپور تھی۔ شاید کوئی خاص تاثر بھی رکھتی تھی۔ میرب

خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ٹیک کیئر ـــــ سی آ ـــــ" کہنے کے ساتھ ہی وہ مڑا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور ایک خوا
جیسے وقت کی مٹھی سے آزاد ہو گیا ہو۔

کیا تھی ملاقات ـــــ
لمحوں پر محیط ـــــ
دو چار رسمی جملوں سے بھری۔

اندر کی بے چینی کچھ بڑھ گئی تھی۔ سکون تو پہلے بھی نہیں تھا۔ اب تو اور بھی رخصت ہو گیا تھا۔

* * *

"یہ کیا بات ہوئی؟ ـــــ تم نے اس سے کچھ نہیں کہا؟" گی ژیا نگ نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیوں؟ ـــــ کیا کہنا تھا مجھے اسے؟ ـــــ گی! تم بہت بے وقوف لڑکی نہیں؟"

"نہیں ـــــ میں بے وقوف نہیں ہوں گین! میں زندگی کو سنجیدگی سے لینے کی عادی ہوں۔"

"زندگی کو سنجیدہ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ زندگی کو بندے کو سنجیدہ لینا ضروری ہے۔" سردار سبکتگین حید
لغاری نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! زندگی کی فلاسفی کو سمجھنے سے کہیں بہتر زندگی کو سمجھنا ہے۔ اس زندگی کو سمجھ
کی کوشش کرو۔ جو تمہارے سامنے ہے۔" گی ژیا نگ نے اسے سمجھانا چاہا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم یہ بات مجھے سمجھا رہی ہو؟ ـــــ میرا تجربہ تم سے بہت زیادہ ہے۔ میں نے زندگی کو اس
بھی قریب سے دیکھا ہے۔ سو میری کیلکولیشن کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔"

"گین! اتنا قطعی ہونے کی کوشش مت کرو۔ ضروری نہیں کہ زندگی تمہارا فرض کیا ہوا مفروضہ ہی ہو
زندگی کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ وہ جو تم نے نہ فرض کی ہو نہ ہی کیلکولیٹ۔" گی نے اپنی دانست میں بڑ
بات کہی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"گی! زندگی کی سمجھ اب تمہیں آنے لگی ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ شاباش! اچھی بات ہے۔ ا
سمجھنے کی کوشش کرتی رہو۔ ایک دن تم بھی میری طرح اچھا کیلکولیٹ کرنے لگو گی۔" گی کو اس سے ای
جواب کی توقع قطعاً نہیں تھی۔ اسی لئے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا مگر وہ ہنس دیا۔ گی کے لئے یہ نیا تھا
وہ بہت کم ہنستا تھا۔ عموماً اس کا مسکرانا ہی ایک "گڈ سائن" ہوتا تھا۔ لیکن اب اگر وہ ہنس رہا تھا تو یقیناً کو
بات تھی۔

شاید وہ خود کو دھوکا دے رہا تھا یا پھر بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ اپ سیٹ تھا اور اپنے اس تا
سے باہر آنا چاہتا تھا اور اسی لئے یہ کھوکھلے قہقہے اسے اپنا بہترین سہارا محسوس ہو رہے تھے۔

"گین! محبت ایسے نہیں اچھی۔" گی نے اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "بالکل بھی نہیں اچ
گین! ـــــ ٹرسٹ می۔ محبت ایسے نہیں ہوتی۔ اسے راہ دو گین! یہ تمہارے اندر اپنی جگہ خود بخود بنا
گی۔" گی ژیا نگ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

وئی عملی تجربہ یا فرض کی ہوئی بات نہیں ہے۔ یہ کوئی کیلکولیشن بھی نہیں ہے گین! محبت یہ سب
تم اسے سمجھ نہیں پا رہے ہو۔ سود اور خسارے کی بات مت کرو۔ مت کیلکولیٹ کرو۔ یہ جمع
ت نہیں ہے۔ یہ فرض کرنے والی بات بھی نہیں ہے۔ اسے دل کے حوالے کرو۔ دل کو اپنے
نے کی عادت ڈالو گین!"

یں نے کیا کہا ہے یار؟ یہ اتنا دھواں دھار قسم کا لیکچر کس لئے دیا؟ تمہیں خبر ہے کہ اتنے
شیڈول میں تمہارے لئے وقت نہیں نکال پاؤں گا۔ سو تم ساری باتیں آج ہی کر لینا چاہتی
ت ہنسی میں اُڑا دینا چاہ رہا تھا۔ گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

رہی ہو مجھے کوئی بہت بڑی قسم کا، خطرناک سا کوئی غم لاحق ہے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آئی
لو۔ میں اس پیار و محبت میں بالکل بھی نہیں ہوں۔ نیور ـــــ آئی نیور بین اِن لو۔ ان سب
بھٹوں میں وہ پڑتے ہیں جنہیں کوئی اور کام نہیں ہوتا۔ اور میرے لئے دنیا میں اور بھی کئی کام
یں نہ مجنوں بن سکتا ہوں نہ کچھ اور۔ میں جذباتی عمر کے کسی لمحے میں نہیں ہوں۔ میں جس عمر
میں دل سے نہیں صرف عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں سب کچھ صرف زندگی کی ضرورت
جس شے کی ضرورت پڑے وہ لے لینا چاہئے۔" گین نے کہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

ی جب مجھے خود کو جھٹلانا ہوتا ہے تو میں بہت زیادہ بول لیتی ہوں گین! مگر اس سے مجھے کچھ
ملتی۔" وہ ایک لمحے میں اسے جھٹلا گئی تھی۔

گین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

یہ تمہاری زندگی ہے۔ تمہاری اپنی زندگی۔ اسے اوروں کی طرح دور سے بے خبری دیکھ کر مت
ارے معاملات ہیں۔ ان میں انٹرسٹ لو۔" وہ ناصحانہ انداز میں بولی تھی۔

بن حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

نتا ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے گی! یہ معاملات مجھ سے چھپے ہوئے قطعاً
کر مت کرو۔ سب جلد ـــــ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹرسٹ می۔"

ا تم میرب کو بتانے جا رہے ہو کہ تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو؟" وہ اسے طیش دلاتی ہوئی
ہنس دیا تھا۔

بالکل پاگل ہو۔"

ـــــ محبت کرنے سے کوئی پاگل ہو جاتا ہے؟"

میں رہتی ہو تم؟ ـــــ بالکل اپنے جیسی فضول سی دنیا بنا رکھی ہے تم نے یہ۔ جو تم سوچتا
ف وہ سوچتی ہو۔"

بے وقوفی تو نہیں ہے۔" گی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اسے جھٹلانا چاہا تھا۔
رتا ہوا بولا۔

بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اپنے دماغ کو اس ٹین ایج سے نکالو۔ تم اب بچی نہیں رہی

ہو۔“ وہ بات ختم کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
گی کو ایک لمحے میں سب محنت بے کار جاتی نظر آئی تھی۔

❄ ❄ ❄

انابیہ رہ نہیں سکی تھی۔
لامعہ کو اس سے کتنے بھی گلے سہی۔
وہ اس کے سامنے آئے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔
اس لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جبھی وہ بولی۔
“شاید تم مجھ سے بہت زیادہ نفرت کرتی ہو ـــــ شاید تم میری صورت دیکھنا بھی نہ چاہو مگر
انابیہ نے آہستگی سے چلتے ہوئے قدم اس کی طرف بڑھائے تھے اور اس کے مقابل جا کر رک
لامعہ جس خاموشی سے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر کوئی تاثر واضح نہ تھا۔
“لامعہ! میں بہت دنوں سے تم سے ملنا چاہ رہی تھی۔ مگر اپنے اندر ہمت نہیں پا رہی تھی۔ اس
کہ میں نے کوئی غلطی ایسی کی ہے جس پر میں شرمندہ ہوں۔ صرف اس لئے کہ ـــــ میں تمہاری
سامنا نہیں کرسکتی۔ میرے لئے یہ مشکل تھا۔ شاید میں نے واقعی غلطی کی ہے۔ کہیں نہ کہیں، کوئی نہ
ہوئی ہے۔“ وہ سارا الزام اپنے سر لے رہی تھی۔
مگر لامعہ بنا کچھ بولے چپ چاپ کھڑی تھی۔
انابیہ نے ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
“آئی ایم سوری لامعہ! اگر تمہارا دل میری وجہ سے دکھا ہو تو......“
“تم پھر ـــــ انابیہ! کس قسم کی لڑکی ہو تم؟ تم پھر یہاں آگئی ہو، مجھے اس بات کا احساس دلا
میں نے تمہارے ساتھ کتنا غلط کیا ہے۔“ اس کا لہجہ زہرخند تھا۔
مگر انابیہ کو کچھ حیرت نہیں ہوئی۔
“لامعہ! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم مانو یا نہ مانو مگر میں تمہیں کہیں قصوروار نہیں سمجھتی۔
“اوہ ـــــ تو تم پھر یہ بتانے آئی ہو کہ تم مجھے کتنا نواز سکتی ہو۔“ لامعہ بدستور زہر اگل رہی تھی
میں ایک طنز تھا۔ مگر انابیہ کا حوصلہ جیسے بہت بڑا تھا۔
“لامعہ! تم کچھ بھی کہو، میں تم سے بات کئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ چاہے تم دھکے
اس گھر سے نکال دو مگر پھر بھی ـــــ میں تم سے بات ضرور کرنا چاہوں گی۔“
“اوہ ـــــ اب تم مجھے اتنا برا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں تمہیں دھکے دے کر اس گھر سے
سکتی ہوں۔ ہاں، اچھائی کا کام آپ نے جو ذمے لیا ہوا ہے۔“
“لامعہ! تم مجھ سے اس حد تک خائف ہو؟“ انابیہ کو حیرت ہوئی تھی۔ “میں تو سمجھی تھی وہ تمہارا
ہوگا اور جب میں دوبارہ تمہارے سامنے آؤں گی تو......“
“انابیہ! کس مٹی سے بنی ہو تم؟ ـــــ تم کیوں فرشتہ بننے پر تلی ہو؟ میں نے تمہارے ساتھ

“
!اگر میں تمہیں قصوروار سمجھتی تو یہاں نہیں آتی۔“
جھے کچھ بھی سمجھو، آئی ڈیم کیئر۔ مجھے پتہ ہے تم یہاں صرف آئی ہو تو اس لئے کہ تم ایک بار پھر وہ
مل کرسکو جو تمہیں کسی کو خود سے نیچے ثابت کر کے ملتی ہے۔“
!شٹ اپ۔ تمہارے اندر میرے لئے اتنا زہر بھرا ہوا ہے۔ اتنا، اس قدر برا سوچتی ہو تم۔
ہم ساتھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلے ہیں ہم۔ اور تم ـــــ لامعہ! میں نے
تک تم سے کوئی برا رویہ رکھا، کبھی تمہیں لٹ ڈاؤن کرنے کی کوشش کی؟“ انابیہ نے وضاحت

ں ـــــ تم نے ایسا کچھ کبھی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر تم نے ہمیشہ وہ کیا جس نے تمہیں اور
ذ کو ہمیشہ بڑھا دیا۔ انابیہ! مجھے نہیں لگتا کہ ہم کبھی اچھے دوست بھی تھے۔“ لامعہ زہرخند لہجے میں

تم کہہ رہی ہو لامعہ؟“ انابیہ کو سراسر حیرت ہوئی تھی۔
، پلیز انابیہ! اب اتنا اچھا بننے کی کوشش مت کرو۔ کچھ نہیں ـــــ کچھ نہیں کیا تم نے۔ مگر میں
کچھ کیا ہے اور وہ تمہیں بھی پتہ ہے۔ تم ایک بار پھر اپنا ہاتھ اوپر کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اتنی
ت بنو کہ جیسے تمہیں کچھ خبر نہیں اور اتنی فرشتہ بننے کی کوشش بھی مت کرو کہ تم سب آسانی سے بھول
معاف کرسکتی ہو۔“
معہ! تم ـــــ تم اس طرح کیسے بول رہی ہو؟ ـــــ اتنا بدل سکتی ہو تم ـــــ اندازہ نہیں ہوتا
ری لامعہ ـــــ میری اپنی لامعہ اتنی بدل سکتی ہے۔ چلو ٹھیک ہے، میں فرشتہ بننے کی کوشش نہیں
ر تم ـــــ لامعہ! جو تم نے کیا، کیا تم اس پر ایک بار بھی گلٹی نہیں ہو؟“ اس کی آنکھوں میں دیکھتے
چھا تو لامعہ مسکرا دی۔
ابیہ! یہی بات میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ تمہیں اس احساس میں ایک بار ضرور مبتلا دیکھنا
ا کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اس کا کوئی ایک الزام، کوئی ایک ردعمل میں تمہارے چہرے پر دیکھنا
۔ تمہارے لہجے میں محسوس کرنا چاہتی تھی اور وہ میں نے دیکھ لیا۔ تم نے محسوس کیا، تم نے پہلی بار
ری الزام اچھالا ہے۔ ہاں، ٹھیک کہا تم نے۔ بالکل ٹھیک پوچھا۔ جو کچھ بھی میں نے کیا، میں اس
ٹی ہوں۔ یس، آئی ایم گلٹی۔ دین ـــــ کیا فرق پڑتا ہے اس سے ـــــ تم تو اب بھی نہیں
اب بھی ویسی ہی ہو۔“ اس کے لہجے پر انابیہ کو حیرت ہی حیرت تھی۔
عہ! مجھے یقین نہیں آتا تم اس حد تک جاسکتی ہو۔ مگر میں اب بھی تمہیں اپنا دوست مانتی ہوں۔“
ب بھی؟“ لامعہ مسکرائی۔ انداز عجب استہزائیہ تھا۔
ٹ اپ لامعہ! ـــــ اگر اب تم نے کچھ بھی مزید کہا تو۔ میں تم پر اب بھی اتنا ہی حق سمجھتی ہوں۔
ے کوئی شکوہ نہیں۔ ہاں، کچھ غلطیاں مجھ سے ہوئی ہیں۔ مگر میں انہیں بھی سدھار سکتی ہوں۔ اگر تم

سمجھتی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی نا انصافی کی ہے تو میں اس کے لئے عفنان کو بھی چھوڑ سکتی، مگر پلیز، تم مجھ پر یہ طنز کرنا بند کر دو۔ غلطیاں تم سے بھی ہوئی ہیں۔ اگر میں ان کی طرف نشاندہی نہ کر رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم بے قصور ہو۔ شیم آن یو۔ تم نے اپنی دوست کے ساتھ جو کیا وہ کوئی نہ سکتا۔ مرجاتی میں، تمہیں تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ کوئی ملال نہ ہوتا۔ کتنی بے حس لڑکی ہو تم، یہ مجھے آ چلا ہے۔ اور اب بھی تم سب کچھ جانتی ہو کہ تم نے کتنا کچھ کہاں کہاں غلط کیا ہے تو تم شرمندہ تک نہیں کس قسم کی لڑکی ہو تم؟ —— تمہیں میں اپنا دوست کہتی ہوں —— تم جیسی لڑکی کو —— جو اس ڈی زرو بھی نہیں کرتی۔ جو دوست یا دوستی کے معنی تک نہیں جانتی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ میں ا کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول جانا چاہتی تھی مگر تم —— لامعہ! تم کسی بھی بات نہیں چاہتی ہو۔'' وہ مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

آنکھیں دھواں دھواں سی تھیں۔

لامعہ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

❄❄❄

کتنا عجیب شخص تھا وہ۔

میرب نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ عجیب شخص نہیں دیکھا تھا۔ اتنا وقت اس کے ساتھ گزا وہ اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

پتہ نہیں اس شخص کے لئے جذبے، احساسات کوئی معنی رکھتے بھی تھے یا کہ نہیں۔

ہمیشہ کتنے اعتدال میں دکھائی دیتا تھا وہ شخص۔

ایک بیلنس لائف گزارنے کا اتنا عادی تھا کہ ——

اور اب کتنے بہت سے دنوں کے لئے اسے چلے جانا تھا۔

یہاں —— وہاں —— کتنی جگہوں پر جانا تھا اسے۔

کتنا لمبا چوڑا شیڈول بتایا تھا اس نے اسے۔ اسے تو یاد تک نہ رہا تھا۔ یاد رہا تھا تو بس اتنا کہ ا دور جانا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں نیم دراز کیا کچھ سوچ رہی تھی مگر سوچوں کا تسلسل اسی کے نام تھا۔ منسوب تھا۔

پتہ نہیں کیوں ان دنوں وہ شخص بھولتا نہیں تھا۔ کچھ بھی ہوتا، نام ذہن سے نکلتا تک نہ تھا۔ کچھ ہو رہا تھا ان دنوں۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیوں؟

وہ ایسا محسوس کر رہی تھی۔ سب کچھ بہت نیا تھا۔

وہ بالکل سمجھ نہیں پائی تھی یہ کیوں تھا اور کیسے تھا؟

ہاں، مگر اس لمحے بہت اچھا سا لگا تھا جب وہ شخص وہاں آ گیا تھا۔

''آپ ——؟'' وہ حیران رہ گئی تھی۔

''ہاں —— جا رہا تھا۔ مائی نے کہا تمہارا حال احوال پوچھ لوں۔''

ئی کیسی ہیں؟'' میرب نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی ر دیکھا۔ اونچا لمبا، سوٹڈ بوٹڈ سامنے کھڑا کتنی تمکنت رکھتا تھا اپنے اندر۔ جیسے وہ سارا جہاں فتح کر

پ بیٹھیں نا۔ کھڑے کیوں ہیں؟'' میرب نے اسے جیسے یاد دلایا تھا کہ وہ کتنی عجلت میں ہے۔

یسے چونکا تھا۔ پھر کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔

سی طبیعت ہے آپ کی؟'' سبکتگین نے حال احوال پوچھا تھا۔

یک ہوں۔'' میرب نے آہستگی سے کہا تھا۔ ''آپ کیسے ہیں؟''

یک ہوں —— مائی کہہ رہی تھیں کس شے کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔''

رورت تو ہے مگر.......'' میرب بولتے بولتے رہ گئی تھی۔

ں شے کی؟'' وہ چونکا تھا۔ میرب نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ں —— کچھ نہیں۔ سب کچھ ہے میرے پاس۔''

ب کچھ؟'' سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کیا جاننا چاہا تھا۔ میرب نے بنا سوچے سمجھے سر اثبات یا تھا۔ غور تک نہ کیا تھا کہ اگلا بندہ کس ضمن میں دریافت کر رہا تھا۔ وہ اگر جاننے کی کوشش کرتی تو پاتی۔

ئی کو میری طرف سے شکریہ کہیے گا اور بتائیے گا میں انہیں بہت مس کر رہی ہوں۔'' میرب نے ی سے کہا تھا۔

ر سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

ی کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے؟'' میرب نے خاموشی اور سکوت کے ڈر سے پہلے سے پوچھی گئی اویہ بدل کر دوبارہ پوچھی تھی۔

ں، پہلے سے بہتر ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ سنجیدہ تھا۔

یا ہوا؟ —— آپ اس طرح چپ چاپ سے کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟'' وہ شاید بالکل نہ اس شخص کی صورت سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

ل —— کچھ نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔

پ بتانا نہیں چاہتے؟'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

ج آپ کے لائر کی طرف سے ایک نوٹس ملا تھا۔''

ں —— میرا کون سا لائر ہے؟ کس قسم کا نوٹس۔'' وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری زیادہ بولنے پر مائل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پ بتائیں گے مجھے کچھ؟'' وہ جل کر بولی۔

ا وہ بولا تھا۔

ورس —— کیا آپ نہیں جانتیں؟''

''وہاٹ ـــــ ڈائیورس؟ ـــــ کس کی؟'' وہ قطعاً نہ سمجھ سکی تھی۔

''آپ اتنا انجان بننے کی کوشش کیوں کر رہی ہیں؟ ـــــ اگر آپ اپنے سر کوئی الزام لیا
چاہتیں تو کوئی جھوٹ بول دیجئے۔ کیا ضرورت ہے اس طرح دامن بچانے کی ـــــ یا پھر ـــــ''

''آپ ـــــ آپ مجھے ہی کیوں الزام دینے پر بضد دکھائی دیتے ہیں؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے خاموشی سے بغور دیکھا۔

''کیا واقعی کچھ نہیں جانتیں آپ؟'' آواز میں یقین بہت کم تھا۔ جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ا
اعتبار نہ ہو۔ میرب سیال نے بہت بے یقین سے لہجے میں سر انکار میں ہلایا تھا جیسے جو ہوا ہو اس پ
یقین نہ ہو۔

''آپ مجھے کچھ بتائیں گے؟''

''جو مجھے معلوم تھا آپ کو بتا دیا۔ اس سے آگے آپ کو لائر ہی بتائے گا۔'' وہ حتمی انداز میں سنج
بولا تھا۔ وہ کچھ الجھ کر رہ گئی تھی۔

''کیا مطلب ـــــ؟'' بات قطعاً سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''مطلب یہ کہ اب آپ اتنی بھی بچی نہیں ہیں۔ اچھی طرح سمجھتی ہیں معاملات کو۔ کیا بات ا
آپ کی سمجھ میں نہیں آئی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سخت لہجے میں کہا تھا پھر خود اندازہ ہ
دوبارہ بول نہیں سکا تھا۔

میرب سیال کو اپنی سماعتوں پر اب تک یقین نہ ہوا تھا۔ ایسا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ اچا
ہو گیا تھا ـــــ اور کس نے کیا تھا یہ؟ اس کی اجازت کے بغیر ایسا کون کر سکتا تھا؟

صرف پاپا ـــــ

تو کیا پاپا اس سے پوچھے بغیر اتنا آگے تک جا سکتے تھے؟

میرب سیال یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے اس کے سر پر آسمان آن پڑا ہو۔

وہ رشتہ جو ہمیشہ اس کے لئے دردِ سر تھا، جو ہمیشہ بوجھ معلوم ہوا تھا، ہمیشہ سے نالاں دکھائی د
ہمیشہ جس رشتے سے بھاگتی تھی آج وہی رشتہ بہت اہم لگا تھا۔ آج اس رشتے کے ٹوٹنے کے خیال
کی جان رکنے کو تھی۔ اس کے وجود میں جیسے کوئی بھونچال آ چکا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری
حالت سے بے خبر اسے کہہ رہا تھا۔

''آپ کو یہ سب کرنا تھا تو پہلے بتا دیتیں۔ اس طرح عدالتوں میں خواری کی نوبت نہیں آتی۔
کے سارے بکھیڑوں سے بچ جاتیں۔ آپ کو ہر کام کی جلدی ہوتی ہے اور آپ ہر کام کا غلط طر
آغاز کرتی ہیں۔''

کس کام کی بات کر رہا تھا؟

کیا غلط آغاز کیا تھا اُس نے ـــــ؟

اس کی زندگی میں ہی تو داخل ہوئی تھی۔

ر وہ بھی اپنی مرضی سے کہاں؟

ی رضامندی سے کہاں؟

ں میں تو سراسر مصلحت تھی۔

یا میں اس کے دل میں گھر کر چکی ہوں؟ ـــــ کس بات کا ملال ہے آپ کو؟ ـــــ' وہ دریافت
اہتی تھی مگر شاید لفظ حلق میں اٹک جاتے۔ وہ بولتی تو شاید بولا نہ جاتا۔

یا غلط سوچ رہا تھا وہ شخص؟

یا غلط سمجھ رہا تھا؟

ارا کا سارا الزام اس کے سر رکھ دیا تھا۔

گر وہ اس پوزیشن میں قطعاً نہیں تھی کہ اپنے متعلق کوئی وضاحت دے سکتی۔ وہ ساکت سی اس کی
دیکھ رہی تھی۔

'آپ جو چاہتی ہیں وہ بہت جلد ہو جائے گا۔ کچھ بھی ناممکن نہیں تھا۔ آپ نے خوامخواہ کورٹس کا سہارا
ر کے چکروں میں پڑیں۔ آپ آرام سے بیٹھ کر بات کر لیتیں تو اس سب کی نوبت بھی نہیں آتی۔''

امات کی بارش کر رہا تھا۔

چھا برا سب اس کے سر کر رہا تھا۔ میرب دھندلی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ اس کا
ھنا چاہتی تھی؟ کیا وہ پُر ملال تھا اس رشتے کے ختم ہونے پر؟ کچھ دُکھ اسے بھی تھا؟ کیا وہ بھی اتنی ہی
سوس کر رہا تھا؟

وہ اسے پڑھنا چاہتی تھی۔ اسے پڑھنے کی خواہش میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

مگر وہ نہیں پڑھ پائی تھی۔

و نظر ہمیشہ کی طرح بے تاثر اور نہ سمجھ میں آنے والی تھی۔

''ائی کو اس بات کی کچھ خبر نہیں ـــــ اگر خبر ہوئی تو وہ بہت شاکڈ رہ جائیں گی۔ ہماری فیملی وقار کا
یال کیا ہوتا۔ اتنا نام، مقام اور یوں کورٹس کی خواریاں ـــــ ہم ایسے اسکینڈلز افورڈ نہیں کر سکتے۔
ک ایسا نہیں ہوا۔ آپ نہیں جانتیں شاید، آپ کے لئے یہ معمولی ہو مگر ہمارے لئے یہ بات بہت
ہے۔ اگر ایک بار آپ پہلے سے بات کر لیتیں تو بیٹھ کر کچھ مصالحت ہو سکتی تھی۔ بات کورٹ میں
بغیر فیصلہ آپ کے حق میں ہو سکتا تھا۔ بس بات طریقے اور سلیقے سے کرنے کی تھی۔ بات اس طرح
ر اور میڈیا میں نہ جاتی۔ آپ نہیں جانتیں لیکن آپ کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے اب ہمیں اور ہماری
ج کو کتنا سفر کرنا پڑے گا۔ یہ معاملات جتنے آسان ہو سکتے تھے آپ نے اب اتنے ہی الجھا دیئے
''کتنے الزامات تھے۔

و اس شخص کے حد درجہ خلاف رہی تھی۔ کبھی بھی اسے دل سے قریب نہیں لگا تھا یہ سب۔

ہ وہ رشتہ، نہ وہ شخص۔ مگر اب جب اسے ختم کرنے کی خبر سنی تھی تو ایک لمحے میں جان وجود سے نکلتی
ا کیوں ہوئی تھی؟

وہ ہمیشہ دور بھاگی تھی اس شخص سے۔

پھر یہ اچانک کیا ہوا تھا؟

کچھ کچھاؤ سا وہ کیوں محسوس کر رہی تھی؟ —— پلٹ کر ایک لمحے کو دیکھا تھا تو سب کچھ بندھا، کیسے دکھائی دیا تھا؟ —— دل کا کوئی کونہ اس رشتے سے اٹک کر کیوں رہ گیا تھا؟ کیوں ہوا تھا ایسا؟

پھر یہ احساس کیوں ہوا تھا کہ اس سے اس کا سب کچھ چھن رہا ہو۔

”میرب! آپ ہمیشہ جلد بازی کی قائل رہی ہیں۔ بہت بچپنا ہے آپ میں —— آپ ایک جگ میں معاملے کو سلجھانا چاہتی ہیں۔ مگر اس طرح نہیں ہوتا۔ زندگی میں ہر بات کا انسٹنٹ حل کوئی نہیں ہو یہاں فوری طور پر کچھ نہیں ہوتا۔ آپ اپنا بچوں جیسا مزاج بدل لیں۔ اس طرح گزارا نہیں چلتا۔ ہر فائدہ ہو، ایسا ضروری بھی نہیں۔ ذرا سی عقل استعمال کرنے سے بندہ بہت بڑے نقصان سے بچ جاتا آپ کو تو سوچ ہی لینا چاہئے تھا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ اس کے لئے اتنے بڑے خطرے مو لئے جاتے۔ مجھے اتنا تو جان گئی ہوں گی آپ اس عرصے میں —— میرے لئے کیا اہم ہے اور کیا غیر اہم اور غیر ضروری۔ اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو گا آپ کو —— میں آپ جیسی ناسمجھداری کی عمر نہیں ہوں۔ نہ ہی بچگانہ انداز میں فیصلوں کو الجھانے کا عادی ہوں۔ جو بات آپ کو تکلیف دے، اسے کر دینا بہتر ہے اور یہ سب اگر سکون سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ پُرسکون حالت کے فیصلے زیادہ پائیدار ہوتے ہیں اور بہتر بھی۔ میں حالت سکون میں رہنے کا قائل ہوں اور اس میں فیصلے کرنے کا بھی۔ میر لئے خود سے زیادہ اہم فیملی پرسٹیج ہے۔ مجھے میڈیا میں پاپولر ہونے یا نام بنانے کا کوئی خاص شوق نہیں آپ نے غلط سمت میں قدم اٹھایا۔ جو بات دو فریقین کے درمیان میں کمرے میں بیٹھ کر حل ہو سکتی اسے اس طرح دنیا کے سامنے لانے کی کیا ضرورت تھی؟“

کتنا سرد، لاتعلق اور بے تاثر انداز تھا اس کا۔ جیسے وہ اپنے تئیں کسی اور کے معاملات کی بات کر ہو۔ کتنا ٹھہراؤ تھا اس کے لہجے میں جیسے اس سب سے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ جیسے یہ سب اس لئے معمول ہو۔ کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا ہو۔

تو کیا وہ رشتہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے واقعی کوئی مفہوم نہ رکھتا تھا؟ —— کیا وہ واقعی اس لاتعلق تھا؟ —— اس رشتے کی اسے کوئی پرواہ نہیں تھی؟

کیا واقعی ——؟

وہ اس کا چارہ بن کر آیا تھا۔ اس کا احوال پوچھنے اور کیسے کیسے زخم لگا رہا تھا اسے۔

وہ خار خار ہے شاخ گلاب کی مانند
میں زخم زخم ہوں پھر بھی گلے لگاؤں اسے

میرب کی آنکھوں میں بہت خاموشی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹے تھے اور بڑی ہی بے قدری رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

ان الزامات کے جواب میں اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ کسی ایک الزام کی وضاحت بھی نہ

کسی ایک بات کے جواب میں بھی نہیں بول سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک پل میں کا سارا وجود پتھر کا کر دیا تھا۔

اکت، بے یقین آنکھوں سے صرف اس شخص کو دیکھ رہی تھی —— چپ چاپ۔

ہ ساکت تھی۔ نگاہ میں حیرت تھی۔

امنے تھا، بے حس تھا، بے مروت تھا، سنگ دل تھا۔

ہیں تھا اس کے سینے میں —— تب ہی تو برچھیوں سے وار کر رہا تھا۔

زخم زخم تھا۔

دہ۔ اب بھی اس سے منہ موڑ نہیں پا رہی تھی۔

کے اتنے ٹھوس الزامات کے نتیجے میں وہ کتنی پژمردہ تھی۔

بار بھی اپنا ٹھیک سے دفاع نہیں کر پائی تھی۔

میں ہلاتی ہوئی بولی بھی تھی تو انداز بہت کمزور سا تھا۔

ں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔“ اس نے اپنے دل میں کہا تھا۔ مگر دوسری طرف وہ قطعاً نہ مانا تھا۔

یرب! تمہیں اپنی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے اقدام ہی تمہاری سب سے بڑی یں۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ سرد تھا۔

ن فریقوں کے لئے رشتوں کی وقعت کتنی مختلف تھی۔

اس کے سامنے تھا۔ اتنے الزامات عائد کرنے کے باوجود۔ اتنے سرد لہجے کے باوجود وہ اسے اجنبی رہا تھا۔ بس نگاہ میں حیرت لئے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ جو دل سے کچھ خاص قریب تھا۔ مگر دل کو نہ رہا تھا اور کس قدر اجنبی تھا۔ جیسے اس سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ اس کے لئے اس تعلق کتنے مختلف تھے۔ اس تعلق کو توڑ دینا کتنا آسان تھا۔ جیسے وہ تعلق اس کے لئے کچھ نہ تھا۔

کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسا کر سکتی ہوں؟“ میرب نے اپنی صفائی چاہی تھی۔

دار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔

دوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا تھا جب وہ ریسٹورنٹ سے اس شخص کے ساتھ نکل رہی تھی۔

لگنے والی کوئی بات نہیں ہے میرب! جو ہے صاف ظاہر ہے۔“

آپ یہ بات کیوں نہیں مان لیتے کہ میں......“ زچ ہو کر وہ چپ ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

رب کے جسم سے جیسے جان نکلنے کو تھی۔

مں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔“ وہ چیخی تھی۔ ”آپ مان کیوں نہیں رہے؟ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ کروں گی میں ایسا؟ —— کیوں؟ —— میں تو آپ سے......“ جملہ زبان پر ہی رہ گیا تھا۔ سردار ن حیدر لغاری چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

لہ ساکت منظر میں وہ تنہا رہ گئی تھی۔

رکر کو اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھا تھا پھر بہت زور سے چیخی تھی۔

''محبت تھی مجھے تم سے ـــــ کیوں کرتی میں ایسا؟ ـــــ محبت کرتی ہوں میں تم سے۔ کیوں کر گی میں ایسا؟ ـــــ ہوگئی تو کیا کروں؟ ـــــ کیا کروں اب جب محبت ہوگئی تو......؟'' عجب سا لہجہ تھا۔ لیکن اس خالی خالی منظر میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔

صرف وہ تھی۔

اور اس کی محبت۔ کچھ آنسو اور تنہائی۔

آپ نے اتنی ڈھیر سی شاپنگ کرلی۔ خیریت؟'' گی نے کسی قدر حیرت سے پوچھا تھا۔ مائی
ں۔
ـــــ خیریت ہی ہے۔ اپنے بیٹے کی شادی کی تیاریوں میں ہوں۔ اپنی بہو کو لانے کی تیاری
ں۔''
ں؟'' گی چونکی تھی۔
بات ہوئی آپ کی میرب کے والدین سے؟''
ـــــ ابھی تو نہیں ہوئی۔ مگر وہ بھی ہو جائے گی۔ صرف رسم ہی تو باقی ہے۔ اور سب تو ہو چکا
سے بڑا کام ہے بندھن جڑنا۔ وہ تو جڑ چکا۔'' مائی اماں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔
ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں آپ۔'' گی مسکرادی تھی۔
بھونا۔ میری میرب پر یہ کلر سوٹ کرے گا نا؟ ـــــ پتہ نہیں وہ ایسے بھرے پرے کپڑے پسند
ہے کہ نہیں۔ آج کل کے بچوں کا کچھ پتہ بھی تو نہیں۔ ہمارے زمانے میں تو......'' مائی تشویش
ں اور وہ مسکرادی تھی۔
مائی! میرب پر یہ رنگ سوٹ بھی کرے گا اور اسے اچھا بھی لگے گا۔''
بھلا ـــــ اپنے ساتھ لگا کر دیکھ۔'' مائی نے اسے تھما دیا تھا۔ گی مسکرادی تھی۔
بھلا اس سے کیا مقابلہ؟ مگر میرب پر یہ رنگ بہت سوٹ کرے گا۔ آپ نے گین سے بات کر
قدر تشویش سے دریافت کیا تھا۔
بھلا۔ اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ بچہ تو نہیں۔ پتہ ہے اسے، نکاح ہوا ہے۔ اب تو
میرب کو باضابطہ اس گھر میں لانے کی ہے۔ مجھے پتہ ہے وہ بھی خوش ہوگا۔ آخر ماں ہوں۔
کے دل کی خوشی جانتی ہوں۔ میرب اس کی زندگی میں ہو، وہ بھی یہ چاہتا ہے۔ اسی لئے تو میں

ٹھیک ہے ـــــ ٹھیک سوچ رہی ہیں آپ۔''
تم میرے ساتھ تو چلنا۔ ہم کچھ زیورات کی خرید کرلیں گے۔ جتنے کام ہیں، ابھی سے نمٹا لوں۔
وقت تک نہیں گا اور بہت سے کام ہوں گے کرنے کے لئے۔'' مائی ابھی سے متفکر دکھائی دے
۔ گی نے سر ہلا دیا تھا۔

تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں آیا تھا۔ ماں کی تیاری کو سرسری انداز میں دیکھا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟"

"تمہاری دلہن کو اس گھر میں لانے کی تیاریاں۔ میں نے سوچا، ڈھیروں کام ہوں گے۔ پھر وق ملے گا۔ سو تیاری ابھی سے شروع کر دوں۔" مائی اماں مسرور دکھائی دے رہی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چہرے کی پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔

"تجھے کیا ہوا؟" مائی نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔ مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، کچھ نہیں۔ آپ کو بتایا تھا کہ میں رات کی فلائٹ سے نیویارک جا رہا ہوں۔"

"ہاں۔ لیکن تجھے ہوا کیا ہے؟ــــ ٹھیک تو ہے تُو؟ــــ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" سامنے پھ ہوئے کپڑے ایک طرف رکھ کر مائی اماں تشویش سے اٹھی تھیں۔ باقاعدہ اس کی پیشانی پر ہاتھ لگا کر تھا۔ گی خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں دھواں دھواں تھیں۔ کچھ تو تھا۔ گی جانتی نہیں تھی مگر سمجھ ضرور گئ کوئی بات تو تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت چپ چاپ کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" مائی نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے تاثر انداز می میں ہلا دیا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے اتنا کام مت کیا کر۔ اپنی صحت کا بھی کچھ خیال رکھا کر۔ اور اب تُو اس طرح ٹور پر چلا جائے گا۔ تجھے اپنی کوئی فکر ہے کہ نہیں؟ــــ کچھ میرا ہی خیال کر۔"

"مائی! آپ کا خیال ہےــــ بہت خیال ہے۔ اپنا خیال رکھئے گا۔ میں فون کرتا رہوں گا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ چہرہ اور انداز بے تاثر تھا۔

"کوئی نیویارک نہیں جا رہا۔ تُو آرام کر۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔ صورت دیکھی ہے تُو نے ایسے پردیس جائے گا؟"

مائی کو بہت فکر ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ہے مائی! ٹھیک ہوں میں۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہ اپنے آپ پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ اس کیفیت میں تھا کہ اپنے جذبات و احساسات پر کنٹرول نہیں تھا۔ اس کی نگاہ پڑھی جا رہی تھی۔

احساسات اتنے حاوی تھے اس پر۔ ایک لمحے میں بہت حیرت ہوئی تھی۔

"میں تجھے جانے سے منع نہیں کر رہی۔ تجھے جانا ہے، چلے جانا۔ مگر آج نہیں۔ فون کر کے کینسل کرا دے۔ تُو اس طرح چلا گیا تو مجھے فکر رہے گی۔" مائی اماں فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔ سبکتگین حیدر لغاری نے خاموشی سے انہیں دیکھا تھا پھر سائیڈ پر بکھرے ہوئے انواع و اقسام کے دیکھے تھے۔

"یہ کس بات کی تیاری ہے؟" سپاٹ لہجے میں دریافت کیا تھا۔

یری دلہن کو لانے کی۔ لیکن تو اسے چھوڑ فی الحال، چل آرام کر۔ میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔" مائی اماں ں سے بولی تھیں مگر اس نے منع کر دیا تھا۔

ہیں مائی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کہہ کر پلٹا تھا اور چلتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ مائی اماں ے دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

ب لڑکی ہو تم۔ اچھا خاصا شوہر ملا ہے مگر اس کے باوجود جب بھی ملو، منہ پر بارہ ہی بجے ہوتے اوزان نے اسے دکھ کر کہا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔

کیا ہوا ہے؟ــــ تمہارا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟" ممی نے دریافت کیا تھا۔

ہاںــــ کچھ کمزور لگ رہی ہے میری بچی۔" دادا ابا نے بھی کہا تھا لیکن اوزان مسکرا دیا تھا۔

آپ لوگوں کو محبت نے اندھا کر دیا ہے۔ اچھی خاصی تو ہے۔ بلکہ مجھے تو پہلے سے کچھ موٹی بھی لگ ہے۔ ہے نا۔ انابیہ! تم نے ویٹ پٹ آن کیا ہے نا؟"

ہ اچھے موڈ میں نہیں تھی مگر اس لمحے وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اگر اس کا ارادہ یہی تھا کہ وہ ے تو وہ مسکرا دی تھی۔

'اوزی! تم بھی نا۔" انابیہ نے اس کے شانے پر مُکا مارا تھا۔

مسکرا دیا تھا۔

'تم تو اپنے گھر خوش ہو۔ اب اپنے اس بے چارے سے بھائی کی بھی کچھ فکر کر لو۔"

'کیا فکر؟" وہ چونکی تھی۔

'کیا فکر مطلب؟ میری شادی نہیں کراؤ گی؟"

"شادیــــ" اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ دھیان اس طرف بالکل بھی نہ تھا۔ جو کچھ بول رہی تھی، خالی دماغ سے تھا۔ اس کا اندازہ اسے ہوا تھا۔ تب ہی چونک کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ پھر قدرے توقف رہلاتی ہوئی بولی تھی۔

"ہاں، سوری! مجھے یاد نہیں رہا۔ اپنے بھائی کی شادی تو مجھے ہی کروانا ہے۔" وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ انے اس کی کیفیت کو پہلے ہی محسوس کر لیا تھا۔ تب ہی اس لمحے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی کرا دیا تھا۔

"دادا ابا! آپ ٹھیک ہیں؟ــــ اپنی دوائیں وقت پر لے رہے ہیں؟" اس نے دادا ابا کی طرف ے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ اپنا دھیان پھیر کر دوسری طرف لگانا چاہتی تھی۔ بالکل بھی اس طرح نہیں نا چاہتی تھی۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ اندر بہت کچھ بکھرا بکھرا سا تھا۔

"ہاں بیٹا! ٹھیک ہوںــــ وقت پر دوائیں بھی لے رہا ہوں۔ اوزی بہت خیال رکھتا ہے میرا۔" دادا کراتے ہوئے بولے تھے۔

"دیکھاــــ دیکھا۔ تمہیں یہاں کوئی مس نہیں کرتا۔ تمہاری کمی اس گھر میں کوئی بھی محسوس نہیں

کرتا۔ تم اگر یہ سوچ کر دکھی ہونا چاہتی ہو تو ہو سکتی ہو۔" وہ مسکرایا تھا۔

"اوزی! بکواس مت کرو۔" وہ چلتی ہوئی دادا ابا کے قدموں میں گھٹنوں کے بل جا بیٹھی تھی۔

"دادا! اب ٹھیک ہیں؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

دادا نے محبت سے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"ہاں بیٹا! ٹھیک ہوں۔ یہ اوزان کی مت سن۔ تُو جانتی ہے اس کی عادت ہے۔ تجھے چھیڑنا ہے یہاں تجھے ہم بہت مس کرتے ہیں۔ یہ جو گدھا ہے نا، یہ بھی تجھے بہت مس کرتا ہے۔" دادا ابا نے مطلع کر تھا۔ اوزی ہنس دیا تھا۔

"دادا ابا! آپ بھی نا۔ جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟"

"میں جانتی ہوں، میرے دادا ابا کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ چپ رہو تم، مجھے پتہ ہے، تم سب مجھ بہت مس کرتے ہو۔" کہہ کر اس نے دادا ابا کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔

آنسو خود بخود آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"میں جانتی ہوں، تم سب مجھے بہت مس کرتے ہو۔" آواز بھرا گئی تھی۔

"یار! اب زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عفنان ساتھ کیوں نہیں آیا؟ تم دونوں میا بیوی آگے پیچھے کیوں آتے ہو؟ ساتھ ساتھ کیوں نہیں؟" اوزی نے موضوع یکسر بدل دیا تھا۔

"وہی چھوڑ کر گئے ہیں مجھے۔" انابیہ نے باقی کے آنسو اندر ہی کہیں مدغم کئے تھے اور اپنی آنکھو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"دادا ابا! آپ اپنا خیال رکھا کریں۔ اور اگر یہ اوزی آپ کا خیال نہ رکھے تو آپ مجھے فون کر کریں۔ میں اس کے کان بہت زور سے کھینچوں گی۔"

اوزی ہنس دیا تھا۔

"؟بس کان ہی کھینچنا۔ میرا ہاتھ اور ذمہ داریاں بانٹنے والی کوئی نہ لانا۔" اوزی نے شکوہ کیا تھا۔ دادا مسکرائے تھے۔ وہ بھی مسکرائے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

"دادا ابا! دیکھ رہے ہیں آپ، کیا زمانہ آ گیا ہے۔ موصوف اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں تو کیا بھلا غلط کہہ رہا ہوں؟ جب بہن کو ہی احساس نہیں تو پھر مجھے ہی احساس دلانا پڑے گا کیوں دادا جی! میں نے کچھ غلط کہا؟" اس نے فوراً دادا ابا کو وکیل کیا تھا۔

"کہہ تو اوزی ٹھیک رہا ہے۔" دادا ابا مسکرائے تھے۔

"دادا! آپ ـــــ آپ اوزی کی سائیڈ لے رہے ہیں؟" وہ بے یقینی سے بولی تھی۔

دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

"ٹھیک ہے ـــــ دیکھتی ہوں کوئی لڑکی تمہارے لئے۔" انابیہ نے ہار مانتے ہوئے کہا تھا۔

"کوئی لڑکی نہیں ـــــ صرف ایک لڑکی۔" اوزان نے باور کرایا تھا۔

"کون؟" انابیہ چونکی تھی۔

ابا اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

ا تم لوگ بیٹھو، باتیں کرو۔ میں نماز پڑھ لوں۔"

ی ابھی تک کچھ کھانے کو نہیں لائیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" انابیہ جیسے دانستہ منہ موڑ کر اس بچنا چاہتی تھی۔

لامعہ کی طرف گئی تھیں؟" اوزی نے دریافت کیا تھا۔

نے قدرے توقف سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

ملی تھی۔ بات بھی کی تھی مگر۔"

اب تک اسی طرح بی ہیو کر رہی ہے؟"

نہیں۔" انابیہ نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

میری دشمن نہیں ہے۔ نہ میں اس کی۔ مگر ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے فی الحال۔"

ی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

زی! وہ اب بھی ویسا ہی سوچتی ہے۔ میں سمجھی، اس کا وقتی غبار ہے، ڈھل گیا تو اب اس کے بعد وہ اس بات کو لے کر برہم نہیں ہوگی۔ مگر وہ۔" انابیہ کی آنکھوں میں بہت سی نمی آن رکی تھی۔ اوزان کے لئے بہن کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

ب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم سیریس مت لو۔"

زی! یہ سب بہت زیادہ ناقابل برداشت ہے۔"

ابیہ! زندگی میں ہر شے کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔ یہ ایسا کچھ نہیں ہے کہ ٹھیک نہ ہو سکے۔ یہ رشتے ہیں۔ لیکن تمہاری پہلی ترجیح تمہارا شوہر ہے۔ اس وقت تمہارے اس رشتے کو تمہاری سب سے رت ہے۔ ان سب کو لے کر اپنے اس ایک رشتے کے ساتھ کوئی ناانصافی مت کرو۔ کوئی غفلت ۔ یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں بعض اوقات بہت بڑا ایشو بن جاتی ہیں۔ پھر حل کرتے بھی رہو تو حل ں۔" اوزی اسے سمجھا رہا تھا۔

کچھ بولی نہیں تھی۔

ابیہ! محبت اور دوستی میں فرق ہوتا ہے۔ دونوں کو الگ الگ خانوں میں رکھنا سیکھ لو۔" وہ جیسے ایک ت بتا رہا تھا۔ مگر وہ اسے کیا بتاتی کہ اب بات اس سے نکل کر بھی کچھ اور تھی۔ عفنان علی خان، اس اب سرد پڑتا الاؤ تھا۔

ا نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ سامنے عفنان علی خان کھڑا تھا۔

کوئی جوت نہیں جاگی تھی۔ وہ اسی طرح دیکھتی رہی تھی۔

تی تھی وہ اسے لینے آ گیا ہے۔ اور اب وہی معمول کی زندگی ہوگی۔ معمول کے انداز میں۔ کچھ نیا ی انوکھا۔

ارے عفنان! تم؟" اوزی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''آؤ نا ــــــ وہیں کیوں ٹھہر گئے؟'' اوزی بولا تھا۔

انابیہ چپ چاپ سر جھکا گئی تھی۔ عفنان آگے بڑھ آیا تھا۔

''اور سناؤ، کیا ہو رہا ہے؟'' اوزان نے دریافت کیا تھا۔

''سب ٹھیک ہے۔ کیا راز و نیاز چل رہے ہیں دونوں بہن بھائیوں میں؟'' عفنان نے م
ہوئے ان دونوں کو دیکھا تو اوزی مسکرا دیا۔ انابیہ چہرہ پھیر کر بے تاثر بن گئی تھی۔

''راز کیا چلنے ہیں یار! ــــــ بس ایک درخواست کر رہا تھا۔''

''کیا؟'' عفنان چونکا تھا۔

اوزان ہنس دیا تھا۔

''ایک عدد گھر والی لانے کے لئے۔'' اوزان نے کہا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''اوہ ــــــ اچھا۔''

''کیا کروں؟''

''کوئی ڈھنگ کا کام کر لو مگر شادی مت کرو۔''

''رئیلی؟''

''ہاں ــــــ شادی کے بڑے عذاب ہیں یار! پتہ جب چلتا ہے جب بھگتنا پڑتا ہے۔'' عف
مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ دونوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مارا تھا اور ہنستے چلے گئے تھے۔

''اچھا ــــــ میں تو بھول ہی گیا کہ یہاں ایک تجربہ کار انسان موجود ہے جس کے تجربے
سبق لیا جا سکتا ہے۔'' اوزان ہنسا تھا۔ انابیہ اسے بہت تنقیدی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''ایسا کیا عذاب میں مبتلا کیا میں نے آپ کی زندگی کو؟'' اس نے بھرپور استحقاق سے در
تھا۔ عفنان علی خان اس کے اچانک تخاطب پر چونکا تھا۔ مگر وہ بول کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ اوز
دیا تھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں۔ تمہارے تجربات سے مجھے ضرور سبق لینا چاہئے۔''

عفنان مسکرا دیا تھا۔

''اور سناؤ ــــــ ٹھیک گزر رہی ہے نا؟'' قدرے توقف سے اوزی نے دریافت کیا تھا۔ ع
خان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں، بہت اچھی۔ تب ہی تو تمہیں باز رکھ رہا تھا۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔ اوزان بھی مسکرا دیا تھا۔

''وہ تو خیر۔ مذاق کی بھی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ تم خوش تو ہو نا؟ وہ سارے وعدے، عہ
پورے کئے یا نہیں؟ ــــــ تمہیں یاد ہے جب ہم ہاسپٹل میں انابیہ کو آخری سانسیں لیتے دیکھ ر
تم اس وقت کتنے ڈپریس تھے۔ اب بھی اتنی ہی محبت کرتے ہو اس سے؟'' سرسری انداز میں در
تھا۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔

خاموشی سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

ید وہ اس کے سوال کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا۔

ں، مجھے سب یاد ہے۔'' اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ انداز صرف ایک سرگوشی لگا تھا۔

* * *

کیا ہوا؟ ــــــ اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' اذہان نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے دریافت کیا
الی خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔

مرف گزشتہ زخموں کی بات کر رہا تھا، جو معمولی تھے۔ اس کے بعد کے زخم کتنے گہرے تھے، وہ ان
ن کچھ نہیں جانتا تھا۔

ں، ٹھیک ہوں میں۔'' وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں بولی تھی۔ اس کے لہجے میں اس لمحے بہت کچھ
ا تھا۔

ان حسن بخاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

کیا ہوا؟'' اس کے چہرے کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ اسے پڑھ لینا چاہتا ہو۔

ب نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ آنکھیں بھر آئی تھیں۔

ھوں کی نمی چھپانے کے لئے وہ سر جھکا گئی تھی۔

کیا ہوا میرب؟'' اذہان نے ایک بار پھر دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ان اس کے سامنے بیٹھا اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ جب یک دم میرب نے اس کے شانے پر
ھ دیا تھا اور آنسوؤں پر کچھ اختیار نہ رہا تھا۔ اذہان حسن بخاری کی روح جیسے لمحوں میں قیامتوں کی
۔

ے بن میں یوں
ے جیا
ے جیا تیرے بن
ے بن میں یوں کیسے جیا
ے جیا تیرے بن

ب سیال کے گرم گرم آنسو اس کے شانے کو جلانے لگے تھے۔ اذہان حسن بخاری کے وجود میں کوئی
ل ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح ساکت سا اس کے سامنے تھا۔ بہت سی دبی راکھ میں چنگاریاں سی جل
اس لمحے۔

کر یادیں تیری
ل میری کٹیں
ے باتیں تری
ی ہے چاندنی

تنہا ہیں تجھ بن راتیں میری
دن میرے دن کے جیسے نہیں
تنہا بدن
تنہا ہے روح
نم میری آنکھیں رہیں
آ جا میرے اب روبرو
جینا نہیں بن تیرے
تیرے بن

ایک لمحے میں محبت نے اندر سر اٹھایا تھا۔ ایک لمحے میں اندر ایک قیامت مچی تھی۔ ازہان خود حیران گیا تھا۔ ایک لمحے میں پتہ چلا تھا، وہ کتنا کمزور تھا اور محبت کتنی مضبوط۔ ایک پل میں سارا سمیٹا ہوا پھر ریزہ ریزہ تھا۔ ایک لمحے میں اسے اپنا وجود زیر و زبر ہوتا دکھائی دیا تھا۔ ایک لمحے میں اس کا سارا وجود تھا۔ بے اختیاری کیا ہوتی ہے، اس ایک لمحے میں پتہ چلا تھا۔ اس کی ساری جان جیسے اس لمحے ایک میں تھی۔ میرب سیال کا سر بدستور اس کے شانے پر تھا۔ اس کے آنسو اس کے شانے پر تھے۔ ازہان بخاری نے ایک لمحے کو دل کی مانی تھی اور اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا تھا۔

میرب سیال دل گرفتہ سی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے اپنا حصار اس کے گرد باندہ تھا۔

''کچھ نہیں سمجھتا وہ۔ کچھ نہیں جانتا۔'' بے خودی کے عالم میں وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔ ''مجھ اتنا بدگمان ہے وہ۔ میری کسی بات کا یقین تک نہیں کرتا۔ اسے لگتا ہے میں......'' یک دم حسیات ہوئی تھیں اور وہ چپ ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔

ازہان حسن بخاری چپ چاپ اس کے جھکے سر اور بھیگی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال اپنے اس ایک لمحے کے اقدام پر کسی قدر شرمندہ نظر آ رہی تھی اور ازہان اسے شرمندگی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرب سیال نے کے اس طرح اٹھ کر چلے جانے کا قطعاً کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں کے ساتھ اتنی اُلجھی کہ اس کے لئے باہر کے سارے منظر ایک لمحے میں بالکل ثانوی ہو کر رہ گئے تھے۔

''سبکتگین!——— کس موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے تم نے مجھے؟''

''آئی لو یو گین!'' ایک مدھم سی سرگوشی کمرے میں اُبھری تھی۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں گین! کبھی سمجھنے کی کوشش کی تم نے؟ کتنا بے بس کر دیا ہے تم نے خود سے مبتلا کیا ہے اور میرے لئے سارے راستے بند کر دیئے ہیں۔ جس سے آگے نہ مجھے کچھ دکھائی رہا ہے نہ سنائی۔ کیوں کیا ہے تم نے ایسا؟'''

وہ چیخی تھی مگر وہاں ان تمام سوالوں کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

* * *

ئین! کیا تمہیں یقین ہے کہ ایسا سب میرب نے خود کیا ہے؟'' گی نے بے یقینی سے کہتے ہوئے طرف دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ گی کی نظروں میں ایک بے یقینی تھی۔

تم واقعی ایسا کرو گے؟'' سوال میں حد درجہ حیرت تھی۔ ''تم واقعی میرب کو اپنی زندگی سے نکال باہر رو گے؟''

ں کے کئی سوالوں کے جواب میں بھی وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ مکمل طور پر خاموش تھا۔

تمہیں لگتا ہے تم ایسا کچھ کر لو گے؟'' اب کے پہلے سے سوا حیرت لہجے میں تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر خاموش بیٹھا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری! تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ کیسے کر سکتے ہو ایسا سب؟''

وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔'' اس کی اتنی باتوں کے جواب میں وہ پہلی بار بولا تھا اور گی چپ کی گئی تھی۔

اسے مجھ سے محبت نہیں۔ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے گی! ایک ہاتھ سے بجے تو طمانچہ کہلاتا ہے۔ اس انجام نہیں ہوتا۔ اور مجھے بھی اس سے کوئی محبت وحبت نہیں تھی۔ یہ صرف تمہاری سوچ ہے۔ دماغ کی خرافات ہیں۔ میرے پاس فضول کا اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اِدھر اُدھر صرف کرتا ۔ میرے پاس کوئی غیر ضروری بات سوچنے کے لئے وقت نہیں ہے......''

وہ تمہیں بھولتی نہیں ہے۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ بولی تھی۔

حیرت سے اسے تکتا رہ گیا تھا۔

اور وہ تمہیں بھولتی نہیں ہے۔ رائٹ؟'' گی نے اپنی بات کی وضاحت چاہی تھی۔ گین نے اسے ا اور پھر اس پر سے دھیان ہٹاتے ہوئے آہستگی سے بولا تھا۔

پاگل ہو تم۔ بالکل پاگل۔ فضول کی باتیں کرتی ہو۔ فضول کی باتیں ہونے پر یقین رکھتی ہو اور......''

محبت کرتے ہو اس سے تو بتا کیوں نہیں دیتے اسے؟——— تمہارے دل میں جو بھی ہے وہ اس کا نپ دو اسے۔ آزما کر دیکھ لو، اسے تمہاری تم سے زیادہ ضرورت ہو گی۔ صرف ایک بار——— ایک بار گین! اس کی طرف ایک قدم بڑھا کر تو دیکھو۔ وہ تمہارے قریب ہے۔ اسے کیوں خود سے لا رہے ہو؟ کیوں فاصلوں کو صدیاں بنانے پر تلے ہو؟ سمجھنے کی کوشش کرو گین! تم اس کی ضرورت ہو۔ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ تمہیں تمہاری زندگی میں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اسے خود سے ت دھکیلو۔ تم سے وابستہ ہے وہ۔ وہ تمہارا وقت ہے۔ اسے کیوں گنوا رہے ہو تم؟'' گی اس کے باتی ہوئی تھی۔

ر سردار سبکتگین نے بہت رسانیت سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

تم جو بھی سوچ رہی ہو، وہ غلط ہے گی! ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر نے کہا تھا۔ ''ان باتوں کو چھوڑو تم۔ یہ بتاؤ تمہارا چیک اپ کیسا رہا؟''

’’مجھ سے اہم یہ ٹاپک ہے گین! اس لڑکی کو کس بات کی سزا دے رہے ہو تم؟ اور خود کو؟ اس کے بغیر کیسے جیو گے؟‘‘ گی نے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ اٹھا اور چلتا ہوا چپ چاپ باہر نکل گیا تھا۔

❄❄❄

’’تم نے میرے ریسٹورنٹ کے لئے جو جگہ دیکھنا تھی، وہ دیکھ لی؟‘‘ ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کسی قدر الجھا اور کھویا کھویا سا دکھائی دیا تھا۔

’’اذہان!‘‘ ساہیہ نے اسے دوبارہ پکارا تھا۔

’’ہاں؟‘‘ وہ چونکا تھا۔

’’کیا ہوا اذہان؟‘‘ ساہیہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

’’کچھ نہیں ـــــ تم کچھ کہہ رہی تھیں؟‘‘ اذہان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

’’ہاں ـــــ میں نے ریسٹورنٹ کے لئے جگہ دیکھنے کے لئے کہا تھا مگر تم......‘‘

’’ہاں ـــــ میں نے بات کی تھی۔ جلد ہی۔‘‘ الجھے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ ساہیہ نے اسے بغو دیکھا تھا۔

’’کیا ہوا؟ ـــــ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟‘‘

’’ہاں ٹھیک ہے۔ میں تمہیں لے جاؤں گا۔ تم دیکھ لینا، جگہ اچھی ہے۔ تمہیں پسند آ جائے گی۔‘‘ اسے جواب تو دے رہا تھا مگر انداز بہت الجھا ہوا تھا۔

’’مجھے جگہ سے زیادہ تمہاری فکر ہے اذہان!‘‘

وہ مسکرا دیا تھا مگر وہ مسکراہٹ بہت پھیکی تھی۔

’’آئی ایم گڈ۔ تھینکس۔‘‘

’’آر یو شیور؟‘‘ ساہیہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

’’کوئی پریشانی ہے؟‘‘

’’نہیں۔‘‘

’’پھر؟‘‘

’’کچھ نہیں۔‘‘

جواب قطعی تھا۔ اس کے بعد ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ کریدنا اسے بھی اچھا نہیں لگا تھا لیکن اتنا وہ جا گئی تھی کہ کوئی بات ہے جو اسے پریشان کر رہی ہے۔

بہت دیر وہ خاموش رہی تھی۔ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

سرد مہری فضا میں اتنی زیادہ تھی کہ اندر کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

’’کیا ہوا؟ ـــــ تم اس طرح چپ کیوں ہو گئیں؟‘‘ اذہان نے دریافت کیا تھا۔

لیابات کروں؟‘‘

بھی۔‘‘ اذہان حسن بخاری جیسے اپنے اردگرد کی خاموشی کو فی الفور توڑنا چاہتا تھا۔

سر اٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ بڑا مجلسی سا تبسم تھا۔

مرانا مجھے بھی اچھا لگتا ہے اور بات کرنا بھی۔ مگر بولنے کو اور مسکرانے کو کچھ ہو بھی تو۔‘‘

ہارا کیا خیال ہے؟ ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے؟‘‘ اذہان حسن بخاری بولا تھا تو اس کا اپنا

ین تھا۔ ساہیہ نے آہستگی سے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ں ـــــ ایسا میں نے نہیں کہا۔ ہمارے پاس باتیں کرنے کو بہت کچھ ہے ابھی۔ تم میرب کی

ئے تھے؟‘‘ ساہیہ نے کہا تھا اور ساتھ ہی ایک نیا موضوع تلاش کیا تھا۔

ن کچھ دیر تک بول نہیں سکا تھا۔ پھر بولا تھا۔

ـــــ شی اِز او کے۔‘‘ کہتے ہوئے میرب کی وہ کیفیت نگاہ کے سامنے آ گئی تھی۔

ب تک اس لمحے کے حصار سے نکل نہیں سکا تھا۔

ب کی اس کیفیت کا سبب کیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔

ایک بات جان گیا تھا کہ وہ خوش نہیں تھی۔

دکھی تھی۔

ں کے کسی دکھ کا کوئی مداوا نہیں کر سکتا تھا۔

ں کے شانے پر آنسو بہا کر شاید کسی قدر مطمئن ہو گئی ہو مگر اذہان حسن بخاری کی روح میں کئی

اکو بھر دیا تھا۔

ئے ـــــ کہاں ہو تم؟‘‘ ساہیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

ں ـــــ میں ٹھیک ہوں۔ میرب کی طرف گیا تھا میں۔ وہ بھی ٹھیک ہے۔‘‘

ام میں اگر تمہارے پاس ٹائم ہو تو پلیز مجھے بھی لے چلنا۔ میں بھی اس کی خیریت دریافت کرنا

ں۔‘‘

ن کچھ نہیں بولا تھا۔

ی طبیعت ہے اب اس کی؟‘‘

ں کی؟‘‘

رب کی۔‘‘

’’ہاں۔ تمہیں بتایا تو ہے۔ شی اِز او کے ناؤ۔‘‘

ن حسن بخاری ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

ہ نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ منہ سے کچھ نہیں بولی تھی۔ اذہان اس

دیکھنے لگا تھا۔ انابیہ کی نظروں میں بنا کچھ کہے کہہ دینے والے احساس تھے۔ اس کے لئے کیئر تھی۔

ن حسن بخاری کو لمحہ بھر کسی قدر شرمندگی سی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہوا____؟"

"اوں، ہوں۔" وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"تمہیں کوئی پرابلم ستا رہی ہے؟" ساہیہ نے دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"بس پتہ چل گیا____ بتاؤ، شیئر کرنا نہیں چاہتے ہو تو الگ بات ہے۔ مگر میرا خیال ہے تم پر ہو۔ پلیز بی ریلیکس۔" ساہیہ کے انداز میں اس کے لئے محبت بول رہی تھی۔

ازہان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" پتہ نہیں کیا جتانے کو وہ بولا تھا۔ ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا مسکرا دی تھی۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں تم میرے ساتھ ہو۔"

ازہان فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا میں تمہارے ساتھ ہوں؟" قدرے توقف سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا بولا تھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔"

"ازہان! لڑکی کے لئے یہ اظہار کرنا آسان نہیں ہوتا۔ نہ یہ درخواست کرنا۔ تمہیں یاد ہے میں سے کہا تھا تم آزاد ہو۔ چاہو تو کوئی بھی راہ اختیار کر سکتے ہو۔ جب چاہو، جیسے چاہو چل سکتے ہو۔ سوچتی ہوں مجھ میں کتنا حوصلہ تھا جو میں نے وہ سب تمہیں کہہ دیا۔ خود کو دیکھتی ہوں تو ایک پل بھی تمہا بغیر کاٹنا محال لگتا ہے۔ کہاں میں ساری زندگی کے لئے تمہیں خود سے دور بھیج دینا چاہتی تھی۔" وہ بو پھر یک دم ہنس دی تھی۔

"یہ مت سوچو، میں بہت ایموشنل ہو رہی ہوں۔ شاید ایسا ہوتا ہے۔ میں نے تب نہیں سمجھا تھ جانا تھا مگر اب میں اتنی جنونی نہیں ہوں۔ نہ تمہارے لئے اتنی پاگل ہوں۔ تم جب چاہو، جہاں چا راستے اختیار کر سکتے ہو۔ میں یا میرا تعلق کبھی تمہارے لئے زنجیر نہیں بنے گا۔"

ازہان نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس لڑکی کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی۔ زندگی کو ا میں جی لینے کی ایک رمق تھی۔ ایک اطمینان تھا۔ کیسی تھی یہ محبت۔

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟" اس کو اطمینان دلانے کی کوشش میں وہ اپنے اندر کی بے اطمینانی بولا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"میں ایسا سوچتی نہیں ہوں، بولتی ہوں۔ محبت کو باندھ کر رکھنے والے بے وقوف ہوتے ہیں پابند بنا کر رکھنا فضول ہے۔ محبت کو آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر یہ تمہاری ہے تو واپس پلٹ کر تمہار آئے گی۔ اگر نہیں تو اسے بھول جاؤ۔" عجب بے فکری سے اس نے شانے اچکائے تھے۔ ازہان میں حیرت لئے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

محبت اتنی آسان ہو سکتی ہے؟"

پتہ نہیں____ مگر میرے لئے تو ہے۔" وہ ہنس دی تھی۔ انداز صاف بتا رہا تھا وہ مذاق کر رہی تھی۔

ں کی آنکھوں میں کئی موتی چمک رہے تھے۔ نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے ھا کر اس کی آنکھوں کے کناروں پر سے پانی کے ننھے قطرے کو لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھا ہان کے ہاتھ کی انگلی کی پوروں پر وہ اپنی آنکھ کی اس نمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ نظر جھکا گئی تھی۔

تم بتا رہے تھے وہ ریسٹورنٹ کی جگہ کافی اچھی ہے۔" ساہیہ نے یک دم فرار کے راستے اختیار کرتے موضوع بدل دیا تھا۔

"ساہیہ!" اپنے ہاتھ پر اس نمی کو دیکھتے ہوئے ازہان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساہیہ نے خاموش ں کی طرف ایسے دیکھا تھا جیسے کوئی چور چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے۔

"سب اتنا آسان ہے ساہیہ؟" ایک لمحے میں جتاتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ں۔ کچھ نہیں بول سکی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

نہیں۔ مگر محبت میں جبر نہیں ہے۔ ایسا سوچنے سے سب کچھ اپنے آپ آسان لگنے لگتا ہے۔ اپنے ے میں سوچو تو بندہ خود غرض ہونے لگتا ہے۔ سو جب بھی سوچو، کسی دوسرے زاویے سے سوچو، کسی اور اویے سے دیکھو، جانچو، پھر محبت صاف سمجھ آتی ہے۔ محبت صرف اپنی ذات کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسے اپنی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ اگر میں اپنی نظر سے دیکھتی ہوں تو مجھے صرف اپنا آپ دکھائی دے گا ٹھیک نہیں ہوگا۔" ساہیہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

اور ازہان حسن بخاری کو کچھ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ ایسا کہہ رہی تھی تو وہ ایسا کر بھی سکتی تھی۔ اس ے میں یقین تھا اسے۔ ساہیہ سے واقف تھا وہ۔ جو اس کے دل میں تھا، وہ چھپا بھید نہ تھا۔ وہ شفاف اور وہ خود۔

لمحہ بھر کو اپنے آپ پر نگاہ گئی تھی اور وہ اس کی طرف سے دھیان پھیر گیا تھا۔

"محبت شاید اپنا اپنا زاویہ ہے۔" بہت دھیمے لہجے میں وہ بولا تھا۔ تب ہی وہ ممسکرا دی تھی۔

"محبت اپنا اپنا نظریہ ہے۔"

"فرق کیا ہے؟" وہ اپنی خفت مٹانے کو بولا تھا۔

"بہت زیادہ فرق ہے۔ زاویہ، نظریہ بدل دیتا ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔

"نظریہ زاویہ بھی تو بدل سکتا ہے۔" وہ اپنی جگہ اڑ گیا تھا۔

"آزما لو۔" ساہیہ نے اسے ایک پل میں بہت اطمینان کے ساتھ اپنے سحر سے آزاد کر دیا تھا۔ ازہان ڈی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

***

سردار سبکتگین حیدر لغاری سیاہ کول تار کی سڑک پر نگاہ جمائے گاڑی دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ نگاہ راستوں نا۔ ذہن الجھا ہوا تھا۔ پیشانی پر کئی سلوٹیں تھیں۔ سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ کتنی راتوں کی

بیداری دیکھی تھی۔

جانے کیا سوچ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اس کی طرف جانے والے راستوں پر ڈال دی تھی۔

* * *

محبت الجھاؤں میں اُلجھی ہوئی تھی اور وہ غالباً اُسے سلجھانے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ اس شام دوبارہ اس کے سامنے تھا۔

’’ازہان، پلیز! میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے۔‘‘ میرب نے تیسری بار انکار میں سر ہلاتے ہو کہا تھا۔

’’میرب! تم کیوں اپنے اندر کی گھٹن میں گھٹ کر مر جانا چاہتی ہو؟‘‘ اسے تقریباً ڈپٹتے ہوئے ازہا بولا تھا۔

’’تم غلط سمجھ رہے ہو ازہان! بالکل ٹھیک ہوں میں۔‘‘ سب سے مشکل سچویشن وہ ہوتی ہے جب با کرانا پڑے کہ سب کچھ انڈر کنٹرول ہے۔

’’میرب! ——— کبھی کبھی ہم ساری دنیا سے جھوٹ بول کر بھی خود کو مطمئن نہیں کر پاتے۔ یہا وہاں، سب کی فکر کر لو گی۔ سب کو خوش کر دو گی اور خود آپ؟ ——— کبھی خود اپنے بارے میں سوچا ہے نے؟‘‘ ازہان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لمحہ بھر کو وہ کچھ بول نہیں پائی تھی۔ قدرے توقف سے بہت آہستگی سے سر انکار میں ہلاتے ہو۔ بولی تھی۔

’’مجھے ایسا کوئی پرابلم نہیں ہے ازہان! تم غلط سمجھ رہے ہو۔‘‘ میرب نے اسے جھٹلایا تھا۔

ازہان براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ میرب کے لئے جھوٹ بولنا محال ہو گیا تھا ا نظر ملانا بھی۔ وہ نگاہ آہستگی سے جھکا گئی تھی۔

’’تم سمجھ نہیں رہے ہو ازہان! یہاں کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی۔ تم کیوں نہیں رہے ہو؟‘‘ وہ زچ ہو گئی تھی۔

ازہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

’’تو کیا ہوا کہ تمہیں کوئی دکھ لاحق نہیں ہے۔ تم خوش بھی ہو۔ فرض کر لیتے ہیں، ہمیں کسی بات کا کو ملال نہیں ہے۔ ہمیں کوئی وہم بھی نہیں ستاتا۔ فرض کر لیتے ہیں، تم اور ہم دونوں خوش ہیں تو بھی۔ جمع او تفریق کے درمیان کوئی نقطہ ایسا بچتا ہے جہاں پھر بھی خسارہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ کس بات کے لئے آخر کیوں؟ میں نے تم سے کسی بات کی وضاحت چاہی؟ تم نے اپنا سارا دُکھ یہاں میرے شانے پر سر ر کر بہا لیا۔ میں نے تم سے کوئی ایک بھی وضاحت چاہی؟ ایک ذرا سی بھی وضاحت؟ ——— نہیں نا؟ تو تم کس بات پر اتنی خوف زدہ ہو؟ کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ لفظوں کے معنی تمہارے لئے بدلے ہ میرب! بدلا سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ چلو مان بھی لیا، سب کچھ بدل گیا ہے تو بھی کیا سب کچھ ختم؟ ے؟ تمہارا میرا احساس ختم ہو جاتا ہے یا پھر وہ ایک رشتہ؟ ——— چلو ہر شے ایک طرف رکھ دیتے سب کچھ ختم ہو گیا۔ سب کچھ فنا ہو چکا۔ تو کیا میں تم پر اتنا بھی حق نہیں رکھتا کہ تمہارے چہرے پر اس ں کو چن سکوں؟ ——— ان آنکھوں میں تیرتی اس نمی کو چرا سکوں؟ اور یہ سب بھی رہنے دو۔ کیا مجھے اتنا حق نہیں کہ تم سے تمہارا ان کہا ہر درد بانٹ سکوں؟ ——— سچ کہو، کیا نہیں ہے مجھے یہ حق؟ کیا ایسا کوئی میں محفوظ نہیں رکھتا؟‘‘ عجب جارحانہ انداز میں کھڑا وہ بول رہا تھا۔

میرب سیال کے بہت قریب۔ مدِ مقابل۔ اتنا سچ بولتا ہوا کہ وہ چاہتی بھی تو اس کی کسی بات کو رد نہیں کتی تھی۔ کسی ایک بات کو بھی جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

بھگی، پانیوں سے تیرتی آنکھوں سے اُسے دیکھا تھا اور پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اس شانوں پر رکھی اس کی گرفت ایک لمحے کو کمزور پڑ گئی تھی۔ مگر وہ کہہ رہی تھی۔

’’مان لیا، سب کچھ سچ بھی ہے تو؟ کیوں بانٹوں میں تم سے اپنا سب کچھ؟ ——— اگر میں مان بھی ں کہ ہم اچھے دوست ہیں تب بھی۔ میرے پاس جو بھی ہے، وہ میں تم سے بانٹ نہیں پاؤں گی۔ بالکل نہیں۔‘‘

ازہان حسن بخاری کے ہاتھ بدستور اس کے شانوں پر تھے۔ کس قدر قریب کھڑا تھا وہ اس لمحے اس اور اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔

کھلے دروازے سے یہ منظر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دیکھا تھا اور وہ الٹے قدموں واپس لوٹ گیا دل اور دماغ دونوں سلگ رہے تھے۔ اندر کہیں جیسے الاؤ دہک اٹھے تھے۔ پورا وجود جلنے کو تھا۔ وہ تیزی باہر نکلا تھا جب زوباریہ نے اسے دیکھ کر پکارا تھا۔

’’گین ——— !‘‘

مگر اُس نے سنا نہیں تھا، نہ ہی دیکھا تھا۔ سرعت سے چلتا ہوا وہ گاڑی کی طرف آیا تھا اور اسٹارٹ کر فوراً گاڑی باہر نکال لی تھی۔ زوباریہ اس آناً فاناً ہونے والے اقدام پر کچھ حیرت زدہ سی ہو رہی تھی۔ ٹی تھی جب دیکھا تھا۔ ازہان حسن بخاری کوریڈور سے نکل رہا تھا۔

’’جا رہے ہو تم؟‘‘

’’جی۔‘‘ ازہان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔

’’بیٹھیے۔ کافی پی کر جاتے۔ ایک تو یہ میرب بھی عجیب ہے۔ آئے گئے کو پوچھتی تک نہیں۔ پہلے سبکتگین طرح آیا تھا، اسی طرح واپس گیا اور اب تم۔‘‘ ازہان چونکا تھا۔

سبکتگین یہاں آیا تھا؟‘‘

’’ہاں۔ میں نے پکارا بھی مگر اس نے سنا نہیں۔ اینی ہاؤ، تم فارحہ آپا کو میری طرف سے سلام دینا۔‘‘

’’جی ضرور۔‘‘ ازہان متفکر سا آگے بڑھا تھا۔ زوباریہ اس اچانک کیفیت پر آپ حیران تھی۔ چلتی ہوئی رب کی طرف آئی تھی۔

’’میرب! کیا ہوا؟ ——— گین آیا تھا؟‘‘

’’کیا؟—— کب؟ وہ تو کل ہی نیو یارک جانے والے تھے۔‘‘ حیرت کا ایک پہاڑ سر پر ٹوٹا تھا۔ وہ بھونچکا سی تکتی رہ گئی تھی۔

’’وہ تم سے مل کر نہیں گیا؟‘‘ زوباریہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

’’نہیں—— مگر—— آہ——‘‘ کوئی قیامت کا لمحہ باقی بچا تھا کیا؟—— میرب کو یقین تھا اس کی قسمت میں کہیں کوئی خوش بختی نہیں ہے۔

’’وہ یہاں اندر نہیں آیا؟‘‘ زوباریہ دوبارہ دریافت کر رہی تھی اور میرب کے پاس دینے کے لئے کوئی جواب نہیں تھا۔

’’بہت تیزی سے نکل کر جاتے ہوئے میں نے اسے دیکھا تھا۔ پکارا بھی مگر اس نے سنا ہی نہیں۔ میں سمجھی تم نے کچھ کہہ دیا ہے۔ یہ معاملہ کیا ہے؟ گین بہت غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔‘‘

میرب کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی تھی۔

’’آپ نہیں جانتیں؟‘‘

’’کیا؟‘‘

’’شاید پاپا نے طلاق کا کیس فائل کر دیا ہے۔‘‘

’’وہاٹ——؟‘‘ زوباریہ اگرچہ جانتی تھی مگر اس کے باوجود حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ غالباً ایسی امید نہیں تھی مظہر سیال سے کہ وہ ایسا کچھ اتنی جلدی کر بھی گزریں گے۔ وہ تو سمجھ رہی تھی، وہ صرف لائحہ عمل ہے اور——!

’’ایسا کیسے ہو گیا؟ میں خود بھی نہیں جانتی۔ مگر گین سمجھتے ہیں ایسا میں نے کیا ہے۔ وہ میری کسی بات کا کوئی یقین کرنے کو تیار نہیں اور......‘‘ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ جملہ ادھورا چھوڑ کر بے ہمت سی وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

’’میرب! تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں ہوگا۔‘‘

’’برا نہ ہونے کو اب بچا کیا ہے؟‘‘ وہ سخت بے یقین دکھائی دے رہی تھی۔ زوباریہ نے لمحہ بھر کو اس کی طرف دیکھا تھا، پھر بولی تھی۔

’’تمہارے پاپا ایسا کرنا چاہتے تھے مگر میں ہمیشہ انہیں روکتی رہی۔ میں نے ان سے کہا بھی کہ وہ تم سے پہلے پوچھ لیں۔ مگر وہ......تو کیا انہوں نے تم سے کچھ پوچھا بھی نہیں؟ پتہ نہیں کیوں مظہر سیال کو لگتا ہے کہ تم گین کے ساتھ خوش نہیں ہو۔ کیا ایسا کچھ ہے؟‘‘ زوباریہ نے پوچھا تھا اور وہ بھیگی، ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

’’میرب——!‘‘

’’زوباریہ!—— میری زندگی میں اب کوئی اور راہ باقی نہیں ہے جس پر میں چلنا چاہوں گی۔ میری ہر راہ اس شخص تک جاتی ہے۔ مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھا کسی نے؟ میری زندگی کا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کر لینے سے پہلے یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ میں بھی کچھ چاہ سکتی ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ اینڈ

آئی لو ہم زوباریہ!—— لیس آئی ڈو——‘‘ بلاخوف وخطر وہ کہہ کر اٹھی تھی اور کمرے سے ئی تھی۔

زوباریہ ساکت سی کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

اس کی نگاہ صاف پڑھ رہی تھی۔ لمحوں میں عجیب ’’درخواستیں‘‘ سی چھپی تھیں۔ شام سے جب وہ اسی لمر میں تھی تب سے یا پھر تب سے جب وہ سمندر کے کنارے پر کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ وہ ں کے ان زاویوں کو سمجھ رہی تھی۔ صاف محسوس کر رہی تھی۔ مگر اس کا انداز بہت سرسری تھا۔ وہ کسی کو اس طرح خود پر طاری نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خواہ اندر سے دل کچھ ڈرا ڈرا سا تھا۔

مگر وہ بظاہر ’’اگنور‘‘ کر کے کچھ مضبوط ظاہر کرنا چاہتی تھی خود کو۔ گاڑی آ کر پورچ میں رکی تھی۔ وہ اُتری تھی—— چلتی ہوئی کمرے تک آئی تھی۔ معمول کے انداز میں شاور لیا تھا۔ بالوں کو رگڑتی باہر نکلی تھی جب عفنان علی خان کو وہاں کمرے میں دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

لمحہ بھر کو قدم رکے تھے، نگاہ اُلجھی تھی، جھکی تھی مگر پھر وہ چلتی ہوئی قریب سے گزری تھی۔ ارادہ ڈریسنگ کی طرف بڑھ جانے کا تھا۔ مگر ہاتھ اس ایک مضبوط ہاتھ میں آ گیا تھا۔ انابیہ کی جان ایک لمحے میں توں کے زیر آئی تھی۔

ایک پل میں سب زیر و زبر ہوا تھا۔

دھڑکنوں میں ایک لمحے میں بھونچال سا آ گیا تھا۔

کچھ بھی توقع کے برعکس نہ تھا۔

وہ نگاہ پڑھ رہی تھی۔

جانتی تھی اس نگاہ کے ’’تقاضے‘‘ کیا تھے۔ مگر اس کے باوجود اب جب وہ اس لمحے کی ’’قید‘‘ میں تھی تو راجود کسی شاخ سے ٹوٹے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ نگاہ تھی کہ اٹھ نہ رہی تھی اور سانسوں کا زیر و بم با ایک قیامت اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ سر جھکائے، نظر ملائے بغیر کھڑی تھی۔ مگر ان نگاہوں کی گرمی وہ ہے چہرے پر اس گھڑی صاف محسوس کر سکتی تھی۔

عفنان نے ہاتھ بڑھا کر بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا۔ اتنی قربتوں اایک لمحے میں فنا ہونے کو تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر ان بالوں کی شبنم کو چھوا تھا۔ پھر وہ ہاتھ اس چہرے پر آ گیا تھا۔ اس ایک لمس میں کیا کیا کرشمہ سازیاں نہ تھیں۔ اگر وہ بت بھی ہوتی تو اب تک ما جان آ چکی ہوتی۔ اس لمس میں کیا کچھ نہ تھا، وہ کوئی مزاحمت کر سکی تھی نہ تعرض۔ وہ لمحے کوئی جادو کر رہے تھے اور وہ مکمل طور پر ان لمحوں کے حصار میں تھی۔ ایک لمحے کو سب کچھ بھول جانے کو جی چاہ رہا سب کچھ مٹا دینے کو۔ سارے شکوے—— سارے گلے—— سارے خدشے—— سارے —— اسے کچھ یاد نہیں رکھنا چاہئے تھا۔

وہ ایک لمحے کے حصار میں قید بے بس کھڑی تھی۔ وہ لمحے جیسے طلسم والے تھے۔ بے خودی کے تھے۔

وہ اپنی جگہ پتھر بنی ساکت کھڑی تھی۔ عفنان کا لمس اس کے چہرے پر تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش سے سارا چہرہ سلگتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔ عفنان کا انداز بھرپور استحقاق والا تھا۔ جیسے وہ سارا اختیار رکھتا ہو۔ جیسے سارے حقوق محفوظ رکھتا ہو۔ اور سچ بھی تھا مگر ــــ!

ایک لمحے میں وہ اس حصار کو توڑتی ہوئی باہر نکلی تھی اور الٹے قدموں چلتی ہوئی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ عفنان اسے حیرت سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

انابیہ نہیں جانتی تھی، اس نے کیا، کیا تھا۔

عفنان علی خان کو ایک لمحے میں کتنی تذلیل محسوس ہوئی تھی، وہ قطعاً سمجھ نہیں سکی تھی۔ کسی مرد کی مردانہ ا کو کتنی چوٹ پہنچ سکتی ہے۔ وہ اس لمحے قطعاً اخذ نہیں کر سکی تھی۔ عفنان علی خان سرخ آنکھوں سے جس طرح غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ لحہ بھر کو خوفزدہ ہو گئی تھی۔ عفنان علی خان چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ انابیہ کا دل کسی پتے کی مانند لرز گیا تھا۔ عفنان علی خان آگے بڑھا تھا۔ اس کی طرف۔ وہ اس سے کسی بھ اقدام کی اب توقع رکھتی تھی۔

ایک ــــ دو ــــ تین ــــ

قدم کچھ اور قریب آئے تھے۔ انابیہ کی جان پر بن گئی تھی۔ اسے لگا تھا اب کچھ کام نہیں آ سکے گا۔ نہ ا کا تعرض، نہ کوئی جبری فاصلہ۔ وہ شخص جتنا برہم تھا وہ اس سے کچھ بھی توقع کر رہی تھی۔ مگر ــــ وہ ہوا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ دروازہ کھولا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ کو اس لمحے اگرچہ کچھ مطمئن ہ چاہئے تھا۔ وہ جتنی ”حد بندیاں“ لگا کر رکھنا چاہتی تھی، وہ قائم رہی تھیں۔ عفنان علی خان نے زبردستی ا کے بنائے ہوئے حاشیئے کو توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ ”محفوظ“ رہی تھی۔ دھڑکنوں کو معمول پر آنا چاہئے تھا۔ اب کوئی ڈر باقی نہیں رہا تھا۔ مگر دل بجھا بجھا سا لگا تھا۔ ایک لحہ قبل جتنی ہلچل تھی، اب اتنی ہی خاموشی تھی۔ ایک لمحے میں اتنا ہی سکوت دکھا دیا تھا۔

اپنے دل کے اندر بھی اور باہر کی دنیا میں بھی ــــ کیا ہوا تھا ایسا؟ وہ جان ہی نہیں پائی تھی۔ اس جو چاہا تھا، وہ ہوا تھا۔ اس نے جو کرنا چاہا تھا، وہ کیا تھا۔ تو پھر اب ــــ ایک بے کلی نے اندر سر کیو ابھارا تھا؟ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اپنی خواہشوں پر وہ خود حیران رہ گئی تھی۔ لفظوں کے معنی کیسے بدلے وہ جان نہیں پائی تھی۔ زاویئے ــــ حاشیئے ــــ کیسے بدلے تھے وہ جان نہیں پائی تھی۔

خواہشوں نے کب نئے معنی پہنے تھے، وہ جان نہیں پائی تھی۔ اس کا انداز خود اسے حیران کر رہا تھا۔ ساکت سی کھڑی اپنے اندر کی آواز کو سننے کے لئے سماعتیں لگائے کھڑی تھی۔ اتنی خاموشی تھی کہ دھڑکنو شور تک صاف سنائی دے رہا تھا۔ ایک ایک سانس میں کتنی ہزار ہا خواہشیں پنہاں تھیں۔ وہ حیران رہ گئی یہ تبدیلی کیسے آئی تھی۔

انقلاب کیسے برپا ہوا تھا۔

❄ ❄ ❄

بت عجیب سایوں سی ہے۔ جب اس کے پاس سب کچھ تھا، سارے منظر اس کے تھے تو وہ ان مناظر بھاگ رہی تھی۔ اور اب جب کہ سارے منظر اس سے دور جا رہے تھے تو وہ ان مناظر کو اپنی مٹھی میں ر لینا چاہتی تھی۔ مگر سائے یک دم لمبے ہو رہے تھے۔ وہ پکڑنا چاہتی تھی مگر پکڑ نہیں پا رہی تھی۔ عجب چھاؤں کا سا کھیل تھا۔

کبھی وقت خود اس کے اختیار میں تھا اور کبھی وہ خود اس وقت کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ مائی نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا میرو! ــــ میری بچی؟“

مگر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

”تم ٹھیک تو ہو؟“ اس نے بہتے آنسو دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ وہ کیا کہتی؟ ــــ سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”کچھ بتاؤ تو سہی ــــ ہوا کیا ہے؟“ مائی اصرار کر رہی تھیں۔

مگر میرب نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”مظہر میاں تو خیریت سے ہیں؟“ مائی اماں کا دھیان جس طرف گیا تھا اسی طرف کا دریافت کیا تھا۔

ان کی اس تشویش پر بھی اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”تو پھر کیا ماجرا ہے؟ ــــ بتائے گی مجھے کچھ؟“ مائی نے کسی قدر ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔

اُس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ مگر وہ مائی سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ مائی کی طبیعت کے متعلق وہ جانتی تھی۔ اس طرح کی کوئی کتھا سنانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کی جان کے خطرے کو خود مدعو کیا جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو گین اسے ساری زندگی معاف نہ کرتا۔ وہ جانتی تھی۔ تبھی سر انکار میں ہلاتے ہوئے بولی۔

”گین کہاں ہیں؟“

”وہ تو گھر پر نہیں ہے۔ مگر تُو اس طرح رو کیوں رہی ہے میرے بچے! مجھے بتا، خیریت تو ہے نا؟“ مائی لہجہ منہ کو آ رہا تھا۔

”سب خیریت ہے مائی! بس یوں ہی۔“ اس نے بات بنانا چاہی تھی۔ مگر ذہن اس قدر بلینک تھا کہ سوچ نہیں سکی تھی۔

کوئی ایک معقول جواز بھی نہیں۔

اس کا ذہن اس قدر ماؤف تھا کہ فوری طور پر اس میں کچھ نہیں آیا تھا۔

”میرو! ــــ تُو مجھے کچھ بتائے گی یا کہ نہیں؟“ مائی نے اب کے اسے ڈپٹا تھا۔

اس نے بہت آہستگی سے سر ان کے شانے پر رکھ دیا تھا اور بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

”آپ کی بہت یاد آ رہی تھی۔“

”پاگل! ــــ تو یہ کون سا سبب ہے رونے کا؟ اور تم گین کے بارے میں کیوں پوچھ رہی تھیں؟“

اماں کو مطمئن کرنا آسان نہیں تھا۔ اور اس کے پاس دینے کو زیادہ وضاحتیں بھی نہیں تھیں۔

”ان کی یاد بھی آ رہی تھی۔“ وہ سر جھکا کر بولی تھی۔ جھوٹ بولنا آسان نہ تھا۔ اسے گمان تھا اب وہ

صاف پکڑی جائے گی۔ مگر تبھی اس نے مائی اماں کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرب کچھ حیران رہ گئی تھی۔

"آپ مائی ـــــ"

"بے وقوف ـــــ اُس سے جی اُداس تھا تو اس میں اس طرح رونے کی کیا ضرورت تھی؟" مائی نے اس کے چہرے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

وہ سر جھکا گئی تھی اور ایک جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

"مجھے ان کی یاد واقعی بہت آ رہی تھی مائی اماں! ـــــ مجھے لگا وہ مجھ سے ملے بغیر چلے جائیں گ اور......"

کتنا جھوٹ وہ مزید کہتی۔

سب کچھ اسے بہت مشکل لگا تھا۔

"گین تو اس وقت گھر پر نہیں ہے ـــــ آئے گا تو اس کا دو کانوں کے بیچ میں سر کر دوں گی۔ بھ تجھ سے ملنے کیوں نہیں گیا۔ جانے سے پہلے اسے تجھ سے ملنا تو چاہئے تھا۔" مائی اماں تسلی سے کہتی ہو مسکرا رہی تھیں۔

میرب کو کچھ اطمینان ہوا تھا۔

"جی مائی اماں! ـــــ مگر ایسا نہیں ہوا ـــــ وہ مجھ سے ملنے نہیں آئے ـــــ اور مجھے لگا وہ کل چلے گئے ہوں گے۔"

"ہاں جانا تو اسے کل ہی تھا۔ مگر اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے ہی منع کر کے ٹکٹ کینس کروا دی تھی۔ اب نئی ٹکٹ کچھ دن بعد کی کنفرم ہوئی ہے۔ تسلی سے مل لینا اُسے ـــــ اب یہیں ہے۔" مائی اماں مسکرائی تھیں۔

اصولاً اسے شرمانا چاہئے تھا مگر وہ ذہنی طور پر اتنی ڈسٹرب تھی کہ شرمانا، گھبرانا کچھ یاد نہیں تھا۔

یاد تھا تو بس اتنا کہ وہ شخص اس سے بہت دور جا رہا ہے ـــــ فاصلے بڑھ رہے ہیں۔ اور ایک د سب کچھ ختم ہو جانا ہے۔ یہ رشتہ، اس کی ساری حقیقت ایک لمحے میں مٹ جانا ہے۔ اور یہ سب کچھ وہ نہیں چاہتی تھی۔ دل کی آواز کو اس نے بہت دیر سے جانا تھا۔

مگر ایک لمحے کی غفلت سے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

"آؤ بیٹھو ـــــ تمہیں بری کے کپڑے دکھاؤں۔ آج کل میں مظہر میاں سے بات کرنے آنے وا ہوں۔ اس کے بعد میری بچی میرے اس آنگن میں ہو گی۔" مائی نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا تھا اور بے جان سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر رہ گئی تھی۔

ایسا کچھ نہیں ہونا تھا۔ پاپا نے جو بھی کیا تھا، غلط کیا تھا۔ ہمیشہ اس کی خواہشوں کا احترام کرنے وا پاپا ایک لمحے میں کیسے سفاک بن گئے تھے ـــــ ایک لمحے کی بات تھی ـــــ اور اگر بات ختم ہو جاتی سارا منظر پل میں راکھ بن جانا تھا۔

پھر کیا ہونا تھا۔

ے آگے کی زندگی کے بارے میں اسے سوچ کر بھی ہول آتے تھے۔ اس گھر میں شادی کی
ا رہی تھیں اور ـــــ!

ـــــ یہ آپ نے کیا کر دیا؟' اُس نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے مائی کی طرف دیکھا تھا۔

چلتی ہوں میں ـــــ پھر آؤں گی۔"

یسے کیسے؟ ـــــ اتنے دنوں بعد میری بچی میرے گھر آئی ہے۔ ایسے کیسے جانے دوں گی؟"

ں پر اپنی محبت لٹا رہی تھیں۔ مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ں مائی! بالکل بھی کسی شے کا موڈ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں کہہ کر مانگتی۔ میرا اپنا گھر ہے۔ میں
ن تو نہیں ہوں۔" اس نے پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ دل اندر خون کے آنسو رو
باہر سے وہ مسکرا رہی تھی۔

شکل تھا یہ۔

ہ مائی اماں کو مطمئن کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ تبھی عین سامنے پورچ میں کھڑی گین کی گاڑی کی
ئی تھی۔

ن کیا تھا تو اس کو بھی اس گاڑی کے اندر پایا تھا۔ اس کے اندر ایک لمحے میں ایک قوت سی آ گئی
ت سے چلتی ہوئی اس کی گاڑی کے قریب جا رکی تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور اس کے ساتھ فرنٹ
ٹھ گئی تھی۔

ر سبکتگین حیدر لغاری اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک دریا کے بعد ایک اور دریا کا سامنا
ہ نہیں جانتی تھی۔

چ کر نکلی تو تھی۔

اب ـــــ!

کہے گی اُس شخص سے؟

طرح بیان کرے گی؟

ہ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ ایک لمحے میں سب کچھ ہاتھ سے نکلتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔

را منظر ـــــ بہت فاصلے پر اور پرایا پرایا سا لگا تھا۔

ص اسے مکمل سرد مہری سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

کیا ہے یہ سب؟" انداز لاتعلقی لئے ہوئے تھا اور لہجہ سرد۔ وہ جو اتنا کچھ طے کر کے آئی تھی، ایک
ٹی میں ملتا دکھائی دیا تھا۔ سارے ارادے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔

ڑنے نکلی تھی۔ ہمت بھی کر لی تھی۔ مگر یہ اجنبی انداز ـــــ یہ سرد مہر تیور۔

لات کو بس میں کرنا دیوانے کا کوئی خواب لگا تھا۔

کیا ہے یہ سب کچھ؟" گین نے کسی قدر برہمی سے دریافت کیا تھا۔ "کیوں آئی ہو تم یہاں؟ ـــــ
لئے؟ ـــــ تم نے مائی کو تو نہیں بتا دیا؟ ـــــ اگر میری مائی کو کچھ ہو گیا تو ـــــ میں اپنا

نقصان برداشت کرسکتا ہوں ـــــ مگر مائی ـــــ بتا دیا تھا میں نے تمہیں مگر تم......“

”میں نے مائی سے کچھ نہیں کہا۔“ میرب نے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

”اوہ، ریئلی؟ ـــــ تھینکس۔ آپ نے مجھ پر بڑا احسان کر دیا۔ چلو، ڈیل کرتے ہیں۔ لٹس ڈیل طنزیہ لہجے میں اچانک سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک آفر دی تھی۔ میرب سیال حیران رہ گئی تھی۔

”کیسی ڈیل؟“ سوالیہ نظروں سے اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر مکمل سکون دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے وہ بہت مطمئن تھا۔ م سیال کی جان جیسے سولی پر اٹکی ہوئی تھی۔

دل ایک لمحے کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

پتہ نہیں وہ شخص کیا سوچے بیٹھا تھا۔ کیا فیصلہ کیا تھا اس نے ـــــ وہ نہیں جانتی تھی۔

کیا تھا اس کے دل میں؟ ـــــ میرب کو علم نہیں تھا۔ اس کا دل رکنے کو تھا۔

مگر وہ شخص بدستور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ دل نہیں، جیسے پتھر تھا اس کے سینے میں۔

”کیسی ڈیل؟“ میرب نے آہستگی سے دہرایا تھا۔

جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مکمل پُرسکون انداز سے دیکھا تھا پھر گاڑی آگے بڑھا دی میرب سیال اس کے بولنے کی منتظر تھی۔ چپ کے یہ لمحے کاٹنا بے حد محال تھے۔ اس کی چپ بہت مکمل تھی مگر وہ اسے بولنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ سو چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ ایک ایک دل پر بھاری تھا۔ اس کی چپ بری طرح کاٹ رہی تھی۔

”آپ مائی کو کچھ نہیں بتائیں گی۔ آپ کو جو چاہئے وہ آپ کو میں دوں گا۔ لیکن اس بات کا پتہ مائی کو نہیں لگنا چاہئے۔ رائٹ؟“ کتنے بے حس انداز میں وہ اس کے دل پر برچھیاں چلا رہا تھا۔

میرب چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

کتنا بدظن تھا وہ اُس سے ـــــ اُس پر اعتبار تک نہ تھا۔ کتنا بدگمان تھا وہ۔

”آپ یہ بات پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ باتوں کو دہرانے کی عادت ہو چکی ہے آپ کو۔“ میر آواز بہت ہمت کے باوجود بھرائی ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری عجب پتھر ہو رہا تھا۔ اُس کی جانب دیکھ تک نہ رہا تھا۔

”دہرا نہیں رہا۔ دوبارہ کہنا نہیں چاہتا۔ لیکن اپنوں کے معاملے میں کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا۔“ سرد لہجے میں کہی گئی بات میں ایک بے گانگی تھی۔

’اپنوں کے معاملے میں۔‘ یعنی وہ اسے بڑے آرام سے اپنے معاملات سے الگ کر رہا تھا۔

میرب سیال کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا پانی ایک لمحے میں چھلکا تھا مگر آنسو بڑی بے قدری رخساروں پر بہہ گئے تھے۔ کسی کو ان آنسوؤں کی کوئی خاص پرواہ نہ ہوئی تھی۔

جان تھم جانے کو تھی۔

روح جسم سے نکل جانے کو تھی۔

لی آنکھوں سے اسے اب بھی بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

پ کو لگتا ہے کہ ہمارے درمیان اب ہر رشتہ بے معنی ہے؟“ اس نے صاف دکھائی دینے کے ی تسلی کے لئے پوچھا تھا۔

پ رشتوں کی بات مت کیجئے۔ آپ کے منہ سے رشتوں کی باتیں عجیب لگتی ہیں۔“ سردار سبکتگین ری نے لاتعلق لہجے میں کہا تھا۔

آپ کہہ رہے ہیں؟“ میرب کو یقین اب بھی نہ ہوا تھا کہ وہ شخص اس حد تک جا سکتا ہے۔ وہ بے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

مجھے نہیں پتہ، آپ یہاں کیا بات کرنے اور کون سے رشتوں کو ڈیفنڈ کرنے آئی ہیں۔“

ون سے رشتوں کو ڈیفنڈ کرنا چاہئے مجھے؟ ـــــ کون سا رشتہ رکھا ہے آپ نے مجھ سے؟“

نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نہ اس کی طرف دیکھا ا جواب دیا۔

ی سیاہ تارکول کی سڑک پر بھاگتی جا رہی تھی۔ درمیان میں مکمل خاموشی تھی۔ میرب سیال کی ے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔ چہرہ بھیگ رہا تھا۔ مگر دوسری طرف کسی پر کوئی اثر دکھائی نہیں

نا کچھ تھا دل میں ـــــ کتنا کچھ کہنے کا ارادہ تھا۔ مگر وہ کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ سننا بھی کہاں ا۔

گاڑی روکیے۔“ ہر شے بے نتیجہ دیکھ کر وہ بولی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نہیں سنا تھا۔

آپ گاڑی روکیے۔“ آنسوؤں سے بھری آواز میں ایک بار پھر کسی قدر برہمی سے کہا تھا۔ سردار ا حیدر لغاری نے کوئی حکم نہیں مانا تھا۔

ر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ اس کی طرف ضرور بڑھا تھا۔ نظریں بدستور سامنے ونڈ اسکرین پر میرب نے بھیگی آنکھوں سے اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا ال دیکھ کر کچھ حیران ہوئی تھی۔ پھر ایک دم غصے سے اس ہاتھ کو جھٹک دیا تھا۔

دار سبکتگین حیدر لغاری نے قطعاً برا مانے بغیر ہاتھ دوبارہ آگے کر دیا تھا۔ میرب سیال نے برہمی کے وبارہ جھٹک دیا ساتھ ہی چیخ پڑی تھی۔

ہیں چاہئے آپ کی یہ ہمدردی ـــــ رکھیے اپنے پاس۔“

آنسو پونچھیے۔“ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا تھا۔

ہیں پونچھوں گی۔ اور آپ کو اس سے کیا؟ ـــــ فضول کی کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں مجھے۔ آپ ا روکیے۔“

پہلے یہ رومال لو اور اپنے آنسو پونچھو۔“

ہیں پونچھوں گی۔ آپ کو اس سے کیا ہے؟“

’’آئی ول ناٹ اسٹاپ دی کار دین۔‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف بن دیکھے اپنا
صادر کر دیا تھا۔

’’اتنے اچھے مت بنئے ـــــ اگر آپ اتنے اچھے ہوتے تو......‘‘ آواز بھرا گئی تھی۔ وہ ڈھنگ
شکوہ بھی نہیں کر سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ بدستور اس کی طرف تھا۔ وہ اس کی ضد سے دا
تھی۔ ہاتھ کی طرف بھیگی نظروں سے دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے رومال پکڑ کر آنکھیں پونچھ لی تھیں۔

مگر آنکھوں میں اسی تیزی سے پھر پانی امڈ آیا تھا۔

’’بس؟‘‘ دھندلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک لمحے کو اس چہرے پر نگاہ کی۔ پھر دوبارہ ونڈ اسکرین کی طرف د
لگا مگر گاڑی پھر بھی نہیں روکی تھی۔

میرب سیال بے بسی کے ساتھ چہرہ پھیر گئی تھی۔ پانیوں سے بھری آنکھیں پھر چھلک پڑی تھیں۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ اس چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ میرب اس نگاہ سے بے خبر
دھندلے پانیوں سے بھری آنکھوں سے راستوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے گھر کی طرف جا رہے تھے
شخص ثابت کر رہا تھا کہ اسے اس کا کتنا خیال تھا۔

اتنا کہ اُسے آنسو دے رہا تھا۔

اُسے رُلا رہا تھا۔

دھکے دے کر اپنی زندگی سے نکال رہا تھا۔

خود سے دور کر رہا تھا۔

کیسی تھی یہ محبت ـــــ !!!

کیسی تھی یہ انسیت ـــــ !!!

کیسا تھا یہ پیار ـــــ !!!

پل پل مار بھی رہا تھا جو ـــــ اور اُس کا خیال بھی کر رہا تھا۔

’’آپ ایک بات بالکل بھی نہیں سمجھتیں۔ جو کام آرام اور سکون سے ہو سکتا ہے اس میں اتنا د
کرنے کی ضرورت نہیں۔‘‘ بہت رسانیت سے سمجھانے والے انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔

مگر میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اب باقی کیا بچا تھا سمجھانے کو؟

کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا وہ؟

کیا سمجھانا چاہتا تھا؟

درمیان میں کتنا کچھ انجانا سا تھا۔

ان کہا ـــــ ان سنا سا۔

واضح اب بھی کچھ نہیں تھا۔

یں کیا تھا، اب بھی سمجھنا مشکل تھا ـــــ کبھی کچھ واضح ہوا ہی نہیں تھا۔
ی کوشش ہی نہیں کی گئی تھی۔
دل چاہا تھا ـــــ وہ چیخ چیخ کر اس شخص کو کہے کہ وہ کتنا بے حس ہے۔

رو ہے۔
ہہ نہیں سکی تھی۔
غبار تھا کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

ہوا تھا۔
گین حیدر لغاری نے گاڑی روکی تھی۔
اس کی طرف دیکھے بغیر چپ چاپ اُتر گئی تھی ـــــ اور اس شخص کی طرف دیکھے بنا آگے

نے چپ چاپ اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

* * *

"کیا ہوا؟ ـــــ کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہو۔" فارحہ نے بیٹے کو کسی قدر کھویا ہوا دیکھ کر دریافت کیا تھا

اذہان چونکا۔ پھر مسکرا دیا۔

"نہیں ـــــ کچھ نہیں ممی! ـــــ آئی ایم گڈ۔" اذہان نے سب کچھ معمول پر ظاہر کرنا چاہا تھا۔

فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا۔

"میرب کیسی ہے؟" دانستہ دل والی بات کی تھی۔ وہ چونک پڑا۔ ماں کی طرف دیکھا، پھر سر آ

سے اثبات میں ہلا دیا۔

"شاید ٹھیک ہو۔"

"کیا مطلب؟" فارحہ چونکی۔

"پتہ نہیں۔ میں گیا نہیں اس کی طرف۔" نگاہ ملائے بغیر جواب دیا گیا۔

"کوئی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے؟" فارحہ نے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری بہت مضمحل سے انداز میں دیکھا، پھر بہت آہستگی سے ماں کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔ انداز میں ایک تھکن تھی۔

فارحہ کچھ کہے سنے بغیر بیٹے کے دل کا حال جان رہی تھیں۔

اس کی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔

بہت آہستگی سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ اور اذہان حسن بخاری کے گرم گرم آنسوؤں سے گود بھیگنے لگی تھی۔

بیٹے کے دل کے اندر کیا تھا؟

یہ پوچھنے کی ضرورت انہیں پہلے بھی نہیں تھی اور اب بھی نہیں۔ یہ سارے احوال بنا کہے ظاہر تھے۔

فارحہ نے کچھ بھی بولے بغیر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔

"ممی! دل نہیں مان رہا۔" بہت مضطرب سے انداز میں ایک جملہ اذہان حسن بخاری کے لبوں آزاد ہوا تھا۔ "جان کچھ مشکل میں ہے ممی! ـــــ کیوں؟ یہ میں بھی نہیں بتا سکتا ـــــ پتہ نہیں، بس نہیں پڑ رہا۔

وضاحتوں کی ضرورت نہیں تھی۔

مگر اقدامات کا وقت گزر چکا تھا۔

ی ڈور ہاتھ میں نہیں تھی۔

بیٹے کو تسلی تک نہیں دے سکی تھیں۔

تا کچھ بھی کہیں گی تو وہ فضول ترین ہوگا۔ مگر دل پر ایک گھونسا سا پڑا تھا۔ وہ خود اپنے دل کو بھی

گمرا محسوس کر رہی تھیں۔

ی بچے کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔

وہ دیکھ رہی تھیں۔

کچھ کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکی تھیں۔

ے پتہ ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وقت ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ مگر یہ چیز دل کو سمجھانے پر بھی سمجھ

تی۔"

ا کروں میں؟" اذہان مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔

فارحہ کے اختیار میں بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ بیٹے کو کمزور پڑتے دیکھ کر خوش نہیں تھیں اور وہ کہہ رہا تھا۔

سکتا ہے، آپ مجھے کمزور سمجھ رہی ہوں۔ مگر میں کمزور نہیں پڑ رہا۔ ہر شے میرے سامنے ہے اور معاملات پر نگاہ رکھ رہا ہوں۔ ہر شے کی خبر ہے مجھے ـــــ جو ضروری ہے وہ بھی پتہ ہے ـــــ ضروری ہے اس پر بھی میری نگاہ ہے۔ میری نگاہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے مگر ـــــ میرا ۔ میرا دل میرے مقابل ڈٹ گیا ہے۔ کیا کروں؟ ـــــ کیا کروں اس کا؟" اذہان کبھی اتنا مائی نہیں دیا تھا۔

ہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے تھے۔

میں اب بھی ہارنا نہیں چاہتا ـــــ وہی کرنا چاہتا ہوں جو دماغ کہتا ہے۔ مگر دل اس عقل کی ماں رہا۔ جانتا ہوں، ایک دن مان بھی جائے گا۔ مگر فی الحال یہ بہت مشکل لگ رہا ہے ـــــ کل۔" اذہان بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا اور فارحہ کے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

ل جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ میں کروں گا بھی وہی۔ وہی ٹھیک بھی ہے۔ میں کسی بات سے مکر پھر نہیں رہا۔ اب بھی میرے قدم اسی مضبوطی سے اپنی اس زمین پر جمے ہوئے ہیں۔ مگر یہ لمحہ ا کا ہے۔ مجھے پتہ ہے میں اس پر جلد قابو پا لوں گا اور ایک بار پھر سب کچھ پہلے جیسا ہوگا۔ ویسا ہنا چاہئے۔ جیسا عقل چاہتی ہے۔ ہوگا سب ویسا ہی۔ مگر یہ وہ مشکل لمحہ ہے جو دل جھیل رہا ہے۔ ے گا تو کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ یہ لمحہ آیا بھی تھا کبھی۔ آپ کا بیٹا کمزور نہیں ہے۔ کمزور پڑے گا ـــــ آپ پریشان مت ہوئیے۔ میں سب پھر سے ویسا ہی کروں گا جیسا آپ کو ٹھیک لگتا ہے۔ بلہ ہے بھی۔ یہ بات میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔ کسی کو بھی نہیں کہ میں کن موسموں میں جی رہا ہرا دم گھٹنے لگا تھا۔ سانس لینا محال ہو گیا تھا۔ میں کوئی فضول کی ضد نہیں کر رہا۔ نہ کوئی فضول کی ہتا ہوں۔ دل میرے نزدیک ایک بچہ سا ہے جو جلد ہی بہل جائے گا۔ اور سنبھل کر پھر سے اسی جائے گا۔ مگر ایسا ہونے کی یہ کیفیت کچھ تسلی بخش نہیں ہے۔ اور کسی قدر جان لیوا بھی۔" اذہان

اپنا دل کھول کر ماں کے سامنے رکھ رہا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ یہ سب سن کر اس کی ماں کے دل پر کیا گز
ہے۔

اپنے بیٹے کے غم میں وہ کتنی دُکھی ہو رہی ہے۔

’’آپ یہ مت سمجھئے گا میں کوئی ضد کرنے والا ہوں۔ مجھے چاند نہیں چاہئے ــــــ مجھے پتہ ہے
ایک بے بس کر دینے والے لمحے کے حصار میں ہوں اور اس سے باہر نہیں آ پا رہا ہوں۔ مگر دل جلد
جائے گا۔‘‘

اذہان حسن بخاری نے سر اٹھایا۔ ہاتھ بڑھا کر ماں کے آنسو پونچھے ــــــ اور پھر چپ چاپ ا
باہر نکل گیا۔

فارحہ بیٹھی دیکھتی رہ گئی تھی۔

❄❄❄

’’یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟‘‘ زوباریہ نے مظہر سیال کے سامنے کھڑے ہو کر دریافت کیا تھا۔

’’کیوں۔ــــــ کیا ہوا؟‘‘

’’میرب کی طلاق کا معاملہ آپ نے اٹھایا؟‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

’’کیوں ــــــ مجھے جو بہتر لگا میں نے وہی کیا۔ شی اِز مائی ڈاٹر۔ اس کی زندگی برباد ہوتے نہ
سکتا۔‘‘ مظہر سیال نے جواب دیا تھا۔

’’آپ کو لگتا ہے کہ ایسا کر کے اس کے ساتھ کچھ بہتر کیا ہے؟‘‘ زوباریہ نے الٹا دریافت کیا تھا

’’آپ کو نہیں لگتا کیا؟‘‘ مظہر سیال نے پوچھا۔

’’نہیں۔‘‘

’’یہ میری بیٹی کی زندگی کا معاملہ ہے ــــــ اس کے لئے جتنا بے چین میں ہو سکتا ہوں، کوئی
ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا دکھ مجھے زیادہ ہے۔‘‘

ایک لمحے میں زوباریہ کو اپنے معاملات سے الگ کر دیا تھا۔

’’اور جو آپ کر رہے ہیں وہ کیا ہے؟‘‘ زوباریہ نے دریافت کیا۔

’’آپ کو لگتا ہے یہ غلط ہے؟‘‘ مظہر نے پوچھا۔

’’آپ پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آپ کو کچھ بھی کرنے سے پہلے میرب سے ایک بار
چاہئے تھا۔ ایک بار اس کی مرضی بھی معلوم کر لینی چاہئے تھی۔ آپ پھر وہی غلطی کرنے جا رہے ہیں
پہلے بھی کر چکے ہیں۔ آپ اسے دہرانے کی کوشش مت کیجئے۔‘‘ زوباریہ نے سمجھانا چاہا۔

’’میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ ایک غلطی ہوئی تھی، اس کو سدھارنے کی کوش
ہوں۔‘‘

پ سمجھتے ہیں اس طرح کچھ کر کے آپ اپنی غلطی سدھار رہے ہیں تو یہ غلط ہے۔‘‘
نہیں ہے۔ غلط وہ تھا جو پہلے کیا۔ اور یہ اس کی مرضی کے خلاف بھی نہیں ہو رہا۔ پیپرز میرب کے
ئے تھے۔ اس کی مرضی سے ہوا ہے یہ۔‘‘

ا؟‘‘ زوباریہ حیران رہ گئی تھی۔ ’’ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟‘‘

ا ہے ــــــ اور اب میں کچھ بھی اپنی بیٹی کے خلاف نہیں ہونے دوں گا۔‘‘ مظہر سیال نے دو
ز میں کہا تھا۔ زوباریہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

❄❄❄

یں اس نے ٹھیک کیا تھا یا نہیں۔

اسے وہ گریز ہی مناسب لگا تھا۔

چھ برہم لگا تھا۔

بح ناشتے کی ٹیبل پر وہ برہم تو نہیں لیکن ’’لاتعلق‘‘ ضرور تھا۔ کچھ ’’انسیت‘‘ تو اس سے قبل بھی زیادہ
ی۔ مگر اب تو لاتعلقی کچھ بڑھ گئی تھی۔

نے چپ چاپ اس کے سامنے چائے رکھی تھی۔

ینکس۔‘‘ ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک کنکر پڑا تھا۔ سکوت میں لمحہ بھر میں ہلچل ہوئی تھی اور سارا
سے ویسا ہی تھا۔

یہ کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ حالانکہ اب تو اسے عادی ہو جانا چاہئے تھا۔

پ گاڑی بھجوا دیں گے؟ ــــــ شام میں مجھے کہیں جانا ہے۔‘‘ دانستہ طور پر بات کا آغاز کیا تھا۔

ہاں جانا ہے تمہیں؟‘‘ اس سوال کی امید نہیں تھی۔ اتنی ’’سردمہری‘‘ کے موسم میں ایسا کوئی سوال، وہ
کر رہی تھی۔ شاید تبھی اس کے پوچھنے پر کچھ حیرت ضرور ہوئی تھی۔

معہ کی طرف۔‘‘ اس نے سر جھکا کر توس پر بٹر لگاتے ہوئے کہا تھا۔ عفنان نے چند لمحوں تک
سے اسے دیکھا تھا پھر اخبار سامنے پھیلا کر چائے کے سپ لینے لگا۔

ہاں کیا ہے؟‘‘ اتنی وضاحتیں طلب کی جائیں گی، وہ جانتی نہیں تھی۔

روری ہے کچھ ہو تب ہی جاؤں؟‘‘ انابیہ نے الٹا دریافت کیا تھا۔

دزان کے لئے جا رہی ہو؟‘‘ ایک چھوٹے سے معاملے پر اتنی ’’بات چیت‘‘ ہو گی اسے علم نہ تھا۔
اقدر حیرت ہوئی تھی۔

ا اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا تھا جو انجان بن کر بھی انجان نہ تھا۔

یں۔‘‘ اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

ھر ــــــ؟‘‘

آپ چاہتے ہیں میں نہ جاؤں؟‘‘ تنک کر پوچھا گیا۔

لیا میں نے نہیں کہا۔ لیکن مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر کوئی میری بیوی کی بے عزتی کرے ــــــ

تمہاری کوئی عزت ہو نہ ہو، مگر میری ہے۔ اگر تمہیں کوئی کچھ کہتا ہے تو اس سے میری حیثیت پر حرف آ
ہے۔'' کتنے آرام سے وہ بول گیا تھا۔ وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ یعنی اس کی اپنی کو
حیثیت ہی نہیں تھی۔

حیرت سی حیرت تھی۔

مگر عفنان اس کی حیرت کی مطلق پرواہ کئے بغیر چائے کے سپ لینے لگا تھا۔

''کیا کہا آپ نے؟ ـــــ آپ کو لگتا ہے میری کوئی عزت نہیں؟'' بات جتنی پُرسکون دکھائی د
رہی تھی اب ''فضا'' ویسی نہیں رہی تھی۔

عفنان علی خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے میری خود کی کوئی حیثیت نہیں؟''

''میں نے ایسا نہیں کہا۔'' عفنان نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ لہجہ بے تاثر تھا۔

انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اس ایک جملے میں پنہاں معنی خاص وہ سمجھ ہی نہ سکی تھی۔

''میری اپنی بھی کوئی شناخت ہے۔ کوئی ویلیو ہے۔'' اس نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے با
کرایا تھا۔

''ضرر ہو گی ـــــ مگر جو میں کہہ رہا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ عقل استعمال کرنے کے لے
ہوتی ہے۔ اگر آپ استعمال کریں گی تو آپ کے لئے بھی آسانی ہو گی اور میرے لئے بھی۔'' انداز کسی قد
ڈپٹنے والا تھا۔

انابیہ کچھ بول نہ سکی تھی۔

''جب تک اس گھر میں ہیں، آپ میری ذمہ داری اور عزت ہیں۔''

''تو ـــــ؟''

''تو ـــــ؟؟'' عفنان نے اس کے شانے اچکانے پر اسے دیکھا تھا۔

''آپ چاہتے ہیں کہ میں لامعہ سے ملنا جُلنا بند کر دوں؟''

''آپ فضول کی بحث کیوں کر رہی ہیں؟''

''فضول کی بحث میں کر رہی ہوں؟''

''نہیں ـــــ آپ کی نیبر کر رہی ہیں۔'' عفنان علی خان نے اخبار ایک طرف رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اس کا مطلب ہے کہ میرا دنیا میں آنا جانا، ملنا جُلنا بند؟'' انابیہ کو سوچ کر ہی دھچکا لگا تھا۔ ''قیدی ہو
میں؟ ـــــ کیونکہ میں آپ کو......'' ایک بات زبان پر آتے آتے رہ گئی۔ عفنان علی خان نے اسے
کر دیکھا۔ پھر پلٹ کر اس کی طرف آ گیا۔ کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا چ
آہستگی سے چھوا تھا۔

''میرے لئے کچھ مشکل نہیں ہے انابیہ! ـــــ اگر میں کچھ حاصل کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں۔

حد بندیاں اگر ہیں تو صرف اس لئے کہ ـــــ چھوڑو ـــــ تم نہیں سمجھو گی۔ مگر ایک بات اب
ں ہے کہ آپ ان لوگوں سے نہیں ملیں گی جو آپ پر فضول الزامات لگاتے ہیں۔'' بہت مدھم لہجے
کہہ رہا تھا۔

تم ایسا اس لئے نہیں چاہتے کہ لامعہ تمہاری ایکس بھی رہ چکی ہے؟''

ایکس رہنے سے کیا ہوتا ہے؟ تم جانتی ہو سب ـــــ تم سے تو کچھ چھپا نہیں ہے۔ اگر میں تم کو
ے ملنے سے روکنا چاہوں تو اس میں میرا راز نہیں چھپا۔ اگر مجھے لامعہ سے کوئی لگاوٹ ہوتی تو آج تم
ہ میری زندگی میں میرے ساتھ ہوتی۔ وجہ اب تم خود ڈھونڈو۔ الزامات سے زیادہ حقائق پر نگاہ
ں ضرورت ہوتی ہے۔ آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد کی دنیا کو دیکھو۔ سب سمجھ میں آ جائے گا۔''

فنان علی خان نے اسے چھوڑ دیا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

ابیہ وہیں کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

اری صورت حال اس کے لئے نئی تھی اور تعجب خیز بھی۔

ں شخص کے انداز میں Posessiveness تھی۔ جو اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

* * *

بت ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔

رمیان میں کچھ نہ تھا۔

ر ہوتا تو شاید لفظوں کے، باتوں کے معنی مختلف ہو بھی سکتے تھے۔

ر محبت ہوتی۔

ر محبت نہیں تھی۔ تبھی صورت حال اتنی پیچیدہ بھی تھی۔

برب سیال کو لگ رہا تھا، قدموں تلے سے زمین سرک رہی ہو۔

یک بار پہلے زندگی اس کی اجازت مانگے بغیر اس کی دنیا میں ایک عجب انقلاب لے آئی تھی۔ وہ
ب جسے نہ اس کی عقل نے تسلیم کیا تھا نہ دل نے۔

ر آج پھر اس کی زندگی اسے وہ دکھانے جا رہی تھی جس کے لئے وہ تیار نہیں تھی۔

ہ تبدیلی جسے وہ اپنی زندگی میں نہیں چاہتی تھی۔

ہ بے جان، ساکت سی بیڈ پر لیٹی تھی جب فون کی بیل اچانک بجی۔ اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔

ن بجتا رہا تھا۔

یک ـــــ

و ـــــ

ین ـــــ

ئی بار ـــــ

ہیلو ـــــ!''

''تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟'' دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ متفکر دکھائی دے ر تھا۔

''بس نہیں اٹھا رہی تھی۔'' اس نے بولنے کی کوشش کی تھی۔ مگر آواز کہیں اندر ہی دب گئی تھی۔

''یو او کے؟'' دوسری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ کچھ مضطرب دکھائی دیا تھا۔ کوئی معجزہ ہونے رہا تھا کیا؟

''ہاں ـــــ ٹھیک ہوں میں۔'' میرب نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''ٹھیک تھیں تو فون اتنی دیر سے کیوں اٹھایا؟'' دوبارہ سوال وہی تھا۔

''آپ نے کس لئے فون کیا؟'' وہ تپ گئی تھی۔ ''یہ جاننے کے لئے کہ میں مر گئی یا پھر زندہ ہوں؟' میرب سیال نے درشت لہجے میں کہا تھا۔

''شٹ اپ!'' جواباً اس کی برہم آواز سنائی دی تھی۔ ''مائی کو تم سے بات کرنا تھی۔'' بروقت ایک جوا آیا تھا۔

''اچھا ـــــ تو پھر دیں فون انہیں ـــــ آپ کیوں بات کر رہے ہیں؟'' میرب سیال نے لاتعلق کی حد کر دی تھی۔

''میرب تم ـــــ'' وہ جیسے یک دم سلگ اٹھا تھا۔

''کیا میں؟''

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''آپ کی طرح قتل عام نہیں کرتی ـــــ دوسروں کے احساسات کی بھرپور پرواہ ہے مجھے۔ اگر آپ نے اس لئے فون کیا ہے کہ میں مائی کو کچھ نہ بتا دوں تو آپ غلط ہیں۔ میں اس بات پر قائم ہوں۔ آپ ر پاتے ہیں یا نہیں، اس کے بارے میں، میں نہیں جانتی۔ مگر مجھے پورا احساس ہے اس بات کا۔''

''کس بات کا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

''کہ مائی اماں کو کسی بات کا پتہ نہ چلے۔ نہ ہی انہیں کوئی تکلیف پہنچے۔''

''رائٹ ـــــ گڈ ـــــ تو آپ ڈیل پر قائم ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

میرب سیال ایک لمحے کو دنگ سی رہ گئی تھی۔

وہ شخص بدلنے والا نہیں تھا۔

ایک لمحے کو سارے قیاس ڈھیر ہوئے تھے۔

ساری خوش فہمیاں بھی ایک طرف دھری رہ گئی تھیں۔

زندگی کی سوئی پھر اس جگہ پر اٹک گئی تھی۔

اُسے اپنی عقل پر ایک بار پھر ماتم کرنے کو دل چاہا تھا۔ اس کی عقل ہمیشہ اس شخص کو رعایت دیتی تھی۔ مگر وہ شاید اس قابل تھا ہی نہیں۔

اس کی توقعات ایک بار پھر اوندھے منہ پڑی تھیں۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی تمکنت سے سر

کھڑا تھا۔

آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟'' اس نے ساری جان سے سلگ کر دریافت کیا تو وہ چونک پڑا۔

یا مطلب؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز سوالیہ تھا۔

مطلب یہ کہ آپ اس دنیا کے سب سے زیادہ خود غرض اور بے حس شخص ہیں۔ آپ صرف ظاہر
ہیں کہ آپ کو کسی کی پرواہ ہے ـــــ مگر درحقیقت ایسا کچھ نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ صرف
رے میں سوچتے ہیں۔ صرف اپنی پرواہ کرتے ہیں۔ آپ کی بلا سے دنیا جائے بھاڑ میں۔ صرف
ذ چاہتے ہیں وہ ویسا ہونا چاہئے۔'' میرب سیال نے اپنے اندر کا غبار کسی قدر نکال دیا تھا۔ دوسری
ردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

ہت زعم ہے آپ کو خود پر؟ ـــــ اپنے پیسے پر؟ ـــــ آخر سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ ـــــ جب
جو بھی چاہیں خرید سکتے ہیں؟ ـــــ دنیا مٹھی میں ہے آپ کی؟ ـــــ آپ چاہیں تو سانس لے
ـــ آپ چاہیں تو سانس لینا بند کر دے گی۔ آخر کیا ـــــ کیا چیز ہیں آپ؟'' میرب سیال روانی
ی تھی۔

می وہ گویا ہوا تھا۔

ایک لبرل شخص ہوں ـــــ خود کو بھی آزاد دیکھنا چاہتا ہوں اور دوسروں کو بھی۔ جبر پسند نہیں ہے
ہر مسئلے کو مصلحت سے حل کرنا چاہتا ہوں۔''

نہیں ہیں آپ ایسے ـــــ آپ بالکل بھی ایسے نہیں ہیں۔'' میرب نے اسے ایک لمحے میں رد کر

تو پھر؟ ـــــ کیسا ہوں میں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سوال پوچھ کر الٹا اس کی جان مصیبت
ادی تھی۔

ہت برے ہیں آپ۔'' میرب سیال نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

بتگین حیدر لغاری ہاتھ میں فون لئے دیکھتا رہ گیا تھا۔

یا ہو گیا اس لڑکی کو؟ ـــــ اتنا ہائپر کیوں ہو رہی تھی وہ؟ ـــــ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

ب کچھ تو اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا ـــــ جیسا وہ چاہ رہی تھی، ویسا ہی ہو رہا تھا ـــــ پھر
اتنی ہائپر کیوں ہو رہی تھی؟؟

❄❄❄

کہاں جا رہی ہو تم؟'' گی کو جاتا دیکھ کر سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

ایک ضروری کام سے ـــــ اور تم ـــــ تمہیں کیا ہوا؟ ـــــ اب تک کوئی حل نہیں نکالا تم نے
لے کا؟'' اسے بکھرا سا دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ اس شخص کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ صرف اپنا
م رکھنا چاہتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ گی کو اس کی حالت پر بہت افسوس ہوا تھا۔

گین! اپنے اوپر فضول جبر کیوں کر رہے ہو؟ جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے لئے بھی یہ آسان نہیں

ہے۔ پھر یہ بھرم قائم رکھنا کیوں چاہتے ہو؟ ـــــ تم شرمندہ کیوں ہو؟ ـــــ تم دنیا میں پہلے شخص نہیں ہو جو اپنے ایموشن کے ہاتھوں ہار رہا ہے۔ پھر کیوں گین؟ تم نارمل ری ایکٹ کیوں نہیں کرتے سر کچھ نارمل کرنے کے لئے؟ یہ بہت ضروری ہے گین! تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" گی ژیاگ نے اسے ڈپٹا تھا۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے گین!" پُرافسوس انداز سے کہا تھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" وہ جیسے اپنے موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"خود سے نظریں ملانا نہیں چاہتے ہو گین! خود اپنے لئے اہم نہیں ہو تم؟ ـــــ اپنے دل، ا ایموشن کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تم؟ ـــــ کس بات سے ڈرتے ہو تم؟ ـــــ آخر سمجھ کیوں نہیں لیتے تمہارے لئے کیا اور کتنا ضروری ہے۔"

"مجھے مت سمجھاؤ گی! ـــــ میرے معاملات کو مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اپنی بات کرو۔"

"میری بات ـــــ مسٹر بخاری نے رات مجھے کہیں سے نمبر ڈھونڈ کر خود کال کی ہے۔ وہیں جار ہوں۔"

"اوہ ـــــ دیٹس اے گڈ نیوز۔ تم جسے اتنے عرصے سے ڈھونڈ رہی تھیں بالآخر وہ تمہارے سامنے گئے۔ چلو کچھ تو اچھا ہوا۔" سردار سبکتگین حیدر نے کہا تھا۔

"ہاں ـــــ مگر میں اتنی خوش نہیں ہوں۔ مجھے خوشی تب ہو گی جب تم اپنے لئے وہ ایک فیصلہ کر لو۔ جو تمہارے دل کی خوشی کے لئے ہو۔ خود کو یوں اس طرح ضائع کرنا بند کر دو گین! ـــــ بہت تکلیف ہے یہ۔ تمہارے لئے تو ہے ہی ـــــ مگر ہم دوسرے جو تمہارے اردگرد ہیں، ان کے لئے بھی یہ جب آسان نہیں ہے۔ پلیز خود کو یہ فضول کی سزائیں دینا بند کر دو۔" گی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"ساتھ چلوں تمہارے؟" سبکتگین حیدر لغاری نے دانستہ بات بدل دی تھی۔ گی نے کچھ سوچ کر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں بھی تم سے یہی کہنے والی تھی کہ تم ساتھ چلو۔"

گین گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

گی اس کے پیچھے چلتی ہوئی آئی تھی۔

"مجھے عجیب سا لگ رہا ہے گین! ـــــ زندگی اتنی الجھ گئی تھی۔ اور اب جب اچانک ہی سلجھنے جار ہے تو ـــــ اور پتہ نہیں سلجھنے جا رہی ہے کہ نہیں ـــــ مگر سب عجیب سا لگ رہا ہے ـــــ یقین نہیں آ رہا۔ کتنا عرصہ لگا دیا میں نے اسے ڈھونڈنے میں ـــــ اور آج اچانک وقت نے اسے میر سامنے لا کھڑا کیا۔ زندگی یوں بھی ہوتی ہے گین! ـــــ ایسی بھی ـــــ یقین نہیں آتا۔" گی نے کہا تھا

سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

"گین! ایک بات مانو گے؟" گی نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

نی زندگی کو اپنی مرضی سے چلانے کی بجائے اپنے دل پر چھوڑ دو۔ اپنے دل کی مرضی کو ایک بار ے کر دیکھو۔ صورت حال خود بخود بدل جائے گی۔" گی نے کہا تھا مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

بجھا بجھا سا انداز تھا۔

ز میں ایک طنز صاف واضح تھا۔

ں! تم تھکتی نہیں ہو ایک ہی طرح کی باتیں کر کے؟"

ب ہی طرح کی باتیں تمہارے لئے کتنی اہم ہو سکتی ہیں ـــــ کبھی سوچا ہے تم نے؟" گی نے الٹا یا تھا۔

ا نہیں ہوتا گی! ـــــ تم فضول کی باتیں کرتی ہو ـــــ اور فضول کی باتوں پر زندگی نہیں گزرتی۔ ھول کر حقائق کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اور حالات میرے حق میں اچھے نہیں ہیں۔"

ا یہ کیوں سوچتے ہو گین؟ ـــــ حالات تمہارے ہاتھ میں اور تمہارے حق میں ہو بھی سکتے ہیں۔"

ں! میں احمقوں کی دنیا میں نہیں رہتا۔ مجھے معلوم ہے کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے اور کیا ہونا ' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بری طرح رد کر دیا تھا۔

ا صرف اپنی طرح سوچتے ہو ـــــ کبھی دوسروں کی طرح بھی سوچ کر دیکھ لیا کرو۔" گی کو کچھ ا تھا۔

سروں کی طرح سوچ کر کیا ہو گا، یہ مجھے معلوم ہے۔ سو میں اپنی طرح سے ہی سوچتے رہنا چاہتا سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے خود کو معمول پر ظاہر کیا تھا۔

لب بات بتاؤ ـــــ تم جی لو گے میرب کے بغیر؟" گی نے ایک ٹھوس بات پوچھی تھی۔

ار فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا۔

کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

کی خاموشی میں وہ معنی پنہاں تھے۔

لو کچھ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ تبھی وہ بھرپور یقین سے بولی تھی۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری! وہ لڑکی تمہاری زندگی کا اہم اور ضروری ترین حصہ ہے۔ اور اس بات کا ساس تمہیں بھی ہے کہ وہ تمہارے لئے کتنی اور کس قدر ضروری ہے۔ تم خود بھی یہ بات جانتے ہو۔ د سے نگاہ چرانا چاہتے ہو ـــــ اپنے دل کو خود آپ رد کرنا چاہتے ہو۔ اس آواز کو سننے کی کوشش ر رہے ہو۔"

دبہ ریسٹورنٹ کے سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ بولے بغیر گاڑی روک دی تھی۔ اور گی نے کا منتظر ہو کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگا تھا۔

ا میرے ساتھ اندر نہیں آؤ گے؟"

ں ـــــ کچھ مناسب نہیں لگتا۔ تم چلی جاؤ۔ میں تمہارا یہاں باہر انتظار کرتا ہوں۔" سردار یدر لغاری نے کہا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہو رہا—— آپ میرے ساتھ اندر چل رہے ہیں۔ سچ میں گین! بہت عجیب لگ ہے—— یوں اس طرح—— مجھے اپنا سارا جسم بے جان سا لگ رہا ہے—— پلیز تم میرے سات اندر چلو۔“ گی بولی تھی اور وہ چپ چاپ اس کے ساتھ آ گیا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ گین! کیا ہو گا؟“ ریسٹورنٹ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ داخل ہوتے ہو وہ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا حوصلہ بندھانے کو بہت ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ چونک پھر مسکرا دی تھی۔

”تھینکس گین!—— تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ تم نے واقعی بہت ساتھ دیا ہے۔ یہاں تا کہ تم نے میرے لئے اپنی زندگی تک کو خطرے میں ڈال لیا۔ اگر آج تمہاری زندگی اس قدر الجھی ہوئی۔ تو اس میں میرا بھی ہاتھ ہے۔ مگر تم نے کبھی مجھے اس بات کی وضاحت میرب کو دینے نہیں دی۔ نہ خود اسے بتاتے ہو نہ مجھے بتانے دیتے ہو—— بہت عجیب ہو تم۔“ گی نے شکوہ کیا تھا۔

تبھی وہ آہستگی سے بولا تھا۔

”گی!—— زندگی میں ساتھ رہنا، ساتھ جینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا—— ایک دوسرے کی خوا کرنا، ایک دوسرے کے لئے جینا بھی اہم نہیں ہوتا—— اہم ہوتا ہے ایک دوسرے کو سمجھنا۔ اگر ایک گزار کر بھی کوئی کسی کو سمجھ نہ سکے تو سب فضول ہے۔ اینی ہاؤ، تمہارے مسٹر بخاری دکھائی نہیں دے رہے شکل تو یاد ہے نا تمہیں ان کی؟“ سردار سبکتگین نے ایک چھوٹا سا مذاق کیا تھا۔

گی نے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا۔ پھر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔ اور بالآخر کی نگاہ ایک شخص پر رک گئی تھی۔

”وہ رہے——!“ گی نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس نظروں کا تعاقب کیا تھا اور نگاہ لحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

”اِز ہی مسٹر بخاری——؟“ کسی قدر حیرت سے وہ بولا تھا۔

گی اتنی مگن تھی کہ کسی قسم کی حیرت کی پرواہ کئے بغیر سر اثبات میں ہلا گئی تھی۔

”آؤ۔“ گی آگے بڑھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ دیر تک یوں ہی کھڑا رہا تھا پھر ق آہستگی سے آگے بڑھا دیئے تھے۔

”کیسے ہیں آپ بخاری؟“ گی نے مسکراتے ہوئے اس شخص کو دیکھا تھا۔

بخاری صاحب مسکرا دیئے تھے۔ گی، گین کے آنے کی منتظر تھی۔ وہ آ رہا تھا۔ تبھی اس کا تعارف کرا ہوئے بولی تھی۔

”گین! ہی اِز مسٹر بخاری۔ ڈاکٹر فیض بخاری—— اور بخاری! ہی اِز سردار سبکتگین حیدر لغاری۔ بیسٹ فرینڈ۔“ گی نے تعارف کرایا تو گین نے ہاتھ ملایا۔ تبھی فیض بخاری بولے تھے۔

”گی بتا رہی تھی، آپ نے بہت ہیلپ کی اس کی۔ اس کے لئے میں آپ کو تھینکس کہوں گا۔“

بلکہ—— میں نے گی کے لئے جو بھی کیا وہ میرا فرض تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اینی ہاؤ،
باتیں کیجئے، مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے—— گی! میں تمہیں پک کر لوں گا۔ تم ٹائم بتا
ایک گھنٹے بعد لے لوں؟“ سوالیہ نظروں سے گی کو دیکھا تھا۔ تبھی فیض بخاری بولے تھے۔

واپسی پر چھوڑ دوں گا۔“

سبکتگین حیدر لغاری نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا پھر پلٹ کر چلتا ہوا ریسٹورنٹ سے باہر نکل گیا۔

❋❋❋

بہت بوجھل تھا۔

یاد آ رہی تھیں۔

ہیں پتہ نہیں کیا آیا کہ وہ فارحہ آنٹی کی طرف آ گئی تھی۔ گلے ملی تو کتنی دیر تک چپ چاپ بے آواز
تھی۔

نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔

وہ بہت سے اسباب پہلے سے جانتی تھیں۔

دیر تک میرب روتی رہی تھی۔ فارحہ چپ چاپ اس کا سر تھپکتی رہی تھیں۔ جی کا غبار ڈھل گیا تھا تو
نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور خجل سی ہو کر بولی۔

پ کی یاد بہت آ رہی تھی—— آپ نے تو بالکل ہی بھلا دیا۔“ شکوہ لبوں پر آ گیا تھا۔

حہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

ں آنا چاہتی تھی مگر—— مظہر بھائی—— خیر چھوڑو، یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟ اتنی انرجی ویسٹ کر
وکر—— اتنی یاد آ رہی تھی تو فون کر دیا ہوتا—— میں آ جاتی۔“ اس کے لئے فریج میں سے
لین نکالتی ہوئی وہ بولی تھیں۔

آپ واقعی پاپا کی وجہ سے گھر نہیں آتیں؟“ میرب نے کسی قدر حیرت سے سر اٹھا کر فارحہ کو دیکھا۔
نہیں بولیں اور کین اس کی طرف بڑھاتے ہوئے نرمی سے مسکرا دی تھیں۔

پی نانو کی طرف گئی تھی تو؟“

ہیں—— بہت دنوں سے نہیں گئی۔ کسی کو میری یاد نہیں آتی۔ کسی کے لئے میری کوئی امپورٹنس
—— سوچ لیا ہے—— اب میں بھی کسی سے ملنے نہیں جاؤں گی۔ آپ کی طرف بھی آخری بار
ل۔“ بچوں کی طرح خفا سی وہ شکوہ کر رہی تھی۔

رحہ مسکرا دیں۔

صرف یہی بتانے آئی تھی؟“

پاپا کو آپ سے کیا الجھن ہے آنٹی؟“

رحہ جو مسکرا رہی تھیں، یک دم ہونٹ بھینچ گئیں۔

الجھن تو انہیں ہم سب سے ہے—— بتایا تو تھا کہ وہ آپا کی موت کے بعد ہم سے ملنا پسند نہیں

کرتے۔ کیونکہ وہ آپا کی موت کا ذمہ دار ہمیں سمجھتے ہیں۔" فارحہ نے بتایا تھا۔

"بس ـــــ صرف یہی وجہ ہے؟" میرب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

فارحہ کچھ دیر تک خاموش رہیں، پھر آہستگی سے بولیں۔

"الجھنوں کو بڑھانے کے لئے جواز ضروری نہیں ـــــ تم بتاؤ، اتنا رو کیوں رہی تھیں؟" فارحہ ا کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

"بس یوں ہی ـــــ دل چاہ رہا تھا۔" میرب نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"ایسے ہی کیوں؟" فارحہ نے جواب چاہا تھا۔

"بس دل عجیب سا ہو رہا تھا۔" درد اتنا بڑھا تھا کہ سنبھالنا مشکل تھا۔ میرب کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔

"آنٹی! پاپا میری شادی ختم کر رہے ہیں۔"

"کیا ـــــ؟" فارحہ حیران رہ گئی تھیں۔ "لیکن وہ ایسا تمہاری مرضی کے بغیر کیسے کر سکتے ہیں؟"

"انہیں لگتا ہے کہ میں خوش نہیں ہوں۔"

"اور تم؟" فارحہ آنٹی نے اس کی طرف دیکھا تو میرب سر جھکا گئی تھی۔

"آنٹی! میرے ساتھ بہت عجیب ہوا ـــــ زندگی نے میرے ساتھ سب کچھ عجیب کیا۔ پہلے م اس رشتے کے لئے تیار ہی نہیں تھی ـــــ وقت نے مجھے پابند کر دیا ـــــ میں اس رشتے کو بوجھ سمجھ تھی۔ اتار کر پھینک دینا چاہتی تھی۔ اور پھر ـــــ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کب معنی بدل گئے ـــــ کب ا رشتے سے مجھے اُنسیت ہوئی ـــــ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی ـــــ پتہ ہی نہیں چلا ـــــ خراب ہوئی جب میں اس رشتے سے علیحدہ ہو رہی ہوں ـــــ اب میں علیحدگی نہیں چاہتی۔ میں آنکھیں بند کر کے جی ر تھی آنٹی! ـــــ محبت کا کہیں ذکر نہیں تھا ـــــ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے تو بالکل بھی نہیں مگر حوالے کب چینج ہوئے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ کیسے ہوئی یہ محبت ـــــ آہستہ آہستہ۔" وہ سر جھکا۔ مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ فارحہ چپ چاپ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ نظروں میں کچھ حیرت تھی۔

اور حیرت تو اذہان حسن بخاری کی آنکھوں میں بھی تھی جو قدرے فاصلے پر کھڑا تھا۔

غالباً وہ اسی ساعت وہاں آیا تھا۔ مگر چہرے کا ری ایکشن بتا رہا تھا، وہ سب کچھ سن چکا تھا۔

فارحہ کی نگاہ بیٹے پر گئی تھی۔

تبھی نظروں کے تعاقب میں میرب نے دیکھا تھا۔ مگر کچھ بولی نہیں تھی۔

اذہان چپ چاپ آگے بڑھ آیا تھا۔

اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"کیسی ہو تم؟" کچھ دشوار ہو رہا تھا خود کو سنبھالنا۔ مگر وہ اتنا کمزور ہرگز نہیں تھا۔

میرب مسکرا نہیں سکی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ "اور تم ـــــ؟"

اذہان مسکرا دیا تھا۔

ں فٹ فاٹ ـــــ اپنی رخصتی کا دعوت نامہ دینے آئی ہو کیا؟" وہ ہر شے معمول پر ظاہر کرنا چاہتا
اقدر بے تاثر بھی۔ تبھی مذاق کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

ں ـــــ میں فارحہ آنٹی سے ملنے آئی تھی۔" میرب آہستگی سے بولی تھی۔

رف فارحہ آنٹی سے؟ ـــــ ہم سے نہیں؟" اذہان حسن بخاری نے شکوہ کیا تھا۔

ے کیا پتہ تھا تم اچانک آ ٹپکو گے۔" میرب نے دوستانہ انداز میں کہا تو اذہان مسکرا دیا۔ مگر انداز
اتھا۔

ں ـــــ مجھے بھی خبر نہیں ہوئی تھی کہ گھر میں تم آ چکی ہو۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ
دی تھی۔

ادونوں بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں چائے لے کر آتی ہوں اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی۔" فارحہ کے
نظر کو دیکھتے رہنا مشکل تھا شاید۔ تبھی وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ میرب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

ن اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

رکیا چل رہا ہے؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ب نے سر اٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

یا ہوا؟ ـــــ اپنے میاں سے جھگڑا ہو گیا ہے تمہارا؟" وہ مسکرا دیا تھا۔ صورت حال کو اپنے اختیار
کرنا چاہ رہا تھا اور دوسرے معنوں میں وہ میرب کو بھی اس شرمندگی سے بچانا چاہتا تھا جو اسے فیل
صورت حال میں کہ وہ اس کے متعلق سب جان چکا ہے۔

اجان چکے ہو نا سب؟" میرب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ جو مسکرا رہا تھا، چہرے
ت یک دم بدل گئے تھے۔ لب بھینچے ہوئے اسے دیکھا تھا اور نگاہ پھیر گیا تھا۔

اپنے دُکھ بھی اب مجھ سے بانٹنا نہیں چاہتی ہو تو میں کیا کروں؟ ـــــ تم نے تو ایک دم ہی پرایا
اذہان نے شکوہ کیا تھا۔

ب کچھ نہیں بول سکی تھی۔

ہیں لگتا تھا اب میں تمہیں تسلی بھی نہیں دے سکوں گا؟"

لا ـــــ مجھے ایسا کچھ نہیں لگا تھا۔" میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر نفی میں سر ہلایا تھا۔

پھر؟ ـــــ تمہیں لگا تھا ـــــ تمہارا مان ٹوٹ جائے گا ـــــ یا پھر تم خود کو کمزور ثابت کرنا
تی تھیں۔" اذہان نے جواز تلاشے تھے مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ہان! ایسا کچھ نہیں ہے ـــــ بس میں بہت پریشان تھی اور تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔
اتم سن کر اپ سیٹ ہو جاؤ گے۔"

رتم جو اتنی پریشان ہو، اس کا کیا؟"

ری پریشانی تو ختم ہونے جا رہی ہے اور......"

ایسا نہیں چاہتی نا؟" اذہان نے اسے دیکھا تھا۔

میرب جو سر جھکائے بیٹھی تھی، سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اگر ایسا نہیں چاہتی تو پھر ایسا ہونے کیوں دے رہی ہو؟ —— یو گون میڈ؟'' اذہان حسن بخاری اسے برہمی سے دیکھا تھا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے اذہان!'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''کیا آسان نہیں ہے، تم میں ہمت نہیں ہے؟ —— بچی ہو؟ —— اوہ، کم آن میرب! یہ بچپنا کہیں چھوڑ دو تم —— اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا سیکھو۔ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو تم۔ کیا مشکل تمہارے لئے؟'' اذہان نے اسے ڈپٹا تھا۔

''تم نہیں سمجھو گے اذہان!'' وہ بے بس دکھائی دی تھی۔

''کیوں نہیں سمجھوں گا؟ —— تم سمجھاؤ تو —— کیا تم سمجھتی ہو کہ میں کوئی بہترین حل تمہیں دے سکوں گا؟'' وہ بولا تھا۔

میرب نے اسے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

''تم ہر شے الٹی لے رہے ہو اذہان! —— میں نے تمہیں نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہرگز بھی یہ تھا کہ تم میرے ساتھ سینسیئر نہیں ہو یا مجھے کوئی اچھا مشورہ نہیں دے سکتے۔ تم صرف یہ سمجھ نہیں پا رہے مشوروں کی ضرورت تو مجھے تب ہو جب میرے ہاتھ میں کچھ ہو —— اور میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ میں اس معاملے میں کسی اور طرح کی ہوں —— دور سے کھڑی صرف دیکھ رہی ہوں اور بے بس ہو مجھے نہیں پتہ اس سے آگے کیا ہوگا۔'' میرب نے بے بسی سے کہا تھا۔ آواز بھرا گئی تھی۔

''تمہیں ایسا اس لئے نہیں پتہ کیونکہ تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑی رہنا چاہتی ہو —— تم یہ سمجھنا دو کہ یہ معاملہ کسی اور کا ہے۔ یہ سوچو گی تو پھر تم دور بے فکر رہ کر صرف دیکھتی نہیں رہو گی، اس معاملے کو دو گی اور اپنا معاملہ حل بھی کر دو گی۔'' اذہان نے اسے اکسایا تھا۔

مگر اس میں کوئی تحریک دکھائی نہیں دی تھی۔

''اذہان! تم ایسا کہہ رہے ہو —— کیونکہ تم اب بھی وہ سب کچھ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ ہوں۔''

''معاملہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ —— چاہتی کیا ہو تم؟'' اذہان نے تنگ آ کر کہا تھا۔

''اسے چاہتی ہوں —— آئی لو ہم —— مگر وہ مجھے نہیں چاہتا —— وہ شخص میرے لئے ضر ہے۔ کیونکہ وہ میری زندگی میں ہر طرف ہے —— ہر جگہ ہے —— مگر میں اس کی زندگی میں کہیں ہوں۔ میری جگہ کہیں بھی نہیں ہے۔ ایک فضول شے کی طرح ہوں میں اس کی زندگی میں۔ میرے ہو نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔'' آنکھوں میں رکا سارا نمکین پا توڑ کر باہر نکل آیا تھا۔

اذہان حسن بخاری اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے پہلی بار پتہ چلا اذہان! کہ سب کچھ ہونا اور کچھ نہ ہونا کیا ہوتا ہے۔ اور —— اور یہ کہ ز

مرضی، آپ کا چاہنا امپورٹنٹ نہیں ہوتا —— زندگی میں پہلی بار میں خود کو اتنا بے بس محسوس کر
ور وہ —— وہ تو یہ تک نہیں مانتا کہ ایسا میں نے نہیں کیا۔ میں اس سے دوری نہیں چاہتی۔ وہ
حد تک بدظن ہے کہ اسے لگتا ہے، میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ جو بھی ہوا ہے اس میں میری
ہے اور یہ سب میں نے ہی کیا ہے۔ تم جانتے ہو اذہان! میں کتنی بے بس ہوں؟ —— اتنے
و نہیں پائی میں اور.......''

بدتمیز شخص ہے وہ —— اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایک رسید کرتا اس کے۔ انتہائی بے وقوف
وہ —— محبت ہے یا نہیں —— اس کے لئے بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ ایسی باتیں خود بخود سمجھ
۔ اور اگر وہ شخص اتنا ہی زیادہ بے وقوف ہے اور سمجھنے کو تیار نہیں تو آپ انہیں بتا دیں۔ بات
رانے کی ضرورت نہیں۔ سیدھا ان کے پاس جایئے اور صاف کہہ دیجئے۔ پھر جو ہو سو ہو ——
پ کے دل میں کوئی ملال تو نہیں رہے گا نا —— اور یوں بھی ایسا کرنے کے بعد جو بھی ہوگا،
والی کیفیت سے پھر بھی بہتر ہوگا —— تم اس سے جا کر کہہ دو۔'' اذہان نے مشورہ دیا تھا۔

جو اتنا آسان اور سیدھا دکھائی دے رہا تھا، درحقیقت تھا نہیں —— میرب بھیگی آنکھوں سمیت
ی۔

آنکھوں سے آنسو بہانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے میرب! اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔''
جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے کر دیا تھا۔

سیال کی نظروں میں وہ منظر گھوم گیا تھا۔ جس میں وہ تھی —— اور سردار سبکتگین حیدر لغاری!
نہیں دیکھ سکتا وہ میرے —— اور مجھے اتنا درد دے رہا ہے۔'' دل کی بات لبوں سے بے
پھسل پڑی تھی۔

سن بخاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔

کو بھی یک دم احساس ہوا تھا۔

نے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

ایک شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

ی ہو گئی تھی۔

ا کو ترچھی نظروں سے دیکھا تھا۔

سن بخاری اس کی طرف سے دانستہ نگاہ پھیر گیا تھا۔ پھر اُٹھا —— اور چلتا ہوا اندر کی جانب

سیال کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔

* * *

تگین حیدر لغاری نے رومیصا لغاری کی کئی سال پرانی ڈائری الماری سے نکالی تھی۔ اسے یقین
ی ایک بار اپنی تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

ڈائری کھولی تھی۔

ڈاکٹر فیض بخاری کی ایک تصویر ڈائری سے پھسل کر نیچے کارپٹ پر جا پڑی تھی۔ سردار سبکتگین د لغاری نے جھک کر تصویر اٹھائی تھی اور بغور دیکھا تھا۔

فیض بخاری ہی وہ شخص تھا جو رومیصا لغاری کی زندگی میں کبھی موجود رہا تھا۔ جس کا انتظار رو لغاری نے ساری زندگی کیا تھا۔

رومیصا لغاری کی یہ چند دی ہوئی چیزیں اس لئے تھیں کہ وہ ان چیزوں کو آگے پہنچا سکے۔ اس تک۔ لیکن اسے نہیں لگتا تھا کہ اب ان کی ایسی کوئی ضرورت باقی رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ ــــــ کیا کر رہے ہو تم؟" گی اس کے کمرے میں کھٹکا کئے بغیر آ گئی تھی۔ وہ اس تص چھپا بھی نہیں سکا تھا اور شاید چھپانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

گی قریب آ چکی تھی اور اس کے ہاتھوں میں بدستور وہ تصویر موجود تھی۔

"کیا ہے یہ؟ ــــــ دکھاؤ ــــــ میرب کی تصویر ہے؟ ــــــ ارے، یہ تو مسٹر بخاری ہیں۔ ان کی تصویر تمہارے پاس کیسے آئی؟" گی کچھ حیران ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"یہ تمہارے مسٹر بخاری ہی ہیں مگر........"

"مگر کیا؟" گی چونکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند لمحوں کو چپ ہوا تھا پھر قدرے توقف سے بولا۔

"شاید یہ بات تمہیں کچھ دکھ دے ــــــ مگر جو فیض بخاری آج تمہاری زندگی میں اہم ہیں، بخاری کل کسی اور کی زندگی میں اہم رہ چکے ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔

"کس کی زندگی میں؟ ــــــ کیا کہہ رہے ہو تم؟" گی قطعاً سمجھ نہیں پائی تھی۔

"آؤ ــــــ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ سے تصویر ڈائری میں رکھی تھی اور اسے لے کر چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

"بات زیادہ طویل نہیں ہے۔" اسے لے کر بیرونی اسٹیئرز پر بیٹھتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ خزاں درختوں پر سے ٹوٹ کر گرتے ہوئے بھلے لگ رہے تھے۔

گی اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"رومیصا کے بارے میں جانتی ہو نا تم ــــــ فیض بخاری واز بی لونگ ٹو ہر ــــــ رومیصا جس شخص سے محبت کرتی تھی، وہ فیض بخاری تھے ــــــ یہی فیض بخاری ــــــ ساری بات یہ کسی کا بھی کل کیسا ہو سکتا ہے ــــــ آج اہم ہوتا ہے ــــــ کل نہیں رہتا۔ سو کل نہیں رہا۔ کل تھی۔ ختم ہو گئی۔ مگر فیض بخاری تمہارا آج ہیں ــــــ وہ تم سے جو بھی رشتہ یا تعلق بناتے ہیں آج ہو گا۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

، یہ سب چیزیں رومیصا نے اس لئے دی تھیں کہ میں انہیں فیض بخاری کو دے دوں۔ مگر شاید ضرورت باقی نہیں رہی۔ جب ایک نئی زندگی نئے حوالوں سے شروع ہو رہی ہو تو پھر باقی کسی یا ذکر کی ضرورت نہیں رہ جاتی ــــــ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے سر اثبات میں ہلانے کی بجائے انکار میں ہلا دیا تھا۔

بکتگین حیدر لغاری نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

کچھ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو۔" اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ بڑا رسمی سا انداز تھا۔

مطلب؟" اب کے سردار سبکتگین حیدر لغاری چونکا تھا۔

ہے سے مسکرائی۔ پھر رسانیت سے بولی۔

میں ایسا کچھ نہیں ہے گین!"

ــــــ؟" وہ چونکا تھا۔

ــــــ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ سب جو ہوا، وہ بس جذباتی لمحوں کی ایک چھوٹی سی کہانی تھی۔ بھی جانتی تھی اور فیض بخاری بھی۔"

رتم فیض بخاری کو اس طرح ڈھونڈ کیوں رہی تھیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری بول رہا تھا جب ت درمیان میں کاٹی تھی اور بولی۔

ڈونٹ سے دیٹ آئی لو ہم ــــــ آئی ڈونٹ سے دیٹ ایور۔" وہ رسانیت سے مسکرا رہی

ر وہ سب؟"

ط سمجھ رہے ہو۔ مجھے فیض بخاری سے محبت کبھی نہیں رہی ــــــ میں صرف انہیں اس لئے تلاش کہ انہیں بچے کے بارے میں بتا سکوں۔ ایسا نہیں تھا کہ میں اس بچے کی اکیلے ذمے داری نہیں سے پال نہیں سکتی۔ مگر میں صرف اس بچے کو ایک نام دلوانا چاہتی تھی۔ معاشرے میں وہ مقام جو ق ہے ــــــ دوسرے فیض بخاری کو بھی اس بات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی کہ ان سے وابستہ ل دنیا میں آ رہی ہے ــــــ ان سے مل کر، انہیں بتا کر میں ایک ذمے داری سے آزاد ہونا ــــــ ایک فرض پورا کرنا چاہتی تھی ــــــ اور وہ میں نے آج کر دیا۔ میں اگر انہیں تلاش کر ا کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے ان سے محبت تھی۔ یا مجھے ان سے شادی کرنا تھی۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔" سے کہتی ہوئی پُر اعتماد انداز میں مسکرا رہی تھی۔

تگین حیدر لغاری نے اسے بغور حیرت سے دیکھا تھا۔

یب لڑکی تھی وہ۔

ت کی بات کرتی تھی۔

ت کا ذکر اس کے لبوں پر رہا تھا۔

ت کو ڈی فنڈ کیا تھا اس نے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مقابل تک وہ محبت کے لئے لڑتی رہی تھی۔

اور آج——!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اسے سطر سطر پڑھ رہا ہے اور وہ شر ہوئے بغیر مسکرادی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟—— کیا اچانک بدل گئی ہوں میں؟" دریافت کیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین لغاری نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں—— بدلی نہیں ہو۔ سمجھ میں اب آئی ہو۔"

"تم حیران ہو رہے ہو میں یہاں کیوں تھی؟—— کیوں آئی تھی؟—— کیوں اتنا عرصہ رہی؟ بولی تھی۔

"نہیں—— مجھے ایسی کوئی حیرت اب نہیں ہو رہی گی!—— ایسی کوئی حیرت مجھے نہیں سردار سبکتگین حیدر اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

"محبت صرف اپنے بارے میں سوچنا نہیں ہے گین!—— محبت دوسروں کے بارے میں بھ طرح سوچنے کا نام ہے۔ اگر میری طلب اہم ہے، میری ضرورت اہم ہے تو کسی دوسرے کی طلب بھ قدر اہم اور خاص ہے۔ اس کی ضرورت بھی اسی قدر شدید ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی بات سمجھ لینے سے خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے اور——!"

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھے بغیر اٹھنے لگا تھا۔ جب گی نے اس کے ہاتھ پر اپ بہت آہستگی سے رکھ دیا تو اس نے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

مگر وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرادی تھی۔

"تمہیں یاد ہے گین! جب ہم پہلی بار ملے تھے—— اس وقت بھی درختوں سے پتے یوں رہے تھے—— یہی موسم تھا اور—— اور میں نے تمہارے قریب رک کر تم سے یہی کہا تھا کہ موسم بہت اچھا لگتا ہے—— مجھے آج بھی یہ موسم اچھا لگتا ہے گین! میں اس موسم میں جی سکتی ہو خوشی۔ کیونکہ میرے نزدیک محبت صرف بڑھا ہوا ہاتھ نہیں ہے۔ محبت نوازنے والا ہاتھ ہے۔ د ہاتھ ہے۔ دے کر کبھی کبھی اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اتنی کچھ لے کر بھی نہیں ہوتی—— اور میں۔ میرے پاس تو یوں بھی دینے کو کچھ نہیں۔" آہستگی سے ہاتھ پھیلا کر بغور ہاتھوں کو دیکھا تھا۔

"میں کل بھی خالی ہاتھ تھی—— وقت نے مجھے کچھ دیا ہی نہیں تھا کہ کسی کو نوازتی۔ ایسا کچھ نہیں جس سے دستبردار ہوتی۔ کسی شے پر میرا حق کبھی تھا ہی نہیں۔"

"اور اس کے باوجود تم یہ سوچتی ہو کہ محبت پھیلا ہوا ہاتھ نہیں ہے—— محبت صرف دینے کا نام

"ہاں—— میں ایسا سوچ کر خوش ہوتی ہوں—— مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے یہ سوچ کر ایک شے پر میرا حق ہو بھی سکتا تھا۔ مگر ہوا نہیں۔ کیونکہ میں نے ایسا چاہا نہیں۔" وہ یک دم ہنس دا صاف ظاہر تھا وہ بات کو مذاق میں اڑا دینا چاہتی تھی۔

دار سبکتگین حیدر لغاری اسے اب بھی متواتر دیکھ رہا تھا۔

اس کے لئے نہ سمجھنے والا معمہ رہی تھی۔

یہاں محبت کے لئے آئی تھی۔

ے محبت کی تلاش تھی—— اور——!

رفیض بخاری کبھی اس کی محبت رہا ہی نہیں تھا تو پھر؟—— پھر کون تھا اس کی محبت؟

س کی خاطر یہ جنوں کا سودا ہوا تھا——؟؟

س کی خاطر یہ اضطرابیاں تھیں——؟؟

نگاہیں کس کی پیاسی تھیں——؟؟

دار سبکتگین حیدر جیسے شخص نے سمجھنے میں اتنی دیر کیوں کر دی تھی؟—— وہ کیوں سمجھ نہیں سکا تھا۔

گین! بعض اوقات انسان بالکل بھی سمجھ نہیں پاتا کہ اسے کس شے کی ضرورت ہے—— نگاہ کے کچھ اور ہوتا ہے اور وہ تلاش کچھ اور کر رہا ہوتا ہے—— مگر تمہارے معاملے میں، میں ایسا نہیں " گی نے اپنا خدشہ بیان کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھ رہی تھی۔ بھرپور توجہ سے۔ انداز خیر خواہی لئے ہوئے تھا۔

ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی خیر خواہ تھی۔ اس کی بھلائی چاہتی تھی۔

دار سبکتگین حیدر لغاری بھی یہ بات جانتا تھا۔

ئی بار وہ اسے میرب کے لئے قائل کر چکی تھی۔

ں کا دل شفاف تھا۔

فاف آئینے جیسی تھی وہ۔

دار سبکتگین حیدر لغاری کو ایک لمحے میں اس چہرے پر بہت ترس آیا تھا۔

ب لمحے میں اس سے گہری ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

بت کا ایک روپ تھی وہ—— اور——!!!

محبت کرتی ہو مجھ سے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

ا نے اسے بھرپور حیرت سے چونک کر دیکھا تھا۔

دار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی بات دہرائی تھی۔

محبت کرتی ہو مجھ سے——؟"

اؤں میں بازگشت سی تھی اور گی اس شخص کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

ھ لمحوں تک وہ واقعی ساکت رہ گئی تھی۔

ر اس تاثر کو زائل کرنے کو دوسرے ہی پل مسکرادی تھی۔

پاگل ہو گئے ہو گین؟" بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔

یہ کیسی فضول کی باتیں کر رہے ہو تم؟—— تم میرب کی طرف گئے تھے، کوئی بات ہوئی ہے

اُس سے؟''

محبت
ایک ان کہی سی چپ
اور اس ایک چپ میں
جلتے ہوئے کئی خواب!

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا ـــــ اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔

تبھی وہ دوبارہ مسکرا دی تھی۔

''گین! ـــــ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ ـــــ تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں میں، سنا نہیں؟''

گین نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ـــــ دیکھ رہا ہوں۔'' لہجہ مدھم تھا۔

''کیا؟'' بہت دھیمی آواز میں وہ بولی تھی۔

''محبت۔'' جواب مختصر سا تھا اور مدلل بھی۔

''محبت؟'' وہ چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ انداز ٹالنے والا تھا۔ ''کہاں ہے محبت؟'' جیسے وہ جان بو کر نظر انداز کر رہی تھی۔

''کچھ خواب بھی ہیں!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات کا جواب دیئے بنا آگے کہا تھا۔

''خواب؟'' وہ چونکی تھی۔

''ہوں ـــــ کچھ جلتے بجھتے خواب ـــــ اتنا کچھ چھپانا کب سے آ گیا گی ـــــ؟'' وہ وضاحت طلب کر رہا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم گین؟ ـــــ اسٹوپڈ ہو ـــــ میں کیوں چھپانے لگی کسی سے کچھ؟ ـــــ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟ میرب سے ملے یا نہیں؟ ـــــ اس سے کچھ کہا یا نہیں؟'' دانستہ نگاہ چرا رہی تھی۔

جیسے اس کا بہت بڑا قصور ہو۔

خود پر قابو پانا جانتی تھی وہ ـــــ بہت بہادر لڑکی تھی یقیناً۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''گی ـــــ!'' پھر کچھ مزید بولے بنا اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ''تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے گی! ـــــ محبت کوئی گناہ نہیں۔ اِٹس اے ٹرو فیلنگ ـــــ اس پر زور نہیں ہوتا۔''

گی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

محبت ان کہے لفظوں میں
چھپا اِک راز ہے گہرا!
جیسے گہرے سمندر میں

ا اِک قیمتی موتی
وں سے عیاں نہ ہو ـــــ!
وں میں بیاں نہ ہو ـــــ!
انی مضطرب سی اِک
لا بیان سا اِک
نے کو، سمجھانے کو
کا ہونا ضروری ہے!!

ین! ـــــ تمہیں زندگی کو سنجیدہ لینے کی عادت اب تک نہیں ہوئی؟''

یں۔'' اس نے سعادت مندی سے اقرار کیا تھا۔

کیا بات ہوئی؟ ـــــ میں نے تم سے پوچھا میرب سے ملے یا نہیں؟ ـــــ بات ہوئی یا نہیں ـــــ!''

تمہارے بارے میں بات کر رہا تھا گی!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ایک لمحے میں چپ ا۔

ٹ اپ گین! ـــــ تمہاری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟ ارے میں سوچو۔''

تم ـــــ تم دوست ہو میری گی! ـــــ یو آر آلسو امپورٹنٹ فور می۔''

ا ـــــ مگر تمہاری زندگی سے زیادہ نہیں۔ یو ہیو ٹو نیڈ جسٹ کونسنٹریٹ آن یور لائف۔'' گی نے ہ دیا تھا۔

ہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

پیاس آنکھوں میں
اِک جلن ہے ـــــ!
یا پھر یہ آنسو کہ رُکے ہیں
نہیں ہو تم جو قریب میرے
مگر ہو پھر بھی یوں آس پاس
میرے پاس پاس
میرے آس پاس
میں دل کے رستوں پر
بنا چہرہ
تیرے پلٹنے کی آس لے کر
میں منتظر ہوں
کہیں تو ہو گا
تیرے آس پاس
میرے پاس پاس!

میرب ٹیرس پر تھی جب اذہان حسن بخاری اس کے قریب بنا چاپ کئے آن رُکا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔

یونہی اسی طرح کھڑی رہی تھی۔

"میرب ـــــ!"

مگر میرب نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"وہاٹ اباؤٹ دیٹ اسٹوپی ڈٹی؟"

"وہاٹ اِز اسٹوپی ڈٹی؟" میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ "تمہیں لگتا ہے، مل ہو گئی ہوں؟"

"نہیں۔ مگر ہو جاؤ گی۔" اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا

"تم سب کو ایسا لگتا ہے تو میں کیا کروں؟ ـــــ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔" وہ برہم

ی قدر ہیلپ لیس بھی۔

ن حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر پڑے ہوئے بالوں کو ہٹایا تھا۔ پھر ملائمت تھا۔

م سب تم سے کچھ نہیں چاہتے میرب! جسٹ بیک ٹو لائف۔ آئی نو ـــــ آئی کانٹ اِیون ٹ آؤٹ ـــــ بٹ جسٹ یو ـــــ اینڈ یور سیلف کین ڈو اِٹ ـــــ یس میرب! ـــــ کین ڈو اِٹ بائے یور سلف۔ اپنے آپ کو اس طرح سزا دینا بند کرو ـــــ اینڈ جسٹ ی کیئر اباؤٹ یو۔" اذہان حسن بخاری کے مدھم لہجے میں اس کے لئے بہت ساری کیئر تھی۔

کو یقیناً وہ اس حال میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی تھی۔

ب اتنی باتوں کے جواب میں بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

ٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر اٹھا کر اس کے شانے پر رکھا تھا اور رو پڑی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کے لئے تیار نہیں تھا۔

ں کچھ حیرت سے اس کے سر کو اپنے شانے پر دھرا دیکھا تھا۔

ے ہم راہی سنو
چلیں چاند کے پار
ا دنیا میں کہیں دور
ا میں نہ غم ہوں نہ آنسو ہوں
یں ہوں کہیں
کچھ ہو
ا پیار ہو ـــــ!
ے آس پاس
رے پاس پاس!

ان حسن بخاری نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلاتے ہوئے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

ذہان! ـــــ مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا اذہان! کہ کیا ہو گا؟ مگر ـــــ مگر میں جی نہیں پا رہی ہت مشکل لگ رہا ہے اذہان! ـــــ اس شخص کو کھو کر کیسے جیوں گی، پتہ نہیں ـــــ مگر فی سانس بہت بھاری لگ رہی ہے۔" کتنے اقرار تھے اس لڑکی کے لہجے میں۔ مگر اس کے لئے ے۔

ت سے لفظ تھے۔

سب کسی اور کے لئے تھے۔

ں دل کے دھڑکنے کی صدا بھی سن رہا تھا۔ مگر اس دل میں اس کے نام کی ایک صدا نہیں تھی۔

کیا تھی محبت ـــــ!
کیا یہی ـــــ؟
کسی کی لگن میں جلتے ہوئے!
اس کے آنسو پونچھنا!
اس کے دُکھ کو اپنی پوروں پر لینا!

اذہان حسن بخاری ساکت سا کھڑا تھا۔ اور وہ اس کے شانے پر سر دھرے اپنے آنسو بہا رہی تھی۔ اذہان کی آنکھوں کے موسم پُرسکوت تھے ـــــ ٹھہرے ٹھہرے، رُکے رُکے!

محبت کو میں نے دیکھا ہے ـــــ!
چپ چاپ چلتے ہوئے
اپنی ہی آگ میں جلتے ہوئے
کچھ کہتے ہوئے
نہ سنتے ہوئے
محبت کو میں نے دیکھا ہے ـــــ!
چپ چاپ ہاتھ ملتے ہوئے
خواب سجا کر آنکھوں میں
کسی کی راہ تکتے ہوئے!
بس اپنی لگن میں جلتے ہوئے!
میں نے دیکھا ہے ـــــ!
محبت کو بہت قریب سے دیکھا ہے!

''میرب! ـــــ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ اس بار تم وقت سے نہیں ہارو گی۔'' ا
کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

میں نے دیکھا ہے محبت کو
شب بھر جاگتے ہوئے
روتے ہوئے ـــــ!
محبت کو میں نے دیکھا ہے!

''اذہان! میں اسے جانتی ہوں ـــــ وہ جو سوچتا ہے، وہ کر کے رہتا ہے۔ ٹھان لی تو بس ٹھا
لی۔ بہت انا پرست ہے وہ۔ بہت زیادہ ایگوئسٹ ـــــ دوسری بات، اذہان! ہی ڈونٹ لو می ـــــ
اُسے محبت نہیں ہے ـــــ سو وہ اس رشتے کو لے کر میری طرح نہیں سوچتا ـــــ اس کے لئے م
کچھ نہیں ہوں ـــــ کچھ بھی نہیں ـــــ یہ رشتہ اس کے لئے توڑنا بہت آسان ہے اذہان! ـــــ
کیونکہ یہ رشتہ ہمیشہ اس کے لئے ایک بوجھ جیسا رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ رہی ـــــ اور اُ

رہی ـــــ بہت پاس رہی ـــــ اور کبھی پا ہی نہیں سکی ـــــ قریب رہ کر بھی بہت دور رہا وہ
۔ وہ کبھی میرا نہیں رہا ـــــ جانتی ہوں میں، اس کی توجہ ہزار راستوں میں ـــــ ہزار سمتوں
ہوئی ہے ـــــ اس کی کوئی سمت بھی میری سمت نہیں آتی۔ میں اس کے راستوں میں نہیں
ہان! ـــــ نہ میں اس کی منزل ہوں ـــــ جانتی ہوں میں ـــــ سب جانتی ہوں۔ مگر دل
......'' آنکھیں چھلکی تھیں اور اس نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔
ل نہیں مانتا ـــــ وہ پل پل مارتا ہے ـــــ مگر پھر بھی اس کی حمایت کرتا ہے۔ میں کبھی اس
ف نہیں سوچ سکی ـــــ سوچ بھی نہیں سکتی اور ـــــ جی بھی نہیں سکتی ـــــ کانٹ ـــــ
یو دِد آؤٹ ہم ـــــ!'' عجب اک بے بسی۔ یک دم سے آنسوؤں کے درمیان وہ بولی تھی اور
ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔
ہان حسن بخاری چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

* * *

ن کے درمیاں اب
ہ رہا تو نہیں لیکن
ت اِک مسئلہ بن گئی ہے
ھتی ہے نہ سلجھتی ہے
ے کچی ڈور بن گئی ہے
ے یہ ضد کہ اب میں بلاؤں
ے یہ ضد کہ وہ دور کیوں گئی ہے
ا یہ کہتا ہے فون کر لوں
را نا درمیان میں کھڑی ہے۔

بکتگین! ـــــ بچے! کوئی کام نہیں تو گاڑی نکالو۔'' مائی نے سیڑھیاں اتر کر اس کی طرف آتے
لہا تھا۔ وہ جو چائے کے ساتھ سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے بڑے ریلیکسنگ انداز میں
ھ رہا تھا، چونکا تھا پھر سگریٹ فوراً ایش ٹرے میں مسل دی تھی۔ مائی کا اتنا احترام تو تھا۔
ا نے سگریٹ مسلنے والی حرکت کو نہیں مگر اُسے بغور دیکھا تھا۔
کیا ہوا؟ ـــــ آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں مائی؟''
یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے اپنی؟ ـــــ ٹھیک تو ہے تُو؟''
میں ٹھیک ہوں مائی! ـــــ آپ کہیں جانے کا کہہ رہی تھیں؟'' گین نے اپنی طرف سے توجہ
ہوئے اصل مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروائی تھی۔
ہاں ـــــ میرب کی طرف جانا تھا۔ رخصتی کی بات کرنے۔ لیکن یہ تم اتنے اُلجھے اُلجھے سے
دکھائی دے رہے ہو؟ ـــــ کیا مسئلہ ہے؟'' مائی نے اُسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

”کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ اتنی صبح سویرے کیوں جا رہی ہیں؟ ـــــ آئی مین شام میں چلی جایئے گا۔ پھر آج چھٹی ہے۔“ گین نے اپنی دانست میں خاصا معقول جواز دیا تھا۔

”دو بج رہے ہیں گین! ـــــ یہ صبح نہیں ہوتی۔ اور پھر کس نے کہا یہ کہ چھٹی والے دن کسی کے گھر جانا منع ہے؟ ـــــ اور میں کسی غیر سے نہیں، اپنی بہو سے ملنے جا رہی ہوں۔ تم مجھے اس کے لئے منع نہیں کر سکتے۔ اُٹھو اور گاڑی نکالو ـــــ ورنہ ڈرائیور سے کہہ دو۔“ مائی نے دو ٹوک کہا تھا۔

گین کے پاس جیسے کوئی راہ نہیں تھی۔

چپ چاپ اٹھا تھا ـــــ سلیپر پاؤں میں اڑسے تھے اور ان کے ساتھ چل پڑا تھا۔

”چلیں ـــــ؟“

مائی نے ایک بار اس کے حلیے کو دیکھا تھا پھر تنقیدی نظروں سے دیکھ کر اس کے ساتھ ہو لی تھیں۔

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ الجھا دکھائی دیا تھا۔

”آج تو مظہر میاں سے رخصتی کی بات ضرور کروں گی۔ میرب کو جلد سے جلد اپنے گھر لانا چاہتی ہوں۔ اور اب تیری بھی کوئی من مانی نہیں چلے گی۔“ مائی نے مکمل سنجیدگی سے کہا تھا۔ سبکتگین حید لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”کیا ہوا؟ ـــــ اس طرح چپ چپ کیوں ہے؟ ـــــ کسی بات کا جواب کیوں نہیں دـ رہا؟“ مائی نے پوچھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے بولنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

”کچھ نہیں مائی! ـــــ آپ بھی پتہ نہیں کیوں ـــــ“ انداز اُلجھا سا تھا۔

”کیا، پتہ نہیں کیوں؟ ـــــ کیا سوچ رہا ہے تُو؟ ـــــ چاہتا کیا ہے؟“ مائی نے ڈپٹتے ہو۔ پوچھا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ ان کی طرف دیکھے بنا بولا تھا۔

”تُو یہ رخصتی نہیں چاہتا؟“ مائی نے اسے دیکھا تھا۔

”آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے مائی؟ ـــــ آخر کس بات کی جلدی ہے؟“

”یہ جلدی ہے؟ ـــــ سال ہونے کو آیا ہے۔ اور کتنا عرصہ؟“

”مجھے نہیں پتہ مائی! ـــــ مگر یہ جلد بازی ہے۔“

”تُو نہیں چاہتا کہ میں رخصتی کی بات کرنے مظہر میاں کے پاس جاؤں تو ٹھیک ہے۔ موڑ گاڑی۔ نہیں کرتی کوئی بات۔“ مائی غصے سے بولی تھیں۔

سبکتگین حیدر لغاری کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا کہ کیسے سمجھائے۔ گاڑی بھی نہیں روکی تھی۔

”تم گاڑی نہیں موڑ رہے؟“

”نہیں۔“

”مجھے بتاؤ گے پرابلم کیا ہے؟“ مائی نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، جیسے

کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

چھ نہیں ہے ـــــ یوں ہی کہہ رہا ہوں۔ ابھی اس کی کیا ضرورت ہے؟“ سبکتگین حیدر لغاری

سانس خارج کی تھی۔ معاملہ کب تک چھپاتا۔

طرح چھپاتا ـــــ

میں کچھ نہیں آیا تھا۔

ج یقیناً بات کھل ہی جانا تھی۔

وہ ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا۔ تبھی کچھ اُلجھا اُلجھا دکھائی دیا تھا۔ گاڑی اس کے گھر کے سامنے

ی تھی۔ مائی اُتری تھیں اور اس کی طرف دیکھا تھا۔

اندر نہیں آؤ گے تم؟“

نہیں ـــــ آپ ہو آئیں۔ میں یہیں ہوں۔“

باہر ڈرائیوروں کی طرح انتظار کرو گے؟ ـــــ گھر واپس چلے جاؤ۔ میں کیب کر کے آ جاؤں

مائی نے اپنی دانست میں شرم دلائی تھی اور چلتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی میں بیٹھا دیکھتا رہ گیا تھا۔

بت اک واقعہ ہے جو
ت کے ساتھ رونما ہوا
ور وقت کے ساتھ ہی
یہ دھندلا جائے گا
نہ یاد رکھنے کو کوئی
بات ہو گی!
نہ شے
نہ کوئی بات ہوئی
ہاں پھنسی ہے اِک پھانس سی دل میں!
مگر ـــــ!
محبت اک واقعہ ہی تو ہے ـــــ!
وقت کے ساتھ یہ گرد ہو جائے گا تو
یاد بھی نہ رہے گا کہ ـــــ
محبت خواب موسم میں
دلوں کی سرزمین پر کچھ
خواب لائی تھی ـــــ!

سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور پھر چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔

عین سامنے ہی وہ اسٹیئرز پر بیٹھی دکھائی دی تھی۔

قدم جانے کیوں من من بھر کے وزنی ہو گئے تھے۔

میرب نے جو اپنے دھیان میں بیٹھی تھی، سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا ت دونوں لمحوں تک خاموش رہے تھے۔ کوئی بات نہ کی تھی۔

"تمہیں اندازہ ہے اندر کیا چل رہا ہوگا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بالآخر پوچھا تھا۔ میر نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ آنکھیں یکدم ہی نمی سے اٹنے لگی تھیں۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"یو شڈ گو اِن سائیڈ گین!" میرب نے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے پاس وہیں بیٹھ گیا تھا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی تھی۔ "میرا گھر ہے ـــــ کہیں بھی بیٹھ سکتی ہوں۔"

"تو پھر اندر جا کر کیوں نہیں بیٹھتیں؟ جہاں وہ سب چل رہا ہے۔" سردار سبکتگین حیدر نے مدعا بیا کیا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"چاہتے کیا ہیں آپ؟ ـــــ کیا کروں میں؟ ـــــ جیسے میرے ہاتھ میں تو سب کچھ ہے آنکھوں کی نمی چھلکی تھی۔ مگر اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھے بغیر سختی سے آنکھیں رگڑ تھیں۔

"آپ کے ہاتھ میں جو تھا، وہ تو آپ نے کر دیا۔" عجب اک طنز ہوا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا ـــــ اس بات کی صفائی مجھے آپ کو کتنی بار دینا پڑے گی؟" وہ تنگ کر تھی۔ سردار سبکتگین نے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے منع کیا تھا نا کہ آپ مائی سے کچھ نہیں کہیں گی؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا

"میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا ـــــ آپ کیوں سارا الزام میرے سر رکھ رہے ہیں؟ ـــــ کیوں مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے؟" میرب نے شکوہ کیا تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے ـــــ میں نے آپ سے کہا تھا، مائی مجھے بہت عزیز ہیں۔"

"مائی مجھے بھی عزیز ہیں۔ تو پھر میں کیا کروں؟ آپ کیوں لائے انہیں؟ ـــــ سمجھا دیتے۔ بھی کہہ دیتے۔" میرب نے اپنا دفاع کیا تھا۔

"کیا سمجھاتا؟ ـــــ وہ اتنی ضد کر رہی تھیں کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں پایا۔" سردار سبکتگین حیدر لغار نے اپنی بے بسی بیان کی تھی۔

دونوں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

کسی ایک میں بھی ہمت نہ تھی، اٹھ کر اندر جاتا اور مسئلے کو نمٹاتا یا کچھ ہونے سے روکتا ـــــ

بس ایک دوسرے کو الزامات دے رہے تھے۔

ائی کو بہت اعتبار ہے تم پر۔ انہیں کیا پتہ کہ تم......." سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جملہ ادھورا یا تھا۔

میں کیا؟ ـــــ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟"

آپ یہی چاہتی تھیں۔" ایک اور الزام۔

کیا چاہتی تھی میں؟" میرب نے واضح الزام پر کسی قدر حیران ہو کر اسے دیکھا۔ "آپ مجھ پر انے سے بہتر ہے خود اپنے بارے میں غور کریں۔"

میں اپنے بارے میں کیا غور کروں؟ ـــــ کہنا کیا چاہتی ہو تم؟" گین نے وضاحت چاہی

مسئلہ اتنا کھلا، واضح انداز میں ڈسکس ہوگا، وہ نہیں جانتی تھی۔

آپ کبھی بھی اس رشتے کو بنانا نہیں چاہتے تھے۔ کبھی بھی نبھانا نہیں چاہتے تھے۔" میرب نے در پر کہہ دیا تھا۔

ہاہ ـــــ!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے غصے کو فوری طور پر دبایا تھا۔ "تمہیں جو سمجھنا ہے، سمجھ رض کرنا ہے کر لو ـــــ میں اس بارے میں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔ نہ ہی مجھے کوئی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی وضاحت کروں۔" سردار سبکتگین ایک لمحے میں بری الذمہ دکھائی دیا تھا۔ میرب رہ گئی تھی۔ وہ شخص اسے کچوکے لگانے سے باز نہیں آتا تھا۔

بے رحمی سے وار کرتا تھا۔

ٹھیک ـــــ آپ کو جیسا لگتا ہے ویسے سمجھئے ـــــ مجھے بھی کوئی صفائی دینے یا وضاحت دینے ارت نہیں ہے۔" میرب نے بھی دوٹوک کہہ دیا تھا۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

اسے مکمل طور پر دھیان ہٹائے وہ بہت اُلجھی ہوئی سی دکھائی دی تھی۔

ٹوٹ جائے گا یہ رشتہ بھی ـــــ آپ خوش ہو جائیے ـــــ یہی چاہتے تھے آپ۔" میرب ے سے کہا تھا۔

ہاں ـــــ ہو جاؤں گا خوش۔ آپ کو میری خوشی کی پرواہ ہی کب رہی ہے۔" دونوں صرف ایک ے پر الزامات دے رہے تھے۔ صفائی دینے کی فکر کسی کو نہیں تھی۔

جتنا میں نے برداشت کیا، کوئی برداشت نہیں کرتا۔" میرب نے بھیگتی آنکھوں کے ساتھ کہا تھا۔

کیا برداشت کیا آپ نے؟ ـــــ آپ تو اپنے آپ سے باہر کبھی نکل ہی نہیں سکیں۔ اپنی دنیا نے کی عادت رہی آپ کو۔ وہی تنگ نظری، وہی چھوٹا سا آسمان ـــــ کبھی کھلے آسمان کو آنکھیں کر دیکھا ہی نہیں آپ نے۔ کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ کرتی تو شاید آج ایسی کنڈیشن ہم فیس نہ کر تے۔" گین اپنی غلطی ماننے کو قطعاً تیار نہ تھا۔

’’میں تنگ نظر تھی یا آپ ہی آزادی کے بہت زیادہ قائل تھے؟ —— آپ نے تو آزاد خیالی ک
حد کر دی تھی۔ اتنا تو کوئی بھی نہیں کرتا۔‘‘

’’ٹھیک —— میں نے جو بھی کیا، مانتا ہوں —— آپ کو اب مجھ پر انگلی اٹھانے کی ضرورت
نہیں ہے۔ آپ جیسا چاہتی تھیں سب ویسا ویسا ہو رہا ہے۔ اب تو کوئی ایشو نہیں رہا —— نو ایشو اینڈ
دی مومنٹ۔ سوائے وی آر فائٹنگ؟ —— جیسا آپ نے چاہا آپ کو مل رہا ہے۔ جیسا میں نے چا
مجھے مل رہا ہے۔ جب دونوں کی مرضی پوری ہو رہی ہے تو جھگڑا نہیں ہونا چاہئے۔‘‘ سردار سبکتگین حید
لغاری نے مصلحت پسندی سے کہا تھا۔

وہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کتنا کٹھور تھا وہ ——

کتنا بے رحم ——

کتنا سنگ دل ——

’’دل نہیں ہے آپ کے سینے میں —— پتھر ہیں آپ۔‘‘ میرب نے واضح طور پر منہ پر کہ
ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ جواباً دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے سر ہلاتا ہوا بولا تھا۔

’’فائن —— ہاں، نہیں ہے —— دل نہیں ہے، پتھر ہے میرے سینے میں، پھر؟ —— آ
نے اپنے ڈِل ہونے کا جتنا ثبوت دیا ہے، صاف دکھائی دے رہا ہے۔ ایک معاملے تک کو تو آپ
ہاتھ میں رکھا نہیں گیا، دل کی بات کرتی ہیں۔ آپ کو پتہ تھا —— مائی کی کنڈیشن ایسی نہیں کہ وہ
سب سہہ سکیں۔ مگر آپ نے پھر بھی صبر نہیں کیا۔‘‘

’’میں نے مائی اماں کو کچھ نہیں بتایا —— نہ ہی انہیں یہاں انوائٹ کیا کوئی میٹر ڈسکس کر
کے لئے۔ آپ اپنی غلطی ماننے کو کیوں تیار نہیں؟ —— سارا الزام میرے سر کیوں رکھ رہے ہیں؟
وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں کچھ کہے بنا اس چہرے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

میرے ہم راہی سنو
آؤ چلیں چاند کے پار
ایسی دنیا میں کہیں دور
جس میں نہ غم ہو نہ آنسو ہوں
نہ آہیں ہوں کہیں
اور کچھ ہو ——
میرا پیار ہو ——
تیرے آس پاس
میرے آس پاس

ہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیا ہوا تھا —— اس کی طرف
چلا گیا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا تھا۔
ہ اپنی پوروں سے اس کے آنسوؤں کو پونچھنے لگا تھا
یرب سیال ساکت سی رہ گئی تھی۔ مگر اس حیرت سے قطع نظر وہ اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

بھی تنہا جو ہوئی تم
بسی جیون کے سفر میں
یری آواز سنو گی
ہیں میری دھڑکن میں
ندگی مجھ کو کبھی
جھ سے جدا بھی کر دے
ند آنکھوں کے دریچوں میں
تجھے دیکھوں گا —— !
میرے سائے کی طرح
تم تو رہو گی ہر پل میں
میرے آس پاس ——
میرے پاس پاس ——

میرب کی نگاہ میں بھرپور حیرت تھی۔ مگر وہ اس حیرت کی کوئی پرواہ کئے بنا اٹھا تھا —— اور چلتا
ہر نکل گیا تھا۔

کیا تھا یہ شخص —— ؟

کیسا تھا —— ؟

کیا چاہتا تھا —— ؟

کیا تھا دل میں اس کے —— ؟

اتنا نہ سمجھ میں آنے والا کیوں تھا —— ؟

آخر سمجھ میں کیوں نہیں آتا تھا —— ؟

وہ بھیگی پلکوں سے اس شخص کی پشت کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

یقین ہے مجھ کو
تم بھی اِک دن
چلے ہی آؤ گے
میں جی اٹھوں گی
اک جہاں کی

میرے آس پاس
تیرے پاس پاس
تیرے آس پاس
میرے پاس پاس!

کتنے ارماں تھے—— کتنے خواب!—— سب اس شخص سے جڑے تھے——!

اور وہ سمجھنے کی کوشش تک نہیں کرتا تھا۔

* * *

''کہاں ہو ان دنوں؟—— کتنے دنوں سے گھر کا چکر بھی نہیں لگایا۔ میں نے سوچا فون کر
پوچھ لوں، میری بہن ٹھیک تو ہے۔'' اوزان نے اس کے فون اٹھاتے ہی کہا تھا۔

عفنان علی خان کچھ ہی فاصلے پر بیٹھا ٹی وی پر نیوز دیکھ رہا تھا۔ انابیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ اور
کہتی، جل کر بس یہی کہہ سکی تھی۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں—— بس یونہی چکر نہیں لگایا۔ وقت نہیں ملا—— گھر میں سب ٹھیک ہیں؟ دادا ابا—— می——؟'' انابیہ اپنے اندر سے اٹھنے والی غصے کی لہر کو دباتے ہوئے کسی قد
پُرسکون انداز میں بولی تھی۔

عفنان دانستہ بے فکر اور لاتعلق نظر آیا تھا۔ ورنہ پورا دھیان اسی طرف تھا۔

''کہیں تمہارے میاں نے کرفیو تو نافذ نہیں کر دیا؟'' اوزان نے چھیڑا تھا۔

''ہاں—— کرفیو ہی لگایا ہوا ہے۔ تم لوگ آ جاؤ۔''

''سوچ رہا تھا میری بہن، میری شادی میں پیش پیش ہو۔ مگر تمہیں تو کوئی فکر ہی نہیں۔'' وہ شکوہ کر
تھا۔

''لڑکی دیکھ لی؟''

''لڑکی دیکھنے کی ضرورت نہیں—— لڑکی دیکھی ہوئی ہے—— بس اسے منانا ہے۔''

''کون؟'' وہ چونکی تھی۔

''تم جانتی تو ہو۔'' اوزان نے یاد دلایا تھا۔ ''ایک ہی لڑکی تو تمہارے بھائی کی زندگی میں آئی تھی اب بھی وہی ہے۔ اس کو منانا ہے۔ اب بھول مت جانا۔''

''لامعہ کو؟'' وہ عفنان علی خان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ''میں کیسے مل سکتی ہوں اُس سے؟—— آئی مین، یہاں فی الحال گھر میں بہت کام ہیں نا۔ پھر ممی پاپا بھی ابھی تک واپس نہیں آئے۔'' اس
دانستہ بہانہ کیا تھا۔ اور اس شخص کا دفاع کر دیا تھا۔

عفنان علی خان سن رہا تھا۔

دل کو کچھ حد تک تو سکون ملا تھا۔

وہ اس کی بات مان رہی تھی۔

سمجھتی تھی۔

کی ڈور اتنی اُلجھی ہوئی تھی تو کچھ سلجھی ہوئی تھی۔ کسی ایک نقطے پر تو ڈور اتنی کھنچی ہوئی نہیں

کو یہ اطمینان کچھ اچھا لگا تھا۔

آنکھوں میں رات جلتی ہے
میں کئی خواب جلتے ہیں
جلتے نہیں!
یہ کیسے بتاؤں کہ
جلتی ہے——!
پگھلتی ہے!
دل سلگتا ہے!
جلتے نہیں!

علی خان کچھ مسرور تو ہوا تھا۔

ی بنا رکھا ہے—— جیسے میری کوئی اپنی مرضی ہی نہیں—— جو کہیں گے، وہی کروں گی۔
ف ہوں نا۔'' وہ فون بند کر کے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

—— بندوق کا رخ مڑ گیا تھا۔

س کا جھگڑا کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

کچھ ''ہوائی فائر'' ہوئے تھے۔

ی سہی—— اُس کے کچن میں چلے جانے سے وقتی طور پر کچھ سکون ہو گیا تھا جس پر عفنان
کیا تھا۔ اس کے مسلسل بولنے سے جو نیوز سننے کا کونسنٹریشن ٹوٹ رہا تھا۔ اب پھر سے بحال
کچھ ہی دیر میں وہ کچن سے دوبارہ نکلی تھی۔

اس بار کوئی فائر نہیں تھا۔

سکون تھا۔ اور چائے کے دو مگ اس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ مکمل خفگی سے چلتی ہوئی اس کی
تھی۔ اور چائے کا مگ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

علی خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ خفا خفا سی بنا اس کی طرف دیکھے چائے کا کپ
ڑی تھی۔ عفنان علی خان نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ پھر ایک ہاتھ سے اس سے مگ
دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی کو تھاما تھا۔ وہ اس سانحے کے لئے قطعاً بھی تیار نہیں تھی۔
چونکی تھی—— دوسرے ہاتھ میں پکڑا کپ یکدم ہی چھلک گیا تھا گرم چائے عفنان علی خان
پر گری تھی۔

ہے؟—— دیکھ کر نہیں پکڑ سکتے تھے چائے؟'' وہ فوراً مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس پر جھکی
کف کھولا تھا اور آستین اوپر چڑھائی تھی اور اس کی کلائی دیکھی تھی جو گرم گرم چائے گرنے

سے سرخ پڑ گئی تھی۔ وہ خالصتاً بیویوں والے کیئرنگ انداز میں بولی تھی۔ وہ بنا چونکے، بنا کچ

بدستور اس توجہ سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

اس کا چہرہ اس کے چہرے کے کچھ قریب تھا۔

اس کی خوشبو کئی احساسات جگا رہی تھی۔

''رکیے — میں دوا لاتی ہوں۔ یہاں بیٹھیے گا۔ واپس آتی ہوں۔'' وہ جانے کو پلٹی تھی۔

ہاتھ وہیں گرفت میں رہ جانے کے باعث دوسرے ہی پل واپس مڑی تھی۔

نگاہ اس شخص کی نگاہ سے ملی تھی

ایک لمحے میں اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اور نگاہ جھکتی چلی گئی تھی۔

انابیہ کے لئے اس لمحے کی گرفت سے فرار جیسے ممکن نہیں رہا تھا۔ عفنان اس لمحے بے خودی

اثر تھا۔

کچھ سوچنے، کچھ سمجھنے کو تیار نہ تھا۔

اس کا ہاتھ اس طرح تھامے تھامے وہ کھڑا ہوا تھا۔

اس کے جھکے ہوئے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے بغور دیکھا تھا۔

انابیہ کی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ اس لمحے بُت بنی ساکت سی کھڑی تھی۔

سانس جیسے رُکی رُکی سی تھی۔ مگر چہرہ سرخ پڑا ہوا تھا۔

وہ شخص سارے حق محفوظ رکھتا تھا — وہ چاہتی بھی تو اسے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

مگر دھڑکنوں کے ارتعاش کا کیا کرتی؟ — دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سین

ابھی باہر آ جائے گا۔

عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر آئے ہوئے بالوں کو پیچھے ہٹایا تھا۔

اس کا لمس انابیہ کے اندر پل میں کئی احساس جگا گیا تھا۔

تبھی فون بجا تھا۔

انابیہ چونکی تھی — ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانا چاہا تھا۔ مگر عفنان علی خان کی گرفت

کلائی پر کمزور نہیں پڑی تھی۔

فون بجتا چلا گیا تھا۔

عفنان اس لمحے عجب دیوانگی کے حصار میں تھا۔

انابیہ کو ''فون'' ہی فرار کی صحیح راہ دکھائی دیا تھا۔ تبھی کمزور سے لہجے میں بولی تھی۔

''فو......فون ہے۔''

کلائی ایک بار پھر چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

مگر عفنان علی خان نے کچھ بھی سنے بغیر اسے بازوؤں میں اٹھا لیا تھا اور لے کر بیڈ روم ک

تھا۔

ے کے حواس خطا ہو گئے تھے۔ دھڑکنوں کی آواز اُسے کانوں میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

ن علی خان کی دیوانگی کے سامنے وہ جیسے بے بس تھی۔ اس شخص کے ساتھ قربتوں کا ایسا لمحہ

— اس کے بارے میں اس نے سوچا تک نہ تھا۔

ازشوں پر اتنا مائل ہو گا — وہ نہیں جانتی تھی۔

، کسی کرم کے بارے میں اس نے نہیں سوچا تھا۔ فرار کے سارے راستے ایک لمحے میں مسدود

یے تھے۔

ی خواہشوں کے سامنے وہ کوئی دیوار نہیں اٹھا سکی تھی۔

ے ''دائرے'' ایک ہی لہر سے مٹتے دکھائی دیئے تھے۔ وہ کوئی تعرض نہیں کر سکی تھی۔

متواتر اب بھی بج رہا تھا —!

❄ ❄ ❄

لتنے دنوں بعد ملے نا — لانگ ٹائم! کہاں ہوتے ہو؟'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اس کی

بلھا تھا۔ وہ قصداً مسکرایا تھا۔

سوری! — کچھ بزی رہا۔''

ہ — رائٹ۔'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے ہونٹ سکوڑے تھے۔ ''ایک دم سے کچھ زیادہ

ہو گئے آپ؟'' ساہیہ نے کوئی طنز نہیں کیا تھا۔ کوئی جواز نہیں چاہا تھا۔

وہ خود ہی اپنی جگہ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

ئی ایم سوری ساہیہ!''

ں اوکے — آئی کین انڈراسٹینڈ۔ اتنا تو سمجھ سکتی ہوں۔ شاہ گروپ آف انڈسٹریز کے ایم

— تھوڑے سے بزی ہونے کا حق تو تمہیں ہے۔'' وہ بدستور خوشگوار موڈ میں تھی۔ ''کئی بار

ر آپ کا سیل بھی میسج پر لگا ہوا تھا۔ آپ تو واقعی بڑے بزی ہو گئے۔''

ئی ایم سوری ساہیہ! — تمہیں اتنا وقت نہیں دے سکا۔ مگر پچھلے کچھ دنوں سے میں واقعی

ا تھا۔

کے، اوکے — اب یہ بزی والا گیم کلوز کرتے ہیں۔ آپ کے پاس ابھی وقت ہے اور

س بھی۔ چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔'' ساہیہ نے کہا تھا۔

اہیہ! میں چلوں گا۔ مگر یو ہیو ٹو ویٹ فور آور — ایک میٹنگ ہے۔ اس کے بعد فوراً۔''

ہ، رائٹ۔'' ساہیہ کا چہرہ ایک لمحے میں بجھ سا گیا تھا۔

کا چہرہ ایک کتاب تھا جیسے — سارے تاثرات ایک پل میں واضح تھے۔

ن کو ایک لمحے میں گہرے ملال نے گھیرا تھا۔

پنی سیٹ سے اٹھا تھا اور چلتا ہوا اس کے پاس آن رکا تھا۔ ساہیہ اس کی طرف بالکل بھی متوجہ

نہیں تھی۔ اذہان نے اُسے شانوں سے تھام کر اُس کا رُخ اپنی جانب موڑا تھا اور مسکراتے ہوئے اس چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

’’کیا ہو گیا؟ —— ناراض ہو گئیں کیا؟‘‘

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ مگر عجب ایک پھیکی مسکراہٹ تھی اذہان کو اپنی کوتاہی کا مکمل احساس ہوا تھا۔

’’آئی ایم سوری ساہیہ! —— میں پچھلے کچھ دنوں میں تمہیں واقعی وقت نہیں دے پایا۔ مگر —— او کے دین۔‘‘ اس نے اسے کہہ کر فون اٹھایا تھا۔

تبھی اس کی اسسٹنٹ اندر داخل ہوئی تھی۔‘‘

’’اذہان! میٹنگ کا وقت ہو گیا ہے۔ تم نے وہ فائل دیکھ لی تھی جو میں نے تمہیں بھجوائی تھی؟‘‘

’’ہاں —— بٹ —— آئی ایم ناٹ ایبل ٹو اٹینڈ دیٹ میٹنگ۔ سو پلیز پوسٹ پون اِٹ ا ہینڈل اِٹ بائے یور سیلف۔‘‘ اذہان اتنی روانی سے بولا تھا کہ ساہیہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

’’اوہ، اچھا ——‘‘ اسسٹنٹ نے اسے مسکراتے ہوئے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا پھر سر ہلا تھا۔ ’’او کے —— نو پرابلم۔ آئی وِل ہینڈل اِٹ۔‘‘

’’لیں، آئی نو دیٹ —— آپ یہ فائل لے جائیے اور سب دیکھ لیجئے۔ کل مجھے رپورٹ کرد: گا۔ اوکے۔‘‘

’’او کے —— ٹھیک ہے، میں جاتی ہوں پھر بورڈ روم میں —— ہیو آ نائس ٹائم۔‘‘ اسسٹ کہتی ہوئی پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

اذہان نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساہیہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

’’کیا ہوا؟‘‘ اذہان مسکرایا تھا۔

’’وہاٹ یو ڈِڈ؟ —— کیا ضرورت تھی میٹنگ چھوڑنے کی؟ —— تم نے میرے لئے میٹنگ چھوڑ دی؟‘‘ وہ واقعی حیران تھی۔ بلکہ حیران سے زیادہ وہ اُسے ڈپٹ رہی تھی۔

مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر اسے شانوں سے تھام کر اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

’’ساہیہ! —— تم میرے لئے ان سب چیزوں سے زیادہ اہم ہو۔ یوں بھی یہ میٹنگ اتنی نہیں تھی۔ مسز سارہ احمد ان سب چیزوں کو بہت اچھا دیکھ سکتی ہیں۔‘‘

’’اسٹوپڈ ہو تم اذہان! —— تمہیں میرے لئے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟‘‘

’’تمہارے لئے نہیں۔‘‘

’’پھر ——؟‘‘

’’اپنی بیٹر ہاف کے لئے۔‘‘ وہ مسکرا دیا تھا۔

ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

’’چلو —— کہاں جانا ہے؟ —— ویسے تم سامنے ہو تو مجھے یہ آفس کا سڑا ہوا اِن دائرمنٹ

ساؤنڈ کرتا ہوا لگتا ہے۔‘‘ وہ شرارت سے بولا تھا۔

سکرا دی تھی۔

کیا بات ہے؟ —— کچھ زیادہ ہی پیار جتا رہے ہو۔‘‘

اں، تو کیا مطلب؟ —— اب اپنی ہونے والی بیوی سے پیار بھی نہ جتاؤں؟ —— ٹھہرو، کر کے مسز سارہ احمد کو بلاتا ہوں اور ساری محبت ان سے جتاتا ہوں۔ پھر تو خوش ہو جائیں گی نا وہ یکدم ہی بہت موڈ میں دکھائی دیا تھا۔ مگر ساہیہ مسکرائی نہیں تھی۔

ے —— اب کیا ہوا؟ —— یوں چپ چاپ کیوں ہو گئیں؟ —— یار! تم کہو تو تمہارے بھی چھوڑ دوں۔ یہ تو صرف میٹنگ تھی۔‘‘

شٹ اپ اذہان!‘‘ ساہیہ نے اسے ڈپٹا تھا۔

خدانخواستہ ——‘‘ وہ ایک دم ہی بہت متفکر دکھائی دی تھی۔

ے، ریلیکس —— کڈنگ —— اس میں اتنا سیریس ہونے کی کیا بات ہے؟‘‘ اذہان نے موش دیکھ کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی تھی۔

لیکن تم ایسی بات مذاق میں بھی نہیں کہو گے اذہان!‘‘ ساہیہ نے وارن کیا تھا۔ وہ سر ہلاتا ہوا یا تھا۔

ٹھیک ہے —— نہیں کہوں گا۔ خوش؟‘‘ اسے مطمئن کرنا چاہا تھا۔ ’’پاگل ہو تم۔ یہ تم لڑکیاں اتنی کیوں ہوتی ہو یار؟ —— ذرا ذرا سی بات پر خوش —— ذرا ذرا سی بات پر اُداس —— ذرا بات پر خفا —— تم لوگوں کی سمجھ بالکل نہیں آتی۔ تم لڑکیوں کو سمجھنے کے لئے آدمی کا آدھا پاگل وری ہے۔‘‘ اسے معمول پر لانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔

ے ساہیہ! —— وہاٹ اِز دِس؟ —— یہ منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں؟ —— اب کیا ہے؟‘‘ نے جواز پوچھا تھا۔

ذہان! —— آئی ایم ناٹ سلفش —— تم میرے رہو نہ رہو، مگر تمہیں کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ رے ساتھ رہوں یا نہ رہوں بٹ آئی وانٹ ٹو سی یو آل رائٹ۔‘‘

وہ، رائٹ —— ٹھیک —— کتنا ڈیپ سوچتی ہو تم ساہیہ! کتنی ڈیپ ہو تم۔‘‘ اذہان بولا تھا مگر ں بولی تھی۔

نا چاہتی تھی وہ۔

میں کتنی محبت تھی اُس کے۔

محبت بھی کتنی بے ریا ——!

ساری کی ساری اُس کے لئے تھی۔

کا سارا پیار ——!

وہ کیسے بے خبر تھا اُس سے۔

اذہان نے لمحہ بھر کو سوچا تھا تو بہت شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔

’’چلو ــــــ ‘‘ مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ’’کہیں دور ــــــ لمحوں کو اپنا کرنے۔‘‘

’’اگر تم اپنے ہو تو لمحے پرائے نہیں۔‘‘

’’مگر اور اپنا کرنے ــــــ جتنے لمحے اچھے ہوں سب ہمارے ہوں۔ یہ چاہتا ہوں میں۔‘‘ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ ’’تم ایسا نہیں چاہتی؟‘‘ اس کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

وہ چند لمحوں تک اس طرح خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

’’چاہتی ہوں ــــــ بہت چاہتی ہوں۔‘‘ سر ہلایا تھا۔

’’تو پھر؟ ــــــ پرابلم کیا ہے؟‘‘ وہ ہنسا تھا۔

’’پرابلم؟ ــــــ اوں، ہوں ــــــ شاید کچھ نہیں ــــــ ایک بات بتاؤ گے؟‘‘

’’ہاں، پوچھو۔‘‘

’’کس بات کا ازالہ کرنے کے لئے یہ سب کر رہے ہو؟ ــــــ اتنا زیادہ بولنے کے عادی تو تم کبھی بھی نہیں رہے۔ پھر اب؟‘‘

وہ جو سمجھ رہا تھا وہ اپنی جگہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے اور چھپائے ہوئے ہے، ایک لمحے میں حیران ہوا تھا۔

یعنی وہ نگاہ اُسے جان گئی تھی۔

ساہیہ نے اُسے پکڑ لیا تھا۔

دراصل یہ تھا دل کا تعلق!

وہ اُسے دل سے سمجھ رہی تھی ــــــ

دل سے جان رہی تھی ــــــ

دل سے پڑھ رہی تھی ــــــ

سطر سطر ــــــ

وہ مسکرا دیا تھا۔

’’میں نے ٹھیک کہا تھا ساہیہ! ــــــ کسی ذہین لڑکی سے محبت ضرور کر لو ــــــ مگر شادی مت کرو۔ بڑی پرابلم ہو جاتی ہے یار! ــــــ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر پکڑ لیتی ہے۔‘‘ وہ ہنس دیا تھا۔ ساہ بھی مسکرا دی تھی۔

’’تمہیں جتنے مزے کرنے ہیں کر لینا، میں تمہیں نہیں پکڑوں گی۔ اگر میں تمہاری بیوی ہوئی تو۔‘‘

’’تو؟ ــــــ اب یہ تو بیچ میں کہاں سے آ گیا؟ ــــــ کم آن یار! انگیج منٹ ہو چکی ہے ہماری آئندہ چند برسوں میں شادی بھی ہو جائے گی۔‘‘ وہ مسکرا دیا تھا۔

’’چند برسوں میں؟‘‘ ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

’’بہت جلد ــــــ واز کڈنگ ــــــ جسٹ وانٹڈ ٹو میک یو لاف۔‘‘ وہ اتنی معصومیت سے بولا

ہ مسکرا دی تھی۔

اذہان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے لبوں سے لگا لیا تھا۔

’’ساہیہ! ــــــ تم پاس ہوتی ہو تو سب بہت اچھا لگتا ہے۔ پلیز آل ویز بی دیئر فور می۔ آل بی نڈ‘‘ اذہان نے جیسے ایک درخواست کی تھی۔

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

* * *

کانچ کے تھے سارے وعدے
رشتے یا کچے تھے دھاگے
دل کے تاروں کو چھو کر
تم کہاں چل دیئے
سرہانے میرے تو آ کے
بانہوں میں مجھے لٹا کے
خواب سہانے دکھا کے
تم کہاں چل دیئے ــــــ!
اب اس پل میں جینا
تم بن مشکل ہے!
موسم یہ پھر اب آئے نہ
جس میں ہم تھے!
جس میں ہم تھے!

’’زوباریہ! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔‘‘ زوباریہ کچن میں کام کر رہی تھی جب وہ چلتی ہوئی اس ، پاس آن رکی تھی۔

’’ہاں پوچھو۔‘‘ زوباریہ بولی تھی۔

’’اُس روز مائی آئی تھیں۔‘‘

’’ہاں ــــــ پھر؟‘‘

’’آپ مجھے بتا سکتی ہیں، کیا بات ہوئی تھی؟‘‘

’’نہیں ــــــ!‘‘

’’کیوں ــــــ؟‘‘ وہ چونکی تھی۔

’’کیونکہ مجھے بھی پتہ نہیں کہ کیا بات ہوئی۔ مظہر نے مجھے وہاں سے جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔ اور ںا بالکل نہیں جان پائی تھی کہ ان کے درمیان کیا ڈسکس ہوا۔ کیوں، کیا ہوا؟‘‘ زوباریہ نے اس کی ف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ ’’تم اتنی پریشان کیوں ہو؟‘‘

”آپ کو لگتا ہے کہ یہ بات اتنی آسان ہے اور مجھے اس کے لئے بالکل بھی پریشان نہیں ہو چاہئے؟“

”نہیں ــــ ایسا میں نے نہیں کہا۔“

”تو پھر؟ ــــ زوباریہ! میری زندگی کی اتنی بڑی بات ہے یہ ــــ اتنا بڑا فیصلہ اور مجھ ہی ـ ہر بات چھپی ہوئی ہے۔“ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

”ریلیکس ــــ تمہیں اس سب کے بارے میں یا تو اپنے پاپا سے بات کرنی چاہئے یا پھر ما سے۔ کل ان کے بیچ جو بھی ڈسکس ہوا وہ دونوں ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں۔ تم ٹھیک کہتی ہو ــــ تمہاری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ہے یہ اور تم ہی اس کے بارے میں نہیں جانتی۔ یو ہیو نیڈ ٹو ٹاک یور فادر ــــ اپنے پاپا سے بات کرو۔ انہیں لگتا ہے وہ تمہارے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔ انہیں کم از کم یہ تو بتا دو کہ وہ کتنا غلط سوچ رہے ہیں۔ تم جاؤ اور انہیں سب کچھ بتاؤ۔ ان سے پوچھو یہ درمیان اتنا زیادہ گیپ ہے نا، اِٹس ناٹ گڈ۔ تمہیں یہ ڈسٹنس کو ختم کرنا ہوگا۔ میں حیران ہوں تم ا بزدل کیسے ہو؟ ــــ اب تک بات کیوں نہیں کی؟ ہی اِز یور فادر ــــ حق ہے تمہارا ان سے با کرنا۔ اُن سے ڈسکس نہیں کرو گی تو اور کس سے کرو گی؟“

زوباریہ نے اسے سمجھایا تھا۔ زوباریہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ ٹھیک سمجھا رہی تھی۔

اس نے ہی مروت اور لحاظ میں اتنی دیر کر دی تھی۔

وہ پلٹی تھی اور باہر نکل گئی تھی۔

پاپا تو گھر پر نہیں تھے۔

اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔

❄ ❄ ❄

تنکا تنکا جوڑ کر میں نے
گھر بنایا تھا جو وہ
بکھر گیا تھا لیکن ــــ!
میں نے ہواؤں کو اب
اپنے بس میں کر لیا ہے!
اب اس گھر کو
آندھیوں کا کوئی
ڈر نہیں رہا ــــ!

”کتنا بکھر گیا تھا نا سب ــــ مجھے لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ سب ٹھیک ہوگا ــــ مگر آج ایک پھر سب کچھ اپنی جگہ پر ہے۔ رشتوں کی ڈور کچھ الجھ ضرور گئی تھی مگر وقت نے اسے ٹوٹنے نہیں دیا فارحہ گلدان میں پھول سجاتی ہوئی بولی تھیں۔

اگینے نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

شیفون کی فیروزی ساڑھی میں، اونچی لمبی، دھان پان سی فارحہ بہت خوش اور بہت مطمئن لگ رہی

”کیا ہوا؟ ــــ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟“ اس کے دیکھنے پر فارحہ چونکی تھیں۔ تبھی اگینے مسکرا دی

”آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں بھابی! ــــ ایک بار پھر سے مکمل۔ بہت دنوں بعد آپ کو خوش ہے اور بہت اچھا لگ رہا ہے ــــ خدا آپ کو خوش ہی رکھے۔“

”تمہیں بھی اگینے! ــــ یہ زندگی جو ہے نا، بہت عجیب شے ہے۔ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کے اس کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ ایک قدم پیچھے چلو گی تو لمبے سائے بننے لگیں گے۔ دو قدم آگے لی تو وقت تمہیں دبا دے گا۔ سو میانہ روی یہی ہے کہ زندگی کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ ساتھ چلو۔ ایک لمحے میں زندگی سے کوئی ایک قدم پیچھے رہ گئی تھی اور وقت نے مجھے چھوڑنے میں دیر نہیں لگائی ا۔ آج بہت عرصے کی محنت کے بعد میں اس وقت سے دوبارہ مل پائی ہوں۔ قدم سے قدم دوبارہ ملا ہوں۔ اور اب میں نے ٹھان لی ہے ہمیشہ وقت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر ہی چلوں گی۔ آج ، دنوں بعد سعد شام میں اس گھر واپس آ رہے ہیں اور گھر کو میں اس طرح سجا سنوار رہی ہوں۔“

فارحہ واقعی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

”بھابی! ــــ کسی کو معاف کر دینا اتنا آسان ہے کیا؟ ــــ کیا واقعی دل اتنا بڑا ہو سکتا ہے؟“ ہے کچھ اُلجھی ہوئی سی دکھائی دی تھی۔

فارحہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا، پھر بولی تھیں۔

”اگینے! ــــ عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ ایک بار نہیں، کئی بار معاف کر سکتی ہے یہ۔ بڑی ، بڑی خطاؤں کو نظر انداز کر سکتی ہے۔ مگر مرد کے لئے یہ سب کرنا کچھ مشکل ہے۔“

”آپ نے سعد بھائی کو واقعی معاف کر دیا؟“

”ہاں ــــ کیونکہ میں صرف اپنے آپ کو نہیں دیکھ رہی اگینے! ــــ اپنے گھر کو دیکھ رہی ل۔ اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میرا وہ بکھرا بکھرا پن میرے گھر کے سکون میں خلل ڈال رہا تھا ـــ میرے بچے مطمئن نہیں تھے۔ سب سے بڑھ کر میں مطمئن نہیں تھی۔ سب کہتے ہیں ایک مرد ب عورت کو کمپلیٹ کرتا ہے، غلط کہتے ہیں۔ ایک عورت ایک مرد کو کمپلیٹ کرتی ہے۔ آدھا ادھورا ہوتا ہے وہ ہمیشہ۔ اسے مکمل صرف ایک عورت کرتی ہے۔ ناقدرا ہے کچھ ــــ قدر نہیں کرتا ــــ مگر نا ہے، میں کس طرح کمپلیٹ ہوں اور کس قدر کمپلیٹ ہوں۔“ فارحہ بہت لائٹ انداز میں گہری ئں کر رہی تھیں۔ اگینے مسکرا دی تھی۔

”ہاں ــــ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“ وہ مکمل ہم خیال ہوئی تھی۔

فارحہ نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیوں، کیا ہوا اگینے؟ ــــــ اپنی بھابی کو نہیں بتاؤ گی؟"

"کچھ نہیں ہے بھابی! ــــــ بس یونہی۔"

"کیا یونہی؟ ــــــ کہیں تُو فیض کو لے کر تو پریشان نہیں ہو رہی؟" بھابی تہہ تک پہنچی تھیں۔

"فیض کے ساتھ میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔" اگینے نے جھٹلایا تھا۔

جواباً فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تم اب بھی یہ بات چھپانا چاہو گی؟" فارحہ نے جیسے اسے ایک لمحے میں پکڑا تھا۔

اگینے ایک پل میں ساکت تھی۔ اپنے پکڑے جانے پر حیران تھی۔ فارحہ چلتی ہوئی اس کے قری آئی تھیں پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے رکھ دیا تھا اور مسکراتے ہوئے ملائمت سے بو تھیں۔

"اگینے! ــــــ ایک عرصے سے تم خود سے بھاگ رہی ہو اور اب بھی ــــــ محبت اتنا بڑا گ ہے کیا کہ اسے خود سے بھی چھپانا چاہتی ہو اور سب سے بھی؟"

"پتہ نہیں بھابی! مگر محبت کرتے رہنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسروں کو بتاتے بھی رہو کہ آ اسے کتنا چاہتے ہو۔"

"محبت کی یہ کون سی لاجک ہے اگینے! جسے چاہا جائے، اسے ہی نہ بتایا جائے؟" فارحہ نے پو تھا۔

"بتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا بھابی!"

"ہو بھی سکتا ہے۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتی کہ یک طرف محبت کسی کام آتی ہو۔ میں کل بھی اس کے قریب تھی ــــــ ا اُس نے زندگی سے مجھے اپنے لئے نہیں چنا تھا ــــــ اور آج بھی ــــــ وہ مجھے چننا نہیں چاہے گ میں اس کے سامنے کھڑے ہو کر کیوں کہوں کہ پلیز چوز می فار یور لائف جبکہ میں اس کی زندگی کہیں ہوں ہی نہیں۔ نہ کل تھی نہ آج ہوں ــــــ اگر اسے مجھے چننا ہو گا تو وہ مجھے خود چنے لگا۔ چل کر اس کی زندگی میں داخل نہیں ہونا پڑے گا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر خود مجھے اپنی زندگی میں شامل ک چاہے گا۔ محبت بتانے والی شے نہیں ہے ــــــ محسوس کی جانے والی بات ہے ــــــ اگر کسی کو نہ ہوتی تو بتائی نہیں جا سکتی۔" اگینے سر جھکائے بول رہی تھی۔

فارحہ ملائمت سے مسکرا دی تھیں۔

"تم صرف اگوئیسٹ ہو رہی ہو اگینے! ــــــ بتاؤ گے نہیں تو کسی کو کیسے پتہ چلے گا؟"

"محبت بڑھا ہوا یا پھیلا ہوا ہاتھ نہیں ہے بھابی! ــــــ آئی کانٹ ڈو دیٹ ــــــ اور آپ ب میری فکر نہ کریں۔ آئی ایم ہیپی۔ مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آئی ایم ہیپی وِد مائے لائف اگینے مسکرا دی تھی۔ فارحہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"جس کے لئے اتنی محبت ہے جب اسی کو نہ بتایا جائے تو پھر کیا فائدہ؟"

ور بتانے سے کیا فائدہ ہو گا؟ ــــــ کوئی فائدہ نہیں ہو گا بھابی!"

یسا نہیں ہوتا اگینے! ــــــ بتانا پڑتا ہے۔ بتانا بھی چاہئے۔ محبت اتنی ہی اگوئیسٹ ہوتی ہے ور........"

ِد بھائی آ گئے تھے۔ اگینے بولتے بولتے یک دم چپ ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد سعد بھائی کے ں بکے تھا جو یقیناً وہ فارحہ بھابی کے لئے لائے تھے۔ اگینے جانے کے لئے فوراً اٹھی تھی تبھی نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

محبت پلٹ آتی ہے اگینے! ــــــ ایک بار ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو۔"

ِد چلتے ہوئے وہیں آ گیا تھا اور مسکراتے ہوئے بکے فارحہ کی طرف بڑھایا تھا۔

کیسی ہو اگینے؟"

ٹھیک ہوں بھائی! ــــــ آپ آج ہماری بھابی کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہے ہیں؟" چھیڑا تھا۔ را دیئے تھے۔

اپنی بھابی سے پوچھ لو، کہاں جانے کے لئے تیار ہے۔ تم کہاں جا رہی ہو؟ تم بھی چلو نا۔ آج ھ کرتے ہیں۔ میں نے ٹیبل بک کروا دی ہے۔" سعد بھائی ہمیشہ سے مختلف دکھائی دیئے تھے۔

لینے مسکرائی تھی۔ پھر فارحہ بھابی کی طرف دیکھا تھا۔

نہیں بھائی! ــــــ آپ بھابی کے ساتھ جایئے۔ ہم پھر کبھی چلے جائیں گے ــــــ چلتی ہوں " گلے مل کر وہ فوراً ہی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

محبت پلٹ آتی ہے اگینے! ــــــ ایک بار ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو۔"

ارحہ بھابی کی مدھم سی سرگوشی اس سے جانے کیوں کان میں گونجی تھی۔

* * *

اصلے دلوں میں ہوں تو مٹنے میں صدیاں لگتی ہیں۔

نابیہ نے باتھ لے کر باہر نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

نی قربتوں کے باوجود ــــــ

اصلے بدستور قائم تھے ــــــ

ی گریز درمیان تھا۔

یڈ کے دوسرے کنارے پر سوئے ہوئے اس بندے کو اس نے بغور دیکھا تھا۔

رد کی اور عورت کی ضرورتوں اور خواہشوں میں واضح فرق ہے۔ عورت من کی خواہش کرتی ہے۔ سے خواہش کرتی ہے ــــــ اور مرد ــــــ!

نابیہ نے کلاک دیکھا تھا۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا اور وہ شخص ــــــ

شاید یہ نیند سکون کی تھی! ــــــ جو ٹوٹنے میں دیر لے رہی تھی۔

کسی ایک کی جیت تھی!

شاید۔۔۔۔۔!

اپنے اندر ایک لمحے میں بہت کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کرتے ہوئے وہ کھڑکی تک آئی تھی۔

اندر یک دم ہی بہت بجھا بجھا سا دکھائی دیا تھا۔ اس نے پردے کھینچ دیئے تھے۔ بہت سی روشنۡ آ گئی تھی۔ وہ پلٹ کر سائیڈ دراز میں سے کچھ ڈھونڈنے لگی تھی۔ یہ سائیڈ دراز اس شخص کی طر تھا۔ جھکنے کے باعث گیلے بال جھک کر یکدم ہی نیچے آئے تھے۔۔۔۔۔ بالوں سے ٹپکتی کئی بوندیں اس کے چہرے پر جا پڑی تھیں۔

ایک لمحے میں وہ بیدار ہوا تھا۔

وہ جھجک کر رہ گئی تھی۔ نگاہ اس شخص پر پڑی تھی۔

اس کی توجہ کا مرکز بھی وہی تھی!

انابیہ نے نگاہ ہٹاتے ہوئے بہت آہستگی سے دراز بند کی تھی اور واپس مڑنے لگی تھی جب اس کی گرفت میں کلائی آ گئی تھی۔ وہ چونکی تھی۔

پلٹ کر دیکھا تھا۔

دل کے اندر کوئی احساس بیدار نہیں ہوا تھا۔

عفنان اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

نگاہ میں کچھ خاص تھا۔

مگر انابیہ کا انداز سرد برف جیسا تھا۔

عجب برف سی لگی تھی وہ۔۔۔۔۔

جھکی جھکی۔۔۔۔۔ پشیمان سی نگاہ۔۔۔۔۔ جیسے وہ کوئی بہت بڑی خطا کر چکی ہو۔ عفنان۔ لمحے میں اس چہرے کو پڑھا تھا۔

پھر بہت آہستگی سے وہ کلائی چھوڑ دی تھی۔ انابیہ پلٹی تھی اور چلتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

مرد اور عورت کبھی ایک جیسا نہیں سوچتے۔۔۔۔۔

کبھی ایک جیسا نہیں سوچ سکتے۔۔۔۔۔

مرد کی خواہشات مختلف ہیں اور عورت کی مختلف۔۔۔۔۔!

عورت کی خواہشوں میں ''دل'' بھی شامل ہے اور ''روح'' بھی۔ مگر کوئی مرد کبھی یہ چھوٹی نہیں سمجھتا۔

اپنی خواہشوں کے آگے وہ ایک چھوٹی سی بات کو بھول جاتا ہے!

عورت تن سے نہیں۔۔۔۔۔ من سے سیراب ہوتی ہے!

کچن میں وہ چپ چاپ کھڑی اُبلتے ہوئے دودھ کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی

اُبل باہر جا رہا تھا اور۔۔۔۔۔!

یک دم ہی احساس ہوا تھا!

نابیہ نے چولہا بند کر دیا تھا۔

* * *

ن۔۔۔۔۔!
کے میرے درمیان!
فاصلہ ہے۔۔۔۔۔!
صدیوں تک ہے پھیلا ہوا)
ن۔۔۔۔۔!
کے میرے درمیان!
انا کا مسئلہ ہے!
ل دل طے کرنے کو
لمحہ ضروری ہے
ے یہ کون بتلائے
کتنا ضروری ہے!

چ بیں گاڑی روک کر وہ باہر آئی تھی۔ یہاں تک آتے ہوئے سب کچھ جتنا آسان لگ رہا تھا، ہی شکل تھا۔

وہ ی نہیں تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور گلاس ڈور کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ نوکر نے انداز میں سلام کیا تھا۔

ب نے سر ہلایا تھا۔

ائی کہاں ہیں؟''

ائی تو سی کام سے باہر گئی ہیں۔ آپ بیٹھیں۔ تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گی۔ گین صاحب ادوں انہیں؟۔۔۔۔۔ گی، بی بی کے ساتھ کہیں باہر جا رہے ہیں۔ میں بتاتا ہوں انہیں۔'' خادم تھا۔ پلٹا تھا۔ مگر میرب نے اسے یک دم ہی روک دیا تھا۔

ہیں، رہنے دو۔۔۔۔۔ میں مائی کا انتظار کر لیتی ہوں۔ کتنی دیر پہلے گئی تھیں؟''

یک گھنٹہ ہو گیا۔''

وہ۔۔۔۔۔ پھر تو انہیں شاید ٹائم لگے گا۔ میں چلتی ہوں پھر۔'' وہ یک دم ہی پلٹی تھی۔ تبھی اپنے رے شخص کو دیکھ کر نگاہ جم گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی اسے بغور دیکھا تھا۔

میرب نے دوسرے ہی پل بے تاثر بن کر قریب سے نکل جانا چاہا تھا۔ انداز میں عجب ایک ا۔

نہیں کوئی حق تھا کہ نہیں۔۔۔۔۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میرب سیال چونکی تھی۔ نگاہ اٹھا کر اس شخص

کو دیکھا بھی تھا ـــــ مگر اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''واپس کیوں جا رہی ہو؟''

''مائی سے ملنے آئی تھی۔ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ سو ـــــ!''

''انتظار کر لو ـــــ کچھ ہی لمحوں میں واپس آ جائیں گی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے م
تھا۔

اس نے کوئی جواب دیئے بنا خاموشی سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ سوٹڈ بوٹڈ، نک سک
ـــــ تیاری کچھ خاص لگ رہی تھی۔ غالباً وہ گی کے ساتھ ڈنر کے لئے جا رہا تھا۔

میرب کو اندازہ ہوا تھا اور دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟'' اسے خیالوں میں کھوئے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''نہیں ـــــ کچھ نہیں۔'' میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی ضروری بات تھی ـــــ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بابت پو
وہ کرنے آئی تھی۔

''نہیں ـــــ کچھ خاص نہیں۔ آپ کو دیر ہو رہی ہو گی۔'' ایک بے تاثر پن سے کہا تھا
بے تاثر انداز میں بھی کئی حوالے چھپے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو
تھا۔

''مجھے اپنے معاملات کو نمٹانا آتا ہے۔ آپ کو کیئر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ بیٹھ جائیے
انتظار کر لیں۔ وہ آئیں گی تو انہیں اچھا نہیں لگے گا کہ آپ آئیں اور اس طرح واپس بھی لوٹ
پھر مجھ سے ڈسکس کر لیں۔ کیا کہنے آئی تھیں آپ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تفصیل چاہ

میرب کو اس بات کا گمان نہیں تھا۔ تبھی کچھ چونک کر دیکھا تھا۔

''آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ آپ میری فکر نہ کریں ـــــ میرے پاس کافی ٹائم ہے انت
کے لئے۔'' وہ کہہ کر خادم کی طرف مڑی تھی۔

''خادم! میں باہر گاڑی میں مائی اماں کا انتظار کر رہی ہوں۔ آئیں تو بتا دینا۔'' وہ کہہ کر
لئے یکدم ہی مڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جارحانہ انداز میں اس کی کلائی کو
اپنی طرف کھینچا تھا۔ حملہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ سنبھل نہیں پائی تھی۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی سردار سبکت
لغاری کے سینے سے جا لگی تھی۔ اُلجھی ہوئی کئی سانسوں کے ساتھ سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

وہ شخص خشمگیں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا تماشا بنا رہی ہیں آپ اس رشتے کو لے کر؟ ـــــ آپ باہر کھڑی ہو کر مائی کا ا
گی؟ اس گھر میں اتنی جگہ بھی نہیں کہ آپ یہاں بیٹھ کر انتظار کر سکیں؟''

'مجھے جگہ اس گھر میں نہیں، تمہارے دل میں چاہئے سردار سبکتگین حیدر لغاری!' میرب
سکی تھی، کہہ نہیں سکی تھی۔ عجیب ایک بے بس سا انداز تھا۔

بے بسی نظروں میں تھی۔

کو اس چہرے پر بے طرح ترس آیا تھا۔

اپنے حصار سے آزاد کیا تھا۔

طرح کھڑی رہی تھی ـــــ سر جھکائے۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھاما تھا اور لے کر چلتا ہوا صوفے کی طرف آ
سے بٹھایا تھا۔ پھر خود اس کے عین پاس بیٹھ گیا تھا۔

بولو ـــــ کیا بات ہے؟'' وہ شخص سارے حوالے ختم کر رہا تھا۔ سارے رشتے مٹا رہا تھا تو
ں کی، اس کے موڈ کی اتنی فکر کیوں تھی؟

کے لئے تو بے تاثر بن جانا بہت آسان ہونا چاہئے تھا۔ اجنبی بن کر ـــــ بنا نگاہ ملائے
ہ جانا بہت معمولی سا واقعہ ہونا چاہئے تھا۔ پھر وہ چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو بھی اتنی اہمیت
ے رہا تھا؟

ب سیال اسے جانچنا چاہتی تھی۔

نا چاہتی تھی۔

ـــــ وہ اُلجھی اُلجھی نگاہ اٹھی بھی تھی تو بہت خالی خالی سی تھی۔

ر سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرب کی نگاہ
ے کہاں سے اور کیونکر نمی اتری تھی۔ جسے چھپانے کو وہ نگاہ پھیر گئی تھی اور چہرہ بھی۔

ر سبکتگین حیدر لغاری کو اس نگاہ کی الجھنیں کچھ اور بڑھتی دیکھ کر کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی تھی۔

ب کیا ہوا؟'' اس نمی کا جواز چاہا تھا۔

ب نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

پ چاہتی کیا ہیں؟ ـــــ بتائیں گی آپ؟ خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہونے کی عادت ہے اور
لو پریشان کرنے کی بھی۔''

آپ سے کس نے کہا کہ آپ پریشان ہوں۔ میں یہاں آپ کو پریشان کرنے بالکل نہیں آئی
پ جائیے جہاں آپ جا رہے تھے۔ میں نے آپ کو نہیں روکا۔'' جواباً وہ بولی تھی اور سردار
یدر لغاری خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

ہمیشہ وہ بولتی تھی جو وہ سننا نہیں چاہتا تھا ـــــ

عنی ـــــ بے تاثر ـــــ!

ر کو غصہ آیا بھی تھا مگر دوسرے ہی پل قابو پاتے ہوئے اس نے میرب کی طرف دیکھا تھا اور
ے سے بولا تھا۔

ئی ٹولڈ یو ـــــ آئی کین ہینڈل مائے پرابلمز ویری ویل۔ مجھے اپنے معاملات کو نمٹانا بہت
ح سے آتا ہے۔ اب آپ بتائیے، آپ یہاں کیا کہنے آئی تھیں؟ ـــــ پھر کوئی نئی شکایت

لے کر، نیا شکوہ لے کر؟ ـــــ آپ روز روز کے ان جھگڑوں سے تنگ نہیں آ جاتیں؟ ہمیشہ معاملا کو ربڑ کی طرح کیوں کھینچتی ہیں؟ انہیں سمیٹتی کیوں نہیں؟ ـــــ چھوٹی چھوٹی باتوں کو پھیلا بہت شوق ہے آپ کو۔'' میرب نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ وہ بالکل نہیں سمجھ پائی تھی کر کیا کہنے والا تھا یا کیا کہنا چاہتا تھا۔

''کیا ـــــ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ـــــ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' وضاحت نہ چاہ ارادہ رکھتے ہوئے بھی وہ بولی تھی۔

''گین! تیار ہو گئے تم؟ ـــــ چلو ـــــ آئی ایم ریڈی۔'' یک دم گی کی آواز آئی تھی۔ میر نے آواز کی سمت چہرہ موڑا تھا اور گی کو دیکھا تھا۔

وہ تک سک سے تیار کھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی منتظر تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے ـــــ آپ کو جتنا انتظار کرنا ہے، یہاں بیٹھ کر کیجئے، جب تک مائی واپس نہی جاتیں۔ چلو گی!'' اسے نخوار انداز سے کہہ کر وہ گی کی طرف بڑھا تھا۔

میرب حیرت زدہ سی رہ گئی تھی۔

وہ نگاہ حیرت لئے ہوئے تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مطلق پرواہ کئے بغیر چلتا ہوا گی کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

ایک لمحے میں محبت اور بھی الجھ گئی تھی۔

میرب کا دل چاہا تھا، وہاں سے اٹھے اور بھاگتی ہوئی نکل جائے اور پھر کبھی پلٹ کر نہ اس ط دیکھے نہ اس طرف نگاہ کرے۔ مگر یہ سوچنا آسان تھا، اس پر عمل کرنا مشکل تھا۔ مگر وہ یہ بات اس شخص کو بتا نہیں سکتی تھی۔

مائی اماں کے آنے تک وہ یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں میرب ـــــ بچے؟'' مائی اماں چلتی ہوئی اس کی طرف آئی تھیں۔ مگر م نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ پورا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنی کمزوری کا پتہ کسی کو دینا نہیں چاہت مگر یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا، اب اس شخص کو اس کی ضرو نہیں تھی۔ مگر وہ سچائی کا پتہ پھر بھی لینا چاہتی تھی۔

''ایسے بیٹھی کیوں رو رہی ہے تُو؟ ـــــ کیا ہوا؟'' مائی اماں نے اس کا چہرہ اٹھایا۔

''اماں! آپ مجھے ایک بات بتائیں گی؟''

''کیا؟''

''وہی جو آپ کے اور پاپا کے بیچ میں ہوئی۔'' میرب نے دوٹوک پوچھا تھا۔

''کیا مطلب، کیا ہوا؟'' مائی اماں نے اس کے آنسو پونچھے تھے۔ ''تم اس طرح رونا بند کر آرام سے بات کرو۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔''

یہ سب چھوڑیئے، پہلے مجھے بتایئے، آپ میں اور پاپا میں کیا کیا باتیں ڈسکس ہوئیں؟ ـــــ ں نے آپ سے؟'' میرب نے ضدی بچوں کی طرح کہا تھا۔

ٹھیک ـــــ تُو رونا بند کر، پھر بتاتی ہوں تمہیں۔'' مائی نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کے تھے۔

''مجھے آج ممی کی طرف جانا ہے۔ جاسکتی ہوں۔'' انابیہ نے ناشتے کی ٹیبل پر کہا تھا۔

عفنان علی خان نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

''یہ آپ مجھے اطلاع دے رہی ہیں یا اجازت چاہ رہی ہیں؟''

''آپ کو کیا لگا؟'' انابیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

عفنان نے شانے اچکا دیئے تھے۔

''آف کورس ـــــ آپ سے پوچھ رہی تھی، کیا میں جاسکتی ہوں؟ یہ نہیں کہا کہ میں جا ہوں۔'' انابیہ نے باور کرایا تھا۔

''سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟ ـــــ '' عفنان علی خان نے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا

''اوہ، رائٹ ـــــ اِٹس مین طنز ـــــ میں نے اُس روز جو منع کیا تھا۔'' لمحہ بھر کو چپ رہ کر کچھ تھا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہا تھا۔

''جب جانتے ہیں تو پوچھ کیوں رہے ہیں؟'' وہ تنک کر بولی تھی۔

عفنان نے اس کے چہرے کو لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ شوہر بن گئے تو ساری دنیا ہاتھ میں آگئی آپ کے؟'' انابیہ سچ مچ کے موڈ میں لگ رہی تھی۔

مگر عفنان علی خان بہت مطمئن انداز میں چائے کے سِپ لیتے ہوئے سر جھکا کر نیوز پیپر دیکھ تھا۔

''ابھی تک بیوی تو مٹھی میں آئی نہیں ـــــ ساری دنیا کیا خاک ہاتھ میں آئے گی؟'' وہی سا، شوہروں کا انداز تھا اور انابیہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

اس وقت انابیہ کو اپنا آپ انتہائی ظالم بیوی والا لگا تھا۔

''ہاں ـــــ بہت معصوم ہیں آپ تو۔'' انابیہ مکمل لڑائی کے موڈ میں تھی۔

''آپ نے طے کرلیا ہے، آپ جھگڑالو وائف کا کیریکٹر بھرپور طریقے سے نبھائیں گی؟'' عف علی خان نے پوچھا تھا۔ انداز نرم تھا۔

''اور آپ نے طے کرلیا ہے کہ آپ ظالم شوہر بن کر رہیں گے۔'' انابیہ نے ترکی بہ ترکی جوا تھا۔

نان نے نیوز پیپر لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔

آپ جھگڑے کے فُل موڈ میں ہیں تو جھگڑ لیجئے۔''

جھگڑے کے موڈ میں، میں ہوں اور آپ جو کرتے ہیں؟''

کیا کرتا ہوں؟ ـــــ آپ خواہ مخواہ بات کو بڑھانا چاہتی ہیں۔ ممی اور دادا ابا سے ملنے کو میں نہیں روکا آپ کو۔ آپ بتایئے، کبھی منع کیا میں نے آپ کو ان سب سے ملنے کو؟ ـــــ منع نے آپ کو کیا تھا مگر صرف.......'' وہ بولتے بولتے یک دم رُک گیا تھا۔ نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا

ہاں لامعہ حق کھڑی تھی۔ عفنان علی خان اٹھ کھڑا ہوا تھا اور چلتے ہوئے وہاں سے نکل گیا تھا۔

ابیہ نے پلٹ کر دیکھا تھا، لامعہ کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے کچھ حیرت ہوئی تھی۔

معہ کچھ دیر تک یوں ہی فاصلے پر ساکت کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی تھی، پھر چلتے ہوئے آگے ئی تھی۔

نابیہ مسلسل حیرت میں تھی۔

* * *

'محبت پلٹ آتی ہے۔''

ارحہ نے ایک جملہ کہا تھا اور اس کی بازگشت کتنے ہی دنوں تک اس کے اردگرد گونجتی رہی تھی۔

''آپ نہیں جانتیں بھابی! کبھی کبھی محبت نہیں بھی پلٹتی۔ بہت کچھ لے کر بھی نہیں۔ طویل انتظار کے بعد ہیں۔'' اپنے ہی دھیان میں چلتی ہوئی وہ پلٹی تھی جب فیض بخاری کو اپنے سامنے دیکھ کر کچھ حیران رہ ی۔

''آپ کی خود سے اُلجھنے اور باتیں کرنے کی عادت ختم نہیں ہوئی؟'' فیض بخاری نے مسکراتے ے کہا تھا۔

مگر اگینے مسکرا نہیں سکی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے ـــــ آپ یہاں کیسے؟ ـــــ خیریت؟''

''ہاں ـــــ بس یہاں سے گزر رہا تھا۔ تمہارا خیال آ گیا۔ سوچا ملتا چلوں۔'' فیض مسکرا دیئے

''اوکے۔'' اگینے کچھ زیادہ نہیں بول سکی تھی۔

''اور کیا کر رہی ہیں آپ آج کل؟''

''کچھ خاص نہیں ـــــ بھابی کیسی ہیں؟ ـــــ اور بچے؟''

''سب ٹھیک ہیں۔'' فیض نے کہا تھا۔ ''بھابی بتا رہی تھیں تم نے بوتیک کھول لیا ہے۔''

''ٹھیک۔ تھینکس۔'' اگینے مروتاً مسکرائی تھی۔ ''آپ کھڑے کیوں ہیں؟ ـــــ بیٹھئے نا۔''

فیض بخاری نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیئے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا ہم پہلی دوسری بار ملے ہیں۔''

''نہیں ـــــ کیوں، کیا ہوا؟'' اگینے نے نگاہ اٹھا کر فیض کو دیکھا تھا۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ وقت ہے؟''

''ضروری بات؟'' اگینے چونکی تھی۔

''ہوں ـــــ وقت ہے؟'' فیض بخاری نے دوبارہ پوچھا تھا۔

اگینے کچھ دیر تک یوں ہی اس کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❄ ❄ ❄

کمرے میں بہت خاموشی تھی۔ لامعہ حق اس سے کچھ فاصلے پر خاموشی سے کھڑی تھی۔

انابیہ شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''کھڑی کیوں ہو؟ ـــــ بیٹھ جاؤ۔''

اگرچہ اسے قطعاً پتہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کس لئے آئی ہے مگر اس کے باوجود کرٹسی اس کے انداز میں واضح تھی۔ جیسے ان کے درمیان کوئی برا موڑ آیا ہی نہ ہو۔

لامعہ اسی خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''چائے پیو گی؟'' انابیہ جو کچھ لمحوں پہلے تک بہت ہائپر دکھائی دے رہی تھی، اب بہت پُرسکون تھی۔

لامعہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں۔'' لہجہ قطعی تھا۔

انابیہ مزید کچھ نہیں پوچھ سکی تھی۔

''میں کچھ کہنا چاہتی ہوں انابیہ!'' لامعہ حق مدھم لہجے میں بولی تھی۔ انابیہ نے سوالیہ نظروں سے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' لامعہ حق کی آواز اُبھری تھی اور انابیہ اسے حیرت سے تکتی رہ گئی تھی۔

''مجھے اندازہ ہے انابیہ! میں نے تمہارے ساتھ سب غلط کیا۔ پلیز مجھے اس کے لئے معاف کر دو۔ میں جانتی ہوں ان سب کے لئے معافی کا لفظ بہت چھوٹا ہے اور شاید تم مجھے معاف کر بھی نہ سکو۔ مگر میں اپنے دل سے ایک بوجھ اتارنے یہاں چلی آئی۔''

لامعہ حق کہہ رہی تھی اور انابیہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

''انابیہ! میں شرمندہ ہوں۔ شاید یہ لفظ بھی بہت چھوٹا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے۔''

انابیہ کو یقین نہیں تھا۔ لامعہ حق کو واقعی اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا یا پھر وہ کوئی نیا جال بُن رہی تھی۔

ساکت سی اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔

نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

بیہ! آئی ایم سوری ـــــ رئیلی ویری سوری۔'' لامعہ کا لہجہ مدھم تھا۔

اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔

یقین کیسے نہ کرتی۔ لامعہ حق کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

❄ ❄ ❄

کیا بات تھی جسے کہنے کے لئے تم مجھے یہاں لے آئے؟'' اگینے نے ریسٹورنٹ کے ماحول کو

روں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ایک بات۔'' فیض بخاری بولے تھے۔ وہ اس وقت گہری سوچ میں دکھائی دیئے تھے۔ اگینے

کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

ئی پریشانی ہے؟'' اگینے نے دریافت کیا تھا۔

ں ـــــ ایسی کوئی بات نہیں۔''

ر ـــــ؟''

لینے ـــــ!''

ـــــ''

ہ سے شادی کرو گی؟''

یا ـــــ؟'' سوال اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ وہ لحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

اپنی زندگی کا بہت سا وقت گزار چکے ہیں اگینے! ـــــ بہت سال ـــــ شاید اب اتنے

ے ہاتھوں میں باقی بھی نہیں ہیں کہ گنوا سکیں۔'' فیض بخاری کا لہجہ اُسے حیران کر رہا تھا۔ مگر

جیسے ایک تمہید جیسی تھیں۔ درحقیقت وہ کوئی اور بات کہنا چاہ رہا تھا۔

لینے! تمہارے اور میرے بیچ کسی نئے رشتے کے آغاز سے پہلے میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔

کے بعد کے سارے فیصلے تمہارے اپنے ہوں گے۔ اس کے بعد تم جو بھی کہنا چاہو کہہ سکتی ہو۔''

کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اگینے نے پوچھا تھا۔

لینے! بات بہت مختصر سی ہے مگر اتنی آسان نہیں ہے۔''

میصا کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتے ہیں آپ؟'' اگینے نے پوچھا۔

ا نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

ں ـــــ رومیصا ایک گزر جانے والا واقعہ ہے۔ جس پر بہت سے کربوں کی گرد بھی جم چکی

ب سوچوں بھی تو وہ لڑکی ایک خواب جیسی لگتی ہے۔ شاید خواب ہی تھی وہ ـــــ مگر ـــــ میں

اسے کرنا چاہتا ہوں وہ کچھ مختلف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ـــــ کچھ عرصہ قبل میں ایک لڑکی سے

ں بھی فرشتہ نہیں تھا۔ سو ہم نے کچھ اچھا وقت ساتھ گزارا۔ وہ کسی اور کے ساتھ جذباتی وابستگی

رکھتی تھی۔ اسی کا انتظار بھی شاید وہ کر رہی تھی۔ سو ہم میں کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہوئی۔ بس ہم وقت ساتھ گزارا اور ہم اپنی اپنی راہ پر ہو گئے۔ مگر اب وہ یہاں میری تلاش میں آئی تھی اور مجھے پتہ بھی چل گیا تھا۔ آئی فاؤنڈ ہر، میٹ ہر، دین شی ٹولڈ می دیٹ ـــــ شی اِز پریگنٹ وِد مائے وہ مجھ پر اس بچے کی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالنا چاہتی۔ نہ ہی مجھ سے کوئی رشتہ چاہتی ہے۔ اس ہے اس کے لئے اس کی تھوڑی سی محبت پوری زندگی گزارنے کے لئے کافی ہے اور محبت کو زیادہ کی خواہش ہوتی بھی نہیں۔ میرا تمہاری طرف آنا، اُسے ریجیکٹ کیا جانا نہیں ہے اکینے! بہت عرصہ پہلے دانتے کی ایک لائن پڑھی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ شادی اور محبت دو الگ الگ ہیں۔ میں بھی یہی مانتا ہوں۔ محبت سراسر دل کا معاملہ ہے جسے تم کسی قدر جذباتی معاملہ بھی ہو۔ مگر شادی دماغ کا فیصلہ ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

فیض بخاری کا لہجہ دھیما تھا۔

اور وہ چپ چاپ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

❄ ❄ ❄

دونوں کتنے لمحوں تک ایک دوسرے کے کاندھوں پر سر دھرے روتی رہی تھیں۔ لمحے چپ چا کے درمیان جیسے ٹھہر سے گئے تھے۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا انابیہ! ہم میں اتنی اور اس قدر دوری آ جائے گی۔" کچھ دیر بع نے اس کے کاندھے پر سے سر اٹھا کر اس کے آنسو پونچھے تھے۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں ـــــ میں نے بھی یہ کبھی نہیں سوچا تھا مگر......"

"انابیہ! میں مانتی ہوں جو بھی ہوا وہ اتنا معمولی نہیں تھا۔ مگر کیا تم اسے بھلا کر سب پہلے سکتی ہو؟ میں جانتی ہوں میں نے جو بھی کیا وہ بہت غلط تھا۔ مگر میں اپنی غلطیوں کا ازالہ کر ہوں۔ میں شرمندہ بھی ہوں۔ بہت بری ہوں نا میں۔" لامعہ سر جھکا کر بولی تھی۔

"نہیں ـــــ تم بری نہیں ہو لامعہ! شاید ہم سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ سب اتنے ہوتے ہیں۔ ہماری خواہشیں بری ہیں جو ہمیں برا بناتی ہیں۔ کچھ برا کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ تم بھی کیا میں تمہیں اس کے لئے قصوروار نہیں مانتی۔" انابیہ نرمی سے بولی تھی اور بہت آہستگی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"چلو، بھول جاتے ہیں سب کچھ۔ پھر سے دوستی کرتے ہیں ـــــ اس بار رشتوں کے دیتے ہیں ـــــ میری بھابی بنو گی؟" انابیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

لامعہ نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

"تھینکس انابیہ! تم بہت اچھی ہو۔ مجھے تمہارے اتنے اچھے ہونے پر ہمیشہ بہت غصہ آتا اب ـــــ اب نہیں آتا۔ سارا خالی پن اندر سے اُٹھتا ہے اور اندر کا خالی پن سکون نہیں لینے

ے ساتھ تو شاید ایسا نہیں ہوتا مگر کسی کسی کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ میرے اندر کا خالی پن تھا ں نے مجھے ایسا سب کرنے پر اُکسایا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید آج صورت حال ایسی نہ ہوتی۔ کونفیشن کی ضرورت پیش نہ آتی اور ہماری دوستی اسی طرح برقرار ہوتی۔ اِک دراڑ بیچ میں نہ لامعہ بولی تھی۔

وئی دراڑ بیچ میں نہیں ہے لامعہ! تم ایسا مت سوچو۔ ایسا سب لکھا ہوتا ہے۔ تمہارے میرے بیچ تھا، وہ بھی لکھا ہوا تھا۔ سو ہو گیا۔ غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ سب کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی بھول رور کرتے ہیں یہاں اس دنیا میں۔ ہم سب انسان ہیں، فرشتے نہیں۔ سو ہمیں ایک دوسرے ں توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے کہ ہم کوئی فرشتوں جیسے کام کریں گے۔ اگر ہم میں سے ہر کوئی یہ لے تو آدھے پرابلم یہیں ختم ہو جائیں۔" انابیہ بولی تھی اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی ہ دیا تھا۔

اب سوچنا بند کرو۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے ہم یکریں۔ تم میں تو پھر بھی حوصلہ ہے کہ مان رہی ہو۔"

آئی ایم سوری انابیہ! تم اتنی اچھی تھیں اور میں تمہیں......"

اِٹس اوکے لامعہ! تم بھی بہت اچھی ہو۔" انابیہ مسکرائی تھی۔ "میری ہونے والی بھابی بری کیسے ہو ہے۔"

امعہ مسکرائی تھی۔

فضول قسم کا بندہ ہے وہ ـــــ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں اس کے ساتھ زندگی گزار سکوں گی؟"

لآخر اوزان کا آ گیا تھا۔

میرا بھائی؟ ـــــ" انابیہ نے وضاحت چاہی تھی۔ "میرا بھائی اس دنیا کا سب سے اچھا بندہ ر تمہیں ساری دنیا گھوم لینے کے بعد بھی کوئی اس جیسا نہیں ملے گا۔ آزما لو۔" انابیہ مسکرائی تھی۔

"دنیا میں کوئی ایسا دل والا نہیں ہو گا جو ایک دو بار ریجیکٹ ہونے کے بعد بھی دوبارہ اسی ذوق و سے لڑکی کو پرپوز کرے۔"

"بے وقوف! وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تم بہت لکی ہو۔" انابیہ نے باور کرایا تھا۔

"آئی ڈونٹ نو۔" لامعہ نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔ "مجھے نہیں پتہ کہ میں لکی ہوں کہ نہیں۔"

"تم ہو لامعہ! ـــــ محبت تمہارے تعاقب میں برسوں سے ہے تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ تم لکی پتہ ہے، محبت کی لاجک کیا ہے؟"

"اوں، ہوں ـــــ نہیں پتہ۔ تم بتا دو۔" لامعہ مسکرائی تھی۔

"محبت کی لاجک یہ ہے کہ مرد عورت کی خوبصورتی سے محبت کرتا ہے اور عورت مرد کی محبت سے نکرتی ہے۔ یوں بھی کہتے ہیں، محبت کو اپنے پیچھے آنے دو۔ اس کے پیچھے مت بھاگو اور تم نے

محبت کو اپنے پیچھے بھی آنے دیا اور اسے اپنے سنگ باندھ بھی لیا۔ وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔“ ا نے مسکراتے ہوئے بھائی کی وکالت کی تھی۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔

”میں جانتی ہوں انابیہ!—— بہت سی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ بھی ہے۔ میں نے او سید کو، اس کی محبت کو کبھی سمجھا ہی نہیں۔ کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اگر میں پہلے ہی یہ سمجھ جا آج یہ سب نہ ہوتا۔ اوزان، اوزان کی محبت میرے لئے تھی۔ میرے ساتھ تھی اور میں بھاگتی جا تھی۔ انابیہ! میں ایک بات سمجھ نہیں پائی تھی۔ محبت دل میں خود گھر کرتی ہے، اس کے لئے زبردستی نہیں آتی۔ زبردستی چھین لینے کی خواہش سے خواہشیں مرنے لگتی ہیں۔ ایسا مجھے بہت دیر میں پتہ میرے اندر کی خواہشیں بھی ایک ایک کر کے مر گئیں۔ صرف خودغرضی تھی وہ۔ میں غلط تھی، سو کھڑی رہ گئی۔ اور سچ کبھی تنہا نہیں ہوتا انابیہ! تم خوش ہو نا؟“ لامعہ نے پوچھا تھا اور انابیہ جواب خود کو یکسر بھولے بیٹھی تھی، چونک پڑی تھی۔

”میں؟—— ہاں، میں —— میں خوش ہوں۔ بہت خوش۔“ بہت پھیکی سی مسکراہٹ اس لبوں پر تھی۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے انابیہ؟—— وہ بندہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے، یہ تم بھی جانتی ہو۔ دوسرو محبت کی حقیقت سمجھانے والی لڑکی محبت سے اتنی خائف رہے، اچھا نہیں لگتا۔“ لامعہ نے اسے ڈپٹا

انابیہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔

”عفنان علی خان تمہیں کس قدر اور کتنا چاہتا ہے انابیہ! یہ بات صرف میں ہی نہیں، پورا جہان ہے۔ کس قدر پاگل ہے وہ تمہارے لئے۔ پھر یہ بے یقینی کیوں؟“

”نہیں لامعہ!—— بعض اوقات جو نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں۔ شاید عفنان کو مجھے پانے کی لگن تھی۔ اگر یہ لگن پوری نہ ہوتی تو شاید وہ اب تک اسی دیوانگی سے میری تمنا کرتا رہتا۔ مگر کسی کے حصول کے بعد، اسے پا لینے کے بعد اس کی اٹریکشن ختم ہو جاتی ہے سو......“

”شٹ اپ انابیہ!—— تم عفنان کو سمجھنے میں ضرور کوئی غلطی کر رہی ہو۔ خواہ مخواہ اپنی د سکون برباد مت کرو۔ تم جانتی ہو وہ تم سے محبت کرتا ہے اور بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اب یہ اِدھر اُ فضول باتیں جانے دو۔ تجدیدِ وفا کی طرح تجدیدِ محبت بھی ضروری ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہ اعتبار ہی اٹھ جائے۔ تم تو جان بوجھ کر آنکھیں بند کر رہی ہو۔ سب جانتے ہیں اور تم بھی جانتی وہاٹس رونگ وِد یو؟“ لامعہ نے ڈپٹا تھا۔

دونوں دوستوں کے درمیان ویسا ہی دوستی کا ماحول تھا۔ جیسے کوئی دراڑ درمیان میں آئی ہی نہ ہ

”میں بھی ایسا سوچتی تھی لامعہ! مگر ایسا واقعی نہیں ہے—— اگر ایسا ہوتا تو میں محسوس بھی مگر......“

انابیہ نے سر ہلاتے ہوئے ایک اُلجھن میں بات ادھوری چھوڑ دی اور لامعہ سمجھ گئی، ان دونوں

ن کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ انابیہ ان فاصلوں کو اور بھی بڑھا رہی ہے۔

* * *

”ماہا کی انگیج منٹ ہو جائے تو اذہان کی شادی کی طرف آ جایئے۔“ سعد حسن بخاری ٹائی کی ناٹ تے ہوئے بولے تھے۔

ارحہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”ہاں —— میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ مگر آپ کو نہیں لگتا، ماہا کی شادی پہلے ہونی چاہئے؟“

”نہیں —— وہ ابھی ایم بی اے کر رہی ہے۔ اسے کرنے دو۔ میں نے ایک بار پہلے اپنے بچوں اہشوں کو کوئی امپورٹنس نہ دے کر انہیں خود سے پرے دھکیل دیا تھا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ کوئی ن نہیں ہوگی۔ میرے بچے جو کرنا چاہیں گے انہیں ویسا کرنے کی اجازت ہوگی۔“ سعد بولے ر فارحہ انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

یک بار پھر وہی پرانا سعد ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک پل کو تو لگا ہی نہیں تھا کہ کوئی گزرا ہوا برا رمیان آیا بھی ہو۔ ایک لمحے نے ایک جادوئی چھڑی گھما کر جیسے سارا منظر بدل دیا تھا۔

ایسا ہوتا ہے؟‘ فارحہ سوچ رہی تھیں جب سعد بولے تھے۔

”کیا ہوا؟—— یہ آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟“

”نہیں —— کچھ نہیں۔“ وہ مسکرا دی تھیں۔

”کچھ تو ہے —— بتاؤ؟“

”سوچ رہی تھی——“

”کیا——؟“

”ایک پل میں سب پہلے جیسا کیسے ہو گیا۔“ اس کے لہجے میں حیرت تھی اور ایک اطمینان بھی۔

سعد چلتے ہوئے ان کے پیچھے آن رکے تھے۔ جھک کر ان کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار پھیلایا تھا ئینے میں ان کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

”تم میں ایک جادو ہے فارحہ!—— بس سمجھ لو، اسی جادو سے تم نے یہ سب ٹھیک کر دیا ہے۔“ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”جادو——؟“ وہ چونکی تھیں۔

”ہاں —— خود سے دور نہیں جانے دیتیں۔ گیا تھا کچھ دنوں کے لئے مگر —— جی لگا نہیں۔“

فارحہ ہنس دی تھیں۔

”مذاق مت کیجئے۔“

”مذاق نہیں۔ ٹرسٹ می۔ میں واقعی نہیں رہ سکا۔ بس ایک عادت سی پڑ گئی تھی تمہاری۔ اور کچھ محبت تھی۔ جو کچھ میں نے کیا وہ تو بس ایک ضد سی تھی جو مجھے ہو گئی تھی۔ لیکن میں غلط تھا۔ اور اب اس کا رہ مجھے ہو چکا ہے۔“ سعد نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

”غلط آپ نہیں تھے سعد! ـــــ غلط شاید وقت تھا۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ آپ اس طرح، اتنی دوری پر مجھ سے جا کھڑے ہوں گے۔ اور وہ بھی کسی دوسرے کے ساتھ۔ اینی ہاؤ، اب جب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے تو اس بات کا ذکر بھی کیوں کریں۔“

”ٹھیک ـــــ تمہاری ایک بات بہت اچھی ہے فارحہ! بہت جلد معاف کر دیتی ہو تم۔ میں سوچتا ہوں، دو چار گناہ اور کر لوں۔“ سعد شرارت سے کہتے ہوئے ہنس دیئے تھے۔

فارحہ نے پہلے گھورا، پھر مسکرا دی تھیں۔

”ہماری عمر تمام ہوئی سعد! ـــــ اب تو وقت ہمارے بچوں کا ہے۔ ہمیں ان کے پرابلمز کو حل کرنا چاہئے، نا کہ اپنے پرابلمز سے انہیں اُلجھانا چاہئے۔ آپ نے نہیں دیکھی، میں نے دیکھی ہے وہ اسٹریس۔ وہ فرسٹریشن۔ بہرحال، وہ سب گزر گیا سو اب ہمیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے۔“ فارحہ نے بات سمیٹ دی تھی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ آئی ایم ریڈی۔ میں باہر دیکھتا ہوں۔ گیسٹ آنا شروع ہو گئے ہیں۔ آپ بھی تیار ہو کر آ جایئے۔“

”ٹھیک ـــــ لیکن اپنی بیٹی سے ملنا مت بھولئے گا۔ کچھ نروس ہو گی وہ۔ پوچھ لیجئے گا اُسے۔“ فارحہ نے لبوں پر لپ اسٹک لگاتے ہوئے کہا تھا۔ سعد نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❄ ❄ ❄

”تمہاری آنٹی فارحہ کا فون آیا تھا۔ ماہا کی انگیج منٹ ہے آج۔ تم نے جانا نہیں کیا؟“ وہ بیڈ پ آڑھی ترچھی لیٹی ہوئی تھی جب زوباریہ نے اس کے کمرے کی کھڑکی کے پردے کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

”نہیں ـــــ موڈ نہیں۔“ اس نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا۔

زوباریہ نے چند لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر چلتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی تھی۔

”جیا ایسے نہیں جاتا میرب! ـــــ جینا سیکھو۔ میں تمہارے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں۔“ زوبار اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر پلٹی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

”میں نہیں جانتی جیا کیسے جاتا ہے۔ نہیں جینا آتا مجھے۔“ میرب نے سر بیڈ پر پٹخا تھا۔ مائی ن اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ جیسے پاپا کے اور ان کے درمیان کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔

مائی جھوٹ تو نہیں بول سکتی تھیں۔ وہ ان پر اعتبار کرتی تھی۔ جب وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھیں یقیناً سچ یہی تھا کہ ان کی اور پاپا کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

اب باقی بچتے تھے پاپا ـــــ ان کے آنے تک اسے انتظار تو کرنا ہی تھا۔ وہ ایک دن کے لۓ جرمنی گئے تھے اور جب تک وہ واپس آ جاتے، اسے یوں ہی سوچتے رہنا تھا۔ پتہ نہیں کیا کر رہی تھ اس کے ساتھ زندگی۔

وہ اسی طرح اوندھے منہ پڑی تھی جب اس کا سیل فون بجا تھا۔ اُس نے بے دھیانی سے دیکھے بغ فون کان سے لگا لیا۔

کتنی بے مروت لڑکی ہو تم ـــــ اس دنیا کی سب سے خود غرض لڑکی۔“ سیفی نے کوئی لگی لپٹی بغیر کہا تھا۔

”اوہ ـــــ سیف الرحمٰن! تم؟“ اس کے ہوش ایک منٹ میں ٹھکانے آئے تھے۔

”سیف الرحمٰن کی بچی ـــــ کہاں غائب ہو تم؟ ـــــ اتنی منتوں مرادوں کے بعد خدا خدا کر یری انگیج منٹ ہو رہی ہے اور تم غائب ہو۔“ سیف نے گلہ کیا تھا۔

اتنے برے موڈ کے باوجود وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

”سیفی! تم بھی نا ـــــ“

”آج واقعی میری انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے۔“

”ہاں ـــــ جانتی ہوں میں۔ پتہ ہے مجھے۔“ وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

”پتہ ہے اور پھر بھی غائب ہو۔“

”غائب نہیں ہوں سیف! دراصل میری طبیعت خراب ہے۔ زوباریہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔“

”تو تم نہیں آ رہی ہو؟“ سیف الرحمٰن کو حیرت ہوئی تھی۔

”میں آئی تو پھر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا سیفی! ـــــ میرا موڈ بہت خراب ہے۔“

”شٹ اپ میرب! ـــــ تمہیں صرف اپنی پرواہ ہے، میری نہیں۔ کیسی لڑکی ہو تم؟ ـــــ ٹھیک مت آؤ۔ آرام کرو۔ بائے۔“ سیف الرحمٰن نے فون بند کر دیا تھا۔

میرب سیل فون ہاتھ میں لئے رہ گئی تھی۔

کیوں سمجھ نہیں رہا تھا سیفی ـــــ؟

وہ اس موڈ کے ساتھ کیسے شرکت کر سکتی تھی؟ ـــــ اس موڈ کے ساتھ شرکت کرنے کا مطلب کسی کا موڈ بھی خراب کرتا تھا۔ مگر سیفی یقیناً سمجھ نہیں رہا تھا۔ ناراض ہو گیا تھا وہ۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا ہ اسے منانے کی، کوشش فوری طور پر کرتی مگر اس وقت تو وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی تھی۔ تب ہی بارہ سیل فون بجا تھا۔

”ہیلو سیفی! آئی ایم سوری۔ تم......“

”ہیلو، اِٹس ناٹ سیفی۔ اذہان ہیئر۔ وہاٹ ہیپنڈ؟“ اذہان نے پوچھا تھا۔

اس نے تھکے ہوئے انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر دوبارہ بیڈ پر رکھ دیا تھا۔

”ہائے اذہان! ـــــ کیسے ہو؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے سیفی کا فون آیا تھا۔ وہ مجھے آنے کے لئے کہہ تھا۔ لیکن میں نہیں آنا چاہتی۔“

”کیوں ـــــ اب کیا ہوا؟“ اذہان نے اس کی بات سن کر مکمل رسانیت سے پوچھا تھا۔

”کچھ نہیں ـــــ تم کہاں ہو اس وقت؟“

”میں اس انگیج منٹ وینیو میں ہوں۔ تم ریڈی ہو؟“

”نہیں۔“ میرب کو صاف لگا تھا اب اس کا انکار کوئی معنی نہیں رکھے گا۔ تب ہی تھکے ہوئے لہجے

میں بولی تھی۔

"تو ٹھیک ہے ـــــ تم آدھے گھنٹے میں ریڈی ہو جاؤ۔ میں پک کر لیتا ہوں۔"

"ازہان! ـــــ موڈ نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔ آج نہیں۔" اس نے کمزور لہجے میں انکار کیا تھا۔

"کوئی بات نہیں ـــــ موڈ بن جائے گا۔ اور جب موڈ خراب ہو تو اسے ٹھیک کرنے کے لئے کرنا چاہئے جس کے لئے دل نہ چاہ رہا ہو۔ ایسا کرنے سے خراب سے خراب موڈ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ شاباش، تیار ہو جاؤ۔" ازہان نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور تب میرب کے پاس کوئی اور راہ نہ بچی تھی ماسوائے اٹھنے اور تیار ہونے کے۔

* * *

گی چپ چاپ الماری کے اندر سے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں ڈال رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اندر داخل ہوا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟"

"کچھ نہیں ـــــ پیکنگ کر رہی ہوں۔ تمہاری ٹکٹ کنفرم ہو گئی جانے کی؟"

"نہیں ـــــ میں نے ٹرائی نہیں کیا۔ یہ پیکنگ کس لئے؟ ـــــ خیریت؟"

"ہاں ـــــ سب ٹھیک ہے۔ بہت اچھا لگا۔ بہت مزہ آیا۔ بہت سارا اچھا وقت گزارا میں یہاں۔ اور اب واپسی۔"

"واپسی؟ ـــــ تم کہاں جا رہی ہو؟"

"واپس ـــــ بھول گئے تھے؟ میں تو یہاں کچھ دنوں کے لئے ہی آئی تھی۔" گی بہت اطمی سے مسکرائی تھی۔

"ہاں، مگر......"

"مگر کیا؟ ـــــ جب پتہ ہے تو واپسی شرط ہے۔ آئی ہوپ کہ تم اپنی اس اچھی سی دوست کو ضرور کرو گے۔"

"شٹ اپ گی! ـــــ تم یہاں سے صرف اس لئے بھاگ رہی ہو کہ......"

"ہاں ـــــ بھاگ رہی ہوں۔" گی اپنا کام جاری رکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ "میں یہاں کام سے آئی تھی گین! کام ختم اور میرا واپس جانا ضروری ہو گیا ہے۔" گی بولی تھی اور سردار سبکتگین لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"تم صرف اس لئے واپس جا رہی ہو کہ......"

"نہیں گین! ـــــ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے تو واپس جانا ہی تھا۔ اور اب وہ ـــــ مقصد بھی پورا ہو گیا ہے۔ میں چلی بھی جاؤں گی مگر میں چاہتی ہوں گین! تم اپنی زندگی بہت طرح سے گزارو اور اس کے ساتھ گزارو جس کے ساتھ تم گزارنا چاہتے ہو۔ اختلافات بہت معمولی گین! بھلا دو سب کچھ۔ یہ یاد رکھو کہ کوئی ضروری ہے اور اس کے ساتھ زندگی کتنی ضروری ہے۔"

نے ہمیشہ کی طرح ایک ہی بات پر زور دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"اچھا بولتی ہو ـــــ تمہاری باتیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ مگر زندگی تمہاری خوب صورت باتوں کی رح نہیں ہے۔ زندگی بہت الگ ہے گی!" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔

"کچھ بھی الگ نہیں ہے گین! تم ایک بار قدم بڑھاؤ۔ سب ایک جیسا ہو جائے گا۔ یہ منظر بدل ائے گا۔ تم ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو۔" گی جانے سے پہلے جیسے سب چیزوں کو ان کی جگہ پر دیکھنا چاہتی ی۔

"یہ سب باتیں تم ہزاروں بار کہہ چکی ہو گی!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے باور کرایا تھا۔ "میں ہتا تھا تم یہاں رہو۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو مگر تم......" کچھ سوچ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

گی مسکرا دی تھی۔

"یہ گھر کسی اور کا ہے گین! اور جس کا ہے اسے اس کے اندر آنے کی اجازت دو۔ میں تو تمہاری ی دوست ہوں۔ آتی جاتی رہوں گی۔ جسے ہمیشہ یہاں رہنا ہے تم اس سے کیوں نظریں چرا رہے ؟" گی نے بات کا رخ ایک بار پھر اسی طرف موڑا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا ا۔ پھر قدرے توقف سے بولا تھا۔

"تم جانتی ہو گی! میں بہت پریکٹیکل قسم کا بندہ ہوں۔ زندگی کو دیکھنے کی اور برتنے کی لاجک بہت لف ہے میری۔ میں زندگی کو تمہاری نظر سے نہیں دیکھتا۔ تم جو باتیں کرتی ہو، دنیا کے دو پرسنٹ لوگ ا ان باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ تم ایک جذباتی لڑکی ہو اور میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔ ا ڈوبٹ ـــــ زندگی ان باتوں کے سہارے آباد نہیں ہوتی۔ تم اس طرح تنہا کھڑی ہو تو اس میں ور تمہاری اپنی سوچوں کا ہے۔" وہ روانی سے کہہ گیا تھا۔

گی جو تیزی سے سامان رکھ رہی تھی، ایک لمحے میں اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ وہ پلٹ کر سردار سبکتگین ر لغاری کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو گمان تک نہیں گزرا تھا کہ وہ کچھ غلط کہہ ا ہے۔

"میں اگر تنہا ہوں تو اس میں قصور میری سوچوں کا نہیں ہے گین! ـــــ ایسا طے شدہ تھا۔ میری ت ہے یہ ـــــ اور میں اسے قبول کرتی ہوں۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ آنکھوں میں تیرتی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا اس حالت میں اتنا اسٹریس لینا اور اتنی دیر کھڑے رہنا ب نہیں تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو خیال آیا تھا اور اس نے گی کو شانوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

"ریلیکس گی! ـــــ سوری، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ لکھا یا طے شدہ کچھ نہیں ہے۔ ہم جو سوچ لیتے ، جو کرتے ہیں اسی سے ہمارے آگے والی، آئندہ آنے والی زندگی بنتی ہے۔" نرمی سے سمجھایا تھا۔

"بات اپنے اپنے سوچنے کی ہے گین! ـــــ جیسا تم سوچتے ہو ویسا میں نہیں سوچتی۔ اور جیسا

میں سوچتی ہوں ویسا تم نہیں سوچتے۔ بعض اوقات کسی کو پا ہی لینا کافی ہوتا ہے اور بعض اوقات پا ہی لینا کافی نہیں ہوتا۔ اور تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ میں تنہا ہوں بھی یا کہ نہیں۔ مگر میں تمہاری طرح سوچوں تو شاید مجھے بھی لگے کہ میں خالی ہاتھ ہوں اور تنہا ہوں مگر —— میں ایسا سوچتی ہی نہیں۔ میرے ہاتھ خالی ضرور ہیں گین! مگر میرا دل بھرا ہوا ہے اور جب دل بھرا ہوا ہو تو پھر کسی اور شے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میرے پاس آدھی ادھوری ہی سہی، محبت ضرور ہے۔ اور میں اس پر شرمندہ بھی نہیں ہوں۔ کچھ یادیں بھی ہیں اور ان کے ہونے پر بھی پُر ملال نہیں ہوں۔ میں جو بھی ہوں، جیسی بھی ہوں اپنے آپ کو قبول کرتی ہوں اس لئے میں دوسروں کو بھی اتنی آسانی سے قبول کر سکتی ہوں۔ شاید دوسروں کو میں بہت غلط لگتی ہوں۔ مگر میں صحیح ہوں۔ یہ بات میں جانتی ہوں۔" گی کے لبوں پ مسکراہٹ تھی۔ ایک پُر اعتماد، دھیمی سی مسکراہٹ۔ جیسے وہ اپنی سوچ سے ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری ک شکست دے رہی ہو۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ پھر گھٹنوں کے بل اس کے عی سامنے بیٹھا ہوا نرمی سے بولا تھا۔

"گی! تم غلط نہیں ہو۔ میری اتنی اچھی دوست غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا تم مجھے بھی اپنے جیسا سوچ سکھا سکتی ہو؟" وہ اس کا موڈ درست کرنے کو مسکرایا تھا۔ گی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"سچ میں گی! تم بہت اچھی ہو۔ اتنی اچھی کہ اگر میری زندگی میں میری اس سو کالڈ وائف کی جگہ بن چکی ہوتی تو شاید میں تم سے شادی بھی کر لیتا۔" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔ گی کھل کر مسکرا دی تھی۔

"اس کو مانو گے تب ہی تو اسے زندگی میں جگہ دے پاؤ گے۔ ویسے مان تو تم چکے ہو۔ بس یہ ا انا پرستی کی دیواریں بھی گرا دو۔"

"تمہارا خیال ہے، میں انا پرست ہوں اور وہ جو فیمی ازم میں قید ہے، اس کو کیا کہو گی تم؟" سرد سبکتگین حیدر لغاری ایک پل میں سنجیدہ ہوا تھا۔ "مسئلہ جہاں نہیں بھی ہوتا ان محترمہ کو خود مسئلہ کھڑا کر اچھا لگتا ہے۔ جہاں غلطی نہیں بھی ہوتی، وہاں بھی غلطیاں تلاش کرتی ہیں وہ۔"

"نہ تم یہ مین ایگو ازم توڑنے کو تیار ہو نہ وہ اپنے فیمی ازم سے باہر آنے کو تیار ہے۔ تو پھر با کیسے بنے گی؟" گی کو تشویش تھی۔ وہ صحیح معنوں میں ان دونوں کی خیر خواہ تھی۔

"بات اب بنے گی نہیں گی! ختم ہو گی۔ اِٹس آل ریڈی ڈن۔ بات ختم ہی ہونے جا رہی ہے۔ ا محترمہ نے آغاز کر دیا ہے۔ بلکہ بہت دیر پہلے آغاز کر دیا تھا۔ وہ اس رشتے کو ختم کرنا چاہتی ہیں تو رشتہ ختم ہو جائے گا۔ میں تو صرف ان کی خواہشوں کو پورا کر رہا ہوں۔ تم کس بات کی فکر کر رہی گی؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا بھی گین! وہ ناسمجھی میں کر چکی ہے تو کیا تم بھی؟ —— تم تو دار بنو۔ کم از کم کلیئر کرنے کی کوشش کرو۔"

"کیا کلیئر کرنے کی کوشش کروں؟ —— وہ مٹا رہی ہے سب کچھ اور تم بات کرتی ہو کلیئر کر

ں۔ کلیریفیکیشن کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کچھ باقی بچتا ہو اور اس کے اور میرے درمیان سب تم ہونے کو ہے اور میں اپنی صفائیاں آپ پیش نہیں کر سکتا۔ اس سب کے لئے "معافی نامہ" دائر نہیں ر سکتا جو میں نے کبھی کیا ہی نہیں۔ مجھے سمجھوتہ نہیں کرنا ہے۔ اور ایسے حالات میں تو قطعاً ہی نہیں۔ ر وہ اپنی فضول کی سوچوں میں زندہ رہنا چاہتی ہے تو رہے۔ میں اسے کسی بات کی کوئی وضاحت نہیں وں گا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اور انداز دوٹوک تھا۔

"تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا گین؟" گی نے نرمی سے پوچھا تھا۔ "اس کے ایسا کرنے سے —— ر جانے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا؟ —— چلو مان لو، وہ غلط کر بھی رہی ہے۔ جو بھی کر رہی ہے ہ غلط کر رہی ہے مگر تم نے کیا، کیا اس رشتے کو بچانے کو؟ —— کوئی ایک بھی اسٹیپ لیا؟ —— اگر بھی لیا ہوتا تو آج تمہارا یہ رشتہ اس طرح ٹوٹ نہیں رہا ہوتا۔ اس بے چاری لڑکی کو سارے الزام ت دو گین! غلطیاں آپ کی بھی ہیں۔ اگر آپ بہت اچھے ہیں تو اسے غلط ثابت کیوں نہیں کر دیتے؟ ہ صرف غلط فہمیوں کا شکار ہے تو اس کی غلط فہمی دور کر دو نا۔ سارا اعتبار اسی کی طرف سے کیوں؟ تم بھی تو کچھ اعتبار کر سکتے ہو اس پر۔ تھوڑا اعتبار سونپ سکتے ہو اسے۔ تم اتنا کچھ اس کی طرف ے کیوں امید کرتے ہو؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کچھ امیدیں اس کی بھی ہو سکتی ہیں۔ وہ بھی تو ایسا وچ سکتی ہے کہ پہلے تم ہاتھ بڑھاؤ، اسے تھامو، سہارا دو۔ کیا غلط چاہتی ہے وہ گین؟ لڑکیاں عجیب وتی ہیں گین! ان کی خواہشات بھی عجیب ہوتی ہیں۔ انہیں سمجھنا اتنا مشکل نہیں۔ بس دل چاہئے۔ بے ف ہوتی ہیں کچھ۔ دل سے سوچتی ہیں۔ جو بھی کرتی ہیں دل سے کرتی ہیں۔ سو انہیں دماغ والے ہیں سمجھ سکتے۔" گی نے میرب کا بھرپور دفاع کیا تھا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم۔ لڑکیوں میں عقل تھوڑی ہوتی ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حتمی طور پر کہا ا۔ گی کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! کبھی سوچیں گے کہ لڑکی بھی کوئی احساس یا جذبات رکھتی ہے۔"

"میں لبرل ہوں گی! میرے لئے لڑکی یا لڑکے سے فرق نہیں پڑتا۔ مرد ہو یا عورت، اپنی غلطیوں کو نا چاہیے۔"

"تم مانتے ہو؟" گی اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی تھی۔

"کیا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا سمجھے کہا تھا۔

"گین! غلطیاں تو تم سے بھی ہوئی ہیں۔ پھر سارا الزام اسی پر کیوں؟ ٹھیک ہے، اگر آپ اسے چھ نہیں بتا سکتے تو میں بتا دیتی ہوں۔" بہت اطمینان سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چونک پڑا تھا۔

"کیا بتاؤ گی تم اُسے؟"

"سب۔" گی کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

"سب کیا؟" گی کے کہنے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ "گی! میں تم

سے یہ بچوں جیسی باتوں کی امید نہیں کرتا۔ کم از کم تم تو اس طرح کی باتیں نہ کرو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

"یہ بچوں جیسی باتیں نہیں ہیں گین!"

"پھر بھی تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔" حکم جاری ہوا تھا۔

"تو پھر تم کیا کہو گے؟" گی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ اٹھا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

❄ ❄ ❄

بہت ہی گہما گہمی ہو رہی تھی ـــــ لوگ تھے ـــــ ہجوم تھا ـــــ مگر وہ اس بھیڑ میں بھی تنہا کھڑی تھی۔ اپنے ہی دھیان میں۔ اِدھر اُدھر کی کچھ پرواہ تھی نہ فکر۔

اذہان اُسے یہاں لے ہی آیا تھا مگر یہاں کے ماحول نے موڈ پر کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالا تھا۔ اس موڈ جوں کا توں تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ آپ چپ چاپ کیوں کھڑی ہیں؟" ایک دوستانہ لہجہ اس کے قریب ہی اُبھ تھا۔

میرب نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ سامنے بلیو شیفون کی ایمبرائیڈ ساڑھی میں نازک سی لڑکی کھڑ تھی۔ میرب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"ساہیہ؟" میرب نے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

"اب پوچھئے میں نے آپ کو کیسے پہچانا؟"

میرب اس کی بات پر بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ تب ہی وہ مسکراتی ہوئی اسی شگفتگی سے بولی تھی۔

"دنیا کی سب سے اچھی اور خوبصورت لڑکی کو پہچاننا کچھ اتنا مشکل بھی نہیں۔" ساہیہ کے لبوں بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔

میرب کے لئے مسکرانا ضروری ہو گیا تھا۔

"ہاں ـــــ میں ہی میرب ہوں۔ میرے لئے بھی تمہیں پہچاننا مشکل نہیں رہا۔ میں بھی کچھا ہی سوچ رہی تھی۔"

ساہیہ ہنس دی تھی۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کے بارے میں کافی اچھا سوچتے ہیں۔ لیکن آپ اس قدر چپ کیو کھڑی تھیں؟" ساہیہ نے پوچھا تھا۔

"نہیں ـــــ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں تو آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر سیفی نے بہ ضد کی۔ سو آنا پڑا۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ میں اس کی بات نہیں ٹال سکتی۔ سو چلی آئی میرب نے ایک مروت بھری مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"اینی ہاؤ۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" ساہیہ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

تم سے مل کر بھی بہت خوشی ہوئی۔ تمہارے بارے میں اذہان سے بہت سنا تھا۔ دیکھا تو پتہ چلا، غلط نہیں تھا۔" میرب مسکرا دی تھی۔

ارے آپ اس کی باتوں پر یقین کرتی ہیں؟ ـــــ اُسے تو عادت ہے بے پر کی اُڑانے کی۔ س نے آپ کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔" ساہیہ اپنے شگفتہ سے انداز میں مسکرائی تھی۔ ے، آپ کھڑی کیوں ہیں؟ ـــــ آپ کی تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ آپ پلیز، بیٹھ جایئے۔ ابھی ہی دیر میں منگنی کی پارٹی شروع ہو رہی ہے۔ آپ سیفی سے ملنا چاہیں گی، اس لئے آپ یہاں ہی بیٹھیے۔" ساہیہ نے ایک قریب پڑی چیئر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

رب کو ہجوم سے یوں بھی اُلجھن سی ہو رہی تھی۔ عجیب مردہ سا دل ہو رہا تھا۔ تب ہی اس نے فی میں ہلا دیا تھا۔

نہیں ـــــ میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

آپ کی سگی خالہ کا گھر ہے اور آپ پھر بھی اتنی فارمل ہو رہی ہیں۔" ساہیہ نے مسکراتے کہا تھا۔

نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے۔ اس گھر میں بھاگتے دوڑتے بڑی ہوئی ہوں میں۔ پھر یہ گھر میرے کیسے ہو سکتا ہے؟" میرب پُر اعتماد انداز میں گویا ہوئی تھی۔

اہیہ مسکرا دی تھی۔

ہاں ـــــ میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

کیا؟" میرب چونکی تھی۔

ہی کہ آپ اس گھر کی بہت پیاری سی بیٹی ہیں۔ فارحہ آنٹی واقعی آپ سے بہت پیار کرتی ساہیہ کا انداز شفاف تھا۔

اں ـــــ ایسا ہی ہے۔ اذہان بہت لکی ہے اسے تم جیسی لڑکی ملی۔"

ہیہ ہنس دی تھی۔

ں سے پوچھ کر دیکھئے گا۔ اسے لگے گا میں لکی ہوں جسے اس جیسا لڑکا ملا۔ آپ کو پتہ ہے کتنی بار اس سے آپ سے ملوانے کو کہا مگر وہ ہر بار ٹال گیا۔ مجھے تو لگا وہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ میں آپ ا۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔ اس کے انداز میں کہیں کوئی طنز نہیں تھا۔ کوئی تجسس بھی نہیں تھا۔

ب کے دل میں بھی کہیں کوئی چور نہیں تھا۔ سو اعتماد سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔ ا میں اذہان کے ساتھ اس کا کوئی بھی رشتہ رہا ہو، اب اس کی کوئی حقیقت نہیں رہی تھی اور ایسا ادل جانتا تھا۔ مگر شاید ساہیہ کہیں اس حقیقت سے بے خبر تھی۔ شاید اس کی یادداشت کے کسی ں اب بھی وہ رشتہ زندہ تھا اور میرب اس بات کی حقیقت پا گئی تھی۔ تب ہی بہت نرمی سے رف دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔

یے کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں ـــــ صرف محبت تلاش کر رہی ہوں۔ جو اذہان تم سے کرتا ہے اور تم اذہان سے کر ہو۔"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"تو پھر کیا نظر آیا آپ کو؟" ساہیہ نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"محبت۔" میرب دھیمے سے لہجے میں بولی تھی۔

"محبت؟" ساہیہ چونکی تھی۔

"ہاں، محبت۔ محبت زندگی میں کئی زاویے بدل کر آتی ہے ساہیہ! کئی رنگوں میں نظر آتی ہے او بار رنگ نیا ہوتا ہے۔ اذہان نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو مگر اس کی زندگی میں تم بہت اہم ہو ـــــ سب کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ہمارے لئے بہت اہم ہوتا ہے۔ جیسے میرے لئے کوئی اہم ہے۔ اتنا میں اس کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ میرا شوہر ہے۔ میری دنیا اس کے گرد گھوم رہی۔ آج وہ یہ بات نہیں سمجھ رہا مگر ایک دن ضرور سمجھ جائے گا۔ ایسے ہی اذہان کی دنیا میں تم ہو۔" میر نے ایک لمحہ ہاتھ میں آتے ہی ساہیہ کی سوچ کا رخ بدل دیا تھا۔

ساہیہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔ جب اذہان وہاں ان کے درمیان آن رکا تھا۔

"یہ تم دونوں خواتین کیا سازش کر رہی ہو؟"

"کچھ خاص نہیں۔ ہم بس آپ کی برائیاں کر رہے تھے۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"اوہ، آئی سی۔ میرب! تم بھی اس کے ساتھ مل گئیں۔ کم از کم مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھ اذہان نے شکوہ کیا تھا۔

"نہیں ـــــ میں صرف اپنے شوہر کی برائیاں کر رہی تھی۔" میرب نے مسکراتے ہوئے جتایا اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو آنکھیں کچھ بجھی تھیں۔

"چلو ـــــ منگنی پارٹی شروع ہو رہی ہے۔ باقی کی برائیاں آپ دونوں خواتین کسی اور وق سکتی ہیں۔ فی الحال یہ کام بھی اہم ہے۔" اذہان بولا تھا اور ساہیہ مسکراتی ہوئی میرب کا ہاتھ تھ آگے بڑھنے لگی تھی۔

***

"ممی کا فون آیا تھا صبح۔ اوزی کے لئے لامعہ کا ہاتھ مانگنے جانا ہے۔ آج شام آپ جلدی آ گا تو ہم چلیں گے۔" صبح کی معمول کی روٹین کے ساتھ انابیہ نے اطلاع دی تھی۔

عفنان نے شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اسے ایک نگاہِ غلط انداز سے دیکھا تھا۔ وہ الما پٹ کھولے غالباً اس کے لئے میچنگ کی ٹائی نکال رہی تھی۔ سب کچھ تھا مگر درمیان کی وہ سر بدستور پھر بھی قائم تھی، وہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ عفنان اس کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ایک اجن برقرار تھا تو کیوں تھا؟

"اگر آپ کے پاس وقت نہ ہو تو بتا دیجئے ـــــ میں چلی جاؤں گی۔" خالصتاً بیویوں جی

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے خدوخال میں ڈھل رہی تھی۔ اجنبی بننے کے باوجود مکمل طور پر اجنبی پا رہی تھی۔ ایک ٹائی برآمد کر کے پلٹی تھی۔

یہ ٹھیک ہے؟" ٹائی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

نان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

دوستی ہو گئی؟" ٹائی تھامتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

بیہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا جیسے وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کس کی بابت دریافت کر رہا

قریب تھی۔

ب خواہش اندر اُبھری تھی۔

سے تھام کر قریب کر لینے کو دل چاہا تھا۔

لر وہ ہاتھ صرف ٹائی تھام کر بے خبر ہو گیا تھا۔

آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" انابیہ نے پلٹ کر الماری بند کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

فنان مسکرا دیا تھا۔

خوشی کی بات ہے؟" انداز میں ایک خفیف سا طنز تھا۔

ابیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

خوشی کی بات تو ہے۔ دلوں میں میل رکھنا اچھی بات تو نہیں۔" اطلاع دی تھی۔

اچھا ـــــ یہ بات آپ کہہ رہی ہیں؟" عفنان علی خان نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے ہی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

ہاں ـــــ میں ہی کہہ رہی ہوں۔" اس کی کوئی پرواہ کئے بنا وہ بولی تھی۔

میں نے کبھی کسی کے لئے میل دل میں نہیں رکھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟" اس کے طنز کو محسوس نے ہوئے وضاحت دے کر پوچھا تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر شانے اچکا تھے۔

آپ کا اشارہ پھر میری طرف کیوں ہوا؟" انابیہ نے نشاندہی کی تھی۔

میں نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔ آپ تو چور کی داڑھی میں تنکے والی بات کر رہی ہیں۔" وہ بڑے نا سے پرفیوم اسپرے کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

ابیہ کی حیرت کی حد رہ گئی تھی۔

کیا؟ ـــــ میں سمجھی آپ ڈھکے چھپے انداز میں طنز فرما رہے ہیں۔ آپ تو کھلے عام الزامات لگا ہیں۔"

لو ـــــ ہو گئی شروع جنگ دوئم۔" وہ اکتا کر بولا تھا۔

آپ منہ ہی منہ میں بڑبڑ کیا کر رہے ہیں؟ ـــــ کچھ سنانا ہے تو اونچی آواز میں سنا دیجئے۔"

انابیہ نے کمبل تہہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

’’کچھ نہیں سنانا مجھے آپ کو۔ سنایا وہاں جاتا ہے جہاں کوئی اثر بھی ہو۔ یہاں کچھ کہنا، نہ کہنا کار ہے۔‘‘ بات ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

انابیہ اس قطعی انداز پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سوٹڈ بوٹڈ وہ شخص ایک پل میں بہت پرایا لگا تھا۔ اس کے اور انابیہ کے بیچ کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ انابیہ کو ایک لمحے میں اپنا آپ بہت خالی لگا تھا۔ ہا کی گرفت کمبل پر کمزور پڑی تھی۔ اس نے کمبل وہیں چھوڑ دیا تھا اور چلتے ہوئے اس کے قریب گزر کر باہر نکل جانا چاہا تھا۔ تب ہی عفنان علی خان نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا انابیہ نے سوالیہ نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھا تھا مگر عفنان کے لبوں پر چپ تھی۔

’’بیویوں والے سارے تیور آتے جا رہے ہیں آپ میں۔‘‘ لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ لئے و تھا۔

’’یہی بتانے کے لئے آپ نے راستہ روکا ہے؟‘‘ وہ نظریں پھیرتی ہوئی بولی تھی۔

’’راستہ کہاں روکا ہے؟ ـــــ میں نے ہاتھ تھاما ہے۔ ہاتھ تھامنے والے ساتھ چلتے ہیں، را رکاوٹ نہیں بنتے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کے راستے کی کوئی رکاوٹ ہوں تو ہاتھ چھڑا کر آ بڑھ جائیے۔ اَپ ٹو یو۔‘‘ بہت بامعنی بات بہت ہی سرسری انداز میں کہتے ہوئے عفنان علی خان دھیان اس کی طرف سے ہٹایا تھا اور ساتھ ہی اس ہاتھ کو بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔

انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔۔

ایک پل میں اس شخص نے ساری بات ختم کر دی تھی۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا تھا کہ جو باتیں اس لئے بہت معمولی تھیں وہ انابیہ کے لئے غیر معمولی بھی ہو سکتی تھیں۔ وہ پلٹ کر اس ہاتھ کو تھام نہیں تھی۔ وہ ہاتھ خود اس نے چھڑا لیا تھا اور وہ ـــــ وہ تو اب تک اس کے ساتھ صرف اپنی مرضی تھی۔ اس شخص کی مرضی اس میں کہیں نہیں تھی۔

یعنی اس کا یہاں رہنا یا نہ رہنا صرف اس کا فیصلہ تھا۔ اس شخص کو اس سے کوئی سروکار ہی نہ کوئی فرق پڑتا ہی نہ تھا۔ وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

عفنان علی خان نے اسے خود سے دور جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے اور اپنے درمیان فا بڑھتے دکھائی دیئے تھے۔ پہلے سے بھی کہیں زیادہ۔ اس تعلق کا انجام کیا ہونا تھا؟ وہ نہیں سمجھ سکا تھا۔

* * *

زوباریہ نے بتایا تھا کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے۔

وہ سمجھی شاید سابیہ ہوگی۔ وہ نیچے آئی تھی مگر وہاں گی کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

’’آپ؟‘‘

گی بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

’’کیسی ہو تم؟ ـــــ مجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے؟‘‘

’’ٹھیک ہوں ـــــ مائی سے صبح بات ہوئی تھی۔ بتا رہی تھیں آپ واپس جا رہی ہیں۔‘‘ میرب اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ گی نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

’’ہاں ـــــ مائی نے تمہیں ٹھیک بتایا۔ میں واقعی واپس جا رہی ہوں۔‘‘

’’مگر کیوں؟ ـــــ گین نے روکا نہیں آپ کو؟‘‘ میرب نے پوچھا تھا۔ گی اس جملے کا مفہوم اچھی ح سے سمجھتی تھی تب ہی بولی تھی۔

’’ہاں، گین نے روکا مجھے۔ جانے سے منع بھی کیا مگر ـــــ میں واپس جانا چاہتی ہوں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘ میرب نے دریافت کیا تھا۔

’’کیوں سے کیا مطلب؟ ـــــ آف کورس، مجھے واپس جانا ہی ہے۔ گین نے شاید تمہیں بتایا ں، میں یہاں ایک ضروری کام سے آئی تھی۔ وہ کام پورا ہو گیا تو بس اب واپسی کے سوا کوئی چارہ ہیں بچا۔ یوں بھی کوئی کتنی دیر کہیں رہ سکتا ہے؟ ـــــ میں یہاں صرف ایک گیسٹ تھی۔ گین بہت ا ہے۔ بہت خیال رکھا اس نے میرا۔ بہت ساتھ دیا۔ بہت اچھا دوست ہے وہ میرا۔ ان فیکٹ اس ، یہ ثابت بھی کر دیا۔ میں بہت دنوں سے تم سے ملنا چاہتی تھی مگر نکلنا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آج ساری نگ مکمل ہوئی تو فوراً تمہاری طرف چلی آئی۔ میرب! میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔‘‘

’’آپ اتنی جلدی کیوں جا رہی ہیں؟ ـــــ اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری چاہتے ہیں، آپ رکیں تو پ رک جائیں۔‘‘ میرب نے مشورہ دیا تھا۔ ’’آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی تھی؟ کوئی ضروری کام؟‘‘ ں کا انداز بہت اُلجھا اُلجھا اور عجیب سا تھا جیسے وہ گی کو فیس نہیں کر پا رہی تھی۔ گین کی مکمل توجہ کا مرکز ا وہ۔ پھر وہ کیوں چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے جب کہ اب اس کا اور گین کا رشتہ بھی ریباً اختتام پر تھا۔

گی اس کے سامنے بہت پُراعتماد انداز سے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا۔ مگر میرب ، اندر کہیں بھی سکون نہیں تھا۔

’’تم پریشان لگ رہی ہو ـــــ کیا ہوا؟‘‘ گی اس کی طرف سے متفکر ہوئی تھی۔

میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

’’میں ٹھیک ہوں ـــــ اگر گین چاہتا ہے آپ رُک جائیں تو آپ کو رک جانا چاہئے۔ یوں بھی پ کی حالت ایسی نہیں کہ آپ سفر کر سکتیں ـــــ بچے کی ڈلیوری تک تو آپ کو رکنا چاہئے۔‘‘ میرب ، مشورہ دیا تھا۔

’’نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ اور ابھی تو بہت سا عرصہ پڑا ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں اپنی کیئر خود سکتی ہوں۔‘‘ گی نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور میرب کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت نرمی سے ا تھا۔

’’آپ کو مجھ سے کیا بات کرنا تھی؟‘‘ میرب نے پوچھا تھا۔

’’تم مجھ سے ناراض ہو؟‘‘ گی نے ملائمت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

‘‘نہیں۔’’ میرب نے کہا تھا پھر اس کی طرف سے اپنا دھیان پھیر گئی تھی۔ ‘‘میں آپ سے نارا کیوں ہوں گی؟ ——— آپ نے میرا کیا بگاڑا ہے؟’’ لبوں پر ایک طنز بھری مسکراہٹ بھی تھی جیسے و کسی اور سے نہیں، اپنی قسمت سے خائف ہو۔

‘‘گی! میں کسی اور سے نہیں، شاید اپنی قسمت سے یا پھر اپنے آپ سے خفا ہوں ——— مجھے نہ گین سے کوئی گلہ ہے نہ کسی اور سے۔’’

‘‘تمہیں کیا لگتا ہے میرب! میں اس تمام بگاڑ کی وجہ ہوں؟’’ گی جیسے آج سارے معاملات سلجھ دینے کی غرض سے آئی تھی۔

‘‘نہیں ——— میں ایسا کچھ نہیں سمجھتی۔ میں نے کہا نا، مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔ لیکن آپ گیر کو تنہا کیوں چھوڑ رہی ہیں؟ ——— گین کو جب آپ کی ضرورت ہے۔ بچے کی ضرورت ہے تو۔ میرب بولی تھی اور گی مسکرا دی تھی۔

‘‘میں جانتی ہوں میرب! تم بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مجھ سے اس بچے سے کوئی واسطہ نہیں۔’’

میرب نے سر اٹھا کر گی کی طرف دیکھا تھا۔

‘‘اگر آپ گین کو چھوڑ کر جانا چاہتی ہیں تو ——— لیکن آپ اپنے بچے ——— آئی مین اس بچے اس کے حق سے محروم کیوں کر رہی ہیں؟ ——— گین کی ذمہ داری ہے یہ۔ آپ کو اس کی تمام تر ذ داری اسی کے حوالے کر دینی چاہئے۔’’

‘‘نہیں ——— تم غلط سمجھ رہی ہو میرب! میں نے جو کہا، وہ تم نے سنا نہیں۔ میں نے کہا گی میرے بچے کا باپ نہیں ہے۔ گین صرف میرا اچھا دوست ہے۔ اس نے میری مدد کی اور یہی اس بھی غلط ہوا اور مجھ سے بھی۔’’

‘‘کیا ———؟’’ میرب چونکی تھی۔

‘‘ہاں ——— گین تمہیں کبھی یہ سب نہیں بتا سکا۔ کیونکہ تم یہ سب جاننا چاہتی ہی نہیں تھیں۔ تم اپنے طور پر سب کچھ اخذ کر لیا تھا اور اسی کو سچ مانتے رہنا چاہتی تھیں۔ سو تمہیں کبھی سچ پتہ بھی نہیں چا سکا۔’’

‘‘سچ ——— سچ کیا تھا؟ ——— آپ یہاں گین کے پاس آئی تھیں۔ آپ دونوں اس بچے کو کر باتیں کر رہے تھے۔ اور.......’’

‘‘اور ضروری تو نہیں تھا کہ وہ ذمے دار تھا اس لئے میں اس سے اس بچے کے متعلق باتیں کر را تھی۔’’ گی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

‘‘گی! تم فضول کی وضاحتیں کیوں دے رہی ہو؟ ——— اگر کچھ ایسا ہوتا تو گین کچھ خود کہتا سے۔’’ میرب نے ایک لمحے میں سب کچھ جھٹلا دیا تھا۔

‘‘سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہوگی میرب! وہ تمہارا شوہر ہے۔ مگر

ہت سی باتوں کی وضاحت نہیں دیتا۔ کچھ میں بھی سمجھتی ہوں اسے۔ وہ چاہتا ہے دوسرے اس پر اپنے در پر اعتبار کریں۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہتا۔ اور تمہارے معاملے میں تو یوں بھی ——— اُس کا ل انوالو تھا۔’’

‘‘دل ———؟’’ میرب چونکی تھی۔ ‘‘لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری سے محبت تو آپ کرتی تھیں نا۔ لیا یہ بھی غلط سمجھی میں؟’’ میرب بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

گی نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

‘‘تم ٹھیک سمجھی۔ میں محبت کرتی تھی گین سے۔ پتہ نہیں کب سے ——— کس طرح سے ——— مگر ہ میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔ میں اس سے تب ملی تھی جب تم اس کی زندگی میں نہیں آئی تھیں۔ ہم ہت کم عرصے کے لئے ملے تھے۔ مگر گین کی محبت کے رنگ بہت گہرے تھے۔ میں اسے کبھی نہیں بتا لی۔ وہ چلا گیا۔ پھر بات نہیں ہوئی۔ میں نیو یارک میں تھی جب وہ تمہارے ساتھ دکھائی دیا۔ مگر تب ں نے نہیں بتایا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ میرب! میں اس سے آج بھی محبت کرتی ہوں۔ مگر ں جانتی ہوں وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ زندگی میں ایسا ہوتا ہے جو آپ کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔ پ اس کے لئے کچھ نہیں ہوتے۔ گین میرے زاویے سے دیکھنے پر میرا سب کچھ تھا مگر ——— ہاں گین کھڑا تھا۔ اس کے زاویے سے اس کے لئے میں بالکل اہم نہیں تھی۔ اگر میں غیر اہم تھی تو دچو، کوئی تو اہم ہوگا اس کے لئے۔’’ گی نے سمجھایا تھا۔

میرب تب ہی بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

‘‘تو کون ہے باپ؟’’

گی مسکرا دی تھی۔

‘‘میرب! تم بہت سوچتی ہو۔ یہی سب مسائل کی وجہ ہے۔’’

‘‘کیا مطلب ہے آپ کا؟’’ میرب بولی تھی۔

‘‘میں آپ کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں میرب! آپ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس ادی کو توڑنا چاہتی ہیں آپ؟’’ گی نے پوچھا تھا۔

‘‘یہ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟’’ میرب بولی۔

‘‘سردار سبکتگین حیدر لغاری سمجھتا ہے تم ایسا چاہتی ہو۔ تم دونوں کسی دن بات کر کے آپس کی غلط ہمیاں دور کیوں نہیں کر لیتے؟’’

گی کی باتوں سے کسی قدر دل کو اطمینان ہوا تھا مگر اس سے ملنے میں، بات کرنے میں اب بھی انا تنی حائل تھی۔ یہ وہ گی کو نہیں بتا سکی تھی۔

‘‘میں نے اس رشتے کو توڑنا کبھی نہیں چاہا تھا۔’’ وہ بڑبڑائی تھی۔

گی نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر آہستگی سے بولی تھی۔

‘‘میرب! تم جانتی ہو وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے؟’’

‘‘کیا؟’’ میرب کو شدید ترین حیرت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا۔ مگر گی اسی قدر اطمینان سے بولتی رہ تھی۔

‘‘تمہیں خبر نہیں میرب! مگر تم اس کی زندگی میں بہت اہم ہو۔ اتنی کہ اس کی ساری سوچیں تم ہ سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے میرب! بے حد ــــ ب حساب ــــ مگر وہ تمہیں کبھی کہہ نہیں پائے گا۔’’ گی بول رہی تھی اور وہ اسے حیرت سے دیکھ رہ تھی۔

‘‘ایسا آپ کو گین نے بتایا؟’’

یقین نہ ہوا تھا جو سنا تھا۔ گی ضرور صرف ان کے درمیان مفاہمت کرانے کو آئی تھی۔ ان [illegible] درمیان ٹوٹتے رشتے کو بچانے آئی تھی۔

میرب نے سوچ کر اسے دیکھا تھا۔

گی کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ میرب کیا سوچ رہی ہے تب ہی وہ بولی تھی۔

‘‘تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟’’

‘‘نہیں ــــ ایسا نہیں ہے۔’’ میرب سر جھکا کر اپنے ہاتھ پھیلا کر دیکھنے لگی۔

‘‘میرب! اگر تم بھی ایسا چاہتی ہو جیسا کہ گین چاہتا ہے تو پھر تم دونوں یہ سب کیوں ہونے د رہے ہو؟ ــــ تم دونوں میں سے کسی ایک کو تو اس سب کو ہونے سے روکنا ہو گا۔ تمہیں سوچنا ہ میرب! تمہیں اس رشتے کو بچانا ہے یا یوں ہی وقت گنوانا ہے۔ تم چاہو تو مجھ پر اعتبار مت کرو۔ مگ اپنے دل کی تو سن سکتی ہو نا تم۔ میں نے گین سے بھی بات کی تھی۔ اسے بھی بہت سمجھایا۔ مگر انا بہت بری شے ہے میرب! کبھی تم دونوں نے سوچا ہے کہ انا کے اندر قید رہنا تم دونوں کو کیا دے گا؟ ــــ میں تم دونوں کی خیر خواہ ہوں۔ پل دو پل کو سمجھا کر چلی جاؤں گی۔ میں تم دونوں کی زندگی کا حصہ نہی ہوں۔ لیکن تم دونوں اپنی زندگیوں کے ساتھ مت کھیلو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم دونوں میں سے کسی ایک ک آگے قدم بڑھانا ہو گا۔ کسی ایک کو تو پہل کرنا ہو گی۔’’ گی سمجھانے کی حتیٰ الامکان کوشش کر رہی تھی۔

‘‘سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اگر کچھ کیا ہی نہیں تو پھر وضاحت کیوں نہیں دے سکتا؟ ــــ ایک بار آ کر مجھے بتا تو سکتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں جو سمجھی وہ میری غلط فہمی تھی۔ مگر وہ تو ایک بار بھی یہ کہنے کو تیار نہیں کہ اس کی زندگی میں کہیں میری ضرورت باقی ہے اور آپ ــــ آپ بھی تو اب آئی ہیں۔ پہلے تو کبھی آپ نے ایسا کچھ بتانے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ میں اس گھر م بھی تھی تب بھی آپ نے ایسا کچھ نہیں بتایا۔ پھر اب اچانک ایسا کیا ہو گیا کہ آپ سب باتوں کی ضاحتیں دینے چلی آئیں؟’’ میرب نے کہا تھا۔

گی کچھ لمحوں تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی بولی تھی۔

‘‘میرب! محبت اور زندگی کو بہت زیادہ تو نہیں جانتی میں۔ مگر اتنا جانتی ہوں، کوئی بات اگر کہنے کی ہو تو اسے کہہ دینا چاہئے۔ یہ بات میں نے گین کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ پتہ نہیں وہ بھی سمجھا کہ

محبت بہت عجیب شے ہے۔ آزما کر دیکھو تم بھی۔ مگر میں یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ تم دونوں میں ں کوئی پچھتائے۔ کیونکہ کسی شے کو کھو کر جینا کیا ہوتا ہے۔ یہ بات میں بہت اچھی طرح جانتی ’’

آپ کو لگتا ہے پہل مجھے کرنی ہو گی؟ اور اگر گین نے میرے اس اسٹیپ کو رد کر دیا تو ــــ ں ذمے دار ہو گا؟ ضروری تو نہیں آپ کی سوچ رائٹ ہو۔ آپ نے صرف سوچا کہ گین کو مجھ سے ہے۔ گین نے ایسا کہا تو نہیں۔ اگر میں صرف اس مفروضے پر آگے بڑھتی ہوں تو ایسا نہ ہو میں یا انا ہرٹ ہو۔ گین کو جہاں تک میں جانتی ہوں، وہ بندہ بہت انا پرست ہے۔ اپنی انا کی تسکین ئے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔’’

تم گین سے اتنی خائف ہو؟’’ گی کو حیرت ہوئی تھی۔ دھیمی سی مسکان لبوں پر سجائے اس نے ن کیا تھا۔

رب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

خائف نہیں ہوں ــــ میں جتنا اسے جانتی ہوں، اس کی بات کر رہی ہوں۔’’

ٹھیک ہے ــــ تم سوچ لو، تمہیں کیا کرنا ہے۔ ایک رشتہ اپنے اختتام پر تو ہے۔ تم دونوں اگر ں جگہ اسی طرح کھڑے رہے تو اور کیا ہو گا؟ تم دونوں یہ بات سمجھ سکتے ہو۔ میں چلتی ہوں۔’’ گی ا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔

دچیں اتنی ہی تھیں کہ وہ اُلجھتی چلی گئی تھی۔

سی اور طرف نہ دیکھنے کا ٹائم ملا تھا اور نہ کچھ سوچنے کا ــــ وہ اپنے آپ سے اُلجھتی ہوئی وہیں ہ گئی تھی۔ نہ گی کا شکریہ ادا کیا تھا، نہ اسے خدا حافظ کہا تھا، نہ اٹھی تھی، نہ دروازے تک چھوڑنے ا۔

نہیں خبر نہیں میرب! مگر تم اس کی زندگی میں بہت اہم ہو۔ اتنی کہ اس کی ساری سوچیں تم ہی روع ہو کر تم ہی پر ختم ہوتی ہیں۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے میرب! ــــ بے حد ــــ بے ــــ مگر وہ تمہیں کبھی کہہ نہیں پائے گا۔’

لی کی آواز اس کے اندر باہر گونج رہی تھی۔

رف قیاس تھا یا یقین ــــ ؟

رف سوچیں تھیں یا سچ میں ایسا تھا؟ ــــ میرب سمجھ نہیں پائی تھی۔

ب بے طرح الجھا دکھائی دیا تھا۔

ں کی زندگی ــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری ــــ اور وہ خود ــــ کچھ بھی سلجھا ہوا نہ تھا۔

لوئی بات اگر کہنے کی ہو تو اسے کہہ دینا چاہئے۔’

لی کی آواز اُس کے گرد گونج رہی تھی۔

ہ کچھ نہ سمجھتی ہوئی اپنی سوچوں میں گم تھی۔ جب ایک دردناک چیخ سنائی دی تھی۔ میرب چونکی

تھی۔

’’میرب!۔۔۔۔۔ گی کو دیکھو، کیا ہو گیا؟‘‘ زوباریہ کی آواز آئی تھی۔ وہ سرعت سے اٹھی تھی۔ بھا
ہوئی زوباریہ کی آواز کی طرف پہنچی تھی۔

’’اوہ مائی گاڈ!۔۔۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔۔۔۔۔؟‘‘ میرب کی جان ایک پل میں فنا ہونے کو تھی۔

’’گی!۔۔۔۔۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا گی۔۔۔۔۔!‘‘

گی درد سے تڑپ رہی تھی جب اس نے اسے تسلی دی تھی۔ مگر گی دوسرے ہی پل آنکھیں موند
تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی۔ گی کا پاؤں پتہ نہیں کیسے اسٹیئرز سے پھسلا تھا۔ مگر اس وقت وہ بہت تکلیف م
تھی۔

زوباریہ کے ساتھ مل کر اُس نے اسے ہسپتال پہنچایا تھا۔

پتہ نہیں اب کیا ہونا تھا۔ مگر میرب کا دل بہت ڈر رہا تھا۔

اُس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی فون کر دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ہسپتال میں تھا۔

’’کیسے ہوا یہ سب۔۔۔۔۔؟‘‘ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پوچھا تھا۔

میرب کو لگا تھا اس سب کا ذمے دار اب اُسے ہی ٹھہرائے گا۔ اُسے سب سے زیادہ فکر گی اور ا
کے بچے کی تھی۔

’’گی مجھ سے ملنے آئی تھی۔ واپسی پر جب وہ جا رہی تھی اس کا پاؤں اسٹینڈ سے جانے کیسے پھ
گیا اور وہ۔۔۔۔۔!‘‘

’’یہ گی بھی نا۔۔۔۔۔ میں نے اسے منع کیا تھا۔ مگر وہ۔۔۔۔۔‘‘ الزام براہِ راست اس پر تو نہیں ا
گیا تھا مگر اس کا انداز ایسا ہی تھا کہ قصور کی ساری وجہ وہی دکھائی دی تھی۔

وہ ہسپتال لاؤنج میں جیسے اپنا کوئی نیا جرم سنائے جانے کی منتظر کھڑی تھی۔

* * *

’’کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ آپ اس طرح گم صم سی کیوں کھڑی ہیں؟‘‘ ساہیہ نے اگینے کو کھڑے دیکھ کر
چھا تھا۔

اگینے نے کچھ بھی کہے بغیر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

’’آپ پریشان ہیں کچھ؟‘‘ ساہیہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

’’نہیں۔۔۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔‘‘

’’تو پھر؟‘‘

’’فیض نے مجھے پروپوز کیا ہے۔‘‘ مدھم لہجے میں بتایا تھا۔

’’واؤ۔۔۔۔۔ اٹس اے گریٹ نیوز۔ وائے آر یو سو سیڈ دین؟‘‘

’’نہیں۔۔۔۔۔ میں سیڈ نہیں ہوں۔‘‘

’’تو پھر؟‘‘ ساہیہ نے اگینے کی طرف دیکھا تھا۔

’’کچھ نہیں۔‘‘ اگینے بے طرح اُلجھی دکھائی دی تھی۔

ساہیہ نے اس کے شولڈر پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

’’زندگی سلجھ رہی ہے تو اسے سلجھنے دیں۔ آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟‘‘

اگینے کچھ نہیں بول سکی تھی۔

’’ممی پاپا کو بتایا آپ نے؟‘‘ ساہیہ نے پوچھا تھا۔

’’نہیں۔‘‘

’’کیوں نہیں بتایا؟۔۔۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ آپ کو بتانا چاہیے۔‘‘

’’ہاں، مگر۔۔۔۔۔‘‘ اگینے کچھ تذبذب کا شکار نظر آئی تھی۔

’’آپ پریشان ہیں نا؟‘‘ ساہیہ کسی نتیجے پر پہنچتی ہوئی بولی تھی۔

’’فیض چاچو بہت اچھے ہیں پھپھو! مجھے یقین ہے وہ آپ کو بہت خوش رکھیں گے۔ آپ کو اس
روپوزل کو قبول کر لینا چاہیے۔ فیض چاچو اِز اے نائس گائے۔۔۔۔۔ اینڈ ہی اِز ہینڈسم ٹو۔۔۔۔۔ آپ
لو تو خوش ہونا چاہیے، ایک موسٹ ایلی جبل بیچلر آپ کو پروپوز کر رہا ہے۔‘‘ مذاق میں چھیڑا تھا۔

اس کی کوشش کامیاب رہی تھی۔ اگینے مسکرا دی تھی۔

’’مذاق ایک طرف پھپھو! لیکن فیض چاچو واقعی بہت اچھے ہیں۔ مجھے لگتا ہے وہ آپ کو بہت خوش

رکھیں گے۔'' ساہیہ پُر یقین لہجے میں بولی تھی۔ اگینے بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔

''میری بات چھوڑو۔ اپنی بتاؤ۔ تم دونوں کب شادی کر رہے ہو؟''

''ہماری باری تو بعد میں آئے گی۔ پہلے آپ بڑے تو کر لیں۔'' ساہیہ نے بات مذاق میں ٹال دی تھی۔ دونوں ہنس پڑی تھیں۔

''میں آپ کے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' ساہیہ اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اگینے دوبارہ اسی نہج پر سوچنے لگی تھی۔

* * *

گی کا بے بی ابارٹ ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی جان بچ گئی تھی۔

سردار سبکتگین کا تو پتہ نہیں مگر میرب اس سب کے لئے خود کو ذمہ دار سمجھ رہی تھی۔ اس کے مس کیرج کی وجہ اس کو وہ خود لگی تھی۔ بہت مجرمانہ سے انداز میں وہ سر جھکائے گی کے پاس آئی تھی۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے بولی تھی۔

''آئی ایم سوری گی! ـــــ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ اگر تم میرے پاس نہیں آتیں تو شاید آج تمہارا مس کیرج نہیں ہوتا۔''

''ایسا مت سوچو میرب! میں ایسا نہیں سوچتی۔ یہ سب بھی طے تھا۔ بہت سی نہ ہونے والی اور ہونے والی باتوں کی طرح یہ بھی طے تھا سو ہو گیا۔ میری قسمت میں یہ خوشی بھی نہیں تھی۔ سو میں ماں بھی نہیں بن سکی۔ لیکن اس سب کی ذمہ دار تم نہیں ہو۔'' گی بہت نرمی سے بولی تھی۔

میرب وضاحت میں مزید کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''تم نے ایسا کیوں سوچا؟ ـــــ گین نے تمہیں ایسا کچھ کہا؟''

''نہیں ـــــ مگر میں جانتی ہوں۔'' سر جھکائے وہ مجرمانہ انداز میں بولی تھی۔

''کیا جانتی ہو؟''

''یہی کہ غلطی میری ہے۔''

''ڈونٹ بی اسٹوپڈ میرب! غلطی تمہاری کہاں ہے؟ ـــــ میں اسٹیئرز پر سے پھسلی تھی۔ دیٹ واز جسٹ این ایکسیڈنٹ۔ یہ کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہر شے کی ذمہ دار خود کو مت سمجھا کرو۔'' گی بول رہی تھی اور میرب کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''گی! تم بہت اچھی ہو۔ آئی ایم سوری، میں نے تمہیں غلط سمجھا۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تو گی مسکرا دی تھی۔

''ہماری عادت ہوتی ہے میرب! ہم اپنی مرضی سے کچھ بھی سمجھ لیتے ہیں ـــــ ایک بات میں نے بھی سمجھی تھی تمہارے لئے۔''

''کیا؟'' میرب نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''وہ یہ کہ ـــــ تم بہت اچھی ہو ـــــ اور میں غلط نہیں تھی۔ تم واقعی اچھی ہو میرب! ـــــ

ہی۔'' گی بولی تھی اور میرب مسکرا دی تھی۔

مجھ سے دوستی کریں گی آپ؟''

میں تو تمہاری دوست ہوں۔''

ہاں، وہ تو ہیں۔ مگر ایک اچھی دوستی کی ابتدا کریں گی آپ؟''

ہاں۔'' گی نرمی سے مسکرا دی تھی۔ ''ہم اپنی سوچوں میں کہاں کتنے غلط ہوتے ہیں، یہ وقت سمجھا ہمیں۔''

رب نے سر ہلا دیا تھا۔

ہاں ـــــ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔''

گر تمہیں مجھ پر اتنا یقین آ گیا ہے تو ایک بات مانو گی تم؟'' گی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے رمی سے کہا تھا۔

رب نے خاموشی سے صرف اس کی طرف دیکھا تھا۔

س شخص کو اب مزید سمجھنے کی غلطی بھی مت کرو۔ جیسا بھی ہے جو بھی ہے، یو نو دیٹ ہی لوز یو۔ آل اِلس لائف۔ فور آل لائف۔''

کی بات میں سچائی تھی یا نہیں مگر اس نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔

* * *

ت اپنی ڈگر پر لوٹ آیا تھا۔

ا منظر پھر سے پہلے جیسا تھا۔

کچن میں چائے کے ساتھ لوازمات بنا رہی تھیں۔

ابا عفنان کے ساتھ شطرنج کی بازی کھیل رہے تھے۔

یہ بہت دنوں بعد کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

اس ہنسی میں لامعہ کی ہنسی بھی شامل تھی۔

لی اپنی ڈگر پر تھی اور مطمئن تھی۔

اس زندگی میں کچھ کمی اب بھی تھی۔

ہ نے قدرے فاصلے پر بیٹھے ہوئے عفنان علی خان کو دیکھا تھا جو دادا ابا کے ساتھ شطرنج کھیلنے ف تھا۔

اس طرف جا کر الجھ گئی تھی۔

تم اس طرح چوری چوری کیوں دیکھ رہی ہو اُن موصوف کو؟ ـــــ تمہارے ہزبینڈ ہیں بھئی۔ کر دیکھو۔'' لامعہ نے اس کی چوری پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

ا ہو کر مسکرا دی تھی۔

۔! شٹ اپ۔ تم اپنی شادی کے لئے تیار ہو جاؤ اب۔''

''ہاں ـــــ میں تیار ہوں۔ مگر کوئی ڈھنگ کا لڑکا بھی تو ملے۔'' لامعہ شرارت سے مسکرائی تھی۔

''کیا مطلب؟ ـــــ میرا بھائی تمہارے خیال میں ڈھنگ کا لڑکا نہیں؟ ـــــ اوزی! دیکھ ر ہو تم؟ تمہیں یہ کسی ڈھنگ کے لڑکے میں کاؤنٹ ہی نہیں کرتی اور تم ہو کہ عشق میں دُبلے ہوئے رہے ہو۔'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ اوزان ہنس دیا تھا۔

''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میری پیاری بہنا! کیونکہ آپ کی ایسی دوست کو کوئی ڈھ کا لڑکا ملنے والا نہیں ہے۔ خدا نے ان کے لئے کوئی چوائس نہیں رکھی۔ شادی تو یہ مجھ ہی سے کر گی۔'' انداز میں شرارت تھی۔

''اویں ـــــ میں کیوں کرنے لگی تم سے شادی۔ لولی لنگڑی ہوں کیا؟ ـــــ یا اندھی ہوں؟ میں تو شادی کروں گی اپنے خوابوں کے شہزادے سے۔''

''ہاں تو وہ میں ہی تو ہوں۔'' اوزان برجستگی سے بولا تھا۔ انابیہ ہنس دی تھی۔

لامعہ بھی جھینپ سی گئی تھی۔

تبھی اوزان اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا ہوا کچھ اس کی طرف جھکا تھا اور آہستگی سے بولا تھا۔

''شادی تو آپ کی مجھ ہی سے ہوگی۔ لکھ کر رکھ لو۔ ساری دنیا گھوم پھر آؤ، کہیں کوئی نہیں آپ کو اتنا اور اس قدر پیار دے سکے۔ آپ نہیں جانتیں مگر آپ ہمارے نصیب میں لکھ دی گئی ہو مانئے یا نہ مانئے مگر بات سچ تو یہی ہے کہ ـــــ

لے جائیں گے، لے جائیں گے
دل والے دلہنیا لے جائیں گے ـــــ!''

انابیہ نے بھی بھائی کا ساتھ دیا تھا اور دونوں باقاعدہ گانے لگے تھے۔ لامعہ کے چہرے پر سے رنگ بکھر رہے تھے۔

عفنان نے گردن موڑ کر انابیہ کو خوشی سے گاتے ہوئے دیکھا تھا۔

بہت دنوں بعد اس کے چہرے پر ایک اطمینان دیکھ کر اسے برا نہیں لگا تھا۔

ہاں مگر وہ اس چہرے سے نگاہ ہٹا بھی نہیں پایا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے؟ ـــــ کیوں تنگ کر رہے ہو میری بچی کو؟'' ممی چائے اور دیگر لوازمات نوکر کے ہمراہ اندر داخل ہوئی تھیں۔

''مام! دیکھئے نا، یہ مجھے کتنا تنگ کر رہے ہیں۔'' لامعہ نے فوراً شکایت کی تھی۔

''مت تنگ کرو میری بچی کو ـــــ انابیہ! اٹھو بچے! ـــــ دادا اور عفنان کو یہ کباب سرو کرو

انابیہ ماں کے کہے پر سعادت مندی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

دادا ابا کو کباب سرو کر کے وہ اُس کی طرف مُڑی تھی۔

نگاہ پل بھر کو ملی تھی۔

عفنان علی خان کا انداز خاص تھا۔

نگاہ عام نہیں تھی۔

وہ چونکے بنا پلٹی تھی۔

''انابیہ ـــــ!'' پیچھے سے آواز آئی تھی۔

انابیہ کو حیرت ہوئی تھی۔ وہ شخص اتنا بے صبرا ہو رہا تھا کہ دادا ابا کا بھی کچھ لحاظ نہ تھا۔

بادل ناخواستہ وہ پلٹی تھی۔

''کین آئی ہیو آ کافی پلیز؟'' اس کو غالباً چائے درکار نہیں تھی۔ نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

نابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور فوراً ہی پلٹ کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ دھڑکنوں کا ارتعاش کچھ یا تھا۔

* * *

''کیسی ہو اب تم؟'' گین چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکا تھا۔ گی تکیے کے سہارے بیٹھی تھی۔

طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''یو شڈ تھنک ـــــ ایوری تھنگ اِز دی پارٹ آف لائف۔'' بہت نرمی سے سمجھانا چاہا تھا۔

مگر اتنی مضبوط لڑکی اس چھوٹے سے ہمدردی کے جملے پر پگھل کر رہ گئی تھی۔

آنسو آنکھ سے چھلک پڑے تھے۔

گین نے آگے بڑھ کر اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھا تھا۔

بھی اچانک گی اس کے ساتھ لگ کر دھواں دھار رو پڑی تھی۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے تسلی دینے کی غرض سے اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا تھا۔

کتنی دیر وہ اس طرح روتی رہی تھی۔

ندر کا غبار کچھ ڈھلا تھا۔

لی اس سے دور ہٹ گئی تھی۔

ردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیب سے اپنا رومال نکال کر پیش کر دیا تھا۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر سے جگ اٹھا کر اس کے لئے گلاس میں پانی نکالا اور گلاس اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

لی نے خاموشی سے گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

نی کے چند سپ لئے تھے اور پھر گلاس اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لے کر ٹیبل پر رکھا تھا۔

راس کی طرف مڑا تھا۔

گی! تم ـــــ''

ردر سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دلاسہ دینا چاہا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ بول پڑی تھی۔

بات یہ نہیں ہے گین! کہ میں خالی ہاتھ رہ گئی۔ آج میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ دکھ اس بات کا میں نے ـــــ میں نے اپنا بچہ کھو دیا گین! اس کے چھوٹے سے ننھے منے وجود کو لے کر کتنے

ننھے منے، چھوٹے چھوٹے خواب بُن لئے تھے میں نے ——— وہ گیا ہے تو ——— وہ سارے خوا ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں۔ یہ درد میرے اس آدھے ادھورے رہ جانے والے درد سے بہت بڑا ہے گیر، گی کی آواز اس کے درد کی غمازی کر رہی تھی۔

گین جو اسے دلاسہ دینے کی غرض سے آیا تھا، کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

''گی! ایسا سب کے ساتھ زندگی میں ہوتا ہے۔ اِٹس ٹرو۔ دکھ ہوتا ہے ——— بہت زیادہ ہے۔ مگر ہم جینا چھوڑ تو نہیں سکتے۔ تمہیں بھی جینا ہے گی! یو ہیو ٹو بیک ٹو لائف۔ تم ایک بہادر لڑکی تمہارے لئے یہ مشکل نہیں ہونا چاہئے۔''

''ہاں ——— میں ایک بہادر لڑکی ہوں۔ سب کچھ سہہ سکتی ہوں۔ سب کچھ۔'' گی کے لبوا ایک شکوہ تھا۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بول سکا تھا۔

* * *

''گی کتنی بہادر لڑکی ہے نا۔'' زوباریہ بولی تھی۔

''ہاں۔'' میرب نے بلا تردد سر ہلا دیا تھا۔ ''بہت اچھی لڑکی ہے وہ۔''

''مجھے تو بہت دکھ ہوا۔ اس کے ساتھ بہت برا ہوا۔ لیکن خدا کا شکر ہے اس کی جان بچ گئی۔''

''ہاں ——— خدا کا شکر ہے وہ بچ گئی۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو شاید میں خود کو کبھی معاف پاتی۔ ملال تو مجھے اب بھی ہے مگر.......'' وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ زوباریہ قدرے فا ہونے کی وجہ سے اسے مکمل طور پر سن نہ سکی تھی۔ کچن میں کام کرتے ہوئے پلٹ کر اسے لحہ بھر کو تھا۔

''کچھ کہا تم نے؟''

''نہیں۔'' میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''آج شام کی فلائٹ سے تمہارے پاپا واپس آ رہے ہیں۔'' زوباریہ نے مطلع کیا تھا۔

''اچھا ———!''

''ہاں ———'' اب زوباریہ نے ایک بار پھر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''کہیں جار تم؟''

''ہاں ——— گی کی طرف۔ آج وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو رہی ہے نا۔''

''اچھا ——— میری طرف سے بھی پوچھ لینا۔''

''جی ضرور۔'' میرب کہتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

وہ راستے میں تھی جب مائی نے اسے فون کر کے بتایا تھا۔

''ہم گی کو لے کر گھر آ گئے ہیں ——— لہٰذا تم ہسپتال مت جاؤ، گھر آ جاؤ۔''

''او کے۔ بہتر۔'' اس نے فون منقطع کر کے گاڑی گھر کی طرف موڑ لی تھی۔ اتنا کچھ ہوا تھا

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مگر وہ جانتی تھی ایسا ناممکن ہی ہو گا۔

وہ گی کو سہارا دے کر تکیے کے سہارے بٹھا رہا تھا جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

ایسا دیکھ کر وہ چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی اُسے کوئی حیرت ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تو پہلے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

گی اُس کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''آؤ میرب!''

میرب بھی ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''کیسی ہو تم؟''

''ٹھیک ہوں ——— میرب! تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟ یہاں آؤ نا۔''

میرب اس کے کہنے پر آگے بڑھ آئی تھی۔

سردار سبکتگین اس سے اور وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے گریزاں تھے۔

''گی! ٹیک کیئر۔ آئی ول سی یو لیٹر۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا اور وہ چلتا ہوا باہر نکل گیا

یعنی وہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

دل پر ایک گھونسہ سا پڑا تھا۔ مگر وہ چلتی ہوئی گی کی طرف آ گئی تھی۔

''کیسا فیل کر رہی ہو تم؟'' میرب نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہوں ——— تم کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا۔ کتنا عجیب لگتا ہے۔ گھر تو یہ تمہارا اپنا ہے اور بول ہیں میں رہی ہوں۔''

''نہیں ——— تم غلط سمجھی ہو ——— یہ گھر ——— میرا کبھی نہیں رہا۔ اینی ہاؤ۔ سب کچھ بھول کر وہ لہجے میں مسکرائی تھی۔ ''ڈاکٹر نے کیا کہا؟''

''تھنگ ——— صرف بیڈ ریسٹ۔ لیکن میں فوراً واپس جانا چاہتی ہوں۔ اب اور اسٹے نہیں کر نا۔''

''تمہیں رکنا چاہئے۔ جب تک کہ تم بہتر محسوس نہ کرو۔''

''نہیں ——— میں ایسا نہیں سوچتی۔''

''مائی کہاں ہیں؟'' میرب نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

''شاید نیچے ہیں۔ تمہاری گین سے ملاقات ہوئی؟'' گی نے پوچھا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ پھر ہمت کر کے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''میں مائی سے مل کر آتی ہوں۔'' وہ یک دم اُٹھنے لگی تھی۔

''میرب!'' گی نے اُس ایک لمحے میں پکارا تھا۔

وہ جانتی تھی بات کیا ہوگی۔ شاید اسی لئے وہ ان لمحوں سے دامن چھڑا لینا چاہتی تھی ـــــ نگاہ
لینا چاہتی تھی۔

''میرب! تمہیں گین سے بات کرنی چاہئے۔'' اگر وہ آگے بڑھنے میں ـــــ بات کرنے می
پہل نہیں کر پا رہا ہو تو ـــــ تم ـــــ''

''کیا کروں گی میں گی؟'' وہ یک دم سر اٹھا کر بے بسی سے بولی تھی۔ ''اور سب کی طرح تمہیں ہ
اب یہ مان لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے درمیان اب کچھ نہیں رہا۔'' میرب کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔
وہ دانستہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کو مسکرا رہی تھی۔

''نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے۔ میں ایسا نہیں سمجھتی۔''

''تم نہیں سمجھتی گی! لیکن ایسا ہے۔'' میرب مسکرائی تھی جیسے سب ختم ہو چکا ہو۔ ''اینی وے، تم آرا
کرو ـــــ میں مائی سے مل کر آتی ہوں۔'' وہ یک دم اُٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ گی اُ
دیکھ کر رہ گئی تھی۔

میرب ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی راہداری میں جا رہی تھی۔ سارے منظر جیسے دُھنا
رہے تھے۔

جانے وہ کب، کیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے ٹکرائی تھی۔

توازن بگڑا تھا۔

مگر اس مضبوط سہارے نے اسے گرنے سے بچا لیا تھا۔

قربتوں نے کوئی جادو نہیں کیا تھا۔

ان لمحوں میں کوئی فسوں نہیں تھا۔

وہ سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی فوری طور پر کچھ نہیں بولا ت
وہ لمس خاص کوئی نیا احساس بھی جگا نہیں پایا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سنبھلتی ہوئی اس حصار سے باہر تھی۔

''میرب!'' اپنی اپنی راہ پر جانے سے قبل ایک آواز اس کی سمت آئی تھی۔ وہ چونکی تھی۔

نگاہ اٹھا کر اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔

''اگر وقت ہے تو مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ آؤ ـــــ!''

درخواست نہیں تھی۔ حکم تھا۔ اور وہ جیسے ایک ''معمول'' تھی۔

میرب چپ چاپ اس کے ہمراہ چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔

❄ ❄ ❄

وہ اپنی ممی کے گھر اس رات ٹھہرنا چاہتی تھی۔ مگر عفنان علی خان نے اسے عین موقع پر منع ک
تھا۔

اُس نے کوئی آرگیومنٹ نہیں کیا تھا۔

گاڑی گھر کے پورچ میں رکی تھی اور وہ چپ چاپ چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔

رات اگرچہ بہت ہو گئی تھی۔ مگر عفنان علی خان وہیں نیچے رک گیا تھا۔

غالباً وہ ٹی وی پر کچھ دیکھ رہا تھا ـــــ ٹی وی کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آئی تھی۔ کانوں کے جھمکے اتارتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔ لائٹ آن
ھی اور حیران رہ گئی تھی۔

پورا کمرہ پھولوں سے بھرا تھا۔

فرش میں یہاں وہاں ـــــ

پھول ہی پھول ـــــ!

وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ حیرت زدہ سی یکدم پیچھے پلٹی تھی۔

اور اپنے پیچھے عفنان علی خان سے ٹکرا گئی تھی۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ ـــــ کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔

سر اٹھا کر حیرت زدہ سے انداز میں عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔

ان نگاہوں میں تاثر خاص تھا۔

کچھ تپش تھی۔

کچھ اور بھی تھا۔

وہ دیکھ نہیں سکی تھی ـــــ نگاہ جانے کیوں جھک گئی تھی۔

''یہ ـــــ یہ ـــــ سب!'' وہ ابھی پوچھنے ہی والی تھی جب وہ بول پڑا تھا۔

''مَنی مَنی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔''

''مطلب ـــــ؟'' وہ چونکی تھی۔

''یور برتھ ڈے۔'' عفنان علی خان نے یاد دلایا تھا۔ وہ حیران سی رہ گئی تھی۔

❄ ❄ ❄

اگینے نے فیض چاچو کے پروپوزل کو ایکسیپٹ کر لیا تھا۔

گھر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

''کتنا مزہ آئے گا نا ـــــ فیض چاچو کی شادی ہوگی۔'' ماہا ایکسائٹمنٹ سے بولی تھی۔

''ہاں ـــــ خوشی کی بات تو ہے۔ کتنی خواہش تھی فیض ہاں کرے اور میں ایک اچھی سی دیورانی
میں بیاہ کر لاؤں۔ مگر یہ مانتا ہی نہیں تھا۔ خدا کا شکر ہے، بالآخر عقل آ گئی۔ فارحہ بولی تھیں اور
سکرا دیئے تھے۔

''ہاں بھئی، اب سب میں ہم جیسی ہمت تو نہیں ہوتی۔ شادی کرنا اور جھیلنا آسان کام تو نہیں۔''
نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ فارحہ ہنس دی تھیں۔

''سنا تم نے فیض! تمہارے بھائی صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں، سنا۔ اور بھائی صاحب کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہے۔ شادی واقعی ایک مشکل معاملہ ہے۔ ایک میرڈ شخص سے زیادہ مظلوم شخص کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔'' فیض نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اگینے نے ترچھی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''چاچو! ـــــ کم آن۔ آپ احسان مانئے، ہماری اگینے پھپھو نے ہاں کر دی ورنہ آپ تو یونہی کنوارے رہ جاتے۔'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ایکسکیوزمی ـــــ میرے چاچو کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ تو فیض چاچو کا کچھ دل آ گیا تھا اگینے پر ورنہ ـــــ'' ازہان نے کہا تھا اور سب ہنس دیئے تھے۔

''فیض چاچو! ٹھیک کہا نا میں نے؟'' ازہان نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں ـــــ کہا تو ٹھیک ہے۔ مگر آئی گیس اِٹس اے رائٹ ٹائم فور میری۔ اگر میں اس ٹائم کو بھی ضائع کرتا تو پھر ـــــ شاید ـــــ کوئی لڑکی بھی نہ ملتی۔'' فیض چاچو آنکھوں میں شرارت لئے بولے تھے۔ سب ہنسنے لگے تھے۔

''کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔ اتنے عرصے بعد میرے گھر کے آنگن میں خوشیاں اتری ہیں۔ اے خدا! میرے گھر کی خوشیاں یونہی قائم و دائم رکھنا۔'' فارحہ نے دل ہی دل میں دعا مانگی تھی۔

''سعد! کیا خیال ہے؟ چاچو کے ساتھ ساتھ بھتیجے کی شادی بھی نہ کر دیں؟'' مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

ازہان نے ایک لمحے میں ساہیہ کی طرف اور ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

ساہیہ کو لگا تھا ابھی وہ کچھ کہے گا۔ کوئی انکاری جملہ۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

کوئی تعرض نہیں ہوا تھا۔

اور ساہیہ کو اس پر حیرت ہوئی تھی۔

''آنٹی! فی الحال اگینے پھپھو اور چاچو کی شادی پر اکتفا کریں۔ ہماری شادی کوئی اتنی ضروری نہیں ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی بالآخر بولی تھی۔

ازہان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ ریلنگ کے پاس اپنا کافی کا مگ لئے کھڑی تھی وہ چلتا ہوا اس کے پاس آن رکا تھا۔ ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور غالباً مروتاً مسکرا دی تھی۔

ازہان بھی مسکرایا تھا۔

''سردی اچانک ہی کتنی بڑھ گئی ہے نا ـــــ موسم اچانک ہی کتنا بدل گیا ہے۔''

''ہاں۔'' ازہان نے کہا تھا پھر اپنا کوٹ اتارا تھا اور آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا۔

ساہیہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

چونکی تھی۔

لیکن وہ مسکرا دیا تھا۔

''موسموں کا تو کام ہی بدلنا ہے۔ ان پر ایسا چونکنا کیسا؟''

''ہاں، مگر......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرا دی تھی۔ ''ہم بھی کیا فضول کی باتیں لے کر بیٹھ ''

''نہیں ـــــ کچھ ایسی فضول باتیں بھی نہیں ہیں یہ۔ یوں بھی کبھی کبھی فضول باتیں بھی کر لینی ں۔ اچھا لگتا ہے۔'' ازہان مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ''تم وہاں سے اچانک اٹھ کر کیوں آ گئی ؟''

''نہیں، بس یونہی۔'' ساہیہ کوئی وضاحت نہیں دے سکی تھی۔

''شیور؟'' ازہان حسن بخاری نے اس کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔

''ہاں۔'' ساہیہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

ازہان کچھ نہیں بولا تھا۔ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

* * *

رومیصا لغاری کی تصویر کو وہ چپ چاپ دیکھ رہے تھے۔ جب اگینے چلتی ہوئی ان کے پیچھے آن رکی

فیض بخاری نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ جیسے وہ جانتے تھے کہ ان کے پیچھے کون ہے۔

گینے جو وہیں رک گئی تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھ آئی تھی۔

'اگر تمہیں کسی بات پر کوئی اعتراض ہے تو تم ـــــ تم اپنا فیصلہ بدل بھی سکتے ہو۔'' اگینے نے کر کے کہا تھا۔

'انسان اگر پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے کسی فیصلے پر پشیمان ہے یا ہیں ـــــ کبھی کبھی پیچھے مڑ کر اس لئے بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہم نے کیا پایا اور کیا گنوا دیا۔''

گینے نے انہیں دیکھا تھا پھر ان کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

'میں اپنے گزرے کل کو دیکھ رہا ہوں اگینے! کیونکہ یہ میری زندگی کا حصہ ہے۔ اور میں اسے بھی ہیں سکتا۔ یہ ہمیشہ اسی طرح میری زندگی کا حصہ رہے گا ـــــ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آج سے خوش نہیں۔''

یض بخاری نے تصویر ایک طرف رکھتے ہوئے اگینے کا ہاتھ تھاما تھا۔

گینے خاموشی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

'یہ سچ ہے اگینے! میں ایک عرصہ تک ایک حصار میں قید رہا۔ کبھی نکل ہی نہیں پایا اس دائرے رومیصا لغاری کی محبت میرے گرد کچھ ایسی ہی تھی کہ اس کے جانے کے بعد بھی میں اس میں قید ی دھیان آیا ہی نہیں اس دائرے سے باہر نکل کر جینے کا۔

ل خوش تھا، رومیصا کے ساتھ، اس کی یادوں کے ساتھ ـــــ اور شاید ساری زندگی یونہی گزر بھی میں کبھی اس خواب سے جاگتا بھی نہیں ـــــ مگر تم ـــــ اگینے! تم وہ لڑکی ہو جس نے مجھے

اس دائرے سے باہر نکالا اور زندگی کو نئے سرے سے جینا سکھایا ——— !

اگینے! میں تو جینا جیسے بھول ہی چکا تھا۔ اپنے آپ کو بھول چکا تھا۔ مگر تم ——— تم نے مجھے جینا سکھایا۔ ایک نئی راہ دی جینے کی۔ میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا تو اس لئے نہیں کہ مجھے صرف زندگی کو آگے بڑھانا تھا بلکہ اس لئے کہ مجھے واقعی ایک ہم سفر کی ضرورت تھی جس کے ساتھ میں قدم قدم چل پاتا۔ جس سے اپنے سُکھ دُکھ شیئر کر پاتا۔ جس سے پیار کر سکتا۔ دل کی بات کر سکتا۔ سو میں نے تم سے کہہ دیا ——— کہہ دیا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ اگینے! جو دل میں ہو کہہ دینا چاہئے۔ دل کی دل میں نہیں رکھنی چاہئے۔ میرے دل میں تمہارے لئے جو بھی تھا میں نے کہہ دیا۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟" فیض بخاری نے پوچھا تھا۔

"مجھے لگا ہے فیض! اگر ہم زندگی کی راہ پر مل کر چلیں تو زندگی کچھ اور بھی خوبصورت ہو سکتی ہے اور....."

"اور ———؟" فیض بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اور میں ——— آپ کا ہاتھ تھام کر اس زندگی کی راہ پر ضرور چلنا چاہوں گی ——— میں جان ہوں کہ ہر زندگی کے پیچھے ایک بند دروازہ کھلتا ہے اور اس بند دروازے سے پیچھے ایک Past بھی ہ ہے۔ جو بند دروازہ کھلنے پر جھانکتا ہے۔ ایسا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے فیض! میں حقیقت پسند ہوں۔ ا اب اس عمر میں نہیں ہیں فیض! جہاں ہاتھ بڑھا کر جگنو پکڑے جاتے ہیں اور بچوں کی طرح خوش ہ جاتا ہے۔ ہم اس وقت سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔ اب اگر ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھ پاتے تو، اچھا نہیں ہوگا۔" وہ ملائمت سے بولی تھی۔

فیض بخاری مسکرا دیئے تھے۔ پھر آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"آئی نو ——— ہمارے اس نئے سفر میں کہیں کوئی ملال دُور دُور تک نہیں ہوگا۔"

"ہاں ———" اگینے نے کہا تھا اور مسکرا دی تھی۔

فیض بھی مسکرا دیئے تھے۔

* * *

دونوں خاموشی سے بیٹھے تھے۔

سنگی بینچ کے ایک کونے پر وہ تھی ——— اور دوسرے کونے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری۔ وہ اس کیا کہنا چاہتا تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔

اس کے دل میں کیا تھا وہ نہیں جان پائی تھی۔

خاموشیاں کیا کہہ رہی تھیں، اس کے لئے یہ جاننا بھی مشکل تھا۔

مگر وہ اس کے ہمراہ وہاں موجود تھی اور اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"میرب! جو کچھ بھی ہمارے بیچ ہو رہا ہے، اس کی اب بھی مائی کو کوئی خبر نہیں ہے۔ اور میں چا ہوں کہ ——— اس کی خبر انہیں نہ ہی ہو تو بہتر ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سگریٹ کے گہر

ں کے ساتھ بات کا آغاز کیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ "جو کچھ ہو رہا ہے۔ ب ہے۔ مرضی کے عین مطابق ہے۔"

"کس کی مرضی کے عین مطابق ہے؟" میرب پوچھنا چاہتی تھی مگر باوجود خواہش کے وہ نہیں بول سکی ا۔

"اِٹس آل رائٹ۔ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔ اور کچھ ہی دنوں میں معاملہ سولو بھی ہو جائے گا۔ بٹ ں ونٹ دیٹ ——— میں اس طرح نہیں چاہتا۔ اِٹس لٹل بٹ امیچور اینڈ کڈی۔ آئی وانٹ اے ر سولوشن۔ اس کا اس سے بہتر حل بھی ہو سکتا ہے اور ہے بھی۔ میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ رٹ کچہری ہمارے لئے نہیں ہے۔ ہماری فیملی پرسٹیج کے لئے یہ ٹھیک نہیں۔ لغاری خاندان کو یہ ب زیب نہیں دیتا۔ سو اس کا متبادل حل بھی نکالا جا سکتا ہے ——— اینڈ آئی فاؤنڈ دیٹ۔ وہاٹ ٹ آؤٹ آف کورٹ سیٹل منٹ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری مکمل سپاٹ لہجے میں بولا تھا اور وہ ان رہ گئی تھی۔

وہ اس قدر سفاک ہو سکتا تھا۔

اتنا سنگ دل ہو سکتا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی۔

اس کا انداز مکمل طور پر کاروباری تھا۔ جیسے وہ کوئی بزنس ڈیل کر رہا ہو۔

"کتنا حق مہر تھا تمہارا؟ ——— ڈیوری ممبر؟" اس کے احساسات کی پرواہ کئے بغیر وہ اسی سپاٹ ے میں گویا تھا۔ "ایز فار ایز آئی ری ممبر فائیو کروڑ۔ رائٹ؟ سو وہاٹ یو تھنک اگر ہم اس کو دس کروڑ لیں اور بات یہیں کی یہیں ختم ہو جائے ——— ہم مزید کورٹ کچہری میں جائیں ہی نہ ——— ٹ آف کورٹ سیٹل منٹ۔ سیف اینڈ سیکیور میتھڈ۔ نہ آپ کا وقت برباد ہو نہ میرا۔ بات سکون سے ے پا جائے۔ وہاٹ یو تھنک؟ ——— اگر آپ کہیں تو ہم آفر کو بڑھا بھی سکتے ہیں ——— پانچ کی جگہ ں دس ہوا، وہیں پندرہ یا بیس بھی ہو سکتا ہے مگر......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی جب میرب کا ہاتھ اٹھا تھا اور تڑاخ سے دار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر تھا۔ جانے کیسے اس میں اتنی ہمت آ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری قطعاً بھی ایسا کچھ ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مگر وہ اس کی بالکل بھی پرواہ کئے بغیر بولی تھی۔

"رشتوں پر سودے بازی پہلی بار کرتے سنا ہے میں نے کسی کو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ——— پ تو بہت ہی بڑے بزنس ٹائیکون ہیں۔ اپنے ہی رشتوں پر سودے بازی کر رہے ہیں آپ اور کمال سودے بازی کر رہے ہیں۔" میرب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

سارا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔

"بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے آج ——— بہت افسوس۔ بہت غلط سوچتی رہی میں آپ کے لئے۔

بہت شرمندہ ہوں آج ـــــ آپ یہ، آپ وہ ـــــ مگر کیا ہیں آپ؟ ـــــ سچ بات تو یہ ہے کہ یو ڈونٹ ڈیزرو می۔ شرمندہ ہوں۔ کتنی فیلنگز ہیں میرے دل میں آپ کے لئے، کیا سوچا آپ کو ـــــ کس قدر چاہا ـــــ پہروں نہیں، لمحوں نہیں، دنوں نہیں، ہر ہر پل ـــــ محبت کرتی تھی آپ سے ـــــ ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ ساری عمر آپ کو چاہتے رہنا چاہتی تھی مگر ـــــ اب اس سب پر بہت شرمندہ ہوں۔ آپ جیسے شخص کو چاہ رہی ہوں میں۔ آپ جیسے شخص کو پل پل سوچتی رہی میں۔ آپ سے محبت کرتی رہی جو محبت کے معنی تک نہیں جانتا تھا۔ جسے فیلنگز کی اے بی سی ڈی بھی معلوم نہیں، اس شخص کے ساتھ میں اپنی پوری عمر گزارنا چاہتی تھی۔ ڈیم ـــــ!

سب غلط سوچا میں نے ـــــ سب غلط سمجھا ـــــ سب غلط قیاس کیا ـــــ بے وقوف تھی میں۔ سب فضول سوچتی رہی۔ جس کا کوئی مطلب تھا نہ کوئی مقصد۔ بٹ ناٹ ناؤ۔ آپ کے لئے میری یہ محبت، میری خود کی انا اور وقار سے زیادہ نہیں ہے ـــــ اب آپ کیا مجھے اپنی زندگی سے نکالیں گے، میں خود بھی آپ کو اپنی زندگی میں نہیں چاہتی۔ ہمیشہ اس رشتے کو بچانا چاہتی تھی میں ـــــ جسٹ می وانٹڈ ٹو سیف دِس ریلیشن شپ۔ مگر اب کوئی زبردستی نہیں ہے۔ میں آج سے ـــــ ابھی سے آپ کو اپنی زندگی سے نکالتی ہوں۔ سب ختم ـــــ آل اوور ناؤ ـــــ!'' کہہ کر وہ اٹھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتا رہ گیا تھا۔

* * *

''سب کچھ کیسے معمول پر آ گیا تھا، مجھے تو اب تک یقین نہیں۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔'' ساہیہ نے کافی کا کپ اسے تھماتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

ازہان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں، واقعی ـــــ سچ میں سب ایک دم سے ٹھیک ہو گیا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے جب ہم کسی بات کو بہت سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اور بھی اُلجھتی چلی جاتی ہے۔ مگر کبھی کبھی جب ہم تھک ہار کر چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں تو اچانک ہی جیسے کوئی غیب کا کرشمہ ہو جاتا ہے اور سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔''

''ہاں، ٹھیک کہتے ہو۔'' ساہیہ مسکرا دی تھی۔ ''مگر کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ سنورنے والے سارے موسم چپکے چپکے گزرتے رہتے ہیں۔ کہیں کوئی لمحہ بھی خلاف نہیں ہوتا۔ مگر وقت پھر بھی آپ کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں دیتا۔'' ساہیہ مسکراتی ہوئی بولی تھی اور ازہان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

''میرے ہاتھ کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے۔ وقت میرے حق میں بھی نہیں ہے۔ مگر میں خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں۔ فارحہ آنٹی اور سعد انکل کی زندگی پھر ڈگر پر آ گئی۔ فیض چاچو اور اگینے پھپھو بھی ایک ویولنتھ پر آ گئے۔ وقت نے مانو سچ میں جادو کی کوئی چھڑی گھما دی۔'' وہ ہنس دی تھی۔ ازہان

کے لہجے میں چھپی حسرتوں کو صاف محسوس کر رہا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکا

اندر جیسے کوئی چور سا بیٹھا تھا۔ جو کوئی فیصلہ لینے نہیں دے رہا تھا۔

وہ جیسے خود اپنے بس میں نہیں تھا۔

''میں سوچتی ہوں، واپس چلی جاؤں۔ وقت اور زندگی شاید کچھ نئے زاویے پر مُڑ جائیں۔'' وہ پنے طور پر فیصلہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ایسا کیوں سوچ رہی ہو تم؟ ـــــ یہاں کیا نہیں ہے جو وہاں ہے؟'' ازہان بولا تھا مگر وہ اس کی ف دیکھتی ہوئی ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''دل کی مانوں تو شاید مجھے بھی یہی ماننا پڑے کہ وہاں ایسا کیا ہے جو یہاں نہیں۔ دل تو شاید کچھ دہ کی ہی گواہی دے کہ یہاں بہت کچھ ہے ٹھہرنے کو۔ یہاں تم ہو۔ مگر دل کی مان کر کبھی کبھی بندہ ہ زیادہ فائدے میں نہیں رہتا۔ اور میں کچھ زیادہ نقصان نہیں سہنا چاہتی۔ یوں کہو کہ اب زیادہ مان سہہ نہیں سکتی۔ سو سوچتی ہوں آئی شُڈ بیک۔'' ساہیہ نے ایسا کوئی فیصلہ کیوں کیا؟ کب کیا؟ وہ ان رہ گیا تھا۔

ایسا کچھ اس نے نہیں سوچا تھا۔

اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے تھا۔

جو بھی ہو رہا تھا غلط تھا۔ اس کا اندازہ بہرحال اُسے تھا۔

''کیسا فضول سوچ رہی ہو تم ـــــ؟'' وہ بولا تھا۔ انداز اُلجھا اُلجھا سا تھا۔ مگر ساہیہ اسی اطمینان ے مسکرا دی تھی۔

''فضول نہیں ہے ازہان! ـــــ وقت کی ضرورت ہے اور......''

وہ بول رہی تھی جب اس کا سیل فون بجا تھا۔ ازہان نے اسکرین پر دیکھا تھا۔ دوسری طرف میرب ی۔

''ایکسکیوز می!'' معذرت چاہتے ہوئے ازہان نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو! ـــــ کیسی ہو تم ـــــ؟''

''ٹھیک ہوں ـــــ مگر ـــــ''

''مگر کیا؟''

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے ازہان!'' غالباً وہ دوسری طرف رو رہی تھی۔

ساہیہ نے سر اٹھا کر ازہان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ یکدم اٹھی تھی اور وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ لر ازہان نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور دوسری طرف میرب سے پوچھا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ؟''

''کچھ نہیں۔'' میرب نے فون رکھ دیا تھا۔

وہ سیل بند کرتے ہوئے ساہیہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میرب کو ہماری ضرورت ہے ساہیہ! ــــــ ہمیں ابھی اس کی طرف جانا ہو گا۔'' وہ بولا تھا۔ ساہیہ کوئی تعرض نہیں کر سکی تھی۔

❄ ❄ ❄

یہ سچ تھا ــــــ اُسے یقین نہیں آیا تھا۔

عفنان علی خان کی محبت اس کے لئے اب بھی باقی تھی یا نہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر یہ اقدامات کر کہہ رہے تھے، وہ نہیں جان پائی تھی۔

اگر وقت کے پاس اس کے کانوں کے لئے کچھ سرگوشیاں تھیں بھی تو فی الحال اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ صرف وقتی کیئر شو کر رہا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

محبت اس سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

اور شاید وہ محبت تھی بھی نہیں۔

وہ زیادہ سوچ کر الجھنا نہیں چاہتی تھی۔

شام میں سب گھر آئے تھے۔ ممی، دادا ابا، اوزی، لامعہ ــــــ اس کے برتھ ڈے کو وہ سب کیے بھول سکتے تھے؟ وہ خوش تھے۔ مگر وہ خود خوش کیسے دکھائی دے؟ یہ بھول بیٹھی تھی شاید۔ یا پھر وہ خود دھوکا دے رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ جوس گلاسوں میں انڈیل رہی تھی جب لامعہ نے اس کے قریب رکے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

''کچھ نہیں ــــــ کیوں، کیا ہوا؟''

''منہ پر بارہ بج رہے ہیں۔'' اطلاع آئی تھی۔

''اچھا ــــــ!'' وہ برا مانے بغیر ہنس دی تھی۔

''مذاق نہیں ہے یہ ــــــ تمہیں واقعی کیا ہوتا جا رہا ہے؟ ــــــ تمہارا ہزبینڈ تمہارا کوئی خیال نہیں رکھتا؟ ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔ بیوی ہو، کوئی غلام تو نہیں۔ یہ سارے ملازم کیوں نکال باہر کئے؟ فاطم آنٹی کے ہوتے ہوئے تو دس ملازم تھے۔'' لامعہ نے خبر گیری کی تھی۔

مگر انابیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہو؟ ــــــ کیا فرق پڑتا ہے؟ ــــــ اور ممی پاپا کے جانے کے بعد یوں بھی زیا کام کاج نہیں رہا۔ ہم دو تو افراد ہیں۔ تھوڑا سا کام ہے۔ میں تو چٹکیوں میں کر لیتی ہوں۔ یوں بھ اس اتنے بڑے گھر میں، اتنے لمبے چوڑے دن میں میرے پاس کرنے کے لئے ہوتا بھی کیا ہے۔'' بہت پُرسکون انداز میں کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔

لامعہ اُسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم تو مکمل 100 فیصد پرمنٹ وائف بن چکی ہو۔ کوئی شکایت کرو تو اپنے ہزبینڈ کو ڈی فنڈ کرنا آ گیا ہے۔''

''نہیں ــــــ میں انہیں ڈی فنڈ نہیں کر رہی۔'' انابیہ مسکرا دی تھی۔ ''اِن فیکٹ، سچ بتا رہی ہوں یں۔''

''ہاں ــــــ اس چار دیواری میں بند کر کے، تم سے یہ گھر کے کام کرا کے کہاں کی محبت ہو رہی ۔ مجھے تو تم دونوں میں ایسی کوئی افلاطونی محبت دکھائی نہیں دیتی۔''

''افلاطونی محبت کا وقت نکل گیا۔ اب تو پریکٹیکل لائف اسٹارٹ ہے۔ اور پریکٹیکل لائف تو ایسی ہوتی ہے۔ جب تمہاری شادی اوزان کے ساتھ ہو گی تب پوچھوں گی۔''

''خدا نہ کرے اوزان تمہارے ان سو کالڈ ہزبینڈ جیسا ہو۔'' لامعہ اُس کی کیفیت پر تپ کر بولی تھی۔

''کم آن لامعہ! ــــــ ان کا کوئی قصور نہیں۔ مگر خود کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔''

''اوہ، پلیز! ان حضرت کو ڈی فنڈ کرنا بند کرو۔ کیا سمجھتی ہو تم، کسی کو بتاؤ گی نہیں تو کسی کو پتہ بھی چلے گا؟ آپ کے چہرے پر صاف پڑھا جا رہا ہے کہ آپ خوش نہیں ہیں۔''

''نہیں ــــــ ایسا نہیں ہے لامعہ!'' وہ کمزور سے لہجے میں سر نفی میں ہلاتی ہوئی بولی تھی۔

لامعہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم پلیز ــــــ ایسا کچھ ممی، دادا یا پھر اوزان سے مت کہنا۔ وہ فضول میں پریشان ہوں گے۔ ہیں بھی پتہ نہیں کیوں یقین نہیں ہو رہا کہ سب ٹھیک ہے اور کہیں کچھ غلط نہیں ہے۔'' وہ متواتر پری کرتے ہوئے بولی تھی۔ جب اچانک دھیان عفنان علی خان کی طرف گیا تھا۔

جانے کب سے تھا وہ وہاں۔

کیا سنا تھا ــــــ کیا نہیں۔

انابیہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

تبھی وہ اندر بڑھ آیا تھا۔

''کیا پروگرام ہے؟'' جوس کی ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا تھا۔ لامعہ قریب تھی ی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ انابیہ نہیں چاہتی تھی ایسا کچھ بھی لامعہ کے سامنے ہو جس سے پتہ چلے کہ کے درمیان کہیں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ تبھی خوشگواری سے مسکرا دی تھی۔

''کیسا پروگرام؟ ــــــ فی الحال تو ڈرنک سرو کر رہے ہیں۔ آپ بتا دیجئے، کیا کرنا ہے؟ ڈنر گھر پہ روں ہاں ــــــ!''

''نہیں ــــــ اس کی ضرورت نہیں۔'' عفنان ان کے ہاتھ سے جوس کی ٹرے لیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے ٹیبل بک کروا دی ہے۔ ہم ڈنر باہر کریں گے۔''

وہ حیرت میں تھی۔ جب لامعہ بولی تھی۔

''عفنان! یہ کیسی برتھ ڈے ہے جو کیک کے بغیر ہے؟''

وہ مسکرایا تھا۔

''کس نے کہا کہ کیک نہیں؟ ــــــ اِن فیکٹ تم اپنی دوست کے لئے چھری پر ریڈ ربن باندھ لے آؤ۔ کیک کٹنے کے لئے تیار ہے۔ انابیہ! ــــــ تم چینج کرلو۔'' وہ مکمل ذمہ دار شوہر لگ رہا تھا۔

غالباً وہ جو پروف کرنا چاہتا تھا اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

اگر اس کا مقصد صرف لامعہ لوگوں کو اطمینان دلانا تھا تو یہ کوشش کارگر رہی تھی۔

مگر اس کے اندر کتنی خاموشیاں پھیل رہی تھیں۔ یہ صرف وہ جانتی تھی۔

وہ ٹرے لے کر باہر جاچکا تھا اور وہ خاموشی سے وہاں کھڑی تھی۔

''تم اس طرح کیوں کھڑی ہو؟ ــــــ کم آن یار! ریڈی ہو جاؤ جا کر۔ میں باقی سب کور کرتی ہوں۔'' لامعہ بولی تھی۔ تبھی وہ مسکراتی ہوئی سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔

مگر اس کے اندر کہیں بھی، کچھ بھی مکمل طور پر اپنی جگہ پر نہ تھا۔

محبت اتنی اُلجھی ہوئی ہو سکتی ہے، وہ نہیں جانتی تھی۔

اُلجھی اُلجھی
بکھری بکھری
تھوڑی حیران
تھوڑی سلجھی
محبت کو میں نے دیکھا ہے
کچھ خوش گمان
کچھ بدگمان
کچھ چارہ گر
کچھ رہنما
محبت کو میں نے دیکھا ہے
چپ چاپ، تنہا چلتے ہوئے
خود اپنی آگ میں جلتے ہوئے
کچھ کہتے ہوئے نہ
سنتے ہوئے
محبت کو میں نے دیکھا ہے

اسے کچھ معلوم نہیں تھا، زندگی اب کس کروٹ بیٹھے گی؟ ــــــ آخر کیا ہوگا؟

یا پھر کوئی نیا رخ ہوگا بھی یا کہ نہیں۔

مگر زینہ طے کرتے ہوئے وہ بہت اُلجھی ہوئی سی تھی۔

اوزان کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے عفنان علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

* * *

''کیا ہوا تھا؟'' اذہان نے پوچھا تھا۔

ساہیہ بھی میرب کو بغور دیکھ رہی تھی۔ مگر اس نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا ھا۔

''بس یونہی، میں کچھ پریشان تھی۔''

''ہاں، وہی تو پوچھ رہے ہیں۔ کیا پریشانی تھی؟ تم اتنی ڈسٹرب لگ رہی ہو تو اس کی کوئی وجہ تو ہو ی۔'' اذہان حسن بخاری نے پوچھا تھا۔

مگر غالباً وہ ساہیہ کے ہونے کے باعث کچھ بھی شیئر نہیں کر رہی تھی۔ ساہیہ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ تبھی ایدوہ اٹھنے لگی تھی۔ مگر میرب نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور نرمی سے بولی تھی۔

''تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ساہیہ! تم بھی میری اتنی ہی اچھی دوست ہو جتنا اذہان! بی کوئی بات نہیں ہے جو میں صرف اذہان سے شیئر کر سکتی ہوں اور تم سے نہیں۔''

ساہیہ مسکرائی تھی۔

''تم دونوں بہت پرانے دوست ہو میرب! میں نئی ہوں۔ اور نئے اور پرانے دوست کا فرق میں ھی طرح جانتی ہوں۔ یوں بھی مجھے نہیں لگتا میرے ہوتے ہوئے تم کمفرٹیبل فیل کرو گی۔'' وہ ملائمت ے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے ساہیہ! میرے لئے نئے یا پرانے دوست ایک جیسے ہیں۔ میں سردار سبکتگین یدر لغاری کی طرف گئی تھی۔ بہت دنوں سے ہمارے درمیان کچھ بھی ٹھیک نہیں۔ بس اُسی کو لے کر کچھ یادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔'' کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بہت سا پانی آن ٹھہرا تھا۔ اس نے ہاتھ کی ٹت سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔

''کبھی کبھی زندگی اتنی اُلجھ جاتی ہے کہ اسے سلجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے معاملے میں محبت کچھ لجھی ہوئی ہے فی الحال۔ پتہ نہیں کیا ہوگا۔ مگر میں اس تعلق کو توڑنا نہیں چاہتی۔ آئی لو ہم۔'' میرب لی تھی اور اذہان کے اردگرد جیسے یہ جملہ بازگشت ہو گیا تھا۔ چونکی تو ساہیہ بھی تھی۔ اور وہ اذہان کو اس ے دیکھے بنا نہیں رہی تھی۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ دیٹس ٹرو۔ آئی لو ہم۔ میرے لئے اس کے بنا زندگی کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ ہے کہ یہ بات سمجھتا ہی نہیں۔ میرے ایموشن، میری فیلنگز جیسے اس کے لئے کوئی میننگ ہی نہیں یتیں۔ میں جانتی ہوں، آئی نوٹ دیٹ۔ ہی لوز می۔ تبھی تو جب چاہتا ہے، اتنے آرام سے ہرٹ کر ا ہے۔ دنیا میں صرف ایک شخص ہوتا ہے جو ہمیں درد دے سکتا ہے۔ جو جانتا ہے کہ ہم اس سے اور وہ ا سے محبت کرتا ہے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس بات سے انجان نہیں ہے۔ ہی کین ہرٹ می۔ ال ویز ہرٹ می۔ بی کوز آئی لو ہم۔''

میرب بولی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اپنے آپ بہہ رہے تھے۔ اگر وہ کوئی صورت حال ان

دونوں پر واضح کرنا چاہتی تھی تو وہ کامیاب رہی تھی۔

سامیہ نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

اذہان اس منظر کو صرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❄❄❄

’’تم کیا کر رہی ہو——؟‘‘ گی کو نئے سرے سے پیکنگ کرتے دیکھ کر گین نے دریافت کیا تھا۔

’’دیکھ تو رہے ہو تم—— پیکنگ کر رہی ہوں۔‘‘ وہ لاتعلق لہجے میں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

’’خفا ہو تم مجھ سے؟‘‘ گی نے سب کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

’’کس قسم کے آدمی ہو تم گین!—— تم اتنے کٹھور ہو سکتے ہو، مجھے اندازہ تک نہیں تھا۔ ہمیشہ کتنا سمجھایا بجھایا تمہیں لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ تم صرف دل دُکھانا جانتے ہو۔ تم اتنے سنگ دل ہو، اس بات کا اندازہ نہیں تھا مجھے۔ تمہارا سب سے بڑا پرابلم یہ ہے کہ تم خود نہیں جانتے، تم زندگی سے کیا چاہتے ہو۔ زندگی تمہارے قریب ہے، پاس ہے اور تم اسے پرے دھکیل رہے ہو۔ کتنا سمجھایا تھا میں نے اُسے۔ کتنا پوزیٹو کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر تم نے ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ عجیب آدمی ہو تم۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تمہاری۔ اتنی اچھی لڑکی کو درد دے رہے ہو تم۔ کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟ میں نہیں جانتی گین! بٹ آئی ایم ناٹ ہیپی۔ مجھے دُکھ ہے۔ کیونکہ تم اُسے دُکھ دے رہے ہو۔‘‘ گی بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا۔

’’سردار سبکتگین حیدر لغاری!—— یہ کیا کر رہے ہو تم، خود اپنی زندگی کے ساتھ؟—— کیا لگ ہے، خوش رہ پاؤ گے؟‘‘ گی نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔

’’نہیں—— قطعاً نہیں خوش رہوں گا اگر تم یہاں سے جاؤ گی تو۔ گی! فی الحال میں کسی طرف نہیں دیکھ رہا۔ میری نظر کسی معاملے پر نہیں۔ تم میری بہت اچھی دوست ہو اور میں تمہیں اس طرح کھو نہیں چاہتا۔‘‘ وہ مطمئن انداز میں بولا تھا۔

’’میں—— میری دوستی گین؟—— اینڈ ویئر اِز یور اون لائف؟—— یو گون میڈ؟ کیا ہو گ ہے تمہیں؟—— پاگل ہو گئے ہو تم؟—— کیوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تمہیں؟ کیوں کچھ دکھائی نہیں دیتا؟ تم ہر لمحہ اسے اپنی زندگی سے باہر دھکیل رہے ہو اور تمہیں اس بات کا اندازہ تک نہیں ہے۔ م نے اپنی ساری زندگی میں تم سے زیادہ بے وقوف شخص نہیں دیکھا۔ پلیز، فار گاڈ سیک سردار سبکتگین حید لغاری! اپنی زندگی کو سمجھو۔ کب سمجھ آئے گی تمہیں؟ محبت کرتے ہو اُس سے تو اُسے بتاتے کیوا نہیں؟‘‘

’’گی! میں کیا کر رہا ہوں، کیوں کر رہا ہوں؟ میں جانتا ہوں۔ آئی ایم ناٹ اے فول۔‘‘ وہ پوزیس (Possc کرتا ہوا بولا تھا۔

’’کچھ نہیں جانتے تم گین!—— سچ میں بہت بے وقوف ہو تم۔‘‘ گی نے اس کی عقل پر افسوس رتے ہوئے کہا تھا۔ ’’سردار سبکتگین! میں کھونے کا درد جانتی ہوں۔ مجھے احساس ہے، جب کچھ کھویا تا ہے تو کتنا درد ہوتا ہے۔ تم پلیز، یہ سمجھنے کی کوشش کرو۔ خدا نہ کرے تم اس حد سے گزرو۔ میں کبھی ں تمہیں اس درد سے گزرتا نہیں دیکھنا چاہوں گی۔‘‘ گی بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے پ چاپ دیکھ رہا تھا۔

❄❄❄

ڈنر سے واپس لوٹنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے والی تھی جب عفنان علی خان نے اُسے را تھا۔

’’سنو——!‘‘

وہ زینہ چڑھتے چڑھتے یک دم جیسے بُت بن گئی تھی۔

عفنان چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رُکا تھا۔

’’گھر کی باتیں گھر میں رہیں تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اگر تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہو تو مجھ سے و۔ میں اس کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ مگر اس طرح——!‘‘

اُسے اندازہ تھا۔ ایسی ہی کوئی بات ہو گی۔ اور وہی ہوا تھا۔

عفنان علی خان اپنے طور پر اخذ کی گئی باتیں کر رہا تھا۔ وہ بہت سکون سے پلٹی تھی۔

’’میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ گھر کی یا ہماری آپس کی کسی بھی بات کو اس گھر سے باہر نہیں کیا۔ آپ لامعہ کی بات کر رہے ہیں تو میں اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کر رہی تھی۔ میں صرف احت دے رہی تھی کہ میں.......‘‘

’’کہ آپ کو یہاں نوکر بنا کر رکھا جا رہا ہے اور آپ کا کوئی خیال نہیں رکھا جا رہا۔‘‘ عفنان نے ت مکمل کی تھی۔

’’مجھ پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہو رہا اور نہ ہی میں مظلوم بننا چاہوں گی۔ آپ نے جو بھی سنا وہ ی ادھوری باتیں تھیں۔ یوں بھی کسی کی باتیں چھپ چھپ کر سننا اچھی بات نہیں۔‘‘ اس نے مضبوط ، میں کہا تھا۔

عفنان علی خان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

’’مجھے نہیں پتہ کہ آپ اتنا کچھ کیوں سہہ رہی ہیں۔ اگر میں آپ کی زندگی میں ان چاہا حصہ ہوں تو ا باہر کیجئے۔ پلیز، لیو اینڈ لٹ لیو۔‘‘ وہ بولی تھی۔

عفنان علی خان کا ہاتھ اٹھا تھا اور تڑاخ سے اس کے چہرے پر تھا۔

وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

* * *

''آج کا دن اچھا رہا نا۔۔۔۔۔'' انابیہ کی برتھ ڈے پر ڈنر کے بعد اوزان لامعہ کو چھوڑنے جا رہا تھا۔

''ہاں ۔۔۔۔۔ اچھا رہا۔ عرصے بعد ہم اس طرح مل کر کہیں بیٹھے۔ مجھے اچھا لگا۔'' لامعہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''انابیہ خوش ہے نا؟۔۔۔۔۔ مجھے جانے کیوں آج وہ کچھ بجھی بجھی سی لگی۔'' بھائی کی نگاہ اُسے پڑھ گئی تھی۔

لامعہ چونکی تھی۔ پھر فوراً سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ۔۔۔۔۔ وہ خوش ہے۔ خوش کیسے نہیں ہو گی۔ عفنان اُسے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔ اُس کی ہر خوشی کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیکھا نہیں آج تم نے۔'' لامعہ نے اس کا زاویہ نظر موڑنے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں ۔۔۔۔۔ یہ تو ہے۔ مگر اس کے باوجود مجھے وہ کچھ اُداس لگی۔ اینی ہاؤ، کوئی آج بہت اچھا بھی لگ رہا تھا۔'' وہ ایک نظر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا تھا۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ بکھرتے دیکھ کر اوزان کو اچھا لگا تھا۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''کیا۔۔۔۔۔؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ''تم اپنی زندگی میں مجھے ایکسپیکٹ نہیں کرتی تھیں؟''

''نہیں ۔۔۔۔۔ ایسی بات نہیں۔ مگر زندگی میں اتنے سارے ٹوئسٹ آئیں گے، اس کے بارے میں میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وقت کب، کہاں، کس طرح بدلا کچھ پتہ نہیں چلا۔ کتنی خود غرض ہو گئی میں۔ کیسے اتنا سب کر دیا، سمجھ نہیں آ رہا۔ مگر آج جب سوچتی ہوں تو میرے اپنے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حسد اور جلن میں، میں بہت آگے نکل گئی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا بروقت میری آنکھیں کھل گئیں۔ ورنہ آج جانے میں کہاں کھڑی ہوتی۔ یہ تم ۔۔۔۔۔ یہ ایک اچھا سا احساس ۔۔۔۔۔ یہ چھوٹے چھوٹے سے خواب ۔۔۔۔۔ شاید یہ سب جو آج میرا ہے، میرا نہ ہوتا۔''

''لامعہ! جو ہونا ہوتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اور جو ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے۔ بھول جاؤ سب۔ جو وقت زندگی کا حصہ نہ رہے اسے زندگی کی کتاب میں سے نکال دینا چاہئے۔ اور دوبارہ اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے۔''

''ہاں ۔۔۔۔۔ ٹھیک کہہ رہے ہو تم اوزان! مگر کتنے بہت سے لمحے میں نے گنوا دیئے۔ تم میرے ساتھ تھے، قریب تھے، میرا ساتھ چاہتے تھے اور میں تم سے ہی بھاگتی رہی۔ جب ہمیں ملنا ہی تھا تو ہم اتنی دیر میں کیوں ملے۔ میں نے وہ لمحے کیوں گنوائے؟ اس بات کا ملال کبھی کبھی بہت ستاتا ہے۔'' وہ اُداس لہجے میں بولی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''یہ اچانک اتنا کرم کیسے؟ ۔۔۔۔۔ خیر تو ہے؟'' انداز میں کچھ شرارت تھی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''اوزان! تم ریئلی بہت اچھے ہو۔ مجھے اس بات کا احساس بہت دیر سے ہوا۔''

''تم بھی بہت اچھی ہو لامعہ! اینڈ آئی وانٹڈ ٹو سے یو ون تھنگ آل ویز ۔۔۔۔۔!''

''کیا ۔۔۔۔۔؟'' وہ چونکی تھی۔

''آئی لو یو لامعہ! ۔۔۔۔۔ آئی ریئلی لو یو سو مچ۔ میری زندگی میں تمہارے نہ ہونے سے کہیں کچھ کمی ں۔ ہر طرف بہت زیادہ کمی تھی۔ میں نے تمہاری بہت زیادہ خواہش کی تھی۔ مگر میں نہیں جانتا تھا تم ں میری زندگی میں آ پاؤ گی۔ مجھے کبھی نہیں لگا تھا میں کبھی تمہیں پا سکوں گا۔ جب تم نے پہلی بار ے پروپوزل کو ریجیکٹ کیا تھا، مجھے لگا تھا میرے لئے زندگی ختم ہو گئی ہے۔ میں چلا گیا تھا اور سوچا بھی واپس نہیں آؤں گا۔ مگر دیکھو، زندگی مجھے تم تک کھینچ لائی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے تھے، اس کا ازہ مجھے آج ہوا ہے۔ تھینکس ٹو بی مائے مارٹ لامعہ! آج تم میری زندگی کا حصہ ہو اور ہم ایک تھ عمر گزارنے جا رہے ہیں۔ میں خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں۔ آئی لو یو لامعہ! ۔۔۔۔۔ تم اگر میری گی میں نہیں آتیں تو میں مرتا نہیں۔ مگر کبھی اس طرح جی بھی نہیں پاتا۔'' وہ مکمل سچائی سے بولا تھا۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔

اندر ایک اطمینان دور تک پھیلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں اور زندگی بہت دلکش لگ رہی تھی۔

لامعہ کی آنکھوں میں جگنو سے چمک رہے تھے۔

وہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''تمہاری زندگی میں آنے سے خود کو بہت Complete فیل کر رہی ہوں۔ مگر ڈرتی ہوں، یہ سب ب نہ ہو۔ آنکھ کھلے تو کہیں کچھ بھی نہ ہو۔'' لامعہ کو یک دم ہی اندیشے گھیرنے لگے تھے۔

اوزان مسکرا دیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے محترمہ! یہ جو آپ لمبا چوڑا ایک ہینڈسم سا بندہ دیکھ رہی ہیں نا، یہ بہت جلد آپ ہونے جا رہا ہے۔ بالکل قانونی طور پر، 100 فیصد آپ کا۔ اب تو آپ کو کوئی ڈاؤٹ نہیں ہونا ہئے۔ اور ہمارے مشرقی قسم کے بے چارے شوہروں کو تو جانتی ہیں آپ، کتنے معصوم ہوتے ہیں۔ چارے چاہتے ہوئے بھی ایک سے زائد شادی نہیں کر سکتے۔'' وہ بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی ا۔

''تو آپ کا پلان ہے، ایک کے علاوہ بھی شادی کرنا؟'' لامعہ نے مصنوعی خفگی سے گھورا تو وہ مسکرا فا۔

''ایک بہت مشکل سے ہو رہی ہے۔ دوسری کے لئے کیا سوچوں؟ ۔۔۔۔۔ ایک لڑکی سے غلطی سے ، کر لی تھی۔ اس نے اتنا تنگ کیا کہ اب اور کی ہمت ہی نہیں۔ تم ایک مجھے بہت ہو۔''

اوزان اسے محبت سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''ہمیشہ اسی طرح چاہو گے نا؟'' لامعہ نے پوچھا تھا۔

''ہوں ــــــ سوچ تو رہا ہوں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''کیا ــــــ؟'' وہ چونکی تھی۔

''کہ آئی شُڈ کیپ لوِنگ یو ــــــ'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ''مگر اس کے ساتھ ہی مجھے بھی کچھ چاہئے۔''

''کیا؟''

''تمہارا ساتھ ــــــ تمہارا پیار۔''

''آئی وِل ڈو۔'' وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں اپنی مکمل رضامندی سے بولی تھی۔

''وہاٹ اباؤٹ ناؤ۔'' اُس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ لامعہ نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر ان نگاہوں میں اتنی تپش تھی کہ وہ زیادہ دیر دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ نظر خود بخود جھکتی چلی گئی تھی۔ اور بالآخر وہ چہرہ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ اوزان مسکرا دیا تھا۔

❄ ❄ ❄

''تو تم نے طے کر لیا ہے؟'' سردار سبکتگین نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے اُسے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

گی بہت اُلجھی اُلجھی دکھائی دی تھی۔ اس کی سمت دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

''کیا ہے یہ سب گی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے الجھ کر اُسے دیکھا تھا۔

''اوں، ہوں ــــــ کچھ نہیں۔'' گی نے سر انکار میں ہلایا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں یک دم ہی نم ٹھہرنے لگی تھی۔

''گی ــــــ!'' بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مدھم لہجے میں پکا تھا۔

گی کا ضبط ایک لمحے میں ٹوٹا تھا۔ آنکھوں سے پانی باہر چھلک رہا تھا۔ مگر وہ پھر بھی مضبوط نظر آ۔ کی کوشش کر رہی تھی۔

''گی! ــــــ وہاٹ دی ہیل اِٹ اِز؟'' گی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیا لغاری نے کہا تھا۔

تبھی وہ محبت سے گندھی لڑکی اپنا ضبط ہار بیٹھی تھی۔ اس کے شانے پر سر رکھا تھا اور پھوٹ پھو کر رو دی تھی۔

''کتنا مشکل ہے یہ سب میرے لئے، کوئی نہیں جانتا ــــــ کانٹوں پر لوٹ رہی ہوں میں۔ لمحہ جان قیامت میں ہے میری ــــــ کوئی نہیں جان سکتا کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور کس قدر سہہ ر ہوں ــــــ میرا دل کیا چاہتا ہے اس بات کی خبر صرف مجھے ہے، کسی دوسرے کو نہیں ــــــ دل چا ہے کوئی میرا ہاتھ تو تھامے اور ہولے سے کہے۔ ''ڈے ــــــ ڈے ــــــ گی!'' (مت

لی) ــــــ میں ایک سرگوشی اپنے کانوں میں سننا چاہتی ہوں ــــــ مگر وہ سرگوشی کہیں نہیں ہے۔ مگر ننے کے جتن میں کان لگاتی ہوں تو صرف میرے اندر کا سکوت مجھے سنائی دیتا ہے۔ اس سکوت کے اتھ میں کیسے جیتی ہوں اور کیسے پل پل مرتی ہوں، یہ بات کوئی نہیں جانتا ــــــ کوئی بھی ہیں ــــــ!''

گی آج وہ کہہ رہی تھی جو اس نے کبھی پہلے نہیں کہا تھا۔ اس کے لبوں پر اس کے اندر کی آواز تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لہجے کا درد اندر تک محسوس کیا تھا۔ مگر وہ ایک چھوٹی سی بات نہیں ہہ سکا تھا۔ جو گی اُس سے سننا چاہتی تھی۔

اُسے پہلی بار اندازہ ہوا تھا، وہ اندر سے کتنا بندھا ہوا تھا۔

اندر کیسے رنگ پھیلے تھے۔

اور ان رنگوں کے اسباب کیا تھے۔

وجود کے پورے علاقے پر کسی کا قبضہ محسوس ہوا تھا۔

پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اپنا آپ اپنا نہیں ہے۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران رہ گیا تھا۔

پہلے جہاں وہ پاپا کے واپس آنے کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی، اب ان کے آنے پر جیسے ان سے بات کرنے کا سارا جواز ختم ہو گیا تھا۔

زوباریہ نے شاید انہیں مطلع کر دیا تھا کہ وہ ان سے کوئی بات کرنا چاہ رہی ہے اور ان کا انتظار بھی کر رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے شام میں طلب کر لیا تھا اور میرب خالی ذہن اور خالی نظرور کے ساتھ ان کے سامنے جا بیٹھی تھی۔

اب کہنے کو، پوچھنے کو کچھ نہیں تھا۔

وہ کیا کہتی؟ ــــــ سر جھکائے بیٹھی تھی جب پاپا بولے تھے۔

”سبکتگین کی والدہ اس روز آئی تھیں اور ہم نے تمام باتیں ڈسکس کی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمیر بچوں کو ایک موقع دینا چاہئے۔ اتنی آسانی سے گھر نہیں بنتے۔ اور بچے ناسمجھ ہوتے ہیں۔ مجھے ان پورا اتفاق ہے۔ اسی لئے میں نے وکیل سے بات کر کے اس کیس کو وہیں کلوز کروا دیا تھا۔“

پاپا کہہ رہے تھے اور وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔ حیران ہوتی شاید اگر کوئی اور وقت ہوتا۔ وہ جاننے کے لئے تو بے تاب تھی کہ ان کے درمیان کیا کیا ڈسکس ہوا ہو گا۔ یہی جاننے کی کوشش میں تھی اور اب جب جانا تھا تو ــــــ!

اندر کہیں کوئی اُمنگ نہ تھی۔

جیسا چاہا تھا۔ ویسا ہوا تھا۔

سب حسب منشا تھا۔ مگر وہ خوش نہیں تھی اب۔

”زوباریہ نے بات کی تھی مجھ سے بیٹا! ــــــ مجھے اندازہ ہوا میں جلدی میں بہت کچھ بگاڑ چلا تھا۔ بہت غلطی پر تھا میں۔ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ ــــــ ایک بار بتایا تو ہوتا۔ میں اپنے کے خلاف تو نہیں جا سکتا تھا۔“ پاپا اس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہے تھے۔

مگر وہ کچھ نہیں بول رہی تھی۔

”آئی ایم سوری بیٹا! ــــــ میں تمہارے خلاف گیا۔ میں نہیں جان سکا کہ میرے بچے کے دا میں کیا ہے۔ میں نے کوشش بھی نہیں کی آپ کو جاننے کی۔ میری وجہ سے آپ کو جتنی تکلیف سہنا پڑ اس کے لئے میں شرمندہ ہوں۔“

”نہیں پاپا! ــــــ آپ ایسا مت کہئے۔ آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔ آپ نے وہی کیا جو آپ

مناسب لگا۔ اور کوئی بھی پیرنٹس اپنی اولاد کے حق میں کچھ غلط نہیں چاہتے۔ آپ کو میرے حق میں وہ مناسب لگا سو آپ نے کیا۔ مگر تقدیر میں کیا لکھا ہوتا ہے یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ پلیز، آپ کچھ بھی ایسا ویسا سوچ کر اسٹریس مت لیں۔ جو بھی ہونا ہو گا، ہو جائے گا۔ مجھے آپ سے یا آپ کے کسی بھی فیصلے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

میرب مکمل سعادت مندی سے بولی تھی۔

مظہر سیال نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

* * *

”کیا ہوا؟ ــــــ رات سوئے نہیں کیا؟“ سبکتگین ناشتے کی ٹیبل پر تھا جب مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

”اماں! اب بس آپ اس کے لئے لڑکی لے ہی آیئے۔ آج ہی میرب کے گھر جایئے اور شادی کی ڈیٹ فکس کر دیجئے۔“ گی نے مشورہ دیا تھا۔

”مجھے اس کی شادی کا مشورہ دے رہی ہو اور خود جا رہی ہو؟“

”مجھے تو جانا ہی تھا۔ مگر آپ وہ کریں جو ضروری ہے۔“ گی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ ”سو، کیا ڈیسائیڈ کیا آپ نے گین؟“

”مجھے کچھ ڈیسائیڈ کرنا تھا؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے الٹا سوال داغ دیا تھا۔

”گین کی شادی کے بارے میں تو میں بھی سوچ رہی ہوں۔ مگر اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو؟ گین کی دوست ہو۔ اس کی خوشی میں شامل نہیں ہو گی؟“ اماں نے گی سے شکوہ کیا تھا۔

”اماں! میں ضرور شامل ہوتی۔ مگر آل اِز ڈن ناؤ۔ آئی ہوپ سو، اب جب میں واپس آؤں گی تو گین کے دو تین بچے ہو چکے ہوں گے۔“ وہ ماحول کو خوشگوار کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی تھی۔

مگر گین پر اس بات کا قطعاً کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

”انشاء اللہ ــــــ میری تو دیرینہ خواہش ہے گین کے بچوں کو گود میں کھلانے کی۔ پتہ نہیں کب وہ ن آئے گا جب میں اپنے پوتوں کو کھلاؤں گی۔ خدا پتہ نہیں یہ موقع دکھائے گا بھی کہ نہیں۔“ اماں کی واز میں حسرت سی دکھائی دی تھی۔

”ایسا مت کہیں اماں! آپ ضرور دیکھیں گی۔“ گی نے خاموشی سے چائے انڈیلتے گین کی طرف یکھا تھا۔

”گین! ــــــ مائی کتنی پریشان ہیں، تم دیکھ رہے ہو؟“

”ہاں ــــــ!“ بہت مختصر سا جواب آیا تھا۔

ناشتے کی ٹیبل پر صبح ہی صبح بہت ثقیل گفتگو کا آغاز ہو چکا تھا جو کسی بھی طرح ٹھیک نہیں تھا۔ گین ینا اس سے بچنا چاہتا تھا۔

سارا اندر اُلجھا ہوا تھا۔

مگر ـــــ

"گین! ـــــ کیا سوچا ہے تم نے؟" مائی اماں کی آواز اُبھری تھی اور گین زیادہ دیر بے تاثر نہیں رہ سکا تھا۔

"کس بارے میں مائی؟"

"تیری شادی کے بارے میں گین!"

"مائی! مجھے آفس کے لئے دیر ہو رہی ہے۔ کیا ہم یہ بات شام میں کر سکتے ہیں؟"

"شام میں تو گی کو جانا ہے۔ تم بھول رہے ہو یہ بات۔ آج کام سے چھٹی کیوں نہیں لے لیتے؟" مائی نے کہا تھا۔

"نہیں مائی! کچھ ضروری کام ہے۔ میں جلد واپس لوٹ آؤں گا۔" وہ چائے کا کپ میز پر رکھتا ہو اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"چلتا ہوں مائی! ـــــ گی! اپنی پیکنگ کمپلیٹ کر لینا۔ میں جلد واپس آ جاؤں گا۔" وہ بول پڑ تھا۔

"رُکو گین!" گی اُٹھ کر اس کی طرف آئی تھی۔

گین رُک گیا تھا۔

گی نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا تھا۔

"گین! شاید تم سے شام میں بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اور مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔ کہ تم مجھے آغا سپر مارکیٹ تک ڈراپ کر سکتے ہو؟ ـــــ اسی بہانے میں تم سے کچھ بات بھی کر لوں گی۔" گی اپنی سی ایک آخری کوشش کرنا چاہتی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❄ ❄ ❄

"اذہان بیٹا! ـــــ کیا سن رہی ہوں میں یہ؟ ـــــ ساہیہ کینیڈا جا رہی ہے؟"

"ہاں ـــــ میں نے بھی یہی سنا ہے ممی! مگر میں نے ساہیہ سے فی الحال کوئی بات نہیں کی۔" اذہان نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں نہیں پوچھا؟" ممی نے پوچھا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے یہ سچ ہو گا؟" اذہان مسکرا دیا تھا۔ "اُس لڑکی کی عادت ہے ممی! ـــــ مذاق کر رہی ہو گی۔"

"تم ایسا سمجھ رہے ہو اذہان؟" ممی نے اُسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ کچھ الرٹ ہو گ تھا۔

"اذہان! آئی ڈونٹ تھنک سو کہ تمہیں اس معاملے کو اتنا لائٹ لینا چاہئے۔ بیٹا! اِٹس ناٹ ا

جوک ـــــ میں نے خود فون کیا ہے۔ ساہیہ واپس جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہے، یہ میں نہیں جانتی۔ شاید شاہینہ کے گھر والے بھی نہیں جانتے۔ مگر تم ایک ایسے انسان ہو جو یہ بات جانتے ہو۔"

"میں ـــــ؟ مگر ممی! مجھے تو خود کچھ پتہ نہیں۔ ساہیہ نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"مگر وہ تو کہہ رہی ہے تم جانتے ہو!"

"جانتا ہوں؟ ـــــ ہاں ـــــ ایک بار بتایا تھا اُس نے۔ بٹ آئی سپوزڈ شی مسٹ کڈنگ ـــــ اور اُسے جانے کی ضرورت کیا ہے؟ ہو سکتا ہے وہ کسی کام سے جا رہی ہو کچھ دنوں کے لئے۔" اذہان نے وضاحت دی تھی۔

"میں نہیں جانتی۔" فارحہ نے شانے اچکا دیئے تھے۔

"لیکن اذہان بیٹا! اِٹس یور رسپانسبلٹی ناؤ ـــــ تمہاری زندگی کا حصہ ہے وہ۔ اُس کا خیال رکھو۔" ارحہ نے اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ پھر چلتے ہوئے وہاں سے نکل گئی تھیں۔

اذہان کئی لمحوں تک اس ٹرانس سے نکل نہیں پایا تھا۔

❄ ❄ ❄

"گین! ـــــ کبھی کبھی بہت سی چیزوں کو سمجھنے میں ہم بہت دیر کر دیتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تم یسا کرو ـــــ یا تمہارے معاملے میں ایسا ہو۔" گی بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ڈرائیو کرتے وئے اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

"گی ہنی! ـــــ کبھی کبھی معاملات کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔ حل زیادہ بہتر انداز میں امنے آ جاتے ہیں۔" لہجہ کسی قدر پُر اطمینان تھا۔

"زندگی کو اس طرح چھوڑ دینے سے کبھی کبھی کوئی حل نہیں نکلتا۔ مسائل اور بھی الجھ جاتے ہیں گین!"

"یا ـــــ آئی نو ـــــ میں جانتا ہوں یہ۔ مگر کبھی کبھی حل نکل بھی آتا ہے۔ تم اس طرح پریشان ت ہو، گی! مجھے لگتا ہے کوئی بہتر حل ضرور نکل آئے گا۔" یہ گین نے اُسے یقین دلایا تھا۔

"گین! تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ اگر تمہاری زندگی میں کچھ بھی غلط ہوتا ہے تو مجھے اس کا ہت دکھ ہو گا۔" گی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"یقین رکھو ـــــ میری زندگی میں کہیں کچھ غلط نہیں ہو گا۔ اگر کہیں کچھ غلط ہوا بھی تو میں تم سے جوع کر لوں گا۔ تم ہو نا۔" بات مذاق میں اُڑائی جا رہی تھی۔

گی گہری سانس خارج کر کے رہ گئی تھی۔

"گین! میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی اگر تم میرے پاس کچھ بھی مانگنے آئے۔"

"ایون چائے کی پتی بھی نہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُر خیال انداز میں سوچتے ہوئے کہا

گی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''تم اتنی دور مجھ سے چائے کی پتی مانگنے آؤ گے؟''

''تم نیبر ہو گی نا میری۔ ہمارے گھر میں جب بھی چائے کی پتی ختم ہو جایا کرے گی ہم تم سے مانگنے آ جایا کریں گے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

غالباً اُسے برے موڈ کے ساتھ رخصت کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''تمہیں تو بالکل بھی نہیں دوں گی۔ ہاں، اگر تمہاری وائف آئے گی تو انکار نہیں کروں گی۔'' گ نے مسکراتے ہوئے کسی قدر تسلی بخش انداز میں جواب دیا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''مجھے کیوں نہیں؟ ـــــ اور میری وائف کو کیوں؟''

کیونکہ میرب تم سے زیادہ اچھی ہے اور مجھے زیادہ پیاری ہے۔ اسے تو میں کبھی بھی انکار نہیں ک سکتی۔ کسی صورت بھی نہیں۔''

''ٹھیک، آپ کی مرضی۔ آپ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سعادت مند سے آزاد قرار دے دیا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

''گی! تم بہت اچھی ہو ـــــ میں تم سے یہ بات کہنا چاہتا تھا شاید۔ مگر کبھی کہہ نہیں پایا۔ تم پلیز اپنی زندگی کو کبھی نئے راستے پر موڑنے کی کوشش کرنا۔ جس طرح تم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو، اسی طر میں بھی تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میں خوش ہوں گین! ـــــ تمہیں کس نے کہا میں خوش نہیں ہوں؟'' وہ مسکرائی تھی۔

''اس طرح نہیں گی! میں تمہیں اندر سے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ تبھی ہوگا جب تم اپنی زند پھر سے اسٹارٹ کرو گی۔ پرامس ٹو می یو وِل ڈو دیٹ۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

''گی! تم جیسی سمجھدار لڑکی سے میں کوئی فضول بات ایکسپیکٹ نہیں کرتا۔ کوئی بے وقوفی نہیں کرو تم۔ اپنی زندگی کو بہت اچھی طرح گزارو گی۔ ورنہ ـــــ!'' سردار سبکتگین نے دھمکی دی تھی۔

''ورنہ کیا؟'' گی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ورنہ میں تمہارا نیبر کبھی نہیں بنوں گا۔''

''اچھا ـــــ'' وہ ہنس دی تھی۔

''اِٹس ناٹ کڈنگ یار ـــــ!'' سردار سبکتگین نے اُسے ڈپٹا تھا۔

''ہاں ـــــ جانتی ہوں میں۔ مگر فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میرے پاس فی الحال کوئی خوا نہیں ہے۔ میرے پاس جتنے بھی خواب تھے وہ بکھر چکے ہیں۔ پتہ نہیں میں ان بکھرے ہوئے خوابو سمیٹ پاؤں گی یا نہیں۔ یا پھر نئے خواب دیکھ پاؤں گی یا نہیں۔ میں نہیں جانتی۔ میں تم سے کوئی وعدہ بھی نہیں کر سکتی۔ یہ زندگی اتنی آسان نہیں ہے۔''

''آسان تو کچھ بھی نہیں ہوتا گی! مگر آسان بنایا تو جا سکتا ہے۔ تم اگر کچھ بدلنے کے بارے میں سوچو گی ہی نہیں تو کچھ کیسے بدلے گا؟''

''سبکتگین! مجھے وہ سب مت سمجھاؤ جو میں تمہیں سمجھا چکی ہوں۔ تم جانتے ہو میں ہر بات کو پہلے سے جانتی ہوں۔''

''تو پھر مجھے کیوں اتنا سمجھاتی ہو؟ ـــــ کیا میں نا سمجھ ہوں؟''

''نہیں ـــــ تم نا سمجھ نہیں ہو گین! بس میں تمہیں کسی نقصان میں نہیں دیکھ سکتی۔''

''اور کیا میں تمہیں کسی نقصان میں دیکھ پاؤں گا......''

''نہیں دیکھ سکتے تو روک لو مجھے۔'' اس کی بات کاٹتی ہوئی گی اطمینان سے بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھونچکا رہ گیا تھا۔

''روک سکتے ہو مجھے؟'' گی پوچھ رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

گی بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! جانتے ہو تم مجھے کیوں نہیں روک پائے؟ ـــــ کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں نہیں لے پائے۔ کیونکہ تم اپنی زندگی میں کسی اور کو رکھتے ہو اور اس کے وجود کو مانتے بھی ہو۔ یہ جو تمہاری آنکھوں میں ایک وحشت سی ہے نا، یہ محبت ہے۔ محبت کرتے ہو تم میرب سیال سے۔ ورنہ تمہارے لئے کوئی بھی راہ اختیار کر لینا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

''کوئی بھی فیصلہ لینا صرف اس وقت مشکل ہوتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! جب آپ اندر سے کہیں بندھے ہوئے ہوں۔ اگر آج آپ میرب کے ساتھ دل سے بندھے ہوئے نہیں ہوتے تو کوئی بھی نیا قدم آرام سے اٹھا چکے ہوتے۔ آپ بالکل بھی ایسا نہیں کر سکے ـــــ یہ محبت ہے!'' گی پُر یقین تھی۔

''محبت ایسی ہی ہوتی ہے ـــــ کچھ پُر یقین، کچھ بدگمان ـــــ بٹ آئی نو، آپ کی یہ بدگمانی بہت جلد دور ہو جائے گی۔ اور پھر آپ کو کوئی شکایت نہیں رہے گی۔''

گی کی منزل شاید آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی روکی تھی اور وہ چپ چاپ اُتر گئی تھی۔

''گی! ـــــ تم بھی اپنے نئے راستوں کو تلاشو گی اور ایک مکمل زندگی بسر کرو گی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھے بنا کہا تھا جیسے مزید دیکھے گا تو رہا سہا مان بھی جاتا رہے گا۔

گی کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی سے چلتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

* * *

انابیہ نے چائے کا ایک کپ لا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ موصوف جاگ رہے تھے اور نیوز پیپر دیکھ رہے تھے۔ سنڈے کی روٹین اسٹارٹ تھی۔

''ممی کا فون آیا تھا ـــــ اگلے سنڈے واپس آ رہے ہیں وہ لوگ۔''

''ہاں جانتا ہوں میں ـــــ اور ان کے آتے ہی ان کی ضد شروع ہو جائے گی، میں تمہیں کہیں باہر لے جاؤں کچھ عرصے کے لئے۔'' وہ اخبار سے نظریں اٹھائے بغیر بولا تھا۔

انابیہ نے کسی قدر ناگواری اور برہمی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ انکار کر دیجئے گا۔ آپ سے ایک انکار نہیں ہوتا۔'' انداز میں جلن بہت واضح تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''انکار ہی تو نہیں ہوتا۔ ممی کو خوش کرنے کے چکر میں ہی تو اتنا کچھ کر رہا ہوں۔ ورنہ......'' اس ادھورے جملے میں ایک الاؤ تھا جو انابیہ کو جلا کر ایک پل میں خاکستر کر گیا تھا۔

'تو یہ ـــــ اتنا کچھ ماں کو خوش کرنے کے لئے تھا۔'

''کیا مطلب آپ کا؟ ـــــ وضاحت دیں گے آپ مجھے؟'' انابیہ نے جل کر پوچھا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ نگاہیں اس پر نہیں، نیوز پیپر پر تھیں۔

''کس بات کی وضاحت چاہتی ہیں آپ؟ ـــــ آف کورس، شی اِز مدر۔ ان کی بات نہیں مانوں گا تو پھر کس کی بات مانوں گا؟''

''تمہارا مطلب ہے تم نے اُن کی بات مان کر......'' انابیہ سے آگے کچھ بھی کہا نہیں گیا تھا۔ ایک لمحے میں سب کچھ بہت تاریک لگا تھا۔

وہ قربتیں ـــــ

وہ احساس ـــــ

وہ مروت ـــــ

جسے وہ حق سمجھ رہی تھی، درحقیقت وہ ایک احسان تھا۔

اوہ ـــــ!

اپنا آپ ایک لمحے میں بہت پست لگا تھا۔

چہرے پر ایک تاریک سایہ تھا۔ جب وہ مُڑنے لگی تھی، عفنان علی خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ غالباً موڈ میں تھا۔ مگر وہ مُڑی نہیں تھی۔ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

عفنان علی خان نے اسے ایک جھٹکے سے بیڈ پر گرا لیا تھا۔

وہ اسے کچھ لمحے پھر نوازنے کے درپے تھا۔ مگر وہ یک دم ہی جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے ممی کی طرف جانا ہے ـــــ اوزان کی شادی کے کئی کام پڑے ہیں۔ آپ ڈرائیور سے کہہ کر چھوڑوا دیں گے؟'' لاتعلق سے انداز میں بولی تھی۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔

انابیہ نے دروازہ کھولا تھا اور باہر نکل گئی تھی۔

ایک پل میں ـــــ

فاصلے صدیوں سے بڑھ گئے تھے۔

خاموشیاں تھیں کہ ٹوٹ نہیں رہی تھیں۔

* * *

''پھپھو! کتنا مزہ آئے گا نا آپ کی شادی پر ـــــ ڈھیر سارے چمکیلے کپڑے بنوائیں گے ہم۔ یہ
ل دار ـــــ!'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اگینے مسکرا دی تھی۔

''بھائی ـــــ بھائی کو فون کرو۔ پوچھو کب آ رہے ہیں وہ۔''

''ہاں، وہ تو میں کر لوں گی۔ مگر آپ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مت بیٹھیں اب۔ آپ برائیڈ
۔ سیلون جائیں، کوئی ٹریٹمنٹ لیں۔ رُکیں میں آپ کے لئے فون کر کے اپائنٹ منٹ لیتی ہوں۔''
یہ نے خوشی کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے فون اٹھایا تھا۔

''ڈھیر ساری پکچرز لے کر جاؤں گی آپ کی۔ اپنے کمرے میں یہاں وہاں، ہر جگہ لگا دوں گی۔
ں کی، مہندی کی، شادی کی، ولیمہ کی اور پھپھو......''

''ساہیہ! تم واپس کیوں جا رہی ہو بچے؟'' اگینے نے پوچھا تھا اور وہ جو روانی سے بول رہی تھی
ہ کے پوچھنے پر یک دم ہی چپ ہو گئی تھی۔

''ماما پاپا سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے پھپھو! سچ میں بہت دل اُداس ہے۔ آپ کو یاد نہیں آتی کیا ان
؟'' وہ دوسرے ہی پل مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''دو ماہ پہلے تک تو وہ یہیں تھے ساہیہ! اور جہاں تک مجھے لگتا ہے اِٹس ناٹ دی ریزن۔ ہو سکتا
تم اُداس ہو۔ مگر دیئر آر لاٹس آف دی ری سورسز۔ نیٹ ہے، فون ہے، کیم ہے۔ تم انہیں دیکھ سکتی
بات کر سکتی ہو۔ پھر جانا کیوں ضروری ہے؟''

''تھک گئی ہوں کام سے ـــــ تھک گئی ہوں پھپھو! کچھ دنوں تک ریسٹ لینا چاہتی ہوں ہر
سے۔ ہر طرح کی ٹینشن سے فری ہونا چاہتی ہوں۔ یہ بھاگ دوڑ، یہ افراتفری، سب باتوں نے
، تھکا دیا ہے مجھے۔ سچ میں، بہت تھکن فیل ہو رہی ہے۔ اگر آپ کی شادی کی بات بیچ میں نہ آ
ا تو میں کب کی نکل چکی ہوتی۔ دل تو بہت چاہتا ہے رُکوں، ساری رسموں میں شرکت بھی کروں۔
ـــــ'' وہ مسکرا دی تھی۔

''تم نہیں جاؤ گی ساہیہ! ـــــ میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ کم از کم میری شادی تک تو رکو۔''
، بولی تھی۔

وہ کچھ بھی بولے بغیر مسکرا دی تھی۔

ڈور بیل ہوئی تھی۔ دونوں چونکی تھیں۔

''ساہیہ!'' اگینے بولی تھی۔

''لگتا ہے پھپھو! آپ کا مایوں کا جوڑا آ گیا ہے۔'' ساہیہ مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور سامنے اذہان حسن بخاری کو دیکھ کر کچھ حیران رہ گئی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''حیران ہو——؟''

''نہیں——'' وہ پیچھے ہٹی تھی۔

''ہوتو——'' وہ اندر بڑھ آیا تھا۔

اگینے غالباً کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''کون ہے ساہیہ؟'' وہیں سے آواز دے کر پوچھا تھا۔

''پھپھو! اذہان ہیں—— میں سمجھی تھی، پھپھو کا مایوں کا جوڑا آیا ہے اُن کی سسرال سے۔'' وہ۔ تاثر بنی ہوئی بولی تھی۔

''سسرال سے جوڑا تو نہیں آیا۔ مگر سسرال خود حاضر ہے۔ جوڑ بھی بن چکا ہے۔ اب آگے مرضی ہے؟'' اذان حسن بخاری مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر خوشگوار انداز بولا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

''جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ یو نو میڈ اِن ہیون۔ زمین پر تو صرف بات بنتی ہے۔ آپ کنفیوژ دکھائی دے رہی ہیں۔ خیریت؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟''

''ٹھیک ہوں میں۔ ایک دم پرفیکٹ۔ آپ کی باتوں پر کچھ حیران تھی۔'' وہ دھیمے سے مسکرائی تھی

''کیوں—— ایسا کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟'' اسے بازوؤں سے تھام کر اپنے مقابل کیا تھا بغور دیکھا تھا۔

''نہیں، کچھ غلط نہیں کہا۔ مگر آپ کا موڈ—— یو سیمس ویری چیئر فل اینڈ ہیپی ٹوڈے۔ خیریت

''کیوں؟—— پہلے کبھی میں اچھے موڈ میں نظر نہیں آیا کیا؟'' وہ مسکرایا تھا۔

''بہت کم۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہاں—— کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔ مگر یہ تمہارے ساتھ ہونے سے ہے۔ تم ساتھ ہو تو سب لگتا ہے۔ برے سے برا دن بھی۔ خراب سے خراب موسم بھی——!''

''کیا بات ہے؟—— آج واقعی آپ اچھے موڈ میں ہیں۔ کہیں یہ خوشی میرے یہاں سے جا کی تو نہیں؟'' وہ مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری کے مسکراتے لب یک دم ہی سکڑ گئے تھے اور اس کے کاندھوں پر اس ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

''ساہیہ!'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

ساہیہ کی روم روم حسِ سماعت بن گئی تھی۔

سارا اندر اس کی آواز کے زیر بندھ گیا تھا۔

''ساہیہ!—— سب کچھ جانتی ہو تم، مجھے آج تک ایسا لگتا تھا۔ مگر تم—— تم مجھ سے اس حد ے برہم ہو، میں نہیں جانتا تھا۔ تم جانتی ہو، میں نے کبھی تم سے کسی طرح کا کوئی جھوٹ نہیں کہا۔ کہیں ئی کوتاہی نہیں برتی۔ پھر بھی جانے کیوں۔'' وہ غالباً بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔

ساہیہ کو بری طرح افسوس ہوا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر کوئی ازالہ نہیں کر سکی تھی۔

''ارے اذہان! تم آئے ہو۔ بیٹھو نا، کھڑے کیوں ہو؟—— فارحہ بھابی کیسی ہیں؟ اور سعد ئی؟'' وہ معمول کے انداز میں مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں اگینے!'' اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

''ساہیہ!—— اذہان کے لئے چائے بناؤ بیٹا۔''

''نہیں اگینے! اس کی ضرورت نہیں۔ میں بس یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا ملتا چلوں۔ چائے پھر ھی سہی۔ چلتا ہوں۔ سی یو۔'' وہ بولا تھا اور مڑ کر فوراً ہی وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ساہیہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

اگینے نے اُسے جاتا ہوا حیرت سے دیکھا تھا۔

''اسے کیا ہوا؟—— اتنی جلدی کیوں چلا گیا؟''

''پتہ نہیں پھپھو! شاید کوئی کام ہو۔'' ساہیہ بولی تھی اور وہاں سے نکل گئی تھی۔

❄ ❄ ❄

''اتنا کچھ ہوا اور تم نے کسی کو کچھ نہیں بتایا؟'' سیفی نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

رب فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔

''میرب! اسے بے وقوفی کہتے ہیں جو تم کر رہی ہو۔ مجھے تو حیرت ہے تم ہو کس انتظار میں؟ تمہیں لگتا ہے کوئی کرشمہ کہیں اچانک سے ہوگا اور سب کچھ بدل جائے گا؟''

''نہیں، مجھے ایسا کچھ بھی نہیں لگتا۔ اور ایسا کچھ ہوگا بھی نہیں۔ مجھے لگتا ہے، پاپا جو بھی کر رہے تھے ہ زیادہ ٹھیک تھا۔ اگر اس رشتے کو ختم ہونا ہے تو یوں ہی سہی۔ مگر آئی کانٹ بیئر اِٹ اینی مور۔ میرے لئے یہ سب سہنا بہت مشکل ہے سیفی! سچ میں دم گھٹنے سا لگا ہے۔'' میرب تھکے ہوئے سے لہجے میں لی تھی۔

''محبت سب سے بڑی بے وقوفی ہے میرب! اور تم یہ بے وقوفی کر چکی ہو۔ اب تمہیں کیا لگتا ہے تم ں مسٹر ہٹلر کو بھول پاؤ گی؟ اب کیا ڈیسائیڈ کیا ہے تم نے؟''

''مجھے نہیں پتہ سیفی! میں نے اب سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یہ شتہ توڑنا ہے تو یوں ہی سہی۔ مگر اب میں مزید نہیں چلوں گی۔''

''یہ فیصلہ تم نے بہت دیر میں کیا ہے میرب! تم بھول رہی ہو۔ اب یہ تمہارے ہاتھ میں بھی نہیں

رہا۔ اور تم آسانی سے خود کو وقت کے حوالے کر رہی ہو۔ تم نے ان محترم ہٹلر کو خود سے اس طرح کھیلنے حق ہی کیوں دیا؟'' سیفی ناگواری سے بولا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ سیفی! مگر شاید محبت بہت سے چانس دے سکتی ہے۔ یہ میری اس کے لئے محبت تھی جس نے اسے اتنے مواقع دیئے۔ پتہ نہیں کس بات کے انتظار میں تھی میں۔ سمجھ ہی نہیں آیا مجھ کو آنکھیں، عقل سب بند تھا جیسے۔ آج سوچا تو پتہ چلا سب خسارہ تھا۔ آج سوچتی ہوں، پلٹ کر پیچھے دیکھتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کیا کیا گنوا دیا میں نے۔ کل میں اس رشتے کو بنانے کے حق میں نہیں تھی اور آج اس سے دامن نہیں چھڑا پا رہی ہوں۔''

سیفی نے اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''آئی نو ـــــ تمہارے لئے یہ سب مشکل ہے میرب! مگر ٹیک اِٹ اِیزی۔'' سیفی نے اے حوصلہ دیا تھا۔ مگر یہ بہت بودا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''پاپا کو لگتا ہے سیفی! وہ اس سب کے ذمہ دار ہیں۔ اگر انہوں نے تب میرا نکاح سردار سبکتگی حیدر لغاری کے ساتھ نہ کیا ہوتا تو صورتحال آج کچھ مختلف ہوتی۔ مگر مجھے ایسا نہیں لگتا کہ اس میں ان کوئی قصور ہے۔ یہ میرے نصیب میں درج تھا، لکھا تھا ایسا، سو پورا ہوا جیسے اب تک ہوتا آیا ہے۔ می آگے بھی معاملات کو وقت پر ڈال دینا چاہتی ہوں۔ جن معاملات کا حل ہم نہیں نکال پاتے، ان کا ح خدا بہت بہتر نکالتا ہے۔'' میرب کو جیسے اب کوئی شکوہ نہیں رہا تھا۔ کسی سے نہیں۔ نہ وقت سے، حالات سے، نہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے۔

وہ بہت پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

''مجھے اُمید ہے میرب! سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مجھے اب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا سیفی! ـــــ کچھ ٹھیک ہو یا نہ ہو، اب میں اپنی زندگی کو ضائع نہیں کروں گی۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ شادی زندگی کی منزل نہیں ہے صرف۔'' وہ پُرعز لہجے میں بولی تھی۔

''تمہیں ضرورت ہے میرب! اپنا دھیان کسی اور طرف لگانے کی اور خود کو پوزیٹو سمت کی طرف لانے گی۔ اِٹس بیٹر فار یو۔'' سیفی نے ایک دوست ہونے کے ناتے سراہا تھا اُسے۔

''میں پاپا کے ساتھ ان کا بزنس دیکھوں گی سیفی! ـــــ آئی رئیل گاٹ فیڈ اپ ناؤ۔'' میرب لہجہ پُرتھکن تھا۔

اور سیفی اس کا بھرپور حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

❄ ❄ ❄

''میں میرب سے ملنا چاہتی تھی گین! مگر نہیں مل پائی۔ پلیز تم اس سے ملو تو میری طرف سے سو کر دینا۔'' گی نے ایئر پورٹ پر کھڑے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا جیسے یہ ذکر ایک فضول ذکر ہو۔

''تم اپنا خیال رکھنا گی! اور جیسا میں نے تمہیں صبح کہا تھا، ویسا کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر تم میری ں پر عمل کرو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔'' اُسے تاکید کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''اور مجھے بھی خوشی ہو گی گین! اگر تم اپنے دل کی مانو۔ پلیز، خود سے بھاگنا، بچنا، نگاہ چرانا ترک دو۔ محبت اگر زندگی کے لئے ضروری ہے تو اسے ہو جانے دو۔ تمہیں اگر لگتا ہے تم ایسا کوئی اعتراف کے ہار جاؤ گے تو مان لو، یہ کوئی ہار نہیں۔ محبت میں ہارنے والا ہارتا نہیں۔ محبت میں جو ہار مانتا ہے ی کی جیت ہوتی ہے۔'' وہ جاتے جاتے بھی اس کے رشتے کو ایک نہج پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پتہ نہیں سنا تھا کہ نہیں۔

''گی! اناؤنس منٹ ہو رہی ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔''

''رکھوں گی گین! ـــــ تم پرامس کرو، میرب کو لے کر ایک بار مجھ سے ملنے ضرور آؤ گے۔''

''بائے گی! ـــــ ٹائم ٹو گو۔'' اُس کی بات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر ی بولا تھا۔

''میری باتوں کو نظر انداز مت کرو گین! اِٹس امپورٹنٹ۔'' گی نے اسے ہگ کرتے ہوئے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

''پرامس تمہیں پورا کرنا ہے گی!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یاد دلایا تھا۔

''گی کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی جواباً۔ بس آنسو پونچھے تھے اور پلٹ کر چلتی ی آگے بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا اُسے دیکھتا رہا تھا۔

❄ ❄ ❄

''تم شام میں ناراض ہو کر گئے تھے؟'' ساہیہ نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔ اذہان ینے کی طرف بڑھ رہا تھا، رک گیا تھا۔

''نہیں۔'' مختصر جواب دیا۔

''پھر مجھے ایسا کیوں لگا کہ تم ناراض ہو کر گئے ہو؟'' وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ غالباً اس کے موڈ کو ل پر لانا چاہا تھا۔ مگر اذہان مسکرایا نہیں تھا۔

''آثار تو سارے ناراضگی والے ہی تھے۔ اب بھی چہرہ صاف بتا رہا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ تی۔

''نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے۔ میں تم سے ناراض کیوں ہوں گا؟'' وہ لاتعلقی سے بولا تھا۔ وہ کچھ اموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

''ہاں، تم بھلا مجھ سے خفا کیوں ہو گے؟'' ایک شکوہ سا تھا لہجے میں۔ اذہان اُسے کسی قدر ناگواری دیکھنے لگا تھا۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ! ـــــ ایک بار پھر غلط۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں تم سے

ناراض نہیں ہوسکتا۔" اذہان نے باور کرایا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔ پھر بولی تھی۔

"تم بزی تو نہیں ہو؟"

"اس وقت؟" چونکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ "نہیں ـــــ بالکل بھی نہیں۔" سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تو چلو پھر آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔" وہ بولی تھی۔

"اس وقت؟" وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"ہاں۔ اس وقت۔" وہ منہ بگاڑتے ہوئے بولی تھی۔ "میرا دل چاہ رہا ہے اذہان! کتنے دن تمہارے ساتھ کہیں نہیں گئی۔ اور یوں بھی آئی وانٹ ٹو کلیکٹ سم گڈ میموریز۔ چلو نا۔" وہ بولی تھی۔

اذہان حسن بخاری خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مگر اسے انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ سو تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس کے ساتھ آئس کریم پارلر میں تھا۔

"تمہیں یاد ہے اذہان! جب میں یہاں آئی تھی تو تم کیسے غصیلے بلے جیسے تھے۔ یہ غصہ ہر وقت ناک پر دھرا تھا تمہاری اور مسکرائے تو تم کبھی نہ تھے۔ مگر کتنا ستایا تھا میں نے تمہیں۔ ہر وقت کسی نہ بہانے تمہارے سر پر سوار رہتی تھی تاکہ تمہارے اس موڈ کو چینج کر سکوں۔ کتنا اری ٹیٹ کرتی تھی نا م تمہیں۔" وہ یاد کرتے ہوئے ہنسی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ تم مجھے بالکل بھی اری ٹیٹ نہیں کرتی تھیں۔ میں بالکل بھی اری ٹیٹ نہیں ہوتا تھا مجھے اچھا لگتا تھا جب تم میرے آس پاس ہوتی تھیں۔ اور اب بھی اچھا لگتا ہے۔ تم جب پاس ہوتی مجھے ہر شے بہت کمپلیٹ سی لگتی ہے۔" وہ کیسے کیسے انکشاف کر رہا تھا مگر ساہیہ پر کسی شے کا کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اس بات کو، اس موقع کی نہج کو بالکل نہیں سمجھ رہی تھی۔

"کل میں گھر آؤں گی۔ تمہارے کمرے سے تمہاری پکچرز اگر غائب ہو جائیں تو سمجھ لینا میں انہ چرا کے لے جا چکی ہوں۔ میرے پاس تمہاری کوئی تصویر نہیں ہے۔ مگر کینیڈا خالی ہاتھ تھوڑی جاؤں میں۔ تمہاری بہت سی یادوں کے ساتھ تھوڑی سی پکچرز بھی چرا کر لے جاؤں گی۔" وہ اسی خوشگوار اند میں کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"تم واقعی جا رہی ہو؟" اس کے لہجے کی مکمل خوشگواری کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دھیمے لہج بولا تھا۔

ساہیہ چونکی تھی، پھر ہنس دی تھی۔

"ہاں نا ـــــ مجھے مِس کرو گے؟" اک آس سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم واقعی جا رہی ہو؟" اس کا سوال بدستور تھا۔

ساہیہ جو مسکرا رہی تھی، چپ ہوئی تھی۔ ہونٹ سکوڑے تھے۔ پھر مسکراتے ہوئے سر اثبات م دیا تھا۔

"کیوں جا رہی ہو؟" وجہ جاننا چاہی تھی۔

"کیا مطلب کیوں جا رہی ہو۔" وہ ہنس دی تھی۔ "دل چاہ رہا ہے۔" وہ بالکل بھی سنجیدہ نہیں تھی۔

"مذاق کی بات نہیں ہو رہی ساہیہ! تم مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو ہمیشہ۔ مگر اس وقت میں کچھ سیریس ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔ کائنڈلی پے یور اٹینشن۔" وہ بولا تھا۔ لہجے میں سنجیدگی تھی۔

ساہیہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اذہان نے بھی اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

"اب بتاؤ، کیوں جا رہی ہو؟" جاننا چاہا تھا۔ مگر ساہیہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی جیسے اس کے ں فوری طور پر کوئی جواز نہیں تھا یا پھر وہ اسے کہنا نہیں چاہتی تھی۔

"ہر تعلق توڑ کر جا رہی ہو؟" ایک سوال مزید ہوا تھا۔ مگر ساہیہ خاموش تھی۔

اوزان کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ عفنان کو معلوم تھا، اسے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہ گی مگر وہ منہ سے کچھ نہیں کہے گی۔ سو اپنے طور پر ہی اس کی بہت سی شاپنگ کر کے آ گیا تھا۔

اندازہ تو نہیں تھا اُسے کیا کیا چاہئے۔ مگر اپنے طور پر اس نے ہر شے کافی کوانٹٹی میں لے لی تھی۔ جیولری کے دس بارہ سیٹ، دس بارہ قیمتی ساڑھیاں، میچنگ جوتے۔ کوشش کی تھی کوئی کسر باقی نہ رہے۔ اب اُسے پسند آنا تھا یا نہیں، وہ نہیں جانتا تھا۔ مگر اسے بتائے بغیر اپنے طور پر یہ سب اسے لے کر Present کرنا چاہتا تھا۔

وہ باتھ لے کر باہر نکلی تھی تو ہر شے یہاں سے وہاں بکھری دیکھ کر کچھ حیران رہ گئی تھی۔

’’کیا ہے یہ؟ ـــــ یہ سب کہاں سے آیا؟‘‘ وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

عفنان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ بھیگے بھیگے گیسو چہرے کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے۔ پانی کی کڑ بوندیں چہرے پر تھیں۔ وہ نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔

’’یہ سب تمہارے لئے ہے۔‘‘

’’میرے لئے؟‘‘ وہ مزید حیران ہوئی تھی۔ ’’مگر کس لئے؟‘‘

’’تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ ایسا مجھے لگا۔‘‘

’’آپ کو لگا یا ممی نے فون کر کے کہا؟‘‘ وہ طنز کرتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان کا سارا اشتیاق دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ وہ لب سکوڑ گیا تھا۔

’’آپ کو لگتا ہے کہ انہوں نے مجھے فون کر کے کہا ہو گا تبھی میں نے ایسا کیا؟‘‘ لہجے میں کچھ ناگواری تھی۔ اس کے لئے یہ سب کر کے جو خوشی اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا، نہیں دیکھ پایا تھا۔

’’آپ سے کچھ بھی ایکسپیکٹ کر سکتی ہوں میں۔ کہیں یہ سب ایک ’’قیمت‘‘ تو نہیں؟‘‘ وہ طنز میں بجھے تیر چلا رہی تھی۔

’’انابیہ ـــــ!‘‘ وہ دھاڑے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ہاتھ اٹھا تھا مگر وہ اسے مار نہیں سکا تھا۔ وہ اپنی نادانی میں کیا کہہ گئی تھی، وہ شاید خود بھی نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

* * *

سردار سبکتگین حیدر لغاری تنہا ہوا تھا تو بہت سی باتوں کو ازسرنو سوچا تھا۔ نگاہ میں ایک چہرہ در آیا تھا۔ وہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ چپ رہتا۔ کچھ نہ کہتا۔ کسی کو نہ بتاتا۔ مگر گی جان گئی تھی۔ اور یہی سچ بھی تھا۔

اس کی زندگی میں بہت عرصے سے کوئی شریک ہو چکا تھا۔ اس کا حصہ بن چکا تھا۔ اور اب وہ بھی اس کا عادی ہو چکا تھا۔

کتنا بدل چکا تھا وہ خود کو اس کے لئے پہلے دن سے اب تک۔ کتنا زیادہ ـــــ!

پر امس تو اس نے نہیں کیا تھا گی سے مگر وہ خود کو میرب کے بارے میں سوچنے سے نہیں روک پا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا ایسا مگر جیسے سوچیں اس سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

جب سے وہ گئی تھی ہر طرف ایک ویرانی ہی ویرانی بکھر گئی تھی۔ اپنے پیچھے کے سارے منظر وہ فانی اور بے جان کر گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، اس بات سے واقف بھی نہیں تھی۔ مگر سچ تھا اس کے بغیر اس کی زندگی میں تھوڑی نہیں، بہت زیادہ کمی واقع ہو چکی تھی۔ ایک خلا سا اُبھر آیا تھا۔ وہ سر جھکائے سموکنگ کر رہا تھا جب مائی چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھیں۔

’’تم سوئے نہیں اب تک گین؟‘‘

’’بس مائی! نیند نہیں آ رہی تھی۔‘‘ اس نے سگریٹ مسلتے ہوئے کہا تھا۔

’’گی کے چلے جانے سے اس گھر کا سُونا پن اور بھی بڑھ گیا ہے نا۔‘‘

’’ہاں ـــــ مگر گی کو تو چلے ہی جانا تھا۔‘‘

’’ہاں ـــــ سچ کہتے ہو۔ گی کو تو جانا ہی تھا۔ آخر کوئی کتنی دیر کہیں رُکتا ہے۔ مہمان کو تو ایک دن جانا ہی ہوتا ہے مگر........‘‘ مائی نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

سردار سبکتگین بچہ نہیں تھا جو کچھ نہ سمجھتا۔ ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی، مائی کیا کہنا چاہ رہی تھیں اور کس کے متعلق۔

’’مجھے میرب بہت یاد آ رہی ہے گین بیٹا! وہ اس گھر میں تھی تو اس گھر کے ویرانے جیسے ختم ہو گئے تھے۔ مگر ایک عرصے بعد پھر وہی سکوت ہے اس گھر میں۔ وہ اس گھر میں آئی تھی تو رونق لائی تھی۔ اپنے قدموں کے ساتھ کئی خواب باندھ لائی تھی۔ میری بوڑھی آنکھوں نے کیسے کیسے خواب بُننے شروع کر دیئے تھے مگر........‘‘

مائی کے لہجے میں ایک حسرت بول رہی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس حسرت کو صاف محسوس کر رہا تھا۔

’’گین بیٹا! آج شام مظہر میاں کا فون آیا تھا۔ میرب کے سلسلے میں بات کر رہے تھے وہ۔ ہمارے درمیان طے پایا تھا کہ یہ رشتہ ختم نہیں ہو گا۔ سو انہوں نے کیس واپس لے لیا۔ مگر اب ہماری طرف سے کوئی پیش رفت نہ پا کر وہ کچھ متفکر سے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ بیٹا! تمہارے دل میں کیا ہے۔ اگر میں سمجھتی بھی ہوں تو شاید اس طور پر نہیں سمجھ پاتی۔ کیونکہ میں اس بچی کو لے کر زیادہ پریشان ہوں۔

تم میرے بیٹے ہو۔ شاید کہیں تم اس سے اتنے خوش نہیں ہو جتنا ایک شوہر کو ہونا چاہئے اس رشتے کو لے کر۔ مگر میں اپنے بیٹے کی کوئی کوتاہی نظر انداز نہیں کر سکتی، صرف یہ سوچ کر کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتی ہوں تمہیں اب اس کی ضرورت اپنی زندگی میں محسوس ہونے لگی ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح ہمیں اس گھر میں اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ہم چاہیں تو اسے اپنے گھر میں بیاہ کر لے بھی آئیں اور تم انکار بھی نہ کر سکو۔ مگر اس سے قبل میں چاہتی ہوں اس بچی کو جتنا سہنا پڑا ہے تم اس کا ازالہ کر دو۔ دل سے۔ کسی زور زبردستی سے نہیں۔ تم نے اس کے ساتھ کہیں نہ کہیں نا انصافی کی ہے۔ تم سے یہ نا انصافی ہوئی ہے۔ تم اس رشتے کو اتنی ایمانداری سے نبھا نہیں پائے جس طور تمہیں نباہنا چاہئے تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تم بے وفائی کے مرتکب ہوئے۔ مگر تم نے اس کا دل دُکھایا ہے گین! ایک شوہر کو اپنی بیوی کی خوشیوں کا ہر طور خیال رکھنا چاہئے اور تم اس کا خیال نہیں رکھ پائے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں چاہتی ہوں تم میرب سے اپنی خوشی سے ملو۔ اور اس بات کا ازالہ کرو۔"

مائی بہت نرمی کے ساتھ اس کو حکم نامہ جاری کر رہی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔

بات کچھ عجیب یا انوکھی نہیں تھی۔

دل بھی تو کچھ ایسا ہی بول رہا تھا۔

اگر مائی کی نہیں بھی سنتا تو دل تو کہہ ہی رہا تھا۔

ہاں وہ اُس کے لئے ضروری تھی۔

تھوڑی نہیں ــــــ کسی قدر نہیں۔

بہت زیادہ۔

مگر یہ بات وہ اس سے کیسے کہتا ــــــ؟

کس طرح کہتا ــــــ؟؟

اس بات کا حل وہ نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔

مگر حل چاہئے تو تھا۔

اگر یہ مسئلہ تھا تو اسے حل تو کرنا ہی تھا۔

مائی اپنی بات کہہ کر کب کی جا چکی تھیں اور وہ اب تک اسی نہج پر سوچ رہا تھا۔

اب تک سو نہیں پایا تھا۔

دل اس کے ساتھ کس طور، کس قدر بندھ چکا تھا، اس کا پتہ اتنی دیر سے کیوں چلا تھا۔

یا پھر اس نے ہی آج تسلیم کیا تھا۔ اپنی کوتاہی کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

❄ ❄ ❄

"انابیہ! تمہیں وہ سب چیزیں پسند آئیں بیٹا؟" مائی نے فون کر کے پوچھا تھا۔

انابیہ چونک پڑی تھی۔ ایک تو بہت عرصے بعد مائی اماں سے بات ہو رہی تھی۔ دوسرا وہ ان کا بہت ادب بھی کرتی تھی۔ جس طرح کہ عفنان کرتا تھا۔

"جی مائی! ــــــ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ......"

"لو ــــــ وہ میرے ہی پاس تو آیا تھا پریشان حال سا۔ بولا تمہارے بھائی کی شادی ہے اور تمہیں وہ بہت سے تحفے تحائف دینا چاہتا ہے۔ اس میں اس کی مدد کروں۔ کیونکہ فاطمہ تو وہاں ہے نہیں۔ سو میں ساتھ چل دی۔ مگر ایک ایک شے میں مرضی عفنان کی ہی رہی۔ بہت پیار کرتا ہے وہ تم سے۔ بہت پریشان تھا کہ پتہ نہیں تمہیں یہ سب پسند بھی آتا ہے کہ نہیں۔ میں تو کہتی رہی بھلا پسند کیوں نہیں آئے گا۔ بیوی کے لئے تو شوہر ایک چھوٹی سی شے بھی اپنی مرضی اور شوق سے لے آئے تو وہ لاکھوں روپے سے زیادہ قیمتی لگتی ہے۔ اور تمہارے لئے تو اس نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔ بیٹا! عفنان کی محبت کی قدر کرنا۔ ایک اچھی بیوی کی یہی نشانی ہے۔ عموماً مشرقی بیویاں بڑی وفا شعار ہوتی ہیں۔ اپنے شوہروں کی بڑی آؤ بھگت کرتی ہیں۔ مگر شوہر پلٹ کر پوچھتا تک نہیں۔ اگر شوہر اس خدمت اور محبت کا کوئی انعام اپنی مرضی اور خوشی سے دے تو اس سے منہ نہیں موڑنا چاہئے۔ ہمارا زمانہ تو گزر گیا۔ یہ تم لوگوں کا زمانہ ہے۔ مگر کچھ باتیں تو اب بھی پرانی ہی ہیں بیٹا!" مائی محبت سے کہہ رہی تھیں۔

انابیہ نے سر ہلا دیا تھا۔

"جی مائی! ــــــ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔"

"اچھا، یہ بتاؤ ساس کب واپس آ رہی ہیں تمہاری؟ کچھ زیادہ لمبا ٹور نہیں ہو گیا ان لوگوں کا؟" ائی مسکرائی تھیں۔ "ہاں بھئی، جب گھر سنبھالنے کو ایک اچھی بہو موجود ہو تو پھر ساس کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری بہو میرب بھی میرے گھر میں آ جائے تو میں بھی سب ذمہ داریوں اور کاموں سے چھٹی لے کر لمبے عرصے کے لئے نکل جاؤں گی۔" مائی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ "بیٹا! وقت نکال کر ایک چکر مائی اماں کی طرف بھی لگاؤ۔"

"جی مائی! ضرور۔ اوزان کی شادی نمٹ جائے تو پھر بس چکر لگاتے ہیں۔ آپ سنائیے، کب رخصتی کروا رہی ہیں سبکتگین بھائی کی دلہن کی؟"

"بس بیٹا! جلد ہی۔" مائی نے کہا تھا۔ "اچھا بیٹا! میں فون رکھتی ہوں۔ پھر بات کرتے ہیں۔ اپنا خیال رکھنا۔"

"جی مائی ــــــ!" وہ سعادت مندی سے بولی تھی۔

فون ہاتھ میں لئے وہ کتنی دیر ساکت سی بیٹھی رہی تھی۔

❄ ❄ ❄

گاڑی گھر کے پورچ میں رکی تھی۔ ساہیہ دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔

"ساہیہ!" وہ چلتی ہوئی آگے بڑھ جانے کو تھی جب اذہان گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور سے سرعت سے پکارا تھا۔ وہ رک گئی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔

”اپنے اور میرے بیچ کے رشتے کو ان خاموشیوں کی نذر مت کرو۔“

”ساہیہ! آئی وونا لسن یور پلائے۔ آئی وونا لسن دی ریزن۔ ٹیل می۔“ اُسے شانوں سے تھام ک اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ ساہیہ خاموشی سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

”میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ہے ازہان! ـــــ آئی ایم ٹائرڈ۔ ہم صبح با کریں گے۔ گڈ نائٹ۔“ وہ کہہ کر سرعت سے پلٹی تھی جب ازہان نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔

ازہان نے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”آئی نیڈ یو۔ ڈیم اٹ۔ آئی نیڈ یو۔ فور مائی ہول لائف۔ ایک دن کے لئے، دو چار دن کے ل بھی نہیں، پوری عمر کے لئے ضرورت ہے مجھے تمہاری۔ آئی مین اِٹ۔ تمہارے بنا میں بہت ادھو ہوں۔ پلیز مجھے اس طرح ادھورا مت چھوڑو۔ یو کمپلیٹ می بے بی! سو ڈونٹ گو۔ پلیز اسٹے۔“ مدھ سرگوشیوں میں کیا کیا کچھ نہ تھا۔

وہ سر اٹھائے نگاہ ساکت کئے اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنی قریب تھی وہ۔ اسے کس طرح نگاہ چرا چاہئے تھی۔ سب بھول گئی تھی وہ۔ اپنے، اس کے تعلقات میں اتنی، اس درجہ قربت پہلی بار محسوس ک تھی۔ اس کی نگاہوں کی وہ تپش پہلی بار محسوس کی تھی۔ وہ سانسوں کی تپش جو اس گھڑی اس کے چہر کو جھلسا رہی تھی، وہ پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔

یہ سب بہت نیا تھا۔ اور شاید پہلی بار تھا۔ اس سے پہلے ازہان نہ اس کے اتنا قریب آیا تھا نہ ا طرح اس سے اظہارِ بیاں کیا تھا۔ وہ حیران نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔

اس کی نگاہ اسی طرح ساکت تھی۔ جب ازہان نے سر جھکا کر اس کی پیشانی پر بڑی عقیدت اپنے لب رکھ دیئے تھے۔

”آئی نیڈ یو ـــــ آئی ریئلی نیڈ یو ساہیہ ـــــ!“ وہ اسے خود سے بھینچے بہت مدھم لہجے میں کہ رہا تھا اور ساہیہ کو وہ پل ساکت لگے تھے۔ کسی خواب جیسے۔

جیسے وہ وقت کوئی خواب تھا۔ حقیقت کا جس سے دور تک واسطہ نہ تھا۔

* * *

اپنی غلطی کا کچھ اندازہ تو تھا۔ مگر وہ اس طرح فوری طور پر اسے ایکسپیکٹ نہیں کر سکتی تھی۔ قصو سارا اس کا نہیں تھا۔ کچھ قصور تو عفنان علی خان کا بھی رہا تھا۔ سو پھر وہ کیوں جھکتی۔ اور پھر روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہا دینے سے کہیں سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ کون کتنی محبت اب بھی کرتا ہے۔ اور کرتا بھ ہے کہ نہیں۔ گو تحفے تحائف ہیں تو محبت کی ہی نشانی مگر۔ وہ ماننے کو اب بھی تیار نہیں تھی۔

سو شام میں لامعہ اور اوزان کی مایوں کے لئے وہ اس کی لائی گئی بیش قیمت جدید تراش خراش ک ساڑھی زیب تن کئے اور جیولری پہنے زینہ اتری تو وہ بالکل بھی نہ چونکا۔ حالانکہ اسے چونکنا تو چا

تھا۔ یہی تیاری کچھ دل سے ہوئی تھی۔ فان کلر کی ساڑھی میں بہت بچ رہی تھی۔ مگر عفنان نے ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہ ڈالی تھی۔ انابیہ کو اپنی تیاری ضائع ہو جانے پر ملال تو ہوا تھا مگر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کی طرف پہنچی تھی۔ وہ متوجہ نہیں ہوا تھا۔

”آپ سامان پیک کر لیتیں۔“ اس کی طرف دیکھے بغیر کہا گیا تھا۔

”کس لئے؟“ وہ چونکی تھی۔

”آپ کے بھائی کی شادی ہے۔ پھر کہیں گی ظلم کر دیا آپ پر۔ آپ کو اس گھر اور چار دیواری میں قید کر دیا گیا۔ مجھے تو ڈر ہے دہائی دے کر کہیں دو چار این جی اوز کو نہ بلا لیا جائے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی یہیں ہو رہی ہے۔ ہیومن وائلیشن والی تنظیمیں تو مفت میں دھر لیں گی مجھے۔“ وہ طنز کے تیر تابڑ توڑ برسا رہا تھا۔ انابیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر بولی تھی۔

”بری لگتی ہوں نا آپ کو؟ ـــــ ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کھڑا کیوں نہیں کر دیتے پھر آپ؟“ آنکھوں میں بھرپور نمی تھی۔

عفنان علی خان کو اپنے لہجے کی سختی کا اندازہ ہوا تھا۔

”آئی ایم سوری ـــــ آئی ڈِڈ ناٹ مین ٹو ہرٹ یو۔“ جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال والا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ مگر انابیہ نے وہ ہاتھ ایک جھٹکے سے جھٹک دیا تھا۔

”بہت بری لگتی ہوں نا آپ کو ـــــ جینا دوبھر کر دیا ہے نا آپ کا۔ دم گھٹتا ہے نا آپ کا میرے ساتھ ایک چھت تلے رہتے ہوئے۔ تو ختم کر دیجئے سب۔ کیا ضرورت ہے زبردستی کا بوجھ ڈھونے کی؟ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں آپ؟ ـــــ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود چلی جاؤں تو ٹھیک ہے۔ میں ہی چلی جاتی ہوں۔“ ایک پل میں فیصلہ لیتی ہوئی وہ پلٹی تھی جب ہاتھ عفنان کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ عفنان ایک قدم آگے بڑھا کر اس کے مقابل آن رکا تھا۔ اس کے چہرے کو چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا رہا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور اپنے چہرے کے قریب کر کے ان پلکوں کی ساری نمی چن لی تھی۔

اس کی آنکھیں بتاؤ کیسی ہیں؟
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

”ان آنکھوں کی نمی کبھی نہیں دیکھ سکتا میں ـــــ ان آنکھوں میں نمی کبھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ کیونکہ یہ آنکھیں آج بھی مجھے اس دنیا میں ہر شے سے زیادہ پیاری ہیں۔“ بہت مدھم لہجے میں سرگوشی ہوئی تھی اور انابیہ بُت سی بن گئی تھی۔ نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی صرف۔ حیرت سے سوا حیرت تھی۔

”آئی لو یو انابیہ! ـــــ لیس، آئی اسٹل ڈو ـــــ وہاٹ اباؤٹ یو؟ ـــــ میں آج بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔ میری جنوں خیزی اب بھی ویسی ہی ہے۔ تمہارے لئے میری محبت کبھی نہ کم ہوئی تھی نہ کبھی ہو گی۔ اظہار کو زبان نہ ملے تو محبت مر نہیں جاتی۔ محبت ختم نہیں ہوتی انابیہ! اگر میں تم سے نہیں کہہ سکا، کچھ حالات ایسے رہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اب تم سے محبت نہیں کرتا۔ کرتا

ہوں۔ بے حد، بے حساب کرتا ہوں۔ میں تو آج بھی اتنا ہی پاگل ہوں۔ تم جن بدگمانیوں میں سانس لیتی رہیں میں انہیں کبھی اس طور ختم نہیں کر سکا۔ مگر تم نے یہ کیسے جان لیا کہ میں تم سے تنگ آ چکا ہوں۔ یا اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔ اور انابیہ کی سماعتیں سراب ہوتی جا رہی تھیں۔

محبت کو اظہار کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے
چاہے کتنی بھی پرانی ہو جائے
اس کی جڑیں چاہے دور تک پھیل جائیں
مگر ضرورت رہتی ہے کہنے کی
مجھے تم سے محبت ہے——!

اگر آج عفنان اس طرح نہ کہتا تو وہ اپنے طور پر کیا کیا سمجھی بیٹھی تھی۔ اس کی سانسوں کی تپش اس کے چہرے پر تھی۔ وہ اپنا بھرپور استحقاق استعمال کر رہا تھا۔ اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھے وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور وہ نگاہ اٹھ نہیں رہی تھی۔ وہ اندر تک سرشار ہو گئی تھی۔ محبت کی بارش پور پور اُسے بھگو گئی تھی۔

"انابیہ!—— میں ہمیشہ سننا چاہتا تھا تم سے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو مگر میں بھی تو بدگمان ہو سکتا ہوں نا۔ میں بھی سننا چاہتا ہوں انابیہ! تم نے کبھی مجھ سے محبت کی یا نہیں؟" وہ ان لمحوں کو خوشبوؤں میں باندھ رہا تھا۔

انابیہ سر جھکائے مسکرا دی تھی۔

"آپ جانتے ہیں—— پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ نگاہ بارِ حیا سے جھکی جاتی تھی۔

"کیا جانتا ہوں میں؟—— میں تو کچھ نہیں جانتا۔ ہاں جاننا ضرور چاہتا ہوں۔" اس رنگوں بھرے چہرے کو بھرپور دلچسپی سے تکتے ہوئے وہ بولا تھا۔ انابیہ سر جھکائے مسکرا دی تھی۔

"آپ جانتے ہیں۔ کوئی خود کو کسی کو یونہی نہیں سونپ دیتا۔"

"اوہ، آئی سی۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر مسکرا دیا تھا۔ "تو یہ دونوں طرف برابر لگی ہوئی تھی یعنی۔ بڑی گھنی ہیں آپ۔ کبھی خبر ہی نہیں ہونے دی۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"جھوٹ مت بولیں۔ خبر تو آپ کو تھی۔" وہ اسے پکڑتے ہوئے بولی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"میں بھی بندہ بشر ہوں۔ سمجھ سکتا ہوں کہ اب آپ کو مجھ سے محبت نہیں رہی۔" آنکھوں میں شرارت بھرے وہ بولا تھا۔

"نہیں—— ایسا نہیں ہے عفنان!" وہ بولی تھی۔

"پھر کیسا ہے انابیہ؟" وہ شرارت پر مائل تھا۔

"مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ اتنی نہ سہی، مگر ہے ضرور۔ تبھی تو میں اس گھر سے کہیں نہ جا سکی۔ ہمیشہ آپ سے شکوے کرتی رہی۔ اگر محبت نہیں ہوتی تو کوئی کمپلین کیوں کرتی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"اوہ—— تو کمپلینز کا مطلب محبت ہوتا ہے۔ اوہ، رائٹ۔ یہ بات مجھے نہیں پتہ تھی۔" وہ مسکرایا تھا۔ "تو ٹھیک ہے—— اب آپ جتنی زیادہ کمپلینز کریں گی، میں اتنا ہی سمجھوں گا کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ مجھے یونہی فضول میں اتنے دنوں تک لگتا رہا کہ میں زبردستی کوئی حق وصول کر رہا ہوں۔ اگر وہ خودسپردگی تھی تو اس کے بارے میں مجھے اتنی دیر بعد کیوں بتایا گیا؟" وہ شرارت پر مائل تھا۔

انابیہ نے مسکراتے ہوئے اس کے حصار سے خود کو نکالا تھا۔

"جلدی چلیں—— وہاں مایوں کی رسم شروع نہ ہو چکی ہو۔ ممی نے مجھے پہلے آنے کا کہا تھا اور میں لیٹ ہوں۔"

عفنان نے اسے تھام کر ایک بار پھر قریب کر لیا تھا۔

"سچ کہوں—— بالکل بھی موڈ نہیں ہے اب کہیں جانے کا۔ ایسا کرتے ہیں ہم فون کر کے منع کر دیتے ہیں، ہم نہیں آ رہے۔ آج ہمارا موڈ محبت کرنے کا ہے——!" شرارت سے کہتے ہوئے جیب سے سیل فون نکالا تھا۔ جب انابیہ نے مسکراتے ہوئے اس کا سیل والا ہاتھ نیچے کر دیا تھا۔

"اس کام کے لئے بہت سا وقت ہے ہمارے پاس۔ مگر فی الحال وہاں اوزان اور لامعہ ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے۔" وہ خالصتاً بیویوں والے انداز میں ڈپٹتے ہوئے بولی تھی۔ وہ مسکرایا تھا۔

"ٹھیک ہے—— لیکن تم وہاں رات نہیں رہو گی۔ میرے ساتھ گھر واپس آؤ گی۔ رائٹ؟" وہ آگے بڑھی تھی اس کا ہاتھ تھام کر جب وہ رک کر وہیں پر جم کر شرط رکھتے ہوئے بولا تھا۔

انابیہ بلش ہو کر رہ گئی تھی مگر پھر دیر ہونے کے خیال سے فوراً سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے—— چلئے اب۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا تھا۔

انابیہ کو پہلی بار سب کچھ بہت دلکش لگا تھا۔ اس اونچے لمبے شخص کا اپنے قدموں سے قدم ملا کر چلنا۔ اسے ایک لمحے میں اپنی دنیا بہت مکمل لگی تھی۔

❄❄❄

اُس کی بانہوں کی گرفت میں ہی نہیں وہ اس کی نظروں کی تپش سے بھی پگھل رہی تھی۔

"کو می دا ریزن ساہیہ!—— وائے یو لیو می؟—— صرف ایک بار کہو، تم کیوں چھوڑ کر جانا چاہتی ہو مجھے؟"

ساہیہ کو اپنا آپ ایک لمحے میں بہت ہارتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

وہ سمجھی تھی وہ تعلق "تعلق خاص" نہیں۔ اس کی کوئی امپورٹنس نہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھی ہان کو اس کے دور جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تو وہ غلط تھی۔

"اذہان! بہت کوشش کی تھی میں نے۔ مگر مجھے لگتا تھا میں ہار رہی ہوں۔ کہیں کوئی شے تمہارے یرے درمیان ہے۔ وہ جو ہونا چاہئے تھا، وہ نہیں ہے۔ وہ احساس، وہ فیلنگز میں تنہا نہیں جگا سکتی تھی جو اس رشتے کی ضرورت ہیں۔ سو میں نے ڈیسائیڈ کیا کہ تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں۔ میں نے کبھی

چاہے کچھ بھی کہا ہو مگر میں ایک لڑکی ہوں۔ اندر سے میری فیلنگز بھی کچھ مختلف نہیں ہیں۔ میں تمہیں مکمل طور پر اپنا دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر آئی واز فیلنگ مائے سیلف ٹمل ڈاؤن۔ سیم تھنگ واز ٹمل اِن سائیڈ۔ اور وہ سہنا میرے لئے آسان نہیں تھا۔ سو میں نے سوچا اگر کوئی رشتہ ورک نہیں کرتا تو اسے چھوڑ دینا بہتر ہے۔ کیونکہ میں نے اپنا سو فیصد بیسٹ اس رشتے کے لئے دیا تھا اور ـــــ!“

اور تم سمجھتی ہو میں نے سو فیصد نہیں دیا؟“ اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر نگاہ چرا گئی تھی۔

”ساہیہ ـــــ!“ اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا تھا۔

”ہنی! میں نے بھی اپنا بیسٹ دیا ہے۔ سو فیصد۔ آئی ایم یورس۔ میں تمہیں اپنا آپ سونپ رہا ہوں۔ اور اس دن کے لئے میں نے تم سے وقت چاہا تھا جب میں کہہ سکوں کہ میں تمہارا ہوں۔ اور آج کا ایک ایک لمحہ مجھے بتا گیا کہ اگر تم میری زندگی سے جاتی ہو تو میں بالکل خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔ کچھ نہیں رہے گا میرے پاس ـــــ تم مجھے ادھورا کر جاؤ گی ـــــ کیا تم مجھے ادھورا کرنا چاہتی ہو؟“ براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔ ساہیہ کچھ دیر تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ پھر یک دم اس نے سر انکار میں ہلا دیا تھا اور اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

”یو کمپلیٹ می اذہان! اینڈ آئی ڈونٹ وانٹ ٹو گو اینی ویئر ناؤ۔“ بہت مدھم لہجے میں وہ اپنا اقرار اسے سونپتے ہوئے بولی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

پہلی بار اس نے خود کو بہت پُرسکون پایا تھا۔

اور مکمل بھی ـــــ!

❄❄❄

وہ بہت فریش سی اٹھی تھی۔ کسی طرح کی کوئی ٹینشن اب اس کے چہرے پر نہ تھی۔ وہ ریلیکس تھی۔ تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آئی تھی۔ زوباریہ نے ناشتہ لگا دیا تھا۔ فانی بیٹھا تھا اور پاپا بھی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

”گڈ مارننگ ـــــ!“

”گڈ مارننگ بیٹا! ـــــ سو یو آر ریڈی ٹو ڈو ورک ایٹ یور آفس۔“ پاپا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

”یس پاپا ـــــ آئی ایم ـــــ!“

”اوہ ـــــ تو بیٹی آج آفس سنبھالنے جا رہی ہیں۔ دیٹس اے گڈ ڈی سی ژن۔“ زوباریہ اس کے لئے چائے انڈیلتی ہوئی مسکرائی تھی۔

”تھینکس زوباریہ! ـــــ خود کو ناکارہ کرنے سے بہتر ہے میں پاپا کے ساتھ ان کے کام میں کسی قدر ہاتھ بٹاؤں۔“

”ہاں ـــــ بالکل صحیح فیصلہ کیا تم نے۔ تمہیں یہ بہت پہلے کر لینا چاہئے تھا۔ بیٹی ہو یا بیٹا، آخر کو والدین کے بازو ہوتے ہیں۔“ زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اسے ایپری شیٹ کیا تھا۔

میرب خوش خوش ناشتہ کرنے لگی تھی جب گھر کے پورچ میں گاڑی رُکنے کی آواز آئی تھی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ملازم اندر داخل ہوا تھا۔

”صاحب! سردار سبکتگین حیدر لغاری آئے ہیں۔ میرب بی بی سے ملنا چاہتے ہیں۔“

مظہر سیال ہی نہیں، وہ بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

”اچھا ٹھیک ہے ـــــ انہیں اندر بلاؤ۔“ مظہر سیال نے کہا تھا۔ میرب کی دھڑکنیں ٹھہرنے کو تھیں۔ تو کیا فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی؟ فیصلہ ہو گیا تھا؟ ـــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے طے کر لیا تھا جو آج اس کو مطلع کرنے آن پہنچا تھا؟ ـــــ وہ اپنے ایک نئے دن کی شروعات کرنے چلی تھی۔ ایک نئی اُمنگ اور حوصلے کے ساتھ بیدار ہوئی تھی اور وقت اس کے لئے کیا طے کرنے چلا تھا ـــــ!!!

”صاحب کہہ رہے ہیں، بی بی صاحبہ باہر آ جائیں۔ وہ ان کا انتظار کر رہے ہیں۔“ تھوڑی ہی دیر بعد ملازم دوبارہ سر پر تھا۔

میرب کی دھڑکنیں بند ہونے کو تھیں۔ قسمت اس کے لئے جانے کیا لکھ چکی تھی۔ کیا طے کر چکی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی۔

”جاؤ بیٹا!“ پاپا بولے تھے۔

وہ ہمت کر کے اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی میں اس کا منتظر تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھی تھی۔

”گڈ ڈے!“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا۔

”گڈ ڈے!“ وہ مروتاً بولی تھی۔

”ہاؤ آر یو؟“ احوال پوچھا گیا تھا۔

میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ جواباً پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ سو نہیں پوچھا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مطمئن انداز اسے بتا رہا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ کر کے آیا تھا۔

”سو اینی پلان فور ٹو ڈے؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے سوال پوچھ پوچھ کر کسی حد تک تو حیران کر ہی رہا تھا۔

”کچھ خاص نہیں۔ پاپا کے ساتھ آفس جا رہی تھی۔“

”واؤ ـــــ ہاؤ ونڈرفل اِز دیٹ۔ تو کب سے یہ کام سنبھالا تم نے؟“

”آج ہی سے۔“

”گڈ ـــــ لیکن تم اگر آفس سنبھالو گی تو پھر میرا گھر کون سنبھالے گا؟“

”کیا ـــــ؟؟؟“ مطمئن لہجے میں کہا گیا ایک جملہ اسے حیرتوں میں ڈال گیا تھا۔ بے حد چونک

کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ خلافِ معمول!!!

''سوری ـــــ!!!'' وہ جیسے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی تھی۔

''آفس کی ذمہ داریاں سنبھالنا اچھی بات ہے میرب! مگر میں چاہتا ہوں میری وائف میری اور میرے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالے۔'' اتنی بڑی تبدیلی کی اُمید میرب کو نہیں تھی۔ یہ صبح اس کے لئے کیا لے کر آئی تھی۔ اس نے وقت کو خود کے حوالے کیا تھا اور ـــــ!

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور بہت آہستگی سے بولا تھا۔

''آئی ایم سوری میرب! اِف آئی ایور ہرٹ یو۔ بٹ آئی ڈِڈ ناٹ مینٹ ٹو اوفینڈ یو۔'' بہت انکساری سے وہ بولا تھا۔

میرب سیال اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

ایسے پتھر صفت انسان سے اس بات کی اُمید نہیں تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے زندگی میں کبھی کسی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے لگتا تھا کوئی کہیں بھی ضروری نہیں ہے۔ تم نے دیکھا، مجھے واقعی رفاقتوں پر اعتبار نہیں تھا۔ یہ ٹھہرنا، رُکنا مجھے نہیں آتا تھا مگر...... پھر مجھے رُکنا اچھا لگا۔ میں رُک گیا۔ ٹھہر گیا۔ اور میرا دل ان لمحوں کو روکنے کو چاہنے لگا۔ میں وقت کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ شاید تبدیل ہو رہا تھا۔ اس ساتھ کو ایکسپٹ کر رہا تھا۔ مگر میں مان نہیں رہا تھا ـــــ بٹ آئی کنسیڈر اِٹ ناؤ۔ یو چینجڈ می میرب! ـــــ دیٹ واز یو! ـــــ وہ تم تھیں جس نے میری زندگی کو نئے زاویوں پر موڑا۔ مجھے نئے طریقوں سے سوچنا سکھایا۔ مجھے بتایا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ کسی کے لئے سوچنا کیوں اچھا لگتا ہے۔ جاگنا کیوں اچھا لگتا ہے۔ یہ تم نے مجھے سکھایا۔ میں ہار چکا تھا میرب! شاید بہت پہلے۔ مگر میں ماننے کو تیار نہیں تھا۔ ہمیشہ تمہارے خلاف رہا میں۔ ہمیشہ تمہارے خلاف بات کی۔ تمہارا دل دُکھایا۔ بہت برا ہوں نا میں۔ تم چاہو تو مجھے کوئی بھی سزا دے سکتی ہو۔ آئی وِل ایکسپٹ دیٹ۔ بٹ بی فور دیٹ لٹ می سے۔ آئی ڈو ہیئر اباؤٹ یو۔ پلیز گو می آ چانس ٹو ٹیک کیئر آف یو۔ فور ہول مائی لائف۔ ـــــ لٹ می پروٹیکٹ یو ـــــ لٹ می لو یو ـــــ!

میں اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک سانس تمہارے ساتھ بتانا چاہتا ہوں میرب! مجھے موقع دو کہ میں تمہیں اپنا آپ پروف کرا سکوں۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔ بہت سی محبت ہے میرب! بہت سی محبت سونپنا چاہتا ہوں میں۔ مجھے چانس دو۔ اِک عمر گزار کر مجھے احساس ہوا ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اور اس محبت کے رنگ کچے نہیں میرب!''

بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔ اس کے لہجے میں صفائی تھی۔ ایک یقین تھا ـــــ میرب سیال اس کی طرف خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں، یقین تھا کہ وقت اس کے لئے اتنا بدل سکتا ہے۔ یہ شخص اتنا بدل سکتا ہے، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کیا واقعی بدل چکا تھا وہ۔

کل تک جو اُسے کیسی کیسی آفرز دے رہا تھا اور آج ـــــ!

''تم مجھ سے بدگمان ہو میرب! دیٹ آئی نو۔ تم مجھ سے خوش نہیں ہو، یہ بات جانتا ہوں میں۔

ہت زیادہ آفنڈ کیا ہے میں نے تمہیں۔ آئی ڈونٹ نو، وہاٹ آئی ڈیزرو۔ بٹ اِف یو تھنک آئی ڈونٹ یزرو دین یو کین ٹیک یور سیلف بیک۔ فیصلہ میں تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں میرب! میں نے تم پر یشہ اپنی مرضی تھوپی ہے۔ مگر اب میں ایسا نہیں چاہتا۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہارے لئے بہتر ہوں تو یو کین کم الونگ وِدمی۔ میں فیصلے کا حق تمہیں دے کر تمہیں آزاد چھوڑتا ہوں۔ میں فطری طور پر حکم دینے کا عادی رہا ہوں مگر اپنی زندگی کے اس فیصلے کے لئے میں تم پر کوئی زبردستی نہیں چاہتا۔ مگر یہ بات سچ ہے کہ آئی ایم اِن لو وِد یو۔ بیڈلی اِن لو وِد یو۔ میں نے کبھی کسی کے لئے اپنی نیند برباد نہیں کی۔ مگر ہمارے لئے جانے کتنی راتوں تک جاگا ہوں میں۔ میں نے کبھی کسی کے لئے لمحے نہیں گنے، مگر تمہارا نظار کرتے ہوئے میں نے لمحوں کو شمار کیا ہے میرب! تم نے مجھے بدل دیا۔ میرے سوچنے کے انداز کو ل دیا۔ اگر تم میری زندگی میں نہیں آتی تو شاید میں بہت ہی بے معنی سی زندگی گزار رہا ہوتا۔ مائی کو لگتا ہے تم میرے لئے بہترین انتخاب ہو۔ مجھے اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ بسر کرنی چاہئے۔

کی بھی یہی سوچتی ہے کہ تم سے زیادہ بہتر لڑکی میری زندگی میں نہیں آ سکتی۔ اور میں ـــــ رب! میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ تم سے زیادہ بہتر مجھے کوئی نہیں مل سکتی۔ مگر تم کیا سوچتی ہو، یہ بات یادہ اہم ہے میرے لئے۔ میں سیلفش نہیں ہونا چاہتا۔ اگر میں صرف اپنے بارے میں سوچ کر ہی ملہ صادر کر دوں تو یہ نا انصافی ہو گی۔ سو اس بار فیصلے کا حق تمہارے پاس ہے۔ میں نے تم سے تم تک سفر طے کیا ہے۔ میں نے ہمت کی ہے۔ میں تم تک آیا ہوں۔ مگر تمہارے راستے کیا راہ اختیار کریں لے یا تمہارے راستوں کی کیا سمت ہونی چاہئے یہ تم طے کرو گی۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟''

اس نے تمام باتیں کر کے فیصلے کا حق اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ میرب کے لئے یہ لمحہ اتنا کل نہیں تھا مگر اتنا کچھ سہا تھا اور اب اتنا کچھ سنا تھا کہ آنکھیں بھیگے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔

وہ اس کی سمت سے نگاہ ہٹائے ہوئے اپنی آنکھوں کو نمی کی راہ دینے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر ری اسے چپ چاپ دیکھنے لگا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ٹشو نکال کر ہاتھ اس کے سامنے کر دیا تھا۔

''میرب! تمہاری آنکھوں میں آنسو میں کبھی بھی نہیں دیکھ سکا۔ بہت مشکل لمحہ ہوتا ہے یہ میرے ئے۔ اس کے باوجود کہ میں نے تمہیں بہت بہت رُلا دیا ہے، میں تمہیں کبھی بھی رُلانا نہیں چاہتا تھا۔ ر کبھی کبھی، بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کے خلاف ہو جاتا ہے۔ سو میں بھی وقت کو کبھی اپنے ، میں نہیں کر پایا۔ آج جب سب کچھ میرے اختیار میں ہے تو تب بھی میں خود کو بہت زیادہ بے یار محسوس کرتا ہوں۔ تم کیا سوچتی ہو میرب! پلیز، اپنے بارے میں بات کرو۔ میں کیا سوچتا ہوں، کیا تا ہوں یہ اہم نہیں ہے۔ تم کیا سوچتی ہو، کیا چاہتی ہو، یہ اہم ہے۔''

اتنے اہم موڑ پر ایک مشکل ترین فیصلے کا حق اسے سونپ رہا تھا وہ۔ دریا دلی سی دریا دلی تھی۔

بھلا ہو تیرا تُو نے مجھ کو
رہائی تو دی اور پَر کاٹ ڈالے
وہ فیصلہ کرتی بھی تو کیا کرتی ـــــ سوچتی بھی تو کیا سوچتی!

اس کی زندگی کی سمت تو بہت عرصہ پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔ وہ تو بس راہ پر چل رہی تھی۔ اس کی سمت سفر کر رہی تھی۔ اور وہ——!

’’گین! تمہارے لئے زندگی چاہے کچھ بھی رہی ہو، مگر میرے لئے زندگی کا مفہوم ہمیشہ سے تم تھے۔ میرے ہر راستے پر، ہر منزل پر میں نے تمہیں کھڑا پایا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اگر میں ہاتھ بڑھاتی تھی تو تم کہیں نہیں تھے۔ مگر میرے خوابوں میں، میرے خیالوں میں، میری زندگی میں، میری انگلی تھامے ہر سمت تم تھے۔

تم سے ہمیشہ دور بھاگنا چاہتی تھی میں۔ مگر جب بھی تم سے دور بھاگنا چاہتی تھی، کھلتا یہی تھا کہ درحقیقت تمہاری ہی سمت بھاگ رہی ہوں۔ میرا سفر تو ہمیشہ سے تمہاری ہی سمت تھا اور یہ بات میں تمہیں بتا بھی چکی ہوں۔ کہہ رہی ہوں کہ تم میرے لئے کیا ہو۔‘‘

وہ مکمل توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔

اور میرب کہہ رہی تھی۔

’’تم اور مجھ میں سب سے بڑا فرق ہے گین! تم بہت اگوئیسٹ ہو۔ اپنی غلطی نہیں مانتے۔ مانتے بھی ہو تو بہت دیر سے۔ جبکہ میں—— میں بہت جلد کسی بھی بات کے لئے ایکسکیوز کر سکتی ہوں۔ تم نے اتنی چھوٹی سی بات کو ماننے میں اتنی دیر کر دی۔ اتنے زیادہ دن—— گین! تم جیسا شخص جس کے لئے اپنی پوزیشن، اپنے اسٹیٹس کے لئے ایک ایک لمحہ اہم ہے، ایک ایک منٹ حتمی ہے تم نے اتنے دن ایک چھوٹی سی بات کو تسلیم کرنے میں لگا دیئے۔

صرف اتنی چھوٹی سی بات کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

گین! یہ سچ ماننا تمہارے لئے اتنا مشکل تھا کہ لوگوں کو تمہیں فورس کرنا پڑا۔ آج اگر تم میرے سامنے ہو تو اس لئے کہ مائی اماں نے کہا کہ آئی ایم سو گڈ فور یو۔ تم آج مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہو۔ صرف اس لئے کہ گی نے تم سے کہا کہ میں تمہارے لئے بہترین ہوں۔ مگر گین! تم—— تم خود—— تمہاری مرضی کیا ہے؟ تم جیسا بزنس ٹائیکون، کروڑوں کی بزنس ڈیلز کرنے والا بندہ خود اپنا نفع نقصان نہیں جان پایا۔ اسے خود معلوم نہیں کہ اس کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا——!‘‘

’’سنو میرب!—— میں......‘‘

’’میری بات کمپلیٹ نہیں ہوئی ابھی سردار سبکتگین حیدر لغاری! پلیز لسن ٹو می۔ تم نے مجھے بولنے کا اختیار دیا ہے تو میری سنو بھی۔ تم خود کیوں جان نہیں پائے کہ میں تمہارے لئے کتنی ضروری ہوں۔‘‘

میرب بولی تھی۔ اُسے لگا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی برداشت جواب دے جائے گی اور وہ غصے میں اسے گاڑی سے باہر نکال دے گا اور خود گاڑی دوڑاتا واپس گھر چلا جائے گا۔ مگر اس کے اندازوں کے برعکس وہ مسکرا دیا تھا۔

وہ شخص مسکرا رہا تھا اور اس کے لئے یہی باعث حیرت تھا۔ یعنی وہ شخص بہت حد تک واقعی بدل چکا تھا۔

’’میرب!—— ہنی!—— میں اگر تمہارے سامنے ہوں تو اس کے کئی ریزنز تمہیں بتا چکا ہوں۔ سب سے بڑا ریزن محبت ہے میرب! اور محبت کا کوئی ریزن نہیں ہے۔ کیونکہ محبت کسی ریزن کے بغیر ہوتی ہے۔ اور آئی لو یو وِد آؤٹ اینی ریزن——!‘‘

بہت مدلل اور ٹھوس بات کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے لبوں کے قریب لے گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اتنی ہی نرمی سے بولا تھا۔

’’آئی لو یو میرب!—— آئی رئیلی لو یو۔ میرے پاس اس سے بڑا ریزن کوئی نہیں ہے۔ اور اس بات کے لئے مجھے کسی نے فورس نہیں کیا۔ میں خود یہ بات کہہ رہا ہوں۔ کیا تم اپنی ساری لائف میرے ساتھ گزارنا چاہو گی؟‘‘ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ بولا۔

میرب کچھ لمحوں تک اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے اپنا سر ہلا دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے تھاما تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ بہت عقیدت سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے اور پھر دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

’’میرب! آئی لو یو ہنی!—— اینڈ آئی وِل نیور لٹ یو ڈاؤن۔ تمہیں زندگی میں کسی بھی مقام پر میں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ لیکن کہیں پھر بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو تم کمپلین کر سکتی ہو۔ میں اپنی غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے تم سے دُور رہ کر زندگی کو جانا ہے۔ اس کے بعد میں تم سے دُور کبھی نہیں رہنا چاہوں گا۔ سو میں نے مائی سے کہہ دیا ہے کہ فوراً رخصتی کی بات کر لیں۔ ناؤ آئی ڈونٹ وانٹ ویسٹ ٹائم اینی مور۔ پہلے ہی بہت سا وقت گنوایا ہے۔‘‘ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور میرب سیال کے چہرے پر کئی رنگ بکھر گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور آگے بڑھا دی تھی۔

’’کہاں جا رہے ہیں ہم؟‘‘ میرب نے پوچھا تھا۔ اندر ایک اطمینان سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا بازو اس کے گرد پھیلا تھا اور اس کا سر بدستور اس کے شانے پر تھا۔ مگر گاڑی ریورس گیئر میں باہر نکلتے دیکھ کر اس کی پوزیشن یک دم ہی تبدیل ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے گرد سے اپنے بازو کا حصار نہیں ہٹایا تھا مگر اس نے اپنا سر ہٹا لیا تھا اس کے شانے پر سے۔

’’ہم مائی سے ملنے جا رہے ہیں میرب! اپنی بہو سے بہت اداس ہے ان کا جی۔ اور وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ ہم آج ایک اچھی نیوز کے ساتھ ان کی مورننگ بھی اچھی بنا دیں گے۔ ان کے خیال سے میں ان کا ایک نالائق بیٹا ہوں جو اب تک انہیں ایک عدد بہو اور چار پوتے نہیں دے سکا۔ بٹ ناؤ آئی ڈسپائیٹڈ۔ اِٹس ڈن۔ ہم فوراً ہی ہنی مون پر جائیں گے اور اس مشن پر کام شروع کر دیں گے۔‘‘ وہ مسکرا رہا تھا اور میرب سیال کا چہرہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ چکا تھا۔

’’تمہارا کیا خیال ہے؟—— بچے کتنے ہونے چاہئیں؟‘‘ وہ معمول سے ہٹ کر بول رہا تھا اور میرب میں قطعاً ہمت نہیں تھی اس کا کوئی جواب دینے کی۔

’’مجھے نہیں پتہ۔‘‘ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تھی۔

وہ ہنس دیا تھا۔

"پتہ تو مجھے بھی نہیں ـــــ لیکن جتنے بھی ہوں اچھے ہونے چاہئیں۔ گرلز لائیک یو اینڈ گائز لائیک می ـــــ!"

"گین ـــــ!" وہ ڈپٹتی ہوئی بولی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔ اس طرح ہنستا ہوا وہ اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی اور اس کے خود کے اندر بھی اطمینان ہی اطمینان تھا۔

گاڑی سیاہ کول تار کی سڑک پر بھاگ رہی تھی اور وہ اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"آئی وِل بی لوِنگ یو فور ایور۔"

جملے کی صداقت پر اُسے اعتبار تھا۔ تبھی وہ بھی مسکرا دی تھی۔

(تمت بالخیر)